وَمَآ اٰتٰکُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ وَمَا نَھٰکُمْ عَنْهُ فَانْتَھُوْا
رسول اللہ جو کچھ تم کو دیں اُس کو لے لو اور جس سے منع کریں اس سے باز آجاؤ
فضل المعبود
فی شرحہ
سُنَن اَبی دَاوٗد شریف
جلد دوم
درست متن مع اُردو ترجمہ و شرح
شیخ الحدیث مولانا منظور احمد دامت فیوضھم
فاضل دار العلوم دیوبند، استاد دار العلوم الشہابیہ سیالکوٹ، سابق پروفیسر اسلامیہ یونیورسٹی بہاولپور
المصباح

وما آتاکم الرسول فخذوہ وما نہاکم عنہ فانتہوا

رسول اللہ جو کچھ تم کو دیں اس کو لے لو اور جس سے منع کریں اس سے باز آجاؤ

فضل المعبود

فی شرحہ

سنن ابی داؤد شریف

جلد دوم

درست متن مع اردو ترجمہ و شرح

شیخ الحدیث مولانا منظور احمد دامت فیوضہم

فاضل دارالعلوم دیوبند، استاد دارالعلوم الشہابیہ سیالکوٹ، سابق پروفیسر اسلامیہ یونیورسٹی بہاولپور

تقسیم کنندہ

بک لینڈ

۱۶- اردو بازار، لاہور

سٹی پلازا، کالج روڈ، راولپنڈی

نام کتاب ______ (المعنون) سُنَن اَبی دَاوٗد شریف

مصنف ______ ابوداود سلیمان بن الاشعث السجستانی رحمہ اللہ

شرح ______ مبنی بر بذل المجہود از علامہ خلیل احمد سہارنپوری رحمہ اللہ

مترجم و شارح ______ شیخ الحدیث مولانا منظور احمد دامت فیوضہم فاضل دارالعلوم دیوبند
استاد دارالعلوم الشہابیہ سیالکوٹ، سابق پروفیسر اسلامیہ یونیورسٹی بہاولپور

ناشر ______ المصباح ۱۶- اردو بازار، لاہور

فضل المعبود

شرح اردو سنن ابی داؤد شریف مجلد ثانی

فہرست مندرجات

صَلوٰۃ الجُمُعَۃِ

تقاریظ

عالی مرتبت جناب مولانا محمد مالک کاندھلوی شیخ الحدیث جامعہ اشرفیہ لاہور

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ نحمدہٗ ونصلی علی رسولہ الکریم!

ناچیز کو اس بات پر انتہائی مسرت اور خوشی ہے کہ ادارۂ ناشران قرآن لمیٹڈ لاہور نے سنن ابی داؤد کا ترجمہ فضل المعبود اور تشریحی حواشی شائع کر کے علم حدیث کی ایک عظیم ترین خدمت انجام دی ہے۔ شائع کردہ ترجمہ شیخ الحدیث مولانا منظور احمد سیالکوٹی کا ہے جو ملک کے مستند اور بلند پایہ عالم دین اور دار العلوم الشہابیہ کے شیخ الحدیث ہیں۔ موصوف کی صلاحیتیں اہل علم میں معروف ہیں۔ فضل المعبود بلاشبہ علم حدیث کی ایک عظیم اور قابل قدر خدمت ہے۔ طلبہ اور اہل علم ان شاء اللہ زائد سے زائد مستفید ہوں گے۔ بالخصوص تشریح احادیث میں بذل المجہود جیسی بلند پایہ شرح کے مضامین کا اقتباس تلخیص اس کی اہمیت وعظمت میں اور اضافہ کرنے والی خصوصیت ہے۔ خداوند عالم اپنے فضل سے اس کو قبول فرمائے اور نافع بنائے۔ آمین۔

ادارہ ناشران قرآن لمیٹڈ تفسیر وحدیث اور جملہ اسلامی علوم کو شائع کرنے والا پاکستان کا عظیم ادارہ ہے میں اس جلیل القدر خدمت پر اسکو صمیم قلب سے ہدیہ تہنیت وتبریک پیش کرتا ہوں، دعا ہے کہ اللہ رب العزت کتاب فضل المعبود کو طلبہ اور اہل علم کے لیے بہترین ذخیرہ بنائے۔ وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین۔ بندہ ناچیز محمد مالک کاندھلوی ۱۸ صفر ۱۴۰۸ھ

عالی مرتبت جناب مولانا سید حامد میاں، مہتمم، جامعہ مدنیہ، لاہور

الحمد للہ رب العلمین والصلاۃ والسلام علی سیدنا محمد خاتم الانبیاء والمرسلین وعلی آلہ واصحابہ وتابعیھم واتباعھم اجمعین۔

اما بعد:- میں نے حضرت مولانا منظور احمد صاحب دامت برکاتہم کی کی جلیل القدر کتاب "فضل المعبود" متعدد مقامات سے دیکھی۔ مجھے یہ طریقہ بہت پسند آیا کہ حنفی المسلک محدثین کرام کی حدیث شریف پر لکھی ہوئی تصانیف کے تراجم اردو وغیرہ زبانوں میں شائع کیے جائیں تاکہ عوام کو جہاں فقہی مسئلہ میں حدیث شریف کی دلیل دیکھنے کی ضرورت ہو تو وہ بھی دیکھ سکیں۔

فقہاء کرام رحمہم اللہ نے مسائل استنباط کر کے صرف مسائل ہی یکجا کر کے بہت سی کتابیں لکھیں تاکہ عوام کو زیادہ سے زیادہ سہولت حاصل ہو اس طرح انہوں نے عربی اردو فارسی میں۔ بچوں، بڑوں، مردوں اور عورتوں تک کے لیے دین پر عمل کرنا آسان کر دیا۔

جزاھم اللہ خیراً

لیکن اس سے بعض لوگ یہ غلط فہمی پیدا کر رہے ہیں کہ حنفی حضرات کے مسائلِ فقہ، حدیث کے خلاف ہیں جبکہ حقیقت صرف یہ ہے کہ حنفی علماء نے قرآن پاک اور احادیث مقدسہ ہی سے یہ مسائل نکالے ہیں۔ ایسی صورت میں اس غلط پروپیگنڈے کا جواب

ایسی ہی کتابوں کی اشاعت سے ہو سکتا ہے جو حدیث کی شروح کی صورت میں لکھی گئی ہیں اور اسی سے یہ حقیقت آشکارا ہو سکتی ہے کہ فقہ سے نفرت اور دشمنی بیجا ہے اور یہ بہت بڑی محرومی ہے۔

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ مولانا کی یہ سعی مقبول ہو اور اس طرح کی سب کتابوں کی اشاعت کی مزید توفیق ہو۔

وھو الموفق والمعین

حامد میاں عفی عنہ

یکشنبہ ۸ر ذیقعدہ ۱۴۰۷ھ

عالی مرتبت جناب مولانا نور محمد، مہتمم، جامعہ دار العلوم، وانا (جنوبی وزیرستان)

(باسمہ تعالیٰ شانہ نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم)

اما بعد:- صحاح ستہ میں سنن ابی داؤد کا مقام اور اہمیت اہل علم کے لیے محتاج بیان نہیں ہے۔ یہ ایک ناقابل انکار حقیقت ہے کہ سنن ابی داؤد کے شارحین میں سے اگر کسی نے حق تشریح ادا کیا ہے تو وہ علامہ کبیر محدث جلیل شیخ خلیل احمد سہارنپوری رحمہ اللہ تعالیٰ ہی تھے جنہوں نے بذل المجہود فی حل ابی داؤد جیسی جامع، مانع، مفصل اور مدلل شرح تالیف کی۔

تاہم چونکہ یہ شرح لغت عربی میں تالیف ہوئی۔ لہٰذا اس کی افادیت عربی دان طبقے تک محدود تھی۔ حالانکہ برصغیر میں عربی دان حضرات کا تناسب آٹے میں نمک کے برابر ہے۔ اندریں حالات اشد ضرورت تھی کہ سنن ابی داؤد کے مطالب اور بذل المجہود کی گرانقدر توضیحات کا نچوڑ اختصار کے ساتھ آسان تر اسلوب سے اردو میں منتقل کر دیا جائے تاکہ یہ شرح عام فہم ہو جائے۔ چنانچہ آج میرے سامنے فضل المعبود مجلد اول موجود ہے جسے دیکھ کر انتہائی خوشی ہوئی کہ اللہ تعالیٰ نے ایک عظیم خلا کو پُر کرنے کے لیے ناشران قرآن لمیٹڈ اردو بازار لاہور کو منتخب فرمایا ؎

این سعادت بزور بازو نیست   تا نہ بخشد خدائے بخشندہ

بجا طور پر یہ ادارہ اور اس عظیم کام میں عرق ریزی کرنے والے جملہ خادمان احادیث شریف، تبریک اور افتخار کے مستحق ہیں۔

نور محمد عفی اللہ عنہٗ

(مزید تقاریظ صفحہ ۶۸۷ پر ملاحظہ ہوں)

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

بَابُ الدُّعَاءِ فِي الصَّلٰوةِ

نماز میں دعاء کا باب

۸۸۱۔ حَدَّثَنَا عَمْرُو بْنُ عُثْمَانَ نَا بَقِيَّةُ نَا شُعَيْبٌ عَنِ الزُّهْرِيِّ عَنْ عُرْوَةَ أَنَّ عَائِشَةَ أَخْبَرَتْهُ أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَدْعُو فِي صَلَاتِهِ اللّٰهُمَّ إِنِّي أَعُوذُ بِكَ مِنْ عَذَابِ الْقَبْرِ وَأَعُوذُ بِكَ مِنْ فِتْنَةِ الْمَسِيحِ الدَّجَّالِ وَأَعُوذُ بِكَ مِنْ فِتْنَةِ الْمَحْيَا وَالْمَمَاتِ اللّٰهُمَّ إِنِّي أَعُوذُ بِكَ مِنَ الْمَأْثَمِ وَالْمَغْرَمِ فَقَالَ لَهُ قَائِلٌ مَا أَكْثَرَ مَا تَسْتَعِيذُ مِنَ الْمَغْرَمِ فَقَالَ إِنَّ الرَّجُلَ إِذَا غَرِمَ حَدَّثَ فَكَذَبَ وَوَعَدَ فَأَخْلَفَ

عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے عروہؒ کو بتایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی نماز میں یہ دعاء کرتے تھے : اَللّٰهُمَّ إِنِّي أَعُوذُ بِكَ مِنْ عَذَابِ الْقَبْرِ وَأَعُوذُ بِكَ مِنْ فِتْنَةِ الْمَسِيحِ الدَّجَّالِ وَأَعُوذُ بِكَ مِنْ فِتْنَةِ الْمَحْيَا وَالْمَمَاتِ اَللّٰهُمَّ إِنِّي أَعُوذُ بِكَ مِنَ الْمَأْثَمِ وَالْمَغْرَمِ "اے اللہ میں قبر کے عذاب سے تیری پناہ مانگتا ہوں اور مسیح دجال کے فتنے سے تیری پناہ مانگتا ہوں اور زندگی اور موت کے فتنے سے تیری پناہ مانگتا ہوں۔ اے اللہ میں نافرمانی اور قرض سے تیری پناہ مانگتا ہوں" کسی شخص نے حضورؐ سے کہا کہ آپ قرض سے اس قدر خدا کی پناہ کیوں مانگتے ہیں؟ تو فرمایا کہ آدمی جب مقروض ہو تو بات چیت میں جھوٹ بولتا ہے اور وعدہ خلافی کرتا ہے۔

شرح : فی الصلاۃ سے مراد یہاں سلام سے قبل تشہد کی دعائیں ہیں۔ امام بخاری نے صحیح میں باب کا نام ہی یہ رکھا ہے : باب الدعاء قبل السلام۔ عبداللہ بن مسعودؓ کی حدیث میں حضورؐ کا ارشاد آیا ہے کہ تشہد کے بعد آدمی جو دعاء چاہے مانگ لے۔ ابن خزیمہ کی روایت میں طاؤسؒ سے یہی دعاء قبل السلام اور بعد التشہد منقول ہے اور وہ غالبًا کچھ الفاظ کے اختلاف سے یہی زیر نظر حدیث عائشہ صدیقہؓ ہے۔ مسلم نے اسی قسم کی دعاء کی روایت ابوہریرہؓ سے مرفوعًا کی ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ سلام کے قبل اور دعائیں مانگنے سے پہلے یہ استعاذہ کرنا مسنون ہے۔ اس استعاذے میں اگر غور کیا جائے تو دنیا و آخرت کی سب بھلائیاں جمع ہو چکی ہیں۔

۸۸۲۔ حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ نَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ دَاوُدَ عَنِ ابْنِ أَبِي لَيْلَى عَنْ ثَابِتٍ الْبُنَانِيِّ عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ أَبِي لَيْلَى عَنْ أَبِيهِ قَالَ صَلَّيْتُ إِلَى جَنْبِ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي صَلٰوةٍ تَطَوُّعٍ فَسَمِعْتُهُ يَقُولُ أَعُوذُ بِاللّٰهِ مِنَ النَّارِ وَيْلٌ لِأَهْلِ النَّارِ۔

ابو لیلیٰ رضی اللہ عنہ نے کہا کہ میں نے نفل نماز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پہلو میں پڑھی پس میں نے آپ کو یہ فرماتے سُنا: میں آگ سے اللہ کی پناہ مانگتا ہوں، اہلِ جہنم کے لیے شدید عذاب ہے (ابو لیلیٰ انصاری رضی اللہ عنہ صحابی تھے۔ ان کے نام میں بڑا اختلاف ہے، ان میں سے ایک نام تھا: بلال، داؤد، بُلیل، یسار، اوس۔ کنیت سے ہی مشہور و موسوم ہوتے تھے)

۸۸۳۔ حَدَّثَنَا اَحْمَدُ بْنُ صَالِحٍ نَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ وَهْبٍ اَخْبَرَنِيْ يُوْنُسُ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ عَنْ اَبِيْ سَلَمَةَ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ اَنَّ اَبَا هُرَيْرَةَ قَالَ قَامَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِلَى الصَّلٰوةِ وَقُمْنَا مَعَهٗ فَقَالَ اَعْرَابِيٌّ فِي الصَّلٰوةِ اَللّٰهُمَّ ارْحَمْنِيْ وَمُحَمَّدًا وَلَا تَرْحَمْ مَعَنَا اَحَدًا فَلَمَّا سَلَّمَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لِلْاَعْرَابِيِّ لَقَدْ تَحَجَّرْتَ وَاسِعًا يُرِيْدُ رَحْمَةَ اللّٰهِ عَزَّ وَجَلَّ۔

ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نماز میں کھڑے ہوئے اور ہم بھی آپ کے ساتھ کھڑے ہوئے۔ پس ایک بدو نے نماز میں کہا: اے اللہ مجھ پر اور محمد ﷺ پر رحم کر اور کسی اور پر رحم مت کر۔ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سلام کہا تو اُس بدو سے فرمایا تو نے ایک کھلی چیز کو تنگ کر دیا ہے (یعنی رحمت خداوندی کو (یہ معلوم نہیں ہو سکا کہ اُس نے یہ کس محل اور موقع پر کہا تھا)

۸۸۴۔ حَدَّثَنَا زُهَيْرُ بْنُ حَرْبٍ نَا وَكِيْعٌ عَنْ اِسْرَائِيْلَ عَنْ اَبِيْ اِسْحَاقَ عَنْ مُسْلِمٍ الْبَطِيْنِ عَنْ سَعِيْدِ بْنِ جُبَيْرٍ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ اِذَا قَرَاَ سَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْاَعْلٰى قَالَ سُبْحَانَ رَبِّيَ الْاَعْلٰى قَالَ اَبُوْ دَاوٗدَ خُوْلِفَ وَكِيْعٌ فِيْ هٰذَا الْحَدِيْثِ رَوَاهُ وَكِيْعٌ وَشُعْبَةُ عَنْ اَبِيْ اِسْحَاقَ عَنْ سَعِيْدِ بْنِ جُبَيْرٍ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ مَوْقُوْفًا۔

ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب سَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْاَعْلٰى پڑھتے تو سُبْحَانَ رَبِّيَ الْاَعْلٰى کہتے تھے۔ ابو داؤد نے کہا کہ اس حدیث میں وکیع راوی کی مخالفت کی گئی ہے۔ دوسری روایت میں یہ حدیث موقوف آئی ہے (حضور ﷺ کا یہ فرمانا: سُبْحَانَ رَبِّيَ الْاَعْلٰى۔ نوافل میں تھا یا خارج از صلاۃ تھا)

۸۸۵۔ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الْمُثَنّٰى حَدَّثَنِيْ مُحَمَّدُ بْنُ جَعْفَرٍ نَا شُعْبَةُ عَنْ

مُوسَى بْنِ اَبِي عَائِشَةَ قَالَ كَانَ رَجُلٌ يُصَلِّي فَوْقَ بَيْتِهِ وَكَانَ إِذَا قَرَأَ أَلَيْسَ ذٰلِكَ بِقَادِرٍ عَلَى اَنْ يُحْيِيَ الْمَوْتٰى قَالَ سُبْحَانَكَ فَبَلٰى فَسَأَلُوهُ عَنْ ذٰلِكَ فَقَالَ سَمِعْتُهُ مِنْ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اَبُو دَاوُدَ قَالَ اَحْمَدُ يُعْجِبُنِي فِي الْفَرِيضَةِ اَنْ يَدْعُوَ بِمَا فِي الْقُرْاٰنِ.

موسیٰ بن ابی عائشہ نے کہا کہ ایک آدمی اپنے گھر کی چھت پہ نماز پڑھ رہا تھا۔ اور جب وہ پڑھتا: اَلَيْسَ ذٰلِكَ بِقَادِرٍ عَلٰى اَنْ يُّحْيِيَ الْمَوْتٰى، تو کہتا: سُبْحَانَكَ فَبَلٰى۔ "کیا وہ اس پہ قادر نہیں کہ مردے زندہ کرے؟" اور جواب یہ ہے کہ: "تو پاک ہے! کیوں قادر نہیں؟" لوگوں نے اس سے اس کے متعلق پوچھا تو کہنے لگا: میں نے یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا تھا۔ ابو داؤد نے کہا کہ احمد نے کہا کہ مجھے فرائض میں قرآنی دعائیں مانگنی پسند ہیں۔

بَابُ ۳۸ مِقْدَارِ الرُّكُوعِ وَالسُّجُودِ

رکوع و سجود کی مقدار کا باب۔

۸۸۶۔ حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ نَا خَالِدُ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ نَا سَعِيدٌ الْجُرَيْرِيُّ عَنِ السَّعْدِيِّ عَنْ اَبِيهِ اَوْ عَمِّهِ قَالَ رَمَقْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي صَلٰوتِهِ فَكَانَ يَتَمَكَّنُ فِي رُكُوعِهِ وَسُجُودِهِ قَدْرَ مَا يَقُولُ سُبْحَانَ اللّٰهِ وَبِحَمْدِهِ ثَلَاثًا.

سعدی نے اپنے باپ یا چچا سے روایت کی۔ اس نے کہا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو نماز میں دیکھا سو آپ رکوع اور سجدہ میں اتنی دیر ٹھہرتے تھے جتنی دیر میں تین مرتبہ: سُبْحَانَ اللّٰهِ وَبِحَمْدِهٖ کہیں (اس حدیث کا سعدی غیر معروف ہے نہ اس کے نام کا پتہ چل سکا ہے۔ اسی طرح اس کا باپ اور چچا بھی نامعلوم ہیں: عن ابیہ عن عمہ اگر یہ حدیث کسی درجے میں لائق استناد ہے تو اسے بعض احوال پر محمول کیا جائے گا کیونکہ صحاح میں حضور کے بہت طویل رکوع و سجود بیان ہوئے ہیں۔ ان میں سے بعض روایات اوپر گزر چکی ہیں)۔

۸۸۷۔ حَدَّثَنَا عَبْدُ الْمَلِكِ بْنُ مَرْوَانَ الْاَهْوَازِيُّ نَا اَبُو عَامِرٍ وَاَبُو دَاوُدَ عَنِ ابْنِ اَبِي ذِئْبٍ عَنْ اِسْحَاقَ بْنِ يَزِيدَ الْهُذَلِيِّ عَنْ عَوْنِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ مَسْعُودٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا رَكَعَ اَحَدُكُمْ فَلْيَقُلْ ثَلَاثَ

مَرَّاتٍ سُبْحَانَ رَبِّيَ الْعَظِيمِ وَذٰلِكَ أَدْنَاهُ فَإِذَا سَجَدَ فَلْيَقُلْ سُبْحَانَ رَبِّيَ الْأَعْلٰى ثَلَاثًا وَذٰلِكَ أَدْنَاهُ قَالَ أَبُو دَاوُدَ هٰذَا مُرْسَلٌ عَوْنٌ لَمْ يُدْرِكْ عَبْدَ اللّٰهِ۔

عبداللہ بن مسعودؓ سے روایت ہے کہ انہوں نے کہا: جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب تم میں سے کوئی رکوع کرے تو کم از کم تین بار سُبْحَانَ رَبِّيَ الْعَظِيمِ کہے اور جب سجدہ کرے تو کم از کم تین بار سُبْحَانَ رَبِّيَ الْأَعْلٰى کہے۔ ابوداؤدؒ نے کہا کہ یہ حدیث مرسل ہے کیونکہ عون نے عبداللہ کو نہیں پایا (مرسل کا لفظ یہاں منقطع کا ہم معنیٰ ہے جو توسعًا بولا گیا ہے۔ عون بن عبداللہ بن عتبہ بن مسعود، عبداللہ بن مسعودؓ کے بھائی عتبہ کا پوتا ہے۔ علاوہ ازیں اسحاق بن یزید ہُذلی بھی اس روایت میں ایک مجہول راوی ہے۔

۸۸۸۔ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ مُحَمَّدٍ الزُّهْرِيُّ نَا سُفْيَانُ حَدَّثَنِي إِسْمٰعِيلُ بْنُ أُمَيَّةَ قَالَ سَمِعْتُ أَعْرَابِيًّا يَقُولُ سَمِعْتُ أَبَا هُرَيْرَةَ يَقُولُ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ قَرَأَ مِنْكُمْ بِالتِّينِ وَالزَّيْتُونِ فَانْتَهٰى إِلٰى اٰخِرِهَا أَلَيْسَ اللّٰهُ بِأَحْكَمِ الْحَاكِمِينَ فَلْيَقُلْ بَلٰى وَأَنَا عَلٰى ذٰلِكَ مِنَ الشَّاهِدِينَ وَمَنْ قَرَأَ لَا أُقْسِمُ بِيَوْمِ الْقِيٰمَةِ فَانْتَهٰى إِلٰى أَلَيْسَ ذٰلِكَ بِقَادِرٍ عَلٰى أَنْ يُحْيِيَ الْمَوْتٰى فَلْيَقُلْ بَلٰى وَمَنْ قَرَأَ وَالْمُرْسَلٰتِ فَبَلَغَ فَبِأَيِّ حَدِيثٍ بَعْدَهُ يُؤْمِنُونَ فَلْيَقُلْ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ قَالَ إِسْمٰعِيلُ ذَهَبْتُ أُعِيدُ عَلَى الرَّجُلِ الْأَعْرَابِيِّ وَأَنْظُرُ لَعَلَّهُ فَقَالَ يَا ابْنَ أَخِي أَتَظُنُّ أَنِّي لَمْ أَحْفَظْهُ لَقَدْ حَجَجْتُ سِتِّينَ حَجَّةً إِلَّا وَأَنَا أَعْرِفُ الْبَعِيرَ الَّذِي حَجَجْتُ عَلَيْهِ۔

ابوہریرہؓ کہتے تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم میں سے جو وَالتِّينِ وَالزَّيْتُونِ پڑھے تو جب آخری آیت أَلَيْسَ اللّٰهُ بِأَحْكَمِ الْحَاكِمِينَ کی تلاوت کرے تو کہے: بَلٰى وَأَنَا عَلٰى ذٰلِكَ مِنَ الشَّاهِدِينَ "کیوں نہیں؟ اور میں اس پر گواہ ہوں" اور جو شخص سورہ لَا أُقْسِمُ بِيَوْمِ الْقِيَامَةِ پڑھے اور آخری آیت تک پہنچے، أَلَيْسَ ذٰلِكَ بِقَادِرٍ عَلٰى أَنْ يُحْيِيَ الْمَوْتٰى۔ تو کہے: بلٰی۔ اور جو شخص سورہ وَالْمُرْسَلَاتِ پڑھے اور اس آیت پر پہنچے۔ فَبِأَيِّ حَدِيثٍ بَعْدَهُ يُؤْمِنُونَ "پس وہ اس کے بعد کس بات پر ایمان لائیں گے؟" تو کہے: آمَنَّا بِاللّٰهِ۔ اسماعیل راوی نے کہا کہ میں اس حدیث کو اعرابی پر دہرانے لگا اور اس سے دوبارہ سننے لگا کہ شاید وہ بھول گیا ہو، تو اس نے کہا: اے بھتیجے! کیا تیرا یہ خیال ہے کہ میں نے اسے یاد نہیں رکھا؟ میں نے ساٹھ حج کئے اور ہر حج جس اونٹ پر کیا تھا اُسے بھی پہچانتا ہوں۔

شرح: اس حدیث کا اس باب سے کوئی تعلق نہیں ہاں گزشتہ باب سے تعلق ہے۔ شاید کسی ناسخ یا کاتب کی

غلطی سے اُس باب کی بجائے اس میں درج ہو گئی ہے۔ اسماعیل بن اُمیہ جس اعرابی سے روایت کرتا ہے وہ اول تو نا معلوم الاسم ہے، بعض نے اس کا نام ابو السبع بتایا ہے مگر اس نام کا راوی مجہول ہے)

۸۸۹۔ حَدَّثَنَا اَحْمَدُ بْنُ صَالِحٍ وَابْنُ رَافِعٍ قَالَا نَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ اِبْرَاهِيْمَ بْنِ عُمَرَ بْنِ كَيْسَانَ حَدَّثَنِيْ اَبِيْ عَنْ وَهْبِ بْنِ مَانُوْسٍ قَالَ سَمِعْتُ سَعِيْدَ بْنَ جُبَيْرٍ يَقُوْلُ سَمِعْتُ اَنَسَ بْنَ مَالِكٍ يَقُوْلُ مَا صَلَّيْتُ وَرَاءَ اَحَدٍ بَعْدَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَشْبَهَ صَلٰوةً بِرَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْ هٰذَا الْفَتٰى يَعْنِيْ عُمَرَ بْنَ عَبْدِ الْعَزِيْزِ قَالَ فَحَزَرْنَا فِيْ رُكُوْعِهٖ عَشْرَ تَسْبِيْحَاتٍ وَفِيْ سُجُوْدِهٖ عَشْرَ تَسْبِيْحَاتٍ قَالَ اَبُوْ دَاوُدَ قَالَ اَحْمَدُ بْنُ صَالِحٍ قُلْتُ لَهٗ مَانُوْسٌ اَوْ مَابُوْسٌ فَقَالَ اَمَّا عَبْدُ الرَّزَّاقِ فَيَقُوْلُ مَابُوْسٌ وَاَمَّا حِفْظِيْ فَمَانُوْسٌ وَهٰذَا لَفْظُ ابْنِ رَافِعٍ قَالَ اَحْمَدُ عَنْ سَعِيْدِ ابْنِ جُبَيْرٍ عَنْ اَنَسِ بْنِ مَالِكٍ۔

انس بن مالکؓ کہتے تھے کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کسی کے پیچھے اس جوان کے سوا نماز نہیں پڑھی جو حضورؐ سے بہت مشابہ ہو، انسؓ کی مراد عمر بن عبد العزیزؒ تھے۔ سعید بن جبیرؒ نے کہا کہ ہم نے رکوع میں اس کی دس تسبیحات اور سجود میں بھی دس تسبیحات کا اندازہ کیا۔ حدیث کے ایک راوی کے نام میں راویوں میں اختلاف ہے۔ عبدالرزاق نے اسے مابوس کہا اور عبداللہ بن ابراہیم نے مانوس کہا (حافظ ابن حجر نے ماہنوس اور مسناس بھی بتایا ہے)

بَابٌ الرَّجُلِ يُدْرِكُ الْاِمَامَ سَاجِدًا كَيْفَ يَصْنَعُ

اس بیان کا باب کہ جو امام کو سجدہ میں پائے تو کیا کرے؟

۸۹۰۔ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ يَحْيَى بْنِ فَارِسٍ اَنَّ سَعِيْدَ بْنَ الْحَكَمِ حَدَّثَهُمْ اَنَا نَافِعُ بْنُ يَزِيْدَ حَدَّثَنِيْ يَحْيَى بْنُ اَبِيْ سُلَيْمَانَ عَنْ زَيْدِ بْنِ اَبِي الْعَتَّابِ وَابْنِ الْمَقْبُرِيِّ عَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا جِئْتُمْ اِلَى الصَّلٰوةِ وَنَحْنُ سُجُوْدٌ فَاسْجُدُوْا وَلَا تَعُدُّوْهَا شَيْئًا وَمَنْ اَدْرَكَ الرَّكْعَةَ فَقَدْ اَدْرَكَ الصَّلٰوةَ

ابوہریرہؓ نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب تم نماز کی طرف آؤ اور ہم سجدے میں ہوں تو تم بھی

سجدے میں چلے جاؤ مگر اسے کچھ (رکعت) شمار نہ کرو، اور جس نے رکوع پا لیا اس نے نماز (رکعت) پا لی۔
شرح: یعنی رکوع پائے بغیر رکعت شمار نہ ہوگی مگر جماعت میں شمولیت کا ثواب ہوگا۔ بقول حافظ ابن حجر ابن حبان نے روایت کی اور اس کی تصحیح کی ہے کہ جس شخص نے امام کے پشت سیدھی کرنے سے پیشتر نماز کی رکعت پا لی تو اسے وہ رکعت مل گئی۔ حافظ صاحب نے کہا کہ ہمارے شافعی اصحاب میں سے محدثین وفقہاء کی ایک جماعت نے کہا ہے کہ مطلقاً رکوع پا لینے سے رکعت شمار نہ ہوگی کیونکہ حدیث میں ہے کہ جس نے رکوع پایا وہ امام کے ساتھ رکوع کرے تو پھر وہ رکعت شمار کرے۔ اور اس قول کو رد کیا گیا ہے کیونکہ یہ قول خلاف اجماع ہے اور دلیل جس حدیث کو بنایا گیا ہے وہ صحیح نہیں۔ نووی رح نے کہا ہے کہ ہر زمانے کے علماء اس کے خلاف رہے ہیں پس یہ قول مردود اور ناقابل اعتماد ہے۔ اور بخاری کا یہ قول کہ: رکوع مل جانے سے رکعت شمار ہو جانے کا قول صحابہ میں سے ان لوگوں کا ہے جو قرأت خلف الامام کے قائل نہیں۔ مگر اس کے قائلین مثلاً ابوہریرہ رض کا یہ قول نہیں۔ اس کا جواب یہ ہے کہ صحابہ کے بعد کے لوگ اس پر اجماع کر چکے ہیں اور یہ اجماع اس بنا پر ہے کہ پہلوں کے دو قول ہوں تو ایک پر اجماع منعقد ہو سکتا ہے۔ اس حدیث اور حافظ ابن حجر رح اور امام نووی رح کی شرح سے یہ بات عیاں ہو گئی کہ فاتحہ خلف الامام رکن صلاۃ اور فریضہ نہیں ورنہ اس کے بغیر نماز نہ ہو سکتی۔ رہی تکبیر تحریمہ اور قیام، سو تکبیر تو نماز میں شامل ہونے والا کہتا ہی ہے اور ذرا سے قیام کے ساتھ یہ فریضہ بھی ادا ہو جاتا ہے۔

بَابُ أَعْضَاءِ السُّجُودِ.

اعضاء سجود کا باب۔

۸۹۱۔ حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ وَسُلَيْمَانُ بْنُ حَرْبٍ قَالَا نَا حَمَّادُ بْنُ زَيْدٍ عَنْ عَمْرِو بْنِ دِينَارٍ عَنْ طَاوُسٍ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ أُمِرْتُ قَالَ حَمَّادٌ أُمِرَ نَبِيُّكُمْ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنْ يَسْجُدَ عَلَى سَبْعَةٍ وَلَا يَكُفَّ شَعْرًا وَلَا ثَوْبًا۔

ابن عباس رض نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کی کہ مجھے حکم دیا گیا، حماد راوی نے کہا کہ تمہارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم دیا گیا کہ سات اعضاء پر سجدہ کریں اور بال اور کپڑا نہ سمیٹیں۔

شرح: مولانا رح نے فرمایا کہ یہ حدیث مسلم، ترمذی اور نسائی میں بھی موجود ہے اور سب جگہ اُمِرَ النَّبِیُّ صلی اللہ علیہ وسلم کے الفاظ ہیں۔ امام ابوداؤد رح نے حماد کی روایت تو بیان کی مگر یہ نہ بتایا کہ وہ کون سا راوی ہے جس نے حضور کی طرف سے اُمِرْتُ کا لفظ بولا ہے۔ یہ اصطلاح محدثین کے خلاف ہے۔ جن سات اعضاء پر سجدہ کرنے کا حکم ہے وہ یہ ہیں: پیشانی، دونوں ہاتھ، دونوں گھٹنے اور دونوں پاؤں۔ بالوں کا جوڑا بنانے کی ممانعت حالت صلاۃ میں ہے، اور کفت سے مراد اگر بالوں کو زمین پر لگنے سے بچانا ہے تو ظاہر ہے کہ یہ تو ہوگا ہی نماز میں۔ بال یا کپڑا سمیٹنا متکبرین کے مشابہ ہے اس لیے مکروہ ٹھہرایا گیا۔ حسن رح کے سوا کسی کے نزدیک اس سے نماز فاسد نہیں ہوتی، ہاں یہ مکروہ ضرور ہے۔

صاحبِ مشکوٰۃ نے باب السجود وفضلہ میں ابن عباس رضی اللہ عنہ کی روایت سے حضور کا یہ ارشاد نقل کیا ہے کہ: اُمِرتُ اَن اَسجُدَ عَلٰی سبعۃِ اَعظُمٍ الخ اور آخر میں ہے: وَلَا نکفت الثیاب وَلَا الشعر۔ صاحبِ مشکوٰۃ نے اسے متفق علیہ بتایا ہے۔ مولانا نے جو بحث کی ہے کہ اُمِرتُ کا لفظ ترمذی، نسائی اور مسلم میں نہیں ہے اُمِرَ کا لفظ ہے، اس کا مطلب یہ ہے کہ صرف حماد بن زید کی روایت میں ان کتابوں میں یہ لفظ نہیں ہے۔ ورنہ ظاہر ہے کہ اُمِرتُ کا لفظ متفق علیہ حدیث میں موجود ہے اور مولانا نے یہی بات زور دے کر کہی ہے کہ حماد کی روایت میں یہ لفظ نہیں ہے۔ حنفیہ کے نزدیک ناک بھی پیشانی میں داخل ہے لہٰذا اسے بھی سجدے میں زمین پر رکھنا ہوگا۔ حضرت سید انور شاہ رحمہ اللہ نے فرمایا ہے کہ امام بخاری نے باب السجود علی الانف میں اپنا رجحان اسی طرف ثابت کیا ہے۔ امام شافعی کے نزدیک بھی (ایک قول میں) ناک کا یہی حکم ہے۔ امام ابوحنیفہ اور صاحبین کے نزدیک فقط پیشانی پر سجدہ کیا جائے اور ناک زمین پر نہ لگے تو سجدہ جائز ہے مگر ناک کو الگ رکھنا مکروہ ہے۔ فقط ناک پر سجدہ کرنا امام ابوحنیفہ کے نزدیک ایک روایت میں جائز اور دوسری میں ناجائز ہے (جائز سے مراد یہ کہ سجدہ ادا ہو جائے گا) امام شافعی اور صاحبین کے نزدیک فقط ناک پر سجدہ ادا نہیں ہوتا۔ عذر کی حالت تو ظاہر ہے کہ ان اختلافات سے ماورا ہے۔ اگر کوئی شخص رخسار پر یا ٹھوڑی پر سجدہ کرے تو بالاجماع ناجائز ہے، حالتِ عذر میں اشارہ کرنے کا حکم ہے۔ سجدے میں اگر دونوں پاؤں زمین سے بلند ہو جائیں تو سجدہ ادا نہ ہوگا۔ ہاتھوں اور گھٹنوں کا زمین پر رکھنا داخل سنت ہے اور شوافع کا مسلک بھی یہی معلوم ہوتا ہے۔ شافعیہ نے ناک کو زمین پر لگانا مستحب کہا ہے مگر استحباب کی کوئی دلیل نہیں ہے لہٰذا اسے بھی حکم وجوب میں ہی سمجھیں گے۔ حضرت شاہ صاحب نے فرمایا کہ امام مالک، ثوری اور اوزاعی کا مذہب بھی ناک کے بارے میں یہی ہے۔

۸۹۲۔ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ ابْنُ كَثِيرٍ اَنَا شُعْبَةُ عَنْ عَمْرِو بْنِ دِينَارٍ عَنْ طَاؤُسٍ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اُمِرْتُ وَرُبَّمَا قَالَ اُمِرَ نَبِيُّكُمْ اَنْ يَسْجُدَ عَلٰى سَبْعَةِ آرَابٍ۔

ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مجھے حکم ملا ہے، اور بعض دفعہ ابن عباس نے کہا کہ تمہارے نبی کو حکم دیا گیا کہ سات اعضاء پر سجدہ کریں۔

۸۹۳۔ حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ نَا بَكْرٌ يَعْنِي ابْنَ مُضَرَ عَنِ ابْنِ الْهَادِ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ اِبْرَاهِيمَ عَنْ عَامِرِ بْنِ سَعْدٍ عَنِ الْعَبَّاسِ بْنِ عَبْدِ الْمُطَّلِبِ اَنَّهُ سَمِعَ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ اِذَا سَجَدَ الْعَبْدُ سَجَدَ مَعَهُ سَبْعَةُ آرَابٍ وَجْهُهُ وَكَفَّاهُ وَرُكْبَتَاهُ وَقَدَمَاهُ۔

عباس بن عبدالمطلبؓ سے روایت ہے کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے سُنا: بندہ جب سجدہ کرتا ہے تو اس کے ساتھ اس کے سات اعضاء سجدہ کرتے ہیں، چہرہ، دونوں ہتھیلیاں، دونوں گھٹنے اور دونوں پاؤں (چہرے سے مراد پورا چہرہ نہیں بلکہ پیشانی اور ناک ہے اور ٹھوڑی اور رخسار نہیں۔

۸۹۴۔ حَدَّثَنَا اَحْمَدُ بْنُ حَنْبَلٍ نَا اِسْمٰعِيْلُ يَعْنِي ابْنَ اِبْرَاهِيْمَ عَنْ اَيُّوْبَ عَنْ نَافِعٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ رَفَعَهُ قَالَ اِنَّ الْيَدَيْنِ تَسْجُدَانِ كَمَا يَسْجُدُ الْوَجْهُ فَاِذَا وَضَعَ اَحَدُكُمْ وَجْهَهُ فَلْيَضَعْ يَدَيْهِ وَاِذَا رَفَعَهُ فَلْيَرْفَعْهُمَا۔

ابن عمرؓ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کی کہ آپ نے فرمایا: جس طرح چہرہ سجدہ کرتا ہے ہاتھ بھی کرتے ہیں۔ جب تم میں سے کوئی اپنا چہرہ زمین پر رکھے تو ہاتھوں کو بھی رکھے، اور جب چہرے کو اٹھائے تو ہاتھ بھی اٹھائے

بَابُ ۴۱ السُّجُوْدِ عَلَى الْاَنْفِ وَالْجَبْهَةِ

ناک اور پیشانی پر سجدے کا باب۔

۸۹۵۔ حَدَّثَنَا ابْنُ الْمُثَنّٰى نَا صَفْوَانُ بْنُ عِيْسٰى نَا مَعْمَرٌ عَنْ يَحْيَى بْنِ اَبِيْ كَثِيْرٍ عَنْ اَبِيْ سَلَمَةَ عَنْ اَبِيْ سَعِيْدِ الْخُدْرِيِّ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رُئِيَ عَلٰى جَبْهَتِهٖ وَعَلٰى اَرْنَبَتِهٖ اَثَرُ طِيْنٍ مِنْ صَلٰوةٍ صَلَّاهَا بِالنَّاسِ۔

ابوسعید خدریؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کو ایک نماز پڑھائی تو بعد میں آپ کی پیشانی اور ناک کے سر پر گیلی مٹی کا نشان دیکھا گیا (یہ ۲۱ رمضان کی فجر کی نماز تھی۔ بارش کے سبب مسجد ٹپک گئی تھی اور آپ نے مٹی اور پانی میں سجدہ کیا تھا۔ کتاب الصوم کی احادیث میں اس کی بعض تفاصیل لیلۃ القدر کے سلسلے میں موجود ہے۔

۸۹۶۔ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ يَحْيٰى نَا عَبْدُ الرَّزَّاقِ عَنْ مَعْمَرٍ نَحْوَهُ۔

اوپر کی حدیث کی یہ دوسری روایت ہے۔

بَابُ ۴۲ صِفَةِ السُّجُوْدِ

۸۹۷۔ حَدَّثَنَا الرَّبِيْعُ بْنُ نَافِعٍ اَبُوْ تَوْبَةَ نَا شَرِيْكٌ عَنْ اَبِيْ اِسْحَاقَ قَالَ وَصَفَ لَنَا الْبَرَاءُ بْنُ عَازِبٍ فَوَضَعَ يَدَيْهِ وَاعْتَمَدَ عَلٰى رُكْبَتَيْهِ وَرَفَعَ عَجِيْزَتَهُ

وَقَالَ هٰكَذَا كَانَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَسْجُدُ۔

ابو اسحاق سبیعی نے کہا کہ براء ابن عازبؓ نے ہمیں سجدہ کر کے دکھایا، دونوں ہاتھ زمین پر رکھے اور گھٹنے نیچے ٹکائے اور اپنی پشت بلند کی اور کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یوں سجدہ کیا کرتے تھے۔

۸۹۸۔ حَدَّثَنَا مُسْلِمُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ نَا شُعْبَةُ عَنْ قَتَادَةَ عَنْ أَنَسٍ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اعْتَدِلُوا فِي السُّجُودِ وَلَا يَفْتَرِشْ أَحَدُكُمْ ذِرَاعَيْهِ افْتِرَاشَ الْكَلْبِ۔

انسؓ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ سجدے میں حالت اعتدال پر قائم رہو اور تم میں سے کوئی اپنے بازو کتے کی مانند نہ بچھائے (یعنی بازوؤں کو زمین کے ساتھ مت لگاؤ جیسے کہ درندے بیٹھتے وقت اگلے پاؤں بچھاتے ہیں۔ حالت اعتدال سے یہ مراد ہے کہ نہ تو پوری طرح زمین پر بچھ جائیں نہ اعضاء کو سکیڑ کر ایک دوسرے سے لگائیں۔ ہتھیلیاں زمین پر ہوں اور کہنیاں اٹھی ہوئی ہوں اور دو پہلوؤں سے بھی علیحدہ ہوں۔ پیٹ کو رانوں سے جدا رکھیں۔ اس صورت میں پوری تواضع اور خشوع کی حالت پیدا ہوتی ہے اور جسم میں غفلت اور سستی نہیں آتی)

۸۹۹۔ حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ نَا سُفْيَانُ عَنْ عُبَيْدِ اللهِ بْنِ عَبْدِ اللهِ عَنْ عَمِّهِ يَزِيدَ بْنِ الْأَصَمِّ عَنْ مَيْمُونَةَ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ إِذَا سَجَدَ جَافَى بَيْنَ يَدَيْهِ حَتَّى لَوْ أَنَّ بَهْمَةً أَرَادَتْ أَنْ تَمُرَّ تَحْتَ يَدَيْهِ مَرَّتْ۔

ام المؤمنین میمونہؓ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم جب سجدہ کرتے تو اپنے ہاتھوں کو پہلوؤں سے جدا رکھتے تھے حتیٰ کہ اگر بھیڑ بکری کا بچہ اگر چاہتا تو آپ کے ہاتھوں کے نیچے سے گزر سکتا تھا اس حدیث کی سند میں ایک راوی عبید اللہ بن عبد اللہ آیا ہے۔ بعض سندوں میں اس کا نام عبد اللہ بن عبد اللہ آیا ہے اور بعض میں عبد اللہ بن عبید اللہ آیا ہے۔ یہ سب نام صحیح ہیں کیونکہ عبد اللہ اور عبید اللہ دو بھائی تھے جن کے باپ کا نام عبد اللہ بن اصم تھا ان میں سے عبد اللہ، عبید اللہ سے بڑا تھا۔ ان دونوں نے اپنے چچا یزید بن اصم سے روایت کی ہے۔ یہ یزید بن الاصم ام المؤمنین میمونہؓ کا بھانجا تھا)

۹۰۰۔ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ مُحَمَّدٍ النُّفَيْلِيُّ نَا زُهَيْرٌ نَا أَبُو إِسْحٰقَ عَنِ التَّمِيمِيِّ الَّذِي يُحَدِّثُ بِالتَّفْسِيرِ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ أَتَيْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْ خَلْفِهِ فَرَأَيْتُ بَيَاضَ إِبْطَيْهِ وَهُوَ مُجَخٍّ قَدْ فَرَّجَ يَدَيْهِ۔

ابن عباس رضؓ نے کہا کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس پیچھے سے آیا پس میں نے آپ کی بغلوں کی سفیدی دیکھی اور آپ نے بازو پہلوؤں سے الگ کر رکھے تھے اور ہاتھوں کو کھولا ہوا تھا (یعنی حالتِ صلوٰۃ میں، اور اس وقت شاید جسم مبارک ننگا تھا، اوپر چادر نہ تھی اور تھی تو چھوٹی تھی لہذا بغلیں کھل گئی ہوں گی)

۹۰۱۔ حَدَّثَنَا مُسْلِمُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ نَا عَبَّادُ بْنُ رَاشِدٍ نَا الْحَسَنُ نَا أَحْمَرُ بْنُ جَزْءٍ صَاحِبُ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ إِذَا سَجَدَ جَافَى عَضُدَيْهِ عَنْ جَنْبَيْهِ حَتّٰى نَأْوِيَ لَهُ۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک صحابی احمر بن جزء رضؓ نے لوگوں کے سامنے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب سجدہ کرتے تو اپنے بازو پہلوؤں سے اس قدر الگ رکھتے کہ ہم آپ پر رحم کھانے لگتے (کہ آپ سید البشر ہو کر اتنی مشقت و تعب سے سجدہ کر رہے ہیں!)

۹۰۲۔ حَدَّثَنَا عَبْدُ الْمَلِكِ بْنُ شُعَيْبِ بْنِ اللَّيْثِ نَا ابْنُ وَهْبٍ نَا اللَّيْثُ عَنْ دَرَّاجٍ عَنِ ابْنِ حُجَيْرَةَ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ إِذَا سَجَدَ أَحَدُكُمْ فَلَا يَفْتَرِشْ يَدَيْهِ افْتِرَاشَ الْكَلْبِ وَلْيَضُمَّ فَخِذَيْهِ۔

ابوہریرہ رضؓ سے روایت ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب تم میں سے کوئی سجدہ کرے تو کتے کی مانند بازو نہ بچھائے اور دونوں رانوں کو ملائے (یعنی رانوں کو ایک دوسری کے قریب کرے مگر دوسری احادیث کی رو سے انہیں پیٹ سے بالکل جدا رکھے)

بَابُ الرُّخْصَةِ فِي ذٰلِكَ

اس میں رخصت کا باب

۹۰۳۔ حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ نَا اللَّيْثُ عَنِ ابْنِ عَجْلَانَ عَنْ سُمَيٍّ عَنْ أَبِي صَالِحٍ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ اشْتَكٰى أَصْحَابُ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَشَقَّةَ السُّجُودِ عَلَيْهِمْ إِذَا انْفَرَجُوا فَقَالَ اسْتَعِينُوا بِالرُّكَبِ

ابوہریرہ رضؓ نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب نے اپنے اوپر سجدہ شاق ہونے کی شکایت کی جبکہ وہ کھل کر سجدہ کرتے، تو حضورؐ نے ارشاد فرمایا کہ گھٹنوں سے مدد لو۔

شرح: ابوداؤد کے دوسرے نسخے میں عنوانِ باب میں لفظ: للضرورۃ کا اضافہ موجود ہے۔ یعنی اگر کھل کر سجدہ کرنا کسی وجہ سے (مثلاً جسم کے بوجھل ہونے، ضعف، پیری یا بیماری) شاق ہو تو بازوں گھٹنوں کے ساتھ ملائے جا سکتے ہیں کیونکہ یہ عذر کی حالت ہے۔ امام ترمذیؒ نے اس حدیث کی متصل روایت کو شاذ کہا ہے کیونکہ وہ صرف لیث بن سعد کی ہے جبکہ مرسل طور پر روایت کرنے والے سفیان بن عیینہؒ اور کئی دوسرے لوگ ہیں۔ لیث بن سعدؒ ثقہ ہے مگر دوسری طرف کئی ثقات ہیں۔ اور اسے ثقہ کا اضافہ بھی نہیں کہا سکتا۔ حافظ ابن حجرؒ نے اسے اس حالت پر محمول کیا ہے کہ سجدے سے قیام کے لیے گھٹنوں کی مدد دی جائے۔ مگر سننِ ابی داؤد کا لفظ اِذَا انْفَرَجُوا اس تاویل کو رد کرتا ہے۔ مولاناؒ نے فرمایا کہ امام ترمذی کا یہ دعویٰ کہ یہ حدیث موصول ہونے کی صورت میں غیر معروف ہے، یہ دعویٰ محلِ نظر ہے کیونکہ شرح معانی الآثار میں امام طحاوی نے یہ روایت موصول بیان کی ہے اور اس میں حیوہ بن شریح جیسا ثقہ، ثبت، زاہد، فقیہ راوی لیث کی موافقت کرتا ہے۔ پس اس حدیث کے متصل ہونے میں کوئی شذوذ نہیں ہے۔

بَابُ التَّخَصُّرِ وَالْإِقْعَاءِ

تخصر اور اقعاء کا باب۔

۹۰۴۔ حَدَّثَنَا هَنَّادُ بْنُ السَّرِيِّ عَنْ وَكِيعٍ عَنْ سَعِيدِ بْنِ زِيَادِ بْنِ صُبَيْحٍ الْحَنَفِيِّ قَالَ صَلَّيْتُ إِلَى جَنْبِ ابْنِ عُمَرَ فَوَضَعْتُ يَدَيَّ عَلَى خَاصِرَتَيَّ فَلَمَّا صَلَّى قَالَ هَذَا الصَّلْبُ فِي الصَّلَاةِ وَكَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَنْهَى عَنْهُ۔

زیاد بن صبیح الحنفی نے کہا کہ میں نے ابن عمرؓ کے پہلو میں نماز پڑھی اور اپنے ہاتھوں کو کوکھوں پر رکھ لیا۔ جب ابن عمرؓ نماز پڑھ چکے تو کہا یہ نماز میں یہ کیفیت تو مصلوب ہونے والے کی مانند ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس سے منع فرماتے تھے۔

شرح: اس باب کے عنوان میں اقعاء کا ذکر غیر مفہوم ہے کیوں کہ اس میں آنے والی حدیث میں اس کا کوئی ذکر نہیں، بلکہ اس سے پہلے کئی احادیث میں اقعاء کی ممانعت گزر چکی ہے۔ تخصر کا معنیٰ ہے نماز میں کوکھوں پر ہاتھ رکھنا۔ روایات میں اس کے لیے تخصر، خصر اور اختصار کے الفاظ آئے ہیں۔ علماء نے اس کے معنیٰ میں اختلاف کیا ہے مگر سننِ ابی داؤد میں عنقریب ایک باب آئے گا۔ باب الرجل یصلی مختصرًا۔ اس میں ایک حدیث درج ہے کہ حضورؐ نے نماز میں اختصار سے منع فرمایا: راوی حدیث ابن سیرینؒ نے اس کی تفسیر یہی بیان کی ہے کہ اس سے مراد: نماز میں کوکھوں پر ہاتھ رکھنا ہے۔ اس کا معنیٰ یہ بھی بیان ہوا ہے کہ آدمی نماز میں سہارا لینے کے لیے عصا پکڑے، عصا کو مخصرہ کہتے ہیں۔ اختصار کا ایک معنیٰ یہ ہے کہ سورت کی قراءت میں اختصار کیا جائے، یعنی آخر سورت سے صرف ایک دو آیتیں پڑھ لی جائیں۔ یہ معنیٰ بھی کیا گیا ہے کہ ارکانِ صلوٰۃ کو مختصر کرنا یعنی قیام اور رکوع اور سجود کو حدِ مسنون سے مختصر کر دیا جائے۔ بقولِ شارحِ ترمذی پہلا قول (یعنی کوکھوں پر ہاتھ رکھنا) ہی صحیح ہے کیوں کہ اہلِ تحقیق اور فقہ و حدیث

اور لغت کے ائمہ نے اس کا یہی مطلب لیا ہے۔ یہ ہیئت اس لیے ممنوع ہے کہ اس میں ابلیس لعین کے ساتھ مشابہت پائی جاتی ہے۔ کہا جاتا ہے کہ جب اسے زمین پہ اتارا گیا تو اس کے ہاتھ کولھوں پر تھے اور جب وہ چلے تو اسی ہیئت سے چلتا ہے۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ یہودی اپنی نماز میں ایسا کرتے ہیں لہذا ان سے مشابہت کی بنا پر نہی کی گئی (ابن ابی شیبہ عن عائشہؓ) یا اس لیے کہ یہ اہل جہنم کی راحت ہوگی (عائشہؓ، مجاہدؒ) اور اس معنیٰ میں ایک حدیث مرفوع بھی بیہقی نے روایت کی ہے۔ امام خطابیؒ نے کہا کہ اہل مصائب جب مجلس ماتم میں جمع ہوں تو اس طرح کھڑے ہوتے ہیں اس سے منع کیا گیا۔

بَابُ ۲۵ الْبُكَاءِ فِي الصَّلٰوةِ

نماز میں رونے کا باب

۹۰۵۔ حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّحْمٰنِ بْنُ مُحَمَّدِ بْنِ سَلَّامٍ نَا يَزِيدُ يَعْنِي ابْنَ هَارُونَ نَا حَمَّادٌ يَعْنِي ابْنَ سَلَمَةَ عَنْ ثَابِتٍ عَنْ مُطَرِّفٍ عَنْ اَبِيهِ قَالَ رَأَيْتُ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُصَلِّي وَفِي صَدْرِهٖ اَزِيزٌ كَاَزِيزِ الرَّحٰى مِنَ الْبُكَاءِ۔

عبداللہ بن شخیرؓ نے کہا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو نماز پڑھتے دیکھا اور آپ کے سینے سے رونے کے جوش کی وجہ سے ایسی آواز نکلتی تھی جیسی کہ چکی کے چلتے وقت نکلتی ہے۔ صلی اللہ علیہ وسلم (اور نسائی کی روایت یہ ہے کہ آپ کے پیٹ میں رونے کا ایسا ابال تھا جیسا کہ ہنڈیا کے ابال کے وقت ہوتا ہے)

بَابُ ۲۶ كَرَاهِيَةِ الْوَسْوَسَةِ وَحَدِيثِ النَّفْسِ فِي الصَّلٰوةِ

نماز میں وسوسے اور نفسانی خیالات کی کراہیت کا باب۔

۹۰۶۔ حَدَّثَنَا اَحْمَدُ بْنُ مُحَمَّدِ بْنِ حَنْبَلٍ نَا عَبْدُ الْمَلِكِ بْنُ عَمْرٍو نَا هِشَامٌ يَعْنِي ابْنَ سَعْدٍ عَنْ زَيْدِ بْنِ اَسْلَمَ عَنْ عَطَاءِ بْنِ يَسَارٍ عَنْ زَيْدِ بْنِ خَالِدٍ الْجُهَنِيِّ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ تَوَضَّاَ فَاَحْسَنَ وُضُوْءَهٗ ثُمَّ صَلّٰى رَكْعَتَيْنِ لَا يَسْهُوْ فِيهِمَا غُفِرَ لَهٗ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهٖ۔

زید بن خالدؓ جہنی سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس نے وضو کیا اور اچھی طرح وضو کیا پھر دو رکعتیں پڑھیں جن میں غفلت وسہو نہ کیا تو اس کے پچھلے گناہ معاف ہوئے۔

شرح: مسلم کی روایت کے الفاظ ہیں: یُحَدِّثُ فِیْهِمَا نَفْسَهٗ "ان دو رکعتوں میں نفسانی خیالات نہ لائے۔ اگر کہا جائے کہ وسوسہ اور حدیث النفس تو غیر اختیاری چیز ہے اس پر یہ حکم کیسے لگایا گیا؟ اس کا جواب یہ ہے کہ دل میں ان کا آنا تو غیر اختیاری بے شک ہے مگر ان کے سلسلے کو باقی رکھنا یا قطع کرنا اختیاری ہے، اسی طرح نماز میں آدمی کا ان خیالات میں مشغول رہنا اور انہی کی طرف متوجہ رہنا اختیاری امر ہے۔ اسی لیے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میری امت کے دل میں آجانے والے وسوسے معاف کر دیئے گئے ہیں جب تک وہ ان پر عمل نہ کرے یا ان کے مطابق کلام نہ کرے۔ اور وساوس سے مراد خالص دنیوی امور ہیں، امورِ اُخروی وساوس نہیں ہیں۔ عمر فاروق اعظمؓ نے فرمایا ہے کہ میں لشکر روانہ کر رہا ہوتا ہوں حالانکہ میں نماز میں ہوتا ہوں۔ اور بخشے جانے والے گناہوں سے مراد اس حدیث میں صغائر ہیں۔ ابواب الطہارۃ میں اس پر مزید گفتگو گزری۔

۹۰۷۔ حَدَّثَنَا عُثْمَانُ بْنُ اَبِیْ شَیْبَةَ نَا زَیْدُ بْنُ الْحُبَابِ نَا مُعَاوِیَةُ بْنُ صَالِحٍ عَنْ رَبِیْعَةَ بْنِ یَزِیْدَ عَنْ اَبِیْ اِدْرِیْسَ الْخَوْلَانِیِّ عَنْ جُبَیْرِ ابْنِ نُفَیْرٍ الْحَضْرَمِیِّ عَنْ عُقْبَةَ بْنِ عَامِرٍ الْجُهَنِیِّ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَا مِنْ اَحَدٍ یَتَوَضَّأُ فَیُحْسِنُ الْوُضُوْءَ وَیُصَلِّیْ رَکْعَتَیْنِ یُقْبِلُ بِقَلْبِهٖ وَوَجْهِهٖ عَلَیْهِمَا اِلَّا وَجَبَتْ لَهُ الْجَنَّةُ

عقبہ بن عامرؓ جہنی سے روایت ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو شخص خوب اچھی طرح وضو کرے اور دو رکعات پڑھے، اپنے دل اور چہرے سے ان پر متوجہ رہے تو اس کے لیے جنت واجب ہوگئی (دل کی توجہ سے تو خلوص قلب اور خشوع وخضوع مراد ہے مگر چہرے کی توجہ یہ ہے کہ ادھر ادھر التفات نہ کرے۔ اگر کوئی مانع پیش نہ آئے تو اُس نے اہل جنت کا کام کیا لہٰذا جنت واجب ہوگئی۔ بظاہر ان دونوں حدیثوں میں نماز سے مراد تحیۃ الوضوء ہے۔

بَابُ الْفَتْحِ عَلَی الْاِمَامِ فِی الصَّلٰوةِ

نماز میں امام کو لقمہ دینے کا باب۔

۹۰۸۔ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الْعَلَاءِ وَسُلَیْمَانُ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ الدِّمَشْقِیُّ قَالَا نَا مَرْوَانُ بْنُ مُعَاوِیَةَ عَنْ یَحْیَی الْکَاهِلِیِّ عَنِ الْمُسَوَّرِ بْنِ یَزِیْدَ الْمَالِکِیِّ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ یَحْیٰی وَرُبَّمَا قَالَ شَهِدْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ یَقْرَأُ فِی الصَّلٰوةِ فَتَرَکَ شَیْئًا لَمْ یَقْرَأْهُ فَقَالَ لَهٗ رَجُلٌ یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ تَرَکْتَ

آيَةَ كَذَا أَوْ كَذَا فَقَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ هَلَّا أَذْكَرْتَنِيهَا قَالَ سُلَيْمَانُ فِي حَدِيثِهِ قَالَ كُنْتُ أُرَاهَا نُسِخَتْ وَقَالَ سُلَيْمَانُ قَالَ نَا يَحْيَى بْنُ كَثِيرٍ۔

مسوّر بن یزید مالکی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قرأت فرماتے تھے، دوسری روایت کے مطابق مسوّر کا بیان ہے کہ میں موجود تھا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نماز میں قرأت فرماتے تھے، آپ نے کچھ چھوڑ دیا جس کی قرأت نہیں کی، تو ایک شخص نے کہا: یارسول اللہ آپ نے فلاں فلاں آیت چھوڑ دی ہے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے فرمایا: تو نے اس وقت مجھے کیوں یاد نہ کرایا؟ سلیمان کی حدیث میں ہے کہ اس شخص نے جواب دیا: میں نے سمجھا کہ وہ آیات منسوخ ہو گئی ہیں۔

شرح: نماز کے بعد اُبی بن کعب رض نے حضور کو یاد دلایا کہ کچھ آیتیں پڑھنے سے رہ گئی ہیں۔ حضور نے اُبی رض بن کعب کو صحابہ میں سب سے بڑا قاری قرآن فرمایا ہے۔ اس حدیث سے معلوم ہو گیا کہ قرآن کی بعض آیات منسوخ التلاوۃ بھی ہوئی تھیں جن کی بناء پر اُبی بن کعب رض نے ان چھوڑی جانے والی آیات کو بھی منسوخ التلاوت سمجھ کر لقمہ نہ دیا۔ پس حدیث سے یہ مسئلہ ثابت ہو گیا کہ امام کو لقمہ دینا چاہیے۔ بدائع الصنائع میں ہے کہ نمازی کو لقمہ دینے والا اگر اس امام کا مقتدی ہے تو خیر، اگر کوئی اور شخص ہے (چاہے نماز میں چاہے خارج از صلوٰۃ) تو اگر نمازی اس کا لقمہ قبول کرے تو اس کی نماز ٹوٹ گئی کیونکہ یہ تلقین من خارج الصلاۃ ہے۔ اگر لقمہ دینے والا نماز میں تھا تو اس کی نماز بھی جاتی رہی کیونکہ یہ تعلّم ہو گیا۔ اسی طرح نمازی اگر کسی باہر کے پڑھنے والے کو لقمہ دے تو اس کی نماز ٹوٹ گئی۔ مقتدی کے لقمہ دینے سے نماز اس حدیث کے باعث نہیں ٹوٹتی نہ مقتدی کی نہ امام کی۔ اس حدیث کا ایک راوی یحیی بن کثیر کاہلی لین الحدیث (نرم حدیث والا) ہے۔

۹۰۹۔ حَدَّثَنَا يَزِيدُ بْنُ مُحَمَّدٍ الدِّمَشْقِيُّ نَا هِشَامُ بْنُ إِسْمَاعِيلَ نَا مُحَمَّدُ بْنُ شُعَيْبٍ أَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ الْعَلَاءِ بْنِ زَبْرٍ عَنْ سَالِمِ بْنِ عَبْدِ اللهِ عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ عُمَرَ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَلَّى صَلٰوةً فَقَرَأَ فِيهَا فَلُبِسَ عَلَيْهِ فَلَمَّا انْصَرَفَ قَالَ لِأُبَيٍّ أَصَلَّيْتَ مَعَنَا قَالَ نَعَمْ قَالَ فَمَا مَنَعَكَ۔

عبداللہ بن عمر رض سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کوئی نماز پڑھی، اس میں قرأت فرمائی تو اس میں اختلاط (گڑبڑ) ہو گیا۔ جب نماز ختم کی تو ابی رض سے فرمایا: کیا تو نے ہمارے ساتھ نماز پڑھی ہے؟ اس نے کہا ہاں۔ فرمایا: تجھے کس چیز نے روک دیا (یعنی تو نے لقمہ کیوں نہ دیا؟ بظاہر یہ وہی اوپر کی حدیث والا واقعہ تھا)

بَابُ ۴۸ النَّهْيِ عَنِ التَّلْقِينِ

تلقین سے نہی کا باب

۹۱۰۔ حَدَّثَنَا عَبْدُ الْوَهَّابِ بْنُ نَجْدَةَ ثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ يُوسُفَ الْفِرْيَابِيُّ عَنْ يُونُسَ بْنِ أَبِي إِسْحَاقَ عَنْ أَبِي إِسْحَاقَ عَنِ الْحَارِثِ عَنْ عَلِيٍّ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَا عَلِيُّ لَا تَفْتَحْ عَلَى الْإِمَامِ فِي الصَّلٰوةِ قَالَ أَبُو دَاوُدَ أَبُو إِسْحَاقَ لَمْ يَسْمَعْ مِنَ الْحَارِثِ إِلَّا أَرْبَعَةَ أَحَادِيثَ لَيْسَ هٰذَا مِنْهَا۔

علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے علی! نماز میں امام کو لقمہ مت دو۔ ابو داؤد نے کہا کہ ابو اسحاق نے حارث سے صرف چار حدیثیں سنی تھیں، یہ ان میں سے نہیں ہے (یعنی روایت منقطع ہے)

شرح: اس حدیث کی سند میں حارث بن عبد اللہ اعور ہمدانی کوفی کا نام ہے۔ یہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے پاس رہا تھا۔ امام شعبہ، ابو اسحاق سبیعی اور علی بن المدینی نے اسے جھوٹا قرار دیا ہے۔ پس یہ روایت اول تو موضوع ہے اور کم از کم ضعیف ضرور ہے۔ یہ حدیث گزشتہ باب کی حدیث کی مخالف ہے (وہ حدیث صحیح یا حسن ہے لہٰذا اسے ترجیح حاصل ہے) معلوم نہیں ابو داؤد نے اس کے لیے ایک الگ باب قائم کر کے اس کا عنوان النھی عن التلقین مقرر کر کے کیا مراد لیا ہے شاید یہ مراد ہو کہ اگر یہ حدیث کسی درجے میں لائق اعتماد سمجھی جائے تو اس سے مراد بے ضرورت لقمہ دینا ہے۔ واللہ اعلم

بَابُ الْاِلْتِفَاتِ فِي الصَّلٰوةِ

نماز میں التفات کا باب۔

۹۱۱۔ حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ صَالِحٍ نَا ابْنُ وَهْبٍ أَخْبَرَنِي يُونُسُ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ قَالَ سَمِعْتُ أَبَا الْأَحْوَصِ يُحَدِّثُنَا فِي مَجْلِسِ سَعِيدِ بْنِ الْمُسَيَّبِ قَالَ قَالَ أَبُو ذَرٍّ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يَزَالُ اللَّهُ عَزَّ وَجَلَّ مُقْبِلًا عَلَى الْعَبْدِ وَهُوَ فِي صَلَاتِهِ مَا لَمْ يَلْتَفِتْ فَإِذَا الْتَفَتَ انْصَرَفَ عَنْهُ۔

ابو ذر رضی اللہ عنہ نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا نماز میں اللہ تعالیٰ بندے پر برابر متوجہ رہتا ہے جب تک کہ وہ گردن ادھر ادھر نہ موڑے۔ جب وہ گردن موڑے تو اللہ تعالیٰ کی توجہ اس سے پھر جاتی ہے۔

شرح: ابو الاحوص راوی کے متعلق امام نسائی کا قول ہے کہ ہم اسے نہیں پہچانتے نہ اس کا نام جانتے ہیں اور ابن شہاب زہری کے سوا کسی نے اس سے روایت نہیں کی۔ ابن معین نے اسے لاشیٔ کہا ہے۔ ابن حبان نے اسے ثقات میں ذکر کیا ہے۔ ابن عیینہ نے کہا کہ جب زہری نے یہ حدیث بیان کی تو کہا کہ التفات سے مراد یہاں کنکریوں کو چھونا ہے۔ (یعنی ایسا کام جو خلاف صلوٰۃ ہو) زہری نے جب اس مجہول شخص ابو الاحوص سے روایت کی تو سعد بن ابراہیم نے

ناراض ہوکر کہا کہ: ابوالاحوص کون ہے؟ زہری نے کہا: کیا تم اس بوڑھے کو نہیں جانتے؟ یہ بنی غفار کا آزاد شدہ غلام تھا، مدنی تھا اور فلاں فلاں مقام پر نماز پڑھا کرتا تھا؟ حاکم ابوعامر نے کہا کہ ابوالاحوص محدثین کے ہاں متین (ثقہ) نہیں ہے۔ ابن القطان نے اسے مجہول کہا ہے اور زہری کا یہ قول کہ وہ سعید بن المسیب کی مجلس میں حدیث بیان کرتا تھا اسے ثقہ قرار نہیں دیتا۔

اللہ تعالٰے کے بندے کی طرف متوجہ رہنے کا مطلب یہ ہے کہ اس پر خدا کی رحمت برابر سایہ فگن رہتی ہے۔ توجہ سب ادہر اُدہر ہو تو اللہ تعالٰے اس سے منہ پھیر لیتا ہے یعنی اس کی نماز کا پورا ثواب نہیں ملتا۔

۹۱۲۔ حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ نَا اَبُو الْاَحْوَصِ عَنِ الْاَشْعَثِ يَعْنِي ابْنَ سُلَيْمٍ عَنْ اَبِيْهِ عَنْ مَسْرُوْقٍ عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ سَاَلْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنِ الْتِفَاتِ الرَّجُلِ فِي الصَّلٰوةِ فَقَالَ هُوَ اِخْتِلَاسٌ يَخْتَلِسُهُ الشَّيْطَانُ مِنْ صَلٰوةِ الْعَبْدِ۔

عائشہ رضی صدیقہ نے فرمایا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے حالتِ صلوٰۃ میں التفات (ادہر اُدہر گردن موڑنے) کے متعلق پوچھا تو ارشاد فرمایا کہ وہ ایک جھپٹنا ہے جو شیطان بندے کی نماز سے چھین جھپٹ لیتا ہے (یعنی یہ شیطانی اثر ہے جس سے صلاۃ کا کمال جاتا رہتا ہے)

بَابُ السُّجُوْدِ عَلَى الْاَنْفِ

ناک پر سجدے کا باب۔

۹۱۳۔ حَدَّثَنَا مُؤَمَّلُ بْنُ الْفَضْلِ نَا عِيْسٰى عَنْ مَعْمَرٍ عَنْ يَحْيَى بْنِ اَبِيْ كَثِيْرٍ عَنْ اَبِيْ سَلَمَةَ عَنْ اَبِيْ سَعِيْدٍ الْخُدْرِيِّ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رُئِيَ عَلٰى جَبْهَتِهِ وَعَلٰى اَرْنَبَتِهِ اَثَرُ طِيْنٍ مِنْ صَلٰوةٍ صَلَّاهَا بِالنَّاسِ قَالَ اَبُوْ عَلِيٍّ هٰذَا الْحَدِيْثُ لَمْ يَقْرَأْهُ اَبُوْ دَاوُدَ فِي الْعَرْضَةِ الرَّابِعَةِ۔

ابوسعید خدری رض سے روایت ہے کہ آپ کی پیشانی اور ناک پر گیلی مٹی کا نشان ایک نماز کے باعث دیکھا گیا جو آپ نے لوگوں کو پڑھائی تھی۔ ابوعلی لؤلؤی بصری نے کہا کہ ابوداؤد نے یہ حدیث چوتھے دورۂ حدیث میں نہیں پڑھی تھی (کیونکہ اوپر: باب السجود علی الانف والجبہۃ میں بعینہ یہ حدیث سند میں کچھ اختلاف کے ساتھ گزر چکی ہے۔ شاید اسے تکرار محض جان کر امام ابوداؤد نے شاگردوں کو چوتھی بار پڑھاتے ہوئے چھوڑ دی تھی۔ (پہلے یہ باب شاید اس لیے رکھا ہوگا کہ حالتِ عذر میں ناک پر اکتفار جائز ہے جیسا کہ ابو یوسف اور محمد کا مذہب ہے اور ابوحنیفہ کے نزدیک بلا عذر بھی جائز مگر مکروہ ہے)

بَابُ النَّظَرِ فِي الصَّلٰوةِ

نماز میں نظر کرنے کا باب

۹۱۴۔ حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ نَا اَبُوْ مُعَاوِيَةَ ح وَنَا عُثْمَانُ بْنُ اَبِيْ شَيْبَةَ نَا جَرِيْرٌ وَهٰذَا حَدِيْثُهٗ وَهُوَ اَتَمُّ عَنِ الْاَعْمَشِ عَنِ الْمُسَيَّبِ بْنِ رَافِعٍ عَنْ تَمِيْمِ بْنِ طَرَفَةَ الطَّائِيِّ عَنْ جَابِرِ بْنِ سَمُرَةَ قَالَ عُثْمَانُ قَالَ دَخَلَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْمَسْجِدَ فَرَاٰى فِيْهِ نَاسًا يُصَلُّوْنَ رَافِعِيْ اَيْدِيْهِمْ اِلَى السَّمَاءِ ثُمَّ اتَّفَقَا فَقَالَ لَيَنْتَهِيَنَّ رِجَالٌ يَشْخَصُوْنَ اَبْصَارَهُمْ اِلَى السَّمَاءِ قَالَ مُسَدَّدٌ فِي الصَّلٰوةِ اَوْ لَا تَرْجِعُ اِلَيْهِمْ اَبْصَارُهُمْ۔

جابر بن سمرہؓ نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مسجد میں داخل ہوئے تو آپ نے اس میں کچھ لوگوں کو آسمان کی طرف ہاتھ اٹھاتے ہوئے دیکھا تو فرمایا کہ لوگ نماز میں آسمان کی طرف نگاہ اٹھانے سے باز آجائیں ورنہ ان کی آنکھیں واپس نہ ہوں گی۔

شرح: اگر لوگ صرف ہاتھ اُوپر اُٹھائے ہوئے تھے تو پھر حضورؐ کے اس ارشاد کی حکمت سمجھ میں نہیں آئی کہ: لوگ نماز میں آسمان کی طرف نگاہ اٹھانے سے باز آجائیں الخ کیونکہ حدیث کے پہلے جزء میں صرف ہاتھ اٹھانے کا ذکر ہے نہ کہ نگاہیں اٹھانے کا۔ اس کا جواب مولاناؒ نے یہ دیا ہے کہ سُنن ابی داؤد کی حدیث میں بہت اختصار ہو گیا ہے، ورنہ مسلم کی روایت تمیم بن طرفہؓ سے ہے کہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے اور فرمایا کیا وجہ ہے کہ میں تمہیں یوں ہاتھ اٹھاتے دیکھتا ہوں گویا کہ وہ سینے یا گھوڑوں کی دُمیں ہیں، نماز میں ساکن رہو۔ مسند احمد کی روایت میں ہے کہ حضورؐ مسجد میں داخل ہوئے تو کچھ لوگوں کو ہاتھ اٹھائے ہوئے دیکھا۔ فرمایا: انہوں نے یوں سینے یا گھوڑوں کی دموں کی مانند ہاتھ اٹھائے ہیں، نماز میں ساکن رہو۔ پھر امام احمدؒ نے ایک اور حدیث بیان کی کہ تم میں سے کوئی آدمی جب نماز میں اپنی نگاہ اور ایک روایت میں اپنا سر اٹھاتا ہے تو کیا وہ اس بات سے نہیں ڈرتا کہ اس کی نگاہ ضائع ہو جائے گی۔ اور نسائی کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کاشانۂ مبارک سے باہر تشریف لائے اور ہم نے نماز میں ہاتھ اٹھائے ہوئے تھے۔ آپؐ نے فرمایا کیا بات ہے کہ انہوں نے سینے یا گھوڑوں کی دُموں کی مانند ہاتھ اٹھائے ہوئے ہیں۔ نماز میں ساکن رہو۔ پس ان احادیث سے معلوم ہو گیا کہ ابوداؤد کی حدیث میں اختصار ہوا ہے اور کچھ الفاظ رہ گئے ہیں۔ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد کہ: لوگ باز آجائیں اس بات کا جواب نہیں ہے کہ حضورؐ نے کچھ لوگوں کو ہاتھ اٹھائے ہوئے نماز پڑھتے دیکھا، بلکہ اس کا جواب یہاں مذکور نہیں ہوا۔ خلاصہ کلام یہ کہ جابر بن سمرہؓ کی حدیث کئی امور پر مشتمل ہے: (۱) نماز میں ہاتھ اٹھانے کی کراہت اور اس میں سکون کا حکم، جیسا کہ مسلم میں ابومعاویہ کے طریق سے جابر بن سمرہؓ کی حدیث میں ہے کہ حضورؐ باہر تشریف لائے تو فرمایا: کیا بات ہے کہ تمہیں سینے یا گھوڑوں

کی دُموں کی مانند ہاتھوں کو اٹھائے ہوئے دیکھتا ہوں، نماز میں سکون اختیار کرو۔ اس امر کے لیے دوسرا سیاق مسلم میں عبید اللہ بن القبطیہ کی روایت میں ہے کہ جابر بن سمرہؓ نے کہا کہ ہم جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نماز پڑھتے تو کہتے: السلام علیکم ورحمۃ اللہ، السلام علیکم ورحمۃ اللہ اور دونوں طرف ہاتھ کا اشارہ کیا، اور ایک روایت میں ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نماز پڑھی، پس ہم جب سلام کرتے تو اپنے ہاتھوں کے ساتھ اشارہ کرتے السلام علیکم السلام علیکم۔ پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم اپنے ہاتھوں سے کس چیز پر اشارہ کرتے ہو؟ اور جابر بن سمرہؓ کی مسلم میں ایک روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہماری طرف دیکھا تو فرمایا: تم اپنے ہاتھوں سے اس طرح اشارہ کیوں کرتے ہو کہ گویا وہ سیخ پا گھوڑوں کی دُمیں ہیں؟ تم میں سے کس کے لیے یہ کافی ہے کہ اپنا ہاتھ اپنی ران پر رکھے پھر دائیں بائیں اپنے بھائی پر سلام کرے۔ اور ایک روایت میں ہے کہ جب کوئی سلام کہے تو اپنے ساتھی کی طرف گردن پھیرے مگر ہاتھ سے اشارہ نہ کرے۔ اور ظاہر یہ ہے کہ اس حدیث میں جو واقعہ مذکور ہوا ہے وہ پہلی حدیث کے قصہ سے الگ ہے اور یہ دونوں احادیث نسائی میں ہیں۔

(۲) دوسری بات یہ ہے کہ نماز میں آنکھیں آسمان کی طرف اٹھانے کی ممانعت ہے۔ اور اسے مسلم نے ابو معاویہ کے طریق سے اپنی سند کے ساتھ جابر بن سمرہؓ سے روایت کیا ہے۔ اس کے الفاظ یہ ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: یا تو لوگ نماز میں آسمان کی طرف نگاہ اٹھانے سے باز آ جائیں ورنہ آنکھوں کی روشنی واپس نہیں آئے گی۔ امام احمد نے اپنی سند کے ساتھ جابر بن سمرہؓ سے روایت کی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کیا تم میں سے کوئی ڈرتا نہیں کہ جب وہ نماز میں اپنی آنکھ اٹھائے گا تو اس کی نگاہ اسے واپس نہ ملے گی؟ اور مسلم میں ابوہریرہؓ کی حدیث کا سیاق بھی اس کے قریب ہے اور ابوداؤد میں انس کی حدیث کا سیاق،

(۳) تیسری چیز جس سے منع فرمایا گیا ہے وہ یہ ہے کہ متفرق ٹولیوں کی شکلیں اختیار نہ کریں جیسا کہ مسلم میں جابر بن سمرہ کی حدیث ہے کہ پھر حضورؐ باہر تشریف لائے اور ہم حلقے بنائے بیٹھے تھے تو فرمایا: میں تمہیں الگ الگ ٹولیوں میں کیوں دیکھتا ہوں؟ یہ حدیث مسند احمد میں بھی جابر بن سمرہؓ سے آئی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنے اصحاب کی طرف نکلے اور وہ بیٹھے ہوئے تھے تو فرمایا کیا وجہ ہے کہ میں تمہیں متفرق ٹولیاں دیکھتا ہوں؟

(۴) چوتھی چیز صفوں کا سیدھا کرنا ہے جیسا کہ ملائکہ صف بستہ ہوتے ہیں۔ اور وہ جابر بن سمرہؓ کی حدیث ہے جو مسلم نے روایت کی ہے کہ پھر ایک بار حضورؐ باہر تشریف لائے تو فرمایا کہ تم اس طرح صف بندی کیوں نہیں کرتے جس طرح ملائکہ صفیں باندھتے ہیں؟ اور اسی طرح دوسرے محدثین نے بھی اسے روایت کیا ہے۔ پس اس سے معلوم ہو گیا کہ بعض راویوں نے اس حدیث کا کوئی حصہ بیان کیا اور دوسروں نے کوئی اور حصہ بیان کیا ہے۔ اسی طرح بعض نے ایک دفعہ ایک چیز بیان کی اور دوسری مرتبہ نہیں کی۔

۹۱۵۔ حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ نَا يَحْيَى عَنْ سَعِيدِ بْنِ أَبِي عَرُوبَةَ عَنْ قَتَادَةَ أَنَّ أَنَسَ بْنَ مَالِكٍ حَدَّثَهُمْ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا بَالُ أَقْوَامٍ

يَرْفَعُوْنَ اَبْصَارَهُمْ فِيْ صَلَاتِهِمْ فَاشْتَدَّ قَوْلُهُ فِيْ ذٰلِكَ فَقَالَ لَيَنْتَهِيَنَّ عَنْ ذٰلِكَ اَوْ لَتُخْطَفَنَّ اَبْصَارُهُمْ۔

انس بن مالک رضی اللہ عنہ نے حدیث بیان کرتے ہوئے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ان لوگوں کا کیا حال ہے جو نماز میں اپنی آنکھیں اونچی کرتے ہیں؟ اور آپ کا قول اس بارے میں سخت تھا: فرمایا کہ لوگ اس سے باز آجائیں ورنہ ان کی آنکھیں اچک لی جائیں گی (یہ ارشاد ایک وعید ہے اس بنا پر اس فعل کو حرام کہا گیا ہے اور ابن حزم رحمہ اللہ نے اس معاملے میں افراط کی ہے اور کہا ہے کہ اس سے نماز باطل ہو جاتی ہے۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ اس سے مراد یہ ہے کہ ملائکہ جو انوار لے کر نمازیوں پر اترتے ہیں ان سے آنکھیں جاتی رہنے کا خطرہ ہوتا ہے)

۹۱۶۔ حَدَّثَنَا عُثْمَانُ بْنُ اَبِيْ شَيْبَةَ نَا سُفْيَانُ بْنُ عُيَيْنَةَ عَنِ الزُّهْرِيِّ عَنْ عُرْوَةَ عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ صَلّٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيْ خَمِيْصَةٍ لَهَا اَعْلَامٌ فَقَالَ شَغَلَتْنِيْ اَعْلَامُ هٰذِهٖ اِذْهَبُوْا بِهَا اِلٰى اَبِيْ جَهْمٍ وَّاْتُوْنِيْ بِاَنْبِجَانِيَّتِهٖ۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی ایک علمدار منقش چادر میں نماز پڑھی۔ پھر فرمایا کہ اس چادر کے نقوش نے مجھے مشغول کر لیا، اسے ابوجہم کے پاس لیجاؤ اور اس سے موٹی اون کی غیر منقش چادر لے آؤ (گویا یہ التفات خلافِ خشوع و خضوع تھا گو اس سے نماز میں نقص نہ آیا۔ اس لیے آپ نے اعادہ نہیں فرمایا ابوجہم کا نام عامر یا عبید بن حذیفہ تھا، وہ قریشی عدوی تھے، انہوں نے یہ چادر حضور کو بطور ہدیہ دی تھی اس لیے اسے واپس بھیج کر سادہ چادر منگوائی کہ ان کی دل شکنی بھی نہ ہو۔ ابوداؤد نے اس حدیث کو شاید یہ ثابت کرنے کے لیے درج کیا ہے کہ اتنے سے التفات سے نماز گو نہیں ٹوٹتی مگر توجہ میں فرق آجاتا ہے۔ حنفیہ اور شافعیہ کے نزدیک نماز میں مصلی کی نگاہ سجدہ گاہ پر اور امام مالک کے نزدیک قبلہ رخ رہنی چاہیے۔

۹۱۷۔ حَدَّثَنَا عُبَيْدُ اللّٰهِ بْنُ مُعَاذٍ نَا اَبِيْ نَا عَبْدُ الرَّحْمٰنِ يَعْنِي ابْنَ اَبِي الزِّنَادِ قَالَ سَمِعْتُ هِشَامًا يُحَدِّثُ عَنْ اَبِيْهِ عَنْ عَائِشَةَ بِهٰذَا الْخَبَرِ قَالَ وَاَخَذَ كُرْدِيًّا كَانَ لِاَبِيْ جَهْمٍ فَقِيْلَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ الْخَمِيْصَةُ كَانَتْ خَيْرًا مِّنَ الْكُرْدِيِّ۔

اوپر کی حدیث کی دوسری روایت میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ابوجہم رضی اللہ عنہ سے ایک کردی چادر حاصل کی تو کہا گیا یا رسول اللہ وہ چادر اس کردی سے بہتر تھی۔

بَابُ الرُّخْصَةِ فِيْ ذٰلِكَ

کسی عذر کے باعث اس میں رخصت کا باب

۹۱۸۔ حَدَّثَنَا الرَّبِيعُ بْنُ نَافِعٍ نَا مُعَاوِيَةُ يَعْنِي ابْنَ سَلَّامٍ عَنْ زَيْدٍ أَنَّهُ سَمِعَ أَبَا سَلَّامٍ قَالَ حَدَّثَنِي السَّلُولِيُّ عَنْ سَهْلِ بْنِ الْحَنْظَلِيَّةِ قَالَ ثُوِّبَ بِالصَّلٰوةِ يَعْنِي صَلٰوةَ الصُّبْحِ فَجَعَلَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُصَلِّي وَهُوَ يَلْتَفِتُ إِلَى الشِّعْبِ قَالَ أَبُو دَاوُدَ وَكَانَ أَرْسَلَ فَارِسًا إِلَى الشِّعْبِ مِنَ اللَّيْلِ يَحْرُسُ ۔

سہل بن حنظلیہؓ سے روایت ہے کہ انہوں نے کہا: نماز فجر کی اقامت ہوگئی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نماز میں گھاٹی کی طرف دیکھتے تھے۔ ابو داؤد نے کہا کہ حضورؐ نے ایک شہسوار کو نگرانی کی خاطر رات کے وقت گھاٹی کی طرف بھیجا ہوا تھا اور اس کا انتظار تھا

شرح: یہ حدیث کتاب الجہاد میں مفصل آئے گی، یہاں اسے مختصراً بیان کیا گیا ہے۔ حضورؐ کے التفات سے یہ لازم نہیں آتا کہ آپ نے گردن موڑ کر گھاٹی کی طرف دیکھا ہو کیونکہ احتمال ہے کہ گھاٹی قبلہ رُخ ہو۔ ویسے اگر ضرورت شرعی ہو تو التفات بھی جائز ہے امام بخاریؒ نے اس کی طرف اشارہ کرتے ہوئے ایک باب کے عنوان میں حضورؐ کا گھر سے تشریف لانا اور ابوبکر رضی اللہ عنہ کا انہیں دیکھنا درج کیا ہے۔

بَابُ ۱۵۳ الْعَمَلِ فِي الصَّلٰوةِ

نماز میں عمل کا باب ۔

۹۱۹۔ حَدَّثَنَا الْقَعْنَبِيُّ نَا مَالِكٌ عَنْ عَامِرِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ ابْنِ الزُّبَيْرِ عَنْ عَمْرِو بْنِ سُلَيْمٍ عَنْ أَبِي قَتَادَةَ أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يُصَلِّي وَهُوَ حَامِلٌ أُمَامَةَ بِنْتَ زَيْنَبَ ابْنَةِ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَإِذَا سَجَدَ وَضَعَهَا وَإِذَا قَامَ حَمَلَهَا۔

ابوقتادہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نماز پڑھ رہے تھے اور آپ نے اپنی بیٹی زینبؓ کی بیٹی اُمامہ کو اٹھا رکھا تھا۔ جب سجدہ کرتے تو اسے رکھ دیتے اور جب اٹھتے تو اسے اٹھا لیتے ۔

شرح: عمل فی الصلوٰۃ سے مراد یہ ہے کہ نماز میں ایسا عمل جو اعمالِ صلوٰۃ کی جنس میں سے نہ ہو۔ جب یہ عمل قلیل ہو تو نماز کو فاسد نہیں کرتا۔ بدائع میں ہے کہ جو عمل کثیر اعمالِ صلوٰۃ میں سے نہ ہو اگر نماز میں بلا ضرورت کیا جائے تو اس سے نماز فاسد ہو جاتی ہے لیکن عمل قلیل سے نماز فاسد نہیں ہوتی۔ عمل قلیل اور کثیر میں حدِ فاصل کیا ہے؟ اس میں اختلاف ہے۔ بعض نے کہا کہ جس میں دونوں ہاتھ استعمال ہوں وہ کثیر ہے اور اس سے کم عمل قلیل ہے، حتیٰ کہ فقہاء نے کہا ہے کہ اگر نماز میں قمیص کے بٹن لگانے لگے تو نماز فاسد ہے اور اگر بٹن کھول دے تو فاسد نہیں ہوتی۔ بعض کا قول ہے

کہ جس عمل کے کرنے والے کو دیکھنے والے نماز میں نہ سمجھیں وہ کثیر ہے ورنہ قلیل ہے۔ مولاناؒ فرماتے ہیں کہ یہ تعریف زیادہ صحیح ہے۔ کسی بچے کو نماز میں اٹھالینا یا نیچے رکھ دینا عمل قلیل ہے اور اس میں دونوں ہاتھوں کی ضرورت بھی نہیں پڑتی۔

۹۲۰۔ حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ يَعْنِي ابْنَ سَعِيدٍ ثَنَا اللَّيْثُ عَنْ سَعِيدِ بْنِ أَبِي سَعِيدٍ عَنْ عَمْرِو بْنِ سُلَيْمٍ الزُّرَقِيِّ أَنَّهُ سَمِعَ أَبَا قَتَادَةَ يَقُولُ بَيْنَا نَحْنُ فِي الْمَسْجِدِ جُلُوسًا إِذْ خَرَجَ عَلَيْنَا رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَحْمِلُ أُمَامَةَ بِنْتَ أَبِي الْعَاصِ بْنِ الرَّبِيعِ وَأُمُّهَا زَيْنَبُ بِنْتُ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَهِيَ صَبِيَّةٌ يَحْمِلُهَا عَلَى عَاتِقِهِ فَصَلَّى رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَهِيَ عَلَى عَاتِقِهِ يَضَعُهَا إِذَا رَكَعَ وَيُعِيدُهَا إِذَا قَامَ حَتَّى قَضَى صَلَاتَهُ يَفْعَلُ ذٰلِكَ بِهَا۔

ابو قتادہؓ کو یہ کہتے سنا گیا کہ اس اثنا میں کہ ہم مسجد میں بیٹھے تھے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم امامہؓ بنت ابی العاص بن الربیع کو اٹھائے ہوئے گھر سے برآمد ہوئے۔ اس کی ماں زینبؓ بنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تھی اور وہ چھوٹی بچی تھی، حضورؐ اُسے اپنے کندھے پر اٹھائے ہوئے تھے۔ پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی حال میں نماز پڑھی کہ وہ آپ کے کندھے پر تھی۔ جب رکوع کرتے تو اسے رکھ دیتے اور اٹھتے تو دوبارہ اسے اٹھا لیتے تھے، اسی طرح کرتے ہوئے آپ نے نماز پوری کی۔

شرح: ابوالعاص بن الربیع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا داماد تھا آپ کی صاحبزادی زینبؓ اس کے ہاں تھیں۔ ابوالعاص کے نام میں اختلاف ہے۔ کسی نے لقیط کہا اور اکثر کا یہی خیال ہے۔ بعض نے ہشیم یا مہشم بھی کہا ہے۔ جنگ بدر میں ابوالعاصؓ کفار کی طرف سے جنگ میں شامل تھا اور ستر قیدیوں میں سے ایک یہ بھی تھا۔ جب اہل مکہ نے اپنے قیدیوں کا فدیہ بھیجا تو زینبؓ نے اس کے فدیے میں وہ سنہری ہار بھیجا جو خدیجہؓ نے اپنی بیٹی کو جہیز میں دیا تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر تم لوگ یہ ہار اسے واپس کر دو اور اس کا قیدی بھی چھوڑ دو تو تمہاری مرضی ہے۔ لوگوں نے بخوشی تائید کی۔ ابوالعاصؓ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا مصاحب اور آپ کی طرف سے صاف دل اور خوش سلوک تھا۔ مشرکوں نے اس سے کہا تھا کہ زینبؓ کو طلاق دے دو مگر اس نے انکار کیا تھا۔ اس پر حضورؐ اس کے شکر گزار تھے۔ آپؐ نے جب اسے جنگ بدر کے بعد قید سے رہا کیا تو یہ شرط کر لی تھی کہ وہ زینبؓ کو مدینہ روانہ کر دے گا۔ وہ مکہ پہنچا اور خود تو اپنے قدیم مذہب پر وہیں قائم رہا مگر زینبؓ کو مدینہ بھیج دیا۔ فتح مکہ سے کچھ پہلے وہ علاقہ شام کو تجارت کے لیے گیا۔ واپسی پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لشکر کی ایک ٹکڑی مل گئی اور انہوں نے مال تجارت پر قبضہ کر کے لوگوں کو گرفتار کر لیا مگر ابوالعاصؓ بھاگ گیا۔ پھر بوقت شب مدینہ پہنچا اور زینبؓ کے ہاں پہنچ کر پناہ لے لی۔ زینبؓ نے اسے پناہ دے دی اور صبح کی نماز کے بعد چیخ کر کہنے لگی: اے لوگو! میں نے ابی العاص بن ربیع

کو پناہ دی ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی پناہ قبول کر لی اور فرمایا: ادنیٰ اور دُور کا مسلمان بھی کسی کو پناہ دیدے تو سب پر اس کی پابندی ضروری ہے۔ زینبؓ سے فرمایا کہ ابوالعاصؓ سے نیک سلوک کرو مگر وہ تم سے مل نہیں سکتا کیونکہ تو اس پر حلال نہیں ہے۔ زینبؓ نے کہا کہ وہ اپنا مال طلب کرنے آیا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس لشکر کے لوگ جمع کئے اور فرمایا: اس آدمی کا ہم سے جو تعلق ہے وہ تمہیں معلوم ہے، تم نے اس کا مال حاصل کیا ہے اور وہ تمہارے لیے مال فئی ہے۔ مجھے یہ پسند ہے کہ تم احسان کرو اور اس کا مال واپس کر دو۔ اگر تم واپس نہ کرو گے تو اس پر تمہارا ہی زیادہ حق ہے۔ لوگوں نے کہا کہ ہم مال واپس کرتے ہیں۔ پس انہوں نے اس کا سارا مال واپس کیا، وہ مکہ گیا اور لوگوں کے مال نہیں لوٹائے پھر بولا: اشھد ان لا الٰہ الا اللہ و اشھد ان محمداً رسول اللہ۔ واللہ مجھے اسلام لانے سے فقط یہی چیز روکتی تھی کہ مبادا تم جانو میں تمہارا مال کھاجانا چاہتا ہوں۔ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بحالت اسلام آگیا اور اس کا اسلام مخلصانہ ثابت ہوا۔ سن وفات ۱۲ھ ہے۔

امام خطابیؒ نے لکھا ہے کہ معلوم ہوتا ہے آپ کی دوہتی اُمامہؓ آپ سے بہت مانوس تھی اور جب آپ سجدہ کرتے تو آپ سے چمٹ جاتی تھی اور چھوڑتی نہ تھی۔ آپ جب سجدہ سے اُٹھتے تو وہ اسی طرح کندھے پر رہتی تھی۔ سجدہ کرتے وقت آپ اسے نیچے رکھ دیتے تھے۔ بدائع میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اس فعل میں کوئی کراہت نہ تھی۔ بچی کی ماں فوت ہو چکی تھی اور اس کا کوئی رکھوالا یا محافظ نہ تھا۔ ممکن ہے آپؐ نے یہ اس لیے کیا ہو کہ بوقتِ ضرورت اس کا جواز بیان فرمائیں۔ آج بھی اگر کوئی ضرورت کی بناء پر ایسا کرے تو مکروہ نہیں ہاں بلاضرورت مکروہ ہے۔

۹۲۱۔ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ سَلَمَةَ الْمُرَادِيُّ نَا ابْنُ وَهْبٍ عَنْ مَخْرَمَةَ عَنْ اَبِيْهِ عَنْ عَمْرِو بْنِ سُلَيْمٍ الزُّرَقِيِّ قَالَ سَمِعْتُ اَبَا قَتَادَةَ الْاَنْصَارِيَّ يَقُوْلُ رَأَيْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُصَلِّيْ لِلنَّاسِ وَاُمَامَةُ بِنْتُ اَبِي الْعَاصِ عَلٰى عُنُقِهٖ فَاِذَا سَجَدَ وَضَعَهَا قَالَ اَبُوْ دَاؤدَ لَمْ يَسْمَعْ مَخْرَمَةُ مِنْ اَبِيْهِ اِلَّا حَدِيْثًا وَاحِدًا۔

ابو قتادہؓ انصاری کو یہ فرماتے سُنا گیا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو لوگوں کی نماز میں امامت کرتے دیکھا درانحالیکہ امامہ بنت ابی العاصؓ آپؐ کے کندھے پر تھی، جب سجدہ فرماتے تو اُسے نیچے رکھ دیتے تھے۔ ابوداؤد نے کہا کہ راوی حدیث مخرمہ نے اپنے باپ سے صرف ایک حدیث سُنی تھی (امام احمد نے مخرمہ کی توثیق کی ہے اور کہا ہے کہ اس نے اپنے باپ سے کچھ نہیں سُنا، باپ کی کتاب سے روایت کرتا ہے۔ ابن معین کا قول یہی ہے۔ ابوداؤد کے نزدیک صرف وتر کی حدیث اس نے اپنے باپ سے سُنی تھی۔ موسیٰ بن سلمہ کا بیان ہے کہ مخرمہ نے میرے سامنے یہی اعتراف کیا تھا کہ وہ باپ کی کتابوں سے روایت کرتا ہے)

۹۲۲۔ حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ خَلَفٍ نَا عَبْدُ الْاَعْلٰى نَا مُحَمَّدٌ يَعْنِي ابْنَ اِسْحٰقَ

عَنْ سَعِيدِ بْنِ أَبِي سَعِيدٍ الْمَقْبُرِيِّ عَنْ عَمْرِو بْنِ سُلَيْمٍ الزُّرَقِيِّ عَنْ أَبِي قَتَادَةَ صَاحِبِ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ بَيْنَمَا نَحْنُ نَنْتَظِرُ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِلصَّلٰوةِ فِي الظُّهْرِ أَوِ الْعَصْرِ وَقَدْ دَعَاهُ بِلَالٌ لِلصَّلٰوةِ إِذْ خَرَجَ إِلَيْنَا وَأُمَامَةُ بِنْتُ أَبِي الْعَاصِ بِنْتُ ابْنَتِهِ عَلٰى عُنُقِهِ فَقَامَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي مُصَلَّاهُ وَقُمْنَا خَلْفَهُ وَهِيَ فِي مَكَانِهَا الَّذِي هِيَ فِيهِ قَالَ فَكَبَّرَ فَكَبَّرْنَا قَالَ حَتّٰى إِذَا أَرَادَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنْ يَرْكَعَ أَخَذَهَا فَوَضَعَهَا ثُمَّ رَكَعَ وَسَجَدَ حَتّٰى إِذَا فَرَغَ مِنْ سُجُودِهِ ثُمَّ قَامَ أَخَذَهَا فَرَدَّهَا فِي مَكَانِهَا فَمَا زَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَصْنَعُ بِهَا ذٰلِكَ فِي كُلِّ رَكْعَةٍ حَتّٰى فَرَغَ مِنْ صَلَاتِهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھی ابو قتادہ رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ ہم لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نماز ظہر یا عصر میں منتظر تھے اور بلال رضی اللہ عنہ آپ کو نماز کے لیے بلا چکا تھا، آپ تشریف لائے، امامہ بنت ابی العاص (آپ کی بیٹی زینب رضی اللہ عنہا کی بیٹی) آپ کی گردن پر تھی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مصلیٰ پہ تشریف فرما ہوئے اور ہم آپ کے پیچھے کھڑے ہوئے اور امامہ رضی اللہ عنہا اس وقت آپ کے کندھے پر۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے تکبیر کی تو ہم نے بھی تکبیر کہی۔ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے رکوع کا ارادہ فرمایا تو اسے پکڑا اور زمین پہ رکھ دیا۔ پھر رکوع اور سجدہ کیا، حتیٰ کہ جب اپنے سجدے سے فارغ ہوئے اور اٹھے تو اسے پکڑا اور گردن پہ بٹھا دیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہر رکعت میں ایسا ہی کرتے رہے حتیٰ کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نماز سے فارغ ہو گئے۔

۹۲۳۔ **حَدَّثَنَا** مُسْلِمُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ نَا عَلِيُّ بْنُ الْمُبَارَكِ عَنْ يَحْيَى بْنِ أَبِي كَثِيرٍ عَنْ ضَمْضَمِ بْنِ جَرْسٍ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اقْتُلُوا الْأَسْوَدَيْنِ فِي الصَّلٰوةِ الْحَيَّةَ وَالْعَقْرَبَ۔

ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: نماز میں دو کالے کیڑوں کو قتل کر دو، سانپ اور بچھو کو۔ علامہ شوکانی رحمہ اللہ نے نیل الاوطار میں کہا ہے کہ یہ حدیث نماز میں سانپ اور بچھو کو مار ڈالنے کی عدم کراہیت پر

دلیل ہے اور یہی بقول عراقی جمہور علماء کا مذہب ہے۔ مگر ترمذی نے ایک جماعت سے، جس میں ابراہیم نخعیؒ شامل ہیں، اس کی کراہت نقل کی ہے۔ ابن ابی شیبہ نے قتادہ سے نقل کیا ہے کہ جب وہ تجھ سے تعرض نہ کریں تو مت مارو۔ منع کرنیوالوں نے اُس صورت میں منع کیا ہے جبکہ یہ فعل عمل کثیر کی حد تک پہنچ جائے۔ ان کی دلیل وہ حدیث ہے جس میں حضورؐ نے فرمایا: اِنَّ فِي الصَّلَاةِ شغلاً، اور دوسری حدیث میں ہے، اُسْکُنُوا فِي الصَّلَاةِ۔ اس کا جواب یہ ہے کہ حدیث زیرِ نظر خاص ہے پس وہ عام احادیث جن کا ذکر ہوا اس کے معارض نہیں ہیں۔ شرح السنۃ میں امام بغویؒ نے کہا ہے کہ ہر درندہ اور نقصان رساں جانور جس کا قتل مباح ہے وہ سانپ اور بچھو کے حکم میں ہے جیسے زنبور وغیرہ۔ البدائع والصنائع میں ہے کہ نماز میں سانپ اور بچھو کو قتل کرنے سے نماز فاسد نہیں ہوتی کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے قتل کا حکم دیا ہے خواہ آدمی نماز میں ہی کیوں نہ ہو۔ اور روایت میں ہے کہ ایک بچھو نے نماز میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ڈس لیا تو آپ نے اس پر جوتا رکھ کر دبایا حتیٰ کہ اُسے مار ڈالا۔ نماز سے فراغت کے بعد فرمایا: اللہ بچھو پر لعنت کرے یہ نبی اور غیر نبی کسی کو نہیں چھوڑتا۔ بعض روایات میں نمازی اور غیر نمازی کا لفظ آیا ہے۔ اس سے واضح ہو گیا کہ یہ فعل نماز میں مکروہ نہیں کیونکہ اگر ایسا ہوتا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نماز میں ایسا نہ کرتے۔ سبب یہ بھی ہے کہ یہ کیڑے زہریلے اور بے محابا ڈسنے والے ہیں لہٰذا ان کی اذیت کو دفع کرنے کے لیے انہیں قتل کی ضرورت پیش آجاتی ہے۔ یہ اس وقت ہے جبکہ ایک ہی ضرب سے ان کا قتل ممکن ہو جیسا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک بار دبا کر بچھو کو مارا تھا۔ مگر جب مقابلہ ہو اور کئی ضربیں لگانی پڑیں تو نماز فاسد ہو جائے گی، جیسا کہ حالتِ نماز میں قتال سے نماز ٹوٹ جاتی ہے۔ کیونکہ یہ عمل کثیر ہے اور اعمالِ صلوٰۃ میں سے نہیں ہے۔ شیخ الاسلام سرخسیؒ نے کہا ہے کہ زیادہ ظاہر یہ ہے کہ اس صورت میں عمل کثیر سے بھی نماز نہیں ٹوٹتی کیونکہ اس عمل میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اجازت دی ہے پس اس کی مثال ایسی ہے جیسے بے وضو ہو جائے، اور چل کر باہر جائے طہارت اور وضو کرے پانی نکالے وغیرہ تب بھی نماز باطل نہیں ہوتی۔

۹۲۴۔ حَدَّثَنَا اَحْمَدُ بْنُ حَنْبَلٍ وَمُسَدَّدٌ وَهٰذَا لَفْظُهُ قَالَ نَا بِشْرٌ يَعْنِي ابْنَ الْمُفَضَّلِ ثَنَا بُرْدٌ عَنِ الزُّهْرِيِّ عَنْ عُرْوَةَ بْنِ الزُّبَيْرِ عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اَحْمَدُ يُصَلِّيْ وَالْبَابُ عَلَيْهِ مُغْلَقٌ فَجِئْتُ فَاسْتَفْتَحْتُ قَالَ اَحْمَدُ فَمَشٰى فَفَتَحَ لِيْ ثُمَّ رَجَعَ اِلٰى مُصَلَّاهُ وَذَكَرَ اَنَّ الْبَابَ كَانَ فِي الْقِبْلَةِ۔

عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نماز پڑھ رہے تھے اور دروازہ بند تھا۔ میں آئی اور دروازہ کھٹکھٹایا۔ آپ چلے، میرے لیے دروازہ کھولا اور پھر مصلیٰ پر تشریف لے گئے۔ اور راوی کا بیان ہے کہ دروازہ قبلہ کی طرف تھا۔

شرح: دارقطنی، ترمذی اور نسائی کی روایات بتاتی ہیں کہ: اَنَّ الْبَابَ كَانَ فِي الْقِبْلَةِ۔ حضرت عائشہ رضؓ کا قول ہے۔

اس بنا پر ابوداؤد کی روایت میں یہ کہنے والا راوی کہ دروازہ قبلہ کی طرف تھا عروہ بن زبیرؓ تھا۔ مولانا ؒنے فرمایا کہ اس حدیث میں نسائی، احمد اور دار قطنی کی روایت کے الفاظ مشکل ہیں نسائی میں ہے کہ عائشہؓ نے فرمایا کہ میں نے دروازہ کھٹکھٹایا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نفل پڑھ رہے تھے، دروازہ قبلہ کی طرف تھا، پس حضورؐ دائیں یا بائیں کو چلے، دروازہ کھولا اور واپس مصلیٰ پر تشریف لے گئے۔ مسند احمد کے الفاظ ہیں: میں نے درواز کھٹکھٹایا، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کھڑے نماز پڑھتے تھے، آپ یا تو اپنے دائیں سے یا بائیں سے چلے۔ اور دار قطنی کے الفاظ ہیں: میں نے دروازہ کھٹکھٹایا جبکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نفل نماز پڑھ رہے تھے، پس آپ اپنے دائیں سے یا بائیں سے چلے۔ اشکال کی وجہ یہ ہے کہ دروازہ جب قبلہ کی طرف تھا تو دائیں یا بائیں کو چلنے کا کوئی معنیٰ نہیں بنتا۔ اس کا جواب یہ ہے کہ دروازے کے قبلہ رخ ہونے کا مطلب یہ ہے کہ قبلہ کی محاذات میں ہو یا دائیں یا بائیں طرف کو مائل ہو۔ اور یہاں پر ممکن ہے کہ دروازہ کی دوسری صورت ہو یعنی دائیں یا بائیں کو مائل ہو، یہی سبب تھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم دائیں کو یا بائیں کو تشریف لے گئے تھے۔ دوسرا جواب یہ ہے کہ یوں بھی کہا جا سکتا ہے، ممکن ہے روایات میں تقدیم و تاخیر لفظی ہو گئی ہو اور کچھ اختصار بھی راہ پا گیا ہو، اور اصل حدیث یوں ہو: میں نے دروازہ کھٹکھٹایا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نفل نماز پڑھ رہے تھے اور دروازہ قبلہ کی طرف یا آپ کے دائیں یا بائیں تھا سو آپ تشریف لے گئے اور دروازہ کھول دیا۔ دار قطنی کی دوسری روایت اس کی دلیل ہے۔ اس میں کہ ام المؤمنین نے فرمایا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نماز پڑھا کرتے تھے، جب کوئی انسان دروازہ کھلوانا چاہتا تو آپؐ کھول دیتے جبکہ دروازہ سامنے ہوتا یا دائیں طرف یا بائیں طرف ہوتا (یعنی پیچھے نہ ہوتا)

مولانا ؒنے فرمایا کہ یہاں پر ایک اور اشکال ہے جس کا جواب مشکل ہے۔ وہ یہ کہ دروازے کا قبلہ کی طرف ہونا صحیح نہیں ہو سکتا کیونکہ مؤرخین نے صراحت کی ہے اور صحیح احادیث سے بھی ثابت ہے کہ ام المؤمنین عائشہؓ کا حجرہ مسجد کے شرقی جانب تھا اور اس کا دروازہ مسجد میں کھلتا تھا۔ نزھۃ الناظرین فی مسجد سید الاولین والآخرین میں ہے کہ حضورؐ کے گھر (حجرۂ عائشہؓ) کا دروازہ مغرب میں تھا اور بعض کہتے ہیں کہ شام کی جانب تھا اور بعض کہتے ہیں کہ اس کے دو دروازے تھے، ایک مغرب میں اور ایک شام کی جانب اور خلاصۃ الوفا میں ہے کہ، عائشہؓ کے گھر کا دروازہ شام کی جانب تھا۔ اور وفاء الوفا میں ہے کہ، میں حضرت عائشہؓ کے گھر کے پاس کھڑا ہوا تو دیکھا کہ اس کا دروازہ مغرب کی طرف کھلتا تھا۔ یہ بات اس باب میں صریح ہے کہ دروازہ گھر کی مغربی جانب میں تھا اور ابھی اس کی تائید آئے گی۔ اسی طرح بیماری کے آخری دنوں میں حضورؐ کا دروزے کا پردہ اٹھانا اور ابوبکرؓ کا لوگوں کو نماز پڑھاتے دیکھنا، حضرت عائشہؓ کا اپنے گھر میں بیٹھ کر حضورؐ کے سر پر بحالت اعتکاف کنگھی کرنا بھی اس کی تائید کرتا ہے۔ اور پر جو دروازے کا شامی جانب ہونا آیا ہے وہ ضعیف ہے یا لائق تاویل ہے۔ ضعیف اس لیے کہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کا گھر شامی جانب سے آپؐ کے گھر سے متصل تھا۔ اور تاویل اس کی یہ ہے کہ یا تو عائشہ رضی اللہ عنہا نے یہ شامی دروازہ بعد میں کھولا تھا جبکہ انہوں نے اپنے گھر میں اور جناب عمرؓ کے روضۂ اطہر میں دفن ہونے کے بعد ان قبورِ مقدسہ میں دیوار پاٹ دی تھی۔ یہ دروازہ وہ نہ تھا جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے وقت میں تھا۔ یا پھر یوں کہا جائے کہ اس حجرۂ مقدسہ کے دو دروازے تھے، اور اس میں کوئی مانع نہیں ہے۔ اور یہ ساری تقاریر ابوداؤد کی ایک حدیث کے اس بیان کے

خلاف ہیں کہ حفصہ بنت عمر رضی اللہ عنہا کا گھر قبلہ کی جانب سے عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے گھر سے متصل تھا اور ابن زبالہ نے عبدالرحمٰن بن حمید اور عبید اللہ بن عمر بن حفص اور ابو سبرہ وغیرہم سے نقل کیا ہے کہ حفصہ رضی اللہ عنہا اور عائشہ رضی اللہ عنہا کے گھر کے درمیان ایک راستہ تھا اور وہ دونوں اپنے اپنے گھر میں باہم گفتگو بھی کرتی تھیں کیونکہ گھر قریب قریب تھے۔ پس اس سے یہ معلوم ہوا کہ ان کے گھروں میں ایک راستہ بھی تھا جس کا ایک مشترکہ دیوار میں ہونا ضروری ہے۔ سو عین ممکن ہے کہ اس حدیث میں جس دروازے کا ذکر ہے وہ یہی اندرونی دروازہ ہو جس سے عائشہ رضی اللہ عنہا تشریف لائی تھیں۔ کوکب دُرّی میں مولانا محمد یحییٰ نے کہا ہے کہ دروازہ کے قبلہ میں ہونے کا مطلب یہ نہیں کہ وہ نمازی کے سامنے کی دیوار میں تھا بلکہ نمازی کے آگے دائیں بائیں ہونا مراد ہے۔

بَابُ ۱۷۵ رَدِّ السَّلَامِ فِي الصَّلٰوةِ

نماز میں سلام کا جواب دینے کا باب۔

۹۲۵۔ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ نُمَيْرٍ نَا ابْنُ فُضَيْلٍ عَنِ الْأَعْمَشِ عَنْ إِبْرَاهِيْمَ عَنْ عَلْقَمَةَ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ قَالَ كُنَّا نُسَلِّمُ عَلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَهُوَ فِي الصَّلٰوةِ فَيَرُدُّ عَلَيْنَا فَلَمَّا رَجَعْنَا مِنْ عِنْدِ النَّجَاشِيِّ سَلَّمْنَا عَلَيْهِ فَلَمْ يَرُدَّ عَلَيْنَا وَقَالَ إِنَّ فِي الصَّلٰوةِ لَشُغْلًا۔

عبداللہ نے کہا کہ ہم لوگ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو سلام کہا کرتے تھے جبکہ آپ نماز میں ہوتے اور آپ جواب کرتے تھے پھر جب نجاشی کے پاس سے واپس آئے تو ہم نے آپ کو سلام کہا مگر آپ نے ہمیں جواب نہ دیا اور فرمایا کہ بے شک نماز میں مشغولیت ہے (جو کلام اور سلام وجواب سے مانع ہے)۔ (یہ حدیث بخاری، مسلم اور نسائی میں بھی ہے)

شرح: اہل ایمان مکہ سے باذن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حبشہ کو ہجرت کر گئے تھے جہاں کا عیسائی بادشاہ اصحمہ بن ابجر تھا۔ نجاشی شاہان حبشہ کا لقب تھا۔ اصحمہ ایمان لے آیا تھا اور بباعث ملک داری ہجرت نہ کر سکا۔ یہی وہ شخص ہے جس کی غائبانہ نماز جنازہ حضور نے مدینہ میں ادا فرمائی تھی۔ حبشہ کی ہجرت کا سلسلہ کچھ عرصہ قائم رہا تھا۔ لوگ مشرکین مکہ کی ایذا دہی اور تعذیب سے بچنے کی خاطر چوری چھپے ہجرت کرتے رہے۔ ایک مرتبہ ایک غلط افواہ کی بناء پر کچھ لوگ حبشہ سے مکہ بھی واپس آ گئے تھے مگر ان واپس آنے والوں میں عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا نام حدیث وسیرت اور تاریخ میں بطور یقینی نہیں ملتا۔ پس اس حدیث میں جو واپسی مذکور ہے اس سے مراد مہاجرین حبشہ کی مدینہ واپسی ہے۔ اس کا ایک قرینہ یہ بھی ہے کہ عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بدری صحابی ہیں۔ لیکن مشکل یہ ہے کہ مہاجرین حبشہ کی مدینہ کو واپسی ہجرت کے تیسرے سال جنگ بدر کے بعد ہوئی ہے۔ پس کہنا پڑے گا کہ بعض لوگ اس سے قبل آ گئے تھے۔ مگر ابن رسلان رحمہ اللہ کا قول ہے کہ شوافع نے حرمت کلام مکہ میں ثابت کی ہے۔ اور حبشہ سے ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی مکہ واپسی کی دلیل یہ بھی ہے کہ وہ لیلۃ الجن میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے جو مکہ کا واقعہ ہے۔ مگر اہل شرح نے یہ بھی

کہا ہے کہ لیلۃ الجن دراصل دو راتیں تھیں، ایک کا تعلق مکی زندگی سے تھا اور دوسری کا مدنی زندگی سے۔ اس سے قبل کتاب الطہارت باب الوضوء بالنبیذ میں اس پر کچھ بحث گزر چکی ہے جسے ملاحظہ کرنا خالی از فائدہ نہ ہوگا۔

یہ حدیث نماز میں سلام کا جواب دینے کی حرمت پر دلیل صریح ہے اور اسی طرح اس سے یہ بھی دلیل نکلتی ہے کہ نماز میں گفتگو حرام ہے اہل علم میں اس مسئلہ میں کوئی اختلاف نہیں ہے کہ نماز میں عمداً، جان بوجھ کر علم ہوتے ہوئے کلام کرنا نماز کو فاسد کر دیتا ہے۔ ابن المنذر نے کہا ہے کہ اہل علم کا اس امر پر اجماع ہے کہ جو شخص عمداً نماز میں کلام کرے، اسکی نیت اصلاح صلوٰۃ نہ ہو، تو اس کی نماز فاسد ہے۔ اختلاف سہو وجہل کے کلام میں ہے۔ ترمذیؒ نے اکثر اہل علم کا قول بیان کیا ہے کہ انہوں نے بھول کر بات کرنے والے، جان بوجھ کر بات کرنے والے اور جاہل کے کلام سب کو برابر شمار کیا ہے۔ یہ ثوریؒ، ابن مبارکؒ، نخعیؒ، حماد بن ابی سلیمانؒ اور ابو حنیفہؒ کا مذہب ہے۔ اور کچھ لوگوں نے نسیان، جہل اور عمد کے کلام میں فرق کیا ہے۔ یہ قول ابن المنذر نے ابن مسعودؓ، ابن عباسؓ، عبد اللہ بن زبیرؓ، عروہ بن زبیرؒ، عطا بن ابی رباحؒ، حسن بصریؒ اور عمرو بن دینارؒ سے نقل کیا ہے اور اسی کو مالکؒ، شافعیؒ، احمدؒ، ابو ثورؒ اور ابن المنذر نے اختیار کیا ہے۔ حازمی نے کہا ہے کہ بعض اہل کوفہ، اکثر اہل حجاز اور اکثر اہل شام کا یہی مذہب ہے، اور نوویؒ نے شرح مسلم میں اسے جمہور کا قول گردانا ہے۔ ان حضرات کی دلیل حدیث ذی الیدین ہے کہ حضورؐ نے اس میں ناسیاً گفتگو فرمائی کیونکہ آپؐ نے تو اپنے خیال میں پوری نماز پڑھ لی تھی۔ اور ذوالیدینؓ کا کلام بھی نسیان سے ہوا کیونکہ اس نے سمجھا تھا کہ نماز میں قصر کا حکم آگیا ہے۔ اس واقعہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز کا از سر نو اعادہ نہیں کیا۔ آپ نے ذوالیدینؓ کو یا ابو بکرؓ وعمرؓ کو اعادے کا حکم دیا حالانکہ یہ لوگ بھی بات چیت کر چکے تھے۔ وہ حدیث بھی اس مسئلے کی دلیل ہے (یعنی ائمہ ثلاثہؒ اور ان کے ہمنوا حضرات کی دلیل) جس میں حضورؐ نے فرمایا ہے کہ میری امت سے خطاء اور نسیان کا گناہ اٹھا لیا گیا ہے۔ یہ حدیث ابن ماجہ، دارقطنی اور بیہقی وغیرہ نے روایت کی ہے۔ اور یہ دلیل بھی ہے کہ نسیان والے کا کلام نسیان والے کے سلام کی مانند ہے اور اس سے نماز فاسد نہیں ہوتی۔ گویا وہ کلام تو ہے کیونکہ وہ آدمیوں سے خطاب ہے یہی سبب ہے کہ جب عمداً اسلام کہا جاتا ہے تو آدمی نماز سے خارج ہو جاتا ہے۔

امام ابو حنیفہؒ اور ان کے ہم نواؤں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اس حدیث سے استدلال کیا ہے کہ "آدمی جبتک کلام نہ کرے وہ اپنی نماز پر بنا کرے۔ پس آپؐ نے کلام کو بنا کی غائت ٹھہرایا جس سے معلوم ہوا کہ کلام سے نماز ختم ہو جاتی ہے۔ اور ابن مسعودؓ سے مروی ہے کہ حضورؐ نے نماز ختم کر کے فرمایا، اللہ تعالیٰ جو چاہتا ہے نیا حکم دیتا ہے، اور اس نے یہ نیا حکم دیا ہے کہ نماز میں کلام مت کرو (یہ حدیث ابھی آرہی ہے) گویا حضورؐ نے سلام کے جواب کو کلام فرمایا اور اس کی حرمت صراحۃً بیان فرمادی۔ معاویہؓ بن حکم سلمی کی حدیث بھی اس کی دلیل ہے کہ انہوں نے حضورؐ کے پیچھے نماز پڑھی۔ کسی نے چھینک ماری اور معاویہؓ نے یرحمک اللہ کہا۔ نماز ختم ہوئی تو حضورؐ نے فرمایا: ہماری اس نماز میں لوگوں کی گفتگو میں سے کوئی چیز روا نہیں، یہ تو صرف تسبیح وتہلیل اور قرأت قرآن ہے، پس اس حدیث کی رُو سے جو چیز نماز میں روا نہیں اس سے نماز فاسد ہو جاتی ہے مثلاً کھانا پینا وغیرہ،

حدیث ذی الیدین کا تعلق اس زمانے سے ہے جبکہ نماز میں کلام جائز تھا اور وہ زمانہ ابتدائے اسلام کا تھا۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ ذوالیدینؓ اور ابو بکرؓ وعمر رضی اللہ عنہما نے جان بوجھ کر گفتگو کی، انہیں معلوم تھا کہ حضورؐ کو نسیان

ہوا ہے اور وہ عمداً کلام کر رہے تھے جو بالاجماع مفسد صلاۃ ہے، مگر حضورؐ نے انہیں نماز کے اعادے کا حکم نہ دیا۔ اور خطاء و نسیان کے اٹھا لینے سے مراد اس کا گناہ اٹھا لینا ہے نہ یہ کہ اس سے نماز کا حکم فساد بھی اٹھا لیا گیا ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے قتل خطاء میں کفارے کا حکم دیا ہے۔ پس قتل کا گناہ مرفوع ہے مگر حکم مرفوع نہیں۔ اور نسیان والے کے سلام سے استدلال کچا ہے کیونکہ نماز کو تو فی الجملہ سلام عمد کے بعد بھی باقی رکھنے کا حکم دیا گیا ہے، یعنی نمازی جب کہے اَلسَّلَامُ عَلَيْنَا وَعَلٰى عِبَادِ اللّٰهِ الصَّالِحِيْنَ۔ تو یہ اپنے اور سب نیک انسانوں پر سلام ہے۔ اور نسیان عمد سے کم تر ہے پس نسیان سے سلام کہنے سے تمام احوال میں نماز باقی رہی۔ اس کا سبب یہ ہے کہ سلام از خود خلاف نماز نہیں ہے کیونکہ اس میں دراصل تو دعا کا معنی پایا جاتا ہے، مگر جب اس کے ساتھ نماز سے خروج کا ارادہ ہوا اور خروج کا وقت بھی ہو تو اسے شرعاً سبب خروج ٹھہرا دیا گیا۔ پس جب وہ نسیان سے ہو مگر نماز کا کچھ حصہ ہنوز باقی ہو تو گویا سلام اپنے وقت پر نہ ہوا لہٰذا اسے سبب خروج قرار نہیں دیا گیا۔ کلام کا یہ حال نہیں (چاہے وہ ردِ سلام ہو کیونکہ وہ کسی کی بات کا جواب ہے) کیونکہ کلام نماز کی ضد ہے۔

معلوم رہے کہ ابن مسعودؓ کا یہ قول کہ: جب ہم نجاشی کے پاس سے واپس آئے۔ اس میں دونوں احتمال ہیں، مکہ کو واپس یا مدینہ کو واپس۔ کیونکہ بعض مسلمان اس غلط افواہ پر حبشہ سے مکہ واپس آ گئے تھے کہ مشرکین نے اسلام قبول کر لیا ہے۔ وہ مکہ واپس ہوئے تو بیش از بیش شدت اور اذیت کا شکار ہوئے تو پھر واپس حبشہ چلے گئے اور اس بار وہ پہلے سے کئی گنا تھے، اور ابن مسعودؓ بقول حافظ ابن حجرؒ دونوں فریقوں کے ساتھ تھے۔ ابن مسعودؓ نے "رجوع" کا لفظ بولا ہے اس سے مراد ابو الطیب طبری وغیرہ کے نزدیک رجوع اول ہے اور ان کے نزدیک نماز میں کلام کی حرمت مکہ میں ہو گئی تھی۔ زید بن ارقمؓ اور ان کی قوم کو اس نسخ کا علم نہ ہو سکا تھا۔ علاوہ ازیں حکم کا پہلے آ جانا اور نزول آیت کا مؤخر ہونا (یعنی اس کے موافق) ممکن ہے۔ کچھ لوگوں نے ان دو حدیثوں میں ترجیح کا قاعدہ اختیار کیا ہے کیونکہ ابن مسعودؓ نے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے الفاظ کو بیان کیا ہے اور زید بن ارقمؓ نے یہ نہیں کیا۔ کچھ لوگوں کے نزدیک ابن مسعودؓ کے رجوع من الحبشہ سے مراد دوسری واپسی ہے جو مدینہ میں ہوئی تھی اور روایات میں وارد ہے کہ جب وہ آئے ہیں تو حضورؐ بدر کی تیاری میں مصروف تھے۔ یہ بھی یاد رہے کہ ابن مسعودؓ اور زید بن ارقمؓ ہر دو نے اس آیت کو کلام کا ناسخ قرار دیا ہے: وَقُوْمُوْا لِلّٰهِ قٰنِتِيْنَ۔ گویا زید بن ارقمؓ کو بھی بعد میں حکم نسخ معلوم ہو گیا تھا۔ واللہ اعلم بالصواب۔

علامہ عینیؒ نے اس بات کو ترجیح دی ہے کہ نماز میں کلام کی حرمت مدینہ میں ہوئی تھی۔ ہمارے حضرت شیخ الاسلام عثمانیؒ کے نزدیک راجح یہی ہے کہ ابن مسعودؓ کے قول، فَلَمَّا رَجَعْنَا مِنْ عِنْدِ النَّجَاشِيِّ میں رجوع سے مراد مہاجرین حبشہ کی مدینہ واپسی ہے۔ اس مسئلے پر کچھ گفتگو ابھی ہو گی۔

۹۲۶۔ حَدَّثَنَا مُوْسَى بْنُ اِسْمٰعِيْلَ نَا اَبَانُ نَا عَاصِمٌ عَنْ اَبِيْ وَائِلٍ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ قَالَ كُنَّا نُسَلِّمُ فِي الصَّلٰوةِ وَنَأْمُرُ بِحَاجَتِنَا فَقَدِمْتُ عَلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَهُوَ يُصَلِّيْ فَسَلَّمْتُ عَلَيْهِ فَلَمْ يَرُدَّ عَلَيَّ السَّلَامَ فَاَخَذَنِيْ

مَا قَدُمَ وَمَا حَدُثَ فَلَمَّا قَضٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الصَّلٰوةَ قَالَ إِنَّ اللّٰهَ عَزَّوَجَلَّ يُحْدِثُ مِنْ أَمْرِهٖ مَا يَشَاءُ وَإِنَّ اللّٰهَ تَعَالٰى قَدْ أَحْدَثَ أَنْ لَا تَكَلَّمُوْا فِي الصَّلٰوةِ فَرَدَّ عَلَيَّ السَّلَامَ۔

عبد اللہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ ہم نماز میں سلام کہہ لیتے اور اپنی ضرورت کا حکم بھی دے لیتے تھے۔ پھر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور اس وقت آپ نماز پڑھ رہے تھے، میں نے آپ کو سلام کہا مگر آپ نے جواب نہ دیا مجھے تو قدیم وجدید غموں نے گھیر لیا۔ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز ختم کی تو فرمایا: اللہ تعالیٰ جو چاہتا ہے نیا حکم دیتا ہے اور اللہ تعالیٰ نے یہ نیا حکم دیا ہے کہ نماز میں کلام مت کرو۔ پھر آپ نے مجھے سلام کا جواب دیا۔

شرح: حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے سلام کے جواب کو کلام قرار دیا ہے اور اسے اس امر الٰہی کے خلاف ٹھہرایا ہے کہ نماز میں کلام مت کرو۔ اس حدیث میں: و نامر بحاجتنا کا لفظ ہے۔ اس حاجت سے مراد نماز کے متعلق حاجت ہے، یعنی ایک دوسرے سے پوچھ لیتے تھے کہ کتنی نماز ہوئی ہے اور کس قدر باقی ہے، چنانچہ طبرانی میں ابو امامہ رضی اللہ عنہ سے حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کے قصے میں یہی مذکور ہے، یہ حدیث زیر نظر نسائی میں بھی آئی ہے۔ مسلم زید بن ارقم رضی اللہ عنہ کی حدیث روایت کی ہے کہ: ہم نماز میں گفتگو کر لیتے تھے۔ آدمی اپنے ساتھی سے بات چیت کر لیتا تھا حتی کہ آیت: وَقُوْمُوْا لِلّٰهِ قَانِتِيْنَ نازل ہوئی تو ہمیں سکوت کا حکم ملا اور کلام روک دیا گیا۔ جابر رضی اللہ عنہ کی حدیث مسلم میں آئی ہے کہ انہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو نماز میں سلام کہا اور آپ نے جواب نہ دیا۔ سلام کے بعد فرمایا کہ مجھے سلام کا جواب دینے سے نماز نے روکا تھا۔

اس حدیث میں جو یہ لفظ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے سلام کا جواب نہ دیا، اس سے یہ استدلال کیا جا سکتا ہے کہ نمازی نہ زبان سے نہ اشارے سے سلام کا جواب دے، ابو حنیفہ رحمہ اللہ کا یہی مذہب ہے۔ کلثوم الخزاعی کی روایت میں اضافہ بھی ہے کہ نماز میں اللہ کے ذکر کے سوا کوئی کلام مت کرو اللہ کے سامنے عاجزی سے کھڑے رہو (فتح الملہم) اور زید بن ارقم رضی اللہ عنہ اور کلثوم الخزاعی ہر دو کی روایت میں یہ لفظ بھی ہے: پس ہمیں سکوت کا حکم دیا گیا (ایضاً) جابر رضی اللہ عنہ کی حدیث میں جو اشارے کا ذکر ہے یہ سلام کا جواب نہ تھا جیسا کہ طحاوی رحمہ اللہ نے کہا ہے بلکہ اس چیز کا اعلام تھا کہ میں نماز میں ہوں مجھ سے بات مت کرو۔ دوسری روایت میں مطلقاً یہ لفظ ہیں کہ: فلم یرد علی۔ الدر المختار میں ہے کہ نماز سلام کا جواب زبان سے دینے سے فاسد ہو جاتی ہے اور ہاتھ کے اشارے سے نہیں۔ علامہ شامی رحمہ اللہ نے کہا کہ ہاتھ کے اشارے سے نماز کے فاسد ہو جانے کو جو امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کی طرف منسوب کیا گیا ہے یہ نسبت غلط ہے۔ بقول امام طحاوی ہمارے ہر سہ ائمہ سے یہی منقول ہے کہ اس سے نماز فاسد نہیں ہوتی ہاں یہ مکروہ تنزیہی ہے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا فعل بیان جواز کے لیے تھا لہٰذا اسے مکروہ نہیں کہا جا سکتا (فتح الملہم)

۹۲۷۔ حَدَّثَنَا يَزِيْدُ بْنُ خَالِدِ بْنِ مَوْهَبٍ وَقُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيْدٍ أَنَّ اللَّيْثَ

حَدَّثَهُمْ عَنْ بُكَيْرٍ عَنْ نَابِلٍ صَاحِبِ الْعَبَاءِ عَنِ ابْنِ عُمَرَ عَنْ صُهَيْبٍ أَنَّهُ قَالَ مَرَرْتُ بِرَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَهُوَ يُصَلِّي فَسَلَّمْتُ عَلَيْهِ فَرَدَّ إِشَارَةً قَالَ وَلَا أَعْلَمُهُ إِلَّا قَالَ إِشَارَةً بِإِصْبَعِهِ وَهَذَا لَفْظُ حَدِيثِ قُتَيْبَةَ ۔

ابن عمرؓ نے صہیبؓ سے روایت کی کہ انہوں نے کہا، میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس سے گزرا۔ آپ نماز پڑھ رہے تھے، میں نے آپ کو سلام کہا تو آپ نے اشارے سے جواب دیا۔ لیثؒ نے کہا کہ میرے خیال میں اس نے (بکیر نے) کہا کہ حضورؐ نے انگلی سے اشارہ فرمایا (اس حدیث کو نسائی اور ترمذی نے بھی روایت کیا ہے اور اسے حدیث حسن کہا ہے)

شرح: اس حدیث کو دو جلیل القدر صحابی (یعنی ابن عمرؓ صہیبؓ سے) روایت کرتے ہیں۔ صہیبؓ بن سنان ابو یحیٰی رومی مشہور صحابی تھے، صہیب ان کا لقب تھا، نام عبدالملک تھا۔ گزشتہ حدیث میں تھا کہ حضورؐ نے ایک مرتبہ عبداللہ بن مسعودؓ کو نماز ختم کرنے کے بعد سلام کا جواب دیا تھا، اور اس حدیث میں اشارے کے ساتھ ردِّ سلام آیا ہے۔ مولاناؒ نے فرمایا کہ پہلی حدیث کا منشاء یہ ہے کہ نماز میں کسی طرح بھی ردِّ سلام نہ ہو، اشارے سے بھی نہ ہو، یا اولیٰ ہے۔ زیرِ نظر حدیث بیانِ جواز کے لیے ہے۔ کیونکہ بعض دفعہ بربنائے حاجت ایسا کرنا ناگزیر ہوتا ہے۔ اوپر ہم نے شامی سے نقل کیا ہے کہ حنفیہ کے نزدیک اشارہ گو جائز ہے مگر کراہت سے خالی نہیں گو حضورؐ کے حق میں مکروہ نہیں تھا کیونکہ تعلیمِ امت کے لیے بیانِ جواز بتانا بھی شرعی حاجت تھی۔ المغنی میں ہے کہ امام احمدؒ نے کہا نمازی کو سلام کہنا جائز بتایا ہے مگر اسحاقؒ وغیرہ نے اسے مکروہ کہا ہے۔ شافعیؒ کا مذہب یہ ہے کہ نمازی کو سلام نہ کہا جائے اور اگر وہ کہہ دے تو جواب کا مستحق نہیں۔ امام مالکؒ سے دو روایتیں ہیں، ایک میں کراہت ہے اور دوسری میں جواز۔ حنفیہ کے نزدیک بقولِ علامہ شامی مکروہ ہے۔ سفیان ثوریؒ کے نزدیک اگر نمازی کو کسی نے سلام کہا تو اسے بعد از سلام جواب دینا چاہیئے (یعنی نماز سے فراغت کے بعد)

۹۲۸۔ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللَّهِ بْنُ مُحَمَّدٍ النُّفَيْلِيُّ نَا زُهَيْرٌ نَا أَبُو الزُّبَيْرِ عَنْ جَابِرٍ قَالَ أَرْسَلَنِي نَبِيُّ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِلَى بَنِي الْمُصْطَلِقِ فَأَتَيْتُهُ وَهُوَ يُصَلِّي عَلَى بَعِيرِهِ فَكَلَّمْتُهُ فَقَالَ لِي بِيَدِهِ هَكَذَا ثُمَّ كَلَّمْتُهُ فَقَالَ لِي بِيَدِهِ هَكَذَا وَأَنَا أَسْمَعُهُ يَقْرَأُ وَيُومِئُ بِرَأْسِهِ قَالَ فَلَمَّا فَرَغَ قَالَ مَا فَعَلْتَ فِي الَّذِي أَرْسَلْتُكَ فَإِنَّهُ لَمْ يَمْنَعْنِي أَنْ أُكَلِّمَكَ إِلَّا أَنِّي كُنْتُ أُصَلِّي ۔

جابرؓ نے کہا کہ اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے بنی مصطلق کی طرف بھیجا۔ جب میں آپ کے پاس واپس آیا تو

آپ اپنے اونٹ پر نماز پڑھ رہے تھے۔ پس میں نے آپ سے کلام کیا تو آپ نے اپنے دستِ مبارک سے یوں اشارہ کیا (یعنی چپ رہو) پھر میں نے بات کی تو آپ نے ہاتھ سے اشارہ کیا اور میں آپ کو قرات کرتے سنتا تھا اور آپ سر کے اشارے سے رکوع و سجود کرتے تھے۔ جابرؓ نے کہا کہ جب آپ نماز سے فارغ ہوئے تو فرمایا: جس کام کو میں نے بھیجا تھا اس کا کیا کیا ہے؟ میں نماز پڑھ رہا تھا اس لیے تم سے بات نہ کر سکتا تھا۔ (مسلم، نسائی، ترمذی اور ابن ماجہ نے بھی اس کی روایت کی ہے بلکہ بخاری نے بھی)

شرح: یہ غزوۂ بنی مصطلق کا قصہ ہے، حضورؐ لشکر لیے اسی طرف تشریف لے جاتے تھے کہ کوئی خبر لانے یا کسی اور کام کے لیے جابرؓ کو آگے بھیج دیا جیسا کہ مسلم کی روایت میں صراحت ہے۔ وہاں یہ بھی ہے کہ میں نے واپسی پر حضورؐ کو سلام کہا مگر آپ نے جواب نہ دیا، ایک اور روایت میں ہے کہ آپ نے دستِ مبارک سے اشارہ فرمایا۔ ان روایات سے پتہ چلا کہ واپسی پر جابرؓ نے سلام بھی کہا اور بات بھی کرنے کی کوشش کی مگر آپ نے اشارے سے منع فرما دیا کہ ٹھہر جاؤ، نماز ختم ہو لینے دو۔ یہ تو بالکل واضح ہے کہ یہ نماز نفل تھی۔ زہیر راوی نے حسب روایتِ مسلم زمین کی طرف اشارہ کر کے دکھایا کہ حضورؐ نے یوں اشارہ فرمایا۔ اب ظاہر ہے کہ زمین کی طرف اشارہ سلام کے جواب کے لیے تو نہیں تھا بلکہ جابرؓ کی بات چیت سے روکنے کے لیے تھا۔ حدیث کے آخری الفاظ بتاتے ہیں کہ حضورؐ نے سلام کا جواب نماز میں نہیں دیا، نہ لفظاً نہ اشارۃً۔ جن لوگوں نے کہا ہے کہ حضورؐ کی مراد یہ تھی کہ میں نے زبان سے جواب بباعثِ مشغولیتِ نماز نہیں دیا، ان کی بات غیر معقول اور سیاق و الفاظِ حدیث کے قطعی خلاف ہے۔ بخاری کی روایت اس کی تائید کرتی ہے۔ جابرؓ نے کہا: میں نے حضورؐ کو سلام کیا مگر آپ نے جواب نہ دیا تو میرے دل میں ایسا غم پیدا ہوا جس کی مقدار و کیفیت کو اللہ ہی جانتا ہے۔ میں نے دل میں کہا کہ شاید رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مجھ سے ناراض ہو گئے ہیں اس لیے کہ میں دیر سے واپس ہوا ہوں۔ پھر میں نے دوسری مرتبہ سلام کیا اور آپ نے جواب نہ دیا تو پہلی مرتبہ کے غم سے بھی زیادہ میرا دل مغموم ہوا۔ پھر میں نے تیسری مرتبہ (فراغتِ صلاۃ کے بعد) سلام کیا تو حضورؐ نے جواب دیا اور فرمایا کہ میں نے پہلے جواب اس لیے نہ دیا تھا کہ نماز پڑھ رہا تھا۔ پس اس حدیث کی بنا پر اگر حضورؐ کا اشارہ سلام کے جواب میں تھا تو جابرؓ کے دل میں غم و الم اور کرب کی کیفیت کیوں پیدا ہوئی تھی؟ یہ بھی سوچنا چاہیئے کہ اگر حضورؐ اشارے سے نماز میں سلام کا جواب دے چکے ہوتے تو نماز سے فراغت کے بعد ردِ سلام کی حاجت نہ رہتی، اس سے ثابت ہوا کہ اشارہ ردِ سلام کے لیے نہ تھا۔ امام طحاویؒ نے اس مقام پر ایک طویل بحث کی ہے۔

۹۲۷۔ حَدَّثَنَا الْحُسَيْنُ بْنُ عِيسَى الْخُرَاسَانِيُّ الدَّامَغَانِيُّ نَا جَعْفَرُ بْنُ عَوْنٍ نَا هِشَامُ بْنُ سَعْدٍ نَا نَافِعٌ قَالَ سَمِعْتُ عَبْدَ اللّٰهِ بْنَ عُمَرَ يَقُولُ خَرَجَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِلَى قُبَاءٍ يُصَلِّي فِيهِ قَالَ فَجَاءَتْهُ الْأَنْصَارُ فَسَلَّمُوا عَلَيْهِ وَهُوَ يُصَلِّي قَالَ فَقُلْتُ لِبِلَالٍ كَيْفَ رَأَيْتَ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَرُدُّ عَلَيْهِمْ حِينَ كَانُوا يُسَلِّمُونَ عَلَيْهِ وَهُوَ يُصَلِّي قَالَ يَقُولُ هٰكَذَا وَبَسَطَ جَعْفَرُ بْنُ

عَوْنٍ كَفَّهٗ وَ جَعَلَ بَطْنَهٗ اَسْفَلَ وَجَعَلَ ظَهْرَهٗ اِلٰى فَوْقٍ۔

عبداللہ بن عمرؓ کہتے تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قباء کی طرف نماز پڑھنے تشریف لے گئے، ابن عمرؓ نے کہا کہ انصار آئے اور انہوں نے آپؐ کو سلام کہا حالانکہ آپ نماز پڑھتے تھے۔ ابن عمرؓ نے کہا کہ میں نے بلالؓ سے کہا : تو نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو انہیں سلام کا جواب کیوں کر دیتے ہوئے دیکھا جب کہ وہ سلام کہتے تھے اور آپؐ نماز پڑھ رہے تھے ؟ بلالؓ نے کہا کہ آپؐ یوں اشارہ فرماتے تھے بلالؓ نے اپنی ہتھیلی کو پھیلایا، اور جعفر بن عون راوی نے شاگردوں کو ہتھیلی پھیلا کر دکھایا، ہتھیلی کی اندرونی طرف نیچے اور بیرونی طرف اوپر رکھی (ترمذی نے یہ حدیث مختصراً روایت کر کے اسے حسن صحیح کہا ہے)

شرح: مُرسلِ صحابہ بالا تفاق مقبول ہے، عبداللہ بن عمرؓ نے یہ حدیث بلالؓ یا صہیبؓ یا کسی موقع پر موجود آدمی سے سن کر روایت کی ہے۔ وہ خود موقع پر حاضر نہ تھے اس لیے ردِّ سلام کی کیفیت بلالؓ سے پوچھی تھی۔ یہاں تو بلالؓ سے پوچھنے کا ذکر ہے مگر جو حدیث نسائیؒ، ابن ماجہ اور دارمی نے روایت کی ہے اس میں ہے کہ صہیبؓ حضورؐ کے ساتھ تھا، عبداللہ بن عمرؓ نے صہیبؓ سے پوچھا تھا۔ ترمذی نے انہیں دو واقعات قرار دیکر دونوں حدیثوں کو صحیح کہا ہے اور بتایا ہے کہ یہ دونوں الگ الگ واقعات تھے۔ مولاناؒ نے فرمایا کہ جن محدثین نے صہیبؓ کا نام لیا ہے وہی ٹھیک کہتے ہیں اور ان کی روایت محفوظ ہے۔ زید بن اسلم کی حدیث میں بیہقی نے بھی صہیبؓ کا نام لے کر نسائیؒ، ابن ماجہ اور دارمی کی تائید کی ہے۔ ترمذی کے قول کے مطابق یہ دو قصے تو ہوں گے مگر اس سبب سے ہر دو احادیث کو صحیح قرار دینا ناقابلِ فہم ہے۔ قصے کا ایک یا الگ ہونا اور بات ہے اور حدیث کی صحت اور بات۔ واللہ اعلم۔

۹۳۰۔ حَدَّثَنَا اَحْمَدُ بْنُ حَنْبَلٍ نَا عَبْدُ الرَّحْمٰنِ بْنُ مَهْدِيٍّ عَنْ سُفْيَانَ عَنْ اَبِيْ مَالِكٍ الْاَشْجَعِيِّ عَنْ اَبِيْ حَازِمٍ عَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَا غِرَارَ فِيْ صَلٰوةٍ وَلَا تَسْلِيْمٍ قَالَ اَحْمَدُ يَعْنِيْ فِيْمَا اُرٰى اَنْ لَا تُسَلِّمَ وَلَا يُسَلَّمَ عَلَيْكَ وَيُغَرِّرُ الرَّجُلُ بِصَلَاتِهٖ فَيَنْصَرِفُ وَهُوَ فِيْهَا شَاكٌّ۔

ابوہریرہ ؓ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کسی نماز میں نہ تو ہیئت و ارکان میں نقصان ڈالنا جائز ہے اور نہ سلام کہنا۔ احمد بن حنبلؒ نے حدیث کا معنی یہ بتایا کہ میرے خیال میں مطلب یہ ہے کہ نماز میں نہ تو خود نمازی کسی کو سلام کہے نہ اس کو کوئی سلام کہے اور غرار یہ ہے کہ آدمی نماز پڑھ کر چلا جائے مگر اُسے شک ہو کہ کتنی رکعات پڑھی ہیں۔

شرح: شارحین میں سے بعض نے حدیث کا مطلب یہ بیان کیا ہے کہ غرار کا اصلی و لغوی معنی ہے اونٹنی کے دودھ میں کمی آجانا۔ سو تسلیم میں غرار یہ ہے کہ جو شخص تمہیں کہے، السلام علیکم ورحمۃ اللہ اُسے جواب پورا دو: وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ اس میں کمی نہ کرو۔ صرف وعلیکم السلام یا وعلیکم نہ کہو کیونکہ اس سے سلام کہنے والے کے حق میں نقصان آتا ہے۔ نماز میں غرار یہ ہے

کہ اس کے ارکان کو مسنون طریقہ پر پورا ادا نہ کیا جائے یا نماز کی رکعات میں شک ہو تو اسی طرح نماز ختم کر کے چلتا بنے۔ بلکہ بروئے حدیث یقین پر بنا کرے اور نماز کے آخر میں سجدۂ سہو کرے۔ یہ معنی جو بیان ہوا ہے، اس بنا پر ہے کہ حدیث کو یوں پڑھا جائے: لَا غِرَارَ فِی صَلَاۃٍ وَلَا تَسْلِیمٍ۔ امام احمدؒ نے جو معنی بیان کیا ہے اس کی بنا پر حدیث یوں ہے: لَا غِرَارَ فِی صَلَاۃٍ وَلَا تَسْلِیمَ۔ یعنی غرار اور تسلیم دونوں معطوف معطوف علیہ ہیں اور دونوں کا تعلق نماز سے ہے۔ احمدؒ کے قول سے ان کا مسلک بھی واضح ہو گیا۔

۹۳۱۔ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الْعَلَاءِ اَنَا مُعَاوِيَةُ بْنُ هِشَامٍ عَنْ سُفْيَانَ عَنْ اَبِي مَالِكٍ عَنْ اَبِي حَازِمٍ عَنْ اَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ اُرَاهُ رَفَعَهُ قَالَ لَا غِرَارَ فِي تَسْلِيمٍ وَلَا صَلٰوةٍ قَالَ اَبُو دَاوُدَ رَوَاهُ ابْنُ فُضَيْلٍ عَلٰى لَفْظِ ابْنِ مَهْدِيٍّ وَلَمْ يَرْفَعْهُ۔

ابوہریرہؓ نے کہا (بقولِ سفیان حدیث مرفوع ہے) کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: سلام اور نماز میں کمی نہیں ہونی چاہیئے۔ ابو داؤدؒ نے کہا کہ ابن فضیل نے اسے ابن مہدی کے لفظ پر روایت کیا، یعنی گزشتہ حدیث کے الفاظ روایت کئے اور اسے مرفوع نہیں کہا۔

شرح: ابو داؤد کے قول کا مطلب یہ ہے کہ عبدالرحمن بن مہدی نے سفیان سے اس حدیث کو ان لفظوں سے مرفوع روایت کیا: لا غرار فی صلاۃ ولا تسلیم (اور اس کے دو مطلب اوپر کی حدیث کے ضمن میں بیان ہو چکے) معاویہ بن ہشام نے سفیان سے روایت کی تو شک کے ساتھ کہ بقول سفیان اُس کے خیال میں حدیث مرفوع ہے، اور یہ لفظ روایت کئے: لا غرار فی تسلیم ولا صلاۃٍ۔ اور اس صورت میں صرف وہ معنی بنتا ہے جو ہم نے اوپر "بعض شارحین" کے حوالے سے بیان کیا ہے کہ سلام اور نماز دونوں میں کمی اور نقص مت ڈالو۔ ابن فضیل نے سفیان سے انہی الفاظ کی روایت کی جو عبدالرحمن بن مہدی کی روایت کے ہیں یعنی: لا غرار فی صلاۃ ولا تسلیم۔ جس کے دو معنی بیان ہوئے، مگر ابن فضیل نے روایت کو مرفوع نہیں بلکہ ابوہریرہؓ پر موقوف بیان کیا۔

بَابُ تَشْمِيتِ الْعَاطِسِ فِي الصَّلٰوةِ

نماز میں چھینک مارنے والے کو جواب دینے کا بیان۔

۹۳۲۔ حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ نَا يَحْيٰى ح وَنَا عُثْمَانُ بْنُ اَبِي شَيْبَةَ نَا اِسْمٰعِيلُ بْنُ اِبْرَاهِيمَ الْمَعْنٰى عَنْ حَجَّاجٍ الصَّوَّافِ حَدَّثَنِي يَحْيَى بْنُ اَبِي كَثِيرٍ عَنْ هِلَالِ بْنِ اَبِي مَيْمُونَةَ عَنْ عَطَاءِ بْنِ يَسَارٍ عَنْ مُعَاوِيَةَ بْنِ الْحَكَمِ السُّلَمِيِّ قَالَ صَلَّيْتُ مَعَ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَعَطَسَ رَجُلٌ مِنَ الْقَوْمِ فَقُلْتُ يَرْحَمُكَ

اللّٰهُ فَرَمَانِي الْقَوْمُ بِأَبْصَارِهِمْ فَقُلْتُ وَاثُكْلَ أُمِّيَاهْ مَا شَأْنُكُمْ تَنْظُرُونَ إِلَيَّ قَالَ فَجَعَلُوا يَضْرِبُونَ بِأَيْدِيهِمْ عَلَى أَفْخَاذِهِمْ فَعَرَفْتُ أَنَّهُمْ يُصَمِّتُونِي قَالَ عُثْمَانُ فَلَمَّا رَأَيْتُهُمْ يُسَكِّتُونِي لَكِنِّي سَكَتُّ فَلَمَّا صَلَّى رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِأَبِي وَأُمِّي مَا ضَرَبَنِي وَلَا كَهَرَنِي وَلَا سَبَّنِي ثُمَّ قَالَ إِنَّ هٰذِهِ الصَّلٰوةَ لَا يَحِلُّ فِيهَا شَيْءٌ مِنْ كَلَامِ النَّاسِ هٰذَا إِنَّمَا هُوَ التَّسْبِيحُ وَالتَّكْبِيرُ وَقِرَاءَةُ الْقُرْاٰنِ أَوْكَمَا قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قُلْتُ يَا رَسُولَ اللّٰهِ إِنَّا قَوْمٌ حَدِيثُ عَهْدٍ بِجَاهِلِيَّةٍ وَقَدْ جَاءَنَا اللّٰهُ بِالْإِسْلَامِ وَمِنَّا رِجَالٌ يَأْتُونَ الْكُهَّانَ قَالَ فَلَا تَأْتِهِمْ قَالَ قُلْتُ وَمِنَّا رِجَالٌ يَتَطَيَّرُونَ قَالَ ذَاكَ شَيْءٌ يَجِدُونَهُ فِي صُدُورِهِمْ فَلَا يَصُدَّنَّهُمْ قَالَ قُلْتُ وَمِنَّا رِجَالٌ يَخُطُّونَ قَالَ كَانَ نَبِيٌّ مِنَ الْأَنْبِيَاءِ يَخُطُّ فَمَنْ وَافَقَ خَطَّهُ فَذَاكَ قَالَ قُلْتُ إِنَّ جَارِيَةً لِي كَانَتْ تَرْعَى غُنَيْمَاتٍ قِبَلَ أُحُدٍ وَالْجَوَّانِيَّةِ إِذْ اطَّلَعْتُ عَلَيْهَا اطِّلَاعَةً فَإِذَا الذِّئْبُ قَدْ ذَهَبَ بِشَاةٍ مِنْهَا وَأَنَا مِنْ بَنِي اٰدَمَ اٰسَفُ كَمَا يَأْسَفُونَ لَكِنِّي صَكَكْتُهَا صَكَّةً فَعَظُمَ ذٰلِكَ عَلَى رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقُلْتُ أَفَلَا أُعْتِقُهَا قَالَ ائْتِنِي بِهَا فَجِئْتُ بِهَا فَقَالَ أَيْنَ اللّٰهُ قَالَتْ فِي السَّمَاءِ قَالَ مَنْ أَنَا قَالَتْ أَنْتَ رَسُولُ اللّٰهِ قَالَ أَعْتِقْهَا فَإِنَّهَا مُؤْمِنَةٌ۔

معاویہؓ بن حکم سلمی نے کہا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نماز پڑھی، پس قوم میں سے ایک آدمی نے چھینک ماری تو میں نے کہا: یَرْحَمُكَ اللّٰه۔ پس لوگ میری طرف آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر دیکھنے لگے تو میں نے کہا: ہائے میری ماں کا مجھے گم کرنا، کیا بات ہے کہ تم میری طرف دیکھتے ہو؟ کہا کہ لوگ اپنے ہاتھ اپنی رانوں پر مارنے لگے تو میں جان گیا کہ یہ مجھے خاموش کر رہے ہیں۔ عثمان راوی (ابو داؤد کا استاد) کہتا ہے کہ معاویہؓ نے یہ کہا: جب میں نے دیکھا کہ وہ مجھے خاموش کر رہے ہیں (تو مجھے غصہ تو بہت آیا) مگر میں خاموش رہا۔ پھر جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز پڑھ لی، میرے باپ اور ماں آپ پر قربان، آپ نے نہ مجھے پیٹا اور نہ ڈانٹا اور نہ سخت سست کہا، پھر فرمایا کہ اس نماز میں لوگوں کے کلام میں سے کچھ حلال نہیں، یہ تو صرف تسبیح و تکبیر اور قرأت قرآن کے لیے ہے یا جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ

علیہ وسلم نے فرمایا۔ میں نے کہا یا رسول اللہ ہم لوگوں کا زمانہ جاہلیت کے قریب ہی ہے (یعنی ہم نو مسلم ہیں) اور اللہ تعالیٰ نے ہمارے پاس اسلام بھیجا ہے، اور ہم میں سے کچھ لوگ کاہنوں کے پاس جاتے ہیں۔ آپ نے فرمایا کہ تو مت جا۔ معاویہؓ نے کہا کہ ہم میں سے کچھ لوگ بری فال لیتے ہیں۔ آپ نے فرمایا کہ یہ محض ان کے دلوں کا وہم ہے، پس بری فال لینا انہیں مقصد میں کوشش سے نہیں روکتا (فال لینا نہ لینا برابر ہے کہ اس کا کوئی نفع و نقصان نہیں) معاویہؓ نے کہا کہ ہم میں سے کچھ لوگ خط کھینچتے ہیں (یعنی رمل کرتے ہیں) آپؐ نے فرمایا: نبیوں میں سے ایک نبی خط کھینچتا تھا پس جو شخص اس نبی کے خط سے موافقت کرے تو اس کا حساب ٹھیک ہوگا (مگر یہ محال ہے ایسا ہوتا نہیں) معاویہؓ نے کہا کہ میری ایک لونڈی اُحد اور جوانیہ کی طرف میری کچھ بھیڑ بکریاں چراتی ہے۔ میں نے اچانک اس طرف دیکھا تو بھیڑیا ایک بکری لے چکا تھا، اور میں آدمؑ کی اولاد ہوں اور لوگوں کی طرح مجھے بھی افسوس اور رنج ہوتا ہے۔ میں نے اسے ایک تھپڑ مارا ہے۔ پس یہ بات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر شاق گزری تو میں نے کہا: کیا میں اسے آزاد نہ کر دوں؟ آپ نے فرمایا اُسے میرے پاس لاؤ۔ پس میں اُسے لایا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تیرا خدا کہاں ہے وہ بولی آسمان میں ہے۔ فرمایا میں کون ہوں؟ وہ بولی: آپ اللہ کے رسول ہیں۔ حضورؐ نے فرمایا اسے آزاد کر دو یہ تو ایماندار ہے۔

شرح: اس حدیث کو مسلم اور نسائی نے بھی روایت کیا ہے۔ حضورؐ نے جو فرمایا کہ نماز میں "کلام الناس" میں سے کچھ بھی حلال نہیں، اس سے دعا و تسبیح اور ذکر خارج ہو گیا کیونکہ وہ کلام الناس نہیں۔ یہ حدیث حنفیہ کی دلیل ہے اس مسئلہ میں کہ مطلق کلام نماز کو باطل کر دیتا ہے۔ اگر کہا جائے کہ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس صحابی کو اعادۂ صلاۃ کا حکم کیوں نہ دیا؟ اس کا جواب یہ ہے کہ کسی چیز کا مذکور نہ ہونا اُس کے عدم کی دلیل نہیں ہے، زیادہ سے زیادہ یہ کہا جائے گا کہ آپؐ کا حکم منقول ہو کر ہم تک نہیں پہنچا۔ کاہن اور عراف کے پاس جانا اور اس کے قول کی تصدیق کرنا ایک اور حدیث کے مطابق کفر ہے جو مسند احمد میں ہے کہ، مَنْ اَتٰی عَرَّافًا اَوْ کَاهِنًا فَصَدَّقَهٗ بِمَا یَقُوْلُ فَقَدْ کَفَرَ بِمَا نُزِّلَ عَلٰی مُحَمَّدٍ۔ وجہ اس کی یہ ہے کہ غیب کی خبر کے معلوم ہونے کا یقینی ذریعہ وحی کے سوا اور کوئی نہیں لہٰذا کسی اور کی اس قسم کی خبر کا یقین گویا اس کی نبوت کا یقین ہے جو بالیقین کفر ہے۔ اہل عرب پرندہ اڑا کر یا ہرن ڈرا کر فال لیا کرتے تھے کہ اگر وہ دائیں کو جائے تو یوں ہوگا ورنہ یوں۔ ظاہر ہے کہ اس پر کوئی عقلی و شرعی دلیل قائم نہیں اور اس کا منشاء وہم و گمان اور خرافات پر یقین رکھنے کے سوا کچھ نہیں، اسلام نے وہم و خرافات کی جڑ کاٹی ہے اسی لیے حضورؐ نے فرمایا کہ بدفالی سوائے وہم و خرافات کے اور کچھ نہیں ہے اور اس کے تقاضے پر عمل کرنا توہم پرستی اور جہالت ہے۔

حضورؐ نے جس نبی کے متعلق فرمایا کہ وہ خط کھینچا کرتا تھا وہ ادریسؑ یا دانیال تھا، علیہما السلام۔ اور اُس نبی کو تو یہ علم من جانب اللہ ملا تھا۔ گویا یہ اس نبی کے علوم نبوت میں سے تھا۔ اس نبی کا علم اور زمانہ جاتا رہا۔ اب کسی کا رمل کی لکیریں کھینچنا اُس نبی کے علم نبوت کے مطابق ہو جانا محال ہے۔ بقول امام خطابی حضورؐ نے یہ بطورِ زجر و توبیخ و تنبیہ فرمایا اور محال کے ساتھ ایک چیز کو معلق کرنے سے غرض یہ ہوتی ہے کہ لوگ اس سے باز رہیں وہ ناممکن ہے۔ حافظ ابن حجرؒ نے لکھا ہے کہ حضورؐ نے ایسے الفاظ تو فرمائے جن سے زجر و توبیخ ثابت ہوتی ہے مگر صراحۃً منع نہ فرمایا تاکہ اس نبی کے علم کے

بارے میں کوئی شک وشبہ یا وہم پیدا نہ ہو جائے۔ اکثر علماء نے علم رمل کو حرام کہا ہے اور اس حدیث کے متعلق ان کا قول یہ ہے کہ اس میں رمل کی اباحت کو اُس نبی کے خط کے موافق ہونے کی شرط سے مشروط ٹھہرایا ہے۔ یہ موافقت کسی طور بھی معلوم نہیں ہو سکتی کیونکہ اس کا طریقہ یا تواتر ہے یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نصِ صریح۔ اور یہ دونوں چیزیں مفقود ہیں لہٰذا اباحت ختم ہوئی اور حرمت ثابت ہوگئی۔

جوانیہ مدینہ کے شمال میں ایک موضع کا نام ہے جو اُحد کے قریب ہے امام خطابی رحؒ نے کہا ہے کہ غیر مسلم کو تو کلمۂ توحید یعنی عقیدۂ توحید ورسالت کی تلقین کے بغیر اسلام میں داخل نہیں کیا جاتا اور نہ کسی کے محض دعوے پر اسے مسلم کہا جاتا ہے جب تک وہ اصولِ ایمان کا اقرار نہ کرے۔ لیکن جو شخص اسلام لا چکا ہے اس کا اجمالی اعتراف کافی ہے جیسا کہ حضورؐ نے اس لونڈی کے معاملے میں اسے کافی جانا۔ اللہ تعالیٰ کسی جہت یا طرف میں محدود نہیں مگر اس کی طرف علو کی جہت کو منسوب کرنا شرعی دلائل سے ثابت ہے۔ حدیث سے بھی معلوم ہو گیا کہ جاہل اور عامی کا فقط اجمالی عقیدہ یا اعتراف اسے مومن شمار کرنے کے لیے کافی ہے۔

شافعیہ اور حنفیہ کے نزدیک یَرْحَمُكَ اللّٰهُ سے کسی کو جواب دینا چونکہ انسانوں سے خطاب میں داخل ہے لہٰذا مفسدِ صلوٰۃ ہے۔ ابن العربی نے کہا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس حدیث میں اسے کلام الناس فرمایا ہے لہٰذا وہ مُفسدِ صلوٰۃ ہے۔ حدیث سے یہ بھی پتہ چل گیا کہ غیر مناسب اور بے وقت دعاء کلام الناس ہے لہٰذا حنفیہ اور حنابلہ کے نزدیک یہ دعاء جائز نہیں کہ: اَللّٰهُمَّ ارْزُقْنِيْ زَوْجَةً جَمِيْلَةً۔ اس دعاء سے نماز فاسد ہو جائے گی کیونکہ یہ غیر مناسب ہے لہٰذا کلام الناس ہے۔ ابن رسلان نے اس حدیث کی شرح میں کہا ہے کہ اس میں مطلق کلام کی حُرمت آئی ہے خواہ نماز کی مصلحت کے لیے ہو یا نہ ہو بقولِ نووی رحؒ یہی ہمارا مذہب اور ائمہ ثلاثہ کا مذہب ہے اور جمہورِ سلف وخلف اس کے قائل ہیں۔ ایک چھوٹے سے گروہ کا، جس میں اوزاعیؒ شامل ہیں، یہ خیال ہے کہ مصلحتِ صلاۃ کے لیے کلام جائز ہے۔ مولانا زکریا رحؒ کاندھلوی شیخ الحدیث نے فرمایا کہ نووی رحؒ نے نقلِ مذاہب اس جگہ صحیح نہیں کی۔ امام نووی رحؒ نے بالکل اسی قسم کی بات شرحِ مسلم میں لکھی ہے جو یہاں ابن رسلانؒ سے نقل ہوئی۔

استاذِ محترم شیخ الاسلام عثمانی رحؒ نے فتح الملہم میں کئی دلائل سے ثابت کیا ہے کہ ذوالیدین اور ذوالشمالین ایک ہی شخص کے القاب تھے مثلاً (۱) حدیث ابی ہریرہ رضؓ میں زہری نے ذوالیدین کے بجائے ذوالشمالین کا لفظ بولا۔ نسائیؒ نے یہ حدیث دو طریق سے روایت کی ہے (۲) مسند بزار اور طبرانی کبیر میں ابن عباس رضؓ کی روایت (اسی قصے میں) آئی ہے اس میں بھی ذوالشمالین کا لفظ ہے۔ (۳) ابن سعد نے طبقات میں اور ابن حبان نے ثقات میں کہا ہے کہ ذوالیدین اور ذوالشمالین ایک ہی شخص تھا (۴) مسند ابی عبداللہ عدنی میں ہے کہ ابو محمد خزاعی نے کہا: ذوالیدین جو ذوالشمالین بھی کہلاتا تھا ہمارے اجداد میں سے تھا (۵) ابوالعباس مبرد نے کامل میں کہا ہے کہ ذوالیدین اور ذوالشمالین ایک ہی شخص کے عرفی نام تھے (۶) ذوالیدین کو خرباق کہا گیا ہے اور اس کا نسب یہ ہے: خرباق بن عبد عمرو بن نضلہ اور ذوالشمالین بھی ابن عبد عمرو بن نضلہ تھا۔ پس دونوں ایک تھے ارباب سیر وحدیث کا اس پر اتفاق ہے کہ ذوالشمالین جنگ بدر میں شہید ہوا تھا جیسا کہ سیرت ابن اسحاق میں وضاحت موجود ہے۔ یہی بات ابن ہشام اور بیہقی (معرفت میں) نے کہی ہے۔ اور حدیث وسیر کے رُکنِ اعظم زہری نے صراحتہً کہا ہے کہ حدیث ذوالیدین کے قصے کا تعلق جنگ بدر

سے پہلے کے ساتھ ہے۔ ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کا ایمان جنگ بدر سے متاخر تھا مگر ان کی حدیث مراسیل صحابہ میں سے ہے جو بالاتفاق مقبول ہیں۔ اور یہ بات معلوم رہے کہ نسخ کلام کی حدیثوں کا تعلق جنگ بدر کے دور سے ہے۔ واللہ اعلم۔

۹۳۳۔ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ يُونُسَ النَّسَائِيُّ نَا عَبْدُ الْمَلِكِ بْنُ عَمْرٍو نَا فُلَيْحٌ عَنْ هِلَالِ بْنِ عَلِيٍّ عَنْ عَطَاءِ بْنِ يَسَارٍ عَنْ مُعَاوِيَةَ بْنِ الْحَكَمِ السُّلَمِيِّ قَالَ لَمَّا قَدِمْتُ عَلَى رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عُلِّمْتُ أُمُورًا مِنْ أُمُورِ الْإِسْلَامِ فَكَانَ فِيمَا عُلِّمْتُ أَنْ قِيلَ لِي إِذَا عَطَسْتَ فَاحْمَدِ اللَّهَ وَإِذَا عَطَسَ الْعَاطِسُ فَحَمِدَ اللَّهَ فَقُلْ يَرْحَمُكَ اللَّهُ قَالَ فَبَيْنَمَا أَنَا قَائِمٌ مَعَ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي الصَّلَاةِ إِذْ عَطَسَ رَجُلٌ فَحَمِدَ اللَّهَ فَقُلْتُ يَرْحَمُكَ اللَّهُ رَافِعًا بِهَا صَوْتِي فَرَمَانِي النَّاسُ بِأَبْصَارِهِمْ حَتَّى احْتَمَلَنِي ذَلِكَ فَقُلْتُ مَا لَكُمْ تَنْظُرُونَ إِلَيَّ بِأَعْيُنٍ شُزْرٍ قَالَ فَسَبَّحُوا فَلَمَّا قَضَى النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الصَّلَاةَ قَالَ مَنِ الْمُتَكَلِّمُ قِيلَ هَذَا الْأَعْرَابِيُّ فَدَعَانِي رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ لِي إِنَّمَا الصَّلَاةُ لِقِرَاءَةِ الْقُرْآنِ وَذِكْرِ اللَّهِ فَإِذَا كُنْتَ فِيهَا فَلْيَكُنْ ذَلِكَ شَأْنَكَ فَمَا رَأَيْتُ مُعَلِّمًا قَطُّ أَرْفَقَ مِنْ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ۔

معاویہ بن حکم سُلمی رضی اللہ عنہ نے کہا کہ جب میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا تو مجھے اسلامی فرائض و شرائع کی تعلیم دی گئی۔ اس تعلیم میں یہ بھی شامل تھا کہ جب تو چھینک مارے تو اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ کہہ اور جب کوئی اور چھینک مارے اور الحمد للہ کہے تو یَرْحَمُکَ اللّٰہُ کہہ۔ معاویہ رضی اللہ عنہ نے کہا کہ اس اثناء میں کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نماز میں کھڑا تھا کہ ایک شخص نے چھینک ماری اور الحمد للہ کہا تو میں نے باآواز بلند یَرْحَمُکَ اللّٰہُ کہا تو لوگ مجھ پر نگاہوں کے تیر چلانے لگے حتیٰ کہ مجھے اس سے غصہ آگیا، پس میں نے کہا: کیا بات ہے کہ تم ترچھی نگاہوں سے دیکھتے ہو؟ معاویہ رضی اللہ عنہ نے کہا کہ اس پر انہوں نے تسبیح کہی۔ پس جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز ختم کی تو فرمایا: بات کرنے والا کون تھا؟ کہا گیا کہ یہ بدو تھا۔ پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے بلایا اور مجھ سے فرمایا: نماز تو قرآن کی قرأت کرنے اور ذکر خداوندی کے لیے ہے۔ جب نماز میں ہو تو تیرا یہی حال ہونا چاہیئے (کہ سکون سے قرأت اور ذکر میں لگا رہے) سو میں نے کبھی کوئی معلم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ نرم نہیں دیکھا۔

بَابُ ۵۶ التَّأْمِينِ وَرَاءَ الْإِمَامِ

امام کے پیچھے آمین کہنے کا باب۔

۹۳۴. حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ كَثِيرٍ أَنَا سُفْيَانُ عَنْ سَلَمَةَ عَنْ حُجْرٍ أَبِي الْعَنْبَسِ الْحَضْرَمِيِّ عَنْ وَائِلِ بْنِ حُجْرٍ قَالَ كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا قَرَأَ وَلَا الضَّالِّينَ قَالَ آمِينَ وَرَفَعَ بِهَا صَوْتَهُ.

وائل بن حجرؓ نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب وَلَا الضَّآلِّیْن پڑھتے تو باآوازِ بلند آمین کہتے تھے (یہ حدیث ترمذی اور ابن ماجہ نے بھی روایت کی ہے)

شرح: آمین اسمائے افعال میں سے ہے اور اس کا نون ساکن رکھا جاتا ہے۔ جمہور کے نزدیک اس کا معنیٰ ہے اے اللہ قبول فرما۔ ایک قول میں معنیٰ ہے: ایسا ہی ہو۔ ایک قول میں: قبول فرما۔ ایک قول میں: ہماری امید کو ناکام نہ کر۔ ایک قول میں: تیرے سوا اس پر کوئی بھی قادر نہیں۔ ایک قول یہ ہے کہ یہ عرش کے خزانوں میں سے ایک ہے اور اس کا حقیقی مطلب اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا۔ اس میں کوئی اختلاف نہیں کہ آمین قرآن میں سے نہیں، اس میں یہاں تک شدت اختیار کی گئی کہ اُسے قرآن کا حصہ سمجھنے والے کے کفر و ارتداد کا حکم بھی لگا دیا گیا۔ اس میں بھی اختلاف نہیں کہ امام، مقتدی، منفرد اور نماز سے باہر قرأت کرنے والا ان سب کے لیے آمین کہنا سُنت ہے حتیٰ کہ قرأت کے وقت جب کوئی اور سورت اس کے ساتھ ملائی جائے تو بھی آمین کہنا مسنون ہے۔

اس حدیث میں یہ دلیل موجود ہے کہ امام بھی آمین کہے۔ امام مالکؒ سے اس کے خلاف مروی ہے۔ حسن (بن زیاد) نے امام ابو حنیفہؒ سے روایت کی ہے کہ امام آمین نہ کہے۔ بعض مالکیہ نے (اور اس حسن کی روایت کے مطابق ابو حنیفہؒ کی طرف سے جواب دینے والے حنفیہ نے بھی) حضورؐ کی اس حدیث سے امام کے آمین نہ کہنے پر استدلال کیا ہے کہ فرمایا: جب امام وَلَا الضَّآلِّیْن کہے تو تم آمین کہو۔ اس میں حضورؐ نے امام کا وظیفہ قرأۃ اور مقتدی کا تامین بنایا ہے۔ اور ان حضرات نے الفاظِ حدیث: جب امام آمین کہے تو تم بھی آمین کہو، کا مطلب یہ بتایا ہے کہ جب امام آمین کہنے کے مقام پر پہنچے تو تم آمین کہو۔ امام ابو حنیفہؒ سے ظاہر روایت یہی ہے کہ امام اور مقتدی اور منفرد سب نماز میں اور باہر بھی آہستہ آمین کہیں۔ امام شافعیؒ کا قولِ جدید مقتدی کے متعلق حنفیہ جیسا ہے اور قولِ قدیم یہ ہے کہ مقتدی آمین با لجہر کہے۔ کتاب الأمّ میں ہے کہ: جب امام قرأتِ فاتحہ سے فارغ ہو تو باآوازِ بلند آمین کہے تاکہ اس کے مقتدی اس کی پیروی کریں جب امام آمین کہے تو مقتدی بھی کہیں اور صرف اپنے آپ کو سنائیں اور مجھے ان کی آمین با لجہر پسند نہیں ہے۔ لیکن اگر ایسا کریں تو کوئی حرج نہیں۔ یہ شافعیؒ کا قولِ جدید ہے مگر قولِ قدیم یہ ہے کہ: جہری نماز میں امام اور مقتدی دونوں آمین بالجہر کہیں اور سری نماز میں آہستہ۔

امام مالکؒ سے اس بارے میں مختلف روایات ہیں۔ مدنی مالکیوں کی روایت یہ ہے کہ امام آمین کہے۔ مشہور روایت ابن القاسم کی ہے کہ جہری نماز میں امام آمین نہ کہے، ایک روایت ہے کہ مطلقاً نہ کہے۔ مختصر اخضری کی روایت میں ہے کہ سری نمازوں میں امام آمین کہے نہ کہ جہری میں۔ اور احمد بن حنبلؒ کا قول شافعیؒ جیسا ہے۔ ترمذی نے کہا کہ کئی اصحاب اور تابعین اور بعد والوں کا مذہب یہ ہے کہ آدمی آمین کو با لجہر کہے نہ کہ مخفی، اور شافعیؒ، احمدؒ اور اسحاقؒ

کا یہی قول ہے۔ ابوہریرہؓ کی روایت میں جو: اِذَا اَمَّنَ الْاِمَامُ فَاَمِّنُوْا ہے اور ایک روایت میں ہے: اِذَا قَالَ الْاِمَامُ غَیْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَیْہِمْ وَلَا الضَّآلِّیْنَ فَقُوْلُوْا اٰمِیْن۔ جمہور کے نزدیک نزدیک یہ امر استحباب کے لیے ہے اور بعض اہل علم نے کہا ہے کہ مقتدی پر آمین کہنا اس امر کے سبب واجب ہے۔ اور ظاہریہ کا مذہب یہ ہے کہ ہر نمازی پر تامین واجب ہے۔ اور روافض کے نزدیک یہ بدعت ہے جس سے نماز فاسد ہو جاتی ہے۔

یہ حدیث سفیان اور شعبہ دونوں نے سلمہ بن کہیل سے اس نے حجر سے اس نے وائل سے روایت کی ہے اس میں سفیان نے کہا کہ: اور حضورؐ نے آمین بلند آواز سے کہی۔ اور شعبہ نے کہا کہ: اور حضورؐ نے آمین پست آواز سے کہی۔ امام شافعیؒ اور اُن کے موافقین نے سفیان کی روایت کی بنا پر امام کو آمین بالجہر کا حکم دیا اور سفیان کی حدیث کو انہوں نے ان وجوہ سے ترجیح دی ہے (۱) بقول ترمذیؒ امام بخاریؒ نے حدیث سفیان کو زیادہ صحیح کہا اور شعبہ کی خطا ظاہر کی کہ اس نے سلمہ بن کہیل کے استاد کا نام حجر ابوالعنبس بتایا حالانکہ صحیح حجر بن العنبس ہے اور اس کی کنیت ابوالسکن ہے۔ مولاناؒ نے فرمایا کہ ابوداؤد کی روایت میں تو حجر ابوالعنبس ہی آیا ہے اور وہ بقول ابن حبان ابن العنبس بھی ہے اور ابوالعنبس بھی اور اسی طرح وہ ابوالعنبس بھی ہے اور ابوالسکن بھی۔ اور شعبہ کی خطاء (بقول بخاری) یہ بھی ہے کہ اس نے عن علقمۃ بن وائل کہا حالانکہ اس سند میں علقمہ نہیں ہے بلکہ حجر بن عنبس عن وائل بن حجر ہے۔ مولاناؒ نے فرمایا کہ ثقہ کا اضافہ مقبول ہے، ممکن ہے حجر نے یہ روایت دونوں سے کی ہو، پہلے بیٹے سے اور پھر براہ راست باپ سے۔ شعبہ کی خطاء بقول بخاری یہ بھی ہے کہ اس نے حدیث میں لفظ بولے ہیں: حضورؐ نے پست آواز سے آمین کہی، حالانکہ دراصل لفظ یوں ہیں کہ: حضورؐ نے آواز کو لمبا کر کے آمین کہی۔ مولاناؒ نے فرمایا کہ کر کے آمین کہی۔ مولاناؒ نے فرمایا کہ یہ دعوائے بے دلیل ہے۔ ترمذیؒ نے سفیان کی روایت کی ترجیح کی دلیل یہ دی ہے کہ علاء بن صالح نے بھی سلمہ بن کہیل سے اسی قسم کے الفاظ روایت کئے ہیں جیسے کہ سفیان نے کئے ہیں۔ پس علاء کی تائید سفیان کی روایت کو ترجیح دیتی ہے۔ مولاناؒ نے فرمایا کہ سفیان اور شعبہ ہر دو حافظ و عادل ہیں۔ دونوں کی روایت صحیح ہے اور دونوں حدیثیں اخبار آحاد میں سے ہیں، جب تک حدیث صحیح مرتبۂ آحاد میں رہے گی، کثرت رواۃ سے اسے دوسری حدیث صحیح پر جو خود بھی خبر واحد ہو ترجیح نہیں دی جاسکتی۔ حدیث صحیح کا راوی اگر ایک ہو تو اس کے مقابلے میں دو یا تین راویوں والی حدیث کو ترجیح نہیں دی جاسکتی، اور ہر خبر واحد جو صحیح ہے وہ لائق احتجاج ہے۔

(۲) حدیث سفیان کی ترجیح کا دوسرا سبب قائلین آمین بالجہر نے یہ بتایا ہے کہ بقول بیہقی اہل علم میں اس بات میں کوئی اختلاف نہیں کہ سفیان اور شعبہ کے اختلاف کے وقت سفیان کو ترجیح ہوتی ہے چنانچہ یحییٰ بن سعید کا قول ہے کہ شعبہ سے زیادہ مجھے کوئی محبوب نہیں اور میرے نزدیک کوئی بھی اس کے برابر نہیں مگر جب سفیان جب اس کی مخالفت کرے تو میں سفیان کا قول لوں گا۔ مولاناؒ نے فرمایا کہ یہ قطان کا قول ضرور ہے مگر اس پر اجماع کا دعویٰ غلط ہے۔ حافظ ابن حجر نے تہذیب التہذیب میں امام احمد کا قول نقل کیا ہے کہ شعبہ حدیث میں ثوری سے بہتر ہے اور شعبہ کے دور میں اس جیسا کوئی نہ تھا۔ نہ کوئی اس سے حدیث میں احسن تھا، یہ اس کا حصہ تھا۔ محمد بن عباس نسائی نے کہا ہے کہ میں نے ابوعبداللہ سے پوچھا کہ شعبہ اور سفیان میں سے اثبت کون تھا؟ تو کہا کہ سفیان حافظ اور صالح تھا مگر شعبہ اس سے زیادہ ثبت اور زیادہ صالح تھا۔ ابن مہدی نے کہا کہ سفیان ثوری خود کہا کرتا تھا، شعبہ حدیث

میں امیر المؤمنین تھا۔ ابن المدینی نے کہا کہ میں نے یحییٰ بن سعید سے پوچھا کہ سفیان اور شعبہ میں سے طویل حدیثوں کا زیادہ حافظ کون تھا؟ اس نے کہا کہ شعبہ ان میں زیادہ رواں تھا۔ (۳) تیسرا سبب یہ ہے کہ شعبہ نے کہا: سفیان مجھ سے زیادہ حافظ ہے۔ مولانا نے فرمایا کہ اوپر گزر چکا ہے کہ سفیان نے کہا: شعبہ حدیث میں امیر المومنین ہے، اور ظاہر ہے کہ سفیان خود بھی تو ان مومنین میں داخل تھا جن کا امیر شعبہ تھا۔ اور یحییٰ بن سعید القطان کا قول بھی اوپر گزرا ہے کہ شعبہ لمبی احادیث کا زیادہ حافظ تھا۔ اگر قائل کا پیش کردہ قول مان لیا جائے تو اس سے مراد مسائل فقہیہ ہیں۔ تذکرۃ الحفاظ میں ہے کہ ابن المدینی کے بقول　　شعبہ مشائخ کا زیادہ حافظ تھا اور سفیان ابواب کا زیادہ حافظ تھا۔

(۴) چوتھا سبب یہ کہ ابوالولید طیالسی نے اپنی سنن میں اسے شعبہ سے ثوری کی موافقت کے ساتھ روایت کیا ہے۔
مولانا نے فرمایا کہ اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ ایک کو ترجیح دی جائے۔ ان حدیثوں میں تعارض نہیں جس کے باعث ترجیح کی محتاج ہوں۔
(۵) پانچواں یہ کہ دونوں روایتیں اگر ایک ایک ہی درجے کی ہیں تو رفع صوت کی روایت چونکہ زیادت پر مشتمل ہے لہٰذا اسے ترجیح دیں گے۔ مولانا فرماتے ہیں کہ یہ وجہ غیر صحیح ہے کیونکہ آواز کا بلند کرنا یا پست کرنا دونوں آواز کی صفات ہیں لہٰذا یہ کہنا کیسے درست ہوگا کہ بلند آواز والی روایت میں اضافہ ہے لہٰذا لائق ترجیح ہے (۶) حاکم نے سند صحیح کے ساتھ ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے جو روایت بیان کی ہے اس سے سفیان والی روایت کو قوت ملتی ہے کہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب قرآن کی قرأت سے فارغ ہوتے تو بآواز بلند آمین کہتے تھے۔ بیہقی نے علی رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو غَيْرِ الْمَغْضُوبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّالِّينَ پڑھ کر آمین کہتے سنا تھا۔ اور بیہقی کی ایک اور روایت بھی ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے کہا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وَلَا الضَّالِّينَ پڑھ کر بآواز بلند آمین کہتے تھے۔ مولانا نے فرمایا کہ یہ وجہ بھی سفیان کی روایت کو ترجیح نہیں دیتی۔ ہم انکار نہیں کرتے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بآواز بلند آمین کہی تھی، بلکہ یہ کہتے ہیں کہ واقعی حضور نے بآواز بلند آمین کہی تھی مگر اس پر دوام و استمرار نہیں تھا۔ آمین کو بآواز بلند آخری عمر تک حضور سے بالدوام ثابت نہیں ہوا۔ اس سے ہم نے یہ سمجھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی کبھی اُمت کی تعلیم کی خاطر بآواز بلند آمین کہی تھی پھر اسے مخفی کہتے رہے۔ جیسا کہ صحاح میں ظہر و عصر کی مخفی نمازوں میں بھی احیاناً چند آیات کی قرأت اعلام و تعلیم کے لیے ثابت ہوئی ہے۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ آمین دعاء ہے، اور دعا میں اصل اخفاء ہے نہ کہ جہر۔ اسی پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد اکابر صحابہ مثلاً عمر و علی رضی اللہ عنہما کا عمل رہا ہے۔ عینی کا بیان ہے کہ طبرانی تہذیب الآثار میں اپنی سند سے ابووائل سے روایت کی ہے کہ عمر و علی رضی اللہ عنہما بالجہر آمین نہ کہتے تھے اور نہ بسم اللہ الرحمن الرحیم بالجہر پڑھتے تھے۔ طحاوی نے بھی یہ روایت درج کی ہے اور اس میں تامین و تسمیہ کے علاوہ تعوذ کا ذکر بھی ہے۔ اسی طرح عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے بھی آمین کا اخفاء مروی ہے۔

مولانا نے فرمایا کہ شیخ نیموی نے اس بحث میں ایک دوسرا طریق اختیار کیا ہے۔ آثار السنن میں انہوں نے کہا ہے کہ وائل بن حجر رضی اللہ عنہ کی حدیث مضطرب ہے۔ اضطراب کی دلیل یہ ہے کہ اس میں شعبہ نے: أَخْفَى بِهَا صَوْتَهُ اور سفیان نے رَفَعَ بِهَا صَوْتَهُ روایت کیا ہے۔ واقعہ ایک ہی ہے اور دونوں ثقہ راویوں کا بیان متعارض ہے لہٰذا یہ حدیث خفض و رفع میں مضطرب ہو گئی۔ دونوں میں اس وقت تک توفیق ممکن نہیں جب تک یہ نہ کہا جائے کہ رفع سے مراد رفع یسیر ہے جسے حضور کے پاس والوں نے صف اوّل میں سن لیا مگر خفض سے مراد یہ ہے کہ آمین کو تکبیر اور تسمیع کی

مانند بالجہر نہیں کہا گیا تھا۔ اور کچھ بھی ہو بظاہر اس کی دلالت یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے ساتھ کوئی اور کلمہ نہیں ملایا تھا اور اسے صرف ایک ہی بار کہا تھا۔ طبرانی نے معجم کبیر میں وائل بن حجرؓ سے روایت کی ہے کہ: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو نماز میں داخل ہوتے دیکھا پس جب آپؐ فاتحہ کی قرأت سے فارغ ہوئے تو تین بار آمین کہا۔ ہیثمی نے مجمع الزوائد میں کہا ہے کہ اس کے راوی ثقہ ہیں۔ اور طبرانی اور بیہقی نے وائل بن حجرؓ سے روایت کی ہے کہ اس نے وَلَا الضَّآلِّیْنَ کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے سُنا: رَبِّ اغْفِرْ لِی آمین۔ مولاناؒ نے فرمایا کہ اس روایت میں احمد بن عبد الجبار ہے جس کے متعلق مجمع الزوائد میں ہیثمی نے کہا کہ دارقطنی کی اس کی توثیق کی، ابو کریب نے اس کی تعریف بیان کی، ایک جماعت نے اس کو ضعیف کہا مگر ابن عدی نے کہا کہ میں نے اس کی کوئی منکر حدیث نہیں دیکھی۔ علی القاریؒ نے مرقات میں طبرانی کی اس حدیث کی سند کو لا بأس بہ کہا ہے۔ مولاناؒ نے فرمایا کہ بقول شیخ نیمویؒ وائلؓ کی حدیث میں یہ اضطرابات و اختلافات اس کے مضطرب ہونے کی واضح دلیل ہیں۔ امام بخاریؒ نے آمین بالجہر کے اثبات کی حرص کے باوجود شاید اسی لیے، اور ان کے شاگرد اور ساتھی مسلم نے بھی اسی اضطراب کے باعث اس حدیثِ وائلؓ کی روایت درج نہیں کی۔

شیخ نیمویؒ نے دارقطنی اور حاکم کی مروی حدیثِ ابی ہریرہؓ کا بھی ذکر کیا ہے کہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم امّ القرآن کی قرأت سے فارغ ہو کر بلند آواز سے آمین کہتے تھے۔ حاکم نے اس حدیث کو علی شرط الشیخین صحیح کہا ہے، اور بتایا ہے کہ دونوں حضرات نے اسے اس لفظ کے ساتھ روایت نہیں کیا۔ حافظ ابن القیمؒ نے حاکم کی تصحیح پر اعتماد کر کے اعلام الموقعین میں کہا ہے کہ: حاکم نے اسے سندِ صحیح کے ساتھ روایت کیا ہے۔ میں کہتا ہوں کہ اس میں اسحاق بن ابراہیم بن علاء زبیدی ابن زبریق راوی ہے جس کی روایت نہ بخاری و مسلم میں ہے اور نہ سنن نسائی، ترمذی، ابو داؤد اور ابن ماجہ میں ہے۔ نسائی اور ابو داؤد نے اسے ضعیف ٹھہرایا اور محمد بن عوف طائی نے اس کی تکذیب کی ہے جیسا کہ میزان الاعتدال ہے۔ پھر شیخ نیمویؒ نے ابو ہریرہؓ کے چچا زاد بھائی ابو عبد اللہ کی روایت ابو ہریرہؓ سے بحوالہ ابن ماجہ بیان کی اور اس کی سند کا ضعف بیان کیا ہے کیونکہ اس میں ایک راوی بشر بن رافع ہے جسے بخاری نے کہا ہے کہ اس کی روایت کی کوئی تائید نہیں کرتا، احمد نے اسے ضعیف کہا ہے اور ابن معین نے کہا کہ اس نے منکر روایات بیان کی ہیں۔ نسائی نے اسے غیر قوی بتایا ہے ابن حبان نے کہا کہ وہ موضوع روایات یوں بیان کرتا ہے گویا وہی خود انہیں گھڑنے والا ہے اور جان بوجھ کر ایسا کرتا ہے۔ یہ میزان کا بیان ہے۔ حافظ ابن حجر نے تہذیب التہذیب اور تقریب میں اسے ضعیف کہا ہے۔ پھر کہا ہے کہ ابو داؤد نے یہ روایت بشیر بن رافع سے کی ہے اور یہ روایت ان الفاظ پر ختم ہو گئی ہے کہ: حتیٰ کہ پہلی صف میں آپ سے قریب والے اسے سُن لیتے تھے۔ اور "مسجد گونج اٹھتی تھی" کے الفاظ کو بیان نہیں کیا۔ مسند ابی لیلیٰ میں بھی یہ لفظ نہیں آئے، ہاں یہ ضرور آیا ہے کہ: صفِ اول کے لوگ سُن لیتے تھے۔ اس سے ثابت ہو گیا کہ ابن ماجہ کی روایت میں جو: "مسجد گونج اٹھتی تھی" کے الفاظ ہیں ان کی تائید و متابعت کہیں نہیں ہوئی۔ علاوہ ازیں یہ اضافہ راوی کے اس قول کے بھی خلاف ہے کہ: "پہلی صف کے لوگ اُسے سنتے تھے"۔ پھر امّ الحصینؓ کی روایت درج کی ہے جسے مسندِ ابن راہویہ میں اور طبرانیؒ کبیر میں روایت کیا گیا ہے کہ: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے (عورتوں کی صف میں) نماز پڑھی۔ جب آپؐ نے وَلَا الضَّآلِّیْنَ کہا تو آمین کہا اور میں نے اُسے سُن لیا۔ اس میں اسماعیل بن مسلم

کی ہے جو ضعیف ہے۔ پھر شیخ نیموی ؒ نے کہا کہ آمین بالجہر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور خلفائے اربعہ سے ثابت نہیں ہوئی۔ اس باب میں جس قدر احادیث ہیں وہ کسی نہ کسی علت سے خالی نہیں ہیں۔

پھر شیخ نیموی ؒ نے "باب ترک الجہر بالتامین" لکھا اور اس میں آیت قرآنی "اُدْعُوا رَبَّكُمْ تَضَرُّعًا وَّخُفْيَةً" (اپنے رب سے عاجزی سے اور چپکے چپکے دعا کرو) سے استدلال کیا ہے۔ اور ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی اس حدیث سے استدلال کیا ہے (صحیح مسلم) کہ: جب امام وَلَا الضَّالِّينَ کہے تو تم آمین کہو۔ اس سے پتہ چلا کہ امام آمین بالجہر نہ کرے کیونکہ امام کی تامین بالجہر اگر مشروع ہوتی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یہ فرماتے: جب امام باآواز بلند آمین کہے تو تم بھی کہو۔ اور مقتدیوں کی تامین کا تعلق امام کے وَلَا الضَّالِّينَ کہنے کے ساتھ نہ جوڑتے۔ اور حسن کی حدیث سے استدلال کیا ہے کہ سمرہ بن جندب رضی اللہ عنہ اور عمران بن حصین رضی اللہ عنہ نے مذاکرہ کیا اور سمرہ بن جندب رضی اللہ عنہ نے کہا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دو سکتے یاد رکھے ہیں، ایک سکتہ تکبیر تحریمہ کے بعد اور دوسرا سکتہ غَيْرِ الْمَغْضُوبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّالِّينَ کی قرأت کے بعد۔ عمران بن حصین رضی اللہ عنہ نے اس کا انکار کیا اور ان دونوں نے فیصلہ کرانے کے لیے اُبی رضی اللہ عنہ بن کعب کو لکھا۔ ابوداؤد میں ہے کہ ابی رضی اللہ عنہ نے جواب میں لکھا کہ سمرہ رضی اللہ عنہ نے ٹھیک یاد رکھا ہے۔ دوسرے محدثین نے بھی اس حدیث کو روایت کیا ہے اور اس کی سند صالح ہے۔ شیخ نیموی ؒ نے کہا کہ ظاہر تر بات یہ ہے کہ پہلا سکتہ اس لیے تھا تاکہ ثناء کو آہستہ پڑھیں۔ اور دوسرا سکتہ اس لیے تھا کہ آمین آہستہ کہیں۔ بعض لوگوں نے کہا کہ دوسرا سکتہ سانس لینے کے لیے تھا، اگر ایسا ہی تھا تو اس سے لازم آگیا کہ مقتدیوں کی آمین حضور ﷺ کی آمین سے پہلے ہوتی تھی (کیونکہ آپ ﷺ تو سانس درست کر رہے ہوتے تھے اور مقتدیوں کو حکم تھا کہ جونہی امام قرأتِ فاتحہ کو ختم کرے تو وہ آمین کہیں!) حالانکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مقتدیوں کو امام پر سبقت کرنے سے منع فرمایا تھا۔ پھر شیخ نیموی ؒ نے سمرہ بن جندب رضی اللہ عنہ کی حدیث جو احمد اور دارقطنی نے بیان کی ہے، اسے بیان کیا ہے کہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نماز پڑھاتے وقت دو سکتے فرماتے تھے، ایک نماز کے شروع میں اور دوسرا وَلَا الضَّالِّينَ کی قرأت کے بعد۔ لوگوں نے جب سمرہ رضی اللہ عنہ کی بات نہ مانی تو سمرہ رضی اللہ عنہ نے اُبی رضی اللہ عنہ بن کعب کو خط لکھ کر پوچھا۔ ابی رضی اللہ عنہ نے سمرہ رضی اللہ عنہ کی تائید کی۔ اس حدیث کی سند صحیح ہے۔

پھر انہوں نے وائل بن حجر رضی اللہ عنہ کی حدیث بیان کی جسے احمد، ترمذی، ابوداؤد، طیالسی، دارقطنی اور دوسرے محدثین نے روایت کیا ہے شعبہ کی روایت سے اس کے لفظ یہ ہیں: جب حضور غَيْرِ الْمَغْضُوبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّالِّينَ کہتے تو مخفی آواز سے آمین کہتے۔ اس حدیث کی سند صحیح ہے مگر متن میں اضطراب ہے۔ پھر ترمذی نے بخاری سے جو اس کی تین علتیں نقل کی ہیں انہیں بیان کیا اور پھر حافظ زیلعی ؒ سے (نصب الرایہ) نقل کیا کہ اس حدیث میں ایک اور علت بھی ہے جسے ترمذی نے اپنی علل کبیر میں بیان کیا ہے کہ: میں نے بخاری سے پوچھا کہ کیا علقمہ نے اپنے باپ سے سماع کیا تھا؟ اس نے کہا کہ وہ تو اپنے باپ کی موت کے چھ ماہ بعد پیدا ہوا تھا۔ پھر نیموی ؒ نے ان تمام اعتراضات کا جواب دیا ہے اور ان سب کو رد کر دیا ہے (ان کا ذکر اوپر دورانِ بحث میں کیا جا چکا ہے) علقمہ بن وائل رضی اللہ عنہ کے اپنے باپ سے جہاں تک سماع کا تعلق ہے، امام احمد نے مسند میں اپنی سند کے ساتھ یہ حدیث حجر ابی العنبس سے روایت کی ہے (ابوالعنبس ہی ابوالسکن بھی ہے اور وہ ابن العنبس بھی ہے) اس نے کہا کہ میں نے علقمہ بن وائل سے سنا کہ وہ یحدث عن وائل رضی اللہ عنہ۔ اور حجر نے یہ حدیث براہ راست وائل سے بھی سنی تھی۔ گویا اگر علقمہ کا واسطہ نہ بھی ہو تب بھی سند

حدیث میں نقص نہیں آتا۔ بالکل اسی قسم کے الفاظ کے ساتھ اس حدیث کو ابو داؤد طیالسی نے اپنی مسند میں بھی بیان کیا ہے۔ شعبہ اور سفیان کا اختلاف جو آہستہ اور بلند آواز میں ہے اس کا منشاء زیادہ سے زیادہ یہ ہے کہ اس حدیث کو مضطرب مانا جائے اور یہ کسی فریق کے لیے لائق استدلال نہ رہے۔

شیخ نیموی رحمہ نے کہا ہے کہ میرے نزدیک شعبہ کی روایت کو ترجیح دینے کا ایک اچھا باعث یہ بھی ہے کہ شعبہ مدلس نہ تھا، نہ ضعفاء سے اور نہ ثقات سے تدلیس کرتا تھا اور اس روایت میں اس نے اخبرنی کا لفظ بولا ہے اسکے برخلاف سفیان بعض دفعہ تدلیس کرتا تھا اور اس حدیث میں اس نے عن سلمۃ کا لفظ بولا ہے۔ امام ذہبی نے میزان الاعتدال میں کہا ہے کہ، سفیان بن سعید حجت ہے ثبت ہے متفق علیہ ہے مگر وہ ضعفاء سے تدلیس کرتا تھا۔ حافظ ابن حجر نے تقریب میں کہا ہے کہ سفیان کبھی کبھی تدلیس کرتا تھا۔ پس اس بناء پر شعبہ کی روایت کو جس میں آمین آہستہ کہنے کا ذکر ہے سفیان کی روایت پر ترجیح ہے جس میں با آواز بلند کا ذکر ہے۔ حافظ ابن قیم رح نے اعلام الموقعین میں روایت رفع کی ترجیح کے لیے علاء بن صالح اور محمد بن سلمہ بن کہیل کی متابعت کا ذکر کیا ہے۔ مگر علاء بن صالح ثقہ اور ثبت راویوں میں سے نہیں ہے۔ ابو حاتم نے اسے شیعہ کی گردن (سردار) کہا ہے۔ ابن المدینی نے اسے منکر حدیثوں کا راوی کہا ہے۔ محمد بن سلمہ کے متعلق ذہبی نے میزان میں لکھا ہے کہ جوزجانی نے اُسے: ذاہب واہی الحدیث ٹھہرایا ہے۔ پس ان کی متابعت سے شعبہ کی روایت کی ترجیح پر اثر نہیں پڑ سکتا۔ علاء بن صالح کو بقول حافظ ابن حجر ایک روایت میں ابو داؤد نے علی بن صالح لکھا ہے مگر یہ ابو داؤد کا وہم ہے جیساکہ حافظ نے کہا ہے۔

اگر کوئی شخص کہے کہ بیہقی نے سنن کبریٰ میں کہا ہے کہ ابو الولید طیالسی نے اس حدیث کو شعبہ سے روایت کیا ہے اور اس میں بالجہر کا ذکر ہے۔ تو اس کا جواب یہ ہے کہ شعبہ سے یہ روایت شاذ ہے۔ اس میں ابو الولید منفرد ہے اور اس سے ابراہیم بن مرزوق منفرد ہے۔ اصحاب شعبہ میں سے ابو داؤد طیالسی، محمد بن جعفر، یزید بن زریع اور عمرو بن مرزوق سب ہی مخفی آمین کے راوی ہیں۔ ابراہیم بن مرزوق بصری موت سے قبل نابینا ہو گیا تھا خطا کرتا تھا مگر اس سے رجوع نہ کرتا تھا (تقریب) پس خلاصۂ کلام یہ ہے کہ شعبہ سے محفوظ روایت مخفی آمین کی ہے۔

جہاں تک اس حدیث کی سند میں انقطاع کا سوال ہے سو یہ قول نہایت کمزور ہے کیونکہ علقمہ کا سماع اپنے باپ وائل رض سے ثابت ہے (۱) نسائی نے باب رفع الیدین عند الرفع من الرکوع میں ایک حدیث کی سند میں یہ الفاظ ہیں: مجھ سے علقمہ بن وائل رض نے بیان کیا اس نے کہا کہ مجھ سے وائل رض نے حدیث بیان کی الخ اس حدیث کو بخاری نے بھی جزء رفع الیدین میں بیان کیا ہے۔ اس میں علقمہ سے روایت کرنے والا کہتا ہے کہ: مجھ سے علقمہ بن وائل نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا مجھ سے میرے باپ نے حدیث بیان کی۔ پس یہ اس بات کی دلیل ہے کہ علقمہ کو اپنے باپ وائل رض سے سماع حاصل ہوا ہے (۲) ترمذی نے اپنی جامع میں کتاب الحدود کے اندر وضاحت وصراحت سے کہا ہے کہ: علقمہ بن وائل بن حجر رض کو اپنے باپ وائل رض سے سماع حاصل ہوا ہے۔ علقمہ اپنے بھائی عبد الجبار سے بڑا تھا اور عبد الجبار کا سماع اپنے باپ سے ثابت نہیں۔ پس بخاری کا یہ قول کہ: علقمہ اپنے باپ کی موت کے بعد پیدا ہوا تھا ترمذی (کتاب الحدود) میں ترمذی کے اس قول کا معارض ہے کہ: عبد الجبار نے اپنے باپ سے نہیں سُنا اور نہ اسے پایا۔ کہا جاتا ہے کہ وہ اپنے باپ کی موت کے چھ ماہ بعد

پیدا ہوا تھا۔ اور ابن حجر نے تہذیب التہذیب میں لکھا ہے کہ، ابو داؤد نے ابن معین سے نقل کیا کہ عبد الجبار کا باپ اس وقت مرا جبکہ یہ ابھی پیٹ میں تھا۔ اور سمعانی نے انساب میں کہا ہے کہ: عبد الجبار بن وائل کندی، ابو محمد اپنے باپ اور ماں سے روایت کرتا ہے لیکن جو کہتے ہیں کہ اس نے اپنے باپ سے سُنا ہے یہ ان کا وہم ہے کیونکہ عبد الجبار ابھی پیٹ میں تھا اس کا باپ وائل مر گیا تھا۔ وہ باپ کی موت کے چھ ماہ بعد پیدا ہوا تھا۔ پس یہ عبارات بتاتی ہیں کہ جس کا سماع اپنے باپ سے ثابت نہیں اور وہ اپنے باپ کی وفات کے چھ ماہ بعد پیدا ہوا تھا وہ علقمہ نہیں بلکہ اس کا چھوٹا یتیم بھائی عبد الجبار تھا۔ شیخ نیموی ؒ فرماتے ہیں کہ عبد الجبار کی ولادت جو اس کے باپ کی موت کے بعد بتائی گئی ہے اس میں بھی شک ہے کیونکہ ابو داؤد کی ایک روایت میں ہے کہ: میں لڑکا تھا اپنے باپ کی نماز کو سمجھ نہیں سکتا تھا پس وائل بن علقمہ نے مجھے ابو وائل بن حجر سے روایت کر کے حدیث سُنائی الخ (ابو داؤد باب رفع الیدین) اور طحاوی نے باب وضع الیدین فی السجود میں یہی حدیث درج کی ہے۔ پس اس سے پتہ چلا کہ وہ اپنے باپ کی زندگی میں ایک بے سمجھ لڑکا تھا۔ اور جن لوگوں نے یہ کہا ہے کہ یہ قول: میں چھوٹا لڑکا تھا اور اپنے باپ کی نماز کو سمجھ نہیں سکتا تھا الخ علقمہ کا ہے نہ کہ عبد الجبار کا، یہ درست قول نہیں بلکہ باطل ہے۔ کیونکہ اس حدیث کے راوی محمد بن حجادہ نے اپنے استاد کا نام عبد الجبار صراحۃً بتایا ہے نہ کہ علقمہ کا اور پھر علقمہ یہ یہ کیسے کہہ سکتا تھا کہ مجھ سے وائل بن علقمہ نے بیان کیا (وائل بن علقمہ تو خود اس علقمہ کا بیٹا تھا) حافظ ابن حجر نے تقریب میں کہا ہے کہ صحیح لفظ یہ ہے: پس مجھے علقمہ بن وائل نے بتایا۔ سو کیا علقمہ اپنے بیٹے سے اس وجہ سے روایت سُن رہا تھا کہ اس کا بیٹا اس سے (اپنے باپ سے) بڑا تھا؟ یا بقول حافظ صاحب ؒ کیا علقمہ خود اپنے باپ سے روایت سُن کر کہہ رہا تھا؟ حالانکہ طبرانی نے عبد الوارث کے طریق سے اس لفظ سے روایت کی ہے کہ: پس مجھے علقمہ بن وائل نے حدیث سُنائی۔ پس حق بات یہ ہے کہ اس قول کا قائل عبد الجبار ہے نہ کہ علقمہ۔ عبد الجبار اپنے بڑے بھائی علقمہ سے روایت کر رہا ہے۔ سو اس تحقیق سے ثابت ہو گیا کہ عبد الجبار گو اپنے بھائی علقمہ سے چھوٹا تھا مگر وہ اپنے باپ کی زندگی ہی میں پیدا ہوا تھا۔ نیز وہ لوگ جنہوں نے دوسروں کی تقلید میں کہہ دیا کہ علقمہ بن وائل بن حجر صادق القول تھا مگر اپنے باپ سے اس نے کچھ نہیں سُنا۔ ان کا قول غلط ثابت ہو گیا۔ فالحمد للہ علی ذالک۔

۹۳۵۔ حَدَّثَنَا مُخَلَّدُ بْنُ خَالِدٍ الشَّعِيرِيُّ نَا ابْنُ نُمَيْرٍ نَا عَلِيُّ بْنُ صَالِحٍ عَنْ سَلَمَةَ بْنِ كُهَيْلٍ عَنْ حُجْرِ بْنِ عَنْبَسٍ عَنْ وَائِلِ بْنِ حُجْرٍ أَنَّهُ صَلَّى خَلْفَ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَجَهَرَ بِآمِينَ وَسَلَّمَ عَنْ يَمِينِهِ وَعَنْ شِمَالِهِ حَتَّى رَأَيْتُ بَيَاضَ خَدِّهِ۔

وائل بن حجر سے روایت ہے کہ اس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے نماز پڑھی۔ پس حضور نے بآوازِ بلند آمین کہی اور اپنے دائیں بائیں سلام کہا حتیٰ کہ میں نے آپ کے رُخسار کی سفیدی دیکھی۔

شرح: حضرت استاذِ مرحوم علامہ عثمانی نے فرمایا (فتح الملہم) کہ حدیث ابی ہریرہ رضی اللہ عنہ کے یہ الفاظ: حضور ﷺ نے فرمایا جب امام آمین کہے تو تم بھی آمین کہو سے بخاری وغیرہ کا یہ استدلال کہ امام بھی آمین بالجہر کرے، درست نہیں ہے کیونکہ جمہور نے اسے مجاز پر محمول کیا ہے تاکہ یہ حدیث دوسری حدیث کے مطابق ہو جائے جس میں یہ ہے کہ: جب امام وَلَا الضَّآلِّیْنَ کہے تو تم آمین کہو۔ پس اِذَا اَمَّنَ الْاِمَامُ کا مطلب یہ ہے کہ: جب امام تامین کا ارادہ کرے۔ جیسا کہ قرآن کہتا ہے: اِذَا قُمْتُمْ اِلَى الصَّلٰوۃِ اس کا مطلب ہے کہ جب تم نماز کا ارادہ کرو۔ یہی بات ابن حجر نے فتح الباری میں اور سیوطی نے تنویر الحوالک میں کہی ہے۔ حضرت نے فرمایا کہ جب اس کا یہ معنیٰ ثابت ہو گیا کہ: جب امام تامین کا ارادہ کرے، تو اس سے امام کا آمین بالجہر کہنا لازم نہیں آتا اور اس سے یہ بھی معلوم ہو گیا کہ امام کی تامین کا موقع اس کا قرأت سے سکوت کا وقفہ ہے۔ علامہ ابن دقیق العید المالکی الشافعی نے شرح العمدہ میں کہا ہے کہ اس حدیث ابی ہریرہ رضی اللہ عنہ سے امام کی آمین بالجہر پہ استدلال کرنا نہایت ضعیف ہے۔

حضرت نے فرمایا کہ حضور ﷺ کا یہ حکم: پس تم آمین کہو، جمہور کے نزدیک استحباب کے لیے ہے۔ سلف صالحین کی اکثریت آمین کے اخفاء کی طرف ہے (الجوہر النقی عن ابن جریر الطبری) پس سُنت یہی ہے۔ ہاں جہر جائز ہے مگر سُنت نہیں۔ حنفیہ کے نزدیک حضور ﷺ کا کبھی باآوازِ بلند آمین کہنا تعلیماً تھا جیسا کہ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کا جہر بھی (بعض روایات کے مطابق) بغرض تعلیم تھا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ثناء کو بغرضِ تعلیم جہراً پڑھا تھا۔ ابن عباس رضی اللہ عنہ نے نمازِ جنازہ میں سورۂ فاتحہ کو بغرضِ تعلیم بالجہر پڑھا تھا۔ میں عرض کرتا ہوں کہ اس طرح حضور ﷺ نے سرّی نمازوں میں بعض دفعہ بغرض اعلام قرآنی آیات کو بالجہر پڑھا تھا اور یہ صحاح میں ثابت ہے۔ حافظ ابن عبد البر نے کہا ہے کہ حضور ﷺ کا یہ حکم: جب امام ولا الضالین کہے تو تم آمین کہو اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ امام کے پیچھے جہری نماز میں قرأت نہیں ہونی چاہیئے ورنہ حضور یہ فرماتے کہ جب تم قرأت فاتحہ سے فارغ ہو جاؤ تو آمین کہو کیونکہ قرأتِ فاتحہ کرنے والے کے لیے سنت یہی ہے کہ وہ اس کی قرأت سے فارغ ہو کر آمین کہے۔

۹۳۶۔ حَدَّثَنَا نَصْرُ بْنُ عَلِيٍّ اَنَا صَفْوَانُ بْنُ عِيْسٰى عَنْ بِشْرِ بْنِ رَافِعٍ عَنْ اَبِيْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَمِّ اَبِيْ هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا تَلَا غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّآلِّيْنَ قَالَ اٰمِيْنَ حَتّٰى يَسْمَعَ مَنْ يَّلِيْهِ مِنَ الصَّفِّ الْاَوَّلِ۔

ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّآلِّيْنَ پڑھتے تو آمین کہتے تھے حتیٰ کہ صفِ اول کے جو لوگ آپ کے قریب ہوتے وہ اُسے سن لیتے تھے (ابن ماجہ نے بھی یہ حدیث روایت کی ہے اور اس میں فَيَرْتَجُّ بِهَا الْمَسْجِدُ کا اضافہ کیا ہے جس پر ہم اوپر گفتگو کر چکے ہیں کہ یہ اضافہ غیر محفوظ ہے)

شرح: اس حدیث کی سند میں بشر بن رافع راوی آیا ہے جسے حافظ ابن حجر نے تقریب میں ضعیف الحدیث کہا ہے۔ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کا چچا زاد بھائی ابو عبد اللہ بقول ذہبی اور ابن القطان غیر معروف۔ ذہبی نے کہا ہے کہ اس سے

یسیر بن رافع کے سوا کسی نے بھی روایت نہیں کی۔ اس سے حضورؐ کا آمین کو بالجہر کہنا اول تو تعلیماً تھا جیسا کہ اوپر گزرا، ثانیاً الفاظِ حدیث بتاتے ہیں کہ اس قدر آہستہ ہوتا کہ پہلی صف میں بھی جو لوگ قریب ہوتے وہی سنتے تھے۔ ابن ماجہ کے اضافہ پر اوپر بحث ہو چکی ہے۔

۹۳۷۔ حَدَّثَنَا الْقَعْنَبِيُّ عَنْ مَالِكٍ عَنْ سُمَيٍّ مَوْلَى أَبِي بَكْرٍ عَنْ أَبِي صَالِحٍ السَّمَّانِ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ إِذَا قَالَ الْإِمَامُ غَيْرِ الْمَغْضُوبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّالِّينَ فَقُولُوا آمِينَ فَإِنَّهُ مَنْ وَافَقَ قَوْلُهُ قَوْلَ الْمَلَائِكَةِ غُفِرَ لَهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهِ۔

ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ وسلم نے فرمایا: جب امام غَيْرِ الْمَغْضُوبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّالِّينَ کہے تو تم آمین کہو کیونکہ جس کا قول فرشتوں کے قول کے موافق ہو جائے اس کے پہلے گناہ بخش دیئے جاتے ہیں (یہ حدیث بخاری اور نسائی میں بھی ہے اور ابن ماجہ نے اس مضمون کی حدیث روایت کی ہے)

شرح: اس حدیث میں حضورؐ نے امام کا وظیفہ قرأت فرمایا ہے اور مقتدی کو اختتام قرأت پہ آمین کہنے کا حکم دیا ہے، تقسیم کار کا تقاضا یہی ہے کہ امام کے لیے آمین کا حکم نہیں۔ اس پر اوپر بحث ہو چکی۔ جیسا کہ اوپر گزرا حافظ ابن عبدالبر نے اس سے یہ استدلال بھی کیا ہے کہ جہری نماز میں مقتدی قرأت نہ کرے بلکہ اس کا وظیفہ فقط یہ ہے کہ امام جب قرأت ختم کرے تو وہ (مقتدی) آمین کہہ دے۔ اس حدیث میں تامین کے جہر و اخفاء کا کوئی ذکر نہیں ہے۔ ملائکہ کی تامین خلوص نیت اور خشوع وخضوع سے ہوتی ہے نیز ہم ان کی تامین کی آواز نہیں سنتے پس موافقت میں یہ ساری چیزیں داخل ہیں۔

۹۳۸۔ حَدَّثَنَا الْقَعْنَبِيُّ عَنْ مَالِكٍ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ عَنْ سَعِيدِ بْنِ الْمُسَيَّبِ وَأَبِي سَلَمَةَ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ أَنَّهُمَا أَخْبَرَاهُ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ إِذَا أَمَّنَ الْإِمَامُ فَأَمِّنُوا فَإِنَّهُ مَنْ وَافَقَ تَأْمِينُهُ تَأْمِينَ الْمَلَائِكَةِ غُفِرَ لَهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهِ قَالَ ابْنُ شِهَابٍ وَكَانَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ آمِينَ۔

ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب امام آمین کہے تو تم بھی آمین کہو کیونکہ جس کی تامین ملائکہ کی تامین کے موافق ہو اس کے گزشتہ گناہ معاف کر دیئے جاتے ہیں۔ ابن شہاب نے کہا: اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آمین کہتے تھے (یہ حدیث بھی بخاری، مسلم، نسائی اور ابن ماجہ نے روایت کی ہے)

شرح: جب امام آمین کہے کا مطلب یہ ہے کہ جب وہ موضع آمین پر پہنچے اور وہ جگہ پچھلی حدیث کے مطابق یہ ہے کہ جب امام غیر المغضوب علیہم ولا الضالین کہے۔ پس اس حدیث سے امام کے آمین بالجہر پر استدلال بقول علامہ ابن دقیق العیدؒ بہت ضعیف ہے پھر مقتدیوں کے لیے اس حدیث میں آمین کہنے کا حکم ہے نہ کہ آمین بالجہر کہنے کا۔ مفصل بحث اوپر گزری۔

۹۳۹۔ حَدَّثَنَا إِسْحٰقُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ بْنِ رَاهَوَيْهِ أَنَا وَكِيعٌ عَنْ سُفْيَانَ عَنْ عَاصِمٍ عَنْ أَبِي عُثْمَانَ عَنْ بِلَالٍ أَنَّهُ قَالَ يَا رَسُولَ اللّٰهِ لَا تَسْبِقْنِي بِآمِينَ۔

بلالؓ سے روایت ہے کہ اس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا: یا رسول اللہ آمین کہنے میں مجھ سے سبقت نہ کیجئے۔

شرح: علامہ عینیؒ نے فرمایا کہ یہ حدیث مرسل ہے۔ حاکم نے الاحکام میں کہا ہے کہ کہتے ہیں ابوعثمان نے بلال رضؓ کا وقت نہیں پایا۔ ابو حاتم رازی نے کہا کہ اس حدیث کو مرفوع کرنا خطاء ہے ثقات نے اسے ابوعثمان سے مرسلاً روایت کیا ہے۔ بیہقی نے کہا کہ کہا گیا ہے: عن ابی عثمان عن سلمان قال قال بلال الخ اور یہ سلیمان ضعیف اور لاشیٔ ہے، پس یہ حدیث مرفوع نہیں ہے۔ روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ قول دراصل ابوہریرہؓ کا تھا جو انہوں نے علاء بن الحضرمی سے یا مروان بن الحکم سے کہا تھا۔ حدیث مرفوع نہیں۔

۹۴۰۔ حَدَّثَنَا الْوَلِيدُ بْنُ عُتْبَةَ الدِّمَشْقِيُّ وَمَحْمُودُ بْنُ خَالِدٍ قَالَا نَا الْفِرْيَابِيُّ عَنْ صُبَيْحِ بْنِ مُحْرِزٍ الْحِمْصِيِّ حَدَّثَنِي أَبُو مُصَبِّحٍ الْمَقْرَائِيُّ قَالَ كُنَّا نَجْلِسُ إِلَى أَبِي زُهَيْرٍ النُّمَيْرِيِّ وَكَانَ مِنَ الصَّحَابَةِ فَيَتَحَدَّثُ أَحْسَنَ الْحَدِيثِ فَإِذَا دَعَا الرَّجُلُ مِنَّا بِدُعَاءٍ قَالَ اخْتِمْهُ بِآمِينَ فَإِنَّ آمِينَ مِثْلُ الطَّابَعِ عَلَى الصَّحِيفَةِ قَالَ أَبُو زُهَيْرٍ أُخْبِرُكُمْ عَنْ ذٰلِكَ خَرَجْنَا مَعَ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ذَاتَ لَيْلَةٍ فَأَتَيْنَا عَلَى رَجُلٍ قَدْ أَلَحَّ فِي الْمَسْأَلَةِ فَوَقَفَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَسْتَمِعُ مِنْهُ فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَوْجَبَ إِنْ خَتَمَ فَقَالَ رَجُلٌ مِنَ الْقَوْمِ بِأَيِّ شَيْءٍ يَخْتِمُ فَقَالَ بِآمِينَ فَإِنَّهُ إِنْ خَتَمَ بِآمِينَ فَقَدْ أَوْجَبَ فَانْصَرَفَ الرَّجُلُ الَّذِي سَأَلَ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَأَتَى الرَّجُلَ فَقَالَ اخْتِمْ يَا فُلَانُ بِآمِينَ وَأَبْشِرْ وَهٰذَا لَفْظُ مَحْمُودٍ قَالَ أَبُو دَاوُدَ وَالْمَقْرَائِيُّ قَبِيلَةٌ

مِنْ حِمْيَرَ۔

ابو مصبح مقرائی نے کہا کہ ہم لوگ ابو زہیر نمیری کے پاس بیٹھتے تھے، وہ صحابہ میں سے تھا اور بہت اچھی احادیث بتاتا ہے جب ہم میں سے کوئی شخص دعا کرتا تو وہ کہتا اسے آمین پر ختم کرو کیونکہ آمین یوں ہے جیسے صحیفے پر مہر لگانے کی مانند ہے۔ ابو زہیر رضؓ نے کہا کہ میں اس کی خبر دیتا ہوں۔ ہم ایک رات کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نکلے پس ہم ایک آدمی کے پاس گئے جو بڑے الحاح (اصرار) اور مبالغے سے دعا کر رہا تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس کی دعا کو غور سے سنتے ہوئے ٹھہر گئے اور ارشاد فرمایا: اگر اس نے ختم کیا تو واجب ہوگیا (یعنی اجابت ضروری ہوگئی) پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کرنے والا شخص اس دعاء مانگنے والے کے پاس گیا اور کہا: اے فلاں! آمین پر ختم کر اور بشارت پا۔ ابو داؤد نے کہا کہ مقرائی حمیر (یمن) کا ایک قبیلہ تھا (یہ حدیث ابن ماجہ میں بھی ہے۔ مقرائی کے متعلق بہت سے اقوال ہیں کہ آیا اس میں یائے نسبت ہے یا کیا؟ ابو داؤد نے مقرائی قبیلے کا نام بتایا ہے ابو زہیر نمیری یا انماری شام میں مقیم تھے حافظ ابن حجر نے الازہر بھی لکھا ہے۔ کنیت سے ہی مشہور تھے نام شاید یحییٰ بن نفیر تھا)

بَابُ التَّصْفِيقِ فِي الصَّلوٰةِ

نماز میں تالی پیٹنے کا باب۔

۹۴۱۔ حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ نَا سُفْيَانُ عَنِ الزُّهْرِيِّ عَنْ أَبِي سَلَمَةَ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ التَّسْبِيحُ لِلرِّجَالِ وَالتَّصْفِيقُ لِلنِّسَاءِ۔

ابو ہریرہؓ نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تسبیح مردوں کے لیے ہے اور ہاتھ پر ہاتھ مارنا عورتوں کے لیے ہے (یہ حدیث دیگر سب صحاح بخاری، مسلم، نسائی، ترمذی اور ابن ماجہ میں بھی ہے۔)

شرح: قاموس میں ہے کہ ایک ہتھیلی کے باطنی حصے کو دوسرے پر مارنا تصفیق ہے۔ مجمع میں ہے کہ ایک ہاتھ کو دوسرے پر مارنا تصفیق ہے۔ نماز میں چونکہ عورتوں کو مطلقاً پست آواز اختیار کرنے کا حکم ہے مبادا باعث فتنہ ہو لہذا انہیں تسبیح سے منع کیا گیا اور ہاتھ پر ہاتھ مارنا چونکہ عورتوں سے مخصوص ہے لہذا مردوں کو اس سے منع کیا گیا۔ امام مالکؒ وغیرہ نے التصفیق للنساء کا ایک اور معنی بیان کیا ہے کہ نماز سے باہر یہ عورتوں کا کام ہے، گویا بطور مذمت فرمایا گیا، پس نماز میں مردوں اور عورتوں دونوں کے لیے ہاتھ پر ہاتھ مارنے کی ممانعت ہے لیکن الاحکام میں بعینہٖ امر موجود ہے کہ: ضرورت کے وقت مرد تسبیح کہیں اور عورتیں تالی پیٹیں۔ پس اس سے اُس قول والوں کا رد ہوا جو ابھی گزرا۔ قرطبی نے کہا ہے کہ عقل و نقل کے لحاظ سے عورتوں کے لیے تصفیق مشروع ہے، مطلب حدیث کا یہ ہے کہ جب نمازی کو اپنا نماز میں ہونا ظاہر کرنا ناگزیر ہو تو مرد تسبیح کریں اور عورتیں ہاتھ پر ہاتھ ماریں۔

۹۴۲۔ حَدَّثَنَا الْقَعْنَبِيُّ عَنْ مَالِكٍ عَنْ أَبِي حَازِمِ بْنِ دِينَارٍ عَنْ سَهْلِ بْنِ سَعْدٍ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ذَهَبَ إِلَى بَنِي عَمْرِو بْنِ عَوْفٍ لِيُصْلِحَ بَيْنَهُمْ وَحَانَتِ الصَّلَاةُ فَجَاءَ الْمُؤَذِّنُ إِلَى أَبِي بَكْرٍ فَقَالَ أَتُصَلِّي بِالنَّاسِ فَأُقِيمُ قَالَ نَعَمْ فَصَلَّى أَبُو بَكْرٍ فَجَاءَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَالنَّاسُ فِي الصَّلَاةِ فَتَخَلَّصَ حَتَّى وَقَفَ فِي الصَّفِّ فَصَفَّقَ النَّاسُ وَكَانَ أَبُو بَكْرٍ لَا يَلْتَفِتُ فِي الصَّلَاةِ فَلَمَّا أَكْثَرَ النَّاسُ التَّصْفِيقَ الْتَفَتَ فَرَأَى رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَأَشَارَ إِلَيْهِ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنِ امْكُثْ مَكَانَكَ فَرَفَعَ أَبُو بَكْرٍ يَدَيْهِ فَحَمِدَ اللَّهَ عَلَى مَا أَمَرَهُ بِهِ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْ ذَلِكَ ثُمَّ اسْتَأْخَرَ أَبُو بَكْرٍ حَتَّى اسْتَوَى فِي الصَّفِّ وَتَقَدَّمَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَصَلَّى فَلَمَّا انْصَرَفَ قَالَ يَا أَبَا بَكْرٍ مَا مَنَعَكَ أَنْ تَثْبُتَ إِذْ أَمَرْتُكَ قَالَ أَبُو بَكْرٍ مَا كَانَ لِابْنِ أَبِي قُحَافَةَ أَنْ يُصَلِّيَ بَيْنَ يَدَيْ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا لِي رَأَيْتُكُمْ أَكْثَرْتُمْ مِنَ التَّصْفِيحِ مَنْ نَابَهُ شَيْءٌ فِي صَلَاتِهِ فَلْيُسَبِّحْ فَإِنَّهُ إِذَا سَبَّحَ الْتُفِتَ إِلَيْهِ وَإِنَّمَا التَّصْفِيحُ لِلنِّسَاءِ قَالَ أَبُو دَاوُد وَهَذَا فِي الْفَرِيضَةِ۔

سہل بن سعدؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بنی عمرو بن عوف کی طرف ان میں صلح کرانے کو تشریف لے گئے اور نماز کا وقت ہوگیا، پس مؤذن ابوبکرؓ کے پاس آیا اور کہا کہ کیا آپ نماز پڑھائیں گے تو میں اقامت کہوں؟ ابوبکرؓ نے کہا ہاں۔ پس ابوبکرؓ نماز پڑھانے لگے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب تشریف لائے لوگ نماز میں تھے۔ پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صفوں میں سے گزر کر پہلی صف میں جا پہنچے تو لوگوں نے ہاتھوں پر ہاتھ مارے، اور ابوبکرؓ نماز میں ادھر ادھر کا دھیان نہ کرتے تھے، جب لوگوں نے کثرت سے تالیاں بجائیں تو ابوبکرؓ نے لوگوں کی طرف دیکھا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھ لیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اشارہ کیا کہ اپنی جگہ پر رہو، پس ابوبکرؓ نے دونوں ہاتھ اٹھائے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس حکم پر اللہ کی حمد کی، پھر ابوبکرؓ پیچھے ہٹ گئے حتی کہ صف میں آملے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آگے بڑھے اور نماز

پڑھائی۔ جب نماز ختم کی تو فرمایا: اے ابوبکرؓ جب میں نے حکم دیا تھا تو تم اپنی جگہ کیوں نہ کھڑے رہے؟ ابوبکرؓ نے کہا ابو قحافہؓ کے بیٹے کا یہ کام نہ تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا امام بنے۔ پھر رسول اللہ علیہ وسلم نے لوگوں سے فرمایا: یہ کیا بات تھی کہ میں نے تمہیں کثرت سے تالی پیٹتے دیکھا! نماز میں جس کو کوئی ضرورت پیش آجائے تو سبحان اللہ کہے کیونکہ جب وہ تسبیح کرے گا تو اسے دیکھ لیا جائے گا (کہ نماز میں ہے) اور ہاتھ پر ہاتھ مارنا عورتوں کے لیے ہے۔
(بخاری میں یہ حدیث چار جگہ آئی ہے اور مسلم اور نسائی نے بھی اسے روایت کیا ہے)

شرح: یہ نماز عصر کا قصہ ہے۔ اگلی حدیث میں آتا ہے کہ حضورؐ تشریف لے جاتے وقت بلالؓ سے فرما گئے تھے کہ اگر میں نہ آؤں تو ابوبکرؓ کو نماز کے لیے کہنا اسی لیے بلالؓ نے ابوبکرؓ سے آکر کہا تھا۔ اس سے پتہ چل گیا کہ دوسرے سب لوگوں کے ہوتے ہوئے حضورؐ کی نگاہ میں صرف ابوبکرؓ آپ کی نیابت و خلافت کے حقدار تھے مسند کی حدیث سے پتہ چلتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم پہلی رکعت میں ہی آکر مل گئے تھے۔ ابوبکرؓ کا نماز میں استغراق مشہور تھا۔ عبداللہ بن زبیرؓ (صدیق اکبرؓ کے دوہتے) نے نماز اپنے نانا سے سیکھی تھی لہذا نماز میں ان کا استغراق بھی مشہور رہا ہے۔ ابوبکرؓ نے ہاتھ اٹھا کر حمد خداوندی کا اظہار اس لیے کیا کہ انہیں حضورؐ نے اس مرتبۂ عظیمہ پر فائز فرمایا کہ ان کی اقتداء میں سید الکائنات ہوتے ہوئے بھی نماز پڑھنا چاہتے ہیں۔ ابوبکرؓ کے علاوہ یہ مقام دوسرے جس خوش قسمت انسان کو ملا وہ عبدالرحمن بن عوفؓ تھے۔ بڑے بڑے بلند درجات کے باوجود کسی اور کو یہ شرف و فضیلت حاصل نہ ہو سکی۔ نماز کے بعد حضورؐ کے استفسار پر ابوبکرؓ نے جو جواب دیا وہ ان کے مقام عشق و محبت اور فنا فی الرسول ہونے کی بین دلیل ہے۔ اس حدیث میں یہ دلیل بھی ہے کہ شرعی ضرورت کے وقت امام کسی اور کو نائب بنا کر خود مقتدی بن سکتا ہے۔ ابوداؤدؒ کے دوسرے نسخے میں ہے کہ: ابوداؤدؒ نے کہا یہ فرض نماز میں ہے۔

۹۴۳۔ حَدَّثَنَا عَمْرُو بْنُ عَوْنٍ أَنَا حَمَّادُ بْنُ زَيْدٍ عَنْ أَبِي حَازِمٍ عَنْ سَهْلِ بْنِ سَعْدٍ قَالَ كَانَ قِتَالٌ بَيْنَ بَنِي عَمْرِو بْنِ عَوْفٍ فَبَلَغَ ذٰلِكَ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَأَتَاهُمْ لِيُصْلِحَ بَيْنَهُمْ بَعْدَ الظُّهْرِ فَقَالَ لِبِلَالٍ إِنْ حَضَرَتْ صَلٰوةُ الْعَصْرِ وَلَمْ آتِكَ فَمُرْ أَبَا بَكْرٍ فَلْيُصَلِّ بِالنَّاسِ فَلَمَّا حَضَرَتِ الْعَصْرُ أَذَّنَ بِلَالٌ ثُمَّ أَقَامَ ثُمَّ أَمَرَ أَبَا بَكْرٍ فَتَقَدَّمَ قَالَ فِي آخِرِهِ إِذَا نَابَكُمْ شَيْءٌ فِي الصَّلٰوةِ فَلْيُسَبِّحِ الرِّجَالُ وَلْيُصَفِّحِ النِّسَاءُ۔

سہل بن سعد نے کہا کہ بنی عمرو بن عوف میں لڑائی ہو گئی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کی خبر مل گئی۔ آپؐ ظہر کے بعد ان کے پاس ان میں صلح کرانے کو تشریف لے گئے اور بلالؓ سے فرمایا: اگر نماز عصر کا وقت ہو جائے اور میں نہ آؤں تو ابوبکرؓ کو حکم دینا (یعنی میری طرف سے) کہ وہ لوگوں کو نماز پڑھائے۔ پس جب نماز عصر کا وقت ہو گیا تو بلالؓ نے اذان دی پھر اقامت کہی پھر ابوبکرؓ کو (حضورؐ کا) حکم دیا تو وہ آگے بڑھے اور حدیث

کے آخر میں ہے کہ حضورؐ نے فرمایا: جب تمہیں نماز میں کوئی ضرورت آپڑے تو مرد تسبیح کہیں اور عورتیں ہاتھ پر ہاتھ ماریں۔

۹۴۴۔ حَدَّثَنَا مَحْمُودُ بْنُ خَالِدٍ نَا الْوَلِيدُ نَا عِيسَى بْنُ أَيُّوبَ قَالَ قَوْلُهُ التَّصْفِيحُ لِلنِّسَاءِ تَضْرِبُ بِإِصْبَعَيْنِ مِنْ يَمِينِهَا عَلَى كَفِّهَا الْيُسْرَى۔

عیسیٰ بن ایوب سے روایت ہے کہ اس نے کہا کہ: اَلتَّصْفِيحُ لِلنِّسَاءِ کا یہ مطلب ہے کہ عورت اپنے دائیں ہاتھ کی دو انگلیاں بائیں ہتھیلی پر مارے (بقول منذری یہ ایوب کا قول ہے)

بَابُ الْإِشَارَةِ فِي الصَّلٰوةِ

نماز میں اشارے کا باب۔

۹۴۵۔ حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ مُحَمَّدِ بْنِ شَبُّوَيْهِ وَمُحَمَّدُ بْنُ رَافِعٍ قَالَا نَا عَبْدُ الرَّزَّاقِ أَنَا مَعْمَرٌ عَنِ الزُّهْرِيِّ عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يُشِيرُ فِي الصَّلٰوةِ۔

انس بن مالکؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نماز میں اشارہ کیا کرتے تھے۔

شرح: اس حدیث میں جس اشارے کا ذکر ہے اس سے مراد یا تو یہ ہے کہ ضرورت کے وقت مثلاً سلام کے جواب وغیرہ کے لیے ہاتھ سے اشارہ کیا کرتے تھے۔ اور یا یہ کہ تشہد میں انگشت شہادت سے اشارہ کرتے تھے مولاناؒ نے فرمایا کہ تشہد کا اشارہ تو عنقریب ایک الگ باب میں آرہا ہے لہٰذا ابوداؤد کی غرض اس باب سے پہلی ہی معلوم ہوتی ہے۔ حنفیہ کی روایات اس بارے میں کچھ مختلف معلوم ہوتی ہیں لیکن پھر بھی اگر سلام کے جواب میں ہاتھ کا اشارہ یا سر کا اشارہ کیا جائے تو اس سے نماز فاسد نہیں ہوتی۔ خطابی اور طحاویؒ نے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ابن مسعودؓ کے سلام کا جواب نماز ختم کر کے دیا تھا (اس پر اوپر بحث گزر چکی ہے) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فعل کو کراہیت سے منسوب نہیں کیا جا سکتا لہٰذا حضورؐ نے ایسا بیان جواز کے لیے کیا تھا۔ حنفیہ کی عبارات میں جہاں کراہت کا لفظ آیا ہے اس سے مراد کراہت تنزیہی ہے جس کا مفاد یہ ہے کہ ابن مسعودؓ کی حدیث کے مطابق اولیٰ یہی ہے کہ اشارے سے جواب نہ دیا جائے بلکہ نماز کے بعد زبان سے جواب دیا جائے۔

۹۴۶۔ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ سَعِيدٍ نَا يُونُسُ بْنُ بُكَيْرٍ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ إِسْحَاقَ عَنْ يَعْقُوبَ بْنِ عُتْبَةَ بْنِ الْأَخْنَسِ عَنْ أَبِي غَطَفَانَ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ

رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَلتَّسْبِيْحُ لِلرِّجَالِ يَعْنِيْ فِي الصَّلٰوةِ وَالتَّصْفِيْقُ لِلنِّسَاءِ مَنْ اَشَارَ فِيْ صَلَاتِهٖ اِشَارَةً تُفْهَمُ عَنْهُ فَلْيُعِدْ لَهَا يَعْنِي الصَّلٰوةَ قَالَ اَبُوْدَاوُدَ هٰذَا الْحَدِيْثُ وَهْمٌ

ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تسبیح مردوں کے لیے ہے، (یعنی نماز میں یہ کسی راوی کا قول ہے) اور ہاتھ پہ ہاتھ مارنا عورتوں کے لیے ہے۔ جو شخص نماز میں ایسا اشارہ کرے جو اس کے مطلب کو سمجھا دے تو وہ نماز لوٹائے۔ ابو داؤد نے کہا کہ یہ حدیث وہم ہے۔

شرح: ابو غطفان راوی کو دُوری نے، ذہبی نے اور دار قطنی نے مجہول کہا ہے۔ لیکن ابن معین اور ابن حبان نے ابو غطفان بن طریف المرّی کو ثقہ کہا ہے۔ ابن حجر نے بھی تقریب میں اس کی توثیق کی ہے اور ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرنے والا یہی ثقہ ابو غطفان ہے۔ جن لوگوں نے ابو غطفان کو مجہول کہا ہے وہ کوئی اور راوی ہوگا کیونکہ یہ ابو غطفان بن مالک مُری طبقۂ ثالثہ میں سے یا بقول ابن سعد طبقۂ ثانیہ میں سے تھا اور مدنی تھا، پس یہ مجہول نہیں۔ حدیث تقریباً انہی الفاظ سے بیہقی نے بھی روایت کی ہے۔ دار قطنی نے کہا ہے کہ یہ ابو غطفان مجہول شخص ہے اور حدیث کا آخری حصہ: جو شخص نماز میں ایسا اشارہ کرے الخ حدیث میں اضافہ ہے۔ یعنی حدیث صرف اتنی ہے اَلتَّسْبِيْحُ لِلرِّجَالِ وَالتَّصْفِيْقُ لِلنِّسَاءِ۔ اور شاید یہ اضافہ ابن اسحاق کا ہے (یعنی محمد بن اسحاق راوی حدیث جس کی توثیق و تضعیف میں شدید اختلاف ہوا ہے) غالباً اسی بنا پر ابو داؤد نے اس حدیث کو وہم بتایا ہے۔ سنن بیہقی میں بھی دار قطنی جیسے الفاظ ہیں۔ اس عبارت کے آخر میں یہ لفظ بھی ہیں کہ: نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے صحیح طور پر ثابت ہے کہ آپ اشارہ کرتے تھے۔ الجوہر النقی میں ابن ابی داؤد کا ذکر کرنے کے بعد آیا ہے کہ: میں کہتا ہوں کہ ابن ابی داؤد متکلم فیہ ہے اور ابو غطفان معروف راوی ہے جس کی حدیث مسلم نے لی ہے اور محدثین کی ایک جماعت نے اس سے روایت کی ہے اور ابن معین نے اسے ثقہ کہا ہے۔ حضرت گنگوہی نے فرمایا کہ شاید ابو داؤد اس حدیث کو وہم کہنے پر اس لیے مجبور ہوئے کہ صحیح روایات میں اشارہ ثابت ہے اور اس کی کوئی قید نہیں کہ سمجھ میں آتا ہو یا نہ آتا ہو۔ اس روایت کے اعادہ کے حکم کو یا تو استحباب پر محمول کیا جائے گا یا پھر ایسا اشارہ مراد لیا جائے گا جو واقعی "کلام الناس" کے حکم میں ہو اور اس سے نماز فاسد ہو جائے۔ اس صورت میں اس حدیث کو وہم کہنے کی ضرورت نہ رہے گی۔ حافظ زیلعی نے نصب الرایہ میں اور علامہ عینی رحمہ اللہ نے عمدۃ القاری میں اس حدیث کی توثیق کی ہے۔

بَابٌ مَسْحِ الْحَصٰى فِي الصَّلٰوةِ

نماز میں کنکریوں کو چھونے کا بیان۔

۹۴۷۔ حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ نَا سُفْيَانُ عَنِ الزُّهْرِيِّ عَنْ أَبِي الْأَحْوَصِ شَيْخٍ مِنْ أَهْلِ الْمَدِينَةِ أَنَّهُ سَمِعَ أَبَا ذَرٍّ يَرْوِيهِ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ إِذَا قَامَ أَحَدُكُمْ إِلَى الصَّلٰوةِ فَإِنَّ الرَّحْمَةَ تُوَاجِهُهُ فَلَا يَمْسَحِ الْحَصٰى۔

اہل مدینہ میں سے ایک بڑے میاں ابوالاحوص نے ابوذر رضؓ کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ حدیث روایت کرتے سُنا کہ: جب تم میں سے کوئی آدمی نماز میں کھڑا ہو تو رحمت (خداوندی) اس کے سامنے ہوتی ہے لہٰذا وہ کنکریوں کو نہ چھوئے۔

شرح: یہ حدیث نسائیؒ، ابن ماجہ اور ترمذی نے بھی روایت کی ہے اور ترمذی نے اسے حسن کہا ہے۔ کنکریاں چھونا ایک فضول کام ہے جو بے خیالی اور غفلت پر دلالت کرتا ہے اور غفلت نماز کے خشوع و خضوع اور خلوصِ نیت و عبادت کے خلاف ہے۔ امام مالکؒ نے بقول خطابی اسے مکروہ نہیں جانا اور سجدہ کرنے کے لیے بارہا کنکریاں درست کر لیتے تھے۔ دوسرے علماء نے اسے مکروہ کہا ہے۔ کنکریوں کا ذکر بالخصوص اس لیے ہے کہ حضورؐ کی مسجد میں کنکریاں بچھی ہوئی تھیں جیسا کہ اس سے پہلے گزر چکا ہے۔ آج کل اگر کوئی آدمی نماز کی ضرورت کے بغیر کسی اور چیز پر اِدھر اُدھر ہاتھ مارے مثلاً صفوں اور قالینوں وغیرہ پر تو وہ بھی اسی حکم میں داخل ہے۔ اگلی حدیث میں آرہا ہے کہ اگر ایک مرتبہ کنکریاں درست کر لی جائیں تو حرج نہیں، کیونکہ بعض دفعہ ایسا کرنا ناگزیر ہو جاتا ہے۔

۹۴۸۔ حَدَّثَنَا مُسْلِمُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ نَا هِشَامٌ عَنْ يَحْيٰى عَنْ أَبِي سَلَمَةَ عَنْ مُعَيْقِيبٍ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَا تَمْسَحْ وَأَنْتَ تُصَلِّي فَإِنْ كُنْتَ لَا بُدَّ فَاعِلًا فَوَاحِدَةً تَسْوِيَةً لِلْحَصٰى۔

معیقیب رضؓ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مت چھو (یعنی کنکریاں) جبکہ تو نماز میں ہو، اگر ایسا کرنا ناگزیر ہو تو ایک ہی مرتبہ، مُراد کنکریاں درست کرنا ہے (ابوداؤد کے سوا اس حدیث کے آخر میں تسویۃ الحصیٰ کا لفظ کسی نے روایت نہیں کیا۔ شاید یہ تفسیر ابوداؤد یا کسی اور راوی کی طرف سے ہے کہ مسح سے مراد یہاں پر کنکریاں درست کرنا ہے)۔

شرح: یہ حدیث بخاری، مسلم، نسائی، ابن ماجہ اور ترمذی نے بھی روایت کی ہے۔ معیقیبؓ ابن ابی فاطمہ دوسی سابقین اولین میں سے تھے۔ انھوں نے حبشہ اور مدینہ کو (یعنی دونوں ہجرتیں) ہجرت کی تھی۔ جنگ بدر میں شامل تھے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مُہر ان کے پاس رہتی تھی۔ شیخین رضؓ نے معیقیب رضؓ کو بیت المال پر عامل بنایا تھا۔ حافظ ابن تیمیہؒ نے منہاج السنۃ میں کہا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک موقع پر ان سے فرمایا تھا: اُنت

منی و انا منک" تو مجھ سے ہے اور میں تجھ سے ہوں" اہل عرب کے محاورے میں یہ لفظ شدت تعلق و قرب پر دلالت کرتا ہے۔

بَابُ الرَّجُلِ يُصَلِّي مُخْتَصِرًا

اس شخص کا باب جو نماز میں کولھوں پر ہاتھ رکھے۔

۹۴۹۔ حَدَّثَنَا يَعْقُوبُ بْنُ كَعْبٍ ثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ سَلَمَةَ عَنْ هِشَامٍ عَنْ مُحَمَّدٍ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ نَهَى رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنِ الِاخْتِصَارِ فِي الصَّلَاةِ قَالَ أَبُو دَاوُدَ يَعْنِي يَضَعُ يَدَهُ عَلَى خَاصِرَتِهِ۔

ابوہریرہؓ نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز میں کولھوں پر ہاتھ رکھنے سے منع فرمایا۔ ابوداؤد نے کہا کہ اختصار کا معنی یہ ہے کہ آدمی کولھوں پر ہاتھ رکھے (یہ حدیث باقی تمام صحاح یعنی بخاری، مسلم، نسائی، ترمذی اور ابن ماجہ میں بھی ہے)

شرح، بخاری کی ایک روایت یں ہے: حضور نے نماز میں خصر سے منع فرمایا، دوسری روایت میں ہے حضور نے اس سے منع فرمایا کہ آدمی اختصار کی حالت میں نماز پڑھے۔ نسائی میں بھی مختصراً ہے بیہقی میں تخصر کا لفظ ہے۔ اختصار کی تفسیر میں اختلاف ہوا ہے۔ مشہور تفسیر یہی ہے جو امام ابوداؤد نے بیان کی ہے، یہی تفسیر مصنف ابن ابی شیبہ میں محمد بن سیرین سے، سنن بیہقی میں ہشام سے آئی ہے۔ خطابیؒ وغیرہ نے ایک اور تفسیر کا بھی ذکر کیا ہے، وہ یہ کہ آدمی اپنے ہاتھوں میں مخصرہ یعنی عصا پکڑے جس پر سہارا لے۔ ہروی نے غریبین میں اور ابن اثیر سے نہایہ میں منقول ہے کہ اس سے مراد قرأت کا اختصار ہے یعنی یہ کہ کسی سورت کے آخر سے ایک دو آیتیں پڑھی جائیں ہروی سے یہ بھی منقول ہے کہ اس سے مراد ارکان صلاۃ کا اختصار ہے یعنی قیام اور رکوع وسجود کو مختصر کر دینا بعض نے کہا کہ اس سے مراد یہ ہے کہ جب قرأت کی اثناء میں سجدہ کی آیت آجائے تو اسے اس خیال سے ترک کر کے آگے نکل جائے کہ سجدۂ تلاوت واجب ہو جائے گا۔

کولھوں پر ہاتھ رکھنا اگر مراد ہے تو نہی کی حکمت یہ ہے کہ یہ ابلیس لعین کی ہیئت تھی جبکہ اسے زمین پر اتارا گیا۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ یہ یہود کی عادت ہے، بعض نے کہا کہ یہ جہنمیوں کے آرام کی ہیئت ہے۔ بعض نے کہا کہ یہ متکبرین کی ہیئت ہے۔ بعض نے کہا کہ یہ اہل مصائب کی شکلوں میں سے ایک شکل ہے کہ وہ ماتم کی مجلس میں کھڑے ہو کر ایسا کرتے ہیں اس کا حکم کراہیت ہے یہی قول ابن عمرؓ، ابن عباسؓ، عائشہ صدیقہ، ابراہیم نخعیؒ، مجاہدؒ، ابوجعفرؒ اور دوسروں کا ہے۔ ائمہ فقہ میں سے ابوحنیفہؒ، مالکؒ، شافعیؒ اور اوزاعی کا یہی مذہب ہے۔ ظاہریہ اس کی حرمت کے قائل ہیں کیونکہ ان کے نزدیک ظاہر حدیث سے یہی ثابت ہوتا ہے۔

بَابُ الرَّجُلِ يَعْتَمِدُ فِي الصَّلٰوةِ عَلٰى عَصًا۔

اس شخص کا باب جو نماز میں عصا پر سہارا لے۔

۹۵۰۔ حَدَّثَنَا عَبْدُ السَّلَامِ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ الْوَابِصِيُّ نَا أَبِي عَنْ شَيْبَانَ عَنْ حُصَيْنِ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ عَنْ هِلَالِ بْنِ يَسَافٍ قَالَ قَدِمْتُ الرَّقَّةَ فَقَالَ لِي بَعْضُ أَصْحَابِي هَلْ لَكَ فِي رَجُلٍ مِنْ أَصْحَابِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ قُلْتُ غَنِيمَةٌ فَدُفِعْنَا إِلٰى وَابِصَةَ قُلْتُ لِصَاحِبِي نَبْدَأُ فَلْنَنْظُرْ إِلٰى دَلِّهِ فَإِذَا عَلَيْهِ قَلَنْسُوَةٌ لَاطِئَةٌ ذَاتُ أُذُنَيْنِ وَبُرْنُسُ خَزٍّ أَغْبَرُ وَإِذَا هُوَ مُعْتَمِدٌ عَلٰى عَصًا فِي صَلَاتِهِ فَقُلْنَا بَعْدَ أَنْ سَلَّمْنَا فَقَالَ حَدَّثَتْنِي أُمُّ قَيْسٍ بِنْتُ مِحْصَنٍ أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَمَّا أَسَنَّ وَحَمَلَ اللَّحْمَ اتَّخَذَ عَمُودًا فِي مُصَلَّاهُ يَعْتَمِدُ عَلَيْهِ۔

ہلال بن یساف کا بیان ہے کہ میں رَقّہ میں گیا تو میرے بعض دوستوں نے کہا: کیا تم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک صحابی سے ملو گے؟ میں نے کہا: غنیمت ہے! پس ہم وابصہؓ کے پاس گئے۔ میں نے اپنے ساتھی سے کہا پہلے ہم اس کی ہیئت اور طور طریقہ دیکھیں گے۔ کیا دیکھتے ہیں کہ اس کے سر پر ایک چپکی ہوئی ٹوپی ہے جس کے دو کان ہیں، اور خز کا ایک چغہ ہے جو مٹیالے رنگ کا ہے۔ اور ہم نے دیکھا کہ وہ نماز میں ایک عصا پر سہارا لگائے ہوئے ہے۔ ہم نے سلام کے بعد کہا تو اس نے جواب دیا کہ ام قیس بنت محصن نے مجھے بتایا تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر جب زیادہ ہو گئی اور جسم میں کچھ موٹاپا آگیا تو آپؐ نے اپنی جائے نماز میں ایک ستون بنوایا جس پر سہارا لیتے تھے۔

شرح: اس حدیث کا راوی عبدالرحمٰن وابصی مجہول ہے۔ اس سے قبل کہیں اسی کتاب میں گزر چکا ہے کہ بُرنُس وہ لمبا چغہ ہوتا تھا جس کے ساتھ ایک حصہ سر کی ٹوپی کا کام دینے والا بھی ہو۔ خزّ سے مراد وہ کپڑا ہے جو موٹی اون اور ریشم کو ملا کر بنا جاتا تھا، اس کا استعمال جائز ہے کیونکہ خالص ریشم (حریر) نہیں ہوتا، صحابہ و تابعین نے اسے استعمال کیا ہے۔ آج کل کی خزّ جو خالص ریشم ہے اس کی حرمت میں شک نہیں۔ حدیث میں جس خزّ پر سوار ہونے (اوپر بیٹھنے یا اسے سواری پر ڈال کر اوپر چڑھنے) سے منع فرمایا گیا ہے وہ یہی حرام ریشم ہے۔ عَمُود سے مراد ایسی چیز ہے جس پر اعتماد کیا جائے (سہارا لگایا جائے)، ظاہر یہی ہے کہ اس حدیث میں مُصلّیٰ سے مراد گھر کی نماز گاہ ہے اور نماز سے مراد صلاۃ تہجد ہے کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم تہجد میں طویل قرأت کرتے تھے۔ ڈنڈے وغیرہ کا سہارا لینا فرض نماز میں مکروہ ہے نفل میں نہیں۔ فرض میں بھی ضرورت کے موقع میں جائز ہے۔ اور نفل میں ضرورت کی قید بھی نہیں۔ شوکانی نے نیل الاوطار میں لکھا ہے کہ ام قیسؓ کی حدیث ستون اور عصا وغیرہ کا سہارا لینے کے جواز پر دلالت کرتی ہے مگر عُذر کی شرط سے، اور عذر

بڑھاپا اور موٹاپا ہے اور ضعف اور مرض کا بھی یہی حکم ہے۔ اگر عذر نہ ہو تو نہی کا حکم باقی رہے گا۔
مولانا رشید احمد گنگوہی رحمہ اللہ نے فرمایا ہے کہ جو شخص کسی چیز کو پکڑ کر کھڑا ہو سکے اسے قیام سے معذور نہیں سمجھا جا سکتا اور وہ فرض نماز کو بیٹھ کر ادا نہیں کر سکتا۔ حنفی فقہ کی کتب مثلاً طحطاوی، دُرِّ مختار اور شامی وغیرہ کی عبارتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ دوسرے کے کھڑا کرنے سے جو کھڑا ہو سکے یا سہارے سے کھڑا ہو سکے تو وہ قادر علی القیام ہے جتنی قدر بھی قیام ممکن ہو کرے چاہے ایک تکبیر کا ہی قیام ہو۔ اگر سیدھا کھڑا نہ ہو سکے تو سہارے کے ساتھ جھک کر ہی کھڑا ہو جائے

باب ۶۲ النَّهْيِ عَنِ الْكَلَامِ فِي الصَّلٰوةِ

نماز میں کلام سے نہی کا باب۔

۹۵۱- حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عِيسٰى نَا هُشَيْمٌ أَنَا إِسْمٰعِيلُ بْنُ أَبِي خَالِدٍ عَنِ الْحَارِثِ ابْنِ شُبَيْلٍ عَنْ عَمْرٍو الشَّيْبَانِيِّ عَنْ زَيْدِ بْنِ أَرْقَمَ قَالَ كَانَ أَحَدُنَا يُكَلِّمُ الرَّجُلَ إِلٰى جَنْبِهِ فِي الصَّلٰوةِ فَنَزَلَتْ وَقُوْمُوا لِلّٰهِ قَانِتِيْنَ فَأُمِرْنَا بِالسُّكُوْتِ وَنُهِيْنَا عَنِ الْكَلَامِ۔

زید بن ارقمؓ نے کہا کہ ہم نماز میں اپنے آس پاس والوں سے بات کر لیتے تھے، پس یہ آیت اُتری: وَقُوْمُوْا لِلّٰهِ قَانِتِيْنَ "اللہ کے آگے عاجزی سے کھڑے رہو"، پس ہمیں خاموشی کا حکم ملا اور کلام سے روک دیا گیا۔ (بخاری میں یہ حدیث دو جگہ کتاب الصلاۃ اور تفسیر میں ہے، مسلم اور نسائی میں بھی آئی ہے اور ترمذی میں بھی صلاۃ اور تفسیر میں دو بار آئی ہے)

شرح: بقولِ علامہ عینیؒ قنوت کے کئی معانی ہیں: اطاعت، خشوع، صلاۃ، دعاء، عبادت، قیام اور طولِ قیام۔ ابن بطال نے کہا کہ اس آیت میں قنوت اطاعت اور اللہ تعالیٰ کے حضور خشوع کے معنی میں ہے۔ زید بن ارقمؓ نے اس کا معنی سکوت لیا ہے اور یہی معنی مراد لینا اولیٰ وارجح ہے کیونکہ اسبابِ نزول کو وہ لوگ خوب جانتے تھے جن کے سامنے قرآن اُترا تھا۔ بخاری کی روایت میں ہے کہ زید بن ارقمؓ نے کہا: ہم میں سے کوئی آدمی اپنے ساتھی سے ضرورت کی بات کر لیتا تھا۔ حافظ ابن حجرؒ نے کہا کہ ظاہر یوں معلوم ہوتا ہے کہ وہ لوگ ہر قسم کی باتیں نہیں کرتے تھے بلکہ بقدرِ ضرورت سلام کا جواب دیتے تھے، یا کوئی اور بات اسی قسم کی کرتے تھے (یعنی جو نماز ہی کے متعلق ہوتی تھی)، حافظ صاحب نے یہ بھی کہا ہے کہ زید بن ارقمؓ کے قول سے معلوم ہوتا ہے کہ نماز میں کلام کا نسخ اس آیت سے ہوا ہے اور یہ آیت بالاتفاق مدنی ہے۔ اُدھر عبداللہ بن مسعودؓ کا قول بھی ہے کہ کلام کا نسخ اس وقت ہوا تھا جبکہ لوگ نجاشی کے پاس سے واپس آئے تھے۔ سوال یہ ہے کہ نجاشی کے پاس سے واپسی تو دو مرتبہ ہوئی تھی ایک مرتبہ مکہ میں اور دوسری مرتبہ مدینہ میں، لہٰذا یہ ایک مشکل مسئلہ ہے کہ زید بن ارقمؓ نے نسخ کلام کو اس آیت امر کا نتیجہ قرار دیا ہے، اگر نسخ کلام مکہ میں ہو چکا تھا تو یہ آیت مدنی ہے۔ مولانا نے فرمایا کہ اس کا جواب ہم اوپر باب ردّ السلام فی الصلوٰۃ میں دے چکے ہیں۔ عینیؒ نے عمدۃ القاری میں کہا ہے کہ ابن مسعودؓ کی حدیث والا واقعہ مدینہ میں پیش آیا تھا، مدینہ میں ہی نماز

میں کلام ممنوع ہوا تھا اور زید رضی کی صحابیت بھی مدینہ میں ہی ہوئی تھی (یعنی مکہ میں وہ بہت قلیل العمر تھے!)

بَابٌ فِي صَلَاةِ الْقَاعِدِ

یہ باب بیٹھنے والے کی نماز کے متعلق ہے۔

۹۵۲۔ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ قُدَامَةَ بْنِ أَعْيَنَ نَا جَرِيرٌ عَنْ مَنْصُورٍ عَنْ هِلَالٍ يَعْنِي ابْنَ يَسَافٍ عَنْ أَبِي يَحْيَى عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عَمْرٍو قَالَ حُدِّثْتُ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ صَلَاةُ الرَّجُلِ قَاعِدًا نِصْفُ الصَّلَاةِ فَأَتَيْتُهُ فَوَجَدْتُهُ يُصَلِّي جَالِسًا فَوَضَعْتُ يَدَيَّ عَلَى رَأْسِي فَقَالَ مَا لَكَ يَا عَبْدَ اللَّهِ بْنَ عَمْرٍو قُلْتُ حُدِّثْتُ يَا رَسُولَ اللَّهِ إِنَّكَ قُلْتَ صَلَاةُ الرَّجُلِ قَاعِدًا نِصْفُ الصَّلَاةِ وَأَنْتَ تُصَلِّي قَاعِدًا قَالَ أَجَلْ وَلَكِنِّي لَسْتُ كَأَحَدٍ مِنْكُمْ۔

عبداللہ بن عمرو رضی نے کہا کہ مجھے بتایا گیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: آدمی کی بیٹھ کر پڑھی جانے والی نماز نصف نماز ہے پھر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا تو آپ کو بیٹھ کر نماز پڑھتے ہوئے پایا، پس میں نے اپنا ہاتھ اپنے سر پر رکھ لیا تو حضور ص نے فرمایا: عبداللہ تمہیں کیا ہوا ہے؟ میں نے کہا یا رسول اللہ مجھے بتایا گیا تھا کہ آدمی کا بیٹھ کر نماز پڑھنا آدھی نماز ہے اور آپ خود بیٹھ کر نماز پڑھ رہے ہیں! فرمایا ہاں! لیکن میں تم میں سے کسی کی مانند نہیں۔
(اس حدیث کی روایت مسلم اور نسائی نے بھی کی ہے)

شرح: عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی کا یہ کہنا کہ: مجھے بتایا گیا، اس کا مطلب یہ ہے کہ دوسرے اصحاب نے انہیں یہ حدیث سنائی تھی، نفل نماز کو بیٹھ کر پڑھنا جائز ہے مگر اس کا اجر و ثواب نصف ہے۔ فریضہ تو بلا عذر بیٹھ کر پڑھنا جائز نہیں مگر نفل جائز ہے۔ ہاں نفل کو بلا عذر لیٹ کر پڑھنا جائز نہیں۔ اگر کوئی نفل کو کھڑا ہو کر شروع کرے تو پھر بعد میں بیٹھ جانا بھی جائز ہے اور اسی طرح اس کے برعکس بھی جائز ہے حتی کہ ایک ہی رکعت کا بعض حصہ قیام سے اور بعض قعود سے جائز ہے۔ عامۃ فقہاء کا بقول نووی رح یہی مذہب ہے۔ بعض سلف سے منقول ہے کہ ایک نماز کو یا کھڑے ہو کر پڑھو یا بیٹھ کر، کچھ حصہ قیام سے اور کچھ قعود سے درست نہیں، نووی رح نے کہا یہ غلط ہے۔ عبداللہ بن عمرو رضی نے اپنا ہاتھ اگر اپنے سر پر رکھا تھا تو بطور اظہار تعجب تھا، دوسرے نسخے میں: عَلَى رَأْسِهِ کا لفظ ہے، یعنی انہوں نے حضور ص کے سر پر ہاتھ رکھا تھا۔ اس کا مطلب یہ ہوگا کہ بغرض اعلام و اطلاع اور بغرض سوال ایسا کیا ہوگا۔

امام نووی رح نے کہا ہے کہ یہ حدیث صلوٰۃ نفل پر محمول ہے جسے قیام پر قدرت کے باوجود بیٹھ کر پڑھا جائے، پس ایسے شخص کو نصف ثواب ملے گا۔ لیکن جب عذر کے باعث نفل بیٹھ کر ادا کریں تو پورا ثواب ہوگا کیونکہ عذر موجود ہے۔ جہاں تک فرض نماز کا تعلق ہے وہ قیام پر قدرت کے وقت بیٹھ کر پڑھنی جائز اور صحیح نہیں ہے، نہ

اس میں کوئی ثواب ہو گا بلکہ الٹا گناہ ہو گا۔ اس حدیث کی شرح میں جمہور علماء کا یہی قول ہے۔ لیکن یہ حکم امت کے ساتھ مخصوص ہے حضورؐ کے خصائص میں سے یہ بھی ہے کہ آپؐ کی بیٹھ کر پڑھی ہوئی نفل نماز ایسی ہی ہے جیسی کھڑے ہو کر پڑھی جانے والی۔

آگے ایک حدیث عمران بن حصینؓ کی روایت سے آرہی ہے جس میں الفاظ ہیں: وَصَلوٰتُہٗ نَائِمًا عَلَی النِّصْفِ مِنْ صَلٰوتِہٖ قَاعِدًا۔ "لیٹ کر پڑھی جانے والی نماز بیٹھ کر پڑھی جانے والی نماز کی نسبت نصف اجر رکھتی ہے" اس حدیث سے تو پتہ چلتا ہے کہ یہ حکم غیر مقدور کے حق میں ہے اور ائمہ اسلام کے نزدیک نماز نفل لیٹ کر (بلا عذر) جائز نہیں۔ خطابیؒ نے کہا ہے کہ میں نے اس حدیث کا یہ مطلب لیا تھا کہ (اوپر کی حدیث سے) مراد غیر مقدور ہے جو بیٹھ کر نفل پڑھے، لیکن حدیث کا یہ لفظ: مَنْ صَلّٰی نَائِمًا "جو لیٹ کر پڑھے" میرے مطلب کو فاسد کر ڈالتا ہے کیونکہ نفل نماز لیٹ کر (بلا عذر) ادا نہیں کی جا سکتی۔ مجھے یاد نہیں کہ اہل علم میں سے کسی بھی اس کی اجازت دی ہو۔ پس اگر یہ روایت صحیح ہے اور کسی راوی نے اس میں یہ لیٹ کر پڑھنے کا لفظ اپنی طرف سے داخل نہیں کر دیا (یعنی اس نے لیٹنے والے کو بیٹھنے والے پر قیاس کیا ہو گا جیسا کہ نفل مسافر کے لیے سواری پر بھی جائز ہے) سو اگر یہ حدیث صحیح ہے تو اس کا مطلب یہ ہو گا کہ اس میں مقابلہ قائم اور مضطجع میں نہیں بلکہ قاعد اور مضطجع میں ہے یعنی جو شخص قیام پر قادر نہیں مگر قعود پر قادر ہے مگر وہ نفل نماز کو لیٹ کر ادا کرتا ہے تو اس کا ثواب قاعد سے نصف ہو گا اور یہ نماز جائز ہو گی۔ مگر یہ مسئلہ طویل ہے اور اس میں بہت اختلاف ہے۔

۹۵۳۔ حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ نَا يَحْيٰى عَنْ حُسَيْنٍ الْمُعَلِّمِ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ بُرَيْدَةَ عَنْ عِمْرَانَ بْنِ حُصَيْنٍ اَنَّهٗ سَاَلَ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ صَلٰوةِ الرَّجُلِ قَاعِدًا فَقَالَ صَلَاتُهٗ قَائِمًا اَفْضَلُ مِنْ صَلَاتِهٖ قَاعِدًا وَصَلَاتُهٗ قَاعِدًا عَلَى النِّصْفِ مِنْ صَلَاتِهٖ قَائِمًا وَصَلَاتُهٗ نَائِمًا عَلَى النِّصْفِ مِنْ صَلَاتِهٖ قَاعِدًا۔

عمران بن حصینؓ سے روایت ہے کہ اس نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے آدمی کے بیٹھ کر نماز پڑھنے کے متعلق پوچھا تو حضورؐ نے فرمایا: کھڑے ہو کر اس کی نماز بیٹھ کر پڑھی جانے والی نماز سے افضل ہے اور بیٹھ کر پڑھی جانیوالی نماز کا ثواب قیام والی نماز سے نصف ہے اور لیٹ کر پڑھی جانے والی نماز قعود والی نماز سے اجر و ثواب میں نصف ہے (یہ حدیث بخاری، نسائی، ابن ماجہ اور ترمذی نے بھی روایت کی ہے۔ ترمذی نے اسے حسن صحیح کہا ہے)

شرح: مولانا نائبؒ نے فرمایا کہ ممکن ہے فرض نماز میں بھی بعض ایسی صورتیں نکل سکیں کہ اس میں بیٹھ کر پڑھنے کا ثواب کھڑے ہو کر پڑھنے کی نسبت نصف ہو۔ حافظ ابن حجرؒ نے خطابی سے نقل کیا ہے کہ: اب میں نے سمجھا ہے کہ عمرانؓ کی حدیث میں فرض پڑھنے والا وہ مریض مراد ہے کہ جس کے لیے اپنا جسم بمشکل سنبھال کر بڑی مشقت کے ساتھ اٹھنا ممکن ہو، اس کے لیے بیٹھنے والے کا اجر قائم سے نصف بتایا گیا تاکہ اسے کھڑے ہو کر نماز پڑھنے کی

ترغیب ہو باوجودیکہ اس کے لیے بیٹھ کر نماز پڑھنا جائز ہے۔ حافظ صاحب نے کہا کہ خطابی کی تاویل اچھی مگر یہ کہنا بھی ممکن ہے کہ، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پہلے یہ بتایا ہو کہ فرض نماز میں بحالت عذر بیٹھ کر پڑھنے والے کو قائم کے اجر کا نصف ملتا ہے، پھر من جانب اللہ یہ خبر دی ہو کہ اس کے فضل و رحمت سے پورا اجر ملتا ہے۔ لیکن حنفیہ وغیرہم کا قول یہی ہے کہ نفل نماز لیٹ کر جائز نہیں کیونکہ قعود تو صلاۃ کی شکلوں میں سے ایک شکل ہے لہذا بیٹھ کر نفل جائز ہیں مگر لیٹ جانا اشکالِ نماز میں سے نہیں ہے لہذا لیٹ کر جائز نہیں (بحث یہاں پر نفل میں ہو رہی ہے۔ بحالت عذر فرض و نفل ہر ممکن صورت میں جائز ہیں اور وہ مسئلہ اس زیر بحث مسئلہ سے الگ ہے) یہ تو قیاس کا تقاضا ہے جو اس حدیث کے منشاء کے خلاف ہے۔ مگر استحسان یہ ہے کہ نفل نماز بلا عذر لیٹ کر بھی جائز ہے جیسا کہ اس حدیث کا تقاضا بھی یہی ہے۔

۹۵۴۔ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ سُلَيْمَانَ الْاَنْبَارِيُّ نَا وَكِيعٌ عَنْ اِبْرَاهِيمَ بْنِ طَهْمَانَ عَنْ حُسَيْنٍ الْمُعَلِّمِ عَنِ ابْنِ بُرَيْدَةَ عَنْ عِمْرَانَ بْنِ حُصَيْنٍ قَالَ كَانَ بِي النَّاصُورُ فَسَأَلْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ صَلِّ قَائِمًا فَاِنْ لَمْ تَسْتَطِعْ فَقَاعِدًا فَاِنْ لَمْ تَسْتَطِعْ فَعَلٰى جَنْبٍ۔

عمران بن حصین رض نے کہا کہ مجھے ناصور (یا بواسیر) کی بیماری تھی۔ پس میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا تو حضور نے فرمایا: کھڑا ہو کر نماز پڑھ، اگر ایسا نہ ہو سکے تو بیٹھ کر پڑھ اور یہ بھی ممکن نہ ہو تو پہلو پر لیٹ کر (یہ حدیث بخاری، نسائی، ابن ماجہ اور ترمذی نے روایت کی ہے)

شرح: باسور والے نسخے کی تائید بخاری کی روایت سے ہوتی ہے جس میں بواسیر کا لفظ آیا ہے اور ایک جگہ آیا ہے کہ عمران رض مبسور تھے، یعنی انہیں بواسیر کی شکایت تھی۔ رکوع و سجود بیٹھ کر پڑھنے کی حالت میں برابر ہو گا، ہاں اگر عذر اس سے زیادہ ہو تو اشارے سے نماز جائز ہے۔ اس کی طاقت بھی نہ ہو تو لیٹ کر نماز پڑھے۔ حنفیہ کی بعض روایات میں یہی ہے کہ قبلہ رُخ لیٹ کر پڑھے۔ مگر ایک روایت میں، اور بعض شوافع سے بھی یہی منقول ہے کہ پشت پر لیٹ جمائے اور پاؤں قبلہ کی طرف کرے، پھیلا کر نہیں بلکہ گھٹنے کھڑے کر کے تاکہ قعود کی شکل بن جائے۔ علی رض کی حدیث میں ہے کہ پشت پر سیدھا لیٹنا تب جائز ہے جبکہ رُو بقبلہ پہلو پر لیٹنا ممکن نہ ہو۔ لیٹ کر پڑھنے کے بعد اور کوئی حالت نہیں جیسے مریض شدتِ مرض میں اختیار کر سکے، مثلاً صرف سر کے اشارے سے نماز پڑھنا یا آنکھ سے اشارہ کرنا، پھر صرف زبان سے قرآن کی قرأت اور اذکار صلاۃ کی ادائیگی، اور جب یہ بھی ممکن نہ ہو تو ذکرِ قلبی پر اکتفا ہو سبب یہ ہے کہ یہ چیزیں حدیث میں مذکور نہیں ہوئیں، حنفیہ، مالکیہ اور بعض شافعیہ کا یہی قول ہے۔ اور بعض شوافع نے وہ سب صورتیں جائز بتائی ہیں جن کا ابھی ذکر ہوا۔ انہوں نے کہا کہ نماز کی بناء عقل کی موجودگی پر ہے جب تک کسی میں عقل موجود ہو گی احکام عبادت جس طرح بھی ممکن ہوں، ساقط نہ ہوں گے بلکہ مریض و ضعیف انسان حسبِ استطاعت نماز ادا کرے گا۔ امام غزالی رح نے اس حدیث

سے استدلال کر کے یہ بات لکھی ہے، جب میں تمہیں کوئی حکم دوں تو حسب استطاعت اسے ادا کرو۔ نسائی کی روایت میں: اگر استطاعت نہ ہو تو سیدھا لیٹ کر پڑھے، کے الفاظ موجود ہیں، گو بعض محدثین نے انہیں وہم کہا ہے۔

۹۵۵۔ حَدَّثَنَا اَحْمَدُ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ يُونُسَ نَا زُهَيْرٌ نَا هِشَامُ بْنُ عُرْوَةَ عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ مَا رَأَيْتُ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقْرَأُ فِي شَيْءٍ مِنْ صَلٰوةِ اللَّيْلِ جَالِسًا قَطُّ حَتّٰى دَخَلَ فِي السِّنِّ فَكَانَ يَجْلِسُ فِيهَا فَيَقْرَأُ حَتّٰى اِذَا بَقِيَ اَرْبَعُونَ اَوْ ثَلَاثُونَ اٰيَةً قَامَ فَقَرَأَهَا ثُمَّ سَجَدَ۔

عائشہؓ نے فرمایا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ وسلم کو نماز تہجد میں بیٹھ کر قرات کرتے بالکل نہ دیکھا حتی کہ جب آپ کو بڑھاپا آ گیا تو نفل میں بیٹھ کر قرات فرماتے تھے حتی کہ جب چالیس یا تیس آیتیں رہ جاتیں تو انہیں کھڑے ہو کر پڑھتے پھر سجدہ کرتے۔ (یہ حدیث بخاری، مسلم، نسائی اور ابن ماجہ نے بھی روایت کی ہے)

شرح: بخاری میں حدیث کے آخر میں یہ الفاظ ہیں: حتی کہ جب حضورؐ رکوع کا ارادہ کرتے تو اٹھ کھڑے ہوتے اور تقریباً تیس یا چالیس آیتیں پڑھ کر رکوع کرتے۔ بخاری کی ایک اور روایت میں ہے: پھر جب آپ کی قرات میں سے تیس یا چالیس آیات رہ جائیں تو اٹھتے اور کھڑے ہو کر ان کی قرات فرماتے، پھر رکوع کرتے پھر سجدہ کرتے اس حدیث میں جلوس سے قیام کی طرف انتقال کرنا اور اس کا عکس ثابت ہوتا ہے اور یہی جمہور فقہاء کا مذہب ہے

۹۵۶۔ حَدَّثَنَا الْقَعْنَبِيُّ عَنْ مَالِكٍ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ يَزِيدَ وَاَبِي النَّضْرِ عَنْ اَبِي سَلَمَةَ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ عَنْ عَائِشَةَ زَوْجِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يُصَلِّي جَالِسًا فَيَقْرَأُ وَهُوَ جَالِسٌ فَاِذَا بَقِيَ مِنْ قِرَاءَتِهٖ قَدْرُ مَا يَكُونُ ثَلَاثِينَ اَوْ اَرْبَعِينَ اٰيَةً قَامَ فَقَرَأَهَا وَهُوَ قَائِمٌ ثُمَّ رَكَعَ ثُمَّ سَجَدَ ثُمَّ يَفْعَلُ فِي الرَّكْعَةِ الثَّانِيَةِ مِثْلَ ذٰلِكَ۔ قَالَ اَبُو دَاوُدَ رَوَاهُ عَلْقَمَةُ بْنُ وَقَّاصٍ عَنْ عَائِشَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَحْوَهُ۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجۂ مطہرہ عائشہؓ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم بیٹھ کر نماز پڑھتے اور بیٹھ کر قرات کرتے، پس جب آپ کی قرات میں سے تین یا چالیس آیات کی مقدار رہ جاتیں تو آپ کھڑے ہو کر انہیں پڑھتے، پھر رکوع کرتے پھر سجدہ کرتے پھر دوسری رکعت میں بھی کرتے۔ ابو داؤد نے کہا کہ یہ حدیث علقمہ بن وقاص نے بھی عائشہؓ سے اور انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اسی طرح روایت کی ہے (مسلم کی

روایت میں یہ تعلیق موصول کر کے روایت ہوئی ہے یہ حدیث (بخاری، مسلم اور نسائی نے بھی روایت کی ہے)

۹۵۷۔ حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ نَا حَمَّادُ بْنُ زَيْدٍ قَالَ سَمِعْتُ بُدَيْلَ بْنَ مَيْسَرَةَ وَأَيُّوبَ يُحَدِّثَانِ عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ شَقِيقٍ عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ كَانَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُصَلِّي لَيْلًا طَوِيلًا قَائِمًا وَلَيْلًا طَوِيلًا قَاعِدًا فَإِذَا صَلَّى قَائِمًا رَكَعَ قَائِمًا وَإِذَا صَلَّى قَاعِدًا رَكَعَ قَاعِدًا۔

عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رات کا بڑا طویل حصہ کھڑے ہو کر نماز پڑھتے تھے اور طویل حصہ بیٹھ کر پڑھتے تھے۔ پس جب کھڑے ہو کر نماز پڑھتے تو حالتِ قیام سے ہی رکوع میں جاتے اور جب بیٹھ کر نماز پڑھتے تو بیٹھ کر ہی رکوع کرتے تھے۔ (اربابِ صحاح سے مسلم، نسائی اور ابن ماجہ نے بھی یہ حدیث روایت کی ہے)

شرح: مولانا سہارنپوری نے فرمایا کہ اس کلام کے معنی میں دو احتمال ہیں: (۱) ایک یہ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم بعض راتوں کو کافی دیر تک کھڑے ہو کر نماز پڑھتے پھر انہی راتوں میں کافی دیر بیٹھ کر نماز پڑھتے تھے۔ گویا کچھ نماز قیام سے اور کچھ قعود سے ہوتی تھی۔ (۲) یہ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کسی رات کو طویل عرصے تک بحالتِ قیام نماز پڑھتے تھے اور پھر کسی اگلی رات کو طویل عرصے تک بیٹھ کر نماز پڑھتے تھے۔ امام طحاوی رحمہ اللہ نے کہا ہے کہ بعض علماء کے نزدیک جو شخص بیٹھ کر نماز پڑھ رہا ہو اس کے لیے رکوع کرنے کو اٹھنا مکروہ ہے۔ دوسرے علماء نے کہا کہ اس میں کوئی حرج نہیں کیونکہ یہ افضل کی طرف انتقال ہے۔ اور ان کی دلیل وہ حدیث ہے جو کئی سندوں سے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ: میں نے کبھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو نماز تہجد بیٹھ کر پڑھتے نہ دیکھا حتی کہ جب آپ زیادہ عمر کے ہو گئے تو بیٹھ کر قرأت فرماتے اور جب رکوع کا ارادہ ہوتا تو اٹھ کر تقریباً تیس یا چالیس آیات پڑھتے پھر رکوع کرتے۔ پس اس حدیث سے ثابت ہوا کہ آپ بیٹھ کر نماز پڑھنے کی حالت میں بھی اٹھ کر رکوع کرتے تھے۔ اور بعض احادیث میں بیٹھ کر رکوع کرنا بھی آیا ہے، اور یہی قول ابوحنیفہ رحمہ اللہ، ابویوسف رحمہ اللہ اور محمد رحمہ اللہ کا ہے۔ یہ حدیث بظاہر گذشتہ احادیث کے خلاف ہے مگر ان میں اختلاف نہیں ہے کیونکہ یہ مختلف احوال پر مبنی ہے، کبھی یوں کیا اور کبھی دوسری طرح۔

۹۵۸۔ حَدَّثَنَا عُثْمَانُ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ نَا يَزِيدُ بْنُ هَارُونَ أَنَا كَهْمَسُ بْنُ الْحَسَنِ عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ شَقِيقٍ قَالَ سَأَلْتُ عَائِشَةَ أَكَانَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقْرَأُ السُّورَةَ فِي رَكْعَةٍ قَالَتِ الْمُفَصَّلَ قَالَ قُلْتُ فَكَانَ يُصَلِّي قَاعِدًا قَالَتْ حِينَ حَطَمَهُ النَّاسُ۔

عبداللہ بن شقیق نے کہا کہ میں نے عائشہ رضؓ سے سوال کیا کہ کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک رکعت میں کئی سورتوں کی قرأت کرتے تھے؟ جواب میں فرمایا کہ ہاں مفصل سورتوں میں۔ عبداللہ نے کہا کہ پھر میں نے کہا: کیا حضورؐ بیٹھ کر نماز پڑھتے تھے؟ فرمایا ہاں جب لوگوں نے آپ کو پیس دیا تھا (یہ حدیث مختصر منذری میں آئی ہے اور وہاں آخری جملے میں الناس کے بجائے الباس کا لفظ ہے اور اس کا مطلب بھی بالکل درست ہے)

شرح: بیہقی کی روایت میں ہے کہ: یُقرِنُ بَیْنَ السُّوَرِ "کئی سورتوں کو ملا کر پڑھتے تھے" طحاوی کی روایت میں بھی یقرن ہے۔ یہاں ابوداؤد کی روایت میں یقرأ السور آیا ہے۔ مفصل سورۂ حجرات سے یا سورت قٓ سے آخر قرآن تک ہے۔ حطمہ الناس کا مطلب ہے کہ جب کوئی آدمی اپنی قوم میں بڑھاپے کو پہنچ جاتا تو کہا کرتے تھے حطمہ الناس گویا ان کے معاملات کی دیکھ بھال اور ان کے بوجھ اٹھانے کے باعث بوڑھا ہو گیا ہے۔ حطم کا لفظی معنیٰ ہے کسی خشک سوکھی ہوئی چیز کو توڑنا۔

بَابٌ کَیْفَ الْجُلُوْسُ فِی التَّشَهُّدِ

تشہد میں جلوس کی کیفیت کا باب

۹۵۹۔ حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ نَا بِشْرُ بْنُ الْمُفَضَّلِ عَنْ عَاصِمِ بْنِ کُلَیْبٍ عَنْ اَبِیْهِ عَنْ وَائِلِ بْنِ حُجْرٍ قَالَ قُلْتُ لَاَنْظُرَنَّ اِلٰی صَلٰوۃِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ کَیْفَ یُصَلِّیْ فَقَامَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فَاسْتَقْبَلَ الْقِبْلَةَ فَکَبَّرَ فَرَفَعَ یَدَیْهِ حَتّٰی حَاذَتَا بِاُذُنَیْهِ ثُمَّ اَخَذَ شِمَالَهٗ بِیَمِیْنِهٖ فَلَمَّا اَرَادَ اَنْ یَّرْکَعَ رَفَعَهُمَا مِثْلَ ذٰلِكَ قَالَ ثُمَّ جَلَسَ فَافْتَرَشَ رِجْلَهُ الْیُسْرٰی وَوَضَعَ یَدَهُ الْیُسْرٰی عَلٰی فَخِذِهِ الْیُسْرٰی وَحَدَّ مِرْفَقَهُ الْیُمْنٰی عَلٰی فَخِذِهِ الْیُمْنٰی وَقَبَضَ ثِنْتَیْنِ وَحَلَّقَ حَلْقَةً وَرَاَیْتُهٗ یَقُوْلُ هٰکَذَا وَحَلَّقَ بِشْرٌ الْاِبْهَامَ وَالْوُسْطٰی وَاَشَارَ بِالسَّبَّابَةِ۔

وائل بن حجرؓ نے کہا کہ میں نے کہا کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز کو دیکھوں گا کہ آپ کیونکر پڑھتے ہیں۔ پس آپ قبلہ رو ہوئے، پھر تکبیر کہی اور رفع یدین کیا حتیٰ کہ ہاتھ کانوں کی محاذات میں پہنچ گئے۔ پھر بایاں ہاتھ دائیں سے پکڑا۔ پھر جب رکوع کرنے کا ارادہ کیا تو بھی ہاتھ اسی طرح اٹھائے۔ وائلؓ نے کہا پھر آپ بیٹھ گئے تو بایاں پاؤں بچھا لیا اور بایاں ہاتھ اپنی بائیں ران پر رکھا اور دائیں کہنی کو دائیں ران سے اٹھا کر رکھا اور دو چھوٹی انگلیوں کو تہ کیا اور حلقہ بنایا، اور میں نے آپ کو یوں اشارہ کرتے دیکھا۔ اور اس پر بشر راوی نے انگوٹھے کو اور درمیانی انگلی کو ملا کر ایک حلقہ بنایا اور انگشتِ شہادت سے اشارہ کیا (یہ حدیث سنن نسائی اور ابن ماجہ میں بھی مختصراً آئی ہے)۔

شرح: تشہد کے وقت جلوس میں ائمہ کا اختلاف ہے۔ بعض کے نزدیک دونوں تشہدوں میں دونوں پاؤں دائیں طرف نکال کر بائیں ران پہ بیٹھنا مسنون ہے، یہ امام مالکؒ وغیرہ کا قول ہے۔ امام شافعیؒ نے کہا کہ جلوس کی یہ ہیئت صرف آخری تشہد میں ہے۔ پہلے تشہد میں اور سجدوں کے درمیان والے جلسوں میں بائیں پاؤں پہ بیٹھنا اور دائیں کو کھڑا رکھنا مسنون ہے۔ حنفیہ کے نزدیک ہر دو تشہد میں بائیں پاؤں پہ بیٹھنا اور دایاں کھڑا کرنا چاہیے۔ وَحَدَّ مِرْفَقَہٗ الیمنیٰ۔ حدّ کا ایک معنی تو وہی ہے جو ترجمہ میں لکھا گیا ہے۔ دوسرا معنی یہ ہے کہ عبارت کو یوں مان کر: وَحَدَّ مِرْفَقَہٗ الیمنیٰ الخ ترجمہ یوں کیا جائے کہ دائیں کہنی کی حد کو دائیں ران پہ رکھا۔ پہلی صورت میں وَحَدَّ صیغۂ ماضی ہے مصدرِ توحید سے۔ بیہقی نے اس حدیث کو روایت کیا تو اس میں یہ الفاظ ہیں: وَضَعَ مِرْفَقَہُ الیُمنیٰ الخ یعنی دائیں کہنی کو دائیں ران پر رکھا۔ طحاوی کی روایت میں ہے: وَضَعَ مِرْفَقَہُ الأیمنَ الخ دارقطنی کی روایت میں ہے: وَوَضَعَ یَدَہٗ الیمنیٰ الخ مسند احمد کی روایت میں ہے: وَضَعَ حَدَّ مِرْفَقِہٖ علی فخذہ الیمنیٰ۔ مسند کی دوسری روایت میں ہے: جَعَلَ حَدَّ مِرْفَقِہٖ الایمن علی فخذہ الیمنیٰ۔ تیسری روایت کے الفاظ ہیں: ثُمَّ وَضَعَ حَدَّ مِرْفَقِہٖ الأیمنِ الخ۔ رفعِ سبابہ کے متعلق مختصر بحث پیچھے گزر چکی ہے۔

۹۶۰۔ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللّٰہِ بْنُ مَسْلَمَۃَ عَنْ مَالِکٍ عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ الْقَاسِمِ عَنْ عَبْدِ اللّٰہِ بْنِ عَبْدِ اللّٰہِ بْنِ عُمَرَ عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ سُنَّۃُ الصَّلٰوۃِ اَنْ تَنْصِبَ رِجْلَکَ الْیُمْنٰی وَتَثْنِیَ رِجْلَکَ الْیُسْرٰی۔

ابن عمرؓ نے فرمایا کہ نماز کی سنت یہ ہے کہ تو اپنا دایاں پاؤں کھڑا کرے اور بایاں پاؤں بچھائے (یہاں سے لے کر نمبر ۹۶۲ تک پانچ احادیث لولوئی کے نسخے میں نہیں ہیں، اسی طرح عام نسخوں میں مثلاً مصری اور کانپوری نسخہ میں یہ احادیث نہیں ہیں۔ مولانا ؒ نے فرمایا کہ نسخۂ مکتوبہ کے حاشیئے پر ان پانچ احادیث کا اضافہ بھی ہے۔ بقول صاحب عون المعبود مزیؒ نے اطراف میں ایک صحیح نسخے کا ذکر کیا ہے جس میں یہ احادیث موجود نہیں)

شرح: یہ حدیث بخاری اور طحاوی میں مروی ہے۔ طحاوی نے اپنی سند سے عبد اللہ بن عمرؓ کے بیٹے عبد اللہ سے روایت کی ہے کہ عبد اللہؓ بن عمرؓ نماز میں مرتبع انداز میں بیٹھتے تھے۔ میں نے بھی ایسا ہی کیا تو انہوں نے مجھے منع کیا اور اپنا عذر یہ بیان کیا کہ میرے پاؤں میرا بوجھ برداشت نہیں کرتے ورنہ نماز کی سنت یہی ہے کہ دایاں پاؤں کھڑا رکھا جائے اور بایاں بچھایا جائے مؤطا میں یہ حدیث ذرا مختلف الفاظ میں کچھ مفصل انداز میں آئی ہے۔

۹۶۱۔ حَدَّثَنَا ابْنُ مُعَاذٍ نَا عَبْدُ الْوَھَّابِ قَالَ سَمِعْتُ یَحْیٰی قَالَ سَمِعْتُ الْقَاسِمَ یَقُوْلُ اَخْبَرَنِیْ عَبْدُ اللّٰہِ بْنُ عَبْدِ اللّٰہِ اَنَّہٗ سَمِعَ عَبْدَ اللّٰہِ بْنَ عُمَرَ یَقُوْلُ مِنْ سُنَّۃِ الصَّلٰوۃِ اَنْ تُضْجِعَ رِجْلَکَ الْیُسْرٰی وَتَنْصِبَ الْیُمْنٰی۔

یحییٰ نے کہا کہ میں نے القاسم کو یہ کہتے سُنا کہ مجھے عبداللہ بن عبداللہ نے بتایا کہ اس نے عبداللہ بن عمرؓ کو یہ کہتے سُنا کہ نماز کی سُنت میں سے یہ بھی ہے کہ تو اپنا بایاں پاؤں لٹائے اور دایاں کھڑا کرے ۔

۹۶۲۔ حَدَّثَنَا عُثْمَانُ بْنُ اَبِیْ شَیْبَۃَ نَا جَرِیْرٌ عَنْ یَحْیٰی بِاِسْنَادِہٖ مِثْلَہٗ قَالَ اَبُوْدَاوٗدَ قَالَ حَمَّادُ بْنُ زَیْدٍ عَنْ یَحْیٰی اَیْضًا مِنَ السُّنَّۃِ کَمَا قَالَ جَرِیْرٌ۔

گزشتہ حدیث کی یہ ایک اور سند ہے ۔

۹۶۳۔ حَدَّثَنَا الْقَعْنَبِیُّ عَنْ مَالِكٍ عَنْ یَحْیَی بْنِ سَعِیْدٍ اَنَّ الْقَاسِمَ بْنَ مُحَمَّدٍ اَرَاھُمُ الْجُلُوْسَ فِی التَّشَھُّدِ فَذَکَرَ الْحَدِیْثَ۔

القاسم بن محمد (بن ابی بکر الصدیق رض) نے لوگوں کو تشہد میں بیٹھنے کا طریقہ دکھایا پھر اوپر والی حدیث بیان کی۔

۹۶۴۔ حَدَّثَنَا ھَنَّادُ ابْنُ السَّرِیِّ عَنْ وَکِیْعٍ عَنْ سُفْیَانَ عَنْ زُبَیْرِ بْنِ عَدِیٍّ عَنْ اِبْرَاھِیْمَ قَالَ کَانَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِذَا جَلَسَ فِی الصَّلٰوۃِ افْتَرَشَ رِجْلَہُ الْیُسْرٰی حَتّٰی اَسْوَی ظَھْرَ قَدَمِہٖ وَفِیْ اُخْرٰی اِسْوَدَّ بَدَلَ اَسْوٰی۔

ابراہیم نخعیؒ نے کہا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم جب نماز میں بیٹھتے تو اپنا بایاں پاؤں بچھاتے تھے حتیٰ کہ آپ کے قدم کی پشت سیاہ ہو گئی تھی (روایت میں اَسْوٰی کے لفظ کا کوئی معنیٰ نہیں بنتا اسودّ صحیح ہے)۔

بَابٌ ۶۵ مَنْ ذَکَرَ التَّوَرُّكَ فِی الرَّابِعَۃِ۔

ان کا باب جنہوں نے چوتھی رکعت میں تورّک کا ذکر کیا۔

۹۶۵۔ حَدَّثَنَا اَحْمَدُ بْنُ حَنْبَلٍ نَا اَبُوْ عَاصِمٍ الضَّحَّاكُ بْنُ مَخْلَدٍ نَا عَبْدُ الْحَمِیْدِ یَعْنِی ابْنَ جَعْفَرٍ ح وَنَا مُسَدَّدٌ نَا یَحْیٰی نَا عَبْدُ الْحَمِیْدِ یَعْنِی ابْنَ جَعْفَرٍ حَدَّثَنِیْ مُحَمَّدُ بْنُ عَمْرٍو عَنْ اَبِیْ حُمَیْدٍ السَّاعِدِیِّ قَالَ سَمِعْتُہٗ فِیْ عَشَرَۃٍ مِنْ اَصْحَابِ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ وَقَالَ اَحْمَدُ قَالَ اَخْبَرَنِیْ مُحَمَّدُ بْنُ عَمْرِو بْنِ عَطَاءٍ قَالَ سَمِعْتُ اَبَا حُمَیْدٍ السَّاعِدِیَّ فِیْ عَشَرَۃٍ مِنْ اَصْحَابِ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مِنْھُمْ اَبُوْ قَتَادَۃَ قَالَ اَبُوْ حُمَیْدٍ اَنَا اَعْلَمُکُمْ بِصَلٰوۃِ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ

وَسَلَّمَ قَالُوْا فَاعْرِضْ فَذَكَرَ الْحَدِيْثَ قَالَ وَيَفْتَخُ اَصَابِعَ رِجْلَيْهِ إِذَا سَجَدَ ثُمَّ يَقُوْلُ اللهُ اَكْبَرُ وَيَرْفَعُ وَيَثْنِيْ رِجْلَهُ الْيُسْرٰى فَيَقْعُدُ عَلَيْهَا ثُمَّ يَصْنَعُ فِي الْاُخْرٰى مِثْلَ ذٰلِكَ فَذَكَرَ الْحَدِيْثَ قَالَ حَتّٰى إِذَا كَانَتِ السَّجْدَةُ الَّتِيْ فِيْهَا التَّسْلِيْمُ اَخَّرَ رِجْلَهُ الْيُسْرٰى وَقَعَدَ مُتَوَرِّكًا عَلٰى شِقِّهِ الْاَيْسَرِ زَادَ اَحْمَدُ قَالُوْا صَدَقْتَ هٰكَذَا كَانَ يُصَلِّيْ وَلَمْ يَذْكُرَا فِيْ حَدِيْثِهِمَا الْجُلُوْسَ فِي الثِّنْتَيْنِ كَيْفَ جَلَسَ۔

ابوحمید ساعدی رضؓ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دس اصحاب کی مجلس میں کہا کہ جن میں ابوقتادہ رضؓ بھی تھے کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز کا تم سب سے زیادہ جاننے والا ہوں۔ انہوں نے کہا کہ پھر پیش کر۔ پس ابوحمیدؓ نے حدیث کا ذکر کیا اور کہا کہ سجدے کے وقت حضورؐ اپنے پاؤں کی انگلیوں کو ڈھیلا چھوڑ دیتے تھے پھر کہتے اللہ اکبر اور سر اٹھاتے اور اپنا بایاں پاؤں بچھاتے اور اس پہ بیٹھتے، پھر دوسری رکعت میں بھی یہی کرتے۔ پھر احمد بن حنبلؒ نے حدیث کا ذکر کیا، ابوحمید رضؓ نے کہا کہ حتیٰ کہ جب وہ سجدہ ہوتا جس میں تسلیم ہوتی تو اپنا بایاں پاؤں سرین سے دور کرتے اور بائیں پہلو پر سرین کے بل بیٹھتے۔ احمد کی حدیث میں یہ اضافہ ہے کہ اصحاب نے کہا تو نے سچ کہا حضور اسی طرح نماز پڑھتے تھے۔ اور احمد اور مسدد دونوں نے اپنی حدیث میں یہ نہیں بتایا کہ دو رکعت پر حضورؐ کا جلوس کیسا تھا؟ (یہ حدیث بخاری، ترمذی، نسائی اور ابن ماجہ نے بھی روایت کی ہے)

شرح: اس حدیث پر گفتگو کے بعض حصے اوپر گزر چکے ہیں۔ محدثین میں یہ بات زیر بحث رہی ہے کہ آیا محمد بن عمروؒ کی ملاقات ابوقتادہ رضؓ سے ہوئی ہے یا نہیں؟ کتب سیرت و تاریخ میں اور محدثین کے بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ ابوقتادہ رضؓ کی وفات کوفہ میں ہوئی اور اس کی نماز جنازہ حضرت علی رضؓ نے پڑھائی تھی۔ خود علی رضی اللہ عنہ ۴۰ھ میں شہید کئے گئے لہٰذا ابوقتادہ رضؓ کی وفات اس سے پہلے ہوئی ہوگی۔ اس حساب سے حمید بن عمرو کا یہ قول لائق غور و فکر ہے کہ ابوقتادہ رضؓ اس حدیث کی روایت کے وقت موجود تھے۔

۹۶۶۔ حَدَّثَنَا عِيْسَى بْنُ اِبْرَاهِيْمَ الْمِصْرِيُّ نَا ابْنُ وَهْبٍ عَنِ اللَّيْثِ عَنْ يَزِيْدَ بْنِ مُحَمَّدٍ الْقُرَشِيِّ وَيَزِيْدَ بْنِ اَبِيْ حَبِيْبٍ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ عَمْرِو بْنِ حَلْحَلَةَ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ عَمْرِو بْنِ عَطَاءٍ اَنَّهُ كَانَ جَالِسًا مَعَ نَفَرٍ مِنْ اَصْحَابِ رَسُوْلِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِهٰذَا الْحَدِيْثِ وَلَمْ يَذْكُرْ اَبَا قَتَادَةَ قَالَ فَاِذَا جَلَسَ فِي الرَّكْعَتَيْنِ جَلَسَ عَلٰى رِجْلِهِ الْيُسْرٰى فَاِذَا جَلَسَ فِي الرَّكْعَةِ الْاَخِيْرَةِ قَدَّمَ رِجْلَهُ الْيُسْرٰى وَجَلَسَ عَلٰى مَقْعَدَتِهِ۔

دوسری سند سے یہی حدیث مگر اس میں ابو قتادہ رضؓ کا ذکر نہیں۔ اس میں ہے کہ جب حضور ﷺ دو رکعتوں پر بیٹھے تو بائیں پاؤں پر بیٹھے اور جب آخری رکعت میں بیٹھتے تو بایاں پاؤں آگے نکال کر نشست پر (سرین پر) بیٹھتے تھے۔

۹۶۷۔ حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ نَا ابْنُ لَهِيعَةَ عَنْ يَزِيدَ بْنِ أَبِي حَبِيبٍ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ عَمْرِو بْنِ حَلْحَلَةَ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ عَمْرٍو الْعَامِرِيِّ قَالَ كُنْتُ فِي مَجْلِسٍ بِهَذَا الْحَدِيثِ قَالَ فِيهِ فَإِذَا قَعَدَ فِي الرَّكْعَتَيْنِ قَعَدَ عَلَى بَطْنِ قَدَمِهِ الْيُسْرَى وَنَصَبَ الْيُمْنَى فَإِذَا كَانَتِ الرَّابِعَةُ أَفْضَى بِوَرِكِهِ الْيُسْرَى إِلَى الْأَرْضِ وَأَخْرَجَ قَدَمَيْهِ مِنْ نَاحِيَةٍ وَاحِدَةٍ۔

یہی حدیث ایک اور سند کے ساتھ، اس میں راوی نے کہا کہ جب حضور دو رکعتوں پر بیٹھتے تو اپنے بائیں پاؤں کی پشت پر بیٹھتے تھے اور دایاں پاؤں کھڑا کرتے تھے۔ پھر جب چوتھی رکعت ہوتی تو اپنے بائیں سرین کو زمین پر ٹکاتے اور دونوں پاؤں ایک طرف (یعنی دائیں طرف کو) کو نکال دیتے تھے۔

۹۶۸۔ حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ الْحُسَيْنِ بْنِ إِبْرَاهِيمَ نَا أَبُو بَدْرٍ نَا زُهَيْرٌ أَبُو خَيْثَمَةَ نَا الْحَسَنُ بْنُ الْحُرِّ نَا عِيسَى بْنُ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ مَالِكٍ عَنْ عَبَّاسٍ أَوْ عَيَّاشِ بْنِ سَهْلٍ السَّاعِدِيِّ أَنَّهُ كَانَ فِي مَجْلِسٍ فِيهِ أَبُوهُ فَذَكَرَ فِيهِ قَالَ فَسَجَدَ فَانْتَصَبَ عَلَى كَفَّيْهِ وَرُكْبَتَيْهِ وَصُدُورِ قَدَمَيْهِ وَهُوَ جَالِسٌ فَتَوَرَّكَ وَنَصَبَ قَدَمَهُ الْأُخْرَى ثُمَّ كَبَّرَ فَسَجَدَ ثُمَّ كَبَّرَ فَقَامَ وَلَمْ يَتَوَرَّكْ ثُمَّ عَادَ فَرَكَعَ الرَّكْعَةَ الْأُخْرَى فَكَبَّرَ كَذَلِكَ ثُمَّ جَلَسَ بَعْدَ الرَّكْعَتَيْنِ حَتَّى إِذَا هُوَ أَرَادَ أَنْ يَنْهَضَ لِلْقِيَامِ قَامَ بِتَكْبِيرٍ ثُمَّ رَكَعَ الرَّكْعَتَيْنِ الْأُخْرَيَيْنِ فَلَمَّا سَلَّمَ سَلَّمَ عَنْ يَمِينِهِ وَعَنْ شِمَالِهِ قَالَ أَبُو دَاوُدَ وَلَمْ يَذْكُرْ فِي حَدِيثِهِ مَا ذَكَرَ عَبْدُ الْحَمِيدِ فِي التَّوَرُّكِ وَالرَّفْعِ إِذَا قَامَ مِنْ ثِنْتَيْنِ۔

عباس یا عیاش بن سہل رضؓ ساعدی سے روایت ہے کہ وہ ایک مجلس میں تھا جس میں اس کا باپ بھی موجود تھا۔ پس اس حدیث میں راوی نے ذکر کیا کہ ابو حمید رضؓ نے کہا پس آپ جب سجدہ کرتے تو اپنی ہتھیلیوں، گھٹنوں اور پاؤں کے پنجوں پر بوجھ ڈالتے اور جلوس میں تورک کرتے اور اپنا دوسرا پاؤں کھڑا کرتے پھر تکبیر کہہ کر سجدہ کرتے پھر

تکبیر کہہ کر اٹھتے اور تورک نہ کرتے۔ پھر دوسری رکعت پڑھتے تو اسی طرح تکبیر کہتے، پھر دو رکعت کے بعد بیٹھتے حتیٰ کہ جب وہ قیام کے لیے اٹھنا چاہتے تو تکبیر کہہ کر اٹھتے پھر دوسری دو رکعتیں پڑھتے۔ پھر جب سلام کہتے تو دائیں بائیں سلام کہتے۔ ابوداؤد نے کہا کہ اس روایت میں راوی عیسیٰ بن عبداللہ نے وہ بات نہیں کی جو عبدالحمید نے تورک میں اور دو رکعات سے قیام کے بارے میں کہی ہے۔

شرح: اس روایت میں سجدے کے ذکر میں وَهُوَ جَالِسٌ کا لفظ بقول مولانا کسی کاتب کی غلطی سے لکھا گیا ہے صحیح لفظ وَهُوَ سَاجِدٌ ہے ورنہ کوئی معنی نہیں بنتا۔ ابوداؤد نے راویوں کا جو اختلاف بتایا وہ یہ ہے کہ عبدالحمید نے آخری تشہد میں تورک کا ذکر کیا ہے مگر عیسیٰ بن عبداللہ نے نہیں کیا۔ اسی طرح عبدالحمید نے رفع الیدین کا ذکر کیا ہے یعنی پہلے تشہد سے اٹھتے وقت، لیکن عیسیٰ نے اس کا ذکر نہیں کیا۔ تورک کی کیفیت میں اختلاف ہے۔(۱) ابوداؤد نے ابن لہیعہ کی جو روایت بیان کی ہے اس میں کیفیت ہے کہ: چوتھی رکعت کے تشہد میں بائیں سرین کو زمین پر ٹکا دیتے اور دونوں پاؤں ایک طرف نکال دیتے تھے۔ کتاب الام میں امام شافعی رحمہ اللہ نے اسی کو اختیار کیا ہے۔ اس ہیئت میں دایاں پاؤں کھڑا نہیں رہ سکتا بلکہ وہ بھی زمین پر بچھا ہوا ہوتا ہے۔ (۲) دوسرا تورک وہ ہے جو ابوداؤد کی اس روایت عیسیٰ بن عبداللہ میں آیا ہے کہ دایاں پاؤں کھڑا ہے اور بائیں سرین کو زمین پر رکھا جائے۔ اور یہی وہ تورک ہے جو دو سجدوں کے درمیانی جلسے میں آیا ہے، امام شافعیؒ نے اسے اختیار نہیں کیا۔ یہی ہیئت امام مالکؒ کی روایت میں اوپر گزری ہے اور طحاویؒ میں بھی آئی ہے کہ: دایاں پاؤں کھڑا کیا اور بایاں بچھا دیا اور اپنے بائیں سرین پر بیٹھ گئے امام مالکؒ نے نماز کے تمام جلسوں میں اسی کو اختیار کیا ہے (۳) تیسری کیفیت امام مسلمؒ نے عبداللہ بن زبیرؓ سے روایت کی ہے کہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنا بایاں قدم اپنی ران اور پنڈلی کے درمیان رکھتے تھے اور بایاں پاؤں بچھاتے تھے۔

۹٦۹۔ حَدَّثَنَا اَحْمَدُ بْنُ حَنْبَلٍ نَا عَبْدُ الْمَلِكِ بْنُ عَمْرٍو اَخْبَرَنِي فُلَيْحٌ اَخْبَرَنِي عَبَّاسُ بْنُ سَهْلٍ قَالَ اجْتَمَعَ اَبُوْ حُمَيْدٍ وَاَبُوْ اُسَيْدٍ وَسَهْلُ بْنُ سَعْدٍ وَمُحَمَّدُ بْنُ مَسْلَمَةَ فَذَكَرَ هٰذَا الْحَدِيْثَ لَمْ يَذْكُرِ الرَّفْعَ اِذَا قَامَ مِنْ ثِنْتَيْنِ وَلَا الْجُلُوْسَ قَالَ حَتّٰى فَرَغَ ثُمَّ جَلَسَ فَافْتَرَشَ رِجْلَهُ الْيُسْرٰى وَاَقْبَلَ بِصَدْرِ الْيُمْنٰى عَلٰى قِبْلَتِهٖ۔

عباس بن سہل نے بتایا کہ ابوحمیدؓ اور ابواُسیدؓ اور سہل بن سعدؓ اور محمدؓ بن مسلمہ جمع ہوئے، پس راوی نے یہ حدیث بیان کی اور اس میں دو رکعتوں سے اٹھتے وقت رفع یدین کا ذکر نہیں کیا اور نہ آخری جلوس کا، راوی نے کہا کہ جب آپ سجدوں سے فارغ ہوئے تو بیٹھ گئے پس بایاں پاؤں بچھا دیا اور دائیں کا پنجہ قبلہ رخ کر لیا۔

شرح: اس حدیث میں فراغت سے مراد نماز سے فراغت نہیں کہ اس مذکورہ ہیئت کو آخری تشہد کی ہیئت کہا جا سکے

کیونکہ بیہقی نے سنن کبیر میں یہی حدیث بیان کی ہے اور صراحت سے اس میں یہ لفظ ہے کہ یہ ہیئت پہلے تشہد کی تھی اور اس میں آخری تشہد کا ذکر نہیں ہے۔ یہی مضمون طحاوی کی روایت کا بھی ہے۔

باب ۶۶ التَّشَهُّدِ

تشہد کا باب۔

۹۷۰۔ حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ نَا يَحْيَى عَنْ سُلَيْمَانَ الْأَعْمَشِ حَدَّثَنِي شَقِيقُ بْنُ سَلَمَةَ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ مَسْعُودٍ قَالَ كُنَّا إِذَا جَلَسْنَا مَعَ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي الصَّلٰوةِ قُلْنَا السَّلَامُ عَلَى اللّٰهِ قَبْلَ عِبَادِهِ السَّلَامُ عَلَى فُلَانٍ وَفُلَانٍ فَقَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا تَقُولُوا السَّلَامُ عَلَى اللّٰهِ فَإِنَّ اللّٰهَ هُوَ السَّلَامُ وَلٰكِنْ إِذَا جَلَسَ أَحَدُكُمْ فَلْيَقُلْ اَلتَّحِيَّاتُ لِلّٰهِ وَالصَّلَوَاتُ وَالطَّيِّبَاتُ السَّلَامُ عَلَيْكَ أَيُّهَا النَّبِيُّ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ وَبَرَكَاتُهُ السَّلَامُ عَلَيْنَا وَعَلَى عِبَادِ اللّٰهِ الصَّالِحِينَ فَإِنَّكُمْ إِذَا قُلْتُمْ ذٰلِكَ أَصَابَ كُلَّ عَبْدٍ صَالِحٍ فِي السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ أَوْ بَيْنَ السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ أَشْهَدُ أَنْ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَأَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهُ وَرَسُولُهُ ثُمَّ لِيَتَخَيَّرْ أَحَدُكُمْ مِنَ الدُّعَاءِ أَعْجَبَهُ إِلَيْهِ فَيَدْعُو بِهِ۔

عبداللہ بن مسعودؓ نے کہا کہ ہم لوگ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نماز میں بیٹھتے تو کہتے "اَلسَّلَامُ عَلَى اللّٰهِ قَبْلَ عِبَادِهِ اَلسَّلَامُ عَلٰى فُلَانٍ وَفُلَانٍ۔" اس کے بندوں سے قبل اللہ پر سلام ہو، فلاں اور فلاں پر سلام ہو" پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: یوں مت کہو کہ اَلسَّلَامُ عَلَى اللّٰهِ کیونکہ اللہ تو خود سلام ہے، بلکہ جب تم میں سے کوئی بیٹھے تو کہے: اَلتَّحِيَّاتُ لِلّٰهِ وَالصَّلَوَاتُ وَالطَّيِّبَاتُ اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ أَيُّهَا النَّبِيُّ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ وَبَرَكَاتُهُ اَلسَّلَامُ عَلَيْنَا وَعَلٰى عِبَادِ اللّٰهِ الصَّالِحِينَ " زبانی عبادتیں اللہ کے لیے ہیں اور بدنی عبادتیں اور مالی عبادتیں بھی، اے نبی تجھ پر سلام اور اللہ کی رحمت اور اس کی برکات ہو، سلام ہم پر اور اللہ کے سب نیک بندوں پر،" کیونکہ جب تم نے ایسا کہا تو تمہاری دعا آسمان وزمین میں یا اس کے درمیان ہر نیک بندے کو پہنچ جائیگی أَشْهَدُ أَنْ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَأَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهُ وَرَسُولُهُ" میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور میں گواہی دیتا ہوں کہ یقیناً محمد اللہ کا بندہ اور اس کا رسول ہے" پھر تم میں سے کوئی وہ دعا منتخب کرے جو اسے بہت پسند ہو اور اسے مانگے۔

شرح: یہ حدیث بخاری، مسلم، نسائی، ابن ماجہ اور ترمذی نے بھی روایت کی ہے۔ خطابیؒ نے کہا ہے کہ التحیات کے

لیے حضورؐ نے امر کا صیغہ بولا جو وجوب پر دلالت کرتا ہے، مگر تشہد سے فراغت کے بعد کی دعاؤں کا اختیار نمازی کو دے دیا ہے یہ اس بات کی دلیل ہے کہ التحیات کے بعد رسول اللہ صلی اللہ وسلم پر درود واجب نہیں ہے ورنہ اس موقع پر حضورؐ اسے بھی بصیغۂ امر سے فرماتے فقہاء کی جماعت کا یہی قول ہے مگر شافعیؒ اور اسحاق بن راہویہؒ نے التحیات کے بعد صلاۃ علی النبیؐ کو واجب کہا ہے اور یہ بھی کہ اس کے بغیر نماز باطل ہے۔ مگر میں اس مسئلے میں شافعیؒ کے لیے کوئی قدوہ (دلیل ورہنما) نہیں پاتا اور شوافع اس بارے میں کعب بن عجرہؓ کی حدیث سے استدلال کرتے ہیں جسے ابوداؤد نے روایت کیا ہے (اور تھوڑی دور آگے آئے گی)

حدیث کا لفظ: اَلسَّلَامُ عَلَى اللهِ قَبْلَ عِبَادِهٖ ہے مگر بعض نسخوں میں ہے: اَلسَّلَامُ عَلَى اللهِ قِبَلَ عِبَادِهٖ یعنی بندوں کی طرف سے اللہ پر سلام ہو۔ اَلسَّلَامُ عَلٰى فُلَانٍ وَفُلَانٍ ابن ماجہ اور اسماعیل کی روایات سے پتہ چلتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے بعد وہ حضرات بعض فرشتوں کا نام لے کر سلام کی دعا کرتے تھے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سلسلے میں جو ہدایت فرمائی وہ حسب روایت بخاری نماز سے فراغت کے بعد تھی۔ اس ہدایت کے متعلق بیضاوی کا قول حافظ ابن حجر نے نقل کیا ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ پر سلام کہنے پر نکیر فرمائی اور اس کی علت یہ فرمائی کہ یہ واجب قول کے برعکس ہے، وجہ یہ کہ ہر سلام اللہ کی ہے، اسی کی طرف سے ہے اور وہ اس کا مالک ہے اور جس کو چاہے سلامتی عطا فرماتا ہے۔ کسی کے پاس کون سا سلام و رحمت ہے جو اس کو پیش کرے؟ حافظ توربشتی نے کہا ہے کہ اللہ پر سلام مانگنے سے ممانعت کا سبب یہ ہے کہ ساری مخلوق کے سوال تو سننے والا وہ ہے، دعائیں اس سے کی جاتی ہیں اور وہ غنی (غیر محتاج) ہے، پس جو شخص اللہ پر سلامتی مانگتا ہے وہ کس سے کس کے لیے سلامتی طلب کرتا ہے؟ حضورؐ نے یہ جو ارشاد فرمایا: فَاِنَّ اللّٰهَ هُوَ السَّلَامُ۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ ذُو السَّلَامِ ہے یعنی سلامتی والا۔ سو یہ مت کہو کہ اس پر سلام ہو کیونکہ سلامتی تو اسی کی طرف سے آتی ہے اور اسی کی طرف لوٹتی ہے وہ ہر قسم کی سلامتی، دعاء اور رحمت کا منبع و مرکز و مرجع ہے۔ وہ ہر آفت وعیب اور نقص و ضعف سے پاک و برتر (سلامتی والا) ہے۔ نوویؒ نے کہا کہ حضورؐ کے ارشاد کا مطلب یہ ہے کہ سلام اللہ تعالیٰ کا ایک نام ہے: اَلْمَلِكُ الْقُدُّوْسُ السَّلَامُ الْمُؤْمِنُ الخ اور سلام کا معنیٰ ہے "نقائص سے سالم" یا اپنے اولیاء کو سلامتی بخشنے والا اور ان پر رحمت نازل کرنے والا۔

اس حدیث میں اِذَا جَلَسَ اَحَدُكُمْ کے ارشاد میں جلوس سے مراد دونوں تشہدوں میں بیٹھنا ہے۔ نسائی کی روایت میں یہ الفاظ ہیں: جب تم دو رکعات پر بیٹھو تو کہو الخ نسائی کی ایک اور حدیث میں ہے کہ: فَقُوْلُوْا فِيْ كُلِّ جَلْسَةٍ یعنی ہر تشہد کے جلسے میں یہ کہو۔ امام نوویؒ نے کہا ہے کہ ابوحنیفہؒ، مالکؒ اور جمہور فقہاء کا یہ مذہب ہے کہ دونوں تشہد سنت ہیں اور مالکؒ سے یہ روایت بھی ہے کہ پچھلا تشہد واجب ہے۔ مولاناؒ نے فرمایا کہ حنفیہ کے ہاں دونوں قعدوں میں تشہد واجب ہے۔ یعنی پہلے اور پچھلے میں، ظاہر روایت یہی ہے مگر ایک روایت میں یہ بھی ہے کہ تشہد فقط قعدۂ اخیرہ میں واجب ہے، صاحب ہدایہ کا یہی قول ہے جبکہ اس نے کہا کہ پہلے یا پچھلے جلوس میں تشہد کے ترک کرنے سے سجدۂ سہو واجب ہو جاتا ہے۔ معلوم رہے کہ حنفیہ کے واجب اور دیگر ائمہ کے واجب میں بہت فرق ہے۔ دوسرے حضرات واجب بمعنیٰ فرض بولتے ہیں جب کہ حنفیہ کے نزدیک فرض اور سنت کے

درمیان ایک تیسرا مقام ہے، مگر وہ عملاً تو سنتِ مؤکدہ ہے اور اعتقاداً سنن سے اوپر اور فرض کے قریب صاحب ہدایہ نے باب سجود السہو میں تو ہر دو قعدوں میں قراۃ تشہد کو واجب کہا اور باب صفۃ الصلوٰۃ میں اسے صرف قعدۂ اخیرہ میں واجب کہا۔ اور ظاہر روایت پر ہی عمل ہونا ضروری ہے۔

جہاں تک الفاظِ تحیۃ کا سوال ہے، ابن قتیبہ نے لکھا ہے کہ تحیۃ کا لفظ صرف بادشاہوں کے لیے استعمال ہوتا تھا اور ہر بادشاہ کی ایک مخصوص تحیۃ تھی اس لیے اللہ تعالیٰ جو شہنشاہِ حقیقی اور بادشاہِ اصل ہے اس کے لیے التحیات کا لفظ بولا گیا۔ پس مطلب یہ ہے کہ وہ تحیات جن کے ساتھ لوگ بادشاہوں کو سلام کرتے تھے ان سب کا حقدار فقط اللہ تعالیٰ ہے۔ خطابی نے کہا کہ چونکہ بادشاہوں کے لیے استعمال ہونے والی تحیۃ و ثناء کا کوئی لفظ اللہ تعالیٰ مالک الملک کے لیے مناسب نہ تھا لہٰذا التحیات کے لفظ کو مبہم رکھا گیا اور اس سے مراد انواع تعظیم ہیں۔ یعنی ہر نوع اور ہر درجے اور قسم کی تعظیم اللہ کے لیے ہے۔ خلاصہ یہ کہ زبانی حمد و ثنا اور تعریف و تعظیم و عبادات کا مستحق فقط اللہ تعالیٰ ہے۔ اَلصَّلَوٰاتُ وَالطَّیِّبَاتُ سے مراد کیا ہے؟ صلوٰت سے مراد نماز پنج گانہ یا ہر شریعت کے مخصوص یا عام فرائض و نوافل ہیں۔ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ صلوات سے مراد ہر قسم کی عبادات ہوں (دعا ہو یا کچھ اور) اور بعض کے نزدیک اس لفظ سے مراد دعائیں ہیں۔ بعض نے اس سے رحمتیں مراد لی ہیں۔ تحیات کے مقابلے میں صلوٰت کا لفظ بتایا ہے کہ اگر پہلے سے مراد زبانی عبادتیں ہیں تو دوسرے سے قولی اور تیسرے لفظ طیّبات سے مراد مالی عبادات یعنی صدقہ و خیرات و زکوٰۃ ہے۔ طیّبات طیبہ کی جمع ہے اور اس سے مراد بعض کے نزدیک ہر اچھا کلام، اچھی ثنا و حمد ہے جو اللہ تعالیٰ کی شان کے لائق ہم ادا کی جائے۔ جو تعریفیں اس کی صفات کاملہ کے لائق نہیں ہیں یا جن کے ساتھ دنیوی بادشاہوں کو پکارا جاتا تھا وہ اس کے حق میں طیّبات میں داخل نہیں ہیں۔ طیبات سے مراد کلماتِ طیبات بھی ہیں، اِلَیْهِ یَصْعَدُ الْكَلِمُ الطَّیِّبُ الخ۔ اعمالِ صالحہ جو اللہ کی رضا کی خاطر ہوں وہ طیّبات میں داخل ہیں۔

اَلسَّلَامُ عَلَیْكَ اَیُّهَا النَّبِیُّ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ وَبَرَكَاتُهٗ: سلام علیک کا اصل یہ ہے کہ: سَلَّمْتُ سَلَامًا عَلَیْكَ فعل کو حذف کر کے مصدر کو اُس کا قائم مقام بنا دیا گیا۔ پھر مبتدا ہونے کی وجہ سے اسے مرفوع کیا گیا تاکہ سلام کے معنی کا ثبوت و استقرار ظاہر ہو سکے۔ آل یا عہد تقدیر کے لیے ہے یعنی: وہ سلام جو گزشتہ انبیاء کی طرف بھیجا گیا، اے نبیؐ وہ سلام آپ پر ہوں جو سلامتی گزشتہ امتوں پر بھیجی گئی وہ ہم پر ہو اور ہمارے سب بھائیوں پر ہو۔ یا یہ ال جنس کے لیے ہے یعنی سلام کی حقیقت جسے ہر کوئی جانتا ہے اور جس سے بھی صادر ہو یا جس پر بھی نازل ہو، اے نبی وہ جنس سلام آپؐ پر اور ہم پر ہو۔ اور یہ بھی ہے کہ یہاں آل عہدِ خارجی کے لیے ہو اور اس کا اشارہ اللہ تعالیٰ کے اس قول کی طرف ہو: وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِهِ الَّذِیْنَ

اگر یہ کہا جائے کہ کلام الناس تو نماز میں ممنوع ہے جیسا کہ گزشتہ کئی احادیث میں گزرا تو پھر اسے کیونکہ جائز رکھا گیا؟ اس کا جواب یہ ہے کہ یہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے خصائص میں سے ہے۔ اگر کہا جائے کہ غائب کا صیغہ چھوڑ کر خطاب کا صیغہ کیوں استعمال ہوا: عَلَیْكَ اَیُّهَا النَّبِیُّ؟ اس کا جواب علامہ طیبیؒ نے یہ دیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ لفظ صحابہ کو اسی طرح سکھایا تھا اور ہم اسی کے پابند ہیں کہ یہی لفظ استعمال کریں۔ اہلِ عرفان کے طریقے پر اس کا یہ جواب

بھی دیا جا سکتا ہے کہ: نمازی نے جب ملکوتِ الٰہی کا دروازہ التحیات للہ الخ کہہ کر کھٹکھٹایا تو اسے اللہ تعالیٰ کے حریم فضل و رحمت میں داخلے کی اجازت مل گئی، اس پر مناجاتِ الٰہی کے ساتھ ان کی آنکھیں ٹھنڈی ہو گئیں تو یہ تنبیہ کی گئی کہ یہ سب نبیٔ رحمت کے واسطے سے اور اس کی پیروی کی برکت سے ہوا ہے۔ حبیبِ الٰہی پہلے سے بارگاہِ خداوندی میں حاضر تھے لہٰذا انہوں نے بے اختیار پکار کر کہا اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ اَيُّهَا النَّبِيُّ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ وَبَرَكَاتُهٗ۔

ابن مسعودؓ کی حدیث کے بعض طرق میں آیا ہے کہ حضور صلی اللہ وسلم کے زمانے میں تو بعض اصحاب کی طرف سے آپ کو سلام بصیغۂ خطاب کہا جاتا تھا مگر بعد میں بصیغۂ غائب کہا جانے لگا: اَلسَّلَامُ یعنی عَلَى النَّبِيِّ الخ (کتاب الاستیذان بخاری) یہ حدیث صحیح ابی عوانہ میں اسی طرح ہے اور سراج اور جوزقی اور ابو معین اور بیہقی نے اس لفظ سے روایت کی ہے۔ اَلسَّلَامُ عَلَى النَّبِيِّ۔ مگر اس قول میں کوئی حجت نہیں ہے کیونکہ یہ ان حضرات کی رائے تھی کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو لفظ انہیں سکھائے تھے وہ فقط انہی کے لیے یا فقط حضورؐ کے عین حیات کے لیے نہ تھے، پس ان الفاظ کو اختیار کرنا اولیٰ ہے اور جو لفظ انہوں نے اپنے اجتہاد اور رائے سے کہے تھے ان سے الفاظِ نبوی ہی بہر حال بہتر ہیں۔ اس کی دلیل یہ بھی ہے کہ حضورؐ کے زمانے میں صحابہ سفر میں مدینہ سے دور ہوتے، غزوات میں یا دیگر تبلیغی و تعلیمی امور میں مصروف ہو کر وطن سے دور چلے جاتے اور وہی لفظ استعمال کیا کرتے تھے جو انہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سکھائے تھے، حالانکہ ان پر لازم تھا کہ ان حالات میں بھی یہ الفاظ: اَلسَّلَامُ عَلَى النَّبِيِّ الخ کہا کرتے۔ پس جب انہوں نے حضورؐ کی زندگی میں اس عذرِ غیبت کی بنا پہ الفاظِ تشہد میں تبدیلی نہ کی تو بعدِ وفاتِ نبویؐ یہ تبدیلی کیونکر جائز ہو گئی؟ حافظ ابن حجر نے سعید بن منصور سے ابو عبیدہ ابن عبداللہؓ سے اور اس نے اپنے والد سے روایت کی ہے کہ حضورؐ نے انہیں یہ تشہد سکھایا تھا۔ ابن عباسؓ بولے کہ ہم حضورؐ کی عینِ حیات میں بصیغۂ خطاب اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ اَيُّهَا النَّبِيُّ کہتے تھے (اب حضورؐ کے بعد یہ لفظ کیسے بولیں؟) تو ابن عباسؓ نے کہا کہ حضورؐ نے ہمیں ایسا سکھایا تھا اور اب بھی ہم یہی جانتے ہیں، ظاہر ہے کہ عبداللہ بن عباسؓ نے جو کچھ کہا وہ بحیثیت بحث و تحقیق مسئلہ کے تھا اور ابن مسعودؓ کی اپنی رائے یہ نہ تھی ورنہ وہ یہ جواب نہ دیتے۔ حافظ ابن حجر نے کہا اس روایت کی سند میں ضعف ہے اور ابو عبیدہ کی روایت اپنے باپ سے ثابت نہیں۔ علاوہ ازیں پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم اپنی قبر میں زندہ ہیں اور نبی اپنی قبروں میں زندہ ہوتے ہیں۔ زمین کے اوپر ہونے یا اس کے پردے کے نیچے ہونے سے فرق نہیں ہوتا جیسا کہ حضورؐ کی زندگی میں صحابہ کی غیبت و حضورؐ سے ان الفاظ میں تبدیلی نہ آتی تھی۔ یہی سبب ہے کہ غائب کا صیغہ استعمال کرنا ائمہ میں سے کسی کا مذہب نہیں ہے۔ اور رَحْمَةُ اللّٰهِ سے مراد اللہ کا احسان ہے اور بَرَكَاتُهٗ سے مراد ہر وہ خیر ہے جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہمیشہ فائض رہتی ہے۔ برکۃ کا معنی خیر کی زیادتی بھی ہے اور اسے جمع اس لیے لایا گیا کہ سلام اور رحمت دونوں مصدر ہیں اور یہ مصدر نہیں۔

اَلسَّلَامُ عَلَيْنَا وَعَلٰى عِبَادِ اللّٰهِ الصَّالِحِيْنَ: بقولِ قاضی بیضاویؒ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو سب سے پہلے منفرداً اسلام کہنے کا حکم حضورؐ کے شرف و فضیلت کی بنا پر ہے۔ پھر اپنے آپ پر سلامتی مانگنے کا حکم دیا گیا کیونکہ اپنی جان کا اہتمام بڑا ضروری اور اہم ہے۔ پھر سب صالحین کو اس دعا میں شامل کرنے کا حکم دیا گیا تاکہ وہ بھی رحمت و سلامتی میں شامل ہو جائیں، اور جب ایسا ہوگا تو خود دعا کرنے والے بھی شامل ہو جائیں گے۔ اجتماعی دعا ویسے بھی اجابت کے لائق ہوتی ہے

ترمذی نے ایک صحیح حدیث میں اُبی بن کعبؓ سے روایت کی ہے کہ حضورؐ جب کسی کے لیے دعا فرماتے تو اپنے آپ سے شروع فرماتے تھے۔ صالحین سے مراد سب وہ لوگ ہیں جو اللہ تعالیٰ اور بندوں کے حقوق ادا کرتے ہیں۔

اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ کے بعد ابن ابی شیبہ کی روایت میں وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ کے الفاظ بھی ہیں مگر یہاں پر یہ لفظ صحاح میں ثابت نہیں اور اس روایت کی سند ضعیف ہے۔

مصنف عبدالرزاق کی روایت میں عطاء سے مرسلاً یہ لفظ آئے ہیں کہ حضورؐ نے جب صحابہ کو تشہد سکھایا اور اس کے آخر میں: وَاَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ الفاظ کو ایک شخص نے رَسُوْلُهٗ وَعَبْدُهٗ پڑھا تو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا: میں عبد پہلے تھا رسول بعد میں لہٰذا کہو: عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ۔ ابن مسعودؓ کے علاوہ ان صحابہ سے تشہد کی روایت آئی ہے: ابن عباسؓ، جابرؓ، عمر فاروقؓ، ابن عمرؓ، علی بن ابی طالبؓ، ابو موسیٰؓ، عائشہ الصدیقہؓ، سمرہ بن جندبؓ، ابن زبیرؓ، سلمانؓ، ابو حمیدؓ، ابوبکر الصدیقؓ، حسین بن علیؓ، طلحہ بن عبیداللہؓ، انس بن مالکؓ، ابوہریرہؓ، ابوسعید خدریؓ، فضل بن عباسؓ، اُم سلمہؓ، حذیفہؓ، مطلب بن ربیعہؓ۔ لیکن جمہور علماء نے تشہد ابن مسعودؓ کو ترجیح دی ہے۔

ابوبکر بزارؒ نے کہا کہ تشہد میں یہی صحیح ترین حدیث ہے جو کچھ اوپر بیس طریقوں سے مروی ہے۔ امام مسلمؒ نے کہا ہے کہ لوگوں نے ابن مسعودؓ کے تشہد پر اس لیے اجماع کر لیا ہے کہ عبداللہؓ کے اصحاب اس میں ایک دوسرے کی مخالفت نہیں کرتے اور دیگر صحابہ کے شاگردوں نے اختلاف کیا ہے۔ امام زہریؒ نے بھی اس حدیث کو تشہد میں صحیح ترین کہا ہے اور اس کی ترجیح کا ایک سبب یہ بھی ہے کہ یہ متفق علیہ ہے، اس کے راویوں نے اسے لفظ بلفظ بلا اختلاف نقل کیا ہے اور عبداللہ نے اسے براہ راست رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سیکھا تھا۔

حدیث کے آخر میں حضورؐ نے فرمایا کہ پھر نمازی اپنی پسندیدہ ترین دعا چنے اور مانگے۔ ان الفاظ سے بعض لوگوں نے استدلال کیا ہے کہ دنیوی واخروی امور میں سے جو بھی پسند کرے مانگ سکتا ہے۔ ابن بطالؒ نے کہا کہ اس میں نخعیؒ، طاؤسؒ اور ابو حنیفہؒ کا اختلاف ہے، انہوں نے کہا ہے کہ نماز میں صرف وہی دعائیں انتخاب کرنے کی اجازت دی گئی ہے جو قرآن میں وارد ہیں۔ حنفیہ کی کتب میں وارد ہے کہ نماز میں وہ دعائیں مانگی جائیں جو قرآن میں آئی ہیں یا حدیث میں ثابت ہیں۔ اس پر حافظ ابن حجرؒ نے کہا کہ ان کا یہ مسلک اس حدیث کے ظاہری الفاظ کے خلاف ہے۔ علامہ عینیؒ نے اس کا یہ جواب دیا ہے کہ کتب حنفیہ سے ابن بطال کی نقل غلط ہے۔ ان کی کتابوں میں جو لکھا ہے وہ یہ ہے کہ نماز میں آدمی کو "ماثور دعائیں، یا الفاظِ قرآن کے مشابہ دعائیں" مانگنی چاہئیں۔ اس کا ثبوت مسلم کی حدیث میں ہے کہ نماز میں کلام الناس جائز نہیں، نماز صرف قرأتِ قرآن اور ذکر و تسبیح ہے۔ پس حنفیہ کا عمل دونوں احادیث پر ہے قرآنی دعائیں یا حدیث کی دعائیں مانگی جائیں یا وہ غیر ماثور دعائیں جو الفاظِ قرآن کے مشابہ ہیں۔ مولاناؒ نے فرمایا کہ ہدایہ میں ہے: جو دعا چاہے مانگے جو کہ الفاظِ قرآن کے مشابہ ہو اور ماثور دعائیں مانگے، اور وہ دعائیں نہ مانگے جو کلام الناس کے مشابہ ہوں تاکہ فسادِ صلاۃ کا خدشہ نہ رہے۔ اگر یوں کہے: اَللّٰهُمَّ زَوِّجْنِیْ فُلَانَةً "اے اللہ فلاں عورت سے میرا نکاح کرا دے" تو یہ کلام الناس کے مشابہ ہے۔ ہر وہ چیز جو انسانوں سے باہمی معاملات میں طلب کی جا سکتی ہے وہ صلاۃ میں بطور دعا مانگنا جائز نہیں۔

۹۷۱۔ حَدَّثَنَا تَمِيمُ بْنُ الْمُنْتَصِرِ أَنَا إِسْحٰقُ يَعْنِي ابْنَ يُوسُفَ عَنْ شَرِيكٍ عَنْ أَبِي إِسْحَاقَ عَنْ أَبِي الْأَحْوَصِ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ قَالَ كُنَّا لَا نَدْرِي مَا نَقُولُ إِذَا جَلَسْنَا فِي الصَّلٰوةِ وَكَانَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَدْ عَلِمَ فَذَكَرَ نَحْوَهُ قَالَ شَرِيكٌ وَنَا جَامِعٌ يَعْنِي ابْنَ شَدَّادٍ عَنْ أَبِي وَائِلٍ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بِمِثْلِهِ قَالَ وَكَانَ يُعَلِّمُنَا كَلِمَاتٍ وَلَمْ يَكُنْ يُعَلِّمُنَاهُنَّ كَمَا يُعَلِّمُنَا التَّشَهُّدَ اللّٰهُمَّ أَلِّفْ بَيْنَ قُلُوبِنَا وَأَصْلِحْ ذَاتَ بَيْنِنَا وَاهْدِنَا سُبُلَ السَّلَامِ وَنَجِّنَا مِنَ الظُّلُمَاتِ إِلَى النُّورِ وَجَنِّبْنَا الْفَوَاحِشَ مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَمَا بَطَنَ وَبَارِكْ لَنَا فِي أَسْمَاعِنَا وَأَبْصَارِنَا وَقُلُوبِنَا وَأَزْوَاجِنَا وَذُرِّيَّاتِنَا وَتُبْ عَلَيْنَا إِنَّكَ أَنْتَ التَّوَّابُ الرَّحِيمُ وَاجْعَلْنَا شَاكِرِينَ لِنِعْمَتِكَ مُثْنِينَ بِهَا قَابِلِيهَا وَأَتِمَّهَا عَلَيْنَا۔

عبداللہ رضی اللہ عنہ نے کہا کہ ہمیں معلوم نہ تھا کہ جب ہم نماز میں بیٹھیں (آخری تعدہ کریں) تو کیا کہیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ من جانب اللہ سکھایا گیا تھا۔ پھر عبداللہ رضی اللہ عنہ نے اوپر کی حدیث جیسی حدیث بیان کی۔ ایک اور سند سے بھی یہی روایت ثابت ہے۔ اس دوسری روایت میں ہے کہ عبداللہ نے کہا: حضورؐ ہمیں کچھ اور کلمات بھی سکھاتے تھے مگر ان کی تعلیم تشہد جیسی نہ تھی: "اَللّٰهُمَّ أَلِّفْ بَيْنَ قُلُوبِنَا الخ" اے اللہ ہمارے دلوں میں الفت ڈال دے اور ہمارے باہمی معاملات کی اصلاح فرما اور ہمیں سلامتی کی راہوں پر چلا اور ہم کو تاریکیوں سے نجات دے کر روشنی کی طرف پہنچا اور ہمیں ظاہری و باطنی بے حیائیوں سے بچا اور ہمارے کانوں میں برکت دے، ہماری آنکھوں میں برکت دے اور ہمارے دلوں میں برکت دے اور بیویوں میں اور اولاد میں اور ہم پر رحمت سے رجوع فرما یقیناً تو ہی توبہ قبول کرنے والا بڑا رحیم ہے، اور ہمیں اپنی نعمت کا شکر گزار بنا کہ ہم اس پر تیری ثنا کریں اور اسے شکریے سے قبول کریں اور نعمت کو ہم پر تمام فرما دے۔

شرح: پہلی روایت نسائی، ابن ماجہ اور ترمذی میں ہے اور ترمذی نے اس کی تصحیح کی ہے۔ دوسری روایت حاکم نے مستدرک میں بیان کی ہے اور اس میں تھوڑا سا لفظی اختلاف ہے۔ عبداللہ رضی اللہ عنہ نے یہ جو فرمایا کہ: اُن کلمات کی تعلیم تشہد کی تعلیم جیسی نہ تھی، اس کے دو مطلب ہو سکتے ہیں۔ ایک یہ کہ تشہد کی تعلیم تو اتنی اہم تھی کہ حضورؐ نے عبداللہ رضی اللہ عنہ کا ہاتھ اپنے دونوں ہاتھوں میں لے کر انہیں تشہد یوں پڑھایا تھا جیسے قرآن کی کوئی سورت پڑھایا کرتے تھے مگر ان کلمات کو اتنی تاکید، مبالغے اور اہمیت کے ساتھ نہیں سکھایا۔ دوسرا معنیٰ یہ بھی ممکن ہے کہ ان کلمات کی تعلیم تشہد کی تعلیم سے بھی زیادہ اہمیت کے ساتھ فرمائی۔ اَصْلِحْ ذَاتَ بَيْنِنَا کا مطلب یہ ہے کہ ہمارے باہمی احوال کی اصلاح فرما دے تاکہ وہ الفت و محبت اور اخوت کے احوال ہو جائیں اور اہل ایمان میں الفت و اتحاد پیدا ہو جائے۔

۹۷۲۔ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ مُحَمَّدٍ النُّفَيْلِيُّ نَا زُهَيْرٌ نَا الْحَسَنُ بْنُ الْحُرِّ عَنِ الْقَاسِمِ بْنِ مُخَيْمِرَةَ قَالَ اَخَذَ عَلْقَمَةُ بِيَدِي فَحَدَّثَنِي اَنَّ عَبْدَ اللّٰهِ بْنَ مَسْعُوْدٍ اَخَذَ بِيَدِهٖ وَاَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَخَذَ بِيَدِ عَبْدِ اللّٰهِ فَعَلَّمَهُ التَّشَهُّدَ فِي الصَّلٰوةِ فَذَكَرَ مِثْلَ دُعَاءِ حَدِيْثِ الْاَعْمَشِ اِذَا قُلْتَ هٰذَا اَوْ قَضَيْتَ هٰذَا فَقَدْ قَضَيْتَ صَلَاتَكَ اِنْ شِئْتَ اَنْ تَقُوْمَ فَقُمْ وَاِنْ شِئْتَ اَنْ تَقْعُدَ فَاقْعُدْ۔

قاسم بن مخیمرہ کا بیان ہے کہ علقمہ نے میرا ہاتھ پکڑا اور بتایا کہ عبداللہ بن مسعودؓ نے اس کا ہاتھ پکڑا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عبداللہ کا ہاتھ پکڑا اور اسے نماز میں تشہد پڑھنا سکھایا۔ پھر اعمش کی حدیث (گزشتہ سے پیوستہ) والا تشہد (دعا) سکھایا۔ جب تونے یہ کہا یا جب تو یہ پورا کر چکے تو تونے اپنی نماز پوری کرلی، اگر تو اٹھنا چاہے تو اٹھ جا اور اگر بیٹھنا چاہے تو بیٹھ جا (یہ حدیث مختصر طور پر نسائی نے بھی روایت کی ہے۔)

شرح : خطیب بغدادی کا قول ہے کہ اِذَا قُلْتَ هٰذَا الخ عبداللہ بن مسعودؓ کا کلام ہے جو حدیث میں درج ہوگیا ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا قول نہیں ہے۔ مولاناؒ نے فرمایا کہ مصنف کو چاہیئے تھا کہ اس کلام سے قبل وَقَالَ کا لفظ لکھتے۔ حنفیہ نے اس حدیث سے استدلال کیا ہے کہ نماز کا آخری قعدہ تشہد کی مقدار پر فرض ہے۔ اس سے یہ بھی ثابت ہوگیا کہ تشہد کے بعد صلاۃ علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم فرض نہیں ہے۔ البدائع میں ہے کہ ہماری دلیل ابن مسعودؓ اور عبداللہ بن عمرو بن العاصؓ کی حدیث ہے جس میں حضورؐ نے تشہد کی مقدار بیٹھ جاتے پر نماز کے پورا ہوجانے کا فیصلہ فرمایا ہے۔ ہدایہ میں ہے کہ تشہد ہمارے نزدیک واجب ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر تشہد کے بعد صلاۃ پڑھنی چاہیئے مگر واجب نہیں۔ امام طحاویؒ نے حضرت علیؓ کی روایت بیان کی ہے کہ: جب نمازی آخری سجدے سے سر اٹھائے تو اس کی نماز مکمل ہوگئی، اس کا معنی یہ ہے کہ جب وہ تشہد کرے اور اس کا وضو جاتا رہے جیسا کہ عبداللہ بن عمرؓ کی حدیث میں ہے۔ اور علیؓ کی حدیث اگرچہ بظاہر موقوف ہے مگر حکماً مرفوع ہے کیونکہ یہ ایسی چیز ہے جس میں کسی کی رائے نہیں چل سکتی۔ بدائع میں عبداللہ بن عمروؓ کی جس حدیث کا حوالہ دیا گیا ہے اسے امام طحاویؒ نے اپنی سندوں سے بیان کیا ہے کہ عبداللہ بن عمرو بن العاص سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب امام نماز پوری کرے اور قعدہ میں بیٹھ جائے یا اس کا کوئی مقتدی ایسا کرے اور امام کے سلام سے پہلے امام یا مقتدی کا وضو خطا ہوجائے تو اس کی نماز پوری ہوگئی۔ دوسری روایت میں یہ لفظ ہیں کہ نماز کے آخری سجدے سے جب نمازی سر اٹھائے اور تشہد پورا کرلے پھر اس کا وضو جاتا رہے تو نماز مکمل ہوچکی۔ اسی طرح دارقطنی نے مختلف سندوں سے یہ حدیث بیان کی ہے۔ کچھ لوگوں نے عبداللہ بن مسعودؓ کی حدیث پر اعتراض کیا ہے مثلاً حافظ ابن حجرؒ نے الدرایۃ میں لکھا ہے کہ حفاظ اس امر پر متفق ہیں کہ یہ اضافہ مدرج کلام ہے جو دراصل عبداللہ بن مسعودؓ کا کلام ہے۔ ابن حبان، دارقطنی، بیہقی اور خطیب کا یہ قول ہے۔ خطابی نے کہا ہے کہ اگر اس کلام کا مدرج ہونا

ثابت نہ ہو تو یہ اس بات کی دلیل ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر صلوٰۃ (یعنی قعدہ اخیرہ میں) واجب نہیں ہے۔ نوویؒ نے مسلم کی شرح میں کہا ہے کہ مسلم کے علاوہ اس حدیث کی روایت میں اضافہ آیا ہے: جب تو یہ کرے تو تیری نماز مکمل ہو گئی۔ مگر یہ اضافہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت نہیں ہوا۔

علامہ شوکانیؒ نے نیل الاوطار میں کہا ہے کہ ابن مسعود کی حدیث کو بیہقی نے خلافیات میں شاذ کی مانند اور عبداللہ بن مسعودؓ کا قول بتایا ہے۔ اور اسے شاذ کی مانند اس لیے کہا ہے کہ راوی الحسن بن حرؒ کے اکثر شاگردوں نے اسے بیان نہیں کیا، نہ اس حیثیت سے کہ یہ حدیث کے آخر میں اس سے جُدا ہو یا آخر میں مُدرج ہو۔ اس زیادتی کو عبدالرحمٰن بن ثابت نے حسن بن حرؒ سے روایت کیا اور اسے ابن مسعودؓ کا قول بتایا۔ زہیر بن معاویہ نے حسن سے روایت کیا تو حدیث کے آخر میں اسے حدیث کا حصہ بنا دیا، اس سے اکثر روایت کرنے والے یہی کہتے ہیں۔ شبابہ بن سوار نے اس اضافے کو جُدا روایت کیا ہے جیسا کہ دارقطنی نے ذکر کیا ہے۔

مولانا نے فرمایا کہ اس کلام کے مُدرج ہونے پر کوئی دلیل نہیں ہے اور جب تک دلیل نہ ہو تو اصل یہی ہے کہ یہ حدیث کا ہی حصہ ہے۔ امام خطابی کو بھی اس سے رفع اور وقف میں شک رہا انہوں نے کہا کہ: اس کلام کے بارے میں اختلاف ہوا ہے کہ آیا یہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا قول ہے یا ابن مسعود کا۔ اگر یہ مرفوعاً صحیح ہے تو اس میں یہ دلیل موجود ہے کہ تشہد کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر صلوٰۃ واجب نہیں ہے۔ یہ کلام اس امر میں صریح ہے کہ خطابی کے نزدیک اس کا مُدرج ہونا ثابت نہیں۔ اور صاحب عون المعبود نے علامہ سندھیؒ سے عراقی کی طرف منسوب کر کے جو یہ کہا ہے کہ اختلاف سے مراد راویوں کے اس اضافہ کو حدیث میں ملانے یا نہ ملانے کا اختلاف ہے، یہ قائل کے قول کی ایسی توجیہ ہے جس سے قول کا قائل راضی نہیں کیونکہ جس نے اسے ملایا ہے وہ عبداللہ بن محمد نفیلی (ابوداؤد کا استاد) ہے، اس نے نہ تو یہاں قال کا لفظ لکھا نہ ذکر کا۔ پس یہ اس امر کی گویا صراحت ہے کہ یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا قول ہے۔ امام طحاوی اور دوسروں کی روایت میں قال کا لفظ ہے جس میں یہ احتمال موجود ہے کہ اس کی ضمیر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف راجع ہے، پس اگر ضمیر کا مرجع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ اقدس ہے تو یہ کلام ہرگز مُدرج نہیں اور اگر ضمیر کا مرجع عبداللہ بن مسعود ہیں تو یہ جائز نہیں کہ یہ قول ان سے اپنی رائے سے سرزد ہو، اس میں رائے کی کوئی مجال نہیں لہذا پھر بھی حکماً مرفوع ہوگا۔ اور اسی طرح کی بات اس حدیث میں کہی جا سکتی ہے جس میں قال عبداللہ کا لفظ ہے، مثلاً دارقطنی کی روایت جو شبابہ بن سوار نے زہیر سے کی ہے۔

محقق ابن الہمام نے شرح ہدایہ میں کہا ہے کہ: نوویؒ کا قول ہے کہ حفاظ متفق ہیں کہ یہ اضافہ مُدرج ہے، تو حق بات یہی ہے کہ ادراج کی صورت میں یہی تو ثابت ہوگا کہ یہ قول عبداللہ بن مسعود پر موقوف ہے، اور اس جیسے معاملے میں موقوف کا حکم مرفوع جیسا ہوتا ہے۔

کچھ لوگوں نے عبداللہ بن عمروؓ کی حدیث پر اعتراض کیا ہے۔ ترمذی نے کہا کہ اس کی سند اتنی قوی نہیں اور مضطرب ہے۔ شوکانی نے کہا کہ سند کا غیر قوی ہونا عبدالرحمٰن بن زیاد بن انعم افریقی کے باعث ہے جسے اہل علم نے ضعیف کہا ہے۔ نووی نے شرح المہذب میں کہا ہے کہ باتفاقِ حفاظ وہ ضعیف ہے، مگر اس قول میں

کلام ہے کیونکہ کئی لوگوں مثلاً زکریا ساجی اور احمد بن صالح مصری نے اس کی توثیق کی ہے۔ یعقوب بن سفیان نے کہا ہے کہ اس میں کوئی حرج نہیں اسی قسم کے الفاظ یحیی بن معین نے کہے ہیں۔ میزان میں ہے کہ عبدالرحمن منصور کے پاس گیا، اسے نصیحت کی اور علی الاعلان کہا کہ وہ ظالم ہیں۔ بخاری اسے قوی قرار دیتا تھا اور اسے کتاب الضعفاء میں ذکر نہیں کیا۔ اسحاق بن راہویہ نے کہا کہ میں یحیی بن سعید کو یہ کہتے سُنا کہ عبدالرحمن بن زیاد ثقہ ہے حافظ نے تہذیب التہذیب میں کہا ہے کہ ابن وہب اس کی بہت تعریف کرتا تھا اور احمد بن صالح اس میں کلام کرنے والوں پر نکیر کرتا تھا اور کہتا تھا کہ وہ ثقہ ہے۔ ابن رشدین نے احمد بن صالح سے نقل کیا کہ جو ابن انعم میں کلام کرے وہ غیر مقبول ہے، ابن انعم ثقات میں سے ہے۔ سحنون نے کہا کہ عبدالرحمن بن زیاد بن انعم ثقہ ہے۔ حربی نے کہا کہ کچھ اور لوگ اس سے ثقہ تر ہیں (یعنی وہ بھی ثقہ ہے)

امام ترمذی کی طرف سے اس کی سند میں اضطراب کا دعویٰ بھی صحیح نہیں ہے۔ اس کی سند میں اضطراب کا شائبہ تک نہیں ہے۔ امام طحاوی نے اسے کئی سندوں سے روایت کر کے ثابت کیا ہے کہ بعض جگہ حدیث مختصر ہو گئی ہے اور دوسری سند سے مفصل آئی ہے۔ اور ایسا ہوتا رہتا ہے، محدثین ایسا کرتے ہیں مگر اسے اضطراب سند نہیں کہا جاتا۔ ان سب حدیثوں کا مضمون یہ ہے کہ آخری سجدہ کر چکنے کے بعد اگر کسی کا وضوء جاتا رہا جبکہ اس نے تشہد کر لیا ہو تو اس کی نماز پوری ہو گئی، امام ہو یا مقتدی۔ ان احادیث کی سندیں اور متن دار قطنی کے حوالے سے بھی بیان کرنے کے بعد مولانا نے فرمایا کہ ان احادیث کے متن یا سندوں میں کوئی اضطراب نہیں۔ امام ترمذی کا یہ حکم باعث تعجب ہے۔ آخر میں یہ گزارش بھی مناسب ہوگی کہ ابن مسعودؓ کی یہ حدیث جس پر اتنا جھگڑا کھڑا ہوا ہے ابوداؤد اس کی روایت کے بعد خاموش رہے ہیں۔ حالانکہ بعد کے لوگوں نے جو کچھ کہا ہے اگر ابوداؤد کا بھی یہ خیال ہوتا تو وہ یہاں پر ضرور کچھ اظہار خیال کرتے۔ واللہ اعلم بالصواب

۹۷۳۔ حَدَّثَنَا نَصْرُ بْنُ عَلِيٍّ حَدَّثَنِيْ اَبِيْ نَا شُعْبَةُ عَنْ اَبِيْ بِشْرٍ سَمِعْتُ مُجَاهِدًا يُحَدِّثُ عَنِ ابْنِ عُمَرَ عَنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي التَّشَهُّدِ اَلتَّحِيَّاتُ لِلّٰهِ وَالصَّلَوَاتُ الطَّيِّبَاتُ اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ اَيُّهَا النَّبِيُّ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ وَبَرَكَاتُهٗ قَالَ قَالَ ابْنُ عُمَرَ زِدْتُ فِيْهَا وَبَرَكَاتُهٗ اَلسَّلَامُ عَلَيْنَا وَعَلٰى عِبَادِ اللّٰهِ الصَّالِحِيْنَ اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ قَالَ ابْنُ عُمَرَ زِدْتُ فِيْهَا وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ وَاَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ۔

عبداللہ بن عمرؓ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ تشہد یہ ہے۔ التحیات للہ الصلوات الطیبات السلام علیک ایھا النبی ورحمۃ اللہ وبرکاتہ، مجاہد نے کہا کہ ابن عمرؓ نے کہا

میں نے اس میں یہ اضافہ کیا ہے۔ اَلسَّلَامُ عَلَیْنَا وَعَلٰی عِبَادِ اللّٰهِ الصَّالِحِیْنَ۔ اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ، ابن عمرؓ نے کہا میں نے اس میں وَحْدَهٗ لَا شَرِیْکَ لَهٗ کا اضافہ کیا ہے، وَاَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ۔

شرح: اس حدیث کے راوی ابو بشر کو شعبہ نے ضعیف کہا ہے کیونکہ اس نے مجاہد سے کچھ نہیں سُنا، یہی بات احمد بن حنبلؒ نے کہی ہے ابن معین نے کہا کہ شعبہ کے اعتراض کا باعث یہ ہے کہ ابو بشر کی روایت کتاب سے ہے اگر سند میں ابو بشر کہتا ہے کہ سمعت مجاہدًا۔ اس حدیث کے تشہد میں الصلوات الطیبات دونوں التحیات کی صفت واقع ہوئی وبرکاتہ اور وحدہ لاشریک لہ کا اضافہ ابن عمرؓ کا ہے جیسے وہ خود ظاہر کر رہے ہیں۔

۹۷۴۔ حَدَّثَنَا عَمْرُو بْنُ عَوْنٍ اَنَا اَبُوْعَوَانَةَ عَنْ قَتَادَةَ ح وَنَا اَحْمَدُ بْنُ حَنْبَلٍ نَا يَحْيٰى بْنُ سَعِيْدٍ نَا هِشَامٌ عَنْ قَتَادَةَ عَنْ يُوْنُسَ بْنِ جُبَيْرٍ عَنْ حِطَّانَ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ الرَّقَاشِيِّ قَالَ صَلّٰى بِنَا اَبُوْمُوْسَى الْاَشْعَرِيُّ فَلَمَّا جَلَسَ فِيْ اٰخِرِ صَلَاتِهٖ قَالَ رَجُلٌ مِّنَ الْقَوْمِ اُقِرَّتِ الصَّلٰوةُ بِالْبِرِّ وَالزَّكٰوةِ فَلَمَّا انْفَتَلَ اَبُوْمُوْسٰى اَقْبَلَ عَلَى الْقَوْمِ فَقَالَ اَيُّكُمُ الْقَائِلُ كَلِمَةَ كَذَا وَكَذَا قَالَ فَاَرَمَّ الْقَوْمُ قَالَ اَيُّكُمُ الْقَائِلُ كَلِمَةَ كَذَا وَكَذَا قَالَ فَاَرَمَّ الْقَوْمُ قَالَ فَلَعَلَّكَ يَا حِطَّانُ قُلْتَهَا قَالَ مَا قُلْتُهَا وَلَقَدْ رَهِبْتُ اَنْ تَبْكَعَنِيْ بِهَا قَالَ فَقَالَ رَجُلٌ لَهٗ مِنَ الْقَوْمِ اَنَا قُلْتُهَا وَمَا اَرَدْتُ بِهَا اِلَّا الْخَيْرَ فَقَالَ اَبُوْمُوْسٰى اَمَا تَعْلَمُوْنَ كَيْفَ تَقُوْلُوْنَ فِيْ صَلَاتِكُمْ اِنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَطَبَنَا فَعَلَّمَنَا وَبَيَّنَ لَنَا سُنَّتَنَا وَعَلَّمَنَا صَلَاتَنَا فَقَالَ اِذَا صَلَّيْتُمْ فَاَقِيْمُوْا صُفُوْفَكُمْ ثُمَّ لِيَؤُمَّكُمْ اَحَدُكُمْ فَاِذَا كَبَّرَ فَكَبِّرُوْا وَاِذَا قَرَاَ غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّالِّيْنَ فَقُوْلُوْا اٰمِيْنَ يُجِبْكُمُ اللّٰهُ وَاِذَا كَبَّرَ وَرَكَعَ فَكَبِّرُوْا وَارْكَعُوْا فَاِنَّ الْاِمَامَ يَرْكَعُ قَبْلَكُمْ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَتِلْكَ بِتِلْكَ وَاِذَا قَالَ سَمِعَ اللّٰهُ لِمَنْ حَمِدَهٗ فَقُوْلُوْا اَللّٰهُمَّ رَبَّنَا لَكَ الْحَمْدُ يَسْمَعِ اللّٰهُ لَكُمْ فَاِنَّ اللّٰهَ عَزَّ وَجَلَّ قَالَ عَلٰى لِسَانِ نَبِيِّهٖ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سَمِعَ اللّٰهُ لِمَنْ حَمِدَهٗ وَاِذَا كَبَّرَ وَسَجَدَ فَكَبِّرُوْا وَاسْجُدُوْا فَاِنَّ الْاِمَامَ يَسْجُدُ قَبْلَكُمْ وَيَرْفَعُ قَبْلَكُمْ قَالَ

رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَتِلْكَ بِتِلْكَ فَإِذَا كَانَ عِنْدَ الْقَعْدَةِ فَلْيَكُنْ مِنْ أَوَّلِ قَوْلِ أَحَدِكُمْ أَنْ يَقُولَ التَّحِيَّاتُ الطَّيِّبَاتُ الصَّلَوَاتُ لِلّٰهِ السَّلَامُ عَلَيْكَ أَيُّهَا النَّبِيُّ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ وَبَرَكَاتُهُ السَّلَامُ عَلَيْنَا وَعَلَى عِبَادِ اللّٰهِ الصَّالِحِينَ أَشْهَدُ أَنْ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَأَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهُ وَرَسُولُهُ لَمْ يَقُلْ أَحْمَدُ وَبَرَكَاتُهُ وَلَا قَالَ وَأَشْهَدُ قَالَ وَأَنَّ مُحَمَّدًا۔

حطان بن عبداللہ رقاشی نے کہا کہ ہمیں ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ نے نماز پڑھائی۔ جب وہ آخری قعدے میں بیٹھے تو لوگوں میں سے ایک شخص بولا: نماز نیکی اور زکوٰۃ کے ساتھ مقرر کی گئی (ملائی گئی) ہے۔ پس جب ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ نماز سے فارغ ہوئے تو لوگوں کی طرف منہ کیا اور کہا: فلاں اور فلاں کلمہ کہنے والا کون تھا؟ پس لوگ خاموش رہے۔ ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ نے پھر کہا: ایسا اور ایسا کلمہ کہنے والا کون ہے؟ راوی کہتا ہے کہ لوگ پھر بھی خاموش رہے۔ ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ نے کہا کہ شاید اسے حطان تو نے کہا تھا۔ حطان نے کہا کہ میں نے نہیں کہا مجھے ڈر تھا کہ آپ مجھے ہی اس کی وجہ سے ڈانٹیں گے۔ راوی کہتا ہے کہ پھر لوگوں میں سے ایک شخص نے ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ سے کہا: میں نے وہ کلمہ کہا تھا اور میرا اس قول سے نیکی کے سوا کوئی ارادہ نہ تھا۔ ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ نے کہا: کیا تمہیں معلوم نہیں کہ تم نماز میں کیسی باتیں کہتے ہو؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں خطبہ دیا اور آپ نے ہمیں تعلیم دی اور ہمیں سنت کھول کر بتائی اور نماز سکھائی۔ آپ نے فرمایا: جب تم نماز پڑھو تو اپنی صفیں سیدھی کرو پھر تم میں سے ایک تمہارا امام بنے۔ پس جب وہ تکبیر کہے تو تم تکبیر کہو اور جب وہ غَيْرِ الْمَغْضُوبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّالِّينَ پڑھے تو تم آمین کہو اللہ تعالیٰ تمہاری دعاء قبول کرے گا اور جب وہ تکبیر کہے اور رکوع کرے تو تم بھی تکبیر کہو اور رکوع کرو۔ پس امام تم سے پہلے رکوع کرتا ہے اور پہلے سر اٹھاتا ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تمہاری رکوع میں تاخیر تمہاری سر اٹھانے میں تاخیر کے ساتھ پوری ہوگئی۔ اور جب وہ سَمِعَ اللّٰهُ لِمَنْ حَمِدَهُ کہے تو تم کہو: اَللّٰهُمَّ رَبَّنَا لَكَ الْحَمْدُ، اللہ تعالیٰ تمہاری بات سنے گا کیونکہ اللہ عزوجل نے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان پر فرمایا ہے: جو شخص اللہ کی حمد کرے اللہ اس کی بات سن لے گا۔ اور جب امام تکبیر کہے اور سجدہ کرے تو تم بھی تکبیر کہو اور سجدہ کرو۔ پس امام تم سے پہلے سجدہ کرتا اور پہلے ہی سر اٹھاتا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ اس کا پہلے جانا اس کے پہلے سر اٹھانے سے برابر ہوگیا۔ پھر جب قعدہ ہو تو تم میں سے کسی کا پہلا قول یہ ہونا چاہیئے کہ وہ کہے: اَلتَّحِيَّاتُ الطَّيِّبَاتُ الصَّلَوٰتُ لِلّٰهِ السَّلَامُ عَلَيْكَ أَيُّهَا النَّبِيُّ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ وَبَرَكَاتُهُ السَّلَامُ عَلَيْنَا وَعَلَى عِبَادِ اللّٰهِ الصَّالِحِينَ۔ أَشْهَدُ أَنْ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَأَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهُ وَرَسُولُهُ، احمد بن حنبل نے اپنی روایت میں نہ تو وَبَرَكَاتُهُ کہا اور نہ وَأَشْهَدُ کہا۔ بلکہ کہا: وَأَنَّ مُحَمَّدًا۔

شرح: اس شخص کا قول: أُقِرَّتِ الصَّلَاةُ بِالْبِرِّ وَالزَّكٰوةِ۔ بالکل بے سبب اور بے جواز تھا۔ گو اس نے خیر کا ارادہ کیا تھا مگر یہ نماز کے اذکار و ادعیہ یا قرأت قرآن میں سے نہ تھا اور پھر تھا بھی مقتدی کی طرف سے۔ اس قسم کے کلمات کہنا مفسدِ صلاۃ ہوتے ہیں کیونکہ "کلام الناس" کے مشابہ ہیں۔

۹۷۵۔ حَدَّثَنَا عَاصِمُ بْنُ النَّضْرِ نَا الْمُعْتَمِرُ قَالَ سَمِعْتُ أَبِي نَا قَتَادَةُ عَنْ أَبِي غَلَّابٍ يُحَدِّثُهُ عَنْ حِطَّانَ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ الرَّقَاشِيِّ بِهَذَا الْحَدِيثِ زَادَ فَإِذَا قَرَأَ فَأَنْصِتُوا وَقَالَ فِي التَّشَهُّدِ بَعْدَ أَشْهَدُ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ زَادَ وَحْدَهُ لَا شَرِيكَ لَهُ قَالَ أَبُو دَاوُدَ قَوْلُهُ وَأَنْصِتُوا لَيْسَ بِمَحْفُوظٍ لَمْ يَجِئْ بِهِ إِلَّا سُلَيْمَانُ التَّيْمِيُّ فِي هَذَا الْحَدِيثِ۔

اسی حدیث کی دوسری سند میں: وَإِذَا قَرَأَ فَأَنْصِتُوا بھی ہے یعنی جب امام قرأت کرے تو تم خاموش رہو۔ اور تشہد میں أَشْهَدُ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ کے بعد وَحْدَهُ لَا شَرِيكَ لَهُ کا اضافہ بھی ہے۔ ابو داؤد نے کہا کہ: وَأَنْصِتُوا محفوظ نہیں ہے اور اس حدیث میں سلیمان تیمی کے سوا کسی نے نہیں بولا۔

شرح: یہ حدیث مسلم، نسائی اور ابن ماجہ میں بھی ہے۔ اور: وَإِذَا قَرَأَ فَأَنْصِتُوا کے اضافے پر "باب الامام یصلی من قعود" میں گفتگو مفصل ہو چکی ہے۔ سلیمان تیمی جیسا حافظ حدیث بقول امام مسلم اور کون ہوگا؟ ثقہ کا اضافہ بروئے اصول حدیث مقبول ہے۔ ثقہ جب ثقہ تر کی مخالفت کرے تو حدیث شاذ ہوتی ہے مگر یہاں یہ صورت ہرگز نہیں ہے لہٰذا امام ابو داؤد کا اسے غیر محفوظ کہنا نا قابل فہم ہے۔ حضرت الاستاذ شیخ الاسلام عثمانی نے فتح الملہم ج ۲ میں فرمایا ہے کہ اس حدیث کی تصحیح کرنے والے یہ ائمہ وعلماء ہیں: (۱) احمد بن حنبل جیسا کہ حافظ ابن عبد البر نے تمہید میں لکھا ہے (۲) ابو بکر بن اثرم (۳) امام مسلم (۴) نسائی جس نے اسے مجتبیٰ میں روایت کیا (۵) ابن جریر طبری جامع البیان میں (۶) ابو عمر ابن حزم اندلسی (۷) زکی الدین منذری (۸) حافظ ابن تیمیہ (۹) ابن کثیر تفسیر میں (۱۰) حافظ ابن حجر فتح الباری میں (۱۱) اس حدیث کو مسلم نے صحیح میں ابو موسیٰ ؓ سے روایت کیا سند میں سلیمان تیمی ہے، ابو بکر بن اخت ابی النضر نے اس میں طعن کیا تو مسلم نے کہا: تم سلیمان سے بڑا حافظ کوئی اور چاہتے ہو؟ پھر اشارہ کیا کہ اس کی صحت پر اجماع ہے (۱۲) مسلم نے ابو ہریرہ ؓ کی اس حدیث کو بھی صحیح کہا جس میں: وَإِذَا قَرَأَ فَأَنْصِتُوا، گو اسے مسلم نے اپنی کتاب میں درج نہیں کیا۔

پھر یہ اضافہ قرآن کی آیت: وَإِذَا قُرِئَ الْقُرْآنُ فَاسْتَمِعُوا لَهُ وَأَنْصِتُوا کے عین مطابق ہے حیرت ہے کہ اس میں مین میخ نکالنے سے آخر بعض محدثین کی کیا مراد ہے؟ کیا جو حدیث کسی کے مسلک کے خلاف پڑے وہ بہر حال شاذ، ضعیف، مضطرب یا غیر محفوظ ہو جاتی ہے؟! یا للعجب!

۹۷۶۔ حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ نَا اللَّيْثُ عَنْ أَبِي الزُّبَيْرِ عَنْ سَعِيدِ بْنِ جُبَيْرٍ وَطَاوُسٍ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ أَنَّهُ قَالَ كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُعَلِّمُنَا التَّشَهُّدَ كَمَا يُعَلِّمُنَا الْقُرْآنَ وَكَانَ يَقُولُ التَّحِيَّاتُ الْمُبَارَكَاتُ الصَّلَوَاتُ

اَلطَّيِّبَاتُ لِلّٰهِ اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ اَيُّهَا النَّبِيُّ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ وَبَرَكَاتُهٗ اَلسَّلَامُ عَلَيْنَا وَعَلٰى عِبَادِ اللّٰهِ الصَّالِحِيْنَ وَاَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ۔

ابن عباس رضی اللہ عنہ نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمیں تشہد بھی اسی طرح سکھاتے تھے جس طرح قرآن سکھاتے تھے اور فرماتے تھے: التحیات المبارکات الصلوٰت الطیبات للہ، السلام علیک ایھا النبی ورحمۃ اللہ وبرکاتہ السلام علینا وعلی عباد اللہ الصالحین واشھد ان لا الٰہ الا اللہ واشھد ان محمدا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم (اس تشہد میں ابن مسعود رضی اللہ عنہ، ابن عمر رضی اللہ عنہ اور ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ کے روایت کردہ تشہد کی نسبت لفظی اختلافات موجود ہیں۔ یہ حدیث مسلم، ترمذی، نسائی اور ابن ماجہ میں موجود ہے۔ امام مالک نے حضرت عمر بن الخطاب کا روایت کردہ تشہد اختیار کیا ہے: التحیات للہ الزاکیات للہ الطیبات للہ آخ سند میں صحیح ترین اور رجال کے لحاظ سے مشہور ترین تشہد ابن مسعود رضی اللہ عنہ کا ہے جسے حنفیہ نے اختیار کیا ہے۔ امام شافعی نے تشہد ابن عباس رضی اللہ عنہ کو زیادتی کے باعث اختیار کیا ہے جو اس میں پائی جاتی ہے یعنی: المبارکات کا لفظ اور اشھد ان محمدا رسول اللہ کا لفظ صرف اسی میں ہے۔

۷۷۰۔ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ دَاوٗدَ بْنِ سُفْيَانَ نَا يَحْيَى بْنُ حَسَّانَ نَا سُلَيْمَانُ ابْنُ مُوْسٰى اَبُوْ دَاوٗدَ نَا جَعْفَرُ بْنُ سَعْدِ بْنِ سَمُرَةَ بْنِ جُنْدَبٍ ثَنِيْ خُبَيْبُ بْنُ سُلَيْمَانَ عَنْ اَبِيْهِ سُلَيْمَانَ بْنِ سَمُرَةَ عَنْ سَمُرَةَ بْنِ جُنْدُبٍ قَالَ اَمَّا بَعْدُ اَمَرَنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا كَانَ فِيْ وَسْطِ الصَّلٰوةِ اَوْحِيْنَ انْقِضَائِهَا فَابْدَؤُا قَبْلَ التَّسْلِيْمِ فَقُوْلُوا التَّحِيَّاتُ الطَّيِّبَاتُ وَالصَّلَوَاتُ وَالْمُلْكُ لِلّٰهِ ثُمَّ سَلِّمُوْا عَنِ الْيَمِيْنِ ثُمَّ سَلِّمُوْا عَلٰى قَارِئِكُمْ وَعَلٰى اَنْفُسِكُمْ قَالَ اَبُوْدَاوٗدَ وَسُلَيْمَانُ بْنُ مُوْسٰى كُوْفِيُّ الْاَصْلِ كَانَ بِدِمَشْقَ قَالَ اَبُوْدَاوٗدَ وَدَلَّتْ هٰذِهِ الصَّحِيْفَةُ اَنَّ الْحَسَنَ سَمِعَ مِنْ سَمُرَةَ۔

سمرۃ بن جندب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے کہا: اما بعد، ہمیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا تھا کہ نمازی جب نماز کے وسط میں ہو (یعنی دوسری رکعت کے قعدہ میں) یا نماز ختم کرنے والا ہو تو سلام سے قبل تشہد پڑھو: التحیات الطیبات والصلوٰت والملک للہ۔ پھر تم اپنے امام پر اور اپنے آپ پر سلام کہو۔ ابوداؤد نے

کہا کہ سلیمان بن موسیٰ کوفی الاصل تھا اور دمشق میں رہتا تھا۔ ابوداؤد نے کہا کہ یہ صحیفہ (جو سمرہؓ نے لکھا تھا) دلالت کرتا ہے کہ حسن نے سمرہ سے سماعت کی تھی۔

شرح: خبیب بن سلیمان بن سمرہؓ بن جندب نے اپنے باپ سلیمان سے اس نے اپنے باپ سمرہؓ سے ایک صحیفہ سے روایت کی ہے جو سمرہؓ نے اپنے بیٹوں کی طرف لکھا تھا۔ ابن سیرین نے کہا ہے کہ اس رسالے میں بہت علم تھا، حافظ ابن عبدالبر نے لکھا ہے کہ سمرہؓ بن جندب کی موت کا باعث یہ تھا کہ وہ گرم پانی سے بھری ہوئی ہنڈیا (دیگ) میں گر پڑا تھا۔ اس سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس قول کی تصدیق ہوگئی جو حضورؐ نے سمرہؓ، ابوہریرہؓ اور ابومحذورہ سے فرمایا تھا کہ: تم میں سے جو آخر میں مرے گا وہ آگ میں مرے گا۔ ابوداؤد نے جو حسن بصریؒ کا سماع سمرہؓ سے اس صحیفہ سے ثابت کیا ہے معلوم نہیں اس کا طریقۂ اثبات و دلالت کیا ہے۔ حسن کا سماع سمرہؓ سے بخاری میں ثابت ہے کہ حسن نے عقیقہ کی حدیث اس سے سنی۔ ایک بڑا نسخہ بروایت حسن سمرہؓ سے مروی ہے جس کی زیادہ تر روایات سنن اربعہ (ابوداؤد، ترمذی، نسائی، ابن ماجہ) میں آچکی ہیں۔ علی بن المدینی نے کہا ہے کہ حسن کی ہر روایت سمرہؓ سے سماعی ہے۔ اسی طرح ترمذی نے بخاری سے روایت کیا ہے۔ مسند احمد میں حسن کی روایت بلفظ حدثنا موجود ہے۔

بَابُ الصَّلٰوةِ عَلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَعْدَ التَّشَهُّدِ

تشہد کے بعد نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر صلاۃ کا باب۔

۹۷۸۔ حَدَّثَنَا حَفْصُ بْنُ عُمَرَ نَا شُعْبَةُ عَنِ الْحَكَمِ عَنِ ابْنِ أَبِي لَيْلَى عَنْ كَعْبِ بْنِ عُجْرَةَ قَالَ قُلْنَا أَوْ قَالُوا يَا رَسُولَ اللّٰهِ أَمَرْتَنَا أَنْ نُصَلِّيَ عَلَيْكَ وَأَنْ نُسَلِّمَ عَلَيْكَ فَأَمَّا السَّلَامُ فَقَدْ عَرَفْنَاهُ فَكَيْفَ نُصَلِّي عَلَيْكَ قَالَ قُولُوا اللّٰهُمَّ صَلِّ عَلَى مُحَمَّدٍ وَّآلِ مُحَمَّدٍ كَمَا صَلَّيْتَ عَلَى إِبْرَاهِيمَ وَبَارِكْ عَلَى مُحَمَّدٍ وَّآلِ مُحَمَّدٍ كَمَا بَارَكْتَ عَلَى إِبْرَاهِيمَ إِنَّكَ حَمِيدٌ مَّجِيدٌ۔

کعب بن عجرہؓ نے کہا کہ ہم نے کہا، یا یہ لفظ کہ اصحاب نے کہا، یا رسول اللہ آپ نے ہم کو حکم دیا کہ آپ پر صلاۃ بھیجیں اور سلام کہیں، سلام کو تو ہم جانتے ہیں مگر آپ پر صلاۃ کیوں کر بھیجیں؟ آپ نے فرمایا کہ یوں کہو اے اللہ محمدؐ پر صلوٰۃ بھیج اور آل محمدؐ پر بھی جیسی کہ تو نے ابراہیم پر صلاۃ بھیجی اور محمدؐ پر برکت بھیج اور آل محمدؐ پر بھی جیسی کہ تو نے ابراہیمؑ پر برکت بھیجی بے شک تو لائق تعریف بزرگ ہے (یہ حدیث سب صحاح میں آئی ہے)۔

شرح: آل محمدؐ کے متعلق کئی اقوال ہیں اور ہر قول کی کچھ نہ کچھ دلیل ہے۔ ایک قول یہ ہے کہ ازواج مطہراتؓ اور وہ بنی ہاشم جن پر صدقہ حرام ہے وہ آل رسول ہیں اور اولاد بھی۔ دوسرا قول یہ ہے کہ ہر متقی مسلم آپ کی آل ہے۔

تیسرا یہ کہ ساری امت اجابت آپ کی آل ہے۔ چوتھا یہ کہ بنی ہاشم اور بنی مطلب آل ہیں۔ ابن حجرؒ نے کہا کہ شافعیؒ اور جمہور علماء کے نزدیک وہ بنی ہاشم اور بنی مطلب ہیں۔ ایک قول یہ ہے کہ فاطمہؓ کی اولاد اور ان کی نسل آل ہے۔ بخاری وغیرہ کی دوسری صحیح حدیث کے مطابق آل کی جگہ پر حضورؐ نے: ازواجہ وذریتہ کا لفظ بولا تھا پس یہی آل ہیں۔ کتاب الادب میں بخاری نے ام المؤمنین عائشہؓ کی حدیث بیان کی ہے کہ ہم آلِ رسول ایک ایک ماہ تک چولھا نہ جھونکتے تھے، اس حدیث میں تو آل سے مراد فقط ازواج ہیں۔ اسی طرح مسلم کی ایک حدیث سے بھی یہی ثابت ہوتا ہے کہ ازواج النبی صلی اللہ علیہ وسلم آل ہیں۔ قرآن کی رُو سے اہل بیت تو یقیناً ازواج ہی ہیں (سورۂ احزاب اور سورۂ الحجر) دوسرے لوگ حضورؐ کی دعا سے اہل بیت ہوئے۔ امام مالکؒ، زہریؒ اور دیگر ائمہ کے نزدیک ہر مسلم آلِ رسولؐ ہے اور حرمت صدقہ کا مسئلہ الگ ہے جس سے اس کا تعلق نہیں ہے۔ صدقہ تو ایک مصلحتِ شرعی سے حرام کیا گیا مبادا کوئی دشمن اور معاند یہ کہدے کہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے زکوٰۃ و صدقات کا نظام اپنے لیے اور اپنے قریبی رشتہ داروں کے لیے قائم کیا ہے۔ نوویؒ نے ہر مسلم کو آلِ رسول قرار دینے کے قول کو شرح مسلم میں ترجیح دی ہے اور یہی قول سفیان ثوری کا ہے۔ آلِ ابراہیمؑ سے مراد ان کی ازواج و اولاد ہے۔ قرآن نے سارہؓ سے فرشتوں کا یہ قول بیان کیا ہے: قَالُوْٓا اَتَعْجَبِیْنَ مِنْ اَمْرِ اللّٰہِ رَحْمَتُ اللّٰہِ وَبَرَکَاتُہٗ عَلَیْکُمْ اَھْلَ الْبَیْتِ اِنَّہٗ حَمِیْدٌ مَّجِیْدٌ ۝ اس آیت میں زوجۂ ابراہیمؑ علیہ السلام کو اہل بیت فرمایا گیا ہے اور آخری لفظ حمیدؐ مجید پر غور کریں تو نظر آئے گا کہ یہی لفظ صلاۃ کے درود میں ہے، پس آل سے مراد اولاً ازواج اور پھر اولاد (بشرطِ اسلام) ہے۔ ورنہ دُور کی اولادِ ابراہیمؑ تو سارے قریش مکہ بھی تھے جن کے کفر و شرک کے رد کے لیے ہی پیغمبر آخر الزمانؐ نے بے پناہ مصائب برداشت کئے تھے۔ اور یہ بھی ممکن ہے کہ توسعاً ہر مسلم کو آل میں داخل سمجھا جائے۔ صلاۃ کے وجوب و استحباب پر اس سے قبل گفتگو ہو چکی ہے۔ مزید یہ ہے کہ مولاناؒ نے فرمایا

نماز میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر صلاۃ بھیجنے میں یہ اختلاف ہے کہ آیا یہ فرض ہے یا سنت۔ ہمارے نزدیک یہ فرض نہیں بلکہ سنت ہے، امام شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک فرض ہے اور اس کے بغیر نماز جائز نہیں اور اس کے الفاظ وہی ہیں جو احادیث میں ہیں کہ: اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ الخ اور پہلے قعدہ بھی فرضیت صلاۃ میں امام شافعیؒ سے دو قول ہیں۔ ان کی دلیل یہ آیت ہے: یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَیْہِ اور مطلق امر فرضیت کے لیے ہوتا ہے۔ اور ایک حدیث سے اس کی فرضیت ثابت ہے: جس نے اپنی نماز میں مجھ پر صلاۃ نہ بھیجی اس کی کوئی نماز نہیں ہماری دلیل ابن مسعودؓ اور عبداللہ بن عمروؓ کی حدیث ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے قعود پر اور قدرِ تشہد پڑھنے پر نماز کے مکمل ہونے کا فیصلہ فرمایا تھا اور اس میں صلاۃ علی النبی کی شرط نہ لگائی تھی۔ اور آیت میں فرضیت کی کوئی دلیل نہیں کیونکہ اس حدیث سے ثابت ہو گیا کہ آیت کا امر فرضیت کے لیے نہیں ہے۔ عمر فاروقؓ اور ابن مسعودؓ سے روایت ہے کہ صلاۃ علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم نماز میں سنت ہے۔ علاوہ ازیں امر مطلق تکرار کا تقاضا نہیں کرتا بلکہ اس کا اقتضاء یہ ہوتا ہے کہ ایک مرتبہ فعل ادا ہو جائے۔

ائمہ احناف میں سے کرخی نے کہا ہے کہ حج کی مانند صلاۃ علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم بھی عمر بھر میں ایک دفعہ فرض ہے اور اس آیت میں نماز کی تعیین نہیں ہے۔ اور: لَا صَلٰوۃَ لِمَنْ لَّمْ یُصَلِّ عَلَیَّ فِیْ صَلَاتِہٖ میں نفی سے مراد

کمال کی نفی ہے جیسے فرمایا: لَا صَلٰوۃَ لِجَارِ الْمَسْجِدِ اِلَّا فِی الْمَسْجِدِ۔ کرخی نے یہ بھی کہا ہے کہ عمر بھر میں ایک مرتبہ اس آیت کی رو سے ہر عاقل و بالغ پر درود فرض ہے۔ امام طحاوی رحؒ نے کہا کہ جب بھی حضورؐ کا نام لے یا سنے تو درود فرض ہے، کرخی کے قول کی علت جیساکہ ہم نے اوپر بتایا یہ ہے کہ امر مطلق تکرار کو مقتضی نہیں ہے جب تک کہ تکرار کی کوئی اور دلیل نہ ہو، پس جب کسی نے نماز میں یا باہر ایک بار امر کا کام کر لیا تو فرض ساقط ہوگیا جیسے کہ ایک بار حج کر لینے سے فرض ساقط ہو جاتا ہے۔ طحاوی رحؒ کے قول کی علت یہ ہے کہ صلاۃ علی النبیؐ کے وجوب کا سبب آپؐ کے نام کا ذکر یا سماع ہے، اور حکم اسباب کے مکرر آنے سے بار بار عاید ہو جاتا ہے جیسے کہ فرضیت زکوٰۃ کا سبب وقت ہے، فرضیت صوم کا سبب رمضان کا آجانا ہے وغیرہ وغیرہ۔

۹۷۹۔ حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ نَا يَزِيدُ بْنُ زُرَيْعٍ نَا شُعْبَةُ بِهٰذَا الْحَدِيثِ قَالَ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَعَلٰى اٰلِ مُحَمَّدٍ كَمَا صَلَّيْتَ عَلٰى إِبْرَاهِيمَ۔

وہی گزشتہ حدیث دوسری سند سے۔ اس میں ہے: صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَعَلٰى آلِ مُحَمَّدٍ كَمَا صَلَّيْتَ عَلٰى آلِ ابراھیم

۹۸۰۔ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الْعَلَاءِ نَا ابْنُ بِشْرٍ عَنْ مِسْعَرٍ عَنِ الْحَكَمِ بِإِسْنَادِهٖ بِهٰذَا قَالَ اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَعَلٰى اٰلِ مُحَمَّدٍ كَمَا صَلَّيْتَ عَلٰى إِبْرَاهِيمَ إِنَّكَ حَمِيدٌ مَجِيدٌ اَللّٰهُمَّ بَارِكْ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَعَلٰى اٰلِ مُحَمَّدٍ كَمَا بَارَكْتَ عَلٰى اٰلِ إِبْرَاهِيمَ إِنَّكَ حَمِيدٌ مَجِيدٌ قَالَ أَبُو دَاوُدَ رَوَاهُ الزُّبَيْرُ بْنُ عَدِيٍّ عَنِ ابْنِ أَبِي لَيْلٰى كَمَا رَوَاهُ مِسْعَرٌ إِلَّا أَنَّهٗ قَالَ كَمَا صَلَّيْتَ عَلٰى اٰلِ إِبْرَاهِيمَ إِنَّكَ حَمِيدٌ مَجِيدٌ وَبَارِكْ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَسَاقَ مِثْلَهٗ۔

وہی حدیث تیسری سند سے۔ اس میں یہ کہا کہ: اللّٰھم صل علی محمد وعلی آل محمد کما صلیت علی ابراھیم انك حمید مجید اللّٰھم بارك علی محمد وعلی آل محمد کما بارکت علی آل ابراھیم انك حمید مجید۔ ابوداؤد نے کہا کہ اسے زبیر بن عدی نے ابن ابی لیلیٰ سے اسی طرح روایت کیا جیسے مسعر نے روایت کیا (یعنی یہی زیر نظر حدیث)، مگر اس نے کہا: کما صلیت علی آل ابراھیم انك حمید مجید وَبَارِكْ عَلٰى مُحَمَّدٍ الخ جیساکہ ابھی گزرا۔

۹۸۱۔ حَدَّثَنَا الْقَعْنَبِيُّ عَنْ مَالِكٍ ح وَنَا ابْنُ السَّرْحِ أَنَا ابْنُ وَهْبٍ أَخْبَرَنِي مَالِكٌ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ أَبِي بَكْرِ بْنِ مُحَمَّدِ بْنِ عَمْرِو بْنِ حَزْمٍ عَنْ أَبِيهِ عَنْ عَمْرِو بْنِ سُلَيْمٍ الزُّرَقِيِّ أَنَّهٗ قَالَ أَخْبَرَنِي أَبُو حُمَيْدٍ السَّاعِدِيُّ أَنَّهُمْ قَالُوا يَا رَسُولَ اللّٰهِ

كَيْفَ نُصَلِّي عَلَيْكَ قَالَ قُولُوا اللَّهُمَّ صَلِّ عَلَى مُحَمَّدٍ وَأَزْوَاجِهِ وَذُرِّيَّتِهِ كَمَا صَلَّيْتَ عَلَى آلِ إِبْرَاهِيمَ وَبَارِكْ عَلَى مُحَمَّدٍ وَأَزْوَاجِهِ وَذُرِّيَّتِهِ كَمَا بَارَكْتَ عَلَى آلِ إِبْرَاهِيمَ إِنَّكَ حَمِيدٌ مَجِيدٌ۔

ابو حمید ساعدیؓ نے خبر دی کہ اصحاب نے کہا یا رسول اللہ ہم آپ پر کیسے صلاۃ بھیجیں؟ فرمایا یوں کہو: اللّٰھُمَّ صلّ علی محمد و ازواجہ و ذریتہ کما صلیت علی آل ابراھیم و بارک علی محمد و ازواجہ و ذریتہ کما بارکت علی آل ابراھیم انک حمیدٌ مجید (یہ حدیث بخاری، مسلم، نسائی، اور ابن ماجہ نے بھی روایت کی ہے)

شرح: اس حدیث میں: ازواجہ و ذریتہ کا لفظ آیا ہے جبکہ دوسری روایات میں آل محمدؐ کا لفظ ہے۔ دونوں کو ملانے سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ آل یہ ازواج و اولاد۔

۹۸۲۔ حَدَّثَنَا الْقَعْنَبِيُّ عَنْ مَالِكٍ عَنْ نُعَيْمِ بْنِ عَبْدِ اللهِ الْمُجْمِرِ أَنَّ مُحَمَّدَ بْنَ عَبْدِ اللهِ بْنِ زَيْدٍ وَعَبْدُ اللهِ بْنُ زَيْدٍ هُوَ الَّذِي أُرِيَ النِّدَاءَ بِالصَّلٰوةِ أَخْبَرَهُ عَنْ أَبِي مَسْعُودٍ الْأَنْصَارِيِّ أَنَّهُ قَالَ أَتَانَا رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي مَجْلِسِ سَعْدِ بْنِ عُبَادَةَ فَقَالَ لَهُ بَشِيرُ بْنُ سَعْدٍ أَمَرَنَا اللهُ أَنْ نُصَلِّيَ عَلَيْكَ يَا رَسُولَ اللهِ فَكَيْفَ نُصَلِّي عَلَيْكَ فَسَكَتَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَتّٰى تَمَنَّيْنَا أَنَّهُ لَمْ يَسْأَلْهُ ثُمَّ قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قُولُوا فَذَكَرَ مَعْنَى حَدِيثِ كَعْبِ بْنِ عُجْرَةَ زَادَ فِي آخِرِهِ فِي الْعَالَمِينَ إِنَّكَ حَمِيدٌ مَجِيدٌ۔

محمد بن عبداللہ بن زیدؓ (عبداللہ بن زید وہی جسے خواب میں اذان دکھائی گئی تھی) نے ابو مسعودؓ انصاری سے روایت کی کہ اُس نے کہا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے پاس سعد بن عبادہؓ کی مجلس میں تشریف لائے تو حضورؐ سے بشیر بن سعدؓ نے کہا: یا رسول اللہ، اللہ تعالےٰ نے ہمیں حکم دیا ہے کہ آپ پر صلاۃ بھیجیں سو ہم آپ پر کیسے صلاۃ بھیجیں؟ اس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خاموش رہے حتیٰ کہ ہم نے آرزو کی کہ کاش بشیرؓ نے یہ سوال نہ کیا ہوتا۔ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یوں کہو، پس ابو داؤد کے استاد قعنبی نے یہاں کعب بن عجرہؓ کی حدیث کے ہم معنی الفاظ بولے اور آخر میں یہ اضافہ کیا: فی العلمین انک حمیدٌ مجیدٌ (حضورؐ کا سکوت شاید وحی کے انتظار میں تھا۔ اصحاب کی تمنا اس بنا پر تھی کہ مبادا حضورؐ پر یہ سوال شاق گزرا ہو اور اسی لیے خاموش رہے ہوں مسلم نے اس حدیث کے آخر میں یہ لفظ مالکؒ کی روایت سے زیادہ کہے ہیں کہ: اور سلام کو تو تم جانتے ہی ہو۔ یہ حدیث

مسلم، ترمذی اور نسائی میں بھی ہے)

۹۸۳۔ حَدَّثَنَا اَحْمَدُ بْنُ یُوْنُسَ نَا زُهَیْرٌ نَا مُحَمَّدُ بْنُ اِسْحَاقَ نَا مُحَمَّدُ بْنُ اِبْرَاهِیْمَ ابْنِ الْحَارِثِ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ زَیْدٍ عَنْ عُقْبَةَ بْنِ عَمْرٍو بِهٰذَا الْخَبَرِ قَالَ قُوْلُوا اللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ النَّبِیِّ الْاُمِّیِّ وَعَلٰی اٰلِ مُحَمَّدٍ۔

گزشتہ حدیث ایک اور سند سے، اس میں فرمایا کہ کہو: اللھم صل علی محمد النبی الامی و علی آلِ محمد۔
شرح: اُمی کا لفظ امۃ العرب کی طرف منسوب ہے جو لکھنا پڑھنا نہ جانتی تھی۔ پھر ہر اس شخص کے لیے بولا گیا جو اَن پڑھ ہو۔ اور مراد لکھنے پڑھنے کی عام طور پر نفی (یعنی کچھ لوگ تو ان میں لکھنا پڑھنا جانتے بھی تھے) اور کہا گیا ہے کہ یہ لفظ اُم القریٰ (مکہ) کی طرف منسوب ہے۔ بعض کے نزدیک اُمی کا لفظ اُم کی طرف منسوب ہے، یعنی جیسا ماں نے جنا تھا ویسا ہی ہے لکھنا پڑھنا نہیں جانتا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے یہ لقب اعزاز رکھتا ہے کہ آپ صرف خدا کے شاگرد ہیں کسی مخلوق کے نہیں۔ مولانا ؒ نے فرمایا کہ یہ حدیث شاید خود ابو داؤد ؒ نے یا ان کے استاد نے مختصر کر دی ہے ورنہ بیہقی نے یہی حدیث اس طرح روایت کی ہے کہ ابو مسعود ؓ عقبہ بن عمرو نے کہا: ایک آدمی آیا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے بیٹھ گیا اور ہم آپ کے پاس تھے۔ اس نے کہا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہم نے آپ پر سلام کا طریقہ تو جان لیا ہے لیکن جب ہم نماز پڑھیں تو اس میں آپ پر صلاۃ کیوں کر بھیجیں؟ ابو مسعود ؓ نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خاموش ہو گئے حتیٰ کہ ہم نے پسند کیا کہ یہ شخص آپ سے سوال نہ کرتا۔ پھر حضور ؐ نے فرمایا: جب تم مجھ پر صلاۃ بھیجو تو یوں کہو: اللھم صلِّ علی محمد النبی الامی و علی آل محمد کما بارکت علی ابراھیم و علی آلِ ابراھیم انك حمید مجید۔ بیہقی میں یوں ہے، سو معلوم نہیں کہ کاتب نے کما صلیت علی ابراھیم۔ اور بارکت علی محمد النبی الامی کے الفاظ ساقط کر دیے ہیں یا یہ روایت ہی اسی طرح ہے۔

۹۸۴۔ حَدَّثَنَا مُوْسٰی بْنُ اِسْمٰعِیْلَ نَا حِبَّانُ بْنُ یَسَارٍ الْكِلَابِیُّ حَدَّثَنِیْ اَبُوْ مُطَرِّفٍ عُبَیْدُ اللّٰهِ بْنُ طَلْحَةَ بْنِ عُبَیْدِ اللّٰهِ بْنِ كَرِیْزٍ حَدَّثَنِیْ مُحَمَّدُ بْنُ عَلِیٍّ الْهَاشِمِیُّ عَنِ الْمُجْمِرِ عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ سَرَّهٗ اَنْ یُّكْتَالَ بِالْمِكْیَالِ الْاَوْفٰی اِذَا صَلّٰی عَلَیْنَا اَهْلَ الْبَیْتِ فَلْیَقُلْ اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ النَّبِیِّ وَاَزْوَاجِهٖ اُمَّهَاتِ الْمُؤْمِنِیْنَ وَذُرِّیَّتِهٖ وَاَهْلِ بَیْتِهٖ كَمَا صَلَّیْتَ عَلٰی اٰلِ اِبْرَاهِیْمَ اِنَّكَ حَمِیْدٌ مَّجِیْدٌ۔

ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کی کہ آپ نے فرمایا: جو پسند کرتا ہو کہ اُسے پورے پیمانے سے عطا کیا جائے جب وہ ہم اہل بیت (نبوی گھرانا) پر صلاۃ پڑھے تو کہے: اللّٰھم صلّ علی محمدٍ النبی وازواجہ اُمّھات المؤمنین وذریتہ واھل بیتہ کما صلیت علی آلِ ابراھیم انک حمیدٌ مجیدٌ۔

شرح: ابوداؤد کے استاذ الاستاذ حبان بن یسار کلابی پر محدثین نے تنقید کی ہے۔ ابن حبان نے اسے ثقات میں لکھا ہے مگر اسے اختلاط ہو گیا تھا۔ ابوحاتم نے کہا: نہ قوی ہے نہ متروک۔ ابن عدی نے کہا کہ اختلاط کے باعث اس کی حدیث میں گڑبڑ ہے۔ ابوداؤد نے کہا: اس میں کوئی حرج نہیں۔ سند میں محمد بن علی الہاشمی جو راوی ہے بظاہر یہ ابوجعفر الباقر رحمہ اللہ ہے جو محمد بن علی بن الحسین بن علی رضی اللہ عنہ بن ابی طالب ہے۔

مولانا رحمہ اللہ نے اس مقام پر بلفظِ تنبیہ فرمایا ہے کہ اس مضمون میں ابھی دو بحثیں باقی ہیں جن پر تنبیہ مناسب ہے۔ پہلی بحث ترحم کے لفظ میں ہے۔ بعض لوگوں نے ارحم محمدًا یا ترحّم محمدًا کو ناپسند کیا ہے مگر حنفیہ کے نزدیک یہ مکروہ نہیں۔ دُرِّ مختار میں ہے کہ صحیح یہی ہے کہ ترحم مکروہ نہیں۔ علامہ شامی نے کہا کہ ان الفاظ کا مفاد یہ ہے کہ اسے مستحب جاننا صحیح نہیں کیونکہ یہ لفظ تشہد کی صلاۃ میں ثابت نہیں ہوا۔ اسی لیے منیہ کی شرح میں ہے کہ اولیٰ یہی ہے کہ وہ صلاۃ پڑھی جائے جو احادیث صحیحہ میں وارد ہے۔ الفیض میں ہے کہ اولیٰ یہی ہے کہ اس لفظ کو احتیاطًا ترک کر دیا جائے۔ رملی نے شرح المنہاج میں کہا ہے کہ امام نووی رحمہ اللہ نے الاذکار میں کہا ہے: وَارحم محمدًا و آل محمد کما رحمت علی ابراھیم کہنا بدعت ہے۔ نووی رحمہ اللہ پر اعتراض کیا گیا ہے کہ یہ لفظ کئی احادیث میں آیا ہے جن میں سے بعض کو حاکم نے صحیح کہا ہے: وَتَرَحَّم علی محمدٍ۔ لیکن بعض محقق محدثین نے کہا ہے کہ یہ حاکم کا وہم ہے کیونکہ ان احادیث میں شدید ضعف ہے لہٰذا لائق عمل نہیں ہیں۔ اس کی تائید ابوزرعہ کا قول بھی کرتا ہے جو امام فن ہے، اس نے ان احادیث کو بیان کرنے اور ان کا ضعف ظاہر کرنے کے بعد کہا کہ: شاید اس لفظ کے استعمال سے منع کرنا زیادہ راجح ہے کیونکہ اس باب کی احادیث ضعیف ہیں۔

اس بحث سے معلوم ہوا کہ انکار کا سبب یہ ہے کہ اس لفظ کا استعمال لائق اعتماد طریقے سے ثابت نہیں ہوا اور عبادات کا باب اتباع کا باب ہے۔ وہ سبب نہیں جو حافظ ابن عبدالبر رحمہ اللہ وغیرہ نے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے لفظ رحمت سے دعا کرنا ٹھیک نہیں، لیکن اگر اس نفی کرنے والے کی مراد مطلقًا امتناع ہے تو صحیح احادیث اس کے ردّ میں صریح ہیں کیونکہ تشہد کی سب روایات میں یہ لفظ ثابت ہیں: اَلسَّلَامُ عَلَیْکَ اَیُّھَا النَّبِیُّ وَرَحْمَةُ اللّٰہِ وَبَرَکَاتُہٗ اور صحیح طور پر ثابت ہے کہ جس شخص نے کہا تھا: اَللّٰھُمَّ ارْحَمْنِیْ وَمُحَمَّدًا، حضور ﷺ نے اس کے اس قول پر نکیر نہیں فرمائی تھی اس قول پر: وَلَا تَرْحَمْ مَعَنَا اَحَدًا۔ کیونکہ آپ نے فرمایا تھا کہ تو نے (یہ کہہ کر) ایک وسیع چیز کو تنگ کر دیا ہے۔ اگر کہا جائے کہ حضور ﷺ پر تو اللہ کی رحمت ہو چکی ہے طلب کرنے سے کیا حاصل؟ تو جواب یہ ہے کہ صلاۃ، وسیلہ اور مقام محمود کا بھی تو یہی حال ہے۔ ہماری دعا سے حضور ﷺ کے مراتب و درجات میں اور ترقی ہوتی ہے اور مراتب و درجات کی کوئی حد و انتہا نہیں۔ اور دعا کرنے والے کو اس کے سبب سے زیادہ ثواب حاصل ہوتا ہے۔ خلاصہ یہ ہوا کہ تشہد کے بعد ترحم ثابت نہیں گو اور مقامات پر ثابت ہے لہٰذا فی نفسہٖ جائز ہے۔

دوسری بحث لفظِ سیادت میں ہے کہ حضورؐ کے نام نامی کے ساتھ سیدنا کا لفظ بولا جائے، دُرِّ مختار میں اسے عین تقاضائے ادب قرار دیا ہے لہٰذا اس کا ذکر ترک سے افضل ہے۔ رملی شافعی وغیرہ نے اس کا ذکر کیا ہے۔ اور لَا تُسَوِّدُونِی فِی الصَّلٰوۃِ کے منقولہ الفاظ جھوٹ ہیں، حدیث ہرگز نہیں۔ امام ابو حنیفہؒ سے جو منقول ہے کہ تشہد میں کمی بیشی نکرو وہ ہے اس کا تعلق درود سے نہیں جو تشہد کے بعد ہوتا ہے۔

بَابُ ۱۷۸ مَا يَقُولُ بَعْدَ التَّشَهُّدِ

تشہد کے بعد کیا کہے؟ اس کا باب۔

۹۸۵۔ حَدَّثَنَا اَحْمَدُ بْنُ حَنْبَلٍ نَا الْوَلِيْدُ بْنُ مُسْلِمٍ نَا الْاَوْزَاعِيُّ حَدَّثَنِيْ حَسَّانُ بْنُ عَطِيَّةَ حَدَّثَنِيْ مُحَمَّدُ بْنُ اَبِيْ عَائِشَةَ اَنَّهٗ سَمِعَ اَبَا هُرَيْرَةَ يَقُوْلُ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا فَرَغَ اَحَدُكُمْ مِنَ التَّشَهُّدِ الْاٰخِرِ فَلْيَتَعَوَّذْ بِاللّٰهِ مِنْ اَرْبَعٍ مِنْ عَذَابِ جَهَنَّمَ وَمِنْ عَذَابِ الْقَبْرِ وَمِنْ فِتْنَةِ الْمَحْيَا وَالْمَمَاتِ وَمِنْ شَرِّ الْمَسِيْحِ الدَّجَّالِ۔

ابوہریرہؓ کو یہ کہتے سنا گیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب تم میں سے کوئی آخری تشہد سے فارغ ہو تو اللہ تعالیٰ کی پناہ چار چیزوں سے طلب کرے، جہنم کے عذاب سے اور قبر کے عذاب سے اور زندگی و موت کے فتنے سے اور مسیح دجال کے شر سے (یہ حدیث مسلم، نسائی اور ابن ماجہ میں بھی آئی ہے)

شرح: اس حدیث میں اس دعاء کا استحباب صرف آخری تشہد میں ثابت ہوا نہ کہ پہلے تشہد میں (نوویؒ) علامہ شوکانی نے کہا کہ یہ حدیث ابن حزم کے اس مذہب کا رد کرتی ہے کہ یہ دعاء پہلے تشہد میں بھی واجب ہے۔ اِذَا فَرَغَ کے لفظ سے یہ بھی معلوم ہوا کہ جو شخص دیگر دعائیں مانگنا چاہے وہ اس کے بعد مانگے۔ اس حدیث کے لفظ فَلْيَتَعَوَّذْ بِاللّٰهِ سے بعض ظاہریہ نے یہ استدلال کیا ہے کہ یہ استعاذہ واجب ہے اور یہی طاؤسؒ سے مروی ہے، مگر بعض نے یہ دعویٰ کیا ہے کہ اس استعاذے کے مستحب ہونے پر اجماع ہے۔

۹۸۶۔ حَدَّثَنَا وَهْبُ بْنُ بَقِيَّةَ نَا عُمَرُ بْنُ يُوْنُسَ الْيَمَامِيُّ حَدَّثَنِيْ مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ طَاؤُسٍ عَنْ اَبِيْهِ عَنْ طَاؤُسٍ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنَّهٗ كَانَ يَقُوْلُ بَعْدَ التَّشَهُّدِ اَللّٰهُمَّ اِنِّيْ اَعُوْذُبِكَ مِنْ عَذَابِ جَهَنَّمَ وَاَعُوْذُبِكَ مِنْ عَذَابِ الْقَبْرِ وَاَعُوْذُبِكَ مِنْ فِتْنَةِ الدَّجَّالِ وَاَعُوْذُبِكَ مِنْ فِتْنَةِ الْمَحْيَا وَالْمَمَاتِ

ابن عباس رضی اللہ عنہ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کی کہ حضورؐ تشہد کے بعد کہا کرتے تھے: اَللّٰھُمَّ اِنِّی اَعُوذُبِکَ من عذاب جھنّم وَ اَعُوْذُ بِکَ من عذاب القبر واعوذ بک من فتنۃ الدّجال واعوذ بک من فتنۃ المحیا والممات "اے اللہ میں تجھ سے جہنم کے عذاب پناہ مانگتا ہوں اور تجھ سے عذاب قبر سے پناہ مانگتا ہوں اور دجال کے فتنے سے تیری پناہ لیتا ہوں اور زندگی اور موت کے فتنے سے تیری پناہ لیتا ہوں۔

شرح: معتزلہ نے عذاب قبر کا انکار کیا ہے، اس حدیث میں ان کا رد بھی ہے۔ دجال کو مسیح دجال گزشتہ حدیث میں کہا گیا ہے کیونکہ وہ مسیحؑ برحق کا مقابلہ کرے گا، نیز وہ ممسوح العین (کانا) ہوگا اور زمین میں سیاحت کرے گا۔ زندگی کے فتنے سے مراد دنیوی خواہشات نفس اور دوسرے فتنے ہیں جو انسان کو راہ حق سے ہٹاتے ہیں۔ موت کے فتنے سے مراد بُری موت بھی ہو سکتی ہے اور نزع کا عذاب بھی اور عذاب قبر کے بعد کا عذاب بھی۔ نعوذ باللہ من ذالک۔

۹۸۷۔ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ عَمْرٍو اَبُوْ مَعْمَرٍ نَا عَبْدُ الْوَارِثِ نَا الْحُسَيْنُ الْمُعَلِّمُ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ بُرَيْدَةَ عَنْ حَنْظَلَةَ بْنِ عَلِيٍّ اَنَّ مِحْجَنَ بْنَ الْاَدْرَعِ حَدَّثَهٗ قَالَ دَخَلَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْمَسْجِدَ فَاِذَا هُوَ بِرَجُلٍ قَدْ قَضٰى صَلَاتَهٗ وَهُوَ يَتَشَهَّدُ وَهُوَ يَقُوْلُ اَللّٰهُمَّ اِنِّيْ اَسْئَلُكَ يَا اَللّٰهُ الْاَحَدُ الصَّمَدُ الَّذِيْ لَمْ يَلِدْ وَلَمْ يُوْلَدْ وَلَمْ يَكُنْ لَّهٗ كُفُوًا اَحَدٌ اَنْ تَغْفِرَ لِيْ ذُنُوْبِيْ اِنَّكَ اَنْتَ الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ قَالَ فَقَالَ قَدْ غُفِرَ لَهٗ ثَلَاثًا۔

محجن بن ادرع رضی اللہ عنہ نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مسجد میں داخل ہوئے تو آپؐ نے ایک آدمی کو دیکھا جو نماز کے اختتام پر تھا اور تشہد پڑھ رہا تھا اور کہہ رہا تھا: اَللّٰھُمَّ اِنِّی اَسْئَلُکَ "اے اللہ میں تجھ سے سوال کرتا ہوں، اے اللہ اکیلے غیر محتاج جس کی اولاد نہیں نہ وہ کسی کی اولاد ہے اور اس کا کوئی ہمسر نہیں کہ تو مجھے میرے گناہ بخش دے، بلاشبہ تو ہی غفور رحیم ہے۔ محجن رضی اللہ عنہ نے کہا کہ حضورؐ نے تین بار فرمایا: اس کی بخشش ہوگئی اس کی بخشش ہوگئی (یہ حدیث نسائی میں بھی ہے)

شرح: احد کا معنیٰ ہے اکیلا جس کے ساتھ کوئی اور عدد نہ ہو، نہ ایک نہ دو آخ صمد کا معنیٰ ہے وہ سردار جس میں سیادت کی تمام اقسام جمع ہوں اور جس کا سہارا لیا جائے، جس پر کوئی آفت و مصیبت نہ آئے، اس لیے چٹان کو لغت عرب والے صمد کہتے ہیں۔

بَابُ ۶۹ اِخْفَاءِ التَّشَهُّدِ

تشہد کو مخفی پڑھنے کا باب۔

۹۸۸۔ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ سَعِيْدٍ الْكِنْدِيُّ ثَنَا يُوْنُسُ يَعْنِي ابْنَ بُكَيْرٍ عَنْ

مُحَمَّدِ بْنِ إِسْحَاقَ عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ الْأَسْوَدِ عَنْ أَبِيهِ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ قَالَ مِنَ السُّنَّةِ أَنْ يُخْفَى التَّشَهُّدُ۔

عبداللہ بن مسعودؓ نے فرمایا کہ تشہد کو مخفی پڑھنا سنت ہے (اس حدیث کو ترمذی نے روایت کیا اور کہا: حدیث حسنٌ غریبٌ۔ اور حاکم نے مستدرک میں روایت کی تو کہا: صحیحٌ علی شرط الشیخین صحابی جب اس قسم کا لفظ بولے: مِنَ السُّنَّۃِ تو اس کا مطلب ہوتا ہے: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سُنت۔ لہٰذا اس لحاظ سے یہ حدیث مرفوع کے حکم میں ہوتی ہے

بَابُ الْإِشَارَةِ فِي التَّشَهُّدِ

تشہد میں اشارے کا باب۔

۹۸۹۔ حَدَّثَنَا الْقَعْنَبِيُّ عَنْ مَالِكٍ عَنْ مُسْلِمِ بْنِ أَبِي مَرْيَمَ عَنْ عَلِيِّ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ الْمُعَاوِيِّ قَالَ رَآنِي عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ عُمَرَ وَأَنَا أَعْبَثُ بِالْحَصٰى فِي الصَّلٰوةِ فَلَمَّا انْصَرَفَ نَهَانِي وَقَالَ اصْنَعْ كَمَا كَانَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَصْنَعُ فَقُلْتُ كَيْفَ كَانَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَصْنَعُ قَالَ إِذَا جَلَسَ فِي الصَّلٰوةِ وَضَعَ كَفَّهُ الْيُمْنٰى عَلٰى فَخِذِهِ الْيُمْنٰى وَقَبَضَ أَصَابِعَهُ كُلَّهَا وَأَشَارَ بِإِصْبَعِهِ الَّتِي تَلِي الْإِبْهَامَ وَوَضَعَ الْيُسْرٰى عَلٰى فَخِذِهِ الْيُسْرٰى۔

عبدالرحمان معاوی نے کہا کہ عبداللہ بن عمرؓ نے مجھے نماز میں کنکریوں سے کھیلتے دیکھا جب نماز ختم ہوئی تو مجھے اس سے منع کیا اور کہا: اُس طرح کر جس طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کرتے تھے، میں نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کس طرح کرتے تھے؟ فرمایا: جب آپ نماز میں (تشہد میں) بیٹھتے تھے تو اپنا دایاں ہاتھ دائیں ران پر رکھتے تھے اور تمام انگلیاں سمیٹ لیتے اور انگوٹھے کے پاس والی انگلی سے اشارہ کرتے تھے اور بایاں ہاتھ بائیں ران پر رکھتے تھے۔

شرح: یہ حدیث مسلم اور نسائی نے بھی روایت کی ہے۔ اس حدیث سے تشہد میں اشارے کا ثبوت ملا لیکن انگلیاں سمیٹنے کی کیفیت اس میں نہیں آئی۔ مولانا سہانپوری نے فرمایا کہ ہمارے تینوں ائمہ، ابو حنیفہؒ، ابو یوسفؒ اور محمد بن الحسنؒ اس اشارے پر متفق ہیں۔ اس طرح مالکؒ، شافعیؒ اور احمد بن حنبلؒ اور ان سب کے متبعین بھی اس پر متفق ہیں کہ یہ اشارہ جلسۂ تشہد میں سُنت ہے۔ حنفیہ کے متقدمین میں اس پر کوئی کلام نہیں ہوا، اختلاف اگر کیا تو بعض متأخرین نے کیا اور اختلاف کا کوئی اعتبار نہیں۔ علامہ محدث علی القاریؒ نے تزیین العبارۃ میں کہا ہے کہ: اشارہ کے دلائل یہ ہیں، کتاب اللہ میں سے خداوند تعالیٰ کا یہ ارشاد: وَمَا آتَاكُمُ الرَّسُولُ فَخُذُوهُ وَمَا نَهَاكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوا: رسول جو تمہیں حکم دے اسے لے لو اور جس بات سے منع کرے اس سے رُک جاؤ، اور یہ قولِ الٰہی: وَمَنْ يُطِعِ الرَّسُولَ فَقَدْ أَطَاعَ اللّٰهَ

"اور جس نے رسول ؐ کی بات مانی اس نے ہی اللہ کی بات مانی"۔ اور سنت میں سے بہت سی احادیث ہیں۔ اور مانعین کے پاس کوئی دلیل نہیں۔ جس نے کہا کہ اس میں ایک سے زیادہ رفع وحرکت ہے لہٰذا اس کا ترک اولیٰ ہے تو یہ مردود ہے کیونکہ اگر ترک اولیٰ ہوتا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رفع سبابہ نہ فرماتے آپ کا فعل خلاف اولیٰ نہیں ہوسکتا۔ بعض کا یہ قول کہ یہ فرقۂ رافضیہ کی موافقت ہے، بھی مردود ہے کیونکہ ان کے عوام اس نہ ماننے میں رفع سبابہ نہیں کرتے جیساکہ ہمارا مشاہدہ ہے ہاں سلام کے وقت ہاتھوں کے اشارے کرتے ہیں اور اسلام کے فوت ہوجانے پر افسوس کرتے ہوئے رانوں پر ہاتھ مارتے ہیں، پس یہ دلیل بھی مردود ہوئی۔ بالفرض اگر روافض ایسا کرتے ہوتے تو ہمیں ان کے ہر فعل کی مخالفت کا حکم نہیں ملا۔ ہم ان کے صرف انہی افعال کی مخالفت کریں گے جو خلافِ سنت ہوں۔ ورنہ اگر وہ دائیں ہاتھ سے کھائیں تو کیا ہم اس میں بھی ان کی مخالفت ہی کریں گے؟ ہاں ان کی خود ساختہ رسوم و بدعات کی ہم ضرور مخالفت کریں گے۔ مثلاً سجدہ گاہ پر پتھر رکھنا وغیرہ۔ دلائل رفع سبابہ میں سے ایک دلیل اجماع ہے کیونکہ اس مسئلے میں صحابہ اور سلفِ امت میں کوئی اختلاف نہیں رہا۔ بلکہ ہمارے امام اعظم اور ان کے دونوں ساتھیوں، امام مالکؒ، امام شافعیؒ، امام احمدؒ اور سب علمائے امصار کا یہی مسلک رہا ہے اور ہمارے حنفی علمائے متقدمین بھی اس پر متفق رہے ہیں۔ ان لوگوں کی بات میں کوئی وزن نہیں جنہوں نے متاخرین میں سے اس سنت کو ترک کردیا مثلاً ماوراء النہر کے اکثر باشندے، اہل خراسان، اہل روم اور علاقہ ہندوستان کے لوگ جن پر تقلید غالب ہے اور تحقیق مفقود ہے اور وہ درست قول کی تائید سے محروم رہے ہیں۔ اور کیدانی نے جو محرمات نماز کے ذکر کے سلسلے میں لکھا ہے کہ سبابہ کا اشارہ اہل حدیث کی مانند بھی ان میں داخل ہے یہ اس کا قولِ غریب ہے، خطائے عظیم اور جرم جسیم ہے۔ اس کا منشا رقواعد اصول سے ناواقفیت، مراتب فروع سے جہالت ہے۔ اگر حسن ظن کا حکم نہ ہوتا تو اس کا کفر صریح اور ارتداد واضح تھا۔ کیا بھلا کسی مومن کے لیے یہ حلال ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا وہ فعل جو متواتر کے قریب ہے اسے حرام ٹھہرائے؟ اگر امام اعظم کی نص اس مسئلے میں نہ ہوتی تو بھی علماء وعوام کا فرض تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ سے ایک ثابت شدہ عمل کا اتباع واجب سمجھیں۔ بالفرض اگر امام سے اس کی نفی بھی ثابت ہوجاتی تو بھی صاحب شریعت کا اتباع ہی واجب تھا کیونکہ جو فعل صحیح دلائل سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہو اس کی ترجیح ثابت شدہ لازمی امر ہے۔ اس مسئلے میں تو امام سے بھی نصِ صریح موجود ہے۔ پس سلف وخلف کے اہلِ تدین کا یہی طریقہ ہے۔ جن لوگوں نے لاعلمی کی بناء پر اشارے سے منع کیا ہے ان کو احادیث نہیں پہنچیں، یا فعل و ترک کے دونوں اقسام کی روایات ہیں تو انہوں نے ترک کو اولیٰ کہا۔

۹۹۰۔ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِ الرَّحِيمِ الْبَزَّازُ نَا عَفَّانُ نَا عَبْدُ الْوَاحِدِ بْنُ زِيَادٍ نَا عُثْمَانُ بْنُ حَكِيمٍ نَا عَامِرُ بْنُ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ الزُّبَيْرِ عَنْ أَبِيهِ قَالَ كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا قَعَدَ فِي الصَّلَاةِ جَعَلَ قَدَمَهُ الْيُسْرَى تَحْتَ فَخِذِهِ الْيُمْنَى وَسَاقِهِ فَرَشَ قَدَمَهُ الْيُمْنَى وَوَضَعَ يَدَهُ الْيُسْرَى عَلَى رُكْبَتِهِ الْيُسْرَى وَوَضَعَ يَدَهُ الْيُمْنَى عَلَى فَخِذِهِ الْيُمْنَى وَأَشَارَ بِإِصْبَعِهِ وَأَرَانَا عَبْدُ الْوَاحِدِ وَأَشَارَ بِالسَّبَّابَةِ۔

عبداللہ بن زبیرؓ نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب نماز میں قعدہ کرتے تو اپنا بایاں پاؤں دائیں ران اور پنڈلی کے نیچے رکھتے اور دایاں پاؤں بچھاتے اور اپنا بایاں ہاتھ دائیں گھٹنے پر اور دایاں ہاتھ دائیں ران پر رکھتے اور اپنی انگلی کے ساتھ اشارہ فرماتے تھے۔ عبدالواحد راوی نے شاگردوں کو انگلی سے اشارہ کر کے دکھایا۔ (یہ حدیث مسلم کی کتاب میں بھی آئی ہے اوپر ہر ایک جگہ تورک کی مختلف صورتیں بیان ہوئی تھیں ان میں سے ایک صورت یہ ہے جو یہاں وارد ہے)

۹۹۱۔ حَدَّثَنَا اِبْرَاهِيْمُ بْنُ الْحَسَنِ الْمِصِّيْصِيُّ نَا حَجَّاجٌ عَنِ ابْنِ جُرَيْجٍ عَنْ زِيَادٍ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ عِجْلَانَ عَنْ عَامِرِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ الزُّبَيْرِ اَنَّهٗ ذَكَرَ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يُشِيْرُ بِاِصْبَعِهٖ اِذَا دَعَا وَلَا يُحَرِّكُهَا قَالَ ابْنُ جُرَيْجٍ وَزَادَ عَمْرُو ابْنُ دِيْنَارٍ قَالَ اَخْبَرَنِيْ عَامِرٌ عَنْ اَبِيْهِ اَنَّهٗ رَاَى النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَدْعُوْ كَذٰلِكَ وَيَتَحَامَلُ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِيَدِهِ الْيُسْرٰى عَلٰى فَخِذِهِ الْيُسْرٰى۔

عبداللہ بن زبیرؓ نے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشہد کی دعا ئے توحید میں انگلی کا اشارہ کرتے تھے اور انگلی ہلاتے نہیں تھے۔ اس حدیث میں عمرو بن دینار کی روایت میں یہ اضافہ ہے کہ عبداللہ بن زبیرؓ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو اسی طرح دعا کرنے یعنی انگشتِ شہادت کا اشارہ کرتے دیکھا تھا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے بائیں ہاتھ کا بوجھ بائیں ران پر ڈالتے تھے۔

شرح: اس حدیث میں انگشتِ شہادت کو حرکت نہ دینے کا ذکر صراحۃً موجود ہے اور ابوحنیفہؒ کا مسلک یہی ہے۔ مولاناؒ نے فرمایا کہ بیہقی نے وائل بن حجر کی حدیث روایت کی ہے اس میں انگلی کو حرکت دینے کا واضح ذکر موجود ہے۔ بیہقی نے کہا کہ تحریک سے مراد ممکن ہے مطلقاً رفع سبابہ ہو کیونکہ جب انگلی اٹھائیں تو اسے ایک بار تو حرکت دینا ہی پڑتی ہے، اور بار بار ادھر ادھر یا نیچے اوپر ہلانا شاید مراد نہ ہو۔ سو اس طور پر وائلؓ اور عبداللہ بن زبیرؓ کی احادیث میں موافقت ہو جاتی ہے۔ پھر بیہقی نے عبداللہ بن عمرؓ کی حدیث روایت کی کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: نماز میں انگلی کو حرکت دینا شیطان کو ڈرانے کا ذریعہ ہے۔ پھر بیہقی نے اس حدیث کو ضعیف بتایا کیونکہ اس کا راوی واقدی قوی نہیں اور وہ اس کی روایت میں اکیلا ہے۔ ہمارے نزدیک تحریک اور عدم تحریک کی روایتوں میں تضاد نہیں کیونکہ تحریک سے مراد اٹھاتے وقت اور رکھتے وقت کی حرکت ہے۔ واللہ اعلم۔

۹۹۲۔ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ نَا يَحْيٰى نَا ابْنُ عِجْلَانَ عَنْ عَامِرِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ ابْنِ الزُّبَيْرِ عَنْ اَبِيْهِ بِهٰذَا الْحَدِيْثِ قَالَ لَا يُجَاوِزُ بَصَرُهٗ اِشَارَتَهٗ وَحَدِيْثُ

حَجَّاجٍ اَتَمُّ۔

ایک اور سند سے یہی حدیث، عبداللہ بن زبیرؓ نے کہا، یا یحییٰ راوی نے کہا، کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، یا عبداللہ بن زبیر نے کہا کہ: نمازی کی نگاہ اپنے اشارے سے متجاوز نہ ہو۔ اور حجاج کی حدیث زیادہ کامل ہے اس حدیث کو نسائی نے بھی روایت کیا ہے۔

۹۹۳۔ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللّٰهِ ابْنُ مُحَمَّدٍ النُّفَيْلِيُّ نَا عُثْمَانُ يَعْنِي ابْنَ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ نَا عِصَامُ بْنُ قُدَامَةَ مِنْ بَنِي بُجَيْلَةَ عَنْ مَالِكِ بْنِ نُمَيْرٍ الْخُزَاعِيِّ عَنْ اَبِيْهِ قَالَ رَأَيْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَاضِعًا ذِرَاعَهُ الْيُمْنٰى عَلٰى فَخِذِهِ الْيُمْنٰى رَافِعًا اِصْبَعَهُ السَّبَّابَةَ قَدْ حَنَاهَا شَيْئًا۔

نمیر بن ابی نمیر خزاعیؓ نے کہا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنا دایاں بازو دائیں ران پر رکھے ہوئے اپنی انگشتِ شہادت کو اٹھائے ہوئے دیکھا، انگلی کو آپ نے کچھ جھکایا ہوا تھا۔ یہ حدیث نسائیؒ اور ابن ماجہ میں بھی ہے۔

شرح: اس حدیث کا ایک راوی عثمان بن عبدالرحمان ضعفاء اور مجاہیل سے اکثر روایت کرنے کے باعث ضعیف و متروک قرار دیا گیا ہے۔ اس کا استاد اس سند میں عصام بن قدامہ بجلی ہے۔ وہ بھی متکلم فیہ ہے، قطان نے اس پر اعتراض کیا ہے۔ اسی طرح مالک بن نمیر خزاعی کو بھی مجہول کہا گیا ہے۔ نمیرؓ خزاعی بقول صاحب الاصابہ صحابی ہے۔ یہ حدیث مسند احمد اور بیہقی نے بھی تقریبًا انہی الفاظ سے روایت کی ہے۔

مولاناؒ نے فرمایا کہ رفع سبابہ بہت سی صحیح و حسن احادیث سے ثابت ہے جو حدِ شہرت کو پہنچی ہوئی ہیں۔ خلفاءؓ راشدین اور دیگر اصحاب کا اس پر عمل رہا، تابعین اور سلف صالحین یہی کرتے رہے۔ صحاحِ ستہ اور دیگر کتبِ حدیث وغیرہا اس مضمون پر صراحۃً دلالت کرتی ہیں۔ ائمہ اربعہ کا اس پر اتفاق رہا ہے۔ پس بعض کتبِ متاخرین اور فتاویٰ میں جو رفع سبابہ کی کراہیت کا ذکر آگیا ہے، یہ بالکل ناقابلِ التفات ہے۔ یہ روایات فقہ شاذ ہیں۔ علامہ علی القاریؒ، شیخ عبدالحقؒ دہلوی، شیخ علی متقی، شیخ عبداللہ سندھی مکی، شیخ علم اللہ عبدالرزاق الحنفی نے ان شاذ و ضعیف روایات کا کافی و شافی رد کیا ہے۔ اشارے کی کیفیت میں بھی روایات مختلف ہیں، حنفیہ کا مختار بقول علامہ علی القاری یہ ہے کہ چھوٹی دو انگلیاں قبض کرے، انگوٹھے اور درمیانی انگلی کا حلقہ بنائے اور سبابہ کو اٹھائے، وائل بن حجرؓ کی حدیث میں اسی طرح آیا ہے۔ دو طریقے اور بھی ہیں: ایک یہ کہ چھنگلی سے لے کر درمیانی تک تین انگلیوں کا حلقہ بنائے، سبابہ کو کھلا رکھے اور انگوٹھا اس کی جڑ سے ملائے۔ دوسرا یہ کہ حسب روایت عبداللہ بن زبیرؓ ۲۳ کا اشارہ بنائے یعنی انگوٹھا درمیانی سمٹی ہوئی انگلی کے ساتھ ملائے۔ حنفیہ کے نزدیک قعدہ میں بیٹھتے وقت ہاتھ کھلا رکھے اور اشارہ کے وقت وہ کیفیت بنائے جو اوپر گزری ہے۔ نفی کے وقت انگلی اٹھائے اور اثبات پر رکھ دے اور پھر آخر تک یہی کیفیت رکھے کیونکہ اس کے خلاف ثابت نہیں ہوا۔

بَابُ كَرَاهِيَةِ الِاعْتِمَادِ عَلَى الْيَدِ فِي الصَّلٰوةِ

نماز میں ہاتھ کا سہارا لینے کی کراہیت کا باب۔

۹۹۴۔ حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ حَنْبَلٍ وَأَحْمَدُ بْنُ مُحَمَّدِ بْنِ شَبُّوَيْهِ وَمُحَمَّدُ بْنُ رَافِعٍ وَمُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِ الْمَلِكِ الْغَزَّالُ قَالُوا نَا عَبْدُ الرَّزَّاقِ عَنْ مَعْمَرٍ عَنْ إِسْمٰعِيلَ بْنِ أُمَيَّةَ عَنْ نَافِعٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ نَهَى رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ أَحْمَدُ ابْنُ حَنْبَلٍ أَنْ يَجْلِسَ الرَّجُلُ فِي الصَّلٰوةِ وَهُوَ مُعْتَمِدٌ عَلَى يَدِهِ وَقَالَ ابْنُ شَبُّوَيْهِ نَهَى أَنْ يَعْتَمِدَ الرَّجُلُ عَلَى يَدِهِ فِي الصَّلٰوةِ وَقَالَ ابْنُ رَافِعٍ نَهَى أَنْ يُصَلِّيَ الرَّجُلُ وَهُوَ مُعْتَمِدٌ عَلَى يَدِهِ وَذَكَرَهُ فِي بَابِ الرَّفْعِ مِنَ السُّجُودِ وَقَالَ ابْنُ عَبْدِ الْمَلِكِ نَهَى أَنْ يَعْتَمِدَ الرَّجُلُ عَلَى يَدَيْهِ إِذَا نَهَضَ فِي الصَّلٰوةِ۔

ابن عمرؓ نے کہا کہ، حسب روایت احمد بن حنبلؒ، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس بات سے منع فرمایا کہ آدمی نماز میں سہارا لگا کر بیٹھے۔ ابن شبویہ کی روایت کے مطابق، اس بات سے منع فرمایا کہ آدمی نماز میں ہاتھ پر سہارا لے۔ ابن رافع کی روایت اس بات سے منع فرمایا کہ آدمی ہاتھ پر سہارا لگا کر نماز پڑھے اور ابن رافع نے اس کو باب الرفع من السجود میں ذکر کیا، ابن عبدالملک کی روایت میں اس بات سے منع فرمایا کہ نماز میں اوپر اٹھتے وقت آدمی اپنے دونوں ہاتھوں یا ایک ہاتھ کے سہارے سے اٹھے۔

شرح: اس حدیث میں ابوداؤد کے چار استاد ہیں۔ ان چاروں کی روایت مختلف تو ہے مگر متضاد و متناقض نہیں ہے۔ احمد بن حنبل رحمہ اللہ کا سیاق یہ بتاتا ہے کہ نماز میں جلوس کی حالت میں ہاتھ پر اعتماد کرنا ممنوع ہے۔ اس میں تینوں قعدے شامل ہیں، سجدوں کے درمیان کا قعدہ بھی اور تشہد کے دونوں قعدے بھی۔ احمد بن شبویہ کا سیاق ہاتھ پر مطلق اعتماد کی ممانعت کرتا ہے چاہے وہ جلوس میں ہو یا قیام کی طرف اٹھتے وقت۔ ابن رافع کا سیاق گو عام ہے مگر وہ چونکہ رفع من السجود کے باب میں آیا ہے لہذا اس کی دلالت یہ ہے کہ سجدے سے اٹھتے وقت ہاتھ کا سہارا ممنوع ہے۔ ابن عبدالملک کا سیاق بھی وہی چاہتا ہے جو ابن رافع کا سیاق چاہتا ہے بلکہ یہ بظاہر اس سے بھی زیادہ عام ہے۔

مولاناؒ نے فرمایا کہ ہاتھ پر نماز کی کسی حالت میں مثلاً جلوس میں یا سجدے سے اٹھنے میں بلا عذر سہارا لگانا ہمارے نزدیک مکروہ ہے۔ منتقی الاخبار میں یہ حدیث بھی ہے اور ام قیس بنت محصن کی حدیث بھی کہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب بوڑھے ہوگئے جسم بھاری ہوگیا تو آپ نے نمازگاہ میں ایک سہارا بنایا جس پر اعتماد لگاتے تھے۔ علامہ شوکانی نے کہا ہے کہ ابوداؤد اور منذری ہر دو اس حدیث ابن عمرؓ اور حدیث ام قیس پر کلام سے خاموش رہے ہیں۔ پس یہ

دونوں حدیثیں استدلال و عمل کے لائق ہیں جیسا کہ ائمہ کی ایک جماعت نے صراحت کی ہے۔ لیکن ام قیس رض کی حدیث کی سند میں عبد الرحمان واسطی مجہول ہے۔ ابن عمر رض کی حدیث اپنے تمام الفاظ کے ساتھ یہ دلالت کرتی ہے کہ ہاتھوں پر اعتماد مکروہ ہے جلوس کے وقت بھی، اٹھتے وقت بھی اور مطلق صلوٰۃ میں کسی اور جگہ بھی۔ اور نہی کا ظاہری مفاد تحریم ہے پس جب ہاتھ پر اعتماد کا یہ حال ہے تو کسی اور چیز پر اعتماد تو بدرجۂ اولیٰ اسی حکم میں ہوگا۔ ام قیس رض کی حدیث نماز میں ستون اور عصا وغیرہ پر بحالت عذر مثلاً بڑھاپا، موٹاپا اور ضعف و مرض وغیرہ اعتماد کو جائز بتاتی ہے پس نہی کو غیر حالت عذر پر محمول کیا جائے گا۔ پس بخاری میں جو آیا ہے کہ: جب دوسرے سجدے سے سر اٹھایا تو بیٹھ گئے اور زمین کا سہارا لیا پھر قیام کیا، یہ بھی حالت عذر پر محمول ہے کیونکہ اکابر صحابہ رض سے جلسۂ استراحت کا ترک ثابت ہے۔ مولانا عبد الحی رح لکھنوی نے اکابر صحابہ رض سے جلسۂ استراحت کا ترک نقل کیا مثلاً علی رض، ابن مسعود رض، ابن زبیر رض، عمر بن الخطاب رض، ابن عباس رض اور ابو سعید خدری رض۔ علامہ محب الدین عبد السلام بن تیمیہ سے منقول ہے کہ صحابہ رض جلسۂ استراحت کے ترک پر متفق ہے پس مالک کی حدیث کو عذر پر محمول کیا جانا ناگزیر ہے۔ حدیث کے الفاظ بھی بقول زرقانی (شرح المواہب) اس پر دلالت کرتے ہیں: قیام اور قعود میں مجھ پر سبقت نہ کرو کیونکہ میں بوجھل ہو گیا ہوں۔ سو معلوم ہوا کہ حضور جلسۂ استراحت اس عذر سے کرتے تھے جسے اس قسم کا عذر لاحق ہو ایسا کر سکتا ہے۔

۹۹۵۔ حَدَّثَنَا بِشْرُ بْنُ هِلَالٍ نَا عَبْدُ الْوَارِثِ عَنْ إِسْمٰعِيلَ بْنِ أُمَيَّةَ قَالَ سَأَلْتُ نَافِعًا عَنِ الرَّجُلِ يُصَلِّي وَهُوَ مُشَبِّكٌ يَدَيْهِ قَالَ قَالَ ابْنُ عُمَرَ تِلْكَ صَلٰوةُ الْمَغْضُوبِ عَلَيْهِمْ۔

اسماعیل بن امیہ نے نافع سے پوچھا کہ آیا ہاتھوں کی انگلیاں نماز میں ایک دوسری پر ڈالنا کیسا ہے؟ اس نے ابن عمر رض کا قول بیان کیا کہ یہ یہودیوں کی نماز ہے۔

۹۹۶۔ حَدَّثَنَا هَارُوْنُ بْنُ زَيْدِ بْنِ أَبِي الزَّرْقَاءِ نَا أَبِي ح وَنَا مُحَمَّدُ بْنُ سَلَمَةَ نَا ابْنُ وَهْبٍ وَهٰذَا لَفْظُهُ جَمِيعًا عَنْ هِشَامِ بْنِ سَعْدٍ عَنْ نَافِعٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ أَنَّهُ رَأَى رَجُلًا يَتَّكِئُ عَلَى يَدِهِ الْيُسْرٰى وَهُوَ قَاعِدٌ فِي الصَّلٰوةِ وَقَالَ هَارُوْنُ بْنُ زَيْدٍ سَاقِطٌ عَلَى شِقِّهِ الْأَيْسَرِ ثُمَّ اتَّفَقَا فَقَالَ لَهُ لَا تَجْلِسْ هٰكَذَا فَإِنَّ هٰكَذَا يَجْلِسُ الَّذِيْنَ يُعَذَّبُوْنَ۔

ابن عمر رض سے مروی ہے کہ انہوں نے ایک آدمی کو نماز میں اپنے ہاتھ کا سہارا لیے ہوئے دیکھا جبکہ وہ نماز میں بیٹھا تھا ہارون بن زید راوی نے کہا کہ: وہ اپنے بائیں پہلو پر جھکا ہوا تھا، تو ابن عمر رض نے فرمایا: یوں مت بیٹھ کیونکہ اس طرح وہ

بیٹھیں گے جن کو عذاب ہو رہا ہو گا (یعنی جہنم میں عذاب سے استراحت کے لیے یوں بیٹھیں گے لہٰذا ان کے ساتھ مشابہت جائز نہیں ہے۔ امام احمدؒ کا قول ہے کہ اکثر احادیث سے یہی ثابت ہے کہ استراحت کا جلسہ نہ کرے اور ہاتھوں پر اعتماد کر کے نہ بیٹھے۔ امام مالکؒ اور ابو حنیفہؒ اور ایک روایت میں امام احمدؒ جلسۂ استراحت کے قائل نہیں ہیں۔

شرح: مسند احمدؒ میں ابو سعید خدریؓ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب تم میں سے کوئی مسجد میں ہو تو ہاتھوں کی انگلیاں ایک دوسری میں نہ ڈالے کیونکہ یہ شیطانی فعل ہے۔ علامہ شوکانی نے کہا کہ مسجد میں ایسا کرنے سے نہی کی حکمت میں اختلاف ہوا ہے اور پھر کعب بن عجرہؓ کی حدیث میں مسجد کے علاوہ بھی یہ فعل ممنوع ہے۔ بعض نے کہا کہ نہی اس بنا پر ہے کہ یہ ایک فعلِ عبث ہے اور شیطان کی مشابہت ہے۔ بعض نے کہا کہ یہ فعل شیطان کراتا ہے اور بعض نے کہا کہ اس میں احوال کی تشبیک (خلط ملط) کی دلالت ہے۔ ابن عربی نے کہا کہ میں نے ایک شخص دیکھا جو اس فعل کو دیکھنا مکروہ جانتا تھا اور کہتا تھا کہ اس میں تشبیکِ احوال کی نظیر پائی جاتی ہے۔ لیکن مشکل یہ ہوئی کہ حدیث ذوالیدین میں حضورؐ سے خود مسجد نبوی میں تشبیک ثابت ہوئی ہے۔ عنقریب سنن ابی داؤد میں اس کی طرف اشارہ آئے گا۔ اگر ذوالیدین کی حدیث نہ ہوتی تو نہی کا ظاہری مفاد تو تحریم ہے نیز اس سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ مسجد میں یہ فعل مطلقاً ممنوع ہے، کرنے والا نماز میں ہو یا نہ ہو جیسا کہ نوویؒ نے تہذیب میں جزم کے ساتھ یہی کہا ہے۔ مولاناؒ نے فرمایا کہ حنفیہ کے نزدیک تشبیک نماز میں مکروہ ہے اور اس شخص کے لیے بھی جو نماز کے انتظار میں ہو یا اس کی طرف جا رہا ہو۔ ابن عمرؓ کے قول کا مطلب یہ ہے کہ تشبیک کر کے نماز پڑھنا یہودیوں کا فعل ہے۔

بَابٌ فِي تَخْفِيفِ الْقُعُودِ

قعود میں تخفیف کا باب۔

۹۹۷۔ حَدَّثَنَا حَفْصُ بْنُ عُمَرَ نَا شُعْبَةُ عَنْ سَعْدِ بْنِ إِبْرَاهِيمَ عَنْ أَبِي عُبَيْدَةَ عَنْ أَبِيهِ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ فِي الرَّكْعَتَيْنِ الْأُولَيَيْنِ كَأَنَّهُ عَلَى الرَّضْفِ قَالَ قُلْنَا حَتّٰى يَقُومَ قَالَ حَتّٰى يَقُومَ۔

عبد اللہ بن مسعودؓ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپؐ پہلی دو رکعتوں میں یوں ہوتے تھے گو گرم پتھر پر ہوں۔ ابو عبیدہ کہتا ہے کہ ہم نے کہا: حتی کہ آپ اُٹھتے، عبد اللہ نے کہا: حتی کہ آپ اُٹھتے۔

شرح: اس حدیث کو نسائی اور ترمذی نے بھی روایت کیا ہے کہ: یہ حدیث حسن ہے مگر ابو عبیدہ نے اپنے باپ (عبد اللہ) سے نہیں سنا۔ یہ ابو عبیدہ حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ کا بیٹا ہے اور کہا گیا ہے کہ اس کا نام ہی اس کی کنیت ہے بعض نے نام عامر بتایا ہے (اور سنن ابی داؤد میں عامر کی روایت بھی گزر چکی ہے) بخاری اور مسلم نے اپنی کتابوں

میں اس کی حدیث لی ہے گو اس نے اپنے باپ سے نہیں سُنا۔ عمرو بن مرہ کا بیان ہے کہ میں نے ابوعبیدہ سے پوچھا کیا تمہیں عبداللہ رض سے کوئی چیز یاد ہے؟ اس نے کہا نہیں۔ (مختصر المنذری)

عبداللہ کی اس حدیث کے الفاظ سے مراد یا تو تخفیف قعدۂ اولیٰ ہے جیسا کہ ابوداؤد نے بھی اس پر یہی باب رکھا ہے۔ اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ اس سے مراد پہلی رکعت سے اٹھنا اور تیسری سے اٹھنا ہے (یعنی جب نماز رُباعی ہو یعنی بالفاظ اس سے مراد جلسۂ استراحت کی نفی ہے۔ مگر اس حدیث سے یہ مراد لینا ضعیف ہے۔ جلسۂ استراحت ایک عُذر کی حالت کا فعل ہے جو اگر عُذر سے ہو تو ہمارے نزدیک اس میں حرج نہیں جیسا کہ پہلے گزر چکا ہے۔

بَابٌ فِي السَّلَامِ

سلام کا باب

۹۹۸۔ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ كَثِيرٍ أَنَا سُفْيَانُ ح وَنَا أَحْمَدُ بْنُ يُونُسَ نَا زَائِدَةُ ح وَنَا مُسَدَّدٌ نَا أَبُو الْأَحْوَصِ ح وَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عُبَيْدٍ الْمُحَارِبِيُّ وَزِيَادُ بْنُ أَيُّوبَ قَالَا نَا عُمَرُ بْنُ عُبَيْدٍ الطَّنَافِسِيُّ ح وَنَا تَمِيمُ بْنُ الْمُنْتَصِرِ أَنَا إِسْحَاقُ يَعْنِي ابْنَ يُوسُفَ عَنْ شَرِيكٍ ح وَحَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ مَنِيعٍ نَا حُسَيْنُ بْنُ مُحَمَّدٍ نَا إِسْرَائِيلُ كُلُّهُمْ عَنْ أَبِي إِسْحٰقَ عَنْ أَبِي الْأَحْوَصِ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ وَقَالَ إِسْرَائِيلُ عَنْ أَبِي الْأَحْوَصِ وَالْأَسْوَدِ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يُسَلِّمُ عَنْ يَمِينِهِ وَعَنْ شِمَالِهِ حَتّٰى يُرٰى بَيَاضُ خَدِّهِ اَلسَّلَامُ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ اَلسَّلَامُ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ قَالَ أَبُو دَاوُدَ وَهٰذَا لَفْظُ حَدِيثِ سُفْيَانَ وَحَدِيثُ إِسْرَائِيلَ لَمْ يُفَسِّرْهُ قَالَ أَبُو دَاوُدَ وَرَوَاهُ زُهَيْرٌ عَنْ أَبِي إِسْحَاقَ وَيَحْيَى بْنِ آدَمَ عَنْ إِسْرَائِيلَ عَنْ أَبِي إِسْحَاقَ عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ الْأَسْوَدِ عَنْ أَبِيهِ وَعَلْقَمَةَ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ قَالَ أَبُو دَاوُدَ وَشُعْبَةُ كَانَ يُنْكِرُ هٰذَا الْحَدِيثَ حَدِيثَ أَبِي إِسْحَاقَ أَنْ يَكُونَ مَرْفُوعًا۔

عبداللہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اپنے دائیں اور بائیں سلام کہتے تھے حتیٰ کہ آپ کے رُخسار کی سفیدی دکھائی دیتی تھی: السلام علیکم ورحمۃ اللہ۔ ابوداؤد نے کہا کہ یہ سفیان کی حدیث کا لفظ ہے اور اسرائیل کی (یا شریک کی) حدیث کی اس نے تشریح نہیں کی۔ ابوداؤد نے کہا: اور اس حدیث کو زہیر نے ابواسحاق سے اور یحییٰ بن آدم نے اسرائیل کے واسطے سے ابواسحاق سے اس نے عبدالرحمٰن بن اسود سے اس نے اپنے باپ سے اور علقمہ سے

دونوں نے عبداللہؓ سے روایت کیا۔ ابو داؤد نے کہا اور شعبہ اس حدیث یعنی ابو اسحاق کی حدیث کا انکار کرتا تھا۔

شرح: اس حدیث کو نسائی، ابن ماجہ اور ترمذی نے بھی روایت کیا اور ترمذی نے اسے حسن صحیح کہا ہے۔ اس حدیث کی سند میں پانچ تحویلات ہیں اور ابو داؤد نے ایک ماہر فن کی مانند انہیں جمع کیا ہے اور ان کے کچھ باہمی اختلافات بھی بتائے ہیں۔ علامہ شوکانی نے عبداللہؓ کے الفاظ سے یہ نتیجہ نکالا ہے کہ تسلیم کا مشروع طریقہ یہی ہے کہ پہلے دائیں اور پھر بائیں ہو۔ نووی نے کہا کہ اگر نمازی دونوں سلام دائیں طرف یا دونوں بائیں طرف کہے یا پہلا بائیں طرف دوسرا دائیں طرف کہے تو بھی اس کی نماز صحیح ہو گئی اور دونوں سلام ہو گئے گو کیفیت کی فضیلت جاتی رہی۔ اس مسئلے میں علماء کا اختلاف ہے کہ نماز کے آخر میں دو سلام کہے جائیں یا ایک یا تین۔ جمہور کے نزدیک دو سلام ہیں۔ ابن المنذر نے ان کی حکایت ابو بکر صدیقؓ، علیؓ، ابن مسعودؓ، عمار بن یاسرؓ اور نافع بن عبدالحارثؓ سے صحابہ میں سے، اور تابعین میں سے عطاء بن ابی رباح، علقمہؒ، شعبیؒ اور عبدالرحمان سلمی سے اور ائمہ فقہ میں سے احمدؒ، اسحاقؒ، ابو ثورؒ اور اصحاب رائے سے کی ہے۔ شافعیؒ کا مسلک بھی یہی ہے۔

ایک سلام کے مشروع ہونے کا قول ابن عمرؓ، انسؓ، سلمہ بن اکوعؓ اور عائشہ صدیقہؓ کا صحابہ میں سے، اور حسنؒ، ابن سیرینؒ اور عمر بن عبدالعزیزؒ کا تابعین میں سے اور ائمہ میں سے مالکؒ، اوزاعیؒ وغیرہ کا ہے اور امام شافعیؒ کا ایک قول بھی یہی ہے۔ عبداللہ بن موسیٰ بن جعفر کا مسلک یہ تھا کہ تین سلام واجب ہیں، دائیں، بائیں اور سامنے۔ جن کے نزدیک دو سلام مشروع ہیں ان میں یہ اختلاف ہے کہ دوسرا واجب ہے یا نہیں۔ جمہور کے نزدیک وہ مستحب ہے۔ ابن المنذرؒ نے کہا ہے کہ علماء کا اس پر اجماع ہے کہ جو شخص ایک ہی سلام کہے اس کی نماز جائز ہے۔ نوویؒ نے شرح مسلم میں کہا ہے کہ لائق اعتماد لوگوں کے اجماع سے یہ ثابت ہے کہ واجب صرف ایک سلام ہے۔ اور حق وہی ہے جس کی طرف پہلے لوگ گئے ہیں کیونکہ دو سلاموں کے متعلق کثرت سے احادیث آئی ہیں جن میں سے بعض صحیح اور بعض حسن ہیں، اور ان میں ایک سلام زائد ہے اور ان میں اثبات ہے بخلاف ایک سلام میں وارد ہونے والی احادیث کے، کیونکہ وہ قلیل ہونے کے باوجود ضعیف بھی ہیں اور ان پر اعتماد نہیں کیا جا سکتا۔ اگر ان پر اعتماد کیا بھی جائے تو دو سلاموں کی احادیث کے ساتھ تعارض کے باعث وہ لائق احتجاج نہیں۔ جہاں تک تین سلام کا ذکر ہے شاید اس کے قائل نے یہ سمجھا کہ اس باب میں جو دو سلام ثابت ہیں وہ آئندہ باب کی احادیث والے ایک سلام کے علاوہ ہیں لہٰذا اس نے سب کو جمع کر کے تین سلام بنا ڈالے حالانکہ یہ بات فاسد ہے۔ اور اس سے زیادہ فاسد بات یہ ہے کہ چھوٹی مسجد میں ایک سلام اور بڑی میں دو سلام کہے جائیں۔ (خلاصہ نیل الاوطار شوکانی)

ابو داؤد نے حدیث کی روایت کے بعد جو عبارت بولی ہے اس میں کئی روایات کا حوالہ دیا ہے۔ ان میں سے ایک مسند احمد میں ہے جس میں وضاحت کے ساتھ دونوں سلاموں کا ذکر ہے یعنی دائیں اور بائیں مگر لفظ السلام علیکم ورحمۃ اللہ صرف ایک دفعہ آیا ہے۔ مسند کی دوسری روایت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور ابو بکرؓ و عمرؓ کے دائیں بائیں سلام کا ذکر ہے اور ایک بار السلام علیکم ورحمۃ اللہ کا لفظ بھی ہے (یعنی دونوں طرف یہ لفظ ہوتے تھے) طحاویؒ نے یہی حدیث انہی الفاظ سے روایت کی ہے اور اس میں دو بار السلام علیکم ورحمۃ اللہ کا لفظ ہے۔ اور شعبہ نے جو ابو اسحاق کی حدیث سے انکار کیا اس کا باعث بقول مولانا سہارنپوریؒ شاید یہ ہو کہ اس کی سند میں ابو اسحاق پر

کافی اختلاف واقع ہوا ہے۔ مسند احمد میں شعبہ کی سند سے عن جابر عن ابی الضحیٰ عن مسروق عن عبداللہ عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حدیث وارد ہے جس میں دائیں بائیں سلام کے ذکر کے علاوہ دو مرتبہ السلام علیکم ورحمۃ اللہ السلام علیکم ورحمۃ اللہ آیا ہے مگر اس کی سند میں جابر الجعفی الکوفی الرافضی ضعیف بلکہ کذاب ہے۔

۹۹۹۔ حَدَّثَنَا عَبْدَةُ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ نَا يَحْيَى بْنُ آدَمَ نَا مُوسَى بْنُ قَيْسٍ الْحَضْرَمِيُّ عَنْ سَلَمَةَ بْنِ كُهَيْلٍ عَنْ عَلْقَمَةَ بْنِ وَائِلٍ عَنْ أَبِيهِ قَالَ صَلَّيْتُ مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَكَانَ يُسَلِّمُ عَنْ يَمِينِهِ اَلسَّلَامُ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ وَبَرَكَاتُهُ وَعَنْ شِمَالِهِ اَلسَّلَامُ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ۔

علقمہ بن وائل نے اپنے باپ وائل رضی اللہ عنہ سے روایت کی، وائل رضی اللہ عنہ نے کہا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نماز پڑھی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے دائیں طرف سلام کہتے تھے اَلسَّلَامُ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ وَبَرَكَاتُهُ اور بائیں طرف السلام علیکم ورحمۃ اللہ (کہتے تھے)

شرح: یہ دیکھئے علقمہ بن وائل اپنے باپ وائل رضی اللہ عنہ سے روایت کر رہا ہے۔ بعض متنازعہ فیہ مسائل میں جب احناف اس سند کی کوئی حدیث پیش کریں تو افسوسناک بات ہے کہ کچھ لوگ پنجے جھاڑ کر پیچھے پڑ جاتے ہیں۔ اس روایت کی سند میں ابوداؤد کا استاذ الاستاذ موسیٰ بن قیس حضرمی متکلم فیہ ہے۔ عقیلی نے کہا کہ یہ غالی روافض میں سے ہے، تہذیب میں ہے کہ یہ شخص منکر باطل حدیثیں روایت کرتا تھا۔ جہاں تک اس حدیث میں دائیں طرف کے سلام میں وبرکاتہ، کے اضافہ کا تعلق ہے، نووی رحمہ اللہ نے کہا کہ یہ اضافہ مسنون نہیں اور اس میں ایک حدیث آئی ہے۔ یہ بدعت ہے گو بعض علماء نے اس کی طرف اشارہ کیا۔ کیونکہ اس میں کوئی حدیث صحیح وارد نہیں ہوئی۔ علامہ شوکانی نے نیل الاوطار میں کہا ہے کہ ابوداؤد نے حدیث وائل رضی اللہ عنہ سے وبرکاتہ، کا اضافہ نقل کیا ہے جیسے ابن حبان نے بھی اپنی صحیح میں ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے اور اسی طرح ابن ماجہ نے بھی۔ حافظ ابن حجر نے تلخیص میں کہا ہے کہ ابن الصلاح پر حیرانی ہے جس نے یہ کہا کہ یہ اضافہ کتب حدیث میں کہیں نہیں آیا مگر وائل بن حجر کی حدیث میں۔ نووی نے چونکہ کہا تھا کہ یہ ایک فرد روایت ہے لہذا حافظ نے تلقیح الافکار میں اس کے بہت سے طرق نقل کر دیئے ہیں۔ پھر اس کے بعد کہا ہے کہ یہ کئی طرق ہیں جن میں وبرکاتہ ثابت ہے بر خلاف اس قول کے جو شیخ نووی رحمہ اللہ نے فرمایا تھا۔ حافظ ابن حجر نے بلوغ المرام میں بھی حدیث وائل کو اس اضافے سمیت صحیح قرار دیا ہے۔

مولانا رحمہ اللہ نے فرمایا کہ حافظ کا یہ قول کہ ابن حبان نے اسے اپنی صحیح میں حدیث ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے، تو حدیث ابن مسعود رضی اللہ عنہ کتب حدیث میں پھیلی ہوئی ہے، احمد نے اسے کئی طرق سے روایت کیا ہے اور بیہقی اور طحاوی نے بھی اور اسی طرح وہ صحاح خمسہ میں مروی ہے لیکن کسی نے اس میں اضافہ ذکر نہیں کیا پس یہ اضافہ شاذ ہے۔ اگر ہمیں صحیح ابن حبان مل جاتی تو اس پہ مزید کلام کرتے۔ اور حافظ نے جو ابن ماجہ کا ذکر کیا ہے، ابن ماجہ کے ہندی اور مصری نسخوں میں یہ اضافہ نہیں، کسی اور نسخے میں اگر ہو گا تو شاید الحاقی ہو گا۔ بلوغ المرام میں اس حدیث کی تصحیح کا جواب یہ ہے

کہ اس کی سند میں موسی بن قیس حضرمی بھی ہے جو بقول عقیلی غالی اور روافض میں سے تھا اور بقول حافظ اس کے کلام کا نتیجہ یہ ہے کہ وہ منکر باطل حدیثیں روایت کرتا تھا۔ میزان میں ہے کہ وہ ردی باطل احادیث بیان کرتا تھا۔ پس اس ساری جرح کے باوجود (حافظ صاحب کا اس حدیث کو بلوغ المرام میں صحیح کہنا محض اٹکل ہے۔

۱۰۰۱۔ حَدَّثَنَا عُثْمَانُ بْنُ اَبِیْ شَیْبَۃَ نَا یَحْیَی بْنُ زَکَرِیَّا وَوَکِیْعٌ عَنْ مِسْعَرٍ عَنْ عُبَیْدِ اللّٰہِ بْنِ الْقِبْطِیَّۃِ عَنْ جَابِرِ بْنِ سَمُرَۃَ قَالَ کُنَّا اِذَا صَلَّیْنَا خَلْفَ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَسَلَّمَ اَحَدُنَا اَشَارَ بِیَدِہٖ مِنْ یَمِیْنِہٖ وَمِنْ عَنْ یَسَارِہٖ فَلَمَّا صَلّٰی قَالَ مَا بَالُ اَحَدِکُمْ یُوْمِیْ بِیَدِہٖ کَاَنَّھَا اَذْنَابُ خَیْلٍ شُمْسٍ اِنَّمَا یَکْفِیْ اَحَدَکُمْ اَوْلَا یَکْفِیْ اَحَدَکُمْ اَنْ یَّقُوْلَ ھٰکَذَا وَاَشَارَ بِاِصْبَعِہٖ یُسَلِّمُ عَلٰی اَخِیْہِ مَنْ عَنْ یَّمِیْنِہٖ وَمَنْ عَنْ شِمَالِہٖ۔

جابر بن سمرہؓ نے کہا کہ ہم لوگ جب رسول اللہ علیہ وسلم کے پیچھے نماز پڑھتے اور ہم میں سے کوئی سلام کہتا تو اپنے طرف کو اور بائیں طرف کو اور بائیں طرف کو اپنے ہاتھ سے اشارہ کرتا سو جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز پڑھ لی تو فرمایا: تم میں سے کسی کا کیا حال ہے کہ وہ اپنے ہاتھ سے یوں اشارہ کرتا ہے گویا وہ سرکش گھوڑوں کی دُمیں ہیں، تم میں سے کسی کو یہی کافی ہے، یا یہ فرمایا کہ کیا تم میں سے کسی کو یہ کافی نہیں کہ یوں کہے، اور اپنی انگلی سے اشارہ فرمایا کہ کیا تم میں سے کسی کو یہ کافی نہیں کہ یوں کہے، اور اپنی انگلی سے اشارہ فرمایا، اپنے دائیں والے بھائی اور بائیں والے بھائی کو سلام کرے (یہ حدیث مسلم اور نسائی میں آئی ہے)

شرح: ابوداؤد کی اگلی متصل حدیث میں یہ لفظ آتے ہیں: کیا تم میں سے کسی کو، یا اُن میں سے کسی کو فرمایا، یہ کافی نہیں کہ اپنا ہاتھ ران پر رکھے پھر اپنے بھائی پر دائیں طرف اور بائیں طرف سلام کہے۔ مسلم کے لفظ یہ ہیں: تم میں سے کسی کو یہی کافی ہے کہ اپنا ہاتھ اپنی ران پر رکھے پھر اپنے دائیں طرف والے بھائی کو اور بائیں طرف والے بھائی سلام کہے۔ نسائی کے لفظ یہ ہیں: کیا ان میں سے کسی کو یہ کافی نہیں کہ اپنا ہاتھ اپنی ران پر رکھے اور اپنی انگلی سے اشارہ کرے اور کہے السلام علیکم السلام علیکم۔ ان روایات سے واضح ہوگیا کہ حضورؐ نے اس قول: اَنْ یَّقُوْلَ ھٰکَذَا سے مراد اس کے سوا کچھ نہیں کہ نمازی سلام کے وقت اپنا ہاتھ ران پر رکھے رہے۔

رہا انگلی کا اشارہ سو اس سے مراد واللہ اعلم، رفع سبابہ ہے (یعنی تشہد میں) اور اس کی وضاحت طحاوی کی روایت کرتی ہے جس میں تین امور کا ذکر ہے: (۱) ران پہ ہاتھ رکھنا (۲) انگلی سے اشارہ کرنا (۳) سلام کہنا۔ مسلم اور نسائی کی روایتوں میں صرف دو چیزوں کا ذکر ہے: ران پہ ہاتھ رکھنا اور سلام کہنا۔ ابوداؤد کی روایت میں پہلی چیز کا ذکر تو بطور کنایہ ہے پھر اس نے دوسری کا ذکر کیا پھر تیسری کا ذکر کیا، مگر امام طحاویؒ نے ان تینوں کو جمع کیا اور صراحۃً سب کا ذکر کیا ہے۔ مسند احمد کی روایت سے اس کی تائید ہوتی ہے: تم میں سے کوئی ساکن کیوں نہیں رہتا اور اپنے ہاتھ سے

ران پر رکھے ہوئے) اشارہ کیوں نہیں کرتا، پھر وہ دائیں بائیں اپنے ساتھی پر سلام کہے۔ یعنی انگلی کا اشارہ ہاتھ کو ران پر رکھے ہوئے کرے۔ اور ہو سکتا ہے کہ اشار کی ضمیر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف لوٹتی ہو اور عبارت یوں ہو: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی انگلی سے اشارہ کر کے فرمایا کہ یوں کرے۔ اور یہ بھی ممکن ہے کہ اشارہ بیدہ کا لفظ حضور کے اس قول کا بیان ہو کہ: ان یقول ھکذا۔ اور یہ دونوں جملے تشہد میں اشارۂ سبابہ پر محمول ہیں۔

۱۰۰۱۔ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ سُلَيْمَانَ الْأَنْبَارِيُّ ثَنَا أَبُو نُعَيْمٍ عَنْ مِسْعَرٍ بِإِسْنَادِهِ وَمَعْنَاهُ قَالَ أَمَا يَكْفِي أَحَدَكُمْ أَوْ أَحَدَهُمْ أَنْ يَضَعَ يَدَهُ عَلَى فَخِذِهِ ثُمَّ يُسَلِّمُ عَلَى أَخِيهِ مَنْ عَنْ يَمِينِهِ وَمَنْ عَنْ شِمَالِهِ۔

اسی حدیث کی دوسری روایت۔ فرمایا: کیا تم میں سے کسی کو، یا ان میں سے کسی کو، یہ کافی نہیں کہ اپنا ہاتھ ران پر رکھے پھر اپنے دائیں بائیں اپنے بھائی پر سلام کرے۔

۱۰۰۲۔ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ مُحَمَّدٍ النُّفَيْلِيُّ نَا زُهَيْرٌ نَا الْأَعْمَشُ عَنِ الْمُسَيَّبِ بْنِ رَافِعٍ عَنْ تَمِيمٍ الطَّائِيِّ عَنْ جَابِرِ بْنِ سَمُرَةَ قَالَ دَخَلَ عَلَيْنَا رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَالنَّاسُ رَافِعُوا أَيْدِيهِمْ قَالَ زُهَيْرٌ أُرَاهُ قَالَ فِي الصَّلٰوةِ. فَقَالَ مَا لِي أَرَاكُمْ رَافِعِي أَيْدِيكُمْ كَأَنَّهَا أَذْنَابُ خَيْلٍ شُمُسٍ أُسْكُنُوا فِي الصَّلٰوةِ۔

جابر بن سمرہ نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہم پر داخل ہوئے اور لوگوں نے اپنے ہاتھ اٹھا رکھے تھے، زہیر راوی نے کہا کہ میرے خیال میں میرے استاد اعمش نے فی الصلوٰۃ کا لفظ بولا، یعنی نماز میں۔ حضور نے فرمایا: کیا بات ہے کہ میں تمہیں یوں ہاتھ اٹھاتے دیکھتا ہوں گویا وہ سرکش گھوڑوں کی دُمیں ہیں، نماز میں سکون اختیار کرو (یہ حدیث مسلم اور نسائی نے بھی بیان کی ہے)

شرح: نسائی کے الفاظ یہ ہیں کہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے پاس گھر سے باہر تشریف لائے اور ہم نے نماز میں ہاتھ اٹھائے ہوئے تھے۔ مولانا نے فرمایا کہ ہم اس حدیث پر باب رفع الیدین میں گفتگو کر چکے ہیں جسے یہاں نہیں دہراتے۔ اور جو حدیث اسی باب میں عبید اللہ بن قبطیہ عن جابرؓ بن سمرہ کی روایت سے گزری ہے اس میں یہ ہے کہ ہم لوگ حضورؐ کے پیچھے نماز پڑھ رہے تھے۔ اور اس میں سلام کے وقت رفع الیدین کا ذکر ہے جس سے حضورؐ نے منع فرمایا۔ یہ موجودہ حدیث تمیم الطائی عن جابر بن سمرہ رض کی روایت سے ہے اور اس میں حضورؐ کے گھر سے تشریف لا کر مسجد میں داخل ہونے کا ذکر ہے، نیز اس میں یہ لفظ ہیں کہ لوگ نماز میں ہاتھ اٹھائے ہوئے تھے، اس سے واضح ہے کہ یہ دو واقعات ہیں اور دوسری حدیث میں یہ لفظ: اُسکُنُوا فی الصلوٰۃ صراحۃً بتایا ہے کہ یہاں پر جس رفع الیدین نے

ممانعت آئی ہے وہ نماز میں رفع الیدین تھا نہ کہ سلام کے وقت۔ اوپر ہم نے حضرت شیخ الاسلام عثمانی سے بھی فتح الملہم نقل کیا ہے کہ یہ دو واقعات تھے اور دو مواقع کے رفع الیدین سے ممانعت ہو رہی ہے سلام کے وقت بھی اور نماز میں بھی۔ حدیث تو یہی کہہ رہی ہے اگر کوئی جھگڑا کرے تو اس کی مرضی۔

بَابُ الرَّدِّ عَلَى الْإِمَامِ

امام پر ردّ سلام کا باب

۱۰۰۳۔ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عُثْمَانَ أَبُو الْجَمَاهِرِ نَا سَعِيدُ بْنُ بَشِيرٍ عَنْ قَتَادَةَ عَنِ الْحَسَنِ عَنْ سَمُرَةَ قَالَ أَمَرَنَا النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنْ نَرُدَّ عَلَى الْإِمَامِ وَأَنْ نَتَحَابَّ وَأَنْ يُسَلِّمَ بَعْضُنَا عَلَى بَعْضٍ۔

سمرہؓ نے کہا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں حکم دیا کہ امام کے سلام کا جواب دیں اور باہم محبت کریں اور ایک دوسرے کو سلام کہیں (اس حدیث کو ابن ماجہ نے مختصراً روایت کیا ہے)

شرح: اس حدیث کی سند میں سعید بن بشیر ازدی شامی ضعیف راوی ہے۔ حسنؒ کا سماع سمرہؓ سے ثابت ہے۔ اس پہ بحث گزر چکی ہے۔ ردّ علی الامام کا مطلب یہ ہے کہ سلام کے وقت امام کی نیت کریں کہ وہ ہمارے سلام میں داخل ہے۔ پیچھے گزر چکا کہ دائیں بائیں اپنے بھائیوں پہ سلام کہا جائے۔ امام دائیں طرف ہو تو پہلے سلام میں اسے شامل کرنے کی نیت کی جائے، بائیں طرف ہو تو دوسرے سلام میں۔ پس نمازی کو اگر مقتدی ہو تو امام اور دوسرے نمازیوں کی نیت کرنا چاہیئے۔ باہم محبت نمازوں اور تمام اہل اسلام کو مشتمل ہے کہ ان سے اخلاق حسنہ سے پیش آئیں، نصیحت کریں، ان کے لیے دعا کریں، وقت پر ان کی معاونت کریں ایک دوسرے کو سلام بھی نماز اور غیر نماز میں سب کو شامل ہے۔ مسلم کا دوسرے پر حق ہے کہ اُسے سلام کیا جائے۔ افسوس یہ سنت ترک ہوتی جاتی ہے۔

بَابُ التَّكْبِيرِ بَعْدَ الصَّلٰوةِ

نماز کے بعد تکبیر کا باب۔

۱۰۰۴۔ حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ عَبْدَةَ أَنَا سُفْيَانُ عَنْ عَمْرٍو عَنْ أَبِي مَعْبَدٍ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ كَانَ يُعْلَمُ انْقِضَاءُ صَلٰوةِ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِالتَّكْبِيرِ۔

ابن عباسؓ نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز کا اختتام تکبیر سے معلوم ہوتا تھا (یہ حدیث بخاری، مسلم، نسائی اور مسند احمد میں بھی آئی ہے)

شرح: امام نووی نے کہا ہے کہ بعض سلف کے اُس قول کی دلیل ہے کہ بآواز بلند ذکر کرنا فرض نماز کے بعد

مستحب ہے۔ متاخرین میں سے ابن حزم ظاہری نے بھی اسے مستحب بتایا ہے، ابن بطال وغیرہ نے کہا ہے کہ سب فقہی مذاہب والے اس بات پر متفق ہیں کہ بلند آواز سے ذکر اور تکبیر مستحب نہیں ہے۔ امام شافعی رحمہ اللہ نے فرمایا کہ اس حدیث کا یہ مطلب نہیں کہ ہمیشہ ہی اختتام نماز پر بالجہر ذکر ہوتا تھا کبھی کبھی تعلیماً ہوتا تھا میں اس بات کو امام اور مقتدی کے لیے پسند کرتا ہوں کہ نماز سے فارغ ہو کر مخفی ذکر کریں۔ امام اگر تعلیماً بالجہر کرے تو جائز ہے اور جب لوگ سیکھ جائیں تو مخفی کرے۔ حنفیہ صرف ان مواضع پر بالجہر ذکر کے قائل ہیں جہاں ایسا ثابت ہے مثلاً منیٰ وغیرہ میں تکبیرات تشریق اور اس حدیث کو بھی اسی پر محمول کیا جا سکتا ہے۔ عید اور تشریق کی تکبیروں کی تضاد اسی لیے حنفیہ کے نزدیک واجب نہیں ہے۔ جو لوگ کچھ خود ساختہ اذکار بالجہر اجتماعی طور پر کرنے کو فضیلت کا باعث جانتے ہیں اور نہ کرنے والوں پر نکیر کرتے ہیں وہ اس حدیث پر عمل سے بے بہرہ اور خارج ہیں۔

۵۰۰۱- حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ مُوسَى الْبَلْخِيُّ نَا عَبْدُ الرَّزَّاقِ أَخْبَرَنِي ابْنُ جُرَيْجٍ أَنَا عَمْرُو بْنُ دِينَارٍ أَنَّ أَبَا مَعْبَدٍ مَوْلَى ابْنِ عَبَّاسٍ أَخْبَرَهُ أَنَّ رَفْعَ الصَّوْتِ لِلذِّكْرِ حِينَ يَنْصَرِفُ النَّاسُ مِنَ الْمَكْتُوبَةِ كَانَ ذٰلِكَ عَلَى عَهْدِ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَأَنَّ ابْنَ عَبَّاسٍ قَالَ كُنْتُ أَعْلَمُ إِذَا انْصَرَفُوا بِذٰلِكَ وَأَسْمَعُهُ.

ابن عباسؓ نے خبر دی کہ فرض نماز کے بعد باواز بلند ذکر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں تھا، ابن عباسؓ نے کہا کہ میں ان کے نماز کا اختتام اس سے جانتا اور اسے سنتا تھا (یہ حدیث بخاری اور مسلم میں بھی ہے)

شرح: امام نووی نے کہا کہ چھوٹا بچہ ہونے کے باعث بعض دفعہ ابن عباسؓ نماز میں حاضر نہ ہوتے ہوں گے۔ صحیح مسلم میں ہے کہ عمرو بن دینار نے اس حدیث کا ذکر ابو معبد (راوی حدیث جو ابن عباسؓ کا غلام تھا) سے کیا تو اس نے اس کا انکار کیا اور کہا کہ میں نے یہ حدیث تجھے نہیں سنائی تھی۔ عمرو کا بیان ہے کہ وہ قبل ازیں یہ حدیث مجھے بتا چکا تھا نووی نے کہا کہ امام مسلم نے جو اس حدیث کو صحیح جانا اور اس کی روایت کی اس میں یہ دلیل ہے کہ ان کے نزدیک راوی کے حدیث روایت کر چکنے کے بعد اگر وہ اس کا انکار بھی کرے تو حدیث اس شرط کے ساتھ صحیح ہے کہ اس سے روایت کرنیوالا ثقہ ہو۔ جمہور محدثین و فقہاء اور اہل اصول اس پر متفق ہیں۔ لیکن یہ اس وقت ہے جبکہ محدث کو شک ہو جائے یا بھول جائے یا کہے کہ مجھے یاد نہیں کہ میں نے یہ حدیث تجھے سُنائی تھی۔ ابو حنیفہؒ کے اصحاب میں سے کرخی نے اس کا انکار کیا ہے اور کہا ہے کہ ایسی حدیث لائق حجت نہیں۔ لیکن جب محدث یقینی طور پر انکار کر کے کہے کہ تم جھوٹ کہتے ہو، میں نے یہ حدیث تمہیں ہرگز نہیں سنائی تو سب علماء کے نزدیک ایسی حدیث لائق احتجاج نہیں رہتی، کیوں کہ دونوں میں ہر ایک کا یقین دوسرے کے یقین سے تعارض رکھتا ہے، اور چونکہ استاد اصل ہے اس لیے اس صورت میں ایسی حدیث کا اسقاط واجب ہے۔ لیکن دوسری مرویات جو اس راوی نے اسی محدث کے حوالے سے بیان کی ہوں ان میں قدح نہیں ہوگی کیونکہ تحقیق سے اس کا کذب معلوم نہیں ہے۔

بَابُ حَذْفِ السَّلَامِ

سلام کو لمبا نہ کرنے کا باب۔

۱۰۰۶۔ حَدَّثَنَا اَحْمَدُ بْنُ حَنْبَلٍ حَدَّثَنِي مُحَمَّدُ بْنُ يُوسُفَ الْفِرْيَابِيُّ نَا الْاَوْزَاعِيُّ عَنْ قُرَّةَ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ عَنِ الزُّهْرِيِّ عَنْ اَبِي سَلَمَةَ عَنْ اَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَذْفُ السَّلَامِ سُنَّةٌ۔

ابوہریرہؓ نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: سلام کو حذف کرنا سنت ہے۔ (اس حدیث کے حاشیے پر نسخۂ مکتوبہ اور مجتبائیہ میں یہ عبارت بھی ہے: عیسیٰ نے کہا کہ ابن المبارک نے مجھے اس حدیث کو مرفوع بیان کرنے سے منع کیا۔ ابو داؤد نے کہا کہ میں نے ابو عمیر عیسیٰ بن یونس فاخوری رملی سے سُنا کہ جب فریابی مکہ سے لوٹا تو اس نے اس حدیث کو مرفوع بیان کرنا چھوڑ دیا اور کہا کہ اُسے احمد بن حنبلؒ نے اس کے رفع سے منع کر دیا ہے۔ یہ حدیث ترمذی میں بھی ہے اور اس نے اسے حسن صحیح کہا ہے)

شرح: اس حدیث کا ایک راوی قرہ بن عبدالرحمٰن بن حیوئیل بصری معافری ہے تو صادق القول مگر اس کی کچھ منکر روایات بھی ہیں۔ حذف کا معنی ہے لمبا نہ کرنا۔ ابن المبارک سے ترمذی نے بحوالۂ علی بن حجر نقل کیا ہے کہ سلام کو مد سے نہ کھو۔ ابراہیم نخعیؒ سے مروی ہے کہ تکبیر جزم ہے اور سلام جزم ہے۔ یعنی سلام کو قطع کر کے فوراً کہہ دے لمبا نہ کرے۔ اگر یہ حدیث مرفوع نہیں ہے تو بھی صحابی کا یہ قول کہ فلاں کام سنت ہے مرفوع حدیث کے حکم میں ہے

بَابُ اِذَا اَحْدَثَ فِي صَلَاتِهٖ يَسْتَقْبِلُ

باب اس بیان میں کہ جب کوئی نماز میں بے وضو ہو جائے۔

۱۰۰۷۔ حَدَّثَنَا عُثْمَانُ بْنُ اَبِي شَيْبَةَ نَا جَرِيرُ بْنُ عَبْدِ الْحَمِيدِ عَنْ عَاصِمٍ الْاَحْوَلِ عَنْ عِيسَى بْنِ حِطَّانَ عَنْ مُسْلِمِ بْنِ سَلَّامٍ عَنْ عَلِيِّ بْنِ طَلْقٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا فَسَا اَحَدُكُمْ فِي الصَّلٰوةِ فَلْيَنْصَرِفْ فَلْيَتَوَضَّأْ وَلْيُعِدْ صَلَاتَهٗ۔

علی بن طلقؓ نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: نماز میں جب تم میں سے کسی کی ہوا خارج ہو جائے تو نماز چھوڑ دے اور وضو کرے اور نماز کا اعادہ کرے (یہ حدیث ترمذی، نسائی اور ابن ماجہ میں بھی ہے۔

ترمذی نے اسے حسن کہا ہے۔ ابوداؤد اس سے قبل کتاب الطہارت میں اسے نمبر ۲۰۵ پر درج کر چکے ہیں اور اس کے متعلق مناسب گفتگو وہاں گزر چکی ہے)

بَابٌ فِي الرَّجُلِ يَتَطَوَّعُ فِي مَكَانِهِ الَّذِي صَلَّى فِيهِ الْمَكْتُوبَةَ

فرض کے مقام پر نفل ادا کرنے والے شخص کا باب۔

۱۰۰۸۔ حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ نَا حَمَّادٌ وَعَبْدُ الْوَارِثِ عَنْ لَيْثٍ عَنِ الْحَجَّاجِ بْنِ عُبَيْدٍ عَنْ اِبْرَاهِيمَ ابْنِ اِسْمٰعِيلَ عَنْ اَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَيَعْجِزُ اَحَدُكُمْ قَالَ عَنْ عَبْدِ الْوَارِثِ اَنْ يَتَقَدَّمَ اَوْ يَتَاَخَّرَ اَوْ عَنْ يَمِيْنِهِ اَوْ عَنْ شِمَالِهِ زَادَ فِي حَدِيْثِ حَمَّادٍ فِي الصَّلٰوةِ يَعْنِي فِي السُّبْحَةِ۔

ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کیا تم میں سے کوئی ایسا کرنے سے عاجز ہوتا ہے کہ نماز میں آگے بڑھ جائے یا پیچھے ہٹ جائے یا دائیں یا بائیں ہو جائے، یعنی نفل نماز میں (ابن ماجہ نے بھی اسے روایت کیا ہے)

شرح: ابوحاتم نے ابراہیم کو مجہول کیا ہے۔ بخاری نے اس حدیث کی سند کو غیر صحیح کہا ہے۔ ابراہیم بن اسماعیل کو اسماعیل بن ابراہیم بھی کہا گیا ہے۔ بخاری نے انہیں ایک ہی شخصیت کہا ہے مگر ابوحاتم رازی اور ابن حبان نے فرق کیا ہے حدیث کا مطلب یہ ہے کہ جہاں فریضہ ادا کریں وہاں نفل نہ پڑھیں بلکہ ادھر ادھر یا آگے پیچھے ہو جائیں۔ بخاری نے باب مکث الامام فی مصلاہ میں کہا ہے کہ ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً بیان کیا جاتا ہے کہ امام اپنی جگہ پر نفل نہ پڑھے مگر یہ صحیح نہیں ہے۔ ابن ماجہ کے لفظ یہ ہیں: کیا تم میں سے کوئی ایسا کرنے سے عاجز ہوتا ہے کہ جب نماز پڑھے تو آگے بڑھے الخ بیہقی کی ایک روایت کے الفاظ ہیں: جب تم میں سے کوئی فرض کے بعد نفل پڑھنا چاہے تو آگے بڑھ جائے یا پیچھے ہو جائے یا دائیں بائیں کو ہو جائے۔ بیہقی کی دوسری روایت میں ہے: کیا تم میں سے کوئی ایسا نہیں کر سکتا کہ جب فرض پڑھ کر نفل پڑھنا چاہے تو آگے بڑھ جائے یا پیچھے ہٹ جائے یا دائیں کو بدل جائے یا بائیں طرف کو ہو جائے۔ بخاری نے راوی کا نام ابراہیم بن اسماعیل کے بجائے اسماعیل بن ابراہیم ہونا صحیح تر کہا ہے یہ اضطراب لیث بن ابی سلیم کا ہے جو روایت میں متفرد ہے۔ حافظ ابن حجر نے مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ کی مرفوع حدیث کا ذکر کیا ہے جس کے لفظ یہ ہیں کہ: امام نے جہاں فریضہ ادا کیا ہو وہاں پر نفل نہ پڑھے جب تک کہ وہاں سے ادھر ادھر نہ ہو جائے۔ اس کی سند منقطع ہے اور ابوداؤد نے اسے روایت کیا ہے۔

مولانا رحمہ اللہ نے فرمایا کہ بقول بیہقی ابوداؤد نے کہا کہ عطا خراسانی کی ملاقات مغیرہ رضی اللہ عنہ سے نہیں ہوئی۔ شوکانی نے کہا کہ منذری کہتا ہے: جس سال مغیرہ رضی اللہ عنہ کی وفات ہوئی، اسی سال عطا خراسانی پیدا ہوا تھا یعنی مشہور روایت میں ۵۰ھ خطیب نے کہا کہ علماء کا اس پر اجماع ہے، اور بعض نے کہا کہ مغیرہ رضی اللہ عنہ کی وفات سے ایک سال قبل اس کی پیدائش ہوئی

تھی۔ رہا حنفیہ کا مذہب اس مسئلہ میں، سو بدائع میں ہے: جس نماز کے بعد سنت ہو اس میں بیٹھے رہنا مکروہ ہے۔ یہ کراہت صحابہؓ سے مروی ہے مثلاً حضرات ابوبکرؓ وعمرؓ عنہما فرض سے فارغ ہوتے ہی اٹھ کھڑے ہوتے تھے۔ گویا کہ گرم پتھروں پر بیٹھے ہوں۔ پس نمازی نہ ٹھہرے بلکہ اٹھ کھڑا ہو اور اس جگہ سے ہٹ جائے پھر نفل پڑھے، کیونکہ ابوہریرہؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کیا تم میں سے کوئی ایسا نہیں کر سکتا کہ جب نماز سے فارغ ہو تو آگے پیچھے ہو جائے۔ اور ابن عمرؓ نے جس جگہ امام نے فرض پڑھائے ہوں وہیں اس کا نفل ادا کرنا مکروہ قرار دیا تھا کیونکہ اس سے باہر سے آنے والے پر معاملہ مشتبہ ہو جاتا ہے۔ پس اشتباہ کے ازالے کے لیے یا اپنے گواہ زیادہ کرنے کے لیے وہاں سے ہٹ جائے کیونکہ مروی ہے کہ نماز گاہ بروز قیامت گواہی دے گی یہ تو ہے امام کا مسئلہ۔ مقتدیوں کے متعلق حنفیہ کے بعض مشائخ نے کہا کہ چونکہ ان کے باعث اشتباہ نہیں ہوتا لہٰذا نقل مکانی نہ کرنے میں حرج نہیں کیونکہ آنے والا جب امام کو اس کی جگہ پر نہ پائے تو اسے اشتباہ نہیں ہو سکتا۔ امام محمد بن الحسنؒ نے قوم کو بھی انتقال مکان مستحب بتایا ہے، کہ وہ صفیں توڑ دیں اور ادھر ادھر ہو جائیں کیونکہ حدیث ابی ہریرہؓ کا یہی مفہوم ہے۔

۱۰۰۹۔ حَدَّثَنَا عَبْدُ الْوَهَّابِ ابْنُ نَجْدَةَ نَا اَشْعَثُ بْنُ شُعْبَةَ عَنِ الْمِنْهَالِ ابْنِ خَلِيفَةَ عَنِ الْاَزْرَقِ بْنِ قَيْسٍ قَالَ صَلَّى بِنَا إِمَامٌ لَنَا يُكْنَى اَبَا رِمْثَةَ فَقَالَ صَلَّيْتُ هٰذِهِ الصَّلٰوةَ اَوْ مِثْلَ هٰذِهِ الصَّلٰوةِ مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ وَكَانَ اَبُوْ بَكْرٍ وَعُمَرُ يَقُوْمَانِ فِي الصَّفِّ الْمُقَدَّمِ عَنْ يَمِيْنِهِ وَكَانَ رَجُلٌ قَدْ شَهِدَ التَّكْبِيْرَةَ الْاُوْلٰى مِنَ الصَّلٰوةِ فَصَلّٰى نَبِيُّ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ثُمَّ سَلَّمَ عَنْ يَمِيْنِهِ وَعَنْ يَسَارِهِ حَتّٰى رَأَيْنَا بَيَاضَ خَدَّيْهِ ثُمَّ انْفَتَلَ كَانْفِتَالِ اَبِيْ رِمْثَةَ يَعْنِيْ نَفْسَهُ فَقَامَ الرَّجُلُ الَّذِيْ اَدْرَكَ مَعَهُ التَّكْبِيْرَةَ الْاُوْلٰى مِنَ الصَّلٰوةِ يَشْفَعُ فَوَثَبَ اِلَيْهِ عُمَرُ فَاَخَذَ بِمَنْكِبَيْهِ فَهَزَّهُ ثُمَّ قَالَ اجْلِسْ فَاِنَّهُ لَمْ يُهْلِكْ اَهْلَ الْكِتَابِ اِلَّا اَنَّهُمْ لَمْ يَكُنْ بَيْنَ صَلَوَاتِهِمْ فَصْلٌ فَرَفَعَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَصَرَهُ فَقَالَ اَصَابَ اللّٰهُ بِكَ يَا ابْنَ الْخَطَّابِ۔

ازرق بن قیس نے کہا کہ ہمارے ایک امام نے ہمیں نماز پڑھائی جس کی کنیت ابو رمثہ تھی، پس اس نے کہا کہ میں نے یہی نماز یا اس جیسی نماز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ پڑھی تھی۔ اس نے کہا کہ ابوبکرؓ وعمرؓ پہلی صف میں حضورؐ کے دائیں ہاتھ کھڑے ہوتے تھے۔ اور ایک آدمی نماز کی پہلی تکبیر میں حاضر تھا، پس اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز پڑھائی پھر اپنے دائیں اور بائیں طرف سلام کہا حتیٰ کہ ہم نے آپ کے رخساروں کی سفیدی

دیکھ لی، پھر حضورؐ نے منہ پھیرا جس طرح کہ ابو رمثہ نے پھیرا ہے، یعنی وہ خود، پس وہ آدمی اٹھا جس نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نماز کی پہلی تکبیر پائی تھی، تاکہ دو نفل پڑھے، پس عمرؓ تیزی سے اس کی طرف اٹھے، اس کے کندھے پکڑے اور اسے ہلایا، پھر کہا: بیٹھ جا کیونکہ اہل کتاب برباد نہ ہوئے تھے مگر اس سبب سے کہ ان کی نمازوں میں فاصلہ نہ ہوتا تھا۔ پس نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی آنکھ اٹھائی اور فرمایا: اے خطاب کے بیٹے اللہ نے تجھ سے درست کام کرایا یا کہلوایا ہے۔ (سنن ابی داؤد کے ہندی نسخوں میں یہ عبارت نہیں بعض اور نسخوں میں موجود ہے: قال ابو داؤد: وقد قیل ابو امیہ مکان ابی رمثہ" ابو داؤد نے کہا کہ ابو رمثہ کے بجائے ابو امیہ بھی کہا گیا ہے۔ منذری کا قول ہے کہ کہ ابو رمثہ کا نام رفاعہ بن یثربی تیمی تھا، تیم الرباب میں سے یا تیمی کوفی بھی کہا گیا ہے۔

اس حدیث کا راوی اشعث بن شعبہ مصیصی متکلم فیہ ہے۔ ازدی نے اسے ضعیف کہا اور ابو زرعہ نے نرم کہا ہے ابو داؤد نے اسے ثقہ کہا ہے اور ابن حبان نے اسے ثقات میں درج کیا ہے۔ مولاناؒ نے فرمایا ہے کہ ابن الاثیر نے اُسد الغابہ میں، حافظ نے تہذیب اور اصابہ میں یہی حدیث ابو ریمہ کے تحت میں درج کی ہے حافظ صاحب کہتے ہیں کہ ابو ریمہ صحابی کو ابن حبان نے ذکر کیا ہے مگر اس کا کوئی حال اور اتہ پتہ معلوم نہیں ہو سکا۔ ویسے وہ بصری شمار ہوتا ہے۔ ابو مندہ اور ابو نعیم نے ابو ریمہ کے حوالے سے یہی ابو داؤد والی حدیث بیان کی ہے اور اس کا مضمون یہی ہے جو ابو داؤد میں ہے۔ مولانا فرماتے ہیں کہ مجھے ابو داؤد کے جتنے نسخے دیکھنے کا موقع ملا ہے ان میں ابو رمثہ کا لفظ ہے۔ مثلاً ایک نسخہ خطیب بغدادی کے ہاتھ کا لکھا ہوا، دوسرا فضل بن طاہر کا لکھا ہوا، تیسرا ابن الاعرابی کا چوتھا ابن ابی ذئب کی روایت کا اور پانچواں رملی کی روایت والا، اور اسی طرح حاکم نے مستدرک میں اسے روایت کیا ہے۔ اسی طرح معجم طبرانی میں اسے ابو رمثہ کی سند میں لکھا گیا ہے۔ ابن حبان نے ابو ریمہ کا نام لکھا ہے اور آگے کچھ نہیں لکھا۔

جناب عمر فاروقؓ کے قول: فانہ لم یھلک اھل الکتاب الخ کا بنیادی مطلب یہ ہے کہ جب کسی قوم میں فرائض ونوافل کا امتیاز مٹ جائے تو وہ ہلاک ہو جاتی ہے کیونکہ یہ چیز اسے دین کی معرفت سے بیگانہ بنا دیتی ہے حصنہ ہ نے بڑے شدید الفاظ میں جو بدعت کی مذمت اور رد کیا ہے اس کا بھی یہی مطلب ہے۔

بَابٌ فِي سَجْدَتَيِ السَّهْوِ

دو سجدوں میں سہو کا باب

۱۰۱۰۔ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عُبَيْدٍ نَا حَمَّادُ بْنُ زَيْدٍ عَنْ أَيُّوبَ عَنْ مُحَمَّدٍ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ صَلَّى بِنَا رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِحْدَى صَلَاتَيِ الْعَشِيِّ الظُّهْرَ أَوِ الْعَصْرَ قَالَ فَصَلَّى بِنَا رَكْعَتَيْنِ ثُمَّ سَلَّمَ ثُمَّ قَامَ إِلَى خَشَبَةٍ فِي مُقَدَّمِ الْمَسْجِدِ فَوَضَعَ يَدَيْهِ عَلَيْهَا إِحْدَاهُمَا عَلَى الْأُخْرَى يُعْرَفُ فِي وَجْهِهِ الْغَضَبُ ثُمَّ

خَرَجَ سَرَعَانُ النَّاسِ وَهُمْ يَقُولُونَ قُصِرَتِ الصَّلوٰةُ قُصِرَتِ الصَّلوٰةُ وَفِي النَّاسِ أَبُوبَكْرٍ وَعُمَرُ فَهَابَاهُ أَنْ يُكَلِّمَاهُ فَقَامَ رَجُلٌ كَانَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُسَمِّيهِ ذَا الْيَدَيْنِ فَقَالَ يَا رَسُولَ اللهِ أَنَسِيتَ أَمْ قُصِرَتِ الصَّلوٰةُ قَالَ لَمْ أَنْسَ وَلَمْ تُقْصَرِ الصَّلوٰةُ قَالَ بَلْ نَسِيتَ يَا رَسُولَ اللهِ فَأَقْبَلَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلَى الْقَوْمِ فَقَالَ أَصَدَقَ ذُو الْيَدَيْنِ فَأَوْمَؤُا أَيْ نَعَمْ فَرَجَعَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِلَى مَقَامِهِ فَصَلَّى الرَّكْعَتَيْنِ الْبَاقِيَتَيْنِ ثُمَّ سَلَّمَ ثُمَّ كَبَّرَ وَسَجَدَ مِثْلَ سُجُودِهِ أَوْ أَطْوَلَ ثُمَّ رَفَعَ وَكَبَّرَ ثُمَّ كَبَّرَ وَسَجَدَ مِثْلَ سُجُودِهِ أَوْ أَطْوَلَ ثُمَّ رَفَعَ وَكَبَّرَ قَالَ فَقِيلَ لِمُحَمَّدٍ سَلَّمَ فِي السَّهْوِ فَقَالَ لَمْ أَحْفَظْهُ مِنْ أَبِي هُرَيْرَةَ وَلَكِنْ نُبِّئْتُ أَنَّ عِمْرَانَ بْنَ حُصَيْنٍ قَالَ ثُمَّ سَلَّمَ۔

ابوہریرہؓ نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں زوال کے بعد کی دو نمازوں ظہر اور عصر میں ایک نماز پڑھائی، ابوہریرہؓ نے کہا کہ حضورؐ نے ہمیں دو رکعتیں پڑھائیں پھر سلام کہا پھر مسجد کے دروازے کے پاس ایک لکڑی کی طرف تشریف لے گئے اور اپنے ہاتھ اس پر رکھے اس طرح کہ ایک ہاتھ دوسرے کے اوپر تھا، آپ کے چہرے پر ناراضگی نمایاں تھی، پھر جلدی جانے والے لوگ باہر نکل گئے اور وہ کہتے تھے: نمازیں کمی ہو گئی، نمازیں کمی ہو گئی۔ اور لوگوں میں ابو بکرؓ و عمرؓ بھی تھے۔ وہ دونوں حضرات آپ سے مارے ہیبت کے بات نہ کر سکے، پس ایک آدمی کھڑا ہوا جسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ذوالیدین کہا کرتے تھے۔ اس نے کہا کہ یا رسول اللہ کیا آپ بھول گئے ہیں یا نماز میں کمی ہو گئی ہے؟ حضورؐ نے فرمایا: نہ میں بھولا نہ نماز میں کمی ہوئی ہے۔ اس نے کہا یا رسول اللہ بلکہ آپ بھول گئے ہیں۔ پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کی طرف منہ کر کے فرمایا: کیا ذوالیدین ٹھیک کہتا ہے؟ پس لوگوں نے اشارے سے بتایا کہ ہاں ٹھیک کہتا ہے۔ پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی جگہ پر واپس لوٹے اور باقی دو رکعتیں پڑھیں پھر سلام کہا پھر تکبیر کہی اور اپنے سجدے کی مانند یا اس سے طویل تر سجدہ کیا، پھر سر اٹھایا اور تکبیر کہی، پھر تکبیر کہی اور سجدہ کیا جو پہلے سجدے جیسا یا اس سے طویل تر تھا پھر سر اٹھایا اور تکبیر کہی۔ ایوب راوی حدیث نے کہا کہ میرے شیخ محمد سے کہا گیا کہ حضورؐ نے سجدۂ سہو کے بعد سلام کہا؟ اس نے کہا یہ بات مجھے ابوہریرہؓ سے تو یاد نہیں مگر مجھے بتایا گیا ہے کہ عمران بن حصین نے کہا پھر سلام کہا۔

شرح: اس حدیث کو دیگر سب صحاح کے مؤلفین: بخاری، مسلم، نسائی، ترمذی، ابن ماجہ نے بھی روایت کیا ہے۔ شوکانی نے کہا کہ بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ ابوہریرہؓ اس واقعہ میں موجود تھے اور طحاوی نے اسے مجاز پر محمول کیا ہے اور صلّٰی بنا کا مطلب صلّٰی بالمسلمین لیا ہے اس کا سبب یہ ہے کہ ذوالیدین بقول زہری جنگ بدر میں شہید ہوا

تھا اور یہ واقعہ ابو ہریرہ رضؓ کے اسلام سے پانچ سال سے زائد عرصہ پہلے کا ہے. شوکانی نے کہا کہ ابن عبد البر وغیرہ کی نقل کے مطابق باتفاقِ ائمہ حدیث زہری کو اس میں وہم ہوا ہے۔ ظہر یا عصر کا شک: ابن سیرین کو ہے نہ کہ ابو ہریرہ رضؓ کو کیونکہ مسند احمد کی روایت میں وضاحت ہے کہ ابو ہریرہ رضؓ نے اس نماز کا نام لیا تھا مگر محمد بن سیرین بھول گیا۔ طحاوی میں ہے کہ: میرا ظن غالب یہ ہے کہ ابو ہریرہ رضؓ نے ظہر کا نام لیا تھا۔ مگر نسائی کی روایت میں ہے کہ ابو ہریرہ رضؓ نے نماز کا نام لیا تھا مگر مجھے بھول گیا ہے۔ اس ضمن میں روایات مختلف ہیں، بعض میں شک کے ساتھ ہے جیساکہ اس روایت میں. مسلم کی ایک روایت میں نمازِ عصر کی تعیین ہے مسلم کی دوسری روایت میں ظہر کی تعیین ہے۔ حافظ ابن حجر نے اختلاف کا سبب راویوں کو ٹھہرایا ہے، اور اس سے زیادہ بعید بات یہ ہے کہ اسے قصہ کے متعدد ہونے پر محمول کیا جائے. بلکہ نسائی کی ایک روایت میں شک ابو ہریرہ رضؓ کا ہے. پس ظاہر تر یہ ہے کہ ابو ہریرہ رضؓ نے ہی اسے کئی بار شک کے ساتھ روایت کیا تھا، پھر کبھی غلبۂ ظن ظہر کا ہوگیا اور کبھی عصر کا۔ اس کی تعیین میں ابن سیرین کو بھی شک ہوا ہے۔ اس کا باعث وہ احکام شرعیہ تھے جو اس قصے میں ہیں، ان کے اہتمام میں یہ شک ہوا۔ مگر عمران رضؓ کی حدیث میں جو خرباق کے قصے میں ہے صرف یہی روایت ہوتی ہے کہ وہ نماز عصر تھی۔ پس اگر ہم کہیں کہ یہ ایک ہی قصہ تھا تو ابو ہریرہ رضؓ کی حدیث میں جن لوگوں نے عصر کی تعیین کی ہے وہ درست کہتے ہیں۔

مولانا رحؒ نے فرمایا کہ حافظ ابن حجر کا یہ قول درست نہیں معلوم ہوتا کہ نسائی کی روایت میں شک کی نسبت ابو ہریرہ رضؓ کی طرف ہوئی ہے۔ کیونکہ نسائی کا جو نسخہ ہمارے پاس ہے اس میں ہے کہ: ہمیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بعد از زوال کی دو نمازوں میں سے کوئی ایک پڑھائی قَالَ قَالَ اَبُوْهُرَيْرَةَ وَ لٰكِنِّيْ نَسِيْتُ ۔ یعنی دوبارہ قال آیا ہے اور لکنی سے پہلے وَ بھی ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ: محمد ابن سیرین نے کہا کہ ابو ہریرہ رضؓ نے کہا (یعنی نماز کا نام لیا تھا)، لیکن مجھے (یعنی ابن سیرین کو) بھول گیا ہے۔ پس اس بناء پر یہ کلام ابو ہریرہ رضؓ کے شک پر دلالت نہیں کرتا۔ مولانا رحؒ نے فرمایا کہ حافظ کے اس قول میں بھی کلام ہے کہ عمران رضؓ کی حدیث میں نماز عصر کی تعیین میں راویوں کا کوئی اختلاف نہیں۔ وجہ یہ کہ بیہقی کی روایت میں ہے کہ: عمران بن حصین سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ظہر یا عصر کی نماز تین رکعت پڑھائی۔ پس اس حدیثِ عمران میں بھی یہ شک موجود ہے۔

مسجد کے پاس پڑی ہوئی جس لکڑی کا یہاں ذکر ہے وہ مسجد کے قبلہ میں پڑی تھی اور شائد یہ وہی کھجور کا تنا تھا جس سے حضور ﷺ منبر بننے سے قبل سہارا لگایا کرتے تھے، بعض شارحین نے یہ بات یقین سے کہی ہے۔ چہرۂ انور پر جو آثار غضب نمایاں تھے وہ یا تو نماز میں شک اور تردد کی بناء پر تھے یا کسی اور بات پر غصہ تھا جو شک و تردد کا باعث بنا۔ ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما کا تقرب تو اظہر من الشمس ہے مگر یہ حضرات مزاج شناس نبوت تھے لہٰذا غلبۂ محبت و احترام کے باعث ہیبت کے مارے نہ بولے۔ ذوالیدین پر اس وقت حصول علم اور رفع خلجان کا غلبہ تھا لہٰذا وہ بول پڑا۔ مولانا رحؒ نے فرمایا کہ حضور ﷺ کی حالتِ غضب کو دیکھ کر ان حضرات کو بولنے کی جرأت نہ ہوئی جیساکہ حدیث شفاعت میں ہے کہ میدان حشر میں غضبِ الٰہی کی شدت انبیاء علیہم السلام کو آگے بڑھنے اور بات کرنے سے مانع ہوگی۔ یہ بات اس پر دلالت کرتی ہے کہ ذوالیدین کا قصہ جس زمانے میں پیش آیا تھا اس وقت نماز میں کلام جائز تھا۔

کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو یہی حادثہ پیش آیا تھا اور انہوں نے اس عمل نبوی کے خلاف کیا تھا جو ذوالیدین کے قصہ میں ہوا، حالانکہ عمر رضی اللہ عنہ خود اس قصۂ ذی الیدین میں موجود تھے۔

طحاوی رحمہ اللہ نے معانی الآثار میں عطاء کی ایک مرسل حدیث بیان کی ہے کہ جناب عمر رضی اللہ عنہ نے بھی اسی طرح نماز پڑھائی مگر دو رکعت پر سلام پھیر دیا۔ اُن سے کہا گیا تو فرمایا: میں نے عراق سے ایک قافلہ سارے ساز و سامان سمیت روانہ کیا حتیٰ کہ وہ مدینہ میں آ پہنچا۔ پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے لوگوں کو چار رکعات پڑھائیں۔ شیخ نیموی نے کہا کہ یہ ایک جید مرسل ہے۔

ذوالیدین کا اصل نام خرباق تھا جیسا کہ حضرت عمران رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے کہ خرباق کو اس کے ہاتھوں کی لمبائی کے باعث ذوالیدین کہتے تھے۔ ابن قتیبہ کا بیان ہے کہ وہ دونوں ہاتھوں سے یکساں کام کرتا تھا اس لیے اسے ذوالیدین کہا جاتا تھا۔ چونکہ اس کا یہ مشہور نام تھا اور وہ اسے برا نہ مانتا تھا لہٰذا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی اسے ذوالیدین فرمایا۔ ذوالیدین کو ذوالشمالین بھی کہتے تھے۔ اوپر ہم حضرت الاستاذ شیخ الاسلام عثمانی رحمہ اللہ سے مدلل نقل کر چکے ہیں کہ یہ دونوں نام نسائی، بزار، طبرانی، ابن ماجہ، مسند عدنی کی روایات کے مطابق ایک ہی شخصیت کے تھے علاوہ ازیں دونوں کا نسب ایک ہے، ذوالیدین کو خرباق بن عبد عمرو بن نضلہ بتایا گیا ہے اور ذوالشمالین کو بھی ابن عبد عمرو ابن نضلہ کہا گیا ہے۔ حضرت نے فرمایا کہ حدیث و سیر کے علماء متفق ہیں کہ ذوالشمالین رضی اللہ عنہ جنگ بدر میں شہید ہوا تھا۔ ابن اسحاق کی مغازی میں ہے کہ: وہ خزاعی ہے، کنیت ابو محمد تھی، بنی زہرہ کا حلیف تھا۔ اس کا باپ مکہ میں آیا اور عبدالحارث بن زہرہ کا حلیف بنا۔ جنگ بدر میں شامل ہوا اور شہید ہوا۔ اس کے قاتل کا نام اُسامہ جشمی تھا۔

اس حدیث سے نووی رحمہ اللہ نے یہ استدلال کیا ہے کہ احکام شرع میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو نسیان ہو سکتا تھا مگر اس پر قیام و دوام نہ ہوتا تھا بعض کے نزدیک تو تنبیہ فوراً ہوتی تھی اور امام الحرمین وغیرہ کا خیال ہے کہ اگر ضرورت نہ ہو تو وفات شریف سے قبل تک تنبیہ لازم نہیں۔ اس حدیث سے یہ بھی پتہ چل گیا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جب لوگوں سے سوال فرمایا کہ: کیا ذوالیدین نے درست کہا؟ تو لوگوں نے اشارے سے اُس کی تائید کی۔ جن احادیث میں یہ وارد ہے کہ: انہوں نے کہا ہاں! یا یہ کہ انہوں نے کہا: ذوالیدین سچ کہتا ہے، ان کا مطلب یہی لیا جائے گا کہ ان حضرات نے اشارے سے ہاں کا جواب دیا، ممکن ہے بعض نے زبان سے بھی کہا ہو۔

حافظ ابن حجر نے شاید محض حنفیہ کے رد کی خاطر اس بات کو زہری کا وہم قرار دے دیا کہ ذوالیدین اور ذوالشمالین ایک ہی شخص کے نام تھے حالانکہ یہ روایت نسائی وغیرہ میں ثابت ہے اور اوپر ہم نے حضرت شیخ الاسلام عثمانی رحمہ اللہ کے حوالہ سے (فتح الملہم) اس کے دلائل کا ذکر کیا ہے۔ جن لوگوں نے ان کو دو شخص قرار دیا ہے ان کی دلیل یہ بھی ہے کہ ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت سے اس کا موقع پر موجود ہونا معلوم ہوتا ہے اور ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کا اسلام جنگ بدر کے پانچ سال بعد ہوا تھا، سو یہ دو قصے ہیں جن میں سے ذوالشمالین کے واقعہ میں ابوہریرہ رضی اللہ عنہ موجود نہ تھے اور ذوالیدین کے واقعہ میں موجود تھے۔ آثار السنن علامہ شیخ نیموی نے اس کا کیا ہی محققانہ جواب دیا ہے کہ ایک روایت میں جو ابوہریرہ رضی اللہ عنہ واحد متکلم کے صیغہ سے کہتے ہیں کہ: اس اثنا میں کہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نماز پڑھ رہا تھا الخ

یہ کسی راوی کی روایت بالمعنی کا نتیجہ ہے ورنہ مسلم نے اس حدیث کو پانچ سندوں سے بیان کیا ہے۔ دو طرق میں یہ لفظ ہیں: صَلّٰی بِنَا، یعنی بصیغۂ جمع متکلم۔ ایک طریق میں لنا کا لفظ ہے۔ ایک طریق میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دو رکعتیں پڑھیں، ایک طریق میں ہے کہ: اس اثنا میں کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نماز پڑھ رہا تھا۔ اس طریق میں یحیی بن ابی کثیر متفرد ہے اور ابوسلمہ اور ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کے کئی شاگردوں نے اس کی مخالفت کی ہے، پس یہ کیسے قبول کیا جا سکتا ہے کہ ابوہریرہ رضی اللہ عنہ اس حدیث میں یہ کہیں: بینما اَنَا اُصَلِّیْ۔ اس حدیث میں مدارِ بحث و استدلال اس بات پر موقوف ہے کہ ذوالیدین اور ذوالشمالین ایک ہی شخص تھا جو جنگ بدر میں شہید ہوا۔ ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے اسے نہیں پایا کیونکہ ان کا اسلام ۷ھ کو ہوا تھا۔ ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث مراسیلِ صحابہ میں سے ہے جیسی کہ بدء الوحی کی پہلی حدیث (صحیح بخاری) حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے مگر بالاتفاق وہ مراسیلِ صحابہ میں سے ہے۔ امام طحاوی رحمہ اللہ نے معانی الاثار میں ابن عمر رضی اللہ عنہ کی روایت بیان کی ہے کہ ان کے سامنے ذوالیدین کی حدیث کا ذکر ہوا تو انہوں نے کہا کہ ابوہریرہ رضی اللہ عنہ تو ذوالیدین کے قتل کے بعد ایمان لائے تھے۔ اس حدیث کے تمام راوی ثقہ ہیں سوائے عمری کے جسے جرح و قدح میں تشدد کرنے والوں نے ضعیف کہا ہے مثلاً نسائی اور ابن حبان، مگر احسن قول اس کے متعلق ذہبی کا میزان میں ہے کہ وہ صدوق تھا مگر اس کے حفظ میں کچھ کمی تھی، گویا اس کی حدیث درجۂ حسن سے نہیں گرتی۔ مسلم نے عمری کی حدیث روایت کی ہے۔ ہیثمی نے مجمع الزوائد میں سعید المقبری سے نقل کیا ہے کہ عمری کی حدیث حسن ہوتی ہے۔ ذہبی نے میزان میں دارمی سے نقل کیا ہے کہ میں نے ابن معین سے پوچھا کہ نافع سے روایت میں عمری کا کیا حال ہے؟ تو اس نے کہا: صالحٌ ثقۃٌ۔ معلوم رہے کہ طحاوی کی روایت عمری عن نافع ہے لہٰذا وہ بہت حسن ہے۔

ذوالیدین اور ذوالشمالین کا ایک ہی شخصیت ہونا اوپر ہم بحوالہ فتح الملہم بیان کر چکے ہیں۔ یہی بحث شیخ نیموی رحمہ اللہ نے آثار السنن میں بہت مدلل انداز میں کی ہے۔ اس میں طبقات ابن سعد اور مبرد کی الکامل کا حوالہ بھی ہے۔ ابن ہشام نے سیرت میں شہدائے بدر کے ناموں کا جہاں ذکر کیا ہے، وہاں یہ بھی لکھا ہے کہ: ذوالشمالین ابن عبد عمرو بن نضلہ خزاعی شہدائے بدر میں سے تھا۔ بیہقی نے کتاب المعرفۃ میں کہا ہے: ذوالشمالین جو ابن عبد عمرو بن نضلہ تھا، بنی خزاعہ میں سے تھا اور بنی زہرہ کا حلیف تھا، جنگ میں شہید ہوا۔ اس طرح باقی تمام اہل مغازی اور عروہ بن زبیر نے بھی کہا ہے۔ زہری جو علم حدیث کے ارکان میں سے ہے اور مغازی کا سب لوگوں سے زیادہ عالم تھا، اس نے صراحت کی ہے کہ ذوالیدین کا قصہ جنگ بدر سے پہلے کا ہے۔ زہری کا قول ابن حبان نے بھی اپنی صحیح میں نقل کیا ہے اور آخر میں ہے کہ: ثُمَّ اُحْكِمَتِ الْاُمُوْرُ بَعْدُ "پھر اس کے بعد امور مضبوط کئے گئے" یعنی اس کے بعد نماز میں کلام کی ممانعت کی گئی۔ علامہ ابن الترکمانی نے الجوہر النقی میں اس کی موافقت ابن وہب سے نقل کی ہے کہ: حدیث ذوالیدین کا قصہ ابتدائے اسلام میں ہوا تھا۔

علامہ نیموی رحمہ اللہ نے ان وجوہ کے ذکر کے بعد فرمایا کہ ان سے ثابت ہو گیا کہ ذوالیدین ہی ذوالشمالین تھا جو جنگ بدر میں شہید ہوا تھا اور ابوہریرہ رضی اللہ عنہ اس واقعہ میں موجود نہ تھے۔ لیکن اس پہ کئی طرح سے اعتراض وارد کیا گیا ہے۔ ابو عوانہ نے اپنی صحیح میں کہا ہے کہ ذوی الیدین اور ذوالشمالین دو الگ الگ آدمی تھے، کیونکہ یہ ذوالیدین جسے

بعض نے خرباق کہا ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد بھی زندہ رہا اور ذی خشب کے مقام پر جناب عمرؓ کے زمانے میں فوت ہوا تھا۔ اور ذوالشمالین ابن عمرو بنی زہرہ کا حلیف تھا۔ ابن مندہ نے کہا ہے کہ ذوالیدین وادی القریٰ کا ایک شخص تھا، اسے خرباق بھی کہا جاتا تھا اور وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے کے آخر میں اسلام لایا تھا اور سہو اُحد کے بعد ہوا تھا جس میں ابوہریرہؓ موجود تھے۔ ابوہریرہؓ نے حضورؐ کے زمانے میں سے چار سال پائے تھے اور ذوالیدین بنی سُلیم میں سے تھا جبکہ ذوالشمالین اہل مکہ میں سے تھا اور جنگ بدر میں شہید ہوا تھا۔ اس کی شہادت اس واقعہ سہو سے پہلے ہو گئی تھی۔ یہ خزاعہ کا ایک آدمی تھا جو بنی امیہ کا حلیف تھا، زہری کو اس میں وہم ہوا تھا کہ اس نے ذوالیدین کو ذوالشمالین کر دیا۔ بیہقی نے معرفت میں کہا ہے کہ زہری کو ذوالشمالین میں وہم ہوا تھا، دراصل واقعہ ذوالیدین کا تھا، ذوالشمالین تو جنگ بدر میں اس واقعہ سے پہلے شہید ہو گیا تھا درانحالیکہ ذوالیدین جیساکہ کہا جاتا ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد بھی زندہ رہا تھا۔ عبدالبر نے تمہید میں کہا ہے کہ زہری کے اس قول کی کسی نے تائید نہیں کی کہ حضورؐ سے بات کرنے والا ذوالشمالین تھا کیونکہ ابن اسحاق وغیرہ کے قول میں وہ جنگ بدر میں شہید ہو چکا تھا۔ ابن الاثیر جزری نے اسدالغابہ میں کہا ہے کہ ذوالیدین کا نام خرباق تھا، مدینہ کے قریب ذی خشب کے مقام پر اترا کرتا تھا اور وہ ذوالشمالین نہیں ہے، ذوالشمالین خزاعی ہے جو بنی زہرہ کا حلیف تھا اور جنگ بدر میں شہید ہوا تھا اور ذوالیدین کافی دیر تک زندہ رہا حتیٰ کہ بعض متاخرین تابعین نے بھی اس سے روایت کی ۔ سہیلی نے الروض الانف میں زہری کے جو دو رکعت پر سلام والی حدیث میں کہا ہے کہ وہ ذوالشمالین زہری تھا، یہ محدثین کے نزدیک غلط ہے، وہ تو ذوالیدین سُلمی تھا جس کا نام خرباق تھا درانحالیکہ ذوالشمالین جنگ بدر میں شہید ہو چکا تھا۔ اس حدیث کے موقع پر ابوہریرہؓ حاضر تھے جو بدر کے کئی سال بعد اسلام لائے۔ اور ذوالیدین سُلمی خلافت امیر معاویہؓ میں فوت ہوا تھا اور یہ حدیث اس سے اس کے بیٹے مطیر بن الخرباق نے روایت کی ہے اور اس سے شعیب بن مطیر نے۔ اور مبرد نے زہری کی حدیث کو دیکھ کر کہہ دیا تھا کہ ذوالیدین ہی ذوالشمالین تھا اور اس کے یہ دونوں نام تھے، اس نے یہ بات اپنی کتاب الکامل کے اواخر میں لکھی اور وہ محدثین کے قول سے بے خبر تھا۔

اور حافظ ابن حجر نے فتح الباری میں کہا ہے کہ ائمہ حدیث کا اس پر اتفاق ہے جیساکہ ابن عبدالبر وغیرہ نے لکھا ہے کہ زہری کو اس میں وہم ہوا ہے۔ اور زیادہ تر محدثین، کتابوں کے مصنف ہوں یا نہ، اس پر متفق ہیں کہ ذوالشمالین اور ہے اور ذوالیدین اور ہے، اور امام شافعیؒ نے اختلاف الحدیث میں اس کی صراحت کی ہے۔ شیخ نیمویؒ نے فرمایا کہ ان سب حضرات کی گفتگو کا ماحصل یہ ہے کہ زہری کو ذوالیدین کے بجائے ذوالشمالین کا لفظ بولنے میں وہم ہوا تھا اور جو بدر میں قتل ہوا تھا وہ ذوالشمالین تھا نہ کہ ذوالیدین۔ اور ان کا استدلال اس امر پر کئی وجوہ سے ہے: (۱) ذوالیدین کا نام حسب حدیث مسلم بروایت عمرانؓ، خرباق تھا اور اس کے ہاتھ لمبے تھے مگر ذوالشمالین کا نام عمیر تھا۔ (۲) مسلم کی ایک روایت کے مطابق ذوالیدین سُلمی تھا اور مجمع الجوامع میں سیوطی کی روایت اور کنزالعمال میں علی المتقی کی روایت اس کی مؤید ہے (۳) ذوالیدین نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد تک زندہ رہا تھا اور تابعین میں سے بھی متاخرین نے اس سے روایت کی، اور اس پر انہوں نے دو روایتوں سے استدلال کیا ہے: ۱۔ ایک وہ روایت جو عبداللہ بن احمد نے زیادات المسند میں روایت کی اور طبرانی نے معجم کبیر میں اور کچھ اور لوگوں نے بھی اپنی تصانیف میں، جس کا طریق یہ

ہے: سعد بن سلیمان ۔ شعیب بن مطیر ۔ مطیر ۔ اور مطیر موجود تھا جو شعیب کی بات کی تصدیق کرتا تھا، مطیر نے کہا: میں نے تجھے کیا حدیث بتائی تھی؟ اس نے کہا کہ ابا جان آپ نے بتایا تھا کہ ذوالیدین آپ کو ذی خشب میں ملا اور اس نے آپ کو بتایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز عصر پڑھائی الخ۔ ب۔ دوسری وہ روایت جو ابوبکر بن ابی شیبہ نے عمرو بن مہاجر کے طریق سے بیان کی ہے کہ محمد بن سوید نے لوگوں سے ایک دن قبل ہی صوم رمضان کو چھوڑ دیا تو عمر بن عبدالعزیز نے اس پر نکیر کی۔ اس نے کہا کہ فلاں نے میرے پاس گواہی دی کہ اس نے چاند دیکھا ہے۔ عمرؒ نے کہا کہ کیا وہ ذوالیدین تھا؟ (۴) خرباق کی حدیث مسلم وغیرہ نے عمرانؓ بن حصین سے روایت کی ہے حالانکہ وہ خیبر کے زمانے میں اسلام لائے تھے (۵) ابوہریرہؓ اس قصہ میں موجود تھے اور ان کا قول: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں نماز پڑھائی اس کی دلیل ہے۔

شیخ نیمویؒ نے کہا کہ بڑی حیرت کی بات ہے کہ یہ حضرات وہم کو زہری سے منسوب کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ وہ ذوالشمالین کے ذکر میں متفرد ہے حالانکہ اوپر گزر چکا ہے کہ ذوالیدین اور ذوالشمالین کا ایک ہونا حدیث ابن عباسؓ میں بھی ہے جو مسند بزار اور طبرانی میں ہے۔ اور کئی اہل علم کے اقوال سے یہی ثابت ہوتا ہے (مثلاً ابن سعد، ابن حبان اور ابوالعباس مبرّد وغیرہ) اور نسائی اور طحاوی کی روایت میں عمران بن ابی انس نے عن ابی سلمہ عن ابی ہریرہؓ اس کی متابعت کی ہے۔ علامہ ابن الترکمانی نے الجواہر النقی میں کہا ہے کہ یہ سند مسلم کی شرط پر صحیح ہے۔ اور طحاوی نے معانی الآثار میں جو حدیث روایت کی ہے اس کی سند بھی صحیح ہے۔ اور بعض جہلا نے جو یہ علت بیان کی ہے کہ یزید بن ابی حبیب ارسال کیا کرتا تھا، یہ مردود ہے کیونکہ ارسال کرنے والا مدلّس کی مانند نہیں ہوتا کہ اس کے عنعنہ کا اعتبار نہ کیا جائے۔ بخاری و مسلم دونوں نے یزید بن ابی حبیب کے عنعنہ پر اعتماد کیا ہے۔ پس اس سے ان لوگوں کا قول باطل ہو گیا جو کہتے ہیں کہ اس روایت میں ذوالشمالین کا ذکر زہری کے سوا کسی نے نہیں کیا۔

اب رہے زہری کے وہم کے دلائل، سو ان کا جواب بفضلہ تعالیٰ یہ ہے (۱) حدیث سہو میں کلام کرنے والے شخص کو خرباق، عمیر، ذوالیدین اور ذوالشمالین سب ناموں سے پکارا جاتا تھا، بلکہ عبداللہ بھی کہا گیا ہے۔ علامہ ابن الاثیر نے جامع الاصول میں کہا ہے کہ خرباق سلمی کا نام عمیر بن عبد عمرو تھا اور کنیت ابو محمد۔ اسے ذوالیدین اور ذوالشمالین کہا جاتا تھا اور خرباق اس کا لقب تھا۔ اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ یہ دو شخص تھے۔ شیخ محمد طاہر نے اپنی کتاب المغنی میں کہا ہے کہ خرباق کا نام عمیر بن عبد عمرو تھا اور اسے ذوالیدین اور ذوالشمالین کہتے تھے۔ اور کہا گیا ہے کہ دو آدمی تھے۔ سمعانی نے اپنی کتاب الانساب میں کہا ہے کہ: ذوالشمالین لقب تھا عبداللہ بن عمرو بن نضلہ خزاعی مکی کا۔ اور وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا صحابی تھا اور اسے ذوالشمالین کہتے تھے کیونکہ وہ دونوں ہاتھوں سے کام کرتا تھا۔ اور یہ ابوہریرہؓ کا قصہ ہے اور اس سے مطیر نے بھی روایت کی ہے۔ اور اسی کی تائید دارمی کی روایت سے ہوتی ہے کہ: پس ذوالشمالین نے اسے کہا جو عبداللہ بن عمرو بن نضلہ خزاعی تھا اور بنی زہرہ کا حلیف تھا۔

ب۔ دوسرے اعتراض کا جواب یہ ہے کہ ذوالیدین بھی بنی خزاعہ میں سے تھا جیسا کہ ابن سعد نے طبقات میں اور ابن حبان نے ثقات میں صراحت کی ہے اور ان کی عبارتیں اوپر گزر رہیں۔ ابو محمد الخزاعی کی بات بھی اس کی دلیل ہے کہ: ذوالیدین ہمارے اجداد میں سے ایک تھا۔ اور یہ ثابت ہو چکا ہے کہ ذوالشمالین کے کسی جدّ کا نام سلیم تھا۔ ابن ہشام

نے سیرت میں جنگ بدر کے شرکاء کے باب میں کہا ہے کہ ابن اسحاق نے کہا کہ: ذوالشمالین ابن عبد عمرو بن نضلہ بن غبشان ابن سلیم بن ملکان ابن افصی بن حارثہ بن عمرو بن عامر خزاعی تھا۔

ج۔ تیسرے اعتراض کا جواب یہ ہے کہ عبداللہ بن احمد وغیرہ نے جو حدیث ذی الیدین کو معدی بن سلیمان۔ شعیب بن مطیر۔ مطیر سے بیان کی ہے تو یہ ضعفاء کی زنجیر ہے۔ معدی بن سلیمان کے متعلق ذہبی نے میزان میں کہا ہے کہ ابوزرعہ نے اسے واہی الحدیث کہا۔ نسائی نے اسے ضعیف کہا۔ ابن حبان نے کہا کہ اس سے استدلال جائز نہیں۔ حافظ نے تقریب میں اسے ضعیف کہا ہے۔ رہا شعیب بن مطیر سو اس کا کوئی اتہ پتہ نہیں، غیر معروف۔ مطیر کے متعلق ذہبی نے میزان میں کہا کہ بقول بخاری اس کی حدیث صحیح نہیں۔ حافظ نے تقریب میں اسے مجہول الحال کہا ہے۔ پس ثابت ہوا کہ یہ سند نہایت ضعیف ہے جو ضعفاء و مجاہیل پر مشتمل ہے۔ یہ اپنے سے قوی تر سند کا ہرگز معارضہ نہیں کر سکتی۔ اس سند کے ضعف کی وجہ سے ہی بیہقی نے المعرفت میں کہا ہے کہ: کہا جاتا ہے کہ ذوالیدین نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد زندہ رہا۔ ابن ابی شیبہ کی روایت محمد بن سوید سے ہے کہ عمر بن عبدالعزیزؒ نے چاند دیکھنے والے کا سن کر کہا کہ کیا ذوالیدین ہے؟ سو اس روایت کا اس باب میں کوئی دخل نہیں۔ البتہ اس سے اظہارِ تعجب ہوتا ہے کہ "ایسا شخص کیا ذوالیدین تو نہیں؟" اور یہ بات حیرت ناک ہے کہ ذوالیدین کی اتنی درازئ زندگی کا دعویٰ کرنے والے اس سے مطیر کے سوا کوئی اور روایت کنندہ نہ بتا سکے! اور وہ مطیر بھی مجہول ہے اور اس کا بیان کردہ افسانہ بھی "طلسم ہوشربا" کی قسم کا ہے۔

د۔ چوتھے اعتراض کا جواب یہ ہے کہ عمرانؓ سے کوئی روایت ایسی نہیں آئی جس سے یہ ثابت ہو کہ وہ ذوالیدین کے قصہ میں موجود تھے۔ نسائی وغیرہ نے عمرانؓ کی حدیث کو: صَلّٰی بِہِم۔ حضورؐ نے انہیں نماز پڑھائی۔ کے الفاظ سے بیان کیا ہے۔ بظاہر اس سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ وہ بھی اس واقعہ میں موجود نہ تھے اور ان کی حدیث بھی مرسلاتِ صحابہ میں سے ہے۔

ھ۔ پانچویں اعتراض کا جواب یہ ہے کہ زہری کی طرف وہم منسوب کرنے کی یہ معترضین کے پاس قوی ترین دلیل ہے۔ مگر طحاویؒ نے اس کا یہ جواب دیا ہے کہ اس میں: صَلّٰی بِنَا "ہمیں نماز پڑھائی" کا لفظ مجازاً آیا ہے: صَلّٰی بِالْمُسْلِمِیْنَ۔ حضورؐ نے اہل اسلام کو نماز پڑھائی۔ اور یہ لغت میں جائز ہے۔ جیسا کہ نزالؒ کا قول ہے: قَالَ لَنَا رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ، حالانکہ اس نے حضورؐ کو نہیں پایا! اور اسی طرح طاؤسؒ کا قول: قَدِمَ عَلَیْنَا مُعَاذُ بْنُ جَبَلٍ "معاذ بن جبلؓ ہمارے پاس آئے" حالانکہ طاؤسؒ اس واقعہ میں حاضر نہ تھے۔ اسی طرح حسن بصریؒ کا قول ہے: خَطَبَنَا عُتْبَۃُ بْنُ غَزْوَانَ "عتبہ بن غزوانؓ نے ہمیں خطاب کیا" حالانکہ حسنؒ وہاں موجود نہ تھے۔ ان لوگوں کی مراد یہ ہوتی ہے کہ ہماری قوم اور ہمارے شہر کے لوگ ان واقعات میں حاضر تھے۔ اسی طرح ذوالیدینؓ کی حدیث میں ابوہریرہؓ کا قول بھی ہے کہ: صَلّٰی بِنَا۔ مطلب یہ کہ حضورؐ نے مسلمانوں کو نماز پڑھائی بیہقی نے کتاب المعرفۃ میں اس پر یہ اعتراض کیا ہے کہ یہ ظاہر کا ترک ہے۔ علاوہ ازیں یحییٰ بن ابی کثیر نے ابوہریرہؓ سے روایت کر کے یہ الفاظ بولے ہیں کہ: بَیْنَمَا اَنَا اُصَلِّیْ مَعَ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ۔ اس اثنا میں کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نماز پڑھ رہا تھا" اس میں واحد متکلم کا صیغہ استعمال ہوا ہے لہٰذا اس سے یہ مراد لینا جائز نہیں کہ مسلمانوں

کو نماز پڑھائی۔ حافظ ابن حجر نے فتح الباری میں کہا ہے کہ جس مجاز کا دعویٰ طحاوی نے کیا ہے اس کا رد مسلم اور احمد وغیرہ کی روایت کرتی ہے جس میں: بَیْنَمَا اَنَا اُصَلِّی کا لفظ ہے۔ میں کہتا ہوں کہ طحاوی نے مجاز کا ارتکاب ایسے قرینے کی موجودگی میں کیا ہے جو قوی ہے اور حقیقت مراد لینے سے روکتا ہے اور جس کا ذکر ہم نے اوپر کے دلائل میں کیا ہے۔ اس میں ہے: باب البیان ان النہی مخصوص ببعض الامکنۃ۔ اس میں ان سے مجاہد کا قول ہے کہ: جاءنا ابو ذرؓ۔ پھر بیہقی نے کہا کہ مجاہد کا سماع ابو ذرؓ سے ثابت نہیں ہوا۔ اور جاءنا کا معنی ہے جاء بلدنا۔ میں کہتا ہوں کہ ابوہریرہؓ کا قول: بینما انا اصلی، محفوظ بھی نہیں ہے شاید کسی راوی نے ابوہریرہؓ کے اس قول سے کہ: صَلّٰی بِنَا، یہ سمجھ لیا ہو کہ ابوہریرہؓ خود وہاں موجود تھے اور اس حدیث کی روایت اپنے خیال کے مطابق بالمعنیٰ کر دی۔ مسلم نے یہ حدیث پانچ طرق سے روایت کی ہے۔ دو طریق میں ہے: صَلّٰی بِنَا۔ ایک میں ہے: صَلّٰی لَنَا۔ ایک طریق میں ہے: صَلّٰی رَسُوْلُ اللّٰہِ صلی اللہ علیہ وسلم رَکْعَتَیْنِ۔ اور ایک طریق میں ہے: بَیْنَمَا اَنَا اُصَلِّی۔ اور اس طریق میں یحییٰ بن ابی کثیر منفرد ہے اور ابو سلمہ اور ابوہریرہؓ کے کئی شاگردوں نے اس کے خلاف کہا ہے۔ پس یہ کیوں کر کہا جا سکتا ہے کہ ابوہریرہؓ نے اس حدیث میں، بَیْنَمَا اَنَا اُصَلِّی کہا تھا؟ خلاصۂ گفتگو یہ ہے کہ ان کا یہ قول بہت ہلکا ہے کہ ابوہریرہؓ کا اسلام قصۂ ذی الیدین سے پہلے کا ہے۔ اس باب میں ابن عمرؓ، ابن عباسؓ اور زہریؒ وغیرہم اہل علم کی روایات کافی ہیں۔

۱۰۱۱۔ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللّٰہِ بْنُ مَسْلَمَۃَ عَنْ مَالِكٍ عَنْ اَیُّوْبَ عَنْ مُحَمَّدٍ بِاِسْنَادِہٖ وَحَدِیْثُ حَمَّادٍ اَتَمُّ قَالَ ثُمَّ صَلّٰی رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ لَمْ یَقُلْ بِنَا وَلَمْ یَقُلْ فَاَوْمَؤُا قَالَ فَقَالَ النَّاسُ نَعَمْ قَالَ ثُمَّ رَفَعَ وَلَمْ یَقُلْ وَكَبَّرَ ثُمَّ كَبَّرَ وَسَجَدَ مِثْلَ سُجُوْدِہٖ اَوْ اَطْوَلَ ثُمَّ رَفَعَ وَتَمَّ حَدِیْثُہٗ لَمْ یَذْكُرْ مَا بَعْدَہٗ وَلَمْ یَذْكُرْ فَاَوْمَؤُا اِلَّا حَمَّادُ بْنُ زَیْدٍ۔

وہی حدیث دوسری سند سے ہے مگر گزشتہ حدیث اتم ہے۔ اس میں ہے کہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز پڑھائی اس میں صَلّٰی بِنَا کا لفظ نہیں ہے اور نہ یہ کہ: پس انہوں نے اشارہ کیا۔ مالک نے اس حدیث میں کہا کہ پھر حضور نے سر اٹھایا، اور یہ نہیں کہا کہ: اور تکبیر کہی پھر تکبیر کہی اور پھر پہلے سجدہ جیسا یا اس سے طویل تر سجدہ کیا پھر سر اٹھایا، پس اس کی حدیث تمام ہو گئی اور اس کے بعد کی بات بیان نہیں کی۔ اور: پس انہوں نے اشارہ کیا، کے الفاظ حماد بن زید کے سوا کسی نے بیان نہیں کئے۔ ابو داؤد نے کہا کہ اس حدیث کو جس نے بھی روایت کیا اس نے: فَكَبَّرَ نہیں کہا اور نہ رَجَعَ کا ذکر کیا۔

شرح: یہ مالک بن انس کی روایت ہے جبکہ گزشتہ حدیث حماد بن زید کی روایت تھی۔ امام ابو داؤد نے دونوں کا فرق بیان کیا ہے اور بتایا ہے کہ صحابہ کا اشارے سے کلام کرنا صرف حماد بن زید کی روایت میں ہے، اس حدیث

کے باقی سب راوی اشارے کا ذکر نہیں کرتے۔ مؤطا میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں سے پوچھا: کیا ذوالیدین سچ کہتا ہے؟ تو لوگوں نے کہا ہاں۔ بخاری کی روایت میں بھی یہی ہے کہ: فَقَالَ النَّاسُ نَعَمْ۔ مسلم کی روایت میں ہے: قَالُوا صَدَقَ۔ اس سے واضح ہوتا ہے کہ صرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور ذوالیدین نے ہی نماز میں کلام نہ کیا بلکہ اور لوگوں نے بھی کیا تھا۔ اوزاعیؒ وغیرہ نے حضورؐ کے کلام کو تو کہا کہ وہ بھول کر تھا، ذوالیدین کے کلام کو کہا کہ وہ نہیں جانتا تھا کہ "کلام الناس" سے نماز باطل ہوتی ہے، لیکن دیگر صحابہؓ کے کلام میں تو یہ نہیں کہا جا سکتا کہ وہ نسیان سے تھا یا مسئلہ معلوم نہ ہونے کے باعث تھا۔ لطف یہ کہ ان حضرات کے (اوزاعیؒ وغیرہ) نزدیک کلام الناس کی حرمت مکہ میں ہو چکی تھی۔ اگر یہ ہے تو پھر ان کے پاس اس صریح کلام الناس سے نماز باطل نہ ہونے کا کیا جواب ہے؟ کے سلسلے میں بَعْدَ مَا سَلَّمَ اور قَبْلَ مَا سَلَّمَ اور ثُمَّ سَلَّمَ کے لفظ آتے ہیں۔ ان احادیث کو جمع کیا جائے تو سجدہ سہو کے لیے بھی سلام ثابت ہوتا ہے جو سجدہ سے پہلے ہے، اور آخری سلام جو اختتام صلاۃ کے لیے ہے وہ بھی ثابت ہوتا ہے۔ مزید بحث آگے ہے۔

۱۰۱۲۔ حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ نَا بِشْرٌ يَعْنِي ابْنَ الْمُفَضَّلِ نَا سَلَمَةُ يَعْنِي ابْنَ عَلْقَمَةَ عَنْ مُحَمَّدٍ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ صَلَّى بِنَا رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِمَعْنَى حَمَّادٍ كُلِّهِ إِلَى آخِرِ قَوْلِهِ نُبِّئْتُ أَنَّ عِمْرَانَ بْنَ حُصَيْنٍ قَالَ ثُمَّ سَلَّمَ قَالَ قُلْتُ فَالتَّشَهُّدُ قَالَ لَمْ أَسْمَعْ فِي التَّشَهُّدِ وَأَحَبُّ إِلَيَّ أَنْ يَتَشَهَّدَ وَلَمْ يَذْكُرْ كَانَ يُسَمِّيهِ ذَا الْيَدَيْنِ وَلَا ذَكَرَ فَأَوْمَؤُا وَلَا ذَكَرَ الْغَضَبَ وَحَدِيثُ حَمَّادٍ أَتَمُّ۔

ابوہریرہؓ نے کہا کہ ہمیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز پڑھائی الخ یہ روایت بھی حمادؔ کی گزشتہ حدیث کے معنی میں ہے اور آخر میں یہ قول بھی ہے کہ (ابن سیرین نے کہا) مجھے بتایا گیا ہے کہ عمران بن حصینؓ نے کہا کہ: پھر حضورؐ نے سلام کہا۔ سلمہ بن علقمہ نے کہا کہ میں نے ابن سیرین سے پوچھا کہ: تشہد کا ذکر ہے یا نہیں؟ اس نے کہا: میں نے تشہد میں نہیں سُنا مگر مجھے یہ زیادہ پسند ہے کہ تشہد کرے۔ اور اس حدیث میں سلمہ نے یہ ذکر نہیں کیا کہ حضورؐ اس شخص کو ذوالیدین کہتے تھے، اور نہ غضب کا ذکر کیا۔ اور حماد کی حدیث اتم ہے۔

شرح: یہاں تو یہ لفظ ہیں کہ: میں نے تشہد کے متعلق نہیں سُنا، مگر مؤطا کی شرح میں زرقانی نے کہا ہے کہ راوی نے محمد بن سیرین سے جب سوال کیا تو اس نے کہا کہ ابوہریرہؓ کی حدیث میں یہ نہیں۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ دوسری احادیث میں تشہد کا ذکر ہے، چنانچہ ابوداؤد، ترمذی ابن حبان اور حاکم نے اشعث ابن عبدالملک کے طریق سے عمران بن حصینؓ کی حدیث روایت کی ہے کہ: رسول اللہ صلی اللہ وسلم نے اصحاب کو نماز پڑھائی تو آپ کو سہو ہوا پس آپ نے دو سجدے کئے پھر تشہد کیا پھر سلام کیا۔ حاکم نے اسے بخاری و مسلم کی شرط پر صحیح کہا ہے۔ ترمذی نے اسے حسن غریب اور بیہقی اور ابن عبدالبر وغیرہ نے ضعیف کہا ہے۔ یہ روایت ان

حضرات کے نزدیک شاذ ہے، مگر تشہد کا ذکر سجدۂ سہو میں ابن مسعودؓ سے (ابوداؤد و نسائی) اور مغیرہؓ سے (بیہقی میں) آیا ہے۔ ان دونوں حدیثوں کی سند میں بھی ضعف ہے مگر ان میں احادیث کے اجتماع سے یہ درجۂ حسن تک پہنچ جاتی ہیں۔ علماء کے نزدیک یہ بعید نہیں کیونکہ ابن ابی شیبہ میں ابن مسعودؓ کا قول اس مسئلہ میں صحیح روایت سے ثابت ہے۔

۱۰۱۳۔ حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ نَصْرٍ نَا سُلَيْمَانُ بْنُ حَرْبٍ نَا حَمَّادُ بْنُ زَيْدٍ عَنْ أَيُّوبَ وَهِشَامٍ وَيَحْيَى بْنِ عَتِيقٍ وَابْنِ عَوْنٍ عَنْ مُحَمَّدٍ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي قِصَّةِ ذِي الْيَدَيْنِ أَنَّهُ كَبَّرَ وَسَجَدَ وَقَالَ هِشَامٌ يَعْنِي ابْنَ حَسَّانٍ كَبَّرَ ثُمَّ كَبَّرَ وَسَجَدَ قَالَ أَبُو دَاوُدَ رَوَى هٰذَا الْحَدِيثَ أَيْضًا حَبِيبُ بْنُ الشَّهِيدِ وَحُمَيْدٌ وَيُونُسُ وَعَاصِمٌ الْأَحْوَلُ عَنْ مُحَمَّدٍ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ لَمْ يَذْكُرْ أَحَدٌ مِنْهُمْ مَا ذَكَرَ حَمَّادُ بْنُ زَيْدٍ عَنْ هِشَامٍ أَنَّهُ كَبَّرَ ثُمَّ كَبَّرَ وَرَوَى حَمَّادُ بْنُ سَلَمَةَ وَأَبُو بَكْرِ بْنُ عَيَّاشٍ هٰذَا الْحَدِيثَ عَنْ هِشَامٍ لَمْ يَذْكُرَا عَنْهُ هٰذَا الَّذِي ذَكَرَهُ حَمَّادُ بْنُ زَيْدٍ أَنَّهُ كَبَّرَ ثُمَّ كَبَّرَ۔

قصۂ ذوالیدین میں علی بن نصر کے طریق سے ابوہریرہؓ کی وہی حدیث، اس میں ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے تکبیر کہی اور سجدہ کیا۔ ہشام ابن حسان راوی نے کہا کہ: تکبیر کہی پھر تکبیر کہی اور سجدہ کیا۔ ابوداؤد نے کہا کہ یہ حدیث محمد بن سیرین کی روایت سے عن ابی ہریرہؓ حبیب بن الشہید، حمید، یونس اور عاصم احول نے بھی بیان کی ہے، ان میں سے کسی نے یہ لفظ: حضورؐ نے تکبیر کہی پھر تکبیر کہی، بیان نہیں کئے سوائے حماد بن زید نے عن ہشام۔ اور حماد بن سلمہ اور ابوبکر بن عیاشؒ نے یہ حدیث ہشام سے روایت کی اور انہوں نے بھی یہ ذکر نہیں کیا جو حماد بن زید نے کیا ہے کہ حضورؐ نے تکبیر کہی پھر تکبیر کہی۔

شرح: اوپر ابوداؤد اس حدیث کی روایتوں کا اختلاف ظاہر کر چکے ہیں: اب وہ اس کے علاوہ ایک اور اختلاف بیان کرتے ہیں۔ حافظ ابن حجر نے فتح الباری میں کہا ہے کہ سلام کے بعد سجدۂ سہو کے بارے میں یہ اختلاف ہوا ہے کہ کیا اس کے لیے ایک الگ تکبیر تحریمہ بھی شرط ہے یا سجدہ کی تکبیر ہی کافی ہے۔ جمہور کا یہی مذہب ہے کہ کافی ہے اور زیادہ احادیث کا ظاہر یہی بتاتا ہے۔ اور قرطبی نے بیان کیا ہے کہ سجدۂ سہو کے بعد بھی امام مالک کے نزدیک سلام (آخری سلام) واجب ہے۔ قرطبیؒ نے کہا کہ جب آخری سلام ضروری ہے اور تکبیر تحریمہ بھی ضروری ہے (بروئے حدیث تحریمہ التکبیر و تحلیلہ التسلیم) اور ابوداؤد کی روایت جس میں کبّر آیا ہے وہ اس کی موید ہے۔ لیکن ابوداؤد نے یہ کہہ کر اسے شاذ بتایا ہے کہ حماد بن زید کے سوا اس کا کوئی ذکر نہیں کرتا۔

۱۰۱۴۔ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ يَحْيَى بْنِ فَارِسٍ نَا مُحَمَّدُ بْنُ كَثِيرٍ عَنِ الْأَوْزَاعِيِّ عَنِ الزُّهْرِيِّ عَنْ سَعِيدِ بْنِ الْمُسَيَّبِ وَأَبِي سَلَمَةَ وَعُبَيْدِ اللَّهِ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ بِهَذِهِ الْقِصَّةِ قَالَ وَلَمْ يَسْجُدْ سَجْدَتَيِ السَّهْوِ حَتَّى يَقَّنَهُ اللَّهُ ذَلِكَ۔

یہ ایک اور طریق سے ذوالیدین کے قصے میں ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت ہے جس میں ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے کہا حضور ﷺ نے سہو کے دو سجدے اس وقت تک نہ کئے جب تک اللہ نے آپ کو یقین نہ دلایا (یعنی بذریعہ وحی یا یاد آجانے کے باعث دلی اطمینان ہوگیا)

شرح: مولانا رحمہ اللہ نے فرمایا کہ شاید ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کا یہ قول اس بات پر مبنی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو پہلے یقین تھا کہ آپ کو نماز میں سہو نہیں ہوا تو پھر بعض اصحاب کے اس قول پر کہ سہو ہوا ہے حضور ﷺ نے کیسے عمل کر لیا؟ حالانکہ مجتہد کو کسی اور مجتہد کی تقلید جائز نہیں۔ چہ جائیکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایسا عمل کرتے، تو ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے اس کا یہ جواب دیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے محض دوستوں کے قول پر نہیں بلکہ دراصل اللہ کی وحی اور دل کے یقین کی بنا پر سجدۂ سہو کیا تھا۔ دُرِّ مختار میں ہے کہ اگر امام اور قوم میں اختلاف واقع ہو جائے تو اگر امام یقین پر قائم ہے تو اعادہ نہ کرے ورنہ مقتدیوں کے قول پر اعادہ کرے۔ شامی نے اس کے حاشیے پر لکھا ہے کہ اگر امام اور قوم میں اختلاف ہو جائے۔ لوگ کہیں کہ تم نے تین رکعات پڑھائی ہیں اور امام کہے نہیں بلکہ چار پڑھائی ہیں تو اس کا حکم وہ ہے جو اوپر بیان ہوا لیکن اگر قوم میں اختلاف ہو تو فیصلہ اس فریق کے حق میں ہوگا جس کے ساتھ امام ہو، گو وہ ایک ہی شخص ہو اگر قوم کا ایک فرد نماز کے تمام ہونے کا یقین رکھتا ہو مگر دوسرا نقص کا یقین رکھتا اور امام خود شک میں ہو تو فقط اس شخص پر اعادہ واجب ہے جسے نقص کا یقین ہو۔ اور اگر امام کو بھی نقص کا یقین ہو جائے تو جس کا یقین نماز کے مکمل ہونے پر تھا اس پر اعادہ واجب نہیں باقی سب پر واجب ہے۔ اور اگر ایک آدمی کو نقص کا یقین ہو اور امام اور باقی قوم کو صرف شک ہو تو اگر وقت باقی ہے تو احتیاطاً سب لوگ نماز لوٹائیں، ہاں اگر نقص کی خبر دینے والے دو عادل شخص ہوں تو سب پر اعادہ واجب ہے۔

مولانا رحمہ اللہ نے فرمایا کہ قول ابی ہریرہ رضی اللہ عنہ کا جو مطلب ہم نے بیان کیا ہے یہ اس کے ظاہر پر مبنی ہے۔ ورنہ گہری نظر کا فیصلہ یہ ہے کہ اس قول کا معنی یہ ہے کہ حتّٰی اس میں معَ کے معنی میں ہے۔ جیسے کہیں: قرأت وردی حتی الدعاء "میں نے اپنا وظیفہ دعا تک یعنی دعا سمیت پڑھا۔" اس پر سنن میں بیہقی کا قول دلالت کرتا ہے کہ یحییٰ بن ابی کثیر نے سہو کے سجدوں کو ابو سلمہ سے نہیں بلکہ ضمضم بن جوش سے یاد کیا اور سعد بن ابراہیم نے سجدوں کو ابو سلمہ سے حفظ کیا اور زہری نے ان کو نہ ابو سلمہ سے یاد کیا اور نہ اس جماعت سے یاد کیا جنہوں نے اس کو یہ قصہ ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت سے سنایا۔ پس یہ کلام اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ زہری کی حدیث میں سجدتین کا ذکر نہیں بلکہ اس کی بعض حدیثوں میں ان کی نفی واقع ہوئی ہے جیسا کہ اس کی طرف ابو داؤد نے اشارہ کیا اور نسائی نے اسے صراحۃً بیان کیا۔ ابو داؤد کا قول آگے آتا ہے اور نسائی کا قول لیث کے طریق سے بروایت عقیل یہ ہے کہ اس نے کہا مجھ سے ابن شہاب

نے بیان کیا بحوالہ سعید وابی سلمہ وابی بکر بن عبدالرحمان وابن ابی حثمہ عن ابی ہریرہ ؓ۔ ابوہریرہ ؓ نے کہا کہ: اس دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نہ سلام سے پہلے نہ سلام کے بعد سجدہ (سہو) کیا۔ پس ابوہریرہ ؓ کے قول کا اگر معنی یہ ہو سکتا ہے کہ، باوجود اللہ تعالیٰ کی اس یقین دہانی کے کہ سہو ہو گیا ہے، حضورؐ نے اس دن سجدۂ سہو نہ کیا تھا

۱۰۱۵۔ حَدَّثَنَا حَجَّاجُ بْنُ أَبِي يَعْقُوبَ نَا يَعْقُوبُ يَعْنِي ابْنَ إِبْرَاهِيمَ نَا أَبِي عَنْ صَالِحٍ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ أَنَّ أَبَا بَكْرِ بْنَ سُلَيْمَانَ بْنِ أَبِي حَثْمَةَ أَخْبَرَهُ أَنَّهُ بَلَغَهُ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِهَذَا الْخَبَرِ قَالَ وَلَمْ يَسْجُدِ السَّجْدَتَيْنِ اللَّتَيْنِ تُسْجَدَانِ إِذَا شَكَّ حَتَّى لَقَّاهُ النَّاسُ قَالَ ابْنُ شِهَابٍ وَأَخْبَرَنِي بِهَذَا الْخَبَرِ سَعِيدُ بْنُ الْمُسَيَّبِ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ وَأَخْبَرَنِي أَبُو سَلَمَةَ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمَنِ وَأَبُو بَكْرِ بْنُ الْحَارِثِ بْنِ هِشَامٍ وَعُبَيْدُ اللَّهِ بْنُ عَبْدِ اللَّهِ قَالَ أَبُو دَاوُدَ رَوَاهُ يَحْيَى بْنُ أَبِي كَثِيرٍ وَعِمْرَانُ بْنُ أَبِي أَنَسٍ عَنْ أَبِي سَلَمَةَ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمَنِ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ وَأَخْبَرَنِي أَبُو سَلَمَةَ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمَنِ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ بِهَذِهِ الْقِصَّةِ وَلَمْ يَذْكُرْ أَنَّهُ سَجَدَ السَّجْدَتَيْنِ قَالَ أَبُو دَاوُدَ وَرَوَاهُ الزُّبَيْدِيُّ عَنِ الزُّهْرِيِّ عَنْ أَبِي بَكْرِ بْنِ سُلَيْمَانَ بْنِ أَبِي حَثْمَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ فِيهِ وَلَمْ يَسْجُدْ سَجْدَتَيِ السَّهْوِ۔

ابوبکر بن سلیمان بن ابی حثمہ نے ابن شہاب کو خبر دی کہ اس کو (ابوبکر مذکور کو) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس واقعہ کی خبر ملی ہے۔ ابن شہاب نے اپنی حدیث میں کہا کہ سہو کے دو سجدے جو شک کے وقت کئے جاتے ہیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نہیں کئے جب تک کہ لوگوں نے خبر نہ دی۔ ابن شہاب نے کہا کہ یہ حدیث مجھ کو سعید بن المسیب نے بحوالہ ابی ہریرہ ؓ بتائی ابن شہاب نے کہا کہ مجھ کو ابوسلمہ بن عبدالرحمان نے اور ابوبکر بن حارث بن ہشام نے اور عبیداللہ بن عبداللہ نے خبر دی۔ (یعنی ان لوگوں سے بھی بحوالہ ابی ہریرہ ؓ مجھے یہ حدیث ملی)
ابوداؤد نے کہا کہ اس حدیث کو یحییٰ بن ابی کثیر اور عمران بن ابی انس نے ابوسلمہ بن عبدالرحمن سے، اس نے ابوہریرہ ؓ سے اس قصے (واقعہ ذوالیدین) میں روایت کیا اور اس میں یہ ذکر نہیں کیا کہ حضورؐ نے دو سجدے کئے۔ ابوداؤد نے کہا کہ اس حدیث کو زبیدی نے زہری سے، اس نے ابوبکر بن سلیمان بن ابی حثمہ سے اس نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کیا، اس میں زبیدی نے کہا کہ حضورؐ نے سہو کے دو سجدے نہیں کئے تھے۔

شرح: ابوبکر بن سلیمان بن ابی حثمہ کی حدیث کو بیہقی نے یوں روایت کیا ہے کہ: اس کو (ابوبکر مذکور کو) خبر پہنچی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دو رکعتیں پڑھائیں پھر سلام پھیر دیا تو ذوالشمالین بن عبد نے کہا یا رسول اللہ

کیا نماز میں قصر ہوگیا ہے یا آپ بھول گئے ؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: نہ نماز میں قصر ہوا نہ میں بھولا ہوں۔ ذوالشمالین نے کہا یا رسول اللہ ان میں سے کوئی بات ہوگئی ہے۔ پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کی طرف منہ کر کے فرمایا: کیا ذوالشمالین نے ٹھیک کہا ؟ لوگوں نے کہا ہاں۔ پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اٹھے اور باقی نماز پوری کی اور وہ دو سجدے نہ کئے جو اس وقت کئے جاتے ہیں جبکہ آدمی کو اپنی نماز میں شک ہو، جبکہ لوگ اسے بتائیں یعنی تنبیہ کریں۔ ابوبکر کی یہ حدیث مرسل ہے کیونکہ وہ تابعی ہے۔

یحییٰ بن ابی کثیر کی جس حدیث کا حوالہ ابوداؤد نے دیا ہے وہ بیہقی اور مسلم میں ہے۔ عمران بن انس کی روایت نسائی میں ہے۔

۱۰۱۶۔ حَدَّثَنَا ابْنُ مُعَاذٍ نَا اَبِیْ نَا شُعْبَۃُ عَنْ سَعْدٍ سَمِعَ اَبَا سَلَمَۃَ بْنَ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ عَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ صَلَّی الظُّھْرَ فَسَلَّمَ فِی الرَّکْعَتَیْنِ فَقِیْلَ لَہٗ نَقَصَتِ الصَّلٰوۃُ فَصَلَّی الرَّکْعَتَیْنِ ثُمَّ سَجَدَ سَجْدَتَیْنِ۔

ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ظہر کی نماز پڑھائی تو دو رکعت پر سلام کر دیا۔ پس آپ کو کہا گیا کہ نماز میں کمی ہوگئی ہے، پھر آپ نے دو رکعتیں پڑھائیں پھر سہو کے دو سجدے کئے (بخاری اور نسائی نے بھی اس کی روایت کی۔ نسائی نے کہا کہ میرے علم کے مطابق اس حدیث میں سعد بن ابراہیم کے سوا کسی نے سجدوں کا ذکر نہیں کیا۔

۱۰۱۷۔ حَدَّثَنَا اِسْمٰعِیْلُ بْنُ اَسَدٍ اَنَا شَبَابَۃُ نَا ابْنُ اَبِیْ ذِئْبٍ عَنْ سَعِیْدِ بْنِ اَبِیْ سَعِیْدٍ الْمَقْبُرِیِّ عَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ انْصَرَفَ مِنَ الرَّکْعَتَیْنِ مِنَ الصَّلٰوۃِ الْمَکْتُوْبَۃِ فَقَالَ لَہٗ رَجُلٌ اَقُصِرَتِ الصَّلٰوۃُ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ اَمْ نَسِیْتَ قَالَ کُلُّ ذٰلِکَ لَمْ اَفْعَلْ فَقَالَ النَّاسُ قَدْ فَعَلْتَ ذٰلِکَ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ فَرَکَعَ رَکْعَتَیْنِ اُخْرَیَیْنِ ثُمَّ انْصَرَفَ وَلَمْ یَسْجُدْ سَجْدَتَیِ السَّھْوِ قَالَ اَبُوْدَاوٗدَ رَوَاہُ دَاوٗدُ بْنُ الْحُصَیْنِ عَنْ اَبِیْ سُفْیَانَ مَوْلٰی اَبِیْ اَحْمَدَ عَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ بِھٰذِہِ الْقِصَّۃِ قَالَ ثُمَّ سَجَدَ سَجْدَتَیْنِ وَھُوَ جَالِسٌ بَعْدَ التَّسْلِیْمِ۔

ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرض نماز کی دو رکعتیں پڑھ کر فارغ ہو گئے تو ایک آدمی نے آپ سے کہا یا رسول اللہ کیا نماز میں قصر ہوگیا ہے یا آپ بھول گئے ہیں ؟ حضور نے فرمایا: میں نے یہ دونوں کام

نہیں کئے۔ پس لوگوں نے کہا: یا رسول اللہ آپ نے یہ کیا ہے۔ پھر آپ نے پچھلی رکعتیں پڑھائیں پھر فارغ ہوئے اور سہو کے دو سجدے نہ کئے۔ ابوداؤد نے کہا کہ داؤد بن الحصین نے ابی سفیان مولائے ابی احمد سے، اس نے ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے، اس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس قصے کی روایت کی۔ اس میں ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے کہا کہ پھر آپ نے بعد از سلام دو سجدے کئے درانحالیکہ آپ بیٹھے ہوئے تھے۔

شرح: ابوداؤد کی ان تمام روایات کو پڑھ کر پریشانی ہوتی ہے اور یہ کہنے کو جی چاہتا ہے کہ جن لوگوں نے ذوالیدین کی روایت کو مضطرب کہا ہے انہوں نے کسی تعصب یا جلد بازی یا قلتِ تدبر سے کام نہیں لیا۔ علامہ شیخ نیموی کا قول حضرت الاستاذ شیخ الاسلام عثمانی نے نقل کیا ہے (فتح الملہم جلد دوم ص۱۳۰) جسے یہاں درج کرنے کو جی چاہتا ہے۔

ذوالیدین کے قصے کی روایت گو صحیح بخاری و مسلم میں بھی موجود ہے مگر یہ کئی وجوہ سے مضطرب ہے (۱) وقت میں اضطراب ہے، شیخین کی بعض روایات میں ظہر کی نماز ہے اور مسلم کی بعض روایات میں عصر، مسلم و بخاری کی ایک روایت میں ہے، زوال کے بعد کی دو نمازوں میں سے ایک۔ مسلم کی ایک روایت میں ہے: بعدِ زوال کی دو نمازوں میں سے ایک یا ظہر تھی یا عصر۔ بخاری کی ایک روایت میں ہے: پچھلے پہر کی دو نمازوں میں سے ایک اور محمد نے کہا کہ میرا اکثر ظن یہ ہے کہ وہ نماز عصر تھی۔ نسائی کی ایک روایت میں ہے: بعدِ زوال کی دو نمازوں میں سے ایک تھی راوی کہتا ہے ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے کہا: لیکن میں بھول گیا ہوں۔ حاصل یہ ہے کہ ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے کبھی تو یقین کے ساتھ نمازِ ظہر کہا کبھی یقین کے ساتھ نمازِ عصر کہا کبھی شک کے ساتھ کہا: یا ظہر یا عصر۔

(۲) دوسرا اضطراب عدد رکعات میں ہے۔ صحیحین کی روایت ابی ہریرہ رضی اللہ عنہ میں ہے کہ حضور نے دو رکعت پڑھ کر سلام پھیر دیا۔ مسلم وغیرہ کی حدیث عمران بن حصین رضی اللہ عنہ میں ہے کہ آپ نے تین رکعات پر سلام پھیرا۔

(۳) تیسرا اضطراب حضور کے سلام کے بعد اور مصلیٰ سے اٹھ جانے کے بعد آپ کے موقف کے بارے میں ہے۔ ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث (بخاری و مسلم) میں ہے کہ آپ مسجد کی اگلی جگہ پڑی ہوئی ایک لکڑی کی طرف گئے اور اس پر ٹیک لگائی مسلم وغیرہ میں حدیث عمران رضی اللہ عنہ میں ہے کہ آپ اٹھے اور حجرہ میں داخل ہو گئے، یا اس قسم کی اور بات۔

(۴) چوتھا اضطراب سجدۂ سہو کے متعلق ہے شیخین کی روایت میں ہے کہ حضور نے اس واقعہ میں سجدۂ سہو کیا۔ ابوداؤد میں سعید المقبری کے طریق سے (سند صحیح کے ساتھ) ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آپ نے پچھلی دو رکعتیں ادا کیں مگر سجدۂ سہو نہیں کیا، ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کے کئی شاگردوں نے اس بارے میں سعید کی متابعت کی ہے۔ نسائی نے اسنادِ صحیح کے ساتھ ابن شہاب کے طریق سے سعید، ابوسلمہ، ابوبکر بن عبدالرحمان اور ابن ابی حثمہ کی روایت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کے حوالے سے بیان کی ہے کہ اس دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نہ سلام سے پہلے نہ سلام کے بعد سجدۂ سہو کیا۔ یہ اختلافات و اضطرابات ہیں جو قصۂ ذوالیدین کی حدیث میں واقع ہوئے ہیں (اس پر بھی اگر اس حدیث کو مضطرب کہیں تو کئی اجارہ دارانِ حدیث و سنت کی پیشانیوں پر بل پڑ جاتے ہیں اور وہ بڑے عجیب اور بعض دفعہ مضحکہ خیز جواب" عطا فرماتے ہیں") ان جوابات کو ہمارے حضرت نے بحوالہ شیخ نیموی رحمہ اللہ شرح مسلم میں بالتفصیل درج کر کے ان کے جواب دیئے ہیں

ابوداؤد کے ایک نسخے میں اس حدیث (۱۰۱۵) کے آخر میں ہذا الحدیث کے بعد یہ عبارت بھی ہے

ابوداؤد نے کہا کہ یحییٰ بن ابی کثیر اور عمران بن ابی انس نے ابی سلمہ بن عبدالرحمٰن سے اُس نے ابی ہریرہؓ سے یہ روایت کی، اس میں یہ ذکر نہیں کیا کہ حضورؐ نے سہو کے دو سجدے کئے۔

۱۰۱۸۔ حَدَّثَنَا هَارُونُ بْنُ عَبْدِ اللهِ نَا هَاشِمُ بْنُ الْقَاسِمِ نَا عِكْرِمَةُ بْنُ عَمَّارٍ عَنْ ضَمْضَمِ ابْنِ جَوْسٍ الْهِفَّانِيِّ حَدَّثَنِي أَبُو هُرَيْرَةَ بِهٰذَا الْخَبَرِ قَالَ ثُمَّ سَجَدَ سَجْدَتَيِ السَّهْوِ بَعْدَ مَا سَلَّمَ۔

ضمضم بن جوس ہفانی نے کہا کہ ابوہریرہؓ نے مجھے یہ حدیث سُنائی، اس میں کہا کہ: پھر حضورؐ نے سلام کے بعد دو سجدے کئے۔ (یہ حدیث نسائی نے بھی روایت کی ہے۔ مختصر منذری میں ہے کہ اوپر کی بیان شدہ معلق حدیث (ابوسفیان عن ابی ہریرہؓ) کو مسلم اور نسائی نے قتیبہ بن سعد۔ مالک بن انس۔ داؤد بن الحصین کے طریق سے بیان کیا ہے۔ اس ابوسفیان کی حدیث کو بخاری اور مسلم نے لائق حجت قرار دیا ہے، اس کا نام قزمان یا وہب یا عطاء تھا اور اسے مولیٰ ابی احمد کہا جاتا ہے)

شرح: ابوداؤد کے ایک نسخے میں اس حدیث (۱۰۱۶) کے بعد یہ عبارت بھی ہے: اسے ابی ذئب نے مقبری سے اس نے ابوہریرہؓ سے روایت کیا ہے۔ ابوہریرہؓ نے اس حدیث کے قصے میں کہا کہ: اور حضورؐ نے سجدہ سہو نہیں کیا۔ ابوداؤد نے کہا اسے سعد بن ابراہیم نے ابوسلمہ سے اس نے ابوہریرہؓ سے روایت کیا۔ اور اسے داؤد بن الحصین نے ابوسفیان سے اُس نے ابوہریرہؓ سے روایت کیا کہ اس نے بیان کیا: حضورؐ نے دو سجدے کئے۔

۱۰۱۹۔ حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ مُحَمَّدِ بْنِ ثَابِتٍ نَا أَبُو أُسَامَةَ ح وَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الْعَلَاءِ أَنَا أَبُو أُسَامَةَ أَخْبَرَنِي عُبَيْدُ اللهِ عَنْ نَافِعٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ صَلّٰى بِنَا رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَسَلَّمَ فِي الرَّكْعَتَيْنِ فَذَكَرَ نَحْوَ حَدِيثِ ابْنِ سِيرِينَ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ ثُمَّ سَلَّمَ ثُمَّ سَجَدَ سَجْدَتَيِ السَّهْوِ۔

ابن عمرؓ نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں نماز پڑھائی تو دو رکعتوں پر سلام پھیر دیا، پھر راوی ابواُسامہ نے اسی طرح کی حدیث بیان کی جیسی کہ ابن سیرین نے ابوہریرہؓ سے روایت کی ہے۔ اس میں کہا کہ: پھر آپ نے سلام کہا پھر سہو کے دو سجدے کئے (یہ حدیث سنن ابن ماجہ میں بھی ہے)

۱۰۲۰۔ حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ نَا يَزِيدُ بْنُ زُرَيْعٍ ح وَنَا مُسَدَّدٌ نَا مَسْلَمَةُ بْنُ مُحَمَّدٍ قَالَا نَا خَالِدٌ الْحَذَّاءُ نَا أَبُو قِلَابَةَ عَنْ أَبِي الْمُهَلَّبِ عَنْ عِمْرَانَ بْنِ حُصَيْنٍ قَالَ سَلَّمَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي ثَلٰثِ رَكَعَاتٍ مِنَ الْعَصْرِ ثُمَّ دَخَلَ قَالَ عَنْ مَسْلَمَةَ الْحُجْرَةَ

فَقَامَ إِلَيْهِ رَجُلٌ يُقَالُ لَهُ الْخِرْبَاقُ وَكَانَ طَوِيلَ الْيَدَيْنِ فَقَالَ أَقُصِرَتِ الصَّلَاةُ يَا رَسُولَ اللهِ فَخَرَجَ مُغْضَبًا يَجُرُّ رِدَاءَهُ فَقَالَ أَصَدَقَ قَالُوا نَعَمْ فَصَلَّى تِلْكَ الرَّكْعَةَ ثُمَّ سَلَّمَ ثُمَّ سَجَدَ سَجْدَتَيْهَا ثُمَّ سَلَّمَ۔

عمران بن حصین رضی اللہ عنہ نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز عصر کی تین رکعتوں میں سلام پھیر دیا پھر آپ داخل ہوئے، سلمہ راوی نے کہ گھروں میں داخل ہو گئے، پس ایک آدمی آپ کے سامنے کھڑا ہوا جسے خرباق کہا جاتا تھا اور اس کے ہاتھ لمبے تھے، تو اس نے کہا: یا رسول اللہ کیا نماز میں قصر ہو گیا ہے؟ پس حضور غضبناک ہو کر اپنی چادر گھسیٹتے ہوئے نکلے اور فرمایا کیا اس نے سچ کہا ہے؟ لوگوں نے کہا کہ ہاں! پھر آپ نے وہ رکعت پڑھی پھر اس کے دونوں سجدے کئے پھر سلام کہا (یہ حدیث مسلم اور نسائی اور ابن ماجہ نے بھی روایت کی ہے)

شرح: اہل علم میں اختلاف واقع ہوا ہے کہ عمران رض کی اس حدیث کا اور ابوہریرہ رض کی سابق حدیث کا واقعہ ایک تھا یا دو مختلف واقعے تھے۔ بظاہر وہ بات ٹھیک ہے جو ابو خزیمہ اور اس کے متبعین نے کہی ہے کہ یہ دو واقعات تھے کیونکہ اگر انہیں ایک واقعہ قرار دیں تو بعید تاویلیں کرنی پڑتی ہیں جیسا کہ اوپر گزرا یہ شوکانی کا قول ہے۔ حافظ ابن حجر نے فتح الباری میں کہا کہ اکثر لوگوں کا یہی مذہب ہے کہ ذوالیدین کا نام خرباق تھا۔ اور اس بات میں عمران رض کی حدیث پر اعتماد کیا گیا ہے جس میں آیا ہے کہ خرباق نامی ایک شخص اٹھا اور اس کے ہاتھ لمبے تھے۔ اور یہ ان لوگوں کا طریقہ ہے جو ابوہریرہ رض اور عمران رض کی حدیث کو ایک ہی قصہ قرار دیتے ہیں۔ میری نظر میں یہی بات راجح ہے گو ابن خزیمہ اور ان کے ساتھی قصوں کو متعدد کہتے ہیں۔

جہاں تک سجدۂ سہو کے محل کا سوال ہے، سو اس کا محل مسنون ہمارے نزدیک بعد سلام ہے چاہے نماز میں کسی اضافے کو داخل کرنے کے باعث ہو یا کمی کرنے کے سبب سے۔ امام شافعی رح کے نزدیک دونوں صورتوں میں سجدۂ سہو کا محل سلام سے قبل تشہد کے بعد ہے۔ امام مالک رح نے فرمایا کہ اگر نقصان کے باعث سجدہ کرے تو سلام سے پہلے ہے اور اگر اضافے کے باعث کرے تو سلام کے بعد ہے۔ امام شافعی رح کی دلیل عبداللہ بن بحینہ کی حدیث ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے قبل السلام سجدہ کیا تھا اور جو مروی ہے کہ آپ نے بعد السلام سجدہ کیا تو وہ تشہد پر محمول ہے جیسا کہ تم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس قول میں سلام کو تشہد پر محمول کیا ہے: ہر دو رکعتوں پر سلام کہو یعنی تشہد پڑھو۔ امام مالک رح نے مغیرہ بن شعبہ رض کی روایات سے استدلال کیا ہے کہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دو رکعت میں کھڑے ہو گئے (بیٹھے نہیں)، تو آپ نے قبل السلام دو سجدۂ سہو کئے اور یہ سہو نقصان میں تھا۔ اور عبداللہ بن مسعود رض سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ظہر کی پانچ رکعات پڑھیں تو سلام کے بعد دو سجدے کئے، اور یہ سہو اضافے میں تھا۔ حنفیہ کی دلیل ثوبان رض کی حدیث ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ہر سہو کے لیے بعد السلام دو سجدے ہیں، اس میں کمی بیشی کا کوئی ذکر نہیں ہے اور عمران بن الحصین رض اور مغیرہ بن شعبہ رض اور سعد بن ابی وقاص رض سے مروی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے سہو کا سجدہ سلام کے بعد کیا۔ اور اسی طرح ابن مسعود رض، عائشہ صدیقہ رض اور ابوہریرہ رض کی روایت میں

بھی ہے۔ اور ابن مسعودؓ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جسے نماز میں شک ہو اور وہ جانتا نہیں کہ تین رکعتیں پڑھی ہیں یا چار پڑھی ہیں تو جو چیز درستی سے قریب تر ہو اس کی تحری (اٹکل) کرے اور اس پہ نماز کی بناء کرے اور سلام کے بعد دو سجدے کرے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی فعلی روایات میں سجدۂ سہو کے متعلق تعارض ہو گیا ہے اور قولی روایات میں تعارض نہیں لہذا اسے قبول کرنا اولیٰ ہے۔

بَابُ إِذَا صَلَّى خَمْسًا

پانچ رکعات پڑھنے کا باب

۱۰۲۱۔ حَدَّثَنَا حَفْصُ بْنُ عُمَرَ وَمُسْلِمُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ الْمَعْنَى قَالَ حَفْصٌ نَا شُعْبَةُ عَنِ الْحَكَمِ عَنْ إِبْرَاهِيمَ عَنْ عَلْقَمَةَ عَنْ عَبْدِ اللَّهِ قَالَ صَلَّى رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الظُّهْرَ خَمْسًا فَقِيلَ لَهُ أَزِيدَ فِي الصَّلٰوةِ قَالَ وَمَا ذَاكَ قَالَ صَلَّيْتَ خَمْسًا فَسَجَدَ سَجْدَتَيْنِ بَعْدَ مَا سَلَّمَ۔

عبداللہ بن مسعودؓ نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ظہر کی پانچ رکعتیں پڑھا دیں تو آپؐ سے کہا گیا: کیا نماز میں اضافہ کر دیا گیا ہے؟ آپؐ نے فرمایا: وہ کیونکر؟ لوگوں نے کہا کہ آپؐ نے پانچ رکعات پڑھائی ہیں۔ پس آپؐ نے سلام کے بعد دو سجدے کیے (یہ حدیث بخاری، مسلم، نسائی، ترمذی اور ابن ماجہ میں بھی ہے)

شرح: پانچ رکعات پڑھنے کا سوال رباعی نماز میں ہوگا کہ جب چار کے بجائے پانچ پڑھ لی جائیں تو کیا حکم ہے؟ علامہ شوکانی نے نیل الاوطار میں کہا ہے کہ اس حدیث سے پتہ چلا کہ جو شخص بھول کر پانچ پڑھ لے اور چوتھی پر قعدہ نہ کرے تو اس کی نماز فاسد نہیں ہوتی۔ امام ابوحنیفہؒ اور ثوریؒ کا مذہب یہ ہے کہ اس صورت میں چوتھی رکعت پر نہ بیٹھنے سے نماز فاسد ہو جاتی ہے۔ اور ابوحنیفہؒ نے کہا کہ اگر نمازی چوتھی رکعت پہ بیٹھ گیا پھر اس نے پانچویں رکعت پڑھی تو اس کے ساتھ چھٹی ملا دے تاکہ دو رکعات نفل ہو جائیں۔ اور یہ حدیث ابوحنیفہؒ اور ثوریؒ کے قول کا رد کرتی ہے۔ جمہور کا مسلک اس حدیث کے مضمون پر عمل کرنا ہے۔ مولاناؒ نے فرمایا کہ یہ حدیث اس بات کی دلیل نہیں بن سکتی کہ جس نے بھول کر پانچ پڑھ لیں اور چوتھی رکعت میں نہ بیٹھا تو اس کی نماز فاسد نہیں ہوتی کیونکہ حدیث اس بات سے خاموش ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم چوتھی رکعت پہ بیٹھے یا نہ بیٹھے تھے۔ پس اس کا حکم یہاں مذکور نہیں ہے حدیث میں اس کا ذکر نہ ہونا اس بات کی دلیل نہیں ہے کہ اس صورت میں نماز نہیں ٹوٹتی۔ بلکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے فعل کو اقرب الی الصواب پر محمول کرنا ہی اولیٰ ہے۔ راوی کا یہ قول کہ: حضورؐ نے ظہر کی نماز پانچ رکعت پڑھی اس بات کی دلیل ہے کہ آپؐ نے چوتھی رکعت پر قعدہ کیا تھا، کیونکہ ظہر کا لفظ تمام ارکانِ نماز کو مشتمل ہے بمع قعدۂ اخیرہ کے۔ اور پانچویں کی طرف جو اٹھے تو یہ سمجھ کر کہ تیسری رکعت کے لیے اٹھ رہے

ہیں۔ اور قعدہ اخیرہ جب رُکن صلاۃ ہے تو یہی ماننا ہوگا کہ حضورؐ نے اسے ادا کر لیا تھا، بصورتِ دیگر رُکن کا ترک لازم آکر فسادِ صلاۃ کا حکم دینا ہوگا۔ اسی چیز سے بچنے کے لیے ابو حنیفہؒ اور ثوریؒ نے وہ حکم دیا ہے جو اوپر گزرا۔ اور حضورؐ کے فعل کو اقرب الی الصواب پر ہی محمول کرنا چاہیئے۔

۱۰۲۲۔ حَدَّثَنَا عُثْمَانُ ابْنُ اَبِیْ شَیْبَۃَ نَا جَرِیْرٌ عَنْ مَنْصُوْرٍ عَنْ اِبْرَاھِیْمَ عَنْ عَلْقَمَۃَ قَالَ قَالَ عَبْدُ اللّٰہِ صَلّٰی رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ اِبْرَاھِیْمُ فَلَا اَدْرِیْ زَادَ اَمْ نَقَصَ فَلَمَّا سَلَّمَ قِیْلَ لَہٗ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ اَحَدَثَ فِی الصَّلٰوۃِ شَیْءٌ قَالَ وَمَا ذَاکَ قَالُوْا صَلَّیْتَ کَذَا وَکَذَا فَثَنٰی رِجْلَہٗ وَاسْتَقْبَلَ الْقِبْلَۃَ فَسَجَدَ سَجْدَتَیْنِ ثُمَّ سَلَّمَ فَلَمَّا انْفَتَلَ اَقْبَلَ عَلَیْنَا بِوَجْھِہٖ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَقَالَ اِنَّہٗ لَوْ حَدَثَ فِی الصَّلٰوۃِ شَیْءٌ اَنْبَاْتُکُمْ بِہٖ وَلٰکِنْ اِنَّمَا اَنَا بَشَرٌ اَنْسٰی کَمَا تَنْسَوْنَ فَاِذَا نَسِیْتُ فَذَکِّرُوْنِیْ وَقَالَ اِذَا شَکَّ اَحَدُکُمْ فِیْ صَلَاتِہٖ فَلْیَتَحَرَّ الصَّوَابَ فَلْیُتِمَّ عَلَیْہِ ثُمَّ لِیُسَلِّمْ ثُمَّ لِیَسْجُدْ سَجْدَتَیْنِ۔

عبداللہؓ نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز پڑھائی، ابراہیم نخعی نے کہا کہ مجھے معلوم نہیں کہ اضافہ کیا یا کمی کی، پس جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سلام کہا تو عرض کیا نماز میں کوئی نیا حکم آگیا ہے؟ فرمایا وہ کیسے؟ لوگوں نے کہا کہ آپؐ نے تو اتنی اور اتنی رکعتیں پڑھائی ہیں۔ پس آپ نے اپنا پاؤں موڑا اور قبلہ رُخ ہو گئے، پھر دو سجدے کئے پھر سلام کہا پس جب نماز سے فارغ ہوئے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا چہرہ ہماری طرف کیا اور فرمایا: اگر نماز میں کوئی نیا حکم آتا تو میں تمہیں وہ بتا دیتا، لیکن میں بھی تو ایک انسان ہی ہوں، تمہاری مانند میں بھی بھول جاتا ہوں، پس جب میں بھول جاؤں تو مجھے یاد کرا دو۔ اور فرمایا: جب تم میں سے کسی کو اپنی نماز میں شک ہو جائے تو درستی کا قصد کرے اور اس پر نماز پوری کرے، پھر سلام کہے پھر دو سجدے کرے۔

شرح: اس روایت میں ابراہیمؒ نخعی کے قول کا مطلب یہ ہے کہ میرے استاذ علقمہ نے اس حدیث میں نماز میں اضافے کا ذکر کیا تھا یا کمی کا، یہ مجھے معلوم نہیں۔ لیکن اگلے باب میں ابراہیمؒ کی سند سے ایک حدیث آتی ہے جس میں پانچ رکعت پڑھانے کا ذکر ہے، گویا ابراہیم کو شک نہیں تھا بلکہ یقین تھا کہ علقمہ کی روایت میں پانچ ہی کا ذکر تھا، سو شاید حدیثِ زیرِ نظر کو روایت کرتے وقت یاد نہ رہا ہو گا لہٰذا شک کے لفظ سے بیان کیا۔ دوسری حدیثوں میں ابراہیمؒ کے دوسرے شاگردوں مثلاً حماد بن ابی سلیمان اور طلحہ بن مصرف نے اُس روایت کے راوی الحکم عن ابراہیم کی متابعت کی ہے۔ اور حکم کی روایت میں یہ بھی صراحت ہے کہ یہ واقعہ ظہر کی نماز کا تھا۔ طبرانی کی روایت میں طلحہ بن مصرف کی روایت سے عصر کی صراحت ہے مگر بقول حافظ ابن حجر صحیح کی روایت

کو ترجیح دی جائے گی۔ اس حدیث میں حضورؐ کی صراحت موجود ہے کہ آپؐ نبی، رسول، بشیر، نذیر، سراج منیر اور دیگر بے شمار صفات کے باوجود بہرحال بشر ہیں۔ اس کا انکار عناد و جمود اور حماقت و سخافت کے سوا کچھ نہیں ہے۔

اس حدیث میں فرمایا کہ: فلیتحر الصواب ''وہ درستی کا قصد کرے'' مسلم کی ایک روایت ہے: فلیتحر الذی یری انہ الصواب ''وہ جس چیز کو درست سمجھتا ہے اس کا قصد کرے'' ایک اور روایت میں ہے: فایکم شک فی صلاتہ فلینظر احری ذالک الصواب ''تم میں سے جس کو نماز میں شک ہو جائے وہ دیکھے کہ اقرب الی الصواب کیا ہے'' ایک اور روایت میں: اقرب ذالک الی الصواب، کے لفظ ہیں جس تحری کا حکم اس حدیث میں ہے اس سے کیا مراد ہے؟ شافعیہ نے کہا کہ اس سے مراد یقین پر بنا کرنا ہے نہ کہ اغلب پر کیونکہ نماز کا ذمہ پر ہونا یقینی ہے اور یقین تو یقین سے ہی ساقط ہو سکتا ہے۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ تحری کا معنی ہے غلبۂ ظن پر عمل کرنا، اور مسلم کی روایات کا ظاہر یہی معنی بتاتا ہے۔ ابن حبان نے اپنی صحیح میں کہا ہے کہ بناء اور تحری میں فرق ہے۔ بناء تو یہ ہے کہ مثلاً تین اور چار رکعت میں شک ہو، اس صورت میں شک کو لغو کرنا ضروری ہے۔ تحری یہ ہے کہ نماز ہی میں شک ہو کہ کتنی رکعات پڑھی ہیں، پس اس صورت میں غلبۂ ظن پر بنیاد رکھے گا۔ منفرد ہمیشہ یقین پر بنیاد رکھے۔ احمد کی ایک روایت شافعیہ جیسی اور ایک حنفیہ جیسی ہے۔ ابو حنیفہؒ نے کہا کہ شک اگر پہلی بار ہوا ہے تو نماز کو از سر نو شروع کرے اور اگر شک ہوتا ہو تو غلبۂ ظن پر بنیاد رکھے۔ اگر غلبۂ ظن نہ ہو تو یقین پر عمل کرے (فتح الباری)

اس حدیث میں بھی گفتگو کے باوجود نماز کا اعادہ نہیں کیا گیا، ہمارے نزدیک یہ حرمتِ کلام سے پہلے کے واقعات ہیں۔ کچھ تفاصیل پیچھے گزر چکی ہیں، ورنہ حدیث ذی الیدین میں کلام کے علاوہ سوال و جواب، چلنا پھرنا اور اس حدیث میں کلام کے علاوہ حضورؐ کا قبلہ رخ نہ رہنا بلکہ پتہ چلنے اور گفتگو کے بعد از سر نو قبلہ رخ ہونا بھی موجود ہے۔ اوپر کی حدیث میں سلام کے بعد سجدۂ سہو کا ذکر تھا، اس میں سجدے کر چکنے کے بعد پھر سلام کرنا آیا ہے پس پہلی حدیث سے وہ سلام مراد ہے جو سہواً کر چکے تھے اور دوسری میں سجدہ سہو کے بعد اختتام صلوٰۃ کا سلام مراد ہے۔ گویا سجدۂ سہو کی صورت میں دو سلام ہو گئے: ایک سجدے کے لیے اور دوسرا آخری سلام اختتامِ صلات کے لیے۔ اس طرح احادیث جمع ہو جاتی ہیں۔

۱۰۲۳۔ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ نُمَيْرٍ نَا اَبِيْ نَا الْاَعْمَشُ عَنْ اِبْرَاهِيْمَ عَنْ عَلْقَمَةَ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بِهٰذَا قَالَ فَاِذَا نَسِيَ اَحَدُكُمْ فَلْيَسْجُدْ سَجْدَتَيْنِ ثُمَّ تَحَوَّلَ فَسَجَدَ سَجْدَتَيْنِ قَالَ اَبُوْ دَاوٗدَ رَوَاهُ حُصَيْنٌ نَحْوَ الْاَعْمَشِ۔

عبداللہؓ کی حدیث کی ایک اور سند، اس میں ہے کہ حضورؐ نے فرمایا: پس تم میں سے کوئی جب بھول جائے تو دو سجدے کرے، پھر آپ نے قبلہ رخ ہو کر دو سجدے کئے۔ ابو داؤد نے کہا کہ اس حدیث کو حصین نے بھی اعمش کی

مانند روایت کیا۔

شرح: اس حدیث سے معلوم ہوا کہ حضورؐ نے جو مسئلہ بیان فرمایا تھا وہ سجدۂ سہو سے پہلے تھا، سجدہ بعد میں کیا۔ اوپر کی حدیث میں صراحت ہے کہ یہ گفتگو سجدۂ سہو اور سلام کے بعد ہوئی تھی۔ آگے ایک روایت الحسن سے آتی ہے اس میں بھی کلام کے سجدہ اور سلام کے بعد ہونے کا ذکر ہے۔ مولانا ؒ نے فرمایا کہ بیہقی نے اس حدیث اعمش کو ترجیح دی ہے، مسلم کی روایت بھی اس کی تائید کرتی ہے۔ حافظ ابن حجر نے اعمش کی روایت کا ذکر کیا ہے اور یہ روایت ابو داؤد اور مسلم کے علاوہ احمد اور ابن خزیمہ نے بھی بیان کی ہے۔ پھر منصور عن ابراہیم کی روایت کو ترجیح دی ہے جس میں سجدۂ سہو پہلے اور کلام بعد میں مذکور ہے۔ مگر جیسا کہ ہم نے اوپر عرض کیا ہے حضورؐ کا بیانِ مسئلہ سجدہ سے پہلے تھا یا بعد میں، اس سے اس مسئلہ پر کوئی اثر نہیں پڑتا کہ کلام مفسدِ صلاۃ ہے یا نہیں؟ کیونکہ حضورؐ کے بیانِ مسئلہ سے پہلے تو ان حدیثوں کے بموجب بھی آپ کی صحابہؓ سے بات چیت ہو چکی تھی جس سے واضح ہوا تھا کہ نماز چار کے بجائے پانچ پڑھی گئی ہے۔

۱۰۲۴۔ حَدَّثَنَا نَصْرُ بْنُ عَلِيٍّ اَنَا جَرِيْرٌ ح وَنَا يُوْسُفُ بْنُ مُوْسٰى نَا جَرِيْرٌ وَهٰذَا حَدِيْثُ يُوْسُفَ عَنِ الْحَسَنِ بْنِ عُبَيْدِ اللّٰهِ عَنْ اِبْرَاهِيْمَ بْنِ سُوَيْدٍ عَنْ عَلْقَمَةَ قَالَ قَالَ عَبْدُ اللّٰهِ صَلّٰى بِنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَمْسًا فَلَمَّا انْفَتَلَ تَوَشْوَشَ الْقَوْمُ بَيْنَهُمْ فَقَالَ مَا شَانُكُمْ قَالُوْا يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ هَلْ زِيْدَ فِي الصَّلٰوةِ قَالَ لَا قَالُوْا فَاِنَّكَ قَدْ صَلَّيْتَ خَمْسًا فَانْفَتَلَ فَسَجَدَ سَجْدَتَيْنِ ثُمَّ سَلَّمَ ثُمَّ قَالَ اِنَّمَا اَنَا بَشَرٌ اَنْسٰى كَمَا تَنْسَوْنَ۔

عبداللہؓ نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں پانچ رکعات پڑھا دیں۔ جب نماز ختم ہوئی تو لوگوں نے آپس میں کانا پھوسی کی۔ حضورؐ نے فرمایا: تمہیں کیا ہوا ہے؟ لوگوں نے کہا یا رسول اللہ کیا نماز میں اضافہ کر دیا گیا ہے؟ آپ نے فرمایا نہیں۔ لوگوں نے کہا کہ آپ نے پانچ رکعتیں پڑھائی ہیں۔ پس آپ قبلہ رخ ہو گئے پھر دو سجدے کئے پھر سلام کہا، پھر فرمایا: میں ایک بشر ہی ہوں، تمہاری مانند میں بھی بھول جاتا ہوں (یہ حدیث صحیح مسلم میں بھی آئی ہے)

شرح: تَوَشْوَشَ اور تَوَسْوَسَ دونوں کا معنی ایک ہے۔ یعنی ایسا مخفی کلام کیا جو سمجھ میں نہ آتا تھا۔ اس حدیث میں حضورؐ کا یہ کلام کہ میں بھی ایک انسان ہوں آخر سجدے اور سلام کے بعد واقع ہوا ہے جبکہ پہلی بعض روایات میں اس کے برخلاف ہے۔

۱۰۲۵۔ حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيْدٍ نَا اللَّيْثُ يَعْنِي ابْنَ سَعْدٍ عَنْ يَزِيْدَ بْنِ اَبِي

حَبِیبٍ اَنَّ سُوَیْدَ بْنَ قَیْسٍ اَخْبَرَهُ عَنْ مُعَاوِیَةَ بْنِ خُدَیْجٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَلّٰی یَوْمًا فَسَلَّمَ وَقَدْ بَقِیَتْ مِنَ الصَّلٰوۃِ رَکْعَةٌ فَاَدْرَکَهُ رَجُلٌ فَقَالَ نَسِیْتَ مِنَ الصَّلٰوۃِ رَکْعَةً فَرَجَعَ فَدَخَلَ الْمَسْجِدَ وَاَمَرَ بِلَالًا فَاَقَامَ الصَّلٰوۃَ فَصَلّٰی لِلنَّاسِ رَکْعَةً فَاَخْبَرْتُ بِذٰلِکَ النَّاسَ فَقَالُوْا لِیْ اَتَعْرِفُ الرَّجُلَ قُلْتُ لَا اِلَّا اَنْ اَرَاهُ فَمَرَّ بِیْ فَقُلْتُ هٰذَا هُوَ فَقَالُوْا هٰذَا طَلْحَةُ بْنُ عُبَیْدِ اللّٰهِ ۔

معاویہ بن خدیج سے روایت ہے کہ ایک دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز پڑھائی اور سلام بھی کہہ دیا حالانکہ نماز میں سے ایک رکعت باقی تھی۔ پس ایک آدمی آپ سے ملا اور کہا: آپ نماز سے ایک رکعت بھول گئے۔ پس آپ واپس تشریف لائے اور مسجد میں داخل ہوئے اور بلال رضی اللہ عنہ کو حکم دیا پس اس نے نماز کی اقامت کہی تو حضور نے لوگوں کو ایک رکعت پڑھائی۔ پھر میں نے لوگوں کو اس کی خبر دی تو انہوں نے کہا: کیا تم اس آدمی کو پہچانتے ہو؟ میں نے کہا نہیں، ہاں دیکھ کر صورت پہچان لوں گا۔ پس وہ میرے پاس سے گزرا تو میں نے کہا: یہ ہے وہ شخص، لوگوں نے کہا وہ طلحہ بن عبید اللہ ہے (اس حدیث کو امام نسائی نے بھی روایت کیا ہے)

شرح: معاویہ بن خدیج کندی جس کی کنیت ابو عبد الرحمن یا ابو نعیم تھی، چھوٹی عمر کا صحابی تھا۔ یعقوب بن سفیان نے اسے تابعین میں بیان کیا ہے۔ معاویہ نے لوگوں کو جو بتایا تھا یہ یا تو حضور کے بعد بتایا ہوگا یا اس واقعہ کے بعد بتایا ہوگا۔ اس حدیث میں تو حضور کا نہ صرف لوگوں سے کلام بلکہ مسجد سے باہر تشریف لے جانا پھر طلحہ رضی اللہ عنہ سے سن کر واپس آنا اور بلال رضی اللہ عنہ سے اقامت کہلوا کر لوگوں کو بقیہ رکعت پڑھانا مذکور ہے۔ اور اس میں سجدۂ سہو کا بھی کوئی ذکر نہیں۔ اس کے ظاہر پہ تو شاید کوئی بھی عمل نہ کر سکتا ہو، یہی کہا جا سکتا ہے کہ یہ ابتدائی واقعات میں سے ہے ورنہ اور کسی حدیث میں آمد و رفت اور گفتگو نہیں آئی۔

بَابُ مَنْ قَالَ یُلْقِی الشَّکَّ

ان لوگوں کے قول کا باب جنہوں نے کہا کہ جب دو اور تین میں شک ہو تو شک کو پھینک دے۔

۱۰۲۶. حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الْعَلَاءِ نَا اَبُوْ خَالِدٍ عَنِ ابْنِ عَجْلَانَ عَنْ زَیْدِ بْنِ اَسْلَمَ عَنْ عَطَاءِ بْنِ یَسَارٍ عَنْ اَبِیْ سَعِیْدٍ الْخُدْرِیِّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا شَکَّ اَحَدُکُمْ فِیْ صَلَاتِهٖ فَلْیُلْقِ الشَّکَّ وَلْیَبْنِ عَلَى الْیَقِیْنِ فَاِذَا اسْتَیْقَنَ التَّمَامَ سَجَدَ سَجْدَتَیْنِ فَاِنْ کَانَتْ صَلَاتُهٗ تَامَّةً کَانَتِ الرَّکْعَةُ نَافِلَةً وَالسَّجْدَتَانِ وَاِنْ کَانَتْ نَاقِصَةً کَانَتِ الرَّکْعَةُ تَمَامًا لِصَلَاتِهٖ وَکَانَتِ السَّجْدَتَانِ مُرْغِمَتَیِ

الشَّيْطَانِ قَالَ اَبُوْدَاوُدَ رَوَاهُ هِشَامُ بْنُ سَعْدٍ وَمُحَمَّدُ بْنُ مُطَرِّفٍ عَنْ زَيْدٍ عَنْ عَطَاءِ بْنِ يَسَارٍ عَنْ اَبِيْ سَعِيْدٍ الْخُدْرِيِّ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَحَدِيْثُ اَبِيْ خَالِدٍ اَشْبَعُ۔

ابو سعید خدری ؓ نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب تم میں سے کوئی اپنی نماز میں شک کرے تو شک کو پرے پھینک دے اور یقین پر بنیاد رکھے، پھر جب اسے نماز پوری ہونے کا یقین ہو جائے تو دو سجدے کرے، پس اگر اس کی نماز پوری تھی تو اسکی ایک رکعت نفل ہوگئی اور دو سجدے بھی نفل ہو گئے، اور اگر اس کی نماز ناقص تھی تو یہ رکعت اس کی نماز پورا کرنے کا باعث ہوگی اور دو سجدے اس کو ذلیل کرنے والے ہو گئے (یہ حدیث مسلم، نسائی اور ابن ماجہ نے بھی روایت کی ہے)

شرح: یعنی مثلاً اگر تین اور چار میں شک ہو تو تین پر تو یقین ہو گا شک چوتھی رکعت میں ہو گا لہٰذا اب چوتھی رکعت ساتھ ملائے اور سجدۂ سہو کرے۔ بالفرض اگر نماز پہلی ہی چار رکعت ہو چکی تھی تو یہ فالتو رکعت اور دو سجدے مل کر گویا دو نفل ہو گئے۔ اگر شک فی الحقیقت درست تھا تو اب چار رکعت پوری ہو گئی اور دو سجدے شیطان کو ذلیل کرنے اور اس کی ناک رگڑنے کا سبب بن گئے، کہ اس نے وسوسہ ڈال کر جو مقصد پورا کرنا چاہا تھا وہ اس میں ناکام رہا اور نمازی کو الٹا زاید عبادت کا اجر ملا۔

نماز میں شک کی صورت میں علماء میں اختلاف ہوا ہے۔ بعض نے کہا جسے شک ہو گیا اور یہ نہیں معلوم کہ نماز زیادہ پڑھ گیا ہے یا کم کر گیا ہے تو وہ بیٹھ کر دو سجدے کر لے اور سلام کہہ دے، اس کے ذمہ بس یہی ہے۔ امام طحاوی ؒ نے یہ بعض کا قول بیان کیا اور نووی نے کہا کہ یہ حسن بصری ؒ اور سلف کے ایک گروہ کا مذہب ہے۔ ان کی دلیل ابوہریرہ ؓ کی مرفوع حدیث ہے کہ: جب تم میں سے کوئی نماز پڑھے اور اسے یہ پتہ نہیں کہ تین رکعت نماز پڑھی ہے یا چار رکعت تو بیٹھ کر دو سجدے کرے۔ پس اس گروہ نے اس حدیث پر عمل کیا اور ان احادیث کو چھوڑ دیا جن میں نماز کے اعادے اور تحرّی کا ذکر ہے اور جن میں اقل تعداد پر بنا کرنے کا ذکر ہے۔ اور بعض کا قول یہ ہے کہ وہ شخص یقین پر بنیاد رکھے اور وہ کم تعداد کی رکعات ہیں یہ نووی ؒ نے کہا کہ یہ شافعی ؒ اور جمہور کا مذہب ہے۔ اور انہوں نے ابو سعید ؓ کی زیر شرح حدیث سے استدلال کیا ہے اور از سر نو پڑھنے (استیناف) کی احادیث کو ترک کر دیا ہے اور ان میں کلام کر کے کہا ہے کہ یہ ضعیف ہیں اور انہوں نے تحرّی کے معنی میں تاویل کی ہے۔ ان کے نزدیک تحرّی کا معنیٰ ہے قصد، اور اس سے مراد یقین کا قصد ہے۔

اور بعض علماء نے کہا کہ جس کو ایک رکعت میں شک ہوا اور یہ شک پہلی بار ہوا، وہ شک کا مریض نہیں تھا تو وہ نماز کو از سر نو پڑھے۔ انہوں نے اس پر عبداللہ بن مسعود ؓ کی مرفوع حدیث سے استدلال کیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، جب تم میں سے کوئی شک میں ہو کہ کتنی نماز پڑھی تو نماز کو نئے سرے سے پڑھے۔ اور اسی طرح ابن عباس ؓ، ابن عمر ؓ اور عبداللہ بن عمرو بن العاص ؓ سے یہ بطور ان کے قول کے مروی ہوا ہے۔ جیسا کہ البدائع میں ہے حافظ ابن حجر نے درایہ میں کہا ہے کہ عبداللہ بن مسعود ؓ کی حدیث کو میں نے مرفوع نہیں پایا۔ اور ابن عمر ؓ سے

مصنف ابن ابی شیبہ میں ان کا قول مروی ہے کہ جو آدمی نہیں جانتا کہ تین رکعتیں پڑھی ہیں یا چار تو وہ نماز کا اعادہ کرے حتی کہ اسے یاد رہے (کہ نماز مکمل ہے اور آئندہ ایسا نہ ہوگا) اور ابن ابی شیبہ نے اسی طرح کے اقوال سعید بن جبیر، قاضی شریح اور محمد بن الحنفیہ سے روایت کئے ہیں۔ پھر ان لوگوں نے کہا کہ جب کسی شخص کی عادت سہو کی ہو تو نمازی اس بارے میں اپنی سب سے بڑی رائے کو دیکھے اور اس پر عمل کرے پھر سلام کے بعد سجدۂ سہو کرے۔ اور اگر اس کی کوئی رائے نہ ہو تو اقل پہ بناء کرے حتی کہ اسے یقین ہو جائے کہ اس نے فریضہ ادا کر لیا ہے۔ اور اس قول کی طرف ابوحنیفہؒ گئے ہیں اور یہ ابن عمرؓ، ابوہریرہؓ، جابر بن زیدؓ اور نخعی سے بھی منقول ہے (نیل الاوطار شوکانی) اور ان لوگوں کی دلیل تحرّی کی حدیث اور بناء علی الاقل کی حدیث ہے اور حاصل یہ ہے کہ ان کے نزدیک سجدۂ سہو میں مختلف احادیث ثابت ہیں۔ اور وہ حضورؐ کا یہ قول ہے کہ: جب تم میں سے کسی کو نماز میں شک ہو جائے تو از سر نو پڑھے۔ یہ حدیث اگرچہ ان کے نزدیک معروف ہے مگر غریب ہے۔ اور اسی معنی کی حدیث ابن ابی شیبہ میں ابن عمرؓ سے آئی ہے اور ابن ابی شیبہ نے اسی طرح کی روایت سعید بن جبیر اور شریح اور محمد بن الحنفیہ سے کی ہے۔ اور ان کی دلیل یہ صحیح حدیث ہے کہ: جب تم میں سے کسی کو شک ہو جائے تو درستی کا قصد کرے اور نماز پوری کرے۔ اور جو ترمذی اور ابن ماجہ نے عبدالرحمٰن بن عوفؓ سے روایت کی ہے کہ: میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے سُنا کہ جب تم میں سے کسی کو نماز میں سہو ہو جائے اور اسے معلوم نہ ہو کہ ایک رکعت پڑھی ہے یا دو، تو وہ ایک پہ بناء کرے۔ اور ترمذی نے اس کی تصحیح کی ہے۔ اور چونکہ ان کے نزدیک یہ تمام احادیث ثابت ہیں لہٰذا انہوں نے جمع کا طریقہ اختیار کیا کہ ہر حدیث کو اپنے محمل پہ چسپاں کیا (فتح القدیر علامہ ابن الہمامؒ)

مولاناؒ نے فرمایا کہ از سر نو نماز پڑھنا اس لئے ہے کہ اگر وہ شخص پھر اعادہ کرے گا تو فرض کو کامل طور پر یقین کے ساتھ ادا کرے گا اور اس صورت میں اگر وہ اقل پہ بناء کرے تو گویا اس نے فریضہ کامل طور پہ ادا نہ کیا کیونکہ ہو سکتا ہے کہ فریضہ پر اضافہ کر دے اور نماز میں اضافہ کرنا بھی اس میں نقص پیدا کر دیتا ہے، اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اس سے نماز ہی فاسد ہو جائے۔ وہ اس طرح اگر وہ چار رکعت پڑھ چکا تھا اور اس نے گمان کیا کہ تین پڑھی ہیں پس اس نے اقل پہ بناء کی اور ایک اور رکعت کا اضافہ کر دیا اور آخری قعدہ نہ کیا۔ اس سے واضح ہو گیا کہ نئے سرے سے نماز پڑھنا اس کا ابطال نہیں ہے کیونکہ کامل تر طریقے سے ادائیگی کے لیے کسی چیز کو فاسد کرنا دراصل فاسد کرنا نہیں ہوتا۔ اور اقل پہ بنیاد رکھنے کی حدیث اس وقت کے لیے ہے جب کہ کئی مرتبہ سہو ہو چکا ہو اور کسی چیز پہ تحرّی واقع نہ ہو۔ اس کی دلیل وہی حدیث ہے جو ہم نے نئے سرے سے نماز پڑھنے کے سلسلے میں روایت کی۔ اور تحرّی اس لیے ہے کہ اس شخص کو مشتبہ چیز سے باہر نکلنے کی کوئی دلیل نہیں ملی اور جب دلائل نہ ہوں تو تحرّی مشروع ہے جیسا کہ قبلہ کے معاملے میں۔ اور اس صورت میں از سر نو نماز پڑھنے کی کوئی وجہ نہیں کیونکہ ممکن ہے پھر سہو واقع ہو جائے، اسی طرح تیسری اور چوتھی مرتبہ لاانتہا، تعداد تک۔ اور اس صورت میں اقل پہ بناء کی کوئی وجہ نہیں کیونکہ ممکن ہے اس سے فریضے پہ اضافہ واقع ہو جائے جو خود ایک نقصان ہے۔ اور ہو سکتا ہے اس سے نماز ہی فاسد ہو جائے۔ اور امام شافعیؒ کی روایت اُس صورت پہ محمول ہے کہ جب اُس نے تحرّی کی اور نتیجہ کچھ نہ نکلا وہ کوئی فیصلہ کرنے سے قاصر رہا۔ اور ہمارے نزدیک بھی جب تحرّی بے کار ہو جائے تو اقل مقدار صلوٰۃ

پر ہی بنا، کی جائے گی۔
جو لوگ تحری کے قائل ہیں ان میں تحری کے متعلق بھی اختلاف ہے۔ ابو حنیفہؒ اور مالکؒ اور فقہاء کے ایک گروہ نے کہا ہے کہ یہ اس شخص کے لیے ہے جو بار بار شک میں مبتلا اور شک کا مریض ہو کر رہ جائے۔ اگر ایسا نہ ہو تو وہ یقین پر بنیاد رکھے گا۔ کچھ اور لوگوں نے کہا کہ تحری اپنے عموم پر ہے۔ اور کچھ اور لوگوں نے کہا کہ بار بار اعادہ کرنا واجب ہے حتی کہ اُسے یقین حاصل ہو جائے۔ عراقی کے بیان کے مطابق یہ ابن عمرؓ، سعید بن جبیرؒ، قاضی اور محمد بن الحنفیہؒ، میمون بن مہرانؒ، عبد الکریم جزریؒ، شعبیؒ، اور اوزاعیؒ کا قول ہے۔
حافظ ابن القیمؒ نے زاد المعاد میں کہا ہے کہ بقولِ امام احمد شک کی دو صورتیں ہیں: یقین اور تحری۔ پس جو یقین تک پہنچ گیا وہ شک کو لغو کر دے اور قبل السلام سہو کے دو سجدے کرے بدلیل حدیث ابی سعید الخدری۔ اور جب وہ تحری کی طرف رجوع کرے اور اسے زیادہ تر وہم ہوتا رہتا ہے تو وہ سلام کے بعد دو سجدۂ سہو کرے بنا پر حدیثِ ابن مسعودؓ۔ اور امام احمدؒ کے نزدیک تحری اور یقین میں فرق یہ ہے کہ جب نمازی خود امام ہو تو اپنے غلبۂ ظن اور زیادہ تر وہم پر بنا کرے گا اور یہی تحری ہے پس وہ سلام کے بعد سہو کا سجدہ کرے گا جیسا کہ حدیث ابن مسعودؓ میں ہے۔ اور اگر وہ منفرد ہے تو یقین پر بنا کرے اور ابو سعیدؓ کی حدیث کی بنا پر قبل السلام سجدہ کرے احمدؒ کے اکثر اصحاب کا اُس کے ظاہر مذہب کو حاصل کرنے میں یہی طریقہ ہے۔ اور امام احمدؒ سے دو روایتیں اور ہیں۔ ایک یہ کہ مطلقاً یقین پر بنا کرے اور دوسری یہ کہ غالب ظن پر بنا کرے۔ اور احمدؒ کی ظاہری نصوص اس پر دلالت کرتی ہیں کہ شک میں اور قوی ظن غالب میں فرق ہے۔ پس جب صرف شک تو یقین پر بنا کرے اور اکثر وہم اور ظن غالب کی صورت میں تحری کرے۔

پھر یہ بھی معلوم رہے کہ حنفیہ نے کہا ہے کہ سجودِ سہو کا سبب وجوب نماز میں اصلی واجب کا ترک ہے یا اسکو بدل ڈالنا یا سہو سے فرض کو بدل ڈالنا۔ البدائع میں ہے کہ سجودِ سہو کا وجوب نماز کے اصلی واجب کا ترک یا اس کی تغییر یا فرض کو سہو سے اس کے اصل محل سے بدل دینا ہے، کیونکہ ان تمام صورتوں میں نماز میں نقصان واقع ہو جاتا ہے لہٰذا اس کی تلافی سجدۂ سہو سے واجب ہے۔ اور حدیث نے سجدۂ سہو کو ان صورتوں کے ساتھ واجب بنایا ہے (۱) ظہر یا عصر یا مغرب کی نمازوں میں دو رکعت پر سلام۔ (۲) چار کے بجائے پانچ پڑھ ڈالنا (۳) دو رکعتوں پر قعدہ کے بغیر اٹھ کھڑا ہونا (۴) عصر کی تین رکعات پڑھ دینا (۵) نماز میں شک ہو جانا، پس پہلی چار صورتوں میں تو فرض کی تاخیر اور ترکِ واجب واقع ہوا ہے۔ اور شک کی صورت میں اس کی تمام وجوہ میں ترکِ واجب ثابت نہیں ہوتا اور نہ واجب کو بدلنا یا فرض کو اس کے محل سے متغیر کرنا، پس فقہاء نے شک کو اس شرط کے ساتھ مقید کیا ہے کہ نمازی کو نماز میں شک ہو گیا اور اُس کا تفکر طویل ہو گیا حتی کہ اس کو فرض کے محل پر اس کی ادائیگی سے باز رکھا۔
جب تفکر اتنا طویل ہو گیا کہ اس کی مقدار ارکانِ صلاۃ میں سے کسی رُکن کی ادائیگی کی مقدار جتنی ہو گئی (یعنی اتنی دیر میں وہ ایک رُکن صلاۃ ادا کر سکتا تھا، مثلاً رکوع اور سجدہ۔ پس یہ صورت سہو کی ہے اور اس میں سجدۂ سہو آتا ہے۔ اگر تفکر اتنا طویل نہیں ہوا تو اس کے ذمہ سجدۂ سہو نہیں ہے کیونکہ اس صورت میں اصلی واجب کا ترک یا اس کی تبدیلی یا فرض کا تغیر اس کے محل سے لازم نہیں آیا۔ اس کا باعث یہ بھی ہے کہ قلیل تفکر سے بچنا ممکن نہیں لہٰذا

حرج دفع کرنے کے لیے وہ معاف ہے۔ اور یہ حدیث گو مطلق ہے مگر وہ بعض صورتوں کے ساتھ خاص ہے کیونکہ حدیث صحیح میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے کہ آپ نے ایک منقش چادر پہن کر نماز پڑھی اور اس کے نقوش نے آپ کو مشغول کر دیا تو آپؐ نے فرمایا کہ اسے ابوجہمؓ کے پاس لے جاؤ اور اس سے سادہ چادر لے آؤ کیونکہ اس نے مجھے نماز سے غافل کر دیا تھا۔ بعض احادیث میں اَلْهَتْنِی کا لفظ ہے اور بعض میں شَغَلَتْنِی کا۔ اور بیہقی نے جناب عمر بن الخطابؓ سے روایت کی ہے کہ میں بحرین سے جزیہ کا حساب کرتا ہوں حالانکہ میں نماز میں کھڑا ہوتا ہوں۔ پس ان صورتوں میں سہو تو واقع ہوا مگر یہ ثابت نہیں ہوا کہ ان بزرگوں نے سہو کا سجدہ کیا تھا۔ اس میں یہ دلیل ہے کہ مطلق سہو سجدہ واجب نہیں کرتا۔ اور اسی طرح جب اذکارِ صلوٰۃ میں سہو ہو جائے مثلاً جب نمازی رکوع یا سجدے کی تسبیحات سہواً ترک کر دے یا تکبیرات ترک کر دے تو بھی سجدہ واجب نہیں۔ عیدین کی تکبیریں اس سے مستثنیٰ ہیں۔ ان کے ترک سے اور قنوت کے ترک سے اور تشہد کے ترک سے سجدہ واجب ہے۔ اسی طرح جہر کی جگہ خفاء اور خفاء کی جگہ جہراً قرأت کرنے سے سجدہ واجب ہے۔ کیونکہ دلائل سے یہ چیزیں واجب ثابت ہوتی ہیں۔

حدیث کے آخر میں ابوداؤد کہتے ہیں کہ اس حدیث کو ہشام بن سعد نے اور محمد بن مطرف نے زید بن اسلم سے اس نے عطاء بن یسار سے اس نے ابوسعید خدریؓ سے روایت کیا، اس نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے۔ اور ابو خالد کی حدیث کامل تر ہے۔ شرح معانی الآثار میں طحاویؒ نے ہشام بن سعد کی حدیث روایت کی ہے۔ اس کے آخر میں ہے، پھر سلام سے قبل دو سجدے کرے۔ اور طحاویؒ کی حدیث اس زیرِ حدیث سے کامل تر ہے۔ دوسرا حوالہ جو ابوداؤد نے دیا ہے وہ محمد بن مطرف کی روایت عن زید بن اسلم کی حدیث کا ہے یہ حدیث مسند احمد میں یوں آئی ہے: نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب کہ تم میں سے کسی کو اپنی نماز میں شک ہو جائے تو شک کو پرے پھینک دے اور یقین پر بنا کرے اور دو سجدے کرے، پس اگر پانچ رکعت ہو گئی تھیں تو دو سجدوں سے پانچویں رکعت مل کر دو رکعت شمار ہو جائیں گی، یعنی نفل، اور اگر اس نے چار پڑھیں تو دو سجدے شیطان کی تذلیل کے لیے ہوں گے۔

۱۰۲۷۔ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِ الْعَزِيزِ بْنِ أَبِي رِزْمَةَ أَنَا الْفَضْلُ بْنُ مُوسَى عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ كَيْسَانَ عَنْ عِكْرِمَةَ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سَمَّى سَجْدَتَيِ السَّهْوِ الْمُرْغِمَتَيْنِ۔

ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے سہو کے دو سجدوں کا نام مرغمتین (ذلیل کرنیوالے) رکھا تھا (کیونکہ وہ شیطان کی تذلیل و توہین کا باعث بنتے ہیں)

۱۰۲۸۔ حَدَّثَنَا الْقَعْنَبِيُّ عَنْ مَالِكٍ عَنْ زَيْدِ بْنِ أَسْلَمَ عَنْ عَطَاءِ بْنِ يَسَارٍ

اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ اِذَا شَكَّ اَحَدُكُمْ فِیْ صَلَاتِہٖ فَلَا یَدْرِیْ كَمْ صَلّٰی ثَلَاثًا اَوْ اَرْبَعًا فَلْیُصَلِّ رَكْعَۃً وَلْیَسْجُدْ سَجْدَتَیْنِ وَھُوَ جَالِسٌ قَبْلَ التَّسْلِیْمِ فَاِنْ كَانَتِ الرَّكْعَۃُ الَّتِیْ صَلّٰی خَامِسَۃً شَفَعَھَا بِھَاتَیْنِ وَاِنْ كَانَتْ رَابِعَۃً فَالسَّجْدَتَانِ تَرْغِیْمٌ لِلشَّیْطَانِ۔

عطاء بن یسار سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب تم میں سے کسی کو اپنی نماز میں شک پڑ جائے پس وہ نہیں جانتا کہ کتنی پڑھی ہے، تین رکعت یا چار تو وہ ایک رکعت پڑھ لے اور وہ سلام سے قبل بیٹھے ہوئے دو سجدے کر لے پس اگر یہ رکعت جو اس نے پڑھی ہے پانچویں ہے تو وہ ان دو سجدوں کے ساتھ اس کو دو نفل بنا لے گا۔ اور اگر یہ چوتھی رکعت ہے تو یہ دو سجدے شیطان کی ذلت و رسوائی کا سبب ہیں (یہ مُرسل روایت ہے)

شرح: مؤطا کی شرح زرقانی میں ہے کہ یہ حدیث تمام راویوں نے مرسلاً بیان کی ہے، اس کے ارسال پر امام مالکؒ کی متابعت ثوری، حفص بن میسرہ، محمد بن جعفر، داؤد بن قیس نے کی ہے اور اسے ولید بن مسلم اور یحیٰی بن راشد نے مالک عن زید بن اسلم عن عطاء عن ابی سعید الخدری رضی اللہ عنہ یہ روایت موصول بیان کی ہے۔ اور اسے مسلم نے بھی موصول روایت کیا ہے۔ نسائی اور ابن ماجہ میں اس کے کئی موصول طرق ہیں، اسی لیے ابو عمر ابن عبدالبر نے کہا کہ مالک سے گو یہ حدیث صحیح روایت میں مرسل ہے مگر یہ کئی ایسے لوگوں کی روایت سے موصول ثابت ہوئی ہے جن کا اضافہ مقبول ہے کیونکہ وہ حفاظ ہیں۔ امام احمدؒ نے بھی اس کا موصول ہونا اور صحیح ہونا تسلیم کیا ہے۔

مولاناؒ نے فرمایا کہ یہ حدیث بظاہر حنفیہ کے خلاف ہے کیونکہ یہ اس پر دلالت کرتی ہے کہ نمازی سہو کا سجدہ کرے جبکہ وہ تین اور چار میں شک پر ایک رکعت پڑھ لے، پس اگر یہ رکعت جو اس کے پڑھی ہے یہ پانچویں ہے تو سہو کے دو سجدے اسے دو رکعت بنا دیں گے اور ایک اور رکعت ملانے کی ضرورت نہیں۔ جبکہ حنفیہ کہتے ہیں کہ ظہر اور عشاء کی نماز میں اس صورت میں ایک اور رکعت ملائے تاکہ اس کے دو نفل بن جائیں۔ اس کا جواب یہ ہے کہ یہ حدیث اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ نمازی کو جب نماز میں شک ہو جائے اور اُس نے اقل پر بناء کی اور پانچویں رکعت پڑھ گیا مگر اب تک بھی اُسے یاد نہ آیا کہ اس کا شک غلط تھا یا صحیح اور وہ سجدۂ سہو بھی کرے تو یہ سجدہ اس کی نماز کا شفع (جفت) بنا دیتا ہے اور اس کے لیے چھٹی رکعت ملانا ضروری نہیں۔ مگر ایک صورت اور بھی ہے، وہ یہ کہ پانچویں رکعت پڑھ گیا اور اب اسے یاد آ گیا کہ یہ واقعی پانچویں ہے، تو اس صورت میں اس حدیث میں کوئی دلیل نہیں کہ یہ دو سجدے ایک رکعت بن کر نماز نفل کو جُفت بنا دیں گے اور اس صورت کا حکم اس حدیث میں بیان نہیں کیا گیا، لہٰذا اس صورت میں (جبکہ اس کو یقیناً معلوم ہو چکا کہ واقعی میں نے پانچ رکعت پڑھی ہیں!) حنفیہ کا قول ہے کہ چھٹی رکعت ملا کر دو نفل بنائے کیونکہ ایک رکعت نفل جائز نہیں ہے۔ اسی لیے عبداللہ بن مسعودؓ کا قول ہے کہ واللہ میں نے کبھی اکیلی رکعت نہیں پڑھی، اور ابو سعید سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ

علیہ وسلم نے بتیراء (اکیلی رکعت) سے منع فرمایا تھا۔ اور حنفیہ نے چھٹی رکعت کا ملانا واجب نہیں گردانا کیونکہ محدثین نے کہا ہے کہ ابراہیم نخعیؒ کی ملاقات ابن مسعودؓ سے نہیں ہوئی اور ابو سعیدؓ کی حدیث میں انہوں نے یہ کلام کیا ہے کہ اس کا راوی محمد بن عثمان ضعیف ہے۔ نیز یہ بھی ہے کہ نمازی نے پانچویں رکعت کو بطور نفل مستقل تکبیر تحریمہ کے ساتھ نہیں پڑھا بلکہ فرض کے خیال سے پڑھا ہے پھر اسے معلوم ہوا کہ یہ فرض نہ تھی، پس اس پر یہ لازم نہ آیا کہ اس پر ایک اور رکعت کا اضافہ کرے کیونکہ وہ ظن کا نتیجہ تھی، یہی سبب ہے کہ اگر اسے قطع کر دے تو قضا واجب نہیں ہوتی۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

۱۰۲۹۔ حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ نَا يَعْقُوبُ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ الْقَارِيُّ عَنْ زَيْدِ بْنِ اَسْلَمَ بِإِسْنَادِ مَالِكٍ قَالَ اِنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اِذَا شَكَّ اَحَدُكُمْ فِي صَلَاتِهٖ فَاِنِ اسْتَيْقَنَ اَنْ قَدْ صَلّٰى ثَلَاثًا فَلْيَقُمْ فَلْيُتِمَّ رَكْعَةً بِسُجُوْدِهَا ثُمَّ يَجْلِسُ فَيَتَشَهَّدُ فَاِذَا فَرَغَ فَلَمْ يَبْقَ اِلَّا اَنْ يُسَلِّمَ فَلْيَسْجُدْ سَجْدَتَيْنِ وَهُوَ جَالِسٌ ثُمَّ يُسَلِّمُ ثُمَّ ذَكَرَ مَعْنٰى مَالِكٍ قَالَ اَبُوْ دَاوُدَ وَكَذٰلِكَ رَوَاهُ ابْنُ وَهْبٍ عَنْ مَالِكٍ وَحَفْصِ بْنِ مَيْسَرَةَ وَدَاوُدَ بْنِ قَيْسٍ وَهِشَامِ بْنِ سَعْدٍ اِلَّا اَنَّ هِشَامًا بَلَغَ بِهٖ اَبَا سَعِيْدٍ الْخُدْرِيَّ۔

یہ حدیث مالک (گذشتہ) کی دوسری روایت ہے جس میں ہے کہ: نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب تم میں سے کسی کو اپنی نماز میں شک ہو جائے۔ پس اگر اسے یقین ہو کہ اس نے تین رکعت پڑھ لی تھیں (چوتھی میں شک ہوا) پس اسے اٹھنا چاہیئے اور ایک رکعت اس کے سجدوں سمیت پوری کرنی چاہیئے۔ پھر وہ بیٹھ جائے اور تشہد کرے، پس جب وہ فارغ ہوگیا اور سلام کے سوا کچھ باقی نہیں رہا تو وہ بیٹھے بیٹھے دو سجدے کرے پھر سلام کہے۔ پھر راوی نے گذشتہ حدیث کا معنی ذکر کیا۔ ابو داؤدؒ نے کہا کہ اس طرح ابن وہب نے مالک سے اور حفص بن میسرہ سے اور داؤد بن قیس سے اور ہشام بن سعد سے روایت کی ہے، فرق صرف یہ ہے کہ ہشام نے یہ روایت ابو سعید تک پہنچائی یعنی مرسل نہیں کی (اس روایت میں گذشتہ روایت کی نسبت کچھ اختلاف ہے۔ اس میں بیان شدہ صورت یہ ہے کہ نماز کے دوران میں ہی شک زائل ہوگیا۔ اس کی مشابہت مولاناؒ کے اس بیان کے ساتھ ہے جو انہوں نے حنفیہ کے چھٹی رکعت ملانے کی صورت کی شرح میں اوپر دیا ہے ابو داؤدؒ نے داؤد بن قیس کی روایت کو بھی مرسل بتایا ہے مگر اس روایت کا جو طریق مسلم نے ذکر کیا ہے اس میں یہ متصل ہے)

بَابُ مَنْ قَالَ يُتِمُّ عَلٰى اَكْبَرِ ظَنِّهٖ

ان کا باب جنہوں نے کہا کہ اپنے ظن غالب پر نماز پوری کرے۔

۱۰۳۰۔ حَدَّثَنَا النُّفَيْلِيُّ نَا مُحَمَّدُ بْنُ سَلَمَةَ عَنْ خُصَيْفٍ عَنْ اَبِي عُبَيْدَةَ بْنِ

عَبْدِاللّٰہِ عَنْ اَبِیْہِ عَنْ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ اِذَا کُنْتَ فِیْ صَلٰوۃٍ فَشَکَکْتَ فِیْ ثَلَاثٍ اَوْ اَرْبَعٍ وَاَکْبَرُ ظَنِّکَ عَلٰی اَرْبَعٍ تَشَھَّدْتَ ثُمَّ سَجَدْتَ سَجْدَتَیْنِ وَاَنْتَ جَالِسٌ قَبْلَ اَنْ تُسَلِّمَ ثُمَّ تَشَھَّدْتَ اَیْضًا ثُمَّ تُسَلِّمُ قَالَ اَبُوْدَاوُدَ رَوَاہُ عَبْدُالْوَاحِدِ عَنْ خُصَیْفٍ وَلَمْ یَرْفَعْہُ وَوَافَقَ عَبْدَالْوَاحِدِ اَیْضًا سُفْیَانُ وَشَرِیْکٌ وَاِسْرَائِیْلُ وَاخْتَلَفُوْا فِی الْکَلَامِ فِیْ مَتْنِ الْحَدِیْثِ وَلَمْ یُسْنِدُوْہُ۔

عبداللہ بن مسعودؓ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کی کہ آپ نے فرمایا: جب تو نماز میں ہو اور تین یا چار رکعات میں شک کرے اور تیرا ظن غالب چار پر ہو تو تو تشہد کرے پھر دو سجدے بیٹھے بیٹھے کرے سلام سے قبل پھر تشہد پڑھے پھر سلام کرے۔ ابو داؤد نے کہا کہ اسے عبدالواحد نے خصیف سے روایت کیا اور مرفوع بیان نہ کیا اور سفیان، شریک اور اسرائیل بھی عبدالواحد کے موافق ہوئے اور متن حدیث میں گفتگو میں اختلاف کیا ہے اور اسے مرفوع بیان نہیں کیا (اس حدیث کو امام نسائی نے بھی روایت کیا ہے)

شرح: مسند احمد میں یہ حدیث محمد بن فضیل کے طریق سے یوں آئی ہے: محمد بن فضیل۔ خصیف۔ ابو عبیدہ۔ عبداللہ بن مسعودؓ اور مرفوع نہیں بلکہ عبداللہ کا قول ہے کہ: جب تجھے نماز میں شک ہو جائے اور تو بیٹھا ہوا ہو۔ پس تجھے نہیں معلوم کہ تو نے تین رکعات پڑھی ہیں یا چار تو اگر تیرا ظن غالب تین کا ہو تو اٹھ اور ایک رکعت پڑھ پھر سلام کہہ پھر دو سجدے کر پھر تشہد پڑھ اور سلام کہہ۔ اور اگر تیرا ظن غالب چار پڑھ چکنے کا ہے تو سلام کہہ دے پھر دو سجدے کر پھر تشہد کر۔ پھر سلام کہہ۔ پس یہ حدیث یہ دلالت کرتی ہے کہ جو سلام سجدوں کے لیے ہے وہ سجدۂ سہو سے پہلے ہے اور سجدۂ سہو کے بعد پھر تشہد اور آخری سلام ہے یعنی نماز سے فارغ ہونے کا سلام۔ میں عرض کرتا ہوں کہ حنفیہ کا عمل اسی پہ ہے کہ سجدۂ سہو سلام کے بعد ہو اور پھر تشہد وغیرہ کے بعد نماز سے خروج کا سلام کہا جائے۔ ابو عبیدہ بن عبداللہؓ کی اپنے باپ سے روایت کی ہے یا نہیں، اس پہ کلام کیا گیا ہے۔ اور اس سے قبل گزر چکا ہے۔ خصیف راوی بھی محدثین کے نزدیک متکلم فیہ ہے۔ ابو زرعہ اور ابن معین نے اسے ثقہ کہا ہے، ابن سعد نے بھی توثیق کی ہے۔ ابن حبان نے کچھ گفتگو کے بعد فیصلہ یہ کیا ہے کہ انصاف کی بات یہ ہے کہ وہ مقبول ہے بشرطیکہ ثقہ اس کی مخالفت نہ کریں۔

۱۰۳۱۔ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الْعَلَاءِ نَا اِسْمٰعِیْلُ بْنُ اِبْرَاھِیْمَ نَا ھِشَامٌ الدَّسْتَوَائِیُّ نَا یَحْیَی بْنُ اَبِیْ کَثِیْرٍ نَا عِیَاضٌ ح وَحَدَّثَنَا مُوْسَی بْنُ اِسْمٰعِیْلَ نَا اَبَانُ نَا یَحْیٰی عَنْ ھِلَالِ بْنِ عِیَاضٍ عَنْ اَبِیْ سَعِیْدِ الْخُدْرِیِّ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ

إِذَا صَلَّى أَحَدُكُمْ فَلَمْ يَدْرِ زَادَ أَمْ نَقَصَ فَلْيَسْجُدْ سَجْدَتَيْنِ وَهُوَ قَاعِدٌ فَإِذَا أَتَاهُ الشَّيْطَانُ فَقَالَ إِنَّكَ قَدْ أَحْدَثْتَ فَلْيَقُلْ قَدْ كَذَبْتَ إِلَّا مَا وَجَدَ رِيحًا بِأَنْفِهِ أَوْ صَوْتًا بِأُذُنِهِ وَهَذَا لَفْظُ حَدِيثِ أَبَانٍ قَالَ أَبُو دَاوُدَ وَقَالَ مَعْمَرٌ وَعَلِيُّ بْنُ الْمُبَارَكِ عِيَاضُ بْنُ هِلَالٍ وَقَالَ الْأَوْزَاعِيُّ عِيَاضُ بْنُ أَبِي زُهَيْرٍ۔

ابوسعید خدریؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب تم میں سے کسی نے نماز پڑھی اور یہ یاد نہ رہا کہ اس نے زیادہ پڑھی ہے یا کم تو بیٹھا ہونے کی حالت میں دو سجدے کرے۔ پس جب شیطان اس کے پاس آکر کہے کہ تیرا وضو نہیں رہا تو اسے یوں کہنا چاہیے کہ تو جھوٹا ہے، مگر جب کہ وہ اپنی ناک سے ہوا یا کان سے آواز پائے، اور یہ ابان کی حدیث کے لفظ ہیں (ابوداؤد نے کہا اور معمر اور علی بن المبارک عیاض بن ہلال کہا (سند میں عیاض راوی کی ولایت بیان کی)، اور اوزاعی نے کہا: عیاض بن ابی زہیر (اور زیادہ راجح عیاض بن ہلال ہے) یہ حدیث ترمذی اور ابن ماجہ نے بھی روایت کی اور ترمذی نے اسے حسن صحیح کہا ہے)

شرح: مطلب حدیث کا یہ ہے کہ شک سے یقین زائل نہیں ہوتا۔ محض شک سے بے وضو ہونے کا حکم نہیں دیا جائے گا جب تک کہ ممکن ذرائع سے یقین حاصل نہ ہو جائے کہ واقعی وضو نہیں رہا۔ اس ایک اصول پر ہزارہا مسائل شرع کا انحصار ہے: اَلْيَقِيْنُ لَا يَزُوْلُ بِالشَّكِّ اصول فقہ کا ایک اجماعی اصول ہے۔ عیاض بن ہلال کے متعلق بہت اختلاف ہے مگر ابن حبان کے نزدیک عیاض بن ہلال ہی صحیح ہے ورنہ اسے ہلال بن عیاض اور عیاض بن ابی ہریرہؓ بھی کہا گیا ہے۔

۱۰۳۲۔ **حَدَّثَنَا** الْقَعْنَبِيُّ عَنْ مَالِكٍ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ عَنْ أَبِي سَلَمَةَ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمَنِ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ إِنَّ أَحَدَكُمْ إِذَا قَامَ يُصَلِّي جَاءَهُ الشَّيْطَانُ فَلَبَسَ عَلَيْهِ حَتَّى لَا يَدْرِي كَمْ صَلَّى فَإِذَا وَجَدَ أَحَدُكُمْ ذَلِكَ فَلْيَسْجُدْ سَجْدَتَيْنِ وَهُوَ جَالِسٌ قَالَ أَبُو دَاوُدَ وَكَذَا رَوَاهُ ابْنُ عُيَيْنَةَ وَمَعْمَرٌ وَاللَّيْثُ۔

ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب تم میں سے کوئی نماز پڑھنے کھڑا ہو تو شیطان اس کے پاس آتا اور اسے دھوکا دیتا ہے حتیٰ کہ وہ نہیں جانتا کتنی نماز پڑھی ہے۔ پس جب تم میں سے کوئی یہ پائے تو حالت جلوس میں) وہ دو سجدے کرے۔ ابوداؤد نے کہا کہ اسی طرح ابن عیینہ اور معمر اور لیث نے (زہری سے) روایت کی ہے (یہ حدیث بخاری، مسلم، نسائی، ترمذی اور ابن ماجہ نے بھی روایت کی ہے)

شرح: حنفیہ نے سجدۂ سہو کی تمام احادیث کو جمع کرنے کی کوشش کی ہے جیساکہ اوپر محقق ابن الہمام کی عبارت ہم نے فتح القدیر سے درج کی ہے۔ یہ صورت جو اس حدیث میں ہے حنفیہ کے نزدیک اس صورت پر محمول ہے کہ نماز میں شک کرنے والا کافی غور وفکر کرے حتیٰ کہ کسی رکنِ صلاۃ میں تاخیر ہو جائے۔ اوپر ہم مولانا سہارنپوریؒ کی عبارت بھی درج کر چکے ہیں۔

۱۰۳۳۔ حَدَّثَنَا حَجَّاجُ بْنُ أَبِي يَعْقُوبَ نَا يَعْقُوبُ أَنَا ابْنُ أَخِي الزُّهْرِيِّ عَنْ مُحَمَّدِ ابْنِ مُسْلِمٍ بِهَذَا الْحَدِيثِ بِإِسْنَادِهِ زَادَ وَهُوَ جَالِسٌ قَبْلَ التَّسْلِيمِ۔

۱۰۳۴۔ حَدَّثَنَا حَجَّاجٌ نَا يَعْقُوبُ أَنَا أَبِي عَنِ ابْنِ إِسْحَاقَ حَدَّثَنِي مُحَمَّدُ بْنُ مُسْلِمٍ الزُّهْرِيُّ بِإِسْنَادِهِ وَمَعْنَاهُ قَالَ فَلْيَسْجُدْ سَجْدَتَيْنِ قَبْلَ أَنْ يُسَلِّمَ ثُمَّ يُسَلِّمُ۔

اسی حدیث کی یہ ایک اور روایت ہے جس میں یہ اضافہ ہے کہ: حالت جلوس میں قبل از سلام دو سجدے کرے۔
یہ اس حدیث کی تیسری روایت ہے جو اوپر کی مانند محمد بن مسلم زہری کی سند اور پہلی حدیث کے معنی کے مطابق ہے۔ اس میں کہا کہ: پھر وہ دو سجدے کرے قبل از سلام پھر سلام کرے (قبل السلام اور بعد السلام دونوں احادیث کے الفاظ ہیں اور ان پہ بحث اوپر گزر چکی ہے)

بَابُ ۸۲ مَنْ قَالَ بَعْدَ التَّسْلِيمِ

ان کا باب جنہوں نے سجدۂ سہو بعد از سلام کہا۔

۱۰۳۵۔ حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ نَا حَجَّاجٌ عَنِ ابْنِ جُرَيْجٍ أَخْبَرَنِي عَبْدُ اللهِ بْنُ مُسَافِعٍ أَنَّ مُصْعَبَ بْنَ شَيْبَةَ أَخْبَرَهُ عَنْ عُتْبَةَ بْنِ مُحَمَّدِ بْنِ الْحَارِثِ ابْنِ عَبْدِ اللهِ بْنِ جَعْفَرٍ أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ شَكَّ فِي صَلَاتِهِ فَلْيَسْجُدْ سَجْدَتَيْنِ بَعْدَ مَا يُسَلِّمُ۔

عبداللہ بن جعفرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو اپنی نماز میں شک کرے وہ سلام کے بعد دو سجدے کرے (یہ حدیث امام احمدؒ نے مسند میں بھی روایت کی ہے)

شرح: عبداللہ بن جعفرؓ جناب علیؓ کے بھتیجے تھے، حبشہ میں پیدا ہوئے، حضورؐ کی وفات کے وقت ان کی عمر دس سال تھی، صغار صحابہ میں سے تھے۔ نماز میں زیادتی اور نقصان دونوں صورتوں میں حنفیہ کا مذہب اس حدیث کے مطابق ہے۔ امام شافعیؒ کے نزدیک دونوں صورتوں میں تشہد کے بعد قبل السلام۔ اوپر گزر چکا ہے کہ حنفیہ نے قبل از سلام

اور بعد از سلام دونوں قسم کی احادیث کو بھی جمع کیا ہے۔ جہاں قبل السلام کا لفظ ہے اس سے مراد آخری سلام یعنی خروج از صلاۃ والا سلام مراد ہے۔ جہاں بعد از سلام ہے وہاں سجدۂ سہو کا سلام مراد ہے۔ واللہ اعلم بالصواب۔

بَابُ مَنْ قَامَ مِنْ ثِنْتَيْنِ وَلَمْ يَتَشَهَّدْ

جو دو رکعت کے بعد تشہد کے بغیر اُٹھے اس کا باب۔

۱۰۳۶۔ حَدَّثَنَا الْقَعْنَبِيُّ عَنْ مَالِكٍ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ الْأَعْرَجِ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ بُحَيْنَةَ أَنَّهُ قَالَ صَلَّى لَنَا رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَكْعَتَيْنِ ثُمَّ قَامَ فَلَمْ يَجْلِسْ فَقَامَ النَّاسُ مَعَهُ فَلَمَّا قَضٰى صَلَاتَهُ وَانْتَظَرْنَا التَّسْلِيمَ كَبَّرَ فَسَجَدَ سَجْدَتَيْنِ وَهُوَ جَالِسٌ قَبْلَ التَّسْلِيمِ ثُمَّ سَلَّمَ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ۔

عبداللہ بن بحینہ نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں دو رکعت نماز پڑھائی پھر اٹھ کھڑے ہوئے اور تشہد میں نہ بیٹھے تو لوگ بھی آپ کے ساتھ اٹھ کھڑے ہوئے۔ پھر جب آپ نے نماز پوری کی اور ہم نے آپ کے سلام کا انتظار کیا آپؐ نے تکبیر کہی اور بیٹھے ہوئے ہی دو سجدے کئے قبل از سلام، پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے سلام کہا۔

شرح: عبداللہ بن بحینہؓ کی والدہ کا نام بحینہ اور باپ کا نام مالک بن قشب تھا۔ اسے کبھی باپ کی نسب سے عبداللہؓ بن مالک بن قشب اور کبھی ماں کی نسب سے عبداللہ بن بحینہؓ کہا گیا ہے۔ مالک نے مطلب بن عبد مناف کے ساتھ عقد حلف منعقد کیا تھا اور بحینہ بنت الحارث بن مطلب سے نکاح کیا تھا۔ حدیث میں جس نماز کا ذکر ہے وہ حسب روایت مالکؒ (بخاری میں) ظہر کی نماز تھی۔ یہ حدیث ابو داؤد کے علاوہ باقی پانچوں صحاح میں بھی موجود ہے۔ اس کی ایک روایت میں ہے کہ حضورؐ جب تیسری رکعت کی طرف اٹھے تو لوگوں نے تسبیح کہی مگر آپ نے نماز جاری رکھی حتی کہ نماز سے فارغ ہو گئے۔ اس موقع پر قبل السلام کی احادیث کو ترجیح دینے کی وجوہ پر بحث کی ہے ہم نظرانداز کرتے ہیں کیونکہ اس موضوع پر اوپر کی احادیث کے ضمن میں گفتگو ہو چکی ہے۔

۱۰۳۷۔ حَدَّثَنَا عَمْرُو بْنُ عُثْمَانَ نَا أَبِي وَبَقِيَّةُ قَالَا نَا شُعَيْبٌ عَنِ الزُّهْرِيِّ بِمَعْنٰى إِسْنَادِهِ وَحَدِيثِهِ زَادَ وَكَانَ مِنَّا الْمُتَشَهِّدُ فِي قِيَامِهِ قَالَ أَبُو دَاوُدَ وَكَذٰلِكَ سَجَدَهُمَا ابْنُ الزُّبَيْرِ قَامَ مِنْ ثِنْتَيْنِ قَبْلَ التَّسْلِيمِ وَهُوَ قَوْلُ الزُّهْرِيِّ۔

اوپر کی حدیث ایک اور روایت سے۔ اس میں یہ لفظ زائد ہیں کہ: ہم میں سے بعض نے تیسری رکعت کے قیام میں تشہد پڑھا۔ ابوداؤد نے کہا کہ ابن الزبیرؓ نے بھی اسی طرح سجدۂ سہو کیا تھا اور وہ بھی دو رکعت پر اٹھ کھڑے ہوئے تھے، انہوں نے سلام سے قبل سجدہ کیا تھا اور یہی زہری کا قول ہے (کہ قبل از سلام سجدہ کرے)

۸۵ - بَابُ مَنْ نَسِيَ أَنْ يَتَشَهَّدَ وَهُوَ جَالِسٌ

جو حالتِ جلوس میں تشہد بھول جائے اس کا باب۔

۱۰۳۸۔ حَدَّثَنَا الْحَسَنُ بْنُ عَمْرٍو عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ الْوَلِيدِ عَنْ سُفْيَانَ عَنْ جَابِرٍ نَا الْمُغِيرَةُ بْنُ شُبَيْلٍ الْأَحْمَسِيُّ عَنْ قَيْسِ بْنِ أَبِي حَازِمٍ عَنِ الْمُغِيرَةِ بْنِ شُعْبَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا قَامَ الْإِمَامُ فِي الرَّكْعَتَيْنِ فَإِنْ ذَكَرَ قَبْلَ أَنْ يَسْتَوِيَ قَائِمًا فَلْيَجْلِسْ فَإِنِ اسْتَوَى قَائِمًا فَلَا يَجْلِسْ وَيَسْجُدُ سَجْدَتَيِ السَّهْوِ وَقَالَ أَبُو دَاوُدَ وَلَيْسَ فِي كِتَابِي عَنْ جَابِرٍ الْجُعْفِيِّ إِلَّا هَذَا الْحَدِيثَ۔

مغیرہ بن شعبہؓ نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب امام دو رکعتوں میں اٹھ کھڑا ہو (بلا تشہد) تو اگر سیدھا کھڑا ہونے سے پہلے اسے یاد آجائے تو بیٹھ جائے، لیکن اگر سیدھا کھڑا ہو چکا تھا تو نہ بیٹھے اور سہو کے دو سجدے کرے۔ ابو داؤد نے کہا کہ میری کتاب میں جابر جعفی سے اس حدیث کے سوا کوئی اور نہیں ہے (اس حدیث کو ابن ماجہ نے بھی روایت کیا ہے)

شرح: اس باب کے عنوان میں اور گزشتہ باب کے عنوان میں یہ فرق ہے کہ گزشتہ باب میں صرف اس نماز کا ذکر تھا جو سیدھا کھڑا ہو چکا تھا اور پھر اسے یاد آیا کہ تشہد نہیں کہا۔ اس باب میں اس شخص کو سیدھا کھڑا ہونے سے پہلے ہی یاد آگیا۔ اور اگر سیدھا کھڑا ہو جانے کے بعد یاد آیا تو اس کا حکم بھی اس میں مذکور ہے۔ حدیث میں ذکر امام کا ہی ہے مگر اس مسئلہ میں منفرد کا بھی یہی حکم ہے۔ حنفیہ نے چونکہ سجدۂ سہو کی احادیث کو جمع کر کے ہر ایک کو اس کے الگ الگ محل پر چسپاں کیا ہے لہذا اس حدیث کو بھی انہوں نے بعینہٖ انہی صورتوں کے لیے کیا ہے جو اس میں مذکور ہیں۔ جہاں تک جابر جعفی کا تعلق ہے اس کے رافضی ہونے میں تو شبہ نہیں مگر محدثین بدعتی فرقوں کی روایت ان مسائل میں لینے کے قائل ہیں جو ان کے مذہب کی مؤید نہ ہو بشرطیکہ بدعتی راوی عادل ہو۔ کتب اصول حدیث میں یہ مسئلہ واضح طور پر مذکور ہے۔ اب ہم جابر جعفی پر کلام کرتے ہیں:

علماء نے جابر جعفی کے بارے میں اختلاف کیا ہے۔ حافظ ابن حجرؒ نے تہذیب میں کہا ہے کہ ابن مہدی کا بیان ہے میں نے جابر سے بڑھ کر حدیث میں زیادہ محتاط شخص نہیں دیکھا۔ ابن عُلیہ نے شعبہ سے نقل کیا کہ جابر حدیث میں نہایت صادق ہے۔ یحییٰ بن ابی بکر نے شعبہ سے نقل کیا کہ جابر جب حدثنا یا سمعت کہتا تو ثقہ ترین لوگوں میں سے ہوتا تھا۔ ابن ابی بکیر نے ہی زہیر بن ابی معاویہ کا قول نقل کیا ہے کہ جب وہ سمعتُ یا سألتُ کہتا تو صادق ترین لوگوں میں سے تھا۔ وکیع کا قول ہے: کہ اور جس چیز میں چاہو شک کرو مگر جابر کے ثقہ ہونے میں شک مت کرو ہمیں اس کے حوالے سے مسعر، سفیان، شعبہ اور حسن بن صالح نے احادیث سنائیں۔ ابن عبدالحکیم نے کہا کہ میں نے شافعی کو سنا کہ ثوری نے شعبہ سے کہا: اگر تم نے جابر جعفی پر تنقید کی تو میں تم پر تنقید کروں گا۔

دُوری نے ابن معین سے روایت کر کے کہا ہے: جابر کو دیکھنے والوں میں سے زائدہ کے سوا اور کسی نے اُسے نہیں چھوڑا اور جابر کذاب تھا۔ ایک اور جگہ ابن معین نے کہا ہے کہ: اس کی حدیث نہ لکھی جائے اور نہ اس کا کوئی احترام ہے۔ بیان بن عمرو نے یحییٰ بن سعید سے روایت کر کے کہا: ہم نے جابر کی حدیث ثوری کے ہمارے پاس آنے سے قبل ہی ترک کر دی تھی۔ یحییٰ بن سعید نے اسماعیل بن ابی خالد سے نقل کیا کہ: شعبی نے جابر سے کہا کہ اے جابر تو اس وقت تک نہ مرے گا جب تک کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر جھوٹ نہ باندھ لے۔ اسماعیل نے کہا کہ شب و روز نہ گزرے تھے کہ جابر کو جھوٹ کا الزام دے دیا گیا۔ یحییٰ بن یعلی سے پوچھا گیا کہ تو ان تین آدمیوں کی روایت کیوں نہیں لیتا: ابن ابی یعلی، جابر جعفی اور کلبی؟ تو اس نے کہا کہ واللہ جابر جعفی تو حضرت علی رضؓ کی دنیا میں دوبارہ واپسی پر ایمان رکھتا تھا اور کذاب تھا۔ اور ابو یحییٰ حمانی نے ابو حنیفہ رحؒ سے روایت کر کے کہا کہ: میں نے جتنے لوگوں سے ملاقات کی ہے ان میں سے جابر سب سے بڑا کذاب تھا۔ میں نے اپنے اجتہاد سے جو مسئلہ بھی اسے بتایا اس نے اس میں کوئی نہ کوئی اثر و حدیث پیش کر دیا اور اس نے کہا کہ: میرے پاس تیس ہزار حدیثیں ہیں جنہیں میں نے ظاہر نہیں کیا۔ عمرو بن علی نے کہا کہ یحییٰ اور عبدالرحمٰن (ابن مہدی؟) جابر سے حدیث نہ لیتے تھے گو اس سے قبل عبدالرحمٰن ہمیں اس کی احادیث سنایا کرتا تھا پھر اسے ترک کر دیا۔ نسائی نے اسے متروک الحدیث کہا ہے اور ایک جگہ کہا ہے کہ وہ ثقہ نہیں، نہ اس کی حدیث لکھی جاتی ہے۔ الحاکم ابو احمد نے کہا کہ وہ ذاہب الحدیث ہے سلام بن ابی مطیع نے کہا کہ جابر جعفی نے مجھ سے کہا تھا: میرے پاس علم کے پچاس ہزار باب ایسے ہیں جن کی حدیث میں نے کسی کو نہیں سنائی۔ پھر میں ایوب سختیانی کے پاس گیا اور یہ بات اس سے بیان کی تو ایوب نے کہا: اب تو وہ کذاب ہے۔ جریر بن عبدالحمید نے ثعلبہ سے روایت کی کہ: میں نے جابر جعفی کے پاس جانے کا ارادہ کیا تو لیث بن ابی سلیم نے مجھ سے کہا اُس کے ہاں مت جاؤ وہ کذاب ہے۔ جریر نے کہا کہ میں اس سے روایت لینا حلال نہیں جانتا وہ رجعت (علی رضؓ کی دنیا میں واپسی) پر ایمان رکھتا تھا۔ ابو داؤد نے کہا کہ وہ میرے نزدیک حدیث میں قوی نہیں ہے۔ شافعی نے کہا کہ میں نے سفیان بن عیینہ سے سنا کہ وہ کہتا تھا: میں نے جابر جعفی سے کوئی بات سنی تو فوراً باہر نکل آیا، مجھے ڈر تھا کہ ہم پر چھت نہ گر پڑے، وہ رجعت پر ایمان رکھتا تھا، اس کے علاوہ بھی اس نے اس کی جرح میں بہت کچھ کہا، پھر کہا کہ اگر کوئی یہ دلیل دے کہ: شعبہ اور ثوری نے اس سے روایت کی ہے، تو ہمارا جواب یہ ہے کہ ثوری کا یہ مذہب نہ تھا کہ ضعفاء سے روایت ترک کی جائے۔ لیکن شعبہ وغیرہ نے اس کے پاس اچھی چیزیں دیکھیں جن پر صبر نہ کر سکے اور ان کی تحقیق کے لیے انہیں لکھ لیا، ہو سکتا ہے ان میں سے کسی نے ازراہِ تعجب اس سے کچھ ذکر کیا ہو۔ محمد بن رافع کا بیان ہے کہ میں نے احمد بن حنبل کو یزید بن ہارون کی مجلس میں دیکھا اور اس کے پاس زہیر کی کتاب تھی جو اس نے جابر جعفی سے لکھی تھی۔ پس میں نے کہا: اے ابو عبداللہ: آپ لوگ ہمیں جابر سے روکتے ہیں اور خود اس سے لکھتے ہیں؟ اس نے کہا: تاکہ ہم اس کی تحقیق کریں۔ میزان میں ہے کہ زائدہ نے کہا: جابر جعفی رافضی ہے، اصحاب النبی صلی اللہ علیہ وسلم کو گالیاں دیتا ہے۔ اور ابن حبان نے کہا: وہ سبائی تھا، عبداللہ بن سبا کے اصحاب میں سے ہے اور اس کا عقیدہ تھا کہ علی رضؓ دوبارہ دنیا میں

لوٹیں گے۔ مولانا نے فرمایا کہ جب یہ ثابت ہو گیا کہ جابر شدید قسم کا رافضی تھا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب کو سب وشتم کرتا تھا، پس اس کا مذہب تقیہ تھا۔ شروع شروع میں ازراہِ تقیہ وہ نیکی اور اچھائی ظاہر کرتا تھا تاکہ لوگوں کو دھوکا لگ جائے۔ بعض محدثین کو اس سے دھوکا لگ گیا اور جب اس کا معاملہ اور اصلی کرتوت ظاہر ہو گئے تو لوگوں نے اسے چھوڑ دیا اور اس پر وضاحت کے ساتھ جرح کی، پس اس بات سے دھوکا نہیں کھانا چاہیئے کہ شعبہ اور سفیان وغیرہ نے اس کی روایت لی ہے، کیونکہ انہوں نے اس لیے اس کی روایت لی کہ اس کے وطیرے کی خوبی اور نیکی ظاہر ہوئی تھی پھر جب اس کی حقیقتِ حال پر مطلع ہوئے تو ترک کر دیا۔

آخر میں یہ گذارش کرتا ہوں کہ کاش محدثین اہلِ بدعت و رفض کے باب میں ابو حنیفہ کی رائے مان لیتے اور اس بات کا فکر نہ کرتے کہ حدیث کا کافی ذخیرہ اسی طرح چھوڑنا پڑے گا۔ اس صورت میں بہت سے فقہی اختلافات کا قلع قمع ہو سکتا تھا۔ اس کا ایک فائدہ یہ بھی ہوتا کہ بعض وہ روایات جن کے متعلق کتبِ اہل بدعت سے ان کی خاص روایات اور ان کے مخصوص مسائل ہونا ثابت ہو سکتا ہے وہ یک سر سنّی مذہب سے خارج ہوتیں اور بہت سے مصائب کا علاج ہو جاتا۔

۱۰۳۹۔ حَدَّثَنَا عُبَيْدُ اللهِ ابْنُ عُمَرَ الْجُشَمِيُّ نَا يَزِيْدُ بْنُ هَارُوْنَ اَنَا الْمَسْعُوْدِيُّ عَنْ زِيَادِ بْنِ عَلَاقَةَ قَالَ صَلّٰى بِنَا الْمُغِيْرَةُ بْنُ شُعْبَةَ فَنَهَضَ فِي الرَّكْعَتَيْنِ قُلْنَا سُبْحَانَ اللهِ قَالَ سُبْحَانَ اللهِ وَمَضٰى فَلَمَّا اَتَمَّ صَلَاتَهٗ وَسَلَّمَ سَجَدَ سَجْدَتَيِ السَّهْوِ فَلَمَّا انْصَرَفَ قَالَ رَأَيْتُ رَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَصْنَعُ كَمَا صَنَعْتُ قَالَ اَبُوْدَاؤدَ كَذٰلِكَ رَوَاهُ ابْنُ اَبِيْ لَيْلٰى عَنِ الشَّعْبِيِّ عَنِ الْمُغِيْرَةِ بْنِ شُعْبَةَ وَرَوَاهُ اَبُوْ عُمَيْسٍ عَنْ ثَابِتِ بْنِ عُبَيْدٍ قَالَ صَلّٰى بِنَا الْمُغِيْرَةُ بْنُ شُعْبَةَ مِثْلَ حَدِيْثِ زِيَادِ بْنِ عَلَاقَةَ قَالَ اَبُوْ دَاؤدَ اَبُوْ عُمَيْسٍ اَخُو الْمَسْعُوْدِيِّ وَفَعَلَ سَعْدُ بْنُ اَبِيْ وَقَّاصٍ مِثْلَ مَا فَعَلَ الْمُغِيْرَةُ وَعِمْرَانُ بْنُ حُصَيْنٍ وَالضَّحَّاكُ بْنُ قَيْسٍ وَمُعَاوِيَةُ بْنُ اَبِيْ سُفْيَانَ وَابْنُ عَبَّاسٍ اَفْتٰى بِذٰلِكَ وَعُمَرُ بْنُ عَبْدِ الْعَزِيْزِ قَالَ اَبُوْدَاؤدَ وَهٰذَا فِيْ مَنْ قَامَ مِنْ ثِنْتَيْنِ ثُمَّ سَجَدُوْا بَعْدَ مَا سَلَّمُوْا۔

زیاد بن علاقہ نے کہا کہ ہمیں مغیرہ بن شعبہؓ نے نماز پڑھائی تو دو رکعت کے بعد (قعدہ کے بجائے) اٹھ کھڑے ہوئے۔ ہم نے کہا سبحان اللہ، اس نے بھی کہا سبحان اللہ اور نماز جاری رکھی۔ جب وہ نماز پڑھا چکا تو سلام کہا اور سہو کے دو سجدے کئے۔ جب نماز ختم کی تو کہا، میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہی کرتے

دیکھا تھا جیساکہ میں نے کہا ہے۔ ابو داؤد نے کہا کہ اس حدیث کو ابن ابی لیلیٰ نے شعبی سے اس نے مغیرہ بن شعبہ سے روایت کیا۔ اور اسے ابو عمیس نے ثابت بن عبید ہ سے روایت کیا، اس نے کہا کہ ہم کو مغیرہ بن شعبہ نے نماز پڑھائی، زیاد بن علاقہ کی حدیث کی طرح۔ ابو داؤد نے کہا کہ ابو عمیس مسعودی کا بھائی تھا۔ اور سعدؓ بن ابی وقاص نے بھی اسی طرح کیا جیسے مغیرہ نے کیا۔ اور عمرانؓ بن حصین اور ضحاک بن قیس اور معاویہؓ بن ابی سفیان اور ابن عباسؓ نے بھی یہی فتویٰ دیا اور عمر بن عبدالعزیز نے بھی۔ ابو داؤد نے کہا یہ اس شخص کا حکم ہے جو دو رکعت کے بعد (بلا تشہد) اٹھ کھڑا ہو، پھر انہوں نے سلام کے بعد سجدہ کیا (یہ حدیث ترمذی نے روایت کی اور اسے حسن صحیح کہا)

شرح: ابو داؤد نے اس عبادت سے سجدۂ سہو کے بعد از سلام ہونے کو ثابت کیا ہے۔ اور ممکن ہے وہ اس حدیث مسعودی کی ترجیح جابر جعفی کی روایت پر ثابت کرنا چاہتے ہوں کہ جعفی نے تو مغیرہؓ کے حوالہ سے حضورؐ کی قولی حدیث بیان کی ہے اور مسعودی نے مغیرہؓ کا فعل اور ان کے حوالہ سے حضورؐ کا فعل روایت کیا ہے۔ پھر ابو داؤد نے ابو عمیس اور ابن ابی لیلیٰ کی روایت سے بھی مسعودی کی روایت کی تقویت کی ہے۔ مگر طحاوی کی روایت میں ہے کہ اس حدیث میں حضورؐ کا قول و فعل دونوں تھے۔ گویا طحاوی کی روایت جامع ہے۔ سعد بن ابی وقاصؓ کے جس فعل کا حوالہ ابو داؤد نے دیا ہے وہ طحاوی میں موجود ہے۔ عمران بن حصینؓ کی حدیث ذی الیدین میں بعد السلام کا ذکر ہے۔ معاویہ بن ابی سفیانؓ کی حدیث نسائی میں ہے جس میں سجدۂ سہو کا بعد السلام ہونا مذکور ہے۔ ابن عباسؓ کا فتویٰ طحاوی میں مروی ہے اور عمر بن عبدالعزیزؒ کا بھی۔ علاوہ از اں طحاوی نے عبداللہ بن زبیرؓ کے فعل سجدۂ سہو بعد اسلام ہونے پر ابن عباسؓ کی تحسین و توثیق نقل کی ہے۔

۱۰۴۰۔ حَدَّثَنَا عَمْرُو بْنُ عُثْمَانَ وَالرَّبِيعُ بْنُ نَافِعٍ وَعُثْمَانُ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ وَشُجَاعُ بْنُ مَخْلَدٍ بِمَعْنَى الْإِسْنَادِ أَنَّ ابْنَ عَيَّاشٍ حَدَّثَهُمْ عَنْ عُبَيْدِ اللَّهِ بْنِ عُبَيْدٍ الْكَلَاعِيِّ عَنْ زُهَيْرٍ يَعْنِي ابْنَ سَالِمٍ الْعَنْسِيِّ عَنْ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ جُبَيْرِ بْنِ نُفَيْرٍ قَالَ عَمْرٌو وَحْدَهُ عَنْ أَبِيهِ عَنْ ثَوْبَانَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لِكُلِّ سَهْوٍ سَجْدَتَانِ بَعْدَ مَا يُسَلِّمُ وَلَمْ يَذْكُرْ عَنْ أَبِيهِ غَيْرُ عَمْرٍو۔

ثوبان نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کی کہ حضورؐ نے ارشاد فرمایا۔ ہر سہو کے لیے بعد از سلام دو سجدے ہیں۔ (یہ حدیث ابن ماجہ نے بھی روایت کی ہے)

شرح: مولانا فرماتے ہیں کہ امام بیہقی نے اس حدیث کو اپنی سنن میں روایت کرنے کے بعد کہا: یہ ایک ضعیف اسناد ہے اور ابو ہریرہؓ اور عمرانؓ وغیرہما کی حدیثیں اس کے خلاف ہیں حالانکہ ان کے مطابق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کئی سہو سرزد ہوئے تھے۔ الجوہر النقی میں ہے کہ ابو داؤد نے اس حدیث کو روایت کرنے کے بعد

خاموشی اختیار کی، پس یہ حدیث کے نزدیک کم از کم حسن ہے جیساکہ معروف ہے۔ اس سند میں ہمارے علم کے مطابق ابن عیاش کے سوا کوئی راوی نہیں جس پر کلام ہوا ہو اور کتاب المعرفۃ میں بیہقی نے اس کے سبب سے اس حدیث کو معلول قرار دیا ہے اور کہا ہے کہ اس کی روایت میں اسماعیل بن عیاش متفرد ہے اور وہ قوی نہیں۔ حالانکہ یہ علت ضعیف ہے کیونکہ ابن عیاش نے یہ حدیث عبید اللہ کلاعی سے روایت کی ہے جو شامی ہے اور بیہقی باب ترک الوضوء من الدم میں خود کہہ چکے ہیں کہ، ابن عیاش کی جو روایت شامیوں سے ہو وہ صحیح ہے۔ سو مجھے معلوم نہیں کہ اب اس اسناد میں ضعف کہاں سے آگیا ہے۔ پھر حدیث کے الفاظ: ہر سہو کے لیے دو سجدے ہیں، کا مطلب یہ ہے کہ سہو چاہے اضافے سے ہو چاہے کمی سے، بہرصورت سجدۂ سہو ہے۔ جیسے کہا کرتے ہیں، ہر گناہ کی توبہ ہے۔ اور حدیث کا یہی مطلب لینا اولیٰ ہے بہ نسبت اس کے کہ یوں کہا جائے: نماز میں جتنے بھی سہو ہوں گے ان میں سے ہر ایک کے لیے دو سجدے ہیں جیساکہ جناب بیہقی نے سمجھا ہے۔ یہ اس لیے کہ احادیث میں تضاد ثابت نہ ہو۔ علاوہ بر آں بالکل یہی تاویل ام المؤمنین عائشہ رض کی حدیث میں صراحۃً آئی ہے کہ حضورؐ نے فرمایا: سہو کے دو سجدے ہر زیادتی یا نقصان کی طرف سے کافی ہیں، اور یہ حدیث بھی خود بیہقی نے سنن میں روایت کی ہے۔

بَابُ سَجْدَتَيِ السَّهْوِ فِيهِمَا تَشَهُّدٌ وَتَسْلِيمٌ

باب اس بیان میں کہ سہو کے سجدوں میں تشہد اور سلام ہے۔

۱۰۴۱۔ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ يَحْيَى بْنِ فَارِسٍ نَا مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِ اللهِ ابْنِ الْمُثَنَّى حَدَّثَنِي أَشْعَثُ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ سِيرِينَ عَنْ خَالِدٍ يَعْنِي الْحَذَّاءَ عَنْ أَبِي قِلَابَةَ عَنْ أَبِي الْمُهَلَّبِ عَنْ عِمْرَانَ بْنِ حُصَيْنٍ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَلَّى بِهِمْ فَسَهَا فَسَجَدَ سَجْدَتَيْنِ ثُمَّ تَشَهَّدَ ثُمَّ سَلَّمَ۔

عمران بن حصینؓ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اصحاب کو نماز پڑھائی پس آپ کو سہو ہوا پس آپؐ نے دو سجدے کئے پھر تشہد کیا پھر سلام کہا (یہ حدیث ترمذی اور نسائی نے بھی روایت کی ہے۔ ترمذی نے کہا کہ یہ حدیث حسن غریب ہے اور ایک نسخہ میں فقط حسن کا لفظ ہے اور حاکم نے کہا کہ شیخین کی شرط پر صحیح ہے)

شرح: علامہ شوکانی نے نیل الاوطار میں کہا ہے کہ اس حدیث کو ابن حبان اور حاکم اور ترمذی نے روایت کیا ہے اور ترمذی نے اس کی تحسین کی ہے اور حاکم نے اسے شیخین کی شرط پر صحیح قرار دیا ہے۔ ابن حبان نے اسے صحیح کہا ہے اور بیہقی اور ابن عبد البر وغیرہ نے اس کی تضعیف کی ہے۔ انھوں نے کہا ہے حدیث عمران رض کی محفوظ روایت میں تشہد کا کوئی ذکر نہیں اور اس حدیث میں ابن سیرین سے روایت میں اشعث متفرد ہے اور دوسرے حفاظ اس میں

اس کے خلاف ہیں جنہوں نے ابن سیرین سے روایت کی ہے۔ اور نسائی نے اس حدیث کو تشہد کے ذکر کے بغیر روایت کیا ہے۔ علامہ ابن الترکمان نے الجوہر النقی میں اس کا جواب دیا ہے کہ اشعث حمرانی ثقہ راوی ہے بخاری نے متابعات میں باب مایخوف اللہ عبادہ بالکسوف میں اس کی حدیث لی ہے یحیٰی بن معین اور یحیٰی بن سعید نے اس کی توثیق کی ہے یحیٰی بن سعید نے اسے مامون کہا ہے اور یہ بھی کہ: میں نے اپنے اصحاب میں اپنے نزدیک اس سے بڑھ کر کوئی اثبت نہیں پایا اور نہ ابن سیرین کے اصحاب میں ابن عون کے بعد اس سے زیادہ اثبت کسی کو پایا۔ پس جب اس کی ثقاہت وحفظ کا یہ عالم ہے تو اس کا تفرد اس روایت میں اس کے لیے مضر نہیں اور جو لوگ تشہد کے بارے میں خاموش رہے ان کا سکوت ان کے خلاف حجت نہیں ہو سکتا جنہوں نے اسے بیان کیا اور یاد رکھا کیونکہ یہ ثقہ کا اضافہ ہے اور اس کے دو شاہد بھی ہیں جن کا ذکر بیہقی نے کہا ہے۔ اور اس طرح ہشیم نے اپنی روایت میں تشہد کا ذکر کہا ہے (یعنی نماز میں) اور سجود السہو کے تشہد سے خاموش رہا ہے جیسے کہ وہ لوگ خاموش رہے ہیں تو اس کا سکوت اشعث کی خطاء کی دلیل کیسے بن سکتا ہے؟

پھر شوکانی نے کہا کہ ابوداؤد اور نسائی کی روایت میں ابن مسعودؓ کی حدیث میں سجود سہو میں تشہد کا ذکر موجود ہے بیہقی نے کہا کہ اس حدیث کے رفع میں اور اس کے متن میں اختلاف ہے، اور یہ ابوعبیدہ بن عبداللہؓ کی روایت اپنے باپ سے ہے جو مرسل ہے۔ اور بیہقی میں مغیرہ بن شعبہؓ کی حدیث میں ہے کہ سہو کے سجدے سے سر اٹھانے کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تشہد کیا۔ بیہقی نے کہا کہ اس میں محمد بن عبدالرحمٰن بن ابی لیلیٰ علامہ شعبی سے روایت میں متفرد ہے، حالانکہ اس کا تفرد بھی مضر نہیں۔ اور طبرانی میں حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ حضورؐ نے فرمایا: تو تشہد کر اور نماز ختم کر (سلام کہہ) پھر بیٹھے ہوئے دو سجدے کر پھر تشہد کر۔ اور اس کی سند میں موسیٰ بن مطیر اپنے باپ سے راوی ہے اور وہ ضعیف ہے اور اس پر وضع حدیث کا الزام ہے۔ حافظ نے فتح الباری میں کہا کہ کہا جا سکتا ہے کہ یہ تین احادیث یعنی عمرانؓ کی حدیث، ابن مسعودؓ کی حدیث اور مغیرہ بن شعبہؓ کی حدیث درجۂ حسن کو پہنچی ہوئی ہیں۔ حافظ علائی نے کہا کہ یہ بات بعید نہیں کیونکہ بالکل یہی مضمون ابن مسعودؓ کے قول سے ثابت ہے۔

میں یہ گزارش کرتا ہوں کہ جن احادیث میں قبل السلام کا ذکر آیا ہے اگر ان سے یہ مراد لی جائے کہ سجدۂ سہو اس آخری سلام سے پہلے ہے جو نماز ختم کرنے کے وقت کیا جاتا ہے، اور بعد السلام کا مطلب یہ ہے کہ یہ سلام سجدۂ سہو کے لیے ہے اور پھر اس کے ساتھ یہ احادیث ملائی جائیں جن میں سجدۂ سہو کے لیے تشہد کا ثبوت ہے تو سارا جھگڑا ختم ہو جاتا ہے۔ اور حنفیہ کا مذہب اس باب میں نکھر کر سامنے آجاتا ہے کہ یہی حدیث وسنت کے عین مطابق ہے۔ واللہ ہو الہادی۔

بَابُ انْصِرَافِ النِّسَاءِ قَبْلَ الرِّجَالِ مِنَ الصَّلٰوةِ

نماز سے عورتوں کے مردوں سے پہلے واپس جانے کا باب۔

۱۰۴۲۔ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ يَحْيٰى وَمُحَمَّدُ بْنُ رَافِعٍ قَالَا نَا عَبْدُ الرَّزَّاقِ اَنَا مَعْمَرٌ عَنِ الزُّهْرِيِّ عَنْ هِنْدٍ بِنْتِ الْحَارِثِ عَنْ اُمِّ سَلَمَةَ قَالَتْ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا سَلَّمَ مَكَثَ قَلِيْلًا وَكَانُوْا يَرَوْنَ اَنَّ ذٰلِكَ كَيْمَا يَنْفُذَ النِّسَاءُ قَبْلَ الرِّجَالِ۔

حضرت ام سلمہؓ نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سلام کے بعد کچھ دیر ٹھہر جاتے تھے اور لوگ جانتے تھے کہ یہ اس لئے تھا تاکہ عورتیں مردوں سے پہلے مسجد سے چلی جائیں (یہ حدیث بخاری، نسائی اور ابن ماجہ میں بھی ہے)

شرح: اس حدیث سے ثابت ہوا کہ مقتدیوں کو فتنوں کی جگہوں سے بچانا امام کا فرض ہے۔ اور یہ بھی کہ راستوں پر عورتوں اور مردوں کا اختلاط جائز نہیں ہے۔

بَابُ كَيْفَ الْاِنْصِرَافُ مِنَ الصَّلٰوةِ

نماز کے بعد دائیں بائیں منہ پھیرنے کی کیفیت کا باب۔

۱۰۴۳۔ حَدَّثَنَا اَبُوْ الْوَلِيْدِ الطَّيَالِسِيُّ نَا شُعْبَةُ عَنْ سِمَاكِ بْنِ حَرْبٍ عَنْ قَبِيْصَةَ بْنِ هُلْبٍ رَجُلٍ مِنْ طَيٍّ عَنْ اَبِيْهِ اَنَّهُ صَلّٰى مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَكَانَ يَنْصَرِفُ عَنْ شِقَّيْهِ۔

ہلب الطائی سے روایت ہے کہ اس نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نماز پڑھی، پس حضورؐ اپنی دونوں طرفوں سے منہ پھیرتے تھے (اس حدیث کو ابن ماجہ اور ترمذی نے بھی روایت کیا اور ترمذی نے اسے حسن کہا ہے)

شرح: انصراف کے دو معنے ہیں۔ ایک پھرنا یعنی دائیں یا بائیں کو پھر کر بعد از نماز بیٹھنا اور یہاں یہی معنی مراد ہے۔ دوسرا معنی ہے جدھر کو جانا ہو اُدھر کو چلنا۔ ہلبؓ صحابی ہے اس لفظ کا تلفظ بالعموم ہُلْب کیا جاتا ہے مگر صحیح ہُلب ہے (قاموس) ہلب دراصل لقب تھا اور نام اس صحابی کا یزید بن قنانہ تھا۔ یہ حضورؐ کے پاس وفد لے کر آیا تھا اور سر پہ بال نہ تھے، حضورؐ نے سر پہ دست شفقت رکھا تھا اور بال اُگ آئے تھے۔ قبیصہ کو نسائی اور ابن المدینی نے مجہول کہا ہے، عجلی نے اسے ثقہ تابعی اور ابن حبان نے اسے ثقات میں شمار کیا ہے۔

۱۰۴۴۔ حَدَّثَنَا مُسْلِمُ بْنُ اِبْرَاهِيْمَ نَا شُعْبَةُ عَنْ سُلَيْمٰنَ عَنْ عُمَارَةَ عَنِ الْاَسْوَدِ بْنِ يَزِيْدَ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ قَالَ لَا يَجْعَلُ اَحَدُكُمْ نَصِيْبًا لِلشَّيْطَانِ مِنْ صَلَاتِهٖ اَنْ لَا

يَنْصَرِفَ اِلَّا عَنْ يَمِيْنِهٖ وَقَدْ رَأَيْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَكْثَرَ مَا يَنْصَرِفُ عَنْ شِمَالِهٖ قَالَ عُمَارَةُ اَتَيْتُ الْمَدِيْنَةَ بَعْدُ فَرَأَيْتُ مَنَازِلَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ يَسَارِهٖ ۔

عبد اللہ رضؓ نے کہا کہ تم میں سے کوئی شخص اپنی نماز میں شیطان کا حصہ نہ لگائے، وہ اس طرح کہ نماز کے بعد صرف دائیں طرف سے پھرے۔ حالانکہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اکثر بائیں طرف سے پھرتے دیکھا تھا۔ عمارہ راوی نے کہا کہ میں اس کے بعد مدینہ گیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مکانات آپؐ کے بائیں طرف دیکھے (یہ حدیث بخاری، مسلم، نسائی اور ابن ماجہ نے بھی روایت کی ہے۔ مسلم اور نسائی کی ایک روایت حضرت انس رضؓ سے ہے جس میں حضورؐ کے اکثر دائیں طرف سے پھرنے کا ذکر ہے)

شرح: عمارہ بن عمیرؓ کے قول کا مطلب یہ ہے کہ حضور جب قبلہ رخ ہو کر نماز پڑھتے تو آپ کی ازواج مطہرات رضؓ کے حجرے آپ کے بائیں ہاتھ پہ ہوتے تھے، لہٰذا بار ہا نماز سے آپ کا انصراف بائیں طرف کو ہوتا تھا تاکہ بوقت ضرورت گھر تشریف لے جا سکیں۔ حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ مباح کو مباح، سنت کو سنت، واجب کو واجب مستحب کو مستحب اور فرض کو فرض جاننا ہی دین ہے۔ از خود ان درجات کو بدل دینا شیطان کا حصہ اور مذموم بدعت ہے۔ یہ بھی یاد رہے کہ مدینہ کا قبلہ جانب جنوب کو ہے اور جب جنوب کو منہ کریں تو بائیں طرف مشرق ہوگا، پس حضورؐ کے حجرے مسجد کے ساتھ جانب مشرق تھے۔

بَابُ صَلٰوةِ الرَّجُلِ التَّطَوُّعَ فِيْ بَيْتِهٖ

آدمی کے نفل نماز اپنے گھر میں پڑھنے کا باب۔

۱۰۴۵۔ حَدَّثَنَا اَحْمَدُ بْنُ حَنْبَلٍ نَا يَحْيٰى عَنْ عُبَيْدِ اللّٰهِ اَخْبَرَنِيْ نَافِعٌ عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِجْعَلُوْا فِيْ بُيُوْتِكُمْ مِنْ صَلَاتِكُمْ وَلَا تَتَّخِذُوْهَا قُبُوْرًا ۔

ابن عمر رضؓ نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اپنی کچھ نماز اپنے گھروں میں پڑھا کرو اور انہیں قبریں مت بناؤ (یہ حدیث باقی پانچوں صحاح میں بھی موجود ہے)

شرح: گھر کی نماز سے مراد نوافل ہیں جیسا کہ جابر رضؓ کی مرفوع حدیث میں صراحت ہے جو مسلم نے روایت کی۔ بقول قاضی عیاض یہ مطلب بھی ہو سکتا ہے کہ بعض دفعہ گھر کے لوگوں کو تعلیم و تربیت کی خاطر گھر میں فرائض با جماعت پڑھا کرو۔ مگر پہلا معنی ہی راجح ہے۔ گھروں کو قبریں بنانے کا مطلب یہ ہے کہ جس طرح مردے قبروں میں نماز نہیں پڑھتے

مبادا تم بھی اپنے گھروں کو نماز سے خالی کر دو۔ حدیث میں بطور اشارہ یہ بھی آ گیا کہ قبریں مردوں کے گھر ہیں۔ بعض نے اس کا یہ معنی لیا ہے کہ مقابر میں نماز نہیں ہوتی۔ اور بعض نے یہ معنی لیا ہے کہ گھروں میں مردوں کو دفن کرنا جائز نہیں۔ خطابی نے کہا کہ یہ معنی کوئی چیز نہیں کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو آپ کے مسکونہ مکان میں دفن کیا گیا تھا، مگر کرمانی نے اسے رد کیا ہے اور کہا ہے کہ یہ حضورؐ کے خصائص سے تھا کیونکہ روایت میں آیا ہے کہ نبی اپنی وفات کے مقام پر ہی دفن ہوتے ہیں۔ پس یہ حضورؐ کی خصوصیت تھی تو دوسروں کو گھروں میں دفن کرنے کی نہی اس حدیث سے ثابت کرنا بعید نہیں، کیونکہ گھروں میں مردے دفن کرنے سے ان کا قبرستان بن جانا اور پھر ان میں نماز کی کراہت بھی بعید نہیں۔

۱۰۴۶۔ حَدَّثَنَا اَحْمَدُ بْنُ صَالِحٍ نَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ وَهْبٍ اَخْبَرَنِيْ سُلَيْمَانُ بْنُ بِلَالٍ عَنْ اِبْرَاهِيْمَ بْنِ اَبِي النَّضْرِ عَنْ اَبِيْهِ عَنْ بُسْرِ بْنِ سَعِيْدٍ عَنْ زَيْدِ بْنِ ثَابِتٍ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ صَلٰوةُ الْمَرْءِ فِيْ بَيْتِهٖ اَفْضَلُ مِنْ صَلَاتِهٖ فِيْ مَسْجِدِيْ هٰذَا اِلَّا الْمَكْتُوْبَةَ۔

زید بن ثابتؓ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ آدمی کی اپنے گھر میں نماز، فرض نماز کے علاوہ، میری اس مسجد میں نماز سے بھی افضل ہے (یہ حدیث نسائی اور ترمذی میں بھی ہے اور ترمذی نے اسے حسن کہا ہے)

شرح: نفل نماز کے سلسلے میں یہ حکم مردوں کے لیے ہے۔ عورتوں کے لیے گو نماز با جماعت مسجد میں جائز ہے مگر افضل بہر حال گھر میں ہے، فرض بھی اور نفل بھی۔

بَابُ مَنْ صَلّٰى لِغَيْرِ الْقِبْلَةِ ثُمَّ عَلِمَ

باب اُس شخص کا جس نے غیر قبلہ کی طرف نماز پڑھی پھر اسے پتہ چل گیا۔

۱۰۴۷۔ حَدَّثَنَا مُوْسَى بْنُ اِسْمٰعِيْلَ نَا حَمَّادٌ عَنْ ثَابِتٍ وَحُمَيْدٍ عَنْ اَنَسٍ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَاَصْحَابَهٗ كَانُوْا يُصَلُّوْنَ نَحْوَ بَيْتِ الْمَقْدِسِ فَلَمَّا نَزَلَتْ هٰذِهِ الْاٰيَةُ فَوَلِّ وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ وَحَيْثُ مَا كُنْتُمْ فَوَلُّوْا وُجُوْهَكُمْ شَطْرَهٗ فَمَرَّ رَجُلٌ مِنْ بَنِيْ سَلِمَةَ فَنَادَاهُمْ وَهُمْ رُكُوْعٌ فِيْ صَلٰوةِ الْفَجْرِ نَحْوَ بَيْتِ الْمَقْدِسِ اَلَا اِنَّ الْقِبْلَةَ قَدْ حُوِّلَتْ اِلَى الْكَعْبَةِ مَرَّتَيْنِ قَالَ فَمَالُوْا كَمَا هُمْ رُكُوْعٌ

إِلَى الْكَعْبَةِ -

انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے اصحاب بیت المقدس کی طرف نماز پڑھتے تھے پس جب یہ آیت نازل ہوئی: فَوَلِّ وَجْهَكَ الخ "تو اپنا چہرہ با حرمت مسجد کی طرف پھیر اور تم جہاں کہیں ہو اپنے چہرے اُسی طرف پھیرلو" تو ایک بنی سلمہ کا آدمی گزرا پس انہیں پکارا اور وہ نمازِ فجر میں رکوع میں تھے۔ بیت المقدس کی طرف رُخ تھا، اس نے پکار کر کہا "سنو! کہ قبلہ کعبہ کی طرف پھیر دیا گیا ہے" دو مرتبہ کہا، انس رضی اللہ عنہ نے کہا کہ وہ حالتِ رکوع میں ہی کعبہ کی طرف گھوم گئے (یہ حدیث مسلم اور نسائی میں بھی ہے)

شرح: بخاری میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب مدینہ میں پہلے پہل تشریف لائے تو اپنے قدیم رشتہ داروں (اجداد و اخوال) کے ہاں اترے اور آپ نے سولہ ماہ یا سترہ ماہ بیت المقدس کی طرف منہ کرکے نماز پڑھی۔ حافظ ابن حجر نے فتح الباری میں کہا ہے کہ علماء کا اس میں اختلاف ہے کہ مکہ کی زندگی میں حضور کس طرف منہ کرکے نماز پڑھتے تھے۔ ابن عباس رضی اللہ عنہ وغیرہ نے کہا کہ آپ بیت المقدس کی طرف منہ کرتے تھے مگر کعبہ کی طرف پُشت بھی نہ کرتے تھے بلکہ کعبہ کو اپنے اور بیت المقدس کے درمیان رکھتے تھے۔ کچھ اور لوگوں نے صرف یہ کہا کہ بیت المقدس کی طرف منہ کرتے تھے، بعض نے کہا کہ کعبہ کی طرف نماز پڑھتے تھے لیکن جب مدینہ تشریف لے گئے تو بیت المقدس کے رُخ پر نماز پڑھنا شروع کردی اور یہ قول ضعیف ہے۔ اور اس سے یہ لازم آتا ہے کہ نسخ دو بار ہوا تھا۔ اور پہلا قول ہی صحیح تر ہے اور اسی کی تصحیح حاکم وغیرہ نے ابن عباس رضی اللہ عنہ کی حدیث سے کی ہے۔

بخاری میں براء رضی اللہ عنہ کی حدیث میں یہ بھی ہے کہ حضور قبلہ ابراہیمی کی طرف رُخ کرنا پسند کرتے تھے اور اس کا ایک یہ بھی تھا کہ یہودی طعن کرتے تھے کہ: ہماری مخالفت بھی کرتا ہے اور ہمارے قبلہ کی طرف نماز بھی پڑھتا ہے بنی سلمہ کا یہ آدمی جس نے منادی کی تھی بقولِ حافظ ابن حجر (فتح الباری) حسب روایت ابن مندہ عباد بن بشر بن قیظی تھا، اور جس مسجد کے پاس وہ گزرا تھا وہ بنی سلمہ کی مسجد تھی۔ منادی کرنے والے کا نام عباد بن عتیک بھی آیا ہے۔ کہتے ہیں کہ یہ عباد بن بشر تھا جس نے صبح کی نماز میں اہلِ قباء کو تحویلِ قبلہ کی خبر دی تھی۔ حدیثِ ابن عمر رضی اللہ عنہ کی شرح میں حافظ نے کہا ہے قباء والوں کو اطلاع دینے والا عباد بن بشر رضی اللہ عنہ یا عباد بن عتیک رضی اللہ عنہ تھا۔ لیکن اس میں یہ بات کھٹکتی ہے کہ عباد بن بشر رضی اللہ عنہ بنی حارثہ میں سے اور عباد بن عتیک رضی اللہ عنہ خطمی تھا اور ان میں سے کوئی بھی بنی سلمہ میں سے نہ تھا، لہٰذا انس رضی اللہ عنہ کا یہ قول: رجل من بنی سلمۃ کیسے صادق آئے گا؟ پس ان دونوں کے علاوہ یہ کوئی اور بنی سلمہ کا شخص ہوگا۔ حافظ نے کہا ہے کہ ان اشخاص کے تعدد پر یہ بات بھی دلالت کرتی ہے کہ مسلم کی حدیث انس رضی اللہ عنہ میں ہے: بنی سلمہ کا ایک آدمی گزرا الخ پس یہ نماز کی تعیین میں ابن عمر رضی اللہ عنہ کی حدیث کے موافق ہے۔ اور بنی سلمہ اور بنی حارثہ دو الگ الگ قبائل ہیں۔ اس شرح کے مطابق حدیث انس رضی اللہ عنہ میں اطلاع دینے والے نے جن کو اطلاع دی وہ اہلِ قباء تھے اور البراء رضی اللہ عنہ کی روایت کے مطابق بقول حافظ اہلِ مسجد بنو سلمہ تھے۔ معلوم یوں ہوتا ہے، واللہ اعلم کہ مختلف مسجدوں میں اس واقعہ کی اطلاع مختلف اشخاص نے مختلف نمازوں میں دی تھی لہٰذا اطلاع دہندہ اور اس کے قبیلے اور اہلِ مسجد کے معاملے میں روایات میں خلط ملط ہوگیا ہے، اس حدیث انس رضی اللہ عنہ میں ہے کہ اُس

شخص نے آواز لگائی: قبلہ بیت المقدس سے کعبہ کی طرف بدل چکا ہے۔ ابن عمر کی روایت (بخاری) میں ہے کہ اُس نے کہا، گزشتہ رات حضورؐ پر تحویل قبلہ کا حکم نازل ہو چکا ہے۔

حافظ صاحب نے کہا کہ ابن حاتم کی روایت میں تو یلہؓ بنت اسلم کی حدیث میں ہے کہ گھومنے اور رُخ بدلنے کی کیفیت یہ تھی کہ: مرد عورتوں کی جگہ پہ چلے گئے اور عورتیں مردوں کی جگہ پہ، اور پچھلی دو رکعتیں ہم نے بیت اللہ شریف کی طرف پڑھیں۔ مولاناؒ نے فرمایا کہ اس تحوّل کی صورت یہ تھی کہ امام مسجد کی اگلی طرف سے بدل کر پچھلی طرف چلا گیا (کیونکہ کعبہ اور بیت المقدس مدینہ میں مخالف اطراف میں ہیں) کیونکہ جو شخص کعبہ کی طرف منہ کرے اس کی پُشت بیت المقدس کی طرف ہو جاتی ہے۔ پس اگر امام اپنی جگہ پر رہ کر ہی گھوم جاتا تو اس کے پیچھے مقتدیوں کی صفوں کی جگہ نہ ہوتی۔ جب امام نے جگہ اور رُخ بدل لیا تو لوگ بھی جگہ اور رُخ بدل کر اس کے پیچھے صف بستہ ہو گئے، اور عورتیں بھی گھوم کر مردوں کے پیچھے چلی گئیں۔ اور کیفیت و صورت میں عمل کثیر کا ارتکاب ہوا تھا اور یہ واقعہ ہجرت کے دوسرے سال کا ہے جو مدنی زندگی کی ابتداء میں ہی پیش آیا تھا) پس احتمال ہے کہ یہ نماز میں عمل کثیر کی حرمت سے قبل ہوا تھا جیسے کہ تحریم کلام سے بھی پہلے تھا۔ دوسرا احتمال یہ ہے کہ مذکورہ مصلحت کی بناء پر اس بار عمل کثیر کو جائز رکھا گیا ہوگا، یا پھر ان حضرات کے قدم پے در پے نہیں بلکہ متفرق طور پر پڑے ہوں گے

اس حدیث میں خبر واحد کی قبولیت اور اس پر عمل واجب ہونے اور پہلے سے مقرر شدہ عمل کی منسوخی خبر واحد سے ہونے کی دلیل موجود ہے کیونکہ بیت المقدس کا استقبال تو اس وقت تک قطعی تھا کیونکہ وہ اس طرف کو نماز پڑھتے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھ چکے تھے اور مسجد قباء اور مسجد بنی سلمہ والوں کا اس پہلی جہت سے پھرنا خبر واحد سے واقع ہوا تھا۔ اور اس کا یہ جواب دیا گیا ہے کہ خبرِ مذکور گو خبر واحد تھی مگر ایسے قرائن اور مقدمات و دلائل سے گھری ہوئی تھی جس نے صحابہؓ کو قطعی علم کا فائدہ دے دیا کہ یہ مخبر سچا ہے، پس ان کے نزدیک قطعی علم کو قطعی علم سے ہی منسوخ کیا گیا۔ اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ خبر واحد سے نسخ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے وقت میں جائز تھا، آپ کے بعد یہ دلیل کا محتاج ہے۔ اس مسئلہ پر مفصل اور مدلل گفتگو کا موضوع علم اصول کی کتب ہیں۔ اتنی بات تو اتفاق سے طے شدہ ہے کہ خبر واحد کے ساتھ جب ایسے دلائل و شواہد اور قرائن مقدمات مل جائیں جیسے کہ اس واقعہ میں تھے تو اس پر عمل واجب ہے۔

امام بخاری نے اس حدیث سے ان لوگوں کے لیے استدلال کیا ہے جو سہواً غیر قبلہ کی طرف نماز پڑھ لیں، کہ ان پر نماز کا اعادہ واجب نہیں ہوتا۔ لیکن یہ استدلال کئی وجوہ سے تام نہیں ہے کیونکہ یہاں پہ سہو نہیں تھا اور حکم تحویل نماز کے اندر ہی نازل ہوا تھا، پس یہ صورت اُس صورت سے جدا ہے جس کے لیے یہ استدلال کیا گیا ہے۔ حافظ ابن حجرؒ نے کہا ہے کہ یہاں پر اصل مسئلہ یہ ہے کہ جو آدمی قبلہ کے بارے میں اعتماد کر کے ایک طرف نماز پڑھے مگر اس کی خطاء واضح ہو جائے۔ (مگر زیر بحث معاملہ یہ بھی نہیں ہے کیونکہ حضورؐ اور صحابہؓ کی نماز بیت المقدس کی طرف بر بنائے اجتہاد نہ تھی لہٰذا یہ مسئلہ اس سے مختلف ہوا جو حافظ نے بیان کیا ہے) ابن ابی شیبہ نے سعید بن المسیبؒ سے اور عطاءؒ اور شعبیؒ سے روایت کی ہے کہ اعادۂ صلوٰۃ واجب نہیں ہے اور یہی اہل کوفہ کا قول ہے۔ زہریؒ اور مالکؒ نے کہا کہ وقت کے اندر اعادہ واجب ہے اس کے بعد نہیں۔ امام شافعیؒ نے کہا کہ جب خطاء

کا یقین حاصل ہو جائے تو بہر صورت اعادہ واجب ہے۔

بَابُ تَفْرِيعِ أَبْوَابِ الْجُمُعَةِ

ابواب جمعہ کے متعلقات کا باب۔

۱۰۴۸۔ حَدَّثَنَا الْقَعْنَبِيُّ عَنْ مَالِكٍ عَنْ يَزِيدَ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ الْهَادِ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ إِبْرَاهِيمَ عَنْ أَبِي سَلَمَةَ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمَنِ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَيْرُ يَوْمٍ طَلَعَتْ فِيهِ الشَّمْسُ يَوْمُ الْجُمُعَةِ فِيهِ خُلِقَ آدَمُ وَفِيهِ أُهْبِطَ وَفِيهِ تِيبَ عَلَيْهِ وَفِيهِ مَاتَ وَفِيهِ تَقُومُ السَّاعَةُ وَمَا مِنْ دَابَّةٍ إِلَّا وَهِيَ مُصِيخَةٌ يَوْمَ الْجُمُعَةِ مِنْ حِينَ تُصْبِحُ حَتَّى تَطْلُعَ الشَّمْسُ شَفَقًا مِنَ السَّاعَةِ إِلَّا الْجِنَّ وَالْإِنْسَ وَفِيهَا سَاعَةٌ لَا يُصَادِفُهَا عَبْدٌ مُسْلِمٌ وَهُوَ يُصَلِّي يَسْأَلُ اللَّهَ عَزَّ وَجَلَّ حَاجَةً إِلَّا أَعْطَاهُ إِيَّاهَا قَالَ كَعْبٌ ذَلِكَ فِي كُلِّ سَنَةٍ يَوْمٌ فَقُلْتُ بَلْ فِي كُلِّ جُمُعَةٍ قَالَ فَقَرَأَ كَعْبٌ التَّوْرَاةَ فَقَالَ صَدَقَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ أَبُو هُرَيْرَةَ ثُمَّ لَقِيتُ عَبْدَ اللَّهِ بْنَ سَلَامٍ فَحَدَّثْتُهُ بِمَجْلِسِي مَعَ كَعْبٍ فَقَالَ عَبْدُ اللَّهِ بْنُ سَلَامٍ قَدْ عَلِمْتُ أَيَّةَ سَاعَةٍ هِيَ قَالَ أَبُو هُرَيْرَةَ فَقُلْتُ لَهُ فَأَخْبِرْنِي بِهَا فَقَالَ عَبْدُ اللَّهِ بْنُ سَلَامٍ هِيَ آخِرُ سَاعَةٍ مِنْ يَوْمِ الْجُمُعَةِ فَقُلْتُ كَيْفَ هِيَ آخِرُ سَاعَةٍ مِنْ يَوْمِ الْجُمُعَةِ وَقَدْ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يُصَادِفُهَا عَبْدٌ مُسْلِمٌ وَهُوَ يُصَلِّي وَتِلْكَ السَّاعَةُ لَا يُصَلَّى فِيهَا فَقَالَ عَبْدُ اللَّهِ بْنُ سَلَامٍ أَلَمْ يَقُلْ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ جَلَسَ مَجْلِسًا يَنْتَظِرُ الصَّلَاةَ فَهُوَ فِي صَلَاةٍ حَتَّى يُصَلِّيَ قَالَ فَقُلْتُ بَلَى قَالَ هُوَ ذَاكَ۔

ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بہترین دن جس میں کہ سورج طلوع ہوا وہ جمعہ کا دن ہے۔ اسی میں آدم ؑ کو پیدا کیا گیا اور اسی میں اسے نیچے اتارا گیا اور اسی میں اس کی توبہ قبول کی گئی اور اس میں

قیامت قائم ہوگی۔ اور جمعہ کے دن کوئی جانور نہیں مگر وہ صبح صادق سے لے کر طلوع شمس تک کان لگا کر سنتا ہے قیامت کے خوف سے، جن اور انسانوں کے سوا (ہر کسی کا یہی حال ہے) اور اس میں ایک گھڑی ایسی ہے کہ مسلم بندہ نماز پڑھ رہا ہو اور اس گھڑی کو پا کر اللہ تعالیٰ سے کوئی حاجت طلب کرے تو اللہ تعالیٰ اس کی وہ حاجت پوری کر دیتا ہے۔ کعبؓ نے کہا کہ یہ دن سال بھر میں ایک بار ہوتا ہے تو میں (ابوہریرہؓ) نے کہا کہ نہیں بلکہ ہر ہفتہ بھر میں ایک دن۔ ابوہریرہؓ نے کہا کہ پھر کعب نے تورات پڑھی تو کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سچ فرمایا۔ ابوہریرہؓ نے کہا کہ پھر میں عبداللہ بن سلامؓ سے ملا اور میں نے اسے بتایا کہ کعب کے ساتھ میری مجلس (اور بات چیت) ہوئی تھی۔ عبداللہ بن سلامؓ نے کہا کہ میں جانتا ہوں وہ کونسی گھڑی ہے تو میں نے اس سے کہا کہ وہ گھڑی مجھے بھی بتاؤ۔ پس عبداللہ بن سلامؓ نے کہا کہ جمعہ کے دن وہ آخری گھڑی ہے۔ میں نے کہا کہ وہ بروزِ جمعہ آخری گھڑی کیونکر ہو سکتی ہے حالانکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے: مسلم بندہ اس گھڑی کو حالتِ نماز میں پائے۔ اور وہ گھڑی ایسی ہے جس میں نماز نہیں پڑھی جاتی۔ اس پر عبداللہ بن سلام نے فرمایا: کیا اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا نہیں تھا کہ جو شخص نماز کے انتظار میں بیٹھا تو وہ نماز میں ہے جب تک کہ نماز پڑھ لے؟ ابوہریرہؓ نے کہا کہ میں نے کہا: کیونکر نہیں؟ عبداللہ بن سلام نے کہا وہ یہی ہے (یہ حدیث نسائی اور ترمذی نے بھی روایت کی ہے اور ترمذی نے اسے صحیح کہا ہے۔ بخاری نے ساعۃ الجمعہ کے ذکر میں اس کا ایک حصہ روایت کیا ہے (الاعرج عن ابی ہریرہؓ)، اور مسلم نے اعرج کی روایت سے اس کا پہلا حصہ باب فضل الجمعہ میں روایت کیا ہے)

شرح: ابوداؤد مع معالم السنن مطبوعہ حمص ۱۳۸۸ھ میں اس حدیث پر الگ عنوان بھی ہے: باب فضل یوم الجمعۃ ولیلۃ الجمعۃ۔ اور یہی عنوان عون المعبود کے نسخہ پر بھی ہے۔ جمعہ مشہور قول پر میم کے ضمہ سے ہے۔ واحدی نے م کا فتحہ اور سکون بھی بیان کیا ہے اور شاذ قرأتوں میں بھی یہ موجود ہے۔ زجاج نے کہا کہ ایک قرأت م کسرہ کی بھی ہے۔ فراء نے کہا کہ اعمش نے اسے تخفیف اور عاصم نے اسے تثقیل پڑھا ہے، اہل حجاز کی قرأت یہی ہے۔ میم کی تسکین والوں کے نزدیک اس کی جمع جُمَعٌ ہے اور تثقیل والوں کے نزدیک جُمُعَاتٌ ہے۔ جمعہ کی وجہ تسمیہ میں اختلاف ہے۔ ابن عباسؓ نے کہا کہ اسے جمعہ اس لیے کہا گیا کہ اللہ تعالیٰ نے اس دن میں آدم کی پیدائش کو جمع کیا تھا (سامان پیدائش بہم پہنچائے تھے)، ابن خزیمہ نے سلمانؓ سے مرفوعاً یہی روایت کی ہے۔ ثعلب کی امالی میں ہے کہ جمعہ کا یہ نام اس لیے رکھا گیا کہ قریش اس دن میں دار الندوہ میں قصی کے پاس جمع ہوتے تھے۔ ایک قول یہ ہے کہ کعب بن لؤی اس دن اپنی قوم کو جمع کرتا، انہیں نصیحت کرتا اور حرم کی تعظیم کا حکم دیا کرتا تھا اور خبردار کرتا تھا کہ عنقریب اس حرم میں ایک نبی اٹھے گا۔ ابن حزم نے کہا ہے کہ جمعہ اسلامی نام ہے، زمانہ جاہلیت میں یہ نام نہ تھا بلکہ جمعہ کو عروبہ کہتے تھے۔ پس اسلام میں اس کا نام جمعہ رکھا گیا۔ اس کا مصدر جمع ہے چونکہ اس دن نماز کے لیے اجتماع ہوتا ہے اس لیے یہ نام رکھا گیا ہے۔ عبد بن حمید کی تفسیر میں ابن سیرینؒ سے ایک اثر مروی ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مدینہ تشریف لانے سے پہلے اور نمازِ جمعہ کا حکم اترنے سے پہلے جمعہ پڑھا تھا اور انہوں نے ہی اس کا نام جمعہ رکھا۔ یہ اس طرح کہ انصار نے کہا یہود کا بھی ایک دن ہے جس میں وہ ہر سات دن بعد اکٹھے ہوتے ہیں اور نصاریٰ کا بھی ایک دن ہے۔ پس آؤ ہم بھی ایک دن مقرر کریں، اس میں اللہ کا ذکر کریں، نماز پڑھیں

شکر گزاری کریں اور اس کا نام جمعہ کا دن رکھیں، اور وہ روزِ جمعہ کو روزِ عروبہ کہا کرتے تھے۔ پس اس قرارداد پر یہ لوگ اسعد بن زرارہؓ کے ہاں جمع ہوئے، اسعدؓ نے انہیں دو رکعت نماز پڑھائی اور نصیحت کی، سو اس اجتماع کے باعث انہوں نے اس دن کو یوم الجمعہ کہا۔ اسعدؓ نے ان کے لیے بکری ذبح کی جو انہوں نے صبح وشام دو وقت کھائی کیونکہ اس وقت ان کی تعداد قلیل ہی تھی۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے سورۂ جمعہ میں وہ آیت نازل فرمائی جس میں جمعہ کا ذکر ہے۔

زجاج، فراء، ابو عبید اور ابو عمرو نے کہا ہے کہ عرب عاربہ (اصل عرب جو مٹ گئے تھے) ہفتہ کے نام یوں لیتے تھے کہ سبت کو شبار کہتے اور آگے اوّل، اہون، جبار، دبار، مونس اور عروبہ، عروبہ کو سب سے پہلے روزِ جمعہ میں نقل کرنے والا کعب بن لوئی تھا۔ کرمانی نے کہا کہ اس سوال کا، جمعہ مؤنث کیوں ہے، حالانکہ وہ یوم کی صفت ہے جو مذکر ہے، جواب یہ ہے کہ اس میں تاء تانیث کے لیے نہیں بلکہ مبالغہ کے لیے ہے جیسے رَجُلٌ عَلَّامَۃ۔ یا جمعہ مؤنث ہے کیونکہ ساعت کی صفت ہے۔ یہ طویل بحث علامہ عینیؒ سے نقل کی گئی۔ حافظ ابن القیمؒ نے الھدیٰ میں روزِ جمعہ کی ۳۲ خصوصیات بیان کی ہیں جن میں سے بعض کو حافظ نے نقل کیا ہے: وہ روزِ عید ہے، اس کا منفرد روزہ نہیں رکھا جاتا، اس کی صبح کی نماز میں آلم تنزیل اور الدہر پڑھی جاتی ہے، نمازِ جمعہ میں سورۂ الجمعہ اور منافقون پڑھی جاتی ہے، غسل، خوشبو لگانا، مسواک کرنا، بہترین کپڑے پہننا، مسجد میں خوشبو دہکانا، نماز کے لیے بہت جلدی آنا، خطیب کے برآمد ہونے تک عبادت میں مشغول رہنا، خطبے کو خاموشی سے سننا، سورۂ الکہف کی قرات، دوپہر کو اس دن نفل کا مکروہ نہ ہونا (شافعیہ کے نزدیک)، جمعہ کے قبل سفر اختیار کرنے کی ممانعت، جمعہ کی طرف جانے والے کو ہر قدم پر ایک سال کے نوافل کا اجر ملنا، جمعہ کے دن جہنم کو نہ دہکایا جانا، اجابت کی گھڑی، گناہوں کی معافی، وہ یوم المزید ہے، وہ الشاہد ہے، اسی امت کے لیے لکھا گیا تھا، ہفتہ بھر کا بہترین دن ہے، بشرطِ صحتِ حدیث اس دن ارواح کا جمع ہونا۔ اور بھی کئی چیزیں بیان کی ہیں جن میں کلام ہے اور کئی اشیاء ترک کر دی ہیں۔

حضورؐ نے اسے خیر یوم فرمایا ہے۔ علامہ شوکانی نے صاحب المفہم سے نقل کیا ہے کہ خیر اور شر کے الفاظ مفاضلہ وغیرہ کے لیے آتے ہیں۔ جب مفاضلہ کے لیے آئیں (یعنی بطور اسم تفضیل)، تو دراصل افعل کے وزن پر اَخْيَرُ اور اَشَرُّ ہے لیکن جب ان میں تفضیلی معنی نہ پایا جائے تو پھر وہ بطور اسم آتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا قول ہے: اِنْ تَرَكَ خَيْرًا، وَيَجْعَلَ اللّٰهُ فِيْهِ خَيْرًا كَثِيْرًا۔ اور اس حدیث میں یہ دونوں لفظ تفضیل کے لیے ہیں اور حدیث کا معنی یہ ہے کہ جمعہ کا دن ہر اس دن سے بہتر ہے جس پر سورج طلوع ہوا۔ یہ حدیث دلالت کرتی ہے کہ جمعہ کا دن افضل الایام ہے اور ابن العربیؒ نے یہ بات بڑے جزم ویقین سے کہی ہے۔ مگر صحیح ابن حبان کی روایت جو عبداللہ بن قرطؓ سے ہے اس میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یوم النحر (۱۰ ذی الحجہ) کو افضل الایام قرار دیا ہے اور پھر صحیح ابن حبان کی ہی حدیث جو جابرؓ سے مروی ہے اس میں حضورؐ کا ایک اور ارشاد اس دوسری حدیث کے بھی بظاہر خلاف نظر آتا ہے کہ آپؐ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ کے نزدیک عرفہ (۹ ذی الحجہ) کے دن سے زیادہ کوئی دن افضل نہیں ہے۔ عراقی نے ان احادیث کو جمع کرنے کے بعد یہ کہا ہے کہ جمعہ کی افضلیت ہفتہ بھر کے باقی چھ دنوں کے لحاظ سے ہے۔ بالفاظِ دیگر ہفتہ بھر کے سات دنوں میں سے جمعہ کا دن سب سے افضل ہے،

اور یوم عرفہ یا یوم النحر کی افضلیت سال کے باقی دنوں کے اعتبار سے ہے۔ عراقی نے یہ بھی کہا ہے کہ یوم الجمعہ کی افضلیت کی حدیث صحیح تر ہے۔ علامہ شوکانی رحمہ نے بھی کتاب الضحایا میں عبداللہ بن قرط کی حدیث کی شرح میں کہا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے: اللہ کے نزدیک اعظم الایام یوم النحر ہے پھر یوم القر۔ اور شوافع کے نزدیک صحیح روایت میں یوم النحر ہی حج اکبر کا دن ہے اسی طرح امام مالکؒ اور احمدؒ کے نزدیک بھی، کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بموجب روایت بخاری یوم النحر میں جمرات کے درمیان کھڑے ہوئے اور فرمایا یہ حج اکبر کا دن ہے اور اس حدیث میں دلالت ہے کہ وہ سال بھر کے دنوں سے افضل ہے لیکن افضلیت جمعہ کی حدیث اس سے متعارض ہے اور ابن حبان میں جابرؓ کی روایت جو یوم عرفہ کے متعلق ہے وہ بھی اس سے متعارض ہے۔ اس کے الفاظ ہیں کہ عرفہ کے دن اللہ تعالیٰ آسمان دنیا کی طرف نظر فرماتا ہے اور زمین والوں کی طرف نظر فرماتا ہے اور زمین والوں کے باعث آسمانوں پر مباہات کرتا ہے، یوم عرفہ سے زیادہ کوئی دن نہیں دیکھا گیا جس میں اتنے جہنمی بری ہوتے ہوں جس قدر یوم عرفہ میں ہوتے ہیں۔ شافعیہ کا مسلک یہ ہے کہ یوم عرفہ یوم النحر سے افضل ہے، مگر اس حدیث میں صرف یہ الفاظ ہیں کہ یوم النحر اعظم ہے اور اعظم ہونے سے افضل ہونا لازم نہیں آتا۔ اور جس طرح حدیث جابرؓ میں افضلیت کی صراحت ہے اس میں نہیں۔ خلاصہ یہ کہ شوکانی کے نزدیک یوم النحر اعظم الایام ہے اور یوم عرفہ افضل الایام۔ ابواب الضحایا کے اواخر میں انشاء اللہ اس پر مزید گفتگو ہوگی،

اس حدیث میں تو خلق آدمؑ اور ہبوط آدم کا ذکر ہے مگر مسلم اور ترمذی کی روایت میں ہے کہ جمعہ کے دن ہی آدمؑ کو جنت میں داخل کیا گیا۔ اس سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ آدمؑ کی پیدائش جنت سے باہر ہوئی تھی اور پیدا کرنے کے بعد انہیں داخل جنت کیا گیا تھا۔ احادیث سے یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ آدمؑ نے جو اس شجرہ کا دانہ کھایا تھا وہ بھی جمعہ کے دن تھا سو اس کا مطلب یہ ہوا کہ اس دن کی تعظیم نہ کرنے کے باعث انہیں جنت سے اتارا گیا تاکہ طاعت و عبادت سے غلطی کی تلافی کریں۔

نوویؒ نے قاضی عیاضؒ سے نقل کیا ہے کہ اس حدیث میں جو واقعات شمار ہوئے ہیں وہ یوم الجمعہ کی فضیلت کے بیان کے لیے نہیں ہیں کیونکہ اسی دن میں آدمؑ کا جنت سے اخراج اور قیامت کا قائم ہونا فضیلت نہیں گنا جاتا۔ ان واقعات کا بیان اس لیے ہے تاکہ بتایا جائے کہ اس دن میں یہ بڑے بڑے امور ہو چکے ہیں یا آئندہ ہونے والے ہیں، تاکہ بندہ عبرت و موعظت حاصل کرے۔ ابوبکر بن العربی نے شرح ترمذی میں کہا ہے کہ یہ ساری چیزیں فضائل ہیں۔ آدمؑ کا جنت سے خروج اس کی اولاد کے وجود کا سبب ہوا جس میں اللہ کے دوست، انبیاء و رسل اور شہداء پیدا ہوئے۔ اور جنت سے نکالا جانا اسے سزا دینے اور دور پھینکنے کے لیے نہ تھا بلکہ از سرنو تیاری کر کے واپسی کے لیے۔ رہا قیام قیامت سو وہ بھی اللہ کے دوستوں، انبیاء و رسل، صدیقین اور شہداء کی جزاء و ثواب اور انعام پانے کا دن ہے۔ اس جہت سے یہ سب شمار کردہ چیزیں فضیلت ہیں۔

پھر آدمؑ کی توبہ کی قبولیت جمعہ کے دن ہوئی جو اللہ تعالیٰ کا عظیم احسان تھا۔ موت جمعہ کے دن ہوئی اور موت مومن کا تحفہ ہے جیسا کہ حاکم اور بیہقی نے ابن عمرؓ سے موقوفاً روایت کی ہے۔ موت سے مومن رضائے الٰہی سے فائز المرام ہوتا ہے اور دنیا کے مصائب و تکالیف سے چھٹکارا پاتا ہے۔ اس جہت سے یہ بھی فضیلت ہوئی۔

جن و انس کے سوا ہر جاندار چیز کو جمعہ کے دن صبح صادق سے طلوع شمس تک احوالِ قیامت کا الہام کیا جاتا اور انہیں اس کی شدت و عظمت کا احساس و شعور دلایا جاتا ہے۔ جن و انس ہر دو شرع خداوندی کے مکلف ہیں لہٰذا اگر ان غیبی امور کو ان پر کھولا جائے تو ابتلا و آزمائش کا قاعدہ تلپٹ ہو کر رہ جائے۔ اور صبح سے طلوع شمس کا وقت اس لیے بتایا گیا ہے کہ قیامت اسی وقت میں قائم ہو گی۔

کعب جس کا ذکر اس حدیث میں ہے یہ ایک تابعی کعب الاحبار ہے جو کتبِ قدیمہ کا عالم تھا۔ عبد اللہ رضی اللہ عنہ بن سلام جلیل القدر صحابی تھے جو علمائے یہود میں سے حضور ﷺ پر ایمان لائے تھے۔ عبد اللہ بن سلام نے جمعہ کی مستجاب الدعوۃ گھڑی کے متعلق جو کچھ کہا وہ ترمذی کی روایت میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً آچکا ہے۔ ابوہریرہ رضی اللہ عنہ اور عبد اللہ بن سلام کے اس مذاکرے سے معلوم ہوا کہ ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی نظر ظاہر حدیث پر گئی جبکہ عبد اللہ بن سلام نے اپنی فقاہت سے اس حدیث کا وہ محل تلاش کر لیا جو عمیق و دقیق تھا اور معنیٔ حدیث کے عین مطابق تھا۔ رضی اللہ عنہما۔

۱۰۴۹۔ حَدَّثَنَا هَارُونُ بْنُ عَبْدِ اللهِ نَا حُسَيْنُ بْنُ عَلِيٍّ عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ يَزِيدَ ابْنِ جَابِرٍ عَنْ أَبِي الْأَشْعَثِ الصَّنْعَانِيِّ عَنْ أَوْسِ بْنِ أَوْسٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّ مِنْ أَفْضَلِ أَيَّامِكُمْ يَوْمُ الْجُمُعَةِ فِيهِ خُلِقَ آدَمُ وَفِيهِ قُبِضَ وَفِيهِ النَّفْخَةُ وَفِيهِ الصَّعْقَةُ فَأَكْثِرُوا عَلَيَّ مِنَ الصَّلَاةِ فِيهِ فَإِنَّ صَلَاتَكُمْ مَعْرُوضَةٌ عَلَيَّ قَالُوا يَا رَسُولَ اللهِ وَكَيْفَ تُعْرَضُ صَلَاتُنَا عَلَيْكَ وَقَدْ أَرِمْتَ قَالَ يَقُولُونَ بَلِيتَ فَقَالَ إِنَّ اللهَ عَزَّ وَجَلَّ حَرَّمَ عَلَى الْأَرْضِ أَجْسَادَ الْأَنْبِيَاءِ۔

اوس بن اوس رضی اللہ عنہ نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تمہارے افضل دنوں میں سے جمعہ کا دن بھی ہے، اسی میں آدم کو پیدا کیا گیا اور اسی میں وہ فوت ہوئے، اسی میں صورِ اسرافیل کی دوسری آواز اور پہلی بیہوش کن موت آواز ہو گی۔ پس تم اس دن میں مجھ پر صلاۃ کی کثرت کیا کرو کیونکہ تمہاری صلاۃ مجھ پر پیش کی جائے گی۔ اوس رضی اللہ عنہ نے کہا کہ لوگوں نے سوال کیا: ہماری صلاۃ آپ کے سامنے کیونکر پیش کی جائے گی حالانکہ آپ بوسیدہ ہو چکے ہوں گے، اوس رضی اللہ عنہ نے کہا کہ اَرِمْتَ کا معنیٰ بَلِیتَ ہے۔ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے زمین پر انبیاء کے اجسام حرام کر دیئے ہیں (یہ حدیث نسائی اور ابن ماجہ میں بھی ہے)

شرح: اس حدیث کا لفظ: تمہارے افضل ایام میں سے جمعہ کا دن بھی ہے۔ یہ اس بات کی دلیل ہے کہ کچھ اور افضل ایام بھی ہیں جن میں سے ایک جمعہ کا دن ہے۔ گویا اس میں اشارہ ہے کہ یوم عرفہ یا تو جمعہ کے مساوی ہے یا اس سے افضل ہے۔ نفخہ اور صعقہ کا وہ معنی جو ہم نے ترجمہ میں بیان کیا ہے قرآن پاک کی اس آیت کے عین مطابق ہے: وَنُفِخَ فِي الصُّورِ فَصَعِقَ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَمَنْ فِي الْأَرْضِ إِلَّا مَنْ شَاءَ اللهُ ثُمَّ نُفِخَ فِيهِ أُخْرٰى فَإِذَا هُمْ قِيَامٌ يَنْظُرُونَ ٥ اور صور پھونکا جائے گا تو آسمانوں اور زمین والے سب مر جائیں گے

سوائے ان کے جنہیں اللہ چاہے، پھر اس میں دوبارہ پھونکا جائے گا تو اچانک وہ کھڑے دیکھ رہے ہوں گے" پس اس آیت میں صعقہ والا نفخہ پہلا ہوگا اور دوسرا صرف نفخہ ہوگا جو باعث حیات ہوگا۔
یہ جو ارشاد ہوا کہ تمہاری صلاۃ مجھ پر پیش کی جائے گی، اس سے مراد قبولیت کے ساتھ پیش کیا جانا ہے ورنہ احادیث سے ثابت ہے کہ دور والوں کی صلاۃ بواسطۂ ملائکہ آپ کو پہنچائی جاتی ہے اور قبر شریف کے پاس والی کو آپ بنفس نفیس سنتے ہیں۔ صحابہؓ کے سوال کے جواب میں جو بات آپ نے فرمائی وہ یہ تھی کہ: اللہ تعالےٰ نے زمین پر حرام کیا ہے کہ وہ نبیوں کے جسم کھائے، حالانکہ جسم کا نہ کھایا جانا اور چیز ہے اور حیات دوسری چیز۔ جو چیز پیش کئے جانے سے مانع ہے وہ تو حیات ہے نہ کہ جسم کا باقی رکھا جانا۔ اس کا جواب یہ ہے کہ عنقریب اگلی حدیثوں میں یہ مسئلہ آئے گا۔ اور جسم کا محفوظ رکھا جانا بھی خرقِ عادت ہے کیونکہ عام عادت تو اس کے خلاف ہی ہے۔

بَابُ الْإِجَابَةِ أَيَّةُ سَاعَةٍ هِيَ فِي يَوْمِ الْجُمُعَةِ

اجابت کی گھڑی کا باب کہ وہ کونسی گھڑی ہے۔

۱۰۵۰۔ حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ صَالِحٍ نَا ابْنُ وَهْبٍ أَخْبَرَنِي عَمْرٌو يَعْنِي ابْنَ الْحَارِثِ أَنَّ الْجُلَاحَ مَوْلَى عَبْدِ الْعَزِيزِ حَدَّثَهُ أَنَّ أَبَا سَلَمَةَ يَعْنِي ابْنَ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ حَدَّثَهُ عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللهِ عَنْ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّهُ قَالَ يَوْمُ الْجُمُعَةِ ثِنْتَا عَشْرَةَ يُرِيدُ سَاعَةً لَا يُوجَدُ مُسْلِمٌ يَسْأَلُ اللهَ شَيْئًا إِلَّا آتَاهُ اللهُ عَزَّ وَجَلَّ فَالْتَمِسُوهَا آخِرَ سَاعَةٍ بَعْدَ الْعَصْرِ۔

جابر بن عبداللہؓ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے ارشاد فرمایا: جمعہ کا دن بارہ گھڑیوں کا ہے۔ جو مسلم بھی پایا جائے جو اللہ تعالےٰ سے سوال کرتا ہو تو اللہ تعالیٰ اسے دے دیتا ہے، پس تم اسے عصر کے بعد آخری گھڑی میں تلاش کرو (اس حدیث کو نسائی نے بھی روایت کیا ہے)

۱۰۵۱۔ حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ صَالِحٍ نَا ابْنُ وَهْبٍ أَخْبَرَنِي مَخْرَمَةُ يَعْنِي ابْنَ بُكَيْرٍ عَنْ أَبِيهِ عَنْ أَبِي بُرْدَةَ بْنِ أَبِي مُوسَى الْأَشْعَرِيِّ قَالَ قَالَ لِي عَبْدُ اللهِ بْنُ عُمَرَ أَسَمِعْتَ أَبَاكَ يُحَدِّثُ عَنْ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ هِيَ مَا بَيْنَ أَنْ يَجْلِسَ الْإِمَامُ إِلَى أَنْ تُقْضَى الصَّلٰوةُ قَالَ أَبُو دَاوُدَ يَعْنِي عَلَى الْمِنْبَرِ۔

ابوبردہ ابن ابی موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ نے کہا کہ ابن عمر رضی اللہ عنہ نے مجھ سے فرمایا: کیا تو نے اپنے باپ کو جمعہ کی شان میں یعنی اجابت کی گھڑی کے متعلق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے کچھ بیان کرتے سُنا تھا؟ ابوبردہ نے کہا کہ میں نے کہا ہاں۔ میں نے ابوموسیٰ کو یہ کہتے سُنا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سُنا تھا کہ وہ گھڑی امام کے بیٹھنے سے نماز ختم ہونے تک ہے ابوداؤد نے کہا کہ یعنی منبر پر بیٹھنے سے لے کر آخر (یہ حدیث مسلم میں بھی آئی ہے)

شرح: مولانا رحمہ اللہ نے فرمایا کہ حدیث میں جلوس سے مراد امام کا خطبے کے لیے منبر پر بیٹھنا ہے یا دونوں خطبوں کے درمیان بیٹھنا۔ ساعتِ اجابت کے متعلق علماء کے اقوال مختلف ہیں جن میں حافظ ابن حجر نے فتح الباری میں تفصیل سے بیان کیا ہے اور مولانا رحمہ اللہ نے ان کی تلخیص کی ہے۔ یہ کل بیالیس اقوال ہیں اور حافظ صاحب رحمہ اللہ نے ان میں ایک تینتالیسواں اقوال حافظ شمس الدین جزری کا حصن حصین سے نقل کیا ہے۔ انہیں باہم ملا کر تعداد کافی کم کی جا سکتی ہے مگر حافظ صاحب نے دو اقوال کو ترجیح دی ہے، ایک ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ کی یہ زیر نظر حدیث اور ایک عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ کی گزشتہ حدیث۔ ان میں سے بھی اصح الاحادیث تو ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کی ہے اور مشہور ترین قول عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ کا ہے جو دو حدیثوں پر مبنی ہے۔ ان کے علاوہ جتنے اقوال ہیں یا ان کے موافق ہیں، یا ان میں سے ایک کے موافق ہیں، یا سند کے لحاظ سے ضعیف ہیں، یا موقوف ہیں جو حدیث صحیح پر نہیں بلکہ قائل کے اجتہاد پر مبنی ہیں۔ ان دو میں سے امام مسلم، بیہقی، ابن العربی، قرطبی اور علماء کی ایک جماعت کے نزدیک ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ کی حدیث زیادہ راجح ہے۔ نووی رحمہ اللہ نے بھی اس کی تصویب و تصحیح کی ہے کیونکہ یہ صحیح مسلم کی صحیح و صریح حدیث ہے۔ عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ کے قول کی ترجیح امام احمد رحمہ اللہ اور حافظ ابن عبدالبر نے اور اسحاق، طرطوشی مالکی، ابن الزملکانی نے کی ہے، بلکہ موخرالذکر نے اسے امام شافعی رحمہ اللہ کا واضح قول مختار کہا ہے۔ سبب یہ ہے کہ ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ کی حدیث منقطع ہے کیونکہ مخرمہ بن بکیر کا سماع اپنے باپ سے ثابت نہیں ہے۔ بعض نے اسے بطور قولِ ابی بردہ روایت کیا ہے۔ صحیحین یا ان میں سے ایک کی روایت کی ترجیح اس وقت ہوتی ہے جبکہ حفاظ حدیث اس پر نقد و جرح نہ کریں۔ حافظ ابن القیم نے الہدیٰ میں کہا ہے کہ ساعتِ اجابت ان دو وقتوں میں سے ایک میں منحصر ہے جو حدیثِ ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ میں اور حدیثِ عبداللہ بن سلام میں آئے ہیں۔ امام احمد سے بھی یہی منقول ہے۔

بَابُ فَضْلِ الْجُمُعَةِ

فضیلتِ جمعہ کا باب۔

۱۰۵۲۔ حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ نَا أَبُو مُعَاوِيَةَ عَنِ الْأَعْمَشِ عَنْ أَبِي صَالِحٍ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ تَوَضَّأَ فَأَحْسَنَ الْوُضُوْءَ ثُمَّ أَتَى الْجُمُعَةَ فَاسْتَمَعَ وَأَنْصَتَ غُفِرَ لَهُ مَا بَيْنَ الْجُمُعَةِ إِلَى الْجُمُعَةِ وَزِيَادَةُ ثَلَاثَةِ أَيَّامٍ وَمَنْ مَسَّ الْحَصٰى فَقَدْ لَغَا۔

ابوہریرہؓ نے کہا کہ جس نے وضوء کیا تو اچھا وضوء کیا پھر جمعہ کو آیا، پس کان لگا کر سُنا اور خاموش رہا تو اسے جمعہ سے لے کر جمعہ تک اور تین دن کی زیادتی کی مغفرت مل گئی اور جس نے کنکریوں کو چھوا تو اس نے لغو حرکت کی (یہ حدیث مسلم، ترمذی اور ابن ماجہ نے روایت کی)

شرح: اس حدیث میں جمعہ کے لیے غسل کا نہیں بلکہ وضوء کا ذکر ہے، جس سے پتہ چلا کہ غسل مسنون تو ہے مگر فرض نہیں۔ ہر نیکی کی جزاء کم از کم دس ہوتی ہے اور یہی اصول یہاں بھی ملحوظ ہے۔ مسجد نبوی میں کنکریوں کا فرش تھا اور لوگ بعض دفعہ بے خیالی میں یا ایک فضول شغل کے طور پر کنکریوں سے کھیلتے تھے، ظاہر ہے کہ یہ ایک بے فائدہ حرکت تھی۔

۱۰۵۳۔ حَدَّثَنَا إِبْرَاهِيمُ بْنُ مُوسَى أَنَا عِيسَى نَا عَبْدُ الرَّحْمٰنِ بْنُ يَزِيدَ بْنِ جَابِرٍ حَدَّثَنِي عَطَاءٌ الْخُرَاسَانِيُّ عَنْ مَوْلَى امْرَأَتِهِ أُمِّ عُثْمَانَ قَالَ سَمِعْتُ عَلِيًّا رَضِيَ اللهُ عَنْهُ عَلَى مِنْبَرِ الْكُوفَةِ يَقُولُ إِذَا كَانَ يَوْمُ الْجُمُعَةِ غَدَتِ الشَّيَاطِينُ بِرَايَاتِهَا إِلَى الْأَسْوَاقِ فَيَرْمُونَ النَّاسَ بِالتَّرَابِيثِ أَوِ الرَّبَائِثِ وَيُثَبِّطُونَهُمْ عَنِ الْجُمُعَةِ وَتَغْدُو الْمَلٰئِكَةُ فَتَجْلِسُ عَلَى بَابِ الْمَسْجِدِ فَيَكْتُبُونَ الرَّجُلَ مِنْ سَاعَةٍ وَالرَّجُلَ مِنْ سَاعَتَيْنِ حَتّٰى يَخْرُجَ الْإِمَامُ فَإِذَا جَلَسَ الرَّجُلُ مَجْلِسًا يَسْتَمْكِنُ فِيهِ مِنَ الْاِسْتِمَاعِ وَالنَّظَرِ فَأَنْصَتَ وَلَمْ يَلْغُ كَانَ لَهُ كِفْلَانِ مِنْ أَجْرٍ فَإِنْ نَأَى وَجَلَسَ حَيْثُ لَا يَسْمَعُ فَأَنْصَتَ وَلَمْ يَلْغُ كَانَ لَهُ كِفْلٌ مِنَ الْأَجْرِ وَإِنْ جَلَسَ مَجْلِسًا يَسْتَمْكِنُ فِيهِ مِنَ الْاِسْتِمَاعِ وَالنَّظَرِ فَلَغَا وَلَمْ يُنْصِتْ كَانَ عَلَيْهِ كِفْلٌ مِنْ وِزْرٍ فَإِنْ جَلَسَ مَجْلِسًا يَسْتَمْكِنُ فِيهِ مِنَ الْاِسْتِمَاعِ وَالنَّظَرِ فَلَغَا وَلَمْ يُنْصِتْ كَانَ عَلَيْهِ كِفْلَانِ مِنْ وِزْرٍ وَمَنْ قَالَ لِصَاحِبِهِ يَوْمَ الْجُمُعَةِ صَهْ فَقَدْ لَغَا وَمَنْ لَغَا فَلَيْسَ لَهُ فِي جُمُعَتِهِ تِلْكَ شَيْءٌ ثُمَّ يَقُولُ فِي آخِرِ ذٰلِكَ سَمِعْتُ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ ذٰلِكَ قَالَ أَبُو دَاوُدَ رَوَاهُ الْوَلِيدُ بْنُ مُسْلِمٍ عَنِ ابْنِ جَابِرٍ قَالَ بِالرَّبَائِثِ وَقَالَ مَوْلَى امْرَأَتِهِ أُمِّ عُثْمَانَ ابْنِ عَطَاءٍ۔

حضرت علیؓ جامع مسجد کوفہ کے منبر پر فرماتے تھے کہ جب جمعہ کا دن ہوتا ہے تو شیاطین اپنے جھنڈے لے کر صبح سویرے بازاروں میں نکل جاتے ہیں، پس لوگوں پر رکاوٹوں کے تیر چلاتے ہیں اور انہیں نماز جمعہ سے باز رکھتے ہیں۔

اور فرشتے جاتے ہیں اور مسجد کے دروازے پر بیٹھ جاتے ہیں، پس آدمیوں کو پہلی گھڑی میں آنے والا، دوسری گھڑی میں آنے والا لکھتے ہیں حتیٰ کہ امام باہر نکلے۔ جب آدمی ایسی جگہ بیٹھ جائے جہاں بغور خطبہ سن سکے اور دیکھ سکے پس وہ خاموش رہے اور لغو فعل نہ کرے اسے دہرا اجر ملے گا۔ اور اگر وہ کسی ایسی جگہ بیٹھے جہاں امام کو بغور سن سکے اور دیکھ سکے پس لغو حرکت کرے تو اسے گناہ کا ایک حصہ ملے گا۔ اور جس نے جمعہ کے اپنے ساتھی سے کہا: چپ رہ، تو اس نے بھی لغو کام کیا، اور جس نے لغو کام کیا اس کا اس جمعہ میں کچھ حصہ نہیں ہے۔ پھر حضرت علیؓ اس کے آخر میں فرماتے تھے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے سنا تھا۔ ابوداؤد نے کہا کہ یہ حدیث ولید بن مسلم نے جابرؓ سے روایت کی۔ اس میں بالربائث کا لفظ بولا تھا۔ اور مولیٰ امرأتہ عثمان بن عطاء کہا تھا۔ یہ حدیث مسند احمد میں بھی ہے اور اس میں ایک مجہول راوی ہے۔ عطاء کو یحییٰ بن معین نے ثقہ کہا مگر ابن حبان نے اس پر تنقید کی ہے۔

شرح: رایۃ کا معنیٰ جھنڈا بھی ہے اور گردن میں ڈالنے کا طوق بھی اور اس حدیث میں دوسرا معنیٰ مناسب تر ہے۔ تربیثہ کا معنی ہے ایک بار روکنے کا قصد کرنا، ربیثہ کا معنیٰ ہے رکاوٹ۔ بقول خطابی دوسرا لفظ مناسب ہے۔

بَابُ التَّشْدِيدِ فِي تَرْكِ الْجُمُعَةِ

جمعہ ترک کرنے میں تشدید کا باب۔

۱۰۵۴۔ حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ نَا يَحْيَى عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ عَمْرٍو حَدَّثَنِي عُبَيْدَةُ بْنُ سُفْيَانَ الْحَضْرَمِيُّ عَنْ أَبِي الْجَعْدِ الضَّمْرِيِّ وَكَانَتْ لَهُ صُحْبَةٌ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ تَرَكَ ثَلَاثَ جُمَعٍ تَهَاوُنًا بِهَا طَبَعَ اللَّهُ عَلَى قَلْبِهِ۔

ابوالجعد ضمریؓ، جو صحابی تھے، روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا جو شخص تساہل اور لاپروائی سے تین جمعے ترک کر دے، اللہ تعالیٰ اس کے دل پر مہر لگا دے گا۔ ایک غفلت و تساہل دوسرے کا سبب بنتا ہے اور پھر آدمی لگاتار غفلتوں کا شکار ہو جاتا ہے حتیٰ کہ دل میں نیکی کی گنجائش نہیں رہتی، یہی وہ حالت ہے جسے اللہ تعالیٰ کی مہر سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ یہ حدیث نسائی، ابن ماجہ اور ترمذی میں بھی ہے۔ ترمذی نے اسے حدیث حسن کہا ہے،

بَابُ كَفَّارَةِ مَنْ تَرَكَهَا

جمعہ ترک کرنے والے کا کفارہ۔

۱۰۵۵۔ حَدَّثَنَا الْحَسَنُ بْنُ عَلِيٍّ نَا يَزِيدُ بْنُ هَارُونَ أَنَا هَمَّامٌ نَا قَتَادَةُ

عَنْ قُدَامَةَ بْنِ وَبَرَةَ الْعُجَيْفِيِّ عَنْ سَمُرَةَ بْنِ جُنْدُبٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ تَرَكَ الْجُمُعَةَ مِنْ غَيْرِ عُذْرٍ فَلْيَتَصَدَّقْ بِدِينَارٍ فَإِنْ لَمْ يَجِدْ فَبِنِصْفِ دِينَارٍ قَالَ أَبُو دَاوُدَ وَهَكَذَا رَوَاهُ خَالِدُ بْنُ قَيْسٍ وَخَالَفَهُ فِي الْإِسْنَادِ وَوَافَقَهُ فِي الْمَتْنِ ۔

سمرہ بن جندبؓ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپؐ نے فرمایا: جو شخص عُذر کے بغیر جمعہ ترک کردے اسے چاہیئے کہ ایک دینار صدقہ کرے۔ اگر نہ پاوے تو نصف دینار کافی ہے۔ ابوداؤد نے کہا کہ خالد بن قیس نے بھی یوں ہی روایت کی ہے مگر اسناد میں مخالفت کی اور متن میں موافقت کی ہے (نسائی نے بھی اس حدیث کو روایت کیا ہے)

شرح: اس حدیث کا راوی قدامہ بن وبرہ عجیفی امام احمدؒ ابن خزیمہ اور ذہبی کے نزدیک غیر معروف ہے۔ بخاری کے نزدیک قتادہ کا سماع قدامہ بن وبرہ سے صحیح نہیں، اسی قسم کا قول ابن خزیمہ کا بھی ہے۔ اگر حدیث ثابت ہو تو یہ صدقہ واجبہ نہیں بلکہ مستحب ہے تاکہ ترکِ جمعہ کا گناہ دھل جائے اور آئندہ ایسی جسارت نہ کر سکے اس کے علاوہ استغفار بھی لازم ہے۔ خالد بن قیس کی روایت ابن ماجہ میں ہے اور اس کے متن میں بھی کچھ اختلاف ہے۔ اس حدیث کی سند میں: قتادہ عن الحسن عن سمرہؓ الخ ہے اور متن میں یہ اختلاف ہے کہ اس میں صدقہ کے ذکر میں ایک دینار کے بعد نصف دینار کا بھی ذکر ہے۔ حافظ نے کہا کہ صدقہ سے یہ گناہ بالکلیہ رفع نہ ہو گا ہاں قلت کی امید ہے۔ ایک دینار اور نصف دینار صدقہ کرنے والے کے مختلف حالات کے لحاظ سے ہے۔

۱۰۵۶۔ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ سُلَيْمَانَ الْأَنْبَارِيُّ نَا مُحَمَّدُ بْنُ يَزِيدَ وَإِسْحَاقُ بْنُ يُوسُفَ عَنْ أَيُّوبَ أَبِي الْعَلَاءِ عَنْ قَتَادَةَ عَنْ قُدَامَةَ بْنِ وَبَرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ فَاتَهُ الْجُمُعَةُ مِنْ غَيْرِ عُذْرٍ فَلْيَتَصَدَّقْ بِدِرْهَمٍ أَوْ نِصْفِ دِرْهَمٍ أَوْ صَاعِ حِنْطَةٍ أَوْ نِصْفِ صَاعٍ قَالَ أَبُو دَاوُدَ رَوَاهُ سَعِيدُ بْنُ بَشِيرٍ هَكَذَا إِلَّا أَنَّهُ قَالَ مُدًّا أَوْ نِصْفَ مُدٍّ وَقَالَ عَنْ سَمُرَةَ ۔

قدامہ بن وبرہؓ نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس شخص کا جمعہ بلا عُذر فوت ہوا وہ ایک درہم یا نصف درہم یا ایک صاع گندم یا نصف صاع صدقہ کرے۔ ابوداؤد نے کہا کہ سعید بن بشیر نے یہ حدیث اسی طرح روایت کی لیکن اس میں مُدّ یا نصف مُدّ کا ذکر ہے اور روایت مرسل نہیں بلکہ عن سمرہؓ الخ ہے (نسائی اور ابن ماجہ نے یہ حدیث عن الحسن عن سمرہؓ الخ روایت کی ہے مگر وہ بھی منقطع ہے۔ ابوداؤد میں ایک اور نسخے کے مطابق احمد بن حنبل نے اوپر کی ہمام والی حدیث کو ترجیح دی ہے)

بَابُ مَنْ تَجِبُ عَلَيْهِ الْجُمُعَةُ

باب جمعہ کس پر واجب ہے۔

۱۰۵۷۔ حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ صَالِحٍ نَا ابْنُ وَهْبٍ أَخْبَرَنِي عَمْرٌو عَنْ عُبَيْدِ اللهِ بْنِ أَبِي جَعْفَرٍ أَنَّ مُحَمَّدَ بْنَ جَعْفَرٍ حَدَّثَهُ عَنْ عُرْوَةَ بْنِ الزُّبَيْرِ عَنْ عَائِشَةَ زَوْجِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّهَا قَالَتْ كَانَ النَّاسُ يَنْتَابُونَ الْجُمُعَةَ مِنْ مَنَازِلِهِمْ وَمِنَ الْعَوَالِي۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجہ مطہرہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ لوگ جمعہ کے لیے اپنے ڈیروں سے اور مدینہ کی بیرونی آبادیوں سے باری باری آیا کرتے تھے۔

شرح: ابوداؤد نے اس حدیث سے غالباً یہ استدلال کیا ہے کہ مدینہ کی بیرونی بستیوں پر جمعہ فرض تھا، لیکن یہ استدلال کامل نہیں ہے کیونکہ وہ لوگ جو بیرونی دیہات سے (آٹھ میل تک کیونکہ بعض عوالی مدینہ مشرق میں اتنے فاصلے پر تھیں) جمعہ کے لیے آتے تھے، اس حدیث سے ان کا باختیارِ خود آنا ثابت ہوتا ہے اور اگر ان پر جمعہ فرض ہوتا تو نوبت بنوبت نہ آیا کرتے بلکہ سب عاقل بالغ غیر معذور حاضر ہوا کرتے۔ یہ بات عینی کے علاوہ حافظ نے بھی حنفیہ کی طرف سے لکھی ہے۔ علاوہ ازیں کرمانی نے کہا ہے کہ اس حدیث سے تو یہی معلوم ہوتا ہے کہ بیرونی لوگوں پر جمعہ فرضِ عین نہیں بلکہ فرضِ کفایہ تھا۔ شوکانی نے کہا ہے کہ بقولِ خطابی اکثر فقہار کے نزدیک نمازِ جمعہ فرضِ عین نہیں بلکہ فرضِ کفایہ ہے اور بعض دلائل سے یہی شافعیؒ کا قول معلوم ہوتا ہے۔ مرعشی نے کہا کہ یہ شافعیؒ کا قولِ قدیم ہے۔ دارمی کے نزدیک یہ غلط ہے، ابواسحق مروزی نے کہا کہ شافعیؒ کے متعلق یہ بیان کرنا جائز نہیں، عراقی نے اس کی حمایت کی اور کہا کہ بعض اصحاب شافعی کی یہی رائے ہے۔ شوکانی نے کہا کہ خطابی کا اکثر فقہار کے متعلق یہ دعویٰ کرنا کہ ان کے نزدیک جمعہ فرضِ کفایہ ہے، یہ صحیح نہیں ہے کیونکہ ائمہ اربعہ کے مذاہب جمعہ کی فرضیت پر متفق ہیں کہ وہ فرضِ عین ہے مگر اس کی فرضیت کی کچھ شرائط ہیں جو ہر اہلِ مذہب نے بیان کی ہیں۔ اور حق یہ ہے کہ جمعہ فرضِ عین ہے ہر اس شخص پر جو اس کی ندا سنے۔ پھر ایک اور جگہ شوکانی نے کہا کہ حدیث میں جس ندار کا ذکر ہے اس سے مراد وہ اذان ہے جو مسجد میں امام کے سامنے ہوتی ہے۔ کیونکہ زمانہ نبوت میں وہی ندا تھی نہ کہ مناروں پر دی جانے والی آواز کہ وہ بعد کی چیز ہے۔ اور عراقی نے ترمذی کی شرح میں شافعیؒ مالکؒ اور احمد بن حنبلؒ کے متعلق بیان کیا ہے کہ وہ اہل مصر پر جمعہ کو واجب قرار دیتے ہیں گو وہ اذان کی آواز نہ سنیں علامہ عینیؒ نے شرح بخاری میں کہا ہے کہ شہر سے باہر رہنے والے پر جمعہ کی فرضیت میں علماء کا اختلاف ہے۔ ایک گروہ نے کہا کہ جو جمعہ پڑھ کر گھر واپس آسکے اس پر جمعہ فرض ہے، یہ روایت ابوہریرہؓ، انسؓ، ابن عمرؓ اور معاویہؓ سے کی گئی ہے، اور یہی قول نافعؒ، حسنؒ، عکرمہؒ، الحکمؒ، نخعیؒ، ابوعبدالرحمن سلمیؒ، عطاءؒ، اوزاعیؒ۔

ابو ثورؒ کا ہے اور ان کی دلیل ابوہریرہؓ کی مرفوع حدیث ہے کہ: اَلْجُمُعَةُ عَلٰى مَنْ آوَاهُ اللَّيْلُ اِلٰى اَهْلِهٖ " جمعہ اس پر فرض ہے جو رات کو گھر واپس آسکے"۔ یہ ترمذی اور بیہقی کی روایت ہے مگر دونوں نے اسے ضعیف کہا ہے۔ امام احمدؒ سے منقول ہے کہ انہوں نے اس حدیث کو لاشیئی سمجھا تھا۔ اور اس حدیث کا معنیٰ یہ ہے کہ جس شخص کو شہر میں جمعہ امام کے ساتھ پڑھ کر واپس گھر آنا رات سے پہلے پہلے ممکن ہو اس پر جمعہ فرض ہے۔ حافظؒ نے فتح الباری میں اس معنیٰ پر یہ اعتراض کیا ہے کہ اس کا مطلب تو یہ ہوگا کہ جمعہ کی طرف سعی صبح سویرے ہی واجب ہے حالانکہ یہ بات قرآنی آیت کے مطلب کے خلاف ہے۔ مولاناؒ نے فرمایا کہ اس حدیث کے معنی میں یہ احتمال ہے کہ یہ مسافر کے حق میں ہے وہ سفر سے جمعہ سے قبل واپس آجائے، چونکہ وہ وطن آکر مسافر نہیں رہا لہٰذا اس پر جمعہ فرض ہے اور حدیث کا مفہوم یہ بھی ہے کہ مسافر پر جمعہ فرض نہیں، جب یہ احتمال پیدا ہوگیا تو حدیث لائق استدلال نہ رہی۔

پھر علامہ عینیؒ نے کہا کہ کچھ لوگوں کے نزدیک جمعہ ان پر فرض ہے جو اذان سنیں، یہ بھی عبداللہ بن عمرؓ سے مروی ہے۔ ترمذی نے یہ مسلک امام شافعیؒ سے نقل کیا ہے اور احمدؒ اور اسحاقؒ سے بھی۔ اور ابن العربیؒ نے اسے مالکؒ سے نقل کیا ہے۔ ان حضرات کا استدلال عبداللہؓ بن عمرو کی مرفوع حدیث سے ہے کہ حضورؐ نے فرمایا: جمعہ اس پر فرض ہے جو اذان سنے۔ ابوداؤد کے نزدیک یہ حدیث عبداللہ بن عمروؓ پر موقوف ہے اور سفیان سے ایک جماعت نے اسے موقوف ہی روایت کیا ہے۔ ابن العربیؒ نے کہا ہے کہ ندا سننے والے پر جمعہ کی فرضیت شافعیؒ کے نزدیک ہے مگر بڑے شہر میں بھی جو لوگ اذانِ جمعہ نہ سنیں ان سے اس کی فرضیت ساقط ہو جائے گی۔ مولاناؒ نے فرمایا کہ حافظ ابن حجر نے فتح الباری میں کہا ہے کہ جمہور کا مسلک یہی ہے کہ جمعہ کی فرضیت اذان سننے والے پر ہے، یا یہ کہ وہ بالقوہ سامع ہو یعنی شہر میں رہتے ہوئے اگر اُسے اذان نہ بھی سُنائی دے تو بھی اس پر جمعہ فرض ہے کیونکہ وہ سُن سکتا ہے، اسی طرح جو شہر سے باہر ہو اور اذان سن سکتا ہو اس پر بھی جمعہ فرض ہے۔ اس میں ایک شرط یہ بھی ہے کہ مؤذن بلند بانگ ہو اور آوازیں ساکن ہوں، مبادا اذان شہر کے شور و غل میں گم ہو کر رہ جائے۔ اور یہ بھی شرط ہے کہ سُننے والا بہرا نہ ہو۔ لیکن اعتراض کو دفع کرنے کے لیے یہ شرطیں بھی کافی نہیں ہیں کیونکہ جب شہر بڑا مثلاً بمبئی اور کلکتہ (اور پاکستان میں لاہور اور کراچی) تو مؤذن کی آواز اس کی نواحی و اطراف میں نہیں پہنچتی چاہے مؤذن کتنا بلند بانگ ہو، لوگ بہرے نہ ہوں اور آوازیں ساکن ہوں۔ پس اس قول کے مطابق تو نہ سُننے والوں پر جمعہ فرض نہ ہوگا۔

علامہ عینیؒ نے کہا کہ ایک گروہ کے نزدیک جمعہ شہریوں پر فرض ہے اور باہر والوں پر فرض نہیں، وہ آواز سنیں یا نہ سنیں (میں یہ گزارش کرتا ہوں کہ خطابی نے جو اکثر فقہاء کا قول جمعہ کے فرض کفایہ میں سے ہونے کا بیان کیا ہے اس کا مطلب غالبًا یہی ہے کہ شرائط جمعہ کے باعث بہت سے لوگ ایسے ہیں جن پر جمعہ فرض نہیں ہوتا پس اس لحاظ سے یہ فرض کفایہ ہے، یعنی عملاً) اور یہی قول امام ابو حنیفہؒ کا ہے کیونکہ ان کے نزدیک دیہاتی لوگوں اور بادیہ نشینوں پر فرض نہیں جب تک کہ وہ مصر میں نہ ہوں، قاضی ابو بکرؓ ابن العربی نے اسی کو ترجیح دی ہے اور کہا ہے کہ ظاہر ابو حنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ ہے۔ مولاناؒ فرماتے ہیں کہ ابو حنیفہؒ کا مذہب یہ ہے کہ

جمعہ صرف مصر جامع میں یا شہر مصلیٰ میں صحیح ہے یعنی عید گاہ میں۔ حنفیہ کی کتب مثلاً مفید، اسبیجابی، تحفہ، جوامع الفقہ اور ینابیع میں یہی لکھا ہے۔ اور شہر کے بیرونی حصے بھی شہر کے حکم میں ہیں۔ پس مصر کا ہونا البدائع کے مطابق شرطِ وجوب بھی ہے اور شرطِ ادا بھی۔ خلاصہ یہ کہ جمعہ صرف شہر والوں پر فرض ہے اور شہر کے اندر ہی ہو سکتا ہے، باہر نہیں۔

١٠٥٨۔ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ يَحْيَى ابْنِ فَارِسٍ نَا قَبِيصَةُ نَا سُفْيَانُ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ سَعِيدٍ يَعْنِي الطَّائِفِيَّ عَنْ أَبِي سَلَمَةَ بْنِ نُبَيْهٍ عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ هَارُونَ عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عَمْرٍو عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ الْجُمُعَةُ عَلَى كُلِّ مَنْ سَمِعَ النِّدَاءَ قَالَ أَبُو دَاوُدَ رَوَى هَذَا الْحَدِيثَ جَمَاعَةٌ عَنْ سُفْيَانَ مَقْصُورًا عَلَى عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عَمْرٍو وَلَمْ يَرْفَعُوهُ وَإِنَّمَا أَسْنَدَهُ قَبِيصَةُ۔

عبداللہ بن عمرو نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ: جمعہ ہر اُس شخص پر ہے جو اذان سنے ابوداؤد نے کہا کہ یہ حدیث ایک جماعت نے سفیان سے عبداللہ بن عمروؓ پر موقوف روایت کی ہے اور اسے مرفوع نہیں کیا۔ اسے متصل کیا ہے تو قبیصہ نے کیا ہے۔

شرح: اس حدیث کی روایت میں ابوسلمہ بن نبیہ اور عبداللہ بن ہارون ہر دو مجہول راوی ہیں۔ نداء سے مراد اوّل وقت میں اذان ہے تاکہ لوگ جمعہ کا وقت جان لیں، اس میں حاضر ہوں اور اس کی سعی کریں۔ حضرت عثمانؓ نے اس اذان کا اضافہ اسی لیے کیا تھا کہ نواحی و اطراف مدینہ میں آواز پہنچ جائے۔ شہر کی بیرونی آبادیوں اور بستیوں کا حکم بھی شہر جیسا ہے۔ اذان سنیں یا نہ سنیں ان پر جمعہ فرض ہے۔ بیہقی نے اس حدیث کی روایت کے بعد کہا ہے کہ ابوداؤد کی تنقید کے بارے میں سمجھ لو کہ قبیصہ بن عقبہ ثقات میں سے ہے اور محمد بن سعید الطائفی (جس پر منذری نے جرح کی ہے) ثقہ ہے اور اس حدیث کا شاہد عمرو بن شعیب الخ کی حدیث ہے جو دارقطنی میں ہے۔

بَابُ الْجُمُعَةِ فِي الْيَوْمِ الْمَطِيرِ

بارش والے دن میں جمعہ کا باب۔

١٠٥٩۔ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ كَثِيرٍ أَنَا هَمَّامٌ عَنْ قَتَادَةَ عَنْ أَبِي مَلِيحٍ عَنْ أَبِيهِ أَنَّ يَوْمَ حُنَيْنٍ كَانَ يَوْمَ مَطَرٍ فَأَمَرَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مُنَادِيَهُ أَنَّ الصَّلَاةَ فِي الرِّحَالِ

ابوملیح نے اپنے باپ سے روایت کی کہ جنگِ حنین کے دن بارش ہوگئی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے مؤذن کو حکم دیا کہ یوں کہے: نمازیں ڈیروں میں ہوگی (یہ حدیث نسائی میں بھی ہے)

شرح: اور نمازوں کا بھی یہی حکم ہے اور پھر اس حدیث میں جمعہ یا کسی اور نماز کی تعیین بھی نہیں، پس گویا یہ جمعہ اور غیر جمعہ سب کو مشتمل ہے، آئندہ حدیثوں میں جمعہ کا ذکر بھی موجود ہے۔ ابوملیح کے نام میں اختلاف ہے مگر اس کا باپ صحابی ہے۔

۱۰۶۰۔ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الْمُثَنَّى نَا عَبْدُ الْأَعْلَى نَا سَعِيدٌ عَنْ صَاحِبٍ لَهُ عَنْ أَبِي مَلِيحٍ أَنَّ ذٰلِكَ كَانَ يَوْمَ جُمُعَةٍ۔

یہ دوسری روایت بھی اسی حدیث کی ہے۔ اس میں ابوملیح نے کہا کہ وہ جمعہ کا دن تھا (یہ روایت تابعی پر موقوف ہے)

۱۰۶۱۔ حَدَّثَنَا نَصْرُ بْنُ عَلِيٍّ قَالَ سُفْيَانُ بْنُ حَبِيبٍ أَخْبَرَنَا عَنْ خَالِدٍ الْحَذَّاءِ عَنْ أَبِي قِلَابَةَ عَنْ أَبِي الْمَلِيحِ عَنْ أَبِيهِ أَنَّهُ شَهِدَ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ زَمَنَ الْحُدَيْبِيَةِ فِي يَوْمِ جُمُعَةٍ وَأَصَابَهُمْ مَطَرٌ لَمْ يَبْتَلَّ أَسْفَلُ نِعَالِهِمْ فَأَمَرَهُمْ أَنْ يُصَلُّوا فِي رِحَالِهِمْ۔

ابوملیح نے اپنے باپ سے روایت کی وہ حدیبیہ کے زمانے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ حاضر تھا، یہ جمعہ کا دن تھا اور بارش ہوگئی تھی مگر ان کے جوتوں کے تلے بھی اس سے نہیں بھیگے تھے، تو حضور ﷺ نے انہیں اپنے اپنے ڈیروں میں نماز پڑھنے کا حکم دیا (یہ حدیث ابن ماجہ نے بھی روایت کی ہے)

شرح: اس حدیث کو حاکم نے مستدرک میں صحیح کہا ہے اور ذہبی نے تلخیص میں اس سے اختلاف نہیں کیا بلکہ اسے صحیح کہا ہے۔ اس حدیث کی سند میں ذرا الجھن نظر آتی ہے جو حاکم کی روایت کو دیکھ کر دور ہو جاتی ہے۔ عبارت یوں ہونی چاہیئے تھی: حَدَّثَنَا نَصْرُ بْنُ عَلِيٍّ قَالَ أَخْبَرَنَا سُفْيَانُ بْنُ حَبِيبٍ عَنْ خَالِدٍ الْحَذَّاءِ آخ۔ اس حدیث میں حدیبیہ کا ذکر ہے جب کہ گزشتہ حدیث میں اسی صحابی سے حنین کے دن کا ذکر تھا۔ ہو سکتا ہے کہ یہ واقعہ دونوں جگہ پیش آیا ہو۔ اس حدیث میں ڈیروں میں نماز پڑھنے کا حکم ہے لیکن یہ وضاحت نہیں کہ کیا لوگ انفرادی طور پر اپنے ڈیروں میں نمازِ جمعہ ادا کرتے یا ظہر کی نماز؟ ظاہر ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس وقت صحرا میں تشریف فرما تھے اور حضورؐ سے یا آپ کے اصحاب سے یہ ثابت نہیں ہوا کہ انہوں نے جنگلوں اور صحراؤں میں نمازِ جمعہ کو قائم کیا ہو۔ اگر بالفرض حضورؐ کا وہاں پر جمعہ قائم کرنا ثابت ہو بھی جائے تو یہ جگہ مکہ کے ماحول میں تھی کیونکہ حنفیہ کے نزدیک حدیبیہ (موجودہ شمیسیہ) حرم مکہ کے اندر داخل

ہے جیساکہ شیخین کے نزدیک منیٰ بھی توابع مکہ میں داخل ہے اور امام محمد کا اس میں بقول صاحب البدائع اختلاف ہے۔ توابع مصر کی تعریف میں اختلاف ہے۔ ابو یوسفؒ کے نزدیک اس کی حد تین فرسنگ ہے اور بعض مشائخ نے کہا کہ اگر کوئی شخص جمعہ پڑھ کر بخوبی بلا تکلف گھر لوٹ سکے تو اس پر جمعہ فرض ہے اور یہی احسن قول ہے۔

بَابُ التَّخَلُّفِ عَنِ الْجَمَاعَةِ فِي اللَّيْلَةِ الْبَارِدَةِ

سرد رات میں جماعت سے پیچھے رہنے کا باب۔

۱۰۶۲۔ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عُبَيْدٍ نَا حَمَّادُ بْنُ زَيْدٍ نَا أَيُّوبُ عَنْ نَافِعٍ أَنَّ ابْنَ عُمَرَ نَزَلَ بِضَجْنَانَ فِي لَيْلَةٍ بَارِدَةٍ فَأَمَرَ الْمُنَادِيَ فَنَادَى أَنِ الصَّلٰوةُ فِي الرِّحَالِ قَالَ أَيُّوبُ وَحَدَّثَ نَافِعٌ عَنِ ابْنِ عُمَرَ أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ إِذَا كَانَتْ لَيْلَةٌ بَارِدَةٌ أَوْ مَطِيرَةٌ أَمَرَ الْمُنَادِيَ فَنَادَى الصَّلٰوةُ فِي الرِّحَالِ۔

ابن عمرؓ ضجنان میں اترے۔ یہ ٹھنڈی رات تھی پس انہوں نے مؤذن کو حکم دیا تو اس نے پکار کر کہا: نماز ڈیروں میں ہوگی۔ اور نافع نے ابن عمرؓ کی طرف سے حدیث بیان کی کہ جب سرد رات ہوتی یا بارش والی رات ہوتی تو مؤذن کو حکم دیتے پس وہ پکارتا: نماز ڈیروں میں ہوگی (ضجنان مکہ کے قریب ایک منزل پر واقع ہے دراصل یہ وہاں کے پہاڑ کا نام ہے۔ اس کے نیچے ایک مسجد ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس جگہ نماز پڑھی تھی)

۱۰۶۳۔ حَدَّثَنَا مُؤَمَّلُ بْنُ هِشَامٍ نَا إِسْمٰعِيلُ عَنْ أَيُّوبَ عَنْ نَافِعٍ قَالَ نَادَى ابْنُ عُمَرَ بِالصَّلٰوةِ بِضَجْنَانَ ثُمَّ نَادَى أَنْ صَلُّوا فِي رِحَالِكُمْ قَالَ فِيهِ ثُمَّ حَدَّثَ عَنْ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّهُ كَانَ يَأْمُرُ الْمُنَادِيَ فَيُنَادِي بِالصَّلٰوةِ ثُمَّ يُنَادِي أَنْ صَلُّوا فِي رِحَالِكُمْ فِي اللَّيْلَةِ الْبَارِدَةِ وَفِي اللَّيْلَةِ الْمَطِيرَةِ فِي السَّفَرِ قَالَ أَبُو دَاوُدَ وَرَوَاهُ حَمَّادُ بْنُ سَلَمَةَ عَنْ أَيُّوبَ وَعُبَيْدِ اللّٰهِ قَالَ فِيهِ فِي السَّفَرِ فِي اللَّيْلَةِ الْقَرَّةِ أَوِ الْمَطِيرَةِ۔

نافع نے کہا کہ ابن عمرؓ نے ضجنان میں نماز کی اذان دی پھر پکار کر کہا کہ اپنے ڈیروں میں نماز پڑھو۔ اس حدیث

میں نافع نے کہا: پھر ابن عمرؓ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث بیان کی کہ آپ مؤذن کو اذان کا حکم دیتے پھر مؤذن پکار کر کہتا کہ اپنے ڈیروں میں نماز پڑھو۔ یہ سفر میں ٹھنڈی رات اور بارش والی رات ہوتا تھا۔ ابوداؤد نے کہا کہ حماد بن سلمہ نے یہ حدیث ایوب اور عبید اللہ سے روایت کی تو اس میں کہا: فِی اللَّیْلَۃِ الْقَرَّۃِ اَوِ الْمَطِیْرَۃِ (معنی وہی ہے جو اوپر گزرا محض تھوڑا سا لفظی اختلاف ہے (اس حدیث کی روایت ابن ماجہ نے بھی کی ہے)

شرح: اذان کی نسبت اس روایت میں ابن عمرؓ کی طرف کی گئی ہے۔ یا فی الواقع انھوں نے خود اذان دی ہو گی یا یہ نسبت مجازی ہے یعنی مؤذن سے اذان دلوائی اور یہ الفاظ بھی کہلوائے ہوں گے۔ یہ الفاظ اذان ختم ہونے پر کہے جاتے تھے۔ اس حدیث میں جماعت شامل نہ ہونے کی اجازت سفر کے ساتھ مخصوص کی گئی ہے مگر مالکؒ نے جو نافع سے روایت کی ہے اس میں سفر کا ذکر نہیں بلکہ ایک عام مطلق حکم ہے۔ مولاناؒ نے فرمایا کہ مطلق کو مقید پر محمول کرنے کا قاعدہ یہ چاہتا ہے کہ اصل حکم تو مسافر کے ساتھ مخصوص ہے اور اس کے ساتھ دوسرے لوگ حضر میں بھی مشقت کے باعث عذر کی صورت میں ملحق ہوتے ہیں۔

۱۰۶۴۔ **حَدَّثَنَا** عُثْمَانُ بْنُ اَبِیْ شَیْبَۃَ نَا اَبُوْ اُسَامَۃَ عَنْ عُبَیْدِ اللّٰہِ عَنْ نَافِعٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ اَنَّہٗ نَادٰی بِالصَّلٰوۃِ بِضَجْنَانَ فِیْ لَیْلَۃٍ ذَاتِ بَرْدٍ وَّرِیْحٍ فَقَالَ فِیْ اٰخِرِ نِدَائِہٖ اَلَا صَلُّوْا فِیْ رِحَالِکُمْ اَلَا صَلُّوْا فِی الرِّحَالِ ثُمَّ قَالَ اِنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کَانَ یَاْمُرُ الْمُؤَذِّنَ اِذَا کَانَتْ لَیْلَۃٌ بَارِدَۃٌ اَوْ ذَاتَ مَطَرٍ فِیْ سَفَرٍ یَّقُوْلُ اَلَا صَلُّوْا فِیْ رِحَالِکُمْ۔

ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ انھوں نے ایک سردی اور ہوا والی رات میں ضجنان کے مقام پر نماز کی اذان دی پھر اپنی اذان کے آخر میں کہا: سنو! اپنے ڈیروں میں نماز پڑھو۔ سنو! ڈیروں میں نماز پڑھو۔ پھر کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مؤذن کو حکم دیا کرتے تھے جب کہ سفر میں ٹھنڈی رات ہوتی یا بارش والی رات ہوتی وہ کہتے: اے لوگو! سنو! اپنے ڈیروں میں نماز پڑھو۔

۱۰۶۵۔ **حَدَّثَنَا** الْقَعْنَبِیُّ عَنْ مَالِکٍ عَنْ نَافِعٍ اَنَّ ابْنَ عُمَرَ یَعْنِیْ اَذَّنَ بِالصَّلٰوۃِ فِیْ لَیْلَۃٍ ذَاتِ بَرْدٍ وَّرِیْحٍ فَقَالَ اَلَا صَلُّوْا فِی الرِّحَالِ ثُمَّ قَالَ اِنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کَانَ یَاْمُرُ الْمُؤَذِّنَ اِذَا کَانَتْ لَیْلَۃٌ بَارِدَۃٌ اَوْ ذَاتَ مَطَرٍ یَّقُوْلُ اَلَا صَلُّوْا فِی الرِّحَالِ۔

ابن عمرؓ نے سرد ہوا والی رات میں نماز کی اذان دی تو کہا: سنو! ڈیروں میں نماز پڑھو۔ پھر کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب رات ٹھنڈی ہوتی یا بارش والی ہوتی تو مؤذن کو حکم دیتے تھے کہ وہ کہے: اے لوگو! ڈیروں میں نماز پڑھو۔ (یہ حدیث بخاری، مسلم اور نسائی میں بھی آئی ہے)

۱۰۶۶۔ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ مُحَمَّدٍ النُّفَيْلِيُّ نَا مُحَمَّدُ بْنُ سَلَمَةَ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ إِسْحَاقَ عَنْ نَافِعٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ نَادَى مُنَادِي رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِذٰلِكَ فِي الْمَدِينَةِ فِي اللَّيْلَةِ الْمَطِيرَةِ وَالْغَدَاةِ الْقَرَّةِ قَالَ أَبُودَاوُدَ رَوَى هٰذَا الْخَبَرَ يَحْيَى بْنُ سَعِيدٍ الْأَنْصَارِيُّ عَنِ الْقَاسِمِ عَنِ ابْنِ عُمَرَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ فِيهِ فِي السَّفَرِ۔

ابن عمرؓ نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مؤذن نے یہ مدینہ میں بارش والی رات میں اور ٹھنڈی صبح میں پکارا۔ ابوداؤد نے کہا کہ یہ حدیث یحییٰ بن سعید انصاری نے قاسم سے اس نے ابن عمرؓ سے اس نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کی، اس میں یحییٰ بن "سفر میں" کا لفظ بولا (یعنی یہ لفظ محمد بن اسحاق نے اپنی روایت میں نہیں بولا۔ کئی بار گزر چکا ہے کہ محمد بن اسحاق محدثین کے نزدیک حدیث کے بارے میں قبول و عدم قبول کے متعلق مختلف فیہ ہے۔ القاسم سے مراد اس سند میں صدیق اکبرؓ کا پوتا ہے۔

۱۰۶۷۔ حَدَّثَنَا عُثْمَانُ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ نَا الْفَضْلُ بْنُ دُكَيْنٍ نَا زُهَيْرٌ عَنْ أَبِي الزُّبَيْرِ عَنْ جَابِرٍ قَالَ كُنَّا مَعَ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي سَفَرٍ فَمُطِرْنَا فَقَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِيُصَلِّ مَنْ شَاءَ مِنْكُمْ فِي رَحْلِهِ۔

جابرؓ نے کہا کہ ہم ایک سفر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے۔ پس بارش ہوگئی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم میں سے جو چاہے وہ اپنے ڈیرے میں نماز پڑھ لے (اس کی روایت مسلم اور ترمذی نے بھی کی ہے)

۱۰۶۸۔ حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ نَا إِسْمٰعِيلُ أَخْبَرَنِي عَبْدُ الْحَمِيدِ صَاحِبُ الزِّيَادِيِّ نَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ الْحَارِثِ ابْنُ عَمِّ مُحَمَّدِ بْنِ سِيرِينَ أَنَّ ابْنَ عَبَّاسٍ قَالَ لِمُؤَذِّنِهِ فِي يَوْمٍ مَطِيرٍ إِذَا قُلْتَ أَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا رَسُولُ اللّٰهِ فَلَا تَقُلْ حَيَّ عَلَى الصَّلٰوةِ قُلْ صَلُّوا فِي بُيُوتِكُمْ فَكَأَنَّ النَّاسَ اسْتَنْكَرُوا ذٰلِكَ فَقَالَ قَدْ فَعَلَ ذَا مَنْ هُوَ خَيْرٌ مِنِّي إِنَّ الْجُمُعَةَ

عَزْمَةٌ وَإِنِّي كَرِهْتُ أَنْ أُحْرِجَكُمْ فَتَمْشُونَ فِي الطِّينِ وَالْمَطَرِ۔

ابن عباس رضی اللہ عنہ نے بارش والے دن میں اپنے مؤذن سے کہا کہ جب تو کہے: اَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا الرَّسُولُ اللّٰهِ تو پھر نہ کہنا حَيَّ عَلَى الصَّلٰوةِ بلکہ یوں کہنا صَلُّوْا فِي بُيُوْتِكُمْ۔ پھر یوں ہوا کہ لوگوں نے گویا اسے غلط شمار کیا تو ابن عباس رضی اللہ عنہ نے کہا کہ یہ کام اس نے کیا جو مجھ سے بہتر تھا (یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے) جمعہ تو ضرور فرض ہے لیکن میں نے ناپسند کیا کہ تمہیں مشقت میں ڈالوں اور تم کیچڑ اور بارش میں چلو (یہ حدیث بخاری، مسلم، ابن ماجہ اور احمد نے بھی روایت کی ہے)

شرح: اس سے پہلے ابن عمر رضی اللہ عنہ کی حدیث میں گزر چکا ہے کہ یہ زائد جملہ اذان سے فراغت کے بعد کہا جاتا تھا۔ اور زیر نظر حدیث سے معلوم ہوا کہ ابن عباس رضی اللہ عنہ نے اسے اثنائے اذان میں حیّ علی الصلوٰہ، حیّ علی الفلاح کے بجائے پکارنے کا حکم دیا اور پھر اس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا حوالہ دیا۔ اس بنا پر اذان کے دوران میں الفاظ اذان کے علاوہ کچھ اور کہنے میں یا کلام کرنے میں اختلاف ہوا ہے۔ یعنی ایسے الفاظ بولنا جو الفاظ اذان نہ ہوں۔ حافظ ابن حجر نے ابن المنذر کے حوالے سے اس کا مطلق جواز ان حضرات سے نقل کیا ہے: عروہ، عطاء، حسن، قتادہ۔ اور امام احمدؒ کا یہی قول ہے، نخعیؒ، ابن سیرین اور اوزاعی اسے مکروہ کہتے ہیں۔ ثوریؒ، ابو حنیفہؒ اور ابو یوسفؒ و محمدؒ سے روایت ہے کہ یہ خلاف اولیٰ ہے، اور مالکؒ اور شافعیؒ کا کلام بھی اسی پر دلالت کرتا ہے۔ اسحاق بن راہویہ نے کہا کہ مکروہ ہے لیکن اگر وہ کلام امر صلوٰۃ کے متعلق ہو تو مکروہ نہیں۔ ابن المنذرؒ نے بھی اس حدیث ابن عباس رضی اللہ عنہ کی بنا پر اسی قول کو اختیار کیا ہے۔ داؤدی نے اس میں نزاع کیا ہے اور کہا ہے کہ اس میں اذان کے اندر کلام کے جواز کی کوئی دلیل نہیں ہے بلکہ یہ قول اس محل میں مشروع ہے اور بس۔

مولانا نے فرمایا کہ حنفیہ کی کتب اثنائے اذان میں کلام کو نا جائز قرار دیتی ہیں کیونکہ یہ بھی خطبہ کی مانند ایک معظم ذکر ہے اور کلام اس کے منافی ہے۔ حافظ ابن حجر نے کہا کہ نوویؒ کا قول ہے کہ ابن عباس رضی اللہ عنہ کی حدیث میں یہ کلمہ اذان کا جزء ہے جو اثنائے اذان میں کہا جاتا ہے اور ابن عمر کی حدیث میں ثابت ہے کہ اذان کے بعد کہا جائے۔ پس یہ دونوں امر جائز ہیں اور امام شافعیؒ کی صراحت اس پر موجود ہے لیکن بعد میں کہنا احسن ہے تاکہ اذان کا نظم تام ہو جائے۔ اور شافعی حضرات میں سے بعض کے نزدیک صرف بعد ہی میں فراغت اذان پر کہا جائے مگر یہ قول ضعیف ہے اور حدیث ابن عباس رضی اللہ عنہ کے خلاف ہے۔ نوویؒ کا کلام یہ بتاتا ہے کہ اثنائے اذان میں بعد اذان یہ جملہ پڑھا جائے، مگر یہ حیّ علی الصلوٰۃ کا بدل نہیں ہے۔

مولانا نے فرمایا کہ حافظ کا یہ قول ابن عباس رضی اللہ عنہ کی روایت کے صریحاً خلاف ہے۔ کیونکہ اس کے الفاظ ہیں: حَيَّ عَلَى الصَّلٰوةِ مت کہو بلکہ کہو: صَلُّوْا فِي بُيُوْتِكُمْ۔ مولانا عبدالحیٔ لکھنوی نے سعایہ میں کہا ہے کہ ہمارے حنفی اصحاب اثنائے اذان میں اضافے کو مکروہ جانتے ہیں (یعنی یہ صَلُّوْا فِي الرِّحَالِ کا لفظ) مگر اولیٰ یہ ہے کہ آج کے زمانے میں یہ فتویٰ بھی نہ دیا جائے کیونکہ سستی غالب ہے اور لوگوں میں جماعت کی رغبت قلیل ہے۔ اور بہت سے مسائل پر آج کل فتویٰ نہ دینا چاہیے۔ علامہ عینیؒ نے شرح بخاری میں نوویؒ کا کلام نقل کرنے کے بعد کہا ہے کہ حدیث ابن عباس رضی اللہ عنہ میں اذان مراد ہی نہیں کیونکہ انہوں نے کہا: حَيَّ عَلَى الصَّلٰوةِ نہ کہو بلکہ کہو: صَلُّوْا فِي بُيُوْتِكُمْ۔ پس اس میں

لوگوں کے لیے عذر کی بنا پر تخفیف کی اطلاع تھی جیسا کہ امراء اور اصحاب ولایات کے لیے تثویب کہی جاتی ہے۔ یہ اس لیے کہ حدیث ابن عمرؓ میں (بخاری) اور حدیث ابی ہریرہؓ میں (کامل ابن عدی) آ چکا ہے کہ یہ جملہ اذان کے بعد کہا جاتا تھا۔

مولاناؒ نے فرمایا کہ حدیث ابن عمرؓ تو اس امر میں صریح ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں یہ اذان سے فراغت کے بعد کہا جاتا تھا (یعنی عذر کے وقت) اور روایات اس پر دلالت کرتی ہیں، مگر حدیث ابن عباسؓ اس امر میں صریح نہیں ہے اس میں صرف یہ ہے کہ ابن عباسؓ نے مؤذن سے حَیَّ عَلَی الصَّلوٰۃ کے بجائے صَلُّوْا فِی بُیُوْتِکُمْ کہلایا اور کہا کہ یہ کام اُس نے بھی کیا جو مجھ سے بہتر تھا (صلی اللہ علیہ وسلم) مگر یہ کلام پوری مماثلت اور اتحاد نہیں چاہتا، یعنی یہ مطلب نہیں کہ حضورؐ نے بھی حَیَّ عَلَی الصَّلوٰۃ کے بجائے صَلُّوْا فِی بُیُوْتِکُمْ پکارنے کا حکم دیا تھا۔ پس مماثلت فقط اتحاد تخفیف میں تھی نہ کہ اس کلمے کو اذان میں داخل کرنے کی۔ یہ اذان میں داخل کرنا ابن عباسؓ کی اپنی رائے ہوگی لہٰذا اسے اذان میں داخل کرنے کی دلیل نہیں بنایا جا سکتا، کیونکہ اس میں تو اختلاف ہوا ہے کہ اس کلمے کو اذان کا جزء بنایا جائے یا نہیں، مگر یہ کسی نے نہیں کہا کہ اسے حَیَّ عَلَی الصَّلوٰۃ کا بدل بنایا جائے مولاناؒ نے جو کچھ فرمایا ہے اس سے نہ صرف اصل مسئلہ صاف ہو گیا بلکہ بعض بدعتی فرقوں کے اذان میں خود ساختہ اضافوں کی گنجائش بھی نہ رہی۔ اذان اسلام کا شعار ہے اور عبادت کی تمہید ہے، اس میں جو چیز جس قدر جس حالت میں ثابت ہوئی ہے بس وہی جائز ہے، بعد کے اضافے سب ناجائز اور بدعت سیئہ ہیں۔

بَابُ الْجُمُعَةِ لِلْمَمْلُوْكِ وَالْمَرْأَةِ

غلام اور عورت کے لیے جمعہ کا باب

۱۰۶۹۔ حَدَّثَنَا عَبَّاسُ بْنُ عَبْدِ الْعَظِيْمِ حَدَّثَنِيْ إِسْحَاقُ بْنُ مَنْصُوْرٍ نَا هُرَيْمٌ عَنْ إِبْرَاهِيْمَ بْنِ مُحَمَّدِ بْنِ الْمُنْتَشِرِ عَنْ قَيْسِ بْنِ مُسْلِمٍ عَنْ طَارِقِ بْنِ شِهَابٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ الْجُمُعَةُ حَقٌّ وَاجِبٌ عَلٰى كُلِّ مُسْلِمٍ فِيْ جَمَاعَةٍ إِلَّا أَرْبَعَةً عَبْدًا مَمْلُوْكٌ أَوْ إِمْرَأَةٌ أَوْ صَبِيٌّ أَوْ مَرِيْضٌ قَالَ أَبُوْ دَاوُدَ طَارِقُ بْنُ شِهَابٍ قَدْ رَأَى النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَلَمْ يَسْمَعْ مِنْهُ شَيْئًا۔

طارق بن شہابؓ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جمعہ ہر مسلمان پر با جماعت برحق فریضہ ہے سوائے چار کے: مملوک غلام، عورت، بچہ اور مریض۔ ابوداؤدؒ نے کہا کہ طارق بن شہابؓ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا تو تھا مگر آپ سے کچھ سُنا نہیں۔

شرح: جب یہ ثابت ہے کہ طارق بن شہاب صحابی تھا تو اس کی روایت یا تو حضورؐ سے ہو گی جس کا ابوداؤدؒ نے

انکار کیا ہے، ورنہ مراسیل صحابہ میں سے ہے جو مقبول ہے۔ خطابیؒ نے اس سند پر جرح کی ہے، مگر یہ جرح اگر اس سبب سے ہے جو ابوداؤدؒ نے بتایا تو غیر مقبول ہے کیونکہ اصول حدیث کی رو سے مراسیل صحابہ مقبول ہیں۔ اگر کوئی اور وجہ ہے تو اسے ظاہر کیا جائے تاکہ غور کیا جا سکے۔ سند کے تمام راوی ثقہ ہیں اور یہ حسن کے درجے کی ضرور ہے۔ حنفیہ کے نزدیک دلائل کتاب و سنت کی رُو سے فرضیت جمعہ کی چھ شرائط ہیں: (۱) عقل (۲) بلوغ (۳) حریت (۴) مذکر ہونا (۵) مقیم ہونا (۶) صحت بدن۔ پس جمعہ مجنون، بچے، غلام (آقا کے اذن کے بغیر) عورت، مسافر اور بیماروں پر فرض نہیں ہے۔ آزادی کی شرط اس لیے ہے کہ غلام کے منافع اس کے مالک کی ملک میں ہیں سوائے ان مستثنیٰ احکام کے جن میں شرع نے مستثنیٰ کر دیا ہے، مثلاً نماز پنج گانہ کا انفرادی طور پر ادا کرنا، کیونکہ جماعت کی حاضری اور امام اور قوم کے انتظار میں مالک کے بہت سے منافع معطل ہو جاتے ہیں۔ اور اسی لیے اس پر حج اور جہاد فرض نہیں، اور یہی معنیٰ جمعہ کی طرف سعی کرنے میں موجود ہے کہ اس میں بھی قوم اور امام کا انتظار ہوتا ہے، لہٰذا اس سے جمعہ ساقط ہے۔ اقامت کا جہاں تک سوال ہے وہ اس لیے کہ مسافر شہر کے داخلے امام اور قوم کے انتظار کا محتاج ہو گا تو قافلے سے (اور آجکل مثلاً گاڑی، بس یا ہوائی جہاز وغیرہ سے) بچھڑ جائے گا اور اسے تکلیف لاحق ہو گی۔ مریض پر اس لیے فرض نہیں کہ وہ حاضری سے معذور ہے اور یا کم از کم حضور میں اسے حرج لاحق ہو گا۔ ایسی عورت تو وہ اس لیے کہ گھر کے سنبھالنے خاوند کے کام کاج اور خدمت میں مشغول ہونے کے باعث گھر سے نکل کر مردوں کی محفلوں میں آنے سے باز رکھی گئی ہے۔ اس کے لیے گھر سے نکلنا باعث فتنہ ہے۔ اس سبب سے عورتوں پر جماعت صلاۃ فرض نہیں۔ نابینا کے بارے میں فقہاء کا اجماع ہے کہ جب تک اس کے پاس قائد نہ ہو اس پر جمعہ فرض نہیں۔ لیکن رضاکارانہ طور پر یا بطور اجارہ اسے قائد مل جائے تو بھی امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک یہی حکم ہے کیونکہ ان کے نزدیک غیر کی قدرت کے ساتھ قادر ہونے والا غیر قادر رہے۔ امام ابویوسف اور محمد بن الحسن کے نزدیک دوسرے کی قدرت سے قادر رہنے والا شرعاً قادر ہوتا ہے لہٰذا اس پر جمعہ فرض ہے۔ عورت اور مسافر اگر جمعہ میں آجائیں تو ان کا فریضۂ وقت ادا ہو جائے گا۔ بچہ اور مجنون فرضیت کے اہل نہیں۔ لہٰذا بچے کی نماز تو نفل واقع ہو گی اور مجنون کی نماز سرے سے ہی نہیں کیونکہ وہ فاتر العقل ہے۔

بَابُ الْجُمُعَةِ فِي الْقُرَى

بستیوں میں نماز کا باب

۱۰۷۰۔ حَدَّثَنَا عُثْمَانُ ابْنُ أَبِي شَيْبَةَ وَمُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِ اللهِ الْمُخَرِّمِيُّ لَفْظُهُ قَالَا نَا وَكِيعٌ عَنْ إِبْرَاهِيمَ بْنِ طَهْمَانَ عَنْ أَبِي جَمْرَةَ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ إِنَّ أَوَّلَ جُمُعَةٍ جُمِّعَتْ فِي الْإِسْلَامِ بَعْدَ جُمُعَةٍ جُمِّعَتْ فِي مَسْجِدِ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِالْمَدِينَةِ لَجُمُعَةٌ جُمِّعَتْ بِجُوَاثَى قَرْيَةٍ مِنْ قُرَى الْبَحْرَيْنِ قَالَ عُثْمَانُ قَرْيَةٌ مِنْ قُرَى عَبْدِ الْقَيْسِ۔

ابن عباسؓ نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مسجد مدینہ میں جمعہ ہونے کے بعد اسلام میں پہلا جمعہ جو قائم

کیا گیا وہ جمعہ تھا جو مقام جواثی میں قائم کیا گیا جو بحرین کی بستیوں سے ایک بستی تھی۔ عثمان بن ابی شیبہ نے کہا کہ یہ عبد القیس کی بستیوں میں سے ایک بستی تھی (بخاری نے یہ حدیث باب الجمعۃ فی القریٰ والمدن (کتاب الجمعہ) میں روایت کی ہے)

شرح: قُریٰ قریہ کی جمع ہے۔ قیاس کے مطابق قُرا آنی چاہیئے تھی لہذا یہ جمع خلاف قیاس ہے۔ قریہ کا لفظ بستی، آبادی گاؤں اور بعض دفعہ قصبات اور شہروں پر بھی بولا جاتا ہے۔ یہ روایت ابراہیم بن طہمان کے حفاظ شاگردوں نے اسی طرح بیان کی ہے جیسی کہ یہاں ہے۔ مگر معافی بن عمران نے عن ابن طہمان عن محمد بن زیاد عن ابی ہریرہ کہا ہے (نسائی) ممکن ہے ابن طہمان کے پاس اس کی دو سندیں ہوں یا ممکن ہے معافی بن عمران کی غلطی سے ایسا ہوا ہو۔ عبد القیس کا قبیلہ بحرین میں ساکن تھا لہذا جواثی کی دونوں نسبتیں (بحرین کی طرف اور عبد القیس کی طرف) درست ہیں۔ بحرین کا لفظ رفع، نصب اور جر ہر حالت میں بحرین بولا اور لکھا جاتا ہے، تمام اہل لغت اس پر متفق ہیں مگر زمخشری نے اسے رفع کی صورت میں بحران کہا ہے۔

اس حدیث سے حضرات شوافع نے دیہات میں جمعہ جائز ہونے پر استدلال کیا ہے لیکن حنفیہ نے کہا ہے کہ جواثی گاؤں نہیں تھا بلکہ شہر تھا۔ ابن التین نے شیخ ابوالحسن سے نقل کیا ہے کہ جواثی ایک شہر تھا۔ ابو عبید البکری نے کہا ہے کہ جواثی بحرین میں عبد القیس کا شہر ہے۔ امرؤ القیس نے اپنے ایک قصیدے میں جواثی کے تاجروں اور شکار کی کثرت یعنی سامان تجارت کی بہتات کا ذکر کیا ہے ظاہر ہے کہ تاجروں کی کثرت اور ان کے سامان تجارت کی بہتات گاؤں میں نہیں بلکہ شہروں میں ہوتی ہے۔ کہتے ہیں کہ جواثی میں چار ہزار انسانوں سے زیادہ کی آبادی تھی اور اس دور میں یہ آبادی کثیر سمجھی جاتی تھی۔ رہا قریہ کا لفظ، سو قرآن مجید میں یہ لفظ شہر کے لیے بولا گیا ہے، وَكَأَيِّنْ مِنْ قَرْيَةٍ هِيَ أَشَدُّ قُوَّةً مِنْ قَرْيَتِكَ الَّتِي أَخْرَجَتْكَ أَهْلَكْنَاهُمْ "اے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کئی شہر ایسے گزرے ہیں جو تیرے اس شہر سے (مکہ سے) زیادہ طاقتور تھے جس نے تجھے نکال باہر کیا ہے ہم نے ان کے باشندوں کو ہلاک کر ڈالا تھا" اس آیت میں مکہ پر قریہ کا لفظ بولا گیا ہے۔ معجم العبدان میں ہے کہ جواثی بحرین میں عبد القیس کے ایک قلعہ والے شہر کا نام تھا جسے علاء ابن الحضرمی نے ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی خلافت میں سنہ ۱۲ھ میں بزور شمشیر فتح کیا تھا۔ ابن الاعرابی نے بھی جواثی کو شہر لکھا ہے۔

بالفرض اگر اسے گاؤں تسلیم کیا جائے تو بھی اس حدیث میں یہ نہیں آیا کہ جواثی والوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اذن و اطلاع اور رضامندی سے جمعہ قائم کیا تھا۔ اور یہ کہنا کہ بظاہر یہ کام حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے امر و اطلاع سے ہی ہوا ہوگا معرض استدلال میں کافی نہیں ہے۔ جمعہ کی اقامت کے لیے کتنی بڑی آبادی اور بستی ضروری ہے اس میں علماء کا اختلاف ہے امام مالکؒ کا قول ہے کہ ہر وہ آبادی جس میں مسجد یا بازار ہو اس کے باشندوں پر جمعہ فرض ہے اور خانہ بدوشوں پر فرض نہیں خواہ کتنے زیادہ ہوں۔ کیونکہ وہ مسافروں کے حکم میں ہیں۔ امام شافعیؒ اور امام احمدؒ کا قول ہے کہ جس آبادی میں چالیس، بالغ آزاد مرد ہوں، عاقل ہوں، مقیم ہوں موسم سرما یا گرما میں وہاں سے چلے نہ جاتے ہوں مگر سفر کی حاجت کے لیے، تو اس بستی والوں پر جمعہ فرض ہے۔ عمارتیں چاہے لکڑی کی ہوں یا پتھر کی، یا گارے کی یا سرکنڈے کی یا کسی اور چیز کی، بشرطیکہ مکانات پاس پاس ہوں، اگر دُور دُور ہوں تو جمعہ صحیح نہیں۔ خیموں میں بسنے والے اگر سردی یا گرمی کے موسم میں وہاں سے منتقل ہو جاتے ہوں تو بلا اختلاف جمعہ صحیح نہیں۔ اگر وہ ہمیشہ وہی رہتے ہوں،

ان کے مکانات اکٹھے ہوں تو اس میں دو قول ہیں۔ صحیح تر قول یہ ہے کہ ان پر جمعہ فرض نہیں اور پڑھیں تو صحیح نہیں یہی مالک کا قول ہے۔ دوسرا قول یہ ہے کہ ان پر جمعہ فرض ہے اور پڑھیں گے تو صحیح ہوگا۔ یہی قول احمد اور داؤد کا ہے۔

ابو حنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ کا مسلک یہ ہے کہ جمعہ صرف مصر جامع میں یا اس کی عیدگاہ میں صحیح ہے اور بستیوں اور دیہات میں جائز نہیں۔ اور منیٰ میں جائز ہے جبکہ امیر خود حاجیوں کا امیر بھی ہو یا خلیفہ مسافر ہو۔ امام محمدؒ نے کہا کہ منیٰ میں جمعہ نہیں اور نہ عرفات میں صحیح ہے (سب حنفی ائمہ کے نزدیک) ابو بکر جصاص رازی نے اپنی کتاب احکام القرآن میں کہا ہے کہ سب علمائے امصار اس پر متفق ہیں کہ جمعہ ایسے مقام کے ساتھ مخصوص ہے جس کے سوا کسی اور میں جائز نہیں ہے کیونکہ ان کا اس پر اجماع ہے کہ جمعہ صحراؤں میں جائز نہیں ہے، نہ بدوؤں کی فرودگاہوں میں جائز ہے۔ اور ابن المنذر نے بیان کیا ہے کہ ابن عمرؓ اس بات کے قائل تھے کہ فرودگاہوں اور چشموں پر اترنے والے جمعہ پڑھیں۔ دیہات میں جمعہ نہ ہونے پر ابو حنیفہ کا استدلال علی رضی اللہ عنہ کے اس اثر سے ہے جسے عبد الرزاق نے مصنف میں روایت کیا ہے کہ: جمعہ اور تشریق (عیدین) مصر جامع کے سوا کہیں نہیں۔ اور ابن ابی شیبہ اسے اپنی مصنف میں حضرت علیؓ سے روایت کیا ہے کہ: جمعہ، تشریق، نماز فطر اور نماز عید الاضحیٰ صرف مصر جامع میں یا عظیم شہر میں جائز ہیں (گویا اس دوسری روایت کے مطابق تشریق سے مراد تکبیرات تشریق ہیں) اور ابن ابی شیبہ نے صحیح سند کے ساتھ علی رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ انہوں نے فرمایا: جمعہ اور تشریق مصر جامع کے سوا نہیں ہوتے۔ اگر کہا جائے کہ علیؓ کی حدیث ضعیف ہے اور اس کے ضعف پر اتفاق ہے، پس یہ ایک موقوف قول ہے جس کی سند ضعیف ہے جیسا امام نوویؒ نے کہا۔ مولاناؒ نے فرمایا کہ اس کا جواب یہ ہے کہ معلوم ہوتا ہے کہ نوویؒ کو صرف وہ اثر ملا ہے جس میں حجاج بن ارطاۃ ہے اور دوسری سند جو جریر عن منصور کے طریق سے ہے وہ صحیح ہے۔ اگر نوویؒ کو اس سند کی اطلاع ہوتی تو وہ بات نہ کہتے جو انہوں نے کہی ہے۔ اور یہ قول کہ اس کے ضعف پر اتفاق ہے، یہ نوویؒ کا اپنا اضافہ ہے، معلوم نہیں ان سے پہلے یہ قول کسی کا تھا یا نہیں۔ علاوہ ازیں ابو زید نے کہا ہے کہ (الاسرار میں) کہ محمد بن الحسن نے کہا: اسی قول علیؓ کو مرفوعاً معاذؓ اور سراقہؓ بن مالک نے بیان کیا ہے۔ مولاناؒ نے فرمایا کہ حافظ ابن حجر نے درایہ میں کہا ہے: عبد الرزاق نے علی رضی اللہ عنہ سے جو موقوف بیان کی ہے: تشریق اور جمعہ مصر جامع کے سوا نہیں ہوتے، اس کی سند صحیح ہے۔ شوکانی نے نیل الاوطار میں کہا کہ حضرت علیؓ سے جو مرفوع روایت آئی ہے کہ: لَا جُمُعَةَ وَلَا تَشْرِيْقَ اِلَّا فِيْ مِصْرٍ جَامِعٍ، احمدؒ نے اس کے رفع کو ضعیف کہا ہے اور ابن حزم نے اس کے وقف کو صحیح کہا ہے۔

(حدیث) جواثی سے شافعیہ کا استدلال غیر مستقیم ہے بلکہ حق بات وہ ہے جو شیخ نیموی نے اس اثر کو نقل کرنے کے بعد کہی ہے کہ اس اثر سے یہ مستنبط ہوتا ہے کہ جمعہ شہروں کے ساتھ مخصوص ہے جیسے کہ مدینہ اور جواثی، اور گاؤں میں جائز نہیں ہے (اگر دیہات میں جمعہ جائز ہوتا تو ابن عباسؓ مدینہ کے بعد اس شہر جواثی کا ہی ذکر کیوں کرتے؟ بلکہ اسلامی سلطنت کے اطراف میں بے شمار بستیاں تھیں وہاں جمعہ کیوں نہ قائم کر دیا گیا ہوتا؟) شیخ نیمویؒ نے کہا ہے کہ اس کا سبب یہ ہے کہ جمعہ مکہ میں فرض ہو چکا تھا اور یہ سورۂ جمعہ کے نزول سے پہلے ہوا تھا جیسا کہ شیخ ابو حامد نے اور علامہ سیوطی نے اتقان میں اور اپنے رسالے ضوء الشمس میں کہا ہے اور شیخ ابن حجر مکی نے شرح المنہاج میں اور علامہ شوکانیؒ نے نیل الاوطار میں کہا ہے اور یہی صحیح تر ہے، برخلاف حافظ ابن حجر کے

قول کے، اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم مکہ میں جمعہ قائم نہ فرما سکے لہذا آپ نے پہلا جمعہ مدینہ میں پڑھا جبکہ آپ اس میں تشریف لائے، اور اہل جواثی نے یہ جمعہ اس وقت قائم کیا تھا جبکہ وفد عبد القیس مدینہ سے جواثی واپس پہنچا تھا جیسا کہ حافظ نے فتح الباری میں کہا ہے۔ اور وفدِ عبد القیس تحریم خمر کے بعد بلکہ فرضیتِ حج کے بھی بعد آیا تھا۔ مسند احمد میں قصۂ وفدِ عبد القیس میں ابن عباسؓ کی روایت کا یہی اقتضاء ہے کیونکہ اس میں حج کا ذکر بھی ہے، اور حج کی فرضیت صحیح ترین قول پر ہجرت کے چھٹے سال ہوئی تھی اور بقولِ واقدی وفدِ عبد القیس ۸ھ میں آیا تھا یعنی فتح مکہ سے قبل، اور اس اثناء میں اسلام اکثر بستیوں میں پھیل چکا تھا اور ان آبادیوں میں سے بہت سے لوگ جمعہ کے لیے مدینہ حاضر ہوتے تھے۔ اگر دیہات میں جمعہ جائز ہوتا تو جواثی سے پہلے ان کی بستیوں میں جمعہ قائم کیا جاتا۔

مولانا نے فرمایا کہ اس سے صریح تر بات یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ وسلم نے جب مدینہ کو ہجرت فرمائی تو آپ ۱۴ دن یا ۲۴ دن قباء میں ٹھہرے جو مدینہ کے قریب ایک گاؤں تھا۔ معجم البلدان کے مطابق اس بستی کا یہ نام دراصل وہاں کے ایک قباء نامی کنویں کی وجہ سے پڑ گیا تھا۔ ۱۴ یا ۲۴ دن کا ذکر بخاری میں اس کے مختلف نسخوں کی بناء پر ہے۔ اب نہ تو یہ ثابت ہو سکا ہے کہ حضورؐ نے قباء میں جمعہ پڑھا نہ یہ کہ آپؐ نے اہل قباء کو اقامتِ جمعہ کا حکم دیا، حالانکہ آپؐ نے وہاں پر ایک مسجد بھی بنوائی تھی جس کا ذکر سورۂ توبہ میں مسجد ضرار کے مقابلے میں بطور مدح (علی اختلاف التفسیر) آیا ہے۔ حضور قباء سے جمعہ کے دن مدینہ شہر کے لیے روانہ ہوئے اور جمعہ راستے میں پڑھا (مسجد بنی سالم بن عوف میں) اور مدینہ کا ایک محلہ تھا۔ اور یہ اولین جمعہ تھا جو حضورؐ نے اسلام میں قائم فرمایا۔ پس اس سے یہ ثابت ہو گیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دیہات میں جمعہ نہیں پڑھا اور نہ اس کا حکم دیا۔ پس دیہات جمعہ کا محل نہیں ہیں جیسا کہ صحراء بھی اس کا محل نہیں ہیں۔ اور مسلم کی روایت سے ثابت ہے کہ حجۃ الوداع میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب عرفات میں وقوف فرمایا باوجود جمعہ کا دن ہونے کے آپ نے جمعہ ادا نہیں کیا بلکہ نماز ظہر پڑھی تھی۔

اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ ابو ہریرہؓ کی روایت کے مطابق لوگوں نے حضرت عمرؓ کو خط لکھ کر جمعہ کے متعلق پوچھا تو آپ نے لکھا کہ: تم جہاں کہیں ہو جمعہ پڑھو (ابن ابی شیبہ، سعید بن منصور، ابن خزیمہ، بیہقی) بیہقی نے اس روایت کی سند کو حسن قرار دیا ہے۔ اور دارقطنیؒ نے اپنی سند کے ساتھ زہری سے روایت کی ہے کہ ام عبد اللہ دوسیہؓ نے کہا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، جمعہ ہر بستی والوں پر واجب ہے جس میں کوئی امام ہو۔ وہ چار ہی ہوں اور ابو احمد جرجانی نے اتنا اضافہ اور کیا ہے کہ: حتیٰ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تین کا ذکر فرمایا۔ اور مصنف میں ہے کہ مالک سے روایت ہے: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب مکہ اور مدینہ کے درمیان چشموں پر جمعہ پڑھتے تھے۔ اور ابو داؤدؒ نے کعب بن مالکؓ کی حدیث نقل کی ہے کہ جب وہ جمعہ کے دن اذان سنتے تو اسعد بن زرارہؓ کے لیے دعا کرتے، راوی کہتا ہے کہ میں نے کعبؓ سے پوچھا کیا سبب ہے کہ آپ جمعہ کی اذان سن کر اسعد کے لیے خدا سے دعا کرتے ہیں تو کعبؓ نے کہا کہ اس نے ہم کو نقیع میں حرۂ بنی بیاضہ میں ہزم النبیت کے مقام پر سب سے پہلے جمعہ پڑھایا تھا۔ اس نقیع کو نقیع الخضمات کہتے ہیں۔ میں نے پوچھا کہ ان دنوں آپ لوگ کتنے تھے؟ انہوں نے کہا کہ چالیس تھے اور کتاب المعرفۃ میں ہے کہ زہری نے کہا: جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مصعب بن عمیرؓ کو قرآن پڑھانے کے لیے مدینہ بھیجا تو مصعبؓ نے لوگوں کو جمعہ پڑھایا اور وہ بارہ آدمی تھے، پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری سے پہلے

مصعبؓ نے لوگوں کو مدینہ میں جمعہ پڑھایا تھا اور جعفرؒ بن برقان سے روایت ہے کہ حضرت عمر بن عبد العزیزؒ نے عدی بن عدی کو لکھ بھیجا کہ بستی والے خانہ بدوش نہیں ہوتے پس ان پر ایک امیر مقرر کرو تاکہ انہیں جمعہ پڑھائے۔

مولانا نے پہلے اعتراض کا جواب یہ دیا ہے کہ حضرت عمرؓ کے ارشاد کا مطلب یہ ہے کہ تم جس شہر میں بھی ہو جمعہ پڑھو شافعیہ نے یہاں پر جمعہ کو اس قریہ سے مخصوص کیا ہے جس میں چالیس مرد ہوں اور ہم اسے اہل امصار کے ساتھ خاص کرتے ہیں، کیا تم دیکھتے نہیں ہو کہ جمعہ بالاتفاق جنگلوں صحراؤں میں جائز نہیں ہے۔ دوسری دلیل کا جواب یہ ہے کہ زہری سے اس حدیث کی روایت کرتے والے سب متروک راوی ہیں اور زہری کا سماع دوسیہؓ سے صحیح طور پر ثابت نہیں۔ دار قطنی کی شرح التعلیق المغنی کے مؤلف نے یہ حدیث تین طرق سے روایت کی ہے۔ پہلی سند میں معاویہ بن یحییٰ دمشقی ابو روح ہے جس کے متعلق ابن عدی نے کہا کہ اس کی عام روایات میں کلام ہے، ابو زرعہ نے اسے لیس بشیئٍ، ابو حاتم، نسائی اور ابو داؤد نے کہا ہے۔ معاویہ بن سعید تجیبی کے متعلق ہمیں کوئی جرح معلوم نہیں مگر دار قطنی نے ولید بن محمد کے متعلق کہا ہے کہ یہ زہری سے صحیح نہیں اور زہری سے یہ روایت کرنے والے سب متروک ہیں پس اس عموم میں معاویہ بن سعید بھی داخل ہے گو یہ بات بعد سے خالی نہیں۔ اور دوسری روایت میں ولید بن محمد الموقری ہے جسے دار قطنی نے متروک ابو حاتم نے ضعیف الحدیث، یحییٰ بن معین نے کذاب اور نسائی نے متروک الحدیث کہا ہے۔ تیسری روایت میں الحکم بن عبداللہ بن سعد ہے جسے دار قطنی اور نسائی نے متروک، محدثین کی ایک جماعت نے بھی متروک اور بخاری نے بھی متروک کہا ہے۔ ذہبی نے میزان میں کہا ہے کہ ابن المبارک اس پر شدید طور پر معترض تھے۔ احمدؒ نے کہا کہ اس کی تمام احادیث موضوع ہیں۔ ابن معین نے کہا کہ وہ ثقہ نہیں، سعدی اور ابو حاتم نے اُسے کذاب کہا ہے۔ نسائی اور دار قطنی اور ایک جماعت نے اسے متروک الحدیث کہا ہے۔ اور اس اسناد کا مدار زہری پر ہے جس کا سماع ام عبداللہ دوسیہؓ سے ثابت نہیں پس یہ حدیث ضعیف ہے اور منقطع بھی لہٰذا اس سے استدلال نہیں ہو سکتا۔

تیسرے اعتراض کا جواب یہ ہے کہ اس میں دیہات والوں پر وجوب جمعہ کی کوئی دلیل نہیں ہے اور اس کے علاوہ اس کی سند میں انقطاع بھی ہے۔ چوتھے اعتراض کا جواب یہ ہے کہ اس میں محمد بن اسحاق ہے جس کے متعلق بیہقی کا قول ہے کہ جس روایت میں ابن اسحاق متفرد ہو اس سے حفاظ بچتے ہیں اور یہاں یہ متفرد ہے، علاوہ ازیں ان کا یہ جمعہ پڑھنا اپنی رائے سے تھا، قبل اس کے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے فرض قائم ہو گا۔ ابن سیرین کا مرسل (عبدالرزاق کی صحیح روایت سے) اس پر دلالت کرتا ہے اس کے الفاظ یہ ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مدینہ میں تشریف آوری سے قبل اور جمعہ کی فرضیت نازل ہونے سے پہلے انصار نے کہا کہ نصاریٰ ہفتہ بھر میں ایک بار جمع ہوتے ہیں اور یہود بھی، تو آؤ ہم بھی ایک دن مقرر کر لیں جس میں ہم جمع ہوں، اللہ کا ذکر کریں، نماز پڑھیں اور اس کا شکر یہ ادا کریں، پس انہوں نے یوم العروبہ کو مقرر کر لیا اور اسعدؓ بن زرارہ کے پاس جمع ہوئے جس نے اُس دن انہیں نماز پڑھائی۔ پھر اگر ہم اس حدیث کو صحیح مان لیں اور ان کا جمعہ بھی درست مان لیں تو ہزم النبیت مدینہ سے خارج نہیں بلکہ اس کے اندر داخل تھا۔ صاحب معجم البلدان نے لکھا ہے کہ: الہزم کا معنیٰ ہے ہموار اور پست زمین، اس مکان کے متعلق بحث و تفتیش اور سوال پیدا ہوئے ہیں جن کا تقاضا ہے کہ میں اسے یہاں ذکر کروں۔ اور وہ یہ کہ بعض مہاجرین نے کہا ہے کہ اسعد بن زرارہؓ کے متعلق منقول ہے کہ انہوں نے یہاں ہزم النبیت میں اہل مدینہ کو حضور صلی اللہ

علیہ وسلم کی ہجرت سے قبل جمعہ پڑھایا تھا۔ پس ہم نے مسانید سے اس کی نقل طلب کی تو ہم نے اسے معجم طبرانی میں اس کی سند کے ساتھ مرفوعاً پایا۔ یہ روایت محمد بن اسحاق کی ہے کہ عبدالرحمٰن بن کعب بن مالک ایک دن اپنے باپ کا قائد تھا۔ کعب نابینا ہو چکے تھے، وہ کہتا ہے کہ میں جب انہیں لے کر جمعہ کے لیے گیا تو کعبؓ نے اسعد بن زرارہ کے لیے استغفار کیا تو میں نے پوچھا کہ: اباجان! جب کبھی آپ جمعہ کی اذان سنتے ہیں تو اسعدؓ کے لیے دعائے مغفرت کرتے ہیں، اس کا سبب کیا ہے؟ انہوں نے کہا کہ میرے پیارے بیٹے! اسعدؓ نے مدینہ میں ہم کو سب سے پہلا جمعہ پڑھایا تھا اور یہ حضورؐ کی تشریف آوری سے قبل تھا۔ یہ جمعہ ہزم میں ہوا جو بنی بیاضہ کے حرّہ میں سے بمقام نقیع الخضمات میں سنے پوچھا کہ آپ لوگ ان دنوں کتنے تھے؟ انہوں نے کہا چالیس مرد تھے (کتاب الصحابہ حافظ ابی نعیم، معرفۃ الصحابہ ابن مندہ، الاستیعاب ابن عبدالبر) ان سب کتابوں میں ہزم کا مدینہ کے اندر ہونا لکھا ہے پس یہ جمعہ شہر میں تھا نہ کہ دیہات میں۔

پانچویں اعتراض کا جواب یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کا حکم نہیں دیا تھا اور انہیں اس پر قائم رکھا تھا اگر تسلیم کیا جائے تو یہ مدینہ کا واقعہ ہے دیہات کا نہیں۔ چھٹے اعتراض کا جواب یہ ہے کہ عمر بن عبدالعزیز کے قول کو بیہقی نے کئی سندوں سے روایت کیا ہے پہلی سند میں ابراہیم بن محمد اسلمی ہے جس کے متعلق حسب بیان صاحب تہذیب قطان نے مالکؒ سے سوال کیا کہ کیا وہ ثقہ تھا؟ انہوں نے کہا نہیں اور اپنے دین میں ثقہ نہ تھا۔ امام احمدؒ نے اسے قدری، معتزلی، جہمی قرار دیا ہے اور کہا ہے کہ اس میں ہر بلا موجود تھی، اس کی حدیث نہیں لکھی جاتی، لوگوں نے اس کی حدیث ترک کر دی ہے، وہ منکر بے اصل حدیثیں بیان کرتا تھا اور لوگوں کی حدیثیں لے کر اپنی کتاب میں لکھ لیتا تھا۔ بشر بن المفضل کا قول ہے کہ فقہائے مدینہ نے اسے کذاب کہا ہے۔ علی بن المدینی کا قول ہے کہ یحییٰ بن سعید نے اسے کذاب کہا تھا۔ دوسری روایت میں ہے کہ: اَخْبَرَنِی الثِّقَة، مگر یہ قول حجت نہیں ہے، اور سلیمان بن الاشلاق متکلم فیہ ہے۔ تیسری روایت میں ہے کہ: اتانا کتاب عمر، مگر یہ پہلی کے خلاف ہے اور اس کی سند میں ابونعیم حربی ہے جسے نسائی نے غیر قوی کہا ہے، حاکم ابواحمد کہتا ہے کہ اس کی احادیث کا کوئی متابع نہیں ہے۔ اور اس سے روایت کرنے والا سعید الحلبی ہے جس کا نام معلوم ہے۔ چوتھی سند میں بھی حفظ کا آنا روایت ہوا ہے اور اس کی سند میں معاویہ بن صالح ہے جسے یحییٰ بن سعید نے ناپسند کیا ہے۔ رازی نے ضعیف کہا ہے، پھر اس روایت میں پچاس کا ذکر ہے اور یہ اس بات کی دلیل ہے کہ اس معاملے میں عمر بن عبدالعزیزؒ کی رائے میں اضطراب تھا۔ آخری بات یہ ہے کہ عمر بن عبدالعزیز کی محض رائے حجت شرعی نہیں ہے۔

۱۰۷۱۔ حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيْدٍ نَا ابْنُ إِدْرِيْسَ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ إِسْحَاقَ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ أَبِيْ أُمَامَةَ بْنِ سَهْلٍ عَنْ أَبِيْهِ عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ كَعْبِ بْنِ مَالِكٍ وَكَانَ قَائِدَ أَبِيْهِ بَعْدَ مَا ذَهَبَ بَصَرُهُ عَنْ أَبِيْهِ كَعْبِ ابْنِ مَالِكٍ أَنَّهُ كَانَ إِذَا سَمِعَ النِّدَاءَ يَوْمَ الْجُمُعَةِ تَرَحَّمَ لِأَسْعَدَ بْنِ زُرَارَةَ فَقُلْتُ لَهُ إِذَا سَمِعْتَ النِّدَاءَ تَرَحَّمْتَ لِأَسْعَدَ

بْنِ زُرَارَةَ قَالَ لِأَنَّهُ أَوَّلُ مَنْ جَمَّعَ بِنَا فِي هَزْمِ النَّبِيْتِ مِنْ حَرَّةِ بَنِي بَيَاضَةَ فِي نَقِيعٍ يُقَالُ لَهُ نَقِيعُ الْخَضِمَاتِ قُلْتُ كَمْ أَنْتُمْ يَوْمَئِذٍ قَالَ أَرْبَعُونَ۔

عبد الرحمن بن کعبؓ بن مالک جو اپنے باپ کے نابینا ہونے کے بعد اپنے باپ کا قائد تھا اپنے باپ کعب بن مالکؓ سے روایت کرتا ہے کہ جب جمعہ کے دن کعبؓ جمعہ کی اذان سنتے تو اسعد بن زرارہؓ کے لیے دعا کرتے تھے، میں نے کہا کہ کیا سبب ہے، آپ جب اذان سنتے ہیں تو اسعدؓ بن زرارہ کے لیے دعا کرتے ہیں؟ انہوں نے کہا: کیونکہ اس نے ہمیں سب سے پہلے ہزم النبیت میں حرہ بنی بیاضہ سے مقام نقیع الخضمات میں جمعہ پڑھایا تھا، میں نے کہا کہ آپ لوگ اس دن کتنے تھے؟ کہا کہ چالیس آدمی (یہ حدیث ابن ماجہ نے بھی روایت کی ہے)

شرح: ہزم مدینہ میں ایک جگہ کا نام ہے، نبیت یمن کے ایک قبیلے کا نام تھا جو اپنے مورث اعلیٰ کے نام پر مشہور تھا۔ حرّہ سیاہ کھلے پتھروں کو کہتے ہیں گویا وہ آگ سے جلائے گئے ہیں۔ بنی بیاضہ مدینہ کے ایک قبیلے کا نام تھا۔ نقیع پانی کا عارضی جوہڑ ہے جس کا پانی سوکھنے کے بعد اس میں گھاس اُگ آتی ہے۔ خضمات بھی مدینہ میں ایک جگہ کا نام تھا۔ اس روایت پر کچھ گفتگو اوپر گزری۔ محمد بن اسحاق کی روایت پر محدثین کو کلام ہے۔

بَابٌ إِذَا وَافَقَ يَوْمُ الْجُمُعَةِ يَوْمَ عِيدٍ

(باب اس مسئلہ کا کہ جب جمعہ کا دن عید کے دن آپڑے)

۱۰۷۲۔ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ كَثِيرٍ أَنَا إِسْرَائِيلُ نَا عُثْمَانُ بْنُ مُغِيرَةَ عَنْ إِيَاسِ بْنِ أَبِي رَمْلَةَ الشَّامِيِّ قَالَ شَهِدْتُ مُعَاوِيَةَ بْنَ أَبِي سُفْيَانَ وَهُوَ يَسْأَلُ زَيْدَ بْنَ أَرْقَمَ قَالَ أَشَهِدْتَ مَعَ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عِيدَيْنِ اجْتَمَعَا فِي يَوْمٍ قَالَ نَعَمْ قَالَ فَكَيْفَ صَنَعَ قَالَ صَلَّى الْعِيدَ ثُمَّ رَخَّصَ فِي الْجُمُعَةِ فَقَالَ مَنْ شَاءَ أَنْ يُصَلِّيَ فَلْيُصَلِّ۔

ایاس بن ابی رملہ شامی نے کہا کہ میں معاویہؓ بن ابی سفیان کے پاس موجود تھا جبکہ وہ زید بن ارقم سے سوال کر رہے تھے کہ کیا آپ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ موجود تھے جبکہ ایک دن میں دو عیدیں جمع ہوئیں؟ انہوں نے کہا ہاں۔ معاویہؓ نے پوچھا کہ پھر حضور نے کیا کیا؟ زیدؓ نے کہا کہ آپ نے عید پڑھی اور پھر جمعہ کی رخصت دے دی اور فرمایا: جو پڑھنا چاہے پڑھ لے (یہ حدیث نسائی اور ابن ماجہ میں بھی موجود ہے)

شرح: ایاس بن ابی رملہ کو یحییٰ بن سعید القطان اور ابن المنذر نے مجہول کہا ہے۔ دو عیدوں سے مراد جمعہ اور عید ہے۔ خلاصہ اور تقریب میں بھی ایاس کو مجہول لکھا ہے، اس کے باوجود جن حضرات نے اس حدیث کو صحیح کہا ہے مثلاً علی بن المدینی، حاکم اور ذہبی، معلوم نہیں کہ کس بناء پر ایسا کیا ہے۔ مزید بحث آگے آرہی ہے۔

۱۰۷۳۔ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ طَرِيفٍ الْبَجَلِيُّ نَا أَسْبَاطٌ عَنِ الْأَعْمَشِ عَنْ عَطَاءِ بْنِ أَبِي رَبَاحٍ قَالَ صَلَّى بِنَا ابْنُ الزُّبَيْرِ فِي يَوْمِ عِيدٍ فِي يَوْمِ جُمُعَةٍ أَوَّلَ النَّهَارِ ثُمَّ رُحْنَا إِلَى الْجُمُعَةِ فَلَمْ يَخْرُجْ إِلَيْنَا فَصَلَّيْنَا وُحْدَانًا وَكَانَ ابْنُ عَبَّاسٍ بِالطَّائِفِ فَلَمَّا قَدِمَ ذَكَرْنَا ذٰلِكَ لَهُ فَقَالَ أَصَابَ السُّنَّةَ۔

عطاء بن ابی رباح رحؒ نے کہا کہ ابن الزبیرؓ نے ہمیں دن کے پہلے پہر نماز عید پڑھائی پھر ہم جمعہ کے لیے گئے تو وہ باہر نہ نکلے، پس ہم نے اکیلے اکیلے نماز پڑھی اور ابن عباسؓ طائف میں تھے، جب وہ آئے تو ہم نے یہ بات ان سے بیان کی تو انھوں نے کہا کہ: اُس نے سُنت پر عمل کیا ہے (یہ حدیث نسائی نے بھی روایت کی ہے یہ قصہ عبداللہ بن الزبیر کی خلافت کے ایام کا معلوم ہوتا ہے۔ شوکانی نے اس حدیث کے راویوں کو صحیح کا راوی بتایا ہے۔ مسئلہ پر گفتگو آگے آتی ہے)

۱۰۷۴۔ حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ خَلَفٍ نَا أَبُو عَاصِمٍ عَنِ ابْنِ جُرَيْجٍ قَالَ قَالَ عَطَاءٌ اجْتَمَعَ يَوْمُ جُمُعَةٍ وَيَوْمُ فِطْرٍ عَلَى عَهْدِ ابْنِ الزُّبَيْرِ فَقَالَ عِيدَانِ اجْتَمَعَا فِي يَوْمٍ وَاحِدٍ فَجَمَعَهُمَا جَمِيعًا فَصَلَّاهُمَا رَكْعَتَيْنِ بُكْرَةً لَمْ يَزِدْ عَلَيْهِمَا حَتَّى صَلَّى الْعَصْرَ۔

عطاء نے کہا کہ ابن زبیرؓ کے عہد میں یوم جمعہ اور یوم عید الفطر جمع ہو گئے پس انھوں نے کہا کہ دو عیدیں ایک دن میں جمع ہو گئی ہیں، پس انھوں نے دونوں کو اکٹھا ادا کیا اور پہلے پہر دو رکعات پڑھیں، ان پر اضافہ نہیں کیا حتیٰ کہ عصر کی نماز پڑھی۔ (اس روایت سے یہ معلوم ہوا کہ اُس دن ظہر بھی ساقط ہو گئی تھی کیونکہ بظاہر تو یہی ثابت ہوتا ہے کہ ظہر نہیں پڑھی گئی۔ اور اس میں یہ دلیل ہے کہ جب جمعہ کسی شرعی سبب سے ساقط ہو تو اس دن کی ظہر بھی فرض نہیں رہتی، کہا گیا ہے کہ عطاء کا یہی مذہب تھا۔)

۱۰۷۵۔ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الْمُصَفَّى وَعُمَرُ بْنُ حَفْصٍ الْوَصَّابِيُّ الْمَعْنَى قَالَا نَا بَقِيَّةُ نَا شُعْبَةُ عَنْ مُغِيرَةَ الضَّبِّيِّ عَنْ عَبْدِ الْعَزِيزِ بْنِ رُفَيْعٍ عَنْ أَبِي صَالِحٍ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ عَنْ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّهُ قَالَ قَدِ اجْتَمَعَ فِي يَوْمِكُمْ هٰذَا عِيدَانِ فَمَنْ شَاءَ أَجْزَأَهُ مِنَ الْجُمُعَةِ وَإِنَّا مُجَمِّعُونَ قَالَ عُمَرُ عَنْ شُعْبَةَ۔

ابوہریرہؓ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کی کہ آپ نے فرمایا: تمہارے آج کے دن میں دو عیدیں

جمع ہو گئی ہیں۔ سو جو چاہے اس کے لیے عید ہی جمعہ کی طرف سے کافی ہو گئی اور ہم نمازِ جمعہ پڑھیں گے (یہ حدیث ابن ماجہ میں بھی ہے)

شرح: خطابی نے معالم السنن میں لکھا ہے کہ اس حدیث کی سند میں مقال ہے۔ اور ہو سکتا ہے کہ اس کا معنیٰ یہ ہو کہ جو چاہے وہ نمازِ جمعہ میں نہ حاضر ہو اور اس سے نمازِ ظہر ساقط نہ ہو گی۔ رہا ابن الزبیرؓ کا فعل، سو میرے نزدیک صرف ان لوگوں کے مذہب پر روا ہو سکتا ہے جو کہتے ہیں کہ نمازِ جمعہ قبل از زوال بھی جائز ہے، عطاء کا قول ہے کہ ہر عید، یعنی جمعہ، عید الفطر اور عید الاضحیٰ بوقت چاشت جائز ہے۔ اور ابن عباسؓ نے بھی ابن الزبیرؓ کے فعل کو سنت کہا تھا۔ امام احمد سے مروی ہے کہ انہوں نے نمازِ جمعہ زوال سے پہلے پڑھنے کو جائز بتایا تھا۔ اور اسی طرح اسحاق کا قول بھی ہے۔ سو اس بنا پر ہو سکتا ہے ابن زبیرؓ نے دو رکعت بطورِ جمعہ پڑھی ہوں اور عید کو اس کے تابع سمجھا ہو۔ خطابی کو یہ تاویل کرنے کی ضرورت غالباً اس لیے پیش آئی کہ جمعہ تو از روئے قرآن فرض ہے مگر عیدین کی نماز کا ثبوت فقط سنت سے ہوا ہے لہٰذا جمعہ کو تو عید کے تابع نہیں کیا جا سکتا تھا، پس یہ کہا جائے گا کہ ابن زبیرؓ نے اس دن جمعہ کی نماز قبل از زوال پڑھا دی اور عید کو اس کے تابع کر دیا۔

الامیر الیمانی نے کہا کہ یہ حدیث اس بات کی دلیل ہے کہ نمازِ جمعہ میں عید کی نماز کے بعد رخصت ہو جاتی ہے اور اس کا پڑھنا نہ پڑھنا دونوں جائز ہیں۔ مگر یہ اس شخص کے ساتھ خاص ہے جس نے عید پڑھ لی ہو، ہادی اور ایک جماعت کا یہی مذہب ہے، مگر امام اور اس کے ساتھ کم از کم تین اشخاص ایسے ہوں گے جو اس کے بعد جمعہ بھی ادا کریں گے، اُن سے جمعہ ساقط نہیں ہوا۔ عطاء کا مذہب یہ ہے کہ عید پڑھنے کے بعد نمازِ جمعہ کی فرضیت ساقط ہو جاتی ہے، امام اور مقتدی کا یہی حکم ہے۔ جو چاہے جمعہ پڑھے جو چاہے نہ پڑھے۔ اور اس کی دلیل ابن زبیرؓ کا فعل بھی ہے کہ انہوں نے لوگوں کو عید کے دن نمازِ عید پڑھائی اور وہ جمعہ کا دن تھا، عطاء نے کہا کہ پھر ہم جمعہ کے لیے آئے مگر وہ باہر نہ نکلے پس ہم نے اکیلے اکیلے نماز پڑھی اور ابن عباسؓ طائف میں تھے، واپس آئے تو ہم نے اس کا ذکر کیا تو ابن عباسؓ نے کہا کہ اس نے سنت کو پا لیا۔ اور ابو داؤد میں یہ بھی ہے کہ اس دن ظہر کا فرض بھی ساقط ہے اور صرف عصر کی نماز پڑھی جائے گی۔ اور ابو داؤد نے ابن زبیرؓ سے روایت کی ہے کہ: ایک دن میں دو عیدیں جمع ہو گئی ہیں۔ پس اس نے انہیں جمع کیا اور صبح سویرے ہی دو رکعات پڑھ دیں اور عصر کی نماز تک اُن پر کوئی اضافہ نہ کیا

اور جن کا یہ قول ہے کہ جمعہ کا دن جمعہ ہی اصل ہے اور ظہر اس کا بدل ہے، تو وہ اس قول کی صحت کا تقاضا کرتا ہے کیونکہ جب اصل کا وجوب ساقط ہو گیا باوجودیکہ اس کے ادا کرنے کا امکان تھا تو بدل بھی ساقط ہو گیا اور اس حدیث کا ظاہر بھی یہی چاہتا ہے۔ کیونکہ جب انہیں جمعہ کی رخصت دے دی اور نمازِ ظہر کا حکم نہ دیا باوجودیکہ ہو سکتا تھا جمعہ ظہر کے لیے ساقط ہوتا تو اس میں ہی دلالت ہے کہ ظہر بھی ساقط ہے۔ اور امام شافعیؒ اور ایک جماعت کا مذہب یہ ہے کہ ظہر ساقط نہیں ہوتی۔ ان کی دلیل یہ ہے کہ ظہر کی فرضیت تمام ایام کے لیے عام ہے اور مذکورہ احادیث و آثار میں یہ قوت نہیں کہ اس عام کو خاص کریں کیونکہ ان کی سندوں میں کلام ہے۔

امام شافعیؒ نے کتاب الأم میں (اجتماع العیدین) کہا ہے کہ عمر بن عبدالعزیزؒ کا قول ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں دو عیدین جمع ہوئیں تو حضورؐ نے فرمایا جو آدمی اہل عالیہ کے ساتھ بیٹھنا چاہے وہ بے کھٹکے

بیٹھ جائے۔ ابو عبید نے کہا کہ میں عثمان بن عفان کے ساتھ عید میں حاضر تھا، وہ آئے، نماز پڑھائی، پھر خطبہ دیا اور فرمایا کہ اس دن میں تمہاری دو عیدیں جمع ہو گئی ہیں۔ پس اہل عالیہ میں سے جو جمعہ کا انتظار کرنا چاہے وہ اس کا انتظار کرے، اور اگر وہ گھروں میں جانا چاہیں اور جمعہ کے لیے نہ لوٹیں تو انہیں اختیار ہے کہ یہیں رہیں اور جمعہ پڑھ لیں یا گھروں کو چلے جائیں۔ امام شافعیؒ نے کہا کہ جب عید الفطر اور جمعہ جمع ہو جائیں تو امام عید کے وقت میں عید پڑھائے پھر جو لوگ شہر والوں کے علاوہ دوسرے آئے ہوئے ہوں انہیں اجازت دیدے کہ وہ اگر چاہیں تو گھروں کو لوٹ جائیں۔ اور جمعہ کے لیے واپس نہ آئیں اور انہیں یہ بھی اختیار ہے کہ یہیں رہیں اور جمعہ پڑھ لیں۔ یا اگر جاکر واپس آسکیں تو آجائیں تاکہ جمعہ پڑھ لیں اور اگر وہ ایسا نہ کریں گے تو انشاء اللہ تعالیٰ کوئی حرج نہیں۔ شافعیؒ نے کہا کہ شہر والوں میں سے کسی کے لیے جائز نہیں کہ بلا عذر جمعہ ترک کریں اگرچہ وہ عید کا دن ہی کیوں نہ ہو۔

مولانا گنگوہی نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں اتفاق سے جمعہ اور عید ایک دن میں جمع ہو گئے، اور دیہات والے عیدین کے لیے اس قدر جمع ہوتے تھے کہ کسی اور دن یا نماز کے لیے نہیں ہوتے تھے جیسا کہ اب بھی اکثر دیہات میں یہی عادت ہے۔ اور اگر وہ نمازِ عید سے فارغ ہو کر جمعہ کا انتظار کرتے تو ان دیہاتیوں کے لیے باعث حرج تھا، پس جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نماز عید سے فارغ ہوئے تو آپ کے مؤذن نے پکار کر کہا کہ: تم میں سے جو نماز پڑھنا چاہے وہ پڑھے اور جو واپس لوٹنا چاہے وہ واپس چلا جائے۔ یہ خطاب دیہات والوں کے لیے تھا جو وہاں پر جمع تھے اور اس کا قرینہ یہ ہے کہ اس میں یہ تصریح موجود ہے: ہم جمعہ ادا کریں گے۔ جمع متکلم سے مراد اہل مدینہ ہیں، پس یہ حدیث واضح طور پر دلالت کرتی ہے کہ اوپر کا خطاب کہ "تم میں سے جو نماز پڑھنا چاہے الخ" یہ خطاب دیہات والوں کے لیے تھا نہ کہ اہل مدینہ کے لیے۔ جس وقت کا یہ واقعہ ہے ابن عباسؓ اور ابن زبیرؓ دونوں چھوٹے لڑکے تھے مگر انہوں نے مؤذن کی آواز اور منادی کو اپنے کانوں سے سُنا تھا اگرچہ وہ یہ نہ سمجھ پائے کہ اس سے مراد کیا تھی۔ پس ابن زبیرؓ نے نمازِ عید کو ماقبل الزوال تک مؤخر کیا اور جمعہ کو مقدم کر دیا، شاید یہ ان کے نزدیک جائز تھا کہ جمعہ کو وقت زوال پر مقدم کر دیں جیسا کہ کچھ اور علماء کی رائے بھی یہی ہے۔ پس ابن زبیرؓ نے جمعہ پڑھا اور نمازِ عید کو اس میں داخل کر دیا، یہی سبب تھا کہ نماز ظہر کو انہوں نے ادا نہیں کیا تھا، اور چونکہ ابن عباسؓ بھی بچپن میں حضورؐ کے زمانے میں وہ منادی اپنے کانوں سے سن چکے تھے لہذا یہ لفظ بولے کہ: اس نے سنت پر عمل کیا ہے۔

کتاب الام کے اقتباس سے پتہ چل گیا کہ اس مسئلے میں امام شافعیؒ کا مسلک کیا ہے، ظاہر ہے کہ وہ حنفیہ کے مسلک سے مختلف نہیں ہے۔

بَابُ ۱۲ مَا يُقْرَأُ فِي صَلَاةِ الصُّبْحِ يَوْمَ الْجُمُعَةِ

جمعہ کے دن نماز فجر میں قرأت کا باب

۱۰۷۶۔ حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ نَا أَبُو عَوَانَةَ عَنْ مُخَوَّلِ بْنِ رَاشِدٍ عَنْ مُسْلِمٍ الْبَطِينِ

عَنْ سَعِيدِ بْنِ جُبَيْرٍ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَقْرَأُ فِي صَلٰوةِ الْفَجْرِ يَوْمَ الْجُمُعَةِ تَنْزِيلَ السَّجْدَةَ وَهَلْ أَتَى عَلَى الْإِنْسَانِ حِينٌ مِنَ الدَّهْرِ۔

ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جمعہ کے دن نمازِ فجر میں سورۂ الٓم سجدہ اور سورۂ دہر کی قرأت فرماتے تھے (اس حدیث کا ایک راوی مخول بن راشد کوفی کا غالی شیعہ تھا۔ بخاری میں بھی اس کی حدیث موجود ہے مگر اس کا متابع بھی وہیں موجود ہے۔ حدیث کے مضمون اور مسئلے پر گفتگو آگے آتی ہے)

۱۰۷۷۔ حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ نَا يَحْيَى عَنْ شُعْبَةَ عَنْ مُخَوَّلٍ بِإِسْنَادِهٖ وَمَعْنَاهُ وَزَادَ فِي صَلٰوةِ الْجُمُعَةِ بِسُوْرَةِ الْجُمُعَةِ وَإِذَا جَاءَكَ الْمُنَافِقُوْنَ۔

اسی حدیث کی دوسری سند جو مخول سے نیچے اوپر کی حدیث سے مختلف ہے، اس میں یہ اضافہ بھی ہے کہ نمازِ جمعہ میں سورۂ جمعہ اور المنافقون کی قرأت فرماتے تھے (یہ پہلی حدیث مسلم اور نسائی میں بھی ہے اور فجر والا حصہ ترمذی اور ابن ماجہ میں بھی ہے)

شرح: مولانا نے فرمایا کہ بعض صحابہ رضی اللہ عنہم سے جمعہ میں نماز میں بعض اور سورتوں کی قرأت بھی ثابت ہوئی ہے۔ نعمان بن بشیر کی روایت میں ہے کہ حضور عیدین اور جمعہ میں سورۂ الاعلیٰ اور الغاشیہ پڑھتے تھے، بعض احادیث میں ہے کہ جمعہ کے دن سورۂ جمعہ اور الغاشیہ پڑھتے تھے۔ اور جب عید اور جمعہ ایک دن میں جمع ہو جائے تو سورۂ اعلیٰ اور الغاشیہ دونوں نمازوں میں پڑھتے تھے۔ سمرہ بن جندب کی حدیث میں ہے کہ حضور جمعہ میں سورہ اعلیٰ اور الغاشیہ پڑھتے تھے۔ علامہ شوکانی نے کہا ہے کہ اس باب کی احادیث سے یہ استدلال کیا گیا ہے کہ سنت یہ ہے کہ امام نمازِ جمعہ کی پہلی رکعت میں سورۂ جمعہ اور دوسری رکعت میں المنافقون پڑھے۔ یا پہلی رکعت میں سورۂ الاعلیٰ اور دوسری میں الغاشیہ، یا پہلی رکعت میں سورۂ الجمعہ اور دوسری میں الغاشیہ پڑھے۔ ابو حنیفہ رحمہ اللہ اور ان کے اصحاب نے اور حسب روایت ابن ابی شیبہ حسن بصری نے بھی یہ کہا کہ امام جو چاہے پڑھے۔ اور ابن عیینہ رحمہ اللہ نے کہا کہ جان بوجھ کر انہی سورتوں میں جمعہ میں پڑھنا جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے پڑھیں، مکروہ ہے مبادا اس بات کو بھی جمعہ کی سنتوں میں داخل سمجھ لیا جائے حالانکہ ایسا نہیں ہے (یعنی حضور نے اتفاقاً جمعہ میں ان کی قرأت فرمائی تھی، اس لیے نہیں کہ اسے سنت بنا یا جائے) ابن عربی نے کہا ہے کہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ کا بھی یہی مذہب ہے۔ الاستذکار میں ابن عبد البر نے ابو اسحاق مروزی سے ابن عیینہ جیسا قول نقل کیا ہے ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے بھی ایسا ہی قول منقول ہے۔ اور جمہور علماء نے ان کی اس بارے میں مخالفت کی ہے، اور اسی طرح کا اختلاف پہلی حدیث کی رو سے جمعہ کے دن نمازِ فجر میں سورۂ سجدہ اور سورۂ الغاشیہ کی قرأت کی مشروعیت میں بھی ہے۔ عراقی نے کہا ہے کہ صحابہ میں سے عبد اللہ بن عباس اور تابعین میں سے ابراہیم بن عبد الرحمٰن بن عوف یہی قرأت کرتے

تھے اور یہی مذہب شافعیؒ، احمدؒ اور اصحاب الحدیث کا ہے اور مالکؒ اور دوسرے علماء نے اُسے مکروہ کہا ہے۔ اور یہ صریح، صحیح احادیث جو کئی سندوں سے مروی ہیں اُن کے خلاف حجت ہیں۔

حنفیہ کا مذہب اس باب میں وہ ہے جو در مختار اور اس کے حاشیے میں منقول ہے کہ قرأت کی تعیین مثلاً ہر جمعہ کی صبح کے لیے سورۂ سجدہ اور الدہر کی تعیین مکروہ ہے کیونکہ شارع نے آسانی کے خیال سے کسی سورت کی تعیین نہیں کی۔ ہدایہ میں ہے کہ اس طرح کرنے سے باقی سورتوں کا ترک اور تعیین کا وہم پیدا ہوتا ہے۔ وہاں کبھی کبھی ان کی قرأت مستحب ہے۔ فتح القدیر میں ہے کہ اس کا سبب یہ ہے کہ دلیل کا مقتضی عدم مداومت ہے نہ کہ عدم پہ مداومت جیساکہ آجکل کے حنفیہ کرتے ہیں، پس کبھی کبھی ماثور سے تبرک کی خاطر یہ سورتیں پڑھنی چاہئیں کیونکہ جب کبھی کبھی انہیں ترک بھی کر دیں گے تو تفضیل کا وہم لازم نہ آئے گا۔ اسی لیے حنفیہ نے کہا ہے کہ فجر کی سنت میں الکافرون اور اخلاص کی قرأت سنت ہے۔ مراقی الفلاح میں ہے کہ ابو ہریرہؓ کی حدیث میں ہے کہ جمعہ کے دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نمازِ فجر میں الٓمٓ تنزیل الکتاب اور ہل اتیٰ علی الانسان پڑھتے تھے اور حنفیہ نے سوائے کمی کے اس کو ترک کر دیا ہے اور شافعیہ نے سوائے قلیل کے اسے لازم بنا لیا ہے، نتیجہ یہ ہوا کہ دونوں مذہبوں کے جہلاء نے سمجھا کہ فعل اور ترک سے نماز باطل ہو جائے گی۔ پس نہ تو ان کی ہمیشگی مناسب ہے نہ ترک۔ حضرت گنگوہیؒ کی تقریر میں ہے کہ اس مسئلے میں خلاصہ کلام یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بعض اوقات میں خاص خاص سورتوں کی قرأت جو وارد ہوئی ہے اس سے مراد یہ ہے کہ آپ نے کبھی کبھی ان کی قرأت فرمائی تھی، یا کثرت سے فرمائی تھی مگر احیاناً اس کے خلاف ہوا تھا۔ حنفیہ نے جو کہا ہے کہ نمازوں میں کسی خاص معین سورت کا پڑھنا کوئی چیز نہیں، اس سے مراد یہ ہے کہ یوں سمجھ کر پڑھے کہ اس کے بغیر نماز صحیح نہیں ہوگی۔ مگر بعض اوقات میں بعض سورتوں کی قرأت کا مستحب ہونا ہر ایک کو مسلّم ہے، اس سے کوئی منکر نہیں۔

بَابُ ۱۳ اللُّبْسِ لِلْجُمُعَةِ

جمعہ کے لیے لباس پہننے کا باب

۱۰۷۸۔ حَدَّثَنَا الْقَعْنَبِيُّ عَنْ مَالِكٍ عَنْ نَافِعٍ عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ عُمَرَ أَنَّ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ رَأَى حُلَّةً سِيَرَاءَ يَعْنِي تُبَاعُ عِنْدَ بَابِ الْمَسْجِدِ فَقَالَ يَا رَسُولَ اللهِ لَوِ اشْتَرَيْتَ هٰذِهٖ فَلَبِسْتَهَا يَوْمَ الْجُمُعَةِ وَلِلْوَفْدِ إِذَا قَدِمُوا عَلَيْكَ فَقَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّمَا يَلْبَسُ هٰذِهٖ مَنْ لَا خَلَاقَ لَهٗ فِي الْاٰخِرَةِ ثُمَّ جَاءَتْ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْهَا حُلَلٌ فَأَعْطٰى عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ مِنْهَا حُلَّةً فَقَالَ عُمَرُ يَا رَسُولَ اللهِ كَسَوْتَنِيْهَا وَقَدْ قُلْتَ فِي حُلَّةِ عُطَارِدٍ مَا قُلْتَ فَقَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنِّي لَمْ أَكْسُكَهَا لِتَلْبَسَهَا فَكَسَاهَا عُمَرُ

اَخًا لَہٗ مُشْرِکًا بِمَکَّۃَ۔

عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ عمر بن الخطابؓ نے مسجد کے دروازے کے پاس ایک ریشمی جوڑا فروخت ہوتا دیکھا تو کہا: یا رسول اللہ! کیا ہی اچھا ہو کہ آپ اسے خرید لیں اور جمعہ کے دن اور آنے والے وفدوں کے لیے اسے پہنا کریں تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: یہ تو وہ پہنے جس کا آخرت میں کوئی حصہ نہ ہوگا۔ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس اسی قسم کے جوڑے آئے تو آپ نے اُن میں سے ایک جوڑا عمر بن الخطابؓ کو دیا، تو عمرؓ نے کہا: یا رسول اللہ یہ جوڑا آپ نے مجھے یہ پہننے کو دیا ہے حالانکہ آپ نے عطارد کے جوڑے کے متعلق جو کچھ فرمایا تھا وہ اس کے خلاف تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں نے یہ تمہیں پہننے کو نہیں دیا، پس حضرت عمرؓ نے وہ جوڑا اپنے ایک مشرک بھائی کو دے دیا جو مکہ میں تھا (یہ حدیث بخاری، مسلم اور نسائی میں بھی آئی ہے)

شرح: السیراء کا معنیٰ ہے خالص ریشم یا جس پر ریشم غالب ہو۔ عطاردؓ بن حاجب تمیمی صحابی تھے، وفدِ بنی تمیم میں حاضر ہوئے تھے، مسجد کے دروازے پر بکنے والا جوڑا ان کا تھا۔ یا چونکہ یہ بادشاہوں سے ریشمی جوڑے انعام پاتے رہتے تھے لہٰذا ریشمی جوڑا ان کی طرف منسوب ہوا ہوگا، یعنی ہر ریشمی جوڑے کو حلۂ عطارد کہتے ہوں گے۔ بخاری و مسلم کی روایت میں ہے کہ وہ حلۂ استبرق کا تھا جو بازار میں بک رہا تھا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے جواب سے بطورِ اقتضاء النص بروزِ جمعہ و عیدین اچھا لباس پہننے کا مشروع ہونا تو ثابت ہو گیا کیونکہ آپ نے اس کا رد نہیں فرمایا، جس چیز کا انکار فرمایا گیا وہ یہ تھی کہ وہ جوڑا ریشمی تھا۔ دیگر احادیث میں بروزِ جمعہ اچھا لباس پہننے اور خوشبو لگانے کی ترغیب موجود ہے۔

حضرت عمرؓ کا وہ مشرک بھائی جسے آپ نے یہ ریشمی جوڑا دیا تھا نسائی اور صحیح ابی عوانہ میں اس کا نام عثمان بن حکیم آیا ہے اور وہ حضرت عمرؓ کا اخیفی بھائی تھا (یعنی ماں شریک تھا) علامہ عینی نے لکھا ہے کہ اسے حضرت عمرؓ کا رضاعی بھائی بھی کہا گیا ہے۔ یعنی یہ رشتہ دودھ کی ماں کی طرف سے تھا۔ بخاری کی ایک روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ شخص بعد میں اسلام لے آیا تھا۔ یہ حدیث اور اسی طرح اور بہت سی احادیث ریشم پہننے کی حرمت (مردوں کے لیے) پر دلالت کرتی ہیں۔ حضرت عمرؓ کی روایت میں ہے کہ: میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے سنا کہ حریر مت پہنو کیونکہ جس نے اسے دنیا میں پہنا وہ اسے آخرت میں نہیں پہنے گا (یعنی مردوں کے لیے ریشم دخولِ جنت سے مانع ہے جس کا لباس ازروئے قرآنی ریشم ہوگا: وَلِبَاسُھُمْ فِیْھَا حَرِیْرٌ) انسؓ کی روایت میں ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس نے دنیا میں ریشم پہنا وہ آخرت میں اسے ہرگز نہ پہنے گا۔ یہ دونوں حدیثیں صحیحین میں ہیں۔ ابوموسیٰ کی روایت میں ہے کہ سونا اور ریشم میری امت کی عورتوں کے لیے حلال اور مردوں کے لیے حرام کئے گئے ہیں (ترمذی اور حاکم نے اسے روایت کرکے اس کی تصحیح کی ہے اور احمد، نسائی اور ابو داؤد نے بھی اسے روایت کیا ہے) یہ حرمت مردوں کے ساتھ مخصوص ہے عورتوں کے لیے اس کی رخصت ہے۔ قاضی عیاض نے کہا کہ کچھ لوگوں سے حریر کی اباحت منقول ہوئی ہے۔ ابوداؤد نے کہا ہے کہ صحابہؓ میں کم و بیش بیس آدمیوں نے ریشم پہنا ہے جن میں سے انسؓ اور براءؓ بن عازب بھی ہیں۔ اور اجماع جو اس کی حرمت پر ہوا ہے وہ مردوں سے مخصوص ہے، عورتیں اس سے

خارج ہیں۔ ابن الزبیرؓ نے اس کی مخالفت کی ہے اور ان کا استدلال احادیث کے عموم سے تھا، شاید انہیں مخصص کی اطلاع نہ ہی ہوگی (یعنی عورتوں کے متعلق بھی ان کا مذہب حرمت کا ہے) بخاری کے علاوہ باقی محدثین کی جماعت نے جو حدیث روایت کی ہے اس کے پیش نظر مردوں کے لیے ہاتھ کی چار ملی ہوئی انگلیوں کی مقدار پر ریشم مستثنیٰ ہے حضرت عمرؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دو، تین یا چار انگلی کی مقدار سے زیادہ ریشم پہننا ممنوع فرمایا تھا۔ (احمد اور ابو داؤد نے اس میں یہ اضافہ کیا ہے کہ: آپ نے اپنی ہتھیلی سے اشارہ فرمایا، پس اس حدیث کی رُو سے کناری یا سنجاف وغیرہ جو ریشمی ہو، چاہے کپڑے کے اوپر سلا ہوا ہو، بُنا ہوا ہو یا سوئی سے کاڑھا ہوا ہو اور اس کا طراز بنا کر جوڑا گیا ہو وغیرہ کی حلت ثابت ہوتی ہے۔ اور اس مقدار سے زائد کی حرمت ثابت ہوتی ہے۔ بچوں کو ریشمی لباس پہنانے میں اختلاف ہے۔ ابو حنیفہؒ نے اسے حرام اور شافعیؒ نے مباح قرار دیا ہے۔

علامہ شوکانیؒ نے نیل الاوطار میں کہا ہے کہ بچوں کو ریشمی لباس پہنانے میں اختلاف ہے۔ اکثر علماء کا مذہب تحریم ہے ان کی دلیل یہ ہے کہ حدیث کا لفظ: ریشم میری امت کے مردوں پر حرام کی گئی ہے، بچوں کو بھی مشتمل ہے۔ روایت میں آیا ہے کہ اسماعیل بن عبدالرحمن حضرت عمرؓ کے پاس داخل ہوا اور اس نے ریشمی قمیص اور سونے کے دو کنگن پہنے ہوئے تھے، انہوں نے قمیص پھاڑ دی اور کنگن توڑ ڈالے اور کہا: جا اپنی ماں کے پاس۔ محمد بن الحسن کا قول ہے کہ بچوں کو ریشم پہنانا جائز ہے اور اصحاب شافعیؒ نے کہا ہے کہ عید کے دن جائز ہے کیونکہ بچے مکلف نہیں ہیں۔ اور سال کے باقی حصوں میں پہنانے کے متعلق تین قول ہیں، صحیح تر یہ ہے کہ جائز ہے، دوسرا یہ کہ حرام ہے، تیسرا یہ کہ تمیز کے سن کے بعد حرام ہے۔

مولاناؒ نے فرمایا کہ امام محمد بن الحسنؒ کی طرف جو جواز کی نسبت کی گئی ہے میں نے اُسے حنفی کتب میں نہیں پایا۔

امام محمدؒ نے موطا میں کہا ہے کہ: مسلم مرد کے لیے حریر، دیباج اور سونا یہ سب چیزیں مذکروں کے لیے حرام ہیں چھوٹے ہوں یا بڑے، اور عورتوں کے لیے کوئی حرج نہیں اور مشرک کو ہدیہ میں دے ڈالنے میں بھی حرج نہیں چاہے وہ حربی ہوں اسے ہتھیار اور جنگی ساز و سامان دینا ناجائز ہے اور یہی ابو حنیفہؒ اور ہمارے عام فقہاء کا قول ہے۔ اور حضرت عمرؓ نے جو ریشمی جوڑا اپنے ایک مشرک بھائی کو مکہ میں بھیجا تھا اس میں یہ دلیل موجود ہے کہ کفار فروع کے مکلف نہیں کیونکہ حضرت عمرؓ کو اس بات کا یقین تھا کہ ان کا مشرک بھائی اس جوڑے کو پہننے سے پرہیز نہیں کرے گا اور ظاہر یہی ہے کہ یہ ہدیہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے علم و اجازت سے بھیجا گیا تھا۔ مولانا گنگوہی نے فرمایا ہے کہ حضرت عمرؓ کے اس فعل میں یہ دلیل موجود ہے کہ مشرک پر احسان کرنا اور اس کی صلہ رحمی کرنا جائز ہے، مودت کی ممانعت ہے احسان کی نہیں۔ اور اس میں یہ دلیل بھی موجود ہے کہ ابو حنیفہؒ نے یہ کیوں کہا کہ مسلمان اپنا مکان اجارہ پر اس شخص کو دے سکتا ہے جس کے متعلق ارتکاب حرام کا علم ہو، مثلاً مجوسی ہے جو اسے آتش کدہ بنائے گا یا بت پرست ہے جو اسے بت کدہ بنائے گا وغیرہ وغیرہ۔ یہ اس لیے کہ اجارہ اس معصیت کو لازم نہیں گردانتا، یہ اجارہ پہ لینے والا کا اپنا اختیاری فعل ہے کرے یا نہ کرے۔ عمرؓ نے جب مشرک بھائی کو وہ جوڑا بھیجا تھا تو انہیں یقین تھا کہ وہ اسے پہنے گا مگر حضرت عمرؓ کا دینا چونکہ اسے لازم نہیں ٹھہراتا تھا، کیونکہ ممکن تھا کہ وہ خود نہ پہنے کسی عورت کو پہنا دے، جیسے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا حضرت عمرؓ کو وہ جوڑا دینا خود ان کے پہننے کو مستلزم نہ تھا۔

۱۰۷۹۔ حَدَّثَنَا اَحْمَدُ بْنُ صَالِحٍ نَا ابْنُ وَهْبٍ اَخْبَرَنِي يُونُسُ وَعَمْرُو بْنُ الْحَارِثِ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ عَنْ سَالِمٍ عَنْ اَبِيهِ قَالَ وَجَدَ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ حُلَّةَ اِسْتَبْرَقٍ تُبَاعُ بِالسُّوقِ فَاَخَذَهَا فَاَتَى بِهَا رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ اِبْتَعْ هٰذِهِ تَجَمَّلْ بِهَا لِلْعِيدِ وَلِلْوُفُودِ ثُمَّ سَاقَ الْحَدِيثَ وَالْاَوَّلُ اَتَمُّ۔

ابن عمرؓ نے کہا کہ عمر بن الخطاب نے ایک استبرق کا جوڑا بازار میں فروخت ہوتا دیکھا، پس اسے لیا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لائے اور کہا: اسے خرید لیجئے تاکہ آپ اس سے عید میں اور وفدوں کے لیے زینت پائیں۔ پھر احمد بن صالح نے یہ حدیث بیان کی مگر پہلی حدیث اتم ہے۔ (یہ وہ حدیث ہے جس کا حوالہ ہم نے اوپر صحیحین سے دیا تھا۔ استبرق موٹے ریشم کو دیباج پتلے ریشم کو اور حریر عام ریشم کو کہتے ہیں)

۱۰۸۰۔ حَدَّثَنَا اَحْمَدُ بْنُ صَالِحٍ نَا ابْنُ وَهْبٍ اَخْبَرَنِي يُونُسُ وَعَمْرٌو اَنَّ يَحْيَى بْنَ سَعِيدٍ الْاَنْصَارِيَّ حَدَّثَهُ اَنَّ مُحَمَّدَ بْنَ يَحْيَى بْنِ حَبَّانَ حَدَّثَهُ اَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَا عَلَى اَحَدِكُمْ اِنْ وَجَدَ اَوْ مَا عَلَى اَحَدِكُمْ اِنْ وَجَدْتُمْ اَنْ يَتَّخِذَ ثَوْبَيْنِ لِيَوْمِ الْجُمُعَةِ سِوَى ثَوْبَيْ مِهْنَتِهِ قَالَ عَمْرٌو وَاَخْبَرَنِي ابْنُ اَبِي حَبِيبٍ عَنْ مُوسَى بْنِ سَعْدٍ عَنِ ابْنِ حَبَّانَ عَنِ ابْنِ سَلَامٍ اَنَّهُ سَمِعَ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ ذٰلِكَ عَلَى الْمِنْبَرِ قَالَ اَبُو دَاوُدَ رَوَاهُ وَهْبُ بْنُ جَرِيرٍ عَنْ اَبِيهِ عَنْ يَحْيَى بْنِ اَيُّوبَ عَنْ يَزِيدَ بْنِ اَبِي حَبِيبٍ عَنْ مُوسَى بْنِ سَعْدٍ عَنْ يُوسُفَ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ سَلَامٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ۔

محمد بن یحییٰ بن حبان نے یحییٰ بن سعید انصاری کو بتایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم میں سے کسی پر کوئی حرج نہیں اگر وہ گنجائش پائے، یا یہ فرمایا کہ تم میں سے کسی پر حرج نہیں اگر تم گنجائش پاؤ تو اپنے کام کاج کے کپڑوں کے سوا دو اور کپڑے جمعہ کے دن کے لیے بنا رکھے۔ دوسری سند سے راوی عمرو اپنی سند کے ساتھ اس روایت کو ابن سلامؓ تک پہنچاتا ہے کہ اس نے کہا کہ یہ حدیث اس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو منبر پر فرماتے سنا تھا۔ ابو داؤد کا بیان ہے کہ وہب بن جریر نے اس حدیث کو اپنی سند کے ساتھ یوسف بن عبداللہ بن سلامؓ سے اور اس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کیا (یہ حدیث ابن ماجہ نے بھی روایت کی ہے)

شرح: ابن ماجہ نے یہ حدیث عبداللہ بن سلام سے اور انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کی ہے

بخاری، یوسف بن عبداللہ بن سلام کے صحابی ہونے کا قائل ہے، اور دوں نے کہا کہ اس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا تھا (منذری)، ابوداؤد نے یہ سندیں اس لیے بیان کی ہیں کہ پہلی سند مرسل ہے کیونکہ محمد بن یحییٰ صحابی نہیں تھا اور اگر ابن سلام سے مراد عبداللہ بن سلام ہے تو سند منقطع ہے کیونکہ محمد بن یحییٰ بن حبان نے عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ کو نہیں پایا۔ ابن حبان کا سن پیدائش ۴۷ھ ہے جبکہ عبداللہ بن سلام ۴۳ھ میں وفات پا چکے تھے۔ اور ابن سلام سے مراد یوسف ابن عبداللہ بن سلام ہے تو سند متصل ہے اور اسی طرح تیسری سند بھی موصول ہے جسے ابوداؤد نے دوسری سند کا ابہام دور کرنے کی خاطر بیان کیا ہے کہ ابن سلام سے مراد یوسف بن عبداللہ بن سلام ہے۔ لیکن ابن ماجہ نے بھی یہ حدیث اپنی سنن میں روایت کی ہے اور اس نے کئی جگہوں پر ابوداؤد کی مخالفت کی ہے، وہ اس طرح کہ پہلے اس نے یہ حدیث عمرو بن الحارث کے طریق سے روایت کی تو اس میں ابہام نہیں رکھا بلکہ اس میں محمد بن یحییٰ کی روایت عبداللہ بن سلام سے ہے۔ پھر یہی حدیث ابو بکر بن ابی شیبہ کے طرق سے روایت کی تو بھی عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے۔ ابن ماجہ کی دوسری سند میں شیخ لنا کے لفظ سے ایک راوی بیان ہوا ہے جو مجہول ہے اور اگر بقول بعض وہ محمد بن عمر الواقدی ہے تو وہ حجت نہیں ہے۔

صرف جمعہ کے دن کے لیے اچھے کپڑوں کا جوڑا رکھنا چونکہ بظاہر تصنع اور شہرت پسندی میں آتا تھا کہ عام حالات میں تو آدمی وہ جوڑا نہ پہنے اور جس دن لوگوں کا اجتماع ہو اس دن پہن کر آئے۔ لہذا حضور ﷺ نے ایسے الفاظ استعمال فرمائے جن سے معلوم ہو کہ جمعہ کی خاطر ایسا کرنا شہرت پسندی نہیں بلکہ مطلوب شرع ہے۔

بَابُ التَّحَلُّقِ يَوْمَ الْجُمُعَةِ قَبْلَ الصَّلٰوةِ

جمعہ کے دن نماز سے پہلے حلقے بنانے کا باب

۱۰۸۱۔ حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ نَا يَحْيٰى عَنِ ابْنِ عَجْلَانَ عَنْ عَمْرِو بْنِ شُعَيْبٍ عَنْ أَبِيهِ عَنْ جَدِّهٖ أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَهٰى عَنِ الشِّرَاءِ وَالْبَيْعِ فِي الْمَسْجِدِ وَأَنْ تُنْشَدَ فِيهِ ضَالَّةٌ وَأَنْ يُنْشَدَ فِيهِ شِعْرٌ وَنَهٰى عَنِ التَّحَلُّقِ قَبْلَ الصَّلٰوةِ يَوْمَ الْجُمُعَةِ۔

عبداللہ بن عمرو بن العاص سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مسجد میں خرید و فروخت سے منع فرمایا، اور اس بات سے بھی کہ گم شدہ چیز اس میں پکاری جائے اور اس سے بھی کہ اس میں شعر پڑھا جائے اور بروز جمعہ نماز سے قبل حلقے باندھنے سے منع فرمایا۔ یہ حدیث نسائی، ابن ماجہ اور ترمذی نے بھی روایت کی، ترمذی نے اسے حدیث حسن کہا۔

(شرح: شوکانی نے کہا کہ جمہور علماء نے مسجد میں خرید و فروخت کو مکروہ کہا ہے اور اگر مسجد میں بیع و شراء کا معاملہ

ہو جائے تو وہ قانونی ہو گا اور باطل نہیں ہو گا۔ بعض شافعیہ نے مسجد میں بیع و شرا کو مکروہ نہیں رکھا مگر احادیث اس کے خلاف ہیں۔ اصحاب ابی حنیفہ رحمہ نے اس کی کثرت و غلبہ کو (کہ عادت ہو جائے) مکروہ کہا ہے قلت کو نہیں لیکن اس فرق پر کوئی دلیل نہیں۔ مولانا نے فرمایا کہ شوکانی کے اس بیان سے جو اس نے اصحاب ابی حنیفہؒ کے متعلق کیا ہے، مراد وہ تحقیق ہے جو طحاوی نے شرح معانی الآثار میں کی ہے۔ طحاوی نے کہا ہے کہ عام اور غالب بیع و شرا مسجد میں جائز نہیں حتیٰ کہ مسجد بازار بن جائے تو یہ مکروہ ہے، ورنہ نہیں۔ وجہ یہ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے مسجد میں بعض ایسے افعال بھی مروی ہیں جو عبادت و قرب نہیں ہیں۔ پھر طحاوی نے اپنی سند سے حدیث روایت کی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی رضہ کو اپنا جوتا گانٹھنے کو عنایت فرمایا تھا اور وہ اُسے گانٹھ رہے تھے۔ لیکن اگر زیادہ تعداد میں لوگ جمع ہو کر مسجد میں جوتے گانٹھنے لگیں تو جائز نہ ہو گا۔ یہی حال بیع و شرا کا، شعر پڑھنے کا اور نماز سے قبل حلقے بنا کر بیٹھنے کا ہے۔ محدث علی القاری رُ نے کہا ہے کہ ہمارے علماء نے معتکف کے لیے مسجد میں کسی چیز کو خریدنا جائز کہا ہے بشرطیکہ خریدی جانے والی چیز وہاں حاضر نہ کی جائے۔ اور مقام ابراہیم کے پیچھے غلاف کعبہ کی بیع اور مسجد حرام میں کتابوں وغیرہ کی خرید فروخت بڑی بدعت ہے۔ اور اس سے بھی بری بدعت ایام حج میں ڈولیاں اور مشکیں وغیرہ وہاں لا کر رکھنا ہے دراں حالیکہ وہ وقت لوگوں کے ازدحام کا بھی ہے۔ ابن حجر نے کہا ہے کہ کسی پیشہ ور کا اپنے کاروبار کے لیے وہاں بیٹھنا بھی مکروہ ہے ہاں احیاناً اگر شرعی کتابوں کی نقل وغیرہ ہو تو حرج نہیں۔ حضرت عمر رضہ نے ایک خیاط کو مسجد میں کپڑے سیتے دیکھا تو اُسے باہر نکالنے کا حکم دیا تھا۔ کہا گیا کہ اے امیرالمؤمنین یہ مسجد میں جھاڑو دیتا ہے اور دروازے بند کرتا ہے، حضرت نے فرمایا میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سُنا تھا کہ مسجدوں کو اپنے کاریگروں سے بچا کر رکھو۔ روایت ضعیف ہے۔

مسجد میں گم شدہ چیز کا اعلان کرنا، اسے طلب کرنا وغیرہ بھی اس حدیث کی رو سے ناجائز ہے۔ بلا شرعی ضرورت کے مسجد میں بآواز بلند بولنا بھی جائز نہیں۔ ہاں علم کا تکرار، قرآن حفظ کرنا وغیرہ شرعی کام جائز ہیں۔ اس حدیث کی رو سے مسجد میں شعر پڑھنا بھی جائز نہیں مگر حضورؐ حسان رضہ سے مشرکین کی ہجو کا جواب منبر پہ اُسے کھڑا کر کے سنتے تھے پس غلط قسم کے اشعار پڑھنا ناجائز اور ضرورت شرعی سے جائز ہے۔ آگے حدیث آ رہی ہے کہ جابر بن سمرہؓ کا بیان ہے کہ میں نے سو مرتبہ سے بھی زیادہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی موجودگی میں اشعار پڑھتے اور بعض امور جاہلیت کا ذکر کرتے سُنا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم بعض دفعہ یہ سن کر مسکرا دیتے تھے (احمد اور ترمذی اور اس نے اُسے حدیث صحیح کہا ہے) پس یا تو نہی کو تنزیہ پر اور رخصت کو بیان جواز پر محمول کیا جائے گا۔ یا پھر شعر سے مراد اگر اچھے شعر ہوں مثلاً حسانؓ کے اشعار تو جائز ہیں اور اگر جاہلیت کا تفاخر، ہجو وغیرہ ہو تو ناجائز ہے۔ ابن العربی نے کہا کہ کعبؓ بن زہیر نے قصیدہ بَانَتْ سُعَادُ فَقَلْبِي الْيَوْمَ مَتْبُولٌ الخ حضورؐ کو سُنایا تھا جس میں اُس کی فرضی محبوبہ کا ذکر اور اس کے لعاب دہن کی تعریف بھی تھی۔ مگر یہ سب بطور تشبیب تھا اور اہل غرض معانی کی طلب تھی جو اسے مل گئی تھی۔ علامہ عراقی نے اس قصیدے کو فرضی اور اس کی سند کو معلول کہا ہے۔ ابن اسحاق نے اسے منقطع سند کے ساتھ بیان کیا ہے۔ اگر یہ ثابت ہو تو اس میں شراب کی مدح نہیں ہے۔ لیکن میں یہ عرض کرتا ہوں کہ ہمارے دَور کے اور اس سے پہلے کے بڑے بڑے مقدس علماء نے حافظ شیرازی کے اشعار کو "شراب معرفت" سے معمور کہا ہے اور وعظوں میں وہ اشعار بھی پڑھے جاتے ہیں۔

نماز جمعہ سے پہلے جو حلقے بنانے کی ممانعت ہے وہ صرف اس وقت کے لیے ہے تاکہ حرج واقع نہ ہو اور نہ علم کے مذاکرے کے لیے اور دعظ و درس و تدریس کے لیے حلقہ بندی مطلوب شرع ہے۔ حدیث میں حضورؐ کا گھر سے تشریف لانا اور دو حلقوں کا مسجد میں ہونا (یعنی حلقۂ ذکر اور حلقۂ تعلیم و تعلّم) اور خود حضورؐ کا حلقۂ تعلیم میں تشریف فرما ہونا مذکور ہے۔ طحاوی نے واقد لیثی کی حدیث بیان کی ہے جس میں اصحاب کا حضورؐ کے گرد حلقہ بناکر بیٹھنا مذکور ہے۔ ہاں خالص دنیوی مقاصد کے لیے مساجد میں حلقہ بندی ناجائز ہے۔ قبل از صلوٰۃ جمعہ حلقہ بندی اس لیے بھی ممنوع ہے کہ اس سے صف بندی ممکن نہیں رہتی اور باہر سے آنے والوں کو صفوں میں جگہ نہیں مل سکتی، غالباً اسی لیے اسے "بروز جمعہ قبل از نماز" کے ساتھ مخصوص کیا گیا ہے کیونکہ یہ ہیئت نمازیوں جیسی نہیں ہے۔ ورنہ حدیث میں ذکر کے حلقوں کو ریاض الجنۃ فرمایا گیا ہے۔

بَابُ اتِّخَاذِ الْمِنْبَرِ

منبر کا استعمال

۱۰۸۲۔ حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ نَا يَعْقُوبُ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ مُحَمَّدِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَبْدٍ الْقَارِيِّ الْقُرَشِيِّ حَدَّثَنِي أَبُو حَازِمِ ابْنُ دِينَارٍ أَنَّ رِجَالًا أَتَوْا سَهْلَ بْنَ سَعْدٍ السَّاعِدِيَّ وَقَدِ امْتَرَوْا فِي الْمِنْبَرِ مِمَّ عُودُهُ فَسَأَلُوهُ عَنْ ذٰلِكَ فَقَالَ وَاللّٰهِ إِنِّي لَأَعْرِفُ مِمَّا هُوَ وَلَقَدْ رَأَيْتُهُ أَوَّلَ يَوْمٍ وُضِعَ وَأَوَّلَ يَوْمٍ جَلَسَ عَلَيْهِ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَرْسَلَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِلَى فُلَانَةَ امْرَأَةٍ قَدْ سَمَّاهَا سَهْلٌ أَنْ مُرِي غُلَامَكِ النَّجَّارَ أَنْ يَعْمَلَ لِي أَعْوَادًا أَجْلِسُ عَلَيْهِنَّ إِذَا كَلَّمْتُ النَّاسَ فَأَمَرَتْهُ فَعَمِلَهَا مِنْ طَرْفَاءِ الْغَابَةِ ثُمَّ جَاءَ بِهَا فَأَرْسَلَتْهُ إِلَى رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَأَمَرَ بِهَا فَوُضِعَتْ هٰهُنَا فَرَأَيْتُ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَلّٰى عَلَيْهَا وَكَبَّرَ عَلَيْهَا ثُمَّ رَكَعَ وَهُوَ عَلَيْهَا ثُمَّ نَزَلَ الْقَهْقَرٰى فَسَجَدَ فِي أَصْلِ الْمِنْبَرِ ثُمَّ عَادَ فَلَمَّا فَرَغَ أَقْبَلَ عَلَى النَّاسِ فَقَالَ أَيُّهَا النَّاسُ إِنَّمَا صَنَعْتُ هٰذَا لِتَأْتَمُّوا أَوْ لِتَعَلَّمُوا صَلَاتِي۔

ابو حازم بن دینار نے کہا کہ کچھ لوگ سہل بن سعدؓ ساعدی کے پاس آئے اور ان کا منبر کے متعلق جھگڑا ہوا تھا کہ اس کی

لکڑی کس درخت کی تھی، پس انہوں نے سہل رضی اللہ عنہ سے پوچھا تو اس نے کہا واللہ میں جانتا ہوں کہ وہ کس لکڑی کا تھا اور جب وہ پہلے دن رکھا گیا تھا تو میں نے اسے دیکھا تھا، اور جس پہلے دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس پر تشریف فرما ہوئے تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فلاں عورت کی طرف پیغام بھیجا تھا سہل رضی اللہ عنہ نے اس عورت کا نام بھی لیا تھا، کہ تو اپنے بڑھئی غلام کو حکم دے کہ وہ مجھے لکڑیاں (لکڑیوں کا منبر) بنا دے تاکہ جب میں لوگوں سے بات کروں تو ان پر بیٹھوں۔ اُس عورت نے اُسے حکم دیا تو اس غلام نے وہ منبر جنگل کی طرفا نامی لکڑی سے بنایا پھر وہ اسے لایا تو اس عورت نے وہ منبر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف بھیجا، پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا تو اسے یہاں رکھا گیا پس میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس پر نماز کے لیے کھڑا دیکھا، آپ نے اس پر تکبیر کہی پھر اس پر ہی رکوع کیا پھر پچھلی طرف کو نیچے اُترے تو منبر کی جڑ میں سجدہ کیا پھر منبر پر تشریف لے گئے، پس جب فارغ ہوئے تو لوگوں کی طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا: میں نے یہ اس لیے کیا ہے تاکہ تم میری پیروی کرو اور میری نماز سیکھ لو (یہ حدیث بخاری، مسلم، نسائی اور ابن ماجہ میں روایت ہوئی ہے)

شرح: یہ عورت جس نے حضور ﷺ کے لیے منبر بنوایا تھا، انصاریہ تھی۔ الغابہ کا معنیٰ کچھار، گھنا جنگل ہے اور یہ یہاں پر اس سے مراد ایک مقام ہے جو مدینہ کے قریب شام کی طرف کو واقع تھا، یہ مدینہ سے علی اختلاف الاقوال ۹ یا ۷ میل دور تھا۔ اس بڑھئی غلام کا نام اکثر شارحین کے نزدیک میمون تھا۔ خطابی نے کہا کہ اس حدیث میں یہ فقہی مسائل ہیں: تعلیم کی غرض سے امام کو مقتدیوں سے بلند جگہ پر کھڑا ہونا جائز ہے اور عمل قلیل نماز کو قطع نہیں کرتا کیونکہ منبر دو سیڑھیوں کا تھا لہٰذا اترنا اور چڑھنا صرف دو قدم کا تھا اور یہ عمل قلیل ہی تھا۔ حضور ﷺ پچھلے پاؤں اس لیے اُترے تھے تاکہ قبلہ کی طرف پشت نہ ہو جائے۔ اگر امام جمعہ کے خطبہ میں سجدے کی آیت پڑھے تو سجدے کے لیے اترنے کی خاطر لوگوں کی طرف منہ کر کے اُترے گا اور پھر سجدہ کر کے واپس جائے گا، حضرت عمر رضی اللہ عنہ بن الخطاب نے ایسا کیا تھا۔

۱۰۸۳- حَدَّثَنَا الْحَسَنُ بْنُ عَلِيٍّ نَا أَبُوْ عَاصِمٍ عَنِ ابْنِ أَبِيْ رَوَّادٍ عَنْ نَافِعٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَمَّا بَدَّنَ قَالَ لَهُ تَمِيْمٌ الدَّارِيُّ أَلَا أَتَّخِذُ لَكَ مِنْبَرًا يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ يَجْمَعُ أَوْ يَحْمِلُ عِظَامَكَ قَالَ بَلٰى فَاتَّخَذَ لَهُ مِنْبَرًا مِرْقَاتَيْنِ۔

ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب بڑی عمر کے ہو گئے تو تمیم رضی اللہ عنہ داری نے آپ سے کہا: یا رسول اللہ کیا میں آپ کے لیے ایک منبر نہ بنوا دوں جو آپ کے اعضاء کو برداشت کر سکے؟ حضور ﷺ نے فرمایا: کیوں نہیں! پس اس نے آپ کو دو سیڑھیوں کا ایک منبر بنوا دیا۔

شرح: بَدَّنَ کا معنیٰ ہے کہ آپ بوڑھے ہو گئے۔ اگر بَدُنَ ہو تو اُس کا معنیٰ ہوگا: آپ کا جسم بوجھل ہو گیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا جسم اقدس موٹا نہیں تھا لہٰذا تشدید کی روایت درست ہے (ابو عبید) صحیح روایت میں ہے کہ حضور ﷺ کا منبر

تین سیڑھیوں کا تھا پس سنن ابو داؤد کی روایت میں شاید وہ سیڑھی شمار نہیں کی گئی جس پر حضور رونق افروز ہوتے تھے۔ علامہ عینیؒ نے کہا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا منبر اسی حالت میں تین سیڑھیوں کا رہا حتی کہ معاویہؓ کی خلافت میں مروان نے اسے چھ سیڑھیوں کا بنوا دیا۔

بَابُ ٦١ مَوْضِعِ الْمِنْبَرِ

منبر کی جگہ کا باب

١٠٨٤۔ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ خَالِدٍ نَا اَبُوْعَاصِمٍ عَنْ يَزِيْدَ بْنِ اَبِيْ عُبَيْدٍ عَنْ سَلَمَةَ بْنِ الْاَكْوَعِ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ كَانَ بَيْنَ مِنْبَرِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَبَيْنَ الْحَائِطِ كَقَدْرِ مَمَرِّ الشَّاةِ۔

سلمہ بن اکوع رضؓ نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے منبر اور دیوار کے درمیان ایک بکری کے گذرنے جتنی جگہ تھی (اس قسم کی ایک حدیث مسلم نے اس سے اتم روایت کی ہے)

شرح: دیوار سے مراد یہاں مسجد کی قبلہ والی دیوار ہے۔ مولاناؒ نے فرمایا کہ جب قبلہ رُخ کھڑے ہوں تو منبر محراب کے دائیں ہاتھ پہ تھا۔

بَابُ ٦٢ الصَّلٰوةِ يَوْمَ الْجُمُعَةِ قَبْلَ الزَّوَالِ

جمعہ کے دن نماز قبل از زوال کا باب

١٠٨٥۔ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عِيْسٰى نَا حَسَّانُ بْنُ اِبْرَاهِيْمَ عَنْ لَيْثٍ عَنْ مُجَاهِدٍ عَنْ اَبِي الْخَلِيْلِ عَنْ اَبِيْ قَتَادَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنَّهٗ كَرِهَ الصَّلٰوةَ نِصْفَ النَّهَارِ اِلَّا يَوْمَ الْجُمُعَةِ وَقَالَ اِنَّ جَهَنَّمَ تُسْجَرُ اِلَّا يَوْمَ الْجُمُعَةِ قَالَ اَبُوْدَاوٗدَ وَهُوَ مُرْسَلٌ مُجَاهِدٌ اَكْبَرُ مِنْ اَبِي الْخَلِيْلِ وَاَبُو الْخَلِيْلِ لَمْ يَسْمَعْ مِنْ اَبِيْ قَتَادَةَ۔

ابو قتادہؓ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم عین دوپہر کو نماز مکروہ جانتے تھے مگر بروز جمعہ اور فرمایا کہ جہنم دھکائی جاتی ہے مگر جمعہ کے دن نہیں۔ ابو داؤدؒ نے کہا کہ یہ روایت مرسل ہے۔ مجاہد ابو الخلیل سے بڑا تھا اور ابو الخلیل نے ابو قتادہؓ سے نہیں سنا۔

شرح: خطابی نے کہا ہے کہ "جہنم بھڑکائی جاتی ہے" اور "دو سینگوں کے درمیان" اور اس جیسے اور الفاظ شرعی اصطلاح میں

ہیں جن کا معنیٰ صرف شارع کو معلوم ہے۔ ہم پر ان کی تصدیق واجب ہے، اگر یہ صحیح ثابت ہو جائیں تو صحت کا اقرار واجب ہے اور ان کے موجب پر عمل واجب ہے۔ جمعہ کی تعجیل میں جو احادیث آئی ہیں ان کے متعلق نووی رحمہ اللہ نے کہا ہے کہ یہ حدیثیں جمعہ کی تعجیل میں ظاہر ہیں۔ حالانکہ امام مالکؒ، ابو حنیفہؒ اور شافعی اور صحابہ و تابعین اور ان کے بعد کے جماہیر علماء نے کہا ہے کہ جمعہ زوالِ آفتاب سے پہلے جائز نہیں۔ اور اس مسئلہ سے احمد بن حنبلؒ اور اسحاقؒ کے سوا کسی نے اختلاف نہیں کیا۔ ان دونوں نے جمعہ از قبل از زوال جائز رکھا ہے۔ قاضی عیاضؒ نے کہا ہے کہ اس مسئلے میں صحابہؓ سے کچھ چیزیں مروی جن میں سے صرف وہی صحیح ہیں جو جمہور کے مسلک پر ہیں۔ جمہور نے ان احادیث کو جمعہ کی تعجیل کے مبالغے پر محمول کیا ہے اور صحابہ جمعہ کے دن قیلولہ اور دوپہر کا کھانا بھی نمازِ جمعہ کے بعد تک مؤخر کرتے تھے کیونکہ انہیں نمازِ جمعہ کے لیے جلدی آنے کی ترغیب دی گئی تھی، پس اگر وہ ان میں سے کسی چیز میں مشغول ہو جاتے تو جمعہ کے فوت ہونے کا اور اس کے لیے جلدی آنے کے فوت ہونے کا خطرہ تھا۔ جو لوگ نمازِ جمعہ کے قبل از زوال جواز کے قائل ہیں انھوں نے ایسی احادیث سے استدلال کیا ہے جو جمعہ کے لیے جلدی آنے پر دلالت کرتی ہیں مگر ان میں اس بات کی کوئی دلیل نہیں جو ان مدعیوں نے کہی ہے۔ بخاری نے وقتِ جمعہ کے باب کا عنوان رکھا: بَابُ وَقْتِ الْجُمُعَةِ إِذَا زَالَتِ الشَّمْسُ۔ حافظ ابن حجر نے فتح الباری میں کہا ہے کہ بخاری نے اس مسئلہ میں اختلاف ہونے کے باوجود اس پر جزم و یقین کا اظہار کیا کیونکہ ان کے نزدیک مخالف کی دلیل کمزور ہے۔ پھر حافظ نے کہا کہ ابن عربی کا یہ قول عجیب و غریب ہے کہ اس پر امام احمدؒ کے سوا سب کا اجماع ہے۔ امام احمدؒ نے کہا کہ اگر کوئی قبل از زوال پڑھے تو جائز ہوگا اور یہی بات ابن قدامہ وغیرہ نے سلف کی ایک جماعت سے نقل کی ہے۔

جائز کہنے والوں کے دلائل میں سے ایک وہ اثر ہے جسے ابو نعیم اور ابن ابی شیبہ نے عبد اللہ بن سیدان کی روایت سے نقل کیا ہے کہ اس نے کہا: میں نے ابو بکرؓ کے ساتھ نمازِ جمعہ میں حاضری دی تو ان کی نماز اور خطبہ نصف النہار سے پہلے تھا۔ پھر حضرت عمرؓ کے ساتھ جمعہ پڑھا تو ان کی نماز اور خطبہ اتنی جلدی تھا کہ میں نے کہا نصف النہار کا وقت ہو گیا ہے۔ عبد اللہ بن سیدان ایک بڑا تابعی ہونے کے باوجود غیر معروف العدالت ہے، ابن عدی نے کہا کہ وہ مجہول کی مانند ہے۔ بخاری نے کہا کہ اس کی حدیث کا کوئی مؤید نہیں اور اس سے قوی تر اثر اس کے خلاف ہے، کیونکہ ابن ابی شیبہ نے سوید بن غفلہ سے روایت کی ہے کہ اس نے ابو بکر و عمر رضی اللہ عنہما کے ساتھ جمعہ پڑھا جبکہ آفتاب ڈھل چکا تھا۔

مگر اس کے خلاف عبد اللہ بن مسعودؓ کا اثر ہے۔ ابن ابی شیبہ کہ عبد اللہ بن سلمہ نے کہا عبد اللہ نے ہمیں بوقتِ چاشت جمعہ پڑھایا اور کہا کہ مجھے تم پر گرمی کا ڈر تھا۔ عبد اللہ بن سلمہ صادق القول تھا مگر بڑی عمر میں متغیر ہو گیا تھا سعید بن سوید نے کہا ہمیں معاویہؓ نے جمعہ بوقتِ چاشت پڑھایا، ابن عدی نے سعید کو ضعفا میں شمار کیا ہے۔ بعض حنابلہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس قول سے استدلال کیا ہے کہ: اللہ تعالیٰ نے اس دن کو مسلمانوں کے لیے عید بنایا ہے۔ انھوں نے کہا کہ جب یہ عید ہے تو عید کے وقت میں اس کی ادائیگی جائز ہوئی۔ لیکن صرف عید کہہ دینے سے یہ لازم نہیں آیا کہ اس پر عید کے سب احکام جاری ہو جائیں (جمعہ آیت قرآنی سے فرض ہوا جب کہ عید حدیث و سنت سے ثابت ہوئی ہے۔ عید کے دن روزہ حرام ہے بخلاف جمعہ کے دن کے وغیرہ)

مولاناؒ نے فرمایا کہ یہ اختلاف جو مذکور ہوا یہ جمعہ کے فرض میں ہے۔ جہاں تک سنن و نوافل کا تعلق ہے تو امام

ابوحنیفہ نے نصف النہار میں انہیں مکروہ ٹھہرایا ہے، یہی قول محمدؒ کا ہے۔ اور ابو یوسف نے انہیں جائز رکھا ہے۔ درمختار میں ہے کہ اس وقت میں نماز مطلقاً حرام ہے چاہے قضا ہو یا واجب، نفل ہو یا نماز جنازہ اور سجدۂ تلاوت، سوائے جمعہ کے دن کے (یعنی بقول ابی یوسفؒ) لیکن حنفیہ کی عبارات اوپر کے بیان کردہ اختلاف ائمہ کے باعث مختلف ہوگئی ہیں۔ قولِ محتاط وہی ابوحنیفہؒ کا قول ہے کیونکہ حرمت کی صحیح حدیث مسلم میں موجود ہے اور اسی بنا پر علمائے احناف نے ان اوقاتِ کراہت میں تحیۃ الوضوء، تحیۃ المسجد اور طواف کی دو رکعتوں کو بھی جائز نہیں رکھا کیونکہ حرمت اباحت پر مقدم ہوتی ہے اور شافعیہ نے جو ایک حدیث کی بنا پر حرم کعبہ میں طواف کی رکعتوں اور دیگر نوافل کو اوقاتِ ممنوعہ میں جائز کہا ہے ہمارے نزدیک وہ اوقاتِ نہی کے علاوہ دوسرے اوقات کے متعلق ہے۔ وہ حدیث یہ ہے: اے بنی عبد مناف! کسی کو اس گھر کا طواف کرنے اور نماز سے مت روکو، وہ دن رات کی جس گھڑی میں چاہے ایسا کرے۔ مولاناؒ نے فرمایا کہ ہمارے علماء کے نزدیک جمعہ کے دن کا استثناء اور حرم کا استثناء، اوقاتِ ممنوعہ کے حکم سے باہر نہیں ہے۔

بَابُ وَقْتِ الْجُمُعَةِ

وقتِ جمعہ کا باب

١٠٨٦۔ حَدَّثَنَا الْحَسَنُ بْنُ عَلِيٍّ نَا زَيْدُ بْنُ الْحُبَابِ حَدَّثَنِي فُلَيْحُ بْنُ سُلَيْمَانَ حَدَّثَنِي عُثْمَانُ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ التَّيْمِيُّ سَمِعْتُ أَنَسَ بْنَ مَالِكٍ يَقُولُ كَانَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُصَلِّي الْجُمُعَةَ إِذَا مَالَتِ الشَّمْسُ۔

انس بن مالکؓ کہتے تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جمعہ اس وقت پڑھتے جب سورج ڈھل جاتا (یہ حدیث بخاری اور ترمذی میں موجود ہے اور بقول حافظ اس سے حضورؐ کی اس وقت پر مداومت ثابت ہوتی ہے)

١٠٨٧۔ حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ يُونُسَ نَا يَعْلَى بْنُ الْحَارِثِ سَمِعْتُ إِيَاسَ بْنَ سَلَمَةَ بْنِ الْأَكْوَعِ يُحَدِّثُ عَنْ أَبِيهِ قَالَ كُنَّا نُصَلِّي مَعَ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْجُمُعَةَ ثُمَّ نَنْصَرِفُ وَلَيْسَ لِلْحِيطَانِ فَيْءٌ۔

سلمہ بن اکوعؓ نے کہا کہ ہم لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ جمعہ پڑھتے تھے، پھر واپس آتے تو ابھی دیواروں کا سایہ نہیں ہوتا (بخاری، مسلم، نسائی اور ابن ماجہ نے بھی یہ حدیث روایت کی ہے)

شرح: سائے سے مراد دوسری روایت کے مطابق اتنا سایہ ہے جسے سورج کی تپش سے بچنے کے لیے استعمال کیا جا سکے۔ یعنی دیواروں کا سایہ ابھی بہت تھوڑا ہوتا تھا۔ دیواروں سے مراد مغربی دیواریں ہیں جن کا سایہ مشرق کو پڑتا تھا۔ مولانا گنگوہیؒ نے فرمایا کہ دوسری روایت سے اس سائے کی تفسیر واضح ہو چکی ہے۔ اگر مطلقاً سائے کی نفی مراد

لی جائے تو ایسا کبھی نہیں ہوتا، نہ قبل از زوال نہ بعد از زوال۔ بالکل نصف النہار میں بھی جہت شمال کو اصلی سایہ ضرور ہوتا ہے۔

۱۰۸۸۔ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ كَثِيرٍ أَنَا سُفْيَانُ عَنْ أَبِي حَازِمٍ عَنْ سَهْلِ بْنِ سَعْدٍ قَالَ كُنَّا نَقِيلُ وَنَتَغَدَّى بَعْدَ الْجُمُعَةِ۔

سہل بن سعدؓ نے کہا کہ ہم لوگ قیلولہ بعد از جمعہ کرتے اور دوپہر کا کھانا جمعہ کے بعد کھاتے تھے (یہ حدیث بخاری، مسلم اور ابن ماجہ نے بھی روایت کی ہے)

شرح: نقیل اور قیلولہ دوپہر کے وقت کا آرام ہے، چاہے اس کے ساتھ نیند ہو چاہے نہ ہو۔ قبل از زوال نماز جمعہ کو جائز رکھنے والوں نے اس حدیث سے استدلال کیا ہے۔ وجہ استدلال یہ ہے کہ دوپہر کے کھانے اور قیلولہ کا محل قبل از زوال ہوتا ہے اور جب نماز جمعہ اس سے بھی پہلے ادا ہوتی تھی تو ظاہر ہے کہ وہ لازماً قبل از زوال ہوتی ہوگی۔ اور یہ بات بھی ثابت شدہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دو خطبے دیتے، ان کے درمیان جلسہ فرماتے اور خطبے میں قرآن پاک کی قرأت فرماتے، سورۂ ق، سورۂ تبارک جیسی سورتیں پڑھتے اور لوگوں کو نصیحت فرماتے تھے۔ پھر صلاۃ جمعہ میں سورۂ جمعہ اور المنافقون کی قرأت کرتے تھے۔ اگر آپ کا خطبہ اور نماز بعد زوال ہوتی تھی تو دیواروں کا سایہ بڑھ چکا ہوتا اور دوپہر کے کھانے اور قیلولہ کا وقت نکل چکا ہوتا۔ اس کا جواب یہ ہے کہ یہ حدیث جمعہ کی تبکیر وتعجیل میں وارد ہوئی ہیں جیسے کہ بخاری میں انس بن مالک کی روایت میں ہے کہ: ہم جمعہ کے لیے جلدی جاتے تھے اور قیلولہ جمعہ کے بعد کرتے تھے۔ حافظ ابن حجرؒ نے کہا کہ اس حدیث کا ظاہر بتاتا ہے کہ وہ لوگ نماز جمعہ دن کے پہلے نصف میں پڑھتے تھے، مگر تعارض کا دعویٰ کرنے سے بہتر ہے کہ احادیث کا طریق اختیار کیا جائے۔ تبکیر کا معنی ہے کسی کام کو اس کے اول وقت میں کرنا یا دوسرے کاموں پر اسے مقدم کرنا اور اس حدیث میں یہی مراد ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ لوگ پہلے نماز جمعہ پڑھتے پھر قیلولہ کرتے تھے اور یہ اس عادت کے خلاف تھا جو نماز ظہر میں تھی کہ شدید گرمی میں وہ قیلولہ پہلے کرتے تھے اور نماز بعد میں پڑھتے تھے کیونکہ نماز ظہر میں ابراد مشروع تھا۔ پس یہ قیلولہ اور دوپہر کا کھانا چونکہ اصل قیلولہ اور غداء کے قائم مقام تھے لہذا ان کا وہی نام رکھا گیا مجازاً غداء کا لفظ بولا ہے، سو کیا کوئی شخص اگر اس حدیث میں لفظ غداء سے استدلال کرتے ہوئے فجر کے بعد سحور کھانے کا قائل ہو تو اس کا یہ استدلال جائز ہوگا؟ جس طرح اس کا استدلال جائز نہیں اسی طرح ان احادیث سے قبل از زوال جمعہ پڑھنے کا استدلال بھی غلط ہے۔ الامیر الیمانی نے سبل السلام میں کہا ہے کہ اس میں قبل الزوال نماز جمعہ پڑھنے کی کوئی دلیل نہیں کیونکہ اور مدینہ کے لوگ قیلولہ اور دوپہر کا کھانا نماز ظہر کے وقت کھاتے ہیں۔ ہاں! حضور صلی اللہ علیہ وسلم اول وقت زوال میں نماز جمعہ کی ادائیگی جلدی فرماتے تھے برخلاف نماز ظہر کے، کیونکہ ظہر کی نماز کو آپؐ اس وقت کے بعد پڑھتے تھے تاکہ لوگ جمع ہو جائیں۔

اور ان کا یہ قول کہ حضور دو خطبے پڑھتے تھے، ان میں جلسہ فرماتے تھے، ان میں قرآن پڑھتے تھے اور طوال مفصل کی دو سورتیں نماز میں پڑھتے تھے، سو یہ مسلم ہے مگر ان کا یہ استدلال مسلم نہیں ہے کہ اگر نماز بعد از زوال ہوتی تو اس سے فارغ ہونے کے بعد دیواروں کا سایہ ہوا کرتا جس میں وہ حضرات دھوپ سے بچتے، کیونکہ حضورؐ کی نماز اور خطبہ مختصر اور معتدل ہوتا تھا پس اس سارے کام پر ایک گھنٹے سے زیادہ وقت صرف نہ ہوتا تھا۔ پس اتنا وقت گزر جانے سے مدینہ کی دیواروں کا سایہ اتنا

طویل نہ ہو سکتا تھا کہ اس کی چھاؤں حاصل کی جاسکے کیونکہ اس وقت میں دیواریں بھی چھوٹی ہوتی تھیں۔

بَابُ النِّدَاءِ يَوْمَ الْجُمُعَةِ ۱۹

جمعہ کے دن اذان کا باب

۱۰۸۹۔ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ سَلَمَةَ الْمُرَادِيُّ نَا ابْنُ وَهْبٍ عَنْ يُونُسَ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ أَخْبَرَنِي السَّائِبُ بْنُ يَزِيدَ أَنَّ الْأَذَانَ كَانَ أَوَّلُهُ حِينَ يَجْلِسُ الْإِمَامُ عَلَى الْمِنْبَرِ يَوْمَ الْجُمُعَةِ فِي عَهْدِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَأَبِي بَكْرٍ وَعُمَرَ فَلَمَّا كَانَ خِلَافَةُ عُثْمَانَ وَكَثُرَ النَّاسُ أَمَرَ عُثْمَانُ يَوْمَ الْجُمُعَةِ بِالْأَذَانِ الثَّالِثِ فَأُذِّنَ بِهِ عَلَى الزَّوْرَاءِ فَثَبَتَ الْأَمْرُ عَلَى ذٰلِكَ۔

سائب بن یزیدؓ نے ابن شہاب کو بتایا کہ پہلے پہل اذان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرات ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما کے وقت میں اس وقت ہوتی تھی جبکہ امام جمعہ کے دن منبر پر بیٹھ جاتا۔ پھر جب حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی خلافت کا دور آیا اور لوگوں کی کثرت ہوگئی تو عثمان رضی اللہ عنہ نے تیسری اذان کا حکم دیا، پس زوراء پر یہ اذان دی گئی پھر معاملہ اسی پر قائم ہوگیا۔ (یہ حدیث بخاری، نسائی، ترمذی اور ابن ماجہ میں بھی ہے)

شرح: حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور شیخین رضی اللہ عنہما کے عہد میں خطبہ کی اذان سے قبل اذان نہ تھی۔ حضرت عثمانؓ کی قائم کردہ اذان کو یہاں تیسری اذان کہا گیا ہے (اذان + اذان + اقامت) اور دوسری بعض احادیث میں اسے پہلی اذان کہا گیا ہے ان دونوں میں کوئی تعارض نہیں کیونکہ عملاً تو یہ پہلی اذان ہے اور اضافے کے لحاظ سے تیسری۔ بعض روایات میں اسے دوسری اذان کہا گیا ہے۔ انہیں اقامت کو خارج کرکے یہ گنتی ظاہر کی گئی ہے۔ بخاری نے صحیح میں کہا ہے کہ زوراء مدینہ میں بازار کے اندر ایک جگہ کا نام تھا۔ حافظ ابن حجر نے کہا ہے کہ بظاہر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے خلیفہ مطاع ہونے کے باعث اسی زمانے میں ان کے اس فعل پر لوگوں کا تمام شہروں میں عمل شروع ہوگیا تھا۔ ابن ابی شیبہ میں جو ابن عمرؓ کا ایک اثر ہے کہ: پہلی اذان جمعہ کے دن بدعت ہے۔ اس سے یہی مراد ہے کہ یہ حضورؐ کے دور میں نہ تھی، گویا لغوی طور پر بدعت کہا گیا ہے اس سے یہ مراد نہیں کہ یہ بدعت شرعیہ یا بالفاظ دیگر بدعت سیئہ تھی۔ یوں تو تراویح کے باجماعت قیام کو بھی حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اسی لفظ بدعت سے تعبیر فرمایا تھا۔ حضورؐ کا ارشاد ہے کہ: میری سنت اور میرے ہدایت یافتہ خلفائے راشدین کی سنت کو مضبوط تھام لو اور کچلیوں کے ساتھ پکڑ لو۔ حافظ صاحب نے لکھا ہے کہ بعض علاقوں میں جو قبل از صلوٰۃ جمعہ دعاء اور صلوٰۃ وسلام کا رواج ہوگیا ہے یہ سلف صالحین کے دور میں نہ تھا اور انہی کا اتباع اولیٰ ہے۔

۱۰۹۰۔ حَدَّثَنَا النُّفَیْلِیُّ نَا مُحَمَّدُ بْنُ سَلَمَةَ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ إِسْحَاقَ عَنِ الزُّهْرِيِّ عَنِ السَّائِبِ بْنِ يَزِيدَ قَالَ كَانَ يُؤَذَّنُ بَيْنَ يَدَيْ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا جَلَسَ عَلَى الْمِنْبَرِ يَوْمَ الْجُمُعَةِ عَلَى بَابِ الْمَسْجِدِ وَأَبِي بَكْرٍ وَعُمَرَ ثُمَّ سَاقَ نَحْوَ حَدِيثِ يُونُسَ۔

سائب بن یزیدؓ نے کہا کہ جمعہ کے دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب منبر پر بیٹھ جاتے تو آپ کے سامنے مسجد کے دروازے پر اذان ہوتی تھی، اور ابو بکر و عمر رضی اللہ عنہما کے وقت میں بھی ایسا ہی ہوتا تھا پھر ابن اسحاقؒ نے یونس کی گزشتہ حدیث کی مانند حدیث بیان کی۔

شرح: قسطلانی شرح بخاری میں ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے جس اذان کا اضافہ کیا تھا وہ جمعہ کا وقت داخل ہونے پر ہوتی تھی۔ یہ حضرت عثمان کا اجتہاد تھا اور بقیہ اصحاب نے سکوت کے ساتھ اور عدم انکار کے ساتھ اس کی موافقت کی تھی پس یہ سکوتی اجماع ہو گیا تھا۔ اقامت کو اذان تغلیباً کہا جاتا ہے کیونکہ اس میں بھی اذان کی مانند اعلام ہوتا ہے۔ مولانا نے فرمایا ہے کہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے اور مسجد کے دروازے پر، ان دونوں میں کوئی تعارض نہیں، کیونکہ مسجد کا یہ دروازہ جانب شمال تھا (حضورؐ کی مسجد کا قبلہ جنوب میں ہے) پس جب آپ خطبے کے لیے منبر پر رونق افروز ہوتے تھے تو یہ دروازہ بھی آپ کے سامنے ہوتا تھا۔ سامنے ہونے سے مراد یہ نہیں کہ بالکل سامنے ہوتا تھا، اگر آپ کی محاذات میں دائیں یا بائیں بھی، دیوار پر، یا زمین پر اذان ہوتی تو بہر حال وہ آپ کے سامنے ہوتی تھی۔ اس حدیث سے یہ استدلال بھی کیا گیا ہے کہ مسجد کے اندر اذان مکروہ ہے کیونکہ مسجد کا دروازہ اس سے باہر تھا، پس جب وہاں اذان دی گئی تو مسجد کے اندر مشروع نہ ہوئی۔ لیکن حدیث کا لفظ: بَيْنَ يَدَيْ رَسُولِ اللَّهِ صلی اللہ علیہ وسلم، اس استدلال کے خلاف ہے۔

۱۰۹۱۔ حَدَّثَنَا هَنَّادُ بْنُ السَّرِيِّ نَا عَبْدَةُ عَنْ مُحَمَّدٍ يَعْنِي ابْنَ إِسْحَاقَ عَنِ الزُّهْرِيِّ عَنِ السَّائِبِ قَالَ لَمْ يَكُنْ لِرَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِلَّا مُؤَذِّنٌ وَاحِدٌ بِلَالٌ ثُمَّ ذَكَرَ مَعْنَاهُ۔

سائبؓ نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فقط ایک مؤذن بلالؓ تھا، پھر راوی نے گزشتہ حدیث کا معنیٰ ذکر کیا۔

شرح: صحیح حدیث میں ثابت ہے کہ عبداللہ بن ام مکتومؓ بھی حضورؐ کا مؤذن تھا، اسی لیے آپ نے فرمایا کہ جب تک ابن ام مکتوم کی اذان نہ سنو کھاتے پیتے رہا کرو۔ اسی طرح حضورؐ کے مؤذنوں میں سعد القرظؓ، ابو محذورہؓ اور الحارث الصدائی کا نام بھی آتا ہے۔ پس اس حدیث میں جو نفی ہے در نمازِ جمعہ کے مؤذن کی ہے اور یہ منقول نہیں ہے کہ جمعہ کی اذان حضورؐ کے عہد میں بلالؓ کے سوا کسی اور نے دی ہو۔ سعد القرظؓ کو حضورؐ نے مسجد قبا کا مؤذن مقرر فرمایا تھا، ابو محذورہؓ کو مکہ کا،

حارث رضی اللہ عنہ نے اذان سیکھی تھی تاکہ اپنی قوم کا مؤذن بنے۔ حافظ ابن حجر نے کہا ہے کہ شاید راوی یہ کہنا چاہتا تھا کہ حضور کے وقت میں جمعہ کے لیے ایک ہی اذان ہوتی تھی اور اس نے اس مطلب کو ایک مؤذن کے لفظ سے ظاہر کیا ہے۔ ابن ام مکتوم کی اذان صرف فجر کے لیے ثابت ہے۔

۱۰۹۲۔ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ يَحْيَى بْنِ فَارِسٍ نَا يَعْقُوبُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ بْنِ سَعْدٍ نَا أَبِي عَنْ صَالِحٍ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ أَنَّ السَّائِبَ بْنَ يَزِيدَ ابْنِ أُخْتِ نَمِرٍ أَخْبَرَهُ قَالَ وَلَمْ يَكُنْ لِرَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ غَيْرُ مُؤَذِّنٍ وَاحِدٍ وَسَاقَ هَذَا الْحَدِيثَ وَلَيْسَ بِتَمَامِهِ۔

سائب بن یزید ابن اخت نمر نے ابن شہاب کو بتایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا صرف ایک مؤذن تھا، اور پھر راوی نے یہی حدیث بیان کی مگر یہ روایت پوری نہیں ہے (نمر بن جبل سائب کے باپ کا ماموں تھا لہٰذا سائب رضی اللہ عنہ کو نمر کا بھانجا کہا جاتا تھا)

بَابُ الْإِمَامِ يُكَلِّمُ الرَّجُلَ فِي خُطْبَتِهِ

امام کے خطبہ کی اثناء میں کسی سے بات کرنے کا باب

۱۰۹۳۔ حَدَّثَنَا يَعْقُوبُ بْنُ كَعْبٍ الْأَنْطَاكِيُّ نَا مَخْلَدُ بْنُ يَزِيدَ نَا ابْنُ جُرَيْجٍ عَنْ عَطَاءٍ عَنْ جَابِرٍ قَالَ لَمَّا اسْتَوَى رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَوْمَ الْجُمُعَةِ قَالَ اجْلِسُوا فَسَمِعَ ذَلِكَ ابْنُ مَسْعُودٍ فَجَلَسَ عَلَى بَابِ الْمَسْجِدِ فَرَآهُ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ تَعَالَ يَا عَبْدَ اللَّهِ بْنَ مَسْعُودٍ قَالَ أَبُو دَاوُدَ هَذَا يُعْرَفُ مُرْسَلًا إِنَّمَا رَوَاهُ النَّاسُ عَنْ عَطَاءٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَمَخْلَدٌ هُوَ شَيْخٌ۔

جابر رضی اللہ عنہ نے کہا کہ جمعہ کے دن جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم منبر پر تشریف فرما ہوئے تو فرمایا: بیٹھ جاؤ۔ یہ بات ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے سنی تو وہ مسجد کے دروازے پر ہی بیٹھ گئے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں دیکھا تو فرمایا: اے عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ آگے آؤ۔ ابوداؤد نے کہا کہ یہ روایت مرسل کے طور پر معروف ہے، لوگوں نے اسے عطاء سے اور اس نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کیا۔ اور مخلد راوی ایک شیخ (بزرگ) ہے۔

شرح : ابو داؤد کا مطلب یہ ہے کہ مخلّد نے جو ایک شیخ ہے اس روایت کو مرفوعًا روایت کیا ہے دوسرے لوگ مرسل روایت کرتے ہیں۔ شیخ کا لفظ اصطلاح جرح و تعدیل میں معمولی تعدیل کے لیے بولتے ہیں۔ مخلد بن یزید حرّانی کو اگرچہ احمد بن حنبلؒ نے واہی قرار دیا ہے مگر بقول منذری یہ صحیحین کا راوی ہے۔ ابن حجرؒ نے لکھا ہے کہ امام کے منبر پر آجانے کے بعد اجماعًا نماز پڑھنا حرام ہے، حضورؐ نے بظاہر کسی شخص کو اس حال میں نماز پڑھتے دیکھ کر یہ فرمایا تو عبد اللہؓ وہیں دروازے پر بیٹھ گئے جنہیں بعد میں حضورؐ نے خود بلایا۔ امام کے لیے کوئی ایسا کلام جو شرعی مصلحت سے ہو جائز ہے ورنہ مکروہ۔

بَابُ الْجُلُوْسِ إِذَا صَعِدَ الْمِنْبَرَ

منبر پر چڑھ کر بیٹھنے کا باب

۱۰۹۴۔ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ سُلَيْمَانَ الْأَنْبَارِيُّ نَا عَبْدُ الْوَهَّابِ يَعْنِي ابْنَ عَطَاءٍ عَنِ الْعُمَرِيِّ عَنْ نَافِعٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَخْطُبُ خُطْبَتَيْنِ كَانَ يَجْلِسُ إِذَا صَعِدَ الْمِنْبَرَ حَتّٰى يَفْرُغَ أُرَاهُ الْمُؤَذِّنُ ثُمَّ يَقُوْمُ فَيَخْطُبُ ثُمَّ يَجْلِسُ فَلَا يَتَكَلَّمُ ثُمَّ يَقُوْمُ فَيَخْطُبُ۔

ابن عمرؓ نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دو خطبے دیا کرتے تھے، جب منبر پر چڑھتے تو بیٹھ جاتے تھے حتیٰ کہ مؤذن فارغ ہو جاتا، پھر خطبہ دیتے، پھر بیٹھ جاتے تو کوئی بات نہ کرتے، پھر کھڑے ہوتے تو خطبہ دیتے تھے۔ (نافع کا شاگرد عمریؒ، عبد اللہ بن عمر بن حفص بن عاصم بن عمر بن الخطابؓ، بعض محدثین کے نزدیک متکلم فیہ ہے)

بَابُ الْخُطْبَةِ قَائِمًا

کھڑے ہو کر خطبہ دینے کا باب

۱۰۹۵۔ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ مُحَمَّدٍ النُّفَيْلِيُّ نَا زُهَيْرٌ عَنْ سِمَاكٍ عَنْ جَابِرِ بْنِ سَمُرَةَ أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَخْطُبُ قَائِمًا ثُمَّ يَجْلِسُ ثُمَّ يَقُوْمُ فَيَخْطُبُ قَائِمًا فَمَنْ حَدَّثَكَ أَنَّهُ كَانَ يَخْطُبُ جَالِسًا فَقَدْ كَذَبَ فَقَدْ وَاللّٰهِ صَلَّيْتُ مَعَهُ أَكْثَرَ مِنْ أَلْفَيْ صَلٰوةٍ۔

جابر بن سمرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کھڑے ہو کر خطبہ دیتے تھے پھر بیٹھتے پھر اٹھتے (تو کھڑے

ہو کر خطبہ دیتے، پس جو تجھے یہ بتائے کہ آپ بیٹھ کر خطبہ دیتے تھے اس نے جھوٹ بولا کیونکہ واللہ میں نے آپ کے ساتھ دو ہزار سے زیادہ نمازیں پڑھی تھیں۔ (اس حدیث کو مسلم، نسائی اور ابن ماجہ نے بھی روایت کیا)

شرح: منبر بننے سے پہلے آپ زمین پر کھڑے ہو کر خطبہ دیتے تھے، جب منبر بن گیا تو اس پر کھڑے ہو کر خطبہ دیتے تھے۔ دنیا کے تمام مسلم شہروں میں اسی پر عمل ہے۔ شوکانی نے کہا کہ اس کے وجوب میں اختلاف ہے، جمہور کے نزدیک واجب ہے اور امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک سنت ہے۔ جمہور نے قیام کے وجوب پر اس حدیث سے استدلال کیا ہے اور دیگر صحیح احادیث سے بھی۔ ابن ابی شیبہ نے طاؤس سے نقل کیا کہ انہوں نے کہا: کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور ابوبکر و عمر و عثمان رضی اللہ عنہم نے کھڑے ہو کر خطبہ دیا تھا اور سب سے پہلا شخص جس نے منبر پر بیٹھ کر خطبہ دیا وہ معاویہؓ تھا۔ ابن ابی شیبہ نے ہی شعبی سے روایت کی ہے کہ معاویہؓ نے بیٹھ کر خطبہ تب دیا جبکہ ان کے پیٹ کی چربی اور گوشت زیادہ ہو گیا، اور اس میں شک نہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور خلفائے راشدینؓ سے یہی ثابت ہے کہ خطبہ کھڑے ہو کر دیا جائے لیکن صرف فعل وجوب کا فائدہ نہیں دیتا۔ البدائع میں ہے کہ کھڑے ہو کر خطبہ دینا سنت ہے مگر شرط نہیں ہے، حتیٰ کہ کوئی آدمی اگر بیٹھ کر خطبہ دے تو ظاہر نص کی وجہ سے ہمارے نزدیک جائز ہے اور اسی طرح حضرت عثمانؓ سے مروی ہے کہ جب وہ بوڑھے ہو گئے تو بیٹھ کر خطبہ دیتے تھے اور صحابہؓ میں سے کسی نے اس پر نکیر نہ کی، لیکن مختار یہی ہے کہ قیام مسنون ہے کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کھڑے ہو کر خطبہ دیتے تھے۔ میں گزارش کرتا ہوں کہ حضور صلی اللہ علیہ نے مرض کی شدت کے دنوں میں منبر پر بیٹھ کر خطبہ دیا تھا گو آپ کی عادت خطبہ میں یہی تھی کہ جمعہ ہو یا غیر جمعہ، کھڑے ہو کر خطبہ دیا کرتے تھے۔ لیکن یہ جمعہ کا خطبہ نہ تھا لہٰذا اسے شاید یہاں پر استدلال میں پیش نہ کیا جا سکے۔

علامہ شوکانی نے کہا ہے کہ دو خطبوں کے درمیان جلوس کے متعلق بھی اختلاف ہوا ہے پس شافعیؒ اور امام یحییٰ (شاید کوئی زید امام ہے) اس کے وجوب کی طرف گئے ہیں اور جمہور کے نزدیک وہ غیر واجب ہے۔ وجوب کے قائلین نے حضورؐ کے فعل سے اور اس قول سے استدلال کیا ہے کہ فرمایا: صَلُّوْا كَمَا رَأَيْتُمُوْنِي أُصَلِّي۔ اور یہ استدلال اثبات وجوب میں کافی نہیں ہے۔ اور دو خطبوں کے متعلق بھی اختلاف ہے پس ائمہ عترت اور امام شافعیؒ ان کے وجوب کے ہیں۔ اور عراقی نے ترمذی کی شرح میں مالکؒ، ابوحنیفہؒ، اوزاعیؒ، اسحاقؒ ابن راہویہ، ابوثورؒ، ابن المنذر اور ایک روایت میں احمد بن حنبلؒ سے نقل کیا کہ ایک خطبہ واجب ہے، عراقی نے کہا کہ جمہور علماء کا مذہب یہی ہے۔ اور وجوب کے قائل صرف فعل سے استدلال کرتے ہیں اور اس کے ساتھ یہ قول ملاتے ہیں: صَلُّوْا كَمَا رَأَيْتُمُوْنِي أُصَلِّي، اور تمہیں معلوم ہی ہے کہ اس سے وجوب ثابت نہیں ہوتا۔

مولاناؒ نے فرمایا کہ حنفیہ نے خطبے کے واجب اور شرط ہونے پر کئی طرح سے استدلال کیا ہے (۱) اللہ تعالیٰ کا قول، فَاسْعَوْا إِلَىٰ ذِكْرِ اللَّهِ اور خطبہ بھی ذکر اللہ ہے پس خطبہ ذکر اللہ کی طرف سعی کرنے کے وجوب میں ذکر اللہ ہونے کی حیثیت سے داخل ہے۔ یا ذکر اللہ سے مراد ہے ہی خطبہ، پس یہ امر خطبہ کی طرف سعی کرنے کا وجوب ثابت کرتا ہے اور یہ خود خطبہ کے وجوب کی دلیل ہے اور اس کے شرط ہونے کی بھی کیونکہ جمعہ اس کے بغیر منعقد نہیں ہوتا (۲) جناب عمرؓ اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ انہوں نے فرمایا جمعہ کی نماز میں قصر ہی خطبہ کے باعث ہوا ہے۔ گویا نصف نماز خطبہ کے باعث ساقط ہو گئی ہے اور وہ فرض تھی لہٰذا اس چیز کے حصول کے لیے ساقط ہو سکتی تھی جو خود فرض ہو (۳) جمعہ کے سبب

ظہر کو ترک کرنا نص سے ثابت ہے اور نص اس ہیئت پر وارد ہے جو وجوب خطبہ کی دلیل ہے (البدائع)
جابر بن سمرہؓ کا یہ قول کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ دو ہزار سے زائد نمازیں پڑھی تھیں، یہ ثابت نہیں کرتا کہ ان نمازوں سے مراد نماز جمعہ ہے کیونکہ جمعہ کی فرضیت سے لے کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات شریف تک اس قدر بلکہ اس سے نصف بھی صلاۃ جمعہ کی تعداد نہیں تھی پس اس سے مراد نماز پنج گانہ ہے (نوویؒ)

۱۰۹۶۔ حَدَّثَنَا إِبْرَاهِيمُ بْنُ مُوسَى وَعُثْمَانُ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ الْمَعْنَى عَنْ أَبِي الْأَحْوَصِ نَا سِمَاكٌ عَنْ جَابِرِ ابْنِ سَمُرَةَ قَالَ كَانَ لِرَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خُطْبَتَانِ يَجْلِسُ بَيْنَهُمَا يَقْرَأُ الْقُرْآنَ وَيُذَكِّرُ النَّاسَ۔

جابرؓ بن سمرہ نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دو خطبے ہوتے تھے، ان کے درمیان بیٹھتے، قرآن پڑھتے اور لوگوں کو نصیحت فرماتے تھے (مسلم، نسائی اور ابن ماجہ نے بھی اسے روایت کیا ہے)

شرح: قراۃ قرآن سے مراد خطبہ میں قرات ہے جو حنفیہ کے نزدیک سنت ہے اور شافعیؒ کے نزدیک شرط۔ دلیل کی بنا پر حنفی مسلک ہی صحیح ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے مطلق ذکر اللہ کا حکم دیا ہے اور اس میں جلسے اور قراۃ کی قید نہیں ہے پس انہیں خبر واحد کی بنا پر شرط نہیں بنایا جا سکتا کیونکہ وہ کتاب اللہ کے حکم کا ناسخ بنے گا، خبر واحد کتاب اللہ کی ناسخ نہیں ہو سکتی ہاں اس کی تکمیل کر سکتی ہے، پس ہم کہتے ہیں کہ جس قدر کتاب اللہ سے ثابت ہوا وہ فرض اور جو خبر واحد سے ثابت ہوا وہ سنت ہے تاکہ بقدر امکان دونوں پر عمل ہو جائے (البدائع)

۱۰۹۷۔ حَدَّثَنَا أَبُو كَامِلٍ نَا أَبُو عَوَانَةَ عَنْ سِمَاكِ بْنِ حَرْبٍ عَنْ جَابِرِ بْنِ سَمُرَةَ قَالَ رَأَيْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَخْطُبُ قَائِمًا ثُمَّ يَقْعُدُ قَعْدَةً لَا يَتَكَلَّمُ وَسَاقَ الْحَدِيثَ۔

جابر بن سمرہؓ نے کہا کہ میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو کھڑے ہو کر خطبہ دیتے دیکھا، پھر تھوڑی دیر خاموش بیٹھ جاتے اور پھر ابو عوانہ راوی نے پوری حدیث بیان کی (امام احمد نے سند میں یہ پوری حدیث بیان کی ہے جس کے آخر میں ہے: پھر اٹھتے اور دوسرا خطبہ منبر پر ہی دیتے، سو جو تجھے کہے کہ آپ بیٹھ کر خطبہ دیتے تھے اس کی تصدیق نہ کر)

بَابُ ۲۳ الرَّجُلِ يَخْطُبُ عَلَى قَوْسٍ

اس شخص کا باب جو کمان پر خطبہ دے

۱۰۹۸۔ حَدَّثَنَا سَعِيدُ بْنُ مَنْصُورٍ نَا شِهَابُ بْنُ خِرَاشٍ حَدَّثَنَا شُعَيْبُ ابْنُ

رُزَيْقٍ الطَّائِفِيِّ قَالَ جَلَسْتُ إِلَى رَجُلٍ لَهُ صُحْبَةٌ مِنْ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُقَالُ لَهُ الْحَكَمُ بْنُ حَزْنٍ الْكُلَفِيُّ فَأَنْشَأَ يُحَدِّثُنَا قَالَ وَفَدْتُ إِلَى رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سَابِعَ سَبْعَةٍ أَوْ تَاسِعَ تِسْعَةٍ فَدَخَلْنَا عَلَيْهِ فَقُلْنَا يَا رَسُولَ اللَّهِ زُرْنَاكَ فَادْعُ اللَّهَ لَنَا بِخَيْرٍ فَأَمَرَ بِنَا أَوْ أَمَرَ لَنَا بِشَيْءٍ مِنَ التَّمْرِ وَالشَّأْنُ إِذْ ذَاكَ دُونٌ فَأَقَمْنَا بِهَا أَيَّامًا شَهِدْنَا فِيهَا الْجُمُعَةَ مَعَ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَامَ مُتَوَكِّئًا عَلَى عَصًا أَوْ قَوْسٍ فَحَمِدَ اللَّهَ وَأَثْنَى عَلَيْهِ كَلِمَاتٍ خَفِيفَاتٍ طَيِّبَاتٍ مُبَارَكَاتٍ ثُمَّ قَالَ أَيُّهَا النَّاسُ إِنَّكُمْ لَنْ تُطِيقُوا أَوْ لَنْ تَفْعَلُوا كُلَّ مَا أُمِرْتُمْ بِهِ وَلَكِنْ سَدِّدُوا وَأَبْشِرُوا قَالَ أَبُو عَلِيٍّ سَمِعْتُ أَبَا دَاوُدَ قَالَ ثَبَّتَنِي فِي شَيْءٍ مِنْهُ بَعْضُ أَصْحَابِي وَقَدْ كَانَ انْقَطَعَ مِنَ الْقِرْطَاسِ۔

شعیب بن رُزیق طائفی نے کہا کہ میں نے ایک شخص کے ساتھ مجلس کی جسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے شرف صحابیت حاصل تھا، اُسے حکم بن حزن کلفی کہا جاتا تھا۔ پس وہ ہمیں حدیث سُنانے لگا، اس نے کہا کہ میں وفد کے سات میں سے ساتواں یا نو میں سے نواں شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا۔ پس میں نے کہا یا رسول اللہ ہم نے آپ کی زیارت کر لی ہے آپ ہمارے لیے خیر کی دعا فرمائیں۔ پس حضورؐ نے ہمارے لیے کچھ کھجوروں کا حکم دیا اور حالات اس وقت ذرا پتلے تھے۔ پس ہم مدینہ میں کچھ ٹھہرے رہے ان میں ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ جمعہ میں حاضر ہوئے، پس آپ ایک عصا یا کمان کا سہارا لے کر کھڑے ہوئے، پس اللہ کی حمد بیان کی اور اس کی ثنا بیان کی، یہ چند خفیف پاکیزہ مبارک کلمے تھے، پھر فرمایا اے لوگو! تمہیں ہر حکم جو دیا گیا ہے اس کی تمہیں طاقت نہ ہو گی یا تم نہ کرو گے لیکن استقامت اختیار کرو اور بشارت پاؤ۔ ابو داؤد کا شاگرد ابو علی لؤلؤی کہتا ہے کہ میں نے ابو داؤد سے سُنا کہ اس حدیث کے بعض حصے مجھے بعض دوستوں نے درست کرائے اور وہ حصے کاغذ میں لکھنے سے رہ گئے تھے۔

شرح: اس حدیث کے ایک راوی شہاب بن خراش پر بعض محدثین نے، مثلاً ابن حبان نے، کچھ تنقید کی ہے مگر بقول حافظ اکثر نے اس کی توثیق کی ہے۔ حکم بن حزن نے یہ جو فرمایا کہ حالات اس وقت کچھ اچھے نہ تھے، یہ گویا اس بات کی مقدرت ہے کہ حضورؐ نے ہمیں جو کھجور دیئے جانے کا حکم دیا تھا وہ کچھ زیادہ نہ تھی۔ حنفی علماء نے کہا کہ جب امام ایسے ملک میں خطبہ دینے کو کھڑا ہو جو بزورِ شمشیر فتح ہوا تھا تو بائیں طرف تلوار رکھ کر اس کا سہارا لے تاکہ وہاں کے باشندوں کو یہ احساس ہو کہ یہ ملک مسلمانوں نے بزورِ شمشیر فتح کیا تھا اور وہ تلوار ابھی ان کے ہاتھ میں ہے،

اگر وہ اسلام سے مرتد ہوں گے یا گڑبڑ کریں گے تو اس سے سیدھے کئے جائیں گے۔ اور جو شہر صلح سے فتح ہوا ہو وہاں تلوار لے کر خطبہ نہ دے۔ مدینۃ الرسولؐ قرآن سے فتح ہوا تھا لہٰذا اس میں تلوار کے بغیر، اور مکہ تلوار سے فتح ہوا تھا لہٰذا وہاں تلوار کے ساتھ خطبہ دے۔

۱۰۹۹۔ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ نَا أَبُوْعَاصِمٍ نَا عِمْرَانُ عَنْ قَتَادَةَ عَنْ عَبْدِ رَبِّهٖ عَنْ أَبِيْ عِيَاضٍ عَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ إِذَا تَشَهَّدَ قَالَ الْحَمْدُ لِلّٰهِ نَسْتَعِيْنُهٗ وَنَسْتَغْفِرُهٗ وَنَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنْ شُرُوْرِ أَنْفُسِنَا مَنْ يَّهْدِهِ اللّٰهُ فَلَا مُضِلَّ لَهٗ وَمَنْ يُّضْلِلْ فَلَا هَادِيَ لَهٗ وَأَشْهَدُ أَنْ لَّا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَأَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ أَرْسَلَهٗ بِالْحَقِّ بَشِيْرًا وَّنَذِيْرًا بَيْنَ يَدَيِ السَّاعَةِ مَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ فَقَدْ رَشَدَ وَمَنْ يَّعْصِهِمَا فَإِنَّهٗ لَا يَضُرُّ إِلَّا نَفْسَهٗ وَلَا يَضُرُّ اللّٰهَ شَيْئًا۔

ابن مسعودؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب خطبہ دیتے تو فرماتے: اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ وَنَسْتَعِيْنُهٗ الخ تعریف اللہ ہی کے لیے ہے، ہم اس سے مدد چاہتے ہیں اور اس سے مغفرت مانگتے ہیں اور اپنے نفوس کی برائیوں سے اللہ کی پناہ لیتے ہیں جسے اللہ ہدایت دے اسے گمراہ کرنے والا کوئی نہیں اور جسے گمراہ کرے اس کی راہنمائی کرنے والا کوئی نہیں۔ اور میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور میں گواہی دیتا ہوں کہ محمدؐ اللہ کا بندہ اور اس کا رسول ہے جسے حق کے ساتھ قیامت کے سامنے بشیر و نذیر بنا کر بھیجا، جس نے اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کی وہ ہدایت یاب ہوا اور جس نے ان کی نافرمانی کی وہ اپنے سوا کسی کا نقصان نہیں کرتا اور اللہ کو کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتا۔

شرح: اس حدیث کی سند میں عمران القطان بن داور بصری راوی کے متعلق عفان نے کہا کہ وہ ثقہ ہے اور بخاری نے اس سے استشہاد کیا ہے۔ یحییٰ بن معین نے کہا کہ وہ ضعیف الحدیث ہے اور ایک مرتبہ کہا کہ: وہ کچھ نہیں۔ یزید بن زریع نے کہا کہ وہ حروری (خارجی) تھا اور مسلمانوں کا قتل جائز رکھتا تھا (منذری)۔ العز بن عبدالسلام کا قول ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خصائص میں سے یہ بھی تھا کہ آپ کے لیے اللہ تعالیٰ کی ضمیر اور اپنی ضمیر کو تثنیہ لانا جائز تھا، حدیث صحیح میں ہے کہ کمال ایمان یہ ہے کہ: اَنْ يَّكُوْنَ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ احب اليه مما سواهما " اللہ اور اس کا رسول اس کے نزدیک اوروں سے محبوب تر ہو جائیں"۔ شوکانی نے کہا ہے کہ اس حدیث کی رو سے اور مَنْ يَّعْصِهِمَا کے لفظ سے، اللہ تعالیٰ کو اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ضمیر میں جمع کرنا جائز ہے۔ اور حدیث صحیح میں: اَنْ يَّكُوْنَ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ اَحَبَّ اِلَيْهِ مِمَّا سِوَاهُمَا آیا ہے۔ اور جنگ خیبر کے دن کی منادی کے الفاظ تھے: اِنَّ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ يَنْهَيَانِكُمْ عَنْ لُحُوْمِ الْحُمُرِ الْاَهْلِيَّةِ۔ " اللہ اور اس کا رسول تمہیں گھریلو گدھوں کے گوشت سے منع کرتے ہیں"۔ لیکن صحیح مسلم، سنن ابی داؤد اور سنن نسائی میں جو عدیؓ بن حاتم طائی کی حدیث ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، تو بہت برا خطیب ہے، یوں کہہ، وَمَنْ يَّعْصِ اللّٰهَ تَعَالٰى وَرَسُوْلَهٗ فَقَدْ غَوٰى۔ سو بقول نوویؒ

یہ اس پر محمول ہے کہ انکار کا باعث اس میں یہ تھا کہ خطبے میں بسط و ایضاح ہونی چاہیئے اور اشارات و رموز سے اجتناب کیا جانا چاہیئے یہی سبب ہے کہ احادیث سے حضورؐ کے کلام کے متعلق ثابت ہے کہ آپ جب کوئی بات فرماتے تو اسے تین بار دہراتے تھے تاکہ لوگوں کی سمجھ میں آجائے۔ اور: اَنْ یَّکُوْنَ اللّٰہُ وَرَسُوْلُہٗ اَحَبَّ اِلَیْہِ مِمَّا سِوَاھُمَا، وغیرہ میں تثنیہ اس لیے لایا گیا ہے کیونکہ یہ وعظ کا خطبہ نہیں تھا بلکہ ایک حکم کی تعلیم تھی۔ ایسے موقعوں پر الفاظ جتنے کم ہوں ان کا یاد رکھنا اتنا ہی آسان ہو گا۔ وعظ و نصیحت کے خطبوں کا یہ حال نہیں کیونکہ ان کا حفظ کیا جانا مراد و مطلوب نہیں ہوتا بلکہ ان سے نصیحت پذیری مطلوب ہوتی ہے۔ لیکن اس تاویل پر یہ اعتراض وارد ہوتا ہے کہ زیر نظر حدیث تو خطبہ میں وارد ہوئی ہے، پھر اس میں اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو تثنیہ کی ضمیر میں کیوں جمع کیا گیا ہے؟ یہاں پر تو تعلیم احکام مدنظر نہ تھی۔ قاضی عیاضؒ اور دیگر علماء کی ایک جماعت کا قول ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس خطیب پر ضمیر کو اکٹھا کرنے میں اس لیے نکیر فرمائی تھی کہ اس طور پر جمع کرنے میں راوی کا ابہام تھا، لہٰذا آپ نے اُسے عطف کا حکم دیا تاکہ یہ وہم دُور ہو جائے، اور اللہ تعالیٰ کے نام کی تقدیم واقع ہو۔ جیسا کہ ایک اور حدیث میں ہے: تم میں سے کوئی یہ نہ کہے کہ جو اللہ چاہے اور فلاں چاہے بلکہ یوں کہے کہ جو اللہ چاہے پھر فلاں چاہے۔ لیکن اس پر بھی وہ اعتراض وارد ہوتا ہے جو ہم نے پہلے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ کی ضمیر کو اور اپنی ضمیر کو جمع فرمایا تھا۔ اور ممکن ہے کہ یوں کہا جائے: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس خطیب پر اس لیے نکیر فرمائی تھی کہ آپ نے سمجھ لیا تھا یہ شخص برابری کا عقیدہ رکھتا ہے جو اسلامی عقیدے کے خلاف تھا لہٰذا آپ نے اُسے اللہ تعالیٰ کے نام کو اس کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نام پر مقدم کرنے کا حکم دیا تاکہ اس پر واضح ہو جائے کہ اس کا عقیدہ فاسد ہے۔

۱۱۰۰۔ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ سَلَمَةَ الْمُرَادِيُّ اَنَا ابْنُ وَهْبٍ عَنْ يُونُسَ اَنَّهُ سَأَلَ ابْنَ شِهَابٍ عَنْ تَشَهُّدِ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَوْمَ الْجُمُعَةِ فَذَكَرَ نَحْوَهُ قَالَ وَمَنْ يَّعْصِهِمَا فَقَدْ غَوٰى وَنَسْأَلُ اللّٰهَ رَبَّنَا اَنْ يَّجْعَلَنَا مِمَّنْ يُّطِيعُهُ وَيُطِيعُ رَسُولَهُ وَيَتَّبِعُ رِضْوَانَهُ وَيَجْتَنِبُ سُخْطَهُ فَاِنَّمَا نَحْنُ بِهٖ وَلَهٗ۔

یونس نے ابن شہاب سے جمعہ کے دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خطبے کے متعلق سوال کیا تو ابن شہاب نے اوپر کی حدیث کی طرح بیان کیا، اور کہا: وَمَنْ يَّعْصِهِمَا فَقَدْ غَوٰى الخ، اور جو ان کی نافرمانی کرے وہ گمراہ ہو گیا اور ہم اللہ اپنے رب سے سوال کرتے ہیں کہ ہمیں ان لوگوں میں سے کرے جو اس کی اور اس کے رسول کی اطاعت کرتے ہیں اور اس کی رضا کی پیروی کرتے ہیں اور اس کی ناراضی سے گریز کرتے ہیں کیونکہ ہم تو اس کے ساتھ اور اسی کے لیے ہیں (یہ مرسل حدیث ہے)

شرح: اس حدیث کے الفاظ فَقَدْ غَوٰى پر اصل حدیث ختم ہو گئی ہے۔ پھر اس کے بعد کا اضافہ غالباً ابن شہاب کا اپنا ہے۔

۱۱۰۱۔ حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ نَا يَحْيٰى عَنْ سُفْيَانَ بْنِ سَعِيدٍ حَدَّثَنِي عَبْدُ الْعَزِيزِ

بْنُ رُفَيْعٍ عَنْ تَمِيْمٍ الطَّائِيِّ عَنْ عَدِيِّ بْنِ حَاتِمٍ اَنَّ خَطِيْبًا خَطَبَ عِنْدَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ مَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَمَنْ يَّعْصِهِمَا فَقَالَ قُمْ اَوْ اِذْهَبْ بِئْسَ الْخَطِيْبُ اَنْتَ۔

عدی بن حاتمؓ سے روایت ہے کہ ایک خطیب نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس خطبہ دیا تو کہا: مَن يُطِعِ اللہ وَرَسُولَهُ وَمَن يَعْصِهِمَا آپ تو حضورؐ نے فرمایا: اٹھ اور جا، تو بُرا خطیب ہے۔ اس حدیث کو مسلم اور نسائی نے بھی روایت کیا ہے اور ابو داؤد آگے کتاب الادب میں اسے دوبارہ روایت کریں گے۔

شرح: شیخ عزالدینؒ بن عبدالسلام نے کہا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خصائص میں سے یہ بھی ہے کہ آپ نے اپنی ضمیر اللہ تعالیٰ کی ضمیر کو جمع کر کے بیان فرمایا ہے جیسا کہ ارشاد ہے: اَن يَكُونَ اللهُ وَرَسُولُهُ اَحَبَّ اِلَيْهِ مِمَّا سِوَاهُمَا۔ اور اوپر کی حدیث میں مَن يَعْصِهِمَا کا لفظ بھی گزرا ہے۔ اور دوسروں کے لیے یہ ممنوع ہے اس لیے حضورؐ نے اس خطیب پر دونوں ضمیروں کو جمع کرنے پر نکیر فرمائی تھی۔ وجہ یہ کہ جب کوئی ایسا کرے تو اللہ اور اس کے رسول میں برابری کا وہم پیدا ہوتا ہے اور حضورؐ جب ایسا کریں تو یہ وہم نہیں ہو سکتا۔ آپ کا جو منصب ہے وہ اس وہم کے پیدا ہونے میں حائل ہے۔ الفصول المفیدہ میں ہے کہ ان احادیث کو کئی طریقوں سے جمع کیا جا سکتا ہے (۱) یہ کہ دونوں ضمیروں کو جمع کرنا آپ کی خصوصیت ہے کیونکہ آپ مقام ربوبیت کو اس کا حق دیتے ہیں لہٰذا برابری کا وہم نہیں ہو سکتا۔ آپ کی امت میں سے اگر کوئی ایسا کرے تو برابری کا وہم پیدا ہوتا ہے، یہی سبب ہے کہ حضورؐ نے تو ان ضمیروں کو ایک لفظ میں جمع فرمایا مگر خطیب کو الگ الگ ضمیریں لانے کا حکم دیا۔ لیکن اس پر یہ اعتراض وارد ہوتا ہے کہ ابن مسعودؓ کی حدیث میں حضورؐ کی اپنی امت کے لیے تعلیم ہے کہ خطبے میں یوں کہیں اور اس میں وَمَن يَعْصِهِمَا کا لفظ بھی ہے۔ لیکن اس کا جواب یہ ہے کہ جب حضورؐ نے خود سکھایا تو وہ وہم جو برابری کا تھا جاتا رہا۔

یہ بھی کہا جا سکتا ہے کہ ممکن ہے یہ حضورؐ کی خصوصیت نہ ہو کیونکہ خصائص صرف احتمال سے ثابت نہیں ہو سکتے۔ پس اور جواب دیکھئے (۲) حضورؐ نے اس خطیب کو دونوں ناموں کو ایک ضمیر میں جمع کرنے سے اس لیے منع فرمایا تھا کہ وہاں اس وقت بعض ایسے لوگ موجود تھے جن کے اس وہم میں مبتلا ہو جانے کا اندیشہ تھا، اور جب آپ نے دونوں کو خود جمع فرمایا تھا تو یہ خدشہ موجود نہ تھا (۳) حضورؐ کی ممانعت بطور ندب و استحباب تھی کہ اولیٰ یہی ہے کہ ایک ضمیر میں جمع کر کے اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ناموں کو بیان نہ کیا جائے کیونکہ اللہ تعالیٰ کے لیے الگ ضمیر لانے میں ہی اس کی اصل تعظیم و اکرام ظاہر ہوتا ہے (۴) آپ کا انکار اُس خطیب اور اس جیسے اوہام مسلکوں کے لیے تھا۔ گویا آپ نے اس کے اس فعل سے یہ سمجھا تھا کہ یہ اللہ اور اس کے رسول میں برابری کرنا چاہتا ہے، اور شاید یہ چوتھا جواب ہی قوی تر ہے۔

مولانا نے فرمایا کہ مذکورۂ بالا تمام وجوہ اس بنا پر ہیں کہ حضورؐ کے انکار کا منشا اُس خطیب کو اللہ اور اس کے رسول کو ایک ضمیر میں جمع کرنا تھا۔ مگر یہ تمام وجوہ جیسا کہ تم دیکھتے ہو مدخول ہیں (یعنی ان میں اصل اعتراض کا دفعیہ نہیں ہوتا) امام طحاویؒ نے مشکل الآثار میں ایک نہایت اچھوتا طریقہ اختیار کیا ہے۔ وہ یہ کہ اس خطیب نے وَمَن يَعْصِهِمَا پر

وقف کیا تھا جس سے کلام میں گڑبڑ ہوگئی، وہ یوں کہ جب اس نے کہا: جو اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرے تو وہ ہدایت پاگیا اور جو ان کی نافرمانی کرے۔ تو اس نے گویا اطاعت اور نافرمانی دونوں کو جمع کر دیا جس کا مفاد یہ تھا کہ فرمانبرداری کرنے والا بھی ہدایت یافتہ ہے اور نعوذ باللہ نافرمانی کرنے والا بھی ایسا ہی ہے۔ پس حضورؐ نے نکیر فرمائی کہ اس طرح وقف کرنے سے تو یہ خلط ملط ہو جاتا ہے اور کلام کا مقصد ہی الٹ جاتا ہے۔ مولانا نے فرمایا کہ طحاویؒ کا یہ عجیب جواب اُس وقت تو ٹھیک بیٹھتا ہے جبکہ وَمَن يَعْصِهِمَا کے بعد: فَقَدْ غَوٰی کا لفظ نہ ہو جیسا کہ ابوداؤد کی اس زیر نظر روایت میں ایسا ہی ہے۔ لیکن مشکل یہ ہے کہ مسلم کی روایت میں یہ لفظ فَقَدْ غَوٰی موجود ہے اور وہاں پر یہ بھی ہے کہ حضورؐ نے اس سے فرمایا: یوں کہہ وَمَنْ يَعْصِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ۔ مگر یہ صرف راوی ابن نمیر کا لفظ ہے۔ پس اس بنا پر ماننا پڑتا ہے کہ واقعی حضورؐ کی نکیر اس بنا پر تھی کہ اُس خطیب نے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک ضمیر میں جمع کیا تھا جو اسے نہیں کرنا چاہیئے تھا۔

۱۱۰۲۔ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ نَا مُحَمَّدُ بْنُ جَعْفَرٍ نَا شُعْبَةُ عَنْ خُبَيْبٍ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ مُحَمَّدِ بْنِ مَعْنٍ عَنْ بِنْتِ الْحَارِثِ بْنِ النُّعْمَانِ قَالَتْ مَا حَفِظْتُ قٓ إِلَّا مِنْ فِيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَخْطُبُ بِهَا كُلَّ جُمُعَةٍ قَالَتْ وَكَانَ تَنُّوْرُ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَتَنُّوْرُنَا وَاحِدًا قَالَ اَبُوْدَاؤدَ قَالَ رَوْحُ بْنُ عُبَادَةَ عَنْ شُعْبَةَ قَالَ بِنْتُ حَارِثَةَ بْنِ النُّعْمَانِ وَقَالَ ابْنُ إِسْحَاقَ أُمُّ هِشَامٍ بِنْتُ حَارِثَةَ بْنِ النُّعْمَانِ۔

بنت الحارث بن النعمانؓ نے کہا کہ میں نے سورۂ قٓ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دہن مبارک سے سُن کر یاد کیا تھا۔ آپ اُسے ہر جمعہ کے خطبے میں پڑھتے تھے۔ اُس نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا تنور اور ہمارا تنور ایک ہی تھا۔ ابوداؤدؒ نے کہا کہ روح بن عبادہ نے شعبہ سے بنت حارثہ بن النعمان روایت کیا ہے اور ابن اسحاقؒ نے کہا کہ ام ہشام بنت حارثہ بن النعمان۔

شرح: یہ اُمّ ہشام حضرت عبدالرحمٰن بن سعد بن زرارہ کی صاحبزادی تھی اور عمرہؓ کی بڑی بہن تھی۔ دونوں ماں شریک بہنیں تھیں تنور ایک ہونے کا ذکر اس نے اس لیے کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ گھریلو مراسم اور قرب ظاہر ہو۔ علامہ شوکانی نے کہا ہے کہ خطبہ میں قرأت قرآن کے استحباب میں تو کوئی اختلاف نہیں، اختلاف صرف وجوب میں ہے اور محل قرأت میں چار اقوال ہیں: (۱) پہلا یہ کہ دونوں خطبوں میں سے کسی ایک میں قرأت ہونی چاہیئے، کسی کی خصوصیت نہیں احادیث کے اطلاق سے یہی ظاہر ہوتا ہے، اور شافعیؒ کا یہی قول ہے (۲) پہلے خطبے میں قرأت ہو۔ یہ ہادی کے اصحاب اور بعض اصحاب شافعیؒ کا مسلک ہے اور ان کی دلیل ابن ابی شیبہ کی ایک مرسل حدیث ہے: شعبیؒ نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جمعہ کے دن جب منبر پہ رونق افروز ہوتے تو لوگوں کی طرف منہ کر کے فرماتے السلام علیکم

اور اللہ تعالیٰ کی حمد و ثناء بیان فرماتے اور ایک سورت پڑھتے پھر بیٹھ جاتے۔ پھر اٹھتے اور خطاب فرماتے تھے۔ اور حضرات ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما بھی یہی کرتے تھے۔ (۳) قرأت دونوں خطبوں میں مشروع ہے اور یہ شافعی فقہائے عراق کا مسلک ہے اور عراقی نے کہا ہے کہ حنابلہ میں سے قاضی نے اسے اختیار کیا ہے (۴) قرأت دوسرے خطبے میں ہے نہ کہ پہلے میں، اور اس کی دلیل جابر بن سمرہؓ کی حدیث ہے جو نسائی نے روایت کی ہے کہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کھڑے ہو کر خطبہ دیتے تھے، پھر بیٹھتے اور پھر اٹھ کر کچھ آیات پڑھتے اور اللہ عزوجل کا ذکر کرتے تھے، عراقی نے کہا کہ اس کی سند صحیح ہے۔ اس کا جواب یہ دیا گیا ہے کہ اس میں یقرأ کا لفظ یخطب پر معطوف ہے نہ کہ یقوم پر۔ اور اس باب کی احادیث سے ثابت ہوتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کسی خاص سورت یا آیت کی قرأت کو لازم نہیں سمجھتے تھے، بلکہ خطبے میں کبھی کوئی سورت اور کبھی کوئی اور، کبھی یہ آیت اور کبھی کوئی اور پڑھتے تھے۔

مولانا نے فرمایا کہ حنفیہ کا مذہب یہ ہے کہ قرأت قرآن دونوں میں سے پہلے خطبے میں مسنون ہے۔ مراقی الفلاح میں ہے کہ مسنون یہ ہے کہ پہلے آہستہ سے اعوذ پڑھے۔ پھر اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا کرے، شہادتین پڑھے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر صلاۃ و سلام پڑھے اور وعظ و تذکیر کرے اور قرآنی آیات کی قرأت کرے کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے کہ آپ نے خطبے میں یہ آیت تلاوت فرمائی تھی: وَاتَّقُوْا يَوْمًا تُرْجَعُوْنَ فِيْهِ اِلَى اللّٰهِ الخ۔ اور دوسرے خطبے کی ابتداء میں حمد و ثناء اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر صلاۃ و سلام کا اعادہ مسنون ہے۔ اور اس میں مومن مردوں عورتوں کے لیے دعا کرے۔ البدائع میں ہے کہ خطبے کی سنتوں میں سے ایک یہ ہے کہ دو خطبے پڑھے حسن بن زیاد نے ابوحنیفہؒ سے یہی روایت کی ہے کہ مناسب یہی ہے کہ خطبہ ہلکا سا ہو جسے اللہ تعالیٰ کی حمد و ثناء سے شروع کرے، توحید و رسالت کی شہادت دے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر صلاۃ و سلام پڑھے اور نصیحت کرے اور لوگوں کو ان کے فرائض کی یاد دہانی کرائے اور کوئی سورت پڑھے۔ پھر ایک خفیف سا جلسہ کرے، پھر کھڑا ہو اور دوسرا خطبہ دے جس میں اللہ تعالیٰ کی حمد و ثناء، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر صلاۃ و سلام اور اہل ایمان مردوں اور عورتوں کے لیے دعا ہو۔ اور خطبے کی مقدار طوال مفصل کی سورتوں میں سے کسی کی مقدار پر ہو۔ مولانا فرماتے ہیں کہ اس سے ظاہر ہوا کہ قرآن کی قرأت پہلے خطبے میں مسنون ہے۔ اور بعض کتب حنفیہ سے معلوم ہوتا ہے کہ قرأت دونوں خطبوں میں ہونی چاہیے۔

یہ حدیث مسلم اور نسائی میں بھی روایت ہوئی ہے۔

۱۱۰۳۔ حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ نَا يَحْيٰى عَنْ سُفْيَانَ قَالَ حَدَّثَنِيْ سِمَاكٌ عَنْ جَابِرِ بْنِ سَمُرَةَ قَالَ كَانَتْ صَلٰوةُ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَصْدًا وَّخُطْبَتُهٗ قَصْدًا يَقْرَأُ اٰيَاتٍ مِّنَ الْقُرْاٰنِ وَيُذَكِّرُ النَّاسَ۔

جابر بن سمرہؓ نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز بھی معتدل ہوتی تھی اور آپؐ کا خطبہ بھی معتدل ہوتا تھا۔ قرآن کی کچھ آیات پڑھتے تھے اور لوگوں کو نصیحت فرماتے تھے (یہ حدیث مسلم، نسائی اور ترمذی میں بھی ہے۔ ترمذی نے اسے حدیث حسن صحیح کہا ہے)

شرح: نماز سے مراد جمعہ اور غیر جمعہ سب نمازیں ہیں۔ مسلم نے اس حدیث کے یہ الفاظ روایت کئے ہیں: میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نماز پڑھا کرتا تھا۔ آپ کی نماز بھی معتدل ہوتی تھی اور خطبہ بھی معتدل ہوتا تھا۔ قصد کا معنیٰ ہے کسی چیز میں اعتدال و اقتصاد کا رویہ اختیار کرنا اور تطویل کو ترک کر دینا۔ نووی رح نے کہا ہے کہ اس کا مطلب ہے: نہ زیادہ تطویل ہوتی تھی اور نہ بہت تخفیف ہوتی تھی۔ آپ کی نماز اور خطبہ اس طرح کا اس لیئے ہوتا تھا کہ لوگ اکتا نہ جائیں

۱۱۰۴۔ حَدَّثَنَا مَحْمُوْدُ بْنُ خَالِدٍ نَا مَرْوَانُ نَا سُلَيْمَانُ بْنُ بِلَالٍ عَنْ يَحْيَى بْنِ سَعِيْدٍ عَنْ عَمْرَةَ عَنْ أُخْتِهَا قَالَتْ مَا أَخَذْتُ قٓ وَالْقُرْآنِ إِلَّا مِنْ فِيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَقْرَأُهَا فِيْ كُلِّ جُمُعَةٍ قَالَ أَبُوْ دَاوُدَ كَذَا رَوَاهُ يَحْيَى بْنُ أَيُّوْبَ وَابْنُ أَبِي الرِّجَالِ عَنْ يَحْيَى بْنِ سَعِيْدٍ عَنْ عَمْرَةَ عَنْ أُمِّ هِشَامٍ بِنْتِ حَارِثَةَ بْنِ النُّعْمَانِ۔

عمرہ اپنی بہن (ام ہشام رض) سے روایت کرتی ہے کہ اس نے کہا: میں نے سورہ قاف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دہن مبارک سے سن کر یاد کی تھی، حضور اسے ہر جمعہ میں پڑھتے تھے۔ ابوداؤد نے کہا کہ یحییٰ بن ایوب اور ابن ابی الرجال نے اسے یحییٰ بن سعید سے اس نے عمرۃ رض سے اس نے ام ہشام بنت حارثہ بن نعمان سے اسی طرح روایت کیا ہے (ام ہشام رض کی یہ حدیث اوپر گزر چکی ہے)

شرح: ہو سکتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یہ پوری سورت خطبہ میں پڑھتے ہوں یا کبھی کچھ آیتیں ایک جمعہ میں اور دوسرے یا تیسرے جمعہ میں علی ہذا القیاس۔ اوپر جو حدیث ام ہشام سے گزری اس میں خطبۂ جمعہ میں قرأت کی تصریح ہے مگر اس حدیث میں خطبہ کی صراحت نہیں ہے۔ مسند احمد میں یہ حدیث مروی ہے مگر اس میں یہ صراحت ہے کہ حضور سورۂ قاف کو صبح کی نماز میں پڑھتے تھے اور ام ہشام فرماتی ہیں کہ میں آپ کے پیچھے جماعت میں ہوتی تھی اور حضور سے سن کر یہ سورت یاد کر لی تھی، اور یہی وہ ابن ابی الرجال کی روایت ہے جس کا حوالہ ابوداؤد نے دیا ہے، ظاہر ہے کہ مسند کی حدیث میں صبح کی نماز کا ذکر ہے مگر ابوداؤد اور مسلم کی حدیث عن سلیمان بن بلال میں فی کل جمعۃ کا لفظ ہے جو بظاہر خطبہ کے لیے ہے مگر صراحت نہیں۔ اور یحییٰ بن ایوب کی روایت جو مسلم میں ہے اس میں خطبۂ جمعہ کی صراحت موجود ہے۔ پس بقول مولانا رح، ابوداؤد کا لفظ: کذا رواہ الخ بعید از فہم ہے۔ معلوم نہیں ابوداؤد اس سے کیا ظاہر کرنے چاہتے تھے۔

۱۱۰۵۔ حَدَّثَنَا ابْنُ السَّرْحِ أَنَا ابْنُ وَهْبٍ أَخْبَرَنِيْ يَحْيَى بْنُ أَيُّوْبَ عَنْ يَحْيَى بْنِ سَعِيْدٍ عَنْ عَمْرَةَ عَنْ أُخْتٍ لِعَمْرَةَ بِنْتِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ كَانَتْ أَكْبَرَ مِنْهَا بِمَعْنَاهُ۔

عمرہ نے اپنی ایک بڑی بہن سے یہی حدیث روایت کی ہے اس کا معنیٰ یہی ہے (یہ بڑی بہن وہی ام ہشام بنت حارثہ بن نعمان بن نفع انصاری خزرجی ہیں جن کی روایت اوپر بھی گزری ہے۔ یحییٰ بن ایوب کی جس روایت کا حوالہ ابوداؤد

نے دیا تھا وہ یہ روایت ہے جو مسلم میں بھی بسلسلۂ خطبۂ جمعہ آئی ہے۔ ام ہشام اور عمرہ ماں شریک بہنیں تھیں۔ عمرہ کا نسب یہ ہے: عمرہ بنت عبدالرحمٰن بن سعد بن زرارہ خزرجی انصاری۔ رضی اللہ عنہم)

بَابُ رَفْعِ الْيَدَيْنِ عَلَى الْمِنْبَرِ

منبر پر دونوں ہاتھ اٹھانے کا باب

۱۱۰۶۔ حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ يُونُسَ نَا زَائِدَةُ عَنْ حُصَيْنِ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ قَالَ رَأَى عُمَارَةُ بْنُ رُوَيْبَةَ بِشْرَ بْنَ مَرْوَانَ وَهُوَ يَدْعُو فِي يَوْمِ جُمُعَةٍ فَقَالَ عُمَارَةُ قَبَّحَ اللّٰهُ هَاتَيْنِ الْيَدَيْنِ قَالَ زَائِدَةُ قَالَ حُصَيْنٌ حَدَّثَنِي عُمَارَةُ قَالَ لَقَدْ رَأَيْتُ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَهُوَ عَلَى الْمِنْبَرِ مَا يَزِيدُ عَلَى هٰذِهِ يَعْنِي السَّبَّابَةَ الَّتِي تَلِي الْإِبْهَامَ۔

عمارہ بن رویبہؓ نے بشر بن مروان کو دیکھا اور وہ جمعہ کے دن دعا کر رہا تھا۔ پس عمارہؓ نے کہا: اللہ تعالیٰ ان دو ہاتھوں کا برا کرے۔ زائدہ نے کہا کہ حصین نے کہا عمارہؓ نے مجھ سے حدیث بیان کی، کہا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا درانحالیکہ آپؐ منبر پر تھے، آپ اس انگلی یعنی سبابہ جو انگوٹھے کے ساتھ ہے۔ اس پر اضافہ نہ کرتے تھے (مسلم، ترمذی اور نسائی نے بھی یہ حدیث روایت کی ہے)

شرح: اس رفع الیدین سے مراد نماز والا رفع یدین نہیں بلکہ وہ رفع ہے جو بالعموم واعظ اور خطیب وعظ کے وقت لوگوں کے سامنے ہاتھ اٹھاتے ہیں۔ اس سے دعا کا رفع الیدین بھی مراد نہیں ہے۔ یہ عمارہ بن رویبہؓ صحابی ہیں جو کوفہ میں آ بسے تھے۔ ایک عمارہ بن رویبہ تابعی بھی تھا جسے حضرت علیؓ نے اس کے بچپن میں (اس کی ماں کی طلاق کے بعد) ماں اور باپ میں سے ایک کو اختیار کرنے کا کہا تھا اور اس نے ماں کو اختیار کر لیا تھا۔ بشر بن مروان اپنے بھائی عبدالملک کا کوفہ میں گورنر تھا۔ پس معلوم ہوتا ہے کہ یہ قصہ جامع مسجد کوفہ میں پیش آیا ہوگا۔ بشر نے جو سنت کے خلاف دونوں ہاتھ کھڑے کر کے لوگوں سے خطاب کیا تو عمارہؓ نے ازراہ نکیر اس کے ہاتھوں کے لیے قباحت کی بددعا کی کیونکہ یہ فعل خلاف سنت تھا اور ہر خلاف سنت چیز میں قباحت ہے۔ عمارہؓ کے قول کا مطلب یہ ہے کہ حضورؐ تو بوقت خطاب انگشت شہادت سے اشارہ فرماتے تھے اور یہ کیسا امیر خطیب ہے جو اس کے خلاف پر عمل پیرا ہے۔ اس سے معلوم ہو گیا کہ صحابہ ذرا ذرا خلاف سنت باتوں کے بھی کس قدر خلاف تھے، ان کی ذمہ داری بھی زیادہ تھی کیونکہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے مامور مبلّغ دین تھے۔

۱۱۰۷۔ حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ نَا بِشْرُ بْنُ الْمُفَضَّلِ نَا عَبْدُ الرَّحْمٰنِ يَعْنِي ابْنَ إِسْحٰقَ

عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ ابْنِ مُعَاوِيَةَ عَنِ ابْنِ اَبِيْ ذُبَابٍ عَنْ سَهْلِ بْنِ سَعْدٍ قَالَ رَأَيْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ شَاهِرًا يَدَيْهِ قَطُّ يَدْعُوْ عَلٰى مِنْبَرِهٖ وَلَا غَيْرِهٖ وَلٰكِنْ رَأَيْتُهٗ يَقُوْلُ هٰكَذَا وَاَشَارَ بِالسَّبَّابَةِ وَعَقَدَ الْوُسْطٰى بِالْاِبْهَامِ۔

سہل بن سعدؓ نے کہا میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو کبھی منبر پر یا غیر منبر پر دونوں ہاتھوں سے اشارہ کرتے نہیں دیکھا لیکن میں نے آپ کو یوں اشارہ کرتے دیکھا، اور سہلؓ نے انگشتِ شہادت سے اشارہ کیا اور درمیانی انگلی کو انگوٹھے سے ملایا

شرح: منذری نے کہا ہے کہ اس حدیث کے دو راوی متکلم فیہ ہیں، عبدالرحمٰن بن اسحاق قرشی مدنی جسے عباد بن اسحاق بھی کہا جاتا تھا۔ اور عبدالرحمٰن بن معاویہ۔ قطان نے پہلے کے متعلق کہا کہ میں نے اس کے متعلق اہل مدینہ سے پوچھا تو وہ اسے اچھا نہ جانتے تھے۔ علی بن المدینی نے سفیان کے حوالے سے کہا کہ یہ قدری تھا لہذا مدینہ والوں نے اسے شہر سے نکال دیا تھا۔ بخاری نے اسے حفظ میں غیر معتمد علیہ قرار دیا۔ ترمذی نے کتاب العلل میں بخاری سے اس کی توثیق نقل کی ہے۔ یزید بن زریع نے اسے بہت بڑا حافظ، احمد نے مرد صالح اور ابن معین نے ثقہ کہا ہے۔ دوسرے عبدالرحمٰن کو مالکؒ نے غیر ثقہ، ابن معین نے ناقابلِ استدلال، نسائی نے "کچھ نہیں"۔ ابو حاتم نے غیر قوی کہا ہے۔ مگر بعض محدثین نے اسے ثقہ کہا ہے مثلاً بقول عقیلی، ابن معین نے، اور ابن حبان نے اُسے ثقات میں درج کیا ہے۔

بَابُ اِقْصَارِ الْخُطَبِ ۲۵

خطبے مختصر رکھنے کا باب

۱۱۰۸۔ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ نُمَيْرٍ نَا اَبِيْ نَا الْعَلَاءُ بْنُ صَالِحٍ عَنْ عَدِيِّ بْنِ ثَابِتٍ عَنْ اَبِيْ رَاشِدٍ عَنْ عَمَّارِ بْنِ يَاسِرٍ قَالَ اَمَرَنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِاِقْصَارِ الْخُطَبِ۔

عمار بن یاسرؓ نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں خطبے چھوٹے کرنے کا حکم دیا۔

شرح: مختصر منذری میں ہے کہ ابو راشد جو عمار بن یاسر سے روایت کرتا ہے اس کا نام و نسب معلوم نہیں ہو سکا ذہبی نے بھی میزان میں اسے غیر معروف کہا ہے۔ مسلم میں عمار بن یاسرؓ روایت ہے کہ آدمی کی نماز کا طول اور خطبے کا اختصار اس کے فقیہ ہونے کی دلیل ہے لہذا نماز لمبی کرو اور خطبہ مختصر دو۔ شوکانی نے کہا کہ خطبے کا اختصار آدمی کے فقیہ (سمجھدار) ہونے کی علامت اس لیے ہے کہ فقیہ وہ شخص ہے جو جوامع الفاظ پر مطلع ہو پس وہ مختصر الفاظ سے کثیر معانی کی تعبیر پر قادر ہوتا ہے۔ اس حدیث میں خطبے کو مختصر کرنے کا حکم ہے اور اس میں کوئی اختلاف نہیں، نماز کو طویل کرنے کا حکم

اس وقت ہے جب آدمی اکیلا نماز پڑھے۔ امامت کی صورت میں اتنی تطویل مکروہ ہے جو قوم پر شاق گزرے کیونکہ امام کو تخفیف کا حکم ہے۔

۱۱۰۹۔ حَدَّثَنَا مَحْمُودُ بْنُ خَالِدٍ نَا الْوَلِيدُ أَخْبَرَنِي شَيْبَانُ أَبُو مُعَاوِيَةَ عَنْ سِمَاكِ بْنِ حَرْبٍ عَنْ جَابِرِ بْنِ سَمُرَةَ السَّوَائِيِّ قَالَ كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يُطِيلُ الْمَوْعِظَةَ يَوْمَ الْجُمُعَةِ إِنَّمَا هُنَّ كَلِمَاتٌ يَسِيرَاتٌ۔

جابر بن سمرہؓ سوائی نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جمعہ کے دن وعظ کو طویل نہ کرتے تھے، وہ صرف چند کلمات ہوتے تھے (لیکن ضرورت کے وقت حضورؐ کا صحیح احادیث میں ایک بہت طویل خطبہ بھی مذکور ہے جس کے متعلق صحابہؓ کہتے ہیں کہ بعض کو وہ یاد رہا اور بعض کو بھول گیا۔ یہاں پر خطبۂ جمعہ کا ذکر ہے اس طویل خطبے کا نہیں، اور وہ جمعہ کا خطبہ نہ تھا)

بَابُ الدُّنُوِّ مِنَ الْإِمَامِ عِنْدَ الْمَوْعِظَةِ ۲۶

خطبے کے وقت امام کے قریب ہونا

۱۱۱۰۔ حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ عَبْدِ اللَّهِ نَا مُعَاذُ بْنُ هِشَامٍ قَالَ وَجَدْتُ فِي كِتَابِ أَبِي بِخَطِّ يَدِهِ وَلَمْ أَسْمَعْهُ مِنْهُ قَالَ قَتَادَةُ عَنْ يَحْيَى بْنِ مَالِكٍ عَنْ سَمُرَةَ بْنِ جُنْدُبٍ أَنَّ نَبِيَّ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ احْضُرُوا الذِّكْرَ وَادْنُوا مِنَ الْإِمَامِ فَإِنَّ الرَّجُلَ لَا يَزَالُ يَتَبَاعَدُ حَتَّى يُؤَخَّرَ فِي الْجَنَّةِ وَإِنْ دَخَلَهَا۔

سمرہ بن جندب سے روایت ہے کہ اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: خطبے میں حاضر رہو اور امام کے قریب رہو کیونکہ آدمی برابر دور ہوتا رہتا ہے حتیٰ کہ اسے جنت کے داخلے میں مؤخر کیا جائے گا گو وہ اس میں داخل ہو جائے۔

شرح: اس حدیث کی سند میں انقطاع ہے کیونکہ معاذ بن ہشام کی روایت اپنے باپ سے سماعاً نہیں بلکہ وجادۃً ہے۔ وجادہ کا معنی محدثین کے نزدیک یہ ہے کہ کسی کی کتابیں اُس کے ہاتھ سے لکھی ہوئی ہیں مگر اس سے سماع نہ ہو نہ اجازت ہو۔ زیادہ تر محدثین اور مالکی فقہاء وغیرہم اس روایت کو ناقابل اعتبار ٹھہراتے ہیں۔ شافعیؒ اور ان کے فقیہ اصحاب نے اس روایت کا جواز لکھا ہے۔ بعض شافعی محققین نے اس پر عمل واجب کہا ہے جب کہ صحت و ثقاہت حاصل ہو جائے بیہقیؒ نے کہا ہے کہ آجکل اس کے بغیر چارہ نہیں ہے۔ ابن الصلاح نے اس کا باعث بتایا ہے کہ اگر عمل صرف روایت پر رکھا جائے تو منقول پر عمل کا دروازہ بند ہو جائے گا کیونکہ اس میں وہ شروط نہیں پائی جاتیں جو وجوب عمل کے لیے لازم ہیں۔ بعض لوگوں نے وجادہ پر عمل کے لیے اس حدیث سے استدلال کیا ہے کہ حضورؐ نے فرمایا: ایمان کے لحاظ سے کون سی

مخلوق پسندیدہ تر ہے؟ لوگوں نے کہا کہ ملائکہ۔ فرمایا کہ وہ کیونکر ایمان لائیں جبکہ وہ اپنے رب کے پاس ہیں؟ لوگوں نے کہا کہ انبیاء۔ فرمایا کہ وہ کیوں کر ایمان نہ لائیں جبکہ وحی انہی پر اترتی ہے؟ لوگوں نے کہا کہ ہم۔ فرمایا کہ تم کیسے ایمان نہ لاؤ جبکہ میں تمہارے درمیان ہوں؟ لوگوں نے کہا کہ یا رسول اللہ پھر کون؟ فرمایا وہ ایسی قوم ہے جو تمہارے بعد آئے گی وہ لکھی ہوئی کتابیں پائے گی اور ان کے مضامین پر ایمان لائے گی۔ بلقینیؒ نے کہا کہ یہ اچھا استنباط ہے، اور یہ حدیث حسن بن عرفہ نے اپنے جزء میں عمرو بن شعیب عن ابیہ عن جدہ کے طریق سے بیان کی ہے اور اس کے کئی اور طریق ہیں جن کو میں نے امالی میں درج کیا ہے (تدریب) حافظ ابن حجرؒ نے شرح نخبہ میں کہا کہ محدثین نے وجادہ میں اذن کو شرط قرار دیا ہے۔ وجادہ یہ ہے کہ محدث کہے میں نے فلاں کے ہاتھ کا لکھا ہوا یوں پایا ہے، بشرطیکہ وہ اس کا خط پہچانتا ہو۔ اور اس میں اخبرنی کہنا جائز نہیں جب تک کہ کاتب کا اذن بالروایت حاصل نہ ہوا ہو۔ کچھ لوگوں نے اسے بلا اذن بھی جائز کہا مگر انہوں نے غلطی کی ہے۔

مسلّم الثبوت کی شرح فواتح الرحموت میں ہے کہ شرعاً اور عرفاً　　کتاب بھی خطاب کی طرح ہے اور رسالہ (خط) قرأت کی مانند ہے پس جب استاد کوئی حدیث لکھے اور اُسے بھیج دے، یا کوئی قاصد بھیجے جو مرسل الیہ کے سامنے اسے پڑھے اور اپنی طرف سے روایت کی اجازت دیدے تو کافی ہے۔ یہ ایسا ہی ہے جیسے کوئی شخص اپنی طرف سے خبر دے۔ اور تعلیق یعنی کتاب کی قبولیت کو گواہوں پر معلق کرنا تاکہ وہ مکتوب الیہ کے پاس گواہی دیں کہ یہ فلاں شیخ کا خط ہے، یہ امام ابو حنیفہؒ کی طرف سے سنت کے باب میں شدت ہے کیونکہ وہ اس معاملے میں بہت احتیاط اور کمال عنایت سے کام لیتے تھے۔ جیسے کہ امیر المؤمنین علیؓ نے راوی کو حلف دلائی تھی۔ اور صحیح یہی ہے کہ کتاب کے بارے میں خط کا ظن کافی ہے اور مکتوب کے متعلق لانے والے کا صدق کافی ہے۔ جب مکتوب الیہ کو ظن غالب ہو کہ یہ فلاں شیخ کا خط ہے یا مُرسل الیہ قاصد کی تصدیق کر دے تو یہ کافی ہے۔ کیونکہ ظن پر اتباع واجب ہے، بر خلاف قاضی کے خط کے جو دوسرے قاضی کی طرف ہو۔ کیونکہ معاملات میں تلبیس سُنن کی نسبت زیادہ تر ہو جاتی ہے یہی وجہ ہے کہ قاضی کا خط قاضی کے نام پر قابل قبول نہیں جب تک شہادت نہ ہو۔ اور دیگر شرائط نہ ہوں صرف کسی شیخ کی کتاب ہو یا خط ہو اور اذن صریح نہ ہو تو ابو حنیفہؒ کے نزدیک اس پر عمل ناجائز اور اکثر اہل اصول کے نزدیک جائز ہے اور یہی مختار ہے۔

قُربِ امام کے حکم کا مطلب بالفاظ دیگر یہ ہے کہ جمعہ کے لیے جلدی آؤ تاکہ اگلی صفوں میں جگہ مل جائے۔ مقاماتِ قرب سے جس قدر دوری ہو جنت کے دخول میں اتنی ہی تاخیر ہو گی۔ بعد از عذاب یا تاخیر سے تو داخلہ جنت میں انشاء اللہ ہر مسلم کا ہو گا مگر وہ درجات عالیہ سے محروم ہو گا اور یہ بڑی ہی محرومی ہے۔ نعوذ اللہ منہ۔

بَابُ الْإِمَامِ يَقْطَعُ الْخُطْبَةَ لِلْأَمْرِ يَحْدُثُ

کسی پیش آنے والے امر کے لیے امام کے خطبہ کو قطع کرنے کا باب

۱۱۱۱۔ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الْعَلَاءِ اَنَّ زَيْدَ بْنَ حُبَابٍ حَدَّثَهُمْ نَا حُسَيْنُ بْنُ وَاقِدٍ حَدَّثَنِيْ عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ بُرَيْدَةَ عَنْ اَبِيْهِ قَالَ خَطَبَنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

فَاَقْبَلَ الْحَسَنُ وَالْحُسَيْنُ عَلَيْهِمَا قَمِيصَانِ اَحْمَرَانِ يَعْثُرَانِ وَيَقُومَانِ فَنَزَلَ فَاَخَذَهُمَا فَصَعِدَ بِهِمَا ثُمَّ قَالَ صَدَقَ اللّٰهُ اِنَّمَا اَمْوَالُكُمْ وَاَوْلَادُكُمْ فِتْنَةٌ رَاَيْتُ هٰذَيْنِ فَلَمْ اَصْبِرْ ثُمَّ اَخَذَ فِي الْخُطْبَةِ ۔

بریدہؓ نے کہا کہ ہمیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خطبہ دیا تو حسنؓ اور حسینؓ آئے، ان پر سُرخ قمیص تھے، وہ لڑکھڑاتے تھے اور اٹھتے تھے، پس آپ منبر سے اترے، انہیں پکڑا اور لے کر منبر پر چڑھے۔ پھر فرمایا: اللہ نے سچ فرمایا کہ بلاشبہ تمہارے مال اور اولاد آزمائش ہیں، میں نے انہیں دیکھا اور صبر نہ کر سکا، پھر آپ نے خطبہ جاری رکھا (اس حدیث کو نسائی اور ترمذی نے بھی روایت کیا ہے۔ ترمذی نے اسے حسن غریب کہا ہے)

شرح: یہ آیت سورۂ تغابن اور سورۂ انفال میں بھی ہے۔ حدیث کے راوی حسین بن واقد مروزی پر امام احمد اور ساجی نے کچھ تنقید کی ہے لیکن اکثر ارباب حدیث نے اُسے لائق اعتماد قرار دیا ہے۔ حسنؓ اور حسینؓ کے سُرخ قمیصوں کا ذکر اس جگہ آیا ہے مگر شارحین نے لکھا ہے کہ سفید کپڑے میں سُرخ رنگ کی دھاریاں تھیں۔ لم اصبر کا مطلب یہ ہے کہ میں ان بچوں کو اس حالت میں دیکھ کر رہ نہ سکا حتیٰ کہ انہیں اٹھایا اور منبر پر لے آیا۔ یہ حضورؐ کی رقتِ قلب اور رحمۃ علی الاولاد کی دلیل ہے۔ البدائع میں ہے کہ خطیب کے لیے حاجت خطبہ میں کلام کرنا مکروہ ہے مگر اس سے خطبہ فاسد نہیں ہوتا کیونکہ وہ صلاۃ نہیں جو کلام الناس سے فاسد ہو جائے۔ کراہت اس لیے ہے کہ خطبہ بھی اذان کی مانند ایک شرعی نظم و ترتیب رکھتا ہے اور کلام سے یہ نظم ٹوٹ جاتا ہے۔ اگر کلام امر بالمعروف ہو تو مکروہ نہیں جیسا کہ حضرت عمر فاروقؓ نے خطبۂ جمعہ میں حضرت عثمانؓ کو دیر سے آنے پر تنبیہ کی تھی اور ان کے اس قول پر کہ میں اے امیرالمؤمنین اذان سنتے ہی وضو کر کے مسجد میں آگیا ہوں اس پر حضرت عمرؓ نے فرمایا تھا کہ اچھا! صرف وضو ہی! تمہیں معلوم ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے غسل کا حکم دیا تھا۔ اور یہ اس لیے جائز ہے کہ امر بالمعروف بھی خطبے کے ساتھ ملحق ہے کیونکہ اس کا اور خطبے کا مقصد ایک ہے۔ پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خطبہ اس لیے قطع فرمایا کہ آپ کو ان دونوں بچوں کے گر کر چوٹ لگنے کا اندیشہ پیدا ہوا تھا، گویا یہ بھی ایک شرعی حاجت تھی۔ جیسے کوئی آدمی اندھے کو کنویں میں گرنے والا ہی دیکھ لے تو اس وقت خطبہ قطع کر کے اسے بچانے کا حکم دے سکتا ہے مولانا نےؒ فرمایا ہے کہ یہ بھی ممکن ہے یہ جمعہ کا خطبہ نہ ہو بلکہ کوئی اور خطبہ ہو۔

بَابُ الْاِحْتِبَاءِ وَالْاِمَامُ يَخْطُبُ ۲۸

امام کے خطبے کے دوران میں احتبار کا باب

۱۱۱۲۔ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عَوْفٍ حَدَّثَنَا الْمُقْرِئُ نَا سَعِيدُ بْنُ اَبِي اَيُّوبَ عَنْ اَبِي مَرْحُومٍ عَنْ سَهْلِ بْنِ مُعَاذِ ابْنِ اَنَسٍ عَنْ اَبِيهِ اَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ

وَسَلَّمَ نَهَىٰ عَنِ الْحُبْوَةِ يَوْمَ الْجُمُعَةِ وَالْإِمَامُ يَخْطُبُ۔

معاذؓ بن انس سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جمعہ کے دن کمر اور ٹانگوں کے گرد کپڑا لپیٹ کر بیٹھنے سے منع فرمایا تھا درانحالیکہ امام خطبہ دے رہا ہو (اس کی روایت ترمذی اور بیہقی نے بھی کی ہے اور ترمذی نے اسے حسن کہا ہے)

شرح: اس حدیث کے راوی ابو مرحوم کو ابن معین نے ضعیف کہا۔ ابو حاتم نے ناقابل احتجاج کہا ہے۔ اسی طرح سہل بن معاذ بھی بقول ابن معین ضعیف ہے۔ حبوہ کسر اور ضم کے ساتھ فعل احتباء ہے اور وہ یہ ہے کہ عمامہ یا کوئی کپڑا کمر کے گرد اور ٹانگوں کے گرد دلپیٹ کر سرینوں پر بیٹھے۔ اس سے نیند آجانے اور طہارت زائل ہو جانے کا اندیشہ رہتا ہے۔ اسی طرح سہارا لگا کر بیٹھنا بھی اسی علت کے باعث مکروہ ہے۔ معاذ بن انسؓ انصاری جہنی صحابی تھے جو مصر جا بسے تھے۔

۱۱۱۳۔ حَدَّثَنَا دَاوُدُ بْنُ رُشَيْدٍ نَا خَالِدُ بْنُ حَيَّانَ الرَّقِّيُّ نَا سُلَيْمَانُ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ الزِّبْرِقَانِ عَنْ يَعْلَى بْنِ شَدَّادِ بْنِ أَوْسٍ قَالَ شَهِدْتُ مَعَ مُعَاوِيَةَ بَيْتَ الْمَقْدِسِ فَجَمَّعَ بِنَا فَنَظَرْتُ فَإِذَا جُلُّ مَنْ فِي الْمَسْجِدِ أَصْحَابُ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَرَأَيْتُهُمْ مُحْتَبِينَ وَالْإِمَامُ يَخْطُبُ قَالَ أَبُو دَاوُدَ وَكَانَ ابْنُ عُمَرَ يَحْتَبِي وَالْإِمَامُ يَخْطُبُ وَأَنَسُ بْنُ مَالِكٍ وَشُرَيْحٌ وَصَعْصَعَةُ بْنُ صُوحَانَ وَسَعِيدُ بْنُ الْمُسَيَّبِ وَإِبْرَاهِيمُ النَّخَعِيُّ وَمَكْحُولٌ وَإِسْمٰعِيلُ بْنُ مُحَمَّدِ بْنِ سَعْدٍ وَنُعَيْمُ بْنُ سَلَامَةَ قَالَ لَا بَأْسَ بِهَا قَالَ أَبُو دَاوُدَ لَمْ يَبْلُغْنِي أَنَّ أَحَدًا أَكْرِهَهَا إِلَّا عُبَادَةُ بْنُ نُسَيٍّ۔

یعلی بن شداد بن اوس نے کہا کہ میں معاویہؓ کے ساتھ بیت المقدس میں موجود تھا، معاویہؓ نے ہمیں جمعہ پڑھایا مسجد میں زیادہ تر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب ہی تھے، پس میں نے امام کے خطبے کی حالت میں احتباء کیے ہوئے دیکھا۔ ابو داؤد نے کہا کہ ابن عمرؓ امام کے خطبے میں احتباء کرتے تھے اور انس بن مالکؓ اور شریحؒ صعصعہ بن صوحان اور سعید بن المسیب اور ابراہیم نخعیؒ اور مکحولؒ اور اسماعیلؒ بن محمد بن سعد اور نعیم بن سلام: ابو داؤد نے کہا کہ اس میں کوئی حرج نہیں۔ ابو داؤد نے کہا کہ عبادہؒ بن نسی کے علاوہ کسی اور نے اُسے مکروہ سمجھا ہو۔

شرح: اس حدیث کے راوی خالد بن حیان رقی کو اکثر نے ثقہ یا لائق اعتبار کہا ہے مگر ابن خزیمہ اور فلاس نے اس پر تنقید کی ہے، سلیمان بن عبداللہ کو تقریب میں نرم حدیث والا کہا گیا ہے۔ ابن عمرؓ کے احتباء والی حدیث کو طحاوی

نے روایت کیا ہے۔ (مشکل الآثار) ترمذی نے اپنی جامع میں ابو داؤد کے قول کے خلاف کہا ہے کہ اہل علم میں سے کچھ لوگوں نے حبُوہ کو جمعہ کے دن بحالتِ خطبۂ امام مکروہ کہا ہے اور بعض نے رخصت دی ہے مثلاً عبد اللہ بن عمر وغیرہ اور یہی قول احمد اور اسحاق رح کا ہے۔ نیل الاوطار میں شوکانی نے مکروہ جاننے والوں میں عبادہ بن نُسَیّ کا نام لیا ہے۔ عراقی نے مکروہ جاننے والوں میں مکحول، عطاء، اور حسن بصریؒ کا نام بھی لیا ہے (ابن ابی شیبہ) اور ان تینوں سے اس کے خلاف دوسرا قول بھی منقول ہے۔ اکثر اہل علم کا قول عدم کراہت کا ہے جن میں سے بعض کا ذکر ابو داؤد نے کیا ہے اور ابن ابی شیبہ نے سالم بن عبد اللہ، القاسم بن محمد، عطاء، ابن سیرین، حسن، عمرو بن دینار، ابو الزبیر، عکرمہ بن خالد مخزومی کا نام بھی لیا ہے۔ ان کا قول ہے کہ کراہت پر دلالت کرنے والی احادیث سب ضعیف ہیں اگرچہ ترمذی نے معاذ بن انس کی حدیث کو حسن کہا ہے اور ابو داؤد اس سے خاموش رہا ہے۔ کراہت ماننے والے کہتے ہیں کہ ضعیف احادیث ایک دوسری کی تقویت کرتی ہیں۔

طحاوی نے مشکل الآثار میں کہا ہے کہ معاذ بن انس کی حدیث حبُوہ کی کراہت بتاتی ہے مگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعض اصحاب کا خطبۂ جمعہ کے وقت یہ فعل ثابت ہے مثلاً ابن عمر رض۔ پھر یعلی بن شداد بن اوس کی حدیث بیان کی کہ اس نے صحابہ کو بیت المقدس میں حبُوہ کرتے دیکھا۔ اگر حضور نے اس فعل سے نہی فرمائی ہوتی تو ان لوگوں کی جماعت سے پوشیدہ نہ رہتی۔ اس سے پتہ چلا کہ ممنوع حبُوہ اور ہے اور صحابہ رض نے جو حبُوہ کیا وہ اور تھا۔ پس حالتِ خطبہ میں حبُوہ کرنے کی ممانعت ہے کیونکہ یہ حالتِ خطبہ میں کسی دوسری چیز میں مشغول ہونا ہے۔ اور اگر کوئی شخص اس سے پہلے حبُوہ کرے اور پھر امام خطبہ شروع کر دے اور حبُوہ والا اسی طرح رہے تو یہ مکروہ نہیں ہے کیوں کہ اس میں استماعِ خطبہ میں خلل نہیں آتا اور خطبہ میں توجہ قائم رہ سکتی ہے۔

بَابُ الْكَلَامِ وَالْإِمَامُ يَخْطُبُ

امام کے خطبہ کے دوران میں کلام کا باب

۱۱۱۴۔ حَدَّثَنَا الْقَعْنَبِيُّ عَنْ مَالِكٍ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ عَنْ سَعِيدٍ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ إِذَا قُلْتَ أَنْصِتْ وَالْإِمَامُ يَخْطُبُ فَقَدْ لَغَوْتَ۔

ابو ہریرہ رض سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب تو کہے کہ خاموش رہ اور امام اس وقت خطبہ دیتا ہو تو تُو نے لغو کام کیا (یہ حدیث مسلم، نسائی اور ابن ماجہ نے بھی روایت کی ہے)

شرح: بخاری کی ایک روایت میں لِصَاحِبِكَ کا لفظ ہے، یعنی خطبے کی حالت میں اگر تو اپنے ساتھی (پاس والے) سے یہ کہے الخ انصات کا معنیٰ ہے خاموشی سے سننا۔ استماع کا معنی ہے غور سے سُننا، کان لگانا۔ قرآن میں: فَاسْتَمِعُوا لَهُ وَأَنْصِتُوا، دو لفظ آئے ہیں اور دونوں میں فرق ہے اسی لیے بخاری نے ان دونوں کے لیے الگ الگ باب رکھے ہیں۔ استماع تو اس صورت میں ہو گا جب وہ آواز آ رہی ہو جسے تم سُننا چاہتے ہو اور انصات عام ہے، آواز نہ آئے تب بھی

خاموش رہنا انصات ہے۔ لغوت کا مصدر اور مادہ لغو ہے یعنی بے فائدہ اور بے حاصل بات، تہذیب و شرافت سے گری ہوئی بات کو بھی لغو کہا جاتا ہے۔ شوکانی نے اس حدیث سے یہ دلیل نکالی ہے کہ بات چیت صرف خطبہ کے وقت ممنوع ہے اس سے پہلے نہیں، یہ گویا حنفیہ کا رد ہے جنہوں نے امام ابو حنیفہؒ کی روایت میں امام کے نکل آنے سے کر مؤذن کی اقامت تک نماز اور بول چال کو مکروہ کہا ہے۔ صاحبینؒ کے نزدیک کلام مکروہ نہیں لیکن نماز کی کراہت ہے صاحبینؒ کی دلیل وہ حدیث ہے جس میں فرمایا گیا ہے کہ: امام کا خروج نماز کو قطع کر دیتا ہے اور اس کا خطبہ کلام کو قطع کر دیتا ہے، پس قاطع کلام خطبہ ہے۔ اس سے قبل کلام مکروہ نہیں، کیونکہ کلام کی نہی اس لیے ہے کہ خطبے کا استماع واجب ہے لہٰذا وہ خطبے کے وقت ممنوع ہے۔ اور نماز چونکہ لمبی ہوتی ہے لہٰذا اس سے استماع اور تکبیر تحریمہ فوت ہوتی ہے لہٰذا وہ اس سے قبل ہی ممنوع ہوگئی جبکہ امام آگیا۔ امام ابو حنیفہؒ کی دلیل ابن مسعودؓ اور ابن عباسؓ کی موقوف حدیث ہے اور مرفوع بھی کہ حضورؐ نے فرمایا: جب امام آگیا تو نہ صلاۃ ہے نہ کلام۔ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ بھی مروی ہے کہ جمعہ کے دن ملائکہ مسجدوں کے دروازوں پر ٹھہرتے ہیں اور آگے پیچھے آنے والوں کو اسی ترتیب سے لکھتے جاتے ہیں۔ پھر جب امام نکل آئے تو وہ اپنے دفتر لپیٹ دیتے ہیں اور مسجد میں آکر ذکر سنتے ہیں۔ پس اس حدیث میں حضورؐ نے دفتر لپیٹنے کا وقت وہ بتایا جبکہ امام آجاتا ہے۔ اور ملائکہ اسی وقت دفتر تہہ کرتے ہیں جبکہ لوگوں کا کلام ختم ہوتا ہے۔ کیونکہ اگر وہ بولتے رہیں تو فرشتے لکھتے رہتے ہیں: وَ مَا يَلْفِظُ مِنْ قَوْلٍ اِلَّا لَدَيْهِ رَقِيْبٌ عَتِيْدٌ۔ علاوہ ازیں جب امام نکل آتا ہے تو وہ خطبہ کے لیے تیار ہوتا ہے اور کسی چیز کے لیے تیار ہونے والا اُسے شروع کرنے والے کی مانند ہے۔

حافظ جمال الدین زیلعیؒ نے نصب الرایہ میں کہا ہے کہ حضور علیہ السلام کا قول: اِذَا خَرَجَ الْاِمَامُ فَلَا صَلٰوۃَ وَلَا كَلَامَ مرفوع ہو تو غریب ہے۔ بیہقی نے کہا اس کا رفع وہم فاحش ہے، یہ تو زہری کا کلام ہے۔ اور مالکؒ نے اسے مؤطا میں زہری سے روایت کیا ہے کہ اس نے کہا: امام کا خروج نماز کو قطع کر دیتا ہے اور اس کا کلام کلام کو قطع کر دیتا ہے۔ اور محمد بن الحسن نے اپنے مؤطا میں اس کو مالکؒ سے روایت کیا ہے۔ اور ابن ابی شیبہ نے علیؓ، ابن عباسؓ اور ابن عمرؓ سے روایت کیا ہے کہ وہ خروجِ امام کے بعد صلاۃ اور کلام کو مکروہ جانتے تھے۔ اور عروہؒ سے یہ روایت کی ہے کہ جب امام منبر پر بیٹھ جائے تو کوئی نماز نہیں۔ حافظ نے بھی درایہ میں اسی طرح کہا ہے۔ مولانا عبدالحی لکھنوی نے مؤطا محمد کے حاشیے پر لکھا ہے کہ زہری کے اس قول کے متعلق حافظ ابن عبدالبر نے کہا ہے کہ انصات کا حکم اور قطع صلاۃ کا حکم کسی کی رائے سے نہیں ہو سکتا، یہ سنت ہے جس کی خبر زہری نے دی ہے نہ کہ اس کا اپنا اجتہاد اور یہ عمل حضرت عمرؓ اور دیگر اصحاب کے وقت سے چلا آتا ہے۔

۱۱۱۵۔ حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ وَ اَبُوْ كَامِلٍ قَالَا نَا يَزِيْدُ عَنْ حَبِيْبٍ الْمُعَلِّمِ عَنْ عَمْرِو بْنِ شُعَيْبٍ عَنْ اَبِيْهِ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَمْرٍو عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ يَحْضُرُ الْجُمُعَةَ ثَلَاثَةُ نَفَرٍ رَجُلٌ حَضَرَهَا يَلْغُوْ وَهُوَ حَظُّهُ مِنْهَا وَرَجُلٌ حَضَرَهَا يَدْعُوْ فَهُوَ رَجُلٌ دَعَا اللّٰهَ عَزَّ وَجَلَّ اِنْ شَاءَ اَعْطَاهُ وَاِنْ شَاءَ مَنَعَهُ وَرَجُلٌ

حَضَرَهَا بِإِنْصَاتٍ وَسُكُوتٍ وَلَمْ يَتَخَطَّ رَقَبَةَ مُسْلِمٍ وَلَمْ يُؤْذِ أَحَدًا فَهِيَ كَفَّارَةٌ إِلَى الْجُمُعَةِ الَّتِي تَلِيهَا وَزِيَادَةُ ثَلَاثَةِ أَيَّامٍ وَذَلِكَ بِأَنَّ اللَّهَ عَزَّ وَجَلَّ يَقُولُ مَنْ جَاءَ بِالْحَسَنَةِ فَلَهُ عَشْرُ أَمْثَالِهَا۔

عبداللہ بن عمروؓ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کی کہ آپ نے فرمایا جمعہ میں تین قسم کے لوگ آتے ہیں۔ ایک وہ جو جمعہ میں آیا اور لغو کام کرتا ہے اور جمعہ سے اس کا حصہ وہی ہے۔ دوسرا وہ آدمی جو دعا کرتا ہے، سو اس آدمی نے اللہ عزوجل سے دعا کی ہے وہ چاہے تو اسے عطا کرے اور چاہے تو نہ دے۔ اور تیسرا وہ آدمی جو خطبہ سننے اور لغو باتوں سے خاموشی کے ساتھ جمعہ میں حاضر ہوا اور کسی مسلم کی گردن نہ پھاندی اور کسی کو اذیت نہ دی بس وہ آیندہ جمعہ تک کے لیے کفارہ ہے اور تین دن زائد کا بھی اور یہ اس لیے کہ اللہ تعالیٰ عزوجل فرماتا ہے جو کوئی نیکی لائے گا تو اس کے لیے اس جیسی دس ہوں گی۔

شرح: لغو سے مراد فعلِ عبث اور لایعنی کلام ہے یعنی اس شخص کو نماز اور خطبے میں سے کچھ حصہ نہ ملا۔ دوسری قسم کے لوگ وہ ہیں جنہوں نے خطبے کے وقت سکوت سے کام تو لیا اور لایعنی کلام نہ کیا مگر خطبے کی طرف التفات نہیں کیا بلکہ دعا میں مشغول رہے۔ دعا کی قبولیت و عدم قبولیت تو اللہ تعالیٰ کے بس میں ہے مگر استماعِ خطبہ کا ثواب جو متیقن تھا اس سے یہ لوگ محروم رہے۔ یہ حدیث بھی ترک کلام کے وجوب پر دلالت کرتی ہے مگر خطبے کی حالت کے ساتھ مقید نہیں ہے اور یہ بھی ممکن ہے کہ اس کا معنی یہ لیا جائے کہ انصات سے مراد استماع ہے جو صرف خطبے میں ہوتا ہے لہٰذا یہ حدیث اس باب کے مناسب سمجھی گئی۔

بَاب ۲۳ اِسْتِئْذَانِ الْمُحْدِثِ لِلْإِمَامِ

بے وضو ہونے والے کے امام سے اجازت لینے کا باب

۱۱۱۶۔ حَدَّثَنَا إِبْرَاهِيمُ بْنُ الْحَسَنِ الْمِصِّيصِيُّ نَا حَجَّاجٌ نَا ابْنُ جُرَيْجٍ أَخْبَرَنِي هِشَامُ بْنُ عُرْوَةَ عَنْ عُرْوَةَ عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا أَحْدَثَ أَحَدُكُمْ فِي صَلَاتِهِ فَلْيَأْخُذْ بِأَنْفِهِ ثُمَّ لِيَنْصَرِفْ قَالَ أَبُو دَاوُدَ رَوَاهُ حَمَّادُ بْنُ سَلَمَةَ وَأَبُو أُسَامَةَ عَنْ هِشَامٍ عَنْ أَبِيهِ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَمْ يَذْكُرَا عَائِشَةَ۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: جب تم میں سے کوئی شخص

اپنی نماز میں بے وضو ہو جائے تو وہ اپنی ناک پکڑ لے اور پھر چلا جائے۔ ابوداؤد نے کہا: یہ حدیث حماد بن سلمہ اور ابو اسامہ نے ہشام سے اس نے اپنے باپ سے اس نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کی ہے، اس کے الفاظ یہ ہیں کہ جب وہ مسجد میں داخل ہو اور امام خطبہ دیتا ہو تو آخر اور ان دونوں راویوں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا ذکر نہیں کیا (یہ حدیث ابن ماجہ میں بھی مروی ہے)

شرح: خطابی نے کہا کہ اس حدیث میں یہ ادب ہے کہ ستر عورت اور اخفائے قبیح پر حتی الامکان عمل ہونا لازم ہے۔ کیونکہ ناک پکڑ لینے کا مطلب یہی ہو سکتا ہے کہ لوگوں کو اس وہم میں ڈالا جائے کہ ایسے شخص کی نکسیر پھوٹ پڑی ہے۔ یہ توریہ، تعریض کا باب ہے اور اس میں ریاکاری اور کذب و فریب نہیں ہے کیونکہ اس میں حیا کی تعلیم ہے اور یہ کہ تحمل اختیار کیا جائے اور لوگوں سے سلامتی طلب کی جائے۔ اگر تم یہ کہو کہ یہ اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد کے خلاف ہے کہ: وَ اِذَا كَانُوْا مَعَهٗ عَلٰۤى اَمْرٍ جَامِعٍ لَّمْ يَذْهَبُوْا حَتّٰى يَسْتَاْذِنُوْهُ یہ آیت دلالت کرتی ہے کہ اجازت طلب کرنا واجب ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ امر جامع سے مراد وہ کام ہے جس کا نفع و ضرر عام ہو، یعنی کوئی بڑا اہم کام جس میں امام کے لیے تجربہ کار لوگوں کے تجربوں سے اور ان کی آراء سے فائدہ اٹھانا ضروری ہے مثلاً دشمن سے قتال کا معاملہ یا کسی اور اہم معاملے میں مشورہ، پس اس حالت میں کسی آدمی کا جدا ہونا اس پر شاق ہوگا پس اس بنا پر نماز جمعہ تو اس میں داخل نہیں ہے اور نہ اس بارے میں جواب کی ضرورت ہے۔ لیکن اگر امر جامع سے مراد کوئی امر عام ہے جو جمعہ اور عید کو شامل ہے تو اس صورت میں جواب یہ ہے کہ اول تو اس حدیث کا تعلق حالت نماز سے ہے جس میں کہ اجازت طلبی ناممکن ہے۔ پس اس حالت میں ناک کو پکڑ لینا اجازت طلبی کا قائم مقام بنا دیا گیا ہے گویا حکماً وہ استیذان ہے۔ دوسری بات یہ ہے کہ اس آیت کا نزول منافقوں پر تعریض کے لیے ہے کہ وہ خطبے کی حالت میں بلا اجازت چلے جاتے ہیں اور دائیں بائیں نظر ڈالتے ہیں اگر کوئی دیکھ نہ رہا ہو تو کھسک جاتے ہیں اور مسجد سے باہر چلے جاتے ہیں حتیٰ کہ نماز بھی نہیں پڑھتے۔ اور اگر کوئی دیکھتا ہو تو وہیں پر جمے رہتے ہیں اور ازراہ خوف نہ اٹھتے۔ پس جب کوئی منافق باقی نہ رہا جیسا کہ سورۂ توبہ میں وعدۂ الٰہی تھا تو صرف مخلص مسلمانوں کے باقی رہ جانے کے باعث اس آیت کا حکم کوئی عملاً مرتفع ہو گیا۔

ابوداؤد نے دوجس روایت کا حوالہ دیا ہے اس میں اِذَا دَخَلَ وَالْاِمَامُ يَخْطُبُ کے الفاظ ہیں۔ مولانا نے فرمایا کہ ابوداؤد کے باقی تمام نسخوں میں یہی الفاظ ہیں مگر کانپوری نسخے میں یہ لفظ نہیں ہیں: "اِذَا دَخَلَ وَالْاِمَامُ يَخْطُبُ" پس عبارت دراصل یوں درست معلوم ہوتی ہے کہ: اِذَا اَحْدَثَ وَالْاِمَامُ يَخْطُبُ "امام خطبہ دیتا ہو تو اسے حدث لاحق ہو جائے" (یعنی مقتدی کو) کسی کاتب کی غلطی سے اَحْدَثَ کے بجائے دَخَلَ ہو گیا۔ بیہقی نے اس حدیث کو موصول بیان کیا ہے اور کہا ہے کہ ہشام کے دوسرے شاگرد حجاج بن محمد نے الفضل بن موسیٰ کی متابعت کی ہے۔ مگر ثوری، شعبہ، زائدہ، ابن المبارک، شعیب بن اسحاق، اور عبیدہ بن سلیمان نے اس حدیث کو ہشام بن عروہ سے مرسلاً رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کیا ہے۔ یہ حدیث ابن ماجہ میں موصول آئی ہے۔

بَابٌ اِذَا دَخَلَ الرَّجُلُ وَالْاِمَامُ يَخْطُبُ

جب آدمی داخل ہو اور امام خطبہ دے رہا ہو

۱۱۱۷۔ حَدَّثَنَا سُلَيْمَانُ بْنُ حَرْبٍ نَا حَمَّادٌ عَنْ عَمْرٍو وَهُوَ ابْنُ دِيْنَارٍ عَنْ جَابِرٍ اَنَّ رَجُلًا جَاءَ يَوْمَ الْجُمُعَةِ وَالنَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَخْطُبُ فَقَالَ اَصَلَّيْتَ يَا فُلَانُ قَالَ لَا قَالَ قُمْ فَارْكَعْ۔

جابرؓ سے روایت ہے کہ ایک آدمی جمعہ کے دن آیا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خطبہ دے رہے تھے۔ آپ نے فرمایا: اے فلاں تو نے نماز پڑھی ہے؟ اس نے کہا نہیں۔ فرمایا اٹھ اور نماز پڑھ (یہ حدیث بخاری، مسلم، نسائی، ابن ماجہ اور ترمذی نے بھی روایت کی۔ ترمذی نے اسے حدیث حسن صحیح اور اس باب کی صحیح ترین حدیث قرار دیا ہے۔ گفتگو آگے آرہی ہے۔

۱۱۱۸۔ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ مَحْبُوْبٍ وَاِسْمٰعِيْلُ ابْنُ اِبْرَاهِيْمَ الْمَعْنٰى قَالَا نَا حَفْصُ بْنُ غِيَاثٍ عَنِ الْاَعْمَشِ عَنْ اَبِيْ سُفْيَانَ عَنْ جَابِرٍ وَعَنْ اَبِيْ صَالِحٍ عَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَا جَاءَ سُلَيْكٌ الْغَطَفَانِيُّ وَرَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَخْطُبُ فَقَالَ لَهٗ اَصَلَّيْتَ شَيْئًا قَالَ لَا قَالَ صَلِّ رَكْعَتَيْنِ تَجَوَّزْ فِيْهِمَا۔

جابرؓ اور ابو ہریرہؓ دونوں نے کہا کہ سُلیکؓ غطفانی آیا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خطبہ دے رہے تھے۔ پس آپ نے اس سے فرمایا: کیا تو نے کچھ نماز پڑھی ہے؟ اس نے کہا کہ نہیں۔ آپ نے فرمایا دو رکعتیں پڑھ لے اُن میں تخفیف کر (مسلم نے اسے صرف جابرؓ سے روایت کیا ہے اور ابن ماجہ نے دونوں سندوں سے روایت کیا ہے) گفتگو آگے آتی ہے۔

۱۱۱۹۔ حَدَّثَنَا اَحْمَدُ بْنُ حَنْبَلٍ نَا مُحَمَّدُ بْنُ جَعْفَرٍ عَنْ سَعِيْدٍ عَنِ الْوَلِيْدِ اَبِيْ بِشْرٍ عَنْ طَلْحَةَ اَنَّهٗ سَمِعَ جَابِرَ بْنَ عَبْدِ اللّٰهِ يُحَدِّثُ اَنَّ سُلَيْكًا جَاءَ فَذَكَرَ نَحْوَهٗ زَادَ ثُمَّ اَقْبَلَ عَلَى النَّاسِ قَالَ اِذَا جَاءَ اَحَدُكُمْ وَالْاِمَامُ يَخْطُبُ فَلْيُصَلِّ رَكْعَتَيْنِ يَتَجَوَّزْ فِيْهِمَا۔

طلحہ بن نافع (ابوسفیان)، جابر بن عبد اللہ کو یہ حدیث بیان کرتے سنا کہ سُلیک آیا الخ پھر ولید راوی نے اوپر کی حدیث کی مانند ذکر کیا، یہ اضافہ بھی کیا کہ پھر آپ لوگوں کی طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا: جب تم میں سے کوئی آئے اور امام

خطبہ دے رہا ہو تو دو رکعتیں پڑھے ان میں اختصار کرے (یہ حدیث نسائی نے بھی روایت کی ہے)

شرح: امام نووی نے کہا ہے کہ یہ سب احادیث شافعی، احمد، اسحاق اور فقہائے محدثین کے مذہب کی دلیل میں صریح ہیں کہ جب کوئی شخص جمعہ کے دن جامع مسجد میں داخل ہو اور امام خطبہ دے رہا ہو تو اس کے لیے بطور تحیۃ المسجد دو رکعت پڑھنا مستحب ہے اور ان سے پہلے بیٹھنا مکروہ ہے اور ان رکعتوں میں اختصار کرنا چاہیئے مولانا فرماتے ہیں کہ تحفۃ المحتاج شرح المنہاج میں ہے کہ ان دو رکعتوں میں وہ بہت ہی اختصار کرے کہ صرف یہ نماز ہو جائے۔ اور شافعی نے کتاب الام میں کہا ہے کہ ہم اسے ان رکعتوں میں تخفیف کا حکم دیتے ہیں کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان میں تخفیف کا حکم دیا تھا اور یہ وجوب کی طرف اشارہ کرتا ہے۔ روضۃ المحتاجین میں تخفیف کا وجوب صراحۃً لکھا ہے۔ پس انہیں پڑھنا مسنون ہے اور عرفی تطویل نہ کرنا اور صرف دو رکعات پہ اکتفاء کرنا واجب ہے۔ پھر نووی نے کہا کہ یہ مذہب حسن بصری وغیرہ متقدمین میں سے منقول ہے۔ قاضی عیاض نے کہا کہ مالک، لیث، ابو حنیفہ ثوری، اور صحابہ و تابعین میں سے جمہور سلف نے کہا ہے کہ یہ رکعتیں نہ پڑھے۔ اور یہی حضرت عمر، عثمان، علی رضی اللہ عنہم سے مروی ہے۔ شوکانی نے کہا کہ عراقی نے یہی مذہب محمد بن سیرین، شریح قاضی، نخعی، قتادہ، اور زہری سے بیان کیا ہے اور ابن ابی شیبہ نے اسے علی، ابن عمر، ابن عباس، ابن المسیب، مجاہد، عطاء بن ابی رباح اور عروہ بن زبیر سے روایت کیا ہے

نووی نے کہا کہ ان سب حضرات نے ان احادیث کی یہ تاویل کی ہے کہ سلیک عریاں تھا اس لیے اسے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے قیام کا حکم دیا تاکہ لوگ اسے دیکھیں اور لوگوں نے اسے صدقہ دیا۔ یہ باطل تاویل ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ صریح قول اسے رد کرتا ہے کہ: اِذَا جَاءَ اَحَدُکُمْ یَوْمَ الْجُمُعَۃِ وَالْاِمَامُ یَخْطُبُ فَلْیَرْکَعْ رَکْعَتَیْنِ وَلْیَتَجَوَّزْ فِیْھِمَا۔ اور یہ ایک ایسی نص ہے جس میں تاویل نہیں چل سکتی اور میں نہیں گمان کرتا کہ کسی عالم کو یہ لفظ صحیح طور پہ پہنچے تو اس کی مخالفت کرے۔

علامہ عینی نے بخاری کی شرح میں کہا ہے کہ ہمارے اصحاب نے ان احادیث کی یہ تاویل نہیں کی جس کا نووی نے ذکر کیا ہے حتیٰ کہ وہ ان کی یہ تشنیع کرے جو کی ہے۔ بلکہ انہوں نے اس کے علاوہ کچھ اور جواب دیئے ہیں۔ (۱) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خاموش رہے حتیٰ کہ وہ اپنی نماز سے فارغ ہو گیا۔ اس کی دلیل سنن دارقطنی کی وہ حدیث ہے جو انس سے آتی ہے۔ اور اس میں یہ لفظ ہیں: وَاَنْصَتَ عَنِ الْخُطْبَۃِ حَتّٰی فَرَغَ مِنْ صَلٰوتِہٖ۔ اگر تم کہو کہ بقول دارقطنی اس میں عُبید بن محمد راوی نے وہم کیا ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ پھر دارقطنی نے احمد بن حنبل سے یہ روایت کی جس میں ہے کہ حضور نے فرمایا: اٹھ اور نماز پڑھ، پھر حضور نے اس کا انتظار فرمایا حتیٰ کہ اس نے نماز پڑھ لی۔ دارقطنی نے کہا یہ مرسل ہی درست ہے۔ ہمارا جواب یہ ہے کہ ہمارے نزدیک مرسل حجت ہے۔ اور اس کی تائید ابن ابی شیبہ کی روایت سے ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب اسے دو رکعت پڑھنے کا حکم دیا تو خطبہ بند کر دیا حتیٰ کہ وہ اپنی دو رکعتوں سے فارغ ہو گیا پھر حضور نے دوبارہ خطبہ شروع کر دیا (۲) دوسرا جواب یہ ہے کہ یہ واقعہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے خطبہ شروع فرمانے سے پہلے کا ہے۔ نسائی نے اپنی سنن کبریٰ میں حدیث سلیک پہ یہ باب جمایا ہے: باب الصلاۃ قبل الخطبۃ پھر جابر کی یہ حدیث درج کی ہے کہ سلیک غطفانی آیا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم منبر پہ بیٹھے ہوئے تھے پس سلیک

بیٹھ گیا (نماز سے پہلے ہی) حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے فرمایا: کیا تو نے دو رکعت نماز پڑھی ہے؟ اس نے کہا نہیں۔ آپ نے فرمایا: اُٹھ اور دو رکعت پڑھ (۳) تیسرا جواب یہ ہے کہ یہ واقعہ نماز میں کلام منسوخ ہونے سے پہلے کا ہے۔ پھر جب کلام نماز میں منسوخ ہوا تو خطبہ میں بھی ہو گیا کیونکہ وہ نماز کی شرط یا نصف نماز ہے۔ طحاوی رحمہ نے کہا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے متواتر روایات آئی ہیں کہ آپ نے فرمایا جس نے امام کے خطبے میں اپنے ساتھی سے کہا چپ رہ، تو اس نے فعل لغو کیا۔ سو جب حالت خطبہ میں کسی شخص کا اتنا سا کلام لغو ہے تو امام کا یہ قول کہ: کیا تو نے نماز پڑھ لی ہے؟ اور یہ کہ اٹھ اور نماز پڑھ، بھی لغو ہوگا۔ پس اس سے ثابت ہوا کہ جس وقت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سُلیک کو یہ حکم دیا تھا یہ نہی سے پہلے کا وقت تھا، بعد میں تو اس قسم کا کلام لغو قرار دیا گیا۔ اور ابن شہاب نے کہا ہے کہ امام کا خروج نماز کو قطع کر دیتا ہے۔ اور ثعلبہ بن ابی مالک نے کہا کہ جب عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ خطبے کے لیے نکل آتے تو ہم خاموش ہو جاتے تھے۔ اور قاضی رحمہ نے کہا کہ ابوبکر و عمر و عثمان رضی اللہ عنہم خطبہ کے وقت نماز سے منع کرتے تھے۔ ابن العربی نے کہا ہے کہ نماز اس حالت میں تین وجوہ سے حرام ہے (ا) اللہ تعالیٰ کا ارشاد کہ وَإِذَا قُرِئَ الْقُرْآنُ فَاسْتَمِعُوا لَهُ۔ پس وہ فرض جس میں امام مصروف ہو چکا ہو کسی اور کے آنے سے اور غیر فرض میں مشغولیت سے کیسے ترک کیا جا سکتا ہے؟ (ب) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے صحیح حدیث میں ثابت ہے کہ آپ نے فرمایا: جب تو اپنے ساتھی سے کہے: چپ رہ، تو تُو نے لغو کام کیا۔ پس جب امر بالمعروف اور نہی عن المنکر جو ہر دو فرض ہیں اور راس مسئلہ کے ارکان ہیں وہ خطبہ کی حالت میں حرام ہیں تو نفل کیوں حرام نہ ہوگا؟ (ج) نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے سُلیک رضی سے بات کی اور فرمایا کہ اُٹھ نماز پڑھ، سو جب حضور نے خود اس سے کلام کیا اور حکم دیا تو اس سے استماع کا فرض ساقط ہو گیا کیونکہ اس وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی گفتگو اور سوال اور حکم کے علاوہ اور کوئی بات نہ ہوئی تھی۔ (د) سُلیک رضی شکستہ حال شخص تھا پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے چاہا کہ اس کے حال کو ظاہر کریں تاکہ لوگ دیکھ لیں۔ ابن بزیزہ کے نزدیک سُلیک عُریاں تھا پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے چاہا کہ لوگ اسے دیکھ لیں اور کہا گیا ہے کہ اس قسم کی حالت میں رکوع کا ترک ایک جاری سنت ہے اور زمانۂ خلفاء میں مشہور عمل تھا۔

اور انہوں نے ابوسعید خدری رضی کی حدیث پر اعتماد کیا ہے جو انہوں نے مرفوعاً بیان کی ہے کہ جب امام خطبہ میں ہو تو نماز مت پڑھو۔ اور حضرت عمر رضی کی نکیر سے بھی استدلال کیا ہے جو انہوں نے حضرت عثمان رضی پر دیر سے آنے پر اور ترک غسل پر کی تھی اور یہ منقول نہیں ہوا کہ انہوں نے حضرت عثمان رضی کو دو رکعت پڑھنے کا حکم تھا اور نہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ انہوں نے دو رکعتیں پڑھی تھیں۔ اور جو کچھ امام شافعی رحمہ نے کہا اگر مان لیا جائے تو بھی سلیک رضی کی حدیث میں ان کے مذہب پر کوئی دلیل نہیں کیونکہ ان کا مذہب تحیۃ المسجد کے متعلق یہ ہے کہ بیٹھنے سے وہ ساقط ہو جاتی ہے۔ اور اللباب میں ہے کہ ابو قلابہ جمعہ کے دن آئے اور امام خطبہ دے رہا تھا، پس وہ بیٹھ گئے اور نماز نہ پڑھی۔ اور عقبہ بن عامر رضی سے مروی ہے کہ جب امام منبر پر ہو تو نماز معصیت ہے۔ اور کتاب الاسرار میں ہے کہ شعبی نے ابن عمر رضی سے اور انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کی ہے کہ جب امام منبر پر چڑھ جائے تو اس کے فارغ ہونے تک نہ نماز ہے نہ کلام۔ اور صحیح روایت یہ ہے کہ جب تم میں سے کوئی آئے اور امام منبر پر ہو تو نہ نماز ہے نہ کلام۔

حافظ ابن حجر رحمہ نے ان تمام روایات کا رد کرتے ہوئے کہا ہے کہ جو کچھ مانعین نے کہا ہے یہ لائق رد ہے کیونکہ

اصل یہ ہے کہ اس شخص کی کوئی خصوصیت نہ تھی جس کے باعث حضورؐ نے اُسے نماز پڑھنے کا حکم دیا تھا۔ ہم کہتے ہیں کہاں جب کوئی قرینہ نہ ہو تو خصوصیت نہیں ہوتی اور یہاں قرینہ موجود ہے جو ابوسعید خدریؓ کی حدیث میں ہے جو نسائی نے روایت کی ہے کہ ایک شخص جمعہ کے دن آیا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خطبہ دے رہے تھے، وہ شخص بدحال تھا اور اس کے کپڑے نہایت معمولی تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اُس سے فرمایا کہ کیا تو نے نماز پڑھ لی ہے؟ اس نے کہا نہیں، آپ نے فرمایا تو پھر دو رکعت پڑھ لے۔ اور حضورؐ نے لوگوں کو صدقہ کی ترغیب دی، لوگوں نے کپڑے پھینکے تو آپؐ نے دو کپڑے اُسے عنایت فرمائے۔ پھر جب دوسرا جمعہ آیا تو وہ شخص پھر اس وقت آیا جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم خطبہ دے رہے تھے، پس آپ نے لوگوں کو صدقے کی ترغیب دی۔ ابوسعیدؓ نے کہا کہ اس شخص نے بھی ایک کپڑا پھینکا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: یہ شخص شکستہ حال گزشتہ جمعہ میں آیا تو میں نے لوگوں کو صدقے کا حکم دیا اور میں نے اسے ان میں سے دو کپڑے دیئے، پھر یہ اب آیا ہے تو میں نے لوگوں کو صدقہ کرنے کا حکم دیا ہے تو اس نے انہی میں سے ایک کپڑا پھینک دیا ہے، پس حضورؐ نے اُسے ڈانٹا اور فرمایا اپنا کپڑا لے لو۔ اس سے معلوم ہوا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی مراد اُسے دو رکعت نماز کا حکم دینے سے یہ تھی کہ لوگ اسے دیکھیں اور صدقہ کریں کیونکہ وہ بوسیدہ لباس میں تھا۔ اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ وہ عُریاں تھا، کیونکہ اگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی مراد اس نماز پڑھوانے سے اقامت سُنت ہوتی تو حدیث ابی ہریرہؓ میں یہ نہ ہوتا کہ خطبے کی حالت میں جب تو نے اپنے ساتھی سے کہا کہ چپ رہ تو تو نے لغو کام کیا۔ وہ حدیث بالاجماع صحیح ہے اور اس کی صحت میں کسی کا اختلاف نہیں ہے، بلکہ قریب تھا کہ متواتر ہو جاتی۔ پس جب آپؐ نے اس حالت میں امر بالمعروف جیسے فریضے سے بھی منع فرما دیا تو اقامت سنت یا مستحب سے ممانعت بدرجہ اولیٰ ثابت ہوئی۔

شرح مسلم میں نوویؒ نے کہا ہے کہ مسجد میں آکر بیٹھ جانے سے تحیۃ المسجد کا سقوط اس شخص کے حق میں ہے جو مسئلہ سے واقف ہو اور عمداً ایسا کرے، لیکن جاہل یا بھول چوک سے ایسا کرے تو اس کا یہ حکم نہیں۔ اس کا جواب یہ ہے کہ یہ حکم احتمال پر دیا گیا ہے اور احتمال جب کسی دلیل پر نہ ہوا ہو تو لغو اور ناقابلِ اعتبار ہے۔ دارقطنی نے سُلیکؓ کی نماز کے وقت حضورؐ کا خطبہ سے خاموش ہو جانا لکھا ہے مگر اسے مرسل کہا ہے اور کہا ہے کہ مرسل حنفیہ کے ہاں حجت ہے۔ ابن العربی کا یہ جواب کہ حضورؐ کے امر کے باعث سُلیکؓ سے استماعِ خطبہ کا فریضہ ساقط ہو گیا تھا اور یہ کہ یہ قوی ترین جواب ہے۔ جواب میں اسے ضعیف ترین کہا گیا ہے کیونکہ حضورؐ سُلیکؓ کو نماز کا حکم دے کر خطبہ میں مصروف ہو گئے تھے لہٰذا پہلے امر کا وقت ختم ہو گیا تھا اور اس پر بقولِ شُمنی استماع واجب تھا اور صحیح بات یہی ہے کہ اُس نے یہ نماز حالتِ خطبہ میں پڑھی تھی۔ لیکن دارقطنی کی حدیث انسؓ جسے اس نے مرسل کہا ہے، یہ بتاتی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اُس وقت رُوک کر کھڑے ہو گئے تھے حتیٰ کہ سُلیکؓ نماز سے فارغ ہو گیا۔ اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ یہ قصہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے خطبہ کو شروع کرنے سے پہلے پیش آیا تھا۔ مسلم میں لیث کی روایت اس کی دلیل ہے کہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم منبر کے پاس تشریف فرما تھے۔ اور حضورؐ کا یہ قعود دو خطبوں کے درمیان نہ تھا کیونکہ وہ قعود طویل تھا اور خطبوں کے درمیان قلیل ہوتا ہے۔ جس طرح نماز میں پہلے کلام وغیرہ مباح تھا اسی طرح خطبہ میں بھی تھا۔ اس کی دلیل ابوسعیدؓ کی حدیث ہے کہ لوگوں نے اپنے کپڑے نکال پھینکے حالانکہ یہ ایک اجماعی مسئلہ ہے کہ خطبہ کی حالت میں کپڑا اتار پھینکنا جائز نہیں ہے، اسی طرح خطبہ

کی حالت میں کنکریوں وغیرہ سے کھیلنا ناجائز ہے۔ اور اسی طرح کسی شخص کا دوسرے کو کہنا کہ چپ رہ، یہ بھی مکروہ ہے۔ اس سے یہ معلوم ہوگیا کہ حضورؐ نے سلیک رضؓ کو جو نماز کا حکم دیا اور لوگوں کو صدقے کا حکم دیا اور انہوں نے کپڑے نکال نکال پھینکے، یہ سب کچھ اس وقت تھا جبکہ یہ افعال خطبہ میں مُباح تھے۔ اور جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خطبہ کے وقت انصات کا حکم دیا اور خطبہ کا حکم بھی نماز جیسا قرار دیا اور اس میں کلام کو لغو ٹھہرایا جیسا کہ نماز میں ٹھہرایا تھا۔ پس جس شخص نے یہاں پر نسخ کا حکم لگایا ہے اس کی مراد ہے جو بیان کی گئی۔

امام طحاوی رحؒ نے کہا کہ اوقاتِ مکروہہ میں نماز پڑھنا اس شخص کے لیے بھی مکروہ ہے جو مسجد کے اندر ہو اور اس پر بھی جو باہر سے آئے۔ اسی طرح جب سب اس پر متفق ہیں کہ جو شخص مسجد کے اندر موجود ہو اس کے لیے خطبہ کے وقت نماز مکروہ ہے اسی طرح باہر سے آنے والے کے لیے مکروہ ہونی چاہیئے۔ یہ محض قیاس نہیں جسے مقابلۂ نص کا عذر کر کے رد کر دیا جائے بلکہ خطبہ کے وقت انصات کا حکم سلمان رضؓ، ابوسعید خدری رضؓ، ابوہریرہ رضؓ، عبداللہ بن عمرو بن العاص اور اوس رضؓ بن اوس کی حدیثوں میں موجود ہے۔ اس سے یہ دلیل نکلی کہ امام کے خطبے کا وقت نماز کا وقت نہیں ہے اور اس میں مسجد کے اندر والا اور باہر سے آنے والا برابر ہیں۔ شافعیہ میں سے ماوردی اور کئی دوسرے حضرات طحاوی سے اتفاق کرتے ہیں اور خطبہ کو ہر حیثیت سے نماز نہیں ہے لیکن وہ اس حیثیت سے نماز ہے۔ کہ نماز میں اس کی وجہ سے قصر ہوگیا ہے لہٰذا اس حیثیت سے اس کا حکم نماز جیسا ہے۔

اس پر ابوالزاہریہ کی حدیث دلالت کرتی ہے کہ عبداللہ بن بشیر سے مروی ہے کہ میں جمعہ کے دن ان کے پہلو میں بیٹھا ہوا تھا کہ ایک شخص لوگوں کی گردنیں پھلانگتا ہوا آیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بیٹھ جا تو نے بہت سے لوگوں کو دُکھ دیا ہے۔ اس حدیث میں حضورؐ نے اسے نماز کا حکم نہیں دیا بلکہ بیٹھ جانے کا حکم دیا تھا اور یہ سلیک رضؓ کی حدیث کے خلاف ہے۔ اس حدیث کے خلاف صرف یہ حدیث ہی نہیں بلکہ صحابہ و تابعین کا عمل بھی ہے۔ امام کے خطبہ میں ہونے کی حالت میں نماز ممانعت ان صحابہ رضؓ سے ثابت ہے: عقبہ بن عامر رضؓ جہنی، ثعلبہ رضؓ بن ابی مالک قرظی، عبداللہ بن صفوان بن امیہ، عبداللہ بن عمر رضؓ، عبداللہ بن عباس رضؓ۔

عقبہ رضؓ کا اثر طحاوی رحؒ نے صحیح سند سے روایت کیا ہے کہ: منبر پر امام کا جلوس نماز کو قطع کر دیتا ہے۔ ابن ابی شیبہ نے ثعلبہ بن مالک رضؓ قرظی کا اثر اپنی سند سے روایت کیا ہے کہ: میں نے عمر و عثمان رضی اللہ عنہما کا وقت پایا ہے۔ امام جب باہر آتا تو ہم نماز ترک کر دیتے اور جب وہ خطبہ دیتا تو ہم کلام کو ترک کر دیتے۔ عبداللہ بن صفوان کا اثر طحاوی نے صحیح سند سے روایت کیا ہے کہ ہشام بن عروہ نے کہا میں نے عبداللہ بن صفوان کو جمعہ کے دن مسجد کے اندر داخل ہوتے دیکھا۔ عبداللہ بن زبیر رضؓ خطبہ دے رہے تھے۔ عبداللہ بن صفوان نے تہبند اور چادر پہن رکھی تھی اور پاؤں میں جوتے تھے اور سر پر عمامہ تھا، انہوں نے حجرِ اسود کو بوسہ دیا پھر کہا: السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ کہا، پھر بیٹھ گئے اور نماز نہ پڑھی۔ عبداللہ بن عمر رضؓ اور عبداللہ بن عباس رضؓ کے آثار کو طحاوی نے عطاء سے روایت کیا ہے کہ وہ دونوں جمعہ کے دن خروجِ امام کے بعد نماز اور کلام کو مکروہ جانتے تھے۔

اب رہے تابعین سو وہ شعبی، زہری، ابو قلابہ اور مجاہد ہیں۔ شعبی کا اثر طحاوی نے روایت کیا ہے کہ امام کے باہر آنے کے بعد شعبی نماز نہیں پڑھتے تھے۔ زہری کا اثر بھی طحاوی کی روایت سے آیا ہے اس کی سند صحیح ہے کہ

زہری نے کہا: امام جمعہ کے دن خطبہ دے رہا ہو تو جو آدمی مسجد میں داخل ہو وہ بیٹھ جائے، نفل نہ پڑھے۔ علقمہ کا اثر بھی سند صحیح کے ساتھ طحاوی نے بیان کیا ہے کہ امام کے خطبے کے وقت علقمہ کلام اور نماز کو مکروہ جانتے تھے۔ ابوقلابہ کا اثر بھی طحاوی نے صحیح سند سے بیان کیا ہے کہ آدمی امام کے خطبے میں آئے تو نماز نہ پڑھے بلکہ بیٹھ جائے۔ مجاہد کا اثر امام طحاوی نے صحیح سند کے ساتھ روایت کیا ہے اس کا مضمون بھی یہی ہے کہ مجاہد نے امام کے خطبے کی حالت میں نماز مکروہ سمجھی تھی۔ صحابہ اور تابعین میں سے یہ سادات عظام اور ائمہ کرام ہیں جنہوں نے سُلیک رض کی حدیث پر عمل نہیں کیا۔ اگر انہیں یہ معلوم ہوتا کہ اس پر عمل لازم ہے تو وہ ضرور اسے اپناتے۔

اگر کوئی شخص کہے کہ ابوقتادہ رض سلمی کی حدیث کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جب تم میں سے کوئی مسجد میں داخل ہو تو دو رکعت نماز پڑھے، یہ حدیث خطبے اور غیر خطبے دونوں کو مشتمل ہے۔ پس جو کوئی بھی مسجد میں داخل ہو، جمعہ ہو یا غیر جمعہ، امام خطبہ میں ہو یا نہ، بہر حال یہ دو رکعت واجب ہیں۔ تو اس کا جواب یہ ہے کہ یہ حدیث اس شخص کے لیے ہے جو مسجد میں داخل ہو مگر نماز سے کوئی شرعی حکم مانع نہ ہو اور اس وقت نماز حلال ہو۔ ورنہ اگر کوئی شخص طلوع شمس، غروب شمس اور نصف النہار کے وقت مسجد میں داخل ہو تو کیا وہ بھی اس حدیث کا مخاطب ہوگا؟ حالانکہ اس کے لیے اس وقت میں نماز کا حرام ہونا صریح اور صحیح حدیثوں سے ثابت ہے۔ اگر کوئی شخص کہے کہ ابوقتادہ رض کی حدیث کا تو تم نے یہ جواب دیا ہے مگر بخاری اور ابوداؤد کی اس حدیث کو کیا کرو گے جو جابر رض بن عبداللہ سے مروی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے خطبے میں فرمایا تھا کہ جب تم میں سے کوئی آئے اور امام خطبہ دے رہا ہو یا باہر آچکا ہو تو دو رکعت نماز پڑھے۔ یہ لفظ بخاری کے ہیں۔ ابوداؤد میں ہے کہ: پھر حضور لوگوں کی طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا الخ اس کا جواب یہ ہے کہ یہ حدیث نماز کی اباحت بتاتی ہے اور انصات کے حکم والی حدیث وقت بتاتی ہے پس مبیح اور محرّم جمع ہو گئے ہیں لہذا محرّم کو ترجیح دی جائے گی۔ اور شافعیہ نے خطبہ کی ابتداء اور انتہاء میں آنے والے میں فرق کیا ہے، اور کہا ہے کہ یہ حدیث اس وقت واجب العمل ہے جبکہ کوئی امام کے خطبے کی ابتداء میں داخل ہو لیکن اگر کوئی خطبے کے آخر میں آئے اور خوف ہو کہ اگر نماز میں مشغول ہو گیا تو نماز جمعہ کی تکبیر تحریمہ فوت ہو جائے گی تو وہ نماز نہ پڑھے (یہ مسئلہ الاقناع میں اسی طرح آیا ہے) حالانکہ حدیث عام ہے اور اس کا تقاضا تو یہ ہے کہ مسجد میں داخل ہونے والا بہرصورت دو رکعت ادا کرے، امام چاہے خطبہ کی ابتداء میں ہو، وسط میں ہو یا آخر میں ہو۔

علامہ عینی رح نے کہا ہے کہ حافظ ابن حجر رح نے یہ بھی کہا کہ ہم یہ نہیں مانتے کہ یہ نماز تحیۃ المسجد تھی، بلکہ ہو سکتا ہے کہ کوئی فوت شدہ نماز ہو مثلاً صبح کی نماز۔ مگر اس کا رد ابن حبان رح نے اپنی صحیح میں کیا ہے کہ اگر یہ بات ہوتی تو حضور صرف اس کو ایک بار حکم دیتے، مگر یہاں تو آپ کا حکم مکرر ثابت ہو رہا ہے۔ علامہ عینی رح نے کہا کہ ابن حجر رح نے شاید یہ قول ابن المنیر سے نقل کیا ہے کہ حضور کا حکم اگر تحیۃ المسجد کے لیے ہوتا تو یہ پوچھنے کی ضرورت کیا تھی کہ کیا تم نے نماز پڑھ لی ہے؟ لہذا یہی کہنا درست ہے کہ بذریعۂ کشف آپ کو معلوم ہو گیا تھا کہ اس کی فوت شدہ نماز ہنوز اس کے ذمہ ہے۔ اور سوال کے انداز میں حضور نے لطف و کرم کا طریقہ اختیار فرمایا تھا ورنہ آپ کو کشفاً معلوم تھا۔ علامہ عینی رح نے کہا کہ یہ جواب اچھا ہے اور یہ ابن حبان کے جواب سے بہتر ہے جس نے حکم کے تکرار سے یہ ثابت کیا کہ یہ حکم فوت شدہ نماز کے لیے تھا۔

علامہ عینیؒ نے حافظ ابن حجرؒ سے حدیث ابی سعیدؓ کا جواب یہ نقل کیا ہے کہ مروان خطبے میں تھا، ابو سعیدؓ مسجد میں داخل ہوئے اور دو رکعت نماز ادا کی۔ مروان کے سپاہیوں نے اسے روکنا چاہا مگر وہ نہ رُکے اور کہا کہ جو کچھ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سُن چکا ہوں کہ آپ نے دو رکعت کا حکم دیا تھا، اس کی موجودگی میں کسی کے روکے رک نہیں سکتا۔ اور صحابہؓ میں سے کسی سے بھی اس پہ نکیر ثابت نہیں ہوئی اور شارح ترمذی نے بھی لکھا ہے کہ جن لوگوں سے اس وقت نماز کی نہی منقول ہے وہ اس صورت پہ محمول ہے کہ وہ شخص مسجد کے اندر پہلے سے موجود ہو کیونکہ ان میں سے کسی سے بھی تحیۃ المسجد کی نہی صراحۃً منقول نہیں ہے۔ علامہ عینیؒ نے کہا کہ ہم نے اوپر عُقبہ بن عامر کی روایت درج کی ہے کہ امام پہ جب منبر پہ ہو تو نماز معصیت ہے، اس کی موجودگی میں اور کسی نہی کی ضرورت ہے اور اس سے زیادہ صراحت اور کیا ہو سکتی ہے؟ پھر شارح ترمذی یہ کیونکر کہتا ہے کہ کسی سے نہی منقول نہیں ہوئی۔ اسے یہ نہیں معلوم کہ اس سے زیادہ تصریح اور کیا ہوگی؟ اگر صرف کراہت کا لفظ ہوتا یا لا یَفْعَلْ کا لفظ ہوتا تو بھی صریح ممانعت ہوتی مگر یہاں تو معصیت کا لفظ ہے۔ اور ظاہر ہے کہ معصیت کا فعل حرام ہوتا ہے۔ اور اسے معصیت اس بنا پہ کہا گیا کہ اس وقت یہ چیز انصات میں مخل ہے جو مامور بہ ہے۔ پس جو ایسا کرے وہ امر کا تارک ہے اور امر کا تارک عاصی کہلاتا ہے۔ اور اس کا فعل معصیت ہوتا ہے اور حقیقت میں یہ اطلاق بطور مبالغہ ہے۔ اگر یہ اعتراض ہو کہ عقبہؓ کے اثر میں ابن لہیعہ راوی ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ پھر کیا ہوا؟ درانحالیکہ امام احمد بن حنبلؒ نے کہا ہے کہ کثرتِ حدیث اور ضبط و اتقان میں ابن لہیعہ جیسا اور کون ہے؟ اور امام احمدؒ نے ابن لہیعہ سے بکثرت روایت کی ہے۔ ابن وہب نے کہا، مجھ سے ابن لہیعہ نے حدیث بیان کی جو واللہ سچا اور نیکوکار تھا۔ احمد بن صالح نے کہا ابن لہیعہ صحیح لکھنے والا اور علم کا بہت بڑا طالب تھا۔

حافظ ابن حجرؒ نے یہ بھی کہا ہے کہ طحاویؒ نے ابن زبیرؓ کے خطبے میں عبداللہ بن صفوان کی آمد کا قصہ بیان کیا ہے کہ ابن صفوان نے آکر رکن کو بوسہ دیا پھر سلام کہا اور پھر بلا تحیۃ المسجد پڑھے بیٹھ گئے۔ طحاویؒ نے ان کے عدم نکیر سے استدلال کیا ہے مگر حافظ صاحب نے تعاقب کیا اور کہا کہ ان کا نکیر نہ کرنا حرمت کی دلیل نہیں ہے اس سے صرف عدمِ وجوب ثابت ہوتا ہے۔ علامہ عینیؒ نے کہا کہ یہ تعاقب غلط ہے کیونکہ طحاوی نے حرمت کا دعویٰ نہیں کیا تھا۔ جن لوگوں نے اس وقت تحیۃ المسجد کو ممنوع کہا ہے وہ بھی اس کی حرمت کے قائل نہیں، ان کا قول صرف یہ ہے کہ یہ فعل نامناسب اور غیر مستحب ہے۔ مولاناؒ نے فرمایا کہ علامہ عینی کا یہ قول بظاہر کتب حنفیہ کی صراحت کے خلاف ہے کیونکہ انہوں نے مطلق کراہت کی تصریح کی ہے اور مطلق کراہت کا لفظ حرمت کا ہم معنی ہے اور بعض صراحۃً حرمت کا لفظ استعمال کیا ہے۔ البدائع میں نماز، قرأۃ قرآن اور کلام کو محظوراتِ خطبہ (محرمات) میں شمار کیا ہے۔ اور اس طرح جو چیز خطبہ سے مشغول و غافل کرے وہ بھی مطلق مکروہ ہے مثلاً تسبیح و تہلیل اور کتابت وغیرہ، بلکہ استماع اور سکوت واجب ہے۔ مبسوط میں ہے کہ جب امام نکل آئے تو اس کا خروج نماز کو قطع کر دیتا ہے۔ خروجِ امام کے بعد اگر کوئی نماز کا افتتاح کرے تو مکروہ ہے کیونکہ استماع واجب ہے اور نماز اس سے روکتی ہے۔ واجب کا ترک نفل سے جائز نہیں ہے۔ درمختار میں ہے کہ اگر امام کا حجرہ موجود ہے تو اس کا باہر آنا اور اگر حجرہ نہیں ہے تو منبر پہ چڑھنے کے لیے اس کا کھڑا ہونا صلاۃ اور کلام کو ختم کر دیتا ہے۔ شافعیؒ نے کہا کہ نماز میں سُنت اور

تحیۃ المسجد سب شامل ہیں۔ اور حرمت سے مراد یہ ہے کہ اس وقت یہ فعل ناجائز ہے اگر کوئی پڑھ لے تو نماز کا انعقاد ہو جائے گا۔ آخر میں علامہ عینی رحمہ اللہ کا یہ قول یاد رکھنا ضروری ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد حدیث ابی قتادہ رضی اللہ عنہ میں: جب تم میں سے کوئی مسجد میں داخل ہو تو بیٹھنے سے پہلے دو رکعت پڑھ لے، ایک عام قول ہے جس میں سے دلائل شرع سے بعض صورتیں مخصوص ہیں۔

بَابُ ۲۳۸ تَخَطِّی رِقَابِ النَّاسِ یَوْمَ الْجُمُعَةِ

جمعہ کے دن لوگوں کی گردنیں پھلانگنے کا باب

۱۱۲۰۔ حَدَّثَنَا هَارُونُ بْنُ مَعْرُوفٍ نَا بِشْرُ بْنُ السَّرِیِّ نَا مُعَاوِیَةُ بْنُ صَالِحٍ عَنْ اَبِی الزَّاهِرِیَّةِ قَالَ كُنَّا مَعَ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ بُسْرٍ صَاحِبِ النَّبِیِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ یَوْمَ الْجُمُعَةِ فَجَاءَ رَجُلٌ یَتَخَطّٰی رِقَابَ النَّاسِ فَقَالَ عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ بُسْرٍ جَاءَ رَجُلٌ یَتَخَطّٰی رِقَابَ النَّاسِ یَوْمَ الْجُمُعَةِ وَالنَّبِیُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ یَخْطُبُ فَقَالَ لَهُ النَّبِیُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اجْلِسْ فَقَدْ اٰذَیْتَ۔

ابو الزاہریہ کا بیان ہے کہ ہم جمعہ کے دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابی عبداللہ بن بسر کے ساتھ تھے پس ایک آدمی لوگوں کی گردنیں پھاندتا ہوا آیا تو عبداللہ بن بسر نے کہا کہ جمعہ کے دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خطبہ دے رہے تھے تو ایک آدمی لوگوں کی گردنیں پھلانگتا ہوا آیا۔ پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے فرمایا: بیٹھ جا تو نے اذیت پہنچائی ہے۔

شرح: تو نے اذیت دی ہے، یعنی مجھے یا لوگوں کو تکلیف پہنچائی ہے۔ ابن ماجہ کی روایت ہے: اٰذَیْتَ وَاٰنَیْتَ تم نے دکھ دیا ہے اور دیر سے آئے ہو۔ یعنی دیر سے آئے تھے تو پیچھے بیٹھتے مگر اب ایک تو دیر سے آئے ہو اور دوسرے لوگوں کو دکھ بھی دیتے ہو۔ علامہ شوکانی رحمہ اللہ نے کہا کہ اس باب کی احادیث جمعہ کے دن اس فعل کی کراہت پر دلالت کرتی ہیں اور بظاہر یہ قید بتاتی ہے کہ یہ جمعہ کے دن کے ساتھ مخصوص ہے۔ اور ممکن ہے کہ یہ قید اس لیے ہو کہ غالباً ایسا جمعہ کو ہوتا ہے کیونکہ مجمع زیادہ ہوتا ہے تو باہر سے آنے والے اندر جا کر قریب بیٹھنے کی کوشش کرتے ہیں۔ پس اس دوسری تاویل کی بنا پر دوسری نمازوں کا بھی یہی حکم ہے اور اذیت کی تعلیل یہی بتاتی ہے کہ عام نمازوں بلکہ مجالس علم وغیرہا کا حکم بھی یہی ہے کیونکہ پچھلوں کے آگے جانے سے لوگوں کو اذیت ہوتی ہے۔ جمعہ کے دن لوگوں گردنیں پھلانگنے کے حکم میں اختلاف ہوا ہے۔ ترمذی نے اہل علم کی طرف سے بیان کیا ہے کہ انہوں نے گردنیں پھلانگنے کو مکروہ کہا ہے اور اس میں تشدید کی ہے۔ ابو حامد نے اپنی تعلیق میں امام شافعی رحمہ اللہ سے حکایت کرتے ہوئے تحریم کا حکم لگایا ہے۔ نووی رحمہ اللہ نے زوائد الروضہ میں کہا ہے کہ احادیث صحیحہ کی بنا پر اس فعل کو حرام جاننا ہی مختار ہے۔ اصحاب احمد رحمہ اللہ نے صرف کراہت پر اقتصار کیا ہے۔ عراقی نے کعب الاحبار سے روایت کی ہے کہ اس نے کہا۔ گردنیں پھلانگنے سے

مجھے یہ زیادہ پسند ہے کہ جمعہ ترک کر دوں۔ سعید بن المسیبؒ نے کہا ہے کہ گردنیں پھلانگنے کی نسبت مجھے یہ زیادہ پسند ہے کہ نماز جمعہ کو حرّہ میں جا کر پڑھوں، ابوہریرہؓ سے بھی اسی قسم کی روایت کی گئی ہے مگر وہ صحیح نہیں۔ عراقی نے کہا کہ اس حکم سے امام مستثنیٰ ہے اور وہ شخص بھی جو آگے جگہ کی گنجایش دیکھتا ہے مگر گردنیں پھلانگے بغیر وہاں جا نہیں سکتا۔ یہ ضرورت کی بنا پر ہو گا۔ اسی قسم کی روایت امام شافعیؒ سے بھی آئی ہے۔ اور عقبہ بن حارث کی حدیث کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو جلدی تھی لہٰذا ایک مرتبہ آپ نے اپنی بعض ازواج مطہرات کے حجرے کی طرف تشریف لے جانے کے لیے گردنوں کو پھلانگا تھا۔ اس سے معلوم ہوا کہ ضرورت کے وقت ایسا کرنا جائز ہے بشرطیکہ جمعہ میں نہ ہو۔

حنفیہ کے نزدیک اس فعل کا حکم یہ ہے کہ واقعی شرعی ضرورت کے وقت گردنیں پھلانگنا جائز ہے لیکن اس میں دو شرطیں ہیں۔ ایک یہ کہ اس سے لوگوں کو اذیت نہ پہنچے اور دوسری یہ کہ یہ اس وقت تک ہے جب تک امام باہر نہ نکلا ہو، ورنہ جائز نہیں ہے۔

بَابُ الرَّجُلِ يَنْعَسُ وَالْإِمَامُ يَخْطُبُ

امام کے خطبے کے وقت آدمی کے اونگھنے کا باب

۱۱۲۱۔ حَدَّثَنَا هَنَّادُ بْنُ السَّرِيِّ عَنْ عَبْدَةَ عَنِ ابْنِ إِسْحَاقَ عَنْ نَافِعٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ سَمِعْتُ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ إِذَا نَعَسَ أَحَدُكُمْ وَهُوَ فِي الْمَسْجِدِ فَلْيَتَحَوَّلْ مِنْ مَجْلِسِهِ ذٰلِكَ إِلَى غَيْرِهِ۔

ابن عمرؓ نے کہا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا: جب تم میں سے کوئی مسجد میں اونگھ جائے تو اپنی جگہ چھوڑ کر کسی اور جگہ چلا جائے (ترمذی میں یہ روایت موجود ہے اور اس میں یوم جمعہ کا لفظ بھی ہے۔ ترمذی نے اسے حسن صحیح کہا ہے)

شرح: اونگھ سے مراد ایک لطیف ہوا ہے جو دماغ کی طرف سے آتی ہے آنکھ پر چھا جاتی ہے مگر دماغ تک نہیں پہنچتی دماغ تک جا پہنچے تو وہ نوم (نیند) کہلاتی ہے۔ اس حدیث میں یا ترمذی کی روایت میں امام کے خطبے کا ذکر نہیں ہے۔ شاید ابوداؤد کا یہ مذہب ہو کہ خطبے میں بھی اگر اونگھ آئے تو جگہ بدلنا جائز ہے، ورنہ دلائل کی بناء پر خطبہ کے وقت ایسا کرنا ممنوع ہے۔ ابوداؤد نے باب کے عنوان میں جو وَالْإِمَامُ يَخْطُبُ کہا ہے اس سے ان کا مسلک معلوم ہوتا ہے۔

بَابُ الْإِمَامِ يَتَكَلَّمُ بَعْدَ مَا يَنْزِلُ مِنَ الْمِنْبَرِ

منبر سے اترنے کے بعد امام کی گفتگو کا باب

۱۱۲۲۔ حَدَّثَنَا مُسْلِمُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ عَنْ جَرِيرٍ وَهُوَ ابْنُ حَازِمٍ لَا أَدْرِي كَيْفَ

قَالَهُ مُسْلِمٌ أَوْ لَا عَنْ ثَابِتٍ عَنْ أَنَسٍ قَالَ رَأَيْتُ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَنْزِلُ مِنَ الْمِنْبَرِ فَيَعْرِضُ لَهُ الرَّجُلُ فِي الْحَاجَةِ فَيَقُومُ مَعَهُ حَتَّى يَقْضِيَ حَاجَتَهُ ثُمَّ يَقُومُ فَيُصَلِّي قَالَ أَبُو دَاوُدَ الْحَدِيثُ لَيْسَ بِمَعْرُوفٍ عَنْ ثَابِتٍ هُوَ مِمَّا تَفَرَّدَ بِهِ جَرِيرُ بْنُ حَازِمٍ۔

انس رضی اللہ عنہ نے کہا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ آپ منبر سے اترتے اور کوئی آدمی کسی ضرورت سے سامنے آجاتا تو آپ اس کے ساتھ کھڑے رہتے، اس کی ضرورت پوری فرماتے پھر کھڑے ہوتے اور نماز پڑھاتے۔ ابوداؤد نے کہا کہ یہ حدیث ثابت سے معروف نہیں اور یہ ان حدیثوں میں سے ہے جن میں جریر بن حازم متفرد ہے۔ (اس حدیث کو ترمذی، نسائی اور ابن ماجہ نے بھی روایت کیا ہے۔ ترمذی نے کہا کہ یہ حدیث غریب ہے، ہم اسے صرف جریر بن حازم کی روایت سے جانتے ہیں۔ میں نے محمد یعنی بخاری سے سنا کہ وہ کہتے تھے: جریر بن حازم نے اس حدیث میں وہم کیا ہے اور وہ بارہا کچھ چیزوں میں وہم کرجاتا ہے مگر ہے وہ صدوق۔ دارقطنی نے بھی اس حدیث میں جریر بن حازم کو ثابت سے روایت کرنے میں متفرد کہا ہے۔ مختصر منذری)

شرح: صحیح وہ روایت ہے کہ جو ثابت نے انس رضی اللہ عنہ سے کی ہے: نماز کی اقامت ہوگئی تو آدمی نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ کا ہاتھ پکڑا اور آپ سے برابر گفتگو کرتا رہا حتیٰ کہ بعض لوگ اونگھنے لگے (حسب بیان ترمذی بقول محمد بن اسماعیل بخاری) اصل حدیث یہ تھی جسے جریر نے اس طرح روایت کیا جو اس وقت سامنے ہے۔ بخاری نے جریر کے وہم کی ایک اور مثال دی ہے جس میں روایت تو ابوقتادہ رضی اللہ عنہ کی تھی مگر ثابت بنانی نے وہم سے اسے انس رضی اللہ عنہ کے نام کر دیا۔ اس اصل مسئلے میں حنفیہ کا مسلک یہ ہے کہ بعد از خطبہ مؤذن کی اقامت کے اثنا میں ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک وہ سب کچھ مکروہ ہے۔ صاحبین کے نزدیک کلام جائز مگر نماز مکروہ ہے۔

بَابُ ۲۳۵ مَنْ أَدْرَكَ مِنَ الْجُمُعَةِ رَكْعَةً

جمعہ کی ایک رکعت پانے والے کا باب

۱۱۲۳۔ حَدَّثَنَا الْقَعْنَبِيُّ عَنْ مَالِكٍ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ عَنْ أَبِي سَلَمَةَ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ أَدْرَكَ رَكْعَةً مِنَ الصَّلٰوةِ فَقَدْ أَدْرَكَ الصَّلٰوةَ۔

ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے کہا کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس نے نماز کی ایک رکعت پالی تو اس نے نماز کو پالیا۔ (امام بخاری اور مسلم نے اس حدیث کو کتاب الصلوٰۃ میں، ترمذی نے جمعہ میں اور نسائی اور ابن ماجہ نے کتاب الصلوٰۃ

میں روایت کیا ہے۔ ابن ماجہ نے ایک حدیث ابن عمرؓ سے روایت کی ہے جس کے الفاظ یہ ہیں کہ: جس کسی نے نمازِ جمعہ سے یا کسی اور نماز سے ایک رکعت پائی تو اس نے نماز کو پالیا)

شرح: خطابی نے معالم السنن میں کہا ہے کہ اس حدیث کی دلالت یہ ہے کہ جب کوئی شخص جمعہ کی پوری رکعت نہ پائے تو اس کا جمعہ فوت ہوگیا، اب وہ چار رکعت (ظہر) پڑھے۔ کیونکہ اس حدیث نے اس کو جمعہ پانے والا اس شرط کے ساتھ قرار دیا ہے کہ رکعت پائے، شرط کی دلالت کا تقاضا یہ ہے کہ رکعت سے کم پانے والا جمعہ کی نماز کو پانے والا نہیں ہے۔ سفیان ثوریؒ، مالکؒ، اوزاعیؒ، شافعیؒ، احمد بن حنبلؒ اور اسحاق بن راہویہؒ کا یہی مذہب ہے۔ اور یہی روایت عبداللہ بن مسعودؓ، ابن عمرؓ، انسؓ، ابن المسیبؒ، علقمہؒ، اسودؒ، عروہؒ، حسن بصریؒ، شعبیؒ اور زہریؒ سے ہے۔ الحکمؒ حمادؒ اور ابوحنیفہؒ نے کہا کہ جو شخص جمعہ کے دن امام کے ساتھ تشہد پائے وہ دو رکعت پڑھے، یعنی اسے جمعہ مل گیا۔

مولانا نے فرمایا کہ ظاہر حدیث کا اقتضا یہ ہے کہ ایک رکعت پانے والا ساری نماز کو پانے والا ہو، یعنی اس کی نماز ہوگئی جو اس کے ذمہ فریضہ تھا وہ ادا ہوگیا۔ علماء میں سے کسی نے یہ نہیں کہا کہ ایک رکعت کا پالینا تمام نماز کی طرف سے کافی ہے۔ بلکہ سب کہتے ہیں کہ اس کے ذمہ تمام صلاۃ واجب ہے۔ حدیث کا مطلب پھر یہ ہوا کہ اس شخص نے نماز کا جزء پالیا۔ یا اس کا وجوب پالیا، یا اس کی فضیلت پائی اور اب باقی کو ادا کرنا اس پر فرض ہے۔ جمعہ کی ایک رکعت پا کر باقی نماز کی تکمیل بطورِ جمعہ کرنا متفق علیہ ہے۔ اب جو مسئلہ باقی تھا وہ یہ ہے کہ جس شخص نے رکعت نہیں پائی (رکوع سے رکعت کا مل جانا بھی اجماعی مسئلہ ہے لہٰذا اگر رکعت سے رکوع مراد لیں تو بھی معنیٰ درست ہے، بلکہ اس صورت میں کچھ اور مسائل بھی حل ہوتے ہیں اور اس میں وسعت آجاتی ہے) بلکہ وہ سجدہ میں داخل صلوٰۃ ہوا یا تشہد میں ملا تو آیا وہ جمعہ پورا کرے یا نمازِ ظہر؟ مصنف نے اس صورت کا کوئی حکم بیان نہیں کیا کیونکہ اس میں اختلاف موجود ہے۔ امام ابو حنیفہؒ اور ابو یوسفؒ کے نزدیک وہ جمعہ پورا کرے۔ اور امام شافعیؒ اور محمد بن الحسن کے نزدیک وہ نمازِ ظہر پوری کرے۔ ان حضرات کا استدلال دارقطنی کی حدیث سے ہے جسے اس نے مختلف الفاظ کے ساتھ روایت کیا ہے۔ ایک روایت میں ہے: جو شخص جمعہ میں سے ایک رکعت پائے وہ اس کے ساتھ ایک رکعت اور ملائے اور اگر لوگوں کو آخری قعدے میں پائے تو چار رکعت ظہر پڑھے۔ ایک روایت میں ہے کہ: جو شخص جمعہ میں سے ایک رکعت پالے وہ اس کے ساتھ دوسری ملائے اور جس کی دونوں رکعتیں فوت ہوجائیں وہ چار پڑھے۔ یا کہا کہ ظہر پڑھے یا یہ کہا کہ نماز پیشین پڑھے۔ اور ایک روایت میں ہے کہ: جب تم میں سے کوئی جمعہ کے دن دو رکعت پالے تو اس نے جمعہ پالیا اور جب ایک رکعت پائی تو اس کے ساتھ ایک اور رکعت ملالے اور اگر ایک رکعت نہیں پائی تو چار رکعت پڑھے۔ اور اس روایت کی سند میں یٰسین ہے جو ضعیف ہے۔ ایک اور روایت میں ہے کہ جو شخص پچھلی رکعت میں سے رکوع پالے تو اس کے اس کے ساتھ دوسری رکعت ملالے اور جس نے پچھلی رکعت میں سے رکوع نہیں پایا تو وہ چار رکعت ظہر پڑھے۔ اور ایک روایت میں ہے کہ جب تو نمازِ جمعہ میں سے آخری رکعت پالے تو اس کے ساتھ ایک رکعت ملالے اور اگر تیری آخری رکعت بھی فوت ہوگئی تو ظہر کی چار رکعتیں پڑھ۔ پس اس حدیث کی وجہ سے امام شافعیؒ اور محمدؒ نے کہا کہ جس نے دوسری رکعت نہیں پائی بلکہ دوسری رکعت کا رکوع فوت ہوگیا اور وہ سجدے میں یا تشہد میں داخلِ نماز ہوا تو وہ نمازِ ظہر پڑھیگا اور اس کے لیے جمعہ کی دو رکعات پر اکتفا کرنا جائز نہیں ہے۔

امام ابوحنیفہؒ اور ابو یوسف کا استدلال اس حدیث سے ہے جو بخاری اور مسلم نے اور دیگر محدثین نے بھی روایت کی ہے کہ "مَا اَدْرَكْتُمْ فَصَلُّوْا وَمَا فَاتَكُمْ فَاَتِمُّوْا" جتنی نماز تمہیں مل جائے اُسے پڑھ لو اور جو فوت ہو جائے اُسے پورا کر لو"۔ اور یہ حدیث اپنے عموم کے ساتھ اس شخص کو بھی شامل ہے جو سلام سے قبل آخری تشہد میں آ کر ملے، کیونکہ اس حدیث کی رُو سے اس پر واجب ہے کہ وہ نماز پوری کرے جس کی اس نے نیت کی تھی۔ شافعیؒ اور محمدؒ نے جس حدیث سے استدلال کیا ہے اس میں ان کے قول کی کوئی دلیل نہیں کیونکہ: اَدْرَكَهُمْ جُلُوْسًا کا لفظ اُس جلوس پر محمول ہے جو نماز سے فراغت کے بعد ہوتا ہے اور اس پر حدیث کا یہ لفظ دلالت کرتا ہے، وَمَنْ فَاتَتْهُ الرَّكْعَتَانِ فَلْيُصَلِّ اَرْبَعًا۔ دارقطنی کی حدیث میں سلیمان بن ابی داؤد ہے جس کا لقب لُومہ ہے اُسے ابو حاتم نے ضعیف بخاری نے منکر الحدیث اور ابن حبان نے ناقابل استدلال کہا ہے۔

بَابُ ۳۶ مَا يَقْرَأُ فِي الْجُمُعَةِ

نمازِ جمعہ کی قرأت کا باب

۱۱۲۴۔ حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيْدٍ نَا اَبُوْعَوَانَةَ عَنْ اِبْرَاهِيْمَ بْنِ مُحَمَّدِ بْنِ الْمُنْتَشِرِ عَنْ اَبِيْهِ عَنْ حَبِيْبِ ابْنِ سَالِمٍ عَنِ النُّعْمَانِ بْنِ بَشِيْرٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَقْرَأُ فِي الْعِيْدَيْنِ وَيَوْمِ الْجُمُعَةِ بِسَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْاَعْلٰى وَهَلْ اَتَاكَ حَدِيْثُ الْغَاشِيَةِ قَالَ وَرُبَّمَا اجْتَمَعَا فِي يَوْمٍ وَاحِدٍ فَقَرَأَ بِهِمَا۔

نعمان بن بشیرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عیدین میں اور جمعہ کے دن سورۂ اعلیٰ اور سورۂ الغاشیہ پڑھتے تھے اور بعض دفعہ دونوں ایک دن میں جمع ہو جاتے تو دونوں میں یہی پڑھتے (یہ حدیث بخاری، مسلم، ترمذی، نسائی اور ابن ماجہ نے بھی روایت کی ہے)

شرح: کئی احادیث میں اور سورتوں کا ذکر بھی ہے، مثلاً عید میں قاف اور الساعۃ، جمعہ میں سورۂ جمعہ اور المنافقون اور یہ سب ضعیف ہیں۔ کوئی ایک سورت کسی نماز سے مخصوص نہیں لیکن اگر بلا التزام یہ سورتیں پڑھی جائیں تو اتباع سنت ہے۔ اس پر بحث پہلے بھی گزر چکی ہے۔

۱۱۲۵۔ حَدَّثَنَا الْقَعْنَبِيُّ عَنْ مَالِكٍ عَنْ ضَمْرَةَ بْنِ سَعِيْدٍ الْمَازِنِيِّ عَنْ عُبَيْدِ اللّٰهِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُتْبَةَ اَنَّ الضَّحَّاكَ بْنَ قَيْسٍ سَاَلَ النُّعْمَانَ بْنَ بَشِيْرٍ مَاذَا كَانَ يَقْرَأُ بِهٖ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَوْمَ الْجُمُعَةِ عَلٰى اِثْرِ سُوْرَةِ الْجُمُعَةِ فَقَالَ كَانَ يَقْرَأُ بِهَلْ اَتَاكَ حَدِيْثُ الْغَاشِيَةِ۔

ضحاک بن قیسؓ نے نعمان بن بشیر سے پوچھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جمعہ کے دن سورۂ جمعہ کے بعد اور کونسی

سورۃ پڑھتے تھے ؟ تو انہوں نے کہا کہ سورۃ الغاشیۃ (یہ حدیث مسلم، نسائی اور ابن ماجہ نے بھی روایت کی ہے۔
ضحاک بن قیس خود صغار صحابہ میں سے تھے۔ نسائی نے نماز جنازہ کے متعلق ان کی ایک حدیث نقل کی ہے اس حدیث
کا سوال بظاہر لکھ کر کیا گیا تھا۔ جیسا کہ صحیح مسلم کی اس حدیث میں وضاحت موجود ہے۔ اس حدیث سے نماز
جمعہ میں سورۂ جمعہ اور الغاشیۃ کی قرأت ثابت ہوئی۔

۱۱۲۶۔ حَدَّثَنَا الْقَعْنَبِيُّ نَا سُلَيْمَانُ يَعْنِي ابْنَ بِلَالٍ عَنْ جَعْفَرٍ عَنْ أَبِيهِ عَنِ ابْنِ أَبِي رَافِعٍ قَالَ صَلَّى بِنَا أَبُو هُرَيْرَةَ يَوْمَ الْجُمُعَةِ فَقَرَأَ سُورَةَ الْجُمُعَةِ وَفِي الرَّكْعَةِ الْآخِرَةِ إِذَا جَاءَكَ الْمُنَافِقُونَ قَالَ فَأَدْرَكْتُ أَبَا هُرَيْرَةَ حِينَ انْصَرَفَ فَقُلْتُ لَهُ إِنَّكَ قَرَأْتَ بِسُورَتَيْنِ كَانَ عَلِيٌّ يَقْرَأُ بِهِمَا بِالْكُوفَةِ قَالَ أَبُو هُرَيْرَةَ فَإِنِّي سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقْرَأُ بِهِمَا يَوْمَ الْجُمُعَةِ ۔

ابن ابی رافع نے کہا کہ ابوہریرہؓ نے جمعہ کے دن ہمیں نماز پڑھائی تو سورۃ جمعہ کی قرأت کی اور دوسری رکعت
میں المنافقون۔ ابن ابی رافع نے کہا کہ پھر نماز ختم ہونے کے بعد میں ابوہریرہؓ سے ملا اور اس سے کہا آپ نے یہ دو
سورتیں جو پڑھی ہیں، علیؓ انہیں کوفہ میں پڑھا کرتے تھے۔ ابوہریرہؓ کہا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو انہیں
جمعہ کے دن پڑھتے سنا تھا (یہ حدیث مسلم، ترمذی، نسائی اور ابن ماجہ نے بھی روایت کی ہے۔ ابن ابی رافع کا نام
عبداللہ تھا۔ اس کا باپ ابورافعؓ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا آزاد کردہ غلام تھا، اس کا نام ابراہیم یا اسلم
تھا۔ المنذری)

شرح: اس حدیث کی سند میں ابن ابی رافع سے ابوجعفر الباقر اور ان سے جعفر الصادق راوی ہیں۔ ابوہریرہ مدینہ
میں مروان کی طرف سے نائب تھے جبکہ وہ مکہ گیا ہوا تھا، یہ نماز جمعہ کی امامت کا قصہ اسی دور کا ہے۔

۱۱۲۷۔ حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ عَنْ يَحْيَى بْنِ سَعِيدٍ عَنْ شُعْبَةَ عَنْ مَعْبَدِ بْنِ خَالِدٍ عَنْ زَيْدِ بْنِ عُقْبَةَ عَنْ سَمُرَةَ بْنِ جُنْدُبٍ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَقْرَأُ فِي صَلَاةِ الْجُمُعَةِ بِسَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْأَعْلَى وَهَلْ أَتَاكَ حَدِيثُ الْغَاشِيَةِ

سمرہ بن جندبؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نماز جمعہ میں سورۃ الاعلیٰ اور الغاشیہ
پڑھتے تھے (یہ حدیث نسائی کی سنن میں بھی مروی ہے)

بَابُ الرَّجُلِ يَأْتَمُّ بِالْإِمَامِ وَبَيْنَهُمَا جِدَارٌ

مقتدی اور امام کے درمیان دیوار ہونے کا باب

۱۱۲۸۔ حَدَّثَنَا زُهَيْرُ بْنُ حَرْبٍ نَا هُشَيْمٌ أَنَا يَحْيَى بْنُ سَعِيدٍ عَنْ عَمْرَةَ عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ صَلَّى رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي حُجْرَتِهِ وَالنَّاسُ يَأْتَمُّونَ بِهِ مِنْ وَرَاءِ الْحُجْرَةِ۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے حجرے میں نماز پڑھائی اور لوگ حجرے کے پیچھے سے آپ کی اقتداء کر رہے تھے (بخاری نے یہ حدیث اسی طرح روایت کی ہے)

شرح: یہ ایک مشہور اختلافی مسئلہ ہے کہ آیا اس صورت میں نماز ہوتی ہے یا نہیں؟ ہوتی ہے تو بلا کراہت یا کیا؟ حافظ ابن حجر نے کہا ہے کہ اس حدیث کا ظاہر یہ بتاتا ہے کہ حجرہ سے مراد آپ کے گھر کا حجرہ ہے اور حجرہ کی دیوار کا ذکر اس پر دلالت کرتا ہے۔ حافظ ابو نعیم نے جو حدیث بیان کی ہے وہ اس سے واضح تر ہے کہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی ازواج کے حجروں میں سے ایک حجرے میں نماز پڑھ رہے تھے۔ اور یہ احتمال بھی موجود ہے کہ حجرہ سے مراد وہ معتکف (اعتکاف گاہ) ہے جو آپ نے مسجد میں چٹائی سے بنایا تھا جیسا کہ اس کے بعد کی روایت میں آتا ہے۔ اور اسی طرح زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کی حدیث جو اس کے بعد ہے۔ اور سنن ابی داؤد اور محمد بن نصر کی دو اور روایتیں ہیں جن میں یہ مذکور ہے کہ حجرہ سے مراد عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے گھر کے دروازے پر چٹائی کا حجرہ (مسجد میں) تھا۔ پس یا تو واقعات متعدد تھے یا مجازاً دیوار اور حجرہ کا لفظ بولا گیا ہے۔

مولانا نے فرمایا کہ میرے نزدیک حجرے سے اس حدیث میں مراد وہ چٹائی کا حجرہ ہے جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مسجد میں بنایا تھا اور اس پر بخاری کی ترتیب روایات اور طریقہ روایت دلالت کرتا ہے۔ پہلے تو بخاری نے ایک باب میں یہ عنوان لکھا کہ "جب امام اور قوم کے درمیان دیوار ہو یا کوئی آڑ ہو" اور اس میں پہلے عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث درج کی جس کے الفاظ یہ ہیں کہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رات کو اپنے حجرے میں نماز پڑھتے تھے اور حجرے کی دیوار چھوٹی تھی تو لوگوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے جسد اطہر کو دیکھ لیا۔ اور ظاہر یہی ہے کہ یہ حجرہ چٹائی کا تھا کیونکہ اتنی چھوٹی دیوار جس کے اندر سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا جسم مبارک نظر آجاتا صرف چٹائی کے حجرے کی ہو سکتی تھی، کیونکہ ازواج مطہرات کے حجروں کی دیواریں اتنی پست نہیں ہو سکتی تھیں۔ پھر باب صلوٰۃ اللیل میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی حدیث درج کی جس کے الفاظ یہ ہیں کہ آپ کی ایک چٹائی تھی جسے دن کو بچھاتے تھے اور رات کو اس کا حجرہ بنا لیتے تھے، پس لوگ جمع ہو گئے اور آپ کے پیچھے نماز پڑھی۔ حافظ ابن حجر نے اس حدیث کی شرح میں کہا ہے کہ بخاری کی غرض اس سے یہ ہے وہ حجرہ جس کا ذکر اس سے پہلی روایت میں تھا وہ چٹائی کا حجرہ تھا۔ پھر

بخاری نے زید بن ثابتؓ کی حدیث درج کی اور اس کے لفظ یہ ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک حجرہ بنایا، راوی کہتا ہے کہ میرے خیال میں زیدؓ نے کہا تھا کہ وہ حجرہ چٹائی کا تھا۔ اور لوگ اس حجرہ کے پیچھے سے آپ کی اقتداء کر رہے تھے۔

اور حنفیہ کا مذہب اس باب میں یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے صحابہ کی اقتداء دونوں صورتوں میں صحیح تھی، خواہ وہ ازواجِ مطہرات کے حجروں میں سے کوئی حجرہ تھا یا چٹائی کا مصنوعی اور عارضی حجرہ۔ صحت کی وجہ یہ ہے اقتداء سے روکنے والی چیز ہمارے نزدیک یا اختلافِ مکان ہے یا امام کے حال کا اشتباہ۔ اور یہاں پر دونوں میں سے کوئی نہیں پایا گیا۔ کیونکہ مسجد باوجودیکہ اس کے اطراف الگ ہوں، ایک بقعہ کی مانند ہے پس مکان کا اختلاف نہ ہوا۔ البدائع میں ہے کہ اگر کوئی شخص مسجد کے بالکل آخری حصے میں امام کی اقتداء کرے درانحالیکہ امام محراب میں ہو تو جائز ہے، کیونکہ مسجد باوجود اپنے اطراف کے باہم بعید ہونے کے ایک ہی مکان کے حکم میں ہے۔ اور اگر کوئی آدمی مسجد کی چھت پر کھڑا ہو جائے اور امام کی اقتداء کرے تو اگر اس کا وقوف امام کے پیچھے ہو یا اس کے پہلو میں ہو تو جائز ہے، کیونکہ ابوہریرہؓ سے مروی ہے کہ وہ ایک چھت پر کھڑے ہوئے اور امام کی اقتداء کی حالانکہ وہ مسجد کے اندر تھا۔ کیونکہ چھت مسجد کے تابع ہے اور تابع کا حکم بھی اصل کی مانند ہوتا ہے، سو گویا اوپر والا شخص بھی مسجد کے اندر ہی ہے۔ اور یہ اس وقت ہے جب کہ اس پر اپنے امام کا حال مشتبہ نہ ہو کیونکہ مشتبہ ہونے کی صورت میں جائز نہیں ہے۔ اور اگر وہ اپنے امام سے آگے کھڑا ہے تو بھی جائز نہیں کیونکہ اس صورت میں تبعیت کا معنی معدوم ہے اگر مسجد کے اندر بھی ایسا ہو تو جائز ہے۔

اور حجرے سے مراد اگر حضورؐ کی بعض ازواجِ مطہرات کا حجرہ ہو تو اس صورت میں بھی ان کی نماز حضورؐ کی اقتداء میں جائز تھی البدائع میں ہے کہ اگر امام اور مقتدی کے درمیان دیوار ہو تو الجامع الصغیر میں ہے کہ یہ بھی جائز ہے اور حسنؒ کی روایت ابوحنیفہؒ سے یہ ہے کہ جائز نہیں، لیکن اگر دیوار اتنی چھوٹی ہو کہ دونوں میں سے ہر ایک کے لیے اس پر چڑھنا ممکن ہو، جیسے کہ مقصورہ کی دیوار ہوتی ہے، تو بھی اقتداء صحیح ہے کیونکہ یہ دیوار مکان کی تبعیت میں حائل نہیں اور نہ امام کا حال اس سے مخفی ہو سکتا ہے۔ بخاری کی روایت میں اس حدیث میں صراحت ہے کہ دیوار چھوٹی تھی، لہٰذا کسی حال میں اقتداء غلط نہ تھی۔

بَابُ الصَّلٰوةِ بَعْدَ الْجُمُعَةِ ۳۸

بعد از جمعہ نماز کا باب

۱۱۲۹۔ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عُبَيْدٍ وَسُلَيْمَانُ بْنُ دَاوُدَ الْمَعْنَى قَالَا نَا حَمَّادُ بْنُ زَيْدٍ نَا أَيُّوبُ عَنْ نَافِعٍ أَنَّ ابْنَ عُمَرَ رَأَى رَجُلًا يُصَلِّي رَكْعَتَيْنِ يَوْمَ الْجُمُعَةِ فِي مَقَامِهِ فَدَفَعَهُ وَقَالَ أَتُصَلِّي الْجُمُعَةَ أَرْبَعًا وَكَانَ عَبْدُ اللّٰهِ يُصَلِّي يَوْمَ الْجُمُعَةِ رَكْعَتَيْنِ فِي بَيْتِهِ وَيَقُولُ هٰكَذَا فَعَلَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

ابن عمرؓ نے ایک آدمی کو جمعہ کے دن اپنے مقام (صلاۃ) پر دو رکعت پڑھتے دیکھا تو اُسے دھکا دیا اور کہا کیا تو جمعہ کی چار رکعت پڑھتا ہے؟ اور عبداللہؓ جمعہ کے دن اپنے گھر میں دو رکعت پڑھتے تھے اور کہتے تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسا ہی کیا تھا۔

۱۱۳۰۔ حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ نَا إِسْمٰعِيْلُ اَنَا اَيُّوْبُ عَنْ نَافِعٍ قَالَ كَانَ ابْنُ عُمَرَ يُطِيْلُ الصَّلٰوةَ قَبْلَ الْجُمُعَةِ وَيُصَلِّيْ بَعْدَهَا رَكْعَتَيْنِ فِيْ بَيْتِهٖ وَيُحَدِّثُ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَفْعَلُ ذٰلِكَ۔

نافع نے کہا کہ ابن عمرؓ جمعہ سے قبل طویل نماز پڑھتے تھے اور بعد از جمعہ دو رکعت اپنے گھر میں پڑھتے تھے اور بیان کرتے تھے کہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم ایسا ہی کرتے تھے (اس حدیث کو نسائی، مسلم اور ترمذی نے روایت کیا اور نسائی اور ابن ماجہ نے ایک اور طریق سے اسی معنیٰ کی حدیث روایت کی ہے)

شرح: ابن عمرؓ کی حدیث کا مطلب یہ ہوا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم بھی قبل از جمعہ طویل نماز پڑھتے تھے اور بعد از جمعہ اپنے گھر میں دو رکعت پڑھتے تھے۔ شوکانی نے کہا کہ بقول عراقی اس حدیث کی سند صحیح ہے۔ نسائی نے اُسے روایت کیا مگر "قبل از جمعہ طویل نماز پڑھتے تھے" کے جملے کے بغیر۔ علماء کا اس میں اختلاف ہے کہ آیا جمعہ سے قبل بھی اس کی سُنت نماز ہے یا نہیں؟ ایک جماعت نے تو اس سے بہت ہی انکار کیا ہے۔ مولانا ؒنے فرمایا کہ ابن القیمؒ نے زاد المعاد میں لکھا ہے کہ: جب بلالؓ اذان سے فارغ ہوتا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خطبہ شروع فرما دیتے تھے اور کوئی آدمی بھی اٹھ کر بالکل دو رکعت نہ پڑھتا تھا۔ اور اذان صرف ایک ہوتی تھی۔ اور اس میں یہ دلالت ہے کہ عید کی مانند نمازِ جمعہ سے پہلے کوئی سُنت نہیں اور علماء کے دو اقوال میں سے یہ صحیح ترین قول ہے اور اسی پر سنت دلالت کرتی ہے کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے گھر سے تشریف لاتے تھے اور جب منبر پر چڑھتے تھے تو بلالؓ اذان شروع کر دیتے تھے، پھر جب وہ اذان ختم کرتے تو فاصلے کے بغیر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خطبہ شروع کر دیتے تھے۔ اور یہ سب کے سامنے ہوتا تھا، پس وہ سنت کب ادا کرتے تھے؟ اور یہ جو ہم نے کہا کہ اس سے قبل کوئی سنت نہیں یہ مالکؒ اور احمدؒ کا مشہور مذہب ہے اور اصحابِ شافعیؒ کی دو وجوہ میں سے ایک ہے۔ پھر شوکانیؒ نے کہا کہ یہ حدیث جمعہ سے قبل نماز کی مشروعیت پر دلالت کرتی ہے اور رافع نے اس میں صرف وہی حدیث، ہاں ہے جس میں زوال کے وقت نماز کی ممانعت ہے، مگر وہ عام ہونے کے باوجود جمعہ کے دن کے لیے عام نہیں بلکہ یہ اُس سے مستثنیٰ ہے میں گزارش کرتا ہوں کہ احادیث میں جو تبکیر کا حکم اور نماز کی ترغیب موجود ہے وہ اذانِ جمعہ سے پہلے کی نفل نماز ہے جس کے لیے حدیث میں "مَا قُدِّرَ لَهٗ" کا لفظ آیا ہے۔

۱۱۳۱۔ حَدَّثَنَا الْحَسَنُ بْنُ عَلِيٍّ نَا عَبْدُ الرَّزَّاقِ اَنَا ابْنُ جُرَيْجٍ اَخْبَرَنِيْ عُمَرُ بْنُ عَطَاءِ ابْنِ اَبِي الْخُوَارِ اَنَّ نَافِعَ بْنَ جُبَيْرٍ اَرْسَلَهٗ اِلَى السَّائِبِ بْنِ يَزِيْدَ ابْنِ اُخْتِ

ثُمَّ يَسْأَلُهُ عَنْ شَيْءٍ رَآهُ مِنْهُ مُعَاوِيَةُ فِي الصَّلٰوةِ فَقَالَ صَلَّيْتُ مَعَهُ الْجُمُعَةَ فِي الْمَقْصُورَةِ فَلَمَّا سَلَّمْتُ قُمْتُ فِي مَقَامِي فَصَلَّيْتُ فَلَمَّا دَخَلَ اَرْسَلَ إِلَيَّ فَقَالَ لَا تَعُدْ لِمَا صَنَعْتَ إِذَا صَلَّيْتَ الْجُمُعَةَ فَلَا تَصِلْهَا بِصَلٰوةٍ حَتّٰى تَكَلَّمَ أَوْ تَخْرُجَ فَإِنَّ نَبِيَّ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَمَرَ بِذٰلِكَ أَنْ لَا تُوصَلَ صَلَاةٌ بِصَلٰوةٍ حَتّٰى يَتَكَلَّمَ أَوْ يَخْرُجَ۔

عمر بن عطاء بن ابی الخوار کا بیان ہے کہ نافع بن جبیر نے اُسے السائب بن یزید بن اخت نمر کے پاس بھیجا تاکہ اس سے وہ بات پوچھے جو نماز کے متعلق معاویہؓ نے اس سے دیکھی تھی۔ سائب نے کہا کہ میں نے معاویہؓ کے ساتھ مقصورہ میں نماز پڑھی، جب میں نے سلام کہا تو اُسی جگہ کھڑے ہو کر نماز پڑھی (یعنی سُنت) جب معاویہؓ اپنے گھر چلے گئے تو مجھے بلا بھیجا اور کہا کہ آئندہ ایسا مت کرنا جو تم نے کیا ہے۔ جب تو جمعہ پڑھے تو اُسے کسی اور نماز کے ساتھ مت ملا حتیٰ کہ تو بات چیت کرے یا باہر نکل جائے کیونکہ اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے یہی حکم دیا تھا کہ ایک نماز کو دوسری سے مت ملاؤ، حتیٰ کہ تو کلام کرے یا باہر نکل جائے (اس حدیث کو امام مسلم نے بھی روایت کیا ہے)

شرح: سب سے پہلے مقصورہ (امام کے لیے ایک پست دیواروں کا الگ کمرہ یا حجرہ) جو مسجد کے اندر ہی ہو۔ حضرت معاویہؓ نے بنوایا تھا جبکہ خارجی نے نماز میں اُن پر حملہ کیا تھا۔ نووی نے اسے حفاظت کی مصلحت سے ضرورت کے وقت جائز قرار دیا ہے۔ قاضی عیاضؒ نے کہا ہے کہ بہت سے سلف نے اسے جائز قرار دیا ہے اور اس میں نماز بھی پڑھی ہے مثلاً حسن بصریؒ، قاسم بن محمد اور سالمؒ وغیرہم۔ لیکن ابن عمرؓ، شعبیؒ اور اسحاقؒ نے اسے مکروہ قرار دیا ہے۔ نماز کی اقامت کے وقت اگر ابن عمرؓ مقصورہ میں ہوتے تو باہر نکل آتے تھے۔ قاضیؒ نے کہا کہ اس میں ہر ایک کو جانے کی اجازت ہو تو اس میں نماز جائز ہے اور اگر وہ کسی کے لیے مخصوص ہو اور دوسروں پر ممنوع تو جائز نہیں کیونکہ وہ جامع مسجد کے حکم سے خارج ہو گیا۔

نوویؒ نے کہا کہ اس حدیث میں ہمارے اصحاب کے اس قول کی دلیل موجود ہے کہ سنن رواتب وغیرہ کے لیے مستحب ہے کہ فریضہ کی جگہ تبدیل کر دی جائے اور انہیں کسی اور جگہ پڑھا جائے۔ بدلنے کی بہترین جگہ آدمی کا اپنا گھر ہے۔ ورنہ مسجد کی کوئی اور جگہ۔ تاکہ سجدوں کی جگہیں زیادہ ہو جائیں اور تاکہ نفل کی صورت فرض سے جدا ہو جائے۔ اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ فاصلہ اور تحوّل کلام سے بھی حاصل ہو جاتا ہے لیکن جگہ بدلنا افضل ہے۔ مولاناؒ نے فرمایا کہ حنفیہؒ کے ہاں بھی مسئلہ یہی ہے۔ البدائع میں ہے کہ امام محمدؒ سے روایت ہے کہ قوم کے لیے بھی مستحب ہے کہ صفیں توڑ دیں اور بکھر جائیں۔ اوپر ایک حدیث گزر چکی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: کیا نماز ہو چکنے کے بعد تم میں سے کوئی آگے یا پیچھے ہو جانے سے بھی عاجز ہوتا ہے؟

٭٭٭٭

۱۱۳۲۔ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِ الْعَزِيزِ بْنِ أَبِي رِزْمَةَ الْمَرْوَزِيُّ أَنَا الْفَضْلُ بْنُ مُوسَى عَنْ عَبْدِ الْحَمِيدِ ابْنِ جَعْفَرٍ عَنْ يَزِيدَ بْنِ أَبِي حَبِيبٍ عَنْ عَطَاءٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ كَانَ إِذَا كَانَ بِمَكَّةَ فَصَلَّى الْجُمُعَةَ تَقَدَّمَ فَصَلَّى رَكْعَتَيْنِ ثُمَّ تَقَدَّمَ فَصَلَّى أَرْبَعًا وَإِذَا كَانَ بِالْمَدِينَةِ صَلَّى الْجُمُعَةَ ثُمَّ رَجَعَ إِلَى بَيْتِهِ فَصَلَّى رَكْعَتَيْنِ وَلَمْ يُصَلِّ فِي الْمَسْجِدِ فَقِيلَ لَهُ فَقَالَ كَانَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَفْعَلُ ذٰلِكَ مَعَ النَّاسِ۔

ابن عمرؓ کے متعلق عطاء نے کہا ہے کہ جب ابن عمرؓ مکہ میں ہوتے اور جمعہ پڑھتے تو آگے بڑھ کر دو رکعتیں پڑھتے پھر آگے بڑھ جاتے اور چار رکعتیں پڑھتے اور جب مدینہ میں ہوتے تو جمعہ پڑھتے پھر اپنے گھر کو لوٹ جاتے تو دو رکعتیں پڑھتے اور مسجد میں نہ پڑھتے۔ جب ان سے اس بارے میں کہا گیا تو انہوں نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایسا ہی کرتے تھے۔

شرح: اس حدیث میں بعد روز جمعہ مکہ میں چھ رکعات مسجد میں اور مدینہ میں دو رکعات گھر میں ثابت ہوئیں اور ابن عمرؓ نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ وسلم ایسا ہی کرتے تھے، یعنی مکہ میں بوجہ مسافر ہونے کے مسجد میں پڑھتے تھے اور مدینہ میں گھر میں۔ حنفیہ کے نزدیک بعد از جمعہ چار یا چھ رکعات مسنون ہیں۔ چھ کا قول ابو یوسفؒ کا ہے گو انہوں نے چار پہلے اور دو بعد میں پڑھنا مسنون بتایا ہے۔

۱۱۳۳۔ حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ يُونُسَ نَا زُهَيْرٌ ح وَحَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الصَّبَّاحِ الْبَزَّازُ نَا إِسْمٰعِيلُ بْنُ زَكَرِيَّا عَنْ سُهَيْلٍ عَنْ أَبِيهِ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ ابْنُ الصَّبَّاحِ قَالَ مَنْ كَانَ مُصَلِّيًا بَعْدَ الْجُمُعَةِ فَلْيُصَلِّ أَرْبَعًا وَتَمَّ حَدِيثُهُ وَقَالَ ابْنُ يُونُسَ إِذَا صَلَّيْتُمُ الْجُمُعَةَ فَصَلُّوا بَعْدَهَا أَرْبَعًا قَالَ فَقَالَ لِي أَبِي يَا بُنَيَّ فَإِنْ صَلَّيْتَ فِي الْمَسْجِدِ رَكْعَتَيْنِ ثُمَّ أَتَيْتَ الْمَنْزِلَ أَوِ الْبَيْتَ فَصَلِّ رَكْعَتَيْنِ۔

ابوہریرہؓ نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا (بقول راوی ابن الصباح) جو جمعہ کے بعد نماز پڑھے تو چار رکعت پڑھے، اور ابن الصباح کی حدیث ختم ہوئی، اور بقول راوی ابن یونس فرمایا: جب تم جمعہ پڑھو تو اس کے بعد چار رکعت نماز پڑھو، سہیل راوی کہتا ہے کہ میرے باپ ابو صالح نے کہا: اے میرے پیارے بیٹے!

پس اگر تم نے مسجد میں دو رکعات پڑھیں پھر تو ڈیرے پہ یا گھر آگیا تو دو رکعتیں پھر اور پڑھ لے (اس حدیث کو مسلم، ترمذی، نسائی اور ابن ماجہ نے بھی روایت کیا ہے)

شرح: نووی رحمہ اللہ نے شرح مسلم میں کہا ہے کہ حضورؐ نے یہ جو فرمایا کہ جو تم میں سے نماز پڑھنا چاہے الخ اس سے اس بات پر تنبیہ فرمادی کہ یہ نماز سنت ہے فریضہ نہیں اور چار کا ذکر فرمایا اور کئی مقامات پر دو پڑھیں اس سے غرض بیان تھا کہ کم از کم دو ہیں۔ ابن الملک نے کہا کہ اس حدیث سے بعد از جمعہ چار رکعت مسنون ہونا ثابت ہوتا ہے۔ شافعیؒ کا ایک قول یہی ہے ابوحنیفہؒ اور محمدؒ نے بھی چار رکعت کو سنت کہا ہے۔ ابو یوسفؒ نے دونوں احادیث کو جمع کر کے چھ قرار دی ہیں (جیسا کہ اوپر ابن عمرؓ کا عمل اور پھر اسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا عمل قرار دینا گزرا) حضرت علیؓ سے بھی چھ رکعات کا ثبوت ملتا ہے۔ اور طحاوی نے اسی کو اختیار کیا ہے۔ اور ابو یوسفؒ نے کہا کہ میرے نزدیک چار پہلے پڑھنا مستحب ہے تاکہ جمعہ کی نماز کے بعد اس جیسی نماز کا شبہ نہ رہے۔ قبل از جمعہ کی سنت کو بعض نے بدعت کہہ دیا ہے مگر بقول حافظ عراقی ایک جید سند سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا قبل از جمعہ چار رکعات پڑھنا ثابت ہے۔ (گھر میں) اور ترمذی میں ہے کہ ابن مسعودؓ قبل از جمعہ چار رکعات پڑھتے تھے اور بعد میں بھی چار، اور ظاہر یہی ہے کہ انہیں حضورؐ کا حکم یا ترغیب یا عمل معلوم ہوگا۔

۱۱۳۴۔ حَدَّثَنَا الْحَسَنُ بْنُ عَلِيٍّ نَا عَبْدُ الرَّزَّاقِ عَنْ مَعْمَرٍ عَنِ الزُّهْرِيِّ عَنْ سَالِمٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ كَانَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُصَلِّي بَعْدَ الْجُمُعَةِ رَكْعَتَيْنِ فِي بَيْتِهِ قَالَ أَبُو دَاوُدَ وَكَذٰلِكَ رَوَاهُ عَبْدُ اللهِ بْنُ دِينَارٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ۔

ابن عمرؓ نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جمعہ کے بعد اپنے گھر میں دو رکعت پڑھتے تھے۔ ابوداؤد نے کہا اور اسی طرح عبداللہ بن دینار نے بھی ابن عمرؓ سے روایت کی ہے (اس حدیث کو نسائی، ابن ماجہ اور ترمذی نے بھی روایت کیا اور ترمذی نے اسے حسن صحیح کہا ہے اور اس کی روایت میں فِي بَيْتِهِ کا لفظ نہیں ہے)

۱۱۳۵۔ حَدَّثَنَا إِبْرَاهِيمُ بْنُ الْحَسَنِ نَا حَجَّاجُ بْنُ مُحَمَّدٍ عَنِ ابْنِ جُرَيْجٍ أَخْبَرَنِي عَطَاءٌ أَنَّهُ رَأَى ابْنَ عُمَرَ يُصَلِّي بَعْدَ الْجُمُعَةِ فَيَنْمَازُ عَنْ مُصَلَّاهُ الَّذِي صَلَّى فِيهِ الْجُمُعَةَ قَلِيلًا غَيْرَ كَثِيرٍ قَالَ فَيَرْكَعُ رَكْعَتَيْنِ قَالَ ثُمَّ يَمْشِي أَنْفَسَ مِنْ ذٰلِكَ فَيَرْكَعُ أَرْبَعَ رَكَعَاتٍ قُلْتُ لِعَطَاءٍ كَمْ رَأَيْتَ ابْنَ عُمَرَ يَصْنَعُ ذٰلِكَ قَالَ مِرَارًا قَالَ أَبُو دَاوُدَ رَوَاهُ عَبْدُ الْمَلِكِ بْنُ أَبِي سُلَيْمَانَ وَلَمْ يُتِمَّهُ۔

عطاء کا بیان ہے کہ اُس نے ابن عمرؓ کو جمعہ کے بعد نماز پڑھتے دیکھا، وہ اپنی نماز گاہ سے تھوڑا سا ہٹ جاتے یعنی جہاں جمعہ کی نماز پڑھی وہاں سے، عطاء نے کہا کہ پھر وہ دو رکعات پڑھتے، عطاء نے کہا کہ پھر اس سے کچھ اور آگے پیچھے یا اِدھر اُدھر چلے جاتے اور چار رکعات پڑھتے۔ ابن جریج نے کہا کہ میں نے عطاء سے پوچھا: آپ نے ابن عمرؓ کو ایسا کرتے کتنی مرتبہ دیکھا۔ اس نے کہا: کئی بار دیکھا۔ ابوداؤد نے کہا کہ یہ حدیث عبدالملک بن ابی سلیمان نے بھی روایت کی مگر اسے پورا نہ کیا (مولانا ؒ نے فرمایا کہ یہ روایت جس کا ابوداؤد نے حوالہ دیا ہے مجھ کو نہیں ملی۔ مگر طحاوی نے اپنی سند سے عطاء سے روایت کی ہے کہ میں نے ابن عمرؓ کے ساتھ جمعہ پڑھا تو سلام کے بعد وہ اٹھے اور دو رکعتیں پڑھیں پھر چار رکعات پڑھیں، پھر نماز ختم کر دی)

مولانا ؒ نے فرمایا ہے کہ یہاں پر نسخۂ مجتبائیہ کے حاشیے پر اور عون المعبود میں متن کے اندر درج ہے: باب القعود بین الخطبتین۔ اور اس میں اُسی سند اور متن کی حدیث درج ہے جو اس سے قبل باب الجلوس اذا صعد المنبر میں گزر چکی ہے۔ اور یہ باب کا عنوان اور اس میں مندرجہ حدیث ان نسخوں میں نہیں ہے: نسخۂ احمدیہ مکتوبہ، قادریہ مصریہ، کانپوری، لکھنوی +

بَابُ صَلوٰةِ الْعِيدَيْنِ

نمازِ عیدین کا باب

۱۱۳۶۔ حَدَّثَنَا مُوسَى ابْنُ اِسْمٰعِيْلَ نَا حَمَّادٌ عَنْ حُمَيْدٍ عَنْ اَنَسٍ قَالَ قَدِمَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْمَدِيْنَةَ وَلَهُمْ يَوْمَانِ يَلْعَبُوْنَ فِيْهِمَا فَقَالَ مَا هٰذَانِ الْيَوْمَانِ قَالُوْا كُنَّا نَلْعَبُ فِيْهِمَا فِي الْجَاهِلِيَّةِ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ اللّٰهَ قَدْ اَبْدَلَكُمْ بِهِمَا خَيْرًا مِّنْهُمَا يَوْمَ الْاَضْحٰى وَيَوْمَ الْفِطْرِ۔

انسؓ نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ تشریف لائے اور اہل مدینہ کے دو دن تھے جن میں کھیل کود کرتے تھے۔ آپ نے فرمایا کہ یہ دو دن کیسے ہیں؟ انھوں نے کہا کہ ہم ان دنوں میں دورِ جاہلیت میں کھیل تماشا کرتے تھے۔ پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ نے ان کے بدلے میں تمہیں دو بہتر دن دیئے ہیں عید الاضحیٰ کا دن اور عید الفطر کا دن (اس حدیث کو ترمذی اور نسائی نے بھی روایت کیا ہے)

شرح: عید کا لفظ عَود بمعنی رجوع سے نکلا ہے، ان دنوں میں اللہ تعالیٰ کے بکثرت انعامات بندوں پر ہوتے ہیں اور بار بار ہوتے ہیں لہٰذا انہیں عید کہا گیا۔ آج کل عید کا لفظ اہل عرب میں جشن اور یومِ سرور کا ہم معنی ہے۔ چنانچہ وہ اپنے قومی دنوں کو بھی اور بعض اور خود ساختہ خوشی کے دنوں کو بھی عید کہہ دیتے ہیں حالانکہ خدا اور رسول ﷺ نے صرف یہی دو عیدیں مقرر فرمائی ہیں۔ امام نوویؒ کے بقول نمازِ عید جماہیر علماء کے نزدیک سنت مؤکدہ ہے۔ شافعیہ میں سے ابوسعید اصطخری نے اسے فرض کفایہ کہا ہے اور بقولِ ابہری امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک واجب ہے اور

دلیل اس کی یہ دی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بلاترک اس پر ہمیشگی فرمائی ہے (ہدایہ) اور اس کی تائید ابن حبان وغیرہ کے اس بیان سے ہوتی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پہلی عید الفطر ہجرت کے دوسرے سال ادا کی تھی۔ یہ وہی عید تھی جس کے شعبان میں رمضان کا روزہ فرض ہوا تھا۔ پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے وفات شریف تک اسے دائماً ادا کیا۔ البدائع نے فَصَلِّ لِرَبِّكَ وَانْحَرْ کا ترجمہ یہ بیان کیا ہے کہ: نمازِ عید پڑھ اور اونٹ قربان کر اس میں امر آیا ہے اور امر وجوب کے لیے ہوتا ہے۔ اور یہ بھی کہا گیا کہ: وَلِتُكَبِّرُوا اللّٰهَ عَلٰى مَا هَدٰىكُمْ میں نمازِ عید مراد ہے اور یہ شعائر اسلام میں سے ہے اگر اسے سنت کہا جائے تو مبادا لوگ اسے ترک کر دیں لہذا شعائر اللہ کے احترام کا تقاضا یہی ہے کہ اسے واجب سمجھا جائے۔

اہل مدینہ جن دو دنوں میں کھیل تماشا کرتے تھے یہ پارسیوں کے دن نوروز اور مہرجان تھے۔ نوروز شمسی سال کا پہلا دن تھا اس دن سورج بُرج حمل میں منتقل ہوتا ہے۔ رہا مہرجان سو نوروز کے مقابلے میں شاید یہ میزان کا پہلا دن ہو یعنی اس دن سورج بُرج میزان میں منتقل ہوتا ہے۔ یہ سال کے دو معتدل دن تھے جن میں دن رات برابر ہوتے تھے اور موسم میں نہ سردی ہوتی تھی نہ گرمی۔ پس پہلے حکماء نے علم ہیئت کے اعتبار سے اپنے زمانے میں ان دنوں کو بطور شعار پسند کیا اور بعد کے لوگوں نے اپنے ان فلسفیوں اور سائنس دانوں کو کامل العقل قرار دے کر ان دنوں کو اختیار کر لیا مگر انبیاء کی شریعت نے انہیں باطل ٹھہرا دیا ہے کیونکہ ان میں مظاہر فطرت مثلاً سورج وغیرہ کی عظمت کا تصور پیدا ہوتا تھا۔

اس حدیث میں یوم الاضحیٰ کا ذکر پہلے ہوا ہے کیونکہ وہ عید اکبر ہے (طیبی)، اس حدیث میں یہ دلیل بھی موجود ہے کہ کفار و مشرکین کی عیدوں کی تعظیم شرعاً ممنوع ہے۔ ابو حفص الکبیر حنفی نے کہا ہے کہ جس شخص نے نوروز کے دن اس دن کی تعظیم کی نیت سے ایک انڈا بھی کسی مشرک بطور تحفہ بھیجا اس نے اللہ تعالیٰ کے ساتھ کفر و شرک کا معاملہ کیا اور اپنے اعمال ضائع کر دیئے۔ قاضی ابو المحاسن حسن بن منصور حنفی نے کہا کہ جو شخص نوروز وغیرہ دنوں کی تعظیم کی خاطر کوئی غیر معمولی چیز خریدے یا کسی کو ہدیہ دے تو مماثلت فعل کفار کی مانند فعل کفر کا ارتکاب کیا۔ لیکن اگر خرید و فروخت یا ہدیہ دینے میں یہ نیت نہ ہو ویسے ہی دنیوی عادت کے طور پر ایسا کرے اس کا فعل کفر تو نہیں مگر کفار کے ساتھ مشابہت کی بناء پر مکروہ ضرور ہے۔

اہل مکہ دخول کعبہ کے دن کو جو عید ٹھہراتے ہیں وہ نہی میں داخل نہیں مگر عاشوراء کے دن کی رسوم میں روافض سے تشبہ کرنا ان کی مانند غم و الم کے اظہار میں یا دیگر رسوم میں، اور خوارج و نواصب کے ساتھ تشبہ کرنا اظہار سرور میں، یہ بھی اہل بدعت کے ساتھ تشبہ کی بناء پر ناجائز ہے۔ کیونکہ یہ بدعات شنیعہ ہیں جو نواصب و خوارج اور روافض کے دنوں میں ایجاد کی گئی تھیں۔ افسوس ہے کہ ہمارے دیار کے لوگ ان میں سے کئی رسوم کا شکار ہیں اور علماء شاید خوف کے مارے نکیر نہیں کرتے۔ اہل مصر میں بقول ابن حجر یہود و نصاریٰ کی کئی رسوم جاری ہو چکی ہیں۔

بَابُ وَقْتِ الْخُرُوجِ إِلَى الْعِيدِ

عید کی طرف نکلنے کے وقت کا باب

۱۱۳۷۔ حَدَّثَنَا اَحْمَدُ بْنُ حَنْبَلٍ نَا اَبُو الْمُغِيْرَةِ نَا صَفْوَانُ نَا يَزِيْدُ بْنُ خُمَيْرٍ الرَّحَبِيُّ قَالَ خَرَجَ عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ بُسْرٍ صَاحِبُ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَعَ النَّاسِ فِيْ يَوْمِ عِيْدِ فِطْرٍ اَوْ اَضْحٰى فَاَنْكَرَ اِبْطَاءَ الْاِمَامِ فَقَالَ اِنَّا كُنَّا قَدْ فَرَغْنَا سَاعَتَنَا هٰذِهٖ وَذٰلِكَ حِيْنَ التَّسْبِيْحِ ۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا صحابی عبداللہ بن بسرؓ لوگوں کے ساتھ عید الفطر یا عید الاضحی کے لیے باہر نکلا، پس اس نے امام کے تاخیر کرنے پر نکیر کی اور کہا کہ ہم تو اس وقت تک فارغ ہو جایا کرتے تھے، اس کی مراد یہ تھی کہ نمازِ عید کا وقت حضور کے دور میں جلد ہوتا تھا (اس حدیث کو ترمذی اور نسائی نے بھی روایت کیا ہے)

شرح: وَذٰلِكَ حِيْنَ التَّسْبِيْحِ اگر یزید بن خمیر راوی کا کلام ہے تو مطلب یہ ہے کہ ابھی نمازِ عید کا وقت باقی تھا پھر بھی عبداللہ بن بسر نے امام پر نکیر کی، اس کا مطلب یہ ہوا کہ حضورؐ کے وقت میں عید کی نماز میں تعجیل ہوتی تھی۔ اگر یہ عبداللہ بن بسر کا کلام ہے تو اس کا مطلب یہ ہے ہم جس وقت حضور کے زمانے میں فارغ ہو جاتے تھے وہ تھا عید کا صحیح وقت، نہ یہ کہ جسے تم لوگوں نے آج کل اختیار کیا ہے۔ حدیث سے یہ بھی معلوم ہو گیا کہ نمازِ عید اُس دن کی تسبیح (نفلی نماز) ہے۔ اس کے وقت کا جہاں تک سوال ہے، البدائع میں ہے کہ امام کرخی نے اس وقت سورج کے سفید ہونے سے لے کر زوال تک لکھا ہے کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے کہ آپ عید کی نماز اس وقت پڑھتے جب سورج ایک یا دو نیزے کی مقدار پر بلند ہوتا تھا۔ منتقی الاخبار میں ہے کہ امام شافعیؒ نے ایک مرسل حدیث بیان کی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے عمرو بن حزم کو نجران میں خط لکھوایا تھا کہ نمازِ عید الاضحی جلدی اور نمازِ عید الفطر تاخیر سے پڑھو۔ شوکانی نے کہا ہے یہ حدیث امام شافعیؒ نے اپنے استاد ابراہیم بن محمد سے روایت کی ہے جو جمہور کے نزدیک ضعیف ہے مسند احمد میں جندبؓ کی روایت درج ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہم کو عید الفطر دو نیزے سورج کی مقدار پر اور عید الاضحیٰ ایک نیزے کی مقدار پر پڑھاتے تھے۔ حافظ ابن حجر نے تلخیص میں اس روایت کو درج کیا ہے مگر اس پر کوئی کلام نہیں کیا۔

علامہ شوکانیؒ نے کہا ہے کہ عبداللہ بن بسر کی حدیث نمازِ عید کی تعجیل کے مشروع ہونے پر دلالت کرتی ہے اور اس پر کہ اس کی زیادہ تاخیر مکروہ ہے اور عمرو بن حزمؓ کی حدیث عید الاضحیٰ کی تعجیل اور عید الفطر کی تاخیر پر دلالت کرتی ہے اور عیدین کی نماز کے وقت کی تعیین پر دلالت کرنے والی سب سے بہتر حدیث جندبؓ کی ہے کہ اس کا وقت دھوپ پھیلنے سے لے کر زوال تک ہے اور اس میں کسی کا اختلاف نہیں ہے۔

بَابُ خُرُوْجِ النِّسَاءِ فِي الْعِيْدِ

عید میں عورتوں کے باہر نکلنے کا باب

۱۱۳۸۔ حَدَّثَنَا مُوسَى بْنُ إِسْمٰعِيلَ نَا حَمَّادٌ عَنْ أَيُّوبَ وَيُونُسَ وَحَبِيبٍ وَيَحْيَى بْنِ عَتِيقٍ وَهِشَامٍ فِي آخَرِينَ عَنْ مُحَمَّدٍ أَنَّ أُمَّ عَطِيَّةَ قَالَتْ أَمَرَنَا رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنْ نُخْرِجَ ذَوَاتِ الْخُدُورِ يَوْمَ الْعِيدِ قِيلَ فَالْحُيَّضُ قَالَ لِيَشْهَدْنَ الْخَيْرَ وَدَعْوَةَ الْمُسْلِمِينَ قَالَ فَقَالَتْ امْرَأَةٌ يَا رَسُولَ اللهِ إِنْ لَمْ يَكُنْ لِإِحْدَاهُنَّ ثَوْبٌ كَيْفَ تَصْنَعُ قَالَ تُلْبِسُهَا صَاحِبَتُهَا طَائِفَةً مِنْ ثَوْبِهَا۔

ام عطیہؓ نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں حکم دیا کہ ہم عید کے دن پردہ نشین عورتوں کو باہر نکالیں پوچھا گیا کہ ماہواری ایام والی عورتیں؟ حضورؐ نے فرمایا کہ وہ خیر و برکت میں حاضری دیں اور مسلمانوں کی دعا میں شامل ہوں۔ محمد بن سیرین نے کہا کہ ایک عورت نے کہا کہ اگر ہم میں سے کسی کے پاس کپڑا نہ ہو تو وہ کیا کرے؟ حضورؐ نے فرمایا: اس کی ساتھی عورت اسے اپنا کچھ کپڑا پہنا دے۔

۱۱۳۹۔ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عُبَيْدٍ نَا حَمَّادٌ نَا أَيُّوبُ عَنْ مُحَمَّدٍ عَنْ أُمِّ عَطِيَّةَ بِهٰذَا الْخَبَرِ قَالَ وَيَعْتَزِلُ الْحُيَّضُ مُصَلَّى الْمُسْلِمِينَ وَلَمْ يَذْكُرِ الثَّوْبَ قَالَ وَحَدَّثَ عَنْ حَفْصَةَ عَنِ امْرَأَةٍ تُحَدِّثُهُ عَنِ امْرَأَةٍ أُخْرَى قَالَتْ قِيلَ يَا رَسُولَ اللهِ فَذَكَرَ مَعْنَى مُوسَى فِي الثَّوْبِ۔

ام عطیہؓ کی حدیث کی دوسری سند۔ اس میں محمد بن سیرین نے کہا کہ حائضہ عورتیں مسلمانوں کی نماز کی جگہ سے الگ رہیں اور اس کپڑے کا ذکر نہیں کیا۔ محمد بن عبید راوی نے کہا کہ ایوب نے حفصہ سے روایت کی، وہ ایک اور عورت سے روایت کرتی تھی جس نے کہا تھا کہ یا رسول اللہ الخ پھر محمد بن عبید نے گزشتہ حدیث کا معنیٰ کپڑے کے بارے میں ذکر کیا۔

۱۱۴۰۔ حَدَّثَنَا النُّفَيْلِيُّ نَا زُهَيْرٌ نَا عَاصِمٌ الْأَحْوَلُ عَنْ حَفْصَةَ بِنْتِ سِيرِينَ عَنْ أُمِّ عَطِيَّةَ قَالَتْ كُنَّا نُؤْمَرُ بِهٰذَا الْخَبَرِ قَالَتْ وَالْحُيَّضُ يَكُنَّ خَلْفَ النَّاسِ فَيُكَبِّرْنَ مَعَ النَّاسِ۔

ام عطیہ نے کہا کہ ہمیں حکم دیا جاتا تھا الخ جیسا کہ پچھلی حدیث میں گزرا۔ ام عطیہؓ نے کہا کہ حائضہ عورتیں لوگوں کے پیچھے ہوتی تھیں، پس وہ لوگوں کے ساتھ تکبیر کہتی تھیں۔ یہ حدیث بخاری، مسلم، ترمذی، نسائی اور ابن ماجہ میں بھی ہے ما
شرح: نوویؒ نے کہا ہے کہ ام عطیہؓ کا یہ قول کہ حائضہ عورتیں لوگوں کے ساتھ تکبیر کہتی تھیں، اس بات کی دلیل ہے کہ عیدین نے ہر ایک کے لیے تکبیر مستحب ہے اور اس پر اجماع ہے۔ ہمارے اصحاب نے کہا ہے کہ عیدین کی راتوں کو

نماز کی طرف خروج کے وقت تکبیر مستحب ہے۔ قاضی نے کہا کہ تکبیر کی چار جگہیں ہیں: (۱) امام کے باہر نکلنے تک نماز کو جاتے ہوئے (۲) نماز میں تکبیرات (۳) خطبہ میں (۴) نماز کے بعد پہلے موقع میں اختلاف ہے، صحابہ اور سلف کی ایک جماعت نے اُسے مستحب کہا ہے۔ وہ نماز کے لیے نکلتے وقت عیدگاہ پہنچنے تک تکبیر کہتے تھے اور باآواز بلند کہتے تھے۔ اوزاعیؒ مالکؒ اور شافعیؒ کا یہی قول ہے اور شافعیؒ نے عیدین کی رات کو بھی تکبیر کو مستحب کہا ہے۔ ابوحنیفہؒ نے کہا کہ عید الاضحیٰ کی نماز میں جاتے وقت تکبیر کہے اور عید الفطر میں نہ کہے۔ اصحاب ابی حنیفہؒ کا قول اس میں ان کے خلاف اور جمہور کے مطابق ہے۔ امام جب خطبہ میں تکبیر کہے تو مالکؒ کے نزدیک لوگ بھی کہیں، دوسرے لوگ اس کے قائل نہیں۔

مولاناؒ نے فرمایا کہ نوویؒ نے امام ابوحنیفہؒ کی طرف عید الفطر میں تکبیر نہ کہنے کا جو قول منسوب کیا ہے وہ ایک شاذ قول ہے جیسا کہ خلاصہ میں ہے، محققین کے نزدیک اختلاف کا منشا تکبیر کے بالجہر اور مخفی کہنے میں ہے، ابوحنیفہ عید الفطر میں مخفی تکبیر کے اور صاحبین بالجہر کے قائل ہیں جیسا کہ محقق ابن الہمامؒ نے صراحت کی ہے۔ بلکہ کوہستانی کی روایت میں تو ابوحنیفہؒ کا قول بھی صاحبین کی مانند ہے۔

۱۱۴۱۔ حَدَّثَنَا أَبُو الْوَلِيدِ يَعْنِي الطَّيَالِسِيَّ وَمُسْلِمٌ قَالَا نَا إِسْحٰقُ بْنُ عُثْمَانَ حَدَّثَنِي إِسْمٰعِيلُ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ عَطِيَّةَ عَنْ جَدَّتِهِ أُمِّ عَطِيَّةَ أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَمَّا قَدِمَ الْمَدِينَةَ جَمَعَ نِسَاءَ الْأَنْصَارِ فِي بَيْتٍ فَأَرْسَلَ إِلَيْنَا عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ فَقَامَ عَلَى الْبَابِ فَسَلَّمَ عَلَيْنَا فَرَدَدْنَا عَلَيْهِ السَّلَامَ ثُمَّ قَالَ أَنَا رَسُولُ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِلَيْكُنَّ وَأَمَرَنَا بِالْعِيدَيْنِ أَنْ نُخْرِجَ فِيهِمَا الْحُيَّضَ وَالْعُتَّقَ وَلَا جُمُعَةَ عَلَيْنَا وَنَهَانَا عَنْ اتِّبَاعِ الْجَنَائِزِ۔

ام عطیہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب مدینہ تشریف لائے تو انصار کی عورتوں کو ایک گھر میں جمع کیا پھر ہماری طرف حضرت عمرؓ بن الخطاب کو بھیجا، وہ دروازے پر کھڑے ہوئے اور ہمیں سلام کہا، ہم نے سلام کا جواب دیا۔ پھر حضرت عمرؓ نے کہا کہ میں تمہاری طرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ایلچی ہوں، اور حضرت عمرؓ نے ہمیں حکم دیا کہ ہم عیدین کی نماز میں حائضہ اور جوان عورتوں کو باہر لے جائیں اور یہ کہ ہم پر د عورتوں پر جمعہ فرض نہیں اور یہ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں جنازوں کے پیچھے جانے سے منع فرمایا ہے۔

شرح: یہ حدیث یہاں پر مختصر آئی ہے۔ مسند میں امام احمدؒ نے اسے مطوّل روایت کیا ہے۔ اس میں سلام کا جواب دینے کے بعد کے الفاظ یہ ہیں کہ حضرت عمرؓ نے کہا میں تمہاری طرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ایلچی ہوں۔ خواتین نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو مرحبا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ایلچی کو مرحبا۔ اور حضرت عمرؓ نے کہا کہ تم یہ بیعت کرو (وعدہ کرو) کہ اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرو گی، زنا نہیں کرو گی، اپنی اولاد کو قتل نہ کرو گی،

اور اپنے آگے کسی پر بہتان نہ لگاؤ گی اور کسی نیک کام میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نافرمانی نہ کرو گی۔ ہم نے کہا کہ ہاں۔ پھر اپنے ہاتھ اندر سے پھیلائے اور حضرت عمرؓ نے اپنا ہاتھ باہر سے پھیلایا، پھر کہا: اے اللہ گواہ رہیو۔ اور حضرت عمرؓ نے ہمیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے، حکم دیا کہ ہم نماز عید کے لیے نکلیں اور جوان اور حائضہ عورتوں کو بھی نکالیں اور ہمیں جنازوں کے پیچھے جانے سے منع کیا اور یہ کہ ہم پر جمعہ فرض نہیں۔ راوی نے کہا میں نے ام عطیہؓ سے اس قول کا مطلب پوچھا کہ: عورتیں کسی نیک کام میں حضورؐ کی نافرمانی نہ کریں، ام عطیہؓ نے کہا کہ ہم کو نوحہ خوانی سے منع کیا گیا۔

بَابُ الْخُطْبَةِ يَوْمَ الْعِيدِ

خطبے کا باب

۱۱۴۰۔ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الْعَلَاءِ نَا أَبُو مُعَاوِيَةَ نَا الْأَعْمَشُ عَنْ إِسْمٰعِيلَ بْنِ رَجَاءٍ عَنْ أَبِيهِ عَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ ح وَعَنْ قَيْسِ بْنِ مُسْلِمٍ عَنْ طَارِقِ بْنِ شِهَابٍ عَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ قَالَ أَخْرَجَ مَرْوَانُ الْمِنْبَرَ فِي يَوْمِ عِيدٍ فَبَدَأَ بِالْخُطْبَةِ قَبْلَ الصَّلٰوةِ فَقَامَ رَجُلٌ فَقَالَ يَا مَرْوَانُ خَالَفْتَ السُّنَّةَ أَخْرَجْتَ الْمِنْبَرَ فِي يَوْمِ عِيدٍ وَلَمْ يَكُنْ يُخْرَجُ فِيهِ وَبَدَأْتَ بِالْخُطْبَةِ قَبْلَ الصَّلٰوةِ فَقَالَ أَبُو سَعِيدٍ الْخُدْرِيُّ مَنْ هٰذَا قَالُوا فُلَانُ بْنُ فُلَانٍ أَمَّا هٰذَا فَقَدْ قَضٰى مَا عَلَيْهِ سَمِعْتُ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ مَنْ رَأٰى مُنْكَرًا فَاسْتَطَاعَ أَنْ يُغَيِّرَهُ بِيَدِهِ فَلْيُغَيِّرْهُ بِيَدِهِ فَإِنْ لَمْ يَسْتَطِعْ فَبِلِسَانِهِ فَإِنْ لَمْ يَسْتَطِعْ فَبِقَلْبِهِ وَذٰلِكَ أَضْعَفُ الْإِيمَانِ۔

ابو سعید خدریؓ سے روایت ہے کہ انہوں نے کہا: مروان نے عید کے دن منبر باہر نکلوایا اور نماز سے پہلے خطبہ شروع کر دیا۔ پس ایک آدمی اٹھا اور اس نے کہا: اے مروان! تو نے سنت کی مخالفت کی، تو نے عید کے دن منبر نکالا حالانکہ یہ اس دن نہیں نکالا جاتا تھا، اور تو نے نماز سے قبل خطبہ شروع کر دیا۔ پس ابو سعید خدریؓ نے کہا کہ یہ کون شخص ہے؟ لوگوں نے کہا: فلاں ابن فلاں ہے۔ ابو سعیدؓ نے کہا کہ اس نے اپنا فرض ادا کر دیا ہے، میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے سُنا کہ جو شخص برائی دیکھے اور اسے بزور مٹانے کی طاقت رکھے تو اُسے بزور مٹا دے، پھر اگر اس کی طاقت نہ ہو تو اپنی زبان سے مٹائے، پھر اگر اسے یہ بھی طاقت نہ ہو تو اپنے دل سے مٹائے اور یہ ضعیف ترین ایمان ہے (یہ حدیث مسلم، ترمذی، نسائی اور ابن ماجہ میں بھی ہے)

شرح: مسلم کی حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ مروان نے عید گاہ میں گارے اور کچی اینٹوں کا منبر بنوایا تھا، لیکن یہ بعد میں بنوایا گیا، پہلے اس نے مسجد نبویؐ کے منبر کو ہی باہر نکالا تھا اور جب اس کی مخالفت ہوئی تو گارے اور کچی اینٹ کا

بنوالیا۔ جس آدمی نے اُٹھ کر نکیر کی تھی بقول حافظ ابن حجر وہ ابو مسعود رضی اللہ عنہ انصاری ہوں گے۔ معلوم یہ ہوتا ہے کہ پہلی مرتبہ جب مروان نے منبر باہر نکلوایا تو ابو مسعودؓ نے علی الاعلان مخالفت کی اور پھر یہی قصہ پیش آیا تو ابو سعید خدریؓ نے نکیر کی۔ ابو مسعود کی تنبیہ بر سر عام تھی اور ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ نے صرف مروان سے فرمایا تھا۔ اس سے معلوم ہوگیا کہ یہ قصہ متعدد بار پیش آیا تھا۔ اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوگیا کہ بروز عید نماز سے قبل خطبہ کی رسم مروان نے نکالی تھی کیونکہ لوگ دل سے متنفر تھے، نماز کے بعد خطبہ سننے کو نہ بیٹھتے تھے۔ محدث علی القاری نے کہا ہے کہ جن روایات میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ حضرت عثمانؓ یا جناب معاویہ رضی اللہ عنہ کے متعلق آتا ہے کہ ان میں سے کسی بزرگ نے ایسا کیا وہ غلط ہے۔

اس حدیث میں ایک اشکال ہے۔ وہ یہ کہ جو شخص دل سے بُرا ماننے کی ہی طاقت رکھتا ہو اور اس سے مزید کی استطاعت اسے نہ ہو اس کے ایمان کو ضعیف ترین کیسے کہا جا سکتا ہے؟ حالانکہ شرعی تکلیف حسب وسعت استطاعت ہوتی ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ جو اس سے زیادہ کی استطاعت نہیں رکھتا اس کے لیے تو یہ ضعیف ترین ایمان نہیں ہے لیکن اس سے زیادہ کی استطاعت رکھنے والا اگر ایسا کرے گا تو اس کا ایمان ضعیف ترین ہوگا۔ پھر یہاں پر یہ اشکال بھی ہے کہ عدم استطاعت کے باوجود بظاہر یہ حدیث اُس شخص کی مذمت پر دلالت کر رہی ہے۔ نیز کبھی ایسا ہو سکتا کہ آدمی کا ایمان تو بڑا عظیم ہو مگر وہ اس بُرائی کو مٹانے کی استطاعت نہ رکھتا ہو، پس اس کے ایسا نہ کر سکنے سے یہ کیسے لازم آگیا کہ اس کا ایمان ضعیف ترین ہے، حالانکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے ایمان کو اضعف الایمان فرمایا ہے۔ علامہ عزالدین عبدالسلام نے اس کا یہ جواب دیا ہے کہ یہاں پر ایمان سے مجازی طور پر اعمال مراد ہیں، اور اس میں کوئی شک نہیں کہ جو شخص نکیر کرتا ہے اس کا تقرب الی اللہ اس شخص سے یقیناً زیادہ ہے جو فقط کراہت قلب کے ساتھ قرب خداوندی حاصل کرتا ہے۔ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ اضعف الایمان ازراہ مذمت نہیں فرمایا بلکہ اس لیے فرمایا ہے کہ مکلّف ہمت و حوصلے کی بلندی کے ساتھ درجاتِ ایمان کی ترقی کا خواہشمند ہو اور صرف تیسرے درجے پر اکتفاء نہ کرے بلکہ اسے حقیر جانے۔

۱۱۴۱۔ حَدَّثَنَا اَحْمَدُ بْنُ حَنْبَلٍ نَا عَبْدُ الرَّزَّاقِ وَ مُحَمَّدُ بْنُ بَكْرٍ قَالَا اَنَا ابْنُ جُرَيْجٍ اَخْبَرَنِي عَطَاءٌ عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ قَالَ سَمِعْتُهُ يَقُولُ اِنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَامَ يَوْمَ الْفِطْرِ فَصَلّٰى فَبَدَاَ بِالصَّلٰوةِ قَبْلَ الْخُطْبَةِ ثُمَّ خَطَبَ النَّاسَ فَلَمَّا فَرَغَ نَبِيُّ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَزَلَ فَاَتَى النِّسَاءَ فَذَكَّرَهُنَّ وَهُوَ يَتَوَكَّاُ عَلٰى يَدِ بِلَالٍ وَ بِلَالٌ بَاسِطٌ ثَوْبَهٗ تُلْقِي النِّسَاءُ فِيْهِ الصَّدَقَةَ قَالَ تُلْقِي الْمَرْاَةُ فَتَخَهَا وَ يُلْقِيْنَ وَ يُلْقِيْنَ وَقَالَ ابْنُ بَكْرٍ فَتَخَتَهَا۔

عطاء نے کہا کہ میں نے جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ کو یہ کہتے سُنا کہ: نبی صلی اللہ علیہ وسلم عید الفطر کے دن اُٹھے پس آپ نے

خطبہ سے قبل نماز شروع کی، پھر لوگوں سے خطاب کیا، پس جب اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم فارغ ہوئے تو مقام خطاب سے نیچے اُترے پھر عورتوں کے پاس تشریف لے گئے اور آپ نے انہیں نصیحت فرمائی اور آپ نے بلالؓ کے ہاتھ پر بوجھ ڈال رکھا تھا۔ بلالؓ اپنا کپڑا پھیلائے ہوئے تھا جس میں عورتیں صدقہ ڈالتی تھیں۔ عطاءؒ نے کہا کہ بعض عورتیں اپنے پاؤں کی انگوٹھیاں پھینکتی تھیں اور بعض کوئی اور چیز ابن بکر نے فتخ کے بجائے فتخت کا لفظ بولا ہے (یہ حدیث نسائی میں بھی ہے)

شرح: اس حدیث سے بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی بلند جگہ پہ کھڑے ہو کر خطبہ دیا تھا کیونکہ ایک حدیث میں گزر چکا ہے کہ حضورؐ عید کے دن زمین پہ ہی خطبہ دیتے تھے۔ بعض اور احادیث میں ہے کہ حضورؐ نے اس موقع پہ عورتوں کو صدقہ کرنے کی ترغیب دی تھی۔ یہ صدقہ فطر نہ تھا۔ بخاری میں صراحۃً آیا ہے کہ یہ عام صدقہ تھا۔

۱۱۴۴۔ حَدَّثَنَا حَفْصُ بْنُ عُمَرَ نَا شُعْبَةُ ح وَنَا ابْنُ كَثِيرٍ أَنَا شُعْبَةُ عَنْ أَيُّوبَ عَنْ عَطَاءٍ قَالَ أَشْهَدُ عَلَى ابْنِ عَبَّاسٍ وَشَهِدَ ابْنُ عَبَّاسٍ عَلَى رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّهُ خَرَجَ يَوْمَ فِطْرٍ فَصَلَّى ثُمَّ خَطَبَ ثُمَّ أَتَى النِّسَاءَ وَمَعَهُ بِلَالٌ قَالَ ابْنُ كَثِيرٍ أَكْبَرُ عِلْمِ شُعْبَةَ فَأَمَرَهُنَّ بِالصَّدَقَةِ فَجَعَلْنَ يُلْقِينَ۔

عطاء نے کہا کہ میں ابن عباسؓ کے متعلق شہادت دیتا ہوں اور ابن عباسؓ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق یہ شہادت دی کہ آپؐ ایک عید الفطر میں باہر تشریف لے گئے نماز پڑھائی، خطبہ دیا پھر عورتوں کی طرف تشریف لے گئے اور بلالؓ آپ کے ساتھ تھا ابن کثیر راوی نے کہا کہ شعبہ نے کہا کہ میرا زیادہ تر علم یہ ہے کہ حضورؐ نے انہیں صدقہ کا حکم دیا پس وہ اپنے زیورات پھینکنے لگیں۔ (امام احمدؒ نے یہ حدیث مسند میں روایت کی ہے)

شرح: شعبہ کی یہ روایت دو سندوں سے آئی ہے ایک تو یہی ابو داؤد کی روایت ہے جس میں شعبہ کا آخری کلام کے بارے میں شک ہے کہ اس کے استاد ایوب نے وہ بیان کیا تھا یا نہیں۔ یہی روایت ابوداؤد طیالسی نے بھی بیان کی ہے مگر اس میں بلالؓ کا ذکر نہیں اور شک بھی نہیں آیا۔ دوسری روایت بخاری اور مسلم وغیرہ کی ہے اس میں بھی شک کا ذکر نہیں ہے۔ مولاناؒ فرماتے ہیں کہ شاید یہ شک صرف ابو داؤد کے استاد ابن کثیر کی روایت میں ہی ہے۔

۱۱۴۵۔ حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ وَأَبُو مَعْمَرٍ عَبْدُ اللهِ بْنُ عَمْرٍو قَالَا نَا عَبْدُ الْوَارِثِ عَنْ أَيُّوبَ عَنْ عَطَاءٍ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ بِمَعْنَاهُ قَالَ فَظَنَّ أَنَّهُ لَمْ يُسْمِعِ النِّسَاءَ فَمَشَى إِلَيْهِنَّ وَبِلَالٌ مَعَهُ فَوَعَظَهُنَّ وَأَمَرَهُنَّ بِالصَّدَقَةِ فَكَانَتِ الْمَرْأَةُ تُلْقِي الْقُرْطَ وَالْخَاتَمَ فِي ثَوْبِ بِلَالٍ۔

ابن عباسؓ کی وہی حدیث ایک اور سند سے ۔ اس میں ابن عباسؓ کا قول ہے کہ حضورؐ نے خیال کیا کہ عورتوں نے خطبہ نہیں سنا پس آپؐ ان کی طرف تشریف لے گئے اور بلالؓ آپ کے ساتھ تھا۔ پس آپ نے انہیں نصیحت فرمائی اور صدقے کا حکم دیا۔ پس کوئی عورت تو اپنی بالی اور کوئی اپنی انگوٹھی بلالؓ کے کپڑے میں پھینکتی تھی (یہ حدیث بخاری مسلم، نسائی اور ابن ماجہ نے بھی روایت کی ہے)

۱۱۴۶ ۔ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عُبَيْدٍ نَا حَمَّادُ بْنُ زَيْدٍ عَنْ اَيُّوبَ عَنْ عَطَاءٍ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ فِي هٰذَا الْحَدِيْثِ قَالَ فَجَعَلَتِ الْمَرْاَةُ تُعْطِي الْقُرْطَ وَالْخَاتَمَ وَجَعَلَ بِلَالٌ يَجْعَلُهُ فِي كِسَائِهٖ قَالَ فَقَسَمَهُ عَلٰى فُقَرَاءِ الْمُسْلِمِيْنَ ۔

وہی ابن عباسؓ کی حدیث حدیث ایک اور سند سے ، اس میں ابن عباسؓ نے کہا کہ عورتیں بالیاں اور انگوٹھیاں دینے لگیں اور بلالؓ انہیں چادر میں ڈالتا گیا۔ ابن عباسؓ نے کہا کہ یہ زیورات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے محتاج مسلمانوں میں تقسیم فرما دیے ۔

بَابُ يَخْطُبُ عَلٰى قَوْسٍ

کمان تھام کر خطبہ

۱۱۴۷ ۔ حَدَّثَنَا الْحَسَنُ بْنُ عَلِيٍّ نَا عَبْدُ الرَّزَّاقِ اَنَا ابْنُ عُيَيْنَةَ عَنْ اَبِيْ جَنَابٍ عَنْ يَزِيْدَ بْنِ الْبَرَاءِ عَنْ اَبِيْهِ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نُوْوِلَ يَوْمَ الْعِيْدِ قَوْسًا فَخَطَبَ عَلَيْهِ ۔

براء رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو عید کے دن ایک کمان پکڑائی گئی جس کے سہارے پر آپ نے خطبہ دیا (اس حدیث پر سوائے نسخۂ احمدیہ کے ابو داؤد کے تمام نسخوں میں بَابُ يَخْطُبُ عَلٰى قَوْسٍ کا عنوان موجود ہے۔ حدیث کے مضمون سے نظر آتا ہے کہ یہ عنوان ہونا چاہیئے)

شرح : یہ حدیث یہاں پر مختصر بیان ہوئی ہے۔ مسند احمد میں یہ مطوّل موجود ہے کہ براءؓ نے کہا : ہم عید گاہ میں بیٹھے تھے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے اور لوگوں کو سلام کہا ۔ پھر فرمایا کہ تمہارے اس دن کی پہلی عبادت نماز ہے۔ براءؓ نے کہا کہ پھر حضورؐ آگے بڑھے اور دو رکعت نماز پڑھائی پھر سلام کہا پھر لوگوں کی طرف متوجہ ہوئے اور آپ کو ایک کمان یا عصا دیا گیا جس پر آپ نے سہارا لیا، پس اللہ تعالیٰ کی حمد و ثناء بیان فرمائی اور انہیں امر و نہی فرمائے اور فرمایا : تم میں سے جس نے نماز سے پہلے جانور ذبح کیا ہے وہ اپنے گھر والوں کو کھلانے کی خاطر ہے، قربانی کو ذبح کرنا نماز کے بعد ہے ۔ پس میرا ماموں ابو بردہ بن نیار اٹھا اور کہا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں نے اپنی بکری اس لیے ذبح کر دی تھی تاکہ ہمارے لیے کھانا بنایا جائے اور جب ہم واپس ہوں تو مل کر کھائیں ۔ اور میرے پاس ایک بھیڑ کا چھوٹا بچہ

ہے اور وہ اس سے گھٹیا ہے جسے میں ذبح کر چکا ہوں، کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وہ میری طرف سے کافی ہو سکتا ہے؟ آپ نے فرمایا ہاں مگر تمہارے بعد ایسا بچہ کسی اور کی طرف سے کبھی کافی نہ ہو گا۔ براءؓ نے کہا پھر حضورؐ نے بلالؓ کو نام لے کر بلایا پس بلال آگے چلا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس کے پیچھے چلے حتیٰ کہ عورتوں کے پاس گئے اور فرمایا، اے عورتوں کی جماعت صدقہ کرو تمہارے لیے صدقہ بہت اچھا ہے۔ براءؓ نے کہا کہ میں نے اس دن سے زیادہ ٹوٹے ہوئے زیور اور ہار اور بالیاں کبھی نہیں دیکھیں۔

بَابُ تَرْكِ الْأَذَانِ فِي الْعِيدِ

عید میں اذان ترک کرنے کا باب

۱۱۴۸۔ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ كَثِيرٍ أَنَا سُفْيَانُ عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ عَابِسٍ قَالَ سَأَلَ رَجُلٌ ابْنَ عَبَّاسٍ أَشَهِدْتَ الْعِيدَ مَعَ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ نَعَمْ وَلَوْلَا مَنْزِلَتِي مِنْهُ مَا شَهِدْتُهُ مِنَ الصِّغَرِ فَأَتَى رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْعَلَمَ الَّذِي عِنْدَ دَارِ كَثِيرِ بْنِ الصَّلْتِ فَصَلَّى ثُمَّ خَطَبَ وَلَمْ يَذْكُرْ أَذَانًا وَلَا إِقَامَةً قَالَ ثُمَّ أَمَرَ بِالصَّدَقَةِ قَالَ فَجَعَلَ النِّسَاءُ يُشِرْنَ إِلَى آذَانِهِنَّ وَحُلُوقِهِنَّ قَالَ فَأَمَرَ بِلَالًا فَأَتَاهُنَّ ثُمَّ رَجَعَ إِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ۔

کسی آدمی نے ابن عباسؓ سے پوچھا کہ آپ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ عید پڑھی تھی؟ انہوں نے کہا کہ ہاں! اور اگر میرا آپ کے ساتھ قرابت و محبت کا رشتہ نہ ہوتا تو بچپن کے باعث میں حاضر نہ ہوتا۔ پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس ٹیلے کے پاس تشریف لے گئے جو کثیر بن الصلت کے گھر کے پاس ہے، پس آپ نے نماز پڑھائی پھر خطبہ دیا۔ اور ابن عباسؓ نے اذان اور اقامت کا ذکر نہ کیا۔ ابن عباسؓ نے کہا کہ پھر آپ نے صدقے کا حکم دیا پس عورتیں اپنے کانوں اور حلقوں کی طرف ہاتھ اٹھانے لگیں۔ کہا کہ پھر حضورؐ نے بلالؓ کو حکم دیا، وہ ان عورتوں کے پاس گیا پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس واپس آیا (اس حدیث کو بخاری، نسائی اور احمد نے روایت کیا ہے)

شرح: کثیر بن الصلت ایک جلیل القدر تابعی تھے۔ ان کا مکان حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد بنا تھا مگر اس کے باعث عید گاہ مشہور ہو گئی تھی اس لیے ابن عباسؓ نے اس کا ذکر کیا ہے۔ اس روایت میں اذان و اقامت کا ذکر نہیں مگر صحیحین میں ہے کہ ابن عباسؓ اور جابرؓ دونوں نے بیان کیا کہ حضورؐ کے وقت میں عید کے لیے اذان اور اقامت نہیں ہوتی تھی۔ اس حدیث میں عورتوں کی طرف بلالؓ کو بھیجنے کا حکم آیا ہے مگر اوپر حضورؐ کا خود بھی تشریف لے جانا مذکور تھا۔ شاید کچھ خواتین دور ہوں گی جن کی طرف بلالؓ کو بھیجا گیا۔

۱۱۴۹۔ حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ نَا يَحْيٰى عَنِ ابْنِ جُرَيْجٍ عَنِ الْحَسَنِ بْنِ مُسْلِمٍ عَنْ طَاؤُسٍ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَلَّى الْعِيْدَ بِلَا أَذَانٍ وَلَا إِقَامَةٍ وَأَبَا بَكْرٍ وَعُمَرَ أَوْ عُثْمَانَ شَكَّ يَحْيٰى۔

ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عید اذان و اقامت کے بغیر پڑھی اور حضرات ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہ یا عثمان رضی اللہ عنہ نے بھی اسی طرح پڑھی۔ یحییٰ کو شک ہے اکہ پچھلے دو بزرگوں میں سے ابن عباس رضی اللہ عنہ نے کسی کا نام لیا تھا۔ اس حدیث کی روایت ابن ماجہ نے بھی مختصراً کی ہے اور امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے بھی مسند میں اسے درج کیا ہے یحییٰ سے مراد یحییٰ بن سعید القطان ہے)

۱۱۵۰۔ حَدَّثَنَا عُثْمَانُ بْنُ أَبِيْ شَيْبَةَ وَهَنَّادٌ لَفْظُهُ قَالَا نَا أَبُو الْأَحْوَصِ عَنْ سِمَاكٍ يَعْنِي ابْنَ حَرْبٍ عَنْ جَابِرِ بْنِ سَمُرَةَ قَالَ صَلَّيْتُ مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ غَيْرَ مَرَّةٍ وَلَا مَرَّتَيْنِ الْعِيْدَيْنِ بِغَيْرِ أَذَانٍ وَلَا إِقَامَةٍ۔

جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ نے کہا کہ میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ایک دو مرتبہ سے زیادہ بار عیدین کی نماز بغیر اذان و اقامت کے پڑھی تھی (یہ حدیث مسلم اور ترمذی نے بھی روایت کی ہے)

شرح: علامہ شوکانی، حافظ عراقی، حافظ ابن قدامہ نے علمائے اسلام کا اس پر اجماع لکھا ہے کہ عیدین میں اذان و اقامت نہیں ہے۔ اور دنیا بھر میں اسی پر عمل ہے۔ لیکن بعض روایات میں ہے کہ عبداللہ بن الزبیر رضی اللہ عنہ نے عید میں اذان و اقامت کہلوائی۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ یہ بدعت پہلے زیاد نے جاری کی تھی۔ ابن العربی نے لکھا ہے کہ بعض ایسے راویوں نے جن پر بھروسہ نہیں کیا جا سکتا یہ کہا ہے کہ سب سے پہلے عید کی اذان معاویہ رضی اللہ عنہ نے کہلوائی تھی ابن ابی شیبہ کی روایت کا مفاد یہی ہے۔ لیکن بہر حال اہل اسلام کا اس پر اجماع ہو گیا ہے کہ نماز عیدین کے لیے نہ اذان ہے نہ اقامت۔

بَابُ التَّكْبِيْرِ فِي الْعِيْدَيْنِ

عیدین کی نماز میں تکبیر کا باب

۱۱۵۱۔ حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ نَا ابْنُ لَهِيْعَةَ عَنْ عُقَيْلٍ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ عَنْ عُرْوَةَ عَنْ عَائِشَةَ أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يُكَبِّرُ فِي الْفِطْرِ وَالْأَضْحٰى فِي الْأُوْلٰى سَبْعَ تَكْبِيْرَاتٍ وَفِي الثَّانِيَةِ خَمْسًا۔

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا بیان ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فطر اور اضحیٰ کی نمازوں میں پہلی رکعت میں سات تکبیریں اور دوسری میں پانچ تکبیریں کہا کرتے تھے (یہ حدیث ابن ماجہ نے بھی روایت کی ہے)

شرح: معالم السنن میں خطابی فرماتے ہیں کہ اکثر اہل علم کا یہی قول ہے۔ یہ ابوہریرہؓ، ابن عمرؓ، ابن عباسؓ اور ابوسعید خدری سے مروی ہے اور زہری، مالکؒ، اوزاعیؒ، شافعیؒ، احمدؒ اور اسحاق بن راہویہ کا یہی مسلک ہے۔ امام شافعیؒ نے کہا کہ ان تکبیروں میں تحریمہ کی تکبیر اور قیام کی تکبیر شامل نہیں (گویا رکوع اور سجدہ کو جاتے وقت کی تکبیریں شامل ہیں)، اور ابن مسعودؓ سے مروی ہے کہ امام پے درپے چار تکبیریں کہے پھر رکوع اور سجدہ کرے اور اٹھ کر قرأت کرے پھر چار تکبیریں کہے بشمول تکبیر رکوع۔ اور اصحاب رائے کا یہی مذہب ہے اور حسن بصری پہلی رکعت میں پانچ اور دوسری میں تین رکوع کی تکبیروں کے علاوہ کہتے تھے۔ اور اس باب میں ابوداؤد نے ابوموسیٰؓ اشعری سے ایک ضعیف حدیث کی ہے کہ حضور نماز جنازہ کی طرح عیدین میں بھی چار تکبیریں کہتے تھے۔ مزید گفتگو آگے آتی ہے۔

۱۱۵۲- حَدَّثَنَا ابْنُ السَّرْحِ اَنَا ابْنُ وَهْبٍ اَخْبَرَنِي ابْنُ لَهِيعَةَ عَنْ خَالِدِ بْنِ يَزِيدَ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ بِإِسْنَادِهِ وَمَعْنَاهُ قَالَ سِوَى تَكْبِيرَتَيِ الرُّكُوعِ۔

ابن شہاب نے اپنی اوپر والی سند سے اسی کے ہم معنیٰ یہ دوسری حدیث بیان کی ہے، اس میں کہا: سوائے رکوع کی دو تکبیروں کے (یہ روایت ابن ماجہ نے بھی بیان کی ہے۔ اس سند میں اور اوپر کی روایت کی سند میں بھی عبداللہ بن لہیعہ ضعیف راوی ہے (شوکانی) ترمذی نے کتاب العلل میں کہا ہے اور ابن وہب نے اس میں: رکوع کی دو تکبیروں کے علاوہ کے الفاظ کا اضافہ کیا ہے اور اسحاق نے (دارقطنی میں) افتتاح کی تکبیر کے سوا، کے لفظ بڑھائے ہیں۔ خلاصہ یہ کہ یہ حدیث اپنی دونوں سندوں سے ضعیف ہے)

۱۱۵۳- حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ نَا الْمُعْتَمِرُ قَالَ سَمِعْتُ عَبْدَ اللّٰهِ بْنَ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ الطَّائِفِيَّ يُحَدِّثُ عَنْ عَمْرِو بْنِ شُعَيْبٍ عَنْ اَبِيهِ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَمْرِو بْنِ الْعَاصِ قَالَ قَالَ نَبِيُّ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ التَّكْبِيرُ فِي الْفِطْرِ سَبْعٌ فِي الْاُولٰى وَخَمْسٌ فِي الْاٰخِرَةِ وَالْقِرَاءَةُ بَعْدَهُمَا كِلْتَيْهِمَا۔

عبداللہ بن عمرو بن العاص نے کہا کہ اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: عید الفطر میں سات تکبیریں پہلی رکعت میں اور پانچ دوسری رکعت میں ہیں اور قرأت دونوں میں تکبیروں کے بعد ہے (گفتگو آگے آتی ہے)

۱۱۵۴- حَدَّثَنَا اَبُو تَوْبَةَ الرَّبِيعُ بْنُ نَافِعٍ نَا سُلَيْمَانُ يَعْنِي ابْنَ حَيَّانَ عَنْ اَبِي يَعْلَى الطَّائِفِيِّ عَنْ عَمْرِو بْنِ شُعَيْبٍ عَنْ اَبِيهِ عَنْ جَدِّهِ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

كَانَ يُكَبِّرُ فِي الْفِطْرِ فِي الْأُولَى سَبْعًا ثُمَّ يَقْرَأُ ثُمَّ يُكَبِّرُ ثُمَّ يَقُومُ فَيُكَبِّرُ أَرْبَعًا ثُمَّ يَقْرَأُ ثُمَّ يَرْكَعُ قَالَ أَبُو دَاوُدَ رَوَاهُ وَكِيعٌ وَابْنُ الْمُبَارَكِ قَالَا سَبْعًا وَخَمْسًا۔

عمرو بن شعیب نے اپنے باپ سے اور اس نے اپنے دادا سے روایت کی کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم عید الفطر میں پہلی رکعت میں سات تکبیریں کہتے پھر قرأت کرتے پھر تکبیر کہتے پھر اٹھتے تو چار تکبیریں کہتے پھر قرأۃ کرتے پھر رکوع کرتے تھے۔ ابو داؤد نے کہا کہ اس حدیث کو وکیع اور ابن المبارک نے روایت کیا اور دونوں نے سات اور پانچ کہا (سات اور پانچ والی روایت ابن ماجہ میں بھی ہے)

شرح: منذری نے کہا ہے کہ اس حدیث کی سند میں عبد اللہ اور عبد الرحمٰن الطائفی ہے جس میں محدثین کو کلام ہے اور مسلم نے متابعات میں اس کی روایت لی ہے۔ حضرت الاستاذ شیخ الاسلام عثمانی رح نے فرمایا کہ ہر رکعت میں تین تکبیریں اس سے زائد تکبیروں سے اولیٰ ہیں اور اسی طرح دوسری رکعت میں انہیں قرأت پر مقدم کرنے سے بھی، اور یہی ابن مسعودؓ کا قول ہے اور اس میں فقہائے صحابہ کے آثار موجود ہیں۔ اور اس فتویٰ میں ابن مسعودؓ کی موافقت ابو مسعودؓ بدری، حذیفہؓ اور ابو موسیٰ اشعریؓ نے کی ہے باوجود مؤخر الذکر کی حدیث مرفوع کے۔ اور ابن عباسؓ نے باوجود ان سے مختلف روایات کے اور مغیرہؓ بن شعبہ نے بھی اس میں ابن مسعودؓ کی موافقت کی ہے۔ سات اور پانچ تکبیروں کی روایات جن سے امام شافعیؒ اور ان کے موافقین نے استدلال کیا ہے، عمرو بن عوفؓ، عبد اللہ بن عمروؓ، حضرت عائشہ، ابو ہریرہؓ، سعد القرظیؓ، ابو واقدؓ لیثی، عبد الرحمٰن بن عوف، ابن عباسؓ، ابو سعید الخدریؓ عبد اللہ بن عمرؓ، عمر بن الخطاب سے وارد ہوئی ہیں۔

عمرو بن عوفؓ کی حدیث ترمذی، ابن ماجہ، دارقطنی، ابن عدی اور بیہقی نے روایت کی ہے۔ بیہقی نے کہا کہ ابو عیسیٰ ترمذی نے اس کے متعلق بخاری سے پوچھا تو انہوں نے کہا کہ اس باب میں اس سے صحیح تر روایت کوئی نہیں اور یہی میرا قول ہے۔ حضرت نے فرمایا کہ اس کا راوی کثیر بن عبد اللہ ضعیف ہے۔ امام شافعیؒ نے اسے ارکان کذب کا ایک رکن، ابو داؤد نے کذاب اور ابن حبان نے اس کتاب کو موضوع کہا ہے جس میں سے یہ روایت کرتا ہے۔ نسائیؒ اور دارقطنی نے متروک الحدیث، احمد بن حنبلؒ نے منکر الحدیث، ابن معین نے لیس بشیئ، ابو زرعہ نے واہی الحدیث کہا ہے۔ حیرت ہے کہ ترمذی نے کیسے حسن کہا اور بخاری نے کیوں کر اصح شیئ فی هذا الباب کہہ دیا ہے؟

عبد اللہ بن عمرو کی حدیث احمد، ابن ابی شیبہ، ابو داؤد، ابن ماجہ، دارقطنی اور بیہقی نے عبد اللہ بن عبد الرحمٰن طائفی ابو یعلیٰ کے طریق سے روایت کی ہے۔ اس طائفی کو محدثین کی ایک جماعت نے ضعیف کہا ہے مثلاً ابن معین نسائی نے اسے غیر قوی اور اسی طرح ابو حاتم نے بھی غیر قوی کہا ہے۔ بقول حافظ (تہذیب التہذیب) بخاری نے کہا کہ اس میں کلام ہے۔ تاج الدین سبکی نے طبقات میں ذھبی سے نقل کیا ہے کہ بخاری کا یہ قول ”فیہ نظر“ متروک اور ساقط راوی میں ہوتا ہے۔

یہی حال باقی ان احادیث کا ہے جو اس باب میں سات اور پانچ کے قائلین نے بیان کی ہیں، ان میں سے بعض

ساقط ہیں، بعض میں وہن یا ضعف کی علت ہے اور ان میں سے قوی تر حدیث شاید یہی طائفی والی ہے جس کا ذکر ابھی گزرا۔ (فتح الملہم ج ۲ ص ۴۲۹۔۴۳۰) ابن القطان نے اپنی کتاب میں احمد بن حنبلؒ سے نقل کیا ہے کہ عیدین کی تکبیروں میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کوئی صحیح حدیث نہیں آئی۔ امام مالکؒ نے ابوہریرہؓ کے فعل کو اختیار کیا ہے (ایضاً)

نیل الاوطار میں علامہ شوکانی نے کہا ہے کہ عید کی تکبیرات اور ان کے محل کے متعلق علماء کے مختلف اقوال دس ہیں۔ (۱) یہ کہ پہلی رکعت میں سات تکبیریں قرأت سے قبل اور دوسری میں پانچ قبل از قرأت ہیں۔ بقول عراقی صحابہ، تابعین اور ائمہ میں سے اکثر اہل علم کا یہی قول ہے۔ اور یہ حضرت عمرؓ، علیؓ، ابوہریرہؓ، ابوسعیدؓ، جابرؓ، ابن عمرؓ، ابن عباسؓ، ابوایوبؓ، زید بن ثابتؓ اور حضرت عائشہؓ سے مروی ہے اور مدینہ کے فقہائے سبعہ، زہری، عمر بن عبدالعزیز اور مکحول کا قول ہے اور مالکؒ، اوزاعی، شافعی، احمد اور اسحاق کا یہی مذہب ہے۔ امام شافعی، اوزاعی، اسحاق، ابوطالب اور ابوالعباس نے کہا کہ پہلی سات تکبیریں تحریمہ کی تکبیر کے بعد ہیں۔ (۲) یہ کہ پہلی سات تکبیروں میں تکبیر تحریمہ بھی شمار ہوگی اور یہ احمدؒ، مالک اور مزنی کا قول ہے (۳) یہ کہ ہر دو رکعات میں سات سات تکبیریں ہیں یہ انس بن مالک، مغیرہ بن شعبہ، ابن عباسؓ، سعید بن مسیب اور نخعی سے مروی ہے (۴) پہلی رکعت میں تکبیر تحریمہ کے بعد تین تکبیریں اور دوسری رکعت میں قرأت کے بعد تین تکبیریں ہیں۔ اور یہ صحابہ کی ایک جماعت سے مروی ہے یعنی ابن مسعودؓ، ابوموسیٰ اشعریؓ، ابومسعودؓ بدری اور یہی ثوریؒ اور ابوحنیفہؒ کا قول ہے (۵) پہلی رکعت میں تکبیر تحریمہ کے بعد چھ تکبیریں (قبل از قرأت) اور دوسری رکعت میں قرأت کے بعد پانچ تکبیریں۔ احمد بن حنبل سے یہ بھی ایک روایت ہے اور مالکؒ سے بھی مروی ہے (۶) تکبیر تحریمہ کے علاوہ پہلی رکعت میں چار تکبیریں اور دوسری رکعت میں چار تکبیریں۔ اور یہ محمد بن سیرین کا قول ہے اور حسن، مسروق، اسود، شعبی، ابوقلابہ سے مروی ہے اور صاحب بحر نے اسے ابن مسعودؓ، حذیفہؓ اور سعید بنؓ العاص سے روایت کیا ہے (۷) یہ پہلے قول کی مانند ہے مگر یہ کہ پہلی رکعت کی قرأت تکبیر کے بعد اور دوسری کی قرأت تکبیرات سے پہلے ہو (۸) یہ کہ عید الفطر اور عید الاضحیٰ میں تکبیروں کے باب میں فرق کیا جائے۔ فطر میں ۱۱ تکبیریں ہوں، چھ پہلی رکعت میں اور پانچ دوسری میں۔ عید الاضحیٰ میں تین پہلی رکعت میں اور دو دوسری میں۔ اور یہ قول الحارث الاعور کی روایت سے ابن ابی شیبہ میں جناب علیؓ بن ابی طالب سے مروی ہے۔
(۹) یہ کہ دونوں عیدوں کی تکبیرات میں ایک اور طریقے سے فرق کیا جائے۔ فطر میں ۱۱ تکبیریں اور الاضحیٰ ۹ تکبیریں ہوں یہ قول یحییٰ بن نعیمر سے مروی ہے (۱۰) یہ بھی پہلے قول کی مانند ہے لیکن تکبیر کا محل بعد از قرأۃ ہے اور یہ الہادی اور مؤید باللہ کا مذہب ہے (شاید یہ زیدی ائمہ ہیں)

علماء کے اقوال و مذاہب بیان کرنے کے بعد علامہ شوکانی نے پہلے قول کو ترجیح دی ہے اور اس کے دلائل بیان کئے ہیں۔ جو احادیث علامہ نے اس قول کی ترجیح میں نقل کی ہیں اُن پر ہم نے اوپر مختصراً حضرت شیخ الاسلام عثمانیؒ کا محاکمہ نقل کر دیا ہے۔ صاحب بذل المجہود رحمہ اللہ نے علامہ شوکانی کے دلائل ایک ایک کر کے بیان کئے اور ان پر مفصل کلام کیا ہے۔ میرے خیال میں ان دلائل اور ان پر مولاناؒ کی گفتگو کی اب زیادہ ضرورت نظر نہیں آتی لہذا انہیں حذف کیا جاتا ہے۔

۱۱۵۵۔ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الْعَلَاءِ وَابْنُ أَبِي زِيَادٍ الْمَعْنَى قَرِيبٌ قَالَا نَا زَيْدٌ يَعْنِي ابْنَ حُبَابٍ عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ ثَوْبَانَ عَنْ أَبِيهِ عَنْ مَكْحُولٍ قَالَ أَخْبَرَنِي أَبُو عَائِشَةَ جَلِيسٌ لِأَبِي هُرَيْرَةَ أَنَّ سَعِيدَ بْنَ الْعَاصِ سَأَلَ أَبَا مُوسَى الْأَشْعَرِيَّ وَحُذَيْفَةَ بْنَ الْيَمَانِ كَيْفَ كَانَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُكَبِّرُ فِي الْأَضْحٰى وَالْفِطْرِ فَقَالَ أَبُو مُوسٰى كَانَ يُكَبِّرُ أَرْبَعًا تَكْبِيرَةً عَلَى الْجَنَائِزِ فَقَالَ حُذَيْفَةُ صَدَقَ فَقَالَ أَبُو مُوسٰى كَذٰلِكَ كُنْتُ أُكَبِّرُ فِي الْبَصْرَةِ حَيْثُ كُنْتُ عَلَيْهِمْ قَالَ أَبُو عَائِشَةَ وَأَنَا حَاضِرٌ سَعِيدَ بْنَ الْعَاصِ۔

سعید بن العاص نے ابو موسیٰ اشعری اور حذیفہ بن الیمان سے پوچھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عید الاضحیٰ اور عید الفطر میں کس طرح تکبیر کہا کرتے تھے۔ اس پر ابو موسیٰ رضی نے کہا کہ چار تکبیریں کہتے تھے جس طرح کہ جنازوں پر کہتے تھے، پس حذیفہ رضی نے کہا کہ اس نے سچ کہا۔ پھر ابو موسیٰ رضی نے کہا کہ جب میں بصرہ کا حاکم تھا تو اسی طرح تکبیریں کہتا تھا۔ ابو عائشہ نے کہا کہ میں اس وقت سعید ابن العاص کے پاس موجود تھا (اس حدیث کو امام احمدؒ نے مسند میں روایت کیا ہے)

شرح: اس حدیث کے راوی ابو عائشہ اموی کو ابن حزم، ابن القطان اور ذہبی نے مجہول کہا ہے۔ اس حدیث میں چار تکبیروں سے مراد ہر رکعت کی چار تکبیریں ہیں، ان میں تحریمہ کی تکبیر پہلی رکعت میں اور رکوع کی تکبیر دوسری رکعت میں شامل ہے۔ حافظ جمال الدین زیلعیؒ نے نصب الرایہ میں کہا ہے کہ اس حدیث پر ابو داؤد اور منذری خاموش رہے ہیں، امام احمدؒ نے اسے مسند میں درج کیا ہے اور امام ابن الجوزی نے التحقیق میں اسے حنفیہ کی دلیل کے طور پر بیان کر کے عبد الرحمٰن بن ثوبان کے باعث معلول قرار دیا ہے اور کہا ہے ابن معین نے اسے ضعیف کہا ہے اور امام احمد نے غیر قوی قرار دیا ہے۔ تنقیح میں ہے کہ عبد الرحمٰن بن ثوبان کو کئی محدثین نے ثقہ کہا ہے اور ابن معین نے کہا ہے کہ: اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔ لیکن ابو عائشہ کو ابن حزم نے مجہول کہا اور ابن القطان نے کہا کہ میں اس کا حال نہیں جانتا۔ مولانا ؒ نے فرمایا کہ عبد الرحمٰن بن ثوبان کے متعلق ابن معین کے اقوال مختلف ہیں۔ کبھی اسے ضعیف کہا اور کبھی صالح کہا۔ مگر علی بن المدینی کی رائے اس کے متعلق اچھی تھی اور اس نے کہا کہ ابن ثوبان سچا آدمی تھا اس میں کوئی خرابی نہیں۔ عمرو بن علی نے کہا کہ شامیوں کی حدیث ضعیف ہے مگر ابن ثوبان اس سے مستثنیٰ ہے۔ عثمان دارمی نے دحیم سے نقل کیا کہ ابن ثوبان ثقہ تھا، اس پر قدریہ میں سے ہونے کا الزام ہے۔ ابو حاتم نے کہا کہ وہ ثقہ ہے اور اس میں کچھ قدریت ملی ہوئی ہے اور اس کی عقل آخری ایام میں متغیر ہو گئی تھی اور وہ مستقیم الحدیث تھا ابو داؤد نے کہا: اس میں سلامتی تھی اور کوئی حرج نہ تھا، وہ مستجاب الدعاء تھا اور بخاری نے الادب المفرد میں اس کی حدیث

روایت کی ہے۔ تہذیب میں ہے کہ بخاری نے ابن عمرؓ کی ایک حدیث معلق بیان کی ہے: جُعِلَ رِزْقِی تَحْتَ ظِلِّ رُمْحِی۔ "میرا رزق میرے نیزے کے سائے میں رکھا گیا ہے"۔ اس حدیث کو ابوداؤد نے موصول بیان کیا ہے اور اس کی سند میں یہی عبدالرحمن بن ثابت ہے۔ خلاصہ میں ہے کہ عبدالرحمن بن ثوبان عنسی ابوعبداللہ دمشقی زاہد تھا۔ احمد نے اسے غیر قوی کہا ہے (احمد معتزلہ اور قدریہ کے متعلق نہایت شدید تھے!) یعقوب بن شیبہ نے کہا کہ وہ سچا آدمی تھا۔ دُحیم نے کہا کہ وہ ثقہ تھا اور اس پر قدر کا الزام تھا۔ تقریب میں ہے کہ بہت سچا تھا، کبھی خطا کرتا تھا اور اس پر قدر کا الزام تھا اور زندگی کے اواخر میں متغیر ہو گیا تھا۔ ذہبی نے میزان میں کہا ہے کہ اُسے دُحیم نے ثقہ کہا ہے، ابن معین نے کہا کہ اس میں کوئی خرابی نہیں اور ابوداؤد نے کہا کہ اس میں سلامتی تھی، مستجاب الدعا تھا۔ ابوحاتم نے اسے ثقہ کہا ہے۔ صالح جزرہ نے کہا کہ وہ قدری تھا نہایت سچا تھا۔ ترمذی نے عزغزہ سے پہلے پہلے قبول توبہ میں ایک حدیث بیان کر کے اُسے حسن کہا ہے اور اس کی سند میں یہی ابن ثوبان ہے۔ اور غلاس نے بھی عبدالرحمن کو ثقہ کہا ہے۔

اب رہا ابوعائشہ کی جہالت کا دعوٰی، سو حافظ نے تہذیب التہذیب میں کہا ہے کہ اس سے مکحول اور خالد بن معدان نے روایت کی ہے، پس ان دو کی اس سے روایت کے اس کی جہالت رفع ہو گئی۔ شیخ نیموی نے آثار السنن میں کہا ہے کہ بیہقی نے اس حدیث کو اس سبب سے معلول کہا ہے کہ اس کے راوی کی دو جگہ مخالفت ہوئی ہے ایک اس کے رفع میں اور دوسرے ابوموسیٰؓ کے جواب میں۔ اور مشہور یہ ہے کہ اس کی سند ابن مسعودؓ تک پہنچتی ہے، ابن مسعودؓ نے لوگوں کو یہ فتویٰ دیا تھا مگر اسے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب نہیں کیا۔ مولاناؒ فرماتے ہیں کہ ان دونوں کو جمع کرنا ممکن ہے کیونکہ ابوموسیٰؓ کے پاس اس مسئلے میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث تھی لیکن انہوں نے از راہ ادب و احترام اس معاملے کو ابن مسعودؓ سے منسوب کیا، پھر جب ابن مسعودؓ نے لوگوں کو یہ فتویٰ دیا تو ابوموسیٰؓ نے اس کی تائید کی اور بطور تصدیق و تصویب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث بھی بیان کی۔ اور ابن مسعودؓ کی یہ موقوف حدیث بروئے اصول "مرفوع" کے حکم میں ہے کیونکہ یہ کوئی اجتہادی مسئلہ نہیں جس میں رائے اور قیاس و اجتہاد کار فرما ہو سکے۔ اور صحابہؓ کی ایک جماعت نے ابن مسعودؓ پر نکیر نہیں کی بلکہ خاموشی سے اس کی تائید کر دی اور ابن مسعودؓ کی وہ حدیث جو انہوں نے سعید بن العاصؓ کے جواب میں کہی تھی جبکہ اس نے حذیفہؓ اور ابوموسیٰؓ سے نماز عید کی تکبیر کے بارے میں سوال کیا تھا، سو یہ وہی حدیث ہے جسے عبدالرزاق نے اپنے مصنف میں روایت کیا ہے۔ اس کا مضمون یہ ہے کہ ابن مسعودؓ بیٹھے ہوئے تھے اور ان کے پاس حذیفہؓ اور ابوموسیٰ اشعریؓ بھی تھے پس سعید بن العاص نے ان سے نماز عید کی تکبیرات کے متعلق سوال کیا۔ حذیفہؓ نے کہا اشعری سے پوچھو، اشعری نے کہا عبداللہؓ سے پوچھو کیونکہ وہ اسلام میں ہم سے قدیم تر ہے اور زیادہ عالم ہے۔ پس ابن مسعودؓ نے کہا کہ چار تکبیریں کہے پھر قرأت کرے پھر تکبیر کہہ کر رکوع کرے۔ پھر دوسری رکعت میں اٹھے تو قرأت کرے پھر قرأت کے بعد چار تکبیرات کہے۔ مولاناؒ نے فرمایا کہ سعید بن العاصؓ کے سوال کا منشا یہ تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عید میں کس طرح تکبیر کہتے تھے، اگرچہ لفظوں میں یہ موجود نہیں مگر ان کی مراد یہی تھی (وہ خود بھی صغار صحابہؓ میں سے تھے!)

پس ابن مسعودؓ نے جو جواب دیا ان کے نزدیک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہی ثابت تھا، سعید بن العاصؓ ان سے ان کی رائے اور قیاس نہیں پوچھتے تھے۔ عبدالرزاق نے اپنے مصنف میں ابن مسعودؓ کا عمل روایت کیا ہے کہ وہ

عیدین میں ۹ تکبیریں کہتے تھے۔ چار قرأت سے پہلے (بشمول تکبیر تحریمہ) پھر تکبیر کہہ کر رکوع کرتے (یہ پانچ ہوئیں) دوسری رکعت میں قرأت سے فارغ ہوکر چار تکبیریں کہتے (بشمول تکبیر برائے رکوع) پھر رکوع کرتے۔ اور دونوں قرأتوں کو باہم ملاتے تھے (یعنی دوسری رکعت کی تکبیریں قبل از قرأت نہیں بلکہ بعد از قرأت کہتے تھے) ابن ابی شیبہ نے اپنے مصنف میں مسروق کے حوالے سے بیان کیا ہے کہ عبداللہ بن مسعود ہم کو عیدین کی تکبیریں سکھاتے تھے کہ وہ ۹ تکبیریں ہیں، پانچ پہلی رکعت میں اور چار دوسری میں، اور یہ کہ دونوں قرأتوں میں فاصلہ نہ کرے اور نماز کے بعد اونٹنی پر خطبہ دے۔ طبرانی نے یہ روایت ایک اور سند سے بیان کی ہے۔ ترمذی نے ابن مسعودؓ سے عیدین کی نو تکبیرات نقل کی ہیں۔ پہلی رکعت میں پانچ (تحریمہ اور رکوع کی تکبیر سمیت) اور دوسری رکعت میں پہلے قرأت اور پھر چار تکبیریں (رکوع کی تکبیر سمیت) اور کئی صحابہ سے اسی طرح مروی ہے اور یہی اہل کوفہ کا قول ہے اور سفیان ثوریؒ نے اسی کو اختیار کیا۔ ابن ابی شیبہ نے اپنے مصنف میں انسؓ سے عیدین میں نو تکبیریں کہنا نقل کیا ہے عبدالرزاق نے اپنے مصنف میں ابن عباسؓ سے بزمانہ حکومت بصرہ ۹ تکبیریں کہنا اور دونوں قرأتوں میں فاصلہ نہ کرنا نقل کیا ہے، راوی عبداللہ بن الحارث نے کہا کہ میں نے مغیرہؓ بن شعبہ کو بھی اسی طرح کرتے دیکھا، پھر میں نے خالد سے پوچھا کہ ابن عباسؓ کا عمل کیا تھا تو اس نے ان سے بھی عبداللہ بن مسعودؓ کی مانند نقل کیا۔ ابن ابی شیبہ نے ہشیم کے طریق سے یہی عمل ابن عباسؓ سے نقل کیا ہے۔

بَابُ مَا يَقْرَأُ فِي الْأَضْحَى وَالْفِطْرِ

عیدالاضحیٰ اور فطر میں قرأت کا باب

۱۱۵۶۔ حَدَّثَنَا الْقَعْنَبِيُّ عَنْ مَالِكٍ عَنْ ضَمْرَةَ بْنِ سَعِيدٍ الْمَازِنِيِّ عَنْ عُبَيْدِ اللهِ بْنِ عَبْدِ اللهِ بْنِ عُتْبَةَ بْنِ مَسْعُودٍ أَنَّ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ سَأَلَ أَبَا وَاقِدٍ اللَّيْثِيَّ مَاذَا كَانَ يَقْرَأُ بِهِ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي الْأَضْحَى وَالْفِطْرِ قَالَ كَانَ يَقْرَأُ فِيهِمَا بِقَافْ وَالْقُرْآنِ الْمَجِيدِ وَاقْتَرَبَتِ السَّاعَةُ وَانْشَقَّ الْقَمَرُ۔

حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے ابو واقد لیثیؓ سے پوچھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عیدالاضحیٰ اور فطر میں کیا قرأت فرماتے تھے، تو انہوں نے کہا کہ عیدین میں آپ سورۃ قاف اور سورۂ قمر کی قرأت فرمایا کرتے تھے (مسلم، الترمذی، نسائی اور ابن ماجہ نے بھی یہ حدیث روایت کی ہے)

شرح: ابو واقد لیثیؓ کا نام حارث بن مالک یا حارث بن عوف تھا، ایک قول یہ بھی ہے کہ عوف بن حارث نام تھا، بدری صحابی تھے۔ اس حدیث کی سند سے بظاہر اس کا مرسل ہونا معلوم ہوتا ہے کیونکہ عبیداللہ بن عبداللہ بن عتبہ نے حضرت عمرؓ کا وقت نہیں پایا تھا۔ مگر انہوں نے ابو واقدؓ کو پایا اور انہوں نے اس جواب و سوال کی انہیں خبر دی۔

پس یہ حدیث صحیح ہے۔ نووی رحمہ نے لکھا ہے کہ اس حدیث کی ایک روایت میں یہ بھی ہے کہ عبیداللہ نے ابو واقد رض سے روایت کی اور انہوں نے اس قصے سے انہیں آگاہ کیا۔ پس پہلی روایت مرسل ہے اور دوسری متصل ہے۔ حضرت عمر رض اپنی تعلیمی مجالس میں صحابہ سے سوالات کیا کرتے تھے تاکہ ان میں علم و تعلیم کا شوق پیدا ہو۔ دوسری احادیث میں اور سورتوں کا ذکر بھی موجود ہے۔

بَابُ الْجُلُوسِ لِلْخُطْبَةِ

خطبہ کے لیے بیٹھنے کا باب

۱۱۵۷۔ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الصَّبَّاحِ الْبَزَّازُ نَا الْفَضْلُ بْنُ مُوسَى السِّينَانِيُّ نَا ابْنُ جُرَيْجٍ عَنْ عَطَاءٍ عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ السَّائِبِ قَالَ شَهِدْتُ مَعَ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْعِيدَ فَلَمَّا قَضَى الصَّلٰوةَ قَالَ إِنَّا نَخْطُبُ فَمَنْ أَحَبَّ أَنْ يَجْلِسَ لِلْخُطْبَةِ فَلْيَجْلِسْ وَمَنْ أَحَبَّ أَنْ يَذْهَبَ فَلْيَذْهَبْ قَالَ أَبُو دَاوُدَ هٰذَا مُرْسَلٌ۔

عبداللہ بن سائب نے کہا کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ عید میں حاضر تھا، پس جب آپ نے نماز ختم کی تو فرمایا: ہم خطبہ دیتے ہیں پس جو کوئی خطبے کے لیے بیٹھنا چاہے وہ بیٹھے اور جو جانا چاہے وہ چلا جائے ابو داؤد نے کہا کہ یہ حدیث مرسل ہے (نسائی اور ابن ماجہ نے بھی اس حدیث کی روایت کی ہے۔ نسائی نے کہا کہ یہ غلط ہے، صحیح یہ ہے کہ یہ مرسل ہے)

شرح: اس حدیث سے پتہ چلا کہ عیدین کے خطبے کے لیے بیٹھنا ضروری نہیں۔ سنن ابی داؤد کے حاشیے پر ہے کہ صحیح روایت مرسل ہے، یعنی عطاء نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے مرسلاً روایت کی ہے۔ بیہقی نے ابن معین کے حوالے سے نقل کیا ہے کہ فضل بن موسی نے اس حدیث کی سند میں صحابی کا نام بڑھا کر غلطی کی ہے۔ اصل میں یہ عطاء کی مرسل حدیث ہے۔

بَابُ يَخْرُجُ إِلَى الْعِيدِ فِي طَرِيقٍ وَيَرْجِعُ فِي طَرِيقٍ

عید میں ایک راستے سے جانے اور دوسرے سے آنے کا باب

۱۱۵۸۔ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ مَسْلَمَةَ نَا عَبْدُ اللهِ يَعْنِي ابْنَ عُمَرَ عَنْ نَافِعٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَخَذَ يَوْمَ الْعِيدِ فِي طَرِيقٍ ثُمَّ

رَجَعَ فِی طَرِیْقٍ اٰخَرَ۔

ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عید کے دن ایک راستہ اختیار کیا پھر واپسی دوسرے راستے سے فرمائی (یہ حدیث ابن ماجہ نے بھی روایت کی ہے)

شرح: منذری نے کہا ہے کہ اس حدیث کی سند میں عبداللہ بن عمر بن حفص العمری ہے جس میں کلام ہوا ہے اور مسلم نے اس کی روایت لی ہے مگر اس کے بھائی عبید اللہ کے ساتھ ملا کر۔ بخاری نے جابرؓ بن عبداللہ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عید کے دن مختلف راستے اختیار فرماتے تھے۔ امام ابو حنیفہؒ نے اس فعل کو استحباب پر مبنی قرار دیا ہے۔ سنن داؤد کے حاشیئے پر ہے کہ ابوداؤدؒ نے کہا یہ حدیث ابوہریرہؓ وغیرہ سے بھی مروی ہے۔

بَابُ ۱۲ اِذَا لَمْ یَخْرُجِ الْاِمَامُ لِلْعِیْدِ مِنْ یَوْمِہٖ یَخْرُجُ مِنَ الْغَدِ

باب۔ جب امام عید کے دن نہ نکلے تو دوسرے دن نکلے

۱۱۵۹۔ حَدَّثَنَا حَفْصُ بْنُ عُمَرَ نَا شُعْبَۃُ عَنْ جَعْفَرِ بْنِ اَبِیْ وَحْشِیَّۃَ عَنْ اَبِیْ عُمَیْرِ بْنِ اَنَسٍ عَنْ عُمُوْمَۃٍ لَہٗ مِنْ اَصْحَابِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَنَّ رَکْبًا جَاؤُا اِلَی النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَشْہَدُوْنَ اَنَّہُمْ رَاَوُا الْہِلَالَ بِالْاَمْسِ فَاَمَرَہُمْ اَنْ یُّفْطِرُوْا وَاِذَا اَصْبَحُوْا اَنْ یَّغْدُوْا اِلٰی مُصَلَّاہُمْ۔

ابو عمیر بن انس نے اپنے بعض چچاؤں سے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابی تھے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس کچھ شتر سوار آئے، وہ یہ گواہی دیتے تھے کہ انہوں نے کل عید کا چاند دیکھا تھا۔ پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کو روزہ چھوڑ دینے کا حکم دیا اور یہ بھی کہ آئندہ کل کو عیدگاہ کی طرف نکلیں (یہ حدیث نسائی اور ابن ماجہ نے بھی روایت کی ہے)

شرح: خطابی نے کہا ہے کہ جب عید الفطر کا پتہ زوال کے بعد چلے تو اس کا یہی حکم ہے جو اس حدیث میں ہے اور اوزاعی، سفیان ثوری، احمد بن حنبل اور اسحاق کا یہی مذہب ہے۔ اور امام شافعیؒ نے کہا ہے کہ اگر زوال سے پہلے پتہ چل جائے نماز کے لیے نکلیں، اس کے بعد معلوم ہو تو آج یا کل نماز عید نہ پڑھیں کیونکہ یہ عمل ایک وقت کے ساتھ مخصوص تھا، جب وہ وقت نکل گیا تو کسی اور وقت میں نہ کیا جائے گا، مالکؒ اور ابو ثورؒ کا بھی یہی مذہب ہے۔ خطابی نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت اولیٰ ہے اور ابو عمیر کی حدیث صحیح ہے پس اس پر عمل واجب ہے۔ ابو عمیر کا نام عبداللہ بن انس بن مالکؓ ہے۔

علامہ شوکانیؒ کا قول ہے کہ اس حدیث کو ابن السکن، ابن حزم، خطابی اور ابن حجر نے (بلوغ المرام) صحیح کہا ہے

ابن عبدالبر نے کہا ہے کہ ابو عمیر مجہول ہے مگر حافظ ابن حجر نے کہا کہ جن لوگوں نے حدیث کی تصحیح کی ہے انہوں نے اسے جان کر (معروف جان کر) ہی کی ہے۔ حافظ زیلعی نے کہا ہے کہ ابن القطان کے بقول اس حدیث کی تحقیق ضروری ہے اور جب تک ابو عمیر کی عدالت ثابت نہ ہو جائے اسے قبول نہیں کیا جانا چاہیئے کیونکہ ابو عمیر کے متعلق کچھ زیادہ معلوم نہیں ہے۔ زیادہ دو یا تین حدیثیں اسی سے مروی ہیں اور اس سے روایت کرنے والا بھی ابو بشر کے علاوہ کوئی نہیں، اور مجھے کسی شخص کا علم نہیں جو اس کے حال کو جانتا ہو جس سے کہ اس کی حدیث قبول کی جا سکے۔ نہ وہ ان مشہور راویوں میں سے ہے جن کی عدالت کا مزید اطمینان کر لینا موجب اختلاف ہوا ہو۔ اور باوردی نے اس کی حدیث بیان کی ہے اور اپنی مسند میں اس کا نام عبداللہ رکھا ہے۔ لیکن اس کے حالات کی معرفت میں صرف اسی قدر کافی نہیں ہے۔ ابو عمیر کی جہالت کے علاوہ اس حدیث میں یہ بھی علت ہے کہ اس کے چچاؤں کے نام بھی معلوم نہیں، پس اس حدیث کو صحیح نہیں کہا جا سکتا۔

علامہ نووی نے خلاصہ میں کہا ہے کہ یہ حدیث صحیح ہے اور ابو عمیر کے چچا صحابہ ہیں جن کے اعیان و اشخاص کا نا معلوم ہونا مضر نہیں کیونکہ صحابہ سب عادل ہیں اور ابو عمیر کا نام عبداللہ ہے۔ اور ابو داؤد نے ربعی بن حراش سے اس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک صحابی سے حدیث روایت کی ہے کہ رمضان کے آخری دن میں اختلاف ہوا تو دو بدّو اٹھے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس شہادت دی کہ خدا کی قسم ہم نے کل پچھلے پہر چاند دیکھا تھا۔ پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کو حکم دیا کہ افطار کریں اور صبح عید گاہ کو چلیں۔ اور اسے دار قطنی نے روایت کیا اور کہا کہ اس کی سند حسن ہے اور پھر بیہقی نے یہ حدیث روایت کی اور کہا کہ صحابہ سب ثقہ ہیں ان کا نام لیا جائے یا نہ لیا جائے۔ اور حاکم نے اسے مستدرک میں روایت کیا اور صحابی کا نام لیا ہے، پس اس نے کہا کہ ربعی بن حراش سے روایت ہے اور اس نے ابو مسعود رضؓ سے روایت کی ہے۔ حاکم نے کہا کہ یہ حدیث گو شیخین نے بیان نہیں کی مگر یہ ان کی شرط پر صحیح ہے۔

شوکانی نے کہا ہے کہ یہ حدیث ان لوگوں کی دلیل ہے جنہوں نے کہا کہ اگر وقت نکل جانے کے بعد عید کا پتہ چلے تو عید دوسرے دن ہو گی۔ یہ مذہب اوزاعی، ثوری، احمد، اسحاق، ابو حنیفہ، ابو یوسف اور محمد بن الحسن۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نمازِ عید کی خاطر عید گاہ جانے کا جو حکم دیا تھا اس کی بناء پر نمازِ عید کے فرض عین ہونے پر ہادی، قاسم اور ابو حنیفہ نے استدلال کیا ہے اور اس مسئلے میں امام شافعیؒ ان کے خلاف ہیں۔ نووی نے کہا ہے کہ جماہیر علماء کے نزدیک نمازِ عید سنت ہے اور شافعیہ میں سے ابو سعید اصطخری نے کہا ہے کہ وہ فرض کفایہ ہے اور ظاہر وہی قول ہے کیونکہ اس امر کے ساتھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اس پر ہمیشہ دوام فرمانا اور اس میں کبھی کوتاہی نہ کرنا بلکہ جیسا کہ پہلے گزرا عورتوں تک کو باہر لے جانے کا حکم دینا، وہ حائضہ ہوں تب بھی تاکہ دعا میں شامل ہو جائیں، اور پردہ نشین جوان لڑکیوں کو بھی ساتھ لے جانا اور اس میں ایسا مبالغہ کرنا کہ اگر کسی کے پاس چادر نہ ہو تو دوسری عورت کی بڑی چادر کے ایک حصے کا حکم دینا، حالانکہ جمعہ میں بھی حضورؐ نے یہ احکام نہ دیئے تھے۔ یہ سب چیزیں اس کی فرضیت پر دلالت کرتی ہیں۔ بلکہ جیسا کہ ائمہ تفسیر نے کہا ہے۔ فَصَلِّ لِرَبِّكَ وَانْحَرْ میں نمازِ عید پڑھنے اور قربانی ذبح کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔ اس سے یہ پتہ چلا کہ یہ فرائض میں سے ہے۔

۱۱۶۰۔ حَدَّثَنَا حَمْزَةُ بْنُ نُصَيْرٍ نَا ابْنُ اَبِي مَرْيَمَ نَا اِبْرَاهِيمُ بْنُ سُوَيْدٍ اَخْبَرَنِي اُنَيْسُ بْنُ اَبِي يَحْيٰى اَخْبَرَنِي اِسْحَاقُ بْنُ سَالِمٍ مَوْلٰى نَوْفَلِ بْنِ عَدِيٍّ اَخْبَرَنِي بَكْرُ بْنُ مُبَشِّرٍ الْاَنْصَارِيُّ قَالَ كُنْتُ اَغْدُوْ مَعَ اَصْحَابِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِلَى الْمُصَلّٰى يَوْمَ الْفِطْرِ وَيَوْمَ الْاَضْحٰى فَنَسْلُكُ بَطْنَ بُطْحَانَ حَتّٰى نَاْتِيَ الْمُصَلّٰى فَنُصَلِّيْ مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ثُمَّ نَرْجِعُ مِنْ بَطْنِ بُطْحَانَ اِلٰى بُيُوْتِنَا۔

بکر بن مبشرؓ انصاری نے کہا میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب کے ساتھ عید الفطر اور عید الاضحی کے دن صبح سویرے جایا کرتا تھا، پس ہم وادی بطحان کا اندرونی راستہ اختیار کرتے تھے حتی کہ ہم عید گاہ میں پہنچ جاتے۔ پھر ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نماز پڑھتے اور وادی بطحان کے اندر سے اپنے گھر کو واپس آتے تھے (اس حدیث کا تعلق گزشتہ باب کے ساتھ ہے، بقول صاحب عون المعبود بعض نسخوں میں یہ اسی باب میں درج ہے۔ اس کا تعلق گو اوپر کے باب سے ہے مگر اس میں ایک راستے سے جانا اور دوسرے سے واپس آنا صراحۃً مذکور نہیں ہے۔

باب ۱۳ الصَّلٰوةِ بَعْدَ صَلٰوةِ الْعِيْدِ

نماز عید کے بعد نماز کا باب

۱۱۶۱۔ حَدَّثَنَا حَفْصُ بْنُ عُمَرَ نَا شُعْبَةُ حَدَّثَنِيْ عَدِيُّ بْنُ ثَابِتٍ عَنْ سَعِيْدِ بْنِ جُبَيْرٍ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ خَرَجَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَوْمَ فِطْرٍ فَصَلّٰى رَكْعَتَيْنِ لَمْ يُصَلِّ قَبْلَهَا وَلَا بَعْدَهَا ثُمَّ اَتَى النِّسَاءَ وَمَعَهٗ بِلَالٌ فَاَمَرَهُنَّ بِالصَّدَقَةِ فَجَعَلَتِ الْمَرْاَةُ تُلْقِيْ خُرْصَهَا وَسِخَابَهَا

ابن عباسؓ نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عید الفطر کے دن باہر تشریف لے گئے، دو رکعت نماز پڑھائی اور اس سے پہلے یا بعد میں نماز نہ پڑھی، پھر بلالؓ کو ساتھ لے کر عورتوں کی طرف تشریف لے گئے تو انہیں صدقے کا حکم دیا پس وہ اپنی بالیاں اور ہار پھینکنے لگیں (یہ حدیث بخاری، مسلم، ترمذی، نسائی اور ابن ماجہ نے بھی روایت کی ہے ترمذی کی حدیث مختصر ہے۔

شرح: نماز عید سے پہلے عید گاہ میں نفل پڑھنا بالاتفاق مکروہ ہے اور گھر میں نفل پڑھنا بھی عامۂ فقہاء کے نزدیک مکروہ ہے اور یہی صحیح تر ہے، کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے عید سے پہلے یا بعد میں نفل نہیں پڑھے۔ اور نماز عید کے

بعد عیدگاہ میں نفل مکروہ ہیں نہ گھر میں، اسی کو جمہور نے اختیار کیا ہے کیونکہ ابن ماجہ، احمد اور حاکم کی روایت کردہ حدیث ابی سعید رضہ کے مطابق حضور ص عیدگاہ سے واپسی پر گھر میں دو نفل پڑھتے تھے۔ حاکم نے اسے صحیح اور حافظ ابن حجر نے حسن کہا ہے مگر اس کی سند میں عبد اللہ بن محمد بن عقیل ہے جو متکلم فیہ ہے۔ مولانا نے فرمایا کہ ابو داؤد کے مجتبائی اور قلمی نسخے کے حاشیئے پر یہ عبارت بھی ہے: خُرص کان میں ڈالنے کا ایک چھوٹا زیور ہے قُرط کی مانند۔ یہ عبارت قال القاسم سے شروع ہوتی ہے جو نامعلوم ہے اور ان دو نسخوں کے علاوہ اور کہیں نہیں پائی جاتی۔

۱۴۔ بَابُ يُصَلِّي بِالنَّاسِ فِي الْمَسْجِدِ إِذَا كَانَ يَوْمُ مَطَرٍ

لوگوں کو بارش کے دن نماز عید مسجد میں پڑھانے کا باب

۱۱۶۲۔ حَدَّثَنَا هِشَامُ بْنُ عَمَّارٍ نَا الْوَلِيدُ ح وَنَا الرَّبِيعُ بْنُ سُلَيْمَانَ نَا عَبْدُ اللهِ بْنُ يُوسُفَ قَالَ نَا الْوَلِيدُ بْنُ مُسْلِمٍ بْنِ رَجُلٍ مِّنَ الْفَرْوِيِّينَ وَسَمَّاهُ الرَّبِيعُ فِي حَدِيثِهِ عِيسَى بْنَ عَبْدِ الْأَعْلَى بْنِ أَبِي فَرْوَةَ سَمِعَ أَبَا يَحْيَى عُبَيْدَ اللهِ التَّيْمِيَّ يُحَدِّثُ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ أَنَّهُ أَصَابَهُمْ مَطَرٌ فِي يَوْمِ عِيدٍ فَصَلَّى بِهِمُ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَلٰوةَ الْعِيدِ فِي الْمَسْجِدِ

ابوہریرہ رضہ سے روایت ہے کہ عید کے دن بارش ہو گئی تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کو مسجد میں نماز عید پڑھائی (یہ حدیث ابن ماجہ نے بھی روایت کی ہے)۔

شرح: ابن الملک نے کہا ہے کہ تمام شہروں میں نماز عید صحرا میں پڑھنا افضل ہے اور مکہ کے متعلق اختلاف ہے۔ محدث علی القاری نے فرمایا کہ مکہ کے بارے میں با اعتماد قول یہ ہے کہ نماز عید بھی مسجد حرام میں پڑھی جائے جیسا کہ آجکل بھی اس پر عمل ہے اور اس کے خلاف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کچھ ثابت نہیں ہے اور نہ سلف کرام سے نیل الاوطار میں شوکانی نے کہا ہے کہ یہ حدیث اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ بارش کے عذر کے باعث صحرا میں نماز عید ادا نہ کرنا اور مسجد میں پڑھنا جائز ہے۔ اس میں اختلاف ہے کہ آیا نماز عید مسجد میں افضل ہے یا صحرا میں۔ ائمہ اہل بیت اور امام مالک فرماتے ہیں کہ صحرا میں افضل ہے اور اس کی دلیل یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا دائمی عمل یہی تھا۔ امام شافعی رح اور امام یحییٰ (غالباً یہ زیدی فقیہ ہیں) وغیرہما نے کہا کہ مسجد میں افضل ہے۔ حافظ ابن حجر نے فتح الباری میں کہا ہے کہ امام شافعی رح نے کتاب الام میں فرمایا کہ ہمیں یہ خبر ملی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ میں عیدین کی نماز کے لیے عیدگاہ کی طرف تشریف لے جاتے تھے اور اسی طرح آپ کے خلفاء بھی، ہاں عذر کا حال دوسرا ہے۔ اور اسی طرح ہر شہر کا حکم ہے مگر مکہ کا یہ حکم نہیں ہے۔ پھر امام شافعی رح نے اشارہ کیا کہ اس کا سبب مسجد حرام کی وسعت اور

اطراف مکہ کی تنگی ہے۔ پس اگر کوئی ایسا شہر بسایا جائے جس کی مسجد عیدین میں شہر والوں کے لیے کافی ہو تو میں نہیں سمجھتا کہ وہ اس سے باہر نکلیں۔ لیکن اگر مسجد وسیع نہ ہو تو اس میں نماز عید مکروہ ہے مگر اس کا اعادہ نہ ہوگا۔ حافظؒ نے کہا کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ معاملہ تنگی اور وسعت پر مبنی ہے نہ یہ کہ صحرا کی طرف جانے میں بذات خود کوئی فضیلت ہے کیونکہ مطلب یہ ہے کہ عمومی اجتماع حاصل ہو، سو وہ اگر مسجد میں بہتر طور پر ہو سکے تو مسجد ہی بہتر ہوگی۔ مگر اس پر یہ اعتراض ہو سکتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز عید کو صحرا میں پڑھنے پر مداومت کو تسلیم کر لینے کے بعد آپ کی سنت کی ادائیگی سے محض تنگی اور کشائش کے بہانے سے باز رہنا محض ایک ظن و تخمین کی بات ہے۔ اور حنفیہ کا مذہب اس کے متعلق در مختار میں یہ لکھا ہے کہ نماز عید کے لیے صحرا کو جانا سنت ہے، گو جامع مسجد میں لوگ سما ہی کیوں نہ سکیں، یہی صحیح ہے۔

۱۔ جِمَاعُ أَبْوَابِ صَلٰوةِ الْاِسْتِسْقَاءِ وَتَفْرِيعِهَا

ابواب نماز استسقاء کا مجموعہ اور ان کے متعلقات

۱۱۶۳۔ حَدَّثَنَا اَحْمَدُ بْنُ مُحَمَّدِ بْنِ ثَابِتٍ الْمَرْوَزِيُّ نَا عَبْدُ الرَّزَّاقِ اَنَا مَعْمَرٌ عَنِ الزُّهْرِيِّ عَنْ عَبَّادِ بْنِ تَمِيمٍ عَنْ عَمِّهِ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَرَجَ بِالنَّاسِ يَسْتَسْقِيْ فَصَلّٰى بِهِمْ رَكْعَتَيْنِ جَهَرَ بِالْقِرَاءَةِ فِيْهِمَا وَحَوَّلَ رِدَاءَهُ وَرَفَعَ يَدَيْهِ فَدَعَا وَاسْتَسْقٰى وَاسْتَقْبَلَ الْقِبْلَةَ۔

عباد بن تمیم نے اپنے چچا عبداللہ بن زید بن عاصم سے روایت کی کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لوگوں کو لیکر نماز استسقاء کے لیے باہر تشریف لے گئے، پس آپ نے انہیں دو رکعات پڑھائیں جن میں قرأت بآواز بلند پڑھی اور اپنی چادر الٹ دی اور ہاتھ اٹھا کر دعا کی اور بارش مانگی اور قبلہ رخ ہوئے (اس حدیث کی روایت بخاری، مسلم، ترمذی، نسائی اور ابن ماجہ نے بھی کی ہے)

شرح: خطابی نے معالم السنن میں کہا ہے کہ اس حدیث میں نماز استسقاء کے لیے عید گاہ کی طرف نکلنا سنت ثابت ہوتا ہے اور یہ کہ استسقاء صرف نماز کے ساتھ ہوتا ہے (مگر حضور سے صحیح احادیث میں نماز جمعہ میں بارش کی دعا کرنا بھی تو ثابت ہے!) اور بعض اہل عراق کا مذہب یہ ہے کہ نماز کے بغیر فقط دعا کی جائے۔ اور اس میں یہ بھی ہے کہ قرأت جہر سے کی جائے اور یہی مالک بن انسؒ، شافعیؒ، احمدؒ اور محمد بن الحسن کا قول ہے، اور اس میں چادر الٹ دینے کا ثبوت بھی ہے اور یہ ایک اچھی فال تھی کہ حالات قحط سالی سے بدل کر سرسبزی و شادابی کے ہو جائیں۔

مولانا نے فرمایا کہ اس حدیث میں اور اس مضمون کی دیگر احادیث میں نماز استسقاء کے مشروع ہونے کی دلیل ہے۔ سلف و خلف کے جمہور علماء کا یہی مذہب ہے اور اس میں سوائے امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے کسی کا اختلاف نہیں ہے جیسا کہ شوکانی نے نیل الاوطار میں کہا ہے (اور شاید اوپر کی عبارت میں امام خطابی کا ارشارہ بھی اسی طرف ہے)، امام کے

مذہب کے بیان میں علمائے احناف کا اختلاف ہے۔ بعض نے کہا کہ انہوں نے نمازِ استسقاء کے باجماعت پڑھنے کا انکار کیا ہے اس کی اصل مشروعیت کا نہیں، صاحب ہدایہ نے کہا ہے کہ ابو حنیفہ رحہ نے کہا استسقاء میں باجماعت نماز مسنون نہیں ہے اور اگر لوگ انفرادی طور پر پڑھیں تو جائز ہے۔ ان کی دلیل یہ ہے کہ استسقاء تو صرف توبہ استغفار اور دعا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: پس میں نے کہا اپنے رب سے بخشش مانگو بے شک وہ بڑا بخشنے والا ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بارش طلب کی مگر آپ سے نماز مروی نہیں۔ ابن الہمام نے اس قول کا مطلب کا یہ بتایا کہ اس سے مراد صرف دعائے استسقاء ہے۔ حافظ جمال الدین زیلعی رحہ نے کہا کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ حضور ؐ نے کبھی نماز پڑھی اور کبھی صرف دعا مانگی لہذا صاحب ہدایہ کے قول کو مطلقاً نفی پر محمول نہیں کیا جاسکتا، اور سنت وہ ہے جس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیشگی فرمائی ہو۔ پس ابو حنیفہ رحہ کے قول کا یہ مطلب ہے، نہ یہ کہ حضور کے استسقاء پڑھنے کا انکار کرتے ہیں۔ اور روایات میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے جمعہ میں ایک آدمی کھڑا ہوا اور کہا، یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم زمین میں قحط پڑ گیا (خشک ہو گئی) اور مویشی ہلاک ہو گئے سو آپ بارش کی دعا فرمائیں۔ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہاتھ اوپر اٹھائے اور دعا فرمائی آپ اور اس موقع پر حضور ؐ کا نماز استسقاء پڑھنا نہیں آیا۔ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ وہ بارش طلب کرنے کو نکلے اور باجماعت نماز نہ پڑھی بلکہ منبر پر چڑھ کر استغفار کیا۔ لوگوں نے کہا اے امیر المؤمنین آپ نے بارش طلب نہیں کی تو انہوں نے فرمایا کہ میں نے آسمان کو ہلا ڈالنے والی چیزوں کے ساتھ بارش مانگی ہے جن سے کہ بارش طلب کی جاتی ہے، اور یہ آیت پڑھی: اپنے رب سے استغفار کرو بے شک وہ غفار ہے وہ تم پر موسلا دھار بارش اتارے گا۔ اور یہ بھی مروی ہے کہ وہ عباس رضہ کو ساتھ لے کر گئے اور انہیں منبر پر بٹھایا اور خود ان کے پہلو میں کھڑے ہوئے، دعا کر رہے تھے اور کہتے تھے: اے اللہ ہم تیرے سامنے تیرے نبی کے چچا کا وسیلہ پیش کرتے ہیں، اور ایک لمبی دعا مانگی، اور وہ منبر سے اس وقت تک نہ اترے جب تک کہ بارش نہ ہو گئی۔ اور حضرت علی رضہ سے روایت ہے کہ انہوں نے بارش کی دعا کی مگر نماز نہ پڑھی۔

علامہ عینی رحہ نے شرح بخاری میں لکھا ہے کہ اس قول میں ابو حنیفہ رحہ منفرد نہیں بلکہ یہی ابراہیم نخعی رحہ سے مروی ہے اور یہی عمر بن الخطاب رضہ سے بھی مروی ہے۔ چادر الٹنے سے انکار میں بھی ابو حنیفہ منفرد نہیں بلکہ اندلس کے قدیم علماء میں سے ابن سلام بھی اس کا منکر ہے۔ پھر ابو حنیفہ رحہ نے چادر الٹنے کا انکار نہیں کیا بلکہ اس کے سنت ہونے کا انکار کیا ہے کیونکہ اس کی مواظبت ثابت نہیں ہوئی۔ اور یہ تحویل محض بطورِ تفاؤل تھی نہ کہ بطورِ سنت۔ علامہ عینی رحہ نے کہا ہے کہ یہ بطورِ فال نہ تھی بلکہ اسی وقت آپ کو وحی ہوئی تھی کہ چادر الٹ دو حال بدل جائے گا۔ یہ جو کچھ بیان ہوا بطورِ تحقیق مسئلہ تھا، فتویٰ حنفیہ کا اس مسئلہ میں محمد بن الحسن رحہ کے قول پر ہے کہ استسقاء میں نماز باجماعت ہونی چاہیے، یہ بات تو واضح ہے کہ فقہ حنفی صرف کسی ایک شخصیت کے فتاویٰ کا نام نہیں ہے۔

۱۱۶۴۔ حَدَّثَنَا ابْنُ السَّرْحِ وَسُلَيْمَانُ بْنُ دَاوُدَ قَالَا أَنَا ابْنُ وَهْبٍ أَخْبَرَنِي ابْنُ أَبِي ذِئْبٍ وَيُونُسُ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ أَخْبَرَنِي عَبَّادُ بْنُ تَمِيمٍ الْمَازِنِيُّ أَنَّهُ سَمِعَ عَمَّهُ

وَكَانَ مِنْ أَصْحَابِ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ خَرَجَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَوْمًا يَسْتَسْقِي فَحَوَّلَ إِلَى النَّاسِ ظَهْرَهُ يَدْعُو اللّٰهَ عَزَّ وَجَلَّ قَالَ سُلَيْمَانُ بْنُ دَاوُدَ وَاسْتَقْبَلَ الْقِبْلَةَ وَحَوَّلَ رِدَاءَهُ ثُمَّ صَلَّى رَكْعَتَيْنِ قَالَ ابْنُ أَبِي ذِئْبٍ وَقَرَأَ فِيهِمَا زَادَ ابْنُ السَّرْحِ يُرِيدُ الْجَهْرَ۔

عباد بن تمیم مازنی نے اپنے چچا (عبد اللہ بن زیدؓ) سے سُنا جو کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب میں سے تھا، وہ کہتا تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک دن بارش طلب کرنے کو نکلے پس آپ لوگوں کی طرف پُشت کر کے اللہ عزوجل سے دعا کرتے رہے بسلیمان بن داؤد نے کہا کہ حضورؐ نے قبلہ کی طرف منہ کیا اور اپنی چادر اُلٹا دی پھر دو رکعت نماز پڑھی۔ ابن ابی ذئب نے کہا: اور دونوں رکعتوں میں قرأت کی۔ ابن السرح نے یہ اضافہ کیا: اس کی مراد جہر ہے (دراصل اوپر کی حدیث کی یہ ایک اور روایت ہے)

شرح: حدیث سے معلوم ہوا کہ قبلہ رُخ دعا کرنا افضل ہے اور اس کی قبولیت کی امید زیادہ ہے۔ بخاری میں یہ حدیث دو سندوں سے وارد ہے جن میں جہر بالقراۃ کا ذکر حدیث کے الفاظ میں داخل ہے۔

۱۱۶۵۔ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عَوْفٍ قَالَ قَرَأْتُ فِي كِتَابِ عَمْرِو بْنِ الْحَارِثِ يَعْنِي الْحِمْصِيَّ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ سَالِمٍ عَنِ الزُّبَيْدِيِّ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ مُسْلِمٍ بِهٰذَا الْحَدِيثِ بِإِسْنَادِهِ لَمْ يَذْكُرِ الصَّلٰوةَ وَحَوَّلَ رِدَائَهُ فَجَعَلَ عِطَافَهُ الْأَيْمَنَ عَلَى عَاتِقِهِ الْأَيْسَرِ وَجَعَلَ عِطَافَهُ الْأَيْسَرَ عَلَى عَاتِقِهِ الْأَيْمَنِ ثُمَّ دَعَا اللّٰهَ عَزَّ وَجَلَّ۔

اُسی حدیث کی ایک اور سند۔ اس میں نماز کا ذکر نہیں اور یہ اضافہ ہے: زبیدی نے کہا کہ حضورؐ نے اپنی چادر اُلٹائی اور اس کی دائیں طرف اپنے بائیں کندھے پر اور بائیں طرف دائیں کندھے پر ڈالی پھر اللہ تعالیٰ عزوجل سے دعا کی (اس حدیث میں چادر اُلٹانے کی کچھ کیفیت آئی ہے مگر اس میں ابہام ہے، چادر اُلٹانے میں بھی علماء کے اندر اختلاف ہوا ہے۔ علامہ شامیؒ حنفی نے ایک مختصر مگر جامع بات بتائی ہے کہ چادر اگر مربع ہو تو اس کا اوپر کا حصہ نیچے اور نچلا اوپر کر دے۔ اگر چادر گول ہو تو دائیں طرف کو بائیں اور بائیں طرف کو دائیں کر دے اور اگر وہ قبا ہے تو اندر کا حصہ باہر اور باہر کا اندر کر دے)

۱۱۶۶۔ حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ حَدَّثَنَا عَبْدُ الْعَزِيزِ عَنْ عُمَارَةَ بْنِ غَزِيَّةَ عَنْ عَبَّادِ بْنِ تَمِيمٍ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ زَيْدٍ قَالَ اسْتَسْقَى رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَعَلَيْهِ خَمِيصَةٌ لَهُ سَوْدَاءُ فَأَرَادَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنْ يَأْخُذَ

بِاَسْفَلِهَا فَيَجْعَلُ اَعْلَاهَا فَلَمَّا ثَقُلَتْ قَلَّبَهَا عَلٰى عَاتِقِهِ۔

عبداللہ بن زیدؓ نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بارش کی دعا کی اور آپ نے ایک سیاہ خز کی چادر اوڑھ رکھی تھی، سو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کا نچلا حصہ پکڑ کر اوپر کرنا چاہا لیکن جب وہ یوں نہ ہو سکی تو آپ نے اسے اپنے کندھوں پر تبدیل فرما لیا (خمیصہ خز یا موٹی اون کی چادر ہوتی تھی اس روایت میں بھی نماز کا صراحتًہ ذکر نہیں ہے صرف دعا کا ذکر ہے)

۱۱۶۸۔ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ مَسْلَمَةَ نَا سُلَيْمَانُ يَعْنِي ابْنَ بِلَالٍ عَنْ يَحْيٰى عَنْ اَبِي بَكْرِ بْنِ مُحَمَّدٍ عَنْ عَبَّادِ بْنِ تَمِيمٍ اَنَّ عَبْدَ اللّٰهِ بْنَ زَيْدٍ اَخْبَرَهُ اَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَرَجَ اِلَى الْمُصَلّٰى يَسْتَسْقِي وَاِنَّهُ لَمَّا اَرَادَ اَنْ يَدْعُوَ اسْتَقْبَلَ الْقِبْلَةَ ثُمَّ حَوَّلَ رِدَاءَهُ۔

عباد بن تمیم نے کہا کہ عبداللہ بن زید نے اسے بتایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم استسقا، کے لیے عید گاہ کو تشریف لے گئے اور آپ نے جب دعا کا ارادہ فرمایا تو قبلہ رُخ ہو گئے پھر اپنی چادر پلٹ دی (ان روایات میں کچھ لفظی اختلاف ہے جو شاید راویوں کے تصرف کا نتیجہ ہے۔ سنن ابی داؤد کے بعض نسخوں میں، مثلاً حمص ۱۳۸۸ھ کا مطبوعہ جدید نسخہ، یہ حدیث اگلے باب کے اواخر میں درج ہوئی ہے اسی طرح اس سے اگلی روایت بھی اُسی باب میں ہے اور ان دونوں پر یہ عنوان ہے

بَابٌ فِي اَيِّ وَقْتٍ يُحَوِّلُ رِدَاءَهُ اِذَا اسْتَسْقٰى

نماز استسقاء میں اپنی چادر کس وقت پلٹائے

۱۱۶۹۔ حَدَّثَنَا الْقَعْنَبِيُّ عَنْ مَالِكٍ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ اَبِي بَكْرٍ اَنَّهُ سَمِعَ عَبَّادَ بْنَ تَمِيمٍ يَقُولُ سَمِعْتُ عَبْدَ اللّٰهِ بْنَ زَيْدٍ الْمَازِنِيَّ يَقُولُ خَرَجَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِلَى الْمُصَلّٰى فَاسْتَسْقٰى وَحَوَّلَ رِدَاءَهُ حِيْنَ اسْتَقْبَلَ الْقِبْلَةَ۔

عباد بن تمیم کہتا تھا کہ میں نے عبداللہ بن زید مازنی کو یہ کہتے سنا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عید گاہ کی طرف تشریف لے گئے پس آپ نے بارش طلب کی اور قبلہ رُخ ہوتے وقت چادر پلٹ دی۔

شرح: حافظ نے بخاری کی حدیث عبداللہ بن زیدؓ پر گفتگو کے دوران میں لکھا ہے کہ بظاہر اس سے معلوم ہوتا ہے

کہ حضورؐ نے دعاءِ استسقاء سے فارغ ہو کر چادر کو پلٹا تھا مگر معاملہ یوں نہیں ہے، بلکہ یہ ہے کہ استسقاء کے دوران میں ہی آپ نے چادر کو پلٹا تھا۔ حافظؒ نے اس کی دلیل مالکؒ کی اس زیرِ نظر حدیث کو قرار دیا ہے۔ بقول مولاناؒ حنفیہ کا بھی یہی مسلک ہے کہ چادر کو خطبۂ استسقاء کے اثناء میں پلٹا تھا اور یونہی امام کو کرنا چاہیئے۔ اس روایت میں بھی نماز کا ذکر نہیں ہے۔

۱۱۶۷۔ حَدَّثَنَا النُّفَيْلِيُّ وَعُثْمَانُ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ نَحْوَهُ قَالَا حَدَّثَنَا حَاتِمُ بْنُ إِسْمٰعِيلَ نَا هِشَامُ بْنُ إِسْحَاقَ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ كِنَانَةَ أَخْبَرَنِي أَبِي قَالَ أَرْسَلَنِي الْوَلِيدُ بْنُ عُتْبَةَ قَالَ عُثْمَانُ بْنُ عُقْبَةَ وَكَانَ أَمِيرَ الْمَدِينَةِ إِلَى ابْنِ عَبَّاسٍ أَسْأَلُهُ عَنْ صَلٰوةِ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي الْاِسْتِسْقَاءِ فَقَالَ خَرَجَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مُتَبَذِّلًا مُتَوَاضِعًا مُتَضَرِّعًا حَتّٰى أَتَى الْمُصَلّٰى زَادَ عُثْمَانُ فَرَقِيَ عَلَى الْمِنْبَرِ ثُمَّ اتَّفَقَا فَلَمْ يَخْطُبْ خُطَبَكُمْ هٰذِهِ وَلٰكِنْ لَمْ يَزَلْ فِي الدُّعَاءِ وَالتَّضَرُّعِ وَالتَّكْبِيرِ ثُمَّ صَلّٰى رَكْعَتَيْنِ كَمَا يُصَلِّي فِي الْعِيدِ قَالَ أَبُو دَاوُدَ وَالْإِخْبَارُ لِلنُّفَيْلِيِّ وَالصَّوَابُ ابْنُ عُتْبَةَ۔

ولید بن عتبہ یا ولید بن عقبہ جو امیر مدینہ تھا اس نے اسحاق بن عبداللہ کو ابن عباسؓ کے پاس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نمازِ استسقاء کے بارے میں دریافت کرنے کے لیے بھیجا۔ ابن عباسؓ نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم معمولی کپڑے پہنے ہوئے عاجزانہ انداز میں اظہارِ تواضع کرتے ہوئے شہر سے باہر نکلے حتیٰ کہ عیدگاہ پہنچ گئے، عثمان راوی نے اتنا اضافہ کیا کہ پھر منبر پر چڑھے تو تمہارے ان خطبوں کی طرح کا خطبہ نہیں دیا بلکہ برابر دعا، اور اظہارِ عجز، اور تکبیریں لگے رہے، پھر عید کی مانند دو رکعت نماز پڑھی۔ ابوداؤدؒ نے کہا کہ اس حدیث میں اَخْبَرَنَا کا لفظ نُفَیلی کا ہے اور امیر مدینہ کی صحیح کنیت ابن عُتبہ ہے۔ (یہ حدیث نسائیؒ، ابن ماجہ اور ترمذی نے بھی روایت کی اور ترمذی نے اسے حسن صحیح کہا)

شرح: امام خطابی نے معالم السنن اس حدیث کے متعلق لکھا ہے کہ اس میں یہ دلیل موجود ہے کہ نمازِ استسقاء میں بھی نمازِ عید کی طرح تکبیریں کہی جائیں اور یہی مذہب امام شافعی کا ہے اور ابن المسیبؒ، عمر بن عبدالعزیزؒ اور مکحول کا یہی مذہب ہے۔ امام مالکؒ نے کہا کہ اس میں تکبیرات زوائد نہیں مگر عید کی طرح خطبہ بعد از صلوٰۃ ہے۔ اس حدیث میں جو: تمہارے ان خطبوں کی طرح خطبہ نہ دیا۔ کے لفظ ہیں، ان سے بقول شوکانی مطلق خطبہ کی نفی مراد نہیں بلکہ لوگوں کے عام خطبات کے مانند خطبے کی نفی ہے۔ جن احادیث میں خطبے کی صراحت ہے ان کا تعلق اس واقعہ سے نہیں۔ ہاں منبر کا چڑھنے کا لفظ مختلف فیہ ہے۔ ابوداؤد کی روایت میں عثمان نے اور نسائی کی روایت میں

محمد بن عبید بن محمد نے اس کا ذکر کیا ہے۔ عثمان ثقہ ہے مگر اُس نے اوہام، غرائب اور مناکیر کی روایت بھی کی ہے خطیب نے اپنی جامع میں کہا ہے کہ محدثین میں سے کسی سے بھی قرآن کریم میں اس قدر تصحیف مروی نہیں جتنی عثمان بن ابی شیبہ سے مروی ہے۔ محمد بن عبید بن محمد کو نسائی اور مسلمہ نے لا بأس بہ کہا ہے۔ مگر یہ الفاظ اس روایت میں ترمذی طحاوی دار قطنی، نسائی، ابن ماجہ کی کئی سندوں سے مروی روایات میں کسی نے بیان نہیں کئے۔ پس اصولِ حدیث کی رُو سے یہ الفاظ شاذ ہیں۔

جہاں تک خطبے کا تعلق ہے ابو حنیفہ رہ کے نزدیک چونکہ استسقاء کی نماز باجماعت مسنون نہیں اور خطبہ نماز کے توابع میں سے ہے لہذا استسقاء میں کوئی خطبہ نہیں۔ صاحبین رہ کے نزدیک خطبہ اور صلوٰۃِ استسقاء دونوں مسنون ہیں پھر امام محمد رہ کے نزدیک جمعہ اور عید کے خطبوں کی طرح استسقاء میں بھی دو خطبے ہیں جن کے درمیان قلیل سا وقفہ و جلوس ہے۔ امام ابو یوسف رہ کے نزدیک ایک ہی خطبہ ہے کیونکہ اس خطبے کا مقصد دعاء ہے لہذا اسے جلسے کے ساتھ قطع نہ کیا جائے۔ اس حدیث میں: وَلٰکِن لَّمْ یَزَلْ فِی الدُّعَاءِ کے الفاظ میں خطبہ کی نفی کی گویا صراحت موجود ہے۔ کیونکہ دُعاء تو قبلہ رُخ تھی اور خطبہ پُشت بہ قبلہ ہوتا ہے۔

اس حدیث میں جو عید کی نماز کے ساتھ تشبیہ آئی ہے اس سے مراد بقولِ طحاوی قرأت بالجہر ہے چنانچہ ایک روایت کے یہ الفاظ اس کے مؤید ہیں کہ: آپ نے دو رکعتیں پڑھائیں، ہم آپ کے پیچھے تھے، ان دونوں میں آپ ؐ نے قرأت بآوازِ بلند فرمائی۔ اذان اور اقامت نہیں ہوئی۔ چنانچہ اس روایت کا مفاد یہ ہے کہ تشبیہ اذان و اقامت کی نفی کے لیے ہے۔ حافظ نے کہا کہ دار قطنی کی روایت میں ابن عباس رضؓ نے نمازِ عید کی مانند ۷ - ۵ تکبیرات کا بیان کیا ہے اور یہ کہ سورۂ اعلیٰ اور الغاشیہ پڑھی جائیں۔ اس حدیث کی سند مضبوط نہیں مگر اصل الفاظ حدیث سُنن میں ہیں کہ: پھر عید کی طرح حضور ؐ نے دو رکعت نماز پڑھائی۔ پس شافعی رہ نے ظاہر حدیث کو اختیار کیا اور کہا کہ صلوٰۃِ استسقاء میں بھی تکبیریں کہی جائیں۔ مولانا رہ نے فرمایا کہ محمد بن عبدالعزیز سے ایک روایت ایسی ہی ہے جسے بیہقی رہ اور حاکم نے روایت کیا ہے۔ حاکم نے مستدرک میں اس کی تصحیح بھی کی ہے۔ لیکن بخاری نے اس محمد بن عبدالعزیز کو منکر الحدیث کہا ہے۔ اور نسائی نے متروک الحدیث اور ابو حاتم نے ضعیف الحدیث، اور اس کا باپ عبدالعزیز بقولِ ابن القطان مجہول ہے پس حدیث ان دونوں کے باعث معلول ہو گئی ہے۔

حافظ نے فتح الباری میں عبداللہ بن زید کی حدیث کی شرح میں کہا ہے کہ اس میں نمازِ استسقاء سے قبل خطبے کی دلیل ہے اور حضرت عائشہ رضؓ اور ابن عباس رضؓ کی حدیث کا مقتضیٰ بھی یہی ہے لیکن مسند احمد میں اس حدیث کے اندر نماز کے قبل از خطبہ ہونے کی تصریح ہے اور اسی طرح ابن ماجہ میں حدیثِ ابی ہریرہ رضؓ میں مالکیہ اور شافعیہ دوسرے فعل کو ترجیح دیتے ہیں اور احمد رہ کی ایک روایت میں بھی یہی ہے۔ مولانا رہ نے فرمایا کہ حنفیہ کے نزدیک خطبہ بعد از صلوٰۃ ہے اور خطبے سے فراغت کے بعد قبلہ رُخ ہو کر بارش طلبی کی دعاء ہے۔ امام یہ دعاء کرتا رہے اور لوگ قبلہ رُخ بیٹھے رہیں۔ خطبہ میں بھی اور دعاء میں بھی۔

باب ۳ رفع الیدین فی الاستسقاء

استسقاء میں دعاء کے لیے رفع الیدین کا باب

۱۱۷۰۔ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ سَلَمَةَ الْمُرَادِيُّ اَنَا ابْنُ وَهْبٍ عَنْ حَيْوَةَ وَعُمَرَ بْنِ مَالِكٍ عَنِ ابْنِ الْهَادِ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ إِبْرَاهِيمَ عَنْ عُمَيْرٍ مَوْلَى آبِي اللَّحْمِ اَنَّهُ رَاَى النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَسْتَسْقِيْ عِنْدَ اَحْجَارِ الزَّيْتِ قَرِيْبًا مِنَ الزَّوْرَاءِ قَائِمًا يَدْعُوْ يَسْتَسْقِيْ رَافِعًا يَدَيْهِ قِبَلَ وَجْهِهِ لَا يُجَاوِزُ بِهِمَا رَاْسَهُ۔

عمیرؓ مولائے بنی آبی اللحم سے روایت ہے کہ اس نے احجار الزیت کے پاس زوراء کے قریب طلب باراں کرتے ہوئے دیکھا۔ آپ کھڑے ہو کر بارش کی دعا کر رہے تھے، اپنے ہاتھوں کو چہرے کی طرف اٹھا رکھا تھا اور ہاتھ سر سے بلند نہ تھے (یہ حدیث نسائی اور ترمذی میں بھی ہے۔ ترمذی میں یہ اضافہ بھی ہے: عمیرؓ مولیٰ آبی اللحم عن ابی اللحم۔ ترمذی نے کہا کہ عمیر مولیٰ آبی اللحم صحابی تھا اس نے حضورؐ سے کئی احادیث کی روایت کی ہے)

شرح: منذری نے کہا ہے کہ آبی اللحم کا نام حویرث بن عبداللہ غفاری یا عبداللہ بن عبدالملک یا خلف بن عبدالملک تھا جنگ حنین ۸ھ میں شہید ہوا آبی اللحم (گوشت خوری سے پرہیز کرنے والا) اس لیے کہلایا کہ گوشت نہیں کھاتا تھا اور بعض نے کہا زمانۂ جاہلیت میں بتوں کے نام کا ذبح شدہ گوشت نہ کھاتا تھا۔ اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ یہ نام غفار کی ایک شاخ بنی لیث کا تھا اور عمیر کا تعلق اس شاخ سے تھا۔ احجار الزیت مدینہ کے حرہ میں ایک جگہ تھی اس جگہ کے سیاہ پتھروں کے باعث یہ نام پڑا۔ زوراء، مدینہ کے بازار کے پاس مسجد نبویؐ کے قریب غار کی مانند ایک بلند جگہ کا نام تھا۔

مولانا ئ نے فرمایا کہ مسند احمد، حاکم، نسائی اور ترمذی میں اس حدیث کی سندوں میں راویوں کی کمی بیشی ہے۔ کسی سند میں عمیرؓ براہ راست رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتا ہے اور کسی میں اپنے آقا آبی اللحمؓ کے واسطے سے چونکہ دونوں صحابی ہیں لہذا اس سے فرق نہیں پڑتا۔

۱۱۷۱۔ حَدَّثَنَا ابْنُ اَبِيْ خَلَفٍ نَا مُحَمَّدُ بْنُ عُبَيْدٍ نَا مِسْعَرٌ عَنْ يَزِيْدَ الْفَقِيْرِ عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ قَالَ اَتَتِ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَوَاكِيْ فَقَالَ اَللّٰهُمَّ اسْقِنَا غَيْثًا مُغِيْثًا مَرِيْئًا مُرِيْعًا نَافِعًا غَيْرَ ضَارٍّ عَاجِلًا غَيْرَ اٰجِلٍ قَالَ فَاَطْبَقَتْ عَلَيْهِمُ السَّمَاءُ۔

جابر بن عبداللہ نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس رونے والیاں آئیں تو آپ نے دعاء کی: اے اللہ ہمیں بارش عطا کر جو مددگار، مبارک، شادابی آور، مفید، غیر مضر، جلدی آنے والی، غیر متأخر ہو۔ جابرؓ نے کہا کہ پھر گھٹا چھا گئی۔

شرح: خطابی کے نسخے میں بواکی کے بجائے یوا کی ہے یعنی دعاء کے لیے آپ نے ہاتھ اٹھائے اور پھیلا دیئے۔ اس حدیث میں صلاۃ کا ذکر نہیں صرف دعاء کا ہے۔ خطابی نے کہا ہے کہ اس سے ان لوگوں نے استدلال کیا ہے جو صلاۃ استسقاء کے قائل نہیں صرف دعاء کے قائل ہیں۔ مگر اوپر یہ بحث گزر چکی ہے کہ امام ابوحنیفہؒ کا مؤقف اس باب میں نہایت دقتِ فہم پر مبنی ہے۔ انہوں نے صلاۃِ استسقاء کے "مسنون ہونے کا انکار کیا ہے، مسنون وہ فعل ہے جس پر حضورؐ نے مداومت فرمائی ہو۔ استسقاء میں صلاۃ بھی اور فقط دعاء بھی ثابت ہے۔

حضرت الاستاذ شیخ الاسلام عثمانیؒ نے فرمایا (فتح الملہم ج ۲ ص ۴۳۹) کہ بارش طلبی کی دعاء کتاب وسنت اور اجماع سے ثابت ہے۔ کتاب اللہ میں اللہ تعالیٰ نے نوحؑ کا قول نقل فرمایا ہے فَقُلْتُ اسْتَغْفِرُوْا رَبَّكُمْ اِنَّهٗ كَانَ غَفَّارًا يُّرْسِلِ السَّمَآءَ عَلَيْكُمْ مِّدْرَارًا اور پہلی شریعتیں ہمارے لیے بھی قانون ہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول نے اس کا ذکر انکار کے بغیر فرمایا ہے۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بارش طلبی کی دعائیں کیں اور استسقاء پر اجماع ظاہر ہے۔ امام نوویؒ نے الروضہ میں فرمایا کہ استسقاء سے مراد وہ سوال ہے جو اللہ تعالیٰ سے بارش طلب کرنے کے لیے ضرورت کے وقت کیا جائے اور اس کی کئی قسمیں ہیں: ادنیٰ قسم یہ ہے کہ صلاۃ کے بغیر دعاء کریں اور وہ دعاء نماز کے بعد بھی نہ ہو۔ چاہے انفرادی دعاء ہو یا اجتماعی، درمیانی قسم یہ ہے کہ نمازوں کے بعد اور خطبہ جمعہ وغیرہ میں دعاء کی جائے۔ اور افضل قسم یہ ہے کہ دو رکعتوں اور دو خطبوں کے ساتھ دعاء کی جائے۔ اور استسقاء کے مستحب ہونے میں دیہات والے، شہری، صحرائی اور مسافر لوگ سب برابر ہیں اور ان سب کے لیے نماز اور خطبہ سنت ہے، یہ صرف اہل علاقہ کے لیے نہیں بلکہ دوسرے علاقوں کے مسلمانوں کے لیے بھی ہو سکتی ہے۔

علامہ قسطلانیؒ نے کہا ہے کہ استسقاء کی تین قسمیں ہیں (۱) انفرادی طور پر یا جمع ہو کر مطلق دعاء مانگنا (۲) نمازوں کے بعد دعاء کرنا چاہے وہ نفل ہی ہوں اور خطبۂ جمعہ میں دعاء کرنا (۳) یہ افضل قسم ہے یعنی نماز اور خطبوں کے ساتھ استسقاء کی دعاء کرنا۔ اور مالکؒ، ابویوسفؒ اور محمدؒ کا یہی قول ہے۔ احمدؒ کے نزدیک کوئی خطبہ نہیں بلکہ دعاء اور استغفار کی کثرت کی جائے۔ اور جمہور کا مسلک یہ ہے کہ یہ نماز مسنون ہے مگر اس میں ابوحنیفہؒ کا اختلاف ہے۔ حضرت الاستاذؒ نے فرمایا کہ میرے نزدیک خلاصۂ کلام یہ ہے کہ استسقاء درحقیقت اللہ تعالیٰ سے بارش طلب کرنے کی دعاء ہے۔ اس کی رُوح توبہ و استغفار ہے جیسا کہ نماز کی رُوح خشوع ہے اور اس کی کامل صورت دعاء، نماز سمیت ہے اپنی اس اجتماعی ہیئت کے ساتھ جو ثابت ہے۔

حضرت الاستاذؒ نے فرمایا کہ ابن رشد نے بدایۃ المجتہد میں کہا ہے: نمازِ استسقاء کے متعلق اختلاف آثار اس پر دلالت کرتا ہے کہ میرے نزدیک اس کے نتیجے میں نماز صحتِ استسقاء کی شرط نہیں ہے کیونکہ یہ بات ثابت ہو چکی ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے منبر پر بھی دعائے استسقاء کی تھی لیکن یہ بات صحیح نہیں کہ نماز استسقاء سنت نہیں۔ حضرت نے فرمایا: میں کہتا ہوں کہ امام ابوحنیفہؒ کے مذہب میں (نماز استسقاء کے متعلق) ہمارے اصحاب اور دیگر فقہاء کی عبارتیں مضطرب

ہیں۔ ہمارے استاذ رحمہ اللہ (حضرت شیخ الہند) اور ہمارے بعض محدث فقہاء کے نزدیک ابو حنیفہ کا مسلک یہ نہیں کہ وہ نمازِ استسقاء کے جواز کے منکر تھے اور اس کا استحباب نہ مانتے تھے بلکہ انہوں نے جس چیز کا انکار کیا ہے وہ فقہاء کی مصطلح سُنیت ہے اور صاحب ہدایہ کا قول اس کی طرف اشارہ کرتا ہے۔

۱۱۷۲۔ حَدَّثَنَا نَصْرُ بْنُ عَلِيٍّ اَنَا يَزِيْدُ بْنُ زُرَيْعٍ نَا سَعِيْدٌ عَنْ قَتَادَةَ عَنْ اَنَسٍ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ لَا يَرْفَعُ يَدَيْهِ فِيْ شَيْءٍ مِنَ الدُّعَاءِ اِلَّا فِي الْاِسْتِسْقَاءِ فَاِنَّهُ كَانَ يَرْفَعُ يَدَيْهِ حَتّٰى يُرٰى بَيَاضُ اِبْطَيْهِ۔

انسؓ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم استسقاء کے سوا کسی دعاء میں ہاتھ نہ اٹھاتے تھے، کیونکہ استسقاء میں اتنے بلند ہاتھ اٹھاتے تھے کہ آپ کی بغلوں کی سفیدی نظر آجاتی تھی (یہ حدیث بخاری، مسلم، نسائی، اور ابن ماجہ نے بھی روایت کی ہے)

شرح: ہاتھ اٹھانے سے مراد یہاں رفع بلیغ ہے، یعنی استسقاء میں بہت اونچے ہاتھ اٹھاتے تھے اور دیگر کسی دعاء میں اتنے بلند نہ کرتے تھے۔ نوویؒ نے کہا ہے کہ اس حدیث کے ظاہر سے یہ وہم پیدا ہوتا ہے کہ حضورؐ نے استسقاء کے سوا کہیں ہاتھ اٹھائے ہی نہیں حالانکہ بات دراصل یوں نہیں ہے۔ بلکہ دعاء کے لیے آپ کا ہاتھ اٹھانا استسقاء کے علاوہ بھی بیشمار مواقع پرثابت ہے۔ پس جس چیز کا انکار یہاں کیا گیا ہے وہ رفع بلیغ ہے۔

۱۱۷۳۔ حَدَّثَنَا الْحَسَنُ بْنُ مُحَمَّدٍ الزَّعْفَرَانِيُّ نَا عَفَّانُ نَا حَمَّادٌ اَنَا ثَابِتٌ عَنْ اَنَسٍ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَسْتَسْقِيْ هٰكَذَا يَعْنِيْ وَمَدَّ يَدَيْهِ وَجَعَلَ بُطُوْنَهُمَا مِمَّا يَلِي الْاَرْضَ حَتّٰى رَاَيْتُ بَيَاضَ اِبْطَيْهِ۔

انسؓ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم یوں طلب باراں فرماتے تھے، انسؓ کا مطلب یہ تھا کہ آپؐ نے اپنے دونوں ہاتھ پھیلائے اور ان کی ہتھیلیاں زمین کی جانب کیں حتیٰ کہ میں نے آپ کی بغلوں کی سفیدی دیکھی (مسلم نے بھی یہ حدیث اسی طرح مختصراً روایت کی ہے)

شرح: علامہ علی القاریؒ نے کہا کہ حضورؐ نے تفاؤلاً ایسا کیا تھا تاکہ احوال میں انقلاب پیدا ہو اور یہی مقصد چادر پلٹنے میں بھی تھا۔ گویا جس طرح پانی کا چلّو بھر کر ہاتھ اُلٹ دیں تو وہ زمین پر گرجاتا ہے اس طرح حضورؐ نے زمین پہ بارش برسنے کی التجا کی تھی۔ اس لیے کہا گیا ہے کہ دفع مصائب کی دعاؤں میں یہی کرنا چاہیے اور طلب نعمت کی دعاؤں میں ہتھیلی آسمان کی طرف رکھی جائے۔

۱۱۷۴۔ حَدَّثَنَا مُسْلِمُ بْنُ اِبْرَاهِيْمَ نَا شُعْبَةُ عَنْ عَبْدِ رَبِّهٖ بْنِ سَعِيْدٍ عَنْ

مُحَمَّدُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ أَخْبَرَنِي مَنْ رَأَى النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَدْعُو عِنْدَ أَحْجَارِ الزَّيْتِ بَاسِطًا كَفَّيْهِ۔

محمد بن ابراہیم سے روایت ہے کہ: مجھ کو اس شخص نے خبر دی جس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو مقام احجار الزیت کے قریب ہتھیلیاں پھیلا کر دعا کرتے ہوئے دیکھا تھا (یہ مبہم صحابی بقول صاحب تقریب و تہذیب التہذیب عمیرؓ مولائے آبی اللحم ہے۔ اس سے یہ معلوم ہوا کہ اس حدیث کا راوی عمیرؓ مولیٰ آبی اللحم ہے نہ کہ خود آبی اللحم جیسا کہ ترمذی کی روایت میں ہے)

۱۱۷۵۔ حَدَّثَنَا هَارُونُ بْنُ سَعِيدٍ الْأَيْلِيُّ نَا خَالِدُ بْنُ نِزَارٍ قَالَ حَدَّثَنِي الْقَاسِمُ بْنُ مَبْرُورٍ عَنْ يُونُسَ عَنْ هِشَامِ بْنِ عُرْوَةَ عَنْ أَبِيهِ عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ شَكَا النَّاسُ إِلَى رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قُحُوطَ الْمَطَرِ فَأَمَرَ بِمِنْبَرٍ فَوُضِعَ لَهُ فِي الْمُصَلَّى وَوَعَدَ النَّاسَ يَوْمًا يَخْرُجُونَ فِيهِ قَالَتْ عَائِشَةُ فَخَرَجَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حِينَ بَدَا حَاجِبُ الشَّمْسِ فَقَعَدَ عَلَى الْمِنْبَرِ فَكَبَّرَ وَحَمِدَ اللّٰهَ عَزَّ وَجَلَّ ثُمَّ قَالَ إِنَّكُمْ شَكَوْتُمْ جَدْبَ دِيَارِكُمْ وَاسْتِئْخَارَ الْمَطَرِ عَنْ إِبَّانِ زَمَانِهِ عَنْكُمْ وَقَدْ أَمَرَكُمُ اللّٰهُ عَزَّ وَجَلَّ أَنْ تَدْعُوهُ وَوَعَدَكُمْ أَنْ يَسْتَجِيبَ لَكُمْ ثُمَّ قَالَ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيمِ مٰلِكِ يَوْمِ الدِّينِ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ يَفْعَلُ مَا يُرِيدُ اللّٰهُمَّ أَنْتَ اللّٰهُ لَا إِلٰهَ إِلَّا أَنْتَ الْغَنِيُّ وَنَحْنُ الْفُقَرَاءُ أَنْزِلْ عَلَيْنَا الْغَيْثَ وَاجْعَلْ مَا أَنْزَلْتَ لَنَا قُوَّةً وَبَلَاغًا إِلَى حِينٍ ثُمَّ رَفَعَ يَدَيْهِ فَلَمْ يَزَلْ فِي الرَّفْعِ حَتَّى بَدَا بَيَاضُ إِبِطَيْهِ ثُمَّ حَوَّلَ إِلَى النَّاسِ ظَهْرَهُ وَقَلَبَ أَوْ حَوَّلَ رِدَاءَهُ وَهُوَ رَافِعٌ يَدَيْهِ ثُمَّ أَقْبَلَ عَلَى النَّاسِ وَنَزَلَ فَصَلَّى رَكْعَتَيْنِ فَأَنْشَأَ اللّٰهُ سَحَابَةً فَرَعَدَتْ وَبَرَقَتْ ثُمَّ أَمْطَرَتْ بِإِذْنِ اللّٰهِ فَلَمْ يَأْتِ مَسْجِدَهُ حَتَّى سَالَتِ السُّيُولُ فَلَمَّا رَأَى سُرْعَتَهُمْ إِلَى الْكِنِّ ضَحِكَ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَتَّى بَدَتْ نَوَاجِذُهُ فَقَالَ أَشْهَدُ أَنَّ اللّٰهَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ وَأَنِّي عَبْدُ اللّٰهِ وَرَسُولُهُ قَالَ أَبُو دَاوُدَ هٰذَا حَدِيثٌ غَرِيبٌ

إِسْنَادُهُ جَيِّدٌ أَهْلُ الْمَدِينَةِ يَقْرَءُونَ مَلِكِ يَوْمِ الدِّينِ وَإِنَّ هَذَا الْحَدِيثَ حُجَّةٌ لَهُمْ.

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ لوگوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے خشک سالی کی شکایت کی تو آپ نے منبر کا حکم دیا جسے آپ کے لیے عیدگاہ میں رکھا گیا اور لوگوں کو ایک دن مقرر کر کے اس میں نکلنے کا حکم دیا۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سورج کا کنارہ ظاہر ہوتے ہی باہر تشریف لے گئے اور منبر پہ بیٹھ گئے۔ پھر تکبیر کہی اور اللہ عزوجل کی حمد بیان کی۔ پھر فرمایا: تم نے اپنے علاقے کی خشک سالی کی شکایت کی تھی اور یہ کہ بارش تم سے اپنے وقت سے مؤخر ہو گئی ہے اور تمہیں اللہ عزوجل نے حکم دیا ہے کہ اس سے دعا کرو اور تم سے وعدہ کیا ہے کہ وہ تمہاری دعاء قبول فرمائے گا۔ پھر آپ نے فرمایا: حمد اللہ رب العالمین کے ہی لیے ہے جو روزِ جزا کا مالک ہے۔ اللہ کے سوا کوئی الٰہ نہیں، وہ جو چاہے کرتا ہے۔ اے اللہ تو ہی اللہ ہے تیرے سوا کوئی اِلٰہ نہیں، تو غیر محتاج ہے اور ہم حاجت مند ہیں، ہم پہ بارش اُتار اور جو چیز تو اُتارے اُسے ہمارے لیے قوت اور نیکی تک پہنچنے کا سبب بنا۔ پھر آپ نے اپنے ہاتھ اٹھائے سو آپ نے برابر ہاتھ اٹھائے رکھے حتیٰ کہ آپ کی بغلوں کی سفیدی ظاہر ہو گئی۔ پھر آپ نے لوگوں کی طرف پشت پھیری اور اپنی چادر کو اُلٹ دیا اس حال میں کہ ہاتھ اٹھا رکھے تھے پھر لوگوں کی طرف منہ کیا اور منبر سے نیچے اُترے پس دو رکعتیں پڑھیں۔ پس اللہ تعالیٰ نے ایک بدلی پیدا کی وہ گرجی اور چمکی پھر اللہ کے حکم سے برسی۔ پس آپ ابھی اپنی مسجد میں تشریف نہ لائے تھے کہ ہر طرف نالیاں بہنے لگیں، پس جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کو تیزی سے اِدھر اُدھر چھپتے دیکھا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہنس پڑے حتیٰ کہ آپ کی کچلیاں ظاہر ہو گئیں، پس فرمایا: میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ ہر چیز پہ قادر ہے اور میں اللہ کا بندہ اور اس کا رسول ہوں۔ ابو داؤد نے کہا یہ حدیث غریب ہے، اس کی سند اچھی ہے۔ اہلِ مدینہ مَلِكِ يَوْمِ الدِّين پڑھتے ہیں اور یہ حدیث ان کی دلیل ہے۔

شرح: اس حدیث سے استسقاء کے لیے منبر کو باہر لے جانا بھی ثابت ہوتا ہے۔ پیچھے ایک حدیث گزر چکی ہے کہ لوگوں نے مروان کے عید میں منبر باہر نکلوانے پہ نکیر کی تھی کہ یہ خلافِ سنت ہے، فقہائے حنفیہ نے منبر کا لیجانا مکروہ کہا ہے اس کا سبب یہی ہے کہ انہوں نے اس حدیث کو صحیح نہیں مانا، خود ابو داؤد کا قول اس پہ دلالت کرتا ہے حافظ ابن قیم نے زاد المعاد میں لکھا ہے کہ منبر باہر نکلوانے کے متعلق میرے دل میں شکوک ہیں۔ صحیح بخاری میں عبداللہ بن یزید انصاری کا براء بن عازبؓ اور زید بن ارقمؓ کے ہمراہ استسقاء کے لیے باہر جانا، زمین پہ کھڑے ہو کر دعا کرنا، استغفار کرنا اور دو رکعت نماز پڑھنا موجود ہے۔ وہ منبر لے کر نہیں گئے تھے، اگر حضورؐ سے اس کا ثبوت ہوتا تو موقع پر موجود اصحابؓ اس پہ ضرور نکیر کرتے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا عیدین میں بلا منبر زمین پہ کھڑے خطبہ دینا ثابت ہے۔ استسقاء میں تو زیادہ تواضع اور تضرع ہوتا ہے جیسا کہ حدیث میں خود حضورؐ کا معمولی کپڑے پہن کر نکلنا، تواضع اور عجز کا اظہار کرنا ثابت ہے۔ لہٰذا یہ حالت اس بات کے منافی ہے کہ منبر استعمال کیا جائے۔

اس حدیث کے خطبے کو ـــ اگر اسے خطبہ کہا جا سکے ـ اس کی دلیل قرار دیا گیا ہے کہ استسقاء میں خطبہ ہے۔ ابو حنیفہؒ اور احمدؒ اس خطبے کے قائل نہیں، ابو یوسفؒ ایک خطبہ اور محمد بن الحسن دو خطبے مانتے ہیں۔ محقق ابن الہمامؒ

کا قول ہے کہ روایات میں دو خطبوں کی صراحت نہیں آئی۔ اور اس حدیث میں خطبہ صرف چند الفاظ کا ہے باقی سب دعائیں ہیں۔ امام احمدؒ نے غالباً خطبے کا انکار اس لیے کیا ہے کہ کسی حدیث میں یہ قبل الصلوٰۃ اور کسی میں (حدیث ابی ہریرہؓ) بعد الصلوٰۃ ہے، پس اس میں غرابت کے علاوہ اضطراب روایات بھی ہوا۔

۱۱۷۶۔ حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ نَا حَمَّادُ بْنُ زَيْدٍ عَنْ عَبْدِ الْعَزِيزِ بْنِ صُهَيْبٍ عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ وَيُونُسَ بْنِ عُبَيْدٍ عَنْ ثَابِتٍ عَنْ أَنَسٍ قَالَ أَصَابَ أَهْلَ الْمَدِينَةِ قَحْطٌ عَلَى عَهْدِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَبَيْنَمَا هُوَ يَخْطُبُنَا يَوْمَ جُمُعَةٍ إِذْ قَامَ رَجُلٌ فَقَالَ يَا رَسُولَ اللَّهِ هَلَكَ الْكُرَاعُ هَلَكَ الشَّاءُ فَادْعُ اللَّهَ أَنْ يَسْقِيَنَا فَمَدَّ يَدَيْهِ وَدَعَا قَالَ أَنَسٌ وَإِنَّ السَّمَاءَ لَمِثْلُ الزُّجَاجَةِ فَهَاجَتْ رِيحٌ ثُمَّ أَنْشَأَتْ سَحَابَةً ثُمَّ اجْتَمَعَتْ ثُمَّ أَرْسَلَتِ السَّمَاءُ عَزَالِيَهَا فَخَرَجْنَا نَخُوضُ الْمَاءَ حَتَّى أَتَيْنَا مَنَازِلَنَا فَلَمْ يَزَلِ الْمَطَرُ إِلَى الْجُمُعَةِ الْأُخْرَى فَقَامَ إِلَيْهِ ذَلِكَ الرَّجُلُ أَوْ غَيْرُهُ فَقَالَ يَا رَسُولَ اللَّهِ تَهَدَّمَتِ الْبُيُوتُ فَادْعُ اللَّهَ أَنْ يَحْبِسَهُ فَتَبَسَّمَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ثُمَّ قَالَ حَوَالَيْنَا وَلَا عَلَيْنَا فَنَظَرْتُ إِلَى السَّحَابِ يَتَصَدَّعُ حَوْلَ الْمَدِينَةِ كَأَنَّهُ إِكْلِيلٌ۔

انسؓ نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں اہل مدینہ قحط کا شکار ہو گئے، سو اس دوران میں کہ آپ ہمیں ایک دن خطبہ دے رہے تھے اچانک ایک آدمی کھڑا ہوا اور بولا: یارسول اللہ گھوڑے ہلاک ہو گئے، بھیڑ بکریاں ہلاک ہو گئیں سو آپ اللہ سے دعا کریں کہ ہمیں بارش عطا کرے پس آپؐ نے اپنے ہاتھ پھیلا دیئے اور دعا کی، انسؓ نے کہا کہ آسمان شیشے کی مانند صاف تھا، پس ایک آندھی اٹھی تو اس نے ایک بادل پیدا کیا پھر وہ بادل اکٹھا ہوا پھر آسمان (بادل) نے اپنے منہ کھول دیئے، پس ہم مسجد سے پانی کے اندر گھستے ہوئے اپنے گھروں کی طرف آئے، پھر بارش آئندہ جمعہ تک برستی رہی۔ پس وہی شخص یا کوئی اور کھڑا ہوا تو اس نے کہا یارسول اللہ گھر ڈھے گئے ہیں آپ اللہ سے دعا کریں کہ بارش روک دے، پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مسکرائے پھر کہا: ہمارے اردگرد اور ہم پر نہیں، پس میں نے بادل کی طرف دیکھا کہ وہ پھٹ کر مدینہ کے گرد یوں ہو گیا جیسے کہ وہ تاج تھا (یہ حدیث مختصر طور پر بخاری میں بھی آئی ہے انسؓ نے بادل کو تاج سے تشبیہ دی، یعنی جس طرح تاج سر کو محیط ہوتا ہے اس طرح بادل مدینہ کے اردگرد تھا مگر مدینہ سے پھٹ کر مطلع صاف ہو گیا تھا)۔

۱۱۷۷۔ حَدَّثَنَا عِيسَى بْنُ حَمَّادٍ أَنَا اللَّيْثُ عَنْ سَعِيدٍ الْمَقْبُرِيِّ عَنْ شَرِيكٍ

بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ اَبِیْ نَمِرٍ عَنْ اَنَسٍ اَنَّهٗ سَمِعَهٗ یَقُوْلُ فَذَکَرَ نَحْوَ حَدِیْثِ عَبْدِ الْعَزِیْزِ قَالَ فَرَفَعَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ یَدَیْهِ بِحِذَاءِ وَجْهِهٖ فَقَالَ اَللّٰهُمَّ اسْقِنَا وَسَاقَ نَحْوَهٗ۔

دوسری سند کے ساتھ یہ وہی حدیث ہے جو اوپر گزری۔ اس میں یہ الفاظ ہیں کہ: پس آپؐ نے اپنے ہاتھ اپنے چہرے کے سامنے اٹھائے اور کہا اے اللہ ہمیں بارش عطا کر (یہ حدیث بخاری، مسلم اور نسائی میں بھی ہے)

۱۱۷۸۔ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ مَسْلَمَةَ عَنْ مَالِكٍ عَنْ یَحْیَی بْنِ سَعِیْدٍ عَنْ عَمْرِو بْنِ شُعَیْبٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ ح وَحَدَّثَنَا سَهْلُ بْنُ صَالِحٍ نَا عَلِیُّ ابْنُ قَادِمٍ نَا سُفْیَانُ عَنْ یَحْیَی بْنِ سَعِیْدٍ عَنْ عَمْرِو بْنِ شُعَیْبٍ عَنْ اَبِیْهِ عَنْ جَدِّهٖ قَالَ کَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اِذَا اسْتَسْقٰی قَالَ اَللّٰهُمَّ اسْقِ عِبَادَكَ وَبَهَائِمَكَ وَانْشُرْ رَحْمَتَكَ وَاَحْیِ بَلَدَكَ الْمَیِّتَ هٰذَا لَفْظُ حَدِیْثِ مَالِكٍ۔

عبداللہ بن عمرو بن العاص نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم طلب باراں کی دعا میں یوں کہتے تھے: اے اللہ اپنے بندوں کو پانی پلا اور اپنے جانوروں کو اپنی رحمت کو پھیلا مردہ شہر کو زندہ کر۔ یہ مالکؒ کی حدیث کے لفظ ہیں (یعنی یہ حدیث دو سندوں سے بیان ہوئی ہے ان میں سے مالکؒ کی سند والی حدیث یہ ہے، مگر وہ مُرسل روایت ہے، اس لیے موصول سند ساتھ لائی گئی ہے)

كِتَابُ الْكُسُوفِ

بَابُ صَلوٰةِ الْكُسُوفِ

سورج گرہن کی نماز کا باب

۱۱۷۹ حَدَّثَنَا عُثْمَانُ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ نَا إِسْمٰعِيلُ بْنُ عُلَيَّةَ عَنِ ابْنِ جُرَيْجٍ عَنْ عَطَاءٍ عَنْ عُبَيْدِ ابْنِ عُمَيْرٍ أَخْبَرَنِي مَنْ أُصَدِّقُ وَظَنَنْتُ أَنَّهُ يُرِيدُ عَائِشَةَ قَالَتْ كُسِفَتِ الشَّمْسُ عَلَى عَهْدِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَامَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قِيَامًا شَدِيدًا يَقُومُ بِالنَّاسِ ثُمَّ يَرْكَعُ ثُمَّ يَقُومُ ثُمَّ يَرْكَعُ ثُمَّ يَقُومُ ثُمَّ يَرْكَعُ فَرَكَعَ رَكْعَتَيْنِ فِي كُلِّ ثَلَاثِ رَكَعَاتٍ يَرْكَعُ الثَّالِثَةَ ثُمَّ يَسْجُدُ حَتّٰى أَنَّ رِجَالًا يَوْمَئِذٍ لَيُغْشٰى عَلَيْهِمْ مِمَّا قَامَ بِهِمْ حَتّٰى أَنَّ سِجَالَ الْمَاءِ لَيُنْصَبُ عَلَيْهِمْ يَقُولُ إِذَا رَكَعَ اللّٰهُ أَكْبَرُ وَإِذَا رَفَعَ سَمِعَ اللّٰهُ لِمَنْ حَمِدَهُ حَتّٰى تَجَلَّتِ الشَّمْسُ ثُمَّ قَالَ إِنَّ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ لَا يَنْكَسِفَانِ لِمَوْتِ أَحَدٍ وَلَا لِحَيَاتِهِ وَلٰكِنَّهُمَا آيَتَانِ مِنْ آيَاتِ اللّٰهِ عَزَّ وَجَلَّ يُخَوِّفُ بِهِمَا عِبَادَهُ فَإِذَا كُسِفَا فَافْزَعُوا إِلَى الصَّلوٰةِ۔

عبید بن عمیر نے کہا کہ مجھے اس نے خبر دی جسے میں سچا جانتا ہوں، عطاء نے کہا میرے خیال میں اس کی مراد حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے تھی، انہوں نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں سورج گرہن ہوا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے طویل قیام فرمایا۔ لوگوں کے ساتھ (نماز میں) کھڑے ہوتے پھر رکوع کرتے، پھر کھڑے ہوتے پھر رکوع کرتے، پھر کھڑے ہوتے پھر رکوع کرتے پس آپ نے دو رکعت نماز پڑھائی، ہر رکعت میں تین رکوع تھے تیسرے رکوع کرنے کے بعد پھر سجدہ کرتے تھے، حتیٰ کہ اتنے طویل قیام سے اس دن کچھ لوگوں کو غشی آجاتی تھی، حتیٰ کہ ان پر پانی کے ڈول بہائے جاتے تھے۔ آپ رکوع کرتے وقت اللہ اکبر کہتے اور سر اٹھاتے وقت سَمِعَ اللّٰهُ لِمَنْ حَمِدَهُ کہتے تھے، حتیٰ کہ سورج روشن ہو گیا۔ پھر آپ نے فرمایا کہ سورج اور چاند موت یا زندگی کے باعث گرہن میں نہیں آتے، بلکہ وہ اللہ کی قدرت کی نشانیوں میں سے دو نشانیاں ہیں جن کے ساتھ وہ اپنے بندوں میں خوف پیدا کرتا ہے۔ پس جب انہیں گرہن ہو تو تم نماز کی طرف جلدی کرو۔ (اس حدیث کو مسلم اور نسائی نے بھی اسی طرح روایت کیا ہے)

شرح: امام نووی رح نے سنن ابی داؤد کے عام نسخوں کی سند کے مطابق اس حدیث کو مرسل قرار دیا ہے کیونکہ ام المؤمنین عائشہ رض سے روایت کرنے والا صرف یہ لفظ بولتا ہے: اَخْبَرَنِی مَنْ اُصَدِّقُ، جو اصول حدیث کی رو سے حجت نہیں ہے۔ ہاں اس صورت میں حدیث متصل ہے۔ حضرت عائشہ رض کا یہ قول کہ: بعض آدمی بے ہوش ہو گئے حتی کہ ان پر پانی کے ڈول پھینکے گئے، بظاہر مشکل ہے۔ کیونکہ سب لوگ تو نماز میں تھے پھر پانی پھینکنے والا کون ہوگا؟ پس یا تو نماز کے بعد انہیں پانی کے چھینٹے مار کر ہوش میں لایا گیا ہوگا اور یا وہ خود ہوش میں آجاتے تھے اور بے ہوشی کے باعث نماز اور طہارت جاچکی ہوتی تھی لہذا اپنے اوپر خود پانی ڈالتے تھے، یعنی ٹھنڈک حاصل کرنے اور وضوء کے لیے۔

حضور نے شمس وقمر کے متعلق جو کچھ فرمایا تھا وہ دراصل ان جاہلوں کے رد میں تھا جو زمانہ جاہلیت میں ان کی پوجا یا تعظیم کیا کرتے تھے۔ آپ نے واضح فرما دیا کہ یہ اللہ کی مخلوق ہیں، اپنا کوئی ارادہ واختیار نہیں رکھتے، ان میں بھی دوسری مخلوق کی مانند نقص وتغیر واقع ہوتا ہے۔ اور بعض جہلاء کا خیال تھا کہ شمس وقمر کا گرہن کسی بڑے آدمی کی موت یا اس قسم کے کسی اور حادثے کے باعث ہوتا ہے، اتفاق سے اسی دن حضور کے فرزند حضرت ابراہیم کی موت واقع ہو گئی تھی لہذا حضور نے ان جہلاء کی اس مشرکانہ غلط فہمی کا رد فرمایا تاکہ مسلمان اس قسم کے وہم وخرافات کا شکار نہ ہوں۔

علامہ شوکانی نے نیل الاوطار میں کہا ہے کہ علماء کا شمس وقمر کے گرہن کی نماز کے سنت غیر واجبہ ہونے پر تو اتفاق ہے مگر اس کی کیفیت میں اختلاف ہے۔ مالک، شافعی رح، احمد رح اور جمہور کا یہ مذہب ہے کہ یہ دو رکعت نماز ہے اور ہر رکعت میں دو رکوع ہیں۔ ابو حنیفہ رح، ثوری رح اور نخعی رح نے کہا کہ وہ عام نوافل کی مانند دو رکعت ہیں اور ہر رکعت میں ایک رکوع ہے اور ان کا استدلال نعمان رض اور سمرہ رض کی حدیث کے ساتھ ہے۔ اور حذیفہ رض نے کہا کہ ہر رکعت میں تین رکوع ہیں اور اس نے جابر رض، ابن عباس رض اور عائشہ صدیقہ رض کی حدیث سے استدلال کیا۔ نووی رح نے کہا کہ ان تینوں مذاہب میں سے ہر ایک کی قائل صحابہ کی ایک جماعت ہے، اور ابن عبد البر نے دو رکوع والی روایت کو صحیح ترین کہا اور باقی سب روایات کو معلل یا ضعیف قرار دیا ہے، اور بیہقی نے بھی اس طرح کہا ہے۔ الہدیٰ کے مصنف نے شافعی رح، احمد رح اور بخاری رح سے نقل کیا ہے کہ انہوں دو رکوع پر اضافے کی روایتوں کو راویوں کی غلطی پر محمول کیا ہے، کیونکہ حدیث کے اکثر طرق کو ایک دوسرے کے مطابق کرنا ممکن ہے اور واقعہ متعدد نہیں تھا بلکہ ایک ہی تھا، یعنی حضرت ابراہیم کی وفات کا دن۔ اور دو رکوع کی احادیث بے شک صحیح تر ہیں۔

حافظ ابن حجر رح نے فتح الباری میں کہا ہے کہ بعض لوگ قصے کے تعدد کے قائل ہوئے ہیں اور کسوف کئی بار واقع ہوا تھا، پس یہ تمام تعداد رکوعات صحیح ہے اور یہ مذہب اسحاق رح کا ہے لیکن ان کے نزدیک زیادہ سے زیادہ چار رکوع ثابت ہوئے ہیں۔ شافعیہ میں سے ابن خزیمہ رح، ابن المنذر رح اور خطابی رح وغیرہ نے کہا ہے کہ یہ ایک جائز اختلاف ہے اور ہر صورت پر عمل جائز ہے، اور اس مذہب کی نووی رح نے شرح مسلم میں تقویت کی ہے، اور حق یہ ہے کہ اگر واقعہ متعدد بار ہوا تھا تو زیادہ رکوعات پر مشتمل روایتوں کو اختیار کرنا ضروری ہے جبکہ وہ صحیح طور پر ثابت ہوں، لیکن اگر واقعہ صرف ایک بار کا تھا تو پھر ان روایات میں ترجیح کا قاعدہ چلے گا اور دو رکوعات کی روایتیں زیادہ راجح ہیں۔

مولانا رح نے فرمایا کہ علمائے حنفیہ کا اس میں اختلاف ہوا ہے کہ صلاۃ کسوف آیا واجب ہے یا سنت۔ امام محمد رحمہ اللہ تعالیٰ نے الجامع الصغیر میں ایسی بات کا ذکر کیا ہے جس سے اس کے واجب نہ ہونے کی دلیل نکلتی ہے۔ امام محمد رح نے کہا ہے

کہ: کوئی نفل نماز باجماعت نہیں پڑھی جاتی ماسوائے قیام رمضان کے اور صلاۃ کسوف کے، اور یہ ان نوافل سے مستثنیٰ ہیں جن کو باجماعت نہیں پڑھا جاتا۔ پس یہ اس بات کی دلیل ہے کہ صلاۃ کسوف نافلہ ہے اور اسی طرح حسن بن زیاد کی روایت کا بھی یہی مفاد ہے۔ حسن نے ابو حنیفہ رحمہ سے روایت کی ہے کہ سورج گرہن کی نماز چاہیں تو دو رکعت اور چاہیں تو چار رکعت پڑھیں اور اگر اس سے زیادہ چاہیں تو پڑھ لیں، اور یہ اختیار نوافل میں ہی ہوتا ہے نہ کہ واجبات میں۔ اور بعض حنفی مشائخ نے اسے واجب کہا ہے اور اس کی دلیل ابن مسعودؓ کی روایت ہے جس کے الفاظ یہ ہیں کہ حضورؐ نے فرمایا: جب تم کسوف وخسوف میں سے کچھ دیکھو تو اللہ کی حمد، تکبیر، تسبیح کرو اور نماز پڑھو حتیٰ کہ سورج روشن ہو جائے اور ابو مسعودؓ انصاری کی حدیث میں ہے کہ: جب تم اسے دیکھو تو اٹھو اور نماز پڑھو۔ اور مطلق امر وجوب کے لیے ہوتا ہے۔ اور بعض روایات کا لفظ ہے: نماز کی طرف جلدی کرو۔ اور امام محمدؒ نے جو اسے نافلہ کہا ہے وہ وجوب کی نفی نہیں کرتا کیونکہ نافلہ کا معنیٰ ہے زاید۔ اور فرض نماز کے علاوہ ہر نماز (واجب ہو، سنت ہو یا محض نفل) بہر حال مقرر شدہ فرائض سے زاید ہے لہذا وہ نافلہ ہے۔ اور حسن کی روایت بھی وجوب کی نفی نہیں کرتی کیونکہ کبھی کبھی واجبات میں تخییر کا قاعدہ چلتا ہے مثلاً اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: پس اس کا کفارہ دس مسکینوں کو کھانا کھلانا ہے، وہ اوسط کھانا جو تم اپنے گھر والوں کو کھلاتے ہو، یا انہیں کپڑے پہنانا یا ایک غلام آزاد کرنا۔

اور صلاۃ کسوف کی کیفیت ادا میں اختلاف ہوا ہے۔ پس آدمی دو رکعت پڑھے، ہر رکعت میں ایک رکوع اور دو سجدے ہوں جیسا کہ تمام نمازوں میں ہے، اور یہ حنفیہ کا مسلک ہے۔ امام شافعیؒ کے نزدیک دو رکعتوں میں سے ہر ایک میں دو رکوع اور دو قومے اور دو سجدے ہیں۔ قرأت کرے پھر رکوع کرے پھر سر اٹھائے پھر قرأت کرے پھر رکوع کرے۔ اور ان کی دلیل ابن عباسؓ اور حضرت عائشہؓ کی حدیث ہے جس میں دو رکوع کا ذکر ہے۔ اور حنفیہ کی دلیل عبداللہ بن عمرو بن العاص کی حدیث ہے جسے طحاوی، ابوداؤد، نسائی اور ترمذی نے (شمائل میں) روایت کیا ہے جس میں ایک رکوع کا ذکر ہے، اور ابو بکرہؓ کی حدیث (نسائی میں)، کے الفاظ ہیں کہ: دو رکعت تمہاری اسی نماز کی مانند۔ اور سمرہؓ کی حدیث جو مسلم میں ہے اور النعمان بن بشیرؓ کی حدیث جسے احمدؒ، ابوداؤد، نسائی اور حاکم نے روایت کیا ہے، اور ابن عبدالبر نے اس کی تصحیح کی ہے۔ اور قبیصہؓ ہلالی کی حدیث کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جب تم اس کو (گرہن کو) دیکھو تو اس فرض نماز کی مانند نماز پڑھو جو تم نے بالکل اس سے قبل پڑھی ہو۔ ان احادیث میں اکثر قولی ہیں یعنی ان میں حضورؐ کا قولی حکم ہے جیسا کہ قبیصہؓ کی حدیث، اور قول کو فعل پر ترجیح حاصل ہے۔ اور یہ بھی تمہیں معلوم ہے کہ جب فعل میں اختلاف ہو تو اسے اصل کی طرف پھیرا جاتا ہے، پس اس لحاظ سے ایک رکوع والی حدیثوں کو ترجیح حاصل ہے۔ نیز جن احادیث میں زیادہ رکوع کا ذکر ہے ان کے راوی بچے ہیں اور خواتین، اور وہ مردوں کی صفوں سے پیچھے تھے اور حضورؐ کا حال مردوں پر اُن کی نسبت زیادہ واضح تھا۔ اور حال یہ تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے شدید گرمی کے دن میں طویل قیام فرمایا حتیٰ کہ طول قیام کے باعث بعض کو غش آ گیا۔ اور اس نماز میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر عجیب وغریب احوال کا انکشاف ہوا، کبھی تو آپ تسبیح پڑھتے تھے، کبھی تکبیر پڑھتے تھے، اور جنت و دوزخ آپ پر منکشف کئے گئے تھے اور سورج سیاہ ہو چکا تھا، پس یہ بعید نہ تھا کہ نماز کا حال اور کیفیت ان لوگوں سے مخفی رہے جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے دُور تھے۔ انہوں نے نماز میں واقع ہونے والی تسبیح وتہلیل کے باعث رکوعات کے

تعدد کا گمان کر لیا جو در اصل واقع نہ ہوئے تھے۔ پس ان وجوہ کی بناء پر حنفیہ نے ایک رکوع والی احادیث کو ترجیح دی ہے
رکوعات کی تعداد میں بھی اختلاف ہوا ہے۔ بعض احادیث میں فی رکعت دو رکوع آئے ہیں اور بعض میں تین
آئے ہیں، تین والی روایت مسند احمد، ابوداؤد اور مسلم میں جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، ترمذی میں ابن عباس رضی اللہ عنہ سے
آئی ہے اور اس نے اس حدیث کو صحیح کہا ہے۔ اور احمد، نسائی اور مسلم نے عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت
کی ہے۔ شوکانی نے کہا ہے کہ یہ صحیح احادیث حافظ ابن عبدالبر اور بیہقی کے اس قول کو رد کرتی ہیں کہ دو رکوعات
کے خلاف جس قدر احادیث ہیں وہ معلل ہیں یا ضعیف ہیں۔ اور اسی طرح یہ صحیح احادیث اس قول کو بھی رد کرتی
ہیں جو امام شافعیؒ، احمدؒ اور بخاریؒ سے منقول ہے کہ دو رکوع کے خلاف جو کچھ ہے غلط ہے۔ اور بعض احادیث
میں ایک رکعت میں چار رکوع کا ذکر موجود ہے، یہ احادیث احمد، مسلم، نسائی، ابوداؤد اور ترمذی نے روایت کی ہیں
اور ترمذی نے اس کی تصحیح کی ہے جو ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کسوف کی نماز پڑھائی تو
قرأت کی پھر رکوع کیا پھر قرأت پھر رکوع کیا پھر قرأت کی پھر رکوع کیا پھر قرأت کی پھر رکوع کیا اور دوسری رکعت بھی
اسی طرح پڑھائی۔ شوکانی نے کہا کہ بقول بیہقی حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے بھی اسی طرح مروی ہے۔ اور بعض احادیث میں فی
رکعت پانچ رکوع بھی آئے ہیں۔ یہ حدیث ابوداؤد نے اور عبداللہ بن احمد نے مسند میں روایت کی ہے۔ اس کے
راوی ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے وقت میں سورج گرہن ہوا تو آپ نے لوگوں کو نماز
پڑھائی جس میں لمبی سورتوں میں ایک سورت پڑھی اور پہلی رکعت میں پانچ رکوع اور دو سجدے کئے۔ پھر دوسری رکعت
کے لیے اٹھے اور ایک لمبی سورت پڑھی اور پانچ رکوع اور دو سجدے کئے۔ پھر قبلہ رخ بیٹھ کر دعا کرتے رہے حتی کہ
سورج کا گرہن جاتا رہا۔ شوکانی نے کہا کہ ابن السکن سے اس حدیث کی تصحیح مروی ہے، حاکم نے کہا کہ اس کے
راوی سچے ہیں، ایک راوی ابوجعفر عیسی بن عبداللہ پر کچھ کلام ہوا ہے۔

پس یہ اختلاف دلالت کرتا ہے کہ جو لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بعید تھے شاید وہ کثرت وقائع اور
طول قیام وغیرہ میں مشغول رہے اور اس سبب سے اس نماز کی کیفیت کو یاد رکھنے اور بیان کرنے میں اختلاف کیا۔ اور
بظاہر واقعہ متعدد نہ تھا کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا قیام مدینہ میں دس سال کے قریب رہا اور اس کم مدت
میں کسوف کا کئی بار ہونا خلاف عادت ہے۔ اور یہ مروی نہیں ہوا کہ واقعہ متعدد تھا بلکہ اکثر روایات سے پتہ چلتا
ہے کہ یہ واقعہ حضرت ابراہیمؑ ابن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے وقت ہوا تھا اور حضور نے یہ نماز بوقت چاشت
پڑھی تھی۔ فتح الباری میں حافظ ابن حجر نے کہا ہے کہ احادیث کے طرق کی کثرت کے باوجود میں نے کوئی روایت نہیں
دیکھی جس میں چاشت کے سوا کوئی اور وقت آیا ہو۔ جو لوگ دو رکوع کے قائل ہیں وہ ان صحیح روایات کو ضعیف
کہنے پر مجبور ہوئے ہیں جن میں دو رکوع سے زیادہ کا ذکر ہے، پس بہتر یہ ہے کہ ایک رکوع پر اضافے کی روایات
کو وہم قرار دیا جائے۔

بَابُ مَنْ قَالَ اَرْبَعَ رَكَعَاتٍ

دو رکعتوں میں چار رکوع کہنے والوں کا باب

۱۱۸۰۔ حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ حَنْبَلٍ نَا يَحْيَى عَنْ عَبْدِ الْمَلِكِ حَدَّثَنِي عَطَاءٌ عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ قَالَ كُسِفَتِ الشَّمْسُ عَلَى عَهْدِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَكَانَ ذَلِكَ الْيَوْمُ الَّذِي مَاتَ فِيهِ إِبْرَاهِيمُ بْنُ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ النَّاسُ إِنَّمَا كُسِفَتْ لِمَوْتِ إِبْرَاهِيمَ فَقَامَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَصَلَّى بِالنَّاسِ سِتَّ رَكَعَاتٍ فِي أَرْبَعِ سَجَدَاتٍ كَبَّرَ ثُمَّ قَرَأَ فَأَطَالَ الْقِرَاءَةَ ثُمَّ رَكَعَ نَحْوًا مِمَّا قَامَ ثُمَّ رَفَعَ رَأْسَهُ فَقَرَأَ دُونَ الْقِرَاءَةِ الْأُولَى ثُمَّ رَكَعَ نَحْوًا مِمَّا قَامَ ثُمَّ رَفَعَ رَأْسَهُ فَقَرَأَ الْقِرَاءَةَ الثَّالِثَةَ دُونَ الْقِرَاءَةِ الثَّانِيَةِ ثُمَّ رَكَعَ نَحْوًا مِمَّا قَامَ ثُمَّ رَفَعَ رَأْسَهُ فَانْحَدَرَ لِلسُّجُودِ فَسَجَدَ سَجْدَتَيْنِ ثُمَّ قَامَ فَرَكَعَ ثَلَاثَ رَكَعَاتٍ قَبْلَ أَنْ يَسْجُدَ لَيْسَ فِيهِمَا رَكْعَةٌ إِلَّا الَّتِي قَبْلَهَا أَطْوَلُ مِنَ الَّتِي بَعْدَهَا إِلَّا أَنَّ رُكُوعَهُ نَحْوٌ مِنْ قِيَامِهِ قَالَ ثُمَّ تَأَخَّرَ فِي صَلَاتِهِ فَتَأَخَّرَتِ الصُّفُوفُ مَعَهُ ثُمَّ تَقَدَّمَ فَقَامَ فِي مَقَامِهِ وَتَقَدَّمَتِ الصُّفُوفُ فَقَضَى الصَّلَاةَ وَقَدْ طَلَعَتِ الشَّمْسُ فَقَالَ يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنَّ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ آيَتَانِ مِنْ آيَاتِ اللَّهِ عَزَّ وَجَلَّ لَا يَنْكَسِفَانِ لِمَوْتِ بَشَرٍ فَإِذَا رَأَيْتُمْ شَيْئًا مِنْ ذَلِكَ فَصَلُّوا حَتَّى تَنْجَلِيَ وَسَاقَ بَقِيَّةَ الْحَدِيثِ۔

جابرؓ بن عبداللہ نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں سورج کو گرہن ہوا اور یہ وہ دن تھا کہ جس دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بیٹے ابراہیمؑ کی وفات ہوئی تھی۔ پس لوگوں نے کہا کہ یہ ابراہیمؑ کی موت کے باعث ہی ہوا ہے۔ پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اٹھے اور لوگوں کو چھ رکوع چار سجدوں کے ساتھ پڑھائے۔ تکبیر کہی پھر قرات کی اور لمبی قرأت کی پھر قیام جیسا رکوع کیا پھر اپنا سر اٹھایا تو پہلی قرأت سے کم قرات کی، پھر قیام کی مانند رکوع کیا پھر اپنا سر اٹھایا تو تیسری بار قرات کی جو دوسری قرأۃ سے کم تھی، پھر قیام جیسا رکوع کیا پھر اپنا سر اٹھایا اور سجدے کے لیے جھکے، پھر دو سجدے کئے۔ پھر اٹھے تو تین بار رکوع کیا سجدہ سے قبل۔ ہر رکوع اپنے بعد والے سے طویل تر تھا مگر آپ کا رکوع قیام کی مانند تھا۔ پھر آپ اپنی جگہ سے پیچھے ہٹے تو صفیں بھی آپ کے ساتھ ہی پیچھے ہٹ گئیں پھر آگے بڑھے اور اپنے مقام میں کھڑے ہوئے اور صفیں بھی آگے ہوگئیں، پس آپ نے نماز پوری کی تو سورج روشن ہو چکا تھا۔ پھر فرمایا اے لوگو شمس و قمر اللہ عزوجل کی نشانیوں میں سے دو نشانیاں ہیں (مظاہر قدرت ہیں) کسی انسان کی موت کے باعث گہن آلود نہیں ہوتے، پس جب تم اس میں سے کوئی چیز دیکھو تو نماز پڑھو حتی کہ صاف ہو جائے۔ پھر احمد بن

حنبل نے بقیہ حدیث بیان کی (یہ طویل حدیث مسلم نے بھی روایت کی ہے)

شرح: اس حدیث میں تو دو رکعتوں میں چھ رکوع ثابت ہوئے مگر باب کا عنوان چار رکوع ہے لہذا دونوں میں مطابقت نہیں ہے۔ دراصل اسے اوپر کے باب میں ہونا چاہیے تھا، مولانا نے فرمایا کہ شاید کاتبوں کی غلطی سے یہاں درج ہوگئی ہے۔ اس حدیث میں حضورؐ کا پیچھے ہٹنا اور آگے بڑھنا (حالت صلاۃ میں) مروی ہے، اس کا سبب حضرت عائشہؓ کی صحیح مسلم کی حدیث میں یہ تھا کہ حضورؐ نے فرمایا: میں نے اس جگہ وہ سب چیزیں دیکھی ہیں جن کا میں نے ان سے وعدہ کیا ہے، حتی کہ میں نے دیکھا کہ جنت کا ایک خوشہ پکڑ لوں اُس وقت جب تم نے مجھے آگے بڑھتے دیکھا۔ اور میں نے جہنم کے بعض حصوں کو بعض کو پیستے ہوئے دیکھا حتی کہ تم نے مجھے پیچھے ہٹتے دیکھا۔

۱۱۸۱۔ حَدَّثَنَا مُؤَمَّلُ بْنُ هِشَامٍ نَا إِسْمٰعِيلُ عَنْ هِشَامٍ نَا أَبُو الزُّبَيْرِ عَنْ جَابِرٍ قَالَ كُسِفَتِ الشَّمْسُ عَلٰى عَهْدِ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي يَوْمٍ شَدِيدِ الْحَرِّ فَصَلّٰى رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِأَصْحَابِهٖ فَأَطَالَ الْقِيَامَ حَتّٰى جَعَلُوا يَخِرُّونَ ثُمَّ رَكَعَ فَأَطَالَ ثُمَّ رَفَعَ فَأَطَالَ ثُمَّ رَكَعَ فَأَطَالَ ثُمَّ رَفَعَ فَأَطَالَ ثُمَّ سَجَدَ سَجْدَتَيْنِ ثُمَّ قَامَ فَصَنَعَ نَحْوًا مِنْ ذٰلِكَ فَكَانَ أَرْبَعَ رَكَعَاتٍ وَأَرْبَعَ سَجَدَاتٍ وَسَاقَ الْحَدِيثَ۔

جابرؓ نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے وقت میں ایک سخت گرم دن میں سورج گرہن پیش آیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اصحاب کو نماز پڑھائی تو اتنا لمبا قیام کیا کہ وہ لوگ گرنے لگے۔ پھر آپ نے لمبا رکوع کیا پھر سر اٹھا کر لمبا قیام کیا پھر ایک طویل رکوع کیا پھر لمبا قیام کیا پھر دو سجدے کئے پھر اُٹھے تو اسی پہلی رکعت کی طرح کیا۔ پس اس نماز میں چار رکوع اور چار سجدے ہوئے۔ اور پھر بقیہ حدیث بیان کی۔ (یہ حدیث صحیح مسلم اور سنن نسائی میں بھی ہے)

شرح: اس حدیث کی مناسبت عنوانِ باب سے واضح ہے۔ پھر اس کے بعد ابو داؤد نے حضرت عائشہؓ اور ابن عباسؓ کی احادیث درج کی ہیں جس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اُن کے نزدیک ہر رکعت میں دو رکوع والی احادیث راجح ہیں مگر اوپر بتایا جا چکا ہے کہ حضرت عائشہؓ اور ابن عباسؓ کی احادیث میں بھی اختلاف ہے اور انہی بزرگوں کی دیگر روایات میں تین تین رکوع بھی آئے ہیں۔ عائشہ صدیقہؓ کی حدیث اوپر گزر گئی اور ابن عباسؓ کی حدیث ترمذی میں ہے یہاں پر حضرت جابرؓ کی روایت میں دونوں رکعتوں میں چار رکوع کا ذکر ہے اور جابرؓ ہی کی اوپر والی حدیث میں چھ رکوع گزرے ہیں، دونوں روایات صحیح مسلم میں موجود ہیں، حیرت ہے کہ پھر بعض حضرات بے کھٹکے انہیں ضعیف یا معلول کیسے ٹھہرا دیتے ہیں۔ ایسی بات اگر کسی حنفی عالم کی زبان سے نکلے تو زمین و آسمان کے قلابے ملا دیئے جاتے ہیں اور خود صحاح کی احادیث کو بھی معلول یا ضعیف ٹھہرا دیں تو ایک تنکا بھی نہیں ہلتا۔

ہوا تھا کبھی سر قلم عاشقوں کا — یہ تیرے زمانے میں دستور نکلا

۱۱۸۲۔ حَدَّثَنَا ابْنُ السَّرْحِ نَا ابْنُ وَهْبٍ ح وَحَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ سَلَمَةَ الْمُرَادِيُّ نَا ابْنُ وَهْبٍ عَنْ يُونُسَ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ أَخْبَرَنِي عُرْوَةُ بْنُ الزُّبَيْرِ عَنْ عَائِشَةَ زَوْجِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَتْ خُسِفَتِ الشَّمْسُ فِي حَيَاةِ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَخَرَجَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِلَى الْمَسْجِدِ فَقَامَ فَكَبَّرَ وَصَفَّ النَّاسُ وَرَاءَهُ فَاقْتَرَأَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قِرَاءَةً طَوِيلَةً ثُمَّ كَبَّرَ فَرَكَعَ رُكُوعًا طَوِيلًا ثُمَّ رَفَعَ رَأْسَهُ فَقَالَ سَمِعَ اللهُ لِمَنْ حَمِدَهُ رَبَّنَا وَلَكَ الْحَمْدُ ثُمَّ قَامَ فَاقْتَرَأَ قِرَاءَةً طَوِيلَةً هِيَ أَدْنَى مِنَ الْقِرَاءَةِ الْأُولَى ثُمَّ كَبَّرَ فَرَكَعَ رُكُوعًا طَوِيلًا هُوَ أَدْنَى مِنَ الرُّكُوعِ الْأَوَّلِ ثُمَّ قَالَ سَمِعَ اللهُ لِمَنْ حَمِدَهُ رَبَّنَا وَلَكَ الْحَمْدُ ثُمَّ فَعَلَ فِي الرَّكْعَةِ الْأُخْرَى مِثْلَ ذٰلِكَ فَاسْتَكْمَلَ أَرْبَعَ رَكَعَاتٍ وَأَرْبَعَ سَجَدَاتٍ وَانْجَلَتِ الشَّمْسُ قَبْلَ أَنْ يَنْصَرِفَ۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجۂ مطہرہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں سورج گرہن ہوا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مسجد کی طرف نکلے۔ پس آپؐ نے کھڑے ہو کر تکبیر کہی اور لوگوں نے آپ کے پیچھے صف باندھ لی۔ پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے لمبی قرأت پڑھی پھر تکبیر کہی اور طویل رکوع کیا، پھر اپنا سر اٹھایا اور سَمِعَ اللهُ لِمَنْ حَمِدَهُ رَبَّنَا وَلَكَ الْحَمْدُ کہا پھر قیام کیا تو لمبی قرأت پڑھی مگر وہ پہلی قرأت سے کم تھی، پھر تکبیر کہی تو ایک طویل رکوع کیا جو پہلے رکوع سے کم تھا پھر کہا: سَمِعَ اللهُ لِمَنْ حَمِدَهُ رَبَّنَا وَلَكَ الْحَمْدُ۔ پھر دوسری رکعت میں بھی اسی طرح کیا، پس آپؐ نے چار رکوع اور چار سجدے مکمل کئے اور آپ کے اختتامِ صلاۃ سے قبل ہی سورج روشن ہو گیا (یہ حدیث بخاری، مسلم، نسائی، ترمذی اور ابن ماجہ نے بھی روایت کی ہے)

شرح: معالم السنن میں خطابی نے لکھا ہے کہ اس باب میں روایات مختلف ہوئی ہیں۔ انسؓ کی روایت میں ہر رکعت میں پانچ رکوع آئے ہیں اور ابو داؤد نے ان میں سے بعض اقسام کا ذکر کیا ہے۔ یوں نظر آتا ہے کہ آپؐ نے یہ نماز کئی بار کئی کئی مرتبہ پڑھی ہوگی۔ جب کسوف کی مدت طویل ہوتی تو نماز کو پھیلا دیتے اور تعدادِ رکوع میں اضافہ کر دیتے اور جب مدتِ کسوف کم ہوتی تو رکوع گھٹا دیتے اور عام نمازوں کی طرح پڑھتے تھے۔ اور یہ سب صورتیں جائز ہیں، حسبِ حال اور مقدارِ ضرورت کے مطابق اسے پڑھ لیں۔ میں یہ گزارش کرتا ہوں کہ اوپر ہم نے اس پر مفصل بحث کی ہے۔

۱۱۸۳۔ حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ صَالِحٍ نَا عَنْبَسَةُ نَا يُونُسُ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ قَالَ كَانَ

كَثِيرُ بْنُ عَبَّاسٍ يُحَدِّثُ أَنَّ عَبْدَ اللهِ بْنَ عَبَّاسٍ كَانَ يُحَدِّثُ أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَلَّى فِي كُسُوفِ الشَّمْسِ مِثْلَ حَدِيثِ عُرْوَةَ عَنْ عَائِشَةَ عَنْ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّهُ صَلَّى رَكْعَتَيْنِ فِي كُلِّ رَكْعَةٍ رَكْعَتَيْنِ۔

عبداللہ بن عباسؓ حدیث بیان کرتے تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سورج گرہن میں نماز پڑھی عروہ کی حدیث کی مانند جو جناب عائشہ رضی اللہ عنہا نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کی ہے (یعنی اوپر والی حدیث) کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دو رکعتیں پڑھائیں، ہر رکعت میں دو رکوع تھے (یہ حدیث بخاری مسلم اور نسائی نے بھی روایت کی ہے)

۱۱۸۴۔ حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ الْفُرَاتِ بْنِ خَالِدٍ أَبُو مَسْعُودٍ الرَّازِيُّ أَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِ اللهِ بْنِ أَبِي جَعْفَرٍ الرَّازِيِّ عَنْ أَبِيهِ عَنْ أَبِي جَعْفَرٍ الرَّازِيِّ قَالَ أَبُو دَاوُدَ وَحُدِّثْتُ عَنْ عُمَرَ بْنِ شَقِيقٍ نَا أَبُو جَعْفَرٍ الرَّازِيُّ وَهَذَا لَفْظُهُ وَهُوَ أَتَمُّ عَنِ الرَّبِيعِ بْنِ أَنَسٍ عَنْ أَبِي الْعَالِيَةِ عَنْ أُبَيِّ بْنِ كَعْبٍ قَالَ انْكَسَفَتِ الشَّمْسُ عَلَى عَهْدِ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَإِنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَلَّى بِهِمْ فَقَرَأَ سُورَةً مِنَ الطُّوَلِ وَرَكَعَ خَمْسَ رَكَعَاتٍ وَسَجَدَ سَجْدَتَيْنِ ثُمَّ قَامَ الثَّانِيَةَ فَقَرَأَ سُورَةً مِنَ الطُّوَلِ وَرَكَعَ خَمْسَ رَكَعَاتٍ وَسَجَدَ سَجْدَتَيْنِ ثُمَّ جَلَسَ كَمَا هُوَ مُسْتَقْبِلَ الْقِبْلَةِ يَدْعُو حَتَّى انْجَلَى كُسُوفُهَا۔

ابی بن کعبؓ نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں سورج گرہن ہوا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اصحاب کو نماز پڑھائی اور لمبی سورتوں میں سے ایک سورت پڑھی اور پانچ رکوع کئے اور دو سجدے کئے۔ پھر دوسری رکعت میں کھڑے ہوئے تو لمبی سورتوں میں سے ایک پڑھی اور پانچ رکوع کئے اور دو سجدے کئے پھر اسی طرح قبلہ رخ بیٹھ گئے اور دعا کرتے رہے حتیٰ کہ سورج کا گہن جاتا رہا (منذری نے کہا ہے کہ اس حدیث کی سند میں ابو جعفر رازی ہے جس میں کلام ہے۔ اور اس کے متعلق ابن معینؒ اور ابن المدینی کا قول مختلف ہے اور اس کا نام عیسیٰ بن عبداللہ بن ماہان ہے۔ پھر اس حدیث کی ایک سند میں عبداللہ بن ابی جعفر بھی ہے جس پر بعض محدثین نے شدید تنقید کی ہے اسی طرح الربیع بن انس بھی متکلم فیہ ہے۔ اس حدیث میں ہر رکعت کے اندر پانچ رکوع کا ذکر ہے

اور باب سے اس کی کوئی مناسبت نہیں ہے)

۱۱۸۵۔ حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ نَا يَحْيٰى عَنْ سُفْيَانَ نَا حَبِيْبُ بْنُ اَبِيْ ثَابِتٍ عَنْ طَاؤُسٍ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَلّٰى فِيْ كُسُوْفِ الشَّمْسِ فَقَرَأَ ثُمَّ رَكَعَ ثُمَّ قَرَأَ ثُمَّ رَكَعَ ثُمَّ قَرَأَ ثُمَّ رَكَعَ ثُمَّ قَرَأَ ثُمَّ رَكَعَ ثُمَّ سَجَدَ وَالْاُخْرٰى مِثْلَهَا۔

ابن عباس رضی اللہ عنہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سورج گرہن کی نماز پڑھائی، پس قرأت کی پھر رکوع کیا پھر قرأت کی پھر رکوع کیا پھر قرات کی پھر رکوع کیا پھر قرات کی پھر رکوع کیا پھر سجدہ کیا اور دوسری رکعت بھی اسی طرح (یہ حدیث مسلم، ترمذی اور نسائی نے بھی روایت کی۔ اس میں ہر رکعت میں چار رکوع آئے ہیں اور مسلم نے بھی اسے روایت کیا ہے مگر دو رکوع کے قائل اسے بھی ضعیف یا معلل ٹھہراتے ہیں!)

۱۱۸۶۔ حَدَّثَنَا اَحْمَدُ بْنُ يُوْنُسَ نَا زُهَيْرٌ نَا الْاَسْوَدُ بْنُ قَيْسٍ حَدَّثَنِيْ ثَعْلَبَةُ بْنُ عِبَادٍ الْعَبْدِيُّ مِنْ اَهْلِ الْبَصْرَةِ اَنَّهٗ شَهِدَ خُطْبَةً يَوْمًا لِسَمُرَةَ بْنِ جُنْدُبٍ قَالَ قَالَ سَمُرَةُ بَيْنَمَا اَنَا وَغُلَامٌ مِنَ الْاَنْصَارِ نَرْمِيْ غَرَضَيْنِ لَنَا حَتّٰى اِذَا كَانَتِ الشَّمْسُ قِيْدَ رُمْحَيْنِ اَوْ ثَلٰثَةٍ فِيْ عَيْنِ النَّاظِرِ مِنَ الْاُفُقِ اِسْوَدَّتْ حَتّٰى اٰضَتْ كَاَنَّهَا تَنُّوْمَةٌ فَقَالَ اَحَدُنَا لِصَاحِبِهٖ اِنْطَلِقْ بِنَا اِلَى الْمَسْجِدِ فَوَاللّٰهِ لَيُحْدِثَنَّ شَاْنُ هٰذِهِ الشَّمْسِ لِرَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيْ اُمَّتِهٖ حَدَثًا قَالَ فَدَفَعْنَا فَاِذَا هُوَ بَارِزٌ فَاسْتَقْدَمَ فَصَلّٰى فَقَامَ بِنَا كَاَطْوَلِ مَا قَامَ بِنَا فِيْ صَلٰوةٍ قَطُّ لَا نَسْمَعُ لَهٗ صَوْتًا قَالَ ثُمَّ رَكَعَ بِنَا كَاَطْوَلِ مَا رَكَعَ بِنَا فِيْ صَلٰوةٍ قَطُّ لَا نَسْمَعُ لَهٗ صَوْتًا قَالَ ثُمَّ سَجَدَ بِنَا كَاَطْوَلِ مَا سَجَدَ بِنَا فِيْ صَلٰوةٍ قَطُّ لَا نَسْمَعُ لَهٗ صَوْتًا ثُمَّ فَعَلَ فِي الرَّكْعَةِ الْاُخْرٰى مِثْلَ ذٰلِكَ قَالَ فَوَافَقَ تَجَلِّي الشَّمْسِ جُلُوْسَهٗ فِي الرَّكْعَةِ الثَّانِيَةِ قَالَ ثُمَّ سَلَّمَ ثُمَّ قَامَ فَحَمِدَ اللّٰهَ وَاَثْنٰى عَلَيْهِ وَشَهِدَ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَشَهِدَ اَنَّهٗ عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ ثُمَّ سَاقَ اَحْمَدُ بْنُ يُوْنُسَ خُطْبَةَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ۔

سمرہ بن جندبؓ نے خطبے میں فرمایا کہ اس اثنا میں کہ میں اور انصار کا ایک لڑکا اپنے دو نشانوں پر تیر پھینک رہے تھے یہاں تک کہ جب دیکھنے والے کے لیے سورج اُفق سے دو یا تین نیزے پر بلند ہوا تو وہ سیاہ ہو گیا یہاں تک کہ گویا وہ تنوّمہ کی بوٹی بن گیا، ہم میں سے ایک نے دوسرے کو کہا کہ چلو مسجد میں چلیں کیونکہ واللہ اس سورج کا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی امت کے لیے کوئی نیا معاملہ ہو گا۔ سمرہؓ نے کہا کہ ہم بھاگے تو دیکھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم گھر سے باہر تھے۔ پس آپ آگے بڑھے اور نماز پڑھائی اور اتنا لمبا قیام فرمایا کہ اس کے علاوہ کسی اور نماز کے لیے بمشکل ہی ایسا قیام فرمایا ہوگا ہم آپ کی آواز نہ سنتے تھے۔ پھر رکوع فرمایا تو اتنا لمبا کہ کسی نماز میں بمشکل ہی اتنا طویل رکوع کیا ہوگا، ہم آپ کی آواز نہ سنتے تھے۔ سمرہؓ نے کہا کہ پھر آپ نے بہت لمبا سجدہ کیا جو کسی نماز کے طویل ترین سجدہ میں ہی کیا ہو گا۔ ہم آپ کی آواز نہ سنتے تھے۔ پھر دوسری رکعت میں بھی ایسا ہی کیا۔ سمرہؓ نے کہا کہ جب آپ دوسری رکعت کے جلسے میں تھے تو اُدھر سورج بھی سفید ہو گیا۔ سمرہؓ نے کہا کہ پھر آپ نے سلام کہا پھر کھڑے ہوئے تو اللہ کی حمد و ثنا بیان کی اور اللہ تعالیٰ کی وحدانیت اور اپنی بندگی و رسالت کی شہادت دی۔ پھر احمد بن یونس راوی نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا خطبہ بیان کیا (نسائی نے بھی اسے طویل روایت کیا اور ابن ماجہ اور ترمذی نے مختصراً۔ ترمذی نے اسے صحیح کہا ہے)

شرح: حدیث صحیح ہے اور اس میں ایک ہی رکوع کا ذکر واضح طور پر آیا ہے۔ خطابی نے کہا ہے کہ بارز کا لفظ راوی کی غلطی سے آیا ہے اصل میں ہے وَاِذَا هُوَ بَازِرٌ۔ یعنی مسجد پُر تھی۔ مولانا نے فرمایا کہ مسند میں بھی ابوداؤد کی مانند بارز آیا ہے۔ معلوم نہیں کس بنا پر لوگوں نے اسے بازر کہا ہے۔ (الازہری فی التہذیب) سمرہؓ نے حضورؐ کے قیام اور رکوع وسجود تینوں حالتوں کے متعلق کہا ہے کہ: ہم آپ کی آواز نہ سنتے تھے، اگر کہا جائے کہ یہ حضورؐ سے دُوری کے باعث تھا تو رکوع وسجود میں آواز نہ سُن سکنے کا کیا مطلب ہے؛ ظاہر مراد اس کی یہی ہے کہ حضورؐ قرأت بالجہر نہیں کر رہے تھے جیسا کہ بقول خطابی عائشہ رضی اللہ عنہا کی صحیح حدیث میں بھی قراۃ مخفی ہونے کی صراحت ہے۔ سیدھا سا مطلب یہی ہے کہ جس طرح وہ رکوع وسجود کی تسبیحات کی آواز نہ سنتے تھے اسی طرح قرأت کی بھی آواز نہ آتی تھی کیونکہ حضورؐ مخفی قرأت فرما رہے تھے۔

یہ حدیث امام احمدؒ نے مسند میں روایت کی ہے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا خطبہ اس طرح بیان کیا ہے: پھر فرمایا اے لوگو! میں تمہیں اللہ کا واسطہ دے کر کہتا ہوں کہ اگر تم جانتے ہو کہ میں نے اللہ تعالیٰ کے احکام و نواہی کی تبلیغ میں کوئی کوتاہی کی ہے تو مجھے ضرور بتا دو۔ میں نے اپنے رب کے پیغامات کو کما حقہٗ پہنچا دیا ہے۔ اور اگر تم جانتے ہو کہ میں نے اپنے رب کے پیغامات کو پہنچا دیا ہے تو مجھے بتا دو۔ سمرہؓ نے کہا کہ کچھ مرد اُٹھے اور انہوں نے کہا کہ ہم گواہی دیتے ہیں کہ آپ نے اپنے رب کے احکام پہنچا دیئے ہیں اور اپنی امت کا بھلا چاہا ہے اور اپنے فرض کو ادا کر دیا ہے۔ پھر آپ نے فرمایا کہ حمد و ثنا اور شہادت کے بعد واضح ہو کہ کچھ لوگ کہتے ہیں کہ سورج اور چاند کا گرہن اور ستاروں کو اپنے طلوع کی جگہوں سے ہٹنا زمین والوں میں سے کچھ بڑے لوگوں کی موت کے باعث ہوتا ہے، وہ جھوٹ کہتے ہیں۔ بلکہ یہ سب اللہ تعالیٰ کے مظاہر قدرت میں سے ہیں ان کے ساتھ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو جانچتا ہے، پھر دیکھتا ہے کہ ان میں سے کون کون توبہ کرتے ہیں۔ اور اللہ کی قسم میں جب سے یہاں پر نماز پڑھنے کھڑا ہوا تھا وہ سب کچھ دیکھا ہے جو تمہیں دنیا و آخرت کے معاملات میں پیش آنے والا ہے۔ اور واللہ قیامت نہ آئے گی جب تک تیس فریبی نہ آ جائیں۔ جن میں سے آخری

کانا دجال ہوگا جس کی بائیں آنکھ کانی ہوگی جیسی کہ ابو یحییٰ کی آنکھ ہے، یہ آپؐ نے ایک انصاری بوڑھے کے متعلق فرمایا جو آپؐ کے اور عائشہ صدیقہؓ کے حجرے کے درمیان تھا۔ اور یاد رکھو کہ وہ جب نکلے گا، یا یہ فرمایا کہ جب کبھی نکلے گا تو یہ دعویٰ کرے گا کہ وہ اللہ ہے، سو جو اس پر ایمان لایا اور اس کی تصدیق کی اور اس کی پیروی کی اس کے گزشتہ اعمال میں سے کوئی نیک عمل اس کے کام نہ آئے گا۔ اور جس نے اس کا انکار کیا اور اس کی تکذیب کی وہ اپنے کسی عمل کی سزا نہ پائے گا۔ اور حسن الاشیب راوی نے کہا کہ وہ اپنے کسی گزشتہ بُرے عمل کی سزا نہ پائے گا۔ اور وہ عنقریب غالب آئے گا یا فرمایا کہ دیر بعد غالب آئے گا حرم اور بیت المقدس کے سوا ساری دنیا پر۔ اور وہ ایمانداروں کو بیت المقدس میں گھیرے گا اور ایمانداروں کو خوب ہی ہلا یا جائے گا، پھر اللہ تبارک و تعالیٰ اس کو اور اس کے لشکروں کو ہلاک کر دے گا، یہاں تک کہ دیوار کی جڑ یا فرمایا کہ اس کا نچلا حصہ، اور حسن الاشیب راوی نے کہا کہ درخت کا نچلا حصہ پکارے گا، یا آپ نے فرمایا کہ کہے گا: اے مومن! یا فرمایا کہ اے مسلم! یہ ایک یہودی ہے، یا فرمایا کہ یہ ایک کافر ہے اور اسے قتل کر دے۔ فرمایا اور یہ ہرگز نہ ہوگا جب تک کہ تم ایسے امور نہ دیکھو جن کی شان تمہارے دلوں میں بہت بڑی ہوگی، اور تم آپس میں سوال کروگے کہ کیا تمہارے نبی نے اس بارے میں کچھ ذکر کیا تھا؟ اور حتیٰ کہ پہاڑ اپنی جگہوں سے ٹل جائیں، پھر اس کے بعد موت ہوگی۔ راوی نے کہا کہ پھر میں ایک دفعہ سمرہؓ کے خطبے میں حاضر ہوا جس میں اس نے اس حدیث کا ذکر کیا تو ایک لفظ بھی آگے پیچھے نہ کیا۔

اس حدیث میں عام نمازوں کی طرح ایک رکوع کا اور پوشیدہ قرأت کا ثبوت ہے۔ اور ابن عباسؓ کی حدیث کے یہ الفاظ کہ: حضورؐ نے طویل قیام فرمایا جس میں تقریباً سورہ بقرہ پڑھی۔ پس اگر حضورؐ بالجہر پڑھتے تو یہ اندازہ بیان نہ ہوتا بلکہ صراحتہً بتاتے کہ کتنا پڑھا۔ مگر صحاح خمسہ کی حدیث عائشہ رضی اللہ عنہا اس کے خلاف ہے اور اس میں قرأت بالجہر کا صراحتہً ذکر ہے۔ اس کے متعلق یہ کہا جا سکتا ہے کہ ام المؤمنین تو پچھلی صفوں میں تھیں، ممکن ہے حضورؐ احیاناً کوئی آیت جہراً پڑھتے ہوں جس سے انہوں نے قرأت بالجہر سمجھا ہو۔ جہر کا قول احمد، اسحاق، ابن خزیمہ اور ابن المنذر وغیرہما شافعی محدثین کا ہے۔ ابوحنیفہ کے دونوں ساتھی ابو یوسف اور محمد بن الحسن بھی اسی کے قائل ہیں اور یہی قول مالکیہ میں سے ابن العربی کا ہے۔ نوویؒ نے پوشیدہ قرأت کا قول شافعیؒ، مالک، ابوحنیفہؒ، لیث بن سعدؒ اور جمہور فقہا سے نقل کیا ہے۔ طبریؒ نے جہر و خفا میں اختیار دیا ہے اور بخاریؒ نے کہا ہے کہ جہر میں عائشہؓ کی حدیث سمرہؓ کی حدیث سے صحیح تر ہے، اور شافعیؒ نے سمرہؓ کی حدیث کو اس بنا پر ترجیح دی ہے کہ وہ ابن عباسؓ کی گزشتہ حدیث کے موافق ہے اور ابن عباسؓ سے ایک اور روایت بھی اسی مضمون کی ہے جس میں زہری کا بیان جہر کے متعلق منفرد ہے۔ شوکانی نے کہا کہ عدد ایک حافظ کے حفظ سے مقدم ہے۔

۱۱۸۷۔ حَدَّثَنَا مُوسَى بْنُ إِسْمٰعِيلَ نَا وُهَيْبٌ نَا أَيُّوبُ عَنْ أَبِي قِلَابَةَ عَنْ قَبِيصَةَ الْهِلَالِيِّ قَالَ كُسِفَتِ الشَّمْسُ عَلٰى عَهْدِ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَخَرَجَ فَزِعًا يَجُرُّ ثَوْبَهُ وَأَنَا مَعَهُ يَوْمَئِذٍ بِالْمَدِينَةِ فَصَلّٰى رَكْعَتَيْنِ فَأَطَالَ فِيهِمَا الْقِيَامَ ثُمَّ انْصَرَفَ وَانْجَلَتْ فَقَالَ إِنَّمَا هٰذِهِ الْآيَاتُ يُخَوِّفُ اللّٰهُ عَزَّ وَجَلَّ

بِهَا فَإِذَا رَأَيْتُمُوهَا فَصَلُّوا كَأَحْدَثِ صَلٰوةٍ صَلَّيْتُمُوهَا مِنَ الْمَكْتُوبَةِ ـ

قبیصہ ہلالی رضی اللہ عنہ نے کہا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے وقت میں سورج گرہن ہوا تو حضور گھبرا کر تیزی سے اپنا کپڑا گھسیٹتے ہوئے نکلے اور میں اس دن مدینہ میں حضور کے ساتھ تھا۔ پس آپ نے دو رکعت نماز پڑھائی جن میں طویل قیام فرمایا پھر نماز ختم کی تو سورج صاف ہو چکا تھا۔ پس آپ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ ان آیات قدرت سے اپنے بندوں کے دلوں میں خوف پیدا کرتا ہے، پس جب تم انہیں دیکھو تو اسی قسم کی نماز پڑھو جو بالکل تم نے اس سے قبل پڑھی تھی یعنی فرض نماز۔ (اور حضور کے وقت میں یہ نماز فجر تھی کیونکہ صلاۃ کسوف بوقتِ چاشت پڑھی گئی تھی۔ یہ حدیث نسائی نے بھی روایت کی ہے)

۱۱۸۸۔ حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ نَا رَيْحَانُ بْنُ سَعِيدٍ نَا عَبَّادُ بْنُ مَنْصُورٍ عَنْ أَيُّوبَ عَنْ أَبِي قِلَابَةَ عَنْ هِلَالِ بْنِ عَامِرٍ أَنَّ قَبِيصَةَ الْهِلَالِيَّ حَدَّثَهُ أَنَّ الشَّمْسَ كُسِفَتْ بِمَعْنَى حَدِيثِ مُوسَىٰ قَالَ حَتَّىٰ بَدَتِ النُّجُومُ ـ

ہلال بن عامر کا بیان ہے کہ قبیصہ ہلالی رضی اللہ عنہ نے اسے حدیث سنائی کہ سورج کو گہن لگ گیا الخ موسیٰ کی حدیث کی مانند حتیٰ کہ ستارے ظاہر ہو گئے (اس حدیث میں بھی حنفی مسلک کی دلیل ہے کہ صلاۃ کسوف نماز فجر کی طرح تھی)

بَابُ الْقِرَاءَةِ فِي صَلٰوةِ الْكُسُوفِ

نمازِ کسوف میں قرأت کا باب

۱۱۸۹۔ حَدَّثَنَا عُبَيْدُ اللهِ بْنُ سَعْدٍ نَا عَمِّي نَا أَبِي عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ إِسْحٰقَ حَدَّثَنِي هِشَامُ بْنُ عُرْوَةَ وَعَبْدُ اللهِ بْنُ أَبِي سَلَمَةَ عَنْ سُلَيْمَانَ بْنِ يَسَارٍ كُلُّهُمْ قَدْ حَدَّثَنِي عَنْ عُرْوَةَ عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ كُسِفَتِ الشَّمْسُ عَلَىٰ عَهْدِ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَخَرَجَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَصَلَّىٰ بِالنَّاسِ فَقَامَ فَحَزَرْتُ قِرَاءَتَهُ فَرَأَيْتُ أَنَّهُ قَرَأَ سُورَةَ الْبَقَرَةِ وَسَاقَ الْحَدِيثَ ثُمَّ سَجَدَ سَجْدَتَيْنِ ثُمَّ قَامَ فَأَطَالَ الْقِرَاءَةَ فَحَزَرْتُ قِرَاءَتَهُ فَرَأَيْتُ أَنَّهُ قَرَأَ بِسُورَةِ آلِ عِمْرَانَ ـ

عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں سورج گرہن ہوا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ

وسلم گھر سے باہر نکلے اور لوگوں کو نماز پڑھائی سو آپ نے اس قدر قیام فرمایا کہ میں نے آپ کی قرأت کا اندازہ کیا تو دیکھا کہ آپ نے سورۃ البقرہ پڑھی ہے۔ اور راوی نے پوری حدیث بیان کی، پھر آپ نے دو سجدے کئے پھر اٹھے تو لمبی قرأت کی تو میں نے آپ کی قرأت کا اندازہ کیا تو میرا گمان تھا کہ آپ نے سورۃ آل عمران پڑھی ہے (اس حدیث میں رکوع کا سرے سے ذکر نہیں ہے اور یہ مخفی قرأت پر دلالت کرتی ہے کیونکہ اگر بالجہر ہوتی تو اندازے کی ضرورت نہ تھی، مگر عائشہ صدیقہ سے مشہور روایت بالجہر کی ہے۔ اس حدیث کی سند میں محمد بن اسحاق صاحب مغازی محدثین کے نزدیک متکلم فیہ ہے)

۱۱۹۰۔ حَدَّثَنَا الْعَبَّاسُ بْنُ الْوَلِيدِ بْنِ مَزْيَدٍ أَخْبَرَنِي أَبِي نَا الْأَوْزَاعِيُّ أَخْبَرَنِي الزُّهْرِيُّ أَخْبَرَنِي عُرْوَةُ بْنُ الزُّبَيْرِ عَنْ عَائِشَةَ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَرَأَ قِرَاءَةً طَوِيلَةً فَجَهَرَ بِهَا يَعْنِي فِي صَلَاةِ الْكُسُوفِ۔

حضرت عائشہ صدیقہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے لمبی قرأت فرمائی اور اس میں جہر کیا۔ یعنی نماز کسوف میں۔

۱۱۹۱۔ حَدَّثَنَا الْقَعْنَبِيُّ عَنْ مَالِكٍ عَنْ زَيْدِ بْنِ أَسْلَمَ عَنْ عَطَاءِ بْنِ يَسَارٍ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ خَسَفَتِ الشَّمْسُ فَصَلَّى رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَالنَّاسُ مَعَهُ فَقَامَ قِيَامًا طَوِيلًا بِنَحْوٍ مِنْ سُورَةِ الْبَقَرَةِ ثُمَّ رَكَعَ وَسَاقَ الْحَدِيثَ

ابوہریرہؓ نے کہا کہ سورج کو گرہن لگا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز پڑھی اور لوگ آپ کے ساتھ تھے، پھر آپ نے سورۃ البقرہ کی قراۃ کی جیسا لمبا قیام فرمایا پھر رکوع کیا، اور پھر راوی نے ساری حدیث بیان کی (یہ حدیث بخاری، مسلم اور نسائی نے بھی روایت کی ہے، بخاری نے اور امام مالک نے موطا، میں ابوہریرہؓ کے بجائے ابن عباسؓ سے روایت کی ہے۔ حافظ ابن حجر نے فتح الباری میں کہا ہے کہ ابوداؤد کی روایت میں ابوہریرہؓ کا ذکر غلط ہے۔ یہاں یہ حدیث مختصر ہے مگر بخاری اور موطا میں طویل ہے)

بَابُ يُنَادَى فِيهَا بِالصَّلَاةِ

باب۔ کیا کسوف میں نماز کی منادی کی جائے؟

۱۱۹۲۔ حَدَّثَنَا عَمْرُو بْنُ عُثْمَانَ نَا الْوَلِيدُ نَا عَبْدُ الرَّحْمَنِ بْنُ نَمِرٍ أَنَّهُ سَأَلَ الزُّهْرِيَّ فَقَالَ الزُّهْرِيُّ أَخْبَرَنِي عُرْوَةُ عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ كُسِفَتِ الشَّمْسُ فَأَمَرَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَجُلًا فَنَادَى أَنَّ الصَّلَاةَ جَامِعَةً۔

حضرت عائشہؓ نے فرمایا کہ سورج گرہن ہوا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص کو حکم دیا پس اس نے منادی کی کہ نماز کی جماعت ہونے والی ہے (مسلم میں حدیث طویل آئی ہے۔ بخاری اور مسلم دونوں نے یہ حدیث عبداللہ بن عمرو ابن العاص سے روایت کی ہے۔ صلاۃ الکسوف میں اذان و اقامت بالاتفاق نہیں ہے مگر اس حدیث سے منادی کا جواز نکلتا ہے)

بَابُ الصَّدَقَةِ فِيهِمَا

کسوف میں صدقے کا باب

۱۱۹۳۔ حَدَّثَنَا الْقَعْنَبِيُّ عَنْ مَالِكٍ عَنْ هِشَامِ بْنِ عُرْوَةَ عَنْ عُرْوَةَ عَنْ عَائِشَةَ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ الشَّمْسُ وَالْقَمَرُ لَا يَخْسِفَانِ لِمَوْتِ أَحَدٍ وَلَا لِحَيَاتِهِ فَإِذَا رَأَيْتُمْ ذٰلِكَ فَادْعُوا اللهَ عَزَّ وَجَلَّ وَكَبِّرُوا وَتَصَدَّقُوا۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: سورج اور چاند کو کسی کی موت یا حیات کے باعث گہن نہیں ہوتا۔ پس جب تم اسے دیکھو تو اللہ عزوجل سے دعا کرو، اس کی تکبیر کرو اور صدقہ دو۔ (بخاری، مسلم اور نسائی نے یہ حدیث طویل بیان کی ہے)

بَابُ الْعِتْقِ فِيهِمَا

کسوف میں غلام آزاد کرنے کا باب

۱۱۹۴۔ حَدَّثَنَا زُهَيْرُ بْنُ حَرْبٍ نَا مُعَاوِيَةُ بْنُ عَمْرٍو نَا زَائِدَةُ عَنْ هِشَامٍ عَنْ فَاطِمَةَ عَنْ أَسْمَاءَ قَالَتْ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَأْمُرُ بِالْعَتَاقَةِ فِي صَلٰوةِ الْكُسُوفِ۔

اسماءؓ نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نمازِ کسوف میں غلام آزاد کرنے کا حکم دیتے تھے (یہ حدیث امام بخاری نے بھی روایت کی ہے اس میں یہ الفاظ ہیں کہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا تھا۔ حاکم نے مستدرک میں اس حدیث کے یہ لفظ روایت کئے ہیں کہ: سورج گرہن میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے غلام آزاد کرنے کا حکم دیا تھا اور یہ امر بالاجماع استحباب کے لیے ہے نہ کہ وجوب کے لیے۔)

بَابُ مَنْ قَالَ يَرْكَعُ رَكْعَتَيْنِ

دو رکعات کہنے والوں کا باب

۱۱۹۵۔ حَدَّثَنَا اَحْمَدُ بْنُ اَبِي شُعَيْبٍ الْحَرَّانِيُّ حَدَّثَنِي الْحَارِثُ بْنُ عُمَيْرٍ الْبَصْرِيُّ عَنْ اَيُّوبَ السَّخْتِيَانِيِّ عَنْ اَبِي قِلَابَةَ عَنِ النُّعْمَانِ بْنِ بَشِيرٍ قَالَ كَسَفَتِ الشَّمْسُ عَلَى عَهْدِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَجَعَلَ يُصَلِّي رَكْعَتَيْنِ رَكْعَتَيْنِ وَيَسْأَلُ عَنْهَا حَتّٰى انْجَلَتْ۔

النعمان بن بشیرؓ نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں سورج گرہن ہوا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نماز میں دو دو رکعات پڑھنے لگے اور اس کے متعلق پوچھتے تھے حتیٰ کہ سورج صاف ہو گیا (اس حدیث کو نسائیؒ اور ابن ماجہ نے بھی روایت کیا ہے)

شرح: یعنی دو رکعت پڑھتے اور دریافت فرماتے اور جب پتہ چلتا کہ ابھی کسوف باقی ہے تو پھر دو رکعتیں پڑھتے وعلی ہذا القیاس۔ یہ تفصیل اسی طرح سے مسند احمد کی روایت میں موجود ہے۔ اس روایت کو امام احمد نے کئی طرق سے بیان کیا ہے، ایک میں یہ لفظ ہیں کہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سورج گرہن کی نماز تمہاری نماز کی مانند پڑھی، رکوع اور سجدہ کرتے تھے۔ شوکانی نے کہا ہے کہ نعمان بن بشیرؓ کی حدیث کو احمد، ابو داؤد، نسائی اور حاکم نے بیان کیا ہے اور اسے حافظ ابن عبد البر نے صحیح کہا ہے، اور یہ حدیث ان بعض محدثین کے ہاں اس لفظ کے ساتھ ہے جو مصنف نے قبیصہؓ سے روایت کئے ہیں، اور ابن ابی حاتم نے اسے منقطع قرار دے کر معلول ٹھہرایا ہے (مولانا نے فرمایا کہ طحاویؒ نے اس حدیث کو عن النعمان بن بشیر وغیرہ سے روایت کیا ہے اور اس کے الفاظ بھی احمد کی روایت جیسے ہیں۔ مولانا محمد یحییٰ مرحوم نے حضرت مولانا گنگوہی رحمہ اللہ کی تقریر ترمذی میں اس حدیث کا یہ معنیٰ بیان کیا ہے کہ اس کے الفاظ سے پتہ چلتا ہے کہ کسوف شمس کی نماز کئی بار دو دو رکعت ہوئی تھی مگر یہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز کسوف کے متعلق تمام منقولہ روایات کے خلاف ہے کیونکہ کسی نے بھی دو رکعت پر زائد کو بیان نہیں کیا پس صحیح یہ ہے کہ رکعتین کا لفظ رکوعین کے معنی میں ہے اور اس لحاظ سے حدیث کا معنیٰ واضح ہے اور یسأل عنہا کا مطلب یہ ہے کہ الکسوف کے بارے میں اللہ تعالیٰ سے دعا کرتے تھے۔ یہی باعث ہے کہ مصنف نے اس روایت کو اس باب میں درج کیا ہے۔ مولاناؒ نے فرمایا کہ حضرت گنگوہیؒ کے بیان کردہ معنیٰ کی تائید طحاویؒ کی روایت سے بھی ہوتی ہے جس میں صرف: ویسأل کا لفظ ہے، اسی طرح مسند احمد کی روایت میں بھی عنہا کا لفظ نہیں ہے۔ حاکم کی روایت میں صرف دو رکعات کا ذکر ہے اور سوال کا ذکر تک نہیں۔ لیکن مسند احمد کی وہ روایت جس میں واضح طور پر دو دو رکعت پڑھتے رہے۔ پھر میں نے نسائی میں اس حدیث کو دیکھا تو اس کے الفاظ حضورؐ کا فعل نہیں بلکہ امر بتاتے

ہیں کہ: جب شمس و قمر کا خسوف ہو تو تم اُس طرح کی نماز پڑھو جو اس سے قبل ادا کر چکے ہو۔ پھر نسائی نے ایک اور روایت اسی حدیث کی درج کی ہے جس میں یہ لفظ ہیں: حضورؐ نے اسی ہماری نماز کی مانند رکوع و سجود کے ساتھ سورج گرہن کی نماز پڑھی۔ پس ثابت ہوا کہ اکثر روایات میں دو رکعات کا تکرار نہیں آیا۔ حافظ زیلعی نے نصب الرایہ میں نووی کے حوالے سے (خلاصہ میں) کہا ہے کہ ابوداؤد کی اس روایت میں۔ گو اس کی سند صحیح ہے۔ ابو قلابہ اور نعمانؓ کے درمیان ایک آدمی کا اضافہ ہے جس میں اختلاف ہے۔ میں یہ گزارش کرتا ہوں کہ بذل المجھود کے نسخۂ ابی داؤد میں تو یہ روایت عن ابی قلابہ عن نعمان بن بشیر ہے اور ان دونوں کے درمیان کسی اور کا اضافہ اس کی سند میں نظر نہیں آتا۔

۱۱۹۶۔ حَدَّثَنَا مُوسَى بْنُ إِسْمٰعِيلَ نَا حَمَّادٌ عَنْ عَطَاءِ بْنِ السَّائِبِ عَنْ أَبِيهِ عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ عَمْرٍو قَالَ انْكَسَفَتِ الشَّمْسُ عَلٰى عَهْدِ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَامَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَمْ يَكَدْ يَرْكَعُ ثُمَّ رَكَعَ فَلَمْ يَكَدْ يَرْفَعُ ثُمَّ رَفَعَ فَلَمْ يَكَدْ يَسْجُدُ ثُمَّ سَجَدَ فَلَمْ يَكَدْ يَرْفَعُ ثُمَّ رَفَعَ فَلَمْ يَكَدْ يَسْجُدُ ثُمَّ سَجَدَ فَلَمْ يَكَدْ يَرْفَعُ ثُمَّ رَفَعَ وَفَعَلَ فِي الرَّكْعَةِ الْأُخْرٰى مِثْلَ ذٰلِكَ ثُمَّ نَفَخَ فِي اٰخِرِ سُجُودِهِ فَقَالَ أُفْ أُفْ ثُمَّ قَالَ رَبِّ أَلَمْ تَعِدْنِي أَنْ لَا تُعَذِّبَهُمْ وَأَنَا فِيهِمْ أَلَمْ تَعِدْنِي أَنْ لَا تُعَذِّبَهُمْ وَهُمْ يَسْتَغْفِرُونَ فَفَرَغَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْ صَلَاتِهِ وَقَدْ أَمْحَصَتِ الشَّمْسُ وَسَاقَ الْحَدِيثَ۔

عبداللہ بن عمروؓ نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں سورج گرہن ہوا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اتنا قیام فرمایا کہ رکوع کرنے ہی میں نہ آتے، پھر رکوع کیا تو اتنا طویل کہ سر اٹھانے ہی میں نہ آتے پھر سر اٹھایا تو اتنا طویل قومہ تھا کہ سجدہ کرنے ہی میں نہ آتے تھے پھر سجدہ کیا تو سر اٹھانے ہی میں نہ آتے تھے، پھر سر اٹھایا تو اتنا طویل جلسہ تھا کہ سجدہ کرنے ہی میں نہ آتے تھے۔ پھر سجدہ کیا تو سر اٹھانے ہی میں نہ آتے تھے پھر آپ نے سر اٹھایا تو دوسری رکعت میں بھی ایسا ہی کیا، آخری سجدے میں آپ کی آہ نکلی اور اُف اُف کیا پھر کہا اے میرے رب کیا تو نے مجھ سے وعدہ نہ کیا تھا کہ تو انہیں میری ان میں موجودگی کی حالت میں عذاب نہ دے گا؟ کیا تو نے یہ وعدہ نہ کیا تھا کہ جب تک یہ استغفار کرتے رہیں گے تو انہیں عذاب نہ دے گا؟ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی نماز سے اس وقت فارغ ہوئے جبکہ سورج صاف ہو چکا تھا۔ اور پھر راوی نے پوری حدیث بیان کی (اس حدیث کو ترمذی اور نسائی نے بھی روایت کیا ہے اور حاکم نے اس کی روایت اور تصحیح بھی کی ہے)

شرح: خطابی نے معالم السنن میں کہا ہے کہ جو شخص نماز میں اُف کہے تو اس کی نماز فاسد ہے، ابو یوسف کا اس میں اختلاف ہے، انہوں نے کہا کہ اس کی نماز جائز ہے۔ اور اس حدیث میں یہ دلیل موجود ہے کہ نماز میں پھونک مارنے

سے نماز نہیں ٹوٹتی بشرطیکہ لفظ نہ بن جائے کیونکہ وہ پورا کلمہ ہونے کی صورت میں نماز کو فاسد کر دیتا ہے، اور اُف کا لفظ کلمہ نہیں بنتا جب تک فاء کا شدّ دے کہ سہ حرفی لفظ نہ بنایا جائے اور اُف نہ کہا جائے۔ جب فا پر شدّ نہ ہو تو وہ کلام نہیں ہوتا۔ اور پھونک جب کوئی مارے گا تو فا کا حرف اس کے مخرج سے مشدّد نہیں نکلتا لہٰذا کلمۂ تامہ نہیں ہوتا۔ حضرت گنگوہیؒ نے تقریر ترمذی میں فرمایا ہے کہ یہ لفظ اُف یہاں پر حضورؐ کی آواز کی حکایت ہے جو نقل وکتابت کی ضرورت سے اس طرح لکھی گئی ہے۔ جیسے کہ کوّے کی آواز کی حکایت میں غاق غاق کہا جاتا ہے، حالانکہ کوّا یہ لفظ تو نہیں بولتا یہ محض اس کی آواز کی حکایت ہوتی ہے۔ پس اس سے فسادِ صلاۃ لازم نہیں آتا۔ یہ توجیہ خطابی کی توجیہ سے دقیق تر ہے۔

۱۱۹۷۔ حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ نَا بِشْرُ بْنُ الْمُفَضَّلِ نَا الْجُرَيْرِيُّ عَنْ حَيَّانَ بْنِ عُمَيْرٍ عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ سَمُرَةَ قَالَ بَيْنَمَا أَنَا أَتَرَمَّى بِأَسْهُمٍ فِي حَيَاةِ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذْ كُسِفَتِ الشَّمْسُ فَنَبَذْتُهُنَّ وَقُلْتُ لَأَنْظُرَنَّ مَا أَحْدَثَ لِرَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كُسُوفُ الشَّمْسِ الْيَوْمَ فَانْتَهَيْتُ إِلَيْهِ وَهُوَ رَافِعٌ يَدَيْهِ يُسَبِّحُ وَيُحَمِّدُ وَيُهَلِّلُ وَيَدْعُوا حَتّٰى حُسِرَ عَنِ الشَّمْسِ فَقَرَأَ بِسُورَتَيْنِ وَرَكَعَ رَكْعَتَيْنِ۔

عبدالرحمٰن بن سمرةؓ نے کہا کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ کی زندگی میں تیر اندازی کر رہا تھا کہ سورج گرہن ہو گیا میں نے تیروں کو پھینک دیا اور کہا (یعنی اپنے جی میں کہا) کہ آج میں دیکھوں گا کہ کسوف شمس میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کیا کرتے ہیں، پس میں جب آپ کے پاس پہنچا تو آپ ہاتھ اٹھا کر تسبیح اور حمد اور لا الٰہ الا اللہ اور دعا کرتے رہے حتی کہ گرہن سورج سے ہٹ گیا۔ پس آپ نے دو سورتیں پڑھیں اور دو رکعتیں ادا فرمائیں (یہ حدیث مسلم اور نسائی نے بھی روایت کی ہے۔ آخری فقرے کا مطلب یہ نہیں کہ حضورؐ کی نماز سورج صاف ہونے کے بعد ہوئی تھی ورنہ یہ تو تمام احادیث کے خلاف ہوگا، فا یہاں محض ترتیب ذکری کے لیے ہے ترتیب زمانی کے لیے نہیں)

بَابُ الصَّلٰوةِ عِنْدَ الظُّلْمَةِ وَنَحْوِهَا

تاریکی وغیرہ کے وقت نماز کا باب

۱۱۹۸۔ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عَمْرِو بْنِ جَبَلَةَ بْنِ أَبِي رَوَّادٍ نَا حَرَمِيُّ ابْنُ عُمَارَةَ عَنْ عُبَيْدِ اللّٰهِ بْنِ النَّضْرِ حَدَّثَنِي أَبِي قَالَ كَانَتْ ظُلْمَةٌ عَلٰى عَهْدِ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ فَأَتَيْتُ أَنَسًا فَقُلْتُ يَا أَبَا حَمْزَةَ هَلْ كَانَ يُصِيبُكُمْ مِثْلُ هٰذَا عَلٰى عَهْدِ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَعَاذَ اللّٰهِ إِنْ كَانَتِ الرِّيحُ لَتَشْتَدُّ فَنُبَادِرُ الْمَسْجِدَ مَخَافَةَ الْقِيَامَةِ۔

نضر بن عبداللہ نے کہا کہ انس بن مالکؓ کی زندگی میں ایک دفعہ تاریکی چھا گئی تو میں انس بن مالکؓ کے پاس گیا اور کہا اے ابو حمزہ کیا اس قسم کی ظلمت آپ لوگوں پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں بھی آتی تھی؟ انسؓ نے کہا: اللہ کی پناہ! وہاں تو تیز آندھی چلتی تو ہم فوراً مسجد میں چلے جاتے تھے اس خوف سے کہ مبادا قیامت آ جائے (منذری نے کہا ہے کہ امام بخاریؒ نے تاریخ میں اس حدیث میں اضطراب بیان کیا ہے۔ حنفی فقہاء نے اس قسم کے مواقع پر انفرادی نماز پڑھنے کی ترغیب دی ہے۔

بَابُ السُّجُودِ عِنْدَ الْآيَاتِ

آیاتِ قدرت کے وقت نماز کا باب

۱۱۹۹۔ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عُثْمَانَ بْنِ أَبِي صَفْوَانَ الثَّقَفِيُّ نَا يَحْيَى بْنُ كَثِيرٍ نَا سَلْمُ بْنُ جَعْفَرٍ عَنِ الْحَكَمِ ابْنِ أَبَانٍ عَنْ عِكْرِمَةَ قَالَ قِيلَ لِابْنِ عَبَّاسٍ مَاتَتْ فُلَانَةُ بَعْضُ أَزْوَاجِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَخَرَّ سَاجِدًا فَقِيلَ لَهُ تَسْجُدُ هٰذِهِ السَّاعَةَ فَقَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا رَأَيْتُمْ آيَةً فَاسْجُدُوا وَأَيُّ آيَةٍ أَعْظَمُ مِنْ ذَهَابِ أَزْوَاجِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ۔

عکرمہ نے کہا کہ ابن عباسؓ سے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی فلاں زوجۂ مطہرہ کا انتقال ہو گیا ہے، تو ابن عباسؓ سجدے میں گر گئے۔ ان سے کہا گیا کہ آپ اس گھڑی میں (جبکہ خبرِ وفات ملی ہے) سجدہ کرتے ہیں! تو ابن عباسؓ نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب تم کوئی (خوفناک) نشانی دیکھو تو سجدہ کرو۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج کے رخصت ہو جانے سے بڑھ کر اور کون سی خوفناک نشانی (قدرتِ الٰہی کی) ہو سکتی ہے (یہ حدیث ترمذی نے روایت کی اور کہا کہ یہ حدیث حسن غریب ہے۔)

شرح: حدیث کے لفظ فَاسْجُدُوا کی شرح دراصل "نماز پڑھو" ہے چنانچہ بخاری کی روایت سے اس کی تائید ہوتی ہے جس میں یہ لفظ ہیں: سورج اور چاند اللہ کی آیات میں سے دو آیتیں (نشانیاں) ہیں، جب تم قدرتِ الٰہی کی نشانیاں دیکھو تو اٹھو اور نماز پڑھو۔ اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ فَاسْجُدُوا سے مراد مطلق سجدہ ہے، جیسا کہ ابن عباسؓ نے کیا تھا۔ طیبی کا قول ہے کہ سورج یا چاند کا گرہن ہو تو نماز پڑھنا اور دوسری خوفناک چیزوں کے وقت سجدہ ہی متعارف ہے لیکن خود ابن عباسؓ سے ہی زلزلہ کے موقع پر بصرہ میں نماز پڑھنا ثابت ہے۔ ازواجِ مطہراتؓ کا انتقال ان کی برکت سے محرومی کا سبب تھا کیونکہ ان کی زندگی میں لوگوں سے عذاب دور رکھا جاتا تھا۔ کہا گیا ہے کہ یہ زوجہؓ مکرمہ جن کا ذکر اس روایت میں ہے حضرت صفیہؓ یا حضرت حفصہؓ تھیں۔

تفریع ابواب صلوٰۃ السفر

ابواب نماز سفر کی تفریع

باب صلوٰۃ المسافر

مسافر کی نماز کا باب

۱۲۰۰ - حدثنا القعنبی عن مالك عن صالح ابن كيسان عن عروة بن الزبير عن عائشة قالت فرضت الصلوٰة ركعتين في الحضر والسفر فاقرت صلوٰة السفر وزيد في صلوٰة الحضر۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ نماز حضر اور سفر میں دو رکعت فرض کی گئی تھی پھر سفر کی نماز کو اسی طرح باقی رکھا گیا اور حضر کی نماز میں اضافہ کیا گیا (بخاری کتاب تقصیر الصلاۃ، مسلم کتاب المسافرین، نسائی کتاب الصلاۃ وتقصیر الصلاۃ میں بھی یہ حدیث مروی ہے)

شرح: خطابی نے معالم السنن میں کہا ہے کہ یہ حضرت عائشہؓ کا اپنا قول ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی نہیں ہے نہ قولاً نہ فعلاً، اور اسی طرح کی روایت ابن عباسؓ سے بھی ہے۔ پس ممکن ہے کہ بات یہی ہو جو انہوں نے کہی کیونکہ وہ دونوں فقیہ عالم ہیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا زمانہ اور آپ کا قرب وفیض صحابیت انہیں حاصل ہوا ہے گو وہ مکی زندگی کو نہیں پا سکے جبکہ نماز فرض ہوئی تھی۔ جناب عائشہؓ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر میں مدنی زندگی میں آئی تھیں اور ابن عباسؓ مدنی زندگی میں کم عمر تھے۔ ممکن ہے ابن عباسؓ نے یہ حدیث حضرت عائشہؓ سے ہی لی ہو کیونکہ وہ احادیث میں اکثر ایسا کرتے تھے۔ ان کی روایات کی اکثریت مرسلات صحابہ میں داخل ہیں۔ اب ایک طرف تو یہ حدیث ہے اور دوسری طرف حضرت عائشہ صدیقہؓ سے ثابت ہے کہ وہ سفر میں قصر نہیں کرتی تھیں بلکہ پوری نماز پڑھتی تھیں جیساکہ عبدالرزاق کی ایک صحیح سند کی روایت میں عروہ بن زبیرؓ سے مروی ہے۔ اہل علم کا اس مسئلے میں اختلاف ہے۔ اکثر علمائے سلف اور فقہائے امصار کا مذہب یہ ہے کہ سفر میں قصر ہی واجب ہے اور یہی عمرؓ، علیؓ، ابن عمرؓ، جابرؓ، ابن عباسؓ کا مذہب ہے اور یہی عمر بن عبدالعزیزؒ اور حسنؒ اور قتادہؒ سے مروی ہے۔ حماد بن ابی سلیمان نے کہا کہ جو شخص سفر میں چار رکعت پڑھے وہ اعادہ کرے۔ مالک بن انسؒ نے کہا کہ وقت کے اندر اعادہ کرے بعد میں نہیں۔ احمد بن حنبلؒ نے کہا کہ سنت دو رکعت پڑھنا ہے، اور ایک مرتبہ کہا کہ میں اس مسئلے میں عافیت کو پسند کرتا ہوں (کوئی جواب نہیں دیتا) اور اصحاب رائے نے کہا کہ اگر مسافر دو رکعت پر تشہد نہ کرے تو اس کی نماز فاسد ہے کیونکہ اس کا فرض دو رکعت ہے۔ اس پر جو کچھ زاید ہے وہ نفل ہے۔ اس نے جب فرض ونفل میں فاصلہ نہیں رکھا تو اس کی نماز فاسد ہو گئی۔

امام شافعیؒ نے کہا کہ مسافر کو قصر واتمام میں اختیار ہے۔ اور یہی ابوثورؒ کا مسلک ہے۔ اور سفر میں اتمام حضرت

عثمان رض، سعد بن ابی وقاص اور ابن مسعود رض نے منیٰ میں حضرت عثمان رض کے ساتھ اتمام کیا تھا جبکہ وہ خود مسافر تھے۔ امام شافعیؒ کی دلیل یہ ہے کہ مسافر جب مقیم کا مقتدی ہو تو مقیم کی نماز پڑھتا ہے، اگر اس کا فرض قصر تھا تو اس کی اقتداء جائز نہ تھی۔ خطابیؒ نے کہا کہ مسافر پر قصر اولیٰ ہے کیونکہ اس کے جواز پر تو سب کا اجماع ہے، اختلاف صرف اس وقت ہے جبکہ وہ اتمام کرے۔ اور اجماع اختلاف پر مقدم ہے۔

حضرت الاستاذ شیخ الاسلام عثمانیؒ نے فرمایا (فتح الملہم جلد دوم) کہ طبرانی کبیر میں اس حدیث کا شاہد سائب بن یزید کندی کی روایت سے موجود ہے۔ ہیثمی کے نزدیک اس کے رجال صحیح کے ہیں۔ طبرانی صغیر میں ابن عمر رض کا موقوف قول ہے کہ نماز سفر دو رکعتیں آسمان سے نازل ہوئیں، تم اگر چاہتے ہو تو اسے رد کر دو (یہ بطور زجر کہا) طبرانی کے نزدیک اس کے رجال بھی ثقہ ہیں۔ شیخ بدر الدین عینیؒ نے کہا ہے کہ اہل علم کی ایک جماعت نے اس حدیث کے ظاہر و عموم کو لیا ہے۔ انہوں نے سفر میں قصر کو فرض قرار دیا ہے اور کسی کے لیے جائز نہیں رکھا کہ سفر میں دو رکعت پر اضافہ کرے۔ اور حضرت عائشہ رض کی حدیث اس بات میں واضح ہے کہ مسافر پر دو رکعت ہی فرض ہیں اس کے خلاف جائز نہیں۔ اگر کوئی مقیم فرض نماز میں از خود اضافہ کرے تو اس کی نماز فاسد ہوگی اس طرح مسافر کا بھی حال ہے کیوں کہ اس کا فرض ہی دو رکعت ہیں۔ یہی مذہب عمر بن عبدالعزیزؒ کا ہے جیسے ابن حزم نے بطور استدلال بیان کیا ہے اور یہی قول حماد بن ابی سلیمان کا ہے، امام ابو حنیفہؒ اور ان کے اصحاب اسی طرف گئے ہیں۔ بعض اصحاب مالکؒ کا بھی یہی مذہب ہے، اور امام مالکؒ سے مشہور روایت یہی ہے کہ جس نے سفر میں اتمام کیا ہو وہ وقت کے اندر نماز کا اعادہ کرے۔ انہوں نے نسائی کی صحیح حدیث سے استدلال کیا ہے کہ حضرت عمر بن الخطاب رض نے فرمایا: سفر کی نماز دو رکعتیں ہیں، یہ قصر نہیں بلکہ تمام ہے تمہارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان کا یہی ارشاد ہے۔ اور مسلم میں ابن عباس رض کی حدیث ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تمہارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک پر حضر میں چار رکعت اور سفر میں دو رکعت فرض کی ہیں۔ تمہید میں ابو قلابہ کی روایت بنی عامر کے ایک شخص سے ہے کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس گیا تو حضورؐ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے مسافر سے روزہ اور نصف نماز معاف کی ہے۔ انس بن مالکؓ نے بھی نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ایسی ہی روایت کی ہے۔ ابن حزم نے ابن عمر رض سے ایک صحیح روایت درج کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: سفر کی نماز دو رکعت ہے جس نے سنت ترک کی اس نے ناشکری کی۔ اور عمر رض، علی رض، ابن مسعود رض، جابر رض، ابن عباس رض، ابن عمر رض کا یہی قول ہے اور سفیان ثوری کا بھی یہی مذہب ہے۔ اوزاعی نے کہا کہ اگر کوئی مسافر تیسری رکعت میں کھڑا ہو جائے تو اسے لغو کر دے اور سجدۂ سہو کرے۔ حسن بن حی نے کہا کہ بالارادہ چار پڑھنے والا نماز کا اعادہ کرے۔ حسن رض بصری نے کہا کہ جس نے عمداً چار پڑھیں اس نے بہت برا کیا۔ اثرم نے احمد بن حنبل سے نقل کیا کہ مسافر کا اتمام مجھے ناپسند ہے۔ بغوی نے امام شافعیؒ کا قول نقل کیا ہے کہ قصر ہی اکثر علماء کا قول ہے۔ ترمذی نے کہا کہ عمل اسی پر ہے جو فعل نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا۔

مولانا سہارنپوریؒ نے فرمایا کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی (اس زیر نظر) حدیث کو دو وجہ سے مشکل سمجھا گیا ہے۔ پہلی یہ کہ قرآنی آیت کا لفظ: اَنْ تَقْصُرُوْا مِنَ الصَّلٰوةِ واضح طور پر دلالت کرتا ہے کہ سفر کی نماز میں قصر ہوا ہے اور حدیث کہتی ہے کہ قصر نہیں ہوا بلکہ اصلی فرض (دو رکعت) کو سفر میں برقرار رکھا گیا ہے۔ دوسری وجہ یہ کہ یہ حدیث حضرت عائشہ رض کے اپنے فعل کے خلاف ہے۔ بخاری میں زہری کا عروہ سے سوال مذکور ہے کہ حضرت عائشہ رض نے یہ حدیث

روایت کی ہے مگر خود سفر میں چار رکعت کیوں پڑھتی تھیں؟ عروہؓ نے کہا کہ انہوں نے بھی حضرت عثمانؓ کی مانند تاویل کی تھی
پہلے سوال کا جواب تو یہ ہے کہ یہ آیت صلاۃ خوف میں نازل ہوئی تھی نہ کہ صلوٰۃ سفر میں جیسا کہ بعض علماء کی رائے ہے
اور بعض صحابہؓ کے اقوال بھی یہی اشارہ کرتے ہیں۔ اگر مان بھی لیں کہ یہ آیت صلاۃ سفر کے متعلق اتری تھی تو بھی یہ حدیث
کے معارض نہیں ہے، کیونکہ حدیث کا معنیٰ یہ ہے کہ نماز جب پہلے پہل فرض ہوئی تھی تو دو رکعت فرض ہوئی تھی اور مغرب
کے سوا سفر و حضر میں دو ہی رکعت تھی۔ پھر ہجرت کے بعد حضر کی نماز میں دو رکعت کا اضافہ ہوا مگر فجر اور مغرب اس سے
مستثنیٰ رہیں۔ فجر کی طویل قرأت ہی دو رکعت کے قائم مقام رہی۔ پھر قصر کی آیت: اَنْ تَقْصُرُوْا مِنَ الصَّلٰوۃِ نازل
ہوئی، تو جتنا اضافہ ہوا تھا اسے سفر میں کم کر دیا گیا۔ گویا قصر اس لحاظ سے ہے کہ ہونے والا اضافہ سفر میں قصر کیا گیا
ہے۔ حافظ ابن حجر نے فتح الباری میں کہا ہے کہ میرے نزدیک جو بات واضح ہے اور جس سے تمام دلائل جمع ہوتے
ہیں وہ یہ ہے کہ شب معراج میں نماز دو دو رکعت فرض ہوئی تھی، مغرب اس سے مستثنیٰ تھی، پھر ہجرت کے بعد
فجر کے سوا اس میں دو دو رکعت کا اضافہ ہو گیا جیسا کہ بالکل اسی مضمون کی حدیث ابن خزیمہ، ابن حبان اور بیہقی نے
حضرت عائشہؓ سے روایت کی ہے۔ اس میں فجر کو طول قرأت کے باعث اور مغرب کو دن کا وتر ہونے کے
باعث اسی طرح رہنے دینے کا ذکر بھی ہے۔ پھر جب رباعی نمازوں کا فرض چار ٹھہرا دیا گیا تو اس کے بعد اس
آیت کے نزول سے سفر میں پھر قصر کا حکم دے دیا گیا۔ حضرت عائشہؓ کے قول سے یہ بھی مراد لی جا سکتی ہے کہ سفر
کی نماز بطور مآل کے پھر اسی طرح ہو گئی جیسے کہ ابتداء میں فرض ہوئی تھی نہ یہ کہ فرضیت کے بعد وہ برابر اسی طرح
رہی اس میں کوئی تبدیلی نہیں آئی۔ اس آیت کو اگر صلاۃ خوف کے متعلق قرار دیا جائے نہ کہ صلاۃ سفر کے متعلق، تو
قصر سے مراد نماز کی کیفیت کا قصر ہو گا جیسا کہ صلاۃ الخوف میں ہوتا ہے۔

دوسرے سوال کا جواب بخاری میں عروہ سے منقول ہے کہ حضرت عائشہؓ نے بھی جناب عثمانؓ کی مانند تاویل کی
تھی۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ سفر کی نماز ان کے نزدیک دو رکعت ہی تھی مگر انہوں نے اپنی طرف سے اتمام کا عذر
بیان کیا کہ ہم نے اس بنا پر پوری نماز پڑھی ہے، نہ یہ کہ ہمارے نزدیک سفر میں قصر نہیں ہوتا۔

ابن المنذر کا قول ہے کہ فجر اور مغرب میں قصر نہ ہونا اجماعی مسئلہ ہے۔ پھر جو لوگ وجوب قصر کے قائل ہیں
ان کے پاس اس کے کئی دلائل ہیں۔ پہلی یہ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سفر میں ہمیشہ قصر کیا۔
ابن عمرؓ کی حدیث صحیحین میں موجود ہے کہ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رہا آپ سفر میں دو رکعت پہ اضافہ
نہ فرماتے تھے اور ابو بکر و عمر و عثمان رضی اللہ عنہم نے بھی ایسا ہی کیا تھا۔ حضورؐ سے سفر میں اتمام بالکل ثابت نہیں ہوا
دوسری دلیل یہ ہے کہ بخاری کے علاوہ تمام ارباب صحاح نے یعلی بن امیہؓ سے روایت کی ہے کہ: میں نے عمر بن الخطابؓ
سے کہا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: تم پہ نماز میں قصر کرنے میں کوئی گناہ نہیں اگر تمہیں کافروں کی طرف سے فتنے کا خوف ہو۔
اور اب تو امن قائم ہو چکا ہے (پھر قصر کیوں ہو؟) تو حضرت عمرؓ نے فرمایا: جس بات پر تمہیں حیرانی ہے، مجھے بھی تھی اور
میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا تھا تو آپ نے فرمایا تھا کہ یہ ایک صدقہ ہے جو اللہ نے تم پر کیا ہے تم اللہ
کا صدقہ قبول کرو۔ پس اس حدیث میں قبول صدقۃ الٰہی کا حکم ہے لہٰذا اب بندے کو اس رد کرنے کا کوئی شرعی اختیار
نہیں رہا، کیونکہ امر وجوب کے لیے ہوتا ہے اور اتمام صلاۃ میں اس کا رد ہے۔ اور جن چیزوں میں مالک بنا دینے کا

احتمال نہ ہو وہاں پر اللہ تعالےٰ کے صدقے سے مُراد اسقاط (ذمہ سے اتار دینا) ہوتا ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے عفو، پس اس میں قبول و عدم قبول کا اختیار نہیں رہتا۔

وجوب قصر کی تیسری دلیل حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی یہ حدیث ہے۔ اس کا مفاد یہ ہے کہ صلوٰۃ سفر کا فرض ہی دو رکعت ہے پس اس پر اضافہ جائز نہیں جیسے کہ حضر میں چار پر اضافہ جائز نہیں۔ چوتھی دلیل صحیح مسلم کی ابن عباسؓ کی حدیث ہے کہ: تمہارے نبی کی زبان پر سفر میں دو رکعت اور حضر میں چار رکعت نماز اللہ تعالےٰ نے فرض فرمائی ہے ابن عباسؓ جیسا جلیل القدر صحابی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان کا حوالہ دے کہ اللہ کا فرض بیان کرتا ہے کہ وہ سفر میں دو رکعت ہی ہے۔ پانچویں دلیل حضرت عمرؓ کی حدیث ہے جو نسائی وغیرہ نے روایت کی ہے کہ: مسافر کی نماز دو رکعت ہے، پوری ہے قصر نہیں، محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان پر یہی ثابت ہے (پوری ہے قصر نہیں کا یہ مطلب ہے کہ ثواب میں پوری ہے اور مسافر کا فرض ہی دو رکعت ہے نہ کہ زیادہ) چھٹی دلیل نسائی میں ابن عمرؓ کی حدیث ہے کہ: ہم گمراہ تھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے پاس تشریف لائے اور ہمیں تعلیم دی۔ آپ کی تعلیم میں یہ بھی شامل تھا کہ اللہ تعالےٰ نے ہمیں حکم دیا ہے کہ ہم سفر میں دو رکعت پڑھیں، امر وجوب کے لیے ہوتا ہے پس اس حدیث سے قصر کا وجوب ثابت ہوا۔ ساتویں دلیل حضرت عبداللہ بن مسعودؓ اور اور دوسرے صحابہؓ کی ایک جماعت کا انکار ہے جو انہوں نے حضرت عثمانؓ پر اس وقت کیا جب انہوں نے سفر میں اتمام کیا حتیٰ کہ حضرت عثمانؓ عذر بیان کرنے اور تاویل قصر کے محتاج ہوئے۔ پس یہ بات ثابت کرتی ہے کہ وہ حضرات قصر کو واجب سمجھتے تھے ورنہ نکیر کا کوئی معنیٰ نہیں رہتا۔

حافظ ابن حجرؒ نے فتح الباری میں امام شافعیؒ کی طرف سے عدم وجوب قصر کے دلائل بیان کئے ہیں۔ ایک دلیل یہ ہے کہ مسافر جب مقیم کا مقتدی ہے تو بالاتفاق چار رکعت ہی پڑھتا ہے۔ اگر مسافر کا فرض قصر تھا تو اس کی اقتداء مقیم سے جائز نہ ہوتی۔ علامہ عینی نے اس کا یہ جواب دیا ہے کہ مسافر نے جب مقیم کی تبعیت واقتداء کی نیت کر لی تو اس تبعیت کے باعث اس کا فرض دو سے بدل کر چار ہو گیا، جس طرح کہ مسافر اگر اقامت کی نیت کرے تو اس کا فرض بدل جاتا ہے۔ عدم وجوب قصر کی دوسری دلیل یہ دی ہے کہ حضرت عائشہؓ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رمضان میں عمرہ کیا، وہ فرماتی ہیں کہ حضورؐ نے روزہ نہ رکھا مگر میں نے رکھا، حضورؐ نے قصر کیا اور میں نے اتمام پس میں نے کہا کہ میرے ماں باپ آپ پر قربان آپ نے افطار کیا اور میں نے روزہ رکھا، آپ نے قصر کیا اور میں نے اتمام کیا حضورؐ نے فرمایا: اے عائشہؓ تو نے اچھا کیا۔ یہ روایت دارقطنی کی ہے اور اس کی سند کو اس نے حسن کہا ہے۔ ایک اور دارقطنی کی ہی روایت ہے جسے اس نے صحیح کہا ہے کہ حضرت عائشہؓ نے فرمایا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سفر میں قصر بھی کرتے تھے اور اتمام بھی، اور افطار بھی کرتے تھے اور روزہ بھی رکھتے تھے۔ شوکانی نے کہا ہے کہ پہلی حدیث کو نسائی اور بیہقی نے بھی روایت کیا ہے۔ پھر شوکانی نے حافظ ابو عبداللہ مقدسی سے نقل کیا کہ اس حدیث میں کئی مقام پر وہم ہوا ہے، اور مقدسی نے اس کے رد میں کئی احادیث نقل کی ہیں۔ حافظ ابن حزم نے بھی اس پر طعن و اعتراض کیا ہے۔ الھدیٰ میں حافظ ابن قیم نے کہا ہے کہ میں نے شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ سے سنا کہ یہ حدیث حضرت عائشہؓ پر جھوٹ ہے۔ دوسری حدیث کی سند کو دارقطنی نے صحیح کہا ہے مگر حافظ نے تلخیص میں کہا ہے کہ احمدؒ نے اسے منکر قرار دیا اور

اس کی صحت بعید ہے۔ الهدیٰ میں ہے کہ حافظ ابن تیمیہؒ نے اس حدیث کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر کذب قرار دیا تھا

۱۲۰۱۔ حَدَّثَنَا اَحْمَدُ بْنُ حَنْبَلٍ وَمُسَدَّدٌ قَالَا نَا يَحْيٰى عَنِ ابْنِ جُرَيْجٍ ح وَ حَدَّثَنَا خُشَيْشٌ يَعْنِي ابْنَ اَصْرَمَ نَا عَبْدُ الرَّزَّاقِ عَنِ ابْنِ جُرَيْجٍ حَدَّثَنِي عَبْدُ الرَّحْمٰنِ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ اَبِي عَمَّارٍ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ بَابَيْهِ عَنْ يَعْلَى بْنِ اُمَيَّةَ قَالَ قُلْتُ لِعُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ اَرَاَيْتَ اِقْصَارَ النَّاسِ الصَّلٰوةَ الْيَوْمَ وَاِنَّمَا قَالَ اللّٰهُ عَزَّ وَجَلَّ اِنْ خِفْتُمْ اَنْ يَّفْتِنَكُمُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فَقَدْ ذَهَبَ ذٰلِكَ الْيَوْمُ فَقَالَ عَجِبْتُ مِمَّا عَجِبْتَ مِنْهُ فَذَكَرْتُ ذٰلِكَ لِرَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ صَدَقَةٌ تَصَدَّقَ اللّٰهُ عَزَّ وَجَلَّ بِهَا عَلَيْكُمْ فَاقْبَلُوْا صَدَقَتَهٗ۔

یعلیٰ بن امیہ نے کہا کہ میں نے حضرت عمر بن الخطابؓ سے کہا، بھلا یہ تو بتائیے کہ لوگ نماز کو قصر کرتے ہیں حالانکہ اللہ تعالیٰ نے تو صرف یہ فرمایا ہے کہ: اگر تمہیں کافروں کی طرف سے فتنے کا خوف ہو، اور وہ خوف کا زمانہ تو اب جاتا رہا۔ اس پر حضرت عمرؓ نے فرمایا: جس بات پر تو حیران ہے میں بھی اس پر حیران ہوا تھا تو اس کا ذکر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے کیا تھا۔ اس پر حضورؐ نے فرمایا تھا کہ یہ ایک صدقہ ہے جو اللہ عزوجل نے تم پر کیا ہے پس تم اس کا صدقہ قبول کرو (یہ حدیث مسلم، ترمذی اور ابن ماجہ نے بھی روایت کی ہے)

شرح: خطابی نے کہا ہے کہ حضورؐ کے الفاظ: صَدَقَةٌ تَصَدَّقَ اللّٰهُ عَزَّ وَجَلَّ بِهَا اباحت کو ثابت کرتے ہیں نہ کہ وجوب کو۔ مگر مشکل یہ ہے کہ صرف یہی الفاظ نہیں بلکہ آگے یہ حکم بھی موجود ہے کہ فَاقْبَلُوْا صَدَقَتَهٗ جو اس چیز کو ثابت کرتا ہے کہ قصر واجب ہے۔

۱۲۰۲۔ حَدَّثَنَا اَحْمَدُ بْنُ حَنْبَلٍ نَا عَبْدُ الرَّزَّاقِ وَمُحَمَّدُ بْنُ بَكْرٍ قَالَا اَنَا ابْنُ جُرَيْجٍ قَالَ سَمِعْتُ عَبْدَ اللّٰهِ بْنَ اَبِي عَمَّارٍ يُحَدِّثُ فَذَكَرَ نَحْوَهٗ قَالَ اَبُوْ دَاوٗدَ رَوَاهُ اَبُوْ عَاصِمٍ وَحَمَّادُ بْنُ مَسْعَدَةَ كَمَا رَوَاهُ ابْنُ بَكْرٍ۔

دوسری سند سے وہی اوپر والی حدیث ہے۔ اس سند سے بعض اصولی تنقید کا جواب مدنظر ہے۔

بَابُ مَتٰى يَقْصُرُ الْمُسَافِرُ

باب۔ مسافر کب قصر کرے

۱۲۰۳۔ حَدَّثَنَا ابْنُ بَشَّارٍ نَا مُحَمَّدُ بْنُ جَعْفَرٍ نَا شُعْبَةُ عَنْ يَحْيَى بْنِ يَزِيدَ الْهُنَائِيِّ قَالَ سَأَلْتُ أَنَسَ بْنَ مَالِكٍ عَنْ قَصْرِ الصَّلٰوةِ فَقَالَ أَنَسٌ كَانَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا خَرَجَ مَسِيرَةَ ثَلَاثَةِ أَمْيَالٍ أَوْ ثَلَاثَةِ فَرَاسِخَ شُعْبَةُ شَكَّ يُصَلِّي رَكْعَتَيْنِ۔

یحییٰ بن یزید ہنائی نے کہا کہ میں نے انس رضی اللہ عنہ بن مالک سے پوچھا کہ نماز قصر کب ہوگی؟ تو انس رضی اللہ عنہ نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب تین میل یا تین فرسنگ کا فاصلہ باہر نکل جاتے تو قصر فرماتے تھے (اس حدیث کو مسلم نے بھی روایت کیا ہے)

شرح: اس حدیث سے یہ صراحت و وضاحت نہیں ہوتی کہ کتنی مسافت کے ارادے سے سفر پہ نکلیں تو قصر واجب ہے۔ بلکہ اس کا معنی بقول نووی یہ بھی لیا جا سکتا ہے کہ سفر پہ جاتے ہوئے جب مدینہ سے اتنی دور باہر چلے جاتے تو قصر فرماتے تھے جیساکہ انس بن مالک رضی اللہ عنہ کی دوسری حدیث (صحیح مسلم) میں ہے کہ حضور نے ظہر کی نماز مدینہ منورہ میں چار رکعت پڑھی اور عصر کی نماز ذوالحلیفہ میں دو رکعت پڑھی۔ یہ ایک طویل سفر کا قصہ ہے جو حضور نے مکہ کی طرف فرمایا تھا۔ ذوالحلیفہ منتہائے سفر نہ تھا۔ سنن ابی داؤد کی اس حدیث سے کوئی استدلال نہیں کیا جا سکتا کیونکہ اس میں تین میل یا تین فرسنگ کا لفظ شک کے ساتھ ہے۔ سب جانتے ہیں کہ میل اور فرسنگ میں بڑا فرق ہے۔ بلکہ فرسنگ سے مراد ایک منزل بھی ہو سکتی ہے یعنی ایک دن کا سفر اور تین فرسنگ سے مراد تین دن کا سفر ہوگا جو حنفیہ کا مسلک ہے۔

حضرت الاستاذ شیخ الاسلام عثمانی رحمہ اللہ نے فرمایا (فتح الملہم) کہ مسافت قصر میں علماء کا اختلاف ہے۔ امام ابو حنیفہؒ، ان کے اصحاب اور فقہائے کوفہ نے کہا کہ مسافت قصر تین دن رات کا سفر ہے، اونٹ کی رفتار سے یا پیدل چل کر۔ ابو حنیفہؒ سے ظاہر روایت یہی ہے اور ابو یوسفؒ سے دو دن اور تیسرے دن کا اکثر حصہ مروی ہے۔ اور بعض حنفی مشائخ کی اس کی مقدار پندرہ فرسنگ بتائی ہے یعنی ہر روز پانچ فرسنگ کا سفر۔ اور بعض نے اس کی مقدار تین مرحلے بیان کی ہے۔ اور ہدایہ میں امام ابو حنیفہؒ سے تین مراحل کا ذکر ہے اور یہ مقدار پہلی کے قریب قریب ہے۔ نہایہ میں ہے کہ تین مراحل کا اندازہ تین دن کے سفر جیسا ہے کیونکہ عموماً روزانہ ایک مرحلہ سفر کیا جاتا تھا، خاص کر سال کے چھوٹے دنوں میں۔ میں یہ گزارش کرتا ہوں کہ صحاح میں موزوں پہ مسح کی مدت مقیم کے لیے ایک دن رات اور مسافر کے لیے تین دن رات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے، اس تین دن رات کی مدت سے بھی اشارہ یہی نکلتا ہے کہ جس سفر سے احکام بدلتے ہیں وہ اتنا ہونا چاہیئے کہ تین دن رات میں وہاں پہنچا جا سکے، ورنہ بالخصوص اس مدت کی تحدید کی علت سمجھ میں نہیں آتی۔

حضرتؒ نے فرمایا کہ امام مالکؒ کے نزدیک مسافت قصر چار برد ہے اور ہر برید بارہ میل کا ہے گویا کل مسافت اڑتالیس میل ہوئی۔ امام شافعیؒ کے اقوال اس میں مختلف ہیں۔ ۴۶ میل کی مسافت بھی آئی ہے جو ہمارے بعض حنفی مشائخ کے قول کے قریب ہے۔ زہری اور اوزاعی کے نزدیک ایک دن رات کا سفر ہے اور شافعیؒ سے بھی ایک قول یہی ہے۔ اور امام شافعیؒ سے سب سے زیادہ ثابت شدہ قول دو دن کی مسافت کا ہے۔ حنفیہ کے بعض مشائخ کا فتویٰ ۲۱ فرسنگ پہ۔ بعض کا ۱۸ فرسنگ پہ اور بعض کا ۱۵ فرسنگ پر ہے۔ اور حنفیہ کا عمومی فتویٰ دوسرے قول پہ ہے کیونکہ وہ اوسط ہے۔ اور فرسنگ

ہیں تین میل ہیں۔ اور تیسرا قول یعنی ۱۵ فرسنگ امام مالکؒ کے چار بُرد کے قریب ہے کیونکہ ۱۵ فرسنگ ہیں ۴۵ میل اور چار بُرد میں ۴۸ میل ہیں۔ امام بخاریؒ نے صحیح میں تعلیقاً اور بیہقی نے اسناداً عطاء ابن ابی رباح سے روایت کی ہے کہ ابن عمرؓ اور ابن عباسؓ نماز کو اور روزے کو افطار چار بُرد پر کرتے تھے۔ حضرت نے فرمایا کہ ہمارے مشائخ کا مختار بھی یہی ۴۸ میل ہے اور اسی پر حضرت گنگوہی رحمہ اللہ نے فتویٰ دیا تھا۔ میں نے اب تک کتب فقہ میں ۴ بُرد کی روایت نہیں پائی اور ظاہر روایات میں جو کچھ مذکور ہے وہ تین دن کے سفر کی مسافت ہے اور عثمان بن عفان، ابن مسعودؓ، سوید بن غفلہ، شعبی نخعی، ثوری، ابن حییؒ، ابو قلابہ، شریک بن عبداللہ، سعید بن جبیر اور محمد بن سیرین کا یہی مذہب ہے۔ اور عمدۃ القاری میں یہی روایت ابن عمرؓ سے ہے اور ابن جریرؒ نے حضرت عمرؓ سے بھی یہی روایت کی ہے۔ اور دیگر اصحابؓ اور تابعینؒ نے اس سے اختلاف کیا ہے۔ اور سلف کے اقوال بطور قدر مشترک ثابت کرتے ہیں کہ ارباب ظواہر نے جو سفر قصر اور افطار میں ہر قسم کے ضرب فی الارض میں دی ہے وہ خلاف شرع ہیں۔ ضرب فی الارض کی کوئی نہ کوئی حد ہونی ضروری ہے۔ ابن حزم نے باوجود شدید ظاہریت کے ایک میل کی تحدید کی ہے (جو واقعی مضحکہ خیز ہے۔ اس سے زیادہ مسافت طے کر کے تو صحابہ مسجد نبویؐ میں نماز پنج گانہ کے لیے آتے تھے اور نماز جمعہ کے لیے تو دُور دُور سے آتے تھے۔ کیا وہاں آتے آتے ان پر جمعہ فرض نہ رہتا تھا؟ اور کیا ان پر ہر نماز کا قصر واجب یا جائز ہو جاتا تھا؟)

مولانا سہارنپوری نے سنن ابی داؤد کے اس عنوان باب کا جو اس وقت زیر نظر ہے یہی معنیٰ مراد لیا ہے کہ آدمی جب اپنے گھر سے سفر پر نکل کھڑا ہو یا سواری پر سوار ہو جائے تو آیا شہر کے یا اپنی آبادی کے مکانات سے باہر ہوتے ہی قصر واجب ہو جاتا ہے یا جب وہ چھ میل یا تین میل پر پہنچے۔ تو قصر شروع ہو گا؟ بخاری نے صحیح میں حضرت علیؓ سے نقل کیا ہے کہ انھوں نے کوفہ سے نکلتے ہی نماز قصر ادا کی اور واپسی پر جب تک کوفہ میں داخل نہ ہو گئے قصر پڑھتے رہے علامہ عینیؒ نے کہا ہے کہ حنفیہ کے نزدیک شہر یا آبادی کے گھروں سے تجاوز کرتے ہی قصر شروع ہو جاتا ہے۔ ابن قدامہ نے مغنی میں مالکؒ، اوزاعیؒ، احمدؒ، شافعیؒ، اسحاقؒ اور ابو ثورؒ کا یہی مذہب بیان کیا ہے۔ ابن المنذرؒ نے اس پر تمام اہل علم کا اجماع بیان کیا ہے مگر عطاء اور سلیمان بن موسیٰ کے نزدیک سفر کی نیت کر لیں تو شہر کے اندر ہی قصر واجب ہو جاتا ہے۔ مجاہد کے نزدیک اگر دن کی ابتداء میں سفر شروع ہو تو رات داخل ہونے سے قبل اور رات کو شروع ہو تو دن چڑھ آنے سے قبل قصر نہیں ہے۔

امام نوویؒ نے میل کی مقدار چھ ہزار ہاتھ (شرعی گز) لکھی ہے ہر گز چوبیس چوڑے رُخ کی درمیانی انگلی کا اور ہر انگلی چھ متصل چوڑے رُخ کے جَو کا ہے۔

۱۲۰۴۔ حَدَّثَنَا زُهَيْرُ بْنُ حَرْبٍ نَا ابْنُ عُيَيْنَةَ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ الْمُنْكَدِرِ وَإِبْرَاهِيمَ بْنِ مَيْسَرَةَ سَمِعَا أَنَسَ بْنَ مَالِكٍ يَقُولُ صَلَّيْتُ مَعَ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الظُّهْرَ بِالْمَدِينَةِ أَرْبَعًا وَالْعَصْرَ بِذِي الْحُلَيْفَةِ رَكْعَتَيْنِ۔

انس بن مالکؓ نے کہا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ظہر کی نماز مدینہ میں چار رکعت پڑھی اور

عصر کی نماز ذوالحلیفہ میں دو رکعت (یہ حدیث بخاری میں چار مواضع میں آئی ہے اور مسلم اور ترمذی نے بھی اسے روایت کیا ہے)

شرح: ذُوالحُلَیفہ قبیلۂ بنی جُشم کے ایک چشمے کا نام تھا، آجکل اس کا نام ابیارِ علی ہے یہ بقول قاضی عیاض مدینہ سے سات میل پر اور بقولِ ابن قرقول چھ میل پر اور بقول صاحب معجم البلدان چھ سات میل پر واقع تھا۔ یہ ایک طویل سفر کا قصہ ہے اور شاید پچھلی حدیث سے بھی یہی مراد ہو جسے اندازاً تین میل یا تین فرسنگ کہہ دیا گیا۔ اس حدیث سے ثابت ہوا کہ محض ارادۂ سفر سے قصر واجب نہیں ہوجاتا کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارادۂ سفر کے باوجود ظہر میں قصر نہیں فرمایا۔

بَابُ الْاَذَانِ فِي السَّفَرِ

سفر میں اذان کا باب

۱۲۰۵۔ حَدَّثَنَا هٰرُوْنُ بْنُ مَعْرُوْفٍ نَا ابْنُ وَهْبٍ عَنْ عَمْرِو بْنِ الْحَارِثِ اَنَّ اَبَا عُشَّانَةَ الْمَعَافِرِيَّ حَدَّثَهٗ عَنْ عُقْبَةَ بْنِ عَامِرٍ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ يَعْجَبُ رَبُّكَ عَزَّ وَجَلَّ مِنْ رَاعِيْ غَنَمٍ فِيْ رَأْسِ شَظِيَّةٍ بِجَبَلٍ يُؤَذِّنُ لِلصَّلٰوةِ وَيُصَلِّيْ فَيَقُوْلُ اللّٰهُ عَزَّ وَجَلَّ اُنْظُرُوْا اِلٰى عَبْدِيْ هٰذَا يُؤَذِّنُ وَيُقِيْمُ لِلصَّلٰوةِ يَخَافُ مِنِّيْ قَدْ غَفَرْتُ لِعَبْدِيْ وَاَدْخَلْتُهُ الْجَنَّةَ۔

عقبہ بن عامرؓ نے کہا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے سُنا۔ تیرا رب عزوجل اُس بھیڑ بکریوں کے چرواہے سے راضی ہوتا ہے جو کسی پہاڑ کی چوٹی پر نماز کی اذان دیتا اور نماز پڑھتا ہے۔ پس اللہ عزوجل فرماتا ہے: میرے اس بندے کو دیکھو جو اذان دیتا اور نماز قائم کرتا ہے، یہ مجھ سے ڈرتا ہے، میں نے اپنے بندے کو بخش دیا اور اسے جنت کے داخلے کا حکم دے دیا ہے (یہ حدیث نسائی نے بھی روایت کی ہے۔ منذری نے کہا ہے کہ اس کی سند کے سب راوی ثقہ ہیں۔ چرواہے کا مسافر ہونا تو لازم نہیں مگر ابوداؤد نے اس سے یہ استدلال کیا ہے کہ مسافر کا بھی یہی حکم ہے)

بَابُ الْمُسَافِرِ يُصَلِّيْ وَهُوَ يَشُكُّ فِي الْوَقْتِ

باب۔ مسافر نماز پڑھتا ہے مگر وقت میں شک کرتا ہے۔

۱۲۰۶۔ حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ نَا اَبُوْ مُعَاوِيَةَ عَنِ الْمِسْحَاجِ بْنِ مُوْسٰى قَالَ قُلْتُ لِاَنَسِ بْنِ مَالِكٍ حَدِّثْنَا مَا سَمِعْتَ مِنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ كُنَّا اِذَا كُنَّا مَعَ رَسُوْلِ

اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فِی السَّفَرِ فَقُلْنَا اَزَالَتِ الشَّمْسُ اَوْلَمْ تَزُلْ صَلَّی الظُّہْرَ ثُمَّ ارْتَحَلَ۔

مسحاج بن موسیٰ نے کہا کہ میں نے انس بن مالکؓ سے کہا کہ ہمیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سُنی ہوئی کوئی حدیث سُنائیے۔ انسؓ نے کہا کہ ہم لوگ جب سفر میں ہوتے تھے تو (اپنے جی میں یا آپس میں) کہتے تھے کہ آیا سورج زائل ہو گیا ہے یا نہیں؟ آپؐ ظہر پڑھتے اور سفر کے لیے کوچ کر دیتے تھے۔

شرح: نماز کے لیے دخولِ وقت شرط ہے: اِنَّ الصَّلٰوۃَ کَانَتْ عَلَی الْمُؤْمِنِیْنَ کِتَابًا مَّوْقُوْتًا ۝ "نماز مومنوں پر وقت کی قید کے ساتھ فرض"، اس میں مسافر و مقیم کا بھی کوئی فرق نہیں۔ وقت میں شک ہو تو نماز صحیح نہیں ہوتی اگر کسی نے اس حال میں پڑھی تو ابو حنیفہؒ کے نزدیک نماز نہیں ہوئی۔ اس حدیث میں انسؓ کے قول کا مطلب جلدی میں مبالغے کا اظہار ہے، ورنہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اذان کا حکم دے دیا تو بس نماز کا وقت داخل ہو گیا کیونکہ آپؐ حکمِ خداوندی کے برخلاف تو حکم نہ دے سکتے تھے! خلاصۂ کلام یہ ہے کہ امام ابوداؤدؒ نے اس حدیث پر جو عنوانِ باب جمایا ہے یہ واضح اور صریح نہیں ہے بلکہ ان کے اپنے خیال کے مطابق ہے۔

۱۲۰۷۔ حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ نَا یَحْیٰی عَنْ شُعْبَةَ حَدَّثَنِیْ حَمْزَةُ الْعَائِذِیُّ رَجُلٌ مِّنْ بَنِیْ ضَبَّةَ قَالَ سَمِعْتُ اَنَسَ بْنَ مَالِكٍ یَقُوْلُ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِذَا نَزَلَ مَنْزِلًا لَمْ یَرْتَحِلْ حَتّٰی یُصَلِّیَ الظُّہْرَ فَقَالَ لَہٗ رَجُلٌ وَاِنْ كَانَ بِنِصْفِ النَّہَارِ قَالَ وَاِنْ كَانَ بِنِصْفِ النَّہَارِ۔

حمزہ عائذی نے کہا کہ میں نے انس بن مالکؓ کو یہ کہتے ہوئے سُنا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب کسی منزل پر اترتے تو نمازِ ظہر پڑھے بغیر کوچ نہ فرماتے۔ ایک شخص نے ان سے کہا کہ اگرچہ نصف النہار میں ہو؟ انسؓ نے کہا اگرچہ نصف النہار میں ہو (امام نسائی نے اسے بابُ تعجیل الظہر فی السفر میں روایت کیا ہے)

شرح: اس حدیث میں تو شک کا کوئی شائبہ بھی نہیں ذکر کیا گیا، گو اوپر کی حدیث میں بھی شک مراد نہ تھا! یہ مسئلہ تو اب تمام ائمہ فقہ میں متفق علیہ ہے کہ نمازِ ظہر کو زوالِ شمس سے پہلے ادا کرنا جائز نہیں ہے۔ بہت سی صریح و صحیح احادیث اس پر صراحت سے دلالت کرتی ہیں۔ ہاں! نمازِ جمعہ اور اس دن کے نوافل کے بارے میں کچھ اختلاف ہے۔ بعض کے نزدیک وہ جائز ہیں۔ حنفیہ میں سے امام ابو یوسفؒ نوافل کے بارے میں بروز جمعہ ان مجوزین کے ہم نوا ہیں۔ پس حدیث کا مطلب گزشتہ حدیث کی مانند محض تعجیلِ صلاۃ ظہر ہے اور بس۔ یعنی اتنی جلدی ظہر کو ادا فرماتے کہ دیکھنے والا اسے نصف النہار میں سمجھتا تھا۔ یہ بات بھی یاد رہنی چاہیئے کہ آفتاب کے طلوع و غروب اور نصف النہار کے اوقات کو صراحتًا احادیث میں اوقاتِ مکروہہ فرما کر ان میں ادائے صلاۃ سے منع فرمایا گیا ہے۔ پھر یہ بھی یاد رکھنا لازم ہے کہ

نصف النہار کا وقت دراصل بہت کم ہوتا ہے اور ایک عام آدمی کو اس کے متعلق شک و شبہ میں مبتلا ہو جانا بعید نہیں ہوتا۔

بَابُ الْجَمْعِ بَيْنَ الصَّلٰوتَيْنِ

دو نمازیں جمع کرنے کا باب

۱۲۰۸۔ حَدَّثَنَا الْقَعْنَبِيُّ عَنْ مَالِكٍ عَنْ أَبِي الزُّبَيْرِ الْمَكِّيِّ عَنْ أَبِي الطُّفَيْلِ عَامِرِ بْنِ وَاثِلَةَ أَنَّ مُعَاذَ بْنَ جَبَلٍ أَخْبَرَهُمْ أَنَّهُمْ خَرَجُوا مَعَ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي غَزْوَةِ تَبُوكَ فَكَانَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَجْمَعُ بَيْنَ الظُّهْرِ وَالْعَصْرِ وَالْمَغْرِبِ وَالْعِشَاءِ فَأَخَّرَ الصَّلٰوةَ يَوْمًا ثُمَّ خَرَجَ فَصَلَّى الظُّهْرَ وَالْعَصْرَ جَمِيعًا ثُمَّ دَخَلَ ثُمَّ خَرَجَ فَصَلَّى الْمَغْرِبَ وَالْعِشَاءَ جَمِيعًا۔

ابو الطفیل رضی اللہ عنہ عامر بن واثلہ سے روایت ہے کہ معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ نے انہیں خبر دی کہ صحابہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ غزوۂ تبوک میں باہر نکلے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ظہر اور عصر کو اور مغرب اور عشاء کو جمع کرتے تھے۔ پس ایک دن آپ نے نماز کو مؤخر کیا پھر ظہر و عصر کو جمع کر کے پڑھا، پھر برآمد ہوئے تو مغرب اور عشاء کو جمع کر کے پڑھا۔ اس حدیث کو مسلم، نسائی، ترمذی اور ابن ماجہ نے بھی روایت کیا ہے۔

شرح: شیخ بدرالدین عینی رحمہ اللہ نے کہا ہے کہ کچھ لوگوں نے ان احادیث کے ظاہر کے پیش نظر سفر میں ظہر و عصر اور مغرب و عشاء کی نمازوں کو ایک کے وقت میں (یعنی جمع تقدیم یا جمع تاخیر) پڑھنے کو جائز قرار دیا ہے اور امام شافعی، احمد اور اسحاق کا یہی قول ہے۔ شیخ زین الدین نے کہا ہے کہ اس مسئلہ میں چھ قول ہیں: (۱) ظہر و عصر اور مغرب و عشاء کے درمیان جمع کرنا جائز ہے یہ صحابہ کی ایک جماعت سے ضروری ہے مثلاً علی بن ابی طالب، سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ، سعید بن زید، اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ، معاذ بن جبل، ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ، ابن عمر رضی اللہ عنہ، ابن عباس رضی اللہ عنہ، اور تابعین کی ایک جماعت کا بھی یہی قول ہے مثلاً عطاء بن ابی رباح، طاؤس رحمہ اللہ، مجاہد رحمہ اللہ، عکرمہ رحمہ اللہ، جابر رحمہ اللہ بن زید، ربیعۃ الرائی، ابو الزناد، محمد بن المنکدر، صفوان بن سلیم رحمہ اللہ۔ اور ائمہ کی ایک جماعت کا بھی یہی مذہب ہے مثلاً سفیان ثوری، شافعی رحمہ اللہ، احمد، اسحاق، ابو ثور، ابن المنذر اور مالکیہ میں سے اشہب اور ابن قدامہ نے یہی مسلک مالک سے بھی بیان کیا ہے۔ اور مالک رحمہ اللہ کا مشہور قول یہ ہے کہ جمع مخصوص ہے اس حالت کے ساتھ جبکہ نہایت تیزی سے چلنا ضروری ہو چکا ہو (۲) دوسرا قول یہ ہے کہ جمع بین الصلاتین صرف اس وقت جائز ہے جبکہ نہایت تیز رفتاری کے ساتھ چلنا ضروری ہو، یہ اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ اور ابن عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے اور مالک رحمہ اللہ کا مشہور قول یہی ہے (۳) تیسرا قول یہ ہے کہ جمع جائز ہے صرف اس وقت جبکہ قطع الطریق (مسافت طے کرنا) مدنظر ہو اور یہ مالکیہ میں سے ابن حبیب کا قول ہے۔ ابن العربی نے کہا ہے کہ ابن حبیب کا قول بالکل شافعی کا قول ہے کیونکہ سفر تو ہوتا ہی قطع مسافت کی خاطر ہے (۴) چوتھا قول یہ ہے کہ جمع مکروہ ہے ابن العربی نے کہا کہ یہ امام مالک سے مصریوں کی روایت ہے (۵) پانچواں قول یہ ہے کہ جمع تاخیر

جائز ہے اور جمع تقدیم جائز نہیں. یعنی مثلاً پہلی نماز کو دوسری کے وقت میں پڑھنا جائز ہے مگر دوسری کو مقدم کر کے پہلی کے وقت جائز نہیں ہے اور یہ حافظ ابن حزم کا قول ہے (۶) چھٹا قول یہ ہے کہ سفر کے لیے تو جمع بین الصلاتین مطلقاً جائز نہیں الا حج کے دنوں میں عرفہ اور مزدلفہ میں جائز ہے۔ اور یہ قول حسن بصریؒ، ابن سیرینؒ، ابراہیم نخعیؒ اسودؒ، ابو حنیفہؒ اور ان کے اصحاب کا ہے اور یہی روایت مالکؒ سے ابن القاسم کی ہے جسے اس نے اختیار کیا ہے اور تلویح میں ہے کہ یہی قول ابن مسعودؓ اور سعد بن ابی وقاصؓ کا ہے (دلائل الاحکام) اور ابن عمرؓ کا بھی یہی قول ہے حسب روایت ابی داؤد اور جابر بن زیدؒ، مکحولؒ، عمرو بن دینارؒ، ثوریؒ، عمر بن عبد العزیزؒ، سالمؒ، لیث بن سعد کا بھی یہی مذہب ہے۔ نووی نے کہا ہے کہ ابو حنیفہؒ کے دو ساتھیوں (ابو یوسفؒ و محمدؒ) نے اس مسئلے میں اپنے استاد کی مخالفت کی ہے مگر یہ ایک بے اصل قول ہے جیسا کہ العنایۃ فی شرح الھدایہ میں تصریح ہے. جمع بین الصلاتین کی احادیث علی بن ابی طالبؓ، انس بن مالکؓ، عبد اللہ بن عمرؓ، عائشہ صدیقہؓ، ابن عباسؓ، اسامہؓ بن زید، جابرؓ، خزیمہؓ بن ثابت، ابن مسعودؓ، ابو ایوبؓ اور ابو ہریرہؓ سے مروی ہیں اور ان احادیث کے ظواہر سے قائلین جمع نے استدلال کیا ہے۔

حنفیہ کے نزدیک جمع حقیقی صرف میدانِ عرفات اور مزدلفہ میں جائز ہے اور اس کی دلیل ارشادِ الٰہی ہے: حَافِظُوْا عَلَى الصَّلَوٰاتِ یعنی نمازوں کو ان کے اوقات میں ادا کرو۔ اور یہ آیت قرآنی کہ: اِنَّ الصَّلٰوةَ كَانَتْ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ كِتٰبًا مَّوْقُوْتًا۔ یعنی نماز مسلمانوں پر بقیدِ اوقات فرض ہے۔ ہر نماز کا ایک معین وقت ہے کہ اس سے پہلے جائز ہے اور ایک آخری وقت ہے جس سے تجاوز روا نہیں۔ اس بنا پر حنفیہ نے سفر کی جمع بین الصلاتین کو جمع صوری پر محمول کیا ہے کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے پہلی نماز کو اس کے آخری وقت میں پڑھا اور دوسری کو اس کے اول وقت میں ادا فرمایا۔ یہ مطلب ہم اس لیے لیتے ہیں کہ خبرِ واحد آیت قطعی الدلالۃ کے خلاف نہ پڑے۔ اور اس جمع صوری پر صحیح احادیث دلالت کرتی ہیں۔ ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ظہر و عصر کو مدینہ میں خوف یا بارش کے بغیر ہی جمع فرمایا تھا۔ راوی ابو الزبیر نے کہا کہ میں نے سعید سے پوچھا کہ ایسا کیوں ہوا؟ انہوں نے کہا کہ میں نے ابن عباسؓ سے پوچھا تھا تو انہوں نے جواب دیا کہ اس واسطے پڑھا تھا کہ آپ کی امت میں سے کسی کو حرج نہ ہو (مسلم)، ابن عباسؓ کی ایک اور روایت مسلم ہی نے بیان کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک سفر میں جو تبوک کی طرف کیا تھا، نمازوں کو جمع فرمایا، پس آپ نے ظہر و عصر اور مغرب و عشاء کو جمع کیا تھا۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ یہ جمع صرف سفر میں نہیں حضر میں بھی ہوا تھا تاکہ اُمت سے حرج کو دُور کیا جائے، یعنی کسی وقت اگر کسی ضرورت سے ایسا ہو تو جائز ہے۔ اس روایت کے آخر میں بھی راوی سعید کا وہی سوال اور ابن عباسؓ کا وہی جواب مذکور ہے جو اوپر حضر کی جمع کے متعلق گزرا۔ اور ایک روایت میں ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ آٹھ رکعات اکٹھی پڑھیں (یعنی ۴ ظہر کی جمع ۴ عصر کی) اور سات رکعات اکٹھی پڑھیں (یعنی تین مغرب کی جمع چار عشاء کی)۔ راوی کہتا ہے کہ میں نے کہا اے ابو الشعثاء (جابر بن زید) میرے خیال میں آپ نے ظہر کو مؤخر کیا اور عصر کو اول وقت میں پڑھا۔ اور مغرب کو مؤخر کیا اور عشاء کو اول وقت میں پڑھا ہوگا۔ تو ابو الشعثاء نے کہا کہ میرا بھی یہی خیال ہے۔ ترمذی نے اپنی کتاب کے اواخر میں کہا ہے کہ میری کتاب میں کوئی حدیث ایسی نہیں جس پر عمل نہ کرنے پر ساری امت متفق ہو گئی ہو سوائے ابن عباسؓ

کی حدیث کہ مدینہ میں بغیر خوف اور بغیر بارش کے حضورؐ نے جمع بین الصلاتین فرمایا تھا۔ اور ایک روایت میں فی سفرٍ کا لفظ ہے۔ اور ایک حدیث چوتھی مرتبہ شراب پینے والے کے قتل میں ہے۔ اور ترمذی نے جو یہ کہا ہے کہ امت اس پر ترکِ عمل پر متفق ہو گئی ہو، اس سے مراد یہ ہے کہ اس کی تاویل نہ کی ہو اور بالکل ظاہری الفاظ پر عمل کیا ہو، ورنہ حنفیہ مدینہ میں جمع بین الصلاتین کی حدیث کے بھی قائل ہیں کہ اس سے مراد جمع صُوری ہے نہ کہ جمع حقیقی (اس قسم کے جمع صوری کی مثال سنن ابی داؤد میں مستحاضہ عورت کے ابواب میں بھی گزر چکی ہے) بیہقی نے ابو العالیہ سے اس نے عمرؓ سے روایت کی ہے کہ جمع بین الصلاتین کبیرہ گناہ ہے۔ بیہقی نے اس حدیث کو اس بنا پر معلول قرار دیا ہے کہ ابو العالیہ کی سماعت حضرت عمرؓ سے نہیں ہوئی۔ الجواہر النقی میں اس اعتراض کا یہ رد کیا گیا ہے کہ ابو العالیہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات شریف کے دو سال بعد ایمان لایا تھا اور حضرت ابو بکر صدیقؓ سے اس کی ملاقات اور حضرت عمرؓ کے پیچھے نماز پڑھنا ثابت ہے اور امام مسلم نے مقدمۂ صحیح میں اس مسئلہ پر اجماع نقل کیا ہے کہ عن عن والی روایت کی سند کے متصل ہونے کے لیے صرف یہی کافی ہے کہ استاد شاگرد دونوں کا زمانہ ایک رہا ہو۔ اور اس روایت کی تائید ترمذی کی وہ روایت ہے جس میں ابن عباسؓ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد نقل کرتے ہیں کہ: جس نے عذر کے بغیر دو نمازیں جمع کیں وہ کبائر کے ایک دروازے میں جا داخل ہوا۔ اس حدیث کا راوی حنش بقول ترمذی وغیرہ ضعیف ہے مگر ترمذی نے کہا کہ اہل علم کے نزدیک عمل اسی حدیث پر ہے اور یہ کہ سفر اور حج کے بغیر نمازیں جمع نہ کی جائیں۔

بعض تابعین نے مریض کو جمع بین الصلوٰتین کی اجازت دی ہے اور یہی قول احمد کا ہے۔ اور بعض اہل علم نے کہا کہ بارش میں جمع بین الصلوٰتین جائز ہے اور یہی شافعیؒ، احمد اور اسحاقؒ کا مذہب ہے۔ اور شافعیؒ کے نزدیک مریض کے لیے جمع جائز نہیں ہے۔ اور شوکانیؒ نے حدیث ابن عباسؓ کو جمع صوری پر محمول کرنے میں ایک طویل بحث کی ہے اور کہا ہے کہ اس حدیث سے مطلق جمع بین الصلوٰتین کے قائلین نے استدلال کیا ہے مگر جواز کی شرط یہ لگائی ہے کہ اسے عادت اور رسم ہی نہ بنا لیا جائے۔ اور فتح الباری میں ہے کہ اس قول کے قائل یہ لوگ ہیں: ابن سیرین، ربیعۃ الرائی، ابن المنذر اور قفال کبیر۔ اور خطابی نے اسے بعض محدثین کا مذہب بتایا ہے، مگر جمہور کا مذہب یہ ہے کہ بلا عذر جمع جائز نہیں اور انہوں نے اس حدیث سے استدلال کے کئی جواب دیئے ہیں۔ نوویؒ نے کہا کہ یہ مرض کے باعث تھا۔ حافظ ابن حجر نے کہا کہ اس میں کلام ہے کیونکہ اگر حضورؐ جمع بین الصلوٰتین کسی مرض کے عذر سے ہوتا تو آپ کے ساتھ نماز پڑھنے میں بھی صرف اسی عذر والے شامل ہوتے۔ ایک جواب یہ دیا گیا ہے کہ سورج بادلوں میں تھا اور وہ ننگا ہو گیا تھا تو پتہ چلا کہ عصر کا وقت بھی ہو چکا ہے لہذا اسے بھی پڑھ لیا گیا تھا۔ نوویؒ نے اس جواب کو باطل کہا ہے۔ ایک جواب یہ دیا گیا ہے کہ جمع مذکور (فی حدیث ابن عباسؓ) صُوری تھا کہ ظہر کو آخری وقت میں اور عصر کو اول وقت میں پڑھا گیا تھا۔ نوویؒ نے اس احتمال کو بھی ضعیف یا باطل گردانا ہے۔ کیونکہ ان کے بقول یہ خلاف ظاہر ہے۔ حافظ نے کہا کہ یہ جواب جسے نوویؒ نے ضعیف کہا ہے اسے قرطبی نے مستحسن، امام الحرمین نے راجح اور رقدماء میں سے ابن ماجشون کی اور طحاوی نے حتمی قرار دیا ہے۔ ابن سید الناس نے اسے قوی کہا ہے کیونکہ ابو الشعثاء جو ابن عباسؓ سے اس حدیث کا راوی ہے اس نے اس سے جمع صُوری مراد لیا ہے۔ اور جمع صوری کی تقویت اس سے بھی ہوتی ہے کہ اس حدیث کے کسی طریق میں بھی جمع کے وقت کو نہیں بتایا گیا۔ پس اگر اسے مطلق لیا جائے تو اس سے لازم آئے گا کہ بلا عذر نماز

کے مقرر و محدود وقت سے نماز کو نکال دیا گیا تھا۔ اور یا پھر اس سے جمع کی ایسی صفت مراد لی جائے جس سے یہ اخراجِ وقت صلوٰۃ لازم نہ آئے اور اس سے مختلف احادیث جمع ہو جائیں اس لیے اسے جمع صوری پر محمول کرنا اولیٰ ہے۔

اس حدیث کو جمع صوری پر محمول کرنے کی تائید نسائی کی روایت سے ہوتی ہے جس میں ابن عباسؓ نے جمع کی کیفیت خود یہ بیان کی ہے کہ ظہر کو مؤخر کیا اور عصر کو معجل کیا، مغرب کو مؤخر کیا اور عشاء کو معجل کیا تھا۔ پس خود راوی حدیث نے بتا دیا کہ یہ جمع صوری تھا نہ کہ حقیقی۔ اور اس کی تائید صحیحین کی روایت سے ہوتی ہے کہ: عمرو بن دینار نے کہا اے ابو الشعثاء میرے خیال میں ظہر کو مؤخر کیا اور عصر کو معجل کیا اور مغرب کو مؤخر کیا اور عشاء کو معجل کیا ہو گا، ابو الشعثاء نے کہا کہ میرا بھی یہی خیال ہے۔ اور یہ ابو الشعثاء (جابر بن زید) اس حدیث کو ابن عباسؓ سے روایت کرتا ہے۔ جمع صوری کے مؤیدات میں سے مؤطا، بخاری، ابوداؤد اور نسائی کی حدیث ہے کہ ابن مسعودؓ نے کہا کہ میں نے دو نمازوں کے سوا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو کبھی نہیں دیکھا کہ آپؐ نے نماز وقت کے بغیر پڑھی ہو۔ وہ دو نمازیں یہ تھیں کہ مزدلفہ میں آپؐ نے مغرب و عشاء کو جمع کیا اور نماز فجر کو اس دن وقت کے بغیر ادا فرمایا تھا۔ پس ابن مسعودؓ نے جمع کی نفی کی اور صرف ان دو واقعات کو مستثنیٰ کیا، باوجودیکہ وہ مدینہ میں جمع کی حدیث کے راوی ہیں۔ اس سے ثابت ہوا کہ مدینہ والا جمع ابن مسعودؓ کے نزدیک جمع حقیقی نہ تھا بلکہ جمع صوری تھا ورنہ ان کی دو روایتوں میں تعارض ہو جاتا۔ مولانا نے فرمایا کہ یہ حصر اس لفظ پر مبنی ہے لیکن نسائی کی روایت عرفات کا بھی ذکر کرتی ہے۔ پس ابن مسعودؓ کی روایت میں جمع بین الصلاتین مزدلفہ اور عرفات میں منحصر ہو گیا۔ حدیث کے الفاظ یہ ہیں: عبداللہؓ نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مزدلفہ اور عرفات کے علاوہ ہر نماز کو اس کے وقت پر ادا فرماتے تھے۔

جمع صوری کے مؤیدات میں ابن جریر کی روایت عبداللہ بن عمرؓ سے بھی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم باہر تشریف لائے اور ظہر و عصر اور مغرب و عشاء کی نمازوں کو جمع کر رہے تھے اس طرح کہ ظہر کو مؤخر اور عصر کو مقدم اور مغرب کو مؤخر اور عشاء کو مقدم کر دیا تھا۔ اور یہی جمع صوری ہے۔ عبداللہ بن عمرؓ جمع بین الصلاتین بالمدینہ والی حدیث کے راوی بھی ہیں اور وہ روایت مصنف عبدالرزاق میں ہے ان روایات سے معلوم ہو گیا کہ جمع بین الصلوتین سے مراد جمع صوری ہے۔ کیونکہ جمع کے تین معنے ہو سکتے ہیں (۱) جمع تقدیم (۲) جمع تاخیر۔ یہ دونوں جمع حقیقی کی صورتیں ہیں (۳) جمع صوری۔ اب جمع کے لفظ سے ان میں سے صرف ایک مراد ہو سکتا ہے، نہ سب نہ دو۔ اصول میں یہ مسلّم ہے کہ فعلِ مثبت اپنی تمام اقسام میں عام نہیں ہوتا، کوئی ایک صورت مراد لینی پڑے گی اور جو مراد لیں گے وہ دلیل شرعی سے لیں گے نہ کہ اپنے آپ، اور ہم نے دلائل سے ثابت کر دیا ہے کہ جمع سے مراد ان احادیث میں صرف ایک جمع ہے اور وہ ہے جمع صوری۔ لہٰذا اس کو مراد لینا واجب ہوا بعض متأخرین نے جو یہ کہا ہے کہ جمع صوری زبان شرع میں وارد نہیں ہوئی وہ ان احادیث سے رد کیا جاتا ہے جو حضورؐ نے مستحاضہ کو فرمائیں کہ اسے ظہر و عصر اور مغرب و عشاء کو صورۃً جمع کرنے کا یہی طریقہ سمجھایا کہ پہلی کو مؤخر اور دوسری کو مقدم کر کے دونوں کو صورۃً جمع کر لو۔ اور ابن عباسؓ اور ابن عمرؓ کی احادیث میں بھی صراحۃً جمع صوری ثابت ہے۔

امام خطابی نے جمع صوری پر اعتراض کیا ہے کہ نمازوں کے اوّل و آخر وقت کو بخوبی پہچاننا عوام کا کام نہیں بلکہ بعض خواص کو بھی ان میں غلطی لگ جاتی ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ شارع صلی اللہ علیہ وسلم نے امت کو اوقاتِ

صلوٰۃ کے اوائل و اواخر بخوبی بتا دیئے ہیں اور ان کی خوب کھول کر تعریف کر دی ہے، حتیٰ کہ بعض ایسی حسّی و مادی علامات بھی بتا دی ہیں جو کسی عامی سے پوشیدہ نہیں رہ سکتیں چہ جائیکہ خواص سے۔ اس ہماری بحث کے بعد علامہ شوکانی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے ایک مستقل رسالے کا نام لکھا ہے۔ تَشْنِیْفُ السَّمْعِ بِاِبْطَالِ اَدِلَّۃِ الْجَمْعِ

مولانا رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ حاصل کلام یہ ہے کہ قطعی نصِّ قرآنی یہ فیصلہ کر رہی ہے کہ جمع بین الصلوٰتین جائز نہیں کیونکہ یہ نماز کو اس کے مقرر شدہ وقت سے نکالنا ہوگا اور اس حکم کا معارض اسی قسم کا کوئی حکم ہو سکتا ہے، پس مزدلفہ اور عرفات جو جمع بین الصلوٰتین ہے وہ حدِ تواتر کو پہنچ گیا ہے اور مناسک حج میں سے ہے۔ اس پر امت کا اجماع ہے۔ ان دو مقامات کے علاوہ احادیث میں جو جمع بین الصلوٰتین وارد ہے تو وہ احادیث مختلف ہیں اور ان احادیث میں سے زیادہ تر میں جمع سفر کے سلسلے میں آیا ہے ان میں سے بعض سے وہم ہوتا ہے کہ جمع تقدیم جائز ہے اور اکثر جمع تاخیر میں ہیں۔ جہاں تک جمع تقدیم کا سوال ہے یہ ثابت نہیں ہوا کیونکہ حدیث معاذ رضی اللہ عنہ جو یزید بن ابی حبیب کے طریق سے سنن ابی داؤد میں مروی ہے اسے ابو داؤد رحمۃ اللہ علیہ نے حدیث منکر کہا ہے اور یہ کہ جمع تقدیم میں کوئی ایسی حدیث نہیں جو لائق استدلال ہو۔ اس کے علاوہ اس حدیث میں جمع تقدیم کا ذکر صراحۃً بھی نہیں آیا، بلکہ جمع تقدیم کا بھی احتمال ہے اور اس کے علاوہ اور بھی احتمال ہو سکتے ہیں۔ پس ان احتمالات کے ہوتے ہوئے اس پر اعتماد نہیں کیا جا سکتا۔

جہاں تک جمع تاخیر کا سوال ہے اس میں دو احتمال ہیں: جمع حقیقی اور جمع صوری، جب اسے جمع حقیقی پر محمول کریں گے تو وہ آیتِ قطعی کے خلاف پڑے گی اور ان احادیث کے بھی خلاف ہوگی جو حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور ابن عباس رضی اللہ عنہ سے وارد ہیں کہ جمع صلاتین بلا عذر کبیرہ گناہ ہے۔ اور حدیث ابن مسعود رضی اللہ عنہ میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مزدلفہ اور عرفات کے سوا کبھی کوئی نماز بے وقت نہیں پڑھی۔ جب ان احادیث جمع کو جمع صوری پر محمول کریں تو نہ یہ قرآن کی نص کے خلاف ہوگا اور نہ کسی حدیث کے خلاف پڑے گا لہٰذا جمع سے مراد جمع صوری لینا ہی اولیٰ اور متعین ہوا۔ اور جن احادیث میں حضر میں جمع بین الصلاتین وارد ہے اس سے تو قطعی طور پر جمع صوری ہی مراد ہے اور جس نے اسے جمع حقیقی سمجھا ہے اس نے غفلت سے کام لیا ہے۔

۱۲۰۹۔ حَدَّثَنَا سُلَيْمَانُ بْنُ دَاوُدَ الْعَتَكِيُّ نَا حَمَّادٌ نَا أَيُّوبُ عَنْ نَافِعٍ أَنَّ ابْنَ عُمَرَ اسْتُصْرِخَ عَلَى صَفِيَّةَ وَهُوَ بِمَكَّةَ فَسَارَ حَتَّى غَرَبَتِ الشَّمْسُ وَبَدَتِ النُّجُومُ فَقَالَ إِنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ إِذَا عَجِلَ بِهِ أَمْرٌ فِي سَفَرٍ جَمَعَ بَيْنَ هَاتَيْنِ الصَّلَاتَيْنِ فَسَارَ حَتَّى غَابَ الشَّفَقُ فَنَزَلَ فَجَمَعَ بَيْنَهُمَا

ابن عمر رضی اللہ عنہ کو صفیہ رضی اللہ عنہا ان کی بیوی کی شدید بیماری کی خبر ملی جبکہ وہ مکہ میں تھے، پس وہ چلتے رہے حتیٰ کہ سورج غروب ہو گیا اور ستارے ظاہر ہو گئے، پس ابن عمر رضی اللہ عنہ نے کہا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو جب کسی کام کی جلدی ہوتی اور آپ سفر میں ہوتے تو ان دو نمازوں کو جمع کرتے تھے، پس عبداللہ بن عمر چلتے رہے حتیٰ کہ شفق غائب ہو گئی تو انہوں نے مغرب اور

عشار کو جمع کیا (یہ حدیث ترمذی، نسائی، مسلم اور ابن ماجہ میں بھی ہے۔ ترمذی نے اسے حسن صحیح کہا ہے۔ اور مغرب و عشار میں جمع کرنا ابن عمرؓ سے بخاری میں بھی آیا ہے)

شرح: ابن عمرؓ کی یہ بیوی صفیہ بنت ابی عبید تھی جو مختار ثقفی کی بہن تھی۔ نسائی کی روایت میں ہے کہ ابن عمرؓ کو صفیہ کی شدید بیماری کا پیغام ملا تو وہ روانہ ہو گئے۔ مگر زیر نظر حدیث میں تو مکہ سے روانگی کا ذکر ہے اور نسائی کی روایت میں ان کی کسی زرعی زمین میں اس پیغام کی وصولیابی پر روانگی آئی ہے۔ ممکن ہے مکہ سے اُس زمین میں آچکے ہوں اور بعد میں پیغام ملا ہو، مگر یہ تب ہے جبکہ یہ زرعی زمین مکہ اور مدینہ کے درمیان ہو۔ یہاں پر تو غاب الشفق کا لفظ ہے مگر نسائی میں ہے کہ شفق ابھی غائب نہ ہوئی تھی بلکہ آخری وقت میں تھی۔ پس انہوں نے اتر کر مغرب کی نماز پڑھی پھر شفق غائب ہو گئی تو عشار پڑھی۔ اس سے زیادہ واضح حدیث آگے خود ابو داؤد نے روایت کی ہے جس میں یہ لفظ ہیں کہ: ابن عمرؓ کے مؤذن نے کہا: الصلوٰۃ، عبداللہ نے کہا ابھی چلو، حتیٰ کہ جب شفق غائب ہونے سے کچھ پہلے وقت تھا تو اتر کر مغرب پڑھی، پھر انتظار کیا حتیٰ کہ شفق غائب ہو گئی تو عشار پڑھی۔ پس ان تمام روایات سے اس واقعہ میں ابن عمرؓ سے جو کچھ ثابت ہوا وہ جمع صوری ہے نہ کہ حقیقی۔

۱۲۱۰۔ حَدَّثَنَا يَزِيدُ بْنُ خَالِدِ بْنِ يَزِيدَ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ مَوْهَبٍ الرَّمْلِيُّ الْهَمْدَانِيُّ نَا الْمُفَضَّلُ بْنُ فَضَالَةَ وَاللَّيْثُ بْنُ سَعْدٍ عَنْ هِشَامِ بْنِ سَعْدٍ عَنْ أَبِي الزُّبَيْرِ عَنْ أَبِي الطُّفَيْلِ عَنْ مُعَاذِ بْنِ جَبَلٍ أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ فِي غَزْوَةِ تَبُوكَ إِذَا زَاغَتِ الشَّمْسُ قَبْلَ أَنْ يَرْتَحِلَ جَمَعَ بَيْنَ الظُّهْرِ وَالْعَصْرِ وَإِنْ يَرْتَحِلْ قَبْلَ أَنْ تَزِيغَ الشَّمْسُ أَخَّرَ الظُّهْرَ حَتَّى يَنْزِلَ لِلْعَصْرِ وَفِي الْمَغْرِبِ مِثْلُ ذٰلِكَ إِنْ غَابَتِ الشَّمْسُ قَبْلَ أَنْ يَرْتَحِلَ جَمَعَ بَيْنَ الْمَغْرِبِ وَالْعِشَاءِ وَإِنْ يَرْتَحِلْ قَبْلَ أَنْ تَغِيبَ الشَّمْسُ أَخَّرَ الْمَغْرِبَ حَتَّى يَنْزِلَ لِلْعِشَاءِ ثُمَّ جَمَعَ بَيْنَهُمَا قَالَ أَبُو دَاوُدَ رَوَاهُ هِشَامُ بْنُ عُرْوَةَ عَنْ حُسَيْنِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ عَنْ كُرَيْبٍ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَحْوَ حَدِيثِ الْمُفَضَّلِ وَاللَّيْثِ۔

معاذ بن جبلؓ سے روایت ہے کہ غزوۂ تبوک میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب آپ کے کوچ سے قبل سورج ڈھل جاتا تو ظہر اور عصر کو جمع کرتے اور اگر سورج ڈھلنے سے پہلے کوچ کرتے تو ظہر کو مؤخر کرتے حتیٰ کہ عصر کے لیے اترتے: اور مغرب میں بھی اسی طرح اگر سورج کوچ سے پہلے ڈوب جاتا تو مغرب اور عشار کو جمع کرتے اور اگر سورج ڈوبنے سے پہلے کوچ کرتے تو مغرب کو مؤخر کرتے حتیٰ کہ عشار کے لیے اترتے پھر ان دونوں کو جمع کرتے تھے۔ ابو داؤد نے کہا کہ اس حدیث کو ہشام بن عروہ نے حسین بن عبداللہ سے اس نے کریب سے اس نے ابن عباسؓ سے اس نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے مفضل اور لیث کی حدیث کی طرح روایت کیا ہے۔

شرح: اس حدیث کی سند میں ہشام بن سعد ایک متکلم فیہ راوی ہے۔ مولانا نے فرمایا کہ حدیث معاذ میں جمع تقدیم بین الصلوتین کی دلیل بیان کی جاتی ہے حالانکہ ایسا نہیں ہے اور عنقریب اس پر بحث ہوگی۔ دوسری جس سند کا حوالہ ابو داؤد نے دیا ہے اس میں حسین بن عبداللہ بن عبید اللہ بن عباس راوی ہے جس کے متعلق امام احمد نے کہا کہ وہ کچھ منکر چیزیں بیان کرتا ہے، ابن معین کے نزدیک ضعیف، ابن المدینی کے نزدیک متروک ہے ابو حاتم نے اسے ضعیف اور ابو زرعہ نے غیر قوی، نسائی نے متروک اور غیر ثقہ کہا ہے۔ حسن بن علی نوفلی کا قول ہے کہ حسین بن عبداللہ عبداللہ بن معاویہ بن عبداللہ بن جعفر کا دوست تھا اور ان دونوں پر زندقہ کا الزام تھا اور لوگوں نے کہا کہ ان کی دوستی کا باعث یہی قدر مشترک تھی۔ بخاری نے کہا ہے کہ حسین بن عبداللہ زندقہ سے متہم تھا۔

۱۲۱۱۔ حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ نَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ نَافِعٍ عَنْ اَبِيْ مَوْدُوْدٍ عَنْ سُلَيْمَانَ بْنِ اَبِيْ يَحْيٰى عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ مَا جَمَعَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَيْنَ الْمَغْرِبِ وَالْعِشَاءِ قَطُّ فِي السَّفَرِ اِلَّا مَرَّةً قَالَ اَبُوْ دَاوُدَ وَهٰذَا يُرْوٰى عَنْ اَيُّوْبَ عَنْ نَافِعٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ مَوْقُوْفًا عَلَى ابْنِ عُمَرَ اَنَّهٗ لَمْ يَرَ ابْنَ عُمَرَ جَمَعَ بَيْنَهُمَا قَطُّ اِلَّا تِلْكَ اللَّيْلَةَ يَعْنِيْ لَيْلَةَ اُسْتُصْرِخَ عَلٰى صَفِيَّةَ وَرُوِيَ مِنْ حَدِيْثِ مَكْحُوْلٍ عَنْ نَافِعٍ اَنَّهٗ رَاٰى ابْنَ عُمَرَ فَعَلَ ذٰلِكَ مَرَّةً اَوْ مَرَّتَيْنِ۔

ابن عمرؓ نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سفر میں کبھی بھی مغرب و عشاء کو جمع نہیں کیا مگر ایک بار۔ ابو داؤد نے کہا کہ یہ روایت دوسری سند سے ابن عمرؓ پر موقوف مروی ہے کہ نافع نے ابن عمرؓ کو صرف ایک بار اس رات کو مغرب و عشاء کو جمع کرتے دیکھا تھا جبکہ انہیں صفیہؓ کے شدت مرض کی اطلاع ملی تھی اور مکحول کی روایت میں ہے کہ نافع نے ابن عمرؓ کو ایک یا دو بار ایسا کرتے دیکھا تھا۔

شرح: منذری نے اس حدیث کے ایک راوی عبداللہ بن نافع کو مجروح قرار دیا ہے حالانکہ خود ہی لکھا ہے کہ وہ ابن معین کے نزدیک ثقہ اور ابو زرعہ رازی کے نزدیک لا بأس بہ لیکن امام احمد، بخاری اور ابو حاتم رازی نے اس پر کچھ نقد و تبصرہ کیا ہے۔ ابو داؤد نے اس حدیث کو موقوف ثابت کرنے کے لیے دوسری سند بیان کی ہے مگر بقول مولانا اس حدیث میں مرفوع اور موقوف میں کوئی فرق نہیں۔ ہاں اتنا ہے کہ ارباب صحاح نے غزوۂ تبوک کے سفر میں حضورؐ کے جمع بین الصلاتین کی روایت کی ہے۔ شاید ابن عمرؓ کی مراد کوئی خاص سفر ہے۔

۱۲۱۲۔ حَدَّثَنَا الْقَعْنَبِيُّ عَنْ مَالِكٍ عَنْ اَبِي الزُّبَيْرِ الْمَكِّيِّ عَنْ سَعِيْدِ بْنِ جُبَيْرٍ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَبَّاسٍ قَالَ صَلّٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الظُّهْرَ وَالْعَصْرَ جَمِيْعًا وَالْمَغْرِبَ وَالْعِشَاءَ جَمِيْعًا فِيْ غَيْرِ خَوْفٍ وَلَا سَفَرٍ قَالَ مَالِكٌ اُرٰى ذٰلِكَ كَانَ

فِیْ مَطَرٍ قَالَ اَبُوْدَاؤدَ رَوَاہُ حَمَّادُ بْنُ سَلَمَۃَ نَحْوَہٗ عَنْ اَبِی الزُّبَیْرِ وَرَوَاہُ قُرَّۃُ بْنُ خَالِدٍ عَنْ اَبِی الزُّبَیْرِ قَالَ فِیْ سَفْرَۃٍ سَافَرْنَاھَا اِلٰی تَبُوْکَ۔

عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ظہر و عصر کو اکٹھا پڑھا اور مغرب و عشاء کو اکٹھا پڑھا حالانکہ اس وقت نہ کوئی خوف تھا نہ سفر تھا۔ مالکؒ نے کہا میرے خیال میں یہ بارش کے باعث تھا۔ابو داؤد نے کہا کہ اس حدیث کو حماد بن سلمہ نے اسی طرح ابوالزبیر سے روایت کیا اور اسے قرہ بن خالد نے بھی ابوالزبیر سے روایت کیا مگر اس میں کہا کہ یہ ایک سفر کا واقعہ تھا جو سفر ہم نے تبوک کی طرف کیا (اصل حدیث کو مسلم، ترمذی اور نسائی نے روایت کیا ہے اور قرہ بن خالد کی روایت بھی مسلم میں ہے۔ مالک کا قول نسائی کی حدیث میں نہیں آیا)

شرح: علامہ ابن الترکمانی نے الجواہر النقی میں کہا ہے کہ اس باب میں ابن عباسؓ کی حدیث آرہی ہے (بالکل اس کے بعد ہی) کہ حضورؐ نے مدینہ میں جمع بین الصلاتین کیا تھا مگر نہ خوف تھا نہ بارش۔ اس سے امام مالکؒ کے قول کی نفی ہوتی ہے۔ ابن المنذر نے کہا ہے کہ اس حدیث کو کسی عذر پر محمول کرنے کا کوئی معنی نہیں کیونکہ ابن عباسؓ خود کہتے ہیں کہ: حضورؐ نے چاہا کہ اپنی اُمت کو تنگی میں نہ ڈالیں۔ مولانا ؒ نے فرمایا کہ مالکی فقہ کی کتابوں مدونہ وغیرہ میں ہے کہ بارش کے عذر میں ظہر و عصر میں جمع جائز نہیں صرف مغرب و عشاء میں جائز ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ امام مالکؒ نے ابن عباسؓ کی حدیث کی جو تاویل کی تھی خود اس کے خلاف کیا۔ راجح بات یہ ہے کہ اس سے مراد جمع صوری ہے جیسا کہ شوکانیؒ نے مدلل و مفصل لکھا ہے اور وہ اوپر گزرا۔ حماد بن سلمہ کی روایت جس کا ابو داؤد نے حوالہ دیا ہے بیہقی میں ہے۔ قرہ بن خالد کی حدیث مسلم میں ہے۔ ان دونوں میں یہ مخالفت ہے کہ قرہ کی روایت میں سفر کا ذکر ہے اور حماد بن سلمہ کی حدیث میں اُوپر کی روایت کی مانند مدینہ کا واقعہ بتایا گیا ہے۔ پس قرہ بن خالد کی روایت اور ہے اور حماد بن سلمہ کی اور۔

۱۲۱۳۔ حَدَّثَنَا عُثْمَانُ بْنُ اَبِیْ شَیْبَۃَ نَا اَبُوْمُعَاوِیَۃَ نَا الْاَعْمَشُ عَنْ حَبِیْبِ بْنِ ثَابِتٍ عَنْ سَعِیْدِ بْنِ جُبَیْرٍ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ جَمَعَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ بَیْنَ الظُّھْرِ وَالْعَصْرِ وَالْمَغْرِبِ وَالْعِشَاءِ بِالْمَدِیْنَۃِ مِنْ غَیْرِ خَوْفٍ وَّلَا مَطَرٍ فَقِیْلَ لِابْنِ عَبَّاسٍ مَا اَرَادَ اِلٰی ذٰلِکَ قَالَ اَرَادَ اَنْ لَّا یُحْرِجَ اُمَّتَہٗ۔

ابن عباس رضی اللہ عنہ نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ظہر و عصر کو اور مغرب و عشاء کو مدینہ میں بغیر خوف کے اور بغیر بارش کے جمع کیا۔ ابن عباسؓ سے پوچھا گیا کہ حضورؐ نے ایسا کیوں کیا تھا؟ کہا کہ آپ نے چاہا اپنی امت کو حرج (تنگی) میں نہ ڈالیں (یہ حدیث مسلم، نسائی اور ترمذی نے بھی روایت کی ہے)

شرح: خطابی نے معالم السنن میں کہا ہے کہ اس حدیث کی سند جید ہے گو حبیب بن ابی ثابت پر کچھ کلام ہوا ہے۔ اکثر فقہاء کا اس پر عمل نہیں ہے، صرف ابن سیرین اس کے قائل تھے بشرطیکہ اسے عادت اور وطیرہ ہی نہ بنا لیا جائے۔ اور بعض نے اسے مرض پر محمول کیا ہے۔ مگر اصحاب رائے نے مریض کے لیے بھی جمع صوری کو تجویز کیا ہے ابن عباسؓ

کا قول بقول مولانا سہارنپوری تب مناسب بیٹھتا ہے جبکہ اس جمع سے جمع صُوری مراد لیا جائے کہ اُمّت حرج میں نہ رہے بلکہ حسب موقع و محل نماز کی ادائیگی کا اہتمام کرتی رہے اور احیاناً اگر اس طرح ایک نماز کو پیچھے اور دوسری کو آگے کر کے پڑھ لیا کریں تو جائز ہے۔ امام ترمذی نے کہا ہے کہ حدیث ابن عباسؓ کو اُن سے جابر بن زید، سعید بن جبیر اور عبداللہ بن شقیق عقیلی نے روایت کیا ہے۔ اہل علم سفر کے سوا یا عرفہ کے سوا جمع کی اجازت نہیں دیتے بعض تابعین نے مریض کو جمع کی اجازت دی ہے اور احمد و اسحاق کا یہی قول ہے۔ بعض نے بارش میں جمع کی اجازت دی ہے اور یہ شافعیؒ، احمد اور اسحاق کا قول ہے مگر شافعی مریض کے لیے جمع کے قائل نہیں۔ شوکانی نے کہا کہ جمع صُوری میں تخفیف متحقق ہوتی ہے کہ اس میں ایک نماز کو آخری وقت میں اور دوسری کو اوّل وقت میں پڑھا جائے لیکن ہر نماز کو اول وقت میں ادا کرنے میں تخفیف نہیں ہوتی۔ ہر منصف جانتا ہے کہ جمع صُوری میں تخفیف ہے کیونکہ دو نمازوں کے لیے ایک ہی دفعہ باہر آنا آسان تر ہے، لہٰذا اس سے حافظ ابن حجر کا فتح الباری میں یہ کہنا کہ تخفیف جمع صوری کی صورت میں نہیں ہوئی، غلط ثابت ہو گیا۔ اگر کوئی کہے کہ جمع صُوری میں ہر نماز اپنے وقت پر ادا ہوئی تو پھر یہ تو رخصت نہیں بلکہ عزیمت ہوئی تو حضورؐ کے اس قول کا کیا فائدہ ہے کہ آپ کی امت حرج میں نہ پڑے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ حضورؐ نے جو اقوال صادر ہوئے وہ جمع صوری کو مشتمل ہیں پس اس صورت میں رفع حرج حضورؐ کی طرف منسوب نہیں بلکہ افعال کی طرف منسوب ہے کیونکہ حضورؐ نے عمر بھر میں آخری وقت میں صرف دو مرتبہ نماز پڑھی تھی تاکہ اس فعل سے اُمت کا حرج دُور ہو جائے اور صحابہ کی اقتدا آپ کے اقوال کی نسبت افعال سے زیادہ تر تھی اور اس کی مثال صلح حدیبیہ کے موقع پر پیش آئی تھی کہ حضورؐ کے قولی حکم پر کسی نے قربانی کے جانور ذبح نہ کئے مگر آپ کا فعل دیکھ کر سب اٹھ کھڑے ہوئے، قربانیاں ذبح کیں اور سر منڈوانے کے لیے ایک دوسرے پر گرے پڑتے تھے۔

۱۲۱۴۔ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عُبَيْدٍ الْمُحَارِبِيُّ نَا مُحَمَّدُ بْنُ فُضَيْلٍ عَنْ اَبِيْهِ عَنْ نَافِعٍ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ وَاقِدٍ اَنَّ مُؤَذِّنَ ابْنِ عُمَرَ قَالَ الصَّلٰوةَ قَالَ سِرْ سِرْ حَتّٰى اِذَا كَانَ قَبْلَ غُيُوْبِ الشَّفَقِ نَزَلَ فَصَلَّى الْمَغْرِبَ ثُمَّ انْتَظَرَ حَتّٰى غَابَ الشَّفَقُ فَصَلَّى الْعِشَاءَ ثُمَّ قَالَ اِنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ اِذَا عَجِلَ بِهٖ اَمْرٌ صَنَعَ مِثْلَ الَّذِيْ صَنَعْتُ فَسَارَ فِيْ ذٰلِكَ الْيَوْمِ وَاللَّيْلَةِ مَسِيْرَةَ ثَلَاثٍ قَالَ اَبُوْ دَاوٗدَ رَوَاهُ ابْنُ جَابِرٍ عَنْ نَافِعٍ نَحْوَ هٰذَا بِاِسْنَادِهٖ۔

ابن عمرؓ کے مؤذن نے کہا: الصلوٰۃ، انہوں نے کہا چلو۔ حتیٰ کہ جب شفق غائب ہونے سے پہلے کا وقت ہوا تو اُترے پس نماز مغرب پڑھی پھر انتظار کیا حتیٰ کہ شفق غائب ہو گئی تو عشار کی نماز پڑھی۔ پھر کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو جب کسی کام کی جلدی ہوتی تو آپ اس طرح کرتے جس طرح میں نے کیا ہے۔ پھر اس دن رات میں ابن عمرؓ نے تین

دن کی مسافت طے کی۔ ابوداؤد نے کہا کہ ابن جابر نے نافع سے اسی طرح اس کی سند کے ساتھ روایت کی ہے۔

شرح: یہ حدیث جمع صوری میں صریح ہے۔ اس کی سند اچھی ہے کوئی راوی ضعیف نہیں ہے۔ آخر میں ابوداؤد نے جو تعلیق بیان کی ہے اسے دارقطنی نے روایت کیا ہے۔

۱۲۱۵۔ حَدَّثَنَا اِبْرَاهِيْمُ بْنُ مُوْسَى الرَّازِيُّ اَنَا عِيْسٰى عَنِ ابْنِ جَابِرٍ بِهٰذَا الْمَعْنٰى قَالَ اَبُوْدَاؤُدَ رَوَاهُ عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ الْعَلَاءِ عَنْ نَافِعٍ قَالَ حَتّٰى اِذَا كَانَ ذَهَابُ الشَّفَقِ نَزَلَ فَجَمَعَ بَيْنَهُمَا۔

اس میں پہلے تو ابن جابر کی تعلیق کے لیے ابوداؤد نے اپنی سند بیان کی ہے کہ اس کی روایت کا بھی یہی معنی ہے اور پھر ابوداؤد نے کہا کہ اس حدیث کو عبداللہ بن العلاء نے نافع سے روایت کیا تو کہا: حتیٰ کہ جب شفق کے جاتے رہنے کا وقت ہوا تو اُترے اور دونوں نمازوں کو جمع کیا۔ (یعنی شفق ابھی غائب نہ ہوئی تھی کہ اتر کر مغرب پڑھ لی۔ اس روایت نے اوپر کی حدیث کی تقویت کی ہے)

۱۲۱۶۔ حَدَّثَنَا سُلَيْمَانُ بْنُ حَرْبٍ وَمُسَدَّدٌ قَالَا نَا حَمَّادُ بْنُ زَيْدٍ ح وَحَدَّثَنَا عَمْرُو بْنُ عَوْنٍ نَا حَمَّادُ بْنُ زَيْدٍ عَنْ عَمْرِو بْنِ دِيْنَارٍ عَنْ جَابِرِ بْنِ زَيْدٍ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ صَلّٰى بِنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِالْمَدِيْنَةِ ثَمَانِيًا وَسَبْعًا الظُّهْرَ وَالْعَصْرَ وَالْمَغْرِبَ وَالْعِشَاءَ وَلَمْ يَقُلْ سُلَيْمَانُ وَمُسَدَّدٌ بِنَا قَالَ اَبُوْدَاؤُدَ رَوَاهُ صَالِحٌ مَوْلَى التَّوْءَمَةِ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ فِيْ غَيْرِ مَطَرٍ۔

ابن عباس رضی اللہ عنہ نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں مدینہ میں آٹھ اور سات رکعات پڑھائیں یعنی ظہر و عصر اور مغرب و عشاء۔ سلیمان اور مسدد نے ہنا کا لفظ نہیں بولا۔ ابوداؤد نے کہا کہ صالح مولی التوامہ نے یہ حدیث ابن عباس سے روایت کی اور اس میں یہ لفظ ہے: بارش کے بغیر (یہ حدیث بخاری، مسلم اور نسائی نے بھی روایت کی ہے اس سے پہلے یہ حدیث دوسری سند سے گذر چکی ہے اس میں مِنْ غَيْرِ خَوْفٍ وَلَا مَطَرٍ کے لفظ ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ عذر نہ تھا، اگر کوئی عذر مثلاً مرض وغیرہ ہوتا تو ان لفظوں کی ضرورت نہ تھی، صرف وہ عذر بیان کیا جاتا۔ اوپر بحث گذر چکی ہے کہ اس جمع سے مراد جمع صوری ہے)

۱۲۱۷۔ حَدَّثَنَا اَحْمَدُ بْنُ صَالِحٍ نَا يَحْيَى بْنُ مُحَمَّدٍ الْجَارِيُّ نَا عَبْدُ الْعَزِيْزِ بْنُ مُحَمَّدٍ عَنْ مَالِكٍ عَنْ اَبِي الزُّبَيْرِ عَنْ جَابِرٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

غَابَتْ لَهُ الشَّمْسُ بِمَكَّةَ فَجَمَعَ بَيْنَهُمَا بِسَرِفَ۔

جابرؓ سے روایت ہے کہ سورج تو مکہ میں غروب ہوگیا تھا مگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دو نمازوں کو مقام سرف میں جمع کیا (یہ حدیث نسائی میں بھی موجود ہے)

شرح: سرفؔ کا مقام مکہ سے چھ، سات، نو یا بارہ میل پر ہے۔ یہاں پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے میمونہؓ بنت الحارث سے نکاح کیا اور ان سے ملاقات فرمائی تھی۔ پھر اسی مقام پر میمونہؓ کی وفات بھی آگے چل کر واقع ہوئی تھی۔ اس حدیث سے جمع حقیقی کے قائلین نے استدلال کیا ہے لیکن، استدلال واضح اور صریح نہیں ہے۔ اس کا فیصلہ دراصل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اونٹنی قصواء کی رفتار سے کیا جانا چاہیئے۔ یہ اونٹنی بہت تیز رفتار تھی، اور ظاہر یہ ہے کہ دونوں نمازیں اپنے اپنے وقت میں پڑھی گئی تھیں۔

۱۲۱۸۔ **حَدَّثَنَا** مُحَمَّدُ بْنُ هِشَامٍ جَارُ اَحْمَدَ بْنِ حَنْبَلٍ نَا جَعْفَرُ بْنُ عَوْنٍ عَنْ هِشَامِ بْنِ سَعْدٍ قَالَ بَيْنَهُمَا عَشَرَةُ اَمْيَالٍ يَعْنِي بَيْنَ مَكَّةَ وَسَرِفَ۔

اس روایت میں ہشام بن سعد کا قول ہے کہ مکہ اور سرف کے درمیان دس میل کا فاصلہ ہے (راجح چھ یا سات میل ہے)

۱۲۱۹۔ **حَدَّثَنَا** عَبْدُ الْمَلِكِ بْنُ شُعَيْبٍ نَا ابْنُ وَهْبٍ عَنِ اللَّيْثِ قَالَ قَالَ رَبِيعَةُ يَعْنِي كَتَبَ اِلَيْهِ حَدَّثَنِي عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ دِيْنَارٍ قَالَ غَابَتِ الشَّمْسُ وَ اَنَا عِنْدَ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُمَرَ فَسِرْنَا فَلَمَّا رَاَيْنَاهُ قَدْ اَمْسٰى قُلْنَا الصَّلٰوةَ فَسَارَ حَتّٰى غَابَ الشَّفَقُ وَتَصَوَّبَتِ النُّجُوْمُ ثُمَّ اِنَّهُ نَزَلَ فَصَلَّى الصَّلٰوتَيْنِ جَمِيْعًا ثُمَّ قَالَ رَاَيْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا جَدَّ بِهِ السَّيْرُ صَلّٰى صَلٰوتِيْ هٰذِهٖ يَقُوْلُ يَجْمَعُ بَيْنَهُمَا بَعْدَ لَيْلٍ قَالَ اَبُوْ دَاؤُدَ رَوَاهُ عَاصِمُ بْنُ مُحَمَّدٍ عَنْ اَخِيْهِ عَنْ سَالِمٍ وَرَوَاهُ ابْنُ اَبِيْ نَجِيْحٍ عَنْ اِسْمَاعِيْلَ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ ذُؤَيْبٍ اَنَّ الْجَمْعَ بَيْنَهُمَا مِنِ ابْنِ عُمَرَ كَانَ بَعْدَ غُيُوْبِ الشَّفَقِ۔

عبداللہ بن دینار نے کہا کہ سورج غروب ہوگیا اور میں عبداللہ بن عمرؓ کے پاس تھا پس ہم چلتے گئے، جب ہم نے دیکھا کہ انہوں نے تو رات کر دی ہے تو ہم نے کہا: الصلوٰۃ، پس وہ چلتے رہے حتی کہ شفق غائب ہوگئی اور ستارے ظاہر ہوگئے پھر عبداللہ اترے اور دونوں نمازیں پڑھیں پھر کہا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ جب آپ کو چلنے کی جلدی ہوتی تھی تو اس طرح نماز پڑھتے جیسے میں نے پڑھی ہے۔ یعنی وہ یہ کہہ رہے ہے کہ رات کا کچھ حصہ آ چکنے کے

بعد جمع کرتے۔ ابو داؤد نے کہا کہ اس حدیث کو عاصم بن محمد نے اپنے بھائی سے اس نے سالم سے روایت کیا۔ اور ابن ابی نجیح نے اسے اسماعیل بن عبدالرحمان بن ذویب سے روایت کیا کہ ابن عمرؓ نے یہ دو نمازیں شفق غائب ہونے کے بعد جمع کی تھیں۔

شرح: اس حدیث کو نافع اور عبداللہ بن واقد کی روایت کی روشنی میں دیکھیں تو معلوم ہوتا ہے کہ شفق غائب ہونے سے مراد اس کا قریب الغیوب ہونا ہے کیونکہ اسی طرح یہ تمام احادیث موافق ہو سکیں گی۔ شفق غائب ہونے سے یہ مراد بھی ہو سکتی ہے کہ سرخ شفق غائب ہو گئی تھی کیونکہ اس کے بعد سفید شفق ہوتی ہے اور اس کے غائب ہونے کے بعد ظلمت آتی ہے۔ بعض روایات میں (مثلاً نسائی کی روایت) بیاض الافق کے زائل ہونے کا ذکر ہے۔ اس سے مراد افق کی وہ سفیدی ہے جو غروبِ شمس کے فوراً بعد نظر آتی ہے، اس کے بعد سرخی، پھر سفیدی اور پھر اندھیرا ظاہر ہوتا ہے۔

۱۲۲۰۔ **حَدَّثَنَا** قُتَيْبَةُ وَابْنُ مَوْهَبٍ الْمَعْنَى قَالَا نَا الْمُفَضَّلُ عَنْ عُقَيْلٍ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ كَانَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا ارْتَحَلَ قَبْلَ أَنْ تَزِيغَ الشَّمْسُ أَخَّرَ الظُّهْرَ إِلَى وَقْتِ الْعَصْرِ ثُمَّ نَزَلَ فَجَمَعَ بَيْنَهُمَا فَإِنْ زَاغَتِ الشَّمْسُ قَبْلَ أَنْ يَرْتَحِلَ صَلَّى الظُّهْرَ ثُمَّ رَكِبَ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ أَبُو دَاوُدَ كَانَ مُفَضَّلٌ قَاضِيَ مِصْرَ وَكَانَ مُجَابَ الدَّعْوَةِ وَهُوَ ابْنُ فَضَالَةَ۔

انس بن مالکؓ نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب زوال آفتاب سے پہلے کوچ کرتے تھے تو ظہر کو عصر کے وقت تک مؤخر کرتے تھے پھر اُترتے اور انہیں جمع کرتے تھے۔ لیکن اگر سورج کوچ سے پہلے ڈھل جاتا تو ظہر پڑھ کر سوار ہوتے تھے صلی اللہ علیہ وسلم۔ ابو داؤد نے اس روایت کے راوی مفضل کے متعلق کہا کہ وہ مصر کا قاضی تھا اور مستجاب الدعا تھا۔ اس کے باپ کا نام فضالہ تھا۔

شرح: علامہ عینیؒ نے اس حدیث پر عمدۃ القاری میں لمبی بحث کی ہے، یہ متفق علیہ حدیث (جیسا کہ اگلی روایت میں آتا ہے) اس بات کی دلیل ہے کہ آپ نے ظہر و عصر کو ظہر کے وقت میں جمع نہیں کیا، اس سے جمع تقدیم کی نفی ہوتی ہے۔

۱۲۲۱۔ **حَدَّثَنَا** سُلَيْمَانُ بْنُ دَاوُدَ الْمَهْرِيُّ نَا ابْنُ وَهْبٍ أَخْبَرَنِي جَابِرُ بْنُ إِسْمٰعِيلَ عَنْ عُقَيْلٍ بِهٰذَا الْحَدِيثِ بِإِسْنَادِهِ قَالَ وَيُؤَخِّرُ الْمَغْرِبَ حَتّٰى يَجْمَعَ بَيْنَهَا وَبَيْنَ الْعِشَاءِ حِينَ يَغِيبُ الشَّفَقُ۔

اوپر کی سند کے ساتھ یہ وہی حدیث ہے اس میں ہے کہ: آپ مغرب کو مؤخر کرتے تھے حتیٰ کہ اس کو عشاء کی نماز کے ساتھ جمع کرتے تھے جبکہ شفق غائب ہوتی تھی (بخاری، مسلم اور نسائی نے اسے روایت کیا ہے۔ بخاری نے یہ

لفظ روایت نہیں کیا کہ وَلَوْ خَرُ الْمَغْرِب (مطلب یہ کہ جمع بین الصلوتین کا فعل تو اس وقت پورا ہوا جب دونوں نمازوں سے فارغ ہو گئے اور ظاہر ہے کہ وہ وقت عشاء کی نماز کا تھا، لہذا راوی نے اسے ان الفاظ میں ظاہر کیا جس سے یہ وہم ہوتا ہے کہ شاید یہ جمع حقیقی تھا۔ اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ دونوں نمازوں کا وقوع عشاء کے وقت میں ہوا تھا، ہاں البتہ یہ لازم آتا ہے کہ دونوں کو ملانے کا وقت وہ تھا جو دوسری نماز کا وقت تھا۔ بہر صورت جمع صوری اپنی جگہ پر قائم ہے۔

۱۲۲۲۔ حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ نَا اللَّيْثُ عَنْ يَزِيدَ بْنِ أَبِي حَبِيبٍ عَنْ أَبِي الطُّفَيْلِ عَامِرِ بْنِ وَاثِلَةَ عَنْ مُعَاذِ بْنِ جَبَلٍ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ فِي غَزْوَةِ تَبُوكَ إِذَا ارْتَحَلَ قَبْلَ أَنْ تَزِيغَ الشَّمْسُ أَخَّرَ الظُّهْرَ حَتَّى يَجْمَعَهَا إِلَى الْعَصْرِ فَيُصَلِّيَهُمَا جَمِيعًا وَإِذَا ارْتَحَلَ بَعْدَ زَيْغِ الشَّمْسِ صَلَّى الظُّهْرَ وَالْعَصْرَ جَمِيعًا ثُمَّ سَارَ وَكَانَ إِذَا ارْتَحَلَ قَبْلَ الْمَغْرِبِ أَخَّرَ الْمَغْرِبَ حَتَّى يُصَلِّيَهَا مَعَ الْعِشَاءِ وَإِذَا ارْتَحَلَ بَعْدَ الْمَغْرِبِ عَجَّلَ الْعِشَاءَ فَصَلَّاهَا مَعَ الْمَغْرِبِ قَالَ أَبُو دَاوُدَ وَلَمْ يَرْوِ هَذَا الْحَدِيثَ إِلَّا قُتَيْبَةُ وَحْدَهُ۔

معاذ بن جبل سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم غزوۂ تبوک میں جب سورج ڈھلنے سے پیشتر کوچ کرتے تھے تو ظہر کو عصر تک مؤخر کرتے تھے پھر ان دونوں کو اکٹھا پڑھتے تھے۔ اور جب سورج ڈھلنے کے بعد کوچ کرتے تھے تو ظہر اور عصر دونوں کو اکٹھا پڑھتے پھر کوچ کرتے۔ اور جب مغرب سے پہلے کوچ کرتے تو اُسے مؤخر کرتے حتیٰ کہ اُسے عشاء کے ساتھ ملا کر پڑھتے تھے اور جب مغرب کے بعد کوچ کرتے تھے تو عشاء کو مقدم کرتے اور اسے مغرب کے ساتھ پڑھتے تھے۔ ابوداؤد نے کہا کہ اس حدیث کو صرف قتیبہ نے روایت کیا ہے (ترمذی نے بھی اسے روایت کر کے حسن غریب کہا ہے اور کہا ہے کہ لیث سے اس کی روایت قتیبہ کے سوا کسی نے نہیں کی۔)

شرح: ابوداؤد اور ترمذی دونوں کے بیان سے مراد اس حدیث کی تضعیف ہے۔ جمع تقدیم میں صرف قتیبہ منفرد ہے اور دیگر سب حفاظ اس کے خلاف ہیں لہذا یہ شاذ ہوئی۔ حافظ ابن حجر نے فتح الباری میں کہا ہے کہ جمع تقدیم میں معاذؓ کی یہ حدیث مشہور ہے اور ائمہ حدیث کی جماعت نے اسے قتیبہ کے تفرد کے باعث معلول کہا ہے۔ بخاری نے اشارہ کیا ہے کہ کسی ضعیف راوی نے یہ حدیث قتیبہ کی روایات میں داخل کی ہے، یہ قصہ حاکم نے معرفۃ علوم الحدیث میں بیان کیا ہے۔ اس حدیث کا ایک اور طریق بھی ہے مگر اس میں ہشام بن سعد راوی مختلف فیہ ہے۔ ابوزبیر کے دوسرے شاگرد مثلاً مالک، ثوری اور قرۃ بن خالد وغیرہ حفاظِ حدیث نے اس میں ہشام کی مخالفت کی ہے۔ یہ حدیث ابن حبان، حاکم، دارقطنی اور بیہقی نے بھی روایت کی ہے ترمذی نے کہا ہے کہ اہل علم کے نزدیک معروف روایت ابوالزبیر عن ابی الطفیل عن معاذ بن جبل ہے اور اس میں جمع تقدیم کا ذکر نہیں ہے اسے مسلم نے بھی

روایت کیا ہے، اور ابوداؤد نے کہا ہے کہ یہ ایک منکر حدیث ہے اور جمع تقدیم میں کوئی قائم حدیث نہیں آئی حاکم نے (اپنی سہل انگاری کے باوجود) اس حدیث کو معلول کہا ہے۔ ابن حزم نے حسب عادت اسے یزید بن ابی حبیب کا معنعن کہا ہے اور یہ کہ یزید کی روایت ابوالطفیل سے غیر معروف ہے۔ اور یہ بھی کہا کہ ابوالطفیل میں قدح کی گئی ہے کیونکہ وہ مختار بن ابی عبید ثقفی کا علم بردار تھا جو رجعت علیؓ کا قائل تھا۔ اس کا جواب یہ دیا گیا ہے کہ ابوالطفیلؓ عامر بن واثلہ صحابی تھا اس کی وفات ۱۱۰ھ میں ہوئی اور وہ آخری صحابی تھا۔ وہ رجعت پہ ایمان نہیں رکھتا تھا اور مختار کے ساتھ محض قاتلین حسینؓ کے خلاف نکلا تھا۔ علامہ شوکانی نے نیل الاوطار میں کہا ہے کہ اس حدیث کے متعلق حفاظ حدیث کے پانچ اقوال ہیں (۱) ترمذی نے اسے حسن غریب کہا ہے (۲) ابن حبان نے اسے محفوظ و صحیح کہا ہے (۳) ابوداؤد نے اسے منکر کہا ہے (۴) ابن حزم نے اسے منقطع کہا ہے (۵) حاکم نے اسے موضوع کہا ہے۔ اور ابوالطفیل کی اصل حدیث مسلم میں ہے اور ابوالطفیل عادل، ثقہ اور مامون ہے

بَابُ قَصْرِ قِرَاءَةِ الصَّلٰوةِ فِي السَّفَرِ

سفر میں نماز کی اختصار قرأت کا باب

۱۲۲۳۔ حَدَّثَنَا حَفْصُ بْنُ عُمَرَ نَا شُعْبَةُ عَنْ عَدِيِّ بْنِ ثَابِتٍ عَنِ الْبَرَاءِ قَالَ خَرَجْنَا مَعَ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي سَفَرٍ فَصَلّٰى بِنَا الْعِشَاءَ الْآخِرَةَ فَقَرَأَ فِي إِحْدَى الرَّكْعَتَيْنِ بِالتِّيْنِ وَالزَّيْتُوْنِ۔

براء سے روایت ہے کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ایک سفر میں نکلے تو آپ نے ہمیں پچھلی عشاء کی نماز پڑھائی، پس دو میں سے ایک رکعت میں سورۂ تین و زیتون پڑھی (یہ حدیث بخاری، مسلم، نسائی، ترمذی اور ابن ماجہ نے بھی روایت کی ہے نسائی کی روایت میں ہے کہ یہ سورت پہلی رکعت میں پڑھی۔ سفر کا معاملہ تخفیف طلب ہے)

بَابُ التَّطَوُّعِ فِي السَّفَرِ

سفر میں نفل پڑھنے کا باب

۱۲۲۴۔ حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيْدٍ نَا اللَّيْثُ عَنْ صَفْوَانَ بْنِ سُلَيْمٍ عَنْ أَبِي بُسْرَةَ الْغِفَارِيِّ عَنِ الْبَرَاءِ بْنِ عَازِبٍ الْأَنْصَارِيِّ قَالَ صَحِبْتُ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ثَمَانِيَةَ عَشَرَ سَفَرًا فَمَا رَأَيْتُهُ تَرَكَ رَكْعَتَيْنِ إِذَا زَاغَتِ الشَّمْسُ قَبْلَ الظُّهْرِ۔

براء بن عازب انصاری نے کہا کہ میں اٹھارہ سفروں میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رہا تو میں نے آپ کو ظہر سے قبل زوالِ آفتاب کے بعد کبھی دو رکعتیں چھوڑتے نہ دیکھا (ترمذی نے بھی اسے روایت کیا اور کہا کہ یہ حدیث غریب ہے)

شرح: ابو بُصرہ غفاری غیر معروف راوی ہے۔ اس حدیث سے سفر میں سنن کی ادائیگی ثابت ہوتی ہے بشرطیکہ انہیں لازم نہ سمجھا جائے۔ پھر یہ حدیث ابن عمر رض کی حدیث کے خلاف ہے جو ابھی آرہی ہے۔ خلاصہ یہ کہ یہ سنن رواتب نہیں تھیں بلکہ سنن زوال تھیں جو ابو ایوب انصاری کی حدیث سے ثابت ہوتی ہیں۔ علامہ عینی رح نے یہی کہا ہے۔

۱۲۲۵۔ حَدَّثَنَا الْقَعْنَبِيُّ نَا عِيسَى بْنُ حَفْصِ بْنِ عَاصِمِ بْنِ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ عَنْ أَبِيهِ قَالَ صَحِبْتُ ابْنَ عُمَرَ فِي الطَّرِيقِ قَالَ فَصَلَّى بِنَا رَكْعَتَيْنِ ثُمَّ أَقْبَلَ فَرَأَى نَاسًا قِيَامًا فَقَالَ مَا يَصْنَعُ هَؤُلَاءِ قُلْتُ يُسَبِّحُونَ قَالَ لَوْ كُنْتُ مُسَبِّحًا أَتْمَمْتُ صَلَاتِي يَا ابْنَ أَخِي إِنِّي صَحِبْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي السَّفَرِ فَلَمْ يَزِدْ عَلَى رَكْعَتَيْنِ حَتَّى قَبَضَهُ اللَّهُ عَزَّ وَجَلَّ وَصَحِبْتُ أَبَا بَكْرٍ فَلَمْ يَزِدْ عَلَى رَكْعَتَيْنِ حَتَّى قَبَضَهُ اللَّهُ عَزَّ وَجَلَّ وَصَحِبْتُ عُمَرَ فَلَمْ يَزِدْ عَلَى رَكْعَتَيْنِ حَتَّى قَبَضَهُ اللَّهُ عَزَّ وَجَلَّ وَصَحِبْتُ عُثْمَانَ فَلَمْ يَزِدْ عَلَى رَكْعَتَيْنِ حَتَّى قَبَضَهُ اللَّهُ عَزَّ وَجَلَّ وَقَدْ قَالَ عَزَّ وَجَلَّ لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللَّهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ

حفص بن عاصم بن عمر رض کا بیان ہے کہ میں ایک سفر میں ابن عمر رض کے ساتھ تھا، آپ نے ہمیں دو رکعت نماز پڑھائی پھر توجہ کی تو کچھ لوگوں کو نماز میں کھڑے دیکھا۔ پس فرمایا یہ لوگ کیا کرتے ہیں؟ میں نے کہا کہ نفل پڑھتے ہیں۔ ابن عمر رض نے کہا کہ اگر مجھے نفل پڑھنا ہوتے تو فرض نماز ہی کیوں نہ پوری کر لیتا؟ اے میرے بھتیجے میں سفر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رہا ہوں، میں نے آپ کو وفات شریف تک دو رکعت پر اضافہ کرتے نہیں دیکھا اور میں ابو بکر رض کے ساتھ رہا تو انہوں نے بھی دو رکعت پر اضافہ نہ کیا حتیٰ کہ اللہ عزوجل نے انہیں واپس بلا لیا، اور میں حضرت عمر رض کے ساتھ رہا تو انہوں نے بھی دو رکعت پر اضافہ نہ کیا حتیٰ کہ اللہ عزوجل نے انہیں قبض کر لیا اور میں عثمان رض کے ساتھ رہا انہوں نے بھی دو رکعت پر اضافہ نہ کیا حتیٰ کہ اللہ عزوجل نے انہیں وفات دے دی اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: تمہارے لیے اللہ کے رسول میں بہتر نمونہ ہے (اسے بخاری، مسلم، نسائی اور ابن ماجہ نے بھی روایت کیا ہے کسی نے مختصراً اور کسی نے مطولاً)

شرح: حضرت عثمان رض کے بارے میں ابن عمر رض کا یہ قول کتب حدیث کے اس بیان کے خلاف ہے کہ وہ اپنی خلافت کے پہلے ایام میں قصر کرتے تھے مگر پھر اتمام کرنے لگے۔ پس اس سے مراد یہی ہوگی کہ وہ زیادہ تر صرف دو رکعت پڑھتے

تھے۔ یا یہ مطلب ہے کہ ان بزرگوں میں سے کوئی بھی سفر میں سنن رواتب اور نوافل نہیں پڑھتا تھا۔ اور حضرت عثمانؓ صرف اس وقت اتمام کرتے تھے جبکہ منزل پر ٹھہرے ہوئے ہوں، حالتِ سفر میں وہ بھی دو ہی رکعت پڑھتے تھے (حضرت عثمانؓ کی تاویل سے تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے صرف مکہ میں اتمام کیا تھا اس تاویل پر کہ انہوں نے وہاں کچھ جائداد بنالی تھی یا نکاح کر لیا تھا۔ شاید مکہ (منیٰ) کے علاوہ کہیں اور اتمام نہ کیا ہو، اعتراض بھی ان پر صرف اُسی وقت ہوا تھا جبکہ انہوں نے مکہ میں اتمام کیا تھا۔ بہر حال یہ مسئلہ قابلِ غور ہے اور مسند احمد کی ایک روایت سے بھی معلوم ہوتا ہے (فتح الملہم ج ۲)

مولانا نے فرمایا کہ اس حدیث میں ایک اشکال اور بھی ہے۔ وہ یہ کہ اس سے تو پتہ چلتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرات صحابہؓ کبار سفر میں نفل نہیں پڑھتے تھے حالانکہ ابن عمرؓ سے ہی حضورؐ کے سفر میں نفل پڑھنے کی روایت موجود ہے جس کی طرف ترمذی نے اشارہ کیا ہے۔ شیخ بدرالدین عینی نے اپنے استاد شیخ زین الدین سے اس کا یہ جواب نقل کیا ہے کہ مطلق نفل اور صلاۃ اللیل سے نہ ابن عمرؓ نے روکا ہے نہ کسی اور نے، رہے سننِ رواتب تو ابن عمرؓ کی حدیث کا مطلب یہ ہے کہ غالب احوال میں حضورؐ نے انہیں نہیں پڑھا اور بعض دفعہ پڑھا بھی ہے بطورِ استحباب نہ کہ بطورِ رواتب۔ پڑھنے کا ثبوت بزار کی حدیث میں بھی ہے، بشرطیکہ ان دو رکعتوں کو رکعاتِ زوال نہ قرار دیا جائے اور سواری پر بھی نفل پڑھنا صحاح میں ثابت ہوا ہے جیسا کہ ابھی ابوداؤد کی روایت میں آئے گا۔ مولانا نے فرمایا کہ میرے نزدیک بہتر جواب یہ ہے کہ نفل نہ پڑھنے کو حالتِ سیر پر اور پڑھنے کو حالتِ نزول پر محمول کیا جائے۔ لیکن اس جواب کی صورت میں سواری پر پڑھے جانیوالی نماز کو مطلق نفل قرار دینا ہوگا یا پھر یہ تاویل درست نہ ہوگی کہ حضورؐ نے سواری پر جو نفل پڑھے تھے وہ مسافتِ قصر سے کم سفر کی حالت میں تھے، لیکن اس صورت میں یہ ثابت کرنا ہوگا کہ نفل واقعی مسافتِ قصر کے اندر اندر تھے!)

بَابُ التَّطَوُّعِ عَلَى الرَّاحِلَةِ وَالْوِتْرِ

سواری پر نفل اور وتر پڑھنے کا باب

۱۲۲۶۔ حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ صَالِحٍ نَا ابْنُ وَهْبٍ أَخْبَرَنِي يُونُسُ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ عَنْ سَالِمٍ عَنْ أَبِيهِ قَالَ كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُسَبِّحُ عَلَى الرَّاحِلَةِ أَيَّ وَجْهٍ تَوَجَّهَ وَيُوتِرُ عَلَيْهَا غَيْرَ أَنَّهُ لَا يُصَلِّي الْمَكْتُوبَةَ عَلَيْهَا۔

عبداللہ بن عمرؓ نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سواری پر نفل پڑھتے تھے جس طرف کو بھی سواری جائے (یا جس طرف بھی تشریف لے جائیں) اور اس پر وتر بھی پڑھتے تھے، لیکن فرض نماز سواری پر نہ پڑھتے تھے (یہ حدیث بخاری، مسلم اور نسائی نے بھی روایت کی ہے)

شرح: معالم السنن میں خطابی نے کہا ہے کہ سواری پر نفل پڑھنے کی صورت یہ ہے کہ ابتداءً قبلہ رخ کرے

اور پھر جدھر سواری جائے اشارے سے رکوع و سجود کرتا رہے یہ امام شافعیؒ کا مسلک ہے۔ حنفیہ کے نزدیک اس میں ابتدا و انتہا کا کوئی فرق نہیں، جب نماز اس حالت میں استقبالِ قبلہ کے بغیر جائز ہے تو ابتدا بھی جائز ہے۔ پھر نماز وتر کے متعلق اختلاف ہے، علامہ عینی نے کہا کہ اس حدیث عطاء اور حسن بصری نے وتر کے سواری پر پڑھنے کے جواز پر استدلال کیا ہے اور یہ حضرت علیؓ اور ابن عباسؓ سے مروی ہے۔ امام مالک کے نزدیک صرف اس سفر میں نماز سواری پر جائز ہے (یعنی فرض کے علاوہ) جو مسافتِ قصر کا ہو۔ شافعیؒ اور اوزاعی کے نزدیک کم یا زیادہ سفر اس مسئلے میں برابر ہے، بہر صورت سواری پر نفل جائز ہیں۔ ابن حزم نے المحلّٰی میں کہا ہے کہ وتر کو آدمی بلا عذر بھی بیٹھ کر یا کھڑے ہو کر جیسے چاہے پڑھ سکتا ہے۔ عروہ، ابراہیم نخعی، ابو حنیفہ اور ان کے دونوں ساتھیوں کے نزدیک وتر صرف زمین پر جائز ہیں فرائض کی مانند۔ اور یہ حضرت عمرؓ بن الخطاب سے اور حسب روایت ابن ابی شیبہ ابن عمرؓ سے مروی ہے۔ ان دوسرے قول والوں کی دلیل طحاوی کی روایت ہے جو سند صحیح سے آئی ہے کہ ابن عمرؓ سواری پر نفل پڑھتے تھے اور وتر زمین پر پڑھتے تھے اور کہتے تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی ایسا ہی کرتے تھے۔ اور یہ روایت اس زیرِ نظر حدیث کے خلاف ہے۔ طحاوی نے مجاہد سے ایک اور روایت بھی بیان کی ہے کہ ابن عمرؓ سفر میں اپنے اونٹ پر نماز پڑھتے تھے، اور بوقتِ سحر اُتر کر وتر پڑھتے تھے۔ اور ابن ابی شیبہ نے مجاہد سے روایت کی ہے کہ اس نے کہا میں مدینہ سے مکہ تک سفر میں ابن عمرؓ کے ساتھ رہا، وہ نفل تو سواری پر پڑھتے تھے مگر فرض کے لیے نیچے اترتے تھے۔ مسند احمد میں سعید بن جبیر سے روایت ہے کہ ابن عمرؓ نفل سواری پر پڑھتے تھے اور جب وتر پڑھنا چاہتے تو نیچے اتر کر پڑھتے تھے۔ طحاوی کی روایت سے دو باتوں کا پتہ چلا ایک تو یہ ابن عمرؓ وتر زمین پر اتر کر پڑھتے تھے اور دوسری یہ کہ انھوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا بھی یہی فعل روایت کیا۔ اور اس زیرِ نظر حدیث سے بھی دو ہی باتیں معلوم ہوئیں کہ نفل اور وتر تو حضور سواری پر پڑھتے تھے مگر فرض زمین پر ادا فرماتے تھے۔ اس کا جواب یہ ہو سکتا ہے کہ فرض نماز کے علاوہ باقی ہر نماز کی حیثیت بنیادی طور پر تو نفل کی ہے مگر دیگر دلائل کی بنا پر ان کی درجہ بندی کی جاتی ہے کہ کوئی واجب ہے، کوئی سنتِ مؤکدہ ہے اور کوئی مستحب ہے۔ وتر میں پہلے پہل اتنی تاکید نہ تھی مگر بعد میں ایسے دلائل موجود ہیں جن سے اس کا وجوب ثابت ہوتا ہے لہٰذا وہ عام نفل کی مانند نہیں رہا۔ اس پر مزید بحث انشاء اللہ تعالیٰ ابواب الوتر میں آرہی ہے۔ امام طحاوی نے لکھا ہے کہ وتر عام نوافل کی مانند نہیں ہے یہی وجہ ہے کہ کسی کے نزدیک بھی زمین پر بیٹھ کر بلا عذر اس کا ادا کرنا جائز نہیں ہے، پس جو شخص سواری سے نیچے اترنے پر قادر ہو اس کا بھی یہی حکم ہے اس حیثیت سے میرے نزدیک وتر کا سواری پر پڑھنا منسوخ ہو چکا ہے۔

۱۲۲۷۔ حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ نَا رِبْعِيُّ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ الْجَارُوْدِ حَدَّثَنِيْ عَمْرُو بْنُ اَبِي الْحَجَّاجِ حَدَّثَنِي الْجَارُوْدُ بْنُ اَبِيْ سَبْرَةَ حَدَّثَنِيْ اَنَسُ بْنُ مَالِكٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ اِذَا سَافَرَ فَاَرَادَ اَنْ يَّتَطَوَّعَ اِسْتَقْبَلَ بِنَاقَتِهِ الْقِبْلَةَ فَكَبَّرَ ثُمَّ صَلّٰى حَيْثُ وَجَّهَهٗ رِكَابُهٗ۔

انس بن مالک رضی اللہ عنہ نے حدیث بیان کی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سفر میں ہوتے اور نفل پڑھنے کا ارادہ کرتے تو اپنی اونٹنی کو قبلہ رُخ کر لیتے اور تکبیر تحریمہ کہتے، پھر جدھر بھی سواری جاتی آپ اُدھر ہی نفل پڑھتے رہتے تھے (منذری نے کہا ہے کہ اس حدیث کی سند حسن ہے)

شرح: سفر سے اس حدیث میں سفر شرعی لیا گیا ہے مگر کفایہ میں ہے کہ صحیح یہ ہے کہ اس مسئلے میں سفر و اقامت برابر ہے۔ حنفیہ میں سے امام محمدؒ کے نزدیک شہر میں سواری پر نفل مکروہ ہے مگر ابو یوسفؒ اس کے جواز کے قائل ہیں۔ شافعی حضرات نے اس حدیث سے استدلال کیا ہے کہ تکبیر تحریمہ کے وقت سواری پر استقبالِ قبلہ شرط ہے مگر حنفیہ کے نزدیک یہ مستحب ہے شرط نہیں۔ مولانا نےؒ فرمایا کہ اگر اس حدیث کو صحیح مانا جائے تو حضورؐ کے فعل کو بنا بر اولویت ماننا پڑیگا نہ کہ بنا بر وجوب و شرائط۔

۱۲۲۸۔ حَدَّثَنَا الْقَعْنَبِيُّ عَنْ مَالِكٍ عَنْ عَمْرِو بْنِ يَحْيَى الْمَازِنِيِّ عَنْ أَبِي الْحُبَابِ سَعِيدِ بْنِ يَسَارٍ عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عُمَرَ أَنَّهُ قَالَ رَأَيْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُصَلِّي عَلَى حِمَارٍ وَهُوَ مُتَوَجِّهٌ إِلَى خَيْبَرَ.

عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے کہا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو گدھے پر نماز پڑھتے دیکھا جبکہ آپ خیبر کی طرف تشریف لے جا رہے تھے۔ (یہ حدیث مسلم اور نسائی نے بھی روایت کی ہے)

شرح: خیبر مدینہ سے جانب شمال ہے اور مدینہ مکہ اور خیبر کے درمیان واقع ہے، پس خیبر کو جس کا رُخ ہوگا اس کی پشت قبلہ کو ہوگی۔ بقول نوویؒ دار قطنی وغیرہ نے کہا ہے کہ اس حدیث میں گدھے کا ذکر عمرو بن یحییٰ مازنی (راوی حدیث) کی غلطی سے آیا ہے۔ محدثین نے کہا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سواری پر نماز کے لیے اونٹ یا راحلہ (اونٹ) کا لفظ ہی معروف ہے۔ اور درست یہ ہے کہ گدھے پر نفل پڑھنا انس بن مالکؓ کا فعل تھا جیسا کہ خود انسؓ سے مروی ہے، یہی سبب ہے کہ بخاری نے عمرو مازنی کی حدیث کا ذکر نہیں کیا۔ مولانا نےؒ فرمایا کہ مازنی کی غلطی ثابت کرنے کے لیے یہ دار قطنی اور اس کے متابعین کا قول ہے لیکن عمرو کی روایت کی تقلید میں کلام ہے، وہ ثقہ ہے اور ایسی چیز بیان کر رہا ہے جس کا احتمال موجود ہے ممکن ہے کبھی ایسا بھی ہوا ہو۔ زیادہ سے زیادہ اس روایت کو حفاظ کی جماعت کے بیان کے خلاف ہونے کی بنا پر شاذ کہا جا سکتا ہے لیکن وہ بھی اس صورت میں کہ جماعت حفاظ اس واقعۂ خاص کے بیان میں اونٹ کا ذکر کرے نہ کہ گدھے کا۔ یہ بھی یاد رہے کہ دار قطنی وغیرہ نے یہاں مسلم کی روایت کو شاذ کہا ہے۔ اگر کسی حنفی کی زبان سے یہ نکلتا تو یہ حضرات آستینیں چڑھا کر میدان میں اُتر آتے۔

۱۲۲۹۔ حَدَّثَنَا عُثْمَانُ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ نَا وَكِيعٌ عَنْ سُفْيَانَ عَنْ أَبِي الزُّبَيْرِ عَنْ جَابِرٍ قَالَ بَعَثَنِي رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي حَاجَةٍ قَالَ فَجِئْتُ وَهُوَ يُصَلِّي عَلَى رَاحِلَتِهِ نَحْوَ الْمَشْرِقِ وَالسُّجُودُ أَخْفَضُ مِنَ الرُّكُوعِ۔

جابرؓ نے کہا کہ مجھ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی کام پر بھیجا۔ جب میں واپس آیا تو آپ اپنی اونٹنی پر مشرق کی طرف کو نماز پڑھ رہے تھے، سجدے کا ارشارہ رکوع سے پست تر کرتے تھے (اس حدیث کو بخاری نے بھی روایت کیا ہے مگر وہاں "مشرق کی طرف" کے بجائے فِی غَیْرِ الْقِبْلَۃِ کا لفظ ہے)

بَابُ الْفَرِيضَةِ عَلَى الرَّاحِلَةِ مِنْ عُذْرٍ

کسی عذر سے فرض کو سواری پر پڑھنے کا باب

۱۲۳۰۔ حَدَّثَنَا مَحْمُودُ بْنُ خَالِدٍ نَا مُحَمَّدُ بْنُ شُعَيْبٍ عَنِ النُّعْمَانِ بْنِ الْمُنْذِرِ عَنْ عَطَاءِ بْنِ أَبِي رَبَاحٍ أَنَّهُ سَأَلَ عَائِشَةَ هَلْ لِلنِّسَاءِ أَنْ يُصَلِّينَ عَلَى الدَّوَابِّ قَالَتْ لَمْ يُرَخَّصْ لَهُنَّ فِي ذٰلِكَ فِي شِدَّةٍ وَلَا رَخَاءٍ قَالَ مُحَمَّدُ بْنُ شُعَيْبٍ هٰذَا فِي الْمَكْتُوبَةِ -

عطاء ابن ابی رباح نے حضرت عائشہؓ سے پوچھا کہ کیا عورتوں کو سواریوں پر نماز پڑھنے کی رخصت دی گئی ہے؟ تو انہوں نے کہا کہ اس بارے میں تنگی اور آسانی کسی حال میں بھی عورتوں کو اجازت نہیں دی گئی۔ محمد بن شعیب راوی حدیث کا بیان ہے کہ یہ حکم فرض نماز میں ہے (تنگی اور آسانی سے مراد محض مبالغہ ہے اور اس سے حالت عذر مراد نہیں ہے ورنہ عذر میں تو عورتیں کیا مرد بھی فریضہ سواری پر ادا کر سکتے ہیں۔)

بَابُ مَتٰى يُتِمُّ الْمُسَافِرُ

باب اس مسئلے میں کہ مسافر کب پوری نماز پڑھے؟

۱۲۳۱۔ حَدَّثَنَا مُوسَى بْنُ إِسْمٰعِيلَ نَا حَمَّادٌ ح وَحَدَّثَنَا إِبْرَاهِيمُ بْنُ مُوسَى أَنَا ابْنُ عُلَيَّةَ وَهٰذَا لَفْظُهُ قَالَ أَنَا عَلِيُّ بْنُ زَيْدٍ عَنْ أَبِي نَضْرَةَ عَنْ عِمْرَانَ بْنِ حُصَيْنٍ قَالَ غَزَوْتُ مَعَ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَشَهِدْتُ مَعَهُ الْفَتْحَ فَأَقَامَ بِمَكَّةَ ثَمَانِيَ عَشْرَةَ لَيْلَةً لَا يُصَلِّي إِلَّا رَكْعَتَيْنِ وَيَقُولُ يَا أَهْلَ الْبَلَدِ صَلُّوا أَرْبَعًا فَإِنَّا قَوْمٌ سَفْرٌ -

عمران بن حصین نے کہا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ہو کر جہاد کیا اور آپ کے ساتھ فتح مکہ میں موجود تھا، آپ مکہ میں اٹھارہ دن رہے مگر دو رکعت پڑھتے رہے اور فرماتے رہے: اے شہر والو! تم چار رکعت پڑھو کیونکہ ہم تو مسافر ہیں (اس حدیث کو ترمذی نے بھی روایت کیا اور اسے حسن صحیح کہا، مگر بقول منذری اس کی سند میں علی بن زید بن جدعان ہے جو بعض ائمہ حدیث کے نزدیک متکلم فیہ ہے اور اس حدیث کے اضطراب کے باعث اسے حجت نہیں ٹھہرایا جا سکتا)

شرح: مسافر جب سفر پورا کرے تو پوری نماز پڑھے گا۔ سفر پورا ہونے کی دو صورتیں ہیں، ایک یہ کہ اپنے وطن پہنچ جائے اس صورت میں اتمام صلوٰۃ پر اجماع ہے۔ دوسری صورت یہ ہے کہ کسی اقامت گاہ میں جہاں ٹھہرنا ممکن ہو اقامت کی نیت کرے تو وہ مقیم شمار ہو گا سو اس مسئلہ میں اختلاف اسی دوسری صورت میں ہے کہ مدت اقامت کتنی ہے جس کی نیت سے مسافر مقیم ہو جاتا ہے۔ ابو حنیفہؒ کے نزدیک جب مسافر پندرہ دن کی اقامت کی نیت کرے تو وہ مقیم ہو جاتا ہے۔ امام مالکؒ اور شافعیؒ کے نزدیک چار دن ٹھہر جانے سے مقیم ہو جاتا ہے۔ امام احمدؒ کے نزدیک جب ۲۱ نمازوں کی مدت تک ٹھہرنے کا ارادہ ہو تو مسافر ہے ورنہ اس سے زیادہ میں مقیم۔ اور اس مسئلے میں بہت اختلاف ہے۔ جمہور کے نزدیک یہ زیر نظر حدیث اس صورت پر محمول ہے کہ مسافر اقامت کی نیت نہ کرے اور آج کل آجکل میں رہے۔ فتح مکہ کا زمانہ ایک ہنگامی دور تھا لہٰذا اس میں اقامت کی نیت نہ کی گئی اور اس کے باعث یہ دن بھی سفر میں شمار ہوئے۔

۱۲۳۲۔ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الْعَلَاءِ وَعُثْمَانُ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ الْمَعْنَى وَاحِدٌ قَالَا نَا حَفْصٌ عَنْ عَاصِمٍ عَنْ عِكْرِمَةَ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَقَامَ سَبْعَ عَشْرَةَ بِمَكَّةَ يَقْصُرُ الصَّلٰوةَ قَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ وَمَنْ أَقَامَ سَبْعَ عَشْرَةَ قَصَرَ وَمَنْ أَقَامَ أَكْثَرَ أَتَمَّ قَالَ أَبُو دَاوُدَ قَالَ عَبَّادُ بْنُ مَنْصُورٍ عَنْ عِكْرِمَةَ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ أَقَامَ تِسْعَ عَشْرَةَ۔

ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ۱۷ دن مکہ میں رہے مگر قصر نماز پڑھتے تھے۔ ابن عباس رضی اللہ عنہ نے کہا کہ جو شخص سترہ دن قیام کرے وہ قصر کرے اور جو اس سے زیادہ قیام کرے وہ پوری نماز پڑھے۔ ابوداؤد نے کہا کہ ابن عباس رضی اللہ عنہ سے دوسری روایت میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم انیس ۱۹ دن رہے تھے (یہ حدیث بخاری، ابن ماجہ اور ترمذی میں بھی ہے۔ ترمذی نے اسے حدیث غریب حسن صحیح کہا ہے)

شرح: بخاری کی حدیث میں اسی سند سے تسعۃ عشر کا لفظ ہے۔ پچھلی حدیث میں اٹھارہ دن مکہ میں قیام کا ذکر تھا۔ اگلی حدیث میں پندرہ دن کا ذکر ہے اور خطابی کا قول گزر چکا ہے کہ اس حدیث پر عمل نہیں کیونکہ یہ مضطرب ہے، بیہقی نے ان احادیث کو جمع کرنے کے لئے کہا ہے کہ جس نے انیس ۱۹ دن کہا اس نے وارد ہونے اور رخصت ہونے والے دن کا بھی شمار کیا ہے، جس نے سترہ ۱۷ دن کہا اس نے یہ دونوں دن حذف کر دیئے ہیں۔ اور جس نے اٹھارہ ۱۸ دن کہا اس نے ان میں سے ایک کو شمار کر لیا ہے، رہی پندرہ دن والی روایت، سو نوویؒ نے اس کی تضعیف کی ہے، لیکن بات درست نہیں کیونکہ اس کے راوی ثقہ ہیں اور ابن اسحاق اس میں منفرد نہیں بلکہ نسائی نے اسے عراک بن مالک عن عبید اللہ کے طریق سے اس حدیث کو اسی طرح روایت کیا ہے اور جب اس کی صحت ثابت ہو گئی تو اسے اس بات پر محمول کیا جائے گا کہ راوی نے اصل روایت سترہ دن کی سمجھی اور آمد و رفت کے دو دن نکال دیئے تو پندرہ دن رہ گئے جن کی اس نے روایت کر دی ہے۔ اور اس بحث کا تقاضا یہ ہے کہ انیس ۱۹ دن والی روایت زیادہ راجح ہے اور اس کو اسحاق بن راہویہ نے لیا ہے اور اس کی ترجیح اس سے بھی ہوتی ہے جو زیادہ تر صحیح روایات میں وارد ہے۔ اور ثوری اور فقہائے کوفہ نے

پندرہ[۱۵] والی روایت لی ہے کیونکہ وہ کم تر مقدار پر مشتمل ہے اور زیادہ کا عدد اتفاق سے واقع ہوا ہے۔ امام شافعیؒ نے عمران بن حصینؓ کی روایت کو لیا ہے لیکن اس کا محل ان کے نزدیک یہ ہے کہ یہ اس شخص کے لیے ہے جو اقامت کی پختہ نیت نہ کرے پس جب یہ مدت گزر جائے گی تو اس پر اتمام واجب ہو جائے گا۔ اور اگر اس نے ابتدا سے ہی چار دن کے قیام کا پختہ عزم کر لیا تو وہ اتمام کرے گا۔ لیکن اس مسئلے میں اصحاب شافعیؒ میں اختلاف ہے کہ دخول و خروج کے دو دن بھی ان میں شامل ہوں گے یا نہیں۔ اور شافعیؒ کی دلیل انسؓ کی آئندہ حدیث ہے۔

ابن عباسؓ کا مذہب جو انیس[۱۹] دن کا ہے اس کے متعلق حافظ ابن حجرؒ نے کہا ہے کہ ابن عباسؓ اس میں متفرد ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے انیس[۱۹] کا قیام اس لیے فرمایا تھا کہ آپؐ نے طائف کا محاصرہ کر رکھا تھا یا ہوازن کی جنگ کا قصہ تھا اور آپ کو ہر گھڑی جنگ کے نتیجے کی خبر کا انتظار تھا لہذا آپ درحقیقت مقیم نہ تھے کیونکہ فتح کی خبر آتے ہی خروج کا ارادہ تھا۔ عباد بن منصور کی تعلیق جو ابوداؤد نے بیان کی ہے اسے بیہقی نے موصول کر دیا ہے۔

۱۲۳۳۔ حَدَّثَنَا النُّفَيْلِيُّ نَا مُحَمَّدُ بْنُ سَلَمَةَ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ إِسْحَاقَ عَنِ الزُّهْرِيِّ عَنْ عُبَيْدِ اللهِ بْنِ عَبْدِ اللهِ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ أَقَامَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِمَكَّةَ عَامَ الْفَتْحِ خَمْسَ عَشْرَةَ يَقْصُرُ الصَّلٰوةَ قَالَ أَبُودَاوُدَ رَوٰى هٰذَا الْحَدِيْثَ عَبْدَةُ بْنُ سُلَيْمَانَ وَأَحْمَدُ بْنُ خَالِدٍ الْوَهْبِيُّ وَسَلَمَةُ بْنُ الْفَضْلِ عَنِ ابْنِ إِسْحَاقَ لَمْ يَذْكُرُوْا فِيْهِ ابْنَ عَبَّاسٍ۔

عبداللہ بن عباسؓ نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فتح مکہ کے زمانے میں پندرہ دن مکہ میں مقیم رہے تھے اور نماز قصر کرتے تھے۔ ابوداؤد نے کہا کہ اس حدیث کو عبدہ بن سلیمان، احمد بن خالد وہبی اور سلمہ بن فضل نے ابن اسحاق سے روایت کیا ہے اور اس روایت میں انہوں نے ابن عباسؓ کا ذکر نہیں کیا (اس حدیث کو نسائی اور ابن ماجہ نے بھی روایت کیا ہے اور منذری نے ابن اسحاق کی وجہ سے اسے معلول ٹھہرایا ہے)

شرح: ابوداؤد نے اس حدیث جماعت محدثین سے مرسل روایت کرنے کو مسند پر ترجیح دی ہے۔ اور اسی طرح بیہقی کا قول بھی ہے۔ اس نے اس حدیث کی سند میں عراک بن مالک عن نبی صلی اللہ علیہ وسلم کہا ہے اور اسے عراک کا مرسل بتایا ہے اور ایک روایت میں اسے زہری کا قول بتایا ہے مگر صحیح اس کا مرسل ہونا ہے۔ مولاناؒ نے فرمایا کہ بیہقی نے جس روایت میں اسے زہری کا قول کہا ہے طحاوی نے اسے ابن ادریس کے طریق سے مسنداً روایت کیا ہے اور بیہقی نے ایک اور طریق سے مسند روایت ابن عباسؓ سے پندرہ دن کی بیان کی ہے۔ عراک بن مالک کی حدیث کو نسائی نے مسند بیان کیا ہے

۱۲۳۴۔ حَدَّثَنَا نَصْرُ بْنُ عَلِيٍّ أَخْبَرَنِيْ أَبِيْ نَا شَرِيْكٌ عَنِ ابْنِ الْأَصْبَهَانِيِّ عَنْ عِكْرِمَةَ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ أَنَّ رَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَقَامَ بِمَكَّةَ سَبْعَ عَشْرَةَ يُصَلِّيْ

رَكْعَتَيْنِ۔

ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مکہ میں سترہ دن رہے اور دو دو رکعت پڑھتے رہے (حدیث نمبر ۱۲۳۲ کی یہ دوسری روایت ہے۔ مضمون واحد ہے)

۱۲۳۵۔ حَدَّثَنَا مُوسَى بْنُ إِسْمَعِيلَ وَمُسْلِمُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ الْمَعْنَى قَالَا نَا وُهَيْبٌ حَدَّثَنِي يَحْيَى بْنُ أَبِي إِسْحَاقَ عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ خَرَجْنَا مَعَ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنَ الْمَدِينَةِ إِلَى مَكَّةَ فَكَانَ يُصَلِّي رَكْعَتَيْنِ حَتَّى رَجَعْنَا إِلَى الْمَدِينَةِ فَقُلْنَا هَلْ أَقَمْتُمْ بِهَا شَيْئًا قَالَ أَقَمْنَا بِهَا عَشْرًا۔

انس بن مالک رضی اللہ عنہ نے کہا کہ ہم مدینہ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مکہ کو روانہ ہوئے تو آپ مدینہ میں واپسی تک دو دو رکعت پڑھتے رہے۔ راوی یحییٰ بن ابی اسحاق کہتا ہے کہ ہم نے انس رضی اللہ عنہ سے پوچھا: کیا آپ لوگ مکہ میں کچھ دن مقیم رہے تھے؟ تو انس رضی اللہ عنہ نے کہا کہ ہم دس دن مقیم رہے تھے (اس حدیث کو بخاری، مسلم، ترمذی اور ابن ماجہ نے بھی روایت کیا ہے)

شرح: اس حدیث میں جس سفر کا بیان ہے یہ حجۃ الوداع کا سفر تھا۔ دس دن کی تعداد مکہ، منیٰ اور عرفات میں گزری تھی۔ امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ نے کہا ہے کہ حدیث انس رضی اللہ عنہ کا مطلب صرف یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے حج کے موقع پر مکہ میں داخل ہونے سے لے کر روانگی تک دس دن گزرے تھے۔ محب طبری نے کہا کہ مکہ شہر کے علاوہ جن جگہوں میں حضور کا حج وعمرہ میں قیام رہا وہ نسک حج کے باعث تھا اور یہ سب مقام مکہ شہر کے تابع ہیں۔ نووی رحمہ اللہ نے شرح مسلم میں کہا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ۴ ذی الحجہ کو مکہ میں داخل ہوئے۔ پانچ سے لے کر سات تک وہیں رہے اور آٹھویں تاریخ کو منیٰ کی طرف نکلے، نو کو عرفات میں پہنچے اور دس کو منیٰ واپس آ گئے۔ اب ۱۱ اور ۱۲ تاریخ کو وہیں رہے اور ۱۳ کو مکہ شہر کی طرف کوچ فرمایا: ۱۴ ذی الحجہ کو آپ مکہ سے نکل کر مدینہ کو روانہ ہو گئے۔ پس حضور کی اقامت مکہ اور اس کے اردگرد ۱۰ دن تھی۔

۱۲۳۶۔ حَدَّثَنَا عُثْمَانُ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ وَابْنُ الْمُثَنَّى وَهَذَا لَفْظُ ابْنِ الْمُثَنَّى قَالَا نَا أَبُو أُسَامَةَ قَالَ ابْنُ الْمُثَنَّى قَالَ أَخْبَرَنِي عَبْدُ اللهِ بْنُ مُحَمَّدِ بْنِ عُمَرَ بْنِ عَلِيِّ بْنِ أَبِي طَالِبٍ عَنْ أَبِيهِ عَنْ جَدِّهِ أَنَّ عَلِيًّا كَانَ إِذَا سَافَرَ سَارَ بَعْدَ مَا تَغْرُبُ الشَّمْسُ حَتَّى تَكَادَ أَنْ تُظْلِمَ ثُمَّ يَنْزِلُ فَصَلَّى الْمَغْرِبَ ثُمَّ يَدْعُو بِعَشَائِهِ فَيَتَعَشَّى ثُمَّ يُصَلِّي الْعِشَاءَ ثُمَّ

يَرْتَحِلُ وَيَقُولُ هٰكَذَا كَانَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَصْنَعُ قَالَ عُثْمَانُ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ مُحَمَّدِ بْنِ عُمَرَ بْنِ عَلِيٍّ سَمِعْتُ اَبَادَاوُدَ يَقُولُ وَرَوٰى اُسَامَةُ بْنُ زَيْدٍ عَنْ حَفْصِ بْنِ عُبَيْدِ اللّٰهِ يَعْنِي ابْنَ اَنَسِ بْنِ مَالِكٍ اَنَّ اَنَسًا كَانَ يَجْمَعُ بَيْنَهُمَا حِيْنَ يَغِيْبُ الشَّفَقُ وَيَقُولُ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَصْنَعُ ذٰلِكَ وَرِوَايَةُ الزُّهْرِيِّ عَنْ اَنَسٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِثْلُهُ۔

عمر بن علیؓ بن ابی طالب کا بیان ہے کہ علیؓ جب سفر کرتے تھے تو سورج غروب ہونے کے بعد چلتے حتیٰ کہ اندھیرا ہونے کو ہوتا۔ پھر اترتے اور نماز مغرب پڑھتے، پھر رات کا کھانا طلب کرتے اور اسے تناول فرماتے پھر عشاء کی نماز پڑھتے، پھر کوچ کرتے اور کہتے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی ایسا ہی کیا کرتے تھے۔ ابن المثنی نے اخبرنی اور عثمان نے عن کا لفظ بولا ہے۔ لؤلؤی نے کہا کہ میں نے ابوداؤد کو کہتے سنا تھا کہ اُسامہ کی روایت کے مطابق انس بن مالک نمازوں کو شفق غائب ہونے کے وقت جمع کرتے تھے اور کہتے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایسا ہی کرتے تھے اور زہری کی روایت میں بھی یہی ہے (بقول منذری یہ حدیث نسائی نے بھی روایت کی ہے)

شرح: یہ عمر بن علیؓ عمر الاکبر کہلاتے تھے ان کی والدہ کا نام صہبا بنت ربیعہ تغلبی تھا۔ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ حضرت علیؓ کا عمل جمع حقیقی پر نہ تھا، بلکہ مغرب کو آخر وقت میں پڑھ کر کھانا کھاتے اور پھر عشاء پڑھ کر کوچ کرتے تھے، پس یہ حدیث جمع صُوری میں صریح ہے شاید اسی لیے ابوداؤدؒ نے انسؓ کی حدیث بیان کی کیونکہ اس سے بظاہر جمع حقیقی کا ثبوت نکلتا ہے۔ مگر یہ ثبوت اتنا صاف اور صریح نہیں جتنا حضرت علیؓ کی حدیث میں جمع صُوری کا ہے جیسا کہ صاف نظر آرہا ہے۔

بَابُ اِذَا اَقَامَ بِاَرْضِ الْعَدُوِّ يَقْصُرُ

دشمن کی سرزمین میں قیام ہو تو قصر کرنے کا باب

۱۲۳۷۔ حَدَّثَنَا اَحْمَدُ بْنُ حَنْبَلٍ نَا عَبْدُ الرَّزَّاقِ اَنَا مَعْمَرٌ عَنْ يَحْيَى بْنِ اَبِي كَثِيْرٍ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ ثَوْبَانَ عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ قَالَ اَقَامَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِتَبُوْكَ عِشْرِيْنَ يَوْمًا يَقْصُرُ الصَّلٰوةَ قَالَ اَبُوْدَاوُدَ غَيْرُ مَعْمَرٍ لَا يُسْنِدُهُ۔

جابر بن عبداللہ نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تبوک میں بیس دن مقیم رہے اور نماز قصر پڑھتے رہے۔ ابو داؤد نے کہا کہ معمر کے سوا یہ حدیث کسی نے مسند بیان نہیں کی (مختصر منذری میں ہے کہ بقول بیہقی یہ حدیث غیر محفوظ ہے)

شرح: دار الحرب اہل اسلام کے لیے دار القرار نہیں ہوتا لہذا جب کوئی جہاد و قتال کی غرض سے وہاں داخل ہو تو حکماً مسافر ہوگا، اقامت کی نیت اس سرزمین میں مؤثر ہے جو محل قرار و اقامت ہو۔ ایسے موقعوں پر ہر وقت جنگ کا خطرہ ہوتا ہے، ممکن ہے دشمن کے ہجوم کے باعث کسی وقت بھی کوچ کرنا پڑے۔ مسلمان اگر وہاں ٹھہریں بھی تو یہ قیام عارضی ہوتا ہے بغرض اقامت و توطن نہیں ہوتا۔ فتح بھی ہو تو ہر لحظہ واپسی کا گمان ہوتا ہے۔ یہی مذہب ابو حنیفہؒ کا ہے۔ الجوہر النقی میں ہے کہ الخلافیات کی نص کے مطابق امام شافعیؒ نے املاء میں اسی مدت کو صحیح گردانا ہے جو اس حدیث میں ہے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی اس مقام پر مدتِ اقامت اس بات پر دلالت نہیں کرتی کہ اگر آدمی کسی ایسی جگہ ٹھہرا ہوا ہو کہ آج یا کل کامیابی کی امید ہو تو چاہے کتنی مدت گزر جائے وہ بہرحال مسافر ہوگا کیونکہ اس کی نیت اقامت کی نہیں ہوتی۔ ترمذی نے کہا ہے کہ اہل علم کا اس پر اجماع ہے کہ مسافر جب تک اقامت کی پختہ نیت نہ کرے مسافر رہتا ہے چاہے اس طرح کئی سال گزر جائیں (یعنی مثلاً میدانِ جنگ میں، سرحد پر، دار الحرب میں وغیرہ وغیرہ)

شوکانی نے نیل الاوطار میں کہا ہے کہ حدیث جابرؓ کی روایت ابن حبان اور بیہقی نے بھی کی ہے اور ابن حزم اور نووی نے اسے صحیح قرار دیا ہے مگر دار قطنی نے العلل میں اسے ارسال و انقطاع کے باعث معلول کہا ہے کیونکہ علی بن مبارک وغیرہ حفاظِ حدیث اسے مرسل بیان کرتے ہیں۔

بَابُ ۱۲ صَلٰوةِ الْخَوْفِ مَنْ رَاٰى اَنْ يُّصَلِّىَ بِهِمْ وَهُمْ صَفَّانِ

نماز خوف کا باب

فَيُكَبِّرُ بِهِمْ جَمِيْعًا ثُمَّ يَرْكَعُ بِهِمْ جَمِيْعًا ثُمَّ يَسْجُدُ الْإِمَامُ وَالصَّفُّ الَّذِيْ يَلِيْهِ وَالْاٰخَرُوْنَ قِيَامٌ يَحْرُسُوْنَهُمْ فَإِذَا قَامُوْا سَجَدَ الْاٰخَرُوْنَ الَّذِيْنَ كَانُوْا خَلْفَهُمْ ثُمَّ تَاَخَّرَ الصَّفُّ الَّذِيْ يَلِيْهِ اِلٰى مَقَامِ الْاٰخَرِيْنَ فَتَقَدَّمَ الصَّفُّ الْاَخِيْرُ اِلٰى مَقَامِهِمْ ثُمَّ يَرْكَعُ الْإِمَامُ وَيَرْكَعُوْنَ جَمِيْعًا ثُمَّ يَسْجُدُ وَيَسْجُدُ الصَّفُّ الَّذِيْ يَلِيْهِ وَالْاٰخَرُوْنَ يَحْرُسُوْنَهُمْ فَإِذَا جَلَسَ الْإِمَامُ وَالصَّفُّ الَّذِيْ يَلِيْهِ سَجَدَ الْاٰخَرُوْنَ ثُمَّ جَلَسُوْا جَمِيْعًا ثُمَّ سَلَّمَ عَلَيْهِمْ جَمِيْعًا قَالَ اَبُوْ دَاوٗدَ هٰذَا قَوْلُ سُفْيَانَ۔

حسب بیان مولانا محمد یحییٰؒ کاندھلوی حضرت گنگوہی رحمہ اللہ نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے صلوٰۃ الخوف

کی جس قدر صورتیں مروی ہیں ارباب کتب حدیث نے ان کی تفصیل بیان نہیں کی، مگر امام ابو داؤد اس سے مستثنیٰ ہیں کیونکہ انہوں نے سنن میں بظاہر گیارہ صورتیں روایت کی ہیں، اور اگر کچھ روایات میں بعض احتمالات کو ظاہر کریں تو ان کی تعداد بڑھ جائے گی. تمام فقہاء کے نزدیک یہ سب صورتیں مقبول ہیں کیونکہ شرعاً جائز ہیں اور جنگ کی حالت اکثر ایک جیسی نہیں رہتی مختلف احوال میں بدلتی رہتی ہے۔ ضرورت تو صرف اس بات کی ہے کہ مسلمان اس شدت کے عالم میں بھی نماز جیسی عبادت کو ترک نہ کریں اور دشمن پر انشاء اللہ تعالیٰ اس کا رعب بھی پڑے گا) فقہاء کا اختلاف اس باب میں صرف اس امر میں ہے کہ ان صورتوں میں سے افضل و اولیٰ کون سی صورت ہے۔ ہاں دو صورتوں میں امام ابو حنیفہؒ کا اختلاف یہ ہے کہ یا تو وہ ان کی تاویل کرتے ہیں اور یا انہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مخصوص مانتے ہیں۔ اور یہ دو صورتیں وہ ہیں جنہیں ابو داؤد نے سب کے بعد میں بیان کیا ہے. ایک کا عنوان یہ ہے کہ: ہر گروہ کے ساتھ صرف ایک رکعت پڑھے اور ہر شخص کی (امام کے سوا) صرف ایک رکعت ہو۔ دوسری کا عنوان یہ ہے: ہر گروہ کے ساتھ دو رکعتیں پڑھنے کا باب۔

مولاناؒ فرماتے ہیں کہ صلوٰۃ الخوف کا مشروع ہونا قرآن سے ثابت ہے: اِنْ خِفْتُمْ اَنْ یَّفْتِنَکُمُ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا الخ۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد بھی تینوں حنفی ائمہ کے نزدیک صلاۃ الخوف مشروع ہے، مگر الحسن بن زیاد نے کہا کہ اب جائز نہیں، اور ابو یوسفؒ کا آخری قول بھی یہی ہے (شاید ان حضرات نے قرآن کے ان الفاظ سے یہ استنباط کیا ہے کہ: وَاِذَا کُنْتَ فِیْهِمْ فَاَقَمْتَ لَهُمُ الصَّلٰوۃَ الخ" جب اے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آپ ان میں ہوں اور انہیں نماز پڑھائیں تو الخ)، حنفیہ کے نزدیک صلوٰۃ الخوف کی افضل صورت وہ ہے جو قرآن کے سیاق کے موافق ہے اور امامت و اقتداء کے موضوع کے خلاف نہیں۔ مراقی الفلاح میں ہے کہ دشمن کے روبرو اگرچہ خوف شدید نہ ہو. صلوٰۃ الخوف جائز ہے اور سیلاب سے غرق ہو جانے کے خوف کے وقت بھی اور آگ سے جل جانے کے خوف کے وقت بھی جائز ہے۔ اگر لوگ صرف ایک ہی امام کے پیچھے نماز پڑھنے پر اصرار کریں تو امام ان کے دو گروہ بنائے، ایک کو تو پاسبانی کی خاطر دشمن کے سامنے کھڑا کرے اور دوسرے گروہ کو ایک رکعت نماز پڑھائے جب کہ فجر کی نماز ہو یا قصر کی نماز ہو، ورنہ پہلے پڑھنے والے گروہ کو دو رکعت پڑھائے، اور پھر یہ گروہ دشمن کے سامنے چلا جائے، بشرطیکہ پیدل جائیں، اگر سوار ہو کر جائیں گے یا صف بندی کی جہت کے بغیر جائیں گے تو ان کی نماز باطل ہو جائے گی۔ اور اس گروہ کے دشمن کے سامنے صف بستہ ہو جانے کے بعد پہلا گروہ جو وہاں صف بستہ تھا وہ آجائے گا اور امام کے ساتھ نماز کی نیت باندھ کر کھڑا ہو جائے گا اور امام باقی نماز انہیں پڑھائے گا مگر سلام صرف امام کرے گا کیوں کہ اس کی نماز پوری ہو گئی ہے۔ پھر یہ دشمن کے سامنے چلے جائیں گے (یعنی پیدل) اور پہلا گروہ اگر چاہے تو واپس آئے گا ورنہ اپنی جگہ پھر بلا قرأت نماز پوری کرے گا کیونکہ وہ حکماً امام کے پیچھے ہے، اور یہ گروہ جس کی نماز اب پوری ہو چکی ہے سلام پھیر کر دشمن کے سامنے صف بستہ ہو جائے گا اور دوسرا گروہ چاہے تو واپس آجائے گا اور اگر چاہے تو جہاں ہے وہیں یہ نماز پوری کرے گا مگر قرأت کے ساتھ کیونکہ وہ مسبوق ہیں، کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صلوٰۃ الخوف اس صفت کے ساتھ ادا فرمائی تھی۔ اور صلوٰۃ الخوف میں بہت سی روایات وارد ہیں جن میں سے سولہ مختلف روایات صحیح ہیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صلاۃ الخوف چوبیس بار پڑھی ہے۔ اور یہ سب صورتیں

جائز ہیں مگر اولیٰ وہ ہے جو ظاہر قرآن سے اقرب ہے اور وہی ہے جو ہم نے اوپر بیان کی ہے۔

امام ابوداؤد نے اس باب کے عنوان میں ایک طویل عبارت لکھی ہے جس کا ترجمہ یہ ہے: ابوداؤد نے کہا کہ اس باب میں ان لوگوں کے مطابق حدیث ہے جن کی رائے یہ ہے کہ امام مقتدیوں کی دو صفیں بنائے اور نماز کی ابتدا سب کے ساتھ کرے پھر سب کے ساتھ رکوع کرے۔ پھر امام اور اس کی قریبی صف سجدہ کرے اور پچھلی صف نگرانی میں کھڑی رہے، پس جب سجدہ کر کے اٹھیں تو دوسری صف جو پیچھے تھی وہ بھی سجدے کرے۔ پھر پہلی صف دوسری کی جگہ پر اور دوسری پہلی کی جگہ پر آجائے۔ پھر امام رکوع کرے تو سب لوگ اس کے ساتھ رکوع کریں اور امام سجدہ کرے تو اس کے ساتھ والی صف بھی سجدہ کرے اور پچھلی صف حفاظت میں کھڑی رہے۔ پھر جب امام بیٹھ جائے اور وہ صف بھی جو اس کے قریب ہے تو پچھلی صف بھی سجدہ کرے پھر وہ بھی بیٹھ جائے اور سب پر اکٹھے امام سلام کرے۔ ابوداؤد نے کہا کہ یہ سفیان کا قول ہے مگر یہ صورت ظاہر قرآن کے خلاف ہے کیونکہ اس سے تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ نماز کی ابتدا ایک فریق کے ساتھ کی جائے گی اور اس صورت میں دونوں گروہ اکٹھے نماز شروع کرتے ہیں۔

۱۲۳۸۔ **حَدَّثَنَا** سَعِيدُ بْنُ مَنْصُورٍ نَا جَرِيرُ بْنُ عَبْدِ الْحَمِيدِ عَنْ مَنْصُورٍ عَنْ مُجَاهِدٍ عَنْ أَبِي عَيَّاشٍ الزُّرَقِيِّ قَالَ كُنَّا مَعَ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِعُسْفَانَ وَعَلَى الْمُشْرِكِينَ خَالِدُ بْنُ الْوَلِيدِ فَصَلَّيْنَا الظُّهْرَ فَقَالَ الْمُشْرِكُونَ لَقَدْ أَصَبْنَا غِرَّةً لَقَدْ أَصَبْنَا غَفْلَةً لَوْ كُنَّا حَمَلْنَا عَلَيْهِمْ وَهُمْ فِي الصَّلٰوةِ فَنَزَلَتْ آيَةُ الْقَصْرِ بَيْنَ الظُّهْرِ وَالْعَصْرِ فَلَمَّا حَضَرَتِ الْعَصْرُ قَامَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مُسْتَقْبِلَ الْقِبْلَةِ وَالْمُشْرِكُونَ أَمَامَهُ فَصَفَّ خَلْفَ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَفٌّ وَصَفَّ بَعْدَ ذٰلِكَ الصَّفِّ صَفٌّ آخَرُ فَرَكَعَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَرَكَعُوا جَمِيعًا ثُمَّ سَجَدَ وَسَجَدَ الصَّفُّ الَّذِي يَلُونَهُ وَقَامَ الْآخَرُونَ يَحْرُسُونَهُمْ فَلَمَّا صَلّٰى هٰؤُلَاءِ السَّجْدَتَيْنِ وَقَامُوا سَجَدَ الْآخَرُونَ الَّذِينَ كَانُوا خَلْفَهُمْ ثُمَّ تَأَخَّرَ الصَّفُّ الَّذِي يَلِيهِ إِلٰى مَقَامِ الْآخَرِينَ وَتَقَدَّمَ الصَّفُّ الْأَخِيرُ إِلٰى مَقَامِ الصَّفِّ الْأَوَّلِ ثُمَّ رَكَعَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَرَكَعُوا جَمِيعًا ثُمَّ سَجَدَ وَسَجَدَ الصَّفُّ الَّذِي يَلِيهِ وَقَامَ الْآخَرُونَ يَحْرُسُونَهُمْ فَلَمَّا جَلَسَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَالصَّفُّ الَّذِي يَلِيهِ سَجَدَ الْآخَرُونَ ثُمَّ جَلَسُوا جَمِيعًا فَسَلَّمَ عَلَيْهِمْ جَمِيعًا فَصَلَّاهَا بِعُسْفَانَ وَصَلَّاهَا يَوْمَ

بَنِیْ سُلَیْمٍ قَالَ اَبُوْدَاوٗدَ وَرَوٰی اَیُّوْبُ وَهِشَامٌ عَنْ اَبِی الزُّبَیْرِ عَنْ جَابِرٍ هٰذَا الْمَعْنٰی عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ وَکَذٰلِکَ رَوَاهُ دَاوٗدُ بْنُ حُصَیْنٍ عَنْ عِکْرِمَةَ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ وَکَذٰلِکَ عَبْدُ الْمَلِکِ عَنْ عَطَاءٍ عَنْ جَابِرٍ وَکَذٰلِکَ قَتَادَةُ عَنِ الْحَسَنِ عَنْ حِطَّانَ عَنْ اَبِیْ مُوْسٰی فِعْلَهٗ وَکَذٰلِکَ عِکْرِمَةُ بْنُ خَالِدٍ عَنْ مُجَاهِدٍ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ وَکَذٰلِکَ هِشَامُ بْنُ عُرْوَةَ عَنْ اَبِیْهِ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ وَهُوَ قَوْلُ الثَّوْرِیِّ۔

ابو عیاش زرقی (زید بن صامت انصاری) نے کہا کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ عسفان میں تھے اور مشرکوں کا سپہ سالار اس وقت خالد بن الولید تھا۔ پس ہم نے ظہر کی نماز پڑھی تو مشرکوں نے کہا کہ ہم نے (مسلمانوں کی) غفلت کو پا لیا ہم نے غفلت کو پا لیا ہوتا اگر ہم ان پر حملہ کر دیتے دراں حالیکہ وہ نماز میں تھے۔ پس ظہر اور عصر کے درمیان قصر کی آیت اتری۔ پس جب عصر کا وقت آیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قبلہ رخ کھڑے ہوئے اور مشرک آپ کے سامنے تھے۔ پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے ایک صف بنی اور ایک صف اس کے بعد پیچھے بن گئی۔ پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے رکوع کیا تو سب نے رکوع کیا، پھر آپ نے سجدہ کیا تو ان کے پاس والی صف نے بھی سجدہ کیا اور پچھلی صف کے لوگ ان کی حفاظت کے لیے کھڑے رہے۔ پس جب پہلی صف والوں نے دو سجدے کر لیے اور اٹھ کھڑے ہوئے تو ان کے پیچھے والوں نے سجدہ کیا۔ پھر حضور کے ساتھ والی صف پیچھے ہٹ گئی اور پچھلی صف آگے آ گئی اور پہلی صف کی جگہ لے لی۔ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے رکوع کیا تو سب لوگوں نے رکوع کیا۔ پھر آپ نے سجدہ کیا اور آپ کے پاس والی صف نے بھی سجدہ کیا اور پچھلے لوگ کھڑے ان کی حفاظت کرتے رہے، پھر جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے ساتھ والی صف بیٹھ گئی تو پچھلوں نے سجدہ کیا۔ پھر سب بیٹھ گئے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سب پر سلام کیا۔ پس آپ نے یہ نماز عسفان میں پڑھی اور بنی سلیم کی جنگ میں بھی پڑھی۔ ابوداؤد نے کہا کہ ایوب اور ہشام نے ابو الزبیر سے اور اس نے جابرؓ سے اسی معنی کی حدیث روایت کی ہے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق۔ اور اسی طرح داؤد بن حصین نے عکرمہ سے اس نے عباسؓ سے اور اسی طرح عبد الملک نے عطاء سے اس نے جابرؓ سے۔ اور اسی طرح قتادہ نے حسن سے اس نے حطان سے اس نے ابو موسیٰؓ سے اس کا فعل روایت کیا۔ اور اسی طرح عکرمہ بن خالد نے مجاہد سے اس نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے اور اسی طرح ہشام بن عروہ نے اپنے باپ سے اس نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے۔ اور یہ ثوری کا قول ہے (ابوداؤد کے اقوال چھوڑ کر اصل حدیث نسائی نے بھی روایت کی ہے۔ بیہقی نے اس کی سند کو صحیح کہا ہے مگر بعض محدثین ابو عیاشؓ سے مجاہد کے سماع میں شک رہے گو یہ سماع ممکن تھا)

شرح: عسفان مکہ سے مدینہ آتے ہوئے دو یا تین مراحل پر واقع ہے۔ ہجرت کے چھٹے سال بنی لحیان سے عسفان

میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی جنگ ہوئی تھی۔ مولانا نے فرمایا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم غزوۂ بنی لحیان میں مقام عسفان پر اترے ضرور تھے مگر وہاں قتال کی نوبت نہیں آئی۔ نہ کتب تاریخ سے اس موقع پر خالد بن الولید کا مشرکین کی فوج کی سرداری کرنا ثابت ہے۔ نسائی نے یہ حدیث روایت کی ہے مگر اس کے سیاق میں ابو داؤد کی نسبت کچھ اختلاف ہے ہاں نسائی کی ایک اور روایت اور مسند احمد کی روایت ابو داؤد کے سیاق کے مطابق ہے۔ حافظ ابن القیم رحمۃ اللہ نے زاد المعاد میں لکھا ہے کہ بظاہر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ نماز خوف عسفان کے مقام پر پہلی صلوٰۃ خوف تھی جو آپ نے پڑھی۔ جیسا کہ ابو عیاش رضی اللہ عنہ زرقی کی حدیث میں ہے جسے احمد اور اصحاب سنن نے روایت کیا ہے۔ اور اسی طرح ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ضجنان اور عسفان کے درمیان اترے ہوئے تھے۔ ترمذی نے اُسے حدیث حسن صحیح کہا ہے۔ اور اصحاب سیرت میں کوئی اختلاف نہیں کہ غزوۂ عسفان غزوۂ خندق کے بعد ہوا تھا۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے صحیح طور پر ثابت ہے کہ آپ نے ذات الرقاع میں صلوٰۃ خوف پڑھی تھی۔ اس سے معلوم ہو گیا کہ ذات الرقاع غزوۂ خندق و عسفان کے بعد ہوا تھا۔ اور اس کی تائید اس سے بھی ہوتی ہے کہ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ اور ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ دونوں غزوۂ ذات الرقاع میں موجود تھے۔ صحیحین میں ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ کی روایت موجود ہے کہ وہ ذات الرقاع میں حاضر تھے۔ اور ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے متعلق مسند اور سنن میں ہے کہ مروان بن الحکم نے ان سے پوچھا تھا کہ آیا آپ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ صلوٰۃ الخوف پڑھی تھی؟ تو ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے اثبات میں جواب دیا تھا۔ اس نے پوچھا کہ کب؟ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے کہا کہ نجد والے غزوہ میں۔ ابو داؤد نے ایوب کی جس حدیث کا حوالہ دیا ہے اسے ابن ماجہ نے روایت کیا ہے ہشام کی حدیث کو ابن جریر نے دو سندوں سے بیان کیا ہے۔ ابن عباس رضی اللہ عنہ کی حدیث نسائی نے روایت کی ہے۔ عبد الملک کی مرفوع حدیث بھی نسائی میں ہے۔ ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ کا فعل ابن جریر طبری نے تفسیر میں روایت کیا ہے مجاہد کی مرسل حدیث بھی ابن جریر نے بیان کی ہے مگر اس میں عکرمہ بن خالد کے بجائے ابن ابی نجیح کا ذکر ہے۔

بَابُ ۱۳ مَنْ قَالَ يَقُوْمُ صَفٌّ مَعَ الْإِمَامِ وَصَفٌّ وِجَاهَ الْعَدُوِّ فَيُصَلِّي

بِالَّذِيْنَ يَلُوْنَهُ رَكْعَةً ثُمَّ يَقُوْمُ قَائِمًا حَتّٰى يُصَلِّيَ الَّذِيْنَ مَعَهُ رَكْعَةً أُخْرٰى ثُمَّ يَنْصَرِفُوْا فَيَصُفُّوْا وِجَاهَ الْعَدُوِّ وَتَجِيْءُ الطَّائِفَةُ الْأُخْرٰى فَيُصَلِّيْ بِهِمْ رَكْعَةً وَيَثْبُتُ جَالِسًا فَيُتِمُّوْنَ لِأَنْفُسِهِمْ رَكْعَةً أُخْرٰى ثُمَّ يُسَلِّمُ بِهِمْ جَمِيْعًا۔

ان لوگوں کا باب جنھوں نے کہا کہ ایک صف امام کے ساتھ کھڑی ہو اور دوسری صف دشمن کے سامنے ہو۔ پس اپنے ساتھ والوں کو امام ایک رکعت پڑھائے پھر کھڑا رہے حتیٰ کہ اس کے ساتھ والی صف دوسری رکعت پڑھے اور نماز ختم کر کے دشمن کے سامنے چلی جائے اور دوسری صف آجائے پس امام انہیں ایک رکعت پڑھائے اور برابر بیٹھا رہے اور وہ اپنی نماز خود پوری کریں پھر ان کے ساتھ سلام پھیرے۔

۱۲۳۹۔ حَدَّثَنَا عُبَيْدُ اللهِ بْنُ مُعَاذٍ نَا أَبِي شُعْبَةَ عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ الْقَاسِمِ عَنْ أَبِيهِ عَنْ صَالِحِ بْنِ خَوَّاتٍ عَنْ سَهْلِ بْنِ أَبِي حَثْمَةَ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَلَّى بِأَصْحَابِهِ فِي خَوْفٍ فَجَعَلَهُمْ خَلْفَهُ صَفَّيْنِ فَصَلَّى بِالَّذِيْنَ يَلُوْنَهُ رَكْعَةً ثُمَّ قَامَ فَلَمْ يَزَلْ قَائِمًا صَلَّى الَّذِيْنَ خَلْفَهُمْ رَكْعَةً ثُمَّ تَقَدَّمُوْا وَتَأَخَّرَ الَّذِيْنَ كَانُوْا قُدَّامَهُمْ فَصَلّٰى بِهِمُ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَكْعَةً ثُمَّ قَعَدَ حَتّٰى صَلَّى الَّذِيْنَ تَخَلَّفُوْا رَكْعَةً ثُمَّ سَلَّمَ۔

سہل بن ابی حثمہؓ نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اصحاب کو صلوٰۃ الخوف پڑھائی، پس آپؐ نے ان کو اپنے پیچھے دو صفوں میں بانٹا پس جو آپ کے ساتھ تھے انہیں ایک رکعت پڑھائی، پھر آپ اٹھے اور برابر کھڑے رہے حتیٰ کہ ان کے پیچھے والوں نے ایک رکعت پڑھ لی پھر دوسرے لوگ آگے بڑھے اور جن کی آپؐ نے امامت کی تھی وہ پیچھے ہٹ گئے، پس ان کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک رکعت پڑھائی پھر آپؐ نے قعدہ کیا حتیٰ کہ پیچھے رہنے والوں نے رکعت پوری کر لی تو پھر آپ نے سلام کہا۔ ابوداؤد نے کہا کہ یحییٰ بن سعید کی قاسم سے روایت یزید بن رومان کی مانند ہے لیکن اس نے سلام میں اس کی مخالفت کی ہے۔ اور عبید اللہ کی روایت یحییٰ بن سعید کی طرح ہے، اس نے کہا: اور آپ برابر کھڑے رہے (ابوداؤد کا قول مصری نسخے میں نہیں ہے اور ہندی پاکستانی نسخوں میں ہے۔ اور یہی عبارت حدیث نمبر ۱۲۴۱ کے آخر میں بھی آرہی ہے۔ یہ حدیث بخاری، مسلم، نسائی، ترمذی ابن ماجہ اور مالک نے بھی روایت کی ہے، کہ مطول آئی ہے کہیں مختصر)

شرح: فَلَمْ يَزَلْ قَائِمًا حَتّٰى صَلَّى الَّذِيْنَ خَلْفَهُمْ رَكْعَةً۔ یہاں پر خلفھم میں جمع کی ضمیر کھٹکتی ہے یہاں پر خلفہٗ ہونا چاہیئے تھا یعنی آپؐ کے پیچھے نماز پڑھنے والوں نے ایک رکعت پڑھ لی اور آپ کھڑے رہے۔ ابن جریر کی روایت میں خلفہٗ ہے مگر ابوداؤد کی طرح مسلم میں بھی خلفھم ہے۔ زرقانی نے صحیحین کے حوالے سے خلفہٗ کا لفظ ذکر کیا ہے۔ مسند کی ایک روایت میں بھی خلفہٗ کا لفظ ہے۔ خلفھم کا لفظ اگر صحیح مانیں تو مطلب یہ ہوگا کہ نماز پڑھنے والوں نے حضور کے ساتھ ایک رکعت پڑھ کر اپنی ایک رکعت اور پڑھ لی اور یہ لوگ نہ پڑھنے کے پیچھے تھے، یہ بات سمجھ سے باہر ہے۔ تاویل کر کے کہا جا سکتا ہے کہ یہ لوگ مجازاً نہ پڑھنے والوں کے پیچھے تھے کیونکہ نہ پڑھنے والے دشمن کے روبرو تھے اور یہ نہ تھے۔ قال ابوداؤد کے بعد آخر تک کی عبارت کو مولانا نے بھی بے محل قرار دیا ہے اور یہ کہا اصل محل اس کا وہی ہے جہاں آگے آرہی ہے۔

بَابُ ۱۴ مَنْ قَالَ إِذَا صَلّٰى رَكْعَةً وَثَبَتَ قَائِمًا أَتَمُّوْا لِأَنْفُسِهِمْ رَكْعَةً ثُمَّ سَلَّمُوْا ثُمَّ انْصَرَفُوْا فَكَانُوْا وِجَاهَ الْعَدُوِّ وَاخْتُلِفَ فِي السَّلَامِ۔

باب ان لوگوں کا جنہوں نے کہا کہ جب امام ایک رکعت پڑھا لے اور برابر کھڑا رہے، یہ لوگ اپنی نماز مکمل کر کے

کہ یہی صحیح وجہ تسمیہ ہے۔ کسی نے کہا کہ وہاں پر ایک رقاع نامی پہاڑ تھا جس میں سُرخ، سفید اور سیاہ پتھر تھے۔ کسی نے کہا کہ ذات الرقاع وہاں پر ایک درخت کا نام تھا۔ کسی نے کہا کہ مسلمانوں نے اپنے جنگی جھنڈوں کی مرمت کرنے کے لیے پیوند لگائے تھے اس لیے یہ نام پڑا۔ ہوسکتا ہے کہ یہ سب امور پائے گئے ہوں۔ اس کا باعث یہ تھا کہ حضور کو اطلاع ملی تھی کہ انمار، ثعلبہ اور غطفان کے قبائل مسلمانوں پر حملہ کرنے کے لیے لشکر تیار کر چکے ہیں۔ حضورؐ نے مدینہ میں عثمان بن عفان کو اپنا نائب بنایا اور چار سو کا لشکر لے کر (یا سات سو کا لشکر لے کر) اس مقام پر پہنچے وہاں صرف عورتیں تھیں اور بدّو پہاڑوں پر بھاگ گئے تھے۔

۱۲۲۱۔ حَدَّثَنَا الْقَعْنَبِيُّ عَنْ مَالِكٍ يَحْيَى بْنِ سَعِيدٍ عَنِ الْقَاسِمِ بْنِ مُحَمَّدٍ عَنْ صَالِحِ بْنِ خَوَّاتٍ الْأَنْصَارِيِّ أَنَّ سَهْلَ ابْنَ أَبِي حَثْمَةَ الْأَنْصَارِيَّ حَدَّثَهُ أَنَّ صَلَاةَ الْخَوْفِ أَنْ يَقُومَ الْإِمَامُ وَطَائِفَةٌ مِنْ أَصْحَابِهِ وَطَائِفَةٌ مُوَاجِهَةَ الْعَدُوِّ فَيَرْكَعُ الْإِمَامُ رَكْعَةً وَيَسْجُدُ بِالَّذِينَ مَعَهُ ثُمَّ يَقُومُ فَإِذَا اسْتَوَى قَائِمًا ثَبَتَ قَائِمًا وَأَتَمُّوا لِأَنْفُسِهِمُ الرَّكْعَةَ الْبَاقِيَةَ ثُمَّ سَلَّمُوا وَانْصَرَفُوا وَالْإِمَامُ قَائِمٌ فَكَانُوا وِجَاهَ الْعَدُوِّ ثُمَّ يُقْبِلُ الْآخَرُونَ الَّذِينَ لَمْ يُصَلُّوا فَيُكَبِّرُونَ وَرَاءَ الْإِمَامِ فَيَرْكَعُ بِهِمْ وَيَسْجُدُ بِهِمْ ثُمَّ يُسَلِّمُ فَيَقُومُونَ فَيَرْكَعُونَ لِأَنْفُسِهِمُ الرَّكْعَةَ الْبَاقِيَةَ ثُمَّ يُسَلِّمُونَ قَالَ أَبُو دَاوُدَ وَأَمَّا رِوَايَةُ يَحْيَى بْنِ سَعِيدٍ عَنِ الْقَاسِمِ نَحْوَ رِوَايَةِ يَزِيدَ بْنِ رُومَانَ إِلَّا أَنَّهُ خَالَفَهُ فِي السَّلَامِ وَرِوَايَةُ عُبَيْدِ اللّٰهِ نَحْوَ رِوَايَةِ يَحْيَى بْنِ سَعِيدٍ قَالَ وَيَثْبُتُ قَائِمًا۔

سہل بن ابی حثمہؓ انصاری نے صالح بن خوات انصاری کو بتایا کہ صلوٰۃ الخوف یہ ہے کہ امام اور اس کے ساتھیوں کا ایک گروہ نماز میں کھڑا ہو اور ایک گروہ دشمن کے سامنے کھڑا ہو۔ پس ان کے ساتھ رکوع کرے اور سجدہ کرے پھر کھڑا رہے اور یہ لوگ اپنی باقی رکعت پڑھ کر سلام کہیں اور چلے جائیں اور امام کھڑا رہے، یہ لوگ دشمن کے سامنے جا کھڑے ہوں پھر وہ دوسرے آئیں جنہوں نے ابھی نماز نہیں پڑھی پس وہ امام کے پیچھے تکبیر تحریمہ کہیں اور امام ان کے ساتھ رکوع کرے اور سجدہ کرے پھر امام اپنی نماز پوری کر کے سلام کہہ دے اور یہ لوگ اٹھیں اور اپنی باقی رکعت پوری کریں پھر سلام کہیں۔ ابو داؤد نے کہا کہ یحیٰی بن سعید عن القاسم کی روایت یزید بن رومان کی طرح ہے لیکن اس نے سلام میں اس کی مخالفت کی ہے اور عبید اللہ کی روایت یحیٰی بن سعید کی روایت کی مانند ہے، اس نے بھی یحیٰی کی طرح وَيَثْبُتُ قَائِمًا کہا ہے (اس حدیث کو بخاری، ترمذی، نسائی اور ابن ماجہ نے اسی طرح موقوف روایت کیا ہے)

سلام کہیں اور پھر نماز ختم کرکے دشمن کے سامنے جائیں۔ اور سلام میں اختلاف کیا)

۱۲۴۰۔ حَدَّثَنَا الْقَعْنَبِيُّ عَنْ مَالِكٍ عَنْ يَزِيدَ بْنِ رُومَانَ عَنْ صَالِحِ بْنِ خَوَّاتٍ عَمَّنْ صَلَّى مَعَ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَوْمَ ذَاتِ الرِّقَاعِ صَلَاةَ الْخَوْفِ أَنَّ طَائِفَةً صَفَّتْ مَعَهُ وَطَائِفَةٌ وِجَاهَ الْعَدُوِّ فَصَلَّى بِالَّتِي مَعَهُ رَكْعَةً ثُمَّ ثَبَتَ قَائِمًا وَأَتَمُّوا لِأَنْفُسِهِمْ ثُمَّ انْصَرَفُوا وَصَفُّوا وِجَاهَ الْعَدُوِّ وَجَاءَتِ الطَّائِفَةُ الْأُخْرَى فَصَلَّى بِهِمُ الرَّكْعَةَ الَّتِي بَقِيَتْ مِنْ صَلَاتِهِ ثُمَّ ثَبَتَ جَالِسًا وَأَتَمُّوا لِأَنْفُسِهِمْ ثُمَّ سَلَّمَ بِهِمْ قَالَ مَالِكٌ وَحَدِيثُ يَزِيدَ بْنِ رُومَانَ أَحَبُّ مَا سَمِعْتُ إِلَيَّ۔

صالح بن خوات نے اُس سے روایت کی جس نے جنگِ ذات الرقاع میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ صلاۃ الخوف پڑھی تھی، کہ ایک گروہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ صف بنائی اور دوسرے گروہ نے دشمن کے سامنے صف بندی کی۔ پس آپ نے اپنے ساتھ والوں کے ساتھ ایک رکعت پڑھی پھر آپ برابر کھڑے رہے اور انہوں نے اپنی اپنی نماز خود پوری کر لی پھر وہ چلے گئے اور دشمن کے سامنے صف بستہ ہو گئے اور دوسرا گروہ آگیا، پس اس کے ساتھ حضورؐ نے اپنی باقی نماز پڑھی پھر آپ بیٹھے رہے اور انہوں نے اپنی نماز پوری کی پھر آپ نے ان کے ساتھ سلام پھیرا۔ مالکؒ نے کہا کہ یزید بن رومان کی حدیث مجھے ان سب حدیثوں سے زیادہ پسند ہے جو میں نے سنی ہیں (یہ حدیث بخاری، مسلم اور نسائی میں بھی ہے)

شرح: باب کے عنوان میں ابوداؤد نے سلام کا جو اختلاف لکھا ہے اس سے مراد یہ ہے کہ اس باب میں دو روایتیں ہیں جن میں امام کے سلام میں اختلاف ہو گیا ہے۔ پہلی میں ہے کہ امام نے جماعت کے ساتھ سلام پھیرا اور دوسری میں ہے کہ ہر گروہ نے اپنا اپنا سلام اور امام نے اپنا الگ سلام پھیرا۔ صالح بن خوات نے جس نام کو مبہم رکھا ہے۔ وہ فتح الباری میں سہل بن ابی حثمہ ہے کیونکہ قاسم بن محمد کی روایت صلاۃ الخوف میں عن صالح بن خوات عن سہل بن ابی حثمہؓ ہے اور یہی بخاری کی روایت سے ظاہر ہے، مگر راجح یہ ہے کہ وہ اس کا باپ خواتؓ بن جبیر ہے جیسا کہ ابن مندہ نے معرفۃ الصحابہ میں اور بیہقی نے بھی روایت کیا ہے اور نوویؒ نے یقین سے کہا ہے کہ وہ خواتؓ بن جبیر ہے۔ اور یہ بھی ممکن ہے کہ صالح نے یہ روایت اپنے باپ سے بھی اور سہلؓ سے بھی سنی ہو لہذا کبھی اسے بیان کرتا ہے اور کبھی مبہم رکھتا ہے، لیکن غزوۂ ذات الرقاع کی تعیین جس روایت میں ہے وہ اس کے باپ کی ہی ہے۔ سہلؓ کی روایت میں یہ نہیں کہ اس نے صلوٰۃ الخوف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ پڑھی تھی

غزوۂ ذات الرقاع حسب بیانِ بخاری خیبر کے بعد ہوا تھا۔ ذات الرقاع کی وجہ تسمیہ میں اختلاف ہوا تھا کسی نے کہا کہ پتھریلی زمین میں پیدل چلنے کے باعث مسلمانوں کے پاؤں زخمی ہو گئے تھے اور انہوں نے کپڑوں کی دھجیاں پاؤں پر لپیٹی تھیں لہذا اس غزوہ کا نام ذات الرقاع (چیتھڑوں والا) پڑ گیا۔ تاریخ الخمیس میں ہے

شرح: اس حدیث سے وہ اختلاف واضح ہوگیا جس کا ابوداؤد حوالہ دیتے ہیں۔ یحییٰ بن سعید کی روایت یہ بتاتی ہے کہ ہر فریق اپنا اپنا سلام اور امام اپنا سلام پھیرے گا۔ یزید بن رومان کی روایت بتاتی ہے کہ امام دوسرے گروہ کے نماز مکمل کرنے کے بعد ان کے ساتھ سلام پھیرے گا۔ عبیداللہ کی روایت جس کا حوالہ ابوداؤد نے دیا ہے وہ ابن جریر طبری نے روایت کی ہے۔ جن لوگوں نے کہا کہ عبیداللہ سے مراد عبیداللہ بن معاذ عنبری ہے انہوں نے غفلت سے کام لیا ہے۔

بَابُ ۱۵ مَنْ قَالَ يُكَبِّرُوْنَ جَمِيْعًا وَإِنْ كَانُوْا مُسْتَدْبِرِي الْقِبْلَةِ ثُمَّ

يُصَلِّيْ بِمَنْ مَعَهٗ رَكْعَةً ثُمَّ يَأْتُوْنَ مَصَافَّ أَصْحَابِهِمْ وَيَجِيْئُ الْاٰخَرُوْنَ فَيَرْكَعُوْنَ لِأَنْفُسِهِمْ رَكْعَةً ثُمَّ يُصَلِّيْ بِهِمْ رَكْعَةً ثُمَّ تُقْبِلُ الطَّائِفَةُ الَّتِيْ كَانَتْ مُقَابِلِي الْعَدُوِّ فَيُصَلُّوْنَ لِأَنْفُسِهِمْ رَكْعَةً وَالْإِمَامُ قَاعِدٌ ثُمَّ يُسَلِّمُ بِهِمْ كُلِّهِمْ جَمِيْعًا۔

باب ان لوگوں کا جنہوں نے کہا کہ سارا لشکر امام کے ساتھ نماز شروع کرے اگرچہ وہ قبلہ کی طرف پشت کئے ہوئے ہوں۔ پھر امام اپنے ساتھ والوں کو ایک رکعت پڑھائے پھر وہ اپنے ساتھیوں کی صف بندی کی جگہ پر آئیں اور وہ دوسرے آئیں پس وہ اپنی ایک رکعت پڑھیں پھر امام انہیں ایک رکعت پڑھائے، پھر وہ گروہ آجائے جو دشمن کے سامنے ہو پس وہ اپنی اپنی ایک رکعت پڑھیں درانحالیکہ امام بیٹھا ہوا ہو، پھر ان سب کے ساتھ سلام

۱۲۴۲۔ حَدَّثَنَا الْحَسَنُ بْنُ عَلِيٍّ نَا أَبُوْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ الْمُقْرِئُ نَا حَيْوَةُ وَابْنُ لَهِيْعَةَ قَالَا نَا أَبُو الْأَسْوَدِ أَنَّهٗ سَمِعَ عُرْوَةَ بْنَ الزُّبَيْرِ يُحَدِّثُ عَنْ مَرْوَانَ بْنِ الْحَكَمِ أَنَّهٗ سَأَلَ أَبَا هُرَيْرَةَ هَلْ صَلَّيْتَ مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَلٰوةَ الْخَوْفِ قَالَ أَبُوْ هُرَيْرَةَ نَعَمْ فَقَالَ مَرْوَانُ مَتٰى قَالَ أَبُوْ هُرَيْرَةَ عَامَ غَزْوَةِ نَجْدٍ قَامَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِلٰى صَلٰوةِ الْعَصْرِ فَقَامَتْ مَعَهٗ طَائِفَةٌ وَطَائِفَةٌ أُخْرٰى مُقَابِلِي الْعَدُوِّ ظُهُوْرُهُمْ إِلَى الْقِبْلَةِ فَكَبَّرَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَكَبَّرُوْا جَمِيْعًا الَّذِيْنَ مَعَهٗ وَالَّذِيْنَ مُقَابِلِي الْعَدُوِّ ثُمَّ رَكَعَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَكْعَةً وَاحِدَةً وَرَكَعَتِ الطَّائِفَةُ الَّتِيْ مَعَهٗ ثُمَّ سَجَدَ فَسَجَدَتِ الطَّائِفَةُ الَّتِيْ تَلِيْهِ وَالْاٰخَرُوْنَ قِيَامٌ مُقَابِلِي الْعَدُوِّ ثُمَّ قَامَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَقَامَتِ الطَّائِفَةُ الَّتِيْ مَعَهٗ

فَذَهَبُوا إِلَى الْعَدُوِّ فَقَابَلُوهُمْ وَأَقْبَلَتِ الطَّائِفَةُ الَّتِي كَانَتْ مُقَابِلِي الْعَدُوِّ فَرَكَعُوا وَسَجَدُوا وَرَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَائِمٌ كَمَا هُوَ ثُمَّ قَامُوا فَرَكَعَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَكْعَةً أُخْرَى وَرَكَعُوا مَعَهُ وَسَجَدُوا مَعَهُ ثُمَّ أَقْبَلَتِ الطَّائِفَةُ الَّتِي كَانَتْ مُقَابِلِي الْعَدُوِّ فَرَكَعُوا وَسَجَدُوا وَرَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَاعِدٌ وَمَنْ مَعَهُ ثُمَّ كَانَ السَّلَامُ فَسَلَّمَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَسَلَّمُوا جَمِيعًا فَكَانَ لِرَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَكْعَتَيْنِ وَلِكُلِّ رَجُلٍ مِنَ الطَّائِفَتَيْنِ رَكْعَةً رَكْعَةً۔

مروان بن الحکم نے ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ کیا آپ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ صلاۃ الخوف پڑھی تھی؟ ابوہریرہؓ نے کہا کہ ہاں! پس مروان نے کہا کب؟ ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے کہا: غزوۂ نجد کے سال میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نماز عصر کے لیے کھڑے ہوئے، پس ایک گروہ آپ کے ساتھ کھڑا ہوگیا اور دوسرا گروہ دشمن کے سامنے تھا اور ان کی پشت قبلہ کی طرف تھی۔ پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تکبیر کہی تو سب نے تکبیر تحریمہ کہی، آپ کے ساتھ والوں نے بھی اور دشمن کے سامنے والوں نے بھی۔ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پہلی رکعت کا رکوع کیا اور اس گروہ نے بھی رکوع کیا جو آپ کے ساتھ تھا، پھر آپؐ نے سجدہ کیا تو آپؐ کے ساتھ والے گروہ نے بھی سجدہ کیا اور دوسرا گروہ دشمن کے سامنے کھڑا تھا۔ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اٹھے اور وہ گروہ بھی اٹھا جو آپ کے ساتھ تھا، پس یہ دشمن کی طرف چلے گئے اور ان کے مدمقابل کھڑے ہو گئے اور وہ گروہ جو دشمن کے سامنے تھا آگیا، پس انہوں نے رکوع اور سجدہ کیا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم برابر کھڑے رہے۔ پھر وہ لوگ سجدے سے اُٹھے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دوسری رکعت پڑھی اور ان لوگوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رکوع اور سجدہ کیا۔ پھر وہ گروہ آگیا جو دشمن کے سامنے تھا، پس انہوں نے رکوع اور سجدہ کیا درانحالیکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور جو لوگ ساتھ تھے وہ بیٹھے ہوئے تھے۔ پھر سلام ہوا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اور سب لوگوں نے آپ کے ساتھ سلام کہا۔ پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دو رکعتیں ہوئیں اور دونوں گروہوں میں سے ہر آدمی کی ایک ایک رکعت باجماعت ہوئی (یہ حدیث نسائی میں بھی مروی ہے۔ اور طحاوی نے بھی اسے شرح معانی الآثار میں روایت کیا ہے اور ان دونوں میں یہ لفظ ہیں کہ: دونوں گروہوں میں سے ہر آدمی کی دو دو رکعتیں ہوئیں۔ اور یہ بات تو بالکل ظاہر ہے کہ ہر ایک نے دو رکعت پڑھیں مگر امام کے ساتھ صرف ایک ایک رکعت پڑھی)

۱۲۴۳۔ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عَمْرٍو الرَّازِيُّ نَا سَلَمَةُ حَدَّثَنِي مُحَمَّدُ بْنُ إِسْحَاقَ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ جَعْفَرِ بْنِ الزُّبَيْرِ وَمُحَمَّدِ بْنِ الْأَسْوَدِ عَنْ عُرْوَةَ بْنِ الزُّبَيْرِ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ

قَالَ خَرَجْنَا مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِلَى نَجْدٍ حَتّٰى إِذَا كُنَّا بِذَاتِ الرِّقَاعِ مِنْ نَخْلٍ لَقِيَ جَمْعًا مِنْ غَطَفَانَ فَذَكَرَ مَعْنَاهُ وَلَفْظُهُ عَلَى غَيْرِ لَفْظِ حَيْوَةَ وَقَالَ فِيْهِ حِيْنَ رَكَعَ بِمَنْ مَعَهُ وَسَجَدَ قَالَ فَلَمَّا قَامُوْا مَشَوُا الْقَهْقَرٰى إِلَى مَصَافِّ أَصْحَابِهِمْ وَلَمْ يَذْكُرِ اسْتِدْبَارَ الْقِبْلَةِ۔

ابوہریرہؓ نے کہا کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نجد کی طرف نکلے حتی کہ جب ہم ذات الرقاع میں تھے مقام نخل میں تو غطفان کے ایک گروہ سے مڈ بھیڑ ہوگئی۔ پھر محمد بن اسحاق نے اوپر کی حدیث کے معنی کی مانند ذکر کیا اور اس کے الفاظ حیوہ (گزشتہ حدیث کے راوی) کے الفاظ سے مختلف ہیں۔ اور اس نے اس میں کہا کہ جب حضورؐ نے اپنے ساتھ والوں کے ساتھ رکوع اور سجدہ کیا، کہا کہ جب وہ لوگ اٹھے تو الٹے پاؤں چل کر اپنے ساتھیوں کی صف بندی کی جگہوں پر گئے، اور اس نے قبلہ کی طرف پشت ہونے کا ذکر نہیں کیا۔

۱۲۴۴۔ **قَالَ** أَبُوْدَاوُدَ أَمَّا عُبَيْدُ اللّٰهِ بْنُ سَعْدٍ فَحَدَّثَنَا قَالَ حَدَّثَنِيْ عَمِّيْ نَا أَبِيْ عَنِ ابْنِ إِسْحَاقَ حَدَّثَنِيْ مُحَمَّدُ بْنُ جَعْفَرِ بْنِ الزُّبَيْرِ أَنَّ عُرْوَةَ بْنَ الزُّبَيْرِ حَدَّثَهُ أَنَّ عَائِشَةَ حَدَّثَتْهُ بِهٰذِهِ الْقِصَّةِ قَالَتْ كَبَّرَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَكَبَّرَتِ الطَّائِفَةُ الَّذِيْنَ صَفُّوْا مَعَهُ ثُمَّ رَكَعَ فَرَكَعُوْا ثُمَّ سَجَدَ فَسَجَدُوْا ثُمَّ رَفَعَ فَرَفَعُوْا ثُمَّ مَكَثَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ جَالِسًا ثُمَّ سَجَدُوْا هُمْ لِأَنْفُسِهِمُ الثَّانِيَةَ ثُمَّ قَامُوْا فَنَكَصُوْا عَلَى أَعْقَابِهِمْ يَمْشُوْنَ الْقَهْقَرٰى حَتّٰى قَامُوْا مِنْ وَرَائِهِمْ وَجَاءَتِ الطَّائِفَةُ الْأُخْرٰى فَقَامُوْا فَكَبَّرُوْا ثُمَّ رَكَعُوْا لِأَنْفُسِهِمْ ثُمَّ سَجَدَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَسَجَدُوْا مَعَهُ ثُمَّ قَامَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَسَجَدُوْا لِأَنْفُسِهِمُ الثَّانِيَةَ ثُمَّ قَامَتِ الطَّائِفَتَانِ جَمِيْعًا فَصَلَّوْا مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَرَكَعَ فَرَكَعُوْا ثُمَّ سَجَدَ فَسَجَدُوْا جَمِيْعًا ثُمَّ عَادَ فَسَجَدَ الثَّانِيَةَ وَسَجَدُوْا مَعَهُ سَرِيْعًا كَأَسْرَعِ الْإِسْرَاعِ جَاهِدًا لَا يَأْلُوْنَ سِرَاعًا ثُمَّ سَلَّمَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَسَلَّمُوْا فَقَامَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَقَدْ شَارَكَهُ النَّاسُ فِي الصَّلٰوةِ كُلِّهَا۔

ابوداؤد نے کہا کہ لیکن عبید اللہ بن سعد نے ہمیں حدیث سنائی۔ پھر اس سند میں ہے کہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے عروہ کو یہ حدیث سنائی جس میں یہ قصہ ہے حضرت عائشہؓ نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تکبیر تحریمہ کہی اور ان لوگوں نے بھی جو آپ کے ساتھ صف بستہ تھے۔ پھر آپ نے رکوع کیا تو انہوں نے بھی رکوع کیا پھر آپ نے سجدہ کیا تو انہوں نے بھی سجدہ کیا، پھر آپؐ نے سر اٹھایا تو انہوں نے بھی سر اٹھایا۔ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم برابر بیٹھے رہے تو انہوں نے اپنی دوسری رکعت پڑھی اور کھڑے ہوئے اور اپنی ایڑیوں پر الٹے پاؤں چلتے ہوئے گئے حتیٰ کہ وہ میدان والوں کے پیچھے جا کر کھڑے ہو گئے، اور دوسرا گروہ آگیا تو انہوں نے کھڑے ہو کر تکبیر کہی پھر اپنے لیے رکوع کیا، پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سجدہ کیا تو انہوں نے بھی حضورؐ کے ساتھ سجدہ کیا۔ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کھڑے ہوئے اور انہوں نے اپنے لیے دوسری رکعت کا سجدہ کیا۔ پھر یہ دونوں گروہ کھڑے ہو گئے اور انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نماز پڑھی، حضورؐ نے رکوع کیا تو انہوں نے بھی کیا اور آپ نے سجدہ کیا تو انہوں نے بھی کیا۔ پھر دوبارہ آپ نے دوسرا سجدہ کیا اور انہوں نے آپ کے ساتھ نہایت جلدی سے سجدہ کیا اتنا کہ تیزی کی حد نہ تھی۔ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سلام کہا اور ان سب نے سلام کہا۔ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اٹھے اور سب لوگ پوری نماز میں آپ کے ساتھ شریک ہو چکے تھے (یعنی آپ کے سلام میں سب لوگ شریک تھے تو گویا سب پوری نماز میں شامل رہے۔ منذری نے کہا ہے کہ اس روایت میں محمد بن اسحاق متکلم فیہ ہے، یعنی ان دونوں روایات میں جن کا نمبر ۱۲۴۳ اور ۱۲۴۴ ہے)

بَابُ ۱۶ مَنْ قَالَ يُصَلِّي بِكُلِّ طَائِفَةٍ رَكْعَةً ثُمَّ يُسَلِّمُ فَيَقُومُ كُلُّ صَفٍّ فَيُصَلُّونَ لِأَنْفُسِهِمْ رَكْعَةً

(باب۔ جنہوں نے کہا کہ امام ہر گروہ کو ایک رکعت پڑھائے پھر سلام کہے اور ہر صف کھڑی ہو کر اپنی اپنی ایک رکعت پڑھیں)

۱۲۴۵۔ حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ نَا يَزِيدُ بْنُ زُرَيْعٍ عَنْ مَعْمَرٍ عَنِ الزُّهْرِيِّ عَنْ سَالِمٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَلّٰى بِإِحْدَى الطَّائِفَتَيْنِ رَكْعَةً وَالطَّائِفَةُ الْأُخْرٰى مُوَاجِهَةُ الْعَدُوِّ ثُمَّ انْصَرَفُوْا فَقَامُوْا فِي مَقَامِ أُولٰئِكَ وَجَاءَ أُولٰئِكَ فَصَلّٰى بِهِمْ رَكْعَةً أُخْرٰى ثُمَّ سَلَّمَ عَلَيْهِمْ ثُمَّ قَامَ هٰؤُلَاءِ فَقَضَوْا رَكْعَتَهُمْ وَقَامَ هٰؤُلَاءِ فَقَضَوْا رَكْعَتَهُمْ قَالَ أَبُوْ دَاوُدَ وَكَذٰلِكَ رَوَاهُ نَافِعٌ وَخَالِدُ بْنُ مَعْدَانَ عَنِ ابْنِ عُمَرَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَكَذٰلِكَ قَوْلُ مَسْرُوْقٍ وَيُوْسُفَ بْنِ مِهْرَانَ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ وَكَذٰلِكَ رَوٰى يُوْنُسُ عَنِ الْحَسَنِ عَنْ أَبِيْ مُوْسٰى أَنَّهُ فَعَلَهُ۔

ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دونوں میں سے ایک گروہ کو ایک رکعت پڑھائی اور دوسرا گروہ دشمن کے سامنے تھا۔ پھر یہ لوگ گئے اور ان کی جگہ پر جا کھڑے ہوئے اور وہ آ گئے تو حضورؐ نے انہیں دوسری رکعت پڑھائی پھر ان پر سلام کہا تو یہ کھڑے ہوئے اور اپنی رکعت پوری کر لی اور وہ دوسرے کھڑے ہوئے تو انہوں نے اپنی رکعت پوری کر لی۔ ابوداؤد نے کہا کہ اسی طرح نافع اور خالد بن معدان نے ابن عمرؓ سے اور اس نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کی ہے۔ اور اسی طرح مسروق اور یوسف بن مہران کا قول ابن عباسؓ سے ہے اور اسی طرح یونس سے حسن سے اس نے ابوموسیٰؓ سے روایت کی کہ اس نے یہ فعل کیا (اس حدیث کو بخاری، مسلم، ترمذی اور نسائی نے روایت کیا ہے)

شرح: اس حدیث کی رُو سے پہلا گروہ لاحق کے حکم میں ہے اور دوسرا مسبوق کے حکم میں۔ بقول حافظ ابن حجر ابن عمرؓ نے یہ جو کہا ہے کہ ہر فریق نے اٹھ کر اپنی رکعت پوری کر لی اس کا مطلب راجح طور پر یہ ہے کہ انہوں نے باری باری ایسا کیا تھا ورنہ صلاۃ الخوف کا مقصد جو حراست اور نگرانی ہے حاصل نہ ہو سکتا تھا۔ اور اس کی تائید عبداللہ بن مسعود کی حدیث سے ہوتی ہے جو ابھی آ رہی ہے۔ حافظ ابن حجر نے کہا کہ حنفیہ نے اس کیفیت کو اختیار کیا ہے جو ابن عمرؓ کی حدیث میں ہے اور ابن مسعودؓ کی حدیث والی کیفیت کو اشہب اور اوزاعی نے اختیار کیا ہے۔ ابن عبدالبر نے ابن عمرؓ کی حدیث والی کیفیت کو باقی سب پر فوقیت دی ہے کیونکہ اس کی سند بھی قوی ہے اور اصول شرع کے موافق بھی ہے۔ خطابی نے کہا ہے کہ یہ حدیث سند کے لحاظ سے بہت اچھی ہے مگر صالح بن خوات کی حدیث میں بیان ہونے والی کیفیت ظاہر قرآن کے زیادہ موافق ہے۔

نافع کی جس روایت کا حوالہ ابوداؤد نے دیا ہے وہ مسلم میں ہے۔ مسروق کا قول ابن ابی شیبہ نے روایت کیا ہے۔ یوسف بن مہران کی روایت ابن ابی شیبہ میں ہے اور وہ ابن عباسؓ پر موقوف ہے۔ ابوموسیٰ اشعریؓ کی نماز خوف اصبہان میں ہوئی تھی اور اس کی روایت ابن جریر نے کی ہے۔ مولاناؒ نے فرمایا کہ طحاوی نے اسی قسم کی روایات زیدؓ بن ثابت، حذیفہؓ اور جابر بن عبداللہؓ سے نقل کی ہیں۔

بَابُ مَنْ قَالَ يُصَلِّي بِكُلِّ طَائِفَةٍ رَكْعَةً ثُمَّ يُسَلِّمُ فَيَقُومُ الَّذِينَ خَلْفَهُ فَيُصَلُّونَ رَكْعَةً ثُمَّ يَجِيءُ الْآخَرُونَ إِلَى مَقَامِ هَؤُلَاءِ فَيُصَلُّونَ رَكْعَةً

(باب۔ جنہوں نے کہا کہ ہر گروہ کو ایک رکعت پڑھائے پھر سلام کہے، پس جو اس کے پیچھے ہوں وہ ایک رکعت پڑھیں پھر دوسرے ان کی جگہ پر آئیں تو ایک رکعت پڑھیں) مولاناؒ نے فرمایا کہ اس عنوان اور سابق عنوان میں فرق یہ ہے کہ اس باب میں دونوں گروہوں کی دوسری رکعت باری باری ہوگی، یعنی دوسرا گروہ پہلی رکعت پڑھنے کے بعد دوسری بھی وہیں پر امام کے سلام کے بعد پڑھے گا اور پہلا گروہ دوسرے کی نماز سے مکمل فراغت کے بعد اپنی دوسری رکعت پڑھے گا لیکن اوپر کے عنوان میں دونوں گروہوں کی دوسری رکعت کی ادائیگی کا ذکر نہیں آیا کہ کس طرح پڑھیں گے۔ اسی لیے حافظ ابن حجر کو اس وضاحت کی ضرورت پیش آئی جو اوپر درج کی گئی ہے۔

۱۲۴۶۔ حَدَّثَنَا عِمْرَانُ بْنُ مَيْسَرَةَ نَا ابْنُ فُضَيْلٍ نَا خُصَيْفٌ عَنْ أَبِي عُبَيْدَةَ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ صَلَّى بِنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَلٰوةَ الْخَوْفِ فَقَامُوا صَفَّيْنِ صَفٌّ خَلْفَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَصَفٌّ مُسْتَقْبِلَ الْعَدُوِّ فَصَلَّى بِهِمْ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَكْعَةً ثُمَّ جَاءَ الْآخَرُوْنَ فَقَامُوا مَقَامَهُمْ وَاسْتَقْبَلَ هٰؤُلَاءِ الْعَدُوَّ فَصَلَّى بِهِمُ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَكْعَةً ثُمَّ سَلَّمَ فَقَامَ هٰؤُلَاءِ فَصَلُّوا لِأَنْفُسِهِمْ رَكْعَةً ثُمَّ سَلَّمُوا ثُمَّ ذَهَبُوا فَقَامُوا مَقَامَ أُولٰئِكَ مُسْتَقْبِلِي الْعَدُوِّ وَرَجَعَ أُولٰئِكَ إِلٰى مَقَامِهِمْ فَصَلُّوا لِأَنْفُسِهِمْ رَكْعَةً ثُمَّ سَلَّمُوا۔

عبداللہ بن مسعودؓ نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں صلوٰۃ الخوف پڑھائی۔ پس کچھ لوگ تو صف بنا کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے کھڑے ہو گئے اور ایک صف دشمن کے سامنے کھڑی ہو گئی۔ پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں ایک رکعت پڑھائی پھر دوسرے آ گئے اور ان کی جگہ پر کھڑے ہو گئے اور یہ دشمن کے سامنے جا کھڑے ہوئے۔ پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو بھی ایک رکعت پڑھائی پھر آپ نے سلام کہا۔ پس یہ لوگ اٹھے اور اپنی ایک ایک رکعت پڑھ لی اور سلام کہہ دیا پھر چلے گئے اور دشمن کے سامنے جا کر کھڑے ہو گئے اور وہ لوگ جو وہاں تھے وہ ان کی جگہ پر آ گئے اور انہوں نے اپنی اپنی ایک رکعت پڑھ لی اور سلام کہا (یہ حدیث مسند احمد میں بھی ہے)

شرح: ابو عبیدہ ابن عبداللہ بن مسعود ثقہ راوی ہے اور باپ سے اس کے سماع میں اختلاف ہے۔ دارقطنی اس سماع کا قائل ہے اور دوسرے محدثین اس بنا پر اسے نہیں مانتے کہ ابو عبیدہ اپنے باپ کی وفات کے وقت سات سال کا بچہ تھا لیکن حافظؒ نے اس سبب سے اختلاف کیا ہے اور کہا ہے کہ جس روایت میں ابو عبیدہ کے سماع کی صراحت ہے اس کا راوی عثمان ضعیف ہے پس سماع کا نہ ہونا عمر کی بناء پر نہیں بلکہ سماع والی روایت کے ضعف کی وجہ سے راجح ہے۔

۱۲۴۷۔ حَدَّثَنَا تَمِيْمُ بْنُ الْمُنْتَصِرِ نَا إِسْحَاقُ يَعْنِي ابْنَ يُوْسُفَ عَنْ شَرِيْكٍ عَنْ خُصَيْفٍ بِإِسْنَادِهٖ وَمَعْنَاهُ قَالَ فَكَبَّرَ نَبِيُّ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَكَبَّرَ الصَّفَّانِ جَمِيْعًا قَالَ أَبُوْ دَاوُدَ الثَّوْرِيُّ بِهٰذَا الْمَعْنٰى عَنْ خُصَيْفٍ وَصَلّٰى عَبْدُ الرَّحْمٰنِ بْنُ سَمُرَةَ هٰكَذَا إِلَّا أَنَّ الطَّائِفَةَ الَّتِيْ صَلّٰى بِهِمْ رَكْعَةً ثُمَّ سَلَّمَ مَضَوْا إِلٰى مَقَامِ أَصْحَابِهِمْ وَجَاءَ

هٰؤُلَاءِ فَصَلَّوْا لِاَنْفُسِهِمْ رَكْعَةً ثُمَّ رَجَعُوا اِلٰى مَقَامِ اُولٰئِكَ فَصَلَّوْا لِاَنْفُسِهِمْ رَكْعَةً

قَالَ اَبُوْدَاؤدَ حَدَّثَنَا بِذٰلِكَ مُسْلِمُ بْنُ اِبْرَاهِيْمَ نَا عَبْدُ الصَّمَدِ بْنُ حَبِيْبٍ اَخْبَرَنِي اَبِي

اَنَّهُمْ غَزَوْا مَعَ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ ابْنِ سَمُرَةَ كَابُلَ فَصَلّٰى بِنَا صَلٰوةَ الْخَوْفِ۔

اوپر کی حدیث دوسری سند کے ساتھ، عبداللہ ؓ نے کہا کہ اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور دونوں فریقوں نے اکٹھی تکبیر کہی۔ ابوداؤد نے کہا کہ سفیان ثوری ؒ نے اسی معنی میں خصیف سے یہ حدیث روایت کی۔ اور عبدالرحمٰن بن سمرہ نے اسی طرح صلاۃ الخوف پڑھی مگر جس گروہ کے ساتھ اس نے ایک رکعت پڑھی تھی پھر سلام کہا تھا وہ اپنے دوستوں کی جگہ پر چلے گئے اور وہ یہاں آ گئے پھر انہوں نے اپنی ایک رکعت پڑھی پھر ان دوسروں کی جگہ پر واپس چلے گئے پھر اس دوسرے فریق نے ایک رکعت پڑھی۔ پھر ابوداؤد نے اپنی سند سے عبدالرحمٰن بن سمرہ کی صلاۃ الخوف کی روایت بیان کی جو اس نے کابل میں پڑھی تھی۔

شرح: سفیان کی روایت جس کا حوالہ ابوداؤد نے دیا ہے وہ طحاوی میں آئی ہے جو ابو عبیدہ ؓ سے مروی ہے اور اس روایت میں حسب تحقیق مولانا کسی راوی سے غلطی ہوئی ہے۔ خصیف سے یہ روایت پانچ آدمیوں نے کی ہے: ابن فضیل، عبدالواحد بن زیاد، عبدالملک بن الحسین، ثوری اور شریک۔ شریک کے سوا کسی نے یہ لفظ نہیں بولا کہ: دونوں صفوں نے اکٹھی تکبیر تحریمہ کہی۔ عبدالرحمٰن بن سمرہ کی صلاۃ الخوف میں یہ ظاہر کرتی ہے کہ ہر گروہ کو اپنی دوسری رکعت پڑھنے کی خاطر دو مرتبہ آنا پڑا تھا۔ جنگ کابل ولید بن عبدالملک کے زمانے میں ہوئی تھی۔

بَابُ مَنْ قَالَ يُصَلِّي بِكُلِّ طَائِفَةٍ رَكْعَةً وَلَا يَقْضُوْنَ

جنہوں نے کہا کہ امام ہر گروہ کو ایک رکعت پڑھائے اور وہ دوسری رکعت نہ پڑھیں

۱۲۴۸۔ حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ نَا يَحْيٰى عَنْ سُفْيَانَ حَدَّثَنِي الْاَشْعَثُ بْنُ سُلَيْمٍ عَنِ الْاَسْوَدِ بْنِ هِلَالٍ عَنْ ثَعْلَبَةَ بْنِ زَهْدَمٍ قَالَ كُنَّا مَعَ سَعِيْدِ بْنِ الْعَاصِ بِطَبَرِسْتَانَ فَقَامَ فَقَالَ اَيُّكُمْ صَلّٰى مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَلٰوةَ الْخَوْفِ فَقَالَ حُذَيْفَةُ اَنَا فَصَلّٰى بِهٰؤُلَاءِ رَكْعَةً وَبِهٰؤُلَاءِ رَكْعَةً وَلَمْ يَقْضُوْا قَالَ اَبُوْدَاؤدَ وَكَذَا رَوَاهُ عُبَيْدُ اللّٰهِ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ وَمُجَاهِدٌ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَعَبْدُ اللّٰهِ بْنُ شَقِيْقٍ عَنْ اَبِي هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَيَزِيْدُ الْفَقِيْرُ وَاَبُوْ مُوْسٰى جَمِيْعًا عَنْ

/جَابِرٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَقَدْ قَالَ بَعْضُهُمْ فِي حَدِيثِ يَزِيدَ الْفَقِيرِ أَنَّهُمْ قَضَوْا رَكْعَةً وَكَذٰلِكَ رَوَاهُ سِمَاكٌ الْحَنَفِيُّ عَنِ ابْنِ عُمَرَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَكَذٰلِكَ رَوَاهُ زَيْدُ بْنُ ثَابِتٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ فَكَانَتْ لِلْقَوْمِ رَكْعَةً وَلِلنَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَكْعَتَيْنِ۔

ثعلبہ بن زہدم نے کہا کہ ہم طبرستان میں سعید بن العاصؓ کے ساتھ تھے، پس وہ اٹھا اور بولا: تم میں سے کس نے صلوٰۃ الخوف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ پڑھی تھی؟ سو حذیفہؓ نے کہا کہ میں نے، پس اس نے (سعیدؓ نے یا حذیفہؓ نے) پہلے فریق کو بھی ایک رکعت پڑھائی اور دوسرے فریق کو بھی ایک رکعت پڑھائی اور کسی نے (امام کے سوا) دوسری رکعت ساتھ نہیں ملائی (اس حدیث کو نسائی نے بھی روایت کیا ہے) ابوداؤد نے کہا کہ اسی طرح عبیداللہ بن عبداللہ نے اور مجاہد نے ابن عباسؓ سے اور اس نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کی ہے (نسائی، احمد، ابن ابی شیبہ) اور عبداللہ بن شقیق نے ابوہریرہؓ سے اور اس نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے اسی طرح روایت کی ہے۔ اور یزید الفقیر اور ابوموسیٰ (تابعی نہ کہ اشعری) نے جابرؓ سے اور اس نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کی ہے۔ اور یزید الفقیر کی حدیث میں بعض نے یہ بھی کہا ہے کہ انہوں نے ایک ایک رکعت پوری کی تھی۔ اور اسی طرح سماک الحنفی نے اس حدیث کو ابن عمرؓ سے اس نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کیا ہے۔ اور اسی طرح زید بن ثابتؓ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کی ہے اس نے کہا کہ لوگوں کی ایک ایک رکعت ہوئی اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی دو رکعتیں ہوئیں (زید بن ثابتؓ کی حدیث طحاوی نے روایت ہے۔ جابرؓ کی حدیث مسلم میں ہے اور بقول منذری بخاری نے اسے معلق روایت کیا ہے۔ یزید الفقیر عن جابرؓ کی حدیث نسائی نے روایت کی ہے)

شرح: طبرستان کی جنگ حضرت عثمانؓ کے دورِ خلافت میں ہوئی تھی۔ سعید بن العاصؓ کوفہ کے گورنر تھے اور کبار صحابہ کی ایک جماعت لے کر اس جنگ میں گئے تھے۔ ان بزرگوں میں حذیفہؓ، حسنؓ، حسینؓ، عبداللہ بن عباسؓ، عبداللہ بن عمرؓ، عبداللہ بن عمرو بن العاصؓ اور عبداللہ بن زبیرؓ بھی تھے۔ ابوداؤد نے جن احادیث کا حوالہ دیا ہے ان میں سے عبیداللہ کی روایت نسائی اور تفسیر ابن جریر میں ہے۔ مجاہد کی حدیث نسائی، ابن جریر اور طحاوی میں ہے۔ ابوہریرہؓ کی مرفوع حدیث نسائی میں ہے۔ ابوموسیٰ کی حدیث ابن جریر نے روایت کی ہے بسماک الحنفی والی روایت بھی ابن جریر میں ہے۔

۱۲۴۹۔ حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ وَسَعِيدُ بْنُ مَنْصُورٍ قَالَا نَا أَبُو عَوَانَةَ عَنْ بُكَيْرِ بْنِ الْأَخْنَسِ عَنْ مُجَاهِدٍ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ فَرَضَ اللهُ عَزَّ وَجَلَّ الصَّلٰوةَ عَلٰى لِسَانِ نَبِيِّكُمْ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي الْحَضَرِ أَرْبَعًا وَفِي السَّفَرِ رَكْعَتَيْنِ وَفِي الْخَوْفِ رَكْعَةً۔

ابن عباس رضی اللہ عنہ نے کہا کہ اللہ تعالیٰ نے نماز تمہارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان پر حضر میں چار رکعات اور سفر میں دو رکعتیں اور خوف میں ایک رکعت فرض کیا ہے (یہ حدیث مسلم، نسائی، ابن ماجہ اور مسند احمد میں بھی موجود ہے)

شرح: اس حدیث کا حوالہ ابوداؤد اوپر دے چکے ہیں۔ ابن عباس رضی اللہ عنہ سے صلاۃ الخوف میں بھی مختلف روایات ہیں۔

بَابُ ۱۹ مَنْ قَالَ يُصَلِّي بِكُلِّ طَائِفَةٍ رَكْعَتَيْنِ

ان کا باب جنہوں نے کہا کہ امام ہر گروہ کو دو رکعت پڑھائے

۱۲۵۰۔ **حَدَّثَنَا** عُبَيْدُ اللهِ بْنُ مُعَاذٍ نَا أَبِي نَا الْأَشْعَثُ عَنِ الْحَسَنِ عَنْ أَبِي بَكْرَةَ قَالَ صَلَّى النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي خَوْفٍ الظُّهْرَ فَصَفَّ بَعْضُهُمْ خَلْفَهُ وَبَعْضُهُمْ بِإِزَاءِ الْعَدُوِّ فَصَلَّى بِهِمْ رَكْعَتَيْنِ ثُمَّ سَلَّمَ فَانْطَلَقَ الَّذِينَ صَلَّوْا مَعَهُ فَوَقَفُوا مَوْقِفَ أَصْحَابِهِمْ ثُمَّ جَاءَ أُولَئِكَ فَصَلَّوْا خَلْفَهُ فَصَلَّى بِهِمْ رَكْعَتَيْنِ ثُمَّ سَلَّمَ فَكَانَتْ لِرَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَرْبَعًا وَلِأَصْحَابِهِ رَكْعَتَيْنِ رَكْعَتَيْنِ وَبِذَلِكَ كَانَ يُفْتِي الْحَسَنُ قَالَ أَبُو دَاوُدَ وَكَذَلِكَ فِي الْمَغْرِبِ يَكُونُ لِلْإِمَامِ سِتُّ رَكَعَاتٍ وَلِلْقَوْمِ ثَلَاثًا ثَلَاثًا قَالَ أَبُو دَاوُدَ وَكَذَلِكَ رَوَاهُ يَحْيَى بْنُ أَبِي كَثِيرٍ عَنْ أَبِي سَلَمَةَ عَنْ جَابِرٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَكَذَلِكَ قَالَ سُلَيْمَانُ الْيَشْكُرِيُّ عَنْ جَابِرٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ۔

ابوبکرہ رضی اللہ عنہ نے کہا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حالت خوف میں نماز ظہر پڑھائی پس کچھ لوگوں نے آپ کے پیچھے صف بنائی اور بعض نے دشمن کے سامنے۔ پس آپ نے دو رکعتیں پڑھائیں پھر سلام کہا۔ پس جنہوں نے آپ کے ساتھ نماز پڑھی تھی پھر وہ چلے گئے اور اپنے ساتھیوں کی جگہ پر جا کھڑے ہوئے پھر وہ دوسرے آ گئے پس آپ کے پیچھے دو رکعت نماز پڑھی پھر آپ نے سلام کہا۔ پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی چار رکعتیں ہوئیں اور آپ کے اصحاب کی دو دو رکعتیں، اور حسن اسی پر فتویٰ دیا کرتے تھے۔ ابوداؤد نے کہا کہ اسی طرح مغرب میں امام کی چھ اور لوگوں کی تین تین رکعتیں ہوں گی۔ ابوداؤد نے کہا کہ اسی طرح یحییٰ بن ابی کثیر نے ابوسلمہ سے اور اس نے جابر رضی اللہ عنہ سے اس نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کی ہے۔ اور اسی طرح سلیمان یشکری نے کہا کہ یہ روایت جابر رضی اللہ عنہ سے ہے اور اس نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کی ہے (یہ روایت نسائی کی صلوٰۃ الخوف میں آئی ہے مگر اس میں

حسن کا فتویٰ نہیں ہے)

شرح: خطابی نے معالم السنن میں اس حدیث سے یہ استدلال بھی کیا ہے کہ فرض والے کی نماز نفل والے کے پیچھے جائز ہے۔ مگر صلاۃ الخوف سے اگر استدلال شروع کیا جائے تو نماز میں بے شمار حرکات و سکنات کو بھی جائز کہنا پڑیگا صلوٰۃ الخوف کا تعلق ایک ہنگامی حالت کے ساتھ ہے لہذا اُسے دوسری نمازوں پر یا دوسری نمازوں کو اس پر ہر لحاظ سے قیاس نہیں کیا جاسکتا۔ علامہ علی القاریؒ نے کہا ہے کہ یہ حدیث ہمارے لیے نہایت مشکل ہے۔ اگر اسے سفر کا قصہ مانا جائے تو مفترض کی اقتداء متنفل کے پیچھے لازم آتی ہے اور اگر حضر پر محمول کریں تو دو رکعت پر سلام اس کے خلاف ہے۔ ہاں یوں کہا جاسکتا ہے کہ یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خصائص میں سے تھا، لیکن جہاں تک لوگوں کا سوال ہے، انہیں دو دو رکعت امام کے ساتھ ملیں اور دو دو انہوں نے حضورؐ کے سلام کے بعد پڑھی ہوں گی۔ امام طحاویؒ نے اسے اس وقت پر محمول کیا ہے جبکہ فرض کو دو مرتبہ پڑھا جاسکتا تھا۔ اگر کہا جائے کہ ابو بکرہؓ تو ایک متاخر الاسلام صحابی تھے جو جنگ طائف ۸ھ میں ایمان لائے تھے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ یہ صحابی کی مُرسل ہے کیونکہ انہوں نے اس حدیث میں اپنی اس واقعہ میں موجودگی کی صراحت نہیں کی۔ مولاناؒ نے فرمایا کہ طحاوی کے جواب کا مدار اس بات پر ہے کہ اس کی اپنی روایت میں دو رکعت پر سلام کا ذکر نہیں ہے۔ لیکن ابوداؤد نسائی اور دارقطنی کی روایت میں دو رکعت پر سلام کا ذکر موجود ہے۔ ہوسکتا ہے کہ اس سے مراد سلام لیا جائے جو تشہد میں ہے: اَلسَّلَامُ عَلَيْنَا وَعَلٰى عِبَادِ اللّٰهِ الصَّالِحِيْنَ۔ مگر میں گزارش کروں گا کہ یہ ایک بعید تاویل ہے۔ حافظ زیلعیؒ نے نصب الرایہ میں کہا ہے کہ مختصر المنذری میں ہے: بعض کا قول ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سفر کے حکم میں نہ تھے اور لوگ مسافر تھے، اور بعض نے کہا ہے کہ یہ صورت نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ خاص تھی۔

مولاناؒ فرماتے ہیں کہ حسن بصریؒ کا فتویٰ مجھے ابوداؤد کے سوا اور کہیں نہیں مل سکتا۔ جابرؓ کی یہ روایت مسلم میں موجود ہے جس کا حوالہ ابوداؤد نے دیا ہے۔ سلیمان یشکری کی روایت بقول سیوطی (الدر المنثور) عبد بن حمید اور ابن جریر نے بیان کی ہے۔

بَابُ صَلٰوةِ الطَّالِبِ

صلوٰۃ الطالب کا باب

۱۲۵۱۔ حَدَّثَنَا اَبُوْ مَعْمَرٍ عَبْدُ اللّٰهِ ابْنُ عَمْرٍو نَا عَبْدُ الْوَارِثِ نَا مُحَمَّدُ بْنُ اِسْحَاقَ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ جَعْفَرٍ عَنِ ابْنِ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ اُنَيْسٍ عَنْ اَبِيْهِ قَالَ بَعَثَنِيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِلٰى خَالِدِ بْنِ سُفْيَانَ الْهُذَلِيِّ وَكَانَ نَحْوَ عُرَنَةَ وَعَرَفَاتٍ فَقَالَ اذْهَبْ فَاقْتُلْهُ قَالَ فَرَاَيْتُهٗ وَحَضَرَتْ صَلٰوةُ الْعَصْرِ فَقُلْتُ اِنِّيْ لَاَخَافُ اَنْ يَّكُوْنَ بَيْنِيْ وَبَيْنَهٗ مَا اَنْ اُؤَخِّرَ الصَّلٰوةَ فَانْطَلَقْتُ اَمْشِيْ وَاَنَا اُصَلِّيْ اُوْمِيْ اِيْمَاءً نَحْوَهٗ فَلَمَّا دَنَوْتُ مِنْهُ قَالَ لِيْ

مَنْ اَنْتَ قُلْتُ رَجُلٌ مِنَ الْعَرَبِ بَلَغَنِیْ اَنَّكَ تَجْمَعُ لِهٰذَا الرَّجُلِ فَجِئْتُكَ فِیْ ذَاكَ قَالَ اِنِّیْ لَفِیْ ذَاكَ فَمَشَیْتُ مَعَهٗ سَاعَةً حَتّٰی اِذَا اَمْكَنَنِیْ عَلَوْتُهٗ بِسَیْفِیْ حَتّٰی بَرَدَ۔

عبداللہ بن اُنیس نے کہا کہ مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خالد بن سفیان ہذلی کی طرف بھیجا جو عرنہ اور عرفات کی طرف تھا۔ سو آپؐ نے فرمایا: جا اور اُسے قتل کر دے۔ عبداللہ بن اُنیس نے کہا کہ میں نے اسے دیکھا اور نماز عصر کا وقت ہو گیا تھا۔ پس میں نے کہا کہ مجھے خوف ہے کہ میرے اور اس کے درمیان کوئی ایسا معاملہ پیش آجائے جس کے باعث میں نماز کو مؤخر کر دوں، پس میں پیدل چلا درانحالیکہ میں نماز پڑھتا تھا اور اس کی طرف اشارے سے نماز ادا کرتا جا رہا تھا۔ پس جب میں اس کے قریب گیا تو اس نے مجھ سے کہا: تو کون ہے؟ میں نے کہا کہ میں ایک عرب ہوں۔ مجھے پتہ چلا ہے کہ تو اس شخص کے لیے فوج اکٹھی کر رہا ہے لہذا میں تیرے پاس اس معاملے میں آیا ہوں۔ اس نے کہا کہ میں اسی کام میں مصروف ہوں۔ پس میں ایک گھڑی تک اس کے ساتھ چلتا رہا یہاں تک کہ جب میرا بس چلا تو میں تلوار کے ساتھ اس پر چڑھ گیا حتی کہ وہ ٹھنڈا ہو گیا۔ (صحاح ستہ میں سے یہ حدیث صرف ابو داؤد نے روایت کی ہے اور مسند احمد میں یہ زیادہ طویل آئی ہے)

شرح: عبداللہ بن اُنیس جہنی کے پانچ بیٹے تھے، معلوم نہیں اس روایت کا راوی کون سا بیٹا ہے۔ طالب وہ ہے جو دشمن کے پیچھے لگا ہوا ہو تاکہ اسے پکڑے یا قتل کر دے۔ مطلوب وہ ہے جس کے پیچھے دشمن لگا ہو۔ بقول حافظ ابن حجر ابن المنذر نے کہا ہے کہ اہلِ علم نے مطلوب کے متعلق کہا ہے کہ وہ اپنی سواری پر اشارے سے نماز پڑھے اور اگر طالب ہو تو سواری سے اتر کر زمین پر نماز پڑھے۔ امام شافعیؒ نے اس میں یہ استثنا کیا ہے کہ اگر اسے ساتھیوں سے جدا ہو جانے اور مطلوب کے حملہ آور ہو جانے کا خدشہ ہو تو پھر وہ بھی مطلوب کی مانند سواری پر اشارے سے پڑھ سکتا ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ طالب میں تو تفصیل ہے مگر مطلوب کا ایک ہی حکم ہے۔ سبب یہ ہے کہ مطلوب کے لیے خوف کی شدت ظاہر و غالب ہوتی ہے مگر طالب کے لیے نہیں۔ مولاناؒ نے فرمایا کہ حنفیہ کا مذہب اس بارے میں وہ ہے جو البدائع میں ہے کہ: اگر سوار ہو کر نماز پڑھے اور سواری چل رہی ہو تو اگر وہ مطلوب ہے تو اس میں حرج نہیں کیونکہ چلنا دراصل سواری کا فعل ہے اور سوار کی طرف اس لیے منسوب ہے کہ معنیً وہی سواری کو چلاتا ہے، پس جب عذر آ گیا تو نسبت سوار سے منقطع ہو گئی۔ اس کے برخلاف اگر کوئی پیدل چلتا ہوا یا تیرتا ہوا نماز پڑھے تو یہ جائز نہیں ہے کیونکہ یہاں چلنے اور تیرنے کا فعل حقیقت میں خود اس کا ہے۔ اور طالب کے لیے سواری پر جائز نہیں کیونکہ اس میں وہ معنیٰ نہیں جو مطلوب میں ہے اور اس کے لیے نزول ممکن ہے۔

عبداللہ بن اُنیس جہنی انصاری قضاعی سلمی کہلاتا ہے۔ قاموس میں اسے ذوالمخصرہ (چھڑی والا) لکھا ہے کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے چھڑی عطا کی تھی اور فرمایا تھا کہ تم اسے لے کر مجھے جنت میں ملو گے۔ یہ چھڑی وفات تک ان کے ساتھ رہی اور موت سے قبل وصیت کی کہ اسے میرے کفن میں لپیٹ دینا چنانچہ ایسا ہی کیا گیا۔ حافظ ابن حجر نے فتح الباری میں کہا ہے کہ اس کی سند حسن ہے اور مسند میں یہ حدیث طویل آئی ہے۔ ابو داؤد نے مختصر روایت کی ہے۔ اس حدیث سے دشمن کے طالب کے لیے اشارے سے نماز پڑھنے کا استدلال کیا گیا ہے مگر یہ استدلال تام نہیں ہے

یہ محض ایک صحابی کا فعل ہے جس کے متعلق یہ ثابت نہیں ہوا کہ حضورؐ کو اس کا علم ہوا اور آپؐ نے خاموشی اختیار کی یا تصویب فرمائی۔ یہی سبب ہے کہ جمہور فقہائے نے اسے نہیں لیا۔

۱ - بَابُ تَفْرِيعِ أَبْوَابِ التَّطَوُّعِ وَرَكَعَاتِ السُّنَّةِ

نفل کے ابواب اور رکعاتِ سنت کی تفریع کا باب

۱۲۵۲۔ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عِيسَى نَا ابْنُ عُلَيَّةَ نَا دَاوُدُ بْنُ أَبِي هِنْدٍ حَدَّثَنِي النُّعْمَانُ بْنُ سَالِمٍ عَنْ عَمْرِو بْنِ أَوْسٍ عَنْ عَنْبَسَةَ بْنِ أَبِي سُفْيَانَ عَنْ أُمِّ حَبِيبَةَ قَالَتْ قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ صَلَّى فِي يَوْمٍ ثِنْتَيْ عَشْرَةَ رَكْعَةً تَطَوُّعًا بُنِيَ لَهُ بِهِنَّ بَيْتٌ فِي الْجَنَّةِ۔

ام حبیبہؓ نے کہا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص دن بھر میں بارہ رکعت نفل پڑھے ان کے سبب سے جنت میں اس کے لیے گھر بنا دیا جاتا ہے (اس حدیث کو مسلم، ترمذی اور نسائی نے بھی روایت کیا ہے)

شرح: رکعاتِ سنت سے مراد سنن رواتب ہیں۔ محدث علی القاری رحؒ نے کہا ہے کہ سنت، نفل، تطوع، مندوب، مستحب اور مرغب فیہ کے الفاظ ہم معنی ہیں۔ ان سے مراد وہ فعل ہے جس فعل کو شارع نے ترک پر راجح کیا ہے مگر اس کا ترک بھی جائز ہے، مگر بعض سنتیں بعض سے زیادہ مؤکد ہیں اور اس پر سب کا اتفاق ہے۔ نوویؒ نے کہا ہے کہ نفل صحیح اور مقبول ہیں گو فرض ناقص ہوں کیونکہ حدیث صحیح میں ہے کہ اگر بندہ فریضہ میں نقص پیدا کرے گا تو اللہ تعالٰے فرمائے گا: دیکھو کیا میرے بندے کا نفل ہے۔ پس اس کے ساتھ اس کے فریضے کو مکمل کیا جائے گا۔ اور یہ حدیث ضعیف ہے کہ: نمازی کا نفل مقبول نہیں حتی کہ وہ فریضہ ادا کرے۔ اگر اسے صحیح مانا جائے تو اس سے مراد فرض کے بعد والی سنت راتبہ ہے کیونکہ اس کی صحت فرض کی صحت پر موقوف ہے۔ شامی نے کہا ہے کہ مشروعات کی چار قسمیں ہیں: فرض، واجب، سنت اور نفل۔ اگر دلیل قطعی سے ثابت ہو تو فرض ہے، اگر دلیل ظنی سے ثابت ہے تو واجب ہے اور ان دونوں کا ترک ممنوع ہے۔ اگر ترک ممنوع نہ ہو تو جس فعل پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خلفائے راشدین نے ہمیشگی فرمائی ہو وہ سنت ہے۔ ورنہ نفل ہے۔ اور سنت کی دو قسمیں ہیں: سنۃ الھدیٰ جس کا ترک برائی اور کراہیت ہے جیسے جماعت، اذان اور اقامت وغیرہ۔ اور سنۃ الزوائد جس کا ترک اسارت اور کراہیت نہیں ہوتا، مثلاً لباس اور قیام و قعود میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا طریقہ۔ یہ حدیث یہاں پر مختصر ہے اور نسائیؒ نے اسے مطول بیان کیا ہے کہ نماز ظہر سے پہلے چار رکعت اور اس کے بعد دو رکعتیں، مغرب کے بعد دو رکعتیں، عشاء کے بعد دو رکعتیں اور فجر سے قبل دو رکعتیں

۱۲۵۳۔ حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ حَنْبَلٍ نَا هُشَيْمٌ نَا خَالِدٌ ح وَحَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ نَا يَزِيدُ بْنُ زُرَيْعٍ نَا خَالِدٌ الْمَعْنَى عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ شَقِيقٍ قَالَ سَأَلْتُ عَائِشَةَ عَنْ صَلٰوةِ رَسُولِ اللهِ

صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنَ التَّطَوُّعِ فَقَالَتْ كَانَ يُصَلِّي قَبْلَ الظُّهْرِ أَرْبَعًا فِي بَيْتِي ثُمَّ يَخْرُجُ فَيُصَلِّي بِالنَّاسِ ثُمَّ يَرْجِعُ إِلَى بَيْتِي فَيُصَلِّي رَكْعَتَيْنِ وَكَانَ يُصَلِّي بِالنَّاسِ الْمَغْرِبَ ثُمَّ يَرْجِعُ إِلَى بَيْتِي فَيُصَلِّي رَكْعَتَيْنِ وَكَانَ يُصَلِّي بِهِمُ الْعِشَاءَ ثُمَّ يَدْخُلُ بَيْتِي فَيُصَلِّي رَكْعَتَيْنِ وَكَانَ يُصَلِّي مِنَ اللَّيْلِ تِسْعَ رَكَعَاتٍ فِيهِنَّ الْوِتْرُ وَكَانَ يُصَلِّي لَيْلًا طَوِيلًا قَائِمًا وَلَيْلًا طَوِيلًا جَالِسًا فَإِذَا قَرَأَ وَهُوَ قَائِمٌ رَكَعَ وَسَجَدَ وَهُوَ قَائِمٌ وَإِذَا قَرَأَ وَهُوَ قَاعِدٌ رَكَعَ وَسَجَدَ وَهُوَ قَاعِدٌ وَكَانَ إِذَا طَلَعَ الْفَجْرُ صَلَّى رَكْعَتَيْنِ ثُمَّ يَخْرُجُ فَيُصَلِّي بِالنَّاسِ صَلَاةَ الْفَجْرِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ۔

عبداللہ بن شقیق نے کہا کہ میں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نفل نماز کے متعلق پوچھا تو انہوں نے فرمایا کہ آپ ظہر سے پہلے میرے گھر میں چار رکعت پڑھتے، پھر باہر جاکر لوگوں کو نماز پڑھاتے پھر میرے گھر واپس آتے تو دو رکعت پڑھتے۔ اور لوگوں کو مغرب کی نماز پڑھاتے پھر میرے گھر واپس تشریف لاتے تو دو رکعت پڑھتے۔ اور لوگوں کو عشاء کی نماز پڑھاتے پھر میرے ہاں داخل ہوتے تو دو رکعتیں پڑھتے۔ اور رات کو آپ نو رکعات پڑھتے تھے جن میں وتر شامل ہوتے۔ اور طویل رات تک کھڑے ہوکر نماز پڑھتے اور طویل رات تک بیٹھ کر نماز پڑھتے۔ پس جب کھڑے ہوکر قرأت فرماتے تو اسی طرح قیام سے سجدہ اور رکوع میں جاتے اور جب بیٹھ کر قرأت فرماتے تو بیٹھے بیٹھے ہی رکوع و سجدہ بھی کرتے۔ اور جب فجر طلوع ہوتی تو دو رکعت پڑھتے پھر باہر نکلتے اور لوگوں کو نماز فجر پڑھاتے تھے۔ صلی اللہ علیہ وسلم۔ (مسلم، ترمذی، نسائی اور ابن ماجہ میں بھی یہ حدیث موجود ہے کہیں مطول کہیں مختصر)

شرح: اس حدیث میں ام المؤمنین سلام اللہ علیہا نے سنن رواتب کے علاوہ صلوٰۃ اللیل کا بھی ذکر فرمایا ہے۔ صلوٰۃ اللیل کی رکعات کی تعداد مختلف اوقات میں مختلف رہی ہے جیساکہ آگے انشاء اللہ آئے گا۔ وہیں پر وتر کا بیان ہوگا اور دونوں نمازوں کے الگ الگ ہونے کی بحث ہوگی کیونکہ وتر تو رات کے پہلے حصے میں بھی جائز ہیں بلکہ بعض احوال میں یا بعض اشخاص کے لیے افضل ہیں۔ اور تہجد کی نماز آخر اللیل کی نماز ہے۔

۱۲۵۴۔ حَدَّثَنَا الْقَعْنَبِيُّ عَنْ مَالِكٍ عَنْ نَافِعٍ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُمَرَ أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يُصَلِّي قَبْلَ الظُّهْرِ رَكْعَتَيْنِ وَبَعْدَهَا رَكْعَتَيْنِ وَبَعْدَ الْمَغْرِبِ رَكْعَتَيْنِ فِي بَيْتِهِ وَبَعْدَ صَلَاةِ الْعِشَاءِ رَكْعَتَيْنِ وَكَانَ لَا يُصَلِّي بَعْدَ الْجُمُعَةِ حَتّٰى يَنْصَرِفَ فَيُصَلِّي رَكْعَتَيْنِ۔

عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ظہر سے پہلے دو رکعت اور اس کے بعد دو رکعت

اور مغرب کے بعد دو رکعت اپنے گھر میں اور نماز عشاء کے بعد دو رکعت پڑھتے تھے۔ اور جمعہ کے بعد وہاں سے تشریف لاکر دو رکعت پڑھتے تھے (بخاری، مسلم اور نسائی نے بھی یہ حدیث روایت کی ہے)

شرح: فی بیتہ کی قید تمام سنن کے بارے میں ہے جیسا کہ ابن حجر نے کہا، گو بظاہر دو رکعت بعد از مغرب ہی کے ساتھ خاص نظر آتی ہے، مگر اوپر کی حدیث اس کی تفصیل و تشریح کرتی ہے۔ ظہر سے قبل احیاناً کسی جلدی کے باعث دو رکعتیں ادا فرمائی ہوں گی ورنہ دوسری صحیح احادیث میں چار کی صراحت ہے۔ بعد از جمعہ کی سنن پر ابواب الجمعہ میں گفتگو گزر چکی ہے۔

۱۲۵۵۔ حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ نَا يَحْيَى عَنْ شُعْبَةَ عَنْ إِبْرَاهِيمَ بْنِ مُحَمَّدِ بْنِ الْمُنْتَشِرِ عَنْ أَبِيهِ عَنْ عَائِشَةَ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ لَا يَدَعُ أَرْبَعًا قَبْلَ الظُّهْرِ وَرَكْعَتَيْنِ قَبْلَ صَلٰوةِ الْغَدَاةِ۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم ظہر کی پہلی چار رکعتیں اور فجر کی پہلی دو رکعتیں ترک نہیں فرماتے تھے (اس حدیث کو بخاری اور نسائی نے بھی روایت کیا ہے)

بَابُ ۲ رَكْعَتَيِ الْفَجْرِ

فجر کی دو رکعتوں کا باب

۱۲۵۶۔ حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ نَا يَحْيَى عَنِ ابْنِ جُرَيْجٍ حَدَّثَنِي عَطَاءٌ عَنْ عُبَيْدِ بْنِ عُمَيْرٍ عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ إِنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَمْ يَكُنْ عَلَى شَيْءٍ مِنَ النَّوَافِلِ أَشَدَّ مُعَاهَدَةً مِنْهُ عَلَى الرَّكْعَتَيْنِ قَبْلَ الصُّبْحِ۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فجر کی پہلی دو رکعتوں سے شدید تر کسی اور نفل کی پابندی نہ فرماتے تھے (بخاری اور نسائی نے بھی اسے روایت کیا ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ سنن میں سے ان دو کی بہت اہمیت ہے حتی کہ از روئے حدیث دشمن کے گھوڑوں کے تاڑ جانے کے وقت بھی ان کے پڑھنے کا حکم حضورؐ نے دیا ہے (البدائع)

بَابُ ۳ فِي تَخْفِيفِهِمَا

ان دو رکعتوں کی تخفیف کا باب

۱۲۵۷۔ حَدَّثَنَا اَحْمَدُ بْنُ اَبِیْ شُعَیْبِ الْحَرَّانِیُّ نَا زُهَیْرُ بْنُ مُعَاوِیَةَ نَا یَحْیَی بْنُ سَعِیْدٍ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ عَنْ عَمْرَةَ عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ کَانَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ یُخَفِّفُ الرَّکْعَتَیْنِ قَبْلَ صَلٰوةِ الْفَجْرِ حَتّٰی اِنِّیْ لَاَقُوْلُ هَلْ قَرَأَ فِیْهِمَا بِاُمِّ الْقُرْاٰنِ۔

عائشہ سلام اللہ علیہا نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نماز فجر سے پہلے دو رکعتوں میں اتنی تخفیف فرماتے تھے کہ میں سوچتی تھی آیا آپ نے ان میں سورۂ فاتحہ پڑھی ہے؟ (بخاری، مسلم اور نسائی میں بھی یہ حدیث مروی ہے)

شرح فتح الباری میں حافظ ابن حجر نے کہا ہے کہ اس حدیث سے ان لوگوں نے استدلال کیا ہے جو کہتے ہیں کہ فجر کی دو سنتوں میں قرأت بالکل نہیں ہے حالانکہ احادیث سے بعض چھوٹی سورتوں کی قرأت ان رکعتوں میں ثابت ہے۔ علامہ قرطبی نے کہا کہ ام المؤمنین کے قول کا مطلب یہ نہیں ہے کہ انہیں حضورؐ کے ان دو رکعتوں میں قرأت کرنے میں شک تھا۔ بلکہ یہ بات انہوں نے بطور مبالغہ فرمائی تاکہ نوافل کی لمبی قرأت کے مقابلے میں ان رکعتوں کی ہلکی قرأت کو بیان کریں۔ امام مالکؒ نے اس حدیث سے یہ استدلال کیا ہے کہ ان رکعات میں صرف سورۂ فاتحہ پڑھنی چاہیئے۔ امام شافعیؒ نے فرمایا ہے کہ ان میں سورۂ الکافرون اور الاخلاص پڑھنا مسنون تاکہ حدیث پر عمل ہو جائے اور جمہور کا یہی مذہب ہے۔

۱۲۵۸۔ حَدَّثَنَا یَحْیَی بْنُ مَعِیْنٍ نَا مَرْوَانُ بْنُ مُعَاوِیَةَ نَا یَزِیْدُ بْنُ کَیْسَانَ عَنْ اَبِیْ حَازِمٍ عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَرَأَ فِیْ رَکْعَتَیِ الْفَجْرِ قُلْ یٰۤاَیُّهَا الْکٰفِرُوْنَ وَقُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ۔

ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فجر کی پہلی دو رکعتوں میں سورۂ الکافرون اور اخلاص پڑھی (یہ حدیث صحیح مسلم، سنن نسائی اور سنن ابن ماجہ میں بھی آئی ہے۔ البحر الرائق میں ہے کہ فجر کی دو رکعتوں کے متعلق تین باتیں سنت ہیں۔ ایک یہ کہ ان کی پہلی رکعت میں قُلْ یٰۤاَیُّهَا الْکٰفِرُوْن اور دوسری میں الاخلاص پڑھی جائے دوسری یہ کہ ان رکعتوں کو گھر میں ادا کیا جائے اور تیسری یہ کہ انہیں اول وقت میں ادا کیا جائے)

۱۲۵۹۔ حَدَّثَنَا اَحْمَدُ بْنُ حَنْبَلٍ نَا اَبُو الْمُغِیْرَةِ نَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ الْعَلَاءِ حَدَّثَنِیْ اَبُوْ زِیَادَةَ عُبَیْدُ اللّٰهِ بْنُ زِیَادٍ الْکِنْدِیُّ عَنْ بِلَالٍ اَنَّهٗ حَدَّثَهٗ اَنَّهٗ اَتٰی رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ یُؤْذِنُهٗ بِصَلٰوةِ الْغَدَاةِ فَشَغَلَتْ عَائِشَةُ بِلَالًا بِاَمْرٍ سَاَلَتْهُ عَنْهُ حَتّٰی

فَضَحَهُ الصُّبْحُ فَأَصْبَحَ جِدًّا قَالَ فَقَامَ بِلَالٌ فَآذَنَهُ بِالصَّلٰوةِ وَتَابَعَ أَذَانَهُ فَلَمْ يَخْرُجْ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَلَمَّا خَرَجَ صَلَّى بِالنَّاسِ وَأَخْبَرَهُ أَنَّ عَائِشَةَ شَغَلَتْهُ بِأَمْرٍ سَأَلَتْهُ عَنْهُ حَتّٰى أَصْبَحَ جِدًّا وَأَنَّهُ أَبْطَأَ عَلَيْهِ بِالْخُرُوجِ فَقَالَ إِنِّي كُنْتُ رَكَعْتُ رَكْعَتَيِ الْفَجْرِ فَقَالَ يَا رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّكَ أَصْبَحْتَ جِدًّا قَالَ لَوْ أَصْبَحْتُ أَكْثَرَ مِمَّا أَصْبَحْتُ لَرَكَعْتُهُمَا وَأَحْسَنْتُهُمَا وَأَجْمَلْتُهُمَا۔

بلال رض نے ابوزیادہ کندی کو بتایا کہ وہ (یعنی خود بلال رض) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس انہیں نماز فجر کی اطلاع دینے گیا حضرت عائشہ رض نے اس سے ایک بات پوچھی اور اُسے بتاتے ہوئے دیر ہوگئی حتیٰ کہ صبح بہت روشن ہوگئی۔ بلال رض نے کہا کہ میں کھڑا رہا پھر میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو نماز کی اطلاع دی اور پھر بار بار اطلاع دی مگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم باہر تشریف نہ لائے۔ پھر جب آپ باہر تشریف لائے تو لوگوں کو نماز پڑھائی اور بلال رض نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بتایا کہ حضرت عائشہ رض نے مجھے کسی بات میں مشغول کر دیا تھا جو انہوں نے مجھ سے دریافت کی تھی حتیٰ کہ صبح بہت روشن ہوگئی - اور یہ بھی بتایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے باہر تشریف لانے میں دیر لگائی تھی۔ اس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں فجر کی سنتیں پڑھ رہا تھا، تو بلال رض نے کہا یا رسول اللہ آپ نے تو بہت ہی روشنی کر ڈالی۔ حضور نے فرمایا: اگر میں اس سے بھی زیادہ صبح چڑھا دیتا تو پھر بھی میں وہ دو رکعت ضرور پڑھتا اور اچھی طرح پڑھتا اور خوبصورت انداز میں پڑھتا (یہ حدیث سنن ابن ماجہ میں بھی آئی ہے۔ اس حدیث کی باب کے عنوان سے کچھ زیادہ مطابقت نہیں ہے۔ اچھی طرح اور حسین و جمیل انداز میں ان سنتوں کو ادا کرنا تخفیف کے درحقیقت خلاف نہیں ہے، شاید اس خیال سے ابوداؤد نے اسے یہاں رکھا ہے)

۱۲۶۰۔ حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ نَا خَالِدٌ نَا عَبْدُ الرَّحْمٰنِ يَعْنِي ابْنَ إِسْحَاقَ الْمَدَنِيَّ عَنِ ابْنِ زَيْدٍ عَنِ ابْنِ سَيْلَانَ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا تَدَعُوهُمَا وَإِنْ طَرَدَتْكُمُ الْخَيْلُ۔

ابوہریرہ رض نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ان دو رکعتوں کو مت چھوڑو اگرچہ تمہیں (دشمن کے) گھوڑے دھکیل دیں (یہ حدیث مسند احمد میں بھی آئی ہے۔ یہ حدیث بھی عنوان باب سے مطابقت نہیں رکھتی اور یہ جو ارشاد ہوا کہ، فَإِنْ طَرَدَتْكُمُ الْخَيْلُ۔ یہ ان رکعتوں کی اہمیت واضح کرنے کے لیے بطور تاکید و مبالغہ فرمایا گیا ہے)

۱۲۶۱۔ حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ يُونُسَ نَا زُهَيْرٌ نَا عُثْمَانُ ابْنُ حَكِيمٍ أَخْبَرَنِي سَعِيدُ

بْنُ يَسَارٍ عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ عَبَّاسٍ اَنَّ كَثِيْرًا مِمَّا كَانَ يَقْرَأُ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيْ رَكْعَتَيِ الْفَجْرِ بِاٰمَنَّا بِاللهِ وَمَا اُنْزِلَ اِلَيْنَا هٰذِهِ الْاٰيَةَ قَالَ هٰذِهٖ فِي الرَّكْعَةِ الْاُوْلٰى وَفِي الرَّكْعَةِ الْاٰخِرَةِ بِاٰمَنَّا بِاللهِ وَاشْهَدْ بِاَنَّا مُسْلِمُوْنَ۔

ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ بہت دفعہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فجر کی دو رکعتوں میں سورۂ البقرہ کی یہ آیت ۱۳۶ اٰمَنَّا بِاللهِ وَمَا اُنْزِلَ اِلَيْنَا آخر تک پہلی رکعت میں پڑھتے تھے اور دوسری رکعت میں سورۂ آل عمران کی یہ آیت) اٰمَنَّا بِاللهِ وَاشْهَدْ بِاَنَّا مُسْلِمُوْنَ پڑھتے تھے (اس حدیث کو مسلم، نسائی اور احمد نے بھی روایت کیا ہے)

۱۲۶۲۔ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الصَّبَّاحِ بْنِ سُفْيَانَ نَا عَبْدُ الْعَزِيْزِ بْنُ مُحَمَّدٍ عَنْ عُثْمَانَ بْنِ عُمَرَ يَعْنِي ابْنَ مُوْسٰى عَنْ اَبِي الْغَيْثِ عَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ اَنَّهٗ سَمِعَ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقْرَأُ فِيْ رَكْعَتَيِ الْفَجْرِ قُلْ اٰمَنَّا بِاللهِ وَمَا اُنْزِلَ عَلَيْنَا فِي الرَّكْعَةِ الْاُوْلٰى وَفِي الرَّكْعَةِ الْاُخْرٰى بِهٰذِهِ الْاٰيَةِ رَبَّنَا اٰمَنَّا بِمَا اَنْزَلْتَ وَاتَّبَعْنَا الرَّسُوْلَ فَاكْتُبْنَا مَعَ الشّٰهِدِيْنَ اَوْ اِنَّا اَرْسَلْنٰكَ بِالْحَقِّ بَشِيْرًا وَّنَذِيْرًا وَّلَا تُسْئَلُ عَنْ اَصْحٰبِ الْجَحِيْمِ شَكَّ الدَّرَاوَرْدِيُّ۔

ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فجر کی دو سنتوں میں قُلْ اٰمَنَّا بِاللهِ وَمَا اُنْزِلَ عَلَيْنَا (آل عمران آیت ۸۴) پہلی رکعت میں اور دوسری رکعت میں یہ آیت: رَبَّنَا اٰمَنَّا بِمَا اَنْزَلْتَ وَاتَّبَعْنَا الرَّسُوْلَ فَاكْتُبْنَا مَعَ الشّٰهِدِيْنَ (آل عمران آیت ۵۳) اِنَّا اَرْسَلْنٰكَ بِالْحَقِّ بَشِيْرًا وَّنَذِيْرًا وَّلَا تُسْئَلُ عَنْ اَصْحٰبِ الْجَحِيْمِ (البقرہ آیت ۱۱۹) راوی حدیث دراوردی (عبدالعزیز بن محمد) کو شک ہے

شرح: حنفیہ کی ظاہر روایت کے مطابق اس طرح کی آیات کے پڑھنے کا جواز ہے۔ یہ حدیث بظاہر اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ رکعات صلوٰۃ میں ترتیب قرآنی کے خلاف آیات کی قرأت جائز ہے۔ جیساکہ صاف طور پر نظر آ رہا ہے یہ آیات نظم و ترتیب کے خلاف ہیں۔ اب سوال یہ ہے کہ حنفیہ نے نماز کو تو جائز کہا مگر اس طرح کی قرأت کو مکروہ کیوں بتایا ہے؟ مولاناؒ فرماتے ہیں کہ اس کا جواب یہ ہے کہ بیہقی نے اس حدیث کو سعید بن منصور کے طریق سے روایت کیا ہے، آگے ساری سند وہی ہے جو سنن ابی داؤد کی روایت میں ہے۔ ابوہریرہؓ نے کہا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو نماز فجر سے پہلے کی دو رکعتوں میں سے پہلی میں: قُوْلُوْٓا اٰمَنَّا بِاللهِ وَمَآ اُنْزِلَ اِلَيْنَا وَمَآ اُنْزِلَ اِلٰٓى اِبْرٰهٖمَ ـــ وَنَحْنُ لَهٗ مُخْلِصُوْنَ تک (البقرہ آیت ۱۳۶) اور

دوسری رکعت میں: رَبَّنَا بِمَا اَنْزَلْتَ وَاتَّبَعْنَا الرَّسُوْلَ فَاكْتُبْنَا مَعَ الشّٰهِدِيْنَ (آل عمران)۔ پس یہ حدیث اس بات کی دلیل ہے کہ ابو داؤد کی روایت میں شاید محمد بن الصباح کو وہم ہوا ہے۔ حافظ ابن حجر نے تہذیب میں محمد بن الصباح کے حالات کے ذکر میں کہا ہے کہ یحییٰ نے کہا: اس نے ایک منکر حدیث بیان کی ہے۔ یعقوب نے کہا کہ یہ حدیث اس وجہ سے بہت منکر بلکہ موضوع کی مانند ہے۔ ابو زرعہ اور محمد بن عبداللہ حضرمی نے اسے ثقہ کہا ہے۔

بَابُ الْاِضْطِجَاعِ بَعْدَهَا

سنت فجر کے بعد لیٹنے کا باب

۱۲۶۳ـ حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ وَاَبُوْ كَامِلٍ وَعُبَيْدُ اللّٰهِ بْنُ عُمَرَ بْنِ مَيْسَرَةَ قَالُوْا نَا عَبْدُ الْوَاحِدِ نَا الْاَعْمَشُ عَنْ اَبِيْ صَالِحٍ عَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا صَلّٰى اَحَدُكُمُ الرَّكْعَتَيْنِ قَبْلَ الصُّبْحِ فَلْيَضْطَجِعْ عَلٰى يَمِيْنِهٖ فَقَالَ لَهٗ مَرْوَانُ بْنُ الْحَكَمِ اَمَا يُجْزِئُ اَحَدَنَا مَمْشَاهُ اِلَى الْمَسْجِدِ حَتّٰى يَضْطَجِعَ عَلٰى يَمِيْنِهٖ قَالَ عُبَيْدُ اللّٰهِ فِيْ حَدِيْثِهٖ قَالَ لَا قَالَ فَبَلَغَ ذٰلِكَ ابْنَ عُمَرَ فَقَالَ اَكْثَرَ اَبُوْ هُرَيْرَةَ عَلٰى نَفْسِهٖ قَالَ فَقِيْلَ لِابْنِ عُمَرَ هَلْ تُنْكِرُ شَيْئًا مِمَّا يَقُوْلُ قَالَ لَا وَلٰكِنَّهُ اجْتَرَاَ وَجَبُنَّا قَالَ فَبَلَغَ ذٰلِكَ اَبَا هُرَيْرَةَ قَالَ وَمَا ذَنْبِيْ اِنْ كُنْتُ حَفِظْتُ وَنَسُوْا ـ

ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب تم میں سے کوئی صبح سے پہلے دو رکعتیں پڑھے تو دائیں پہلو پر لیٹ جائے۔ پس مروان بن الحکم نے اس سے کہا کہ کیا ہم میں سے کسی کو یہ کافی نہیں کہ وہ مسجد کی طرف پیدل چل کر جاتا ہے حتیٰ کہ وہ دائیں پہلو پر لیٹے؟ عبیداللہ نے اپنی حدیث میں کہا کہ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے کہا: نہیں۔ پس یہ بات ابن عمر رضی اللہ عنہ کو پہنچی تو انہوں نے کہا کہ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے کثرت روایت کے باعث اپنے اوپر زیادتی کی ہے۔ راوی کہتا ہے کہ ابن عمر رضی اللہ عنہ سے کہا گیا: کیا جو کچھ وہ کہتا ہے اس میں آپ کسی چیز کا انکار کرتے ہیں؟ ابن عمر رضی اللہ عنہ نے کہا نہیں، بلکہ اس نے جرأت کی اور ہم ڈر گئے۔ راوی نے کہا کہ پھر یہ بات ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کو پہنچی تو انہوں نے کہا: اگر میں نے یاد رکھا اور وہ بھول گئے تو اس میں میرا کیا گناہ ہے؟ (اسے ترمذی نے بھی روایت کیا اور کہا کہ یہ حدیث حسن صحیح غریب ہے۔ منذری نے کہا ہے کہ ابو صالح نے یہ حدیث ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے نہیں سنی، تو پھر منقطع ہوئی)

شرح: گفتگو جتنی زیادہ ہو اتنا ہی خطا اور سہو و نسیان کا خدشہ زیادہ ہوتا ہے۔ پس ابن عمر رضی اللہ عنہ کے قول کا منشا یہ تھا کہ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ روایت میں اتنا دلیر ہے مگر ہم اس قدر جری نہیں کہ ہر وقت ہر بات بیان کرتے رہیں۔ مسجد کی طرف چل کر نماز کے لیے جانا بہت زیادہ اجر و ثواب کا باعث ہے جیسا کہ صحیح احادیث میں ثابت ہے۔ مروان کا مطلب یہ تھا کہ

مسجد کی طرف پیدل چل کر جانے کا ثواب تو سمجھ میں آتا ہے کہ یہ ایک نیکی کی طرف اقدام ہے مگر محض لیٹ جانا بھلا کیا اجر و ثواب کا باعث ہو گا؟ ابوہریرہؓ کے جواب کا منشاء یہ تھا کہ مسجد کی طرف چل کر جانا اپنی جگہ نیکی ہے مگر دائیں پہلو پر لیٹنا حضورؐ کے اس قول و فعل کے باعث ایک دوسری سُنت ہے جو باعث اجر ہے۔ ابن عمرؓ نے صرف اس حدیث کے باعث اعتراض نہ کیا تھا کہ یہ تو اپنی جگہ درست ہے، بلکہ جیساکہ خود ان کے قول سے معلوم ہو رہا ہے وہ کثرتِ روایت سے سہو و نسیان کے خوف کے باعث خائف تھے۔ ابوہریرہؓ نے کہا کہ مجھے تو خوب یاد ہے کہ یہ حضورؐ کی سنت ہے اگر لوگوں کو یاد نہ رہے اور وہ کثرت روایت سے یا دنہ ہونے کے باعث گریز کریں تو میرا اس میں کوئی قصور نہیں۔

سنتِ فجر کے بعد دائیں پہلو پر لیٹ جانے پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی مداومت ثابت نہیں ہوئی پیچھے بلالؓ کی حدیث گزری ہے جس سے ثابت ہوتا ہے کہ حضورؐ سنت ادا کرتے ہی باہر تشریف لے آتے تھے۔ لهذا جو لوگ اس اضطجاع کے قائل ہیں وہ بھی اسے مستحب کہتے ہیں۔ حضرت الاستاذ شیخ الاسلام عثمانی رحمہ اللہ نے فرمایا (فتح الملہم) کہ ابوہریرہؓ کی مرفوع حدیث اس ضمن میں ابوداؤد، ترمذی اور ابن حبان نے روایت کی ہے، کیونکہ اگر یہ لیٹنا واجب ہوتا تو حضورؐ سے اس کا دوام ثابت ہوتا۔ ترمذی نے اسے حدیث غریب کہا ہے۔ الریاض میں ہے کہ اس کی سندیں صحیح ہیں مگر حافظ ابن القیمؒ نے کہا کہ یہ باطل ہے، حضورؐ سے صرف فعل ثابت ہے قول نہیں۔ اور اس کا فائدہ یہ ہے کہ راحت ہو جائے اور نمازِ صبح کے لیے نشاط پیدا ہو۔ ابن العربی نے کہا ہے کہ یہ صرف تہجد پڑھنے والوں کے لیے مستحب ہے۔ اور اس کا شاہد وہ حدیث ہے جو عبدالرزاق نے عائشہ صدیقہ سے روایت کی ہے کہ حضورؐ کا یہ فعل سُنت کی راہ سے نہیں تھا بلکہ آپؐ رات بھر کی عبادت کے باعث تھک کر ذرا سستا لیتے تھے۔ اس حدیث میں ایک مجہول راوی ہے جس کا نام نہیں لیا گیا۔ بعض کے نزدیک اس لیٹنے کا فائدہ سنت و فرض کے مابین فاصلہ کرنا ہے مگر وہ یا تو بات چیت، چلنے پھرنے سے بھی حاصل ہو سکتا ہے جیساکہ بیہقی نے امام شافعیؒ سے نقل کیا ہے۔ اس بنا پر یہ تہجد والے اور غیر متہجد سب کے لیے عام ہوا۔ نوویؒ نے اس کی سنیت پر زور دیا ہے اور دلیل اس کی یہی ہے کہ ابوہریرہؓ کے سامنے بعینہٖ یہی دلیل مروان نے پیش کی تھی مگر وہ مطمئن نہ ہوئے تھے۔ حافظ ابن حزم ظاہری نے حسب عادت اس معاملے میں (المحلی میں) بہت افراط سے کام لیا ہے اور اس لیٹنے کو نمازِ صبح کی صحت کی شرط قرار دے دیا ہے۔ علماء نے اس پر ابن حزم کا رد کیا ہے کہ اس فعل پر حضورؐ کی ہمیشگی ثابت نہیں پس یہ تو سنت بھی ثابت نہیں ہوتا چہ جائیکہ اسے واجب اور نمازِ صبح کی شرط بنا دیا جائے حافظ ابن تیمیہؒ نے تو اس حدیث کی صحت میں بھی طعن کیا ہے کیونکہ اس حدیث ابی ہریرہؓ میں عبدالواحد بن زیاد اس کی روایت میں متفرد ہے اور اس کے حفظ میں کلام ہے، گو وہ ہے ثقہ اور صحاح ستہ میں اس کی روایت موجود ہے، شاید قول و فعل میں اسے التباس واقع ہو گیا ہو اور اس نے اس حدیث کو امر کے صیغے سے نقل کر دیا ہو۔ مگر حق یہ ہے گو وہ اس روایت میں متفرد ہے مگر ثقہ ہونے کی بنا پر اس کی حدیث درست ہے شیخ بدرالدین عینیؒ نے کہا کہ عبدالواحد پر کلام ہوا ہے۔ یحییٰ نے اسے لَيْسَ بِشَيْءٍ کہا ہے۔ فلاس کا قول ہے کہ ابوداؤد نے کہا کہ عبدالواحد نے اعمش کی بہت سی مرسل حدیثوں کو موصول کر دیا تھا اور عن کے بجائے حدثنا کا لفظ بول دیتا تھا۔ اس حدیث میں اعمش کی روایت عن کے لفظ کے ساتھ ہے اور وہ مُدلس ہے۔ نیز اس روایت میں عن ابی صالح عن ابی ہریرہؓ بھی محل گفتگو ہے، ابوصالح نے یہ حدیث ابوہریرہؓ سے نہیں سُنی۔ امام احمد نے بھی

اس حدیث پر زیادہ اعتماد نہیں کیا اور نہ اس پر ان کا عمل تھا جیسا کہ اثرم کی روایت میں ہے۔ بعض سلف نے کہا ہے اس پر عمل گھر میں ہونا مستحب ہے نہ کہ مسجد میں کیونکہ حضور سے یہ فعل گھر میں ہی ثابت ہے اور ابن عمرؓ سے بھی یہی منقول ہے، ابن عمرؓ مسجد میں لیٹنے والوں پر کنکریاں پھینک دیتے تھے (ابن ابی شیبہ)

مولانا نے فرمایا کہ بیہقی نے اس حدیث کی روایت کے بعد کہا ہے کہ اس سے مراد اباحت ہے (وجوب نہیں) اور حضورؐ سے اس کا فعل محفوظ ہے جیسا کہ دیگر روایات (حضرت عائشہؓ وابن عباسؓ) سے معلوم ہوتا ہے۔ اس اضطجاع کے متعلق چھ اقوال ہیں (۱) یہ مستحب ہے اور صحابہ میں سے اس کا فعل یا فتویٰ ابوموسیٰ اشعریؓ رافع بن خدیجؓ انسؓ اور ابوہریرہؓ سے ثابت ہے۔ ابن عمرؓ سے فعل وانکار دونوں ثابت ہیں۔ تابعین میں سے ابن سیرین، عروہ اور باقی فقہائے سبعہ اس کے استحباب کے قائل تھے۔ ائمہ فقہ میں سے شافعیؒ اور ان کے اصحاب کا یہ قول ہے (۲) فجر کی سنت کے بعد لیٹنا فرض وواجب ہے۔ یہ ابن حزم کا قول ہے اور اس نے حدیث ابی ہریرہؓ سے استدلال کیا ہے۔ پہلے قول والے اس امر کو استحبابی کہتے ہیں کیونکہ ابھی حضرت عائشہ صدیقہؓ کی حدیث آتی ہے کہ: ان سنتوں کے بعد اگر میں بیدار ہوتی تو حضورؐ مجھ سے بات چیت فرماتے ورنہ لیٹ جاتے۔ معلوم ہوا کہ اگر ام المؤمنین بیدار ہوتیں تو حضورؐ نہ لیٹتے تھے، پس یہ قرینہ اس بات کا ہے کہ حدیث ابی ہریرہؓ میں امر استحباب کے لیے ہے (۳) یہ کہ یہ مکروہ اور بدعت ہے اور یہ صحابہ میں سے ابن مسعودؓ کا قول ہے اور ابن عمرؓ سے بھی مروی ہے۔ ابن ابی شیبہ میں ابن عمرؓ کے متعلق مجاہد کا قول ہے کہ: میں سفر وحضر میں ابن عمرؓ کے ساتھ رہا ہوں۔ میں نے انہیں کبھی فجر کی دو رکعتوں کے بعد لیٹتے نہیں دیکھا۔ اور سعید بن المسیب نے ابن عمرؓ سے روایت کی کہ انہوں نے فجر کی سنت کے بعد ایک شخص کو لیٹتے دیکھا تو فرمایا اس پر کنکریاں پھینکو۔ اور ابو مجلز نے ان سے روایت کی ہے کہ یہ شیطان کا کھیل ہے۔ ابو صدیق ناجی نے ابن عمرؓ سے روایت کی ہے کہ انہوں نے اسے بدعت کہا۔ یہ سب ابن ابی شیبہ کی روایات ہیں۔ اور تابعین میں سے اسود بن یزید، ابراہیم نخعی، سعید بن مسیب، سعید بن جبیر نے اور ائمہ میں سے مالکؒ نے اسے مکروہ کہا ہے اور قاضی عیاض نے جمہور علماء سے یہ روایت کی ہے۔ میں گزارش کرتا ہوں کہ ان حضرات نے یہ شدت غالباً اس فعل کی سُنیت پر اصرار کرنے والوں کے لیے اور وہ بھی مسجد میں رکی ہوگی۔ (۴) چوتھا قول یہ ہے کہ یہ خلافِ اولیٰ ہے۔ ابن ابی شیبہ نے حسن بصری سے یہی روایت کی ہے (۵) جو شخص قیام اللیل کرے تو اسے استراحت کی خاطر ایسا کرنا مستحب ہے اور دوسروں کے لیے مشروع نہیں۔ اسے ابن العربی نے اختیار کیا ہے اور اس پر طبرانی اور عبدالرزاق کی روایت دلیل ہے: حضرت عائشہؓ فرماتی تھیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس لیے نہ لیٹتے تھے کہ ایسا کرنا سنت ہے بلکہ رات بھر کی عبادت کے بعد استراحت فرماتے تھے (۶) لیٹنا مقصود بالذات نہیں بلکہ سنت اور فرض کے درمیان فاصلے کے لیے تھا۔ بیہقی نے یہ شافعیؒ سے روایت کیا ہے۔

اضطجاع کی مشروعیت نہ ماننے والوں نے حدیث ابی ہریرہؓ کا جواب یہ دیا ہے کہ عبدالواحد بن زیاد عن الاعمش کی روایت ہے جس پر یحییٰ سعید القطان نے اعتراض کیا ہے اور ابوداؤد نے بھی۔ نیز اعمش مدلس ہے اور عن سے روایت کر رہا ہے۔ اور یحییٰ بن معین نے عبدالواحد کو لاشیئ کہا ہے۔ بیہقی نے کہا ہے کہ صحیح یہ ہے کہ حضورؐ سے اس اضطجاع کا امر ثابت نہیں ہاں فعل ثابت ہے۔ حضرت عائشہؓ کی بعض احادیث میں حضور کا سُنتِ فجر سے قبل لیٹنا بھی ثابت ہے۔ ابن عباسؓ کی حدیث میں بھی قبل از سنت لیٹنا آیا ہے۔

۱۲۶۴۔ حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ حَكِيمٍ نَا بِشْرُ بْنُ عُمَرَ نَا مَالِكُ بْنُ أَنَسٍ عَنْ سَالِمٍ أَبِي النَّضْرِ عَنْ أَبِي سَلَمَةَ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ كَانَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا قَضَى صَلَاتَهُ مِنْ اٰخِرِ اللَّيْلِ نَظَرَ فَإِنْ كُنْتُ مُسْتَيْقِظَةً حَدَّثَنِي وَإِنْ كُنْتُ نَائِمَةً أَيْقَظَنِي وَصَلَّى الرَّكْعَتَيْنِ ثُمَّ يَضْطَجِعُ حَتَّى يَأْتِيَهُ الْمُؤَذِّنُ فَيُؤْذِنَهُ بِصَلٰوةِ الصُّبْحِ فَيُصَلِّي رَكْعَتَيْنِ خَفِيفَتَيْنِ ثُمَّ يَخْرُجُ إِلَى الصَّلٰوةِ۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پچھلی رات کو جب نماز تہجد ختم کرتے تو دیکھتے اگر میں بیدار ہوتی تو مجھ سے بات چیت کرتے اور اگر میں سوئی ہوئی ہوتی تو مجھے جگاتے اور دو رکعتیں پڑھ کر لیٹ جاتے حتیٰ کہ مؤذن آکر آپ کو نمازِ فجر کی اطلاع دیتا۔ پس آپ دو ہلکی رکعتیں پڑھتے پھر نماز کے لیے تشریف لے جاتے تھے (بخاری، مسلم اور ترمذی نے بھی اسے روایت کیا ہے)

شرح: اس حدیث میں سنتِ فجر سے قبل لیٹنا حضورؐ کا فعل ثابت ہوا ہے۔ دراصل مختلف اوقات میں مختلف عمل رہا ہوگا۔ اور اس سے یہ بھی معلوم ہوگیا کہ یہ اضطجاع دراصل تھکن اور کوفت دور کرنے کے لیے تھا۔ دوسری کئی احادیث میں اضطجاع کا محل بعد ادائیگی سنت فجر آیا ہے۔ ابن عباسؓ کی روایت جس میں سنت سے قبل لیٹنے کا ذکر ہے وہ بخاری میں موجود ہے۔

۱۲۶۵۔ حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ نَا سُفْيَانُ عَنْ زِيَادِ بْنِ سَعْدٍ عَمَّنْ حَدَّثَهُ ابْنُ أَبِي عَتَّابٍ أَوْ غَيْرُهُ عَنْ أَبِي سَلَمَةَ قَالَ قَالَتْ عَائِشَةُ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا صَلَّى رَكْعَتَيِ الْفَجْرِ فَإِنْ كُنْتُ نَائِمَةً اضْطَجَعَ وَإِنْ كُنْتُ مُسْتَيْقِظَةً حَدَّثَنِي۔

عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب فجر کی دو رکعت پڑھ چکتے تو اگر میں سوئی ہوئی ہوتی تو پہلو پر لیٹ جاتے اور اگر میں بیدار ہوتی تو مجھ سے باتیں کرتے تھے۔

شرح: منذری نے کہا ہے کہ اس حدیث کی سند میں ایک مجہول راوی ہے (جسے ابوداؤد نے اَوْ غَيْرُهُ کے تشکیکی الفاظ سے بیان کیا ہے) مگر بیہقی نے یہ روایت: عن ابن ابی عتاب عن ابی سلمۃ شک و تردد کے بغیر کی ہے۔

۱۲۶۶۔ حَدَّثَنَا عَبَّاسٌ الْعَنْبَرِيُّ وَزِيَادُ بْنُ يَحْيَى قَالَا نَا سَهْلُ بْنُ حَمَّادٍ عَنْ أَبِي مَكِينٍ نَا أَبُو الْفَضْلِ رَجُلٌ مِنَ الْأَنْصَارِ عَنْ مُسْلِمِ بْنِ أَبِي بَكْرَةَ عَنْ أَبِيهِ قَالَ خَرَجْتُ مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِصَلٰوةِ الصُّبْحِ فَكَانَ لَا يَمُرُّ

بِرَجُلٍ إِلَّا نَادَاهُ بِالصَّلٰوةِ أَوْ حَرَّكَهُ بِرِجْلِهِ قَالَ زِيَادٌ قَالَ نَا أَبُو الْفَضْلِ۔

ابو بکرہ رضؓ نے کہا کہ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ صبح کی نماز کے لیے نکلا تو آپؐ جس شخص کے پاس سے بھی گزرتے اُسے الصلوٰۃ کہہ کر پکارتے یا اپنے پاؤں سے اُسے ہلاتے تھے۔ زیاد راوی نے ابو الفضل کو ابو الفضیل کہا ہے (مسلم نے بھی اسی طرح کی روایت بیان کی ہے۔ مولانا ائمۃ نے فرمایا کہ یہ ابن حنف ہے اور اُسے ابو الفضل اور ابن الفضیل بھی کہا گیا ہے۔ ابو الحسن قطان نے اسے مجہول کہا ہے)

شرح: ابوداؤد نے یہ روایت شاید اس لیے بیان کی ہے کہ یہ لوگ جنہیں حضورؐ جگاتے تھے، نماز فجر سے پہلے سنت پڑھ کر لیٹے ہوئے تھے۔ ورنہ اس کی کوئی مطابقت باب کے عنوان سے نہیں ہے۔

بَابٌ إِذَا أَدْرَكَ الْإِمَامَ وَلَمْ يُصَلِّ رَكْعَتَيِ الْفَجْرِ

باب۔ جب امام کو نماز میں پائے اور سنت فجر نہ پڑھی ہو

۱۲۶۷۔ حَدَّثَنَا سُلَيْمَانُ بْنُ حَرْبٍ نَا حَمَّادُ بْنُ زَيْدٍ عَنْ عَاصِمٍ عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ سَرْجِسَ قَالَ جَاءَ رَجُلٌ وَالنَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُصَلِّي الصُّبْحَ فَصَلَّى الرَّكْعَتَيْنِ ثُمَّ دَخَلَ مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي الصَّلٰوةِ فَلَمَّا انْصَرَفَ قَالَ يَا فُلَانُ أَيَّتُهُمَا صَلٰوتُكَ الَّتِي صَلَّيْتَ وَحْدَكَ أَوِ الَّتِي صَلَّيْتَ مَعَنَا۔

عبداللہ بن سرجس نے کہا کہ ایک مرد آیا جبکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صبح کی نماز پڑھا رہے تھے، پس اس نے دو رکعتیں پڑھیں پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نماز میں داخل ہوا۔ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز ختم کی تو فرمایا اے فلاں! تیری نماز کونسی ہے؟ آیا جو تو نے اکیلے پڑھی یا وہ جو ہمارے ساتھ پڑھی ہے؟ (یہ حدیث مسلم، ابن ماجہ اور نسائی نے بھی روایت کی ہے)

شرح: ابن ماجہ کے الفاظ یہ ہیں کہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نماز میں تھے کہ آپ نے ایک شخص کو فجر کے فرض سے قبل دو رکعات پڑھتے دیکھا۔ پس یہ الفاظ اس پر دلالت کرتے ہیں کہ اُس شخص نے پہلی ہی صف کے ساتھ مسجد کے اندر ایک طرف یہ رکعات پڑھی تھیں ورنہ حضورؐ اسے دیکھ کر نماز کے بعد نام لے کر نہ پکارتے۔ تفصیلی گفتگو اس مسئلہ پر آگے آتی ہے۔

۱۲۶۸۔ حَدَّثَنَا مُسْلِمُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ نَا حَمَّادُ بْنُ سَلَمَةَ ح وَنَا أَحْمَدُ بْنُ حَنْبَلٍ نَا مُحَمَّدُ بْنُ جَعْفَرٍ نَا شُعْبَةُ عَنْ وَرْقَاءَ ح وَنَا الْحَسَنُ بْنُ عَلِيٍّ نَا أَبُو عَاصِمٍ

عَنِ ابْنِ جُرَيْجٍ ح وَنَا الْحَسَنُ بْنُ عَلِيٍّ نَا يَزِيدُ ابْنُ هَارُونَ عَنْ حَمَّادِ بْنِ زَيْدٍ عَنْ أَيُّوبَ ح وَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الْمُتَوَكِّلِ نَا عَبْدُ الرَّزَّاقِ أَنَا زَكَرِيَّا ابْنُ إِسْحَاقَ كُلُّهُمْ عَنْ عَمْرِو بْنِ دِينَارٍ عَنْ عَطَاءِ بْنِ يَسَارٍ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا أُقِيمَتِ الصَّلٰوةُ فَلَا صَلٰوةَ إِلَّا الْمَكْتُوبَةَ ۔

ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے کہا کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب نماز کھڑی ہو جائے تو فرض کے سوا کوئی نماز نہیں ہوتی (مسلم، ترمذی، نسائی اور ابن ماجہ نے بھی اس کی روایت کی ہے)

شرح: حدیث کا یہ مطلب نہیں ہے کہ جب کہیں پہ کوئی جماعت کھڑی ہو جائے تو دنیا بھر میں، ملک بھر میں، شہر بھر میں، علاقہ بھر میں بلکہ محلہ بھر میں بھی کوئی نماز جائز نہیں۔ مطلب یہ ہے کہ اس مسجد میں جہاں پہ وہ نماز کھڑی ہوئی ہے، کوئی اور نماز نہ پڑھی جائے۔ یا اس سے مراد یہ ہے اس جماعت کی صفوں کے اندر کوئی اور نماز جائز نہ ہے۔ پس اگر مسجد مراد لی جائے تو مطلب یہ ہو گا کہ مسجد سے باہر اور نماز ہو سکتی ہے۔ اگر اس جماعت کی صفیں مراد لی جائیں تو مطلب یہ ہے کہ ان کے پیچھے، برآمدے میں، باہر صحن میں، دروازے پر، چھت پر یا اوپر کی منزل میں نماز ہو سکتی ہے۔ نفی سے مراد یا تو سرے سے نفی ہے یا نفیٔ کمال ہے۔ اول ظاہریہ کا مذہب ہے۔ شوکانی نے لکھا ہے کہ انہوں نے اس معاملے میں شدید مبالغہ کیا ہے اور کہا ہے کہ اگر کوئی آدمی فجر کی سنت یا کوئی اور نماز پڑھ رہا ہو اور جماعت کھڑی ہو جائے تو اسے سلام کی بھی حاجت نہیں نہ اس سے کوئی فائدہ ہے، بلکہ اس کی نماز باطل ہو گئی، اگرچہ سلام کے سوا کچھ بھی باقی نہ تھا۔ بلکہ وہ اسی طرح سے تکبیر کہے اور نماز میں داخل ہو جائے، نماز ختم ہو جانے کے بعد چاہے تو پھر وہ نماز پڑھ لے جو باطل ہو گئی تھی۔ شوکانی نے کہا کہ یہ ان کی طرف سے غلو ہے، بھلا سلام کہہ دینا زیادہ طویل ہے یا اقامت زیادہ طویل ہے؟ یعنی یہ بالکل آسان ہے کہ وہ شخص جلدی سے سلام کہے اور آ کر صف میں کھڑا ہو جائے۔

جمہور کا مسلک نفیٔ کمال ہے۔ شوکانی نے کہا کہ صحابہ، تابعین اور ان کے بعد والے اس مسئلہ میں نو ۹ اقوال پر مختلف ہوئے ہیں (۱) کراہیت، یہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ، ابوہریرہ رضی اللہ عنہ اور ایک قول میں ابن عمر رضی اللہ عنہ کا مسلک ہے اور تابعین میں سے عروہ بن زبیر، محمد بن سیرین، ابراہیم نخعی، عطاء بن ابی رباح، طاؤس، مسلم بن عقیل، سعید بن جبیر کا مذہب ہے اور ائمہ فقہ میں سے سفیان ثوری، ابن المبارک، شافعی، احمد، اسحاق، ابو ثور اور محمد بن جریر طبری کا مسلک ہے۔ ترمذی نے ثوری کے متعلق کراہت کی روایت نقل کی ہے مگر ابن عبدالبر اور نووی نے تفصیل نقل کی ہے وہ یہ کہ اگر اسے نماز فجر کی ایک رکعت کے فوت ہونے کا خوف ہو تو جماعت میں مل جائے اور سنت چھوڑ دے ورنہ نہیں بلکہ پڑھ لے، (۲) جب فرض نماز کھڑی ہو گئی تو کوئی نفل، فجر کی سنت ہو یا کوئی اور جائز نہیں۔ یہ تمہید میں ابن عبدالبر کا قول ہے (۳) امام کے فرض میں ہونے کی حالت میں سنت فجر میں کوئی حرج نہیں۔ ابن المنذر نے یہ قول ابن مسعود رضی اللہ عنہ، حسن بصری، مجاہد، مکحول، حماد بن ابی سلیمان اور حسن بن حیی سے نقل کیا ہے۔ گویا انہوں نے سنت فجر اور دیگر نوافل میں اس باب کے اندر فرق کیا ہے۔ ان کا استدلال بیہقی کی حدیث ہے: إِذَا أُقِيمَتِ الصَّلٰوةُ

فَلَا صَلٰوةَ اِلَّا الْمَكْتُوْبَةَ اِلَّا رَكْعَتَيِ الْفَجْرِ ۔ یعنی اس حدیث کی رو سے سنت فجر اس حکم سے مستثنیٰ ہے۔
(۴) مسجد کے اندر اور باہر کا حکم الگ الگ ہے اور پھر یہ بھی کہ امام کے ساتھ پہلی رکعت فوت ہونے کا خوف ہو۔
اور یہ امام مالکؒ کا قول ہے۔ انہوں نے کہا کہ جب آدمی مسجد کے اندر داخل ہوئے تو جماعت میں شامل ہو جائے
اگر مسجد میں داخل نہیں ہوا تو دو صورتیں ہیں، اگر باجماعت پہلی رکعت کے فوت ہونے کا خطرہ نہیں تو مسجد سے
باہر دو سنت پڑھ لے، اگر فوت ہونے کا خطرہ ہے تو بھی جماعت میں شامل ہو جائے (۵) اگر دونوں رکعتوں کے
باجماعت فوت ہونے کا خطرہ ہو اور یہ کہ وہ دوسری رکعت میں امام کے سر اٹھانے سے قبل جماعت میں شامل نہ ہو سکیگا
تو مسجد سے باہر سنت ادا کرے پھر جماعت میں آشامل ہو۔ ابن عبدالبر کے بیان کے مطابق یہ ابو حنیفہؒ اور ان کے
اصحاب کا قول ہے۔ اور ان سے امام مالکؒ کے قول کی مانند بھی منقول ہے جیسا کہ خطابی نے بیان کیا ہے اور اصحاب
ابی حنیفہؒ کے بیان کے مطابق ہے (۶) اگر آخری رکعت کے باجماعت فوت ہو جانے کا خطرہ نہ ہو تو مسجد میں ہی
سنت پڑھ لے، پہلی رکعت فوت ہوتی ہے تو کوئی حرج نہیں۔ یہ اوزاعی کا قول ہے اور سعید بن عبدالعزیز کا بھی،
اور نوویؒ نے اسے ابو حنیفہؒ اور ان کے اصحاب سے بیان کیا ہے، (۷) اگر ایک رکعت کے فوت ہونے کا خوف
نہ ہو تو مسجد میں جہاں چاہے ادا کرے اور یہ سفیان ثوری کا قول ہے جو ابن عبدالبر نے بیان کیا مگر ترمذی کے
بیان کردہ قول کے یہ خلاف ہے (۸) جب وقت میں گنجائش ہو تو فجر کی سنت پڑھ لے گو نماز باجماعت فوت
ہو جانے کا خوف بھی ہو۔ یہ مالکیہ میں سے ابن الجلاب کا قول ہے (۹) جب اس نے اقامت سن لی تو سنت پڑھنا
جائز نہیں اور نہ کوئی اور نفل، مسجد کے اندر ہو یا باہر ہو، اگر وہ پڑھے گا تو گنہگار ہوگا۔ یہ ظاہریہ کا قول ہے۔

بَابُ مَنْ فَاتَتْهُ مَتٰى يَقْضِيهَا

فوت شدہ سنت فجر کی قضاء کا باب

۱۲۶۹۔ حَدَّثَنَا عُثْمَانُ بْنُ اَبِيْ شَيْبَةَ نَا ابْنُ نُمَيْرٍ عَنْ سَعْدِ بْنِ سَعِيْدٍ حَدَّثَنِيْ مُحَمَّدُ بْنُ اِبْرَاهِيْمَ عَنْ قَيْسِ بْنِ عَمْرٍو قَالَ رَاٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَجُلًا يُصَلِّيْ بَعْدَ صَلٰوةِ الصُّبْحِ رَكْعَتَيْنِ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَلٰوةُ الصُّبْحِ رَكْعَتَانِ فَقَالَ الرَّجُلُ اِنِّيْ لَمْ اَكُنْ صَلَّيْتُ الرَّكْعَتَيْنِ اللَّتَيْنِ قَبْلَهُمَا فَصَلَّيْتُهُمَا الْاٰنَ فَسَكَتَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ۔

قیسؓ بن عمرو نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص نماز فجر کے بعد دو رکعتیں پڑھتے دیکھا
تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ نماز فجر کی دو ہی رکعتیں ہیں۔ وہ آدمی بولا کہ میں نے فرض سے پہلے کی دو سنت
نہیں پڑھی تھیں اور انہیں اب پڑھا ہے۔ پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خاموش رہے۔ (ابن ماجہ اور ترمذی نے

بھی اس حدیث کی روایت کی ہے)
شرح: بقولِ ترمذی محمد بن ابراہیم تیمی کا سماع قیس بن عمرؓ سے نہیں ہوا لہذا یہ حدیث منقطع ہے۔ مولانا نے فرمایا کہ بقولِ ابن حبان قیس بن عمرو اور قیس بن قہد ایک ہی تھے مگر دیگر محدثین انہیں دو شخص قرار دیتے ہیں۔ جس شخص کو حضورؐ نے سنت فجر پڑھتے دیکھا تھا حسب روایت ترمذی وہ خود قیسؓ تھے۔ اس حدیث سے بعد از نماز صبح سنت فجر کی قضاء کا ثبوت ہوا۔ شافعیؒ اور بقولِ طیبیؒ محمد بن الحسنؒ کا مذہب ہے۔ مگر مولاناؒ نے فرمایا کہ محمد بن الحسنؒ بعد از طلوعِ فجر پڑھنے کے قائل ہیں جبکہ ابوحنیفہؒ اور ابو یوسفؒ کے نزدیک سنت فجر کی قضاء فرض کے تابع ہے۔ یعنی اگر ساری نماز فوت ہو جائے تو بعد از طلوعِ شمس سنت و فرض دونوں قضاء کئے جائیں جیسا کہ لیلۃ التعریس کی صبح کو حضورؐ نے کیا تھا

ابن الملک نے کہا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خاموشی اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ فجر کی سنت فرض نماز کی جماعت کے بعد قضاء ہو سکتی ہے۔ اور یہ امام شافعیؒ کا قول ہے۔ مگر یہ حدیث منقطع ہے، ثابت نہیں ہو سکی لہذا اس سے استدلال نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ بقولِ ترمذی محمد بن ابراہیم نے قیس بن عمرو سے نہیں سنا۔ پھر نماز صبح کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز سے ممانعت ثابت ہے جب تک کہ طلوعِ شمس نہ ہو جائے لہذا اس صریح ممانعت کے سامنے حضورؐ کا یہاں پر سکوت تقریر و توثیق نہیں کہلا سکتا۔ یہ ممکن ہے کہ یہ واقعہ نہی سے قبل کا ہو۔ اور ترمذی کی روایت میں سکت نہیں ہے بلکہ فَلَا اِذًا کا لفظ آیا ہے جس کا معنیٰ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ: تب بھی نہیں! اور یہ بھی کہ: تب کوئی بات نہیں۔ اور اس احتمال کی موجودگی میں استدلال باطل ہے۔ نیز اس حدیث کا راوی سعد بن سعید دراوردی محدثین کے ہاں متکلم فیہ ہے۔

۱۲۷۰۔ حَدَّثَنَا حَامِدُ بْنُ يَحْيَى الْبَلْخِيُّ قَالَ قَالَ سُفْيَانُ كَانَ عَطَاءُ بْنُ أَبِي رَبَاحٍ يُحَدِّثُ بِهَذَا الْحَدِيثِ عَنْ سَعْدِ بْنِ سَعِيدٍ قَالَ أَبُو دَاوُدَ رَوَى عَبْدُ رَبِّهِ وَيَحْيَى ابْنَا سَعِيدٍ هَذَا الْحَدِيثَ مُرْسَلاً إِنَّ جَدَّهُمْ زَيْدًا صَلَّى مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ۔

• عطاء بن ابی رباح اس حدیث کو سعد بن سعید سے روایت کرتا تھا۔ ابوداؤد نے کہا کہ سعید کے دو بیٹے عبدربہ اور یحییٰ اس حدیث کو مرسلاً روایت کرتے ہیں کہ ان کے دادا زید نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نماز پڑھی
شرح: مولاناؒ نے فرمایا کہ ابوداؤد کے تمام موجودہ نسخوں میں زید کا لفظ ہے مگر یہ کاتب کی غلطی اور وہم ہے، کیونکہ بیہقی نے یہ حدیث ابوداؤد کے طریق سے روایت کی ہے اور اس میں زید کا لفظ نہیں ہے۔ ترمذی نے یہ حدیث بیان کی ہے تو کہا ہے کہ محمد بن ابراہیم نے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نماز کے بعد باہر نکلے تو قیسؓ کو دیکھا الخ اور یہی صحیح ہے۔ سعد بن سعید وغیرہ کا دادا قیسؓ تھا نہ کہ زید۔ پھر ان کے اوپر کے اجداد میں زید

بن ثعلبہ ایک شخص تھا جس نے اسلام کو نہیں پایا اور زمانۂ جاہلیت میں ہی مرگیا تھا۔ حافظ ابن حجر نے اصابہ میں بھی اسی طرح لکھا ہے۔

بَابُ الْاَرْبَعِ قَبْلَ الظُّهْرِ وَبَعْدَهَا

ظہر سے پہلے اور اس کے بعد چار رکعت کا باب

۱۲۷۱۔ حَدَّثَنَا مُؤَمَّلُ بْنُ الْفَضْلِ نَا مُحَمَّدُ بْنُ شُعَيْبٍ عَنِ النُّعْمَانِ عَنْ مَكْحُولٍ عَنْ عَنْبَسَةَ ابْنِ اَبِي سُفْيَانَ قَالَ قَالَتْ اُمُّ حَبِيبَةَ زَوْجُ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ حَافَظَ عَلَى اَرْبَعِ رَكَعَاتٍ قَبْلَ الظُّهْرِ وَاَرْبَعٍ بَعْدَهَا حُرِّمَ عَلَى النَّارِ قَالَ اَبُو دَاوُدَ رَوَاهُ الْعَلَاءُ ابْنُ الْحَارِثِ وَسُلَيْمَانُ بْنُ مُوسٰى عَنْ مَكْحُولٍ بِاِسْنَادِهِ مِثْلَهُ۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجۂ مطہرہ ام حبیبہؓ نے فرمایا کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس شخص نے ظہر سے قبل چار رکعات اور ظہر کے بعد چار رکعات کی پابندی کی وہ آگ پر حرام ہوا۔ ابوداؤد نے کہا اس حدیث کو علاء بن حارث اور سلیمان بن موسیٰ نے مکحول سے اس کی سند کے ساتھ اوپر کی حدیث کی طرح روایت کیا (ترمذی نے بھی اسے روایت کیا اور حسن غریب کہا۔ ایک دوسری سند سے روایت کر کے حدیث حسن صحیح غریب کہا۔ نسائی اور ابن ماجہ نے بھی اسے روایت کیا)

شرح: شوکانی نے کہا کہ ابوزرعہ، ہشام بن عمار اور نسائی کا بیان ہے کہ مکحول نے عنبسہ بن ابی سفیان سے سماعت نہیں کی (منذری) ابن القطان نے اس حدیث کو معلول اور ابوالولید طیاسی نے منکر قرار دیا مگر ترمذی نے اس کی تصحیح کی ہے۔ پھر شوکانی نے کہا کہ: حُرِّمَ عَلَى النَّارِ کے معنی میں اختلاف ہے آیا اس سے مراد آگ میں داخل نہ ہونا ہے یا اگر وہ داخل ہوا تو آگ اسے نہیں کھائے گی یا اس کے تمام اجزاء کو نہیں جلائے گی۔ نسائی کے ایک طریق میں یہ لفظ ہیں کہ: اس کے چہرے کو آگ کبھی نہ چھوئے گی۔ یہ اس حدیث صحیح کے مطابق ہے جس میں ہے کہ: آگ پر حرام کیا گیا ہے کہ وہ مواضع سجود کو کھائے پس اس حدیث میں کُل کا لفظ بول کر مجازاً البعض مراد لیا گیا ہے۔ اور حقیقت پر محمول کرنا اولیٰ ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کے سارے جسم کو آگ پر حرام کر دے گا۔ اور اللہ تعالیٰ کا فضل و رحمت اس سے بھی وسیع اور عام ہے۔ اور حدیث کا ظاہر تو یہ چاہتا ہے کہ جس نے ایک دفعہ یہ کام کیا وہ آگ پر حرام کر دیا گیا، مگر ترمذی اور ابوداؤد کے الفاظ میں: مَنْ حَافَظَ کے لفظ کا تقاضا یہ ہے کہ جو یہ پابندی کرے گا اسے آگ پر حرام کیا جائے گا۔ صحاح کی روایات میں ظہر کے بعد دو رکعت کا ذکر ہے۔ پس دو تو مؤکد ہیں اور دو غیر مؤکد یعنی محض نفل۔ سلیمان بن موسیٰ کی روایت جس کا ابوداؤد نے حوالہ دیا ہے، نسائی میں ہے۔ اور مسند احمد میں بھی وہ روایت ہے مگر مکحول اور عنبسہ کے درمیان مولائے عنبسہ کا اضافہ

کیا ہے گو وہ مجہول ہے۔

۱۲۷۲۔ حَدَّثَنَا ابْنُ الْمُثَنَّى نَا مُحَمَّدُ بْنُ جَعْفَرٍ نَا شُعْبَةُ قَالَ سَمِعْتُ عُبَيْدَةَ يُحَدِّثُ عَنْ إِبْرَاهِيمَ عَنِ ابْنِ مِنْجَابٍ عَنْ قَرْثَعٍ عَنْ أَبِي أَيُّوبَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ أَرْبَعٌ قَبْلَ الظُّهْرِ لَيْسَ فِيهِنَّ تَسْلِيمٌ تُفْتَحُ لَهُنَّ أَبْوَابُ السَّمَاءِ قَالَ أَبُو دَاوُدَ بَلَغَنِي عَنْ يَحْيَى بْنِ سَعِيدٍ الْقَطَّانِ قَالَ لَوْ حَدَّثْتُ عَنْ عُبَيْدَةَ بِشَيْءٍ لَحَدَّثْتُ عَنْهُ بِهَذَا الْحَدِيثِ قَالَ أَبُو دَاوُدَ عُبَيْدَةُ ضَعِيفٌ قَالَ أَبُو دَاوُدَ ابْنُ مِنْجَابٍ هُوَ سَهْمٌ۔

ابو ایوبؓ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کی ہے کہ آپؐ نے فرمایا: ظہر سے قبل چار رکعتیں جن میں سلام نہ ہو (یعنی دو پہ نہ ہو) ان کے لیے آسمان کے دروازے کھولے جاتے ہیں۔ ابو داؤد نے کہا کہ مجھے خبر پہنچی ہے کہ یحییٰ بن سعید القطان نے کہا: اگر میں عبیدہ سے کوئی حدیث روایت کرتا تو یہ حدیث روایت کرتا، ابو داؤد نے کہا کہ عبیدہ ضعیف ہے۔ ابو داؤد نے کہا ابن منجاب کا نام سہم ہے۔ (یہ حدیث ابن ماجہ نے بھی روایت کی ہے اور بقول منذری ترمذی نے بھی۔ عبیدہ راوی آخری عمر میں اختلاط کا شکار ہو گیا تھا۔ بخاری نے الاضاحی میں اس کی ایک حدیث روایت کی ہے (تہذیب التہذیب)

بَابُ الصَّلٰوةِ قَبْلَ الْعَصْرِ

عصر سے قبل نماز کا باب

۱۲۷۳۔ حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ نَا أَبُو دَاوُدَ نَا مُحَمَّدُ بْنُ مِهْرَانَ الْقُرَشِيُّ حَدَّثَنِي جَدِّي أَبُو الْمُثَنَّى عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَحِمَ اللّٰهُ امْرَأً صَلَّى قَبْلَ الْعَصْرِ أَرْبَعًا۔

ابن عمرؓ نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ اس شخص پر رحم کرے جو عصر سے پہلے چار رکعتیں پڑھے (ترمذی نے بھی اس کی روایت کی اور اسے حسن غریب کہا ہے۔ یہ چار رکعات مستحب ہیں)

۱۲۷۴۔ حَدَّثَنَا حَفْصُ بْنُ عُمَرَ نَا شُعْبَةُ عَنْ أَبِي إِسْحَاقَ عَنْ عَاصِمِ بْنِ ضَمْرَةَ بْنِ عَلِيٍّ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يُصَلِّي قَبْلَ الْعَصْرِ رَكْعَتَيْنِ۔

علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عصر سے پہلے دو رکعتیں پڑھتے تھے (عاصم بن ضمرہ پر بعض علماء نے کلام کیا ہے۔ ترمذی میں ۲-۴ رکعتوں کا ذکر ہے۔ یہ دو یا چار رکعات نفل ہیں جن میں پڑھنے والے کو اختیار ہے)

بَابُ الصَّلٰوةِ بَعْدَ الْعَصْرِ

عصر کے بعد نماز کا باب

۱۲۷۵۔ حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ صَالِحٍ نَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ وَهْبٍ أَخْبَرَنِي عَمْرُو بْنُ الْحَارِثِ عَنْ بُكَيْرِ بْنِ الْأَشَجِّ عَنْ كُرَيْبٍ مَوْلَى ابْنِ عَبَّاسٍ أَنَّ عَبْدَ اللّٰهِ بْنَ عَبَّاسٍ وَعَبْدَ الرَّحْمٰنِ بْنَ أَزْهَرَ وَالْمِسْوَرَ بْنَ مَخْرَمَةَ أَرْسَلُوهُ إِلَى عَائِشَةَ زَوْجِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالُوا إِقْرَأْ عَلَيْهَا السَّلَامَ مِنَّا جَمِيعًا وَسَلْهَا عَنِ الرَّكْعَتَيْنِ بَعْدَ الْعَصْرِ وَقُلْ إِنَّا أُخْبِرْنَا أَنَّكِ تُصَلِّيهِمَا وَقَدْ بَلَغَنَا أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَهَى عَنْهُمَا فَدَخَلْتُ عَلَيْهَا فَبَلَّغْتُهَا مَا أَرْسَلُونِي بِهِ فَقَالَتْ سَلْ أُمَّ سَلَمَةَ فَخَرَجْتُ إِلَيْهِمْ فَأَخْبَرْتُهُمْ بِقَوْلِهَا فَرَدُّونِي إِلَى أُمِّ سَلَمَةَ بِمِثْلِ مَا أَرْسَلُونِي بِهِ إِلَى عَائِشَةَ فَقَالَتْ أُمُّ سَلَمَةَ سَمِعْتُ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَنْهَى عَنْهُمَا ثُمَّ رَأَيْتُهُ يُصَلِّيهِمَا أَمَّا حِينَ صَلَّاهُمَا فَإِنَّهُ صَلَّى الْعَصْرَ ثُمَّ دَخَلَ وَعِنْدِي نِسْوَةٌ مِنْ بَنِي حَرَامٍ مِنَ الْأَنْصَارِ فَصَلَّاهُمَا فَأَرْسَلْتُ إِلَيْهِ الْجَارِيَةَ فَقُلْتُ قُومِي بِجَنْبِهِ فَقُولِي لَهُ تَقُولُ أُمُّ سَلَمَةَ يَا رَسُولَ اللّٰهِ أَسْمَعُكَ تَنْهَى عَنْ هَاتَيْنِ الرَّكْعَتَيْنِ وَأَرَاكَ تُصَلِّيهِمَا فَإِنْ أَشَارَ بِيَدِهِ فَاسْتَأْخِرِي عَنْهُ قَالَتْ فَفَعَلَتِ الْجَارِيَةُ فَأَشَارَ بِيَدِهِ فَاسْتَأْخَرَتْ عَنْهُ فَلَمَّا انْصَرَفَ قَالَ يَا ابْنَةَ أَبِي أُمَيَّةَ سَأَلْتِ عَنِ الرَّكْعَتَيْنِ بَعْدَ الْعَصْرِ إِنَّهُ أَتَانِي نَاسٌ مِنْ عَبْدِ الْقَيْسِ بِالْإِسْلَامِ مِنْ قَوْمِهِمْ فَشَغَلُونِي عَنِ الرَّكْعَتَيْنِ اللَّتَيْنِ بَعْدَ الظُّهْرِ فَهُمَا هَاتَانِ۔

عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ، عبدالرحمن بن ازہر، مسور بن مخرمہ رضی اللہ عنہ نے ابن عباس رضی اللہ عنہ کے غلام کریب کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی

زوجہ مطہرہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس بھیجا اور کہا کہ انہیں ہم سب کی طرف سلام کہو اور نماز عصر کے بعد دو رکعات کے متعلق ان سے پوچھو اور یہ بھی کہو کہ ہمیں خبر دی گئی ہے کہ آپ یہ رکعتیں پڑھتے ہیں حالانکہ ہمیں پتہ چلا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے منع کیا تھا۔ کریب کہتا ہے کہ میں ان کی خدمت میں حاضر ہوا اور ان لوگوں کا پیغام و سلام پہنچایا۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے پوچھ۔ پس میں ان حضرات کے پاس گیا اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا قول بتا دیا۔ پھر انہوں نے مجھے ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے پاس بھیجا وہی پیغام دے کر جس کے ساتھ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس بھیجا تھا۔ پس ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ان سے منع فرماتے سنا تھا پھر میں نے آپ کو یہ دو رکعات پڑھتے دیکھا اور ان کا واقعہ یہ تھا کہ آپ نے نماز عصر پڑھائی پھر گھر میں داخل ہوئے اور میرے پاس انصار کے قبیلہ بنی حرام کی کچھ عورتیں تھیں، پس حضور ؐ نے یہ دو رکعتیں پڑھیں تو میں نے آپ کی طرف خادمہ کو بھیجا اور اس سے کہا کہ جا کر حضور ؐ کے ایک طرف کھڑی ہو جاؤ اور عرض کرو کہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا کہتی ہے یا رسول اللہ میں آپ ؐ کو ان دو رکعتوں سے منع فرماتے سنتی ہوں اور دیکھ رہی ہوں کہ آپ خود یہ پڑھتے ہیں، پس اگر آپ ؐ ہاتھ سے اشارہ فرمائیں تو پیچھے ہٹ جانا۔ ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ لونڈی نے ایسا ہی کیا تو آپ ؐ نے ہاتھ سے اشارہ فرمایا اور وہ پیچھے ہٹ گئی۔ جب آپ ؐ نے نماز ختم کی تو فرمایا: اے ابوامیہ کی بیٹی! تو نے نماز عصر کے بعد کی دو رکعتوں کے متعلق پوچھا ہے، بات یہ ہوئی کہ قبیلہ عبدالقیس کے لوگ میرے پاس اپنی قوم کے مسلمان ہونے کی خبر لے کر آئے تھے پس انہوں نے مجھے مصروف رکھا تو میں ظہر کے بعد کی دو رکعت نہ پڑھ سکا، پس وہ یہ دو رکعتیں ہیں (بخاری اور مسلم نے اس حدیث کو روایت کیا ہے)

شرح: طحاوی میں ام سلمہ رضی اللہ عنہا کا یہ قول بھی درج ہے کہ حضور ؐ نے فرمایا، میرے پاس صدقہ کی کچھ اونٹنیاں آئی تھیں (یعنی عبدالقیس کے لوگ یہ بھی لائے تھے) اور مجھے یہ دو رکعتیں بھول گئیں۔ پھر یاد آئیں تو میں نے لوگوں کے سامنے انہیں پڑھنے کو ناپسند کیا (مبادا سنت سمجھ لیں) اس لیے وہ دو رکعتیں میں نے تیرے گھر میں آکر پڑھی ہیں۔ طحاوی ایک روایت میں ہے کہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: میں نے اس سے پہلے یا بعد میں آپ ؐ کو یہ رکعتیں پڑھتے نہیں دیکھا۔ حافظ ابن حجر ؒ نے طحاوی کی روایات کے بیان کے بعد کہا ہے کہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا کا قول وقوع کی نفی نہیں کر سکتا کیونکہ صحیح مسلم میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت ہے کہ حضور ؐ نے مشغولیت کے باعث، یا بھول کر انہیں پڑھا نہیں تھا، پھر عصر کے بعد پڑھا اور ان پر عامل رہے کیونکہ آپ جب کوئی نماز پڑھتے تھے تو اُسے جاری رکھتے تھے۔ اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے عروہ کی روایت میں ہے کہ حضور ؐ نے عصر کے بعد میرے ہاں دو رکعت کبھی نہ چھوڑیں۔ حافظ نے کہا کہ اسی سبب سے علماء کی نظر میں اختلاف ہو گیا، سو کچھ لوگوں نے کہا کہ فوت شدہ نمازیں مکروہ اوقات میں قضاء ہو سکتی ہیں (یعنی طلوع فجر سے طلوع شمس تک اور نماز عصر کے بعد سے غروب آفتاب تک) اور ان کی دلیل یہ حدیث ہے۔ اور ایک قول یہ ہے کہ یہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ خاص تھیں۔ ایک قول یہ ہے کہ حضور ؐ کو جو واقعہ پیش آیا تھا جسے اس قسم کا واقعہ پیش آجائے یہ رکعتیں اس کے ساتھ خاص ہیں۔ علامہ علی القاری نے کہا کہ اس میں یہ دلیل بھی ہے کہ سنت کی قضاء سنت ہے۔ اور یہی شافعی ؒ کا قول ہے (بقول ابن الملک) اور حدیث کا ظاہر یہ بتاتا ہے کہ یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خصوصیت تھی کیونکہ باقی سب کے لیے نہی عام ہے اور خصوصیت کی دلیل حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی وہ حدیث بھی ہے جس میں انہوں نے فرمایا کہ آپ ؐ انہیں ہمیشہ پڑھتے رہے۔ طحاوی ؒ نے اپنی سند کے ساتھ ام سلمہ رضی اللہ عنہا کی حدیث روایت کی، اس میں یہ لفظ زائد ہیں کہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے کہا یا رسول اللہ کیا ہم بھی انہیں

قضا کر لیا کریں تو آپ نے فرمایا کہ نہیں۔ ابن حجرؒ نے حدیث کا یہی معنی بیان کیا ہے کہ یہ حضورؐ کی خصوصیت تھی اور ان پر دوام بھی خصوصیت تھی۔ لیکن جب یہ خصوصیت ہے تو اس سے کوئی اور استدلال نہیں کر سکتا۔

قاضی عیاضؒ نے کہا ہے کہ اوقاتِ مکروہہ یعنی طلوع و غروب آفتاب اور نصف النہار اور طلوع فجر سے طلوع آفتاب تک اور نمازِ عصر کے بعد غروب تک میں جوازِ صلاۃ کا کیا حکم ہے۔ امام داؤدؒ ظاہری نے کہا کہ ان اوقات میں مطلقاً نماز جائز ہے۔ اور یہ صحابہؓ کی ایک جماعت سے بھی مروی ہے۔ شاید انہوں نے حضورؐ کی نہی نہیں سُنی یا سُنی تو اسے تنزیہ پر محمول کیا نہ کہ تحریم پر۔ اور اکثر نے ان کے خلاف کہا ہے۔ شافعیؒ نے کہا کہ جس نماز کا کوئی سبب نہ ہو وہ ان اوقات میں جائز نہیں اور جن کا سبب ہے مثلاً نذر کی نماز اور فوت شدہ کی قضا، وہ ان اوقات میں جائز ہے۔ اور شافعیؒ نے مکہ کو بھی نہی سے مستثنیٰ کیا ہے اور جمعہ کے دن کو بھی، جبیر بن مطعم اور ابو ہریرہؓ کی حدیثوں کے باعث۔ ابو حنیفہؒ نے کہا کہ اوقات ثلاثہ (طلوع و غروب و نصف النہار) میں ہر نماز حرام ہے سوائے اس دن کی عصر کے (سورج کی زردی کے وقت) اور نذر نماز اور نفل دوسرے دو اوقات (طلوع فجر سے طلوع شمس تک اور نماز عصر سے غروب تک) میں حرام ہیں، ہاں فوت شدہ فرض، سجدۂ تلاوت اور نماز جنازہ جائز ہے۔ اور مالکؒ نے کہا کہ ان اوقات میں نوافل حرام مگر فرائض جائز ہیں اور احمدؒ نے ان کی موافقت کی ہے مگر طواف کی دو رکعت کو انہوں نے بھی جائز رکھا ہے۔

مولاناؒ نے فرمایا کہ خلاصہ کلام یہ ہے: بہت سے صحابہؓ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے (ان اوقات مکروہہ میں نماز پڑھنے کی نہی روایت کی ہے انہیں اوقات مکروہہ کہا ہی اسی باعث جاتا ہے) عصر کے بعد نہی کی روایت کی ہے اور ان راویوں میں ام المؤمنین عائشہ سلام اللہ علیہا شامل ہیں۔ حضرت عائشہؓ کی روایت میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے صبح کے بعد طلوع آفتاب تک، عصر کے بعد غروب آفتاب تک کسی بھی نماز سے منع فرمایا۔ پھر حضرت ام سلمہؓ اور عائشہ رضی اللہ عنہما نے یہ روایت بھی کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عصر کے بعد دو رکعت نماز پڑھی۔ ام سلمہؓ کے دریافت کرنے پر حضورؐ نے یہ عذر پیش کیا کہ یہ وہ دو رکعتیں ہیں جو ظہر کے بعد پڑھنا تھیں اور عذر کے باعث نہ پڑھی جا سکی تھیں۔ بعض روایات میں ہے کہ ام سلمہؓ نے فرمایا کہ میں نے حضورؐ کو اس سے پہلے یا بعد میں کبھی یہ دو رکعتیں پڑھتے ہوئے نہ پایا۔ ایک روایت میں ہے (طحاوی) کہ ام سلمہؓ نے یہ پوچھا تھا کہ کیا آپؐ نے ان دو رکعتوں کا حکم دے دیا ہے؟ اس کا جواب حضورؐ نے نفی میں دیا۔ اور طحاویؒ کی ایک روایت میں ہے کہ ام سلمہؓ نے کہا: یا رسول اللہ ہم بھی جب یہ رکعتیں فوت ہوں تو انہیں قضا کیا کریں؟ آپؐ نے اس کا جواب بھی نفی میں دیا۔ یہ روایات بتاتی ہیں کہ یہ دو رکعات حضورؐ کے ساتھ خاص تھیں۔ بعض روایات میں بعض کی نسبت زیادہ صراحت ہے۔

جہاں تک ام المؤمنین عائشہؓ کا تعلق ہے اُن سے اس مضمون میں مختلف روایات مروی ہیں۔ بعض میں ہے کہ حضورؐ نے عصر کے بعد دو رکعت پڑھنے پر دوام فرمایا۔ بعض میں یہ مضمون کچھ اور الفاظ سے آیا ہے۔ مداومت کا معنیٰ یہ ہے کہ حضورؐ جب عائشہؓ کے گھر ہوتے تو یہ دو رکعات پڑھتے تھے لیکن کسی اور زوجۂ مکرمہ کے ہاں نہیں اور نہ سفر میں۔ طحاویؒ کی ایک روایت میں ہے کہ معاویہ بن ابی سلیمانؓ نے کثیر بن صلت کو ان رکعات کے بارے میں دریافت کرنے کے لیے جناب عائشہ سلام اللہ علیہا کے ہاں بھیجا، ابو سلمہ اور عبید اللہ بن حارث بھی ساتھ گئے اور جا کر ان سے دریافت کیا تو انہوں نے فرمایا مجھے معلوم نہیں ام سلمہؓ سے پوچھو۔ ایک روایت کے مطابق یہ فرمایا کہ حضورؐ نے یہ رکعتیں میرے

ہاں نہیں پڑھی تھیں لیکن ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے مجھے بتایا تھا۔ طحاوی میں ایک روایت حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جو نماز بھی پڑھتے فجر اور عصر کے سوا ہر نماز کے بعد نفل پڑھتے تھے مگر ان دونوں نمازوں سے قبل دو دو رکعت پڑھتے تھے۔ ان سے ایک روایت یہ بھی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صبح کے بعد طلوع تک اور عصر کے بعد غروب آفتاب تک نماز سے منع فرمایا۔ بس یہ مختلف روایات کچھ بھی ثابت نہیں کرتیں۔ اب نتیجہ یہ ہوا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا قول و فعل متعارض ہو گیا لہٰذا ہم کہتے ہیں کہ جہاں تک فعل کا تعلق ہے یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خصوصیت ہے اور نماز عصر کے بعد کوئی سنت و نفل جائز نہیں۔

بَابُ مَنْ رَخَّصَ فِيهِمَا إِذَا كَانَتِ الشَّمْسُ مُرْتَفِعَةً

باب۔ جنہوں نے ان کی اجازت دی جبکہ سورج بلند ہو،

۱۲۷۶۔ حَدَّثَنَا مُسْلِمُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ نَا شُعْبَةُ عَنْ مَنْصُورٍ عَنْ هِلَالِ بْنِ يَسَافٍ عَنْ وَهْبِ بْنِ الْأَجْدَعِ عَنْ عَلِيٍّ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَهَى عَنِ الصَّلٰوةِ بَعْدَ الْعَصْرِ إِلَّا وَالشَّمْسُ مُرْتَفِعَةٌ۔

علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے عصر کے بعد نماز سے منع فرمایا مگر جبکہ سورج بلند ہو (یہ حدیث نسائی اور مسند احمد میں بھی ہے)

شرح: مولانا رحمہ اللہ نے فرمایا کہ اس حدیث کا معنیٰ دوسری احادیث کے پیش نظر یہ ہے کہ عصر کے وقت کے داخل ہو جانے کے بعد سورج کے صاف، روشن اور بلند ہونے کی حالت میں ہی نماز عصر پڑھ لینی چاہیے۔ چنانچہ نسائی کی روایت کے الفاظ: اَنْ تَكُوْنَ الشَّمْسُ بَيْضَاءَ نَقِيَّةً مُرْتَفِعَةً اس معنیٰ کے مؤید ہیں۔ نماز سے مراد اس حدیث میں نماز عصر کے فرض ہیں۔ یہ معنیٰ لیا جائے تو دوسری احادیث سے اس کا تعارض نہیں ہوتا جن میں عصر کے بعد نماز کی نہی وارد ہے۔ طحاوی کی روایت میں ہے کہ جناب علی رضی اللہ عنہ نے مکہ کو جاتے ہوئے راہ میں عصر کے بعد دو رکعتیں پڑھیں تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بلا کر اظہار ناراضگی کیا تو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے کہا: واللہ میں جانتا ہوں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان سے منع فرماتے تھے۔ اور طحاوی میں ہی ایک اور حدیث ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہر نماز کے بعد دو رکعتیں پڑھتے تھے سوائے فجر اور عصر کے۔

۱۲۷۷۔ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ كَثِيرٍ نَا سُفْيَانُ عَنْ أَبِي إِسْحَاقَ عَنْ عَاصِمِ بْنِ ضَمْرَةَ عَنْ عَلِيٍّ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُصَلِّي فِي إِثْرِ كُلِّ صَلٰوةٍ مَكْتُوبَةٍ رَكْعَتَيْنِ إِلَّا الْفَجْرَ وَالْعَصْرَ۔

جناب علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہر فرض نماز کے بعد دو دو رکعتیں پڑھتے تھے سوائے فجر اور عصر کے (ظاہر ہے اس حدیث کے باب کے عنوان سے کوئی مطابقت نہیں ہے، اور یہ اس مضمون کی مؤید ہے جو اوپر مفصل بیان ہوا ہے)

۱۲۷۸۔ حَدَّثَنَا مُسْلِمُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ نَا أَبَانُ نَا قَتَادَةُ عَنْ أَبِي الْعَالِيَةِ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ شَهِدَ عِنْدِي رِجَالٌ مَرْضِيُّونَ فِيهِمْ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ وَ أَرْضَاهُمْ عِنْدِي عُمَرُ أَنَّ نَبِيَّ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَا صَلٰوةَ بَعْدَ صَلٰوةِ الصُّبْحِ حَتّٰى تَطْلُعَ الشَّمْسُ وَلَا صَلٰوةَ بَعْدَ صَلٰوةِ الْعَصْرِ حَتّٰى تَغْرُبَ الشَّمْسُ۔

ابن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میرے پاس پسندیدہ لوگوں نے گواہی دی جن میں عمر بن الخطاب بھی تھے اور ان سب میں پسندیدہ تر مجھے عمرؓ ہی تھے کہ اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: نمازِ صبح کے بعد کوئی نماز نہیں جب تک سورج طلوع نہ ہو اور نمازِ عصر کے بعد کوئی نماز نہیں جب تک سورج غروب نہ ہو جائے (بخاری، مسلم، ترمذی، نسائی ابن ماجہ اور احمد نے بھی یہ حدیث روایت کی ہے)

شرح: اس مضمون کو بہت سے صحابہ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کیا ہے۔ ایک تو خود ابن عباسؓ ہیں جنہوں نے اپنا سماع نہیں بتایا بلکہ کبھی تو یہ الفاظ بولے جو اس حدیث میں ہیں۔ کبھی کہا کہ ہم سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کئی اصحاب نے بیان کیا۔ دوسرے بزرگوں میں ام سلمہؓ، عائشہؓ، علیؓ بن ابی طالب، معاذ بن عفراء، ابو سعید خدریؓ، ابن عمرؓ، معاویہؓ بن ابی سفیان، ابو ہریرہؓ کی روایات طحاوی نے بیان کی ہیں اور عمروؓ بن علیہ سلمی کی روایت آ رہی ہے۔ پس یہ دس اصحاب ہیں جن سے نہی کی روایت ثابت ہے۔

۱۲۷۹۔ حَدَّثَنَا الرَّبِيعُ بْنُ نَافِعٍ نَا مُحَمَّدُ بْنُ الْمُهَاجِرِ عَنِ الْعَبَّاسِ ابْنِ سَالِمٍ عَنْ أَبِي سَلَّامٍ عَنْ أَبِي أُمَامَةَ عَنْ عَمْرِو بْنِ عَبَسَةَ السُّلَمِيِّ أَنَّهُ قَالَ قُلْتُ يَا رَسُولَ اللَّهِ أَيُّ اللَّيْلِ أَسْمَعُ قَالَ جَوْفُ اللَّيْلِ الْآخِرُ فَصَلِّ مَا شِئْتَ فَإِنَّ الصَّلٰوةَ مَشْهُودَةٌ مَكْتُوبَةٌ حَتّٰى تُصَلِّيَ الصُّبْحَ ثُمَّ أَقْصِرْ حَتّٰى تَطْلُعَ الشَّمْسُ فَتَرْتَفِعَ قِيسَ رُمْحٍ أَوْ رُمْحَيْنِ فَإِنَّهَا تَطْلُعُ بَيْنَ قَرْنَيْ شَيْطَانٍ وَيُصَلِّي لَهَا الْكُفَّارُ ثُمَّ صَلِّ مَا شِئْتَ فَإِنَّ الصَّلٰوةَ مَشْهُودَةٌ مَكْتُوبَةٌ حَتّٰى يَعْدِلَ الرُّمْحُ ظِلَّهُ ثُمَّ أَقْصِرْ فَإِنَّ جَهَنَّمَ تُسْجَرُ وَتُفْتَحُ أَبْوَابُهَا فَإِذَا زَاغَتِ الشَّمْسُ فَصَلِّ مَا شِئْتَ فَإِنَّ الصَّلٰوةَ مَشْهُودَةٌ حَتّٰى تُصَلِّيَ الْعَصْرَ ثُمَّ أَقْصِرْ حَتّٰى تَغْرُبَ الشَّمْسُ فَإِنَّهَا

تَغْرُبُ بَيْنَ شَيْطَانٍ وَيُصَلِّي لَهَا الْكُفَّارُ وَقَصَّ حَدِيثًا طَوِيلًا قَالَ الْعَبَّاسُ هٰكَذَا حَدَّثَنِي أَبُو سَلَّامٍ عَنْ أَبِي أُمَامَةَ إِلَّا أَنْ أُخْطِئَ شَيْئًا لَا أُرِيدُهُ فَأَسْتَغْفِرُ اللّٰهَ وَأَتُوبُ إِلَيْهِ۔

عمرو بن عنبسہ سلمی رضی اللہ عنہ نے کہا کہ میں نے حضور ؐ سے عرض کیا یا رسول اللہ رات کے کون سے حصے میں دعا زیادہ سنی جاتی ہے؟ فرمایا رات کا پچھلا تیسرا حصہ، پس تو اس میں جتنی نماز چاہے پڑھ کیونکہ اس نماز میں ملائکہ حاضر ہوتے ہیں اور وہ لکھی جاتی ہے حتیٰ کہ تو صبح کی نماز پڑھے، پھر رُک جا حتیٰ کہ سورج طلوع ہو جائے اور ایک دو نیزے بلند ہو جائے، کیونکہ وہ شیطان کے دو سینگوں کے درمیان طلوع ہوتا ہے اور کفار اس کی عبادت کرتے ہیں۔ پھر تو جتنی چاہے نماز پڑھ کیونکہ نماز میں ملائکہ موجود ہوتے ہیں اور وہ لکھی جاتی ہے حتیٰ کہ نیزے کا سایہ باقی نہ رہے، پھر تو رُک جا کیونکہ جہنم دھکائی جاتی ہے اور اس کے دروازے کھولے جاتے ہیں۔ پھر جب آفتاب ڈھل جائے تو تو جتنی چاہے نماز پڑھ کیونکہ نماز میں فرشتوں کی حاضری ہوتی ہے۔ حتیٰ کہ تو عصر کی نماز پڑھے۔ پھر تو رُک جا حتیٰ کہ سورج غروب ہو جائے کیونکہ وہ شیطان کے سینگوں کے درمیان غروب ہوتا ہے اور کفار اس کی عبادت کرتے ہیں۔ اور راوی نے ایک لمبی حدیث بیان کی۔ عباس رضی اللہ عنہ نے کہا کہ ابو سلام نے ابو امامہ سے مجھے اسی طرح روایت کر کے حدیث سنائی، مگر یہ کہ بلا ارادہ کوئی خطا ہو جائے تو اس کے لیے میں اللہ سے بخشش طلب کرتا اور اس سے توبہ کرتا ہوں (یہ طویل حدیث مسلم نے روایت کی۔ ترمذی نے بھی اسی معنی میں مختصر روایت کی، اسی طرح مسلم نے کچھ حصہ ایک اور مقام پر بھی بیان کیا، نیز ابن ماجہ نے بھی اس کا کچھ حصہ روایت کیا ہے۔ مسند احمد میں بھی یہ موجود ہے)

شرح: معالم السنن میں خطابی نے اس حدیث کی شرح میں کہا ہے کہ جَوْفُ اللَّيْلِ الْآخِرُ سے مراد رات کا آخری ثلث ہے۔ قیس رُمح کا معنی ہے کہ دیکھنے میں ایک دو نیزے بلند نظر آئے۔ یعدل الرمح ظلہٗ کا مطلب یہ ہے کہ سورج پورے نصف النہار پر ہو اور سائے کا گھٹنا انتہا کو پہنچ جائے، وہ وقت سائے کے اعتدال کا ہے۔ اور جب بڑھنا شروع ہو جائے تو وہ زوال کی ابتدا ہے، جہنم کا دھکایا جانا اور سورج کا دو سینگوں (شیطان کے دو سینگوں کے) درمیان ہونا وغیرہ کسی چیز کو حرمت اور شناعت کی انتہا کو بیان کرنے کے لیے بطور تعلیل آتی ہیں۔ ان چیزوں کو حس اور مادی آنکھوں سے نہیں دیکھا جا سکتا کیونکہ یہ مادی جہان سے ماوراء کی چیزیں ہیں۔ مسلم کی روایت میں حتیٰ یستقل الظل بالرمح کے لفظ ہیں۔ ابن الملک نے ان کا معنی یہ لکھا ہے کہ نیزے کا سایہ ناپید ہو جائے، حجاز اور اس کے ماحول میں سال کے طویل تر دنوں میں اشیاء کا سایہ زمین پر نہیں پڑتا آفتاب خطِ استواء پر بالکل سر پہ ہوتا ہے اور زمین پہ سے سایہ اُٹھ جاتا ہے۔ یستقل کا مادہ قلت بھی ہو سکتا ہے۔ یعنی سایہ کم سے کمتر رہ جائے اور اسی کو سایۂ زوال یا اصلی سایہ کہتے ہیں۔ یعدل الرمح ظلہٗ کا مطلب یہ ہے کہ نیزے کا سایہ نیزے ہی کے برابر ہو جائے اور اسی پر بڑھے شرقاً و غرباً نظر نہ آئے۔ اس حدیث میں اوقاتِ مکروہہ میں نماز کی واضح ممانعت آگئی ہے اور ان اوقات کا یہ نام ہی اس لیے رکھا گیا ہے کہ ان میں نماز سے نہی فرمائی گئی ہے۔

۱۲۸۰۔ حَدَّثَنَا مُسْلِمُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ نَا وُهَيْبٌ نَا قُدَامَةُ بْنُ مُوسَى عَنْ أَيُّوبَ بْنِ حُصَيْنٍ عَنْ أَبِي عَلْقَمَةَ عَنْ يَسَارٍ مَوْلَى ابْنِ عُمَرَ قَالَ رَآنِي ابْنُ عُمَرَ وَأَنَا أُصَلِّي بَعْدَ طُلُوعِ الْفَجْرِ فَقَالَ يَا يَسَارُ إِنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَرَجَ عَلَيْنَا وَنَحْنُ نُصَلِّي هَذِهِ الصَّلَاةَ فَقَالَ لِيُبَلِّغْ شَاهِدُكُمْ غَائِبَكُمْ لَا تُصَلُّوا بَعْدَ الْفَجْرِ إِلَّا سَجْدَتَيْنِ ۔

ابن عمرؓ کے غلام یسار کا بیان ہے کہ ابن عمرؓ نے مجھے طلوع فجر کے بعد نماز پڑھتے دیکھا تو فرمایا: اے یسار! رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے پاس گھر سے تشریف لائے اور ہم یہ نماز پڑھ رہے تھے۔ پس حضورؐ نے فرمایا کہ جو موجود ہیں وہ غیر حاضروں تک پہنچا دیں کہ فجر کے بعد فجر کی دو سنت کے علاوہ کچھ مت پڑھو (ترمذی نے اسے روایت کر کے حدیث غریب کہا کہ اس میں قدامہ بن موسیٰ منفرد ہے، بخاری نے اسے تاریخ کبیر میں بیان کیا اور راویوں کا اختلاف بتایا، ابن ماجہ نے اسے مختصراً روایت کیا)

شرح: ایوب بن حصین کو دارقطنی نے مجہول کہا اور ابن حبان نے ثقات میں اس کا ذکر کیا ہے۔ ابو حاتم نے کہا کہ صحیح نام محمد بن الحصین ہے۔ علامہ شوکانی نے اس حدیث کے طرق کو جمع کرنے کے بعد کہا ہے کہ یہ حدیث طلوع فجر کے بعد نفل پڑھنے کی کراہت کی دلیل ہے۔ حافظ ابن حجر نے تلخیص میں کہا ہے کہ ترمذی نے اس کراہت پر اجماع کا دعویٰ کیا ہے جو عجیب ہے حالانکہ اس میں اختلاف مشہور ہے اور ابن المنذر وغیرہ نے اس کا ذکر کیا ہے۔ حسن بصریؒ اس میں حرج نہیں سمجھتے تھے۔ مالکؒ نے کہا کہ فوت شدہ صلاۃ اللیل اس وقت پڑھی جا سکتی ہے، حدیث کے طرق ایک دوسرے کو قوی کرتے ہیں اور اس سے کراہت پر استدلال ہو سکتا ہے۔ ابن حزم نے حسب عادت بڑی شدت سے ان روایات کا انکار کر دیا ہے اور انہیں: ساقطہ، مطرحہ، مکذوبہ تک کہہ دیا ہے۔

۱۲۸۱۔ حَدَّثَنَا حَفْصُ بْنُ عُمَرَ نَا شُعْبَةُ عَنْ أَبِي إِسْحَاقَ عَنِ الْأَسْوَدِ وَمَسْرُوقٍ قَالَا نَشْهَدُ عَلَى عَائِشَةَ أَنَّهَا قَالَتْ مَا مِنْ يَوْمٍ يَأْتِي عَلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِلَّا صَلَّى بَعْدَ الْعَصْرِ رَكْعَتَيْنِ ۔

عائشہ صدیقہ سلام اللہ علیہا نے فرمایا کہ کوئی دن ایسا نہ ہوتا تھا کہ جس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میرے ہاں تشریف لائیں تو عصر کے بعد دو رکعت نہ پڑھیں (بخاری، مسلم اور نسائی نے بھی اس کی روایت کی ہے)

شرح: اوپر مفصل گذرا کہ یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خصوصیت تھی اور حضرت عائشہؓ کی آئندہ حدیث اس خصوصیت کی دلیل ہے۔

۱۲۸۲۔ حَدَّثَنَا عُبَيْدُ اللهِ بْنُ سَعْدٍ نَا عَمِّي نَا أَبِي عَنِ ابْنِ إِسْحَاقَ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ عَمْرِو بْنِ عَطَاءٍ عَنْ ذَكْوَانَ مَوْلَى عَائِشَةَ أَنَّهَا حَدَّثَتْهُ أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يُصَلِّي بَعْدَ الْعَصْرِ وَيَنْهَى عَنْهَا وَيُوَاصِلُ وَيَنْهَى عَنِ الْوِصَالِ۔

حضرت عائشہ رضؓ کے غلام ذکوان کا بیان ہے کہ مجھ سے حضرت عائشہ رضؓ نے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عصر کے بعد نماز پڑھتے تھے مگر دوسروں کو اس سے منع فرماتے اور صوم وصال رکھتے تھے اور دوسروں کو صوم وصال سے منع فرماتے تھے (اس حدیث کی سند میں محمد بن اسحاق مختلف فیہ راوی ہے۔ اگر یہ ثابت ہے تو واضح طور پر ان رکعات بعد العصر کے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خصوصیت ہونے کی دلیل ہے)

بَابُ الصَّلٰوةِ قَبْلَ الْمَغْرِبِ

مغرب سے پہلے نماز کا باب

۱۲۸۳۔ حَدَّثَنَا عُبَيْدُ اللهِ بْنُ عُمَرَ نَا عَبْدُ الْوَارِثِ بْنُ سَعِيدٍ عَنْ حُسَيْنٍ الْمُعَلِّمِ عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ بُرَيْدَةَ عَنْ عَبْدِ اللهِ الْمُزَنِيِّ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَلُّوا قَبْلَ الْمَغْرِبِ رَكْعَتَيْنِ ثُمَّ قَالَ صَلُّوا قَبْلَ الْمَغْرِبِ رَكْعَتَيْنِ لِمَنْ شَاءَ خَشْيَةَ أَنْ يَتَّخِذَهَا النَّاسُ سُنَّةً۔

عبداللہ رضؓ (بن مغفل) مُزنی نے کہا کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مغرب سے پہلے دو رکعت پڑھو پھر فرمایا کہ مغرب سے قبل دو رکعت پڑھو، جو پڑھنا چاہے۔ یہ اس خوف سے فرمایا کہ مبادا لوگ اسے سنت بنالیں (امام بخاری نے صحیح میں اس نام کے باب میں اس قسم کی حدیث روایت کی ہے)

شرح: خود حدیث میں یہ دلیل موجود ہے کہ یہاں پر امر وجوب کے لیے نہیں۔ ابوداؤد نے اس حدیث کو مختصر کر دیا ہے ورنہ بخاری میں ہے کہ حضورؐ نے تیسری بار: لِمَنْ شَاءَ کا لفظ فرمایا تھا۔ حافظ ابن حجر نے کہا ہے کہ حدیث کے کسی شارح نے یہ صراحت نہیں کی کہ: اس خوف سے کہ مبادا لوگ اسے سُنت بنالیں۔ آیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا قول تھا یا کسی راوی کا مُدرج قول ہے۔ بظاہر یہ راوی کا قول معلوم ہوتا ہے۔ اگر راوی کا قول ہے تو کوئی لفظ مقدر ماننا نہیں پڑتا، لیکن اگر اسے حضورؐ کا قول مانا جائے تو کچھ مقدر ماننا پڑے گا مثلاً اصل عبارت یوں تھی کہ: یہ میں اس لیے کہتا ہوں کہ لوگ اسے سنت ہی نہ بنالیں۔

محقق ابن الہمام نے فتح القدیر میں کہا ہے کہ ایک گروہ مغرب سے قبل دو رکعت کے جواز کا قائل ہے مگر بہت سے سلف اور احناف نے اور امام مالکؒ نے اس کا انکار کیا ہے۔ اثبات کرنے والوں نے بخاری اور ابوداؤد کی روایت سے

استدلال کیا ہے جس میں ابن حبان نے یہ اضافہ بھی کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مغرب سے قبل دو رکعت ادا کیں اور صحیحین کی حدیث جو حضرت انسؓ سے ہے وہ بھی ان کی مثبت ہے کہ جب مغرب کی اذان ہوتی تھی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعض اصحاب ستونوں کے پیچھے کھڑے ہو کر جلدی جلدی دو رکعت پڑھ لیتے تھے۔ لیکن نفی کرنے والوں نے اس کا جواب یہ دیا ہے کہ سنن ابی داؤد میں طاؤس سے مروی ہے کہ اس نے ابن عمرؓ سے قبل از مغرب کی دو رکعتوں کے متعلق پوچھا تو انہوں نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں میں نے کسی کو یہ پڑھتے نہیں دیکھا۔ ابوداؤد اور منذری دونوں اس حدیث پر خاموش رہے ہیں جو تصحیح کی دلیل ہے۔ پس ابن عمرؓ کی حدیث عبداللہؓ بن مغفل کی اس موجودہ روایت کے خلاف پڑی تو ہم دیکھتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد اکابر اصحاب کا عمل کیا تھا سو حضرات ابوبکرؓ و عمرؓ نے اس پر عمل نہیں کیا۔ ابراہیم نخعی تو اس سے منع کیا کرتے تھے اور دلیل یہ دیتے تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما کا عمل ان پر نہیں رہا۔ اور ابن حبان نے جو حضورؐ کا فعل روایت کیا ہے وہ شاید کوئی قضاء نماز ہوگی۔ طبرانی میں مسند اہل شام کے اندر حضرت جابرؓ کی حدیث موجود ہے کہ ہم نے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج مطہراتؓ سے دریافت کیا تھا کہ کیا آپ لوگوں نے حضورؐ کو مغرب سے قبل نماز پڑھتے دیکھا تھا؟ تو ان کا جواب نفی میں تھا۔ نفل حضورؐ گھر میں ادا فرماتے تھے اور ان کا علم جتنا ازواجؓ کو ہو سکتا تھا اتنا کسی اور کو ہونا ممکن نہیں۔ ابن عمرؓ نے صحابہؓ کے یہ رکعات پڑھنے کی نفی کی ہے۔ انسؓ کی روایت میں جو اثبات ہے اگر واقعہ یہی ہوتا تو ابن عمرؓ پر مخفی نہ رہتا جو اتباع سنت میں شدت کو پہنچے ہوئے تھے۔ اس قسم کے مسائل میں اثبات کو نفی پر ترجیح نہیں ہوتی، اس کا مقام اور ہے۔ ان دلائل سے جو کچھ ثابت ہوا وہ استحباب کی نفی ہے نہ کہ کراہت کا ثبوت، ان دونوں میں فرق ہے۔ اور مغرب کی تاخیر کے باعث جو کراہت کا حکم لگایا جاتا ہے وہ اس لیے قابل التفات نہیں کہ یہ دو رکعتیں بہت خفیف ہوں تو تاخیر نہیں ہوتی۔

مولاناؒ نے فرمایا کہ میرے نزدیک ان کی کراہت کا سبب یہ ہے کہ اگر سب لوگ انہیں پڑھنا شروع کر دیں تو یہ ضروری نہیں کہ فوراً ایک ہی وقت میں ختم کر دیں گے، لازماً تقدیم و تاخیر ہوگی اور بعض دفعہ امام کو انتظار کرنا پڑے گا یا بعض کی تکبیر تحریمہ رہ جائے گی، بعض کی دعاء بعد از اذان رہ جائے گی، اگر اذان کے اندر ہی شروع کر دیں تو اجابت اذان رہ جائے گی۔ غرض ان تمام صورتوں میں ماموربہ کا ترک ہوگا۔

۱۲۸۴۔ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِ الرَّحِيمِ الْبَزَّازُ نَا سَعِيدُ بْنُ سُلَيْمَانَ نَا مَنْصُورُ بْنُ أَبِي الْأَسْوَدِ عَنِ الْمُخْتَارِ بْنِ فُلْفُلٍ عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ صَلَّيْتُ الرَّكْعَتَيْنِ قَبْلَ الْمَغْرِبِ عَلَى عَهْدِ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ قُلْتُ لِأَنَسٍ أَرَآكُمْ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ نَعَمْ رَآنَا فَلَمْ يَأْمُرْنَا وَلَمْ يَنْهَنَا۔

انس بن مالکؓ نے کہا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں مغرب سے قبل دو رکعت ادا کی تھی۔
مختار بن فلفل کہتا ہے کہ میں نے انسؓ سے پوچھا: کیا آپ لوگوں کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دیکھا تھا؟ انسؓ نے کہا کہ

ہاں دیکھا تھا لیکن نہ حکم دیا نہ منع فرمایا (مسلم کی صلاۃ المسافرین میں یہ حدیث موجود ہے) اس پر گفتگو ابھی گزری ہے)

۱۲۸۵۔ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ مُحَمَّدٍ النُّفَيْلِيُّ نَا ابْنُ عُلَيَّةَ عَنِ الْجُرَيْرِيِّ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ بُرَيْدَةَ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ مُغَفَّلٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَيْنَ كُلِّ اَذَانَيْنِ صَلٰوةٌ بَيْنَ كُلِّ اَذَانَيْنِ صَلٰوةٌ لِمَنْ شَاءَ۔

عبداللہ بن مغفل نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہر دو اذانوں کے درمیان نماز ہے، ہر دو اذانوں کے درمیان نماز ہے اس کے لیے جو چاہے (بخاری نے اسی حدیث کو ترجمۃ الباب بنا کر یہ روایت کیا ہے۔ مسلم نے اسے صلاۃ المسافرین میں، ترمذی نے ابواب الصلاۃ میں، نسائی نے اذان میں اور ابن ماجہ نے اقامۃ الصلوٰۃ میں اسے درج کیا)

شرح: اذانین سے مراد اذان و اقامت ہے کیونکہ اقامت میں بھی اذان ہی کے کلمات دہرائے جاتے ہیں اور وہ نماز کی ابتداء کا اعلان ہوتا ہے۔ اذان کا لفظی معنیٰ اعلام یا اعلان ہی ہے۔ مسند بزار کی روایت میں الّا المغرب کا استثناء بھی اس حدیث میں موجود ہے، حافظ صاحب نے اس پر کہا ہے کہ استثناء کا سبب یہ ہے کہ مغرب کی دو رکعتیں دو اذانوں کے درمیان نہیں ہوتی تھیں بلکہ لوگ اذان شروع ہوتے ہی انہیں شروع کرتے اور اذان کے اختتام تک ختم کر لیتے تھے۔ مولانا نے فرمایا کہ بزار کی روایت شاذ ہے، حفاظ حدیث اس میں حیان بن عبید اللہ راوی کے خلاف روایت کرتے ہیں علامہ ابن الجوزی نے تو اس حدیث کو موضوع اور کذب کہا ہے۔ حیان کی روایت اگر موضوع نہ ہو تو بہرحال وہ متکلم فیہ تو ضرور ہے۔

۱۲۸۶۔ حَدَّثَنَا ابْنُ بَشَّارٍ نَا مُحَمَّدُ بْنُ جَعْفَرٍ نَا شُعْبَةُ عَنْ اَبِي شُعَيْبٍ عَنْ طَاوُسٍ قَالَ سُئِلَ ابْنُ عُمَرَ عَنِ الرَّكْعَتَيْنِ قَبْلَ الْمَغْرِبِ فَقَالَ مَا رَاَيْتُ اَحَدًا عَلٰى عَهْدِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُصَلِّيْهِمَا وَرَخَّصَ فِي الرَّكْعَتَيْنِ بَعْدَ الْعَصْرِ قَالَ اَبُوْ دَاوُدَ سَمِعْتُ يَحْيَى بْنَ مَعِيْنٍ يَقُوْلُ هُوَ شُعَيْبٌ يَعْنِيْ وَهِمَ شُعْبَةُ فِيْ اِسْمِهٖ۔

طاؤس نے کہا کہ ابن عمر سے قبل از مغرب کی دو رکعتوں کے متعلق پوچھا گیا تو انہوں نے کہا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں کسی کو انہیں پڑھتے نہیں دیکھا اور آپ نے بعد از عصر کی دو رکعت کی رخصت دی تھی۔ ابوداؤد نے کہا کہ میں نے یحییٰ بن معین کو یہ کہتے سنا تھا کہ وہ شعیب ہے یعنی شعبہ کو اس کے نام میں وہم ہوا ہے (یعنی شعبہ نے اپنے استاد کا نام ابوشعیب بتایا ہے جو غلط ہے) عصر کی رکعتوں پر گفتگو ہو چکی۔

بَابُ صَلٰوةِ الضُّحٰى

صلاۃ الضحیٰ کا باب

۱۲۸۷۔ حَدَّثَنَا اَحْمَدُ بْنُ مَنِيعٍ عَنْ عَبَّادِ بْنِ عَبَّادٍ ح وَنَا مُسَدَّدٌ نَا حَمَّادُ بْنُ زَيْدٍ الْمَعْنَى عَنْ وَاصِلٍ عَنْ يَحْيَى بْنِ عُقَيْلٍ عَنْ يَحْيَى بْنِ يَعْمَرَ عَنْ اَبِي ذَرٍّ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ يُصْبِحُ عَلَى كُلِّ سُلَامَى مِنِ ابْنِ اٰدَمَ صَدَقَةٌ تَسْلِيمُهُ عَلَى مَنْ لَقِيَ صَدَقَةٌ وَاَمْرُهُ بِالْمَعْرُوفِ صَدَقَةٌ وَنَهْيُهُ عَنِ الْمُنْكَرِ صَدَقَةٌ وَاِمَاطَةُ الْاَذَى عَنِ الطَّرِيقِ صَدَقَةٌ وَبُضْعَةُ اَهْلِهِ صَدَقَةٌ وَيُجْزِئُ مِنْ ذٰلِكَ كُلِّهِ رَكْعَتَانِ مِنَ الضُّحَى وَحَدِيثُ عَبَّادٍ اَتَمُّ وَلَمْ يَذْكُرْ مُسَدَّدٌ الْاَمْرَ وَالنَّهْيَ زَادَ فِي حَدِيثِهِ وَقَالَ كَذَا وَكَذَا وَزَادَ ابْنُ مَنِيعٍ فِي حَدِيثِهِ قَالُوا يَا رَسُولَ اللهِ اَحَدُنَا يَقْضِي شَهْوَتَهُ وَتَكُونُ لَهُ صَدَقَةٌ قَالَ اَرَاَيْتَ لَوْ وَضَعَهَا فِي غَيْرِ حِلِّهَا اَلَمْ يَكُنْ يَاْثَمُ۔

ابوذرؓ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ حضورؐ نے ارشاد فرمایا: ابن آدم کے ہر جوڑ پر بوقتِ صبح صدقہ ضروری ہوتا ہے۔ وہ ملنے والوں سے سلام کرے تو یہ صدقہ ہے۔ اس کا نیکی کا حکم دینا صدقہ ہے، اس کا برائی سے منع کرنا صدقہ ہے، راستے سے تکلیف دہ چیز کو ہٹانا صدقہ ہے، اپنی بیوی سے ملاقات کرنا صدقہ ہے اور ان سب کی طرف سے چاشت کی دو رکعتیں کافی ہو جاتی ہیں اور عبادؔ کی حدیث تمام تر ہے اور مسدد نے امر و نہی کا ذکر نہیں کیا اور اپنی حدیث میں اس نے یہ لفظ بڑھایا: اور حضورؐ نے یوں اور یوں فرمایا اور ابن منیع نے اپنی حدیث میں یہ اضافہ کیا: لوگوں نے کہا یا رسول اللہ ہم میں سے کوئی اپنی خواہش نفسانی پوری کرے تو کیا یہ بھی اس کے لیے صدقہ ہو جاتا ہے؟ آپ نے فرمایا: بھلا یہ تو بتاؤ اگر وہ اپنی خواہش کو حرام فعل میں استعمال کرتا تو کیا وہ گنہ گار نہ ہوتا؟

شرح: ضَحْوَہ اور ضُحٰی اور ضَحِیّہ کا معنیٰ ہے دن کا پہلا حصہ، ضُحیٰ اس کے بعد ہوتا ہے۔ سُلامیٰ سلامیّہ کی جمع ہے کا معنیٰ ہے انسان کے بدن کے جوڑ اور ہڈیاں۔ خدانخواستہ جسم کے کسی حصے یا جوڑ میں نقص واقع ہو جائے تو انسان کے لیے باعث مصیبت و رنج و غم ہوگا، لہٰذا ان کی سلامتی پر شکر واجب ہوا۔ شکر یہ صدقہ ہے۔ فرض نماز تو فرض ہے جس کی ادائیگی لامحالہ ضروری ہے۔ سنن رواتب فرائض کے ماتحت ہیں اور دیگر نوافل بالعموم وقت کی قید سے آزاد ہیں لہٰذا صحت و سلامتی کا شکرانہ صلاۃ الضحیٰ کو قرار دیا گیا جو وقت کے لحاظ سے اس شکرانے میں نہایت مناسب عمل ہے۔ نماز کی ادائیگی میں جسم کے تمام اعضاء درجہ بدرجہ حصہ دار ہیں لہٰذا اس نماز سے شکرانہ ادا ہو جاتا ہے۔

اس حدیث کی روایت درج کرنے کے بعد علامہ شوکانی نے کہا ہے کہ اس حدیث سے اور دوسری احادیث سے بھی نمازِ چاشت کا استحباب ثابت ہوتا ہے اور بعض شافعی وحنفی علماء کے ایک گروہ کا یہی مذہب ہے۔ حافظ ابن القیمؒ نے الھدیٰ میں اس سلسلے کے چھ اقوال درج کئے ہیں۔ (۱) یہ کہ صلاۃ الضحیٰ سنت ہے اور دلیل اس کی یہ احادیث ہیں (۲) صلاۃ الضحیٰ کسی سبب کے ساتھ مشروع ہوگی مثلاً امّ ہانی کی حدیث جو فتح مکہ کے دن حضورؐ کی نمازِ چاشت میں ہے اس کا سبب فتح مکہ ہے، اسی طرح حضورؐ جب سفر سے لوٹتے تھے تو اس وقت میں نماز ادا فرماتے تھے اس کا سبب بخیریت واپسی ہے۔ عتبان بن مالک انصاری کے گھر میں حضورؐ کی نماز ان کی اس درخواست پر تھی کہ آپؐ ان کی گھر کی مسجد کا افتتاح بطورِ برکت فرما دیں (۳) یہ کہ اصل کے لحاظ سے یہ مستحب ہے (۴) اس کی کبھی ادائیگی اور کبھی ترک مستحب ہے (۵) یہ نماز گھروں میں پڑھنا مستحب ہے (۶) یہ بدعت ہے جیسا کہ ابن عمرؓ سے مروی ہے (مگر ابن عمرؓ نے شاید اس کے التزام طرف دیکھتے ہوئے یہ فتویٰ دیا ہوگا کیونکہ حضورؐ سے اس پر دوام و محافظت ثابت نہیں ہوئی۔ اور اس کا وقت سورج کے ارتفاع سے لے کر زوال تک ہے۔

۱۲۸۸۔ حَدَّثَنَا وَهْبُ بْنُ بَقِيَّةَ اَنَا خَالِدٌ عَنْ وَاصِلٍ عَنْ يَحْيَى بْنِ عُقَيْلٍ عَنْ يَحْيَى عَنْ اَبِي الْاَسْوَدِ الدِّيْلِيِّ قَالَ بَيْنَمَا نَحْنُ عِنْدَ اَبِي ذَرٍّ قَالَ يُصْبِحُ عَلٰى كُلِّ سُلَامٰى مِنْ اَحَدِكُمْ فِيْ كُلِّ يَوْمٍ صَدَقَةٌ فَلَهٗ بِكُلِّ صَلٰوةٍ صَدَقَةٌ وَصِيَامٍ صَدَقَةٌ وَحَجٍّ صَدَقَةٌ وَتَسْبِيْحٍ صَدَقَةٌ وَتَكْبِيْرٍ صَدَقَةٌ وَتَحْمِيْدٍ صَدَقَةٌ فَعَدَّ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْ هٰذِهِ الْاَعْمَالِ الصَّالِحَةِ ثُمَّ قَالَ يُجْزِئُ اَحَدَكُمْ مِنْ ذٰلِكَ رَكْعَتَا الضُّحٰى۔

ابوذرؓ نے کہا تم میں سے ہر شخص کے ہر جوڑ اور ہڈی پر ہر روز صدقہ لازم ہوتا ہے۔ پس اس کو ہر نماز سے صدقہ کا ثواب ملتا ہے، ہر روزہ صدقہ ہے، حج صدقہ ہے، سبحان اللہ کہنا صدقہ ہے، اللہ اکبر کہنا صدقہ ہے، الحمد للہ کہنا صدقہ ہے۔ پس رسول اللہ صلی اللہ وسلم نے ان نیک اعمال کو گن کر پھر فرمایا کہ تمہیں ان کی طرف سے نمازِ چاشت کی دو رکعات کافی ہو جاتی (مسلم نے اسے باب استحباب صلاۃ الضحیٰ میں بعض الفاظ کے اختلاف کے ساتھ روایت کیا ہے)

۱۲۸۹۔ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ سَلَمَةَ الْمُرَادِيُّ نَا ابْنُ وَهْبٍ عَنْ يَحْيَى بْنِ اَيُّوْبَ عَنْ زَبَّانَ بْنِ فَائِدٍ عَنْ سَهْلِ بْنِ مُعَاذِ ابْنِ اَنَسٍ الْجُهَنِيِّ عَنْ اَبِيْهِ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ قَعَدَ فِيْ مُصَلَّاهُ حِيْنَ يَنْصَرِفُ مِنْ صَلٰوةِ الصُّبْحِ حَتّٰى يُسَبِّحَ رَكْعَتَيِ الضُّحٰى لَا يَقُوْلُ اِلَّا خَيْرًا غُفِرَ لَهٗ خَطَايَاهُ وَاِنْ كَانَتْ

اَكْثَرَ مِنْ زَبَدِ الْبَحْرِ۔

معاذ بن جُہنی سے روایت ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص صبح کی نماز سے فارغ ہو کر اپنی نماز کی جگہ پر بیٹھا رہے حتیٰ کہ چاشت کی دو رکعتیں پڑھے، خیر کے سوا کوئی بات نہ کرے تو اس کے گناہ بخش دیئے گئے اگرچہ وہ سمندر کی جھاگ سے بھی زیادہ ہوں (یہ حدیث صحاح ستہ میں سے صرف سنن ابی داؤد میں آئی ہے)

شرح اس حدیث کے راوی زبان بن فائد کو ابن معین اور ابن حجر نے ضعیف، ابن حبان نے منکر الحدیث کہا ہے۔ وہ سہل بن معاذ سے ایک موضوع سے نسخے کی روایت متفرد ہے۔ ابن حجر نے لکھا ہے (التقریب) کہ وہ نیکی اور عبادت کے باوجود ضعیف ہے۔

۱۲۹۰۔ حَدَّثَنَا اَبُو تَوْبَةَ الرَّبِيعُ بْنُ نَافِعٍ نَا الْهَيْثَمُ بْنُ حُمَيْدٍ عَنْ يَحْيَى بْنِ الْحَارِثِ عَنِ الْقَاسِمِ اَبِي عَبْدِ الرَّحْمٰنِ عَنْ اَبِي اُمَامَةَ اَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ صَلٰوةٌ فِي اِثْرِ صَلٰوةٍ لَا لَغْوَ بَيْنَهُمَا كِتَابٌ فِي عِلِّيِّيْنَ۔

ابو امامہؓ نے روایت کی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: نماز کے بعد نماز پڑھنا جن کے درمیان کوئی لغو بات یا کام نہ ہو مقام علیین میں لکھا ہوا ہے (اس روایت میں بھی ابوداؤد متفرد ہیں۔ راوی القاسم ابی عبدالرحمٰن یا ابن عبدالرحمٰن متکلم فیہ ہے)

شرح: ارباب صحاح نے تو اس کی روایت نہیں کی مگر مسند احمد میں یہ حدیث مطوّل آئی ہے اور اس میں صلاۃ الضحیٰ کا لفظ موجود ہے، اس باب سے اس کی مناسبت کا سبب یہی ہے۔

۱۲۹۱۔ حَدَّثَنَا دَاوُدُ بْنُ رُشَيْدٍ نَا الْوَلِيْدُ عَنْ سَعِيْدِ بْنِ عَبْدِ الْعَزِيْزِ عَنْ مَكْحُوْلٍ عَنْ كَثِيْرِ بْنِ مُرَّةَ عَنْ نُعَيْمِ بْنِ هَمَّارٍ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ يَقُوْلُ اللّٰهُ عَزَّوَجَلَّ ابْنَ اٰدَمَ لَا تُعْجِزْنِيْ مِنْ اَرْبَعِ رَكَعَاتٍ فِيْ اَوَّلِ نَهَارِكَ اَكْفِكَ اٰخِرَهٗ۔

نعیم بن ہمارؓ نے کہا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سُنا: اللہ تعالیٰ فرماتا ہے، اے ابن آدم تو میرے لیے دن کے پہلے حصے میں چار رکعتیں فوت نہ کر تو میں تیرے لیے دن کے آخری حصے میں کافی ہو جاؤں گا۔

شرح: ہمار کے متعلق مختلف روایتیں ہیں: ہمار، ہدار، ہمام، ہماز، خمار، حمار (مختصر المنذری) ان میں سے ہماز کا لفظ منذری نے نہیں لکھا یہ ہم نے ابوداؤد کے حاشیے سے لیا ہے۔ ان رکعات سے مراد بعض علماء کے نزدیک صلاۃ الضحیٰ ہے۔ اس روایت کے بیان میں ابوداؤد متفرد ہیں مگر ترمذی نے ابوذرؓ اور ابوالدرداءؓ سے یہ حدیث روایت کی ہے اور

اسے حسن غریب کہا ہے۔ صلاۃ الضحیٰ کے علاوہ اس نماز کی تفسیر نمازِ اشراق اور پوری نمازِ فجر ۲+۲ سے بھی کی گئی ہے۔ یاد رہے کہ نہار کا لفظ شرعی استعمال میں طلوعِ فجر سے غروبِ آفتاب تک ہے۔

۱۲۹۲۔ حَدَّثَنَا اَحْمَدُ بْنُ صَالِحٍ وَاَحْمَدُ بْنُ عَمْرِو بْنِ السَّرْحِ قَالَا نَا ابْنُ وَهْبٍ حَدَّثَنِي عِيَاضُ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ عَنْ مَخْرَمَةَ بْنِ سُلَيْمَانَ عَنْ كُرَيْبٍ مَوْلَى ابْنِ عَبَّاسٍ عَنْ اُمِّ هَانِئٍ بِنْتِ اَبِي طَالِبٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَوْمَ الْفَتْحِ صَلَّى سُبْحَةَ الضُّحٰى ثَمَانِيَ رَكَعَاتٍ يُسَلِّمُ مِنْ كُلِّ رَكْعَتَيْنِ قَالَ اَبُوْدَاوُدَ قَالَ اَحْمَدُ بْنُ صَالِحٍ اِنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَلَّى يَوْمَ الْفَتْحِ سُبْحَةَ الضُّحٰى فَذَكَرَ مِثْلَهُ قَالَ ابْنُ السَّرْحِ اِنَّ اُمَّ هَانِئٍ قَالَتْ دَخَلَ عَلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَلَمْ يَذْكُرْ سُبْحَةَ الضُّحٰى بِمَعْنَاهُ۔

اُمِّ ہانی رضؓ بنت ابی طالب سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فتحِ مکہ کے دن صلاۃ الضحیٰ آٹھ رکعت پڑھی، ہر دو رکعت پر سلام کہتے تھے۔ حدیث کے ایک راوی احمد بن صالح نے تو یہ کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فتح مکہ کے دن صلاۃ الضحیٰ پڑھی الخ دوسرے راوی ابن السرح نے کہا کہ: ام ہانی رضؓ نے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فتح مکہ کے دن میرے گھر تشریف لائے، مگر صلاۃ الضحیٰ کا ذکر نہیں کیا (اس حدیث کو ابن ماجہ نے کتاب الصلاۃ میں روایت کیا۔ الذخائر میں ہے کہ صلاۃ الضحیٰ جس کا ذکر ام ہانی رضؓ نے کیا ہے یہ بخاری میں صلاۃ اللیل، المغازی، الطہارۃ، الادب، الصلاۃ، الجزیۃ میں ہے۔ ترمذی نے اسے ابواب الصلوٰۃ میں روایت کیا ہے۔ مسلم نے کتاب الحیض اور کتاب المسافرین میں اور نسائی نے کتاب الطہارۃ میں روایت کیا ہے) ابوداؤد کا ایک راوی عیاض بن عبداللہ، ابن معین کے نزدیک ضعیف اور بخاری کے نزدیک منکر الحدیث ہے۔ نووی رہ کو غلطی لگی ہے کہ اس نے ابوداؤد کی سند کو صحیح ٹھہرایا ہے۔ علاوہ ازیں اس سند میں عیاض بن عبداللہ کے بعد عن عبداللہ کا لفظ زاید ہے جو کسی کاتب نے غلطی سے لکھ دیا ہے۔

۱۲۹۳۔ حَدَّثَنَا حَفْصُ بْنُ عُمَرَ نَا شُعْبَةُ عَنْ عَمْرِو بْنِ مُرَّةَ عَنِ ابْنِ اَبِي لَيْلٰى قَالَ مَا اَخْبَرَنَا اَحَدٌ اَنَّهُ رَاَى النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَلَّى الضُّحٰى غَيْرُ اُمِّ هَانِئٍ فَاِنَّهَا ذَكَرَتْ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَوْمَ فَتْحِ مَكَّةَ اِغْتَسَلَ فِي بَيْتِهَا وَصَلّٰى ثَمَانَ رَكَعَاتٍ فَلَمْ يَرَهُ اَحَدٌ صَلَّاهُنَّ بَعْدُ۔

ابن ابی لیلیٰ نے کہا کہ ہمیں ام ہانیؓ کے سوا کسی نے نہیں بتایا کہ اُس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو صلاۃ الضحیٰ پڑھتے دیکھا تھا، ام ہانی نے ذکر کیا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فتح مکہ کے دن اس کے گھر میں غسل فرمایا تھا اور آٹھ رکعتیں پڑھیں لیکن اس کے بعد کسی نے حضورؐ کو یہ رکعات پڑھتے نہیں دیکھا (گفتگو اور حوالہ جات گزر چکے ہیں)

۱۲۹۴۔ حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ نَا يَزِيدُ بْنُ زُرَيْعٍ حَدَّثَنَا الْجُرَيْرِيُّ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ شَقِيقٍ قَالَ سَأَلْتُ عَائِشَةَ هَلْ كَانَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُصَلِّي الضُّحٰى فَقَالَتْ لَا إِلَّا أَنْ يَجِيءَ مِنْ مَغِيبِهِ قُلْتُ هَلْ كَانَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقْرِنُ بَيْنَ السُّوَرِ قَالَتْ مِنَ الْمُفَصَّلِ۔

عبداللہ بن شقیق نے کہا کہ میں نے حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے پوچھا کہ کیا جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نماز چاشت پڑھتے تھے؟ انہوں نے کہا کہ نہیں، ہاں جب سفر سے آئیں تب پڑھتے تھے۔ میں نے کہا کہ کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سورتوں کو ملاتے تھے؟ فرمایا کہ ہاں مفصل میں سے (مسلم اور ترمذی اور نسائی نے بھی اسے روایت کیا ہے)

شرح: حضورؐ کی عادت مبارک یہی تھی کہ سفر سے واپسی پر رات کو اچانک مدینہ میں تشریف نہ لاتے تھے، اور اس سے منع بھی فرماتے تھے۔ رات مدینہ کے قریب گزار کر صبح کو تشریف لاتے اور سیدھے مسجد تشریف لے جا کر پہلے نماز پڑھتے تھے، اسی نماز کو یہاں ام المؤمنین ؓ نے صلاۃ الضحیٰ کہا ہے اور اوپر بحث ہو چکی کہ بعض فقہاء نے اسی لیے کہا ہے کہ کسی پیش آنے والے سبب کے باعث صلوٰۃ الضحیٰ پڑھی جائے ورنہ نہیں مولانا ؒ نے فرمایا کہ یہ حدیث معاذہؒ کی اس روایت کے خلاف ہے جس میں انہوں نے حضرت عائشہؓ سے دریافت کیا تھا تو صلاۃ الضحیٰ کی مقدار چار یا اس سے زیادہ رکعات بتائی تھی۔ نوویؒ نے شرح مسلم میں کہا ہے کہ حضورؐ نے دونوں فعل کئے ہیں، جن احادیث میں اثبات ہے ان کا مطلب یہ ہے کہ حضورؐ نے اس نماز کی فضیلت و برکت کے باعث اسے پڑھا۔ جن میں نفی ہے ان کا مطلب یہ ہے کہ حضورؐ نے اس خیال سے ترک کر دی کہ مبادا فرض ہو جائے۔ اور حضرت عائشہؓ کا یہ قول کہ: صرف سفر سے واپسی پر پڑھتے تھے، اس کا مطلب یہ ہے کہ حضرت عائشہؓ نے آپ کو ان مواقع کے سوا صلوٰۃ الضحیٰ پڑھتے نہیں دیکھا، وجہ اس کی یہ ہے کہ حضورؐ چاشت کے وقت میں شاذو نادر ہی ازواج مطہرات کے پاس ہوتے تھے۔ کبھی سفر پر ہوتے، کبھی حضر میں ہوتے مگر مسجد میں یا کسی اور کام میں باہر ہوتے تھے۔ اور پھر حضرت عائشہؓ کی باری بھی تو نویں دن ہوتی تھی لہذا ان کا قول درست ہے کہ: میں نے آپ کو پڑھتے نہیں دیکھا۔ اور اثبات خود حضورؐ کے بتانے پر یا کسی اور کے بتانے پر ہوا۔ مفصل کی سورتیں ایک رکعت میں ملانے کا ذکر کہیں اوپر بھی ہو چکا ہے، اس حدیث میں بھی ہے اور آگے بھی آئے گا۔

۱۲۹۵۔ حَدَّثَنَا الْقَعْنَبِيُّ عَنْ مَالِكٍ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ عَنْ عُرْوَةَ ابْنِ الزُّبَيْرِ عَنْ عَائِشَةَ زَوْجِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّهَا قَالَتْ مَا سَبَّحَ رَسُولُ

اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ سُبْحَۃَ الضُّحٰی قَطُّ وَاِنِّیْ لَاُسَبِّحُھَا وَاِنْ کَانَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ لَیَدَعُ الْعَمَلَ وَھُوَ یُحِبُّ اَنْ یَّعْمَلَ بِہٖ خَشْیَۃَ اَنْ یَّعْمَلَ بِہِ النَّاسُ فَیُفْرَضَ عَلَیْھِمْ۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجۂ مطہرہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صلوٰۃ الضحیٰ کبھی نہیں پڑھی اور میں یہ نماز پڑھتی ہوں۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بعض اعمال کو کہ ناپسند کرنے کے باوجود بعض دفعہ اس لیے چھوڑ دیتے تھے کہ مبادا لوگ ان پر عمل کرنے لگیں اور ان پر فرض ہو جائیں (بخاری نے یہ حدیث باب من لم یصل الضحیٰ میں اور مسلم نے کتاب المسافرین میں روایت کی ہے۔ اس حدیث کے الفاظ سے پتہ چلا کہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی نفی سے مراد ہمیشگی کی نفی ہے نہ کہ اصل صلاۃ الضحیٰ کی، کیونکہ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے صلاۃ الضحیٰ پر عمل کو فرضیت کے خوف سے ترک کیا تھا)

۱۲۹۶۔ حَدَّثَنَا ابْنُ نُفَیْلٍ وَاَحْمَدُ بْنُ یُوْنُسَ قَالَا نَا زُھَیْرٌ نَا سِمَاکٌ قَالَ قُلْتُ لِجَابِرِ بْنِ سَمُرَۃَ اَکُنْتَ تُجَالِسُ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ نَعَمْ کَثِیْرًا فَکَانَ لَا یَقُوْمُ مِنْ مُّصَلَّاہُ الَّذِیْ صَلّٰی فِیْہِ الْغَدَاۃَ حَتّٰی تَطْلُعَ الشَّمْسُ فَاِذَا طَلَعَتْ قَامَ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ۔

سماک کا بیان ہے کہ میں نے جابر رضی اللہ عنہ بن سمرہ سے پوچھا: کیا آپ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس میں بیٹھا کرتے تھے؟ انہوں نے کہا کہ بہت دفعہ۔ پس جس مصلیٰ پر آپ نے نماز فجر پڑھی ہوتی وہاں سے طلوع آفتاب تک نہ اٹھتے تھے، پس جب آفتاب طلوع ہو جاتا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنی نماز گاہ سے اٹھ کھڑے ہوتے (یہ حدیث مسلم اور نسائی نے بھی اسی طرح روایت کی ہے)

شرح: اس حدیث کی باب سے کوئی مناسبت نہیں۔ بلکہ مسند احمد کی روایت میں یہ الفاظ ہیں: حضور صلی اللہ علیہ وسلم طلوع آفتاب سے پہلے واپس نہیں لوٹتے تھے۔ مسند کی روایت اس بارے میں صریح ہے کہ آپ گھر تشریف لے جانے کے لیے اٹھتے تھے۔ لیکن ابوداؤد نے شاید اپنی روایت کے لفظ: جب سورج چڑھتا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم اٹھ کھڑے ہوتے۔ اسے یہ سمجھا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا اس وقت اٹھنا نماز کی خاطر ہوتا تھا۔

بَابُ صَلٰوۃِ النَّھَارِ

دن کی نماز کا باب

۱۲۹۷۔ حَدَّثَنَا عَمْرُو بْنُ مَرْزُوْقٍ اَنَا شُعْبَۃُ عَنْ یَعْلَی بْنِ عَطَاءٍ عَنْ عَلِیٍّ

بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ الْبَارِقِيِّ عَنِ ابْنِ عُمَرَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ صَلٰوةُ اللَّيْلِ وَالنَّهَارِ مَثْنٰى مَثْنٰى۔

ابن عمرؓ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپؐ نے فرمایا: رات اور دن کی نماز دو دو رکعت ہے (اس حدیث کو نسائی نے ابواب الجمعہ میں، نسائی اور ابن ماجہ نے اقامۃ الصلوٰۃ میں روایت کیا ہے)

شرح: خطابی نے معالم السنن میں کہا ہے کہ اس حدیث کو ابن عمرؓ سے نافع، طاؤس اور عبد اللہ بن دینار نے بھی روایت کیا ہے مگر کسی نے صلاۃ النہار کا لفظ نہیں بولا، صرف صلاۃ اللیل کا لفظ بولا ہے۔ مگر ثقہ کا اضافہ مقبول ہے اور یہ قول مالک، شافعی اور احمد کا ہے۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صلاۃ الضحیٰ آٹھ رکعت پڑھی مگر ہر دو رکعت پر سلام کہا اور نماز عید اور نماز استسقاء بھی دن کی نمازیں ہیں اور دو دو رکعات ہیں۔ ترمذی نے کہا ہے کہ شعبہ کے بعض شاگرد اس حدیث کو موقوف بیان کرتے ہیں۔

مولاناؒ نے فرمایا کہ علامہ شوکانی نے محدثین کی ایک جماعت سے اس حدیث کی تضعیف نقل کی ہے کیونکہ اس کا راوی علی البارقی ضعیف ہے۔ بارقی کی فقط ایک حدیث مسلم نے سفر کی خاطر سواری پر چڑھ کر دعا کرنے کے باب میں لی ہے مسلم نے یہ حدیث بارقی کے علاوہ کسی اور طریق سے روایت کی ہے اور اس میں النہار کا لفظ نہیں ہے۔ دارقطنی نے بارقی کی حدیث کو وہم کہا ہے مگر ابن خزیمہ، ابن حبان اور حاکم نے اسے صحیح کہا ہے۔ بیہقی نے اس حدیث کو صحیح کہا ہے۔ بخاری سے اس حدیث کے متعلق سوال ہوا تو اس نے اسے صحیح کہا اور اپنی سند سے اسے بیان کیا (صحیح میں نہیں) یہ حدیث محمد بن سیرین نے بھی ابن عمرؓ سے روایت کی ہے اور سند کے راوی سب ثقہ ہیں۔ امام مالکؒ نے ظاہر حدیث کو لیا اور کہا کہ دو سے زیادہ رکعات نفل کی نیت جائز نہیں۔ جمہور نے اسے افضلیت کے بیان پر محمول کیا ہے کیونکہ صحیح طور پر حضورؐ کا اپنا فعل صحاح میں (صلاۃ اللیل اور وتر کے ابواب میں) اس کے خلاف ثابت ہے، یہ احتمال بھی ہے کہ چونکہ دو دو رکعت پڑھنا خفت پر مبنی ہے لہذا بطور رہنمائی یہ ارشاد فرمائی ہو کہ اس طرح کی ادائیگی ہلکی ہے۔ امام محمد نے کہا کہ رات کی نماز تو دو دو ہے مگر دن کو اگر چار بھی پڑھے تو حرج نہیں (یعنی نفل) درمختار میں ہے کہ دن کے نفلوں میں چار سے زیادہ کو بیک نیت ملانا اور رات کو آٹھ سے زیادہ کو ملانا مکروہ ہے اور افضل دونوں میں یہ ہے کہ چار رکعت ایک سلام سے ہو۔ صاحبینؒ نے رات کی نماز کو دو دو پڑھنا افضل کہا ہے اور اس پر حنفیہ کا فتویٰ ہے۔ مگر بعض حنفی فقہاء چار کو افضل کہتے ہیں کیونکہ صحیحین میں ام المؤمنین عائشہ کی روایت صلاۃ اللیل کے متعلق موجود ہے جس میں آٹھ رکعات کو چار کی نیت سے حسن و طول سے ادا کرنا بتایا گیا ہے۔

۱۲۹۸۔ حَدَّثَنَا ابْنُ الْمُثَنّٰى نَا مُعَاذُ بْنُ مُعَاذٍ نَا شُعْبَةُ حَدَّثَنِيْ عَبْدُ رَبِّهٖ بْنُ سَعِيْدٍ عَنْ اَنَسِ بْنِ اَبِيْ اَنَسٍ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ نَافِعٍ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ الْحَارِثِ عَنِ الْمُطَّلِبِ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ الصَّلٰوةُ مَثْنٰى مَثْنٰى اَنْ تَتَشَهَّدَ

فِیْ کُلِّ رَکْعَتَیْنِ اَنْ تَبَأَّسَ وَتَمَسْکَنَ وَتُقْنِعَ بِیَدَیْکَ وَتَقُوْلَ اَللّٰھُمَّ اَللّٰھُمَّ فَمَنْ لَّمْ یَفْعَلْ ذٰلِکَ فَھِیَ خِدَاجٌ سُئِلَ اَبُوْ دَاؤُدَ عَنْ صَلٰوۃِ اللَّیْلِ مَثْنٰی قَالَ اِنْ شِئْتَ مَثْنٰی وَاِنْ شِئْتَ اَرْبَعًا۔

مطلبؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: نماز دو دو رکعت ہے کہ تو ہر دو رکعت پر تشہد کرے اور عاجزی و مسکینی کا اظہار کرے اور تو دونوں ہاتھ اٹھائے اور کہے: اے اللہ، اے اللہ۔ اور جو ایسا نہ کرے تو اس کی نماز ناقص ہے۔ ابو داؤد سے رات کی نماز کے بارے میں سوال کیا گیا کہ کیا وہ دو دو رکعت ہی ہے؟ اس نے کہا کہ تو چاہے تو دو پڑھ اور چاہے تو چار پڑھ (یہ حدیث نسائی اور ابن ماجہ نے بھی روایت کی ہے۔ ابن ماجہ کی روایت عن المطلب بن وداعہ بقول منذری وہم ہے)

شرح: بقول منذری اس حدیث کا راوی مطلب بن ربیعہ بن الحارث بن عبد المطلب ہے۔ خطابی نے معالم السنن میں کہا ہے کہ محدثین نے اس حدیث کی روایت میں شعبہ کی غلطی نکالی ہے۔ بخاری نے کہا ہے کہ شعبہ نے اس حدیث میں کئی غلطیاں کی ہیں: ایک یہ کہ اس نے انس بن ابی انس کہا ہے حالانکہ وہ عمران بن ابی انس ہے۔ اور اس نے عبد اللہ بن الحارث کہا ہے حالانکہ روایت صحیح ہے کہ: عن عبد اللہ بن نافع بن ربیعہ بن الحارث۔ اور ربیعہ بن الحارث ہی ابن عبد اللہ ہے لیکن شعبہ نے عن المطلب کہا ہے۔ اور حدیث کی روایت الفضل بن عباس سے ہے مگر شعبہ نے فضل کا نام نہیں لیا۔ خطابیؒ نے کہا ہے کہ لیث بن سعد نے اس کی روایت یوں کی ہے، عن عبد ربہ بن سعید عن عمران بن ابی انس عن عبد اللہ بن نافع عن ربیعۃ ابن الحارث عن الفضل بن عباس عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم، اور یہ روایت صحیح ہے۔ اور یعقوب بن سفیان اور محمد بن اسحاق بن خزیمہ نے بھی بخاری کی مانند کہا ہے۔

حضورؐ کا یہ ارشاد کہ: الصلوٰۃ مثنیٰ مثنیٰ، دو معنی رکھتا ہے۔ ایک یہ کہ ہر دو رکعت پہ سلام کیا جائے اور دوسرا یہ کہ ہر دو رکعت پہ سلام کیا جائے اور پھر دو رکعت کی نئی نیت کی جائے۔ اس حدیث میں جو دعا میں ہاتھ اٹھانے کا حکم ہے یہ بقول ابن العربی بعد از صلوٰۃ ہے، مگر عراقی نے کہا کہ یہ متعین نہیں کیونکہ اس سے مراد دعائے قنوت میں ہاتھ اٹھانا ہو سکتا ہے۔

بَابُ۱۴ صَلٰوۃِ التَّسْبِیْحِ

صلاۃ التسبیح کا باب

۱۲۹۹۔ حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّحْمٰنِ بْنُ بِشْرِ بْنِ الْحَکَمِ النَّیْسَابُوْرِیُّ نَا مُوْسَی بْنُ عَبْدِ الْعَزِیْزِ نَا الْحَکَمُ بْنُ اَبَانٍ عَنْ عِکْرِمَۃَ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ لِلْعَبَّاسِ بْنِ عَبْدِ الْمُطَّلِبِ یَا عَبَّاسُ یَا عَمَّاہُ اَلَا اُعْطِیْکَ

أَلَا أَمْنَحُكَ أَلَا أَحْبُوكَ أَلَا أَفْعَلُ بِكَ عَشْرَ خِصَالٍ إِذَا أَنْتَ فَعَلْتَ ذٰلِكَ غَفَرَ اللّٰهُ لَكَ ذَنْبَكَ أَوَّلَهُ وَآخِرَهُ قَدِيمَهُ وَحَدِيثَهُ خَطَأَهُ وَعَمْدَهُ صَغِيرَهُ وَكَبِيرَهُ سِرَّهُ وَعَلَانِيَتَهُ عَشْرَ خِصَالٍ أَنْ تُصَلِّيَ أَرْبَعَ رَكَعَاتٍ تَقْرَأُ فِي كُلِّ رَكْعَةٍ فَاتِحَةَ الْكِتَابِ وَسُورَةً فَإِذَا فَرَغْتَ مِنَ الْقِرَاءَةِ فِي أَوَّلِ رَكْعَةٍ وَأَنْتَ قَائِمٌ قُلْتَ سُبْحَانَ اللّٰهِ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ وَلَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَاللّٰهُ أَكْبَرُ خَمْسَ عَشْرَةَ مَرَّةً ثُمَّ تَرْكَعُ فَتَقُولُهَا وَأَنْتَ رَاكِعٌ عَشْرًا ثُمَّ تَرْفَعُ رَأْسَكَ مِنَ الرُّكُوعِ فَتَقُولُهَا عَشْرًا ثُمَّ تَهْوِي سَاجِدًا فَتَقُولُهَا وَأَنْتَ سَاجِدٌ عَشْرًا ثُمَّ تَرْفَعُ رَأْسَكَ مِنَ السُّجُودِ فَتَقُولُهَا عَشْرًا ثُمَّ تَسْجُدُ فَتَقُولُهَا عَشْرًا ثُمَّ تَرْفَعُ رَأْسَكَ فَتَقُولُهَا عَشْرًا فَذٰلِكَ خَمْسٌ وَسَبْعُونَ فِي كُلِّ رَكْعَةٍ تَفْعَلُ ذٰلِكَ فِي أَرْبَعِ رَكَعَاتٍ إِنِ اسْتَطَعْتَ أَنْ تُصَلِّيَهَا فِي كُلِّ يَوْمٍ مَرَّةً فَافْعَلْ فَإِنْ لَمْ تَفْعَلْ فَفِي كُلِّ جُمُعَةٍ مَرَّةً فَإِنْ لَمْ تَفْعَلْ فَفِي كُلِّ شَهْرٍ مَرَّةً فَإِنْ لَمْ تَفْعَلْ فَفِي كُلِّ سَنَةٍ مَرَّةً فَإِنْ لَمْ تَفْعَلْ فَفِي عُمُرِكَ مَرَّةً۔

ابن عباس رضؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عباس بن عبدالمطلب سے فرمایا: اے عباس! اے میرے چچا، کیا میں تجھے عطا نہ کروں؟ کیا میں تجھے تحفہ نہ دوں؟ کیا میں تجھے ایک اعلیٰ عطیہ نہ دوں؟ کیا میں تیرے ساتھ دس نیکیاں نہ کروں؟ جب تو وہ کام کرے تو اللہ تعالیٰ تیرے گناہ بخش دے، پہلے اور پچھلے، قدیم وجدید، بھول چوک سے یا جان بوجھ کر کئے ہوئے، چھوٹے اور بڑے، پوشیدہ اور ظاہر۔ یہ دس خصلتیں ہوئیں، اور وہ کام یہ ہے کہ تو چار رکعات پڑھے، ہر رکعت میں سورۂ فاتحہ اور ایک سورت پڑھے، پس جب تو قرأت سے فارغ ہو تو پہلی رکعت میں کھڑے کھڑے تو یہ پڑھے، سُبْحَانَ اللّٰهِ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ وَلَآ إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَاللّٰهُ أَكْبَرُ ۔ ۱۵ بار پھر تو رکوع کرے اور رکوع میں دس مرتبہ کہے۔ پھر رکوع سے سر اٹھائے تو دس بار کہے، پھر تو سجدہ میں جائے تو دس مرتبہ کہے، پھر سجدے سے سر اٹھا کر دس مرتبہ کہے، پھر سجدہ میں جا کر دس مرتبہ کہے، پھر تو اپنا سر اٹھائے اور یہ دس مرتبہ کہے، پس یہ ہر رکعت میں پچھتّر مرتبہ ہوا۔ تو یہ چار رکعتوں میں کرے۔ اگر تو روزانہ اسے ایک مرتبہ پڑھ سکے تو پڑھے ورنہ ہر جمعہ میں ایک مرتبہ ورنہ ہر ماہ میں ایک مرتبہ ورنہ ہر سال بھر میں ایک مرتبہ، اگر یہ بھی نہ کر سکے تو عمر بھر میں ایک بار۔ (یہ حدیث ابن ماجہ نے بھی روایت کی ہے)

۱۳۰۰۔ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ سُفْيَانَ الْأُبُلِّيُّ نَا حَبَّانُ بْنُ هِلَالٍ أَبُو حَبِيبٍ

نَا مَهْدِيُّ بْنُ مَيْمُونٍ نَا عَمْرُو بْنُ مَالِكٍ عَنْ أَبِي الْجَوْزَاءِ حَدَّثَنِي رَجُلٌ كَانَتْ لَهُ صُحْبَةٌ يُرَوْنَ أَنَّهُ عَبْدُ اللهِ بْنُ عَمْرٍو قَالَ قَالَ لِي النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ائْتِنِي غَدًا أَحْبُوكَ وَأُثِيبُكَ وَأُعْطِيكَ حَتَّى ظَنَنْتُ أَنَّهُ يُعْطِينِي عَطِيَّةً قَالَ إِذَا زَالَ النَّهَارُ فَقُمْ فَصَلِّ أَرْبَعَ رَكَعَاتٍ فَذَكَرَ نَحْوَهُ قَالَ ثُمَّ تَرْفَعُ رَأْسَكَ يَعْنِي مِنَ السَّجْدَةِ الثَّانِيَةِ فَاسْتَوِ جَالِسًا وَلَا تَقُمْ حَتَّى تُسَبِّحَ عَشْرًا وَتَحْمَدَ عَشْرًا وَتُكَبِّرَ عَشْرًا وَتُهَلِّلَ عَشْرًا ثُمَّ تَصْنَعُ ذٰلِكَ فِي الْأَرْبَعِ رَكَعَاتٍ قَالَ فَإِنَّكَ لَوْ كُنْتَ أَعْظَمَ أَهْلِ الْأَرْضِ ذَنْبًا غُفِرَ لَكَ بِذٰلِكَ قَالَ قُلْتُ فَإِنْ لَمْ أَسْتَطِعْ أَنْ أُصَلِّيَهَا تِلْكَ السَّاعَةَ قَالَ صَلِّهَا مِنَ اللَّيْلِ وَالنَّهَارِ قَالَ أَبُو دَاوُدَ وَحَبَّانُ بْنُ هِلَالٍ خَالُ هِلَالٍ الرَّائِيِّ قَالَ أَبُو دَاوُدَ رَوَاهُ الْمُسْتَمِرُّ بْنُ الرَّيَّانِ عَنْ أَبِي الْجَوْزَاءِ عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ عَمْرٍو مَوْقُوفًا وَرَوَاهُ رَوْحُ بْنُ الْمُسَيَّبِ وَجَعْفَرُ بْنُ سُلَيْمَانَ عَنْ عَمْرِو بْنِ مَالِكٍ النُّكْرِيِّ عَنْ أَبِي الْجَوْزَاءِ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَوْلَهُ وَقَالَ فِي حَدِيثِ رَوْحٍ فَقَالَ حَدِيثُ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ۔

ابوالجوزاء نے کہا کہ مجھ سے ایک شخص نے بیان کیا جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا صحابی تھا، کہتے ہیں وہ عبد اللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ تھا۔ اس نے کہا کہ مجھ سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کل میرے پاس آئیو، میں تمہیں ایک بہترین تحفہ دوں گا ہدیہ دوں گا اور عطیہ دوں گا، میں نے خیال کیا کہ آپ مجھے کوئی مالی عطیہ دیں گے۔ آپؐ نے فرمایا: جب دن ڈھل جائے تو اٹھ چار رکعت نماز پڑھ، پس اُسی اوپر کی طرح ذکر کیا، فرمایا کہ پھر تو اپنا سر اُٹھائے تو سیدھا بیٹھ جا اور مت اٹھ حتیٰ کہ تو دس دفعہ تسبیح دس دفعہ تحمید اور دس دفعہ تکبیر نہ کرے اور دس دفعہ تہلیل نہ کہہ لے۔ پھر تو یہی کچھ چار رکعات میں کرے فرمایا اگر تو سب زمین والوں سے بھی بڑا گنہ گار ہوگا تو اس کے سبب تیرے گناہ بخشے جائیں گے۔ عبد اللہ رضی اللہ عنہ نے کہا کہ میں نے عرض کیا کہ اگر میں اس گھڑی اُسے پڑھنے کی طاقت نہ رکھوں تو؟ فرمایا کہ رات اور دن میں کسی وقت پڑھ لے۔ ابوداؤد نے کہا کہ حبان بن ہلال ہلال رائی کا ماموں ہے۔ ابوداؤد نے کہا کہ اسے مستمر بن ریان نے ابوالجوزاء سے اس نے عبد اللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ سے موقوف روایت کیا۔ اور اسے روح بن المسیب اور جعفر بن سلیمان نے عمرو بن مالک نکری سے اس نے ابوالجوزاء سے اس نے ابن عباس رضی اللہ عنہ سے اس کا قول روایت کیا، اور روح کی حدیث میں کہا کہ یہ مجھے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے بتایا گیا ہے (ترمذی نے صلاۃ التسبیح کی حدیث انس بن مالک رضی اللہ عنہ اور ابورافع رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے۔ منذری نے کہا کہ اس

حدیث کے راوی ثقہ ہیں۔ ابن حجر نے کہا کہ صحابی کے متعلق اختلاف ہے کہ آیا ابن عباسؓ تھے یا عبداللہ بن عمرو۔ ابو داؤد نے جن اور روایات کا حوالہ دیا ہے ان میں سے بعض کو محدثین نے ضعیف یا منکر کہا ہے)

۱۳۰۱۔ حَدَّثَنَا أَبُو تَوْبَةَ الرَّبِيعُ بْنُ نَافِعٍ نَا مُحَمَّدُ بْنُ مُهَاجِرٍ عَنْ عُرْوَةَ بْنِ رُوَيْمٍ حَدَّثَنِي الْأَنْصَارِيُّ أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لِجَعْفَرٍ بِهٰذَا الْحَدِيثِ فَذَكَرَ نَحْوَهُمْ قَالَ فِي السَّجْدَةِ الثَّانِيَةِ مِنَ الرَّكْعَةِ الْأُولٰى كَمَا قَالَ فِي حَدِيثِ مَهْدِيِّ بْنِ مَيْمُونٍ۔

عروہ بن رُویم سے روایت ہے کہ مجھے انصاری نے حدیث سنائی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جعفر سے فرمایا الخ پس انہی کی مانند ذکر کیا پہلی رکعت کے دوسرے سجدے میں اسی طرح فرمایا جیساکہ مہدی بن میمون کی حدیث میں۔

شرح: اس حدیث کے غیر مسمّٰی انصاری پر محدثین نے کلام کیا ہے کہ وہ کون ہے؟ حافظ مزی نے جزم و یقین سے کہا کہ وہ جابر بن عبداللہؓ ہے ابن حجر نے اپنی مسند میں ابن عساکر سے نقل کیا ہے کہ عروہ بن رُویم کی احادیث جابرؓ بن عبداللہ سے ہیں سو ممکن ہے ابوداؤد کی حدیث میں انصاری سے وہی مراد ہو۔ طبرانی میں بعینہٖ اسی ابوداؤد والی سند سے ابوکبشہؓ انصاری کی دو حدیثیں ہیں، ابوکبشہؓ صحابی تھے سو اس لحاظ سے دونوں سندوں کے باعث یہ حدیث درجۂ حسن تک پہنچ جاتی ہے۔ اور جب اس کے ساتھ اوپر کی حدیث عبداللہ بن عمروؓ ملائی جائے تو اس کا حسن ہونا پختہ ہو جاتا ہے۔

حدیث نمبر ۱۲۹۹ کو ابن الجوزی نے موسیٰ بن عبدالعزیز کے باعث موضوع بنایا ہے مگر حافظ ابن حجر نے الخصال المکفرہ میں کہا ہے کہ ابن الجوزی نے اچھا نہیں کیا۔ موسیٰ بن عبدالعزیز کو ابن معین اور نسائی نے ثقہ کہا ہے۔ امالی الاذکار میں ہے کہ اس حدیث کو امام بخاری نے جزء القراءۃ میں روایت کیا ہے۔ اسی طرح ابوداؤد کے علاوہ اسے ابن ماجہ، ابن خزیمہ، حاکم نے روایت کیا ہے اور بیہقی وغیرہ نے اسے صحیح کہا ہے۔ ابن شاہین نے ابوبکر بن ابی داؤد سے نقل کیا ہے کہ (الترغیب) میں نے اپنے باپ سے سنا کہ صلوٰۃ التسبیح میں یہ سب سے صحیح حدیث ہے بخاری کی الادب المفرد میں موسیٰ بن عبدالعزیز کی ایک روایت موجود ہے۔ ابن مندہ نے اس حدیث کی صحت ثابت کرنے کے لیے ایک کتاب لکھ دی ہے۔ علاوہ ازیں ان محدثین نے اس کی تصحیح کی ہے: الآجری، الخطیب، ابوسعد سمعانی، ابوموسیٰ مدینی، ابوالحسن منذری، ابن الصلاح اور نووی۔ بیہقی نے ابوخالد شرقی سے نقل کیا ہے کہ مسلم نے صلاۃ التسبیح میں اس سند کو احسن قرار دیا تھا۔ ترمذی نے کہا ہے کہ ابن المبارک وغیرہ اہل علم نے صلاۃ التسبیح کی روایت و فضیلت بیان کی ہے اور ابن المبارک اسے پڑھتے تھے۔ صلحاء کا اس پر ہمیشہ سے عمل رہا ہے جس سے حدیث مرفوع کی تقویت ہوتی ہے۔ ابن حجر نے موسیٰ بن عبدالعزیز کے کئی متابع بیان کئے ہیں۔ امام غزالیؒ نے احیاء العلوم میں عکرمہ عن ابن عباسؓ کی روایت صلاۃ التسبیح کے علاوہ ایک اور روایت درج کرنے کے بعد کہا کہ پہلی رکعت میں ۱۵ بار تسبیح ثناء سبحانک اللّٰھم الخ کے بعد پڑھی جائے اور دوسرے سجدے کے بعد دس مرتبہ تسبیح نہ کی جائے۔ ابن المبارک نے اسی کو اختیار کیا ہے۔

---

۱۵ بَابُ رَكْعَتَيِ الْمَغْرِبِ اَيْنَ تُصَلَّيَانِ

باب مغرب کی دو رکعتیں کہاں پڑھی جائیں۔

۱۳۰۲۔ حَدَّثَنَا اَبُوْبَكْرِ بْنُ اَبِي الْاَسْوَدِ حَدَّثَنِي اَبُوْ مُطَرِّفٍ مُحَمَّدُ بْنُ اَبِي الْوَزِيْرِنَا مُحَمَّدُ بْنُ مُوْسَى الْفِطْرِيُّ عَنْ سَعْدِ بْنِ اِسْحَاقَ بْنِ كَعْبِ بْنِ عُجْرَةَ عَنْ اَبِيْهِ عَنْ جَدِّهٖ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَتٰى مَسْجِدَ بَنِي عَبْدِ الْاَشْهَلِ فَصَلّٰى فِيْهِ الْمَغْرِبَ فَلَمَّا قَضَوْا صَلَاتَهُمْ رَاٰهُمْ يُسَبِّحُوْنَ بَعْدَهَا فَقَالَ هٰذِهٖ صَلٰوةُ الْبُيُوْتِ۔

کعب بن عجرہؓ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم بنو عبد الاشہل کی مسجد میں تشریف لائے اور اس میں نماز مغرب پڑھی۔ نماز کے بعد آپؐ نے انہیں نفل پڑھتے دیکھا تو فرمایا: یہ گھروں کی نماز ہے (ترمذی اور ابن ماجہ نے اسے روایت کیا۔ ترمذی نے اسے حدیث غریب کہا ہے)

شرح: اس حدیث کا راوی سعد بن اسحاق مجہول الحال ہے۔ اس حدیث کے علاوہ کئی صحاح میں سنن و نوافل کے گھر میں پڑھنے کا ذکر آیا ہے۔ جس سے یہ استدلال کیا گیا ہے کہ رات کی نمازوں (مغرب وعشاء) کی سنن کو گھر میں پڑھنا افضل ہے برخلاف دن کے نوافل کے۔ لیکن ابن حجر کے نزدیک اس فرق میں کلام ہے۔ سنن و نوافل کا گھروں میں پڑھنا بہرحال افضل ہے

۱۳۰۳۔ حَدَّثَنَا حُسَيْنُ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ الْجَرْجَرَائِيُّ نَا طَلْقُ بْنُ غَنَّامٍ نَا يَعْقُوْبُ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ عَنْ جَعْفَرِ بْنِ اَبِي الْمُغِيْرَةِ عَنْ سَعِيْدِ بْنِ جُبَيْرٍ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُطِيْلُ الْقِرَاءَةَ فِي الرَّكْعَتَيْنِ بَعْدَ الْمَغْرِبِ حَتّٰى يَتَفَرَّقَ اَهْلُ الْمَسْجِدِ قَالَ اَبُوْدَاؤدَ رَوَاهُ نَصْرُ الْمُجَدَّرُ عَنْ يَعْقُوْبَ الْقُمِّيِّ وَاَسْنَدَهٗ مِثْلَهٗ قَالَ اَبُوْدَاؤدَ حَدَّثَنَاهُ مُحَمَّدُ ابْنُ عِيْسَى بْنِ الطَّبَّاعِ نَا نَصْرُ الْمُجَدَّرُ عَنْ يَعْقُوْبَ مِثْلَهٗ۔

ابن عباسؓ نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مغرب کے بعد کی دو رکعتوں میں لمبی قرات فرماتے تھے حتیٰ کہ مسجد سے لوگ متفرق ہو جاتے۔ ابوداؤد نے کہا کہ اسے نصر المجدر نے یعقوب قمی سے روایت کی اور مسند کیا۔ پھر ابوداؤد نے

محمد بن عیسیٰ کے طریق سے وہ روایت درج کی۔

شرح: منذری نے کہا ہے کہ یعقوب قمی ضعیف الروی ہے۔ ابوحاتم نے حسین بن عبدالرحمٰن جرجرائی کو مجہول کہا ہے۔ گو دار قطنی نے یعقوب بن عبداللہ قمی ابوالحسن کو غیر قوی کہا ہے مگر بخاری نے صحیح میں اس کا ذکر استشہاداً کیا ہے۔ مولانا نے فرمایا کہ بعض متاخرین نے جو اسے ابن بابویہ قمی رافضی قرار دیا ہے یہ غلط ہے۔ اس حدیث میں یہ صراحت نہیں ہے کہ حضورؐ یہ رکعتیں مسجد میں پڑھتے تھے کیونکہ عام احادیث میں تو آپ کا گھر میں پڑھنا ثابت ہوا ہے۔ ہو سکتا ہے کسی عذر سے مسجد میں پڑھی ہوں مثلاً اعتکاف وغیرہ

۱۳۰۴۔ حَدَّثَنَا اَحْمَدُ بْنُ يُونُسَ وَسُلَيْمَانُ بْنُ دَاوُدَ الْعَتَكِيُّ قَالَا نَا يَعْقُوبُ عَنْ جَعْفَرٍ عَنْ سَعِيدِ بْنِ جُبَيْرٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِمَعْنَاهُ مُرْسَلٌ قَالَ اَبُو دَاوُدَ سَمِعْتُ مُحَمَّدَ بْنَ حُمَيْدٍ يَقُولُ سَمِعْتُ يَعْقُوبَ يَقُولُ كُلُّ شَيْءٍ حَدَّثْتُكُمْ عَنْ جَعْفَرٍ عَنْ سَعِيدِ بْنِ جُبَيْرٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَهُوَ مُسْنَدٌ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ۔

اسی معنی میں سعید بن جبیر نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے مرسل روایت کی ہے۔ ابوداؤد نے کہا کہ میں نے محمد بن حمید سے سنا اس نے کہا کہ میں نے یعقوب سے سنا کہ وہ کہتا تھا: جو کچھ میں تمہیں: جعفر عن سعید بن جبیر عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم روایت کروں وہ مسند ہے اور سعید بن جبیر عن ابن عباس عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم ہے (پس یہ مرسل روایت دراصل موصول ہے)

بَابُ ۳۱۶ الصَّلٰوةِ بَعْدَ الْعِشَاءِ

عشاء کے بعد نماز کا باب

۱۳۰۵۔ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ رَافِعٍ نَا زَيْدُ بْنُ الْحُبَابِ الْعُكْلِيُّ نَا مَالِكُ بْنُ مِغْوَلٍ حَدَّثَنِي مُقَاتِلُ بْنُ بَشِيرٍ الْعِجْلِيُّ عَنْ شُرَيْحِ بْنِ هَانِئٍ عَنْ عَائِشَةَ قَالَ سَأَلْتُهَا عَنْ صَلٰوةِ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَتْ مَا صَلّٰى رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْعِشَاءَ قَطُّ فَدَخَلَ عَلَيَّ اِلَّا صَلّٰى اَرْبَعَ رَكَعَاتٍ اَوْ سِتَّ رَكَعَاتٍ وَلَقَدْ مُطِرْنَا مَرَّةً بِاللَّيْلِ فَطَرَحْنَا لَهُ نِطْعًا فَكَاَنِّي اَنْظُرُ اِلٰى ثَقْبٍ فِيهِ يَنْبُعُ الْمَاءُ مِنْهُ وَمَا رَاَيْتُهُ مُتَّقِيًا الْاَرْضَ بِشَيْءٍ مِنْ ثِيَابِهِ قَطُّ۔

شریح بن ہانی نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز کے متعلق سوال کیا تو انہوں نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب بھی عشاء کی نماز پڑھ کر میرے ہاں تشریف لائے آپ نے چار یا چھ رکعات پڑھیں. ایک دفعہ رات کو بارش ہو گئی تو ہم نے آپ کے لیے چمڑے کا فرش بچھا دیا. بس گویا کہ میں اب بھی (چشم تصور سے) اس میں ایک چھید دیکھ رہی ہوں جس میں سے پانی اُبل رہا تھا اور میں نے آپ کو زمین سے اپنا کوئی کپڑا بچاتے بالکل نہ دیکھا (یہی باعث ہے کہ علمائے حنفیہ نے نماز میں کپڑوں کو سمیٹنے اور بچانے کی کراہت لکھی ہے)

اَبْوَابُ قِيَامِ اللَّيْلِ

بَابُ نَسْخِ قِيَامِ اللَّيْلِ وَالتَّيْسِيرِ فِيهِ

قیام اللیل کی منسوخی کا باب

۱۳۰۶۔ حَدَّثَنَا اَحْمَدُ بْنُ مُحَمَّدٍ الْمَرْوَزِيُّ بْنُ شَبُّوْيَةَ حَدَّثَنِيْ عَلِيُّ بْنُ حُسَيْنٍ عَنْ اَبِيْهِ عَنْ يَزِيْدَ النَّحْوِيِّ عَنْ عِكْرِمَةَ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ فِي الْمُزَّمِّلِ قُمِ اللَّيْلَ اِلَّا قَلِيْلًا نِصْفَهُ نَسَخَتْهَا الْاٰيَةُ الَّتِيْ فِيْهَا عَلِمَ اَنْ لَّنْ تُحْصُوْهُ فَتَابَ عَلَيْكُمْ فَاقْرَءُوْا مَا تَيَسَّرَ مِنَ الْقُرْاٰنِ وَنَاشِئَةَ اللَّيْلِ اَوَّلُهُ وَكَانَتْ صَلَاتُهُمْ لِاَوَّلِ اللَّيْلِ يَقُوْلُ هُوَ اَجْدَرُ اَنْ تُحْصُوْا مَا فَرَضَ اللّٰهُ عَلَيْكُمْ مِنْ قِيَامِ اللَّيْلِ وَذٰلِكَ اِنَّ الْاِنْسَانَ اِذَا نَامَ لَمْ يَدْرِ مَتٰى يَسْتَيْقِظُ وَقَوْلُهُ اَقْوَمُ قِيْلًا هُوَ اَجْدَرُ اَنْ يَفْقَهَ فِي الْقُرْاٰنِ وَقَوْلُهُ اِنَّ لَكَ فِي النَّهَارِ سَبْحًا طَوِيْلًا يَقُوْلُ فَرَاغًا طَوِيْلًا۔

ابن عباس رضی اللہ عنہ نے کہا کہ سورۂ مزمل میں: قُمِ اللَّيْلَ اِلَّا قَلِيْلًا نِصْفَهُ، کو اس آیت نے منسوخ کیا جو اسی سورہ میں ہے: عَلِمَ اَنْ لَّنْ تُحْصُوْهُ فَتَابَ عَلَيْكُمْ فَاقْرَءُوْا مَا تَيَسَّرَ مِنَ الْقُرْاٰنِ۔ اور نَاشِئَةَ اللَّيْلِ کا معنی رات کا پہلا حصہ ہے اور ان کی جو نماز رات کے پہلے حصے میں تھی (عشاء) اللہ تعالیٰ فرماتا ہے اسی کی نگرانی کرنا تمہارے لیے مناسب تر ہے، اللہ تعالیٰ نے تمہارے لیے قیام اللیل (تہجد) کو فرض نہیں کیا، کیونکہ انسان جب سو جائے تو اسے معلوم نہیں ہوتا کہ کب بیدار ہو گا۔ اور اللہ تعالیٰ کا قول: اَقْوَمُ قِيْلًا کا معنی یہ ہے کہ: وہ مناسب تر ہے کہ قرآن کو غور سے پڑھا جائے۔ اللہ تعالیٰ کا قول: اِنَّ لَكَ فِي النَّهَارِ سَبْحًا طَوِيْلًا کا معنی یہ ہے کہ: تمہارے لیے دن میں کافی فراغت ہے۔

(منذری نے علی بن حسین مروزی راوی کو متکلم فیہ بتایا ہے)

شرح: ہم نے جو ترجمہ کیا ہے ابن جریر طبری کی روایت کے الفاظ کے بظاہر اس کے بعض حصے خلاف ہیں، مثلاً اِنَّ نَاشِئَةَ اللَّيْلِ هِيَ اَشَدُّ وَطْئًا کا معنی ابن عباس رض نے یہ بتایا کہ اُن کی رات کے اول حصے کی نماز اَشَدُّ وَطْئًا تھی، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ قیام اللیل میں سے جو کچھ اللہ نے فرض کیا ہے نمازِ عشاء ہی اس بات کے زیادہ لائق ہے کہ تم اس کی نگرانی کرو۔ گویا ابن عباس رض یہاں پر قیام اللیل کا لفظ عام معنی میں بولتے ہیں نہ کہ اصطلاحی معنی (تہجد کے متعلق) میں یہ ابن عباس رض کی تفسیر ہے مرفوع روایت نہیں، مگر امت میں ابن عباس رض کا مفسر قرآن ہونے کے لحاظ سے جو مقام ہے اور حضور نے ان کے لیے جو تعلیم کتاب و حکمت کی دعا فرمائی تھی، اس سے اس تفسیر کی قوت ثابت ہوتی ہے)

۱۳۰۷۔ حَدَّثَنَا اَحْمَدُ بْنُ مُحَمَّدٍ يَعْنِي الْمَرْوَزِيَّ نَا وَكِيعٌ عَنْ مِسْعَرٍ عَنْ سِمَاكٍ الْحَنَفِيِّ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ لَمَّا نَزَلَتْ اَوَّلُ الْمُزَّمِّلِ كَانُوا يَقُومُونَ نَحْوًا مِنْ قِيَامِهِمْ فِي شَهْرِ رَمَضَانَ حَتَّى نَزَلَ اٰخِرُهَا وَكَانَ بَيْنَ اَوَّلِهَا وَاٰخِرِهَا سَنَةٌ

ابن عباس رض نے فرمایا کہ جب سورۂ مزمل کا پہلا حصہ اترا تو صحابہ ماہِ رمضان کی مانند راتوں کو نماز پڑھتے تھے حتیٰ کہ اس کا آخری حصہ نازل ہوا اور پہلے اور پچھلے حصے کے نزول میں ایک سال کا فاصلہ تھا (یہ اندازا فرمایا اور حضرت عائشہ رض کی صحیح حدیث میں بقول منذری اس کی تائید موجود ہے)

شرح: ان احادیث سے قیام اللیل کی فرضیت کا نسخ معلوم ہوا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں علماء کا اختلاف ہے کہ آیا آپ پر بھی نمازِ تہجد کی فرضیت منسوخ ہوئی تھی یا نہیں۔ اُمت کے لیے فضیلت و ترغیب تو بہرحال ایک ثابت شدہ حقیقت ہے۔

بَابُ قِيَامِ اللَّيْلِ

قیام اللیل کا باب

۱۳۰۸۔ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ مَسْلَمَةَ عَنْ مَالِكٍ عَنْ اَبِي الزِّنَادِ عَنِ الْاَعْرَجِ عَنْ اَبِي هُرَيْرَةَ اَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ يَعْقِدُ الشَّيْطَانُ عَلٰى قَافِيَةِ رَاْسِ اَحَدِكُمْ اِذَا هُوَ نَامَ ثَلَاثَ عُقَدٍ يَضْرِبُ مَكَانَ كُلِّ عُقْدَةٍ عَلَيْكَ لَيْلٌ طَوِيلٌ فَارْقُدْ فَاِنِ اسْتَيْقَظَ فَذَكَرَ اللّٰهَ انْحَلَّتْ عُقْدَةٌ فَاِنْ تَوَضَّاَ انْحَلَّتْ عُقْدَةٌ فَاِنْ صَلّٰى انْحَلَّتْ عُقْدَةٌ فَاَصْبَحَ نَشِيطًا طَيِّبَ النَّفْسِ وَاِلَّا

اَصْبَحَ خَبِیْثَ النَّفْسِ کَسْلَانَ۔

ابوہریرۃؓ نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم میں سے ہر ایک کے سر کی چوٹی پر (یا گدی پر) اس کے سوتے وقت تین گرہیں لگاتا ہے۔ ہر گرہ کی جگہ پر (ہاتھ مار کر) کہتا ہے کہ تجھ پر ایک لمبی رات ہے پس سو جا۔ پھر اگر وہ جاگے اور اللہ کی یاد کرے تو ایک گرہ کھل جاتی ہے۔ پھر اگر وہ وضو کر لے تو ایک گرہ اور کھل جاتی ہے۔ پھر اگر وہ نماز پڑھ لے تو تیسری گرہ بھی کھل جاتی ہے پس وہ آمادگی کی حالت میں خوش دل ہو کر صبح کرتا ہے ورنہ حیران و پریشان اور سست ہو کر اٹھتا ہے (بخاری نے اسے کتاب التہجد میں روایت کیا اور مسلم اور نسائی نے بھی)

شرح: بقول بیضاوی محاوراتی و استعاراتی کلام ہے جس سے مراد شیطان کی وسوسہ اندازی اور تسلط ہے تین کا عدد تاکید کو ظاہر کرتا ہے یا اس لیے یہ عدد فرمایا کہ تین کاموں سے یعنی ذکر اللہ، وضو اور نماز سے، یہ شیطانی گرہیں کھلتی ہیں۔ گویا شیطانی اثرات غافل انسان پر وہی عمل کرتے ہیں جو جادوگر لگا کر اور جادو منتر پڑھ کر اپنے معمول و مسحور پر کرتا ہے، اور جادو کا توڑ یہ ہے کہ یہ گرہیں کھول دی جائیں۔

۱۳۰۹۔ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ ابْنُ بَشَّارٍ نَا اَبُوْدَاوُدَ نَا شُعْبَةُ عَنْ يَزِيْدَ ابْنِ خُمَيْرٍ قَالَ سَمِعْتُ عَبْدَ اللهِ بْنَ اَبِيْ قَيْسٍ يَقُوْلُ قَالَتْ عَائِشَةُ لَا تَدَعْ قِيَامَ اللَّيْلِ فَاِنَّ رَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ لَا يَدَعُهُ وَكَانَ اِذَا مَرِضَ اَوْكَسِلَ صَلّٰى قَاعِدًا۔

عبداللہ بن ابی قیس کہتا ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: قیام اللیل کو مت چھوڑ کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اسے نہیں چھوڑتے تھے۔ اور اگر آپ بیمار یا تھکے ہوئے ہوتے تو بیٹھ کر پڑھ لیتے تھے۔

۱۳۱۰۔ حَدَّثَنَا ابْنُ بَشَّارٍ نَا يَحْيٰى نَا ابْنُ عَجْلَانَ عَنِ الْقَعْقَاعِ عَنْ اَبِيْ صَالِحٍ عَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَحِمَ اللهُ رَجُلًا قَامَ مِنَ اللَّيْلِ فَصَلّٰى وَاَيْقَظَ امْرَاَتَهُ فَاِنْ اَبَتْ نَضَحَ فِيْ وَجْهِهَا الْمَاءَ رَحِمَ اللهُ امْرَاَةً قَامَتْ مِنَ اللَّيْلِ فَصَلَّتْ وَاَيْقَظَتْ زَوْجَهَا فَاِنْ اَبٰى نَضَحَتْ فِيْ وَجْهِهِ الْمَاءَ۔

ابوہریرہؓ نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ اس مرد پر رحم کرے جو رات کو اٹھے اور نماز پڑھے اور اپنی عورت کو جگائے، اگر وہ نہ اٹھے تو اس کے چہرے پر پانی چھڑک دے۔ اللہ اس عورت پر رحم کرے

جو رات کو اٹھے اور نماز پڑھے اور اپنے خاوند کو جگائے اور اگر وہ اٹھنے سے انکار کرے تو اس کے منہ پر پانی چھڑک دے (نسائی اور ابن ماجہ نے بھی یہ حدیث روایت کی)

۱۳۱۱۔ حَدَّثَنَا ابْنُ كَثِيرٍ نَا سُفْيَانُ عَنْ مِسْعَرٍ عَنْ عَلِيِّ بْنِ الْأَقْمَرِ ح وَحَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ حَاتِمِ بْنِ بَزِيعٍ نَا عُبَيْدُ اللهِ ابْنُ مُوسَى عَنْ شَيْبَانَ عَنِ الْأَعْمَشِ عَنْ عَلِيِّ بْنِ الْأَقْمَرِ عَنِ الْأَغَرِّ عَنْ أَبِي سَعِيدٍ وَأَبِي هُرَيْرَةَ قَالَا قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا أَيْقَظَ الرَّجُلُ أَهْلَهُ مِنَ اللَّيْلِ فَصَلَّيَا أَوْ صَلَّى رَكْعَتَيْنِ جَمِيعًا كُتِبَ فِي الذَّاكِرِينَ وَالذَّاكِرَاتِ وَلَمْ يَرْفَعْهُ ابْنُ كَثِيرٍ وَلَا ذَكَرَ أَبَا هُرَيْرَةَ جَعَلَهُ كَلَامَ أَبِي سَعِيدٍ قَالَ أَبُو دَاوُدَ رَوَاهُ ابْنُ مَهْدِيٍّ عَنْ سُفْيَانَ قَالَ وَأُرَاهُ ذَكَرَ أَبَا هُرَيْرَةَ قَالَ أَبُو دَاوُدَ وَحَدِيثُ سُفْيَانَ مَوْقُوفٌ۔

ابو سعیدؓ اور ابو ہریرہؓ نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب مرد اپنی بیوی کو رات کو جگائے اور وہ دونوں دو رکعت پڑھیں تو انہیں ذکر کرنے والے مردوں اور ذاکرہ عورتوں میں لکھا جاتا ہے۔ راوی ابن کثیر نے اسے مرفوع بیان نہیں کیا اور نہ ابو ہریرہؓ کا نام لیا بلکہ اس نے اُسے ابو سعیدؓ کا کلام قرار دیا ہے۔ ابو داؤد نے کہا: ابن مہدی نے اسے سفیان سے روایت کیا اور میرے خیال میں ابو ہریرہؓ کا ذکر کیا ہے۔ ابو داؤد نے کہا کہ سفیان کی حدیث موقوف ہے (بیہقی میں سفیان کی حدیث مرفوع۔ نسائی اور ابن ماجہ نے بھی یہ حدیث مسند بیان کی ہے)

بَابُ النُّعَاسِ فِي الصَّلٰوةِ

نماز میں اونگھنے کا باب

۱۳۱۲۔ حَدَّثَنَا الْقَعْنَبِيُّ عَنْ مَالِكٍ عَنْ هِشَامِ بْنِ عُرْوَةَ عَنْ أَبِيهِ عَنْ عَائِشَةَ زَوْجِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ إِذَا نَعَسَ أَحَدُكُمْ فِي الصَّلٰوةِ فَلْيَرْقُدْ حَتّٰى يَذْهَبَ عَنْهُ النَّوْمُ فَإِنَّ أَحَدَكُمْ إِذَا صَلّٰى وَهُوَ نَاعِسٌ لَعَلَّهُ يَذْهَبُ يَسْتَغْفِرُ فَيَسُبُّ نَفْسَهُ۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجۂ مطہرہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم میں سے جب کوئی نماز میں اونگھے تو سو جائے تاکہ اس کی نیند جاتی رہے کیونکہ جب تم میں سے کوئی نماز پڑھے اس حالت میں کہ وہ اونگھ

رہا ہو تو کیا پتہ کہ جب وہ استغفار کرنا چاہے تو اپنے آپ کو گالی دیتا ہو (بخاری، مسلم، نسائی، ترمذی، ابن ماجہ نے بھی یہ حدیث روایت کی ہے)

(شرح) مثلاً وہ کہہ رہا ہو: اَللّٰهُمَّ اغْفِرْ (اے اللہ بخش دے) اور زبان سے نکل جائے: اَللّٰهُمَّ اعْفِرْ (اے اللہ خاک آلود، ذلیل کر۔ معاذ اللہ) اب غ اور ع کے فرق میں معنی میں زمین و آسمان کا فرق پڑ گیا۔ اس پر یہ شبہ وارد ہوتا ہے کہ یہ بے اختیاری کی حالت ہے جس میں شعور نہیں ہوتا اور بروئے حدیث خطاء و نسیان تو معاف ہے اور اللہ تعالے نے لغو قسمیں کھانے کی معافی دے دی ہے: لَا يُؤَاخِذُكُمُ اللّٰهُ بِاللَّغْوِ فِيْ اَيْمَانِكُمْ ۔ سو اس حالت کے اقوال و افعال کی مذمت کیونکر فرمائی گئی جواب اس کا یہ ہے کہ بے شک اس حالت کے قول و فعل معاف ہیں مگر یہ کسی ضرر کا سبب تو بن سکتے ہیں جیسا کہ کوئی بھول چوک سے زہر پھانک لے تو مادی نتیجہ ضرور مرتب ہو جاتا ہے۔ حدیث میں ہے کہ: اپنے لیے اپنی اولاد اور مال کے لیے بددعا مت کرو۔ اب کوئی انسان بددعا سے اپنی یا اولاد کی ہلاکت تو نہیں چاہتا محض حالت غضب میں ان کلمات کا صدور ہوتا ہے لیکن اگر اتفاق سے وہ اجابت کا وقت ہو اور دعا قبول ہو جائے تو باعث ضرر تو ہو گئی۔

۱۳۱۳۔ حَدَّثَنَا اَحْمَدُ بْنُ حَنْبَلٍ نَا عَبْدُ الرَّزَّاقِ اَنَا مَعْمَرٌ عَنْ هَمَّامِ بْنِ مُنَبِّهٍ عَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا قَامَ اَحَدُكُمْ مِنَ اللَّيْلِ فَاسْتَعْجَمَ الْقُرْاٰنُ عَلٰى لِسَانِهٖ فَلَمْ يَدْرِ مَا يَقُوْلُ فَلْيَضْطَجِعْ۔

ابوہریرہؓ نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب تم میں سے کوئی شخص رات کو اٹھے اور قرآن اس کی زبان سے بمشکل نکلے اور اسے یہ نہ پتہ چلے کہ کیا کہتا ہوں تو وہ لیٹ جائے (مسلم اور ترمذی نے بھی اسے روایت کیا ہے)

۱۳۱۴۔ حَدَّثَنَا زِيَادُ بْنُ اَيُّوْبَ وَهَارُوْنُ بْنُ عَبَّادٍ الْاَزْدِيُّ اَنَّ اِسْمٰعِيْلَ بْنَ اِبْرَاهِيْمَ حَدَّثَهُمْ قَالَ نَا عَبْدُ الْعَزِيْزِ عَنْ اَنَسٍ قَالَ دَخَلَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْمَسْجِدَ وَحَبْلٌ مَمْدُوْدٌ بَيْنَ سَارِيَتَيْنِ فَقَالَ مَا هٰذَا الْحَبْلُ فَقِيْلَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ هٰذِهٖ حَمْنَةُ ابْنَةُ جَحْشٍ تُصَلِّيْ فَاِذَا اَعْيَتْ تَعَلَّقَتْ بِهٖ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِتُصَلِّ مَا اَطَاقَتْ فَاِذَا اَعْيَتْ فَلْتَجْلِسْ قَالَ زِيَادٌ فَقَالَ مَا هٰذَا قَالُوْا لِزَيْنَبَ تُصَلِّيْ فَاِذَا كَسِلَتْ اَوْ فَتَرَتْ اَمْسَكَتْ بِهٖ فَقَالَ حُلُّوْهُ فَقَالَ لِيُصَلِّ اَحَدُكُمْ نَشَاطَهٗ فَاِذَا كَسِلَ اَوْ فَتَرَ فَلْيَقْعُدْ۔

انسؓ نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مسجد میں داخل ہوئے اور دو ستونوں کے درمیان ایک رسی بندھی ہوئی تھی

آپ نے فرمایا کہ یہ رسی کیسی ہے؟ جواب دیا گیا کہ یا رسول اللہ یہ حمنہ بنت جحش نماز پڑھتی ہے اور جب تھک جائے تو اس کے ساتھ لٹک جاتی ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب تک اسے طاقت ہو نماز پڑھے اور جب تھک جائے تو بیٹھ جائے۔ زیاد نے کہا کہ حضورؐ نے پوچھا یہ کیا ہے لوگوں نے کہا کہ: یہ زینبؓ کی رسی ہے، وہ نماز پڑھتی ہے اور جب سست ہو جائے یا اعضاء میں فتور آ جائے تو اس کو پکڑ لیتی ہے۔ آپؐ نے فرمایا اسے کھول دو تم میں سے کوئی نشاط و آمادگی کی حالت میں نماز پڑھے، پس جب سست ہو جائے یا تھک جائے تو بیٹھ جائے (بخاری مسلم اور نسائی نے بھی اس کی روایت کی ہے) اس حدیث سے بوقتِ شب بعض خواتین کا مسجد میں عبادت کرنا ثابت ہوا

بَابٌ مَنْ نَامَ عَنْ حِزْبِهٖ

باب۔ جو اپنے ورد و ظیفے سے سو جائے

۱۳۱۵۔ حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ نَا أَبُو صَفْوَانَ عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ سَعِيدِ بْنِ عَبْدِ الْمَلِكِ بْنِ مَرْوَانَ ح وَحَدَّثَنَا سُلَيْمَانُ بْنُ دَاوُدَ وَمُحَمَّدُ بْنُ سَلَمَةَ الْمُرَادِيُّ قَالَا نَا ابْنُ وَهْبٍ الْمَعْنٰى عَنْ يُونُسَ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ أَنَّ السَّائِبَ بْنَ يَزِيدَ وَعُبَيْدَ اللّٰهِ أَخْبَرَاهُ أَنَّ عَبْدَ الرَّحْمٰنِ بْنَ عَبْدٍ قَالَا عَنِ ابْنِ وَهْبِ بْنِ عَبْدِ الْقَارِيِّ قَالَ سَمِعْتُ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ يَقُولُ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ نَامَ عَنْ حِزْبِهٖ أَوْ عَنْ شَيْءٍ مِنْهُ فَقَرَأَهُ مَا بَيْنَ صَلٰوةِ الْفَجْرِ وَصَلٰوةِ الظُّهْرِ كُتِبَ لَهٗ كَأَنَّمَا قَرَأَهُ مِنَ اللَّيْلِ۔

ابن وہب بن عبد القاری نے کہا کہ میں نے عمرؓ بن الخطاب کو یہ کہتے سنا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا جو اپنا ورد کئے بغیر، یا اس کا کچھ حصہ کر کے سو گیا پھر اسے نماز فجر اور نماز ظہر کے درمیان پڑھ لیا تو اس کے لیے لکھا گیا کہ گویا اس نے رات کو ہی پڑھا تھا (مسلم، نسائی، ترمذی اور ابن ماجہ نے بھی اسے روایت کیا ہے)

بَابٌ مَنْ نَوَى الْقِيَامَ فَنَامَ

باب۔ اس شخص کے بارے میں جس نے قیام کی نیت کی پھر سو گیا

۱۳۱۶۔ حَدَّثَنَا الْقَعْنَبِيُّ عَنْ مَالِكٍ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ الْمُنْكَدِرِ عَنْ سَعِيدِ بْنِ جُبَيْرٍ عَنْ رَجُلٍ عِنْدَهُ رَضِيٍّ أَنَّ عَائِشَةَ زَوْجَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَخْبَرَتْهُ

اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ مَا مِنْ اِمْرِئٍ تَکُوْنُ لَہٗ صَلٰوۃٌ بِلَیْلٍ یَغْلِبُہٗ عَلَیْھَا نَوْمٌ اِلَّا کُتِبَ لَہٗ اَجْرُ صَلٰوتِہٖ وَکَانَ نَوْمُہٗ عَلَیْہِ صَدَقَۃً۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجۂ مکرمہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے خبر دی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص رات کو نماز پڑھا کرتا ہو لیکن اس پر نیند کا غلبہ ہو گیا تو اس کے لیے اس کی نماز کا اجر لکھا گیا اور اس کی نیند اس پر صدقہ ہو گی۔ (امام نسائی نے بھی یہ حدیث روایت کی ہے)

شرح: سعید بن جبیر نے یہ روایت ایسے شخص سے کی جو اس کے نزدیک پسندیدہ تھا، تہذیب التہذیب میں ہے کہ یہ مبہم شخص الاسود بن یزید نخعی ہے جو واقعی ایک ثقہ شخص ہے۔ ورنہ اگر کوئی ایسی روایت کرے تو دلیل اصول حدیث کی رو سے جب تک اس کی ثقاہت نہ ثابت ہو جائے وہ روایت مقبول نہیں ہے۔

بَابُ اَیِّ اللَّیْلِ اَفْضَلُ

باب رات کا کونسا حصہ افضل ہے

۱۳۱۷۔ حَدَّثَنَا الْقَعْنَبِیُّ عَنْ مَالِكٍ عَنِ ابْنِ شِھَابٍ عَنْ اَبِیْ سَلَمَۃَ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ وَعَنْ اَبِیْ عَبْدِ اللّٰہِ الْاَغَرِّ عَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ یَنْزِلُ رَبُّنَا عَزَّ وَجَلَّ کُلَّ لَیْلَۃٍ اِلَی السَّمَاءِ الدُّنْیَا حِیْنَ یَبْقٰی ثُلُثُ اللَّیْلِ الْاٰخِرُ فَیَقُوْلُ مَنْ یَّدْعُوْنِیْ فَاَسْتَجِیْبَ لَہٗ مَنْ یَّسْاَلُنِیْ فَاُعْطِیَہٗ مَنْ یَّسْتَغْفِرُنِیْ فَاَغْفِرَ لَہٗ۔

ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہمارا پروردگار صاحب عزت و جلال ہر رات کو نچلے آسمان کی طرف نزول فرماتا ہے جبکہ رات کا آخری تیسرا حصہ باقی رہ جاتا ہے۔ پس وہ کہتا ہے: کون ہے جو مجھ سے دعا کرے تو میں اس کی دعا قبول کروں! کون ہے جو مجھ سے مانگے تو میں اسے عطا کروں! کون ہے جو مجھ سے بخشش طلب کرے تو میں اسے بخش دوں! (اسے بخاری، مسلم، ترمذی اور ابن ماجہ نے بھی روایت کیا ہے)

شرح: محدث علی القاری نے حافظ ابن حجر کے حوالے سے کہا ہے کہ اس نزول سے مراد اللہ کے امر اور اس کی رحمت کا نزول ہے یا اس کے ملائکہ کا نزول ہے اور یہ امام مالک وغیرہ کی تاویل ہے اور اس کی دلیل ایک صحیح حدیث ہے کہ: رات کا بڑا حصہ گزر جانے پر اللہ تعالیٰ ایک پکارنے والے کو حکم دیتا ہے جو پکار کر کہتا ہے: ہے کوئی دعا کرنے والا کہ اس کی دعا قبول کی جائے! الخ۔ دوسری تاویل بھی امام مالک کی طرف منسوب ہے کہ یہ ایک استعارہ ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ دعا کرنے والے کی دعا کو قبول کرنے کی طرف متوجہ ہوتا ہے اور لطف و رحمت فرماتا ہے اور اس کی معذرت قبول کرتا ہے جیسا کہ سخیوں کی عادت ہے خاص کر بادشاہوں کی کہ جب وہ مصیبت زدہ

غمزدہ محتاجوں کے قریب اُتریں تو منادی کراتے ہیں کہ حاجتمند آئیں اور حاجات طلب کریں۔

نوویؒ نے شرح مسلم میں کہا ہے کہ یہ اور اس قسم کی دیگر احادیث صفات کے متعلق اور آیات صفات کے متعلق دو مشہور مذہب ہیں۔ پس جمہور سلف اور بعض متکلمین کا مذہب تو یہ ہے کہ ہمارا ان کی حقیقت پر اُسی طرح ایمان ہے کہ اللہ تعالیٰ کی شان اور صفات جلال و کمال کے لائق ہے اور یہ ایک محاوراتی و استعاراتی کلام ہے جس کا ظاہر مراد نہیں کیونکہ خالق پر مخلوق کی صفات کا اطلاق ناممکن ہے۔ اور ہم ان کی تاویل میں بھی کچھ نہیں کہتے اور اس بات پر ایمان رکھتے ہیں کہ ان آیات و احادیث کی تاویل وہی کی جا سکتی ہے جو ان کے بواطن کے لحاظ سے ان کے مناسب ہو۔ پس اس مذہب کے مطابق اس حدیث کی وہ دو تاویلیں ہیں جو اوپر بیان ہوئیں۔

نوویؒ، ابواسحاق شیرازیؒ، امام الحرمینؒ اور امام غزالیؒ وغیرہم ائمہ اہل حق کے کلام سے معلوم ہوتا ہے کہ دونوں مذہب اس پر متفق ہیں کہ ان صفات کے ظواہر مثلاً آنا، صورت، شخص، نزول، قول، استواء، پاؤں، قدم، پنڈلی، ہاتھ، چہرہ، غضب، رحمت، آسمان میں ہونا وغیرہا کا ظاہری معنی ترک کیا جائے، کیونکہ ایسا نہ کریں گے تو کفر و تشبیہ اور الحاد لازم آئے گا۔ اس لئے تمام سلف و خلف ان کے بالکل ظاہری مراد نہ لینے پر متفق ہیں۔ اختلاف صرف یہ ہے کہ کیا اللہ تعالیٰ کو کسی اور شئے کے ساتھ مشابہ قرار نہ دے کر صرف یہ ایمان واجب ہے کہ ہمارا ان صفات پر ایمان ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ کی شانِ عزت و جلال و قدرت کے لائق ہے، یا ان کی کچھ تاویل کرنا جس سے اللہ تعالیٰ کے لیے تشبیہ بھی لازم نہ آئے اور اس کی شان تنزیہ بھی قائم رہے۔ جائز ہے۔ پہلا مذہب اکثر سلف کا ہے اور یہ اجمالی تاویل ہے۔ دوسرا مذہب اکثر خلف کا ہے اور اس میں تاویل تفصیلی ہے۔ مآل دونوں کا ایک ہے صرف تفہیم و بیان کا فرق ہے۔ خلف کو قدریہ، جہمیہ، معتزلہ، جبریہ وغیرہ فرقوں کا رد کرنا پڑا جو بغیر تاویل کے ممکن نہ تھا۔

بَابُ وَقْتِ قِيَامِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنَ اللَّيْلِ

قیام اللیل کے لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اٹھنے کا باب

۱۳۱۸ - حَدَّثَنَا حُسَيْنُ بْنُ يَزِيدَ الْكُوفِيُّ نَا حَفْصٌ عَنْ هِشَامِ بْنِ عُرْوَةَ عَنْ أَبِيهِ عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ إِنْ كَانَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَيُوقِظُهُ اللّٰهُ عَزَّ وَجَلَّ بِاللَّيْلِ فَمَا يَجِيءُ السَّحَرُ حَتّٰى يَفْرُغَ مِنْ حِزْبِهِ۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ عزوجل رات کو جگاتا تھا پس وقت سحر تک آپ اپنے ورد سے فارغ ہو جاتے تھے۔

۱۳۱۹ - حَدَّثَنَا إِبْرَاهِيمُ بْنُ مُوسٰى حَدَّثَنَا أَبُو الْأَحْوَصِ ح وَحَدَّثَنَا هَنَّادٌ

عَنْ اَبِی الْاَحْوَصِ وَھٰذَا حَدِیْثُ اِبْرَاھِیْمَ عَنْ اَشْعَثَ عَنْ اَبِیْہِ عَنْ مَسْرُوْقٍ قَالَ سَأَلْتُ عَائِشَۃَ عَنْ صَلٰوۃِ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَقُلْتُ لَھَا اَیَّ حِیْنٍ کَانَ یُصَلِّیْ قَالَتْ کَانَ اِذَا سَمِعَ الصُّرَاخَ قَامَ فَصَلّٰی۔

مسروق نے کہا کہ میں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز کے متعلق سوال کیا اور کہا کہ حضورؐ کس وقت نماز پڑھتے؟ انھوں نے فرمایا کہ جب مُرغ کی آواز سنتے تو اٹھ کر نماز پڑھتے تھے (بخاری، مسلم اور نسائی نے بھی اسے روایت کیا ہے) حجاز میں مرغ اکثر نصف رات کے بعد بولتا ہے اور یہ حضورؐ کے اوقاتِ تہجد میں اکثر کا بیان ہے جیساکہ شارح طیبی نے کہا۔

۱۳۲۰۔ حَدَّثَنَا اَبُوْ تَوْبَۃَ عَنْ اِبْرَاھِیْمَ بْنِ سَعْدٍ عَنْ اَبِیْہِ عَنْ اَبِیْ سَلَمَۃَ عَنْ عَائِشَۃَ قَالَتْ مَا اَلْفَاہُ السَّحَرُ عِنْدِیْ اِلَّا نَائِمًا تَعْنِی النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ

عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو بوقتِ سحر اپنے ہاں سویا ہوا پاتی تھی (بخاری، مسلم اور ابن ماجہ میں بھی یہ حدیث موجود ہے)

شرح: پیچھے گزر چکا ہے کہ حضورؐ بوقتِ سحر ذرا راحت کے لیے بعد از تہجد لیٹ جاتے تھے۔ بعض دفعہ ایسا بھی ہوتا ہوگا کہ نمازِ تہجد ذرا پہلے ادا فرمائی اور پھر بوقتِ سحر سو گئے۔

۱۳۲۱۔ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عِیْسٰی نَا یَحْیَی بْنُ زَکَرِیَّا عَنْ عِکْرِمَۃَ بْنِ عَمَّارٍ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ عَبْدِ اللّٰہِ الدُّؤَلِیِّ عَنْ عَبْدِ الْعَزِیْزِ بْنِ اَخِیْ حُذَیْفَۃَ عَنْ حُذَیْفَۃَ قَالَ کَانَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِذَا حَزَبَہٗ اَمْرٌ صَلّٰی۔

حذیفہؓ نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو جب کوئی امر درپیش ہوتا تو نماز پڑھتے تھے (محدث علی القاریؒ نے ایسی نماز کو صلوٰۃ الحاجت قرار دیا ہے کیونکہ ضرورت کے سوا اس کا کوئی اور سبب نہیں ہوتا)

۱۳۲۲۔ حَدَّثَنَا ھِشَامُ بْنُ عَمَّارٍ نَا الْھِقْلُ بْنُ زِیَادٍ السَّکْسَکِیُّ نَا الْاَوْزَاعِیُّ عَنْ یَحْیَی بْنِ اَبِیْ کَثِیْرٍ عَنْ اَبِیْ سَلَمَۃَ قَالَ سَمِعْتُ رَبِیْعَۃَ بْنَ کَعْبٍ الْاَسْلَمِیَّ یَقُوْلُ کُنْتُ اَبِیْتُ مَعَ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اٰتِیْہِ بِوَضُوْئِہٖ وَلِحَاجَتِہٖ فَقَالَ سَلْنِیْ فَقُلْتُ مُرَافَقَتَکَ فِی الْجَنَّۃِ قَالَ اَوْ غَیْرَ ذٰلِکَ قُلْتُ ھُوَ ذَاکَ قَالَ فَاَعِنِّیْ عَلٰی

نَفْسِكَ بِكَثْرَةِ السُّجُودِ۔

ربیعہ ابن کعب اسلمی کہتے تھے کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس رات گزارتا تھا اور آپ کے لیے پانی اور دیگر ضروریات مہیا کرتا تھا پس آپ نے فرمایا: مجھ سے سوال کرو۔ میں نے کہا کہ میں جنت میں آپ کی رفاقت مانگتا ہوں۔ فرمایا کیا اس کے علاوہ کچھ مانگتے ہو؟ میں نے کہا: بس یہی۔ فرمایا پھر کثرت سجود کے ساتھ اپنے بارے میں میری اعانت کرو (یہ مسلم، نسائی، ترمذی اور ابن ماجہ میں بھی آئی ہے۔ اور کتب صحاح ستہ میں ربیعہ بن کعب اسلمی کی صرف یہی ایک حدیث ہے)

شرح: سبحان اللہ، قربان جائیے اس خلوص اور پختگی ایمان کے کہ آپ کی رفاقت کے سوا کوئی اور آرزو ہی نہیں۔ اللہ اللہ یہ کیسے فرشتہ نما انسان تھے! اور پھر قربان جائیے حضور کی شان تربیت کے، کہ فرمایا: تم کثرت سجود سے میری مدد کرو۔ یعنی میں تو دعا کروں گا ہی، تم بھی اپنے آپ کو اس مرتبے کا اہل بنانے کی کوشش کرو۔ صلی اللہ علیہ وسلم ورضی اللہ عنہم۔

۱۳۲۳۔ حَدَّثَنَا أَبُو كَامِلٍ نَا يَزِيدُ بْنُ زُرَيْعٍ نَا سَعِيدٌ عَنْ قَتَادَةَ عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ فِي هٰذِهِ الْآيَةِ تَتَجَافَى جُنُوبُهُمْ عَنِ الْمَضَاجِعِ يَدْعُونَ رَبَّهُمْ خَوْفًا وَّطَمَعًا وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُونَ قَالَ كَانُوا يَتَيَقَّظُونَ مَا بَيْنَ الْمَغْرِبِ وَالْعِشَاءِ يُصَلُّونَ قَالَ وَكَانَ الْحَسَنُ يَقُولُ قِيَامُ اللَّيْلِ۔

قتادہ نے انس بن مالک سے اس آیت کی تفسیر نقل کی ہے: تَتَجَافَى جُنُوبُهُمْ عَنِ الْمَضَاجِعِ يَدْعُونَ رَبَّهُمْ خَوْفًا وَّطَمَعًا وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُونَ ۞ انس نے کہا صحابہ کرام نماز مغرب اور عشاء کے درمیان بیدار رہتے اور نماز پڑھتے تھے۔ قتادہ نے کہا کہ حسن کہتے تھے اس سے مراد قیام اللیل ہے۔

شرح: یہ سورۂ سجدہ کی آیت نمبر ۱۶ ہے اور اس کا ترجمہ یہ ہے: "ان کے پہلو خوابگاہوں سے جدا رہتے ہیں، اللہ سے ڈر کر اور لالچ سے دعا کرتے ہیں اور ہمارے دیئے ہوئے رزق میں سے کچھ خرچ کرتے ہیں"۔ رات کو جب لوگ سو جاتے ہیں تو جو لوگ اس وقت عبادت میں لگے ہوتے ہیں یہ ان کی مدح ہے۔ یاد رہے کہ حضور کی مسجد میں عشاء کی نماز کافی دیر سے ہوتی تھی جیسا کہ صحاح میں ثابت ہے، اور ظاہر ہے کہ یہ وقت سونے والوں کے لیے میٹھی نیند کا ہے۔ پس انس کی تفسیر بھی صحیح ہے اور حسن بصری کی ہے۔

۱۳۲۴۔ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الْمُثَنّٰى نَا يَحْيَى بْنُ سَعِيدٍ وَابْنُ عَدِيٍّ عَنْ قَتَادَةَ عَنْ أَنَسٍ فِي قَوْلِهِ كَانُوا قَلِيلًا مِّنَ اللَّيْلِ مَا يَهْجَعُونَ قَالَ كَانُوا يُصَلُّونَ فِيمَا بَيْنَ

الْمَغْرِبِ وَالْعِشَاءِ زَادَ فِي حَدِيثِ يَحْيَى وَكَذَٰلِكَ تَتَجَافَى جُنُوبُهُمْ ۔

قتادہؒ نے انس رضؓ سے اس آیت کی تفسیر نقل کی ہے: كَانُوا قَلِيلًا مِّنَ اللَّيْلِ مَا يَهْجَعُونَ ۝ انس رضؓ نے کہا کہ وہ لوگ مغرب اور عشاء کے درمیان نماز پڑھتے تھے۔ یحییٰ کی روایت میں یہ جملہ زائد ہے کہ: اور اسی طرح تَتَجَافَى جُنُوبُهُمْ کا مطلب بھی ہے۔ (یہ سورۂ ذاریات آیت، ا کی تفسیر ہے۔ ترجمہ اس کا یہ ہے۔ "وہ رات کو کم ہی سوتے تھے" انس رضؓ کی تفسیر کے مطابق آیت کا مطلب یہ بنتا ہے کہ وہ رات کے بعض حصے میں (یعنی مغرب و عشاء کے درمیان) کم سوتے تھے۔ گرم ملک کے باشندے تھے، پہلے سے اتنا جاگنے کی عادت نہ تھی، محنت مزدوری کرتے تھے اور نیند جلدی آجاتی تھی، مگر عشاء کی خاطر جاگتے اور اس وقت تک عبادت کرتے تھے۔)

بَابُ افْتِتَاحِ صَلٰوةِ اللَّيْلِ بِرَكْعَتَيْنِ ۔

دو رکعتوں کے ساتھ صلوٰۃ اللیل شروع کرنے کا باب

۱۳۲۵۔ حَدَّثَنَا الرَّبِيعُ بْنُ نَافِعٍ أَبُو تَوْبَةَ نَا سُلَيْمَانُ بْنُ حَيَّانَ عَنْ هِشَامِ بْنِ حَسَّانَ عَنِ ابْنِ سِيرِينَ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا قَامَ أَحَدُكُمْ مِنَ اللَّيْلِ فَلْيُصَلِّ رَكْعَتَيْنِ خَفِيفَتَيْنِ ۔

ابوہریرہ رضؓ نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب تم میں سے کوئی رات کو اٹھے تو دو ہلکی رکعتیں پڑھے۔ (یہ حدیث صحیح مسلم میں بھی ہے)

شرح: اس حدیث کے ظاہری الفاظ سے باب کے عنوان کا مضمون ثابت نہیں ہوتا مگر صحیح مسلم میں حضرت عائشہ صدیقہ رضؓ کی صحیح حدیث میں ان دو ہلکی رکعتوں کے ساتھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے افتتاح صلاۃ اللیل کا ذکر فرمایا ہے، جس سے معلوم ہوا کہ اس حدیث میں بھی دو خفیف رکعتوں کے ساتھ صلاۃ اللیل کا شروع کرنا مراد ہے۔ علامہ علی القاری ؒ نے الازہار کے حوالے سے لکھا ہے کہ یہ دو رکعتیں تحیۃ الوضوء کی ہیں مگر زیادہ ظاہر بات یہ ہے کہ یہ رکعتیں تہجد کا حصہ ہیں ہلکی اس لیے فرمایا کہ یک لخت طویل قرأت اور طویل نماز کو طبیعت بوجھ نہ سمجھے اور کہا جا سکتا ہے کہ یہ دو رکعتیں تحیۃ الوضوء کی نماز کا بدل بھی ہیں۔

۱۳۲۶۔ حَدَّثَنَا مَخْلَدُ بْنُ خَالِدٍ نَا إِبْرَاهِيمُ يَعْنِي ابْنَ خَالِدٍ عَنْ رَبَاحٍ عَنْ مَعْمَرٍ عَنْ أَيُّوبَ عَنِ ابْنِ سِيرِينَ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ إِذَا بِمَعْنَاهُ زَادَ ثُمَّ لِيُطَوِّلْ بَعْدُ مَا شَاءَ قَالَ أَبُو دَاوُدَ رَوَى هٰذَا الْحَدِيثَ حَمَّادُ بْنُ سَلَمَةَ وَزُهَيْرُ بْنُ مُعَاوِيَةَ

وَجَمَاعَةٌ عَنْ هِشَامٍ أَوْقَفُوهُ عَلَى أَبِي هُرَيْرَةَ وَكَذَلِكَ رَوَاهُ أَيُّوبُ وَابْنُ عَوْنٍ أَوْقَفُوهُ عَلَى أَبِي هُرَيْرَةَ وَرَوَاهُ ابْنُ عَوْنٍ عَنْ مُحَمَّدٍ قَالَ فِيهِمَا تَجَوَّزْ۔

ابوہریرہؓ نے بھی اسی معنیٰ کی روایت بیان کی اور یہ اضافہ کیا کہ: اس کے بعد جتنی چاہے طویل نماز پڑھے۔ ابوداؤدؒ نے کہا کہ اس حدیث کو حماد بن سلمہ، زہیر بن معاویہ اور ایک جماعت نے عن ہشام عن محمد بن سیرین روایت کر کے ابوہریرہؓ پر موقوف کیا ہے اور اسی طرح ایوب اور ابن عون نے اسے ابوہریرہؓ پر موقوف کیا ہے اور ابن عون نے اسے محمد بن سیرین سے روایت کر کے کہا: ان دو رکعتوں میں اختصار ہے (بیہقی نے بھی یہ روایت مرفوع و موقوف دونوں طرح سے روایت کی ہے)

۱۳۲۷۔ حَدَّثَنَا ابْنُ حَنْبَلٍ يَعْنِي أَحْمَدَ نَا حَجَّاجٌ قَالَ قَالَ ابْنُ جُرَيْجٍ أَخْبَرَنِي عُثْمَانُ بْنُ أَبِي سُلَيْمَانَ عَنِ الْأَزْدِيِّ عَنْ عُبَيْدِ بْنِ عُمَيْرٍ عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ حُبْشِيٍّ الْخَثْعَمِيِّ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سُئِلَ أَيُّ الْأَعْمَالِ أَفْضَلُ قَالَ طُولُ الْقِيَامِ۔

عبداللہ بن حبشی خثعمی سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا گیا: کون سا عمل افضل ہے؟ آپؐ نے فرمایا طولِ قیام (یہ حدیث نسائی نے بھی روایت کی اور مسلم اور ترمذی نے اسے جابرؓ سے روایت کیا ہے۔ اس میں طول القنوت کا لفظ ہے)

شرح: امام ترمذی نے فرمایا ہے کہ اہل علم کا اس میں اختلاف ہے، بعض نے کہا کہ نماز میں طول قیام کثرت رکوع و سجود سے افضل ہے اور بعض نے کہا کہ کثرتِ رکوع و سجود طولِ قیام سے افضل ہے۔ امام احمد بن حنبل نے فرمایا کہ اس مضمون میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دو حدیثیں مروی ہیں اور احمدؒ نے ان میں کوئی فیصلہ نہیں کیا۔ اسحاق بن راہویہ نے کہا کہ دن کی نماز میں کثرتِ رکوع و سجود افضل ہے اور رات کی نماز میں طول قیام افضل ہے اور اگر کوئی آدمی رات کو نماز میں تلاوت کرنا چاہے تو اس کے لیے مجھے کثرت رکوع و سجود زیادہ محبوب ہے تاکہ اسے قرآت کا ثواب بھی ملے اور کثرتِ رکوع و سجود کا بھی۔ ترمذی کہتے ہیں کہ اسحاق کا یہ قول اس لیے ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز کا یہی وصف آیا ہے کہ رات کو آپ طولِ قیام فرماتے تھے مگر دن کی نماز میں آپ کی نماز میں طول نہیں آیا جیسا کہ رات کی نماز میں آیا ہے۔

شوکانی نے نیل الاوطار میں نوویؒ سے نقل کیا ہے کہ اس مسئلہ میں کئی مذاہب ہیں۔ (۱) ایک یہ کہ سجود کو لمبا کرنا اور رکوع و سجود کی کثرت افضل ہے۔ ترمذی اور بغوی نے یہ مذہب ایک جماعت سے نقل کیا ہے اور ابن عمرؓ کا بھی یہی قول ہے (۲) دوسرا قول یہ ہے کہ حدیث جابرؓ کے باعث طول قیام افضل ہے اور شافعیؒ اور ایک جماعت کا یہی مذہب ہے (۳) تیسرا قول یہ کہ یہ دونوں برابر ہیں اور احمد بن حنبلؒ کا یہی مسلک ہے۔

نوویؒ نے کہا کہ فضل سجود میں جو احادیث ہیں یہ حدیث اُن کے معارض نہیں ہے کیونکہ افضل کا لفظ جو تفضیل پر دلالت کرتا ہے وہ صرف طولِ قیام میں ہی آیا ہے۔ اور حدیث: مَا تَقَرَّبَ الْعَبْدُ إِلَى اللَّهِ بِأَفْضَلَ مِنْ

سُجودِ خفی " مخفی سجدے سے کوئی افضل چیز نہیں جس سے بندہ اللہ کے قریب ہو سکے "۔ مرسل ہے لہٰذا صحیح نہیں اور اس کی سند میں ابن ابی مریم ضعیف راوی ہے۔ اور وہ جو صحیح حدیث میں ہے کہ بندہ سجدے کی حالت میں اپنے رب سے قریب تر ہوتا ہے، وہ اجابت دعاء کے باعث ہے سجدے کی قیام پر افضلیت کے سبب سے نہیں۔

حافظ عراقی نے کہا ہے کہ بظاہر طول قیام کی افضلیت کی احادیث نمازِ نفل پر محمول ہیں جس میں کہ جماعت مشروع نہیں اور منفرد کی نماز پر محمول ہیں۔ لیکن امام فرائض یا نوافل میں تخفیف مشروع پر مامور ہے۔ ہاں اگر مقتدی تطویل چاہیں اور کوئی دوسرا عذر مثلاً بچے کا رونا وغیرہ نہ ہو تو تطویل میں حرج نہیں ہے۔

بَابُ صَلٰوةِ اللَّيْلِ مَثْنٰى مَثْنٰى

رات کی نماز کے دو دو رکعت ہونے کا باب

١٣٢٨۔ حَدَّثَنَا الْقَعْنَبِيُّ عَنْ مَالِكٍ عَنْ نَافِعٍ وَعَبْدِ اللّٰهِ بْنِ دِيْنَارٍ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُمَرَ اَنَّ رَجُلًا سَاَلَ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ صَلٰوةِ اللَّيْلِ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَلٰوةُ اللَّيْلِ مَثْنٰى مَثْنٰى فَاِذَا خَشِيَ اَحَدُكُمُ الصُّبْحَ صَلّٰى رَكْعَةً وَاحِدَةً تُوْتِرُ لَهٗ مَا قَدْ صَلّٰى۔

عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے صلاۃ اللیل کے متعلق سوال کیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: رات کی نماز دو دو رکعت ہے پس جب تم میں سے کوئی صبح کا خوف کرے تو ایک رکعت اور پڑھ لے وہ اس کی ساری پڑھی ہوئی نماز کو وتر بنا دے گی۔ (بخاری، مسلم، نسائی اور ابن ماجہ میں یہ حدیث آئی ہے)

شرح: احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ سوال ابن عمر رضی اللہ عنہ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے خود بھی کیا تھا اور یہاں کسی اور کا سوال بھی مذکور ہے۔ حدیث کا مطلب یہ نہیں ہے کہ وتر کی ایک رکعت کی الگ نیت کر کے اسے اکیلا پڑھا جائے بلکہ تُوْتِرُ لَهٗ مَا قَدْ صَلّٰى کا لفظ بتاتا ہے کہ یہ رکعت طلوع فجر کے خوف کے وقت ان دو رکعتوں کے ساتھ ملائی جائے گی جن میں یہ خوف پیدا ہوا تھا۔ ورنہ اکیلی رکعت جو اپنے سے پہلی نماز سے منقطع ہو وہ پہلی نماز کو وتر کیسے بنا سکتی ہے؟ " وتر بنانے " کا مطلب یہی ہے کہ جفت کو طاق بنا یا جائے، یعنی پہلی رکعتوں کے ساتھ ایک اور رکعت ملائی جائے۔ احادیث کی دلالت واضح طور پر یہی ہے۔ مزید بحث انشاء اللہ تعالیٰ ابواب الوتر میں ہوگی۔

بَابُ رَفْعِ الصَّوْتِ بِالْقِرَاءَةِ فِيْ صَلٰوةِ اللَّيْلِ

صلاۃ اللیل قرأت بالجہر کا باب

١٣٢٩۔ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ جَعْفَرٍ الْوَرْكَانِيُّ نَا ابْنُ اَبِي الزِّنَادِ عَنْ عَمْرِو بْنِ

أَبِي عَمْرٍو مَوْلَى الْمُطَّلِبِ عَنْ عِكْرِمَةَ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ كَانَتْ قِرَاءَةُ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلَى قَدْرِ مَا يَسْمَعُهُ مَنْ فِي الْحُجْرَةِ وَهُوَ فِي الْبَيْتِ۔

ابن عباس رضی اللہ عنہ نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی قرأت ایسی مقدار کی ہوتی تھی کہ آپ جب گھر میں ہوتے تو حجرے والے آپ کی آواز سن لیتے تھے (مسند احمد میں بھی یہ حدیث مروی ہے حجرہ سے مراد یا تو گھر کا صحن ہے یا خود گھر۔ مگر یہ گھر کی نماز کا حال تھا۔ مسجد میں قرأت زیادہ بلند آواز سے فرماتے تھے۔ ابن الملک)

١٣٣٠۔ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بَكَّارِ ابْنِ الرَّيَّانِ نَا عَبْدُ اللَّهِ بْنُ الْمُبَارَكِ عَنْ عِمْرَانَ بْنِ زَائِدَةَ عَنْ أَبِيهِ عَنْ أَبِي خَالِدٍ الْوَالِبِيِّ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ أَنَّهُ قَالَ كَانَتْ قِرَاءَةُ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِاللَّيْلِ يَرْفَعُ طَوْرًا وَيَخْفِضُ طَوْرًا قَالَ أَبُودَاوُدَ أَبُوخَالِدٍ الْوَالِبِيُّ اسْمُهُ هُرْمُزُ۔

ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے کہا کہ رات کی نماز میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی قرأت کبھی بلند اور کبھی پست ہوتی تھی۔ ابوداؤد نے کہا کہ ابوخالد الوالبی کا نام ھرمز تھا (دوسری احادیث کے مطابق اس بلندی اور پستی میں بھی اعتدال ہوتا تھا یعنی نہ بہت بلند نہ بہت پست۔ اور حالات و واقعات کا لحاظ بھی رکھا جاتا تھا)

١٣٣١۔ حَدَّثَنَا مُوسَى بْنُ إِسْمَعِيلَ نَا حَمَّادٌ عَنْ ثَابِتٍ الْبُنَانِيِّ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَحَدَّثَنَا الْحَسَنُ بْنُ الصَّبَّاحِ نَا يَحْيَى بْنُ إِسْحَاقَ أَنَا حَمَّادُ بْنُ سَلَمَةَ عَنْ ثَابِتٍ الْبُنَانِيِّ عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ رَبَاحٍ عَنْ أَبِي قَتَادَةَ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَرَجَ لَيْلَةً فَإِذَا هُوَ بِأَبِي بَكْرٍ يُصَلِّي يَخْفِضُ مِنْ صَوْتِهِ قَالَ وَمَرَّ بِعُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ وَهُوَ يُصَلِّي رَافِعًا صَوْتَهُ قَالَ فَلَمَّا اجْتَمَعَا عِنْدَ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَا أَبَا بَكْرٍ مَرَرْتُ بِكَ وَأَنْتَ تُصَلِّي تَخْفِضُ صَوْتَكَ قَالَ قَدْ أَسْمَعْتُ مَنْ نَاجَيْتُ يَا رَسُولَ اللَّهِ قَالَ وَقَالَ لِعُمَرَ مَرَرْتُ بِكَ وَأَنْتَ تُصَلِّي رَافِعًا صَوْتَكَ قَالَ فَقَالَ يَا رَسُولَ اللَّهِ أُوقِظُ الْوَسْنَانَ وَأَطْرُدُ الشَّيْطَانَ زَادَ الْحَسَنُ فِي حَدِيثِهِ فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَا أَبَا بَكْرٍ ارْفَعْ مِنْ صَوْتِكَ شَيْئًا وَقَالَ لِعُمَرَ اخْفِضْ مِنْ صَوْتِكَ شَيْئًا۔

ابو قتادہؓ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم ایک رات کو نکلے تو کیا دیکھتے ہیں کہ ابوبکرؓ نماز پڑھ رہے تھے اور اپنی آواز پست رکھے ہوئے تھے۔ ابو قتادہؓ نے کہا کہ حضور عمر بن الخطابؓ کے قریب سے گزرے اور بلند آواز سے نماز پڑھ رہے تھے۔ ابو قتادہؓ نے کہا کہ جب یہ دونوں حضرات نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس اکٹھے ہوئے تو نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اے ابوبکر میں تمہارے پاس سے گزرا در انحالیکہ تم نماز پڑھتے تھے۔ ابوبکرؓ نے کہا یا رسول اللہ صلی اللہ میں جسے پکار رہا تھا اسے سنا رہا تھا۔ ابو قتادہؓ نے کہا کہ حضور نے عمرؓ سے فرمایا کہ میں تمہارے پاس سے گزرا اور تم آواز بلند نماز پڑھ رہے تھے۔ ابو قتادہؓ نے کہا کہ اس پر عمرؓ بولے یا رسول اللہ میں سوتوں کو جگاتا اور شیطان کو بھگاتا تھا۔ حسن نے اپنی حدیث میں یہ اضافہ کیا کہ: پس نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے ابوبکر تم ذرا اپنی آواز بلند کرو اور عمرؓ سے فرمایا کہ تم ذرا اپنی آواز پست کرو۔ (ترمذی نے اسے باب قرأۃ اللیل میں روایت کیا ہے)

شرح۔ طیبی نے کہا ہے کہ اس حدیث کی نظیر اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَلَا تَجْهَرْ بِصَلَاتِكَ وَلَا تُخَافِتْ بِهَا وَابْتَغِ بَيْنَ ذَٰلِكَ سَبِيلًا ۝ حضرات ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما کا فعل اور حضور کے سوال پر ان کا جواب دونوں کے مقامات پر صاف دلالت کرتا ہے۔ پہلے بزرگ پر مقام توحید و مناجات و عبادات کا غلبہ تھا جب کہ دوسرا بزرگ اصلاح خلق اور مخالفت شیطان کا رنگ رکھتا تھا اسی لیے شیاطین الانس والجن پر وہ بہت بوجھل تھا اور رہے۔ رضی اللہ عنہما

۱۳۳۲۔ حَدَّثَنَا اَبُوْ حُصَيْنِ بْنُ يَحْيَى الرَّازِيُّ نَا اَسْبَاطُ بْنُ مُحَمَّدٍ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ عَمْرٍو عَنْ اَبِيْ سَلَمَةَ عَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِهٰذِهِ الْقِصَّةِ لَمْ يَذْكُرْ فَقَالَ لِاَبِيْ بَكْرٍ ارْفَعْ شَيْئًا وَلَا لِعُمَرَ اخْفِضْ شَيْئًا زَادَ وَقَدْ سَمِعْتُكَ يَا بِلَالُ وَاَنْتَ تَقْرَاُ مِنْ هٰذِهِ السُّوْرَةِ وَمِنْ هٰذِهِ السُّوْرَةِ قَالَ كَلَامٌ طَيِّبٌ يَجْمَعُهُ اللّٰهُ بَعْضَهُ اِلٰى بَعْضٍ فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كُلُّكُمْ قَدْ اَصَابَ

ابوہریرہؓ نے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے یہی قصہ روایت کیا اور اس میں حضرت ابوبکرؓ کو یہ حکم مذکور نہیں کہ: تم ذرا آواز کو بلند کرو۔ نہ حضرت عمرؓ کو کہ: تم ذرا آواز کو پست کرو۔ اور ان لفظوں کا اضافہ کیا کہ: اے بلالؓ میں نے تجھے سنا کہ تو کبھی اس سورت میں سے اور کبھی اس سورت میں سے پڑھتا تھا۔ بلالؓ نے کہا: یہ پاکیزہ کلام ہے اور اللہ تعالیٰ اسے میری زبان پر جمع فرماتا ہے۔ تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم سب نے ٹھیک کیا (یہ حدیث پچھلی کے خلاف نہیں، فعل تو سب کا سراہا گیا مگر اولیٰ و افضل کی طرف رہنمائی بھی فرمائی گئی پہلی حالت کو درست قرار دینا اس صلاح کے خلاف نہیں تھا) اس حدیث سے ان حضرات کا مسجد میں صلاۃ اللیل پڑھنا ثابت ہوتا ہے۔ یا پھر یہ سفر کا قصہ ہوگا۔

۱۳۳۳۔ حَدَّثَنَا مُوْسَى بْنُ اِسْمٰعِيْلَ نَا حَمَّادُ بْنُ هِشَامِ بْنِ عُرْوَةَ عَنْ عُرْوَةَ

عَنْ عَائِشَةَ أَنَّ رَجُلًا قَامَ مِنَ اللَّيْلِ فَقَرَأَ فَرَفَعَ صَوْتَهُ بِالْقُرْآنِ فَلَمَّا أَصْبَحَ قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَيَرْحَمُ اللهُ فُلَانًا كَأَيِّنْ مِنْ آيَةٍ أَذْكَرَنِيهَا اللَّيْلَةَ كُنْتُ قَدْ أَسْقَطْتُهَا قَالَ أَبُو دَاوُدَ وَرَوَاهُ هَرُونُ النَّحْوِيُّ عَنْ حَمَّادِ بْنِ سَلَمَةَ فِي سُورَةِ آلِ عِمْرَانَ فِي الْحُرُوفِ وَكَأَيِّنْ مِنْ نَبِيٍّ -

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ ایک آدمی رات کو اٹھا تو اس نے قرأت کی اور قرآن کے ساتھ اپنی آواز بلند کی۔ جب صبح ہوئی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ فلاں پر رحم کرے اُس نے رات کو مجھے کتنی آیتیں یاد دلادیں جنھیں میں بھول گیا تھا۔ ابوداؤد نے کہا کہ اسے ہارون نحوی نے حماد بن سلمہ سے سورۂ آل عمران کی تفسیر میں قرأتوں کے بیان میں اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد کے سلسلے میں روایت کیا: وَكَأَيِّنْ مِنْ نَبِيٍّ۔ (بخاری، مسلم اور نسائی نے بھی یہ حدیث روایت کی ہے)

شرح: حافظ ابن حجر نے فتح الباری میں لکھا ہے کہ عبدالغنی بن سعید نے المبہمات میں یقین سے کہا ہے کہ اس حدیث میں جس شخص کا نام نہیں آیا وہ عبداللہ بن یزید انصاری۔ موصوف نے عمرہ کے طریق سے عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی قاری کو قرآن پڑھتے سُنا تو فرمایا کہ یہ کس کی آواز ہے؟ لوگوں نے کہا عبداللہ بن یزید کی۔ حضورؐ نے فرمایا: اس نے مجھے ایک آیت یاد دلادی ہے، اللہ اس پر رحم فرمائے، میں اسے بھول گیا تھا۔ یہ صراحت نہیں ہوسکی کہ عبداللہ بن یزید نے نماز میں قرأت کی تھی یا نماز سے باہر۔ حافظ ابن حجر نے کہا ہے کہ ان آیات کی تعیین سے میں واقف نہیں ہوسکا۔ اور اُنسِیتُھَا کی روایت اُسْقِطْتُھَا کی تفسیر کرتی ہے۔ اسماعیلی کی روایت میں نَسِیتُھَا کا لفظ ہے۔ اسماعیلی نے کہا ہے کہ قرآن کے کسی حصے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا نسیان دو قسم کا ہوسکتا ہے۔ ایک عارضی نسیان جو جلدی دور ہوجائے اور انسانی طبیعت میں قائم ہے۔ اس قسم کا مضمون ابن مسعودؓ کی حدیث میں ہے: إِنَّمَا أَنَا بَشَرٌ أَنْسَى كَمَا تَنْسَوْنَ "میں بھی ایک انسان ہوں، تمہاری مانند بھول جاتا ہوں"۔ دوسری قسم کا نسیان یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نسخ تلاوت کے ارادے سے آپ کے دل سے اُسے اُٹھا لیتا تھا، اور اللہ تعالیٰ کے اس قول میں استثناء کا اشارہ اسی طرف ہے: سَنُقْرِئُكَ فَلَا تَنْسَى إِلَّا مَا شَاءَ اللهُ۔

اسماعیلی نے کہا کہ پہلی قسم عارضی ہے جلد زائل ہونے والی ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد اس کے قائم رہنے سے مانع ہے: إِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الْقُرْآنَ وَإِنَّا لَهُ لَحَافِظُونَ۔ دوسری قسم اللہ تعالیٰ کے اس قول میں داخل ہے۔ مَا نَنْسَخْ مِنْ آيَةٍ أَوْ نُنْسِهَا۔ اور اس حدیث میں ان لوگوں کی دلیل ہے جو کہتے ہیں کہ جن چیزوں کی تبلیغ ضروری نہ ہو ان میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو نسیان ہونا جائز ہے، لیکن جن چیزوں کی تبلیغ فرض ہے ان میں نسیان دو شرطوں سے مشروط ہے، ایک یہ کہ تبلیغ کر چکنے کے بعد نسیان ہوا ہو، دوسری یہ کہ اس نسیان پر استمرار (ہمیشگی) نہیں ہوتی بلکہ یا تو خود ہی یاد دہانی اپنے طور پر ہو جاتی ہے یا کسی اور کے ذریعے سے۔ مگر تبلیغ سے قبل ایسی چیزوں میں نسیان

بالکل واقع نہیں ہو سکتا۔

قرأت کا جو مسئلہ بیان ہوا ہے وہ یہ ہے کہ لفظ کَأَیِّنْ دو طرح سے پڑھا گیا ہے ایک اسی طرح جس طرح کہ ہمارے ہاں کاف اور ہمزہ کے فتح اور یائے مکسورہ کی شد سے پڑھا جاتا ہے۔ اور ابن کثیر کے سوا یہ سب قاریوں کی قرأت ہے۔ اگر اس پر وقف کیا جائے تو بصری اسے کَأَیْ پڑھتا ہے اور باقی کَأَیِّنْ۔ دوسری قرأت کَائِنْ ہے بروزن فاعل اور یہ ابن کثیر کی قرأت ہے۔

۱۳۳۴۔ حَدَّثَنَا الْحَسَنُ بْنُ عَلِيٍّ نَا عَبْدُ الرَّزَّاقِ أَنَا مَعْمَرٌ عَنْ إِسْمٰعِيلَ بْنِ أُمَيَّةَ عَنْ أَبِي سَلَمَةَ عَنْ أَبِي سَعِيدٍ قَالَ اعْتَكَفَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي الْمَسْجِدِ فَسَمِعَهُمْ يَجْهَرُونَ بِالْقِرَاءَةِ فَكَشَفَ السِّتْرَ وَقَالَ أَلَا إِنَّ كُلَّكُمْ مُنَاجٍ رَبَّهُ فَلَا يُؤْذِيَنَّ بَعْضُكُمْ بَعْضًا وَلَا يَرْفَعْ بَعْضُكُمْ عَلَى بَعْضٍ فِي الْقِرَاءَةِ أَوْ قَالَ فِي الصَّلٰوةِ۔

ابو سعیدؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مسجد میں اعتکاف فرمایا اور لوگوں کو بلند آواز سے قرأت کرتے سنا، پس آپ نے پردہ کھولا اور فرمایا: سنو تم سب اپنے رب سے مناجات کرتے ہو لہذا ایک دوسرے کو اذیت نہ دو اور ایک دوسرے پر قرأت میں آواز مت بلند کرو۔ یا فرمایا نماز میں (منذری نے اس حدیث کو نسائی کی طرف منسوب کیا کہ اس نے بھی اسے روایت کیا ہے)

۱۳۳۵۔ حَدَّثَنَا عُثْمَانُ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ نَا إِسْمٰعِيلُ بْنُ عَيَّاشٍ عَنْ بَحِيرِ بْنِ سَعْدٍ عَنْ خَالِدِ بْنِ مَعْدَانَ عَنْ كَثِيرِ بْنِ مُرَّةَ الْحَضْرَمِيِّ عَنْ عُقْبَةَ بْنِ عَامِرٍ الْجُهَنِيِّ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْجَاهِرُ بِالْقُرْاٰنِ كَالْجَاهِرِ بِالصَّدَقَةِ وَالْمُسِرُّ بِالْقُرْاٰنِ كَالْمُسِرِّ بِالصَّدَقَةِ۔

عقبہ بن عامر جہنی نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: قرآن کو باآواز بلند پڑھنے والا علی الاعلان صدقہ کرنے والے کی مانند ہے اور آہستہ قرآن پڑھنے والا پوشیدہ صدقہ کرنے والے کی طرح ہے (نسائی اور ترمذی نے بھی یہ حدیث روایت کی۔ اس کا راوی اسماعیل بن عیاش متکلم فیہ ہے اور بعض نے شامیوں سے اس کی روایت کو صحیح کہا ہے اور یہ حدیث شامی راویوں کی ہے)

شرح: محدث علی القاری نے طیبی کے حوالے سے لکھا ہے کہ بعض قرآت بالجہر کی اور بعض قرأت بالخفاء کی فضیلت بیان کرتی ہیں۔

انہیں یوں جمع کرنا ممکن ہے کہ جو شخص ریاکاری اور نمود و نمائش کے خوف میں مبتلا ہوں اس کے لیے تو خفاء افضل ہے اور جسے یہ خوف لاحق نہ ہو اس کے لیے جہر افضل ہے بشرطیکہ کسی نمازی، یا سونے والے، یا مریض و مسافر وغیرہم کو اذیت نہ دے۔ اس کا سبب یہ ہے کہ جس عمل کو علی الاعلان کیا جائے اس کا نفع دوسروں تک پہنچتا ہے۔ مثلاً وہ غور سے سنتے ہیں، علم حاصل کرتے ہیں یا انہیں سماع قرآن وغیرہ کا ذوق حاصل ہوتا ہے، یا مثلاً یہ کہ وہ دین کا شعار ہے جسے بالجہر کرنا مطلوب ہوتا ہے، اور اس کا فائدہ یہ بھی ہے کہ وہ پڑھنے والے کے دل کو بیدار کرتا ہے، اس کے خیالات کو ایک مرکز پر مرتکز کرتا ہے نیند کو دور کرتا ہے اور دوسروں میں عبادت وغیرہ کا ذوق و شوق اور آمادگی پیدا کرتا ہے۔ پس جب ان میں سے کوئی چیز موجود ہو تو جہر افضل ہے۔

بَابٌ فِي صَلٰوةِ اللَّيْلِ

صلوۃ اللیل کا باب

۱۳۳۶۔ حَدَّثَنَا ابْنُ الْمُثَنّٰى نَا ابْنُ أَبِي عَدِيٍّ عَنْ حَنْظَلَةَ عَنِ الْقَاسِمِ بْنِ مُحَمَّدٍ عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُصَلِّيْ مِنَ اللَّيْلِ عَشْرَ رَكَعَاتٍ وَيُوْتِرُ بِسَجْدَةٍ وَيَسْجُدُ سَجْدَتَيِ الْفَجْرِ فَذٰلِكَ ثَلٰثَ عَشْرَةَ رَكْعَةً۔

عائشہ صدیقہ سلام اللہ علیہا نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم گیارہ رکعات پڑھتے تھے اور نماز کو ایک رکعت سے وتر بناتے تھے اور دو رکعت فجر کی سنت پڑھتے تھے، پس یہ تیرہ رکعات تھیں (بخاری مسلم اور نسائی تینوں نے یہ حدیث صلوۃ اللیل میں روایت کی ہے)

شرح: مولانا ؒ نے فرمایا کہ صلاۃ اللیل کا لفظی معنی ہے "رات کی نماز"، چاہے فرض ہو، واجب ہو، سنت ہو یا نفل ہو۔ مگر شرعی استعمال میں یہ لفظ نمازِ تہجد اور وتر کے لیے مخصوص ہے اور مغرب وعشاء کے لیے نہیں بولا جاتا۔ سبب اس کا یہ ہے کہ گو حقیقت میں یہ دونوں رات کی نمازیں ہیں لیکن محاورۂ شرعی میں اس حقیقت کو ترک کر دیا گیا اس لیے شرعی اطلاق میں درحقیقت ان کے رات کی نمازیں ہونے کے باوجود صلاۃ اللیل صرف تہجد اور وتر کو کہا گیا۔

پھر تہجد اور وتر بھی وقت کے لحاظ سے صلاۃ اللیل ہیں لیکن اپنی اپنی حقیقت میں دو الگ نمازیں ہیں۔ صلاۃ اللیل کے متعلق روایات مختلف ہونے کے باعث اس کی ادائگی میں اختلاف واقع ہو گیا ہے۔ جہاں تک اس کے شرعی حکم کا تعلق ہے اس میں کوئی اختلاف نہیں کہ امت پر تہجد فرض و واجب نہیں ہے۔ جہاں تک وتر کا تعلق ہے اس کی ادائگی اور حکم شرعی ہر دو میں اختلاف واقع ہوا ہے اور اس کی بحث ابواب الوتر میں آئیگی۔ انشاء اللہ تعالیٰ

اب رہ گئی نماز تہجد، سو اس کی ادائیگی میں جو اختلاف ہے اس کا تعلق احوال و واقعات اور اوقات کے سبب سے ہے۔ یہ نماز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیشہ پڑھی ہے کبھی کسی کیفیت پر کبھی کسی اور کیفیت پر، لہذا اس کی کیفیتِ اداء میں اختلاف ہوا۔ بالخصوص ان روایات میں جو ام المومنین عائشہ صدیقہ سلام اللہ علیہا سے مروی ہیں ان میں تو اس قدر اختلاف ہے جسے دور کرنا دشوار ہے، یہی سبب ہے کہ بعض لوگوں نے ان احادیث پر اضطراب کا حکم لگا دیا ہے۔ مگر ایسا نہیں

ہے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی اکثر روایات میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صلاۃ اللیل گیارہ رکعات پڑھتے تھے، اور بعض روایات میں ہے کہ وتر کے بعد دو رکعت بیٹھ کر پڑھتے تھے۔ چونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ: صلاۃ اللیل کے آخر میں وتر پڑھو، لہذا یہ خیال پیدا ہو سکتا تھا کہ شاید وتر کے بعد نفل ناجائز ہے پس کبھی حضورؐ نے بیان جواز کی خاطر یہ دو رکعت پڑھیں اور ام المؤمنین نے کبھی ان کا ذکر فرمایا کبھی نہیں فرمایا۔ بعض احادیث میں حضورؐ کی نماز تہجد تیرہ ۱۳ رکعت آتی ہے، پس یہ عدد ان دو رکعتوں کے ساتھ پورا ہوتا تھا جو وتر کے بعد بیٹھ کر پڑھتے تھے اور بعض میں ہے کہ یہ عدد فجر کی دو رکعتوں کو ملا کر بنتا تھا۔ چونکہ فجر کی سنت بھی نماز تہجد کے قریب ہوتی تھی لہذا کبھی کبھی اسے بھی اس تعداد میں شامل کر دیا گیا۔

تہجد کی ادائیگی میں جو اختلاف ہے وہ یہ ہے کہ بعض احادیث میں ہے: حضور صلی اللہ علیہ وسلم گیارہ رکعات پڑھتے تھے اور ہر دو رکعت پر سلام کہتے تھے۔ بعض میں ہے کہ حضورؐ تیرہ رکعات پڑھتے تھے جن میں سے پانچ کے ساتھ نماز کو وتر بناتے تھے اور ان کی صرف آخری رکعت میں بیٹھتے تھے، پھر سلام کہتے تھے۔ ایک روایت ہے کہ آٹھ رکعات پڑھتے تھے اور صرف آخری رکعت میں بیٹھتے تھے۔ پھر اٹھ کر ایک اور رکعت پڑھتے تھے اور اس آٹھویں کے بعد نویں رکعت رکعت پر بیٹھتے تھے، پھر بیٹھ کر دو رکعتیں پڑھتے تھے، سوائے میرے پیارے بیٹے یہ گیارہ رکعتیں ہوئیں۔ پھر جب آپ بوڑھے ہو گئے اور جسم بوجھل ہو گیا تو آپ نے سات رکعات کے ساتھ وتر پڑھے اور صرف چھٹی اور ساتویں رکعت میں بیٹھے۔ ساتویں رکعت پر سلام کہا اور اس کے بعد دو رکعتیں بیٹھ کر پڑھیں یہ لفظ سعد بن ہشام کی حدیث کا ہے جو عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے۔ اور زرارہ بن اوفی عن عائشہ رضؓ کی حدیث میں ہے کہ: پھر حضور اپنے مصلیٰ پر تشریف لے جاتے اور آٹھ رکعتیں پڑھتے تھے، ان میں سورۂ فاتحہ اور قرآن کی کوئی اور سورت اور جو اللہ چاہتا پڑھتے تھے اور ان میں سے کسی رکعت میں آٹھویں کے سوا نہ بیٹھتے تھے، مگر آٹھویں پر سلام نہ کہتے تھے اور نویں رکعت میں قرآت کرتے تھے پھر بیٹھ جاتے اور جب تک اللہ چاہتا دعا فرماتے تھے اور اللہ سے سوال کرتے اور اس کی طرف رغبت کرتے تھے اور ایک شدید سلام کہتے تھے، اتنی شدید کہ قریب ہوتا کہ گھر والوں کو جگا دیں۔ پھر آپ بیٹھ کر قرآت فاتحہ کرتے پھر دوسری رکعت پڑھتے، اور قرآت اور سجدہ بیٹھ کر ہی کرتے تھے، پھر جو اللہ چاہتا دعا کرتے تھے پھر سلام کہتے اور نماز ختم کر دیتے تھے۔ پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی یہی نماز رہی، حتیٰ کہ آپ کا جسم بوجھل ہو گیا تو نو میں سے دو رکعات گھٹا دیں اور چھ رکعت کے ساتھ ایک ملا کر سات کر دیں اور دو رکعات بیٹھ کر پڑھتے، حتیٰ کہ اسی طریقے پر حضورؐ کی وفات شریف واقع ہو گئی۔

اور عروہ عن عائشہ رضؓ کی حدیث میں ہے کہ آپ فجر کی دو رکعت سمیت تیرہ ۱۳ رکعتیں پڑھتے تھے۔ چھ رکعات دو دو کر کے پڑھتے تھے اور پانچ وتر پڑھتے تھے، ان کے درمیان نہیں بلکہ آخر میں قعدہ فرماتے تھے۔ اور عبداللہ بن ابی قیس کی حدیث میں ہے کہ میں نے حضرت عائشہ رضؓ سے عرض کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کتنی نماز کو وتر بناتے تھے؟ فرمایا چار اور تین کے ساتھ، آٹھ اور تین کے ساتھ اور دس اور تین کے ساتھ۔ اور سات سے کم اور تیرہ سے زائد وتر نہ پڑھتے تھے

اور ابو سلمہ بن عبدالرحمن عن عائشہ رضؓ کی حدیث میں (مسلم) ہے کہ ان کے سوال پر حضرت عائشہ نے فرمایا: آپ رمضان اور غیر رمضان میں ۱۱ رکعات پر اضافہ نہ فرماتے تھے۔ چار طویل اور خوبصورت، پھر چار خوبصورت اور لمبی رکعات پڑھتے

پھر تین پڑھتے تھے

پس ان احادیث میں جو اختلافات واقع ہوئے ہیں یہ احوال واوقات کے مختلف ہونے کے باعث ہیں۔ لیکن ان میں جو یہ آیا ہے کہ آپ پانچ رکعت کے ساتھ وتر بناتے تھے اور صرف آخری رکعت میں بیٹھتے تھے۔ اور اسی طرح ایک اور روایت میں ہے کہ آپ آٹھ رکعات وتر پڑھتے اور صرف آخری رکعت میں بیٹھتے تھے، اس میں حنفیہ کی رائے پر بڑی مشکل پیش آتی ہے کیونکہ ان کے نزدیک ہر دو رکعت پر قعدہ اور تشہد واجب ہے، نفل وفرض دونوں میں۔ کیونکہ حضورؐ کا ارشاد ہے: یہ کہ ہر دو رکعت پر تشہد کرو۔ اور یہ حنفیہ کے نزدیک مجمع علیہ ہے۔ اس الجھن کا جواب محدث علی القاری ؒ نے یہ دیا ہے کہ ان احادیث میں جلوس سے مراد طویل جلوس ہے جس کے بعد سلام ہوتا ہے۔ لیکن اس جواب میں کلام ہے کیونکہ حنفیہ کے نزدیک وتر کی تین رکعات ہیں جن پر زیادتی جائز نہیں۔ پس جو کوئی پانچ رکعات پڑھے اور ابتداء سے ہی وتر کی نیت کرے تو یہ جائز نہیں ہے کیونکہ تین پر اضافہ ممنوع ہے۔ اور اگر تحریمہ کی ابتداء میں نفل کی نیت کرے تو اس نیت پر وتر جائز نہیں کہ وہ واجب ہیں۔ اگر کہا جائے کہ یہ نماز ابتداء میں تھی پھر آخر میں وتر کی تین رکعت مقرر ہو گئیں تو وہ حدیث اس کے خلاف پڑتی ہے جو زرارہ بن اوفیٰ سے ابوداؤد میں مروی ہے کہ حضورؐ کی نماز یہی رہی حتیٰ کہ آپ کا جسم بوجھل ہو گیا تو آپ نے نو سے گھٹا کر چھ سات اور دو رکعت کر دیں اور یہ دو رکعت بیٹھ کر پڑھتے تھے حتیٰ کہ آپ کی وفات اسی پر ہوئی۔ پس حنفیہ کے مذہب پر اولیٰ یہ ہے کہ کہا جائے پانچ رکعت میں آپ جلسۂ فراغت واستراحت صرف آخری رکعت میں کرتے تھے یعنی آخری رکعت کے بعد۔ یا یہ کہ پہلی نماز کھڑے کھڑے پڑھتے تھے اور نماز کی آخری رکعت بیٹھ کر پڑھتے تھے۔ واللہ اعلم۔

۱۳۳۷۔ حَدَّثَنَا الْقَعْنَبِيُّ عَنْ مَالِكٍ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ عَنْ عُرْوَةَ بْنِ الزُّبَيْرِ عَنْ عَائِشَةَ زَوْجِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يُصَلِّي مِنَ اللَّيْلِ إِحْدَى عَشْرَةَ رَكْعَةً يُوتِرُ مِنْهَا بِوَاحِدَةٍ فَإِذَا فَرَغَ مِنْهَا اضْطَجَعَ عَلَى شِقِّهِ الْأَيْمَنِ۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجۂ مکرمہ عائشہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رات کو گیارہ رکعات پڑھتے تھے ان میں سے ایک رکعت کے ساتھ وتر بناتے تھے۔ پھر جب اس سے فارغ ہوتے تو اپنے دائیں پہلو پر لیٹ جاتے تھے (بخاری نے اسے قیام اللیل میں، مسلم نے صلاۃ اللیل میں، ترمذی نے وصف صلاۃ اللیل میں اور ابن ماجہ نے باب کم یصلی باللیل میں روایت کیا ہے) پہلو پر لیٹنے کی بحث اوپر گزر چکی ہے۔

شرح: مسلم میں ابوسلمہ بن عبدالرحمٰن عن عائشہ رضؓ کی روایت میں ہے: ثُمَّ يُصَلِّي ثَلَاثًا۔ یہ حدیث اپنے ظاہری الفاظ سے وتر کی تین رکعتوں پر دلالت کرتی ہے۔ مسند احمد، بیہقی اور حاکم کی روایت میں ہے: حضرت عائشہؓ نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تین وتر پڑھتے تھے، ان میں فاصلہ نہیں فرماتے۔ اور منتقی میں جو یہ ہے کہ احمد نے اس کی سند کو ضعیف کہا تو شاید وہ خاص سند ضعیف ہے نہ کہ اس کی تمام سندیں۔ اور نسائی نے اس کی روایت

یوں کی ہے۔ لَا یُسَلِّمُ فِی رَکْعَتَیِ الْوَتْرِ " آپ وتر کی دو رکعت پر سلام نہ کہتے تھے"۔ اور بیہقی اور حاکم نے بھی اسے اسی طرح روایت کیا ہے اور حاکم نے اسے صحیح علیٰ شرط الشیخین کہا ہے۔ اس حدیث کے الفاظ حسب بیان حافظ زیلعی یہ ہیں قالت کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یوتر بثلاث لا یسلم الا فی آخرھن۔ حافظ ابن حجر نے بھی درایہ میں اسے حاکم کے حوالہ سے درج کیا ہے اور یہ روایت ترمذی میں بھی ہے بقول شوکانی درایہ کے حاشیے میں طبرانی اوسط کے حوالے سے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث درج ہے کہ وتر مغرب کی نماز کی مانند تین رکعت ہے۔ اور اس میں ابو بکر بکراوی متکلم فیہ ہے مگر سید انور شاہ نے فرمایا کہ بعض محدثین نے اسے ثقہ کہا ہے جیسا کہ تہذیب میں ہے اور اس کا نام عبدالرحمن بن عثمان ہے اور غلطی سے بعض نے اسے ابو عمرو لکھا ہے۔ شوکانی نے کہا ہے کہ تین وتر کی حدیث ترمذی میں بھی ہے۔ اور اس کی روایت عمران بن حصین اور علی رضی اللہ عنہ سے بھی ہے (مسلم، ابوداؤد، نسائی) اور اس کے لفظ ہیں: حضور نے تین وتر پڑھے۔ اور ابو ایوب کی حدیث میں ہے (ابوداؤد، نسائی، ابن ماجہ) کہ جو تین وتر پڑھنا چاہے وہ ایسا ہی کرے۔ اور ابی بن کعب کی حدیث بھی تین وتر کی ابوداؤد، نسائی اور ابن ماجہ میں ہے۔ اور نسائی میں عبدالرحمن بن ابزی رضی اللہ عنہ کی روایت میں بھی یہی ہے۔ ابن ماجہ میں ابن عمر رضی اللہ عنہ سے، ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے دار قطنی میں، انس رضی اللہ عنہ سے محمد بن نصر کے ہاں اور ابن ابی اوفیٰ سے مسند بزار میں اسی قسم کی روایات ہیں (فتح الملہم ج ۲ ص ۲۹۲)

۱۳۳۸۔ حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّحْمٰنِ بْنُ اِبْرَاهِيمَ وَنَصْرُ بْنُ عَاصِمٍ وَهٰذَا لَفْظُهُ قَالَا نَا الْوَلِيدُ نَا الْاَوْزَاعِيُّ وَقَالَ نَصْرٌ عَنِ ابْنِ اَبِي ذِئْبٍ وَالْاَوْزَاعِيِّ عَنِ الزُّهْرِيِّ عَنْ عُرْوَةَ عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ كَانَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُصَلِّي فِيمَا بَيْنَ اَنْ يَفْرُغَ مِنْ صَلٰوةِ الْعِشَاءِ اِلٰى اَنْ يَنْصَدِعَ الْفَجْرُ اِحْدٰى عَشْرَةَ رَكْعَةً يُسَلِّمُ مِنْ كُلِّ ثِنْتَيْنِ وَيُوتِرُ بِوَاحِدَةٍ وَيَمْكُثُ فِي سُجُودِهِ قَدْرَ مَا يَقْرَاُ اَحَدُكُمْ خَمْسِينَ اٰيَةً قَبْلَ اَنْ يَرْفَعَ رَاْسَهُ فَاِذَا سَكَتَ الْمُؤَذِّنُ بِالْاُوْلٰى مِنْ صَلٰوةِ الْفَجْرِ قَامَ فَرَكَعَ رَكْعَتَيْنِ خَفِيفَتَيْنِ ثُمَّ اضْطَجَعَ عَلٰى شِقِّهِ الْاَيْمَنِ حَتّٰى يَاْتِيَهُ الْمُؤَذِّنُ

عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ نماز عشاء سے فارغ ہو کر طلوع فجر تک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم گیارہ رکعتیں پڑھتے تھے۔ ہر دو رکعت پر سلام کہتے اور ایک رکعت کے ساتھ نماز کو وتر بناتے اور اپنے سجدے میں اتنا ٹھہرتے جتنا کہ تم میں سے کوئی پچاس آیات پڑھے اپنا سر اٹھانے کے قبل۔ جب مؤذن نماز فجر کی پہلی اذان (یعنی اقامت نہیں) کہتا تو اٹھ کر دو ہلکی رکعتیں پڑھتے پھر جب تک مؤذن نہ آجاتا اپنے دائیں پہلو پر لیٹ جاتے تھے (بخاری، مسلم، نسائی اور ابن ماجہ میں بھی اسی طرح ہے)

شرح: ابن الملک نے کہا کہ یہ ایک رکعت جس کا یہاں ذکر ہے پہلی دو رکعتوں سے ملائی جاتی تھی۔ اور سجدے سے

نماز کے سجدے میں نہ کہ بالکل منفرد سجدہ۔ سجدۂ شکر کا جواز ثابت ہے مگر جاہل عوام جو نماز کے بعد اکیلا سجدہ کرتے ہیں اس کا کوئی ثبوت نہیں۔ بعض شوافع مشائخ نے اسے حرام تک کہا ہے۔ انہوں نے کہا ہے کہ سجدۂ شکر یا سجدۂ تلاوت کے سوا کوئی منفرد سجدہ جائز نہیں۔

۱۳۳۹. حَدَّثَنَا سُلَيْمَانُ بْنُ دَاوُدَ الْمَهْرِيُّ نَا ابْنُ وَهْبٍ أَخْبَرَنِي ابْنُ أَبِي ذِئْبٍ وَعَمْرُو بْنُ الْحَارِثِ وَيُونُسُ ابْنُ يَزِيدَ أَنَّ ابْنَ شِهَابٍ أَخْبَرَهُمْ بِإِسْنَادِهِ وَمَعْنَاهُ قَالَ وَيُوتِرُ بِوَاحِدَةٍ وَيَسْجُدُ سَجْدَةً قَدْرَ مَا يَقْرَأُ أَحَدُكُمْ خَمْسِينَ آيَةً قَبْلَ أَنْ يَرْفَعَ رَأْسَهُ فَإِذَا سَكَتَ الْمُؤَذِّنُ مِنْ صَلٰوةِ الْفَجْرِ وَتَبَيَّنَ لَهُ الْفَجْرُ وَسَاقَ مَعْنَاهُ قَالَ وَبَعْضُهُمْ يَزِيدُ عَلَى بَعْضٍ۔

دوسری سند کے ساتھ وہی اوپر والی حدیث۔ اس میں راوی سلیمان نے کہا کہ آپ ایک رکعت کے ساتھ نماز کو وتر بناتے اور سجدہ کرتے جتنی مقدار کہ تم میں سے کوئی پچاس آیتیں پڑھتا ہے سر اٹھانے سے پہلے۔ پس جب مؤذن نماز فجر کی اذان سے خاموش ہوتا اور آپ پر فجر واضح ہو جاتی الخ اُسی معنی میں۔ سلیمان نے کہا کہ بعض راوی دوسروں سے زائد بولتے ہیں (وَتَبَيَّنَ لَهُ الْفَجْرُ سے مراد استعارۃً لیا جا سکتا ہے کیونکہ طلوع فجر کا جہاں تک تعلق ہے وہ تو ہو ہی چکا ہوتا تھا تبھی تو مؤذن اذان دیتا تھا)

۱۳۴۰. حَدَّثَنَا مُوسَى بْنُ إِسْمَاعِيلَ نَا وُهَيْبٌ نَا هِشَامُ بْنُ عُرْوَةَ عَنْ أَبِيهِ عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ كَانَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُصَلِّي مِنَ اللَّيْلِ ثَلٰثَ عَشْرَةَ رَكْعَةً يُوتِرُ مِنْهَا بِخَمْسٍ لَا يَجْلِسُ فِي شَيْءٍ مِنَ الْخَمْسِ حَتّٰى يَجْلِسَ فِي الْآخِرَةِ فَيُسَلِّمُ قَالَ أَبُو دَاوُدَ رَوَاهُ ابْنُ نُمَيْرٍ عَنْ هِشَامٍ نَحْوَهُ۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم رات کو تیرہ رکعتیں پڑھتے تھے جن میں سے پانچ کے ساتھ نماز کو وتر بناتے تھے۔ ان پانچ رکعتوں میں سے آخری قعدہ کے سوا قعدہ نہ کرتے تھے پھر سلام کہتے تھے۔ ابو داؤد نے کہا کہ اس حدیث کو ابن نمیر نے ہشام سے اسی حدیث کی طرح روایت کیا (یہ حدیث بخاری، مسلم، نسائی، ترمذی اور ابن ماجہ نے بھی روایت کی ہے)

شرح: امام طحاوی نے کہا کہ یہ حدیث زہری کی روایت کے خلاف ہے۔ زہری کی حدیث میں ہے کہ: حضورؐ گیارہ رکعات پڑھتے تھے، ان میں سے ایک رکعت وتر کی ہوتی تھی اور ہر دو رکعت پر سلام کہتے تھے۔ پس جب یہ روایت مضطرب ہے تو اوروں کی روایت کی طرف رجوع کرنا پڑے گا کیونکہ متعارض احادیث میں سے کسی میں کوئی دلیل

نہیں ہے۔ مفصل بحث اوپر گزر چکی ہے۔

۱۳۴۱۔ حَدَّثَنَا الْقَعْنَبِيُّ عَنْ مَالِكٍ عَنْ هِشَامِ بْنِ عُرْوَةَ عَنْ أَبِيهِ عَنْ عَائِشَةَ قَالَ قَالَتْ كَانَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُصَلِّي بِاللَّيْلِ ثَلٰثَ عَشْرَةَ رَكْعَةً ثُمَّ يُصَلِّي إِذَا سَمِعَ النِّدَاءَ بِالصُّبْحِ رَكْعَتَيْنِ خَفِيفَتَيْنِ۔

حضرت عائشہ سلام اللہ علیہا نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رات کو تیرہ ۱۳ رکعت پڑھتے تھے، پھر جب صبح کی اذان سنتے تو دو ہلکی رکعتیں پڑھتے تھے (یعنی سنت فجر)

۱۳۴۲۔ حَدَّثَنَا مُوسَى بْنُ إِسْمٰعِيلَ وَمُسْلِمُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ قَالَا نَا أَبَانُ عَنْ يَحْيَى عَنْ أَبِي سَلَمَةَ عَنْ عَائِشَةَ أَنَّ نَبِيَّ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يُصَلِّي مِنَ اللَّيْلِ ثَلَاثَ عَشْرَةَ رَكْعَةً كَانَ يُصَلِّي ثَمَانَ رَكَعَاتٍ وَيُوتِرُ بِرَكْعَةٍ ثُمَّ يُصَلِّي قَالَ مُسْلِمٌ بَعْدَ الْوِتْرِ رَكْعَتَيْنِ وَهُوَ قَاعِدٌ فَإِذَا أَرَادَ أَنْ يَرْكَعَ قَامَ فَرَكَعَ وَيُصَلِّي بَيْنَ أَذَانِ الْفَجْرِ وَالْإِقَامَةِ رَكْعَتَيْنِ۔

حضرت عائشہ سلام اللہ علیہا سے روایت ہے کہ اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم رات کو تیرہ رکعت پڑھتے تھے۔ اور آٹھ رکعات پڑھتے اور ایک رکعت سے وتر بناتے پھر نماز پڑھتے۔ مسلم نے کہا کہ وتر کے بعد، پھر دونوں راوی متفق ہوگئے، بیٹھ کر۔ پس جب رکوع کا ارادہ کرتے تو اٹھ کھڑے ہوتے پس رکوع کرتے۔ اور اذان فجر اور اقامت کے درمیان دو رکعت پڑھتے (یہ حدیث مسلم اور نسائی نے بھی روایت کی ہے۔

شرح: آخری دو رکعتوں کے پڑھنے کی جو کیفیت اس حدیث میں بیان ہوئی ہے وہ آگے آنے والی حدیث زرارہ عن عائشہ رض کے خلاف ہے مگر یہ اختلافِ احوال و اوقات پر مبنی ہے کہ کبھی اس طرح پڑھی تھیں اور کبھی دوسری طرح۔

۱۳۴۳۔ حَدَّثَنَا الْقَعْنَبِيُّ عَنْ مَالِكٍ عَنْ سَعِيدِ بْنِ أَبِي سَعِيدٍ الْمَقْبُرِيِّ عَنْ أَبِي سَلَمَةَ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ أَنَّهُ أَخْبَرَهُ سَأَلَ عَائِشَةَ زَوْجَ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَيْفَ كَانَتْ صَلٰوةُ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي رَمَضَانَ فَقَالَتْ مَا كَانَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَزِيدُ فِي رَمَضَانَ وَلَا فِي غَيْرِهِ عَلَى إِحْدَى

عَشْرَةَ رَكْعَةً يُصَلِّي أَرْبَعًا فَلَا تَسْأَلْ عَنْ حُسْنِهِنَّ وَطُولِهِنَّ ثُمَّ يُصَلِّي أَرْبَعًا فَلَا تَسْأَلْ عَنْ حُسْنِهِنَّ وَطُولِهِنَّ ثُمَّ يُصَلِّي ثَلَاثًا قَالَتْ عَائِشَةُ فَقُلْتُ يَا رَسُولَ اللَّهِ أَتَنَامُ قَبْلَ أَنْ تُوتِرَ فَقَالَ يَا عَائِشَةُ إِنَّ عَيْنَيَّ تَنَامَانِ وَلَا يَنَامُ قَلْبِي۔

ابوسلمہ بن عبدالرحمن نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجۂ مطہرہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے دریافت کیا کہ رمضان میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز کی کیفیت کیا ہوتی تھی؟ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ رمضان اور غیر رمضان میں آپ گیارہ رکعت پر اضافہ نہ کرتے تھے، چار رکعت پڑھتے تو ان کے حسن اور طول سے سوال نہ کر پھر چار پڑھتے ان کی بھی لمبائی اور خوبی کا کیا کہنا پھر تین رکعت پڑھتے۔ عائشہ رضی نے فرمایا کہ میں نے کہا یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کیا آپ وتر پڑھنے سے پہلے سو جاتے ہیں؟ تو فرمایا: اے عائشہ! میری آنکھیں سوتی ہیں اور دل نہیں سوتا۔ (بخاری، مسلم، ترمذی اور نسائی نے بھی اسے روایت کیا ہے)

شرح: پچھلی روایت میں گزر چکا ہے کہ آپ بیٹھ کر پڑھی جانے والی آخری دو رکعت سمیت تیرہ رکعت پڑھتے تھے تو پھر یہ کہنا کیا معنیٰ رکھتا ہے کہ آپ رمضان اور غیر رمضان میں گیارہ رکعت سے زاید نہیں پڑھتے تھے۔ علاوہ ازیں رمضان میں تو صلاۃ التراویح ہوتی تھی جیسے آپ نے تین دن باجماعت بھی پڑھایا اور پھر فرضیت کے خوف سے چھوڑ دیا تھا۔ حدیث میں یہ بھی ہے کہ: آپ رمضان میں جتنی عبادت کرتے تھے اتنی غیر رمضان میں نہ کرتے تھے۔ اور ایک حدیث میں ہے کہ رمضان کے آخری عشرے میں تو آپ کمر کس لیتے اور اہل خانہ کو عبادت کے لیے جگاتے تھے۔ تو پھر رمضان اور غیر رمضان میں صرف گیارہ رکعت کا کیا مطلب ہے؟ جواب پہلے سوال کا یہ ہے کہ سائل کا سوال صرف نماز تہجد کے متعلق تھا اور نماز تہجد کم و بیش ضرور ہوتی تھی مگر بالعموم گیارہ رکعت تھی۔ سائل نے یہ سوچا ہوگا کہ شاید رمضان میں آپ کی تہجد میں بھی اضافہ ہو جاتا ہوگا۔ دوسرے سوال کا جواب یہ ہے کہ اس حدیث کا نفیاً یا اثباتاً صلوٰۃ تراویح کے ساتھ کوئی تعلق نہیں۔ صلاۃ اللیل اور قیام رمضان دو الگ الگ عبادات ہیں۔ اس حدیث سے آٹھ تراویح کا استدلال بالکل لغو ہے۔ پھر اس حدیث میں صراحۃً تین وتر کا بیان آیا ہے۔

۱۳۴۴۔ حَدَّثَنَا حَفْصُ بْنُ عُمَرَ ثَنَا هَمَّامٌ ثَنَا قَتَادَةُ عَنْ زُرَارَةَ بْنِ أَوْفَى عَنْ سَعْدِ بْنِ هِشَامٍ قَالَ طَلَّقْتُ امْرَأَتِي فَأَتَيْتُ الْمَدِينَةَ لِأَبِيعَ عَقَارًا كَانَ لِي بِهَا فَأَشْتَرِيَ بِهِ السِّلَاحَ وَأَغْزُوَ فَلَقِيتُ نَفَرًا مِنْ أَصْحَابِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالُوا قَدْ أَرَادَ نَفَرٌ مِنَّا سِتَّةٌ أَنْ يَفْعَلُوا ذَلِكَ فَنَهَاهُمُ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَقَالَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ

فَأَتَيْتُ ابْنَ عَبَّاسٍ فَسَأَلْتُهُ عَنْ وِتْرِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ أَدُلُّكَ
عَلَى أَعْلَمِ النَّاسِ بِوِتْرِ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَأْتِ عَائِشَةَ فَأَتَيْتُهَا
فَاسْتَتْبَعْتُ حَكِيمَ بْنَ أَفْلَحَ فَأَبَى فَنَاشَدْتُهُ فَانْطَلَقَ مَعِي فَاسْتَأْذَنَّا عَلَى عَائِشَةَ
فَقَالَتْ مَنْ هَذَا قَالَ حَكِيمُ بْنُ أَفْلَحَ قَالَتْ وَمَنْ مَعَكَ قَالَ سَعْدُ بْنُ هِشَامٍ
قَالَتْ هِشَامُ بْنُ عَامِرٍ الَّذِي قُتِلَ يَوْمَ أُحُدٍ قَالَ قُلْتُ نَعَمْ قَالَتْ نِعْمَ الْمَرْءُ
كَانَ عَامِرًا قَالَ قُلْتُ يَا أُمَّ الْمُؤْمِنِينَ حَدِّثِينِي عَنْ خُلُقِ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ
وَسَلَّمَ قَالَتْ أَلَسْتَ تَقْرَأُ الْقُرْآنَ فَإِنَّ خُلُقَ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ
كَانَ الْقُرْآنُ قَالَ قُلْتُ حَدِّثِينِي عَنْ قِيَامِ اللَّيْلِ قَالَتْ أَلَسْتَ تَقْرَأُ يَا أَيُّهَا
الْمُزَّمِّلُ قَالَ قُلْتُ بَلَى قَالَتْ فَإِنَّ أَوَّلَ هَذِهِ السُّورَةِ نَزَلَتْ فَقَامَ أَصْحَابُ
رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَتَّى انْتَفَخَتْ أَقْدَامُهُمْ وَحُبِسَ خَاتِمَتُهَا
فِي السَّمَاءِ اثْنَيْ عَشَرَ شَهْرًا ثُمَّ نَزَلَ آخِرُهَا فَصَارَ قِيَامُ اللَّيْلِ تَطَوُّعًا بَعْدَ فَرِيضَةٍ
قَالَ قُلْتُ حَدِّثِينِي عَنْ وِتْرِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَتْ كَانَ يُوتِرُ بِثَمَانِ
رَكَعَاتٍ لَا يَجْلِسُ إِلَّا فِي الثَّامِنَةِ ثُمَّ يَقُومُ فَيُصَلِّي رَكْعَةً أُخْرَى لَا يَجْلِسُ إِلَّا فِي
الثَّامِنَةِ وَالتَّاسِعَةِ وَلَا يُسَلِّمُ إِلَّا فِي التَّاسِعَةِ ثُمَّ يُصَلِّي رَكْعَتَيْنِ وَهُوَ جَالِسٌ
فَتِلْكَ إِحْدَى عَشْرَةَ رَكْعَةً يَا بُنَيَّ فَلَمَّا أَسَنَّ وَأَخَذَ اللَّحْمَ أَوْتَرَ بِسَبْعِ رَكَعَاتٍ
لَمْ يَجْلِسْ إِلَّا فِي السَّادِسَةِ وَالسَّابِعَةِ وَلَمْ يُسَلِّمْ إِلَّا فِي السَّابِعَةِ ثُمَّ يُصَلِّي رَكْعَتَيْنِ
وَهُوَ جَالِسٌ فَتِلْكَ تِسْعُ رَكَعَاتٍ يَا بُنَيَّ وَلَمْ يَقُمْ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ
لَيْلَةً يُتِمُّهَا إِلَى الصَّبَاحِ وَلَمْ يَقْرَإِ الْقُرْآنَ فِي لَيْلَةٍ قَطُّ وَلَمْ يَصُمْ شَهْرًا يُتِمُّهُ غَيْرَ
رَمَضَانَ وَكَانَ إِذَا صَلَّى صَلَاةً دَاوَمَ عَلَيْهَا وَكَانَ إِذَا غَلَبَتْهُ عَيْنَاهُ مِنَ اللَّيْلِ
بِنَوْمٍ صَلَّى مِنَ النَّهَارِ ثِنْتَيْ عَشْرَةَ رَكْعَةً قَالَ فَأَتَيْتُ ابْنَ عَبَّاسٍ فَحَدَّثْتُهُ فَقَالَ

فَقَالَ هٰذَا وَاللّٰهِ هُوَ الْحَدِيْثُ وَلَوْ كُنْتُ أُكَلِّمُهَا لَأَتَيْتُهَا حَتّٰى أُشَافِهَهَا بِهِ مُشَافَهَةً قَالَ قُلْتُ لَوْ عَلِمْتُ أَنَّكَ لَا تُكَلِّمُهَا مَا حَدَّثْتُكَ۔

سعد بن ہشام نے کہا کہ میں نے اپنی بیوی کو طلاق دے دی، پھر مدینہ آیا تاکہ وہاں کی اپنی کچھ جائداد کو بیچ دوں، پھر اس کے ساتھ ہتھیار خریدوں اور جہاد کروں۔ پس میں نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اصحاب کی ایک جماعت سے ملا تو انہوں نے کہا کہ ہم میں سے بھی کچھ آدمیوں نے ایسا کرنا چاہا تھا مگر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں منع فرمایا اور فرمایا کہ تمہارے لیے اللہ کے رسول میں بہتر نمونہ ہے۔ پھر میں ابن عباسؓ کے پاس گیا اور ان سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے وتر کے بارے میں سوال کیا۔ انہوں نے کہا کہ میں تجھے بتاتا ہوں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے وتر کے متعلق سب سے زیادہ عالم کون ہے، پس تو عائشہؓ کے پاس جا۔ سو میں حضرت عائشہؓ کے پاس گیا اور حکیم بن افلح کو ساتھ لے جانا چاہا مگر اس نے انکار کیا تو میں نے منت سماجت کی اور وہ میرے ساتھ ہو لیا۔ ہم دونوں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے اجازت طلب کی، انہوں نے فرمایا کہ یہ کون ہے؟ اس نے کہا حکیم بن افلح۔ فرمایا تیرے ساتھ کون ہے؟ وہ بولا کہ سعد بن ہشام۔ فرمایا ہشام بن عامرؓ جو جنگ اُحد میں شہید ہوا تھا؟ راوی نے کہا کہ میں نے کہا ہاں! عائشہؓ نے فرمایا: عامر بہت اچھا آدمی تھا۔ سعد کہتا ہے میں نے کہا اے اُمّ المؤمنین مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق بتائیے۔ فرمانے لگیں کیا تو نے قرآن نہیں پڑھا؟ رسول اللہ صلی اللہ وسلم کا خلق قرآن تھا۔ سعد بن ہشام نے کہا کہ میں نے کہا مجھے قیام اللیل کے متعلق حدیث سنائیے۔ فرمایا کیا تو قرآن نہیں پڑھتا: یَآ اَیُّهَا الْمُزَّمِّلُ۔ سعد نے کہا کہ میں نے کہا کیوں نہیں فرمایا تو جب اس سورت کا اول حصہ نازل ہوا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب نماز میں کھڑے ہوتے حتی کہ ان کے پاؤں پھول گئے۔ اور اس سورت کا پچھلا حصہ بارہ ماہ آسمان میں رکا رہا۔ پھر اس کا آخری حصہ نازل ہوا تو قیام اللیل فرض کے بعد نفل ہو گیا۔ سعد نے کہا کہ میں نے کہا: مجھے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے وتر کے متعلق بتائیے فرمایا: حضورؐ آٹھ رکعت کے ساتھ وتر پڑھتے تھے صرف آٹھویں رکعت میں بیٹھتے تھے، پھر اُٹھ کھڑے ہوتے تو ایک اور رکعت پڑھتے تھے۔ آپ صرف آٹھویں اور نویں میں بیٹھتے تھے اور صرف نویں رکعت پر سلام کہتے تھے۔ پھر بیٹھ کر دو رکعت پڑھتے تھے۔ سو میرے پیارے بیٹے یہ گیارہ رکعتیں ہوئیں پھر جب آپ کی عمر زیادہ ہو گئی اور موٹاپا آنے لگا تو سات رکعات کے ساتھ وتر پڑھنے لگے، صرف چھٹی اور ساتویں رکعت میں بیٹھتے اور ساتویں کے بعد سلام پھیرتے۔ پھر بیٹھ کر دو رکعتیں پڑھتے سو میرے پیارے بیٹے یہ نو رکعتیں ہوئیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ساری رات صبح تک کبھی نماز نہ پڑھتے اور ایک رات بھی ہرگز پورا قرآن نہیں پڑھا اور کوئی پورا مہینہ رمضان کے سوا روزہ نہیں رکھا، اور جب کوئی نماز پڑھتے تو اس پر دوام فرماتے اور جب آپ پر رات کو نیند کا غلبہ ہوتا اور سو جاتے تو دن میں بارہ رکعت پڑھ لیتے تھے۔ سعد نے کہا پھر میں ابن عباسؓ کے پاس آیا اور انہیں یہ حدیث سنائی تو بولے: واللہ یہ ہے حدیث! اور اگر میں ان سے بات کرتا ہوتا تو خود جا کر روبرو بات چیت کر کے یہ حدیث سنتا۔ سعد نے کہا: اگر مجھے معلوم ہوتا کہ آپ ان سے نہیں بولتے تو میں یہ حدیث ہی آپ کو نہ سناتا (مسلم اور نسائی نے بھی یہ حدیث روایت کی ہے۔

شرح: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا خلق قرآن تھا۔ یعنی آپ قرآن کا ایک جیتا جاگتا، چلتا پھرتا عملی نمونہ تھے اور اس میں قرآن کی اس آیت کی طرف اشارہ ہے: وَاِنَّكَ لَعَلٰى خُلُقٍ عَظِيْمٍ۔ امت کے حق میں نماز تہجد کے

نفل ہو جانے پر اجماع ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اقدس پر آیا یہ فرض تھی یا نفل؟ اس میں اختلاف ہے نووی نے کہا ہے کہ صحیح تر یہی ہے کہ حضور سے بھی فرضیت منسوخ ہو گئی تھی۔ آٹھویں رکعت کا جلسہ جو اس حدیث میں آیا ہے اس سے مراد حنفیہ کے نزدیک طویل جلسہ ہے، استراحت کے لیے یا سلام کے لیے۔ یعنی ہر دو رکعت پر: اَلصَّلٰوۃُ مَثْنٰی مَثْنٰی اور صَلَاۃُ اللَّیْلِ مَثْنٰی مَثْنٰی (صحیح احادیث) کے مطابق جلسہ ہوتا تھا مگر یہ جلسہ خفیف ہوتا تھا، اور آٹھ رکعت ملا کر پڑھتے تھے۔ پھر نویں رکعت (وتر) کے ملانے کی کیفیت بھی اس حدیث سے واضح ہو گئی کہ یہ وتر پہلی نماز کے ساتھ ملا کر پڑھتے تھے نہ کہ الگ نیت سے اور دوسری نماز سے علیحدہ کر کے پس کبھی تو اس حدیث کے بموجب وتر یوں پڑھتے تھے اور کبھی میں رکعت الگ، جیسا کہ اوپر گزرا۔

ابن عباس رضی اللہ عنہ کے ترک کلام کا جو ذکر اس حدیث میں ہے اس کی وضاحت مسلم کی روایت میں ہے کہ: لَوْ کُنْتُ أَقْرَبُهَا أَوْ أَدْخُلُ عَلَيْهَا "اگر میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس جاتا یا آپ کے پاس جایا کرتا"، گویا کسی ناراضی کے باعث ترک کلام اور اعراض وعداوت نہ تھی بلکہ صرف تعلقات کچھ کشیدہ تھے اور اس کا سبب بھی مسلم کی روایت میں ہے کہ ابن عباس رضی اللہ عنہ نے انہیں حضرت علی رضی اللہ عنہ و معاویہ رضی اللہ عنہ کی جنگ کے متعلق گفتگو سے روکا تھا مگر انہوں نے بات ماننے سے انکار کیا تھا۔ سعد بن ہشام نے بھی کیا اچھی بات کہی کہ اگر مجھے یہ معلوم ہوتا تو میں آپ کو یہ حدیث نہ سناتا تاکہ آپ کو خود ام المؤمنین کے ہاں جا کر پوچھنا پڑتا۔

۱۳۴۵۔ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ نَا يَحْيَى بْنُ سَعِيدٍ عَنْ سَعِيدٍ عَنْ قَتَادَةَ بِإِسْنَادِهِ نَحْوَهُ قَالَ يُصَلِّي ثَمَانِيَ رَكَعَاتٍ لَا يَجْلِسُ فِيهِنَّ إِلَّا عِنْدَ الثَّامِنَةِ فَيَجْلِسُ فَيَذْكُرُ اللهَ ثُمَّ يَدْعُو ثُمَّ يُسَلِّمُ تَسْلِيمًا يُسْمِعُنَا ثُمَّ يُصَلِّي رَكْعَتَيْنِ وَهُوَ جَالِسٌ بَعْدَمَا يُسَلِّمُ ثُمَّ يُصَلِّي رَكْعَةً فَتِلْكَ إِحْدَى عَشْرَةَ رَكْعَةً يَا بُنَيَّ فَلَمَّا أَسَنَّ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَأَخَذَ اللَّحْمَ أَوْتَرَ بِسَبْعٍ وَصَلَّى رَكْعَتَيْنِ وَهُوَ جَالِسٌ بَعْدَمَا سَلَّمَ بِمَعْنَاهُ إِلَى مُشَافَهَةٍ۔

پچھلی حدیث دوسری سند کے ساتھ۔ اس میں راوی نے کہا کہ: آپ آٹھ رکعت پڑھتے تھے ان میں صرف آٹھویں رکعت پر بیٹھتے تھے، پس بیٹھ جاتے، اللہ کا ذکر کرتے، پھر دعا کرتے پھر باآواز بلند سلام کہتے جسے ہم سن لیتے تھے، پھر دو رکعت بیٹھ کر پڑھتے بعد اس کے کہ ایک رکعت پڑھتے۔ پس اے بیٹے! یہ گیارہ رکعت ہوئیں پھر جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بوڑھے ہو گئے اور بوجھل ہو گئے تو آپ نے سات وتر پڑھے اور بیٹھ کر دو رکعت پڑھیں، سلام کے بعد۔ اسی حدیث کے معنیٰ میں "مُشَافَهَة" کے لفظ تک۔

شرح: اوپر کی حدیث میں تھا کہ آٹھویں رکعت پر سلام نہ ہوتا تھا بلکہ اس کے ساتھ نویں ملا کر سلام کہتے تھے۔ اس روایت میں سعید نے اس کے برخلاف آٹھویں رکعت کے بعد سلام کا ذکر کیا ہے۔ مولانا نے فرمایا کہ بظاہر سعید کی

حدیث میں تقدیم وتاخیر سے وہم ہوگیا ہے کیونکہ اس میں دیگر سب روایات کے خلاف وتر کی رکعت کا ذکر آخر میں بیٹھ کر پڑھی جانے والی دو رکعت کے بعد آیا ہے۔ صحیح وہی ہے جو اوپر کی روایت میں گزرا اور صحاح روایات وہی ہیں۔ صلاۃ اللیل میں وارد ہونے والی سب روایات اس روایت کے خلاف ہیں۔ نسائی نے یہ حدیث مجتبیٰ میں اس سند سے روایت کی ہے اور آخر میں ہے کہ: ابو عبد الرحمن نے کہا کہ میری کتاب میں یوں ہی ہے اور معلوم نہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے وتر کے مقام میں کس کو خطاء ہوئی ہے۔ مولانا فرماتے ہیں کہ بظاہر یہ خطاء ابو داؤد کے استاد محمد بن بشار کی ہے۔

۱۳۴۶۔ حَدَّثَنَا عُثْمَانُ بْنُ اَبِیْ شَیْبَۃَ نَا مُحَمَّدُ بْنُ بِشْرٍ نَا سَعِیْدٌ بِھٰذَا الْحَدِیْثِ قَالَ یُسَلِّمُ تَسْلِیْمًا یُسْمِعُنَا کَمَا قَالَ یَحْیَی بْنُ سَعِیْدٍ۔

اوپر کی حدیث کی ایک اور سند، اس میں گزشتہ وہم کا ذکر نہیں جیسا کہ مسلم نے یہ روایت درج کی ہے اور اس میں وہ وہم نہیں آیا۔

۱۳۴۷۔ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ نَا ابْنُ اَبِیْ عَدِیٍّ عَنْ سَعِیْدٍ بِھٰذَا الْحَدِیْثِ قَالَ ابْنُ بَشَّارٍ بِنَحْوِ حَدِیْثِ یَحْیَی بْنِ سَعِیْدٍ اِلَّا اَنَّہٗ قَالَ وَیُسَلِّمُ تَسْلِیْمَۃً یُسْمِعُنَا۔

وہی حدیث ایک اور سند کے ساتھ اس میں یُسَلِّمُ تَسْلِیْمَۃً کا لفظ ہے جبکہ پہلی روایات میں تسلیما آیا ہے مسلم نے یہ حدیث بھی روایت کی ہے اور اس میں گذشتہ تقدیم و تاخیر والے وہم کا ذکر نہیں ہے۔

۱۳۴۸۔ حَدَّثَنَا عَلِیُّ بْنُ حُسَیْنٍ الدِّرْھَمِیُّ نَا ابْنُ اَبِیْ عَدِیٍّ عَنْ بَھْزِ بْنِ حَکِیْمٍ نَا زُرَارَۃُ بْنُ اَوْفٰی اَنَّ عَائِشَۃَ سُئِلَتْ عَنْ صَلٰوۃِ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فِیْ جَوْفِ اللَّیْلِ فَقَالَتْ کَانَ یُصَلِّیْ صَلٰوۃَ الْعِشَاءِ فِیْ جَمَاعَۃٍ ثُمَّ یَرْجِعُ اِلٰی اَھْلِہٖ فَیَرْکَعُ اَرْبَعَ رَکَعَاتٍ ثُمَّ یَأْوِیْ اِلٰی فِرَاشِہٖ وَیَنَامُ وَطَھُوْرُہٗ مُغَطًّی عِنْدَ رَأْسِہٖ وَسِوَاکُہٗ مَوْضُوْعٌ حَتّٰی یَبْعَثَہُ اللّٰہُ سَاعَتَہُ الَّتِیْ یَبْعَثُہٗ مِنَ اللَّیْلِ فَیَتَسَوَّکُ وَیُسْبِغُ الْوُضُوْءَ ثُمَّ یَقُوْمُ اِلٰی مُصَلَّاہُ فَیُصَلِّیْ ثَمَانِیَ رَکَعَاتٍ یَقْرَأُ فِیْھِنَّ بِاُمِّ الْکِتَابِ وَسُوْرَۃٍ مِّنَ الْقُرْاٰنِ وَمَا شَاءَ اللّٰہُ وَلَا یَقْعُدُ فِیْ شَیْءٍ مِّنْھَا حَتّٰی یَقْعُدَ فِی الثَّامِنَۃِ وَلَا یُسَلِّمُ وَیَقْرَأُ فِی التَّاسِعَۃِ ثُمَّ یَقْعُدُ فَیَدْعُوْ بِمَا شَاءَ اللّٰہُ اَنْ یَّدْعُوَہٗ وَیَسْاَلُہٗ وَیَرْغَبُ اِلَیْہِ وَیُسَلِّمُ تَسْلِیْمَۃً وَاحِدَۃً شَدِیْدَۃً یَکَادُ یُوْقِظُ

اَهْلَ الْبَيْتِ مِنْ شِدَّةِ تَسْلِيْمِهٖ ثُمَّ يَقْرَأُ وَهُوَ قَاعِدًا بِأُمِّ الْكِتَابِ وَيَرْكَعُ وَهُوَ قَاعِدًا ثُمَّ يَقْرَأُ الثَّانِيَةَ فَيَرْكَعُ وَيَسْجُدُ وَهُوَ قَاعِدًا ثُمَّ يَدْعُوْ مَا شَاءَ اللّٰهُ اَنْ يَدْعُوَ ثُمَّ يُسَلِّمُ وَيَنْصَرِفُ فَلَمْ تَزَلْ تِلْكَ صَلٰوةُ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَتّٰى بَدَّنَ فَنَقَصَ مِنَ التِّسْعِ ثِنْتَيْنِ فَجَعَلَهَا اِلَى السِّتِّ وَالسَّبْعِ وَرَكْعَتَيْهِ وَهُوَ قَاعِدًا حَتّٰى قُبِضَ عَلٰى ذٰلِكَ۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صلاۃ اللیل کے متعلق سوال کیا گیا تو انہوں نے جواب میں فرمایا: نماز عشاء کو آپ باجماعت پڑھتے تھے پھر اپنے گھر والوں کی طرف لوٹتے تھے اور چار رکعات پڑھتے تھے، پھر اپنے بستر پر تشریف لے جاتے اور سو جاتے تھے اور آپ کے وضوء کا پانی آپ کے سرہانے ڈھکا ہوا تھا اور مسواک رکھی ہوتی تھی۔ حتی کہ اللہ تعالیٰ آپ کو اس گھڑی میں بیدار کرتا جس میں بیدار کیا کرتا تھا، پس مسواک کرتے اور اچھی طرح سے وضوء کرتے تھے، پھر اپنے مصلی پر تشریف لے جاتے اور آٹھ رکعات پڑھتے جن میں سورۂ فاتحہ اور قرآن کی ایک اور سورت پڑھتے اور جو اللہ چاہتا پڑھتے تھے اور ان میں کسی رکعت میں قعدہ نہ کرتے تھے (یعنی طویل قعدہ) حتی کہ آٹھویں میں قعدہ کرتے تھے اور سلام نہ پھیرتے اور نویں رکعت میں قرأت کرتے پھر بیٹھ جاتے اور جو اللہ چاہتا دعا کرتے اور اللہ سے سوال کرتے اور اس کی طرف رغبت کرتے اور ایک ہی سخت قسم کا سلام کرتے، اتنا شدید کہ گھر والوں کو تقریباً جگا دیتے۔ پھر بیٹھ کر سورۂ فاتحہ کی قرأت کرتے اور بیٹھے بیٹھے رکوع کرتے۔ پھر دوسری رکعت پڑھتے، رکوع کرتے اور بیٹھے بیٹھے سجدہ کرتے اور جو اللہ چاہتا دعائیں کرتے۔ پھر سلام کہتے اور نماز ختم کر دیتے۔ پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی یہی نماز رہی حتی کہ آپ بوڑھے ہو گئے تو آٹھ میں سے دو رکعتیں کم کر دیں اور انہیں چھ رکعت (تہجد) اور سات رکعت (وتر سمیت) بنا دیا اور بیٹھے بیٹھے دو رکعتیں پڑھتے حتی کہ وفات تک یہی عالم رہا اس روایت میں سعید بن ابی عروبہ والی حدیث کا وہم نہیں آیا، یعنی وتر کی رکعت کو پہلی رکعات کے ساتھ ملا کر وتر بنانے کا ذکر ہے اس معنی کی روایات اوپر گزر چکی ہیں۔

۱۳۴۵- حَدَّثَنَا هٰرُوْنُ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ نَا يَزِيْدُ بْنُ هٰرُوْنَ اَنَا بَهْزُ بْنُ حَكِيْمٍ فَذَكَرَ هٰذَا الْحَدِيْثَ بِاِسْنَادِهٖ قَالَ يُصَلِّي الْعِشَاءَ ثُمَّ يَأْوِيْ اِلٰى فِرَاشِهٖ لَمْ يَذْكُرِ الْاَرْبَعَ رَكَعَاتٍ وَسَاقَ الْحَدِيْثَ وَقَالَ فِيْهِ فَيُصَلِّيْ ثَمَانِيَ رَكَعَاتٍ يُسَوِّيْ بَيْنَهُنَّ فِي الْقِرَاءَةِ وَالرُّكُوْعِ وَالسُّجُوْدِ وَلَا يَجْلِسُ فِيْ شَيْءٍ مِّنْهُنَّ اِلَّا فِي الثَّامِنَةِ فَاِنَّهٗ

كَانَ يَجْلِسُ ثُمَّ يَقُوْمُ وَلَا يُسَلِّمُ فَيُصَلِّيْ رَكْعَةً يُوْتِرُ بِهَا ثُمَّ يُسَلِّمُ تَسْلِيْمَةً يَرْفَعُ بِهَا صَوْتَهٗ حَتّٰى يُوْقِظَنَا ثُمَّ سَاقَ مَعْنَاهُ۔

ایک اور سند سے یہی حدیث۔ اس میں راوی نے عشاء کے بعد بستر پر جا کر سونے کا ذکر کیا ہے مگر چار رکعات کا نہیں۔ پھر آگے چل کر ہے کہ: آپ آٹھ رکعت پڑھتے جن میں قرات، رکوع اور سجود میں برابری ہوتی (یعنی ہر رکعت پہلی رکعت جیسی ہوتی تھی) اور صرف آٹھویں رکعت پر بیٹھتے تھے، پھر اٹھتے تھے اور اس میں سلام نہ کہتے تھے، پھر ایک رکعت پڑھ کر نماز کو وتر بنا دیتے تھے، پھر سلام کہتے جو بلند آواز سے ہوتی حتی کہ ہمیں جگا دیتے تھے الخ۔

۱۳۵۰۔ حَدَّثَنَا عَمْرُو بْنُ عُثْمَانَ نَا مَرْوَانُ يَعْنِي ابْنَ مُعَاوِيَةَ عَنْ بَهْزٍ نَا زُرَارَةُ بْنُ اَوْفٰى عَنْ عَائِشَةَ اُمِّ الْمُؤْمِنِيْنَ اَنَّهَا سُئِلَتْ عَنْ صَلٰوةِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَتْ كَانَ يُصَلِّيْ بِالنَّاسِ الْعِشَاءَ ثُمَّ يَرْجِعُ اِلٰى اَهْلِهٖ فَيُصَلِّيْ اَرْبَعًا ثُمَّ يَاْوِيْ اِلٰى فِرَاشِهٖ ثُمَّ سَاقَ الْحَدِيْثَ بِطُوْلِهٖ لَمْ يَذْكُرْ سَوّٰى بَيْنَهُنَّ فِي الْقِرَاءَةِ وَالرُّكُوْعِ وَالسُّجُوْدِ وَلَمْ يَذْكُرْ فِي التَّسْلِيْمِ حَتّٰى يُوْقِظَنَا۔

عائشہ ام المؤمنین رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ ان سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز کے متعلق پوچھا گیا تو انہوں نے فرمایا: حضورؐ لوگوں کو نماز عشاء پڑھاتے پھر اپنے اہل خانہ کی طرف لوٹتے پس چار رکعات پڑھتے پھر بستر پر چلے جاتے۔ پھر راوی نے یہ لمبی حدیث بیان کی جس میں یہ لفظ نہیں بولا کہ: ان رکعات میں قرأت اور رکوع وسجود میں برابری کی۔ اور سلام میں یہ لفظ نہیں بیان کیا کہ: حَتّٰى يُوْقِظَنَا۔

۱۳۵۱۔ حَدَّثَنَا مُوْسٰى بْنُ اِسْمٰعِيْلَ نَا حَمَّادٌ يَعْنِي ابْنَ سَلَمَةَ عَنْ بَهْزِ بْنِ حَكِيْمٍ عَنْ زُرَارَةَ بْنِ اَوْفٰى عَنْ سَعْدِ بْنِ هِشَامٍ عَنْ عَائِشَةَ بِهٰذَا الْحَدِيْثِ وَلَيْسَ فِيْ تَمَامِ حَدِيْثِهِمْ۔

موسیٰ بن اسماعیل کی روایت سے یہی حدیث، مگر یہ اوپر کی حدیثوں کی مانند پوری نہیں ہے۔

۱۳۵۲۔ حَدَّثَنَا مُوْسٰى يَعْنِي ابْنَ اِسْمٰعِيْلَ نَا حَمَّادٌ يَعْنِي ابْنَ سَلَمَةَ عَنْ مُحَمَّدٍ

ابْنِ عَمْرٍو عَنْ أَبِي سَلَمَةَ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ عَنْ عَائِشَةَ أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يُصَلِّي مِنَ اللَّيْلِ ثَلَاثَ عَشْرَةَ رَكْعَةً يُوتِرُ بِتِسْعٍ أَوْ كَمَا قَالَتْ وَيُصَلِّي رَكْعَتَيْنِ وَهُوَ جَالِسٌ وَرَكْعَتَيِ الْفَجْرِ بَيْنَ الْأَذَانِ وَالْإِقَامَةِ۔

عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رات کو تیرہ رکعات پڑھتے تھے، نو رکعتوں کو وتر بناتے تھے، یا جیسا کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا، اور دو رکعتیں بیٹھ کر پڑھتے تھے اور اذان و اقامت کے درمیان فجر کی دو رکعتیں پڑھتے تھے۔

۱۳۵۳۔ حَدَّثَنَا مُوسَى ابْنُ إِسْمَعِيلَ نَا حَمَّادٌ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ عَمْرٍو عَنْ مُحَمَّدِ ابْنِ إِبْرَاهِيمَ عَنْ عَلْقَمَةَ بْنِ وَقَّاصٍ عَنْ عَائِشَةَ أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يُوتِرُ بِتِسْعِ رَكَعَاتٍ ثُمَّ أَوْتَرَ بِسَبْعِ رَكَعَاتٍ وَرَكَعَ رَكْعَتَيْنِ وَهُوَ جَالِسٌ بَعْدَ الْوِتْرِ يَقْرَأُ فِيهِمَا فَإِذَا أَرَادَ أَنْ يَرْكَعَ قَامَ فَرَكَعَ ثُمَّ سَجَدَ قَالَ أَبُو دَاوُدَ رَوَى هٰذَيْنِ الْحَدِيثَيْنِ خَالِدُ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ الْوَاسِطِيُّ مِثْلَهُ قَالَ فِيهِ قَالَ عَلْقَمَةُ بْنُ وَقَّاصٍ يَا أُمَّتَاهُ كَيْفَ كَانَ يُصَلِّي الرَّكْعَتَيْنِ فَذَكَرَ مَعْنَاهُ۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نو رکعات وتر پڑھتے تھے، پھر سات پڑھتے تھے اور وتر کے بعد دو رکعتیں بیٹھ کر پڑھتے تھے، ان میں قرأت کرتے اور جب رکوع کا ارادہ فرماتے تو اٹھ کر رکوع کرتے پھر سجدہ کرتے۔ ابو داؤد نے کہا کہ یہ دو حدیثیں خالد بن عبد اللہ واسطی نے بھی اسی طرح روایت کی ہیں۔ اس میں اس نے کہا کہ علقمہ بن وقاص نے کہا: اے اماں جان! رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دو رکعتیں کیسے پڑھتے تھے؟ الخ

۱۳۵۴۔ حَدَّثَنَا وَهْبُ بْنُ بَقِيَّةَ عَنْ خَالِدٍ ح وَنَا ابْنُ الْمُثَنّٰى نَا عَبْدُ الْأَعْلٰى نَا هِشَامٌ عَنِ الْحَسَنِ عَنْ سَعْدِ بْنِ هِشَامٍ قَالَ قَدِمْتُ الْمَدِينَةَ فَدَخَلْتُ عَلٰى عَائِشَةَ فَقُلْتُ أَخْبِرِينِي عَنْ صَلٰوةِ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَتْ إِنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يُصَلِّي بِالنَّاسِ صَلٰوةَ الْعِشَاءِ ثُمَّ يَأْوِي إِلٰى فِرَاشِهِ فَيَنَامُ فَإِذَا كَانَ جَوْفُ اللَّيْلِ قَامَ إِلٰى حَاجَتِهِ وَإِلٰى طَهُورِهِ فَتَوَضَّأَ ثُمَّ

دَخَلَ الْمَسْجِدَ فَصَلَّى ثَمَانِيَ رَكْعَاتٍ يُخَيَّلُ إِلَيَّ أَنَّهُ يُسَوِّي بَيْنَهُنَّ فِي الْقِرَاءَةِ وَالرُّكُوعِ وَالسُّجُودِ ثُمَّ يُوتِرُ بِرَكْعَةٍ ثُمَّ يُصَلِّي رَكْعَتَيْنِ وَهُوَ جَالِسٌ ثُمَّ يَضَعُ جَنْبَهُ فَرُبَّمَا جَاءَ بِلَالٌ فَآذَنَهُ بِالصَّلَاةِ ثُمَّ يُغْفِي وَرُبَّمَا شَكَكْتُ أَغَفَا وَلَا حَتَّى يُؤْذِنَهُ بِالصَّلَاةِ فَكَانَتْ تِلْكَ صَلَاتُهُ حَتَّى سَنَّ أَوْ لَحُمَ فَذَكَرَتْ مِنْ لَحْمِهِ مَا شَاءَ اللهُ وَسَاقَ الْحَدِيثَ۔

سعد بن ہشام نے کہا کہ میں مدینہ میں آیا تو جناب عائشہ رضی اللہ عنہا کی خدمت میں حاضر ہوا اور گزارش کی کہ مجھے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز کے متعلق بتائیے۔ فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم لوگوں کو نمازِ عشاء پڑھاتے پھر اپنے بستر پہ دراز ہوتے اور سو جاتے۔ جب آدھی رات ہوتی اور اپنی ضروریات اور پانی کی طرف تشریف لے جاتے، پس وضو کرتے اور مسجد میں (گھر کی مسجد میں) داخل ہو جاتے پس آٹھ رکعت پڑھتے پھر اپنا پہلو زمین پر رکھتے پس بعض دفعہ تو بلال رضؓ آکر نماز کی اطلاع دیتا پھر ذرا سو جاتے اور بعض دفعہ مجھے شک ہوتا کہ سوئے تھے یا نہیں حتی کہ بلال رضؓ آپ کو نماز کی اطلاع دیتا۔ بس آپ کی نماز یہی تھی حتی کہ آپؐ بوڑھے ہو گئے یا جسم ڈھیلا ہو گیا، تو حضرت عائشہ رضؓ نے آپ کا بوجھل ہونا بیان فرمایا اور راوی نے باقی حدیث بیان کی (نسائی نے بھی اسے روایت کیا)۔

شرح: اس روایت میں حدیث کے الفاظ میں کچھ گڑبڑ نظر آتی ہے۔ نسائی کی روایت میں ہے۔ پھر حضورؐ اپنا پہلو زمین پر رکھتے پس کئی دفعہ تو بلال رضؓ آکر آپ کو نماز کی اطلاع دیتا اور آپ ابھی اونگھے نہ ہوتے اور کئی دفعہ اونگھ چکے ہوتے اور کئی دفعہ مجھے شک ہوتا کہ آپ کو اونگھ آئی ہے یا نہیں۔ اور نسائی کی روایت واضح ہے۔

مولانا نے فرمایا کہ نسخۂ مکتوبہ کے حاشیئے پر یہاں موسیٰ بن اسماعیل کی حدیث لکھی ہے جو باب کے شروع میں گزر چکی ہے اور جس میں حضورؐ کی صلاۃ اللیل کی تعداد تیرہ رکعت آئی ہے۔ اس حدیث کے آخر میں لکھا ہے کہ ابوداؤد نے کہا کہ میں نے یہ حدیث اس لیے دوبارہ درج کی ہے کہ راویوں کو اس حدیث میں اضطراب ہوا ہے۔ پھر ابوداؤد نے کہا ہمارے اصحاب وتر کے بعد دو رکعت کے قائل نہیں ہیں۔ یہ حدیث اس اصل میں نہیں ہے جس سے سنن ابی داؤد کو نقل کیا گیا اور نہ اصول صحیحہ میں ہے اور المرات میں اس کا ذکر کیا گیا ہے مگر یہ تنبیہ نہیں کی گئی کہ کسی کی روایت ہے۔ مولانا نے فرمایا کہ میں نے اسے اس لیے چھوڑ دیا ہے کہ یہ کانپوری یا مصری نسخے میں نہیں ہے، نہ متن میں نہ حاشیئے میں، سو اسی لیے میں نے اسے ترک کر دیا ہے۔

پانچ وتر کی حدیث کو بعض لوگوں نے مضطرب یا ضعیف کہا ہے مگر حاکم نے مستدرک میں اسے روایت کر کے صحیح علی شرط الشیخین کہا ہے۔ مولاناؒ نے فرمایا کہ اس حدیث کو ہشام سے روایت کرنے والے یہ لوگ ہیں۔ وہیب ابوداؤد میں، ہمام مستدرک میں اور ذیل ذہبی میں اور بیہقی میں، سفیان نسائی میں، عبدہ، جعفر بن عون اور نمیر بیہقی میں، اور زرقانی نے حماد بن سلمہ اور ابوعوانہ کو اس حدیث کے راوی بتایا ہے اور وکیع اور ابواسامہ مسلم میں۔ اور بیہقی نے کہا ہے کہ ہشام سے اسی طرح ایک جماعت نے روایت کیا ہے۔ پھر عبداللہ بن عباس رضؓ کی

روایت میں پانچ وتر کا ذکر ہے۔ زید بن ثابت سے یہاں کا فعل مروی ہے۔ جس حدیث کے اس قدر راوی ہوں اور ہشام کی متابعت جب اتنے لوگوں نے کی ہو تو اس کو مضطرب کیوں کر کہا جا سکتا ہے؟

۱۳۵۵۔ حَدَّثَنَا مُوسَى ثَنَا وُهَيْبٌ نَا هِشَامُ بْنُ عُرْوَةَ عَنْ أَبِيهِ عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهَا قَالَتْ كَانَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُصَلِّي مِنَ اللَّيْلِ ثَلَاثَ عَشْرَةَ رَكْعَةً يُوتِرُ مِنْهَا بِخَمْسٍ وَلَا يَجْلِسُ فِي شَيْءٍ مِنَ الْخَمْسِ حَتَّى يَجْلِسَ فِي الْآخِرَةِ فَيُسَلِّمُ قَالَ أَبُو دَاوُدَ إِنَّمَا كَرَّرْتُ هٰذَا الْحَدِيثَ لِأَنَّهُمُ اضْطَرَبُوا فِيهِ ۔ ثُمَّ قَالَ أَبُو دَاوُدَ أَصْحَابُنَا لَا يَرَوْنَ الرَّكْعَتَيْنِ بَعْدَ الْوِتْرِ

عائشہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رات کو تیرہ رکعات پڑھتے تھے اور پانچ رکعتوں کو وتر بناتے تھے صرف پانچویں رکعت پر بیٹھتے تھے۔ اور سلام پھیرتے تھے۔ پھر ابو داؤد یہاں اس حدیث کو دوبارہ اس لیے لایا۔ کہ راویوں نے اس حدیث میں اضطراب کو بیان کیا۔ اور کہا کہ ہمارے اصحاب وتر کے بعد دو رکعتوں کو پڑھنا اچھا خیال نہیں کرتے۔

۱۳۵۶۔ مُحَمَّدُ بْنُ عِيسَى نَا هُشَيْمٌ نَا حُصَيْنٌ عَنْ حَبِيبِ بْنِ أَبِي ثَابِتٍ ح وَ حَدَّثَنَا عُثْمَانُ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ نَا مُحَمَّدُ بْنُ فُضَيْلٍ عَنْ حُصَيْنٍ عَنْ حَبِيبِ بْنِ أَبِي ثَابِتٍ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ عَلِيِّ بْنِ عَبْدِ اللهِ عَنْ أَبِيهِ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ أَنَّهُ رَقَدَ عِنْدَ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَرَآهُ اسْتَيْقَظَ فَتَسَوَّكَ وَتَوَضَّأَ وَهُوَ يَقُولُ إِنَّ فِي خَلْقِ السَّمٰوَاتِ وَالْأَرْضِ حَتّٰى خَتَمَ السُّورَةَ ثُمَّ قَامَ يُصَلِّي رَكْعَتَيْنِ أَطَالَ فِيهِمَا الْقِيَامَ وَالرُّكُوعَ وَالسُّجُودَ ثُمَّ انْصَرَفَ فَنَامَ حَتّٰى نَفَخَ ثُمَّ فَعَلَ ذٰلِكَ ثَلَاثَ مَرَّاتٍ سِتَّ رَكَعَاتٍ كُلَّ ذٰلِكَ يَسْتَاكُ ثُمَّ يَتَوَضَّأُ وَيَقْرَأُ هٰؤُلَاءِ الْآيَاتِ ثُمَّ أَوْتَرَ قَالَ عُثْمَانُ بِثَلَاثِ رَكَعَاتٍ فَأَتَاهُ الْمُؤَذِّنُ فَخَرَجَ إِلَى الصَّلٰوةِ وَقَالَ ابْنُ عِيسَى ثُمَّ أَوْتَرَ فَأَتَاهُ بِلَالٌ فَآذَنَهُ بِالصَّلٰوةِ حِينَ طَلَعَ الْفَجْرُ فَصَلّٰى رَكْعَتَيِ الْفَجْرِ ثُمَّ خَرَجَ إِلَى الصَّلٰوةِ ثُمَّ اتَّفَقَا وَهُوَ

يَقُوْلُ اَللّٰهُمَّ اجْعَلْ فِيْ قَلْبِيْ نُوْرًا وَاجْعَلْ فِيْ لِسَانِيْ نُوْرًا وَاجْعَلْ فِيْ سَمْعِيْ نُوْرًا وَاجْعَلْ فِيْ بَصَرِيْ نُوْرًا وَاجْعَلْ خَلْفِيْ نُوْرًا وَاَمَامِيْ نُوْرًا وَاجْعَلْ مِنْ فَوْقِيْ نُوْرًا وَمِنْ تَحْتِيْ نُوْرًا اَللّٰهُمَّ وَاَعْظِمْ لِيْ نُوْرًا۔

ابن عباس رضؓ سے روایت ہے کہ وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاں سوئے تو آپ کو دیکھا کہ اٹھے، مسواک کی اور وضو فرمایا اور آپ یہ کہہ رہے تھے: اِنَّ فِیْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ، سورت کے آخر تک۔ پھر اٹھے تو دو رکعات پڑھیں جن میں قیام اور رکوع سجود کو لمبا کیا، پھر نماز ختم کی اور سو گئے حتیٰ کہ خراٹے کی آواز آئی۔ پھر آپ نے تین مرتبہ یہی کیا۔ چھ رکعتیں پڑھیں، ہر بار مسواک کرتے پھر وضو کرتے اور یہی آیات پڑھتے۔ پھر آپ نے وتر پڑھے عثمان نے کہا تین رکعت۔ پھر مؤذن آپ کے پاس آیا تو آپ نماز کی طرف نکلے۔ اور ابن عیسیٰ نے کہا: پھر آپ نے وتر پڑھے پھر بلال رضؓ نے آکر آپ کو نماز کی اطلاع دی جب کہ فجر طلوع ہو گئی پس آپ نے فجر کی دو رکعتیں پڑھیں پھر نماز کے لیے تشریف لے گئے۔ پھر دونوں راوی متفق ہو گئے، اس حال میں کہ آپ یہ دعا کرتے تھے۔ اے اللہ میرے دل میں نور پیدا کر اور میری زبان میں نور پیدا کر اور میرے اوپر نور پیدا کر اور میرے نیچے نور پیدا کر، اے اللہ اور مجھے عظیم نور عطا فرما (یہ حدیث مسند احمد میں بھی ہے اور مسلم اور نسائی میں بھی۔ اور بخاری اور مسلم نے اسے کریب عن ابن عباس رضؓ روایت کیا ہے)

۱۳۵۷۔ حَدَّثَنَا وَهْبُ ابْنُ بَقِيَّةَ عَنْ خَالِدٍ عَنْ حُصَيْنٍ نَحْوَهُ قَالَ وَاَعْظِمْ لِيْ نُوْرًا قَالَ اَبُوْدَاؤدَ وَكَذٰلِكَ قَالَ اَبُوْخَالِدٍ الدَّالَانِيُّ عَنْ حَبِيْبٍ فِيْ هٰذَا وَكَذٰلِكَ قَالَ فِيْ هٰذَا قَالَ سَلَمَةُ بْنُ كُهَيْلٍ عَنْ اَبِيْ رِشْدِيْنَ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ۔

دوسری سند سے یہی حدیث، اس میں راوی کا بیان ہے کہ حضور نے فرمایا۔ وَاَعْظِمْ لِیْ نُوْرًا۔ پھر ابوداؤد نے دوسری روایتوں سے اس کی تقویت کی۔ (بعض دوسری روایات میں وَعَظِّمْ لِیْ نُوْرًا کا لفظ مروی ہے)

۱۳۵۸۔ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ نَا اَبُوْعَاصِمٍ نَا زُهَيْرُ بْنُ مُحَمَّدٍ عَنْ شَرِيْكِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ نَمِرٍ عَنْ كُرَيْبٍ عَنِ الْفَضْلِ بْنِ عَبَّاسٍ قَالَ بِتُّ لَيْلَةً عِنْدَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِاَنْظُرَ كَيْفَ يُصَلِّيْ فَقَامَ فَتَوَضَّأَ وَصَلّٰى رَكْعَتَيْنِ قِيَامُهُ مِثْلُ رُكُوْعِهٖ وَرُكُوْعُهُ مِثْلُ سُجُوْدِهٖ ثُمَّ نَامَ ثُمَّ اسْتَيْقَظَ فَتَوَضَّأَ وَاسْتَنَّ ثُمَّ قَرَاَ بِخَمْسِ اٰيَاتٍ مِنْ اٰلِ عِمْرَانَ اِنَّ فِيْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاخْتِلَافِ اللَّيْلِ وَالنَّهَارِ فَلَمْ يَزَلْ

يَفْعَلُ هٰذَا حَتّٰى صَلّٰى عَشْرَ رَكْعَاتٍ ثُمَّ قَامَ سَجِيَّةً وَاحِدَةً فَصَلّٰى رَكْعَةً فَأَوْتَرَ بِهَا وَنَادَى الْمُنَادِيْ عِنْدَ ذٰلِكَ فَقَامَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَعْدَ مَا سَكَتَ الْمُؤَذِّنُ فَصَلّٰى سَجْدَتَيْنِ خَفِيْفَتَيْنِ ثُمَّ جَلَسَ حَتّٰى صَلَّى الصُّبْحَ قَالَ اَبُوْ دَاوٗدَ خَفِيَ عَلَيَّ مِنِ ابْنِ بَشَّارٍ بَعْضُهٗ۔

فضل بن عباس رضؓ نے کہا کہ میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک رات گذاری تا کہ دیکھوں کہ آپ کیسے نماز پڑھتے ہیں، پس حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اٹھے اور وضو کیا اور دو رکعتیں پڑھیں۔ آپ کا قیام رکوع کی طرح اور رکوع سجدے کی مانند تھا۔ پھر سو گئے پھر اٹھے اور وضو کیا اور مسواک فرمائی پھر سورہ آل عمران کی پانچ آیتیں پڑھیں، اِنَّ فِيْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاخْتِلَافِ اللَّيْلِ وَالنَّهَارِ۔ پس آپ یونہی کرتے رہے حتیٰ کہ آپ نے دس رکعات پڑھیں، پھر اٹھے اور نماز پڑھی ایک رکعت اور اس کے ساتھ نماز کو وتر بنایا اور اس وقت مؤذن نے اذان دے دی، مؤذن کے چپ ہو جانے کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اٹھے اور دو ہلکی رکعتیں پڑھیں پھر بیٹھ گئے حتیٰ کہ صبح کی نماز پڑھی۔ ابوداؤد نے کہا کہ اس حدیث کا کچھ حصہ ابن بشار سے مجھ پر مخفی رہا۔

شرح: مسلم کی روایت میں فضل کے بجائے عبداللہ بن عباس رضؓ کا ذکر ہے۔ ابوداؤد کے سوا کسی اور نے فضل کا ذکر نہیں کیا، ممکن ہے کہ قصہ دونوں (عبداللہ رضؓ اور فضل رضؓ) کو پیش آیا ہو اور یہ بھی ممکن ہے کہ فضل رضؓ کا ذکر کسی راوی کے وہم کا نتیجہ ہو۔ حافظ ابن حجر نے فتح الباری میں کہا ہے کہ سب راوی جو حافظ و متقن ہیں یہ کہتے ہیں کہ جس رات کو عبداللہ بن عباس رضؓ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تیرہ رکعت صلاۃ اللیل پڑھی تھی اور بعض نے صراحت کی ہے کہ فجر کی دو رکعت نماز اس کے علاوہ تھی، لیکن شریک بن ابی نمیر عن کریب کی روایت ان کے خلاف ہے جس میں بخاری کے الفاظ میں حضور نے گیارہ رکعت صلاۃ اللیل پڑھی اور دو رکعت اذان فجر کے بعد بطور سنت فجر پڑھی۔

۱۳۵۹۔ حَدَّثَنَا عُثْمَانُ بْنُ اَبِيْ شَيْبَةَ نَا وَكِيْعٌ نَا مُحَمَّدُ بْنُ قَيْسٍ الْاَسَدِيُّ عَنِ الْحَكَمِ بْنِ عُتَيْبَةَ عَنْ سَعِيْدِ بْنِ جُبَيْرٍ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ بِتُّ عِنْدَ خَالَتِيْ مَيْمُوْنَةَ فَجَاءَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَعْدَ مَا اَمْسٰى فَقَالَ اَصَلَّى الْغُلَامُ قَالُوْا نَعَمْ فَاضْطَجَعَ حَتّٰى اِذَا مَضٰى مِنَ اللَّيْلِ مَا شَاءَ اللّٰهُ قَامَ فَتَوَضَّأَ ثُمَّ صَلّٰى سَبْعًا اَوْ خَمْسًا اَوْتَرَ بِهِنَّ لَمْ يُسَلِّمْ اِلَّا فِيْ اٰخِرِهِنَّ۔

ابن عباس رضؓ نے کہا کہ میں نے اپنی خالہ میمونہؓ کے ہاں رات گزاری، پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رات کو دیر سے تشریف لائے اور فرمایا کیا لڑکے (ابن عباس رضؓ) نے نماز پڑھ لی ہے؟ گھر والوں نے کہا کہ ہاں۔ پھر آپ لیٹ گئے حتیٰ کہ جب رات اتنی گزر گئی جو اللہ چاہتا تھا تو اُٹھے اور وضوء کیا، پھر آپ نے سات یا پانچ وتر پڑھے اور سلام صرف آخر میں کیا۔

۱۳۶۰۔ حَدَّثَنَا ابْنُ الْمُثَنَّى نَا ابْنُ أَبِي عَدِيٍّ عَنْ شُعْبَةَ عَنِ الْحَكَمِ عَنْ سَعِيدِ بْنِ جُبَيْرٍ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ بِتُّ فِي بَيْتِ خَالَتِي مَيْمُونَةَ بِنْتِ الْحَارِثِ فَصَلَّى النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْعِشَاءَ ثُمَّ جَاءَ فَصَلَّى أَرْبَعًا ثُمَّ نَامَ ثُمَّ قَامَ يُصَلِّي فَقُمْتُ عَنْ يَسَارِهِ فَأَدَارَنِي فَأَقَامَنِي عَنْ يَمِينِهِ فَصَلَّى خَمْسًا ثُمَّ نَامَ حَتَّى سَمِعْتُ غَطِيطَهُ أَوْ خَطِيطَهُ ثُمَّ قَامَ فَصَلَّى رَكْعَتَيْنِ ثُمَّ خَرَجَ فَصَلَّى الْغَدَاةَ۔

ابن عباس رضؓ نے کہا کہ میں نے اپنی خالہ میمونہ رضؓ بنت الحارث کے ہاں رات گزاری۔ پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عشاء کی نماز پڑھائی پھر گھر آئے اور چار رکعات پڑھیں، پھر سو گئے، پھر اٹھے اور نماز پڑھنے لگے تو میں آپ کے بائیں ہاتھ کھڑا ہو گیا، پس آپ نے مجھے پھیر کر دائیں طرف کر لیا، پھر پانچ رکعات پڑھیں، پھر سو گئے حتیٰ کہ میں نے آپ کا خراٹا سنا، پھر اُٹھے اور دو رکعتیں پڑھیں پھر باہر تشریف لے گئے اور فجر کی نماز پڑھی۔ (بخاری اور نسائی نے بھی یہ حدیث روایت کی اور مسلم میں بھی اس قسم کی حدیث موجود ہے۔ صلاۃ اللیل میں ابن عباس رضؓ کی روایت میں اجمال وتفصیل کا کیفیت اداء کا اور تعداد رکعات کا اختلاف موجود ہے اس پر کچھ گفتگو ابھی آئیگی

۱۳۶۱۔ حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ نَا عَبْدُ الْعَزِيزِ بْنُ مُحَمَّدٍ نَا عَبْدُ الْمَجِيدِ عَنْ يَحْيَى بْنِ عَبَّادٍ عَنْ سَعِيدِ بْنِ جُبَيْرٍ أَنَّ ابْنَ عَبَّاسٍ حَدَّثَهُ فِي هٰذِهِ الْقِصَّةِ قَالَ قَامَ فَصَلَّى رَكْعَتَيْنِ رَكْعَتَيْنِ حَتَّى صَلَّى ثَمَانِيَ رَكَعَاتٍ ثُمَّ أَوْتَرَ بِخَمْسٍ لَمْ يَجْلِسْ بَيْنَهُنَّ۔

ابن عباس رضؓ سے روایت ہے کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاں سوئے اور انہوں نے یہ قصہ سعید بن جبیر کو سنایا، فرمایا کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اٹھے اور دو دو رکعت نماز پڑھی حتیٰ کہ آٹھ رکعتیں پڑھیں۔ پھر پانچ وتر پڑھے اور ان کی آخری رکعت میں ہی جلسہ فرمایا۔

شرح: حافظ ابن حجر نے فتح الباری میں کہا ہے کہ ابن عباس رضؓ کی روایت جو سعید بن جبیر سے صلاۃ اللیل میں ہے اس میں بھی اختلاف ہے۔ شعبہ عن الحکم کی روایت میں ہے کہ حضورؐ چار رکعات پڑھ کر سو گئے اور پھر پانچ رکعتیں پڑھیں محمد بن نصر نے کہا کہ چار رکعات عشاء کی سنتیں تھیں کیونکہ وہ نیند سے پہلے تھے۔ مگر منہال بن عمرو عن علی بن عبداللہ بن

عباس رضؓ کی روایت میں محمد بن نصر کے اس خیال کے خلاف ہے کیونکہ اس میں ہے کہ حضورؐ نے عشاء کے بعد چار رکعتیں پڑھیں حتیٰ کہ جب مسجد میں کوئی نہ رہا تو آپ گھر تشریف لائے۔ اس روایت کا مطلب یہ ہے کہ عشاء کی نماز کے بعد کی سنتیں حضورؐ نے مسجد میں پڑھی تھیں نہ کہ گھر میں۔ اور سعید بن جبیر کی روایت بھی یہ بتاتی ہے کہ آپ نے پانچ رکعتیں سو کر اٹھنے کے بعد ادا کی تھیں مگر اس میں کلام ہے۔ ابو داؤد کی الحکم سے جو روایت آئی ہے اس میں ہے کہ آپ نے پانچ یا سات رکعات وتر سمیت پڑھیں اور ان کے صرف آخر میں سلام کہا۔ سعید بن جبیر کی ایک اور روایت یہ ظاہر کرتی ہے کہ حکم کی روایت میں تقصیر ہے۔ نسائی میں یحیی بن عباد عن سعید بن جبیر کے طریق سے روایت ہے کہ آپ نے دو دو رکعت کر کے آٹھ رکعات پڑھیں اور پھر پانچ وتر پڑھے (یہ حدیث یہاں سنن ابی داؤد میں بھی ہے جو اس وقت زیر نظر ہے) حافظ صاحب نے کہا کہ اس سے سعید اور کریب کی روایت جمع ہو جاتی ہے۔

مولانا نے فرمایا کہ میرے نزدیک سعید بن جبیر کی روایات میں کوئی اختلاف نہیں۔ اصل ان میں یحیی بن عباد عن سعید بن جبیر عن ابن عباس رضؓ کی روایت ہے جو سنن ابی داؤد کے علاوہ نسائی میں بھی مروی ہے۔ اس میں ہے کہ حضورؐ نے دو دو کے حساب آٹھ رکعات پڑھیں پھر پانچ وتر پڑھے یہ کل تیرہ ۱۳ رکعات ہوئیں حکم عن سعید بن جبیر عن ابن عباس کی روایت اس کے موافق ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے عشاء کی نماز پڑھی پھر تشریف لاکر چار پڑھیں (ابو داؤد میں چار کا لفظ ہے رکعات کا نہیں) پھر سو گئے اور اٹھ کر پانچ پڑھیں۔ پس یہ روایت یحیی بن عباد کی روایت کے موافق ہے کیونکہ اس میں اربعًا کے لفظ سے مراد چار شفعے (آٹھ رکعات) ہیں سو یہ ۵ + ۸ = ۱۳ رکعتیں ہیں۔ اور حافظ ابن حجر نے جو تفسیر کا حوالہ دے کر اربع رکعات کا لفظ اس روایت حکم میں بیان کیا ہے یہ مجھے تفسیر میں نہیں ملا اور شاید راوی نے اربع کے ساتھ رکعات کا لفظ اپنی طرف سے بڑھا دیا ہے۔ یہ لفظ محمد بن نصر نے بھی روایت کیا ہے لیکن وہ بھی شاید راوی کے وہم سے پیدا ہوا ہے۔ دوسری روایت جو ابو داؤد نے الحکم بن عتیبہ عن سعید بن جبیر کے طریق سے بیان کی ہے اور جس میں سات یا پانچ وتر کا بیان ہے تو اس میں اختصار واقع ہوا ہے اور راوی نے آٹھ رکعات کا ذکر ساقط کر دیا ہے جو ان پانچ سے قبل تھیں۔

۱۳۶۲۔ حَدَّثَنَا عَبْدُ الْعَزِيزِ بْنُ يَحْيَى الْحَرَّانِيُّ حَدَّثَنِي مُحَمَّدُ بْنُ سَلَمَةَ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ إِسْحَاقَ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ جَعْفَرِ بْنِ الزُّبَيْرِ عَنْ عُرْوَةَ بْنِ الزُّبَيْرِ عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُصَلِّي ثَلَاثَ عَشْرَةَ رَكْعَةً بِرَكْعَتَيْهِ قَبْلَ الصُّبْحِ يُصَلِّي سِتًّا مَثْنَى مَثْنَى وَيُوتِرُ بِخَمْسٍ لَا يَقْعُدُ بَيْنَهُنَّ إِلَّا فِي آخِرِهِنَّ۔

ام المؤمنین عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تیرہ ۱۳ رکعات پڑھتے تھے نماز فجر والی رکعت سمیت چھ رکعتیں دو دو کر کے پڑھتے تھے اور پانچ وتر پڑھتے تھے جن کے صرف آخر میں قعدہ فرماتے تھے (اس قسم کی ایک روایت پہلے گزر چکی ہے)

۱۳۶۳۔ **حَدَّثَنَا** قُتَيْبَةُ نَا اللَّيْثُ عَنْ يَزِيدَ بْنِ أَبِي حَبِيبٍ عَنْ عِرَاكِ بْنِ مَالِكٍ عَنْ عُرْوَةَ عَنْ عَائِشَةَ أَنَّهَا أَخْبَرَتْهُ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يُصَلِّي بِاللَّيْلِ ثَلَاثَ عَشْرَةَ رَكْعَةً بِرَكْعَتَي الْفَجْرِ۔

عائشہ رضی عنہ نے بیان کیا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تیرہ رکعات فجر کی دو رکعات سمیت پڑھتے تھے۔ مسلم نے بھی صلوۃ اللیل میں اسے روایت کیا۔ گویا ۱۱ رکعت صلوۃ اللیل اور دو رکعت فجر کی ہوتی تھیں۔

۱۳۶۴۔ **حَدَّثَنَا** نَصْرُ بْنُ عَلِيٍّ وَجَعْفَرُ بْنُ مُسَافِرٍ أَنَّ عَبْدَ اللهِ بْنَ يَزِيدَ الْمُقْرِئَ أَخْبَرَهُمَا عَنْ سَعِيدِ بْنِ أَبِي أَيُّوبَ عَنْ جَعْفَرِ بْنِ رَبِيعَةَ عَنْ عِرَاكِ ابْنِ مَالِكٍ عَنْ أَبِي سَلَمَةَ عَنْ عَائِشَةَ أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَلَّى الْعِشَاءَ ثُمَّ صَلَّى ثَمَانِيَ رَكَعَاتٍ قَائِمًا وَرَكْعَتَيْنِ بَيْنَ الْأَذَانَيْنِ وَلَمْ يَكُنْ يَدَعُهُمَا قَالَ جَعْفَرُ بْنُ مُسَافِرٍ فِي حَدِيثِهِ وَرَكْعَتَيْنِ جَالِسًا بَيْنَ الْأَذَانَيْنِ زَادَ جَالِسًا۔

عائشہ سلام اللہ علیہا سے روایت ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز عشا پڑھائی پھر آٹھ رکعات کھڑے ہو کر پڑھیں اور دو رکعتیں (فجر کی) دو اذانوں (اذان واقامت) کے درمیان پڑھیں اور آپ انہیں ترک نہ فرماتے تھے۔ جعفر بن مسافر کی روایت میں ان دو رکعتوں کے ساتھ جالسًا (بیٹھ کر) کا لفظ بھی ہے (بخاری نے بھی اسے صلاۃ اللیل میں روایت کیا ہے)

شرح: اس حدیث میں وتر کا ذکر نہیں آیا ہے اور بظاہر تین وتر تھے تاکہ آٹھ سے ملا کر گیارہ رکعت ہو جائیں۔ جعفر بن مسافر ثقہ راوی ہے مگر کبھی کبھی اسے وہم ہوتا تھا سو ممکن ہے جالسًا کا لفظ وہم کا نتیجہ ہو یا یہ وہ دو رکعتیں ہوں جن کے بیٹھ کر پڑھنے کا ذکر بہت سی احادیث میں گزر چکا ہے، اگر یہ فجر کی رکعات تھیں جیسا کہ الفاظ سے ظاہر ہے تو کسی عذر پر محمول ہوں گی۔

۱۳۶۵۔ **حَدَّثَنَا** أَحْمَدُ بْنُ صَالِحٍ وَمُحَمَّدُ بْنُ سَلَمَةَ الْمُرَادِيُّ قَالَا نَا ابْنُ وَهْبٍ عَنْ مُعَاوِيَةَ بْنِ صَالِحٍ عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ أَبِي قَيْسٍ قَالَ قُلْتُ لِعَائِشَةَ بِكَمْ كَانَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُوتِرُ قَالَتْ كَانَ يُوتِرُ بِأَرْبَعٍ وَثَلَاثٍ وَسِتٍّ وَثَلَاثٍ

وَثَمَانٍ وَثَلَاثٍ وَعَشْرٍ وَثَلَاثٍ وَلَمْ يَكُنْ يُوتِرُ بِأَنْقَصَ مِنْ سَبْعٍ وَلَا بِأَكْثَرَ مِنْ ثَلَاثَ عَشْرَةَ زَادَ أَحْمَدُ وَلَمْ يَكُنْ يُوتِرُ بِرَكْعَتَيْنِ قَبْلَ الْفَجْرِ قُلْتُ مَا يُوتِرُ قَالَتْ لَمْ يَكُنْ يَدَعُ ذٰلِكَ وَلَمْ يَذْكُرْ أَحْمَدُ وَسِتٍّ وَثَلَاثٍ۔

عبداللہ بن ابی قیس نے کہا کہ میں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے حضور کے وتر کی تعداد پوچھی تو انہوں نے فرمایا کہ چار جمع تین اور چھ جمع تین اور آٹھ جمع تین اور دس جمع تین کے ساتھ آپ نماز کو وتر بناتے تھے۔ اور سات سے کم (وتر سمیت) اور تیرہ ۱۳ سے زیادہ (وتر سمیت) آپ نہیں پڑھتے تھے۔ احمد بن صالح کی روایت میں یہ زیادہ ہے کہ فجر سے قبل آپ دو رکعتوں سے وتر نہیں پڑھتے تھے۔ میں نے پوچھا کہ اس کا کیا مطلب ہے؟ تو فرمایا آپ یہ دو رکعتیں نہ چھوڑتے تھے۔ اور احمد نے چھ جمع تین کا ذکر نہیں کیا۔

شرح: ام المومنین رضی اللہ عنہا کا لفظ لَمْ يَكُنْ يُوتِرُ بِرَكْعَتَيْنِ لغوی معنی میں ہے، یعنی وتر بمعنی ترک۔ جیسا کہ نماز عصر کے متعلق صحاح کی روایت ہے کہ جس نے اسے چھوڑا: فَكَأَنَّمَا وُتِرَ أَهْلَهُ وَمَالَهُ۔ "تو گویا اس کے اہل و مال چھن گئے"۔ اس حدیث میں چھ جمع تین، آٹھ جمع تین اور دس جمع تین کے الفاظ سے واضح طور پر تین وتر ثابت ہو رہے ہیں۔ اور وتر کے بارے میں یہی حنفیہ کا مسلک ہے۔

۱۳۶۶۔ حَدَّثَنَا مُؤَمَّلُ بْنُ هِشَامٍ نَا إِسْمٰعِيلُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ عَنْ مَنْصُورِ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ عَنْ أَبِي إِسْحٰقَ الْهَمْدَانِيِّ عَنِ الْأَسْوَدِ بْنِ يَزِيدَ أَنَّهُ دَخَلَ عَلَى عَائِشَةَ فَسَأَلَهَا عَنْ صَلٰوةِ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اللَّيْلَ فَقَالَتْ كَانَ يُصَلِّي ثَلَاثَ عَشْرَةَ رَكْعَةً مِنَ اللَّيْلِ ثُمَّ إِنَّهُ صَلَّى إِحْدَى عَشْرَةَ رَكْعَةً وَتَرَكَ رَكْعَتَيْنِ ثُمَّ قُبِضَ حِيْنَ قُبِضَ وَهُوَ يُصَلِّي مِنَ اللَّيْلِ تِسْعَ رَكَعَاتٍ وَكَانَ آخِرُ صَلَاتِهِ مِنَ اللَّيْلِ الْوِتْرَ۔

اسود بن یزید حضرت ام المومنین عائشہ رضی اللہ عنہا کے ہاں حاضر ہوئے اور اُن سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صلوٰۃ اللیل کے متعلق سوال کیا۔ انہوں نے فرمایا کہ حضور رات کو تیرہ رکعت پڑھتے تھے، پھر گیارہ رکعت پڑھنے لگے اور دو رکعت ترک کر دیں، پھر جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات شریف واقع ہوئی تو اس وقت نو ۹ رکعت پڑھتے تھے اور رات کو آپ کی آخری نماز وتر ہوتی تھی (یہ حدیث ترمذی اور نسائی نے بھی روایت کی ہے اور اس کا آخری حصہ مسلم میں بھی ہے)

شرح: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے اس حدیث میں فجر کی دو رکعات کا ذکر نہیں فرمایا کیونکہ وہ صلاۃ اللیل میں داخل نہیں ہوتیں۔ اوپر گزر چکا ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی صلوٰۃ اللیل کے بارے میں احادیث مختلف ہیں اور وہ مختلف

احوال وضرورت اور اوقات پر محمول ہیں بعض احادیث میں فجر کی دو رکعات سمیت تیرہ رکعت ہیں، بعض میں صلوٰۃ اللیل کی آخری دو رکعات جو بیٹھ کر پڑھی جاتی تھیں ان کا بیان ہے اور بعض میں نہ فجر کی رکعات کا اور نہ بیٹھ کر پڑھی جانے والی دو رکعات کا ذکر ہے۔ علامہ قرطبی نے کہا ہے کہ حضرت عائشہؓ کی حدیث کو بہت سے علماء نے متعارض اور مشکل کہا ہے حتیٰ کہ بعض نے تو ان میں اضطراب کا حکم لگا دیا۔ اضطراب تو تب ہوتا اگر ان سب کا راوی ایک ہوتا، مگر راوی بھی کئی ہیں لہٰذا یہی کہا جائے گا کہ یہ مختلف اوقات و احوال وضرورت پر محمول ہیں (واللہ اعلم)

۱۳۶۷۔ حَدَّثَنَا عَبْدُ الْمَلِكِ بْنُ شُعَيْبِ ابْنِ اللَّيْثِ حَدَّثَنِي أَبِي عَنْ جَدِّي عَنْ خَالِدِ ابْنِ يَزِيدَ عَنْ سَعِيدِ بْنِ أَبِي هِلَالٍ عَنْ مَخْرَمَةَ بْنِ سُلَيْمَانَ أَنَّ كُرَيْبًا مَوْلَى ابْنِ عَبَّاسٍ أَخْبَرَهُ أَنَّهُ قَالَ سَأَلْتُ ابْنَ عَبَّاسٍ كَيْفَ كَانَتْ صَلٰوةُ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِاللَّيْلِ قَالَ بِتُّ عِنْدَهُ لَيْلَةً وَهُوَ عِنْدَ مَيْمُونَةَ فَنَامَ حَتَّى إِذَا ذَهَبَ ثُلُثُ اللَّيْلِ أَوْ نِصْفُهُ اسْتَيْقَظَ فَقَامَ إِلَى شَنٍّ فِيهِ مَاءٌ فَتَوَضَّأَ وَتَوَضَّأْتُ مَعَهُ ثُمَّ قَامَ فَقُمْتُ إِلَى جَنْبِهِ عَلَى يَسَارِهِ فَجَعَلَنِي عَلَى يَمِينِهِ ثُمَّ وَضَعَ يَدَهُ عَلَى رَأْسِي كَأَنَّهُ يَمَسُّ أُذُنِي كَأَنَّهُ يُوقِظُنِي فَصَلَّى رَكْعَتَيْنِ خَفِيفَتَيْنِ قُلْتُ فَقَرَأَ فِيهِمَا بِأُمِّ الْقُرْآنِ فِي كُلِّ رَكْعَةٍ ثُمَّ سَلَّمَ ثُمَّ صَلَّى حَتَّى صَلَّى إِحْدَى عَشْرَةَ رَكْعَةً بِالْوِتْرِ ثُمَّ نَامَ فَأَتَاهُ بِلَالٌ فَقَالَ الصَّلٰوةُ يَا رَسُولَ اللهِ فَقَامَ فَرَكَعَ رَكْعَتَيْنِ ثُمَّ صَلَّى لِلنَّاسِ۔

حضرت ابن عباس رضؓ کے غلام کریب نے ان سے پوچھا کہ رات کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز کی کیفیت کیا ہوتی تھی؟ ابن عباس رضؓ نے کہا کہ میں نے آپ کے ہاں رات گذاری تھی جبکہ آپؐ حضرت میمونہ رضؓ کے پاس تھے۔ پس آپ سو گئے حتیٰ کہ جب رات کا تیسرا حصہ گزر گیا یا نصف گزر گیا تو جاگے اور مشک کی طرف گئے جس میں پانی تھا۔ پس آپؐ نے وضوء کیا اور میں نے بھی آپ کے ساتھ وضوء کیا۔ پھر آپ نماز کے لیے کھڑے ہوئے اور میں آپ کے بائیں طرف آپ کے ساتھ کھڑا ہو گیا، پس آپ نے مجھے اپنے دائیں طرف پھیر لیا پھر میرے سر پہ ہاتھ رکھا گویا کہ آپؐ میرا کان چھو رہے تھے اور مجھے جگا رہے تھے۔ پھر آپؐ نے دو ہلکی رکعتیں پڑھیں۔ میں نے دل میں کہا کہ شاید آپ نے ان میں صرف سورۂ فاتحہ ہی پڑھی ہے یعنی ہر دو رکعت میں۔ پھر آپ نے سلام کہا، پھر گیارہ رکعات پڑھیں وتر سمیت۔ پھر سو گئے حتیٰ کہ بلال رضؓ آپ کے پاس آیا اور کہا یا رسول اللہ نماز۔ پس آپ اٹھے اور دو رکعات پڑھیں پھر لوگوں کو نماز پڑھائی۔ (بخاری نے اسے صلاۃ الوتر میں مختصراً اور مطولاً روایت کیا، مسلم نے صلاۃ اللیل میں اور نسائی، ترمذی اور ابن ماجہ نے بھی روایت کیا۔ اس روایت میں پہلے دو ہلکی رکعتیں، پھر وتر سمیت گیارہ رکعتیں

اور پھر سنت فجر کو ادا کرنے کا ذکر ہے۔ لیکن گیارہ رکعت کے بعد دو رکعت بیٹھ کر پڑھنے کا ذکر نہیں آیا۔ ویسے اس حدیث سے بہت سی الجھنیں دُور ہو جاتی ہیں جو دیگر احادیث، بالخصوص ام المؤمنین عائشہ رضی اللہ عنہا کی مرویات سے پیدا ہو جاتی ہیں۔

۱۳۶۸۔ **حَدَّثَنَا** نُوحُ بْنُ حَبِيبٍ وَ يَحْيَى بْنُ مُوسَى قَالَا نَا عَبْدُ الرَّزَّاقِ أَنَا مَعْمَرٌ عَنِ ابْنِ طَاوُسٍ عَنْ عِكْرِمَةَ بْنِ خَالِدٍ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ بِتُّ عِنْدَ خَالَتِي مَيْمُونَةَ فَقَامَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُصَلِّي مِنَ اللَّيْلِ فَصَلَّى ثَلَاثَ عَشْرَةَ رَكْعَةً مِنْهَا رَكْعَتَا الْفَجْرِ حَزَرْتُ قِيَامَهُ فِي كُلِّ رَكْعَةٍ بِقَدْرِ يَا أَيُّهَا الْمُزَّمِّلُ لَمْ يَقُلْ نُوحٌ مِنْهَا رَكْعَتَا الْفَجْرِ۔

عکرمہ بن خالد سے روایت ہے کہ ابن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا: میں نے اپنی خالہ میمونہ رضی اللہ عنہا کے گھر میں رات گزاری تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رات کو اٹھے اور فجر کی دو رکعات سمیت تیرہ ۱۳ رکعات پڑھیں جن میں وتر شامل تھے، پھر آپ سو گئے میں نے ہر رکعت میں آپ کے قیام کا اندازہ سورۂ مزمل کی قرأت جتنا کیا۔ راوی نوح نے "فجر کی دو رکعت سمیت" کا لفظ نہیں بولا (یہ حدیث نسائی نے بھی روایت کی ہے۔ نوح کی روایت ابن عباس رضی اللہ عنہ کی بقیہ سب روایات کے ساتھ موافق تر ہے کہ اُن میں فجر کی دو رکعات کو اس تیرہ کے عدد سے خارج کیا گیا ہے)

۱۳۶۹۔ **حَدَّثَنَا** الْقَعْنَبِيُّ عَنْ مَالِكٍ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ أَبِي بَكْرٍ عَنْ أَبِيهِ أَنَّ عَبْدَ اللّٰهِ بْنَ قَيْسِ بْنِ مَخْرَمَةَ أَخْبَرَهُ عَنْ زَيْدِ بْنِ خَالِدٍ الْجُهَنِيِّ أَنَّهُ قَالَ لَأَرْمُقَنَّ صَلٰوةَ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اللَّيْلَةَ قَالَ فَتَوَسَّدْتُ عَتَبَتَهُ أَوْ فُسْطَاطَهُ فَصَلَّى رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَكْعَتَيْنِ خَفِيفَتَيْنِ ثُمَّ صَلَّى رَكْعَتَيْنِ طَوِيلَتَيْنِ طَوِيلَتَيْنِ طَوِيلَتَيْنِ ثُمَّ صَلَّى رَكْعَتَيْنِ وَهُمَا دُونَ اللَّتَيْنِ قَبْلَهُمَا ثُمَّ صَلَّى رَكْعَتَيْنِ دُونَ اللَّتَيْنِ قَبْلَهُمَا ثُمَّ صَلَّى رَكْعَتَيْنِ دُونَ اللَّتَيْنِ قَبْلَهُمَا ثُمَّ صَلَّى رَكْعَتَيْنِ دُونَ اللَّتَيْنِ قَبْلَهُمَا ثُمَّ أَوْتَرَ فَذٰلِكَ ثَلَاثَ عَشْرَةَ رَكْعَةً۔

زید بن خالد جُہنی نے کہا کہ میں آج رات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز کو ضرور دیکھوں گا۔ زید رضی اللہ عنہ نے کہا کہ میں نے آپ کی دہلیز یا آپ کے خیمے کے ساتھ سہارا لگا لیا۔ پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دو ہلکی رکعتیں پڑھیں

پھر دو لمبی لمبی رکعتیں پڑھیں، پھر دو رکعتیں پڑھیں جو پہلی دو رکعات سے کم تھیں پھر دو رکعتیں پڑھیں جو ان سے پہلی دو رکعتوں سے چھوٹی تھیں، پھر دو رکعتیں پڑھیں جو ان سے پہلی دو رکعتوں سے چھوٹی تھیں، پھر دو رکعتیں پڑھیں جو ان سے پہلی رکعتوں سے چھوٹی تھیں۔ پھر آپ نے وتر پڑھے۔ پس یہ تیرہ ۱۳ رکعتیں ہوئیں (مسلم نے اسے باب الدعاء فی صلوٰۃ اللیل میں ابن ماجہ نے باب کم یصلّی من اللیل میں روایت کیا اور بقول منذری اسے ترمذی اور نسائی نے بھی روایت کیا ہے)

شرح: معلوم ہوتا ہے کہ یہ سفر کا واقعہ ہے۔ تین بار طویلتین کا لفظ تاکید و مبالغہ کی خاطر آیا ہے، محمد بن نصر نے بھی اپنی روایت میں اس لفظ کو تین بار ذکر کیا ہے مگر مسند احمد میں صرف ایک بار آیا ہے۔ اس روایت میں بھی وتر سمیت صلاۃ اللیل کی تیرہ رکعات آئی ہیں۔

۱۳۷۰۔ حَدَّثَنَا الْقَعْنَبِيُّ عَنْ مَالِكٍ عَنْ مَخْرَمَةَ بْنِ سُلَيْمَانَ عَنْ كُرَيْبٍ مَوْلَى ابْنِ عَبَّاسٍ أَنَّ عَبْدَ اللهِ بْنَ عَبَّاسٍ أَخْبَرَهُ أَنَّهُ بَاتَ عِنْدَ مَيْمُونَةَ زَوْجِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَهِيَ خَالَتُهُ قَالَ فَاضْطَجَعْتُ فِي عَرْضِ الْوِسَادَةِ وَاضْطَجَعَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَأَهْلُهُ فِي طُولِهَا فَنَامَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَتَّى إِذَا انْتَصَفَ اللَّيْلُ أَوْ قَبْلَهُ بِقَلِيلٍ أَوْ بَعْدَهُ بِقَلِيلٍ اسْتَيْقَظَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَجَلَسَ يَمْسَحُ النَّوْمَ عَنْ وَجْهِهِ بِيَدِهِ ثُمَّ قَرَأَ الْعَشْرَ الْآيَاتِ الْخَوَاتِمَ مِنْ سُورَةِ آلِ عِمْرَانَ ثُمَّ قَامَ إِلَى شَنٍّ مُعَلَّقَةٍ فَتَوَضَّأَ مِنْهَا فَأَحْسَنَ وُضُوءَهُ ثُمَّ قَامَ يُصَلِّي قَالَ عَبْدُ اللهِ فَقُمْتُ فَصَنَعْتُ مِثْلَ مَا صَنَعَ ثُمَّ ذَهَبْتُ فَقُمْتُ إِلَى جَنْبِهِ فَوَضَعَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَدَهُ الْيُمْنَى عَلَى رَأْسِي فَأَخَذَ بِأُذُنِي يَفْتِلُهَا فَصَلَّى رَكْعَتَيْنِ ثُمَّ رَكْعَتَيْنِ ثُمَّ رَكْعَتَيْنِ ثُمَّ رَكْعَتَيْنِ ثُمَّ رَكْعَتَيْنِ قَالَ الْقَعْنَبِيُّ سِتَّ مِرَارٍ ثُمَّ أَوْتَرَ ثُمَّ اضْطَجَعَ حَتَّى جَاءَهُ الْمُؤَذِّنُ فَقَامَ فَصَلَّى رَكْعَتَيْنِ خَفِيفَتَيْنِ ثُمَّ خَرَجَ فَصَلَّى الصُّبْحَ۔

عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ نے اپنے غلام کریب کو بتایا کہ وہ (ابن عباس رضی اللہ عنہ) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجہ مطہرہ میمونہ رضی اللہ عنہا کے گھر میں، جو اُن کی خالہ تھیں، رات رہے۔ ابن عباس رضی اللہ عنہ نے کہا کہ میں تو تکیے کی چوڑائی کے بل لیٹا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے اہل خانہ لمبائی میں لیٹے۔ پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سوئے رہے حتیٰ کہ جب نصف

رات ہوگئی یا اس سے کچھ پہلے یا اس کے کچھ بعد تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جاگے اور بیٹھ کر اپنے چہرے سے اپنے ہاتھ کے ساتھ نیند کا اثر پونچھنے لگے۔ پھر آپ نے سورۂ آل عمران کی دس آخری آیات پڑھیں پھر ایک لٹکی ہوئی مشک کی طرف اٹھ کر گئے پس اس سے بہت اچھی طرح وضوء فرمایا پھر اُٹھ کر نماز پڑھنے لگے۔ عبداللہ رضی اللہ عنہ نے کہا کہ تب میں بھی اٹھا اور جس طرح آپ نے کیا تھا میں نے بھی کیا، پھر جا کر آپ کے پہلو میں کھڑا ہو گیا۔ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا دایاں ہاتھ میرے سر پر رکھا اور میرا کان پکڑ کر مروڑنے لگے۔ پھر آپ نے دو رکعت پھر دو رکعت پھر دو رکعت پھر دو رکعت پھر دو رکعت پھر دو رکعت نماز پڑھی۔ قعنبی (ابو داؤد کے شیخ) نے چھ بار کہا، پھر وتر پڑھے اور لیٹ گئے حتیٰ کہ آپ کے پاس مؤذن آیا۔ پس آپ اٹھے اور دو ہلکی رکعتیں پڑھیں، پھر باہر نکلے اور صبح کی نماز پڑھائی (کچھ اختلاف الفاظ کے ساتھ یہ حدیث اوپر نمبر ۱۳۶۴ پر گزر چکی ہے۔ وہاں مخرمہ بن سلیمان سے نیچے کی سند اس موجودہ روایت کی سند سے مختلف تھی)

بَابٌ مَا يُؤْمَرُ بِهِ مِنَ الْقَصْدِ فِي الصَّلٰوةِ۔

اس حکم کا باب جو نماز میں اعتدال کے متعلق دیا جاتا ہے

۱۳۷۱۔ حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ نَا اللَّيْثُ عَنِ ابْنِ عَجْلَانَ عَنْ سَعِيْدٍ الْمَقْبُرِيِّ عَنْ أَبِي سَلَمَةَ عَنْ عَائِشَةَ أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اِكْلَفُوْا مِنَ الْعَمَلِ مَا تُطِيْقُوْنَ فَإِنَّ اللّٰهَ لَا يَمَلُّ حَتّٰى تَمَلُّوْا فَإِنَّ أَحَبَّ الْعَمَلِ إِلَى اللّٰهِ أَدْوَمُهُ وَإِنْ قَلَّ وَكَانَ إِذَا عَمِلَ عَمَلًا أَثْبَتَهُ۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: عمل اتنا برداشت کرو جس کی تمہیں طاقت ہو کیونکہ اللہ تعالیٰ نہیں اکتاتا حتیٰ کہ تم ہی اکتا جاؤ گے، کیونکہ اللہ سب سے پیارا عمل وہ ہے جس پر ہمیشگی ہو اگرچہ وہ کم ہو۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب کوئی کام کرتے تھے تو اس پر دوام فرماتے تھے (بخاری نے اسے قیام اللیل میں روایت کیا، مسلم نے فضیلۃ العمل الدائم میں، نسائی اور ابن ماجہ نے بھی روایت کیا۔ ابن ماجہ نے اسے ابوہریرہ رضی اللہ عنہ اور جابر رضی اللہ عنہ سے بھی روایت کیا ہے)

شرح: خطابی نے معالم السنن میں اس حدیث کا مطلب یہ لکھا ہے کہ، گو تم اکتا ہی جاؤ مگر اللہ تعالیٰ کبھی نہیں اکتاتا۔ گویا حتیٰ اس میں وَاِنْ یا اِذَا کے معنی میں ہے اور ادب عربی میں اس کی مثالیں کثرت سے ہیں۔ اگر اللہ تعالیٰ بھی مخلوق کی مانند ملول ہو جاتا تو اس میں اور مخلوق میں کیا فرق رہتا۔ بعض نے اس کا معنی یہ بیان کیا ہے کہ: جب تک تم عمل سے نہ اکتاؤ اللہ تعالیٰ ثواب و اجر دینے سے نہیں اکتاتا۔ اس صورت میں ملال کا معنی ترک ہوگا کیونکہ جو کسی چیز سے ملول ہو جائے وہ اسے ترک کر دیتا ہے۔ گویا بہر صورت ملال کا لفظ حدیث میں از قسم مشاکلت وارد ہوا ہے، یعنی یہ صرف لفظی مشاکلت ہے، ورنہ مخلوق کے ملال میں اور اللہ تعالیٰ کے ملال میں دوسرے معنی کی بنا پر کوئی نسبت نہیں ہو سکتی۔

۱۳۷۲۔ حَدَّثَنَا عُبَيْدُ اللهِ بْنُ سَعْدٍ نَا عَمِّي نَا أَبِي عَنِ ابْنِ إِسْحَاقَ عَنْ هِشَامِ بْنِ عُرْوَةَ عَنْ أَبِيهِ عَنْ عَائِشَةَ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَعَثَ إِلَى عُثْمَانَ بْنِ مَظْعُونٍ فَجَاءَهُ فَقَالَ يَا عُثْمَانُ أَرَغِبْتَ عَنْ سُنَّتِي قَالَ لَا وَاللهِ يَا رَسُولَ اللهِ وَلَكِنْ سُنَّتَكَ أَطْلُبُ قَالَ فَإِنِّي أَنَامُ وَأُصَلِّي وَأَصُومُ وَأُفْطِرُ وَأَنْكِحُ النِّسَاءَ فَاتَّقِ اللهَ يَا عُثْمَانُ فَإِنَّ لِأَهْلِكَ عَلَيْكَ حَقًّا وَإِنَّ لِضَيْفِكَ عَلَيْكَ حَقًّا وَإِنَّ لِنَفْسِكَ عَلَيْكَ حَقًّا فَصُمْ وَأَفْطِرْ وَصَلِّ وَنَمْ۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ وسلم نے عثمان بن مظعون کو بلا بھیجا، عثمان آئے تو حضورؐ نے فرمایا اے عثمان! تو نے میری سنت سے منہ پھیر لیا ہے؟ اس نے کہا یا رسول اللہ خدا کی قسم ایسا نہیں ہے بلکہ میں تو آپ کی سنت کی طلب میں رہتا ہوں۔ حضورؐ نے فرمایا کہ پھر میں تو سوتا بھی ہوں اور نماز بھی پڑھتا ہوں، روزہ بھی رکھتا ہوں اور نہیں بھی رکھتا اور عورتوں سے نکاح بھی کرتا ہوں سوائے عثمان! تو اللہ کا خوف کر کیونکہ یقیناً تیری بیوی کا تجھ پر حق ہے اور تیرے مہمان کا تجھ پر حق ہے اور تیری جان کا بھی تجھ پر حق ہے۔ پس روزہ رکھ اور افطار بھی کر، اور نماز بھی پڑھ اور سو یا بھی کر۔

شرح: عثمان بن مظعونؓ ایک عابد و زاہد صحابی تھے لیکن حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تربیت کا کمال دیکھئے کہ جب آپ کو یہ معلوم ہوتا کہ کوئی شخص افراط یا تفریط میں مبتلا ہونے والا ہے تو اس کی اصلاح فرماتے۔ آپؐ کو عثمانؓ بن مظعون کی طرف سے یہ قول پہنچا تھا کہ انہوں نے کہا تھا میں رات بھر نماز پڑھا کروں گا اور سوؤں گا نہیں، روزہ رکھا کروں گا اور کبھی ترک نہ کروں گا، اور عورتوں سے کنارہ کش ہو جاؤں گا۔ اس لیے ان کی اصلاح و تربیت کے لیے آپ نے اسے طلب فرمایا اور یہ سنہری اصول بتائے تھے۔ رہبانیت اسلام کے خلاف ہے، ہر کسی کو اس کا حق دینا ہی عبادت اور عمل بالسنت ہے۔

۱۳۷۳۔ حَدَّثَنَا عُثْمَانُ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ نَا جَرِيرٌ عَنْ مَنْصُورٍ عَنْ إِبْرَاهِيمَ عَنْ عَلْقَمَةَ قَالَ سَأَلْتُ عَائِشَةَ كَيْفَ كَانَ عَمَلُ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ هَلْ كَانَ يَخُصُّ شَيْئًا مِنَ الْأَيَّامِ قَالَتْ لَا كَانَ عَمَلُهُ دِيمَةً وَأَيُّكُمْ يَسْتَطِيعُ مَا كَانَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَسْتَطِيعُ۔

علقمہ نے کہا کہ میں نے حضرت عائشہ صدیقہؓ سے پوچھا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا عمل کیسا تھا؟ کیا آپ کسی دن کو کوئی خصوصیت دیتے تھے؟ عائشہؓ نے فرمایا کہ نہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا عمل دائمی ہوتا تھا اور

جتنی استطاعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو حاصل تھی اتنی تم میں سے کس حاصل ہے؟ (بخاری، مسلم اور ترمذی نے بھی اسے روایت کیا ہے)

(شرح: اگر کوئی شخص یہ کہے کہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی حدیث سے ثابت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سب سے زیادہ روزے شعبان میں (یعنی ماہ رمضان کے بعد) رکھتے تھے لہذا یہ حدیث اس کے خلاف ہے۔ لیکن اس حدیث کا مطلب یہ ہے کہ حضور بہت زیادہ سفر میں رہتے تھے لہذا ہر مہینے کے تین روزے نہیں رکھ سکتے تھے، پھر انہیں شعبان میں جمع فرماتے تھے۔ دلائل شرع سے، جن میں یہ حدیث بھی شامل ہے ثابت ہے کہ امت کو استطاعت کے موافق ہی اتباع سنت کا حکم ہے، حضرت ام المومنین کے قول کا بھی مطلب ہے۔

بَابُ تَفْرِيعِ أَبْوَابِ شَهْرِ رَمَضَانَ

ابواب ماہ رمضان کی تفریع

بَابٌ فِي قِيَامِ شَهْرِ رَمَضَانَ

ماہ رمضان کی نماز کا باب

۱۳۷۱۔ حَدَّثَنَا الْحَسَنُ بْنُ عَلِيٍّ وَمُحَمَّدُ بْنُ الْمُتَوَكِّلِ قَالَا نَا عَبْدُ الرَّزَّاقِ أَنَا مَعْمَرٌ قَالَ الْحَسَنُ فِي حَدِيثِهِ وَمَالِكُ ابْنُ أَنَسٍ عَنِ الزُّهْرِيِّ عَنْ أَبِي سَلَمَةَ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُرَغِّبُ فِي قِيَامِ رَمَضَانَ مِنْ غَيْرِ أَنْ يَأْمُرَهُمْ بِعَزِيمَةٍ ثُمَّ يَقُولُ مَنْ قَامَ رَمَضَانَ إِيمَانًا وَاحْتِسَابًا غُفِرَ لَهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهِ فَتُوُفِّيَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَالْأَمْرُ عَلَى ذَلِكَ ثُمَّ كَانَ الْأَمْرُ عَلَى ذَلِكَ فِي خِلَافَةِ أَبِي بَكْرٍ وَصَدْرًا مِنْ خِلَافَةِ عُمَرَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ أَبُو دَاوُدَ كَذَا رَوَاهُ عُقَيْلٌ وَيُونُسُ وَأَبُو أُوَيْسٍ مَنْ قَامَ رَمَضَانَ وَرَوَى عُقَيْلٌ مَنْ صَامَ رَمَضَانَ وَقَامَهُ۔

ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قیام رمضان کی ترغیب دیتے تھے مگر پختہ حکم نہ دیتے تھے، پھر فرماتے تھے جس نے رمضان میں ایمان اور خلوص قلب کے ساتھ قیام کیا اس کے پہلے گناہ بخشے گئے۔ پس رسول اللہ صلی اللہ

علیہ وسلم کی وفات ہوگئی اور معاملہ اسی حالت پر تھا، پھر اسی حالت پر ابوبکر رضی اللہ عنہ کی خلافت میں اور عمر رضی اللہ عنہ کی خلافت میں اور عمر رضی اللہ عنہ کی خلافت کی ابتداء میں رہا ابوداؤد نے کہا کہ عقیل اور یونس اور ابواویس نے اس حدیث کو اسی طرح روایت کیا ہے یعنی: مَنْ کَانَ رَمَضَانَ اور عقیل نے مَنْ صَامَ رَمَضَانَ وَقَامَہٗ روایت کیا ہے۔ مسلم نے یہ حدیث باب الترغیب فی قیام رمضان میں روایت کی اور ترمذی نے بھی اسی نام کے باب میں اور نسائی نے کتاب الصوم میں روایت کی۔

شرح: نسائی کی روایت "اگلے پچھلے گناہ بخشے گئے" کے لفظ ہیں۔ گناہوں سے مراد صغائر ہیں اور اگر صغائر ہوں تو کبائر میں تخفیف ہوجائے گی۔ مگر یہ روایت (نسائی کی) جب "اگلے پچھلے" کا لفظ بولتی ہے تو معنی مشکل ہوجاتا ہے۔ گزشتہ گناہوں کا بخشا جانا تو سمجھ میں آتا ہے مگر آئندہ کی مغفرت کا کیا مطلب؟ وہ تو ابھی وقوع میں ہی نہیں آئے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ یا تو یہ کبائر سے محفوظ رکھے جانے کا کنایہ ہے۔ یا یہ کہ اگر ہوگئے تو بخشے ہوئے ہوں گے یعنی وقوع میں آئیں گے مگر بخشش کا وعدہ پہلے سے ہوچکا ہے۔ صلوٰۃ تراویح پر گفتگو آگے آتی ہے۔

۱۳۷۵۔ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ خَالِدٍ وَابْنُ اَبِیْ خَلَفٍ قَالَا نَا سُفْیَانُ عَنِ الزُّهْرِیِّ عَنْ اَبِیْ سَلَمَةَ عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ یَبْلُغُ بِهِ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ مَنْ صَامَ رَمَضَانَ اِیْمَانًا وَّاحْتِسَابًا غُفِرَ لَهٗ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهٖ وَمَنْ قَامَ لَیْلَةَ الْقَدْرِ اِیْمَانًا وَّاحْتِسَابًا غُفِرَ لَهٗ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهٖ قَالَ اَبُوْدَاوُدَ کَذَا رَوَاهُ یَحْیَی بْنُ اَبِیْ کَثِیْرٍ عَنْ اَبِیْ سَلَمَةَ وَمُحَمَّدُ بْنُ عَمْرٍو عَنْ اَبِیْ سَلَمَةَ۔

ابوہریرہؓ اس حدیث کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچاتے ہیں کہ: جس ایمان وخلوص قلب کے ساتھ رمضان کا روزہ رکھا اس کے گزشتہ گناہ بخشے گئے اور جس نے لیلۃ القدر کا ایمان وخلوص قلب کے ساتھ قیام کیا اس کے گزشتہ گناہ بخشے گئے۔ ابوداؤد نے کہا کہ اس حدیث کو یحییٰ بن ابی کثیر نے ابوسلمہ اور محمد بن عمرو نے ابوسلمہ سے اسی طرح روایت کیا ہے (یہ حدیث بخاری، مسلم، نسائی اور ابن ماجہ نے بھی روایت کی ہے)

۱۳۷۶۔ حَدَّثَنَا الْقَعْنَبِیُّ عَنْ مَالِكٍ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ عَنْ عُرْوَةَ بْنِ الزُّبَیْرِ عَنْ عَائِشَةَ زَوْجِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ صَلّٰی فِی الْمَسْجِدِ فَصَلّٰی بِصَلَاتِهٖ نَاسٌ ثُمَّ صَلّٰی مِنَ الْقَابِلَةِ فَکَثُرَ النَّاسُ ثُمَّ اجْتَمَعُوْا مِنَ اللَّیْلَةِ الثَّالِثَةِ فَلَمْ یَخْرُجْ اِلَیْهِمْ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فَلَمَّا اَصْبَحَ قَالَ قَدْ رَاَیْتُ الَّذِیْ صَنَعْتُمْ فَلَمْ یَمْنَعْنِیْ مِنَ الْخُرُوْجِ اِلَیْکُمْ اِلَّا اَنِّیْ خَشِیْتُ اَنْ تُفْرَضَ

عَلَيْكُمْ وَذٰلِكَ فِي رَمَضَانَ۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجۂ مطہرہ حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مسجد میں نماز پڑھی اور آپ کی آواز پر کچھ لوگوں نے نماز پڑھی۔ پھر دوسری رات کو آپ نے نماز پڑھی تو لوگ زیادہ ہو گئے، پھر وہ تیسری رات میں جمع ہوئے تو ان کی طرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نہیں نکلے۔ جب صبح ہوئی تو آپ نے فرمایا: جو کچھ تم نے کیا تھا وہ میں نے دیکھا لیکن تمہاری طرف آنے سے مجھے صرف اس خوف نے روکا کہ مبادا یہ تم پر فرض ہو جائے، اور یہ واقعہ رمضان میں ہوا تھا (بخاری، مسلم اور نسائی نے بھی اسے روایت کیا ہے)۔

شرح: یہ نماز مسجد میں پڑھائی جانے کا باعث یہ ہوا تھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ان دنوں مسجد میں معتکف تھے۔ صلاۃ التراویح باجماعت مسجد میں ہونے پر صحابہ کا اجماع ہو چکا ہے، حضورؐ نے اسے بخوف فرضیت ترک فرما دیا تھا اور یہ خوف اس وقت نہیں رہا تھا جب جناب عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دورِ خلافت میں اسے از سرِ نو قائم کیا گیا۔
اس حدیث میں دو راتوں میں حضور کے تراویح پڑھانے کا ذکر ہے مسند احمد کی روایت میں ذرا زیادہ تفصیل ہے اور تین رات پڑھانے کا ذکر آیا ہے۔ حضور نے جو فرضیت کے خوف سے اسے ترک کر دیا تھا اس کا سبب یہ نہ تھا کہ اگر تراویح فرض ہو جاتی تو اس کے پڑھنے سے لوگ کلی طور پر عاجز ہو جاتے، کیونکہ اس قسم کے عجز سے تو تکلیف شرعی ساقط ہو جاتی ہے۔ بلکہ مطلب یہ تھا کہ قدرت کے باوجود تم لوگ فرضیت کی صورت میں اسے ادا نہ کر دو تو گنہ گار ٹھہرائے جاؤ گے۔ اور یہ خوف آپ کے دل میں یا تو اس لئے پیدا ہوا کہ آپ کو بذریعہ وحی معلوم ہو گیا تھا کہ اگر اس نماز کو باجماعت التزاماً پڑھا گیا تو فرض ہو جائے گی، اس سبب سے امت پر تخفیف کی غرض سے آپ نے اس کی جماعت ترک فرما دی۔ یا ہو سکتا ہے کہ آپ کے دل میں یہ خیال آیا ہو کہ اگر اس پر ہمیشگی اختیار کی گئی تو فرضیت کا اندیشہ ہے۔ یا آپؐ کو یہ اندیشہ ہوا کہ اگر تراویح پر دوام اختیار کیا گیا تو لوگ اسے فرض نہ سمجھ لیں
ابن بطال نے کہا صلاۃ اللیل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر فرض تھی اور امت پر نہ تھی، آپ کو یہ خدشہ پیدا ہوا کہ کہیں امت پر بھی فرض نہ ہو جائے۔ مگر یہ جواب درست نہیں کیونکہ صلاۃ اللیل اول تو حضور پر بھی فرض نہ رہی تھی اور دوسرے یہ قصہ صلوٰۃ اللیل کا نہ تھا بلکہ قیام رمضان کا تھا۔ صلوٰۃ اللیل سال بھر ہوتی ہے اور پچھلی رات کو پڑھی جاتی ہے، قیام رمضان صرف اس ماہ مقدس سے خاص ہے اور پہلے پہر بعد از عشاء ہوتا ہے۔
خطابی نے کہا کہ فرض نمازوں کا پانچ ہونا اس واقعہ سے تقریباً تیرہ سال پیشتر شبِ معراج میں طے ہو چکا تھا پھر حضور کے لیے کسی جدید نماز کے فرض ہونے کا اندیشہ ناقابل فہم ہے۔ شبِ معراج میں تو اللہ تعالیٰ نے یہاں تک فرمایا تھا کہ میرے فیصلے تبدیل نہیں ہوا کرتے۔ خطابی نے اس کا جواب بھی دیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے شرعی اعمال کی اقتداء امت پر فرض ہے جبکہ آپؐ ان پر مواظبت (ہمیشگی) فرماتے لہٰذا خدشہ یہ ہوا کہ اس مواظبت کے باعث تراویح امت پر فرض نہ ہو جائے۔ اور یہ کوئی جدید فرض نہ ہوتا بلکہ ایک پہلے طے شدہ اصول کا نتیجہ ہوتا۔ یہ اس طرح ہے کہ مثلاً کوئی آدمی اپنے اوپر نذر کی نماز واجب کرے تو یہ واجب تو ہو جائے گی مگر نماز پنج گانہ پر اضافہ نہ ہوگا۔ خلاصہ یہ کہ پنج وقتہ نماز کا معاملہ اور ہے اور کسی اور شرعی سبب سے کسی چیز کا وجوب اور چیز ہے۔ اور اس میں

ایک احتمال اور بھی ہے، وہ یہ کہ اللہ تعالیٰ نے اصل میں تو پچاس نمازیں فرض کی تھیں جن میں ۴۵ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شفاعت سے معاف ہوگئیں۔ اب اگر امت ایک اور نماز کا از خود التزام کر لیتی تو اسے اسی طرح اس پر فرض کر دیا جاتا جیسے رہبانیت اصل میں تو اہل کتاب پر فرض نہ تھی مگر انہوں نے از خود اسے اپنے آپ پر لازم کر لیا تو اس میں تقصیر کے باعث اللہ تعالیٰ نے ان کی مذمت بیان فرمائی ۔ فَمَا رَعَوْهَا حَقَّ رِعَايَتِهَا۔ پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو تراویح کے سلسلے میں یہی خوف لاحق ہوا لہٰذا امت پر شفقت کے باعث اسے قطع کر دیا۔

خطابی کے اس جواب کو شارحین حدیث کے ایک طبقے نے (مثلاً ابن الجوزیؒ) اختیار کیا ہے مگر یہ اس مفروضے پر مبنی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر قیام اللیل فرض تھا اور یہ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے افعال کی اقتدار واجب ہے۔ لیکن یہ دونوں امور متنازع فیہ ہیں۔ اور شارح کرمانی نے یہ جواب دیا ہے کہ حدیث اسراء میں جو یہ حکم دیا گیا تھا کہ: لَا يُبَدَّلُ الْقَوْلُ لَدَيَّ - اس کا مطلب یہ تھا کہ پانچ نمازوں میں کمی مت کرنا، اور اس میں زیادتی کا کوئی ذکر نہ تھا۔ لیکن یہ جواب بھی نا ممکن ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد: هِيَ خَمْسٌ وَهِيَ خَمْسُونَ - یہ پانچ نمازیں ہیں مگر ثواب میں پچاس ہیں، یہ ارشاد تو ظاہر کرتا ہے کہ ان نمازوں میں نہ کمی ہو سکتی ہے نہ بیشی، کیوں کہ ان میں سے کسی صورت میں بھی پچاس کا عدد قائم نہیں رہ سکتا، یا بڑھ جائے گا یا گھٹ جائے گا۔

اندریں حالت بعض علماء نے یہ جواب دیا ہے کہ چونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں نسخ جائز تھا لہٰذا کسی نئے فرض کے آ جانے میں اعتراض نہیں، مگر اس قول میں کلام ہے کیونکہ: لَا يُبَدَّلُ الْقَوْلُ لَدَيَّ جملہ خبریہ ہے اور اس میں نسخ کا سوال خارج از بحث ہے۔ نسخ احکام میں ہوتا ہے نہ کہ اخبار میں۔ حافظ صاحب نے فتح الباری میں کچھ اور جواب بھی دیئے ہیں۔ ایک یہ کہ تہجد کی فرضیت کے خوف سے یہ مراد ہے کہ قیام اللیل کو مسجد میں با جماعت فرض کر دیا جاتا، یعنی تنفل کی صحت کے لیے اس جماعت فی المسجد کو شرط ٹھہرا دیا جاتا۔ اس کی طرف زید بن ثابت رضؓ کی حدیث اشارہ کرتی ہے: مجھے خوف ہوا کہ یہ تم پر فرض نہ کر دی جائے اور اگر ایسا کر دیا جاتا تو تم اسے قائم نہ کر سکتے، پس اے لوگو اپنے گھروں میں یہ نماز پڑھو (یعنی قیام رمضان)۔ پس مسجد میں با جماعت کی کیفیت کے ساتھ فرضیت کے خوف سے یہ فرمایا گیا کہ اسے مسجد میں با جماعت نہیں بلکہ گھروں میں انفراداً پڑھو۔ دوسرا جواب یہ ہے کہ جس بات کا خوف تھا وہ اس کا فرض کفایہ ہونا تھا نہ کہ فرض عین ہونا، اس صورت میں یہ نماز پانچ پر زائد نہ ہوتی۔ بلکہ اس کی حیثیت وہی ہو جاتی جو کچھ علماء نے نزدیک عید وغیرہ کی ہے۔ تیسرا جواب یہ ہے کہ خاص طور پر قیام رمضان کی فرضیت کا خوف ہوا تھا کیونکہ اس حدیث میں یہی ہے کہ یہ واقعہ رمضان کا تھا۔ اور سفیان بن حسین کی روایت کے لفظ یہ ہیں: مجھے خطرہ ہوا کہ اس ماہ کا قیام تم پر فرض ہو جائے، پس اس بنا پر اشکال رفع ہو جاتا ہے کیونکہ قیام رمضان کا تعلق سال بھر کے فقط ایک مہینے سے ہے اور وہ ہر روز نہیں ہوتا لہٰذا وہ نماز پنجگانہ پر کوئی زائد فریضہ نہ ہوتا۔ مولانا نے فرمایا کہ میرے خیال میں ان تینوں میں سے پہلا جواب قوی تر ہے۔ مگر میں یہ گزارش کرتا ہوں کہ بظاہر یہ تیسرا جواب قوی تر معلوم ہوتا ہے۔ واللہ اعلم۔

۱۳۷۷۔ حَدَّثَنَا هَنَّادٌ نَا عَبْدَةُ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ عَمْرٍو عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ إِبْرَاهِيمَ عَنْ

أَبِي سَلَمَةَ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ كَانَ النَّاسُ يُصَلُّونَ فِي الْمَسْجِدِ فِي رَمَضَانَ أَوْزَاعًا فَأَمَرَنِي رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَضَرَبْتُ لَهُ حَصِيرًا فَصَلَّى عَلَيْهِ بِهٰذِهِ الْقِصَّةِ قَالَتْ فِيهِ قَالَ تَعْنِي النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَيُّهَا النَّاسُ أَمَا وَاللّٰهِ مَا بِتُّ لَيْلَتِي هٰذِهِ بِحَمْدِ اللّٰهِ غَافِلًا وَلَا خَفِيَ عَلَيَّ مَكَانُكُمْ۔

حضرت عائشہ سلام اللہ علیہا نے فرمایا کہ لوگ رمضان میں مسجد کے اندر ٹکڑیاں بن کر نماز پڑھتے تھے پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے حکم فرمایا تو میں نے آپ کے لیے مسجد میں ایک چٹائی ڈال دی، پس آپ نے اس پہ نماز پڑھی الخ اس میں ام المؤمنین رض کا یہ قول بھی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اے لوگو! واللہ خدا کے فضل سے میں تم سے رات بھر غافل نہ تھا اور نہ تمہاری یہاں موجودگی مجھ پر مخفی تھی (یہ دراصل گزشتہ حدیث ہی ہے جو ایک اور طریق سے یہاں پہ وارد ہوئی ہے)

شرح: خطابی نے لکھا ہے کہ اس حدیث کے الفاظ: لوگ مسجد میں رمضان کے اندر ٹولیاں بنا کر نماز پڑھتے تھے، سے معلوم ہوا کہ قیام رمضان کی جماعت ایک چھوٹے پیمانے پر پہلے بھی ہوتی تھی اور حضور کو اس کا علم بھی تھا۔ پس جو لوگ اسے بدعت کہتے ہیں وہ نادان اور جاہل ہیں۔ جناب عمر فاروق رض کی ایک حدیث میں ہے کہ وہ گھر سے نکلے تو لوگ ٹولیوں کی صورت میں نماز پڑھتے تھے، ایک جماعت اور ایک امام پہ مجتمع نہ تھے۔

۱۳۷۸۔ **حَدَّثَنَا** مُسَدَّدٌ نَا يَزِيدُ بْنُ زُرَيْعٍ نَا دَاوُدُ بْنُ أَبِي هِنْدٍ عَنِ الْوَلِيدِ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ عَنْ جُبَيْرِ بْنِ نُفَيْرٍ عَنْ أَبِي ذَرٍّ قَالَ صُمْنَا مَعَ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَمَضَانَ فَلَمْ يَقُمْ بِنَا شَيْئًا مِنَ الشَّهْرِ حَتّٰى بَقِيَ سَبْعٌ فَقَامَ بِنَا حَتّٰى ذَهَبَ ثُلُثُ اللَّيْلِ فَلَمَّا كَانَتِ السَّادِسَةُ لَمْ يَقُمْ بِنَا فَلَمَّا كَانَتِ الْخَامِسَةُ قَامَ بِنَا حَتّٰى ذَهَبَ شَطْرُ اللَّيْلِ فَقُلْتُ يَا رَسُولَ اللّٰهِ لَوْ نَفَّلْتَنَا قِيَامَ هٰذِهِ اللَّيْلَةِ قَالَ فَقَالَ إِنَّ الرَّجُلَ إِذَا صَلّٰى مَعَ الْإِمَامِ حَتّٰى يَنْصَرِفَ حُسِبَ لَهُ قِيَامُ لَيْلَةٍ قَالَ فَلَمَّا كَانَتِ الرَّابِعَةُ لَمْ يَقُمْ فَلَمَّا كَانَتِ الثَّالِثَةُ جَمَعَ أَهْلَهُ وَنِسَاءَهُ وَالنَّاسَ فَقَامَ بِنَا حَتّٰى خَشِينَا أَنْ يَفُوتَنَا الْفَلَاحُ قَالَ قُلْتُ مَا الْفَلَاحُ قَالَ السُّحُورُ ثُمَّ لَمْ يَقُمْ بِنَا بَقِيَّةَ الشَّهْرِ۔

ابوذرؓ نے کہا کہ ہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ماہ رمضان کا روزہ رکھا۔ آپ نے مہینہ بھر ہمیں باجماعت نماز نہ پڑھائی حتیٰ کہ سات دن باقی رہ گئے تو حضور نے ہمیں باجماعت نماز پڑھائی حتیٰ کہ رات کا تیسرا حصہ گذر گیا۔ پھر جب چھ دن رہ گئے تو آپ نے نماز نہیں پڑھائی، پھر جب پانچ دن رہ گئے تو باجماعت نماز پڑھائی حتیٰ کہ نصف رات گذر گئی، پس میں نے کہا یا رسول اللہ اگر آپ ہمیں آج ساری رات نماز پڑھائیں تو بہت اچھا ہو۔ ابوذرؓ نے کہا کہ اس پہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ آدمی جب امام کے ساتھ نماز پڑھے تو اختتامِ صلوٰۃ کے بعد بھی اس کا رات بھر کا قیام شمار ہوتا ہے۔ ابوذرؓ نے کہا کہ پھر جب چار دن باقی رہ گئے تو آپ نے باجماعت نماز نہیں پڑھائی، پھر جب تین دن باقی رہ گئے تو آپ نے اپنے اہل وعیال اور خواتین کو جمع فرمایا اور لوگوں کو بھی، پھر آپ ہمیں نماز پڑھاتے رہے حتیٰ کہ ہمیں خوف ہوا کہ ہم سے فلاح فوت نہ ہو جائے راوی نے کہا کہ میں نے ابوذرؓ سے پوچھا، فلاح کیا چیز تھی؟ ابوذرؓ نے کہا کہ سحری، پھر آپ نے بقیہ ماہ میں ہمیں نماز نہ پڑھائی۔ (ترمذی، نسائی اور ابن ماجہ نے بھی اسے روایت کیا ہے)

شرح: ابوذرؓ کی یہ حدیث بظاہر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی گذشتہ حدیث کے خلاف نظر آتی ہے۔ کیونکہ اس میں تو بظاہر حضورؐ کا بلا ناغہ مسلسل نماز پڑھانا مذکور تھا اور اس میں ایک ایک رات چھوڑ کر وارد ہوا ہے۔ پس یوں معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عائشہ کی حدیث میں اختصار ہوا ہے اور حدیث ابی ذرؓ میں کچھ تفصیل آ گئی ہے۔

۱۳۷۹۔ حَدَّثَنَا نَصْرُ بْنُ عَلِيٍّ وَدَاوُدُ بْنُ أُمَيَّةَ أَنَّ سُفْيَانَ أَخْبَرَهُمْ عَنْ أَبِي يَعْفُورَ وَقَالَ دَاوُدُ عَنِ ابْنِ عُبَيْدِ بْنِ نِسْطَاسٍ عَنْ أَبِي الضُّحَى عَنْ مَسْرُوقٍ عَنْ عَائِشَةَ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ إِذَا دَخَلَ الْعَشْرُ أَحْيَى اللَّيْلَ وَشَدَّ الْمِئْزَرَ وَأَيْقَظَ أَهْلَهُ قَالَ أَبُو دَاوُدَ أَبُو يَعْفُورَ اسْمُهُ عَبْدُ الرَّحْمٰنِ بْنُ عُبَيْدِ بْنِ نِسْطَاسٍ۔

عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ جب آخری عشرہ (رمضان) داخل ہوتا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رات بھر جاگتے اور کمر کس لیتے اور اپنے اہل خانہ کو جگاتے تھے۔ ابوداؤد نے کہا ابو یعفور کا نام عبدالرحمٰن بن عبید بن نسطاس ہے (بخاری، مسلم، نسائی اور ابن ماجہ نے بھی اسے روایت کیا ہے)۔

شرح: اس حدیث سے معلوم ہو گیا کہ رمضان میں حضورؐ کی عبادت کی مقدار، بالخصوص آخری عشرے میں عام راتوں سے کہیں زیادہ ہوتی تھی، پس یہ کہنا کہ عام راتوں کی صلاۃ اللیل ہی رمضان میں قیام رمضان کہلاتی ہے بالکل غلط اور خلاف واقع ہے۔

۱۳۸۰۔ حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ سَعِيدٍ الْهَمْدَانِيُّ نَا عَبْدُ اللهِ بْنُ وَهْبٍ أَخْبَرَنِي

مُسْلِمُ بْنُ خَالِدٍ عَنِ الْعَلَاءِ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ عَنْ اَبِيْهِ عَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ خَرَجَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَاِذَا اُنَاسٌ فِيْ رَمَضَانَ يُصَلُّوْنَ فِيْ نَاحِيَةِ الْمَسْجِدِ فَقَالَ مَا هٰؤُلَاءِ فَقِيْلَ هٰؤُلَاءِ نَاسٌ لَيْسَ مَعَهُمْ قُرْاٰنٌ وَاُبَيُّ بْنُ كَعْبٍ يُصَلِّيْ وَهُمْ يُصَلُّوْنَ بِصَلَاتِهِ فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَصَابُوْا وَنِعْمَ مَا صَنَعُوْا قَالَ اَبُوْ دَاوُدَ لَيْسَ هٰذَا الْحَدِيْثُ بِالْقَوِيِّ مُسْلِمُ بْنُ خَالِدٍ ضَعِيْفٌ۔

ابوہریرہ رضؓ نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم گھر سے باہر تشریف لائے تو کیا دیکھتے ہیں کہ کچھ لوگ رمضان میں مسجد کے ایک کونے میں نماز پڑھ رہے تھے۔ آپؐ نے فرمایا کہ یہ کیا کر رہے ہیں؟ تو کہا گیا کہ یہ کچھ لوگ ہیں جنہیں قرآن کا کوئی حصہ یاد نہیں ہے اور ابی بن کعب نماز پڑھتا ہے اور یہ اس کے ساتھ پڑھ رہے ہیں۔ پس نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: انہوں نے ٹھیک کیا اور جو کیا بہت اچھا کیا۔ ابوداؤد نے کہا کہ یہ حدیث قوی نہیں ہے اور مسلم بن خالد ضعیف ہے۔

شرح: حافظ ابن حجرؒ نے تہذیب التہذیب میں کہا ہے کہ ابن حبان نے مسلم بن خالد کو ثقات میں شمار کیا ہے اور کہا ہے کہ یہ حجاز کے فقہا میں سے تھا اور امام شافعیؒ نے اس سے فقہ کا علم سیکھا قبل اس کے کہ مالکؒ سے ملیں ہاں وہ کبھی کبھی خطا کر جاتا تھا۔ عثمان دارمی نے ابن معین کے حوالہ سے کہا کہ وہ ثقہ ہے، یہی بات ابن معین سے احمد بن محرز نے نقل کی ہے۔ ابن القطان کے بقول دارقطنی نے اسے ثقہ کہا ہے شیخ نیموی رحؒ نے آثار السنن میں یہ حدیث ثعلبہ رضؓ بن مالک قرظی سے روایت کی ہے اور کہا ہے کہ بیہقی نے اسے کتاب المعرفۃ میں بیان کیا ہے اور اس کی سند جید ہے۔ اور اس کی تعلیق میں کہا ہے کہ اگر کوئی یہ کہے کہ ثعلبہ بن مالک رضؓ بقول عجلی تابعی ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ بیہقی نے ثعلبہ رضؓ کی یہ حدیث روایت کرنے کے بعد کہا ہے کہ تاریخ کا علم رکھنے والوں نے کہا ہے کہ ثعلبہ رضؓ بن مالک نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا تھا۔ اور ذہبی نے تجرید اسماء الصحابہ میں کہا ہے کہ ثعلبہ بن مالک رضؓ ابو یحییٰ قرظی بنی قریظہ کا امام تھا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں پیدا ہوا اور اس نے حضورؐ کو دیکھا تھا اور اس کی عمر طویل ہوئی تھی۔

جہاں تک رکعات تراویح کی تعداد کا سوال ہے کسی صحیح طریق سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تین رات میں پڑھی جانے والی نماز تراویح کی رکعات ثابت نہیں ہوئیں۔ مگر بعض صحابہ رضؓ و تابعین سے ان کی تعداد وارد ہوئی ہے۔ یزید بن خصیفہ نے السائب بن یزید رضؓ سے روایت کی ہے کہ ماہ رمضان میں حضرت عمر بن الخطاب کے دور خلافت میں بیس رکعت پڑھی جاتی تھیں، اس نے کہا کہ وہ سو آیات والی سورتیں پڑھتے تھے اور حضرت عثمان رضؓ کے دور میں شدت قیام کے باعث ڈنڈوں کا سہارا لیتے تھے۔ اسے بیہقی نے سند صحیح کے ساتھ روایت کیا۔ اور یزید بن رومان سے روایت ہے کہ لوگ حضرت عمر بن الخطابؓ کے زمانے میں رمضان میں تئیس رکعات پڑھا کرتے تھے، مالک نے اسے مرسلاً روایت کیا ہے مگر اس کی سند قوی ہے۔ ابوبکر بن شیبہ نے روایت کی

ہے کہ حسب روایت یحییٰ بن سعید حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ایک شخص کو بیس رکعات پڑھانے کا حکم دیا تھا۔ یہ بھی مرسل ہے اور اس کی سند قوی ہے۔ عبدالعزیز بن رفیع سے روایت ہے کہ ابی بن کعبؓ لوگوں کو مدینہ میں بیس رکعت رمضان میں پڑھاتے تھے اور تین وتر پڑھاتے تھے۔ اسے ابوبکر بن ابی شیبہ نے روایت کیا اور اس کی سند مرسل قوی ہے۔ عطاء سے روایت ہے کہ میں نے لوگوں کو تئیس رکعات پڑھتے پایا ہے وتر سمیت، اسے ابن ابی شیبہ نے سند حسن کے ساتھ روایت کیا۔ بیہقی نے حسن سند کے ساتھ روایت کی ہے کہ سوید بن غفلہ ہمیں رمضان میں پانچ ترویحے پڑھاتے تھے یعنی بیس رکعت۔ اور نافع نے ابن عمرؓ سے روایت کی ہے کہ ابن ابی ملیکہ ہمیں رمضان میں بیس رکعت پڑھاتا تھا، اسے ابن ابی شیبہ نے سند صحیح کے ساتھ روایت کیا۔ ابن ابی شیبہؒ نے مصنف میں روایت کی ہے کہ علی بن ربیعہ لوگوں کو رمضان میں پانچ ترویحے پڑھاتے تھے، اس کی سند صحیح ہے۔ شیخ نیموی نے کہا کہ اس باب میں اور بھی روایات ہیں جن میں سے اکثر وہم سے خالی نہیں مگر وہ ایک دوسری کی تقویت کرتی ہیں۔ یہ حنفیہ کا مذہب ہے۔

اس باب میں شافعیہ نے بھی حنفیہ کی موافقت کی ہے۔ توشیح میں ہے کہ تراویح بیس رکعات ہیں دس سلام کے ساتھ رمضان کی تمام راتوں میں اور یہ پانچ ترویحات ہیں۔ ہر دو رکعت پر تراویح یا قیام رمضان کی نیت کی جائے اور مطلق نیت سے صحیح نہیں ہوں گی۔ اور اگر چار یا اس سے زیادہ رکعات کو ایک سلام سے پڑھیں تو درست نہ ہوگا۔ اور امام مالکؒ نے مدونہ کبریٰ میں کہا ہے کہ حسب روایت ابن القاسم کہ وہ وتر سمیت ۳۹ رکعات ہیں۔ ترمذی نے جامع میں کہا ہے کہ اہل مدینہ کا قول وتر سمیت اکتالیس رکعت کا ہے اور اہل مدینہ کا قول وعمل یہی ہے۔ مگر اکثر اہل علم کا قول بیس رکعت ہے، اور عمرؓ و علیؓ سے یہی مروی ہے۔ یہی مذہب ثوری، ابن المبارک اور شافعی کا ہے۔ اور امام شافعیؒ نے کہا کہ میں نے اپنے شہر مکہ میں لوگوں کو بیس رکعات پڑھتے پایا ہے۔ اسحاق بن راہویہ کا قول مختار اکتالیس رکعت کا ہے مگر امام احمد بن حنبلؒ نے اس میں کوئی فیصلہ نہیں کیا اور ان سے کئی روایات آئی ہیں۔

حضرت الاستاذ شیخ الاسلام عثمانی رحمہ اللہ نے فتح الملہم میں تراویح کے باب میں فرمایا کہ امام مالک نے سائب بن یزید کی روایت مؤطا میں بیان کی ہے کہ حضرت عمرؓ نے ابی بن کعبؓ اور تمیم داریؓ کو گیارہ رکعت پڑھانے کا حکم دیا تھا۔ ابن عبدالبر نے کہا ہے کہ مالکؒ کے علاوہ اس میں دوسرے راویوں کی روایت اکیس رکعت کی ہے اور وہی صحیح ہے اور ہو سکتا ہے کہ پہلے گیارہ رکعات کا حکم دیا ہو اور جب لمبا قیام لوگوں پر شاق گزرا تو اکیس کا حکم دیا ہو۔ چنانچہ سائب بن یزید نے اسی گیارہ کی روایت کہا ہے کہ قاری سو آیات والی سورتیں پڑھتا تھا اور ہم طول قیام کے باعث ڈنڈوں پر سہارا لیتے تھے۔ پھر مالکؒ نے یزید بن رومان کی روایت بیان کی کہ لوگ حضرت عمرؓ کے زمانے میں تئیس رکعات پڑھتے تھے، بیہقی نے ان دونوں راویوں کو اس طرح جمع کیا ہے کہ پہلے گیارہ رکعات پڑھتے تھے جن میں سے ایک وتر ہوتا تھا پھر تئیس ۲۳ رکعات تین وتر سمیت پڑھنے لگے تھے۔

بَابٌ فِي لَيْلَةِ الْقَدْرِ

لیلۃ القدر کا باب

۱۳۸۱۔ حَدَّثَنَا سُلَيْمَانُ بْنُ حَرْبٍ وَمُسَدَّدٌ الْمَعْنَى قَالَا نَا حَمَّادٌ عَنْ

عَاصِمٍ عَنْ زِرٍّ قَالَ قُلْتُ لِاُبَیِّ بْنِ کَعْبٍ اَخْبِرْنِیْ عَنْ لَیْلَۃِ الْقَدْرِ یَا اَبَا الْمُنْذِرِ فَاِنَّ صَاحِبَنَا سُئِلَ عَنْھَا فَقَالَ مَنْ یَّقُمِ الْحَوْلَ یُصِبْھَا فَقَالَ رَحِمَ اللّٰہُ اَبَا عَبْدِ الرَّحْمٰنِ وَاللّٰہِ لَقَدْ عَلِمَ اَنَّھَا فِیْ رَمَضَانَ زَادَ مُسَدَّدٌ وَلٰکِنْ کَرِہَ اَنْ یَّتَّکِلُوْا اَوْ اَحَبَّ اَنْ لَّا یَتَّکِلُوْا ثُمَّ اتَّفَقَا وَاللّٰہِ اِنَّھَا لَفِیْ رَمَضَانَ لَیْلَۃَ سَبْعٍ وَّعِشْرِیْنَ لَا یَسْتَثْنِیْ قُلْتُ یَا اَبَا الْمُنْذِرِ اَنّٰی عَلِمْتَ ذٰلِکَ قَالَ بِالْاٰیَۃِ الَّتِیْ اَخْبَرَنَا رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قُلْتُ لِزِرٍّ مَا الْاٰیَۃُ قَالَ تُصْبِحُ الشَّمْسُ صَبِیْحَۃَ تِلْکَ اللَّیْلَۃِ مِثْلَ الطَّسْتِ لَیْسَ لَھَا شُعَاعٌ حَتّٰی تَرْتَفِعَ۔

زر بن حبیش نے ابی بن کعب سے کہا کہ اے ابو المنذر مجھے لیلۃ القدر کے متعلق بتائیے کیونکہ ہمارے صاحب (ابن مسعودؓ) سے یہ سوال پوچھا گیا تو انہوں نے کہا کہ جو شخص سال بھر راتوں کو نماز میں کھڑا رہے وہ اسے پالے گا۔ اُبیؓ نے کہا کہ اللہ ابو عبد الرحمان پر رحم کرے، اسے علم ہے کہ وہ رمضان میں ہے۔ مسدد نے یہ لفظ بڑھائے کہ: لیکن اس نے یہ ناپسند کیا کہ لوگ کہیں اسی پہ بھروسہ نہ کر بیٹھیں، یا یہ کہا کہ اس نے پسند کیا کہ لوگ ہاتھ پاؤں توڑ کر نہ بیٹھ رہیں۔ پھر سلیمان اور مسدد دونوں متفق ہو گئے: واللہ وہ رمضان میں ۲۷ ویں رات ہے، اُبیؓ نے کوئی استثنا نہ کیا، میں نے کہا اے ابو المنذر! تم نے یہ کیسے معلوم کیا؟ اس نے کہا کہ اس نشانی کے باعث جس کی خبر ہم کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دی تھی۔ عاصم نے کہا کہ میں نے زر سے پوچھا وہ کونسی نشانی ہے؟ اس نے کہا کہ اس رات کی صبح کو سورج طشت کی مانند بے شعاع طلوع کرتا ہے حتی کہ اونچا ہو جائے (مسلم، ترمذی اور نسائی نے اس کی روایت کی ہے)

لیلۃ القدر کی وجہ تسمیہ یہ ہے کہ اس میں رزق، زندگی، موت، احکام وغیرہا کا سال بھر کے لیے فیصلہ ہوتا ہے گویا کارکنانِ قضا و قدر آئندہ سال کے لیے ہر چیز کا بجٹ تیار کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: فِیْھَا یُفْرَقُ کُلُّ اَمْرٍ حَکِیْمٍ اور یہ کہ: تَنَزَّلُ الْمَلٰٓئِکَۃُ وَالرُّوْحُ فِیْھَا بِاِذْنِ رَبِّھِمْ مِنْ کُلِّ اَمْرٍ قَدَرٌ کا لفظ ویسے تو دال کے فتحہ کے ساتھ ہے لیکن اس معنی کے لحاظ سے جو ہم نے بیان کیا ہے، اسے دال کے سکون کے ساتھ قَدْر بولا جاتا ہے۔ ایک قول یہ ہے کہ اس رات کو لیلۃ القدر اس کی عظمت قدر اور رفعت شان و شرف کی بنا پر کہا جاتا ہے جیسے کہ عربی محاورہ میں حاتم الجود کا لفظ بولا جاتا ہے۔ اس رات کے شرف و قدر کی وجہ سے اس میں سچی توبہ کرنے والا عبادت بجا لانے والا خداوند تعالیٰ کے ہاں صاحب قدر ہو جاتا ہے اس لیے بھی اسے یہ نام دیا گیا کیونکہ اطاعت و عبادت اس رات میں قدر زائد رکھتی ہے۔

شرح: علامہ شافعیؒ نے کہا ہے کہ لیلۃ القدر ایک فضیلت والی رات ہے جس کی تلاش مستحب ہے۔ اور یہ سال بھر کی راتوں سے افضل ہے، اس میں ہر نیک عمل دوسری راتوں سے ہزار گنا فضیلت رکھتا ہے۔ ابن المسیبؒ کا قول ہے کہ جو شخص اس رات کو نماز عشاء با جماعت پڑھے وہ بھی اس میں سے حصہ پالیتا ہے، امام شافعیؒ سے عشاء و صبح ہر دو نماز دونوں

کی حاضری مروی ہے ۔ ایمانداروں میں سے جنہیں اللہ تعالیٰ چاہے یہ رات دکھا دیتا ہے اور جو اسے دیکھے اس کے لیے مناسب ہے کہ اسے چھپائے اور اللہ تعالیٰ سے خلوص قلب کے ساتھ دعائیں کرے۔

اس رات کے متعلق علماء کے اقوال چھیالیس تک پہنچتے ہیں۔ مراقی الفلاح میں ہے کہ بقول ابن مسعود یہ رات ہر سال آتی ہے۔ امام اعظم ابو حنیفہؒ سے مروی ہے کہ یہ رات سال میں گھومتی رہتی ہے کبھی رمضان میں آتی ہے کبھی غیر رمضان میں۔ شیخ ابن عربی نے کہا ہے کہ لوگوں کا ہمارے زمانے میں لیلۃ القدر کے بارے میں اختلاف ہوا ہے اور بعض نے کہا ہے کہ وہ سال بھر میں پھرتی رہتی ہے اور یہی میرا بھی قول ہے کیونکہ میں نے اسے شعبان، ربیع اور رمضان میں دیکھا ہے اور زیادہ تر رمضان میں دیکھا ہے اور وہ بھی اس کے آخری عشرے میں۔ اور میں نے اسے رمضان کے درمیانی عشرے میں بھی دیکھا، طاق راتوں میں بھی اور غیر طاق میں بھی۔ پس مجھے اس بات پر یقین ہے کہ یہ رات سال بھر میں گھومتی رہتی ہے اور مہینے کی طاق راتوں میں بھی ہوتی ہے اور جفت راتوں میں بھی۔ مراقی الفلاح اور مبسوط میں ہے کہ امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک لیلۃ القدر رمضان میں ہی ہوتی ہے مگر مقدم و مؤخر ہوتی رہتی ہے اور صاحبین کے نزدیک مقدم و مؤخر نہیں ہوتی۔ اکثر فقہاء و مشائخ کا یہی خیال ہے کہ لیلۃ القدر رمضان کے آخری عشرے میں ہوتی ہے۔ بعض کے نزدیک ۲۱ ویں رات اور بعض کے نزدیک ۲۷ ویں، حدیث صحیح میں موجود ہے کہ اس کو آخری عشرے میں تلاش کرو اور ہر طاق رات میں۔ ابو حنیفہؒ سے یہ روایت بھی ہے کہ وہ رمضان میں ہے مگر یہ نہیں معلوم کہ کونسی رات ہے، اور مقدم و مؤخر بھی ہوتی ہے۔ صاحبین نے کہا کہ وہ رمضان میں ہے مگر ایک معین رات ہے جو آگے پیچھے نہیں ہوتی، اور مشہور روایت یہ ہے کہ وہ سال بھر میں گھومتی ہے۔ ایک قول یہ بھی ہے کہ وہ رمضان کی پہلی رات ہے اور یہ بھی کہ وہ ۲۹ ویں رات ہے۔ زید بن ثابتؓ نے کہا کہ وہ ۲۴ ویں رات ہے عکرمہ نے کہا کہ ۲۵ ویں

جن دلائل سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ لیلۃ القدر رمضان کے آخری عشرے میں ہوتی ہے اس سے مراد وہ رمضان ہے جس میں اسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تلاش فرمایا تھا۔ اور اس کی علامت یہ ہے کہ وہ رات پُر سکون، معتدل ہوتی ہے اور اس کی صبح کو سورج ایک طشت کی مانند طلوع ہوتا ہے، بوقت طلوع اس میں شعائیں نظر نہیں آتیں اور اسے چھپایا اس لیے گیا ہے کہ تلاش کرنے والے اسے محنت سے ڈھونڈیں اور اس سے انہیں عبادت میں جدوجہد کرنے والوں کا اجر ملے۔ اس کی مثال یہ ہے کہ جیسے اللہ تعالیٰ نے قیامت کو مخفی کر دیا ہے تاکہ لوگ اس کے اچانک آجانے سے ڈرتے رہیں۔

علامہ شوکانی کے بقول حافظ ابن حجر نے فتح الباری میں لیلۃ القدر کے متعلق مختلف اقوال کا ذکر کیا ہے اور اتنی تفصیل اور کہیں نہیں آئی۔

(۱) یہ کہ لیلۃ القدر کو اٹھا لیا گیا ہے۔ یہ بقول متولی رافضی کا اور بقول فاکہانی کچھ حنفیہ کا قول ہے مولانا نے فرمایا کہ میں نے یہ قول حنفیہ کی کتابوں میں کہیں نہیں پایا (۲) یہ صرف اس ایک سال کے ساتھ مخصوص تھی جس میں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں واقع ہوئی تھی۔ (۳) یہ اسی امت کے ساتھ مخصوص ہے، مالکیہ کی ایک جماعت کو اس پر یقین ہے (۴) یہ رات سال بھر میں ممکن ہے، حنفیہ سے مشہور قول یہی آیا ہے اور بعض سلف کا بھی یہی قول ہے (۵) یہ ماہ رمضان سے مخصوص ہے اور اس کی تمام راتوں میں سے کسی کا ہونا ممکن ہے (۶) بقول علامہ نسفی یہ

ایک معین رات ہے مگر اسے مبہم رکھا گیا ہے۔ (۷) ابو رزین عقیلی رض صحابی سے منقول ہے کہ رمضان کی پہلی رات ہے (۸) ابن الملقن نے کہا ہے کہ یہ رمضان کے نصف میں ہے (۹) قرطبی نے المفہم میں کہا ہے کہ یہ شعبان کے نصف میں ہے (۱۰) یہ رمضان کی ۱۷ ویں رات ہے (۱۱) یہ رمضان کے وسطی عشرے میں ایک مبہم رات ہے (۱۲) وہ رمضان کی ۱۸ ویں رات ہے (۱۳) وہ رمضان کی ۱۹ ویں رات ہے (۱۴) امام شافعی کا میلان اس طرف ہے کہ وہ رمضان کے آخری عشرے کی پہلی رات ہے (۱۵) اگر مہینہ پورا ہو تو ۲۰ ویں اور اگر ناقص ہو تو ۲۱ ویں رات ہے۔ (۱۶) وہ بائیسویں رمضان کی رات ہے۔ (۱۷) صحابہ اور تابعین کی ایک جماعت کا یہ قول ہے کہ وہ ۲۳ ویں رات ہے (۱۸) وہ رمضان کی ۲۴ ویں رات ہے (۱۹) ابن الجوزی نے ابوبکرہ رض سے نقل کیا ہے کہ وہ ۲۵ ویں رات ہے۔ (۲۰) یہ کہ وہ ۲۰ ویں رات ہے۔ یہ قول صراحۃً تو نہیں ملا مگر بقول قاضی عیاض رض وہ آخری عشرے کی ہر رات ہو سکتی ہے کیونکہ ہر ایک کے متعلق کسی نہ کسی کا قول موجود ہے (۲۱) یہ کہ وہ ۲۱ ویں رات ہے (۲۲) وہ اٹھائیسویں رات ہے۔ (۲۳) ابن العربی نے کہا کہ وہ ۲۹ ویں رات ہے (۲۴) قاضی عیاض رض نے کہا کہ وہ تیسویں رات ہے (۲۵) یہ کہ وہ رمضان کے آخری عشرے کی طاق راتوں میں سے کوئی رات ہے۔ فتح الباری میں ہے کہ یہ راجح ترین قول ہے (۲۶) آخری عشرے کی طاق راتوں میں سے ایک یا رمضان کی آخری رات ہے (۲۷) وہ آخری عشرے کی راتوں میں منتقل ہوتی رہتی ہے۔ یہ ابو قلابہ، مالک، ثوری، احمد اور اسحاق کا قول ہے (۲۸) پچھلے قول کی مانند ہے مگر بعض راتوں کے لیلۃ القدر ہونے کی دوسروں کی نسبت زیادہ قوی امید ہے۔ (۲۹) زیادہ تر امید ۲۳ ویں کی ہے، باقی قول ۲۷ اور ۲۸ کی مانند ہے (۳۰) ۲۷ کی امید دوسری طاق راتوں کے زیادہ ہے (۳۱) وہ سب آخری سات راتوں میں منتقل ہوتی رہتی ہے پھر اس میں یہ گفتگو ہوئی ہے کہ یا وہ مہینے کے آخر سے سات راتوں میں منتقل ہوتی ہے (۳۲) مہینے کے آخری سات دنوں میں سے آخری رات ہے (۳۳) وہ رمضان کے آخری نصف میں پھرتی رہتی ہے، المحیط میں اسے ابو یوسف رض اور محمد رض کا قول قرار دیا گیا ہے (۳۴) وہ ۱۶ ویں یا ۱۷ ویں رات ہے (۳۵) ۱۷ ویں ۱۹ ویں یا ۲۱ ویں رات ہے (۳۶) رمضان کی پہلی یا آخری رات ہے (۳۷) ۱۹ ویں، ۱۱ ویں یا ۲۳ ویں رات ہے (۳۸) پہلی یا نویں یا ۱۷ ویں یا ۲۱ ویں یا آخری رات ہے (۳۹) ۲۳ ویں یا ۲۷ ویں رات ہے (۴۰) ۲۱ ویں یا ۲۳ ویں یا ۲۵ ویں رات ہے (۴۱) وہ آخری سات دنوں میں سے کوئی ہے مگر یہ وہی ۳۱ ویں قول ہے (۴۲) ۲۲ ویں یا ۲۳ ویں رات ہے۔ (۴۳) وہ درمیانے عشرے اور آخری عشرے کی جفت راتوں میں سے ہے (۴۴) وہ آخری عشرے میں سے تیسری یا پانچویں رات ہے۔ لیکن تیسری سے مراد ۲۳ ویں بھی ہو سکتی ہے اور ۲۷ ویں بھی۔ تو گویا وہ ۲۳ یا ۲۵ ویں یا ۲۷ ویں رات ہے (۴۵) رمضان کے دوسرے نصف کی ساتویں یا آٹھویں رات ہے (۴۶) وہ رمضان کی پہلی یا آخری یا کوئی طاق رات ہے۔

حافظ ابن حجر نے کہا ہے کہ مجھے اسی قدر اقوال معلوم ہو سکے ہیں۔ ان میں سے بعض کو دوسروں میں ملایا جا سکتا ہے گو بظاہر وہ متغائر ہوں۔ اور ان میں سے راجح ترین قول یہ ہے کہ لیلۃ القدر آخری عشرے کی طاق راتوں میں سے کوئی ہے اور وہ منتقل ہوتی رہتی ہے اور شافعیہ کے نزدیک ۲۱ ویں یا ۲۳ ویں کی امید راجح تر ہے مگر جمہور کے نزدیک ۲۷ ویں کی۔ اس میں بھی اختلاف ہے کہ آیا اس کی کوئی علامت ہے یا نہیں؟ بعض نے کہا کہ اس میں ہر چیز سجدہ

ریزہ دکھائی دے گی، بعض نے کہا کہ ہر طرف انوار بکھرے ہوئے اور پھیلے ہوئے نظر آئیں گے حتی کہ تاریک جگہوں میں بھی، بعض نے کہا کہ فرشتوں کا سلام یا کلام سنائی دیتا ہے اور بعض نے کہا کہ اس کی علامت صرف قبولیت دعا ہے۔ طبری کا قول مختار یہ ہے کہ ان علامتوں میں سے کوئی بھی لازم نہیں ہے۔

۱۳۸۲۔ حَدَّثَنَا اَحْمَدُ بْنُ حَفْصٍ حَدَّثَنِیْ اَبِیْ حَدَّثَنِیْ اِبْرَاهِیْمُ بْنُ طَهْمَانَ عَنْ عِبَادِ بْنِ اِسْحَاقَ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ مُسْلِمٍ الزُّهْرِیِّ عَنْ ضَمْرَةَ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ اُنَیْسٍ عَنْ اَبِیْهِ قَالَ كُنْتُ فِیْ مَجْلِسِ بَنِیْ سَلِمَةَ وَاَنَا اَصْغَرُهُمْ فَقَالُوْا مَنْ یَّسْئَلُ لَنَا رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ عَنْ لَیْلَةِ الْقَدْرِ وَذٰلِكَ صَبِیْحَةَ اِحْدٰی وَعِشْرِیْنَ مِنْ رَمَضَانَ فَخَرَجْتُ فَوَافَیْتُ مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ صَلٰوةَ الْمَغْرِبِ ثُمَّ قُمْتُ بِبَابِ بَیْتِهٖ فَمَرَّ بِیْ فَقَالَ اُدْخُلْ فَدَخَلْتُ فَاُتِیَ بِعَشَائِهٖ فَرَاٰنِیْ اَكُفُّ عَنْهُ مِنْ قِلَّتِهٖ فَلَمَّا فَرَغَ قَالَ نَاوِلْنِیْ نَعْلِیْ فَقَامَ وَقُمْتُ مَعَهٗ فَقَالَ كَانَ لَكَ حَاجَةٌ قُلْتُ اَجَلْ اَرْسَلَنِیْ اِلَیْكَ رَهْطٌ مِّنْ بَنِیْ سَلِمَةَ یَسْاَلُوْنَكَ عَنْ لَیْلَةِ الْقَدْرِ فَقَالَ كَمِ اللَّیْلَةُ فَقُلْتُ اِثْنَتَانِ وَعِشْرُوْنَ قَالَ هِیَ اللَّیْلَةُ ثُمَّ رَجَعَ فَقَالَ اَوِ الْقَابِلَةُ یُرِیْدُ لَیْلَةَ ثَلٰثٍ وَّعِشْرِیْنَ۔

عبداللہ ابن انیس رضؓ نے کہا کہ میں بنی سلمہ کی مجلس میں تھا اور میں ان سب میں چھوٹا تھا، تو انہوں نے کہا کہ ہمارے لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے لیلۃ القدر کے متعلق کون پوچھے گا؟ اور یہ واقعہ ۲۱ رمضان کا ہے۔ پس میں باہر نکلا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نماز مغرب میں شامل ہوا، پھر میں آپؐ کے گھر کے دروازے پہ کھڑا ہو گیا، پس آپ میرے پاس سے گزرے اور فرمایا اندر چلو۔ پس میں گھر کے اندر چلا گیا تو آپ کا رات کا کھانا لایا گیا تو آپؐ نے مجھے دیکھا کہ کھانا کم ہونے کے باعث میں اس سے رک رہا تھا، پھر جب آپ فارغ ہوئے تو حضورؐ نے فرمایا میرا جوتا مجھے دو۔ پس آپ اٹھے اور میں بھی آپ کے ساتھ اٹھا۔ آپ نے فرمایا: کیا تمہیں کوئی کام تھا؟ میں نے کہا ہاں بنی سلمہ کے کچھ لوگوں نے مجھے آپ کی خدمت میں بھیجا ہے، وہ آپ سے لیلۃ القدر کے متعلق پوچھتے ہیں۔ آپ نے فرمایا آج کون سی رات ہے؟ میں نے کہا ۲۲ ویں رات ہے تو فرمایا کہ وہ یہی رات ہے، پھر آپ لوٹے اور فرمایا: یا آئندہ یعنی ۲۳ ویں رات۔

شرح: بقول منذری یہ حدیث نسائی میں بھی ہے۔ ابوداؤد نے اس حدیث کو غریب کہا ہے اور یہ کہ زہری کی ضمرہ سے اس کے سوا اور کوئی روایت نہیں۔ دارقطنی نے ابراہیم بن طہمان راوی پہ گفتگو کی ہے کہ وہ مرجئہ میں سے تھا

حافظ نے کہا ہے کہ وہ ارجاء کا داعی نہ تھا اور حاکم نے اس کا ارجاء سے رجوع نقل کیا ہے۔ وہ ثقہ اور صحیح الحدیث تھا جبکہ ثقہ سے روایت کرے۔

۱۳۸۳۔ حَدَّثَنَا اَحْمَدُ بْنُ يُونُسَ نَا زُهَيْرٌ نَا مُحَمَّدُ بْنُ اِسْحَاقَ حَدَّثَنِي مُحَمَّدُ بْنُ اِبْرَاهِيمَ عَنِ ابْنِ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ اُنَيْسٍ الْجُهَنِيِّ عَنْ اَبِيهِ قَالَ قُلْتُ يَا رَسُولَ اللّٰهِ اِنَّ لِي بَادِيَةً اَكُونُ فِيهَا وَاَنَا اُصَلِّي بِحَمْدِ اللّٰهِ فَمُرْنِي بِلَيْلَةٍ اُنْزِلُهَا اِلَى هٰذَا الْمَسْجِدِ فَقَالَ انْزِلْ لَيْلَةَ ثَلَاثٍ وَعِشْرِينَ فَقُلْتُ لِابْنِهِ فَكَيْفَ كَانَ اَبُوكَ يَصْنَعُ قَالَ كَانَ يَدْخُلُ الْمَسْجِدَ اِذَا صَلَّى الْعَصْرَ فَلَا يَخْرُجُ مِنْهُ لِحَاجَةٍ حَتّٰى يُصَلِّيَ الصُّبْحَ فَاِذَا صَلَّى الصُّبْحَ وَجَدَ دَابَّتَهُ عَلٰى بَابِ الْمَسْجِدِ فَجَلَسَ عَلَيْهَا فَلَحِقَ بِبَادِيَتِهِ

عبداللہ بن انیس جہنی نے کہا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے گزارش کی: یارسول اللہ میں صحرا میں رہتا ہوں اور اللہ کا شکر ہے کہ میں وہاں نماز پڑھتا ہوں، آپ مجھے کسی رات کے متعلق حکم دیں جس میں میں اس مسجد میں آیا کروں۔ آپ نے فرمایا تیئیسویں رات (یعنی رمضان کی ۲۳ ویں رات) کو آجایا کرو۔ محمد بن ابراہیم نے کہا کہ میں نے اس کے بیٹے سے پوچھا: تمہارا باپ پھر کیا کیا کرتا تھا؟ اس نے کہا کہ وہ عصر کی نماز پڑھ کر مسجد کے اندر داخل ہو جاتا تھا، پھر وہ کسی ضرورت کے لیے بھی صبح کی نماز پڑھنے تک نہ نکلتا تھا۔ جب وہ صبح کی نماز پڑھ لیتا تو اپنی سواری کو مسجد کے دروازے پر پاتا، پس سواری پر بیٹھتا اور اپنے صحرا کو چلا جاتا تھا (مسلم نے صحیح میں لیلۃ القدر کے باب میں بسر بن سعید عن عبداللہ بن انیس کی حدیث روایت کی ہے۔ موجودہ حدیث کو امام مالکؒ نے اعتکاف میں روایت کیا ہے۔ منذری کا قول ہے کہ اس کی سند میں محمد بن اسحاق متکلم فیہ ہے)

۱۳۸۴۔ حَدَّثَنَا مُوسَى بْنُ اِسْمٰعِيلَ نَا وُهَيْبٌ نَا اَيُّوبُ عَنْ عِكْرِمَةَ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ الْتَمِسُوهَا فِي الْعَشْرِ الْاَوَاخِرِ مِنْ رَمَضَانَ فِي تَاسِعَةٍ تَبْقٰى وَفِي سَابِعَةٍ تَبْقٰى وَفِي خَامِسَةٍ تَبْقٰى۔

ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم اسے رمضان کے آخری عشرے میں تلاش کرو، باقی رہنے والی ۹ ویں، ساتویں میں اور پانچویں میں (یہ حدیث بخاری نے بھی روایت کی ہے)

شرح: باقی رہنے والی نویں تو رمضان کی ۲۱ ویں ہے، اسی طرح پچھلی طرف سے ساتویں سیدھی طرف سے رمضان کی ۲۳ ویں، اور پچھلی طرف سے پانچویں دراصل رمضان کی ۲۵ ویں ہے۔

بَابُ فِيمَنْ قَالَ لَيْلَةَ إِحْدَى وَعِشْرِينَ

ان کا باب جنہوں نے کہا کہ لیلۃ القدر ۲۱ ویں ہے۔

۱۳۸۵۔ حَدَّثَنَا الْقَعْنَبِيُّ عَنْ مَالِكٍ عَنْ يَزِيدَ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ الْهَادِ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ إِبْرَاهِيمَ بْنِ الْحَارِثِ التَّيْمِيِّ عَنْ أَبِي سَلَمَةَ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمَنِ عَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ قَالَ كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَعْتَكِفُ الْعَشْرَ الْأَوْسَطَ مِنْ رَمَضَانَ فَاعْتَكَفَ عَامًا حَتَّى إِذَا كَانَتْ لَيْلَةَ إِحْدَى وَعِشْرِينَ وَهِيَ اللَّيْلَةُ الَّتِي يَخْرُجُ فِيهَا مِنِ اعْتِكَافِهِ قَالَ مَنْ كَانَ اعْتَكَفَ مَعِيَ فَلْيَعْتَكِفِ الْعَشْرَ الْأَوَاخِرَ وَقَدْ رَأَيْتُ هَذِهِ اللَّيْلَةَ ثُمَّ أُنْسِيتُهَا وَقَدْ رَأَيْتُنِي أَسْجُدُ مِنْ صَبِيحَتِهَا فِي مَاءٍ وَطِينٍ فَالْتَمِسُوهَا فِي الْعَشْرِ الْأَوَاخِرِ وَالْتَمِسُوهَا فِي كُلِّ وِتْرٍ قَالَ أَبُو سَعِيدٍ فَمُطِرَتِ السَّمَاءُ مِنْ تِلْكَ اللَّيْلَةِ وَكَانَ الْمَسْجِدُ عَلَى عَرِيشٍ فَوَكَفَ الْمَسْجِدُ فَقَالَ أَبُو سَعِيدٍ فَأَبْصَرَتْ عَيْنَايَ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَعَلَى جَبْهَتِهِ وَأَنْفِهِ أَثَرُ الْمَاءِ وَالطِّينِ مِنْ صَبِيحَةِ إِحْدَى وَعِشْرِينَ

ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رمضان کے درمیانی عشرے میں اعتکاف کیا کرتے تھے پس ایک سال رمضان میں اعتکاف فرمایا حتیٰ کہ جب ۲۱ ویں رات ہوئی، اور یہ وہ رات تھی جس میں آپؐ اعتکاف سے نکلتے تھے، تو آپؐ نے فرمایا: جن لوگوں نے میرے ساتھ اعتکاف کیا ہے وہ آخری عشرے کا بھی اعتکاف کریں، اور میں نے یہ رات (لیلۃ القدر) دیکھی تھی پھر مجھے بھلا دی گئی اور میں نے دیکھا ہے کہ اس کی صبح کو میں پانی اور کیچڑ میں سجدہ کرتا ہوں پس تم اسے آخری دس راتوں میں تلاش کرو اور اسے ہر طاق رات میں ڈھونڈو۔ ابو سعید رضی اللہ عنہ نے کہا کہ اسی رات کو بارش ہو گئی اور مسجد ایک چھپر سی تھی پس مسجد ٹپک پڑی، پس ابو سعید رضی اللہ عنہ نے کہا کہ میری آنکھوں نے رسول اللہ صلی اللہ

علیہ وسلم کو دیکھا اور آپ کی پیشانی پر اور ناک پر پانی اور کیچڑ کا نشان تھا۔ یہ ۲۱ ویں کی صبح کا واقعہ تھا (یہ حدیث بخاری، مسلم، نسائی اور ابن ماجہ میں بھی ہے)۔ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ جن لوگوں نے لیلۃ القدر کی یہ علامت بیان کی ہے انہیں شاید کوئی غلط فہمی ہوئی ہے۔ بارش کا ہونا اور پانی اور کیچڑ میں سجدہ کرنا ہر لیلۃ القدر کی علامت نہیں تھی بلکہ اسی سال کی لیلۃ القدر کی علامت تھی۔

بَابٌ اٰخَرُ

۱۳۸۶ - حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الْمُثَنّٰى نَا عَبْدُ الْاَعْلٰى نَا سَعِيْدٌ عَنْ اَبِيْ نَضْرَةَ عَنْ اَبِيْ سَعِيْدٍ الْخُدْرِيِّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِلْتَمِسُوْهَا فِي الْعَشْرِ الْاَوَاخِرِ مِنْ رَمَضَانَ وَالْتَمِسُوْهَا فِي التَّاسِعَةِ وَالسَّابِعَةِ وَالْخَامِسَةِ قَالَ قُلْتُ يَا اَبَا سَعِيْدٍ اِنَّكُمْ اَعْلَمُ بِالْعَدَدِ مِنَّا قَالَ اَجَلْ قُلْتُ مَا التَّاسِعَةُ وَالسَّابِعَةُ وَالْخَامِسَةُ قَالَ اِذَا مَضَتْ وَاحِدَةٌ وَّعِشْرُوْنَ فَالَّتِيْ تَلِيْهَا التَّاسِعَةُ وَاِذَا مَضٰى ثَلَاثٌ وَعِشْرُوْنَ فَالَّتِيْ تَلِيْهَا السَّابِعَةُ وَاِذَا مَضٰى خَمْسٌ وَعِشْرُوْنَ فَالَّتِيْ تَلِيْهَا الْخَامِسَةُ قَالَ اَبُوْدَاؤدَ لَا اَدْرِيْ اَخَفِيَ عَلَيَّ مِنْهُ شَيْءٌ اَمْ لَا۔

ابو سعید خدری رض نے کہا کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اُسے رمضان کے آخری عشرہ میں تلاش کرو اور اُسے نویں، ساتویں اور پانچویں ڈھونڈو۔ ابو نضرہ نے کہا کہ اے ابو سعید! تم لوگ عدد کو ہم سے زیادہ جانتے ہو۔ اس نے کہا کہ ہاں۔ میں نے کہا کہ نویں، ساتویں اور پانچویں کا کیا مطلب ہے؟ اس نے کہا کہ جب ۲۱ راتیں گزر جائیں تو جو اس کے بعد ہوگی وہ نویں ہوگی۔ اور جب تئیس ۲۳ گزر جائیں تو اس کے بعد آنے والی ساتویں ہے اور جب پچیس گزر جائیں تو اس کے بعد آنے والی رات پانچویں ہے۔ ابوداؤد نے کہا کہ مجھے نہیں معلوم آیا اس سے کوئی چیز مجھ پر مخفی ہوگئی یا نہیں (اسے مسلم اور نسائی نے بھی روایت کیا ہے)

شرح: مولانا نے فرمایا کہ یہ حدیث مسلم نے بھی اسی سند کے ساتھ روایت کیا ہے اور اس میں ایک اشکال ہے۔ وہ یہ کہ اس سے پتہ چلتا ہے لیلۃ القدر رمضان کے آخری عشرے کی جفت راتوں میں ہے نہ کہ طاق راتوں میں، حالانکہ ابو سعید رض کی گزشتہ حدیث یہ بتاتی ہے کہ لیلۃ القدر آخری عشرے کی طاق راتوں میں بلکہ بالخصوص ۲۱ ویں میں ہے۔ اس اعتراض کا جواب اور کسی طرح سے ممکن نہیں، صرف یہی ایک صورت ممکن ہے کہ ابو سعید رض کے اس کلام کی غرض نویں اور ساتویں وغیرہ کا بیان ہے اور بس، اور یہ غرض نہیں ہے کہ لیلۃ القدر کو ان راتوں میں بتایا گیا ہے کیونکہ صحیح احادیث میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم

سے ثابت ہو چکا ہے کہ لیلۃ القدر آخری عشرے کی طاق راتوں میں ہے بلکہ یہ بھی کہ وہ ۲۱ویں ہے۔ الغرض نویں اور ساتویں وغیرہ کا اطلاق دو طرح سے ہو سکتا ہے، ایک یہ کہ مہینہ ۲۹ دن کا ہو اور دوسرا یہ کہ مہینہ ۳۰ دن کا ہو۔ پہلی صورت میں نویں رات ۲۱ویں، ساتویں رات ۲۳ویں اور پانچویں رات ۲۵ویں ہوگی۔ دوسری صورت میں نویں رات ۲۲ویں، ساتویں ۲۴ویں اور پانچویں رات ۲۶ویں ہوگی۔ پس مقصود اس سے فقط اطلاق کا بیان ہے کہ فلاں رات کو فلاں صورت میں کیا کہیں گے۔ اور یہ مقصد نہیں ہے کہ ان راتوں کو بحیثیت لیلۃ القدر بیان کیا گیا ہے۔ اوپر یہ بحث مختصراً گزر چکی ہے کہ لیلۃ القدر باقی راتوں میں سے نویں، ساتویں یا پانچویں ہے، جیسا کہ حدیث نمبر ۱۳۸۱ میں گزرا۔ یعنی یہ ۲۱ویں اور ۲۳ویں اور ۲۵ویں راتیں ہیں۔ اور یہ حساب اس بناء پر ہے کہ مہینہ ۳۰ دن کا کامل شمار کیا جائے جیسا کہ بالعموم ہوتا ہے۔

بَابُ مَنْ رَوٰى اَنَّهَا لَيْلَةُ سَبْعَ عَشْرَةَ

اس روایت کا باب کہ وہ ۱۷ویں رات ہے۔

۱۳۸۷ ۔ حَدَّثَنَا حَكِيمُ بْنُ سَيْفٍ الرَّقِّيُّ نَا عُبَيْدُ اللهِ يَعْنِي ابْنَ عَمْرٍو عَنْ زَيْدٍ يَعْنِي ابْنَ اَبِي اُنَيْسَةَ عَنْ اَبِي اِسْحَاقَ عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ الْاَسْوَدِ عَنْ اَبِيهِ عَنِ ابْنِ مَسْعُودٍ قَالَ قَالَ لَنَا رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَبِي اِسْحٰقَ عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ الْاَسْوَدِ عَنْ اَبِيهِ عَنِ ابْنِ مَسْعُودٍ قَالَ قَالَ لَنَا رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اُطْلُبُوهَا لَيْلَةَ سَبْعَ عَشْرَةَ مِنْ رَمَضَانَ وَلَيْلَةَ اِحْدٰى وَعِشْرِيْنَ وَلَيْلَةَ ثَلٰثٍ وَعِشْرِيْنَ ثُمَّ سَكَتَ۔

ابن مسعودؓ نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اسے رمضان کی ۱۷ویں رات میں تلاش کرو اور ۲۱ویں اور ۲۳ویں رات میں۔

شرح: منذری نے کہا کہ اس حدیث کی سند میں حکیم بن یوسف ہے جس میں کلام ہے، ابو حاتم نے اسے ناقابلِ استدلال اور غیر متین کہا ہے۔

بَابُ مَنْ رَوٰى فِي السَّبْعِ الْاَوَاخِرِ

باب۔ جنہوں آخری سات راتوں میں روایت کیا۔

۱۳۸۸ ۔ حَدَّثَنَا الْقَعْنَبِيُّ عَنْ مَالِكٍ عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ دِيْنَارٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَحَرَّوْا لَيْلَةَ الْقَدْرِ فِي السَّبْعِ الْاَوَاخِرِ۔

ابن عمرؓ نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: لیلۃ القدر کو آخری سات راتوں میں تلاش کرو۔ (مسلم اور نسائی نے بھی اسے روایت کیا ہے)

شرح: تحرّوا کا لفظ تحرّی مصدر سے ہے جس کا معنیٰ ہے: "خوب جد و جہد سے تلاش کرنا" "آخری سات راتوں" سے مراد یا تو ماہ رمضان کی آخری سات راتیں ہیں یعنی ۲۳ ویں سے لے کر آخر تک۔ یا مہینے کی ۲۰ ویں کے بعد والی سات راتیں ہیں یعنی ۲۱ ویں سے لے کر ۲۸ تک یا اس سے مراد مہینے کے آواخر میں وہ عدد ہیں جن میں "سات" آئے یعنی ۱۷ اور ۲۷۔ اور ان میں سے آخری عدد ۲۷ کا ہے۔

بَابُ مَنْ قَالَ سَبْعٌ وَعِشْرُوْنَ

باب جنہوں نے کہا کہ وہ ۲۷ ویں ہے۔

۱۳۸۹۔ حَدَّثَنَا عُبَيْدُ اللهِ بْنُ مُعَاذٍ نَا اَبِیْ نَا شُعْبَةُ عَنْ قَتَادَةَ اَنَّهُ سَمِعَ مُطَرِّفًا عَنْ مُعَاوِيَةَ بْنِ اَبِیْ سُفْيَانَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِیْ لَيْلَةِ الْقَدْرِ قَالَ لَيْلَةُ الْقَدْرِ لَيْلَةُ سَبْعٍ وَّعِشْرِيْنَ۔

معاویہ بن ابی سفیان نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے لیلۃ القدر میں روایت کی کہ لیلۃ القدر ۲۷ ویں رات ہے

بَابُ مَنْ قَالَ هِیَ فِیْ كُلِّ رَمَضَانَ

باب جنہوں نے کہا کہ وہ سارے رمضان میں ہے۔

۱۳۹۰۔ حَدَّثَنَا حُمَيْدُ بْنُ زَنْجُوَيَةَ النَّسَائِیُّ نَا سَعِيْدُ بْنُ اَبِیْ مَرْيَمَ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ جَعْفَرِ بْنِ اَبِیْ كَثِيْرٍ نَا مُوْسٰى بْنُ عُقْبَةَ عَنْ اَبِیْ اِسْحَاقَ عَنْ سَعِيْدِ بْنِ جُبَيْرٍ عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ عُمَرَ قَالَ سُئِلَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَاَنَا اَسْمَعُ عَنْ لَيْلَةِ الْقَدْرِ فَقَالَ هِیَ فِیْ كُلِّ رَمَضَانَ قَالَ اَبُوْ دَاؤدَ رَوَاهُ سُفْيَانُ وَشُعْبَةُ عَنْ اَبِیْ اِسْحٰقَ مَوْقُوْفًا عَلَى ابْنِ عُمَرَ لَمْ يَرْفَعَاهُ اِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ۔

عبداللہ بن عمرؓ نے کہا کہ لیلۃ القدر کے متعلق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا گیا اور میں سن رہا تھا حضورؐ نے فرمایا کہ وہ ہر رمضان میں (یا سارے رمضان میں) ہے۔ ابوداؤد نے کہا کہ سفیان اور شعبہ نے اسے

ابواسحاق سے عبداللہ بن عمرؓ پر موقوف روایت کیا ہے، انھوں نے اسے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا قول نہیں بتایا۔
شرح: فِی کُلِّ رَمَضَانَ کے معنی میں دو احتمال ہیں۔ ایک یہ کہ لیلۃ القدر اس پورے مہینے میں ہوتی ہے۔ دوسرا یہ کہ وہ ہر سال ماہ رمضان میں ہوتی ہے اور کوئی رمضان اس سے خالی نہیں ہوتا۔

بَابٌ فِي كَمْ يُقْرَأُ الْقُرْآنُ

باب۔ کتنی مدت میں قرآن پڑھا جائے؟۔

۱۳۹۱۔ حَدَّثَنَا مُسْلِمُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ وَمُوسَى بْنُ إِسْمٰعِيلَ قَالَا نَا أَبَانُ عَنْ يَحْيٰى عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ إِبْرَاهِيمَ عَنْ أَبِي سَلَمَةَ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَمْرٍو أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَهُ اقْرَأِ الْقُرْآنَ فِي شَهْرٍ قَالَ إِنِّي أَجِدُ قُوَّةً قَالَ اقْرَأْ فِي عِشْرِينَ قَالَ إِنِّي أَجِدُ قُوَّةً قَالَ اقْرَأْ فِي خَمْسَ عَشْرَةَ قَالَ إِنِّي أَجِدُ قُوَّةً قَالَ اقْرَأْ فِي عَشْرٍ قَالَ إِنِّي أَجِدُ قُوَّةً قَالَ اقْرَأْ فِي سَبْعٍ وَلَا تَزِيدَنَّ عَلَى ذٰلِكَ قَالَ أَبُو دَاوُدَ وَحَدِيثُ مُسْلِمٍ أَتَمُّ

عبداللہ بن عمرو سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے فرمایا کہ قرآن کو ایک ماہ میں پڑھ۔ اس نے کہا کہ میں اس سے زیادہ کی قوت پاتا ہوں تو آپ نے فرمایا کہ بیس دن میں پڑھ۔ اس نے کہا کہ میں یہ طاقت پاتا ہوں حضورؐ نے فرمایا پندرہ دن میں پڑھ، اس نے کہا میں قوت پاتا ہوں حضورؐ نے فرمایا دس دن میں پڑھ، اس نے کہا کہ میں طاقت پاتا ہوں آپ نے فرمایا کہ سات دن میں پڑھ اور اس پر ہرگز اضافہ نہ کرنا۔ ابوداؤد نے کہا کہ مسلم بن ابراہیم کی حدیث زیادہ پوری ہے (یہ حدیث بخاری و مسلم میں بھی مروی ہے، اس باب کے اوپر ایک نسخے میں یہ عبارت بھی ہے "ابواب قراۃ القرآن وتحزیبہ وترتیلہ"۔
شرح: مسلم کی حدیث میں ہے کہ عبداللہ ہر رات میں ختم قرآن کرتے تھے تو اس پر یہ گفتگو ہوئی۔ نووی نے لکھا ہے کہ تدبر و تفہیم قرآن کے لیے یہ حدیث بطور ارشاد و تربیت ارشاد فرمائی گئی تھی۔ علامہ محدث علی القاری کے بقول بزرگان سلف اپنے احوال و اوقات کے مطابق روزانہ قرأت قرآن کا ایک معیار رکھا کرتے تھے۔ بعض مہینہ بھر میں قرآن ختم کرتے، بعض بیس دن میں، بعض دس دن میں، بعض یا اکثر سات دن میں اور بہت سے تین دن میں اور بہت سے دن رات میں، بعض رات بھر میں اور بعض دن رات میں تین ختم کرتے تھے، غرض اس کے لیے کوئی ایک ہی طریقہ یا معیار بنانا ممکن نہیں ہے۔

۱۳۹۲۔ حَدَّثَنَا سُلَيْمَانُ بْنُ حَرْبٍ نَا حَمَّادٌ عَنْ عَطَاءِ بْنِ السَّائِبِ عَنْ أَبِيهِ

عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَمْرٍو قَالَ قَالَ لِي رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صُمْ مِنْ كُلِّ شَهْرٍ ثَلَاثَةَ اَيَّامٍ وَاقْرَأِ الْقُرْاٰنَ فِي شَهْرٍ فَنَاقَصَنِي وَنَاقَصْتُهُ فَقَالَ صُمْ يَوْمًا وَاَفْطِرْ يَوْمًا قَالَ عَطَاءٌ وَاخْتَلَفْنَا عَنْ اَبِي فَقَالَ بَعْضُنَا سَبْعَةَ اَيَّامٍ وَقَالَ بَعْضُنَا خَمْسًا۔

عبداللہ بن عمرو نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے فرمایا: ہر ماہ میں تین دن کا روزہ رکھ اور ہر ماہ میں ایک ختم قرآن کر۔ پس حضورؐ نے مجھے قرأت کم کرنے کو اور میں نے آپ کو مدت کم کرنے کو کہا تو آپؐ نے فرمایا کہ ایک دن روزہ رکھ اور ایک دن نہ رکھ۔ عطاء نے کہا کہ ہم راویوں میں میرے باپ سے روایت میں اختلاف ہوگیا ہم میں سے بعض نے سات دن اور بعض نے پانچ دن کہا۔ منذری نے کہا کہ عطاء بن السائب متکلم فیہ ہے اس کی روایت بخاری نے دوسرے راوی کے ساتھ ملا کر لی ہے۔ اس کا باپ السائب بن مالک بقول یحییٰ بن معین ثقہ تھا مولانا نے فرمایا ہے کہ مسلم نے یہ حدیث ابن جریج سے روایت کی ہے اس نے کہا کہ میں نے عطاء سے سنا: عن ربیعہ عن عبداللہ بن عمرو، اس میں نہ اس اختلاف کا ذکر ہے اور نہ قرآن کی قرات کے لیے کسی عدد کا۔

۱۳۹۳۔ حَدَّثَنَا ابْنُ الْمُثَنَّى نَا عَبْدُ الصَّمَدِ نَا هَمَّامٌ نَا قَتَادَةُ عَنْ يَزِيْدَ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَمْرٍو اَنَّهُ قَالَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ فِي كَمْ اَقْرَأُ الْقُرْاٰنَ قَالَ فِي شَهْرٍ قَالَ اِنِّي اَقْوٰى مِنْ ذٰلِكَ رَدَّدَ الْكَلَامَ اَبُوْ مُوْسٰى وَتَنَاقَصَهُ حَتّٰى قَالَ اِقْرَأْهُ فِي سَبْعٍ قَالَ اِنِّي اَقْوٰى مِنْ ذٰلِكَ قَالَ لَا يَفْقَهُ مَنْ قَرَأَهُ فِي اَقَلَّ مِنْ ثَلَاثٍ۔

عبداللہ بن عمرو سے روایت ہے کہ اس نے کہا یا رسول اللہ میں قرآن کتنی مدت میں پڑھوں؟ آپ نے فرمایا ایک ماہ میں عبداللہ نے کہا میں اس سے قوی تر ہوں۔ ابوموسیٰ نے بار بار سوال وجواب اور کمی کرنے کا ذکر کیا حتیٰ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ سات دن میں پڑھ تو عبداللہ نے کہا میں اس سے زیادہ قوی ہوں۔ حضورؐ نے فرمایا جو تین دن سے کم میں پڑھے وہ اسے سمجھتا نہیں ہے۔ (ترمذی نے اسی طرح کی حدیث ابواب القرآت میں روایت کی ہے) حدیث کا مطلب یہ ہوا کہ تین دن میں ختم قرآن کیا جائے تو جائز ہے مگر اس سے کم میں پڑھنے والا اسے سمجھ نہیں پاتا۔ ابوموسیٰ محمد بن المثنیٰ راوی کی دوسری کنیت ہے۔

۱۳۹۴۔ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ حَفْصٍ اَبُوْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ الْقَطَّانُ خَالُ

عِيسَى بْنِ شَاذَانَ نَا أَبُو دَاوُدَ نَا الْحَرِيشُ بْنُ سُلَيْمٍ عَنْ طَلْحَةَ بْنِ مُصَرِّفٍ عَنْ خَيْثَمَةَ عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عَمْرٍو قَالَ قَالَ لِي رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اقْرَإِ الْقُرْآنَ فِي شَهْرٍ قَالَ إِنَّ لِي قُوَّةً قَالَ اقْرَأْهُ فِي ثَلَاثٍ قَالَ أَبُو عَلِيٍّ سَمِعْتُ أَبَا دَاوُدَ يَقُولُ سَمِعْتُ أَحْمَدَ بْنَ حَنْبَلٍ يَقُولُ عِيسَى بْنُ شَاذَانَ كَيِّسٌ۔

عبداللہ بن عمرو سے روایت ہے کہ مجھ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: قرآن کو ایک ماہ میں پڑھ، عبداللہ نے کہا کہ مجھ میں قوت ہے، حضور نے فرمایا کہ تین دن میں پڑھ لے۔ ابوعلی نے کہا کہ میں نے ابوداؤد کو یہ کہتے سنا کہ میں نے احمد بن حنبل کو یہ کہتے سنا کہ عیسٰی بن شاذان عقلمند آدمی ہے (اس لفظ کو تعدیل شمار کیا جائے یا نہ؟ بظاہر تو جرح و تعدیل اس لفظ میں دونوں برابر ہیں۔ حافظ ابن مندہ نے اپنی تاریخ میں اس کا ذکر کیا ہے، اور یہ کہ ابن عیینہ اور یحیٰی القطان نے اس کے منکر احادیث کا راوی ہونے کا بھی ذکر کیا ہے۔ اس حدیث کی سند میں الحریش بن سلیم بھی ایک متکلم فیہ راوی ہے)

بَابُ تَحْزِيبِ الْقُرْآنِ

قرآن کی حزب بندی کا باب۔

۱۳۹۵۔ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ يَحْيَى بْنِ فَارِسٍ نَا ابْنُ أَبِي مَرْيَمَ أَنَا يَحْيَى بْنُ أَيُّوبَ عَنِ ابْنِ الْهَادِ قَالَ سَأَلَنِي نَافِعُ بْنُ جُبَيْرِ بْنِ مُطْعِمٍ فَقَالَ لِي فِي كَمْ تَقْرَأُ الْقُرْآنَ فَقُلْتُ مَا أُحَزِّبُهُ فَقَالَ لِي نَافِعٌ لَا تَقُلْ مَا أُحَزِّبُهُ فَإِنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ قَرَأْتُ جُزْءًا مِنَ الْقُرْآنِ قَالَ حَسِبْتُ أَنَّهُ ذَكَرَهُ عَنِ الْمُغِيرَةِ بْنِ شُعْبَةَ۔

ابن الہاد نے کہا کہ نافع بن جبیر بن مطعم نے مجھ سے پوچھا کہ تم کتنی مدت میں قرآن ختم کرتے ہو۔ میں نے کہا کہ میں کسی مقرر مقدار سے نہیں پڑھتا تو نافع نے مجھ سے کہا کہ ایسامت کہو کہ میں اس کی حزب بندی نہیں کرتا کیوں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ میں نے قرآن کا ایک جزء پڑھا۔ ابن الہاد نے کہا کہ میرے خیال میں اس نے مغیرہ بن شعبہؓ سے روایت کی تھی (پس اس سے معلوم ہوگیا کہ قرآن کی جزء بندی اور حزب بندی کرکے ہر روز پڑھنے کی معین مقدار حضورؐ سے ثابت ہے)

۱۳۹۶. حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ نَا قُرَّانُ بْنُ تَمَّامٍ ح وَحَدَّثَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ سَعِيدٍ نَا أَبُو خَالِدٍ وَهٰذَا لَفْظُهُ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ يَعْلَى عَنْ عُثْمَانَ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ أَوْسٍ عَنْ جَدِّهِ قَالَ عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ سَعِيدٍ فِي حَدِيثِهِ أَوْسُ بْنُ حُذَيْفَةَ قَالَ قَدِمْنَا عَلَى رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي وَفْدِ ثَقِيفٍ قَالَ فَنَزَلَتِ الْأَحْلَافُ عَلَى الْمُغِيرَةِ بْنِ شُعْبَةَ وَأَنْزَلَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَنِي مَالِكٍ فِي قُبَّةٍ لَهُ قَالَ مُسَدَّدٌ وَكَانَ فِي الْوَفْدِ الَّذِينَ قَدِمُوا عَلَى رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْ ثَقِيفٍ قَالَ كَانَ كُلَّ لَيْلَةٍ يَأْتِينَا بَعْدَ الْعِشَاءِ يُحَدِّثُنَا قَالَ أَبُو سَعِيدٍ قَائِمًا عَلَى رِجْلَيْهِ حَتّٰى يُرَاوِحَ بَيْنَ رِجْلَيْهِ مِنْ طُولِ الْقِيَامِ وَأَكْثَرُ مَا يُحَدِّثُنَا مَا لَقِيَ مِنْ قَوْمِهِ مِنْ قُرَيْشٍ ثُمَّ يَقُولُ لَا سَوَاءَ كُنَّا مُسْتَضْعَفِينَ مُسْتَذَلِّينَ قَالَ مُسَدَّدٌ بِمَكَّةَ فَلَمَّا خَرَجْنَا إِلَى الْمَدِينَةِ كَانَتْ سِجَالُ الْحَرْبِ بَيْنَنَا وَبَيْنَهُمْ نُدَالُ عَلَيْهِمْ وَيُدَالُونَ عَلَيْنَا فَلَمَّا كَانَتْ لَيْلَةٌ أَبْطَأَ عَنِ الْوَقْتِ الَّذِي كَانَ يَأْتِينَا فِيهِ فَقُلْنَا لَقَدْ أَبْطَأْتَ عَنَّا اللَّيْلَةَ قَالَ إِنَّهُ طَرَأَ عَلَيَّ جُزْئِي مِنَ الْقُرْآنِ فَكَرِهْتُ أَنْ أَجِيءَ حَتّٰى أُتِمَّهُ قَالَ أَوْسٌ سَأَلْتُ أَصْحَابَ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَيْفَ تُحَزِّبُونَ الْقُرْآنَ قَالُوا ثُلُثٌ وَخَمْسٌ وَسَبْعٌ وَتِسْعٌ وَإِحْدَى عَشْرَةَ وَثَلَاثَ عَشْرَةَ وَحِزْبُ الْمُفَصَّلِ وَحْدَهُ قَالَ أَبُو دَاوُدَ وَحَدِيثُ أَبِي سَعِيدٍ أَتَمُّ۔

اوس بن حذیفہؓ نے کہا کہ ہم لوگ ثقیف کے وفد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے راشدہ پس احلاف تو مغیرہ بن شعبہؓ کے پاس مہمان اترے اور بنی مالک کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ایک قبے میں اتارا۔ مسدد نے کہا کہ اوسؓ ابن حذیفہ ثقیف کے اس وفد میں تھا جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا تھا۔ اوسؓ نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہر رات عشاء کے بعد ہمارے پاس تشریف لاتے تھے اور ہم سے بات چیت کرتے تھے۔ ابو سعید نے کہا اپنے پاؤں پر کھڑے ہو کر بات چیت کرتے تھے حتیٰ کہ طول

قیام کے باعث باری باری اپنے پاؤں کو آرام دینے کے لیے ایک پاؤں اٹھاتے تھے، اور ہم سے زیادہ تر جو باتیں کرتے تھے وہ اس سلوک کی ہوتی تھیں جو آپ کی قوم قریش نے آپ کے ساتھ کیا تھا۔ پھر فرماتے تھے کہ ہم اور وہ برابر نہ تھے، ہم کمزور اور کم تعداد میں تھے۔ مسدّد نے کہا کہ مکہ میں، پھر جب ہم مدینہ کی طرف نکل آئے تو ہم میں اور ان میں جنگ برابر ہوتی رہتی تھی، کبھی ہم ان پر غالب آجاتے کبھی وہ ہم پر غالب آجاتے۔ پھر ایک رات کو ایسا ہوا کہ آپ اپنے روزانہ کے وقت سے مؤخر تشریف لائے تو ہم نے کہا کہ آج رات آپ دیر سے تشریف لائے ہیں۔ آپ نے فرمایا کہ میرے ذمہ قرآن کا میرا جزء رہ گیا تھا تو میں نے اسے پورا کئے بغیر آنا ناپسند کیا۔ اوس رضی اللہ عنہ نے کہا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب سے پوچھا کہ آپ لوگ قرآن کی اوراد بندی کیسے کرتے ہیں انہوں نے کہا کہ تین[۳] اور پانچ[۵] اور سات[۷] اور نو[۹] اور گیارہ[۱۱] اور تیرہ[۱۳] اور اکیلے مفصل کا ایک حزب۔ ابوداؤد نے کہا کہ ابوسعید کی حدیث اتم ہے (ابن ماجہ نے اور امام احمد نے اسے مسند میں روایت کیا ہے)

شرح: تین[۳] سے مراد سورۂ البقرہ، آل عمران اور النساء پہلے دن میں ہے۔ پانچ[۵] سے مراد المائدہ، الانعام، الاعراف الانفال اور التوبہ دوسرے دن میں ہے۔ سات[۷] سے مراد تیسرے دن کی یہ سورتیں ہیں، یونس، ہود، یوسف، رعد ابراہیم، الحجر اور النحل۔ نو[۹] سے مراد چوتھے دن کی یہ سورتیں ہیں، بنی اسرائیل، الکہف، مریم، طٰہٰ، الانبیاء، الحج، المؤمنون النور اور الفرقان۔ گیارہ[۱۱] سے مراد پانچویں دن کی یہ سورتیں ہیں: الشعراء، النمل، القصص، العنکبوت، الروم، لقمٰن الم السجدہ، الاحزاب، السبا، الفاطر اور یٰسین۔ تیرہ[۱۳] سے مراد چھٹے دن کی یہ سورتیں ہیں: الصٰفّٰت، صٓ، زمر المؤمن، حم السجدہ، الشوریٰ، الزخرف، الدخان، الجاثیہ، الاحقاف، محمد، الفتح، الحجرات۔ حزب المفصل سے مراد ساتویں دن کی یہ سورتیں ہیں، سورہ قٓ سے الناس تک۔ اس حدیث مسند احمد میں یہ ہیں کہ: چھ سورتیں، اور پانچ سورتیں، سات سورتیں، نو سورتیں، گیارہ سورتیں، تیرہ سورتیں، اور حزب المفصل قٓ سے ختم قرآن تک۔ مولانا رحمہ اللہ نے فرمایا کہ اس روایت میں شاید چھ کا لفظ کاتب کی تصحیف ہے اور درست تین سورتیں کا لفظ ہے۔ اور قراء کی اصطلاح میں اس تحزیب کو فمی بشوق کہتے ہیں۔ اس حدیث میں سورۂ فاتحہ کا ذکر نہیں ہے۔ اور یہ حدیث اس بات کی دلیل ہے کہ سورتوں کی ترتیب قرآن میں جمہور صحابہ کے نزدیک وہی تھی جو کہ اب قرآن میں موجود ہے۔

۱۳۹۷۔ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الْمِنْهَالِ نَا يَزِيْدُ بْنُ زُرَيْعٍ نَا سَعِيْدٌ عَنْ قَتَادَةَ عَنْ أَبِي الْعَلَاءِ يَزِيْدَ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ الشِّخِّيْرِ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ يَعْنِي ابْنَ عَمْرٍو قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يَفْقَهُ مَنْ قَرَأَ الْقُرْاٰنَ فِي أَقَلَّ مِنْ ثَلَاثٍ۔

عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو شخص تین دن سے کم میں قرآن پڑھے، وہ اسے سمجھ نہیں سکتا (ترمذی، ابن ماجہ اور نسائی نے اسے روایت کیا اور نمبر ۱۳۹۰ پر یہ تشریح بمفصل گزر چکی ہے۔ اس صورت

میں قرآن کو نہ سمجھنے کا باعث سرعت تلاوت ہے جس کے باعث تدبر جاتا رہتا ہے اور صرف الفاظ کی ادائگی باقی رہ جاتی ہے)

۱۳۹۸۔ حَدَّثَنَا نُوحُ بْنُ حَبِيبٍ نَا عَبْدُ الرَّزَّاقِ أَنَا مَعْمَرٌ عَنْ سِمَاكِ بْنِ الْفَضْلِ عَنْ وَهْبِ بْنِ مُنَبِّهٍ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَمْرٍو أَنَّهُ سَأَلَ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي كَمْ يُقْرَأُ الْقُرْآنُ قَالَ فِي أَرْبَعِينَ يَوْمًا ثُمَّ قَالَ فِي شَهْرٍ ثُمَّ قَالَ فِي عِشْرِينَ ثُمَّ قَالَ فِي خَمْسَ عَشْرَةَ ثُمَّ قَالَ فِي عَشْرٍ ثُمَّ قَالَ فِي سَبْعٍ لَمْ يَنْزِلْ مِنْ سَبْعٍ۔

عبداللہ بن عمرو سے روایت ہے کہ انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ کتنی مدت میں قرآن کی قرأت ختم کرے، حضورؐ نے فرمایا چالیس دن میں، پھر فرمایا ایک ماہ میں، پھر فرمایا بیس دن میں، پھر فرمایا پندرہ دن میں۔ پھر فرمایا دس دن میں پھر فرمایا سات دن میں، سات دن سے کمی نہ فرمائی (یعنی اس وقت، ورنہ بعض احادیث میں آخری عدد تین بھی گذرا ہے۔ اس حدیث کو ترمذی اور نسائی نے بھی روایت کیا۔ ترمذی نے اسے حسن غریب کہا ہے)

۱۳۹۹۔ حَدَّثَنَا عَبَّادُ بْنُ مُوسَى نَا إِسْمٰعِيلُ بْنُ جَعْفَرٍ عَنْ إِسْرَائِيلَ عَنْ أَبِي إِسْحٰقَ عَنْ عَلْقَمَةَ وَالْأَسْوَدِ قَالَا أَتَى ابْنَ مَسْعُودٍ رَجُلٌ فَقَالَ إِنِّي أَقْرَأُ الْمُفَصَّلَ فِي رَكْعَةٍ فَقَالَ أَهَذًّا كَهَذِّ الشِّعْرِ وَنَثْرًا كَنَثْرِ الدَّقَلِ لٰكِنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَقْرَأُ النَّظَائِرَ السُّورَتَيْنِ فِي رَكْعَةٍ النَّجْمِ وَالرَّحْمٰنِ فِي رَكْعَةٍ وَاقْتَرَبَتْ وَالْحَاقَّةِ فِي رَكْعَةٍ وَالطُّورِ وَالذَّارِيَاتِ فِي رَكْعَةٍ وَإِذَا وَقَعَتْ وَنٓ فِي رَكْعَةٍ وَسَأَلَ سَائِلٌ وَالنَّازِعَاتِ فِي رَكْعَةٍ وَوَيْلٌ لِلْمُطَفِّفِينَ وَعَبَسَ فِي رَكْعَةٍ وَالْمُدَّثِّرَ وَالْمُزَّمِّلَ فِي رَكْعَةٍ وَهَلْ أَتَى وَلَا أُقْسِمُ بِيَوْمِ الْقِيٰمَةِ فِي رَكْعَةٍ وَعَمَّ يَتَسَاءَلُونَ وَالْمُرْسَلَاتِ فِي رَكْعَةٍ وَالدُّخَانَ وَإِذَا الشَّمْسُ كُوِّرَتْ فِي رَكْعَةٍ قَالَ أَبُو دَاوُدَ هٰذَا تَأْلِيفُ ابْنِ مَسْعُودٍ رَحِمَهُ اللّٰهُ۔

علقمہ اور اسود نے کہا کہ ابن مسعودؓ کے پاس ایک آدمی آیا اور کہا کہ میں مفصل کو ایک ہی رکعت میں پڑھتا ہوں۔ ابن مسعودؓ نے کہا، کیا اتنی تیزی جیسی کہ شعر میں تیزی ہوتی ہے؟ اور اس طرح بکھیرنا جیسا کہ ردی کھجور کو بکھیرتے ہیں؟

لیکن نبی صلی اللہ علیہ وسلم نظائر پڑھا کرتے تھے اور ان میں سے دو سورتیں ایک رکعت میں پڑھتے۔ النجم اور الرحمٰن ایک رکعت میں، اقتربت اور الحاقہ ایک رکعت میں، الطور اور الذاریات ایک رکعت میں، اذا وقعت اور نون ایک رکعت میں، سأل سائل اور النازعات ایک رکعت میں، سورۂ تطفیف اور عبس ایک رکعت میں، المدثر اور المزمل ایک رکعت میں، ہل اتی اور لا اقسم بیوم القیامۃ ایک رکعت میں، عم یتساءلون اور المرسلات ایک رکعت میں، الدخان اور تکویر ایک رکعت میں۔ ابوداؤد نے کہا یہ ابن مسعود رحمہ اللہ کی تالیف ہے۔ (یہ حدیث مسلم نے شقیق عن عبداللہ بن مسعود کے طریق سے صلاۃ المسافرین میں مختصراً روایت کی ہے۔ مسند احمد میں یہ لمبی حدیث موجود ہے اور نسائی نے بھی اسے روایت کیا ہے۔)

شرح: ابوداؤد کے قول کے مطابق یہ سورتیں مصحف ابن مسعودؓ میں اسی ترتیب سے آئی ہیں۔ اس حدیث میں یہ دلیل ہے کہ تلاوت و قراءت کے وقت قرآن مجید کو شعر کی مانند تیز تیز پڑھنا جائز نہیں ہے۔ نظائر سے مراد وہ سورتیں ہیں جو طول میں متشابہ ہیں اور معانی میں (موعظت، حکمت، امثال) میں ایک جیسی ہیں نہ یہ کہ ان کی آیات کی تعداد ایک جیسی ہے۔ مولانا نے فرمایا کہ بخاری نے ابووائل شقیق بن عبداللہ عن عبداللہ کی سند کے ساتھ جو روایت درج کی ہے وہ بظاہر اس زیر نظر حدیث کے خلاف ہے کیونکہ اس کے الفاظ یہ ہیں کہ: میں اُن ایک جیسی سورتوں کا حافظ ہوں جن کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پڑھتے تھے، یہ ۱۸ سورتیں مفصل سے ہیں اور دو سورتیں آل حٰم سے ہے۔ حالانکہ ابوداؤد وغیرہ کی روایت میں حوامیم میں سے فقط ایک سورت دخان ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ اس سے مراد غالب احوال ہیں یا اس میں حذف ہوا ہے۔ گویا اصل لفظ یوں تھے کہ: دو سورتوں میں سے ایک حوامیم میں سے ہے۔ اسی طرح بخاری کی روایت مرۃ عن ابی وائل میں ہے کہ ابن مسعودؓ نے مفصل میں سے بیس سورتیں بیان کیں، اس سے مراد بھی تغلیب ہے کیونکہ سورۂ دخان مفصل میں سے نہیں ہے۔ مفصلات کو یہ نام اس لیے دیا گیا ہے کہ یہ سورتیں چھوٹی ہیں اور جلدی جلدی ایک دوسری سے جدا ہو جاتی ہیں۔

حافظ ابن حجر نے کہا ہے کہ اس حدیث سے پتہ چلا کہ مصحف ابن مسعود کی ترتیب مصحف عثمانی کی تالیف سے مختلف تھی۔ وہ ترتیب نزول کے مطابق نہ تھی اور بطور مثال یوں تھی: الفاتحہ، البقرہ، النساء، آل عمران۔ اور کہا جاتا ہے کہ مصحف علیؓ کی تالیف ترتیب نزول پر تھی مثلاً: اقراء، المدثر، نون، القلم، المزمل، تبت، تکویر، سبح اور اسی طرح پہلے مکی سورتیں اور پھر مدنی سورتیں۔ مصحف کی موجودہ ترتیب بقول امام ابی بکر باقلانی یا تو خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ترتیب و ہدایت پر ہوئی تھی اور یا پھر یہ صحابہ کے اجتہاد سے ہوئی تھی۔ اوس بن ابی اوس حذیفہ ثقفی کی حدیث ظاہر کرتی ہے۔ (سنن ابی داؤد میں یہ تھوڑی دیر پہلے گزر چکی ہے) کہ مصحف کی موجودہ ترتیب (ترتیب عثمانی) توقیفی تھی، یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے ہوئی تھی۔ اور اس حدیث کے مطابق مفصل سورۂ ق سے شروع ہوتی ہے کیونکہ اس میں الفاتحہ کو شمار نہیں کیا گیا۔ ورنہ حسب بیان بعض ائمہ اگر الفاتحہ کو شمار کیا جائے تو مفصل کی ابتدا سورۂ الحجرات سے ہوتی ہے۔ اوس بن حذیفہ ثقفی کی حدیث مفصلاً مسند احمد میں بھی مروی ہے۔

۱۴۰۰۔ حَدَّثَنَا حَفْصُ بْنُ عُمَرَ نَا شُعْبَةُ عَنْ مَنْصُورٍ عَنْ إِبْرَاهِيمَ

عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ يَزِيْدَ قَالَ سَأَلْتُ أَبَا مَسْعُوْدٍ وَهُوَ يَطُوْفُ بِالْبَيْتِ فَقَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ قَرَأَ الْآيَتَيْنِ مِنْ آخِرِ سُوْرَةِ الْبَقَرَةِ فِيْ لَيْلَةٍ كَفَتَاهُ۔

عبدالرحمن بن یزید نے کہا کہ میں نے ابو مسعود بدری انصاری سے بحالت طواف کعبہ سوال کیا تھا تو انہوں نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس شخص نے سورۂ البقرہ کی دو آخری آیتیں پڑھیں وہ اس کے لیے قیام اللیل سے کافی ہو گئیں (بخاری نے بھی اسے مغازی اور فضائل قرآن میں روایت کیا ہے۔ ترمذی نے ثواب القرآن میں، مسلم نے مفصل الفاتحہ و آخر البقرہ میں، ابن ماجہ نے اقامۃ الصلاۃ میں اور بقول منذری نسائی نے بھی اسے روایت کیا ہے)

شرح: حافظ ابن حجر نے کہا ہے کہ مسند میں یہ حدیث عن غندر عن عبدالرحمن بن یزید عن علقمہ عن ابی مسعود مروی ہے۔ اور اس کے آخر میں ہے کہ پھر عبدالرحمن خود ابو مسعودؓ سے ملا اور انہوں نے یہ حدیث اسے سنائی۔ بخاری نے ایک اور طریق سے اسے روایت کیا ہے: عن الاعمش عن ابراہیم عن عبدالرحمن وعلقمہ جمیعھا عن ابی مسعودؓ۔ گویا ابراہیم نخعی نے یہ حدیث پہلے عبدالرحمن سے سُنی اور پھر علقمہ سے بھی۔ اسی طرح عبدالرحمن نے یہ حدیث پہلے علقمہ سے سُنی اور پھر براہِ راست ابو مسعودؓ بدری سے بھی۔ ابو مسعودؓ کا نام عقبہ بن عمرو تھا اور مسند کی ایک روایت میں یہی نام لیا گیا ہے۔

سورۂ البقرہ کی یہ دو آیتیں: آمَنَ الرَّسُوْلُ سے لے کر آخر سورہ تک ہیں۔ ان آیتوں کے کافی ہونے سے مراد یہ بھی ہے کہ صلاۃ اللیل میں قرأت قرآن سے یہ کافی ہیں، اور یہ بھی کہ خواہ انہیں نماز کے اندر پڑھا جائے یا باہر یہ بہر حال کافی ہیں۔ یہ بھی مراد ہو سکتی ہے کہ یہ آیات عقیدہ وعمل کی بنیادی باتوں پر مشتمل ہونے کے باعث کافی ہیں یا ہر برائی سے بچاتی ہیں یا اس رات میں شیطان کے شر سے محفوظ رکھتی ہیں، یا جن و انس کی شرارتوں سے محفوظ رکھتی ہیں، یا ثواب و اجر میں کافی ہو جاتی ہیں۔

۱۴۰۱ حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ صَالِحٍ نَا ابْنُ وَهْبٍ أَنَا عَمْرٌو أَنَّ أَبَا سَوِيَّةَ حَدَّثَهُ أَنَّهُ سَمِعَ ابْنَ حُجَيْرَةَ يُخْبِرُ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَمْرِو ابْنِ الْعَاصِ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ قَامَ بِعَشْرِ آيَاتٍ لَمْ يُكْتَبْ مِنَ الْغَافِلِيْنَ وَمَنْ قَامَ بِمِائَةِ آيَةٍ كُتِبَ مِنَ الْقَانِتِيْنَ وَمَنْ قَامَ بِأَلْفِ آيَةٍ كُتِبَ مِنَ الْمُقَنْطِرِيْنَ قَالَ أَبُوْ دَاوُدَ ابْنُ حُجَيْرَةَ الْأَصْغَرُ عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ حُجَيْرَةَ۔

عبداللہ بن عمرو بن العاص نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس نے دس آیتوں کے ساتھ نماز تہجد پڑھی وہ نماز غافلوں میں نہ لکھا گیا اور جس نے نماز تہجد کو سو آیتوں کے ساتھ قائم کیا وہ قانتین میں لکھا گیا۔ (یعنی اطاعت گزاروں میں) اور جس نے تہجد میں ہزار آیات پڑھیں تو وہ ڈھیروں کمائی کرنے والوں میں لکھا گیا۔ ابو داؤد نے کہا ابن حجیرۃ الاصغر عبداللہ بن عبدالرحمن بن حجیرہ ہے (قنطار ۱۲۰۰ اوقیہ کا ہوتا تھا۔ ابن حجر نے ۱۲ ہزار رطل لکھا ہے۔ مراد اس سے اجر و ثواب کی زیادتی ہے)

۱۴۰۲۔ حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ مُوسَى الْبَلْخِيُّ وَهَارُونُ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ قَالَا نَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ يَزِيدَ نَا سَعِيدُ بْنُ أَبِي أَيُّوبَ حَدَّثَنِي عَيَّاشُ بْنُ عَبَّاسٍ الْقِتْبَانِيُّ عِيسَى بْنِ هِلَالٍ الصَّدَفِيِّ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَمْرٍو قَالَ أَتَى رَجُلٌ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ أَقْرِئْنِي يَا رَسُولَ اللّٰهِ فَقَالَ اقْرَأْ ثَلَاثًا مِنْ ذَوَاتِ الرَّاءِ فَقَالَ كَبُرَتْ سِنِّي وَاشْتَدَّ قَلْبِي وَغَلُظَ لِسَانِي قَالَ فَاقْرَأْ ثَلَاثًا مِنْ ذَوَاتِ حٰمٓ فَقَالَ مِثْلَ مَقَالَتِهِ فَقَالَ اقْرَأْ ثَلَاثًا مِنَ الْمُسَبِّحَاتِ فَقَالَ مِثْلَ مَقَالَتِهِ فَقَالَ الرَّجُلُ يَا رَسُولَ اللّٰهِ أَقْرِئْنِي سُورَةً جَامِعَةً فَأَقْرَأَهُ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا زُلْزِلَتِ الْأَرْضُ حَتَّى فَرَغَ مِنْهَا فَقَالَ الرَّجُلُ وَالَّذِي بَعَثَكَ بِالْحَقِّ لَا أَزِيدُ عَلَيْهَا أَبَدًا ثُمَّ أَدْبَرَ الرَّجُلُ فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَفْلَحَ الرُّوَيْجِلُ مَرَّتَيْنِ

عبداللہ بن عمرو نے کہا کہ ایک آدمی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا اور کہا یا رسول اللہ مجھے کچھ قرآن پڑھائیے آپ نے فرمایا کہ الٓر والی تین سورتیں پڑھو۔ اس نے کہا کہ میری عمر زیادہ ہو گئی ہے اور میرا دل سخت ہو گیا ہے اور میری زبان موٹی ہو گئی ہے۔ حضور نے فرمایا پھر حٰمٓ والی سورتوں میں تین پڑھ لو۔ اس پر اس نے اپنی پہلی بات کی مانند کہا۔ حضور نے فرمایا کہ پھر مسبحات میں سے تین پڑھ لو۔ اس نے پھر اپنی پہلی بات کہی اور کہا کہ یا رسول اللہ مجھے کسی جامع سورت کے پڑھنے کا حکم دیجئے۔ پس حضور نے اسے سورۂ زلزال پڑھائی حتیٰ کہ اس سے فارغ ہو گئے۔ پس وہ بولا: اس ذات کی قسم جس نے آپ کو حق کے ساتھ بھیجا میں اس پر کبھی اضافہ نہ کروں گا، پھر وہ آدمی منہ پھیر کر چلا گیا تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے دو مرتبہ فرمایا کہ یہ رُوَیجل (مردوا، مرد۔ رجل کی تصغیر ہے) فلاح پا گیا۔ (یہ حدیث نسائی نے بھی روایت کی ہے)

شرح: ذوات الٓر یہ سورتیں ہیں: یونس، ھود، یوسف، ابراہیم اور الحجر۔ اور الٓمٓر الرعد سے شروع ہوتی ہے۔ مندرجہ پانچ سورتیں الف لام را سے شروع ہوتی ہیں۔ ذوات حٰمٓ سے مراد حٰمٓ سے شروع ہونے والی سورتیں

ہیں۔ مسبحات سے مراد وہ سورتیں ہیں جو سَبَّحَ یا یُسَبِّحُ یا سَبِّحْ سے شروع ہوتی ہیں۔ سورت جامعہ سے مراد وہ سورت ہے جس کے الفاظ کم اور معانی زیادہ ہوں۔ سورہ زلزال، معاد، معاش، عمل اور اعتقاد پر مشتمل ہے اور اس میں ایک آیت ہے جسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جامعہ اور فاذہ فرمایا ہے: فَمَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَيْرًا يَّرَهُ ؕ وَمَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ شَرًّا يَّرَهُ ؕ "جو کوئی ذرہ بھر نیکی کرے گا وہ اسے دیکھ لے گا اور جو کوئی ذرہ بھر بدی کرے گا وہ اسے دیکھ لے گا"۔ رُوَیجل کا لفظ حضورؐ نے اس کی مدح میں فرمایا ہے۔ اور اس کا یہ کہنا کہ: میں اس پر کبھی اضافہ نہ کروں گا۔ یہ ظاہر کرتا ہے کہ وہ ہر نیکی کو اختیار کرے گا اور ہر بدی سے اجتناب کرے گا۔

بَابٌ فِي عَدَدِ الْآيِ

یہ باب آیتوں کی تعداد میں ہے۔

۱۴۰۳ حَدَّثَنَا عَمْرُو بْنُ مَرْزُوقٍ أَنَا شُعْبَةُ عَنْ قَتَادَةَ عَنْ عَبَّاسٍ الْجُشَمِيِّ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ سُورَةٌ مِنَ الْقُرْآنِ ثَلَاثُونَ آيَةً تَشْفَعُ لِصَاحِبِهَا حَتَّى غُفِرَ لَهُ تَبَارَكَ الَّذِي بِيَدِهِ الْمُلْكُ۔

ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: قرآن کی ایک سورت جو تیس آیتوں کی ہے وہ اپنے پڑھنے والے کی شفاعت کرے گی حتی کہ اس کو بخش دیا جائے گا، وہ سورت تبارک الذی بیدہ الملک ہے (ترمذی نے اسے ثواب القرآن میں، نسائی اور ابن ماجہ نے ادب میں روایت کیا۔ ترمذی نے اسے حسن قرار دیا ہے۔ بخاری نے تاریخ کبیر میں اسے روایت کیا ہے)

شرح: علامہ علی القاری نے کہا ہے کہ اس سورت کی شفاعت یا تو حقیقت پر محمول ہے، یعنی جیسے اللہ کے علم میں ہے یہ سورت درحقیقت شفاعت کرے گی، اور یا یہ کلام استعارہ کے رنگ میں ہے۔ یا پھر یہ مطلب ہے کہ وہ سورت کسی جسم میں مجسم کی جائے گی۔ حضورؐ نے اس سورت کی جو تفسیر فرمائی ہے اس سے اس کی بلندیٔ شان کا اظہار ہوتا ہے کیونکہ اگر یوں کہا جاتا کہ: سورۂ تبارک نے شفاعت کی الخ تو کلام میں اتنا زور نہ ہوتا اور نہ اس سورت کی یہ شان ظاہر ہوتی۔ یہ سورت بسم اللہ الخ کے بغیر تیس آیتوں کی ہے لہٰذا اس سے یہ استدلال کیا جاسکتا ہے کہ بسم اللہ الخ ایک مستقل الگ آیت ہے سورتوں کا جزء نہیں ہے۔ یہی حنفیہ کا مسلک ہے۔ شافعی مسلک (ایک روایت میں) کے مطابق بسم اللہ الخ پوری آیت نہیں بلکہ پہلی آیت کے ساتھ مل کر ایک آیت بنتی ہے۔

بَابُ تَفْرِيعِ أَبْوَابِ السُّجُودِ وَكَمْ سَجْدَةً فِي الْقُرْآنِ

ابواب السجود کی تفریع کا باب اور قرآن میں کتنے سجدے ہیں۔

۱۴۰۴۔ مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِ الرَّحِيمِ الْبَرْقِيُّ نَا ابْنُ أَبِي مَرْيَمَ نَا نَافِعُ بْنُ يَزِيدَ عَنِ الْحَارِثِ بْنِ سَعِيدٍ الْعُتَقِيِّ عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ مُنَيْنٍ مِنْ بَنِي عَبْدِ كُلَالٍ عَنْ عَمْرِو بْنِ الْعَاصِ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَقْرَأَهُ خَمْسَ عَشْرَةَ سَجْدَةً فِي الْقُرْآنِ مِنْهَا ثَلَاثٌ فِي الْمُفَصَّلِ وَفِي سُورَةِ الْحَجِّ سَجْدَتَانِ قَالَ أَبُو دَاوُدَ رُوِيَ عَنْ أَبِي الدَّرْدَاءِ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِحْدَى عَشْرَةَ سَجْدَةً وَإِسْنَادُهُ وَاهٍ۔

عمرو بن العاصؓ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے قرآن میں ۱۵ سجدے پڑھائے ان میں سے تین مفصل میں ہیں، اور سورۃ الحج میں دو سجدے ہیں۔ ابو داؤد نے کہا کہ ابوالدرداءؓ سے روایت ہے کہ انہوں نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کی کہ ۱۱ سجدے ہیں اور اس روایت کی سند بے کار ہے (عمرو بن العاص کی حدیث کو ابن ماجہ نے بھی روایت کیا۔ ابوالدرداءؓ کی روایت کو ابن ماجہ اور ترمذی نے روایت کیا اور ترمذی نے اسے حدیث غریب کہا)

شرح: سجدۂ تلاوت کے وجوب و عدم وجوب میں ائمہ کا اختلاف ہے۔ تینوں حنفی ائمہ کے نزدیک یہ واجب ہے اور دیگر ائمہ کے نزدیک سنت ہے (حنفی اور غیر حنفی فقہ میں واجب کی تعریف میں کچھ اختلاف ہے۔ احناف کے نزدیک واجب کا درجہ فرض اور سنتِ مؤکدہ کے بین بین ہے۔ اس فرق کو مدنظر رکھنا ضروری ہے، ورنہ الجھن پڑنے کا خدشہ ہوتا ہے) امام احمد کی ایک روایت میں سجدۂ تلاوت واجب ہے جبکہ نماز کے اندر ہو ورنہ واجب نہیں۔ حنفیہ کی دلیل یہ حدیث صحاح ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب ابن آدم آیت سجدہ کی تلاوت کرے اور سجدہ کرے تو شیطان روتا ہوا ایک طرف کو چلا جاتا ہے اور کہتا ہے: ابن آدم کو سجدے کا حکم ملا اور اس نے سجدہ کیا تو اس کے لیے جنت ہے مجھے سجدے کا حکم ملا اور میں نے سجدہ نہیں کیا پس میرے لیے جہنم ہے۔ اور اصل یہ ہے کہ جب دانا غیر دانا کی بات نقل کرے اور اسے رد نہ کرے تو یہ اس امر کے درست ہونے کی دلیل ہے۔ پس اس حدیث میں یہ دلیل ہے کہ ابن آدم سجدۂ تلاوت کرنے پر مامور ہے اور مطلق امر وجوب کے لیے ہوتا ہے۔ اور اللہ تعالٰی نے ترکِ سجود پر کچھ لوگوں کی مذمت بیان فرمائی ہے کہ جب ان پر قرآن پڑھا جائے تو وہ سجدہ نہیں کرتے، اور مذمت ترکِ واجب پر ہوتی ہے لہٰذا اس سے بھی سجدۂ تلاوت کا وجوب ثابت ہوا۔

عدمِ وجوب کے قائلین اعرابی کی حدیث سے استدلال کرتے ہیں جسے حضورؐ نے اس کے سوال پر بتایا تھا کہ فرائض کے علاوہ باقی عبادات تطوع ہیں: لَا إِلَّا أَنْ تَطَوَّعَ۔ پس اس سے ثابت ہوا کہ سجدۂ تلاوت بھی تطوعات میں داخل ہے نہ کہ واجبات میں۔ اس کا جواب یہ ہے کہ یہاں پر عدمِ وجوب سے مراد ابتداءً من جانب اللہ وجوب کی نفی ہے۔ یعنی اللہ تعالٰی کی طرف سے ابتداءً اور کوئی عبادت واجب نہیں۔ مگر جس وجوب کا سبب بندے کی طرف سے ہو اس کی نفی نہیں ہے جیسے کہ نذر ابتداءً واجب نہیں مگر جب بندہ اسے اپنے اوپر لازم کرے تو اس کے التزام کے باعث واجب ہو جاتی ہے۔ اور سجدۂ تلاوت بھی بندے کی طرف سے تلاوتِ آیت کے باعث

واجب ہوتا ہے۔

ائمہ فقہ میں سجدہ تلاوت کی تعداد میں بھی اختلاف ہوا ہے۔ بعض کے نزدیک مواضع سجود پندرہ ہیں اور یہ مذہب احمدؒ، اسحاقؒ، لیثؒ، ابن وہبؒ اور ابن حبیبؒ (مالکی فقہاء) کا ہے اور شافعیہ میں سے یہی مسلک ابن المنذر اور ابن شریح کا ہے۔ ان کے علاوہ بھی اہل علم کی ایک جماعت کا یہی مذہب ہے۔ انہوں نے الحج میں دو سجدے اور ص میں ایک سجدہ ثابت کیا ہے۔ ابوحنیفہؒ اور داؤدؒ ظاہری کا مذہب یہ ہے کہ سجود تلاوت چودہ ہیں مگر ابوحنیفہؒ نے سورہ حج میں صرف ایک سجدہ شمار کیا ہے اور سورہ ص کا سجدہ بھی شمار کیا ہے۔ امام شافعیؒ کا قول قدیم اور مالکیہ کا مذہب یہ ہے کہ یہ ۱۱ سجدے ہیں اور انہوں نے مفصل کے سجدوں کو خارج کر دیا ہے اور شافعیؒ کا قول جدید یہ ہے کہ چودہ سجدے ہیں اور مفصل کے تین سجدے اور حج کے دو سجدے ان میں شامل ہیں اور ص میں کوئی سجدہ نہیں۔

سجود قرآن کے مقامات یہ ہیں (۱) سورہ اعراف کا خاتمہ (۲) الرعد میں بالغدو والآصال (۳) النحل میں: وَيَفْعَلُونَ مَا يُؤْمَرُونَ۔ (۴) بنی اسرائیل میں وَيَزِيدُهُمْ خُشُوعًا (۵) مریم میں خَرُّوا سُجَّدًا وَبُكِيًّا (۶) الحج میں اِنَّ اللّٰهَ يَفْعَلُ مَا يَشَآءُ (۷) الفرقان میں وَزَادَهُمْ نُفُورًا (۸) النمل میں رَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِيمِ (۹) الم تنزیل میں وَهُمْ لَا يَسْتَكْبِرُونَ (۱۰) ص میں خَرَّ رَاكِعًا وَّاَنَابَ (۱۱) حم السجدہ میں اِنْ كُنْتُمْ اِيَّاهُ تَعْبُدُوْنَ۔ اور ابوحنیفہؒ، شافعی اور جمہور کے نزدیک لَا يَسْئَمُوْنَ (۱۲) النجم میں فَاسْجُدُوْا لِلّٰهِ وَاعْبُدُوْا (۱۳) انشقاق میں وَاِذَا قُرِئَ عَلَيْهِمُ الْقُرْاٰنُ لَا يَسْجُدُوْنَ (۱۴) اقراء میں وَاسْجُدْ وَاقْتَرِبْ (شوکانی) مولاناؒ نے فرمایا کہ حنفیہ کے نزدیک ص کے سجدے میں راجح یہ ہے کہ: وَحُسْنَ مَاٰبٍ پر سجدہ ہے (مراقی الفلاح، شامی اور البدائع)

اس حدیث کو دارقطنی اور حاکم نے بھی روایت کیا ہے۔ نووی اور منذری نے اسے حسن اور عبدالحق اور ابن القطان نے ضعیف کہا ہے۔ اس کی سند میں عبداللہ بن منین کلابی اور حارث بن سعید عتقی ہر دو مجہول ہیں۔

۱۴۰۵۔ حَدَّثَنَا اَحْمَدُ بْنُ عَمْرِو بْنِ السَّرْحِ اَنَا ابْنُ وَهْبٍ اَخْبَرَنِي ابْنُ لَهِيعَةَ اَنَّ مِشْرَحَ بْنَ هَاعَانَ اَبَا الْمُصْعَبِ حَدَّثَهُ اَنَّ عُقْبَةَ بْنَ عَامِرٍ حَدَّثَهُ قَالَ قُلْتُ لِرَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي سُورَةِ الْحَجِّ سَجْدَتَانِ قَالَ نَعَمْ وَمَنْ لَمْ يَسْجُدْهُمَا فَلَا يَقْرَأْهُمَا۔

عقبہ بن عامرؓ نے کہا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا: یا رسول اللہ کیا سورۃ الحج میں دو سجدے ہیں؟ آپ نے فرمایا ہاں اور جو یہ دو سجدے نہ کرے وہ اسے نہ پڑھے (ترمذی نے بھی اسے روایت کیا اور اس کی سند کو غیر قوی قرار دیا ہے۔ ابن لہیعہ اور مشرح بن ہاعان دونوں غیر معتبر ہیں پہلی آیت الحج کی سترھویں اور دوسری نمبر ۷۷ ہے)

بَابُ مَنْ لَمْ يَرَ السُّجُودَ فِي الْمُفَصَّلِ

جن کے نزدیک مفصل میں سجدہ نہیں ہے۔

۱۴۰۶۔ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ رَافِعٍ نَا اَزْهَرُ بْنُ الْقَاسِمِ قَالَ مُحَمَّدٌ رَأَيْتُهُ بِمَكَّةَ نَا اَبُوْ قُدَامَةَ عَنْ مَطَرٍ الْوَرَّاقِ عَنْ عِكْرِمَةَ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَمْ يَسْجُدْ فِي شَيْءٍ مِنَ الْمُفَصَّلِ مُنْذُ تَحَوَّلَ اِلَى الْمَدِيْنَةِ۔

ابن عباس رضؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ کو ہجرت فرمانے کے بعد مفصل میں سے کسی جگہ پر سجدہ نہیں کیا۔ ابوداؤد نے کہا کہ یہ حدیث عکرمہ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم مرسلاً بھی بیان کی جاتی ہے (اس کی سند میں ابو قدامہ ہے جس کا نام الحارث بن عُبَید ایادی بصری ہے، یہ غیر معتبر راوی ہے۔ صحیح طور پر ثابت ہے کہ ابوہریرہ رضؓ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ سورۂ انشقاق میں اور سورۂ اقرأ میں سجدہ کیا تھا اور ابوہریرہ ۷ھ کو مدینہ آئے تھے۔

شرح: ابو قدامہ کے علاوہ اس حدیث کی سند میں مطر الوراق بھی ہے جو باوجود مسلم کے رجال میں سے ہونے کے متکلم فیہ ہے۔ ابوہریرہ رضؓ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو سورۂ القلم میں بھی سجدہ کرتے دیکھا۔ اگر اس زیر نظر حدیث کو مان بھی لیں تو یہ ابن عباس رضؓ کا اپنا علم ہے اور وہ نفی کرتے ہیں مگر دوسروں نے اثبات کیا ہے۔ اثبات کو نفی پر ترجیح دی جاتی ہے۔

۱۴۰۷۔ حَدَّثَنَا هَنَّادُ بْنُ السَّرِيِّ نَا وَكِيعٌ عَنِ ابْنِ اَبِي ذِئْبٍ عَنْ يَزِيْدَ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ قُسَيْطٍ عَنْ عَطَاءِ بْنِ يَسَارٍ عَنْ زَيْدِ بْنِ ثَابِتٍ قَالَ قَرَأْتُ عَلَى رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ النَّجْمَ فَلَمْ يَسْجُدْ فِيْهَا۔

زید بن ثابت رضؓ نے کہا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو سورۂ النجم سنائی تو آپؐ نے اس میں سجدہ نہ کیا (اسے بخاری نے باب من قرأ السجدہ ولم یسجد میں روایت کیا ہے۔ مسلم نے سجود تلاوت میں، ترمذی نے باب من لم یسجد فی النجم میں اور نسائی نے باب ترک السجود فی النجم میں روایت کیا ہے۔

شرح: امام طحاوی نے شرح معانی الآثار میں کہا ہے کہ کچھ لوگوں نے اس حدیث کی بناء پر النجم میں سجدہ نہیں جانا۔ دوسروں نے کہا کہ النجم میں سجدہ ہے اور اس حدیث میں کوئی دلیل سجدہ نہ ہونے کی نہیں ہے کیونکہ ممکن ہے اس وقت سجدہ بے وضو ہونے کی بناء پر ترک کیا گیا ہو، یہ بھی احتمال ہے کہ وہ وقت کراہت کا ہو جس میں سجدہ جائز نہ ہو۔ یہ بھی احتمال ہے کہ سجود اور عدم سجود دونوں جائز ہونے کی بناء پر سجدہ نہ کیا ہو اور یہ بھی احتمال ہے کہ النجم میں سجود نہ ہونے کی

بنا پر سجدہ نہ کیا ہو۔ پس ان احتمالات میں سے کسی کو ترجیح صرف کسی اور دلیل سے ہی ہو سکتی ہے۔ پھر طحاوی نے ابوہریرہؓ، ابوالدرداءؓ اور المطلبؓ بن ابی وداعہ کی روایات بیان کی ہیں جن سے النجم میں سجدہ ثابت ہوتا ہے۔ ابوداؤد نے اگلی روایت میں ایک اور تاویل کی ہے کہ قاری امام ہوتا ہے چونکہ اس نے سجدہ نہیں کیا لہٰذا کسی اور نے بھی نہ کیا

مولاناؒ نے فرمایا کہ سجدۂ تلاوت واجب تو ہے مگر فوراً نہیں، ممکن ہے بعد میں کیا ہو۔

۱۴۰۸۔ حَدَّثَنَا ابْنُ السَّرْحِ أَنَا ابْنُ وَهْبٍ نَا أَبُو صَخْرٍ عَنِ ابْنِ قُسَيْطٍ عَنْ خَارِجَةَ بْنِ زَيْدِ بْنِ ثَابِتٍ عَنْ أَبِيهِ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِمَعْنَاهُ قَالَ أَبُو دَاوُدَ كَانَ زَيْدٌ الْإِمَامَ فَلَمْ يَسْجُدْ۔

یہ دوسری حدیث بھی اسی مضمون کی ہے جسے ابوداؤد نے ایک اور سند سے بیان کیا ہے اور آخر میں کہا ہے کہ زیدؓ اس وقت امام تھا اور اس نے سجدہ نہ کیا (لہٰذا حضورؐ نے بھی نہ کیا۔ گویا کہ یہ ابوداؤد کا مذہب ہے کہ امام سجدہ نہ کرے تو مقتدی پر واجب نہیں رہتا)

بَابُ مَنْ رَأَى فِيهَا سُجُودًا

باب۔ جن کے نزدیک النجم میں سجدہ ہے

۱۴۰۹۔ حَدَّثَنَا حَفْصُ بْنُ عُمَرَ نَا شُعْبَةُ عَنْ أَبِي إِسْحَاقَ عَنِ الْأَسْوَدِ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَرَأَ سُورَةَ النَّجْمِ فَسَجَدَ بِهَا وَمَا بَقِيَ أَحَدٌ مِنَ الْقَوْمِ إِلَّا سَجَدَ فَأَخَذَ رَجُلٌ مِنَ الْقَوْمِ كَفًّا مِنْ حَصًى أَوْ تُرَابٍ فَرَفَعَهُ إِلَى وَجْهِهِ وَقَالَ يَكْفِينِي هٰذَا قَالَ عَبْدُ اللّٰهِ فَلَقَدْ رَأَيْتُهُ بَعْدَ ذٰلِكَ قُتِلَ كَافِرًا۔

عبداللہؓ نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سورۂ النجم پڑھی اور اس میں سجدہ کیا اور لوگوں میں سے کوئی بھی ایسا نہ رہا جس نے سجدہ نہ کیا ہو۔ پس قوم میں سے ایک شخص نے کنکریوں یا مٹی کی مٹھی لی اور اسے اپنے چہرے کی طرف اٹھایا اور کہا: مجھے یہ کافی ہے۔ عبداللہ نے کہا کہ میں نے اس کو اس کے بعد حالات کفر میں قتل ہوتے دیکھا (اس حدیث کو بخاری نے سجود القرآن میں، مسلم نے کتاب المساجد میں، نسائی نے افتتاح الصلاۃ میں روایت کیا ہے)

شرح: عبداللہؓ سے مراد عبداللہ بن مسعودؓ ہیں۔ جس کافر کا انہوں نے ذکر کیا ہے وہ امیہ بن خلف، یا عتبہ بن ربیعہ، یا ولید بن مغیرہ تھا بخاری نے امیہ کا ذکر کیا ہے، بعض نے ابواُحیحہ سعید بن العاص بھی کہا ہے۔ اس واقعہ میں مسلمانوں کا سجدہ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سجود کے باعث تھا مگر مشرکوں نے اپنے معبودان باطل کا ذکر جو النجم میں ہے

سن کر سجدہ کیا باعث یہ ہوا کہ اللہ تعالیٰ کی شانِ توحید اور عزت کبریائی و جلال کا رعب ان پہ چھا گیا تھا اور وہ بے اختیاری کی حالت میں گر گئے تھے۔ ولید بن مغیرہ مقتول نہیں ہوا لہذا سیرت ابن اسحاق کا یہ بیان درست نہیں کہ وہ کافر ولید تھا۔ بعض نے اس کا نام ابولہب بھی لیا ہے، مگر وہ بھی مقتول نہیں ہوا۔ صحیح تو امیہ بن خلف ہے۔

مولانا نے فرمایا ہے کہ اس مقام پہ ایک چیز کی وضاحت ضروری ہے۔ ابن ابی حاتم، طبری اور ابن المنذر نے عن ابی بشر عن سعید بن جبیر روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ میں سورۃ النجم کی قرأت فرمائی، جب اس آیت پہ پہنچے کہ: أَفَرَأَيْتُمُ اللَّاتَ وَالْعُزَّىٰ وَمَنَاةَ الثَّالِثَةَ الْأُخْرَىٰ، تو (معاذ اللہ) شیطان آپ کی زبان میں یہ عبارت ڈال دی: تلك الغرانيق العلى وان شفاعتهن لترتجى۔ پس مشرکوں نے کہا کہ آج سے پہلے اس شخص نے ہمارے معبودوں کا ذکر کبھی اچھائی سے نہیں کیا، پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی سجدہ کیا اور انہوں نے بھی۔ پھر یہ آیت اتری: وَمَا أَرْسَلْنَا مِن قَبْلِكَ مِن رَّسُولٍ وَلَا نَبِيٍّ إِلَّا إِذَا تَمَنَّىٰ أَلْقَى الشَّيْطَانُ فِي أُمْنِيَّتِهِ الخ۔ اس کی روایت بزار اور ابن مردویہ نے امیہ بن خالد عن شعبہ کے طریق سے کی ہے۔ سند کے آخر میں ہے عن سعید بن جبیر عن ابن عباسؓ فيما احسب۔ اسی طرح نحاس نے اسے ایک اور سند سے روایت کیا جس میں واقدی بھی ہے۔ ابن اسحاق نے سیرت میں اسے مطول بیان کیا ہے اور محمد بن کعب کے حوالے سے اسے مسند کیا ہے۔ اسی طرح موسیٰ بن عقبہ نے مغازی میں زہری سے۔ ابومعشر نے اسے اپنی سیرت میں محمد بن کعب قرظی اور محمد بن قیس سے روایت کیا ہے اور طبری نے وہ روایت بیان کی ہے ابن ابی حاتم نے اسے اسباط عن السدی کے طریق سے بیان کیا ہے اور ابن مردویہ نے اسے عباد بن صہیب عن یحییٰ بن ابی کثیر عن الکلبی عن صالح وعن ابی بکر الہذلی وایوب عن عکرمۃ وسلیمان التیمی عن من حدثہ، تلاثتہم عن ابن عباسؓ کی سند سے بیان کیا ہے۔ بحری نے اس روایت کو العوفی عن ابن عباس کے طریق سے بھی روایت کیا ہے اور ان سب کا مطلب ایک ہے۔ اور یہ سب طرق سوائے سعید بن جبیر کے طریق کے یا ضعیف ہیں یا منقطع۔ مگر کثرتِ طرق سے پتہ چلتا ہے کہ اس قصے کی کوئی نہ کوئی اصل ضرور موجود ہے۔ علاوہ ازیں اس کے دو اور مرسل طریق ہیں جن کے رجال صحیحین کی شرط پر ہیں۔ ان میں سے ایک کی روایت طبری نے بطریق یونس عن ابن شہاب کی ہے۔ دوسرا بھی طبری نے بیان کیا ہے جس کا طریق یہ ہے: معتمر بن سلیمان و حماد بن سلمٰی عن داؤد بن ابی ہند الخ۔ ابوبکر ابن العربی نے حسب عادت ان تمام روایات کو باطل اور بے اصل بتایا ہے لیکن یہ اطلاق وعموم غلط ہے۔ اسی طرح قاضی عیاض کا یہ قول کہ: اس حدیث کو کسی اہل صحت نے روایت نہیں کیا نہ کسی ثقہ نے اسے کسی متصل سالم سند سے روایت کیا ہے، اس کے ناقل ضعیف اور اس کی روایات مضطرب اور اس کی سندیں منقطع ہیں۔ تابعین اور مفسرین میں سے جن جن سے یہ قصہ منقول ہے ان میں سے کسی نے اسے مسند و مرفوع بیان نہیں کیا اور اس کے اکثر طرق ضعیف و واہیات ہیں۔ البزار نے واضح طور پہ کہا ہے کہ یہ کہانی کسی ایسے طریق سے معروف نہیں جس کا ذکر جائز ہو سوائے ابو بشر عن سعید بن جبیر کے طریق کے اور اس کے اصل میں بھی شک موجود ہے۔ کلبی سے تو روایت جائز ہی نہیں کیونکہ اس کا ضعف شدید ہے۔ پھر قاضی نے کہا ہے کہ عقل کے طریق سے بھی یہ قصہ مردود ہے کیونکہ اگر اس قسم کا واقعہ پیش آیا ہوتا تو بہت سے مسلمان مرتد ہو جاتے اور اس قسم کی کوئی بات منقول نہیں ہے۔

مولانا نے فرمایا کہ یہ تمام باتیں قواعد و اصول کا ساتھ نہیں دیتیں کیونکہ حدیث کے طرق جب زیادہ ہوں اور ان کے مخارج متباین ہوں تو اس سے یہ پتہ چلتا ہے کہ اس واقعہ کی کوئی نہ کوئی اصل ضرور ہے۔ اور میں نے بتایا ہے کہ تین اسانید صحیح کی شرائط کے مطابق ہیں اور وہ مرسل روایات ہیں۔ جو لوگ مرسل کو حجت مانتے ہیں وہ تو خیر مانتے ہی ہیں، جو نہیں مانتے وہ بھی ان مراسیل کو ایک دوسرے کی وجہ سے مضبوط ہو جانے کے باعث کچھ نہ کچھ وقعت ضرور دیں گے۔ جب یہ طے ہو گیا تو جو مضمون ان مراسیل میں ہے اس کی تاویل لازم ہو گی کیونکہ وہ قواعد شرع کے خلاف ہے۔ اور وہ مضمون جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان اقدس پر تلک الغرانیق العلٰی وان شفاعتھن لترتجی کے الفاظ کا جاری ہونا ہے۔ اسے ظاہر پر محمول کرنا ناجائز ہے کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے یہ محال ہے کہ جو چیز قرآن میں نہیں اس کا قرآن پر اضافہ کریں۔ نہ عمداً یہ ممکن ہے نہ سہواً۔ کیونکہ یہ آپ کے لائے ہوئے بنیادی پیغام یعنی توحید الٰہی کے خلاف ہے درانحالیکہ آپ معصوم ہیں۔

اس مسئلے میں علما نے کئی مسلک اختیار کیے ہیں۔ پہلا یہ کہ یہ الفاظ اونگھ کی حالت میں آپ کی زبان پر جاری ہوئے اور آپ کو ان کا شعور نہ تھا۔ جب آپ کو علم ہوا تو اللہ تعالیٰ نے اپنی آیات کو مستحکم فرما دیا۔ طبری نے قتادہ سے یہ مسلک نقل کیا ہے اور قاضی عیاض رضؒ نے اسے یہ کہہ کر رد کیا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر یہ محال ہے۔ شیطان کا تسلط آپ پر نیند کی حالت میں بھی نہیں ہو سکتا۔ ایک قول یہ ہے کہ شیطان نے آپ کو یہ مجبور کر دیا تھا اور یہ کلمات آپ سے بحالت مجبوری سرزد ہوئے، ابن العربیؒ نے اسے یہ کہہ کر رد کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے شیطان کا قول نقل کر کے فرمایا ہے۔ وَمَا كَانَ لِيَ عَلَيْكُمْ مِنْ سُلْطَانٍ "میرا تم پر کوئی تسلط نہ تھا"۔ پس اگر شیطان کا یہ تسلط مان لیا گیا تو اللہ کی اطاعت کے لیے کسی کی طاقت باقی نہ رہے گی۔ ایک قول یہ ہے کہ مشرکین ان الفاظ کے ساتھ اپنے بتوں کا وصف بیان کیا کرتے تھے، یہ بات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ذہن میں محفوظ تھی، لہٰذا جب آپ نے ان کے معبودان باطل کا ذکر فرمایا تو یہ الفاظ آپ کی زبان پر جاری ہو گئے۔ اور یہ سہواً ہوا تھا قاضی عیاضؒ نے اس بات کا رد بھی بہت اچھی طرح کیا ہے۔ ایک قول یہ ہے کہ شاید رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کفار کی توبیخ کے لیے یہ فرمایا ہو گا۔ قاضی عیاض نے کہا ہے کہ اگر کوئی قرینہ اس پر دلالت کرے کہ آپ نے یہ توبیخاً فرمایا تھا تو یہ جائز ہے۔ خاص کر اس بات کو پیش نظر رکھتے ہوئے کہ اس وقت نماز میں کلام کرنا جائز تھا۔ اور باقلانی کا میلان بھی اسی طرف ہے۔ ایک قول یہ ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تلاوت سورت میں یہاں تک پہنچے: وَمَنَاةَ الثَّالِثَةَ الْأُخْرَىٰ تو مشرکوں کو یہ خوف لاحق ہو گیا کہ اب آپ کوئی ایسی بات کریں گے جس سے ان کے بتوں کی مذمت ہوتی ہو پس جلدی سے انہوں نے ان الفاظ کو آپ کی تلاوت کے ساتھ خلط ملط کر دیا، کیونکہ ان کی عادت یہی تھی کہ حسب بیان الٰہی: اس قرآن کو مت سنو اور اس میں لغو باتیں ملاؤ، شور و غل کرو۔ اور اس خلط ملط کو شیطان کی طرف منسوب کیا گیا کیونکہ بدی اسی کی طرف منسوب ہوتی ہے اور اس نے ہی مشرکوں سے یہ فعل کرایا تھا۔ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ شیطان سے مراد یہاں پر "انسانی شیطان" ہوں۔

ایک قول یہ ہے کہ: الغرانیق العلٰی سے مراد ملائکہ ہیں، مشرک ملائکہ کو اللہ کی بیٹیاں کہتے تھے اور ان کی

عبادت کرتے تھے۔ بس سارے ہی معبودانِ باطل کا جب ذکر ہوا بشمول ملائکہ: اَلَکُمُ الذَّکَرُ وَلَہُ الْاُنْثٰی۔ کیا تمہارے لیے بیٹے ہیں اور خدا کے لیے بیٹیاں ہیں" جب مشرکوں نے یہ سُنا تو اسے تمام معبودوں کے متعلق سمجھا اور کہنے لگے کہ: اس شخص نے ہمارے معبودوں کی عظمت بیان کی ہے۔ اور وہ اس پر راضی ہو گئے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے وہ دو کلمے منسوخ کر دیئے اور اپنی آیات کو محکم کر دیا۔ اور ایک قول یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قرآن کو ترتیل کے ساتھ پڑھتے تھے، شیطان گھات میں رہا اور آپ نے جب قرأت میں سکتہ کیا تو حضورؐ کی آواز اور آپ ہی کے لہجے میں یہ کلمات ادا کر دیئے۔ سامعین نے جب ان کو سُنا تو یہ مشہور کر دیا کہ یہ کلمات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک سے ادا ہوئے ہیں۔ قاضی عیاض نے اسے بہترین جواب قرار دیا ہے۔ اور اس کی تائید ابن عباسؓ کی اس تفسیر سے ہوتی ہے جسے محدثین اور مفسرین نے نقل کیا ہے کہ: اِذَا تَمَنّٰی کا معنی ہے: اِذَا تلا۔ یعنی پیغمبر جب کلام الٰہی کی تلاوت کرے تو شیطان اس میں گڑبڑ کرتا ہے۔ ابن العربی رحؒ نے بھی اس تاویل کو مستحسن قرار دیا ہے اور کہا کہ یہ اس مذہب حق کے ثبوت میں نص ہے جو ہمارا عصمت رسولؐ کے متعلق ہے اور جو اس قسم کی چیزیں آپ کی طرف منسوب کی گئی ہیں وہ غلط ہیں۔ اور اَلْقَی الشَّیْطَانُ فِیْ اُمْنِیَّتِہٖ کا معنی ہے کہ شیطان پیغمبروں کی تلاوت میں گڑبڑ پیدا کرتا ہے۔ حضرت الاستاذ شیخ الاسلام عثمانی رحمہ اللہ نے فوائد القرآن میں سورۃ النجم کی ان آیات پر کلام فرمایا ہے وہ بھی قابل دید ہے اور اس سے بہت سی الجھنیں دور ہو جاتی ہیں۔

بَابُ السُّجُوْدِ فِیْ اِذَا السَّمَاءُ انْشَقَّتْ وَاقْرَاْ

سورۃ انشقاق اور اقراء کے سجدے کا باب۔

۱۴۱۰ حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ نَا سُفْیَانُ عَنْ اَیُّوْبَ ابْنِ مُوْسٰی عَنْ عَطَاءِ بْنِ مِیْنَاءَ عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ سَجَدْنَا مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فِیْ اِذَا السَّمَاءُ انْشَقَّتْ وَاقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِیْ خَلَقَ۔

ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ ہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ اِذَا السَّمَاءُ انْشَقَّتْ میں اور اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِیْ خَلَقَ میں سجدہ کیا (مسلم، نسائی، ترمذی اور ابن ماجہ نے بھی یہ حدیث روایت کی ہے)۔ ابوداؤدؒ نے کہا کہ ابوہریرہؓ سنہ ۷ھ میں جنگ خیبر کے سال اسلام لایا تھا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ سجدہ آپ کا آخری فعل ہے۔ (یہ عبارت حاشیے کی ہے)

۱۴۱۱ حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ نَا الْمُعْتَمِرُ قَالَ سَمِعْتُ اَبِیْ قَالَ نَا بَكْرٌ عَنْ اَبِیْ رَافِعٍ قَالَ صَلَّیْتُ مَعَ اَبِیْ هُرَیْرَةَ الْعَتَمَةَ فَقَرَاَ اِذَا السَّمَاءُ انْشَقَّتْ فَسَجَدَ فَقُلْتُ مَا هٰذِهِ السَّجْدَةُ قَالَ سَجَدْتُ بِهَا خَلْفَ اَبِی الْقَاسِمِ فَلَا اَزَالُ اَسْجُدُ بِهَا حَتّٰی اَلْقَاهُ۔

ابورافع نے کہا کہ میں نے ابوہریرہ رضؓ کے ساتھ نماز عشاء پڑھی، پس اس نے اِذَا السَّمَآءُ انْشَقَّتْ پڑھی اور سجدہ کیا تو میں نے کہا کہ یہ کیسا سجدہ ہے؟ اس نے کہا کہ میں نے اس سورہ میں ابوالقاسم صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے سجدہ کیا تھا اور میں موت تک اس میں سجدہ کرتا رہوں گا (بخاری، مسلم اور نسائی نے بھی یہ حدیث روایت کی)

شرح: یہ حدیث اس بات کی دلیل ہے کہ فرائض میں سجدے والی سورت پڑھنا مکروہ نہیں۔ امام مالک کے نزدیک مکروہ ہے جبکہ امام قصداً ایسی سورت پڑھے، کیونکہ اس سے لوگوں کی نماز میں گڑبڑ ہو گی۔ لیکن اگر وہ اس کی قرات کرے تو سجدہ بھی کرے۔ اسی طرح حنفیہ کے نزدیک سری نمازوں میں اور جمعہ اور عید جیسی نمازوں میں ایسا کرنا مکروہ ہے، لیکن اگر نماز کے رکوع یا سجدے سے ہی اس کی ادائیگی ہو سکتی ہو تو جائز ہے۔ مکروہ اس لیے ہے کہ اگر سجدہ ترک کرے تو ترک واجب لازم آئے گا اور اگر سجدہ کرے تو مقتدی اشتباہ میں پڑیں گے یہ کراہت صرف ایک خارجی مصلحت کے باعث ہے اس کا مطلب یہ نہیں کہ دراصل آیات سجدہ کی تلاوت مکروہ ہے۔

بَابُ السُّجُوْدِ فِيْ صٓ

ص کے سجدے کا باب

۱۴۱۲۔ حَدَّثَنَا مُوْسَى بْنُ اِسْمٰعِيْلَ نَا وُهَيْبٌ نَا اَيُّوْبُ عَنْ عِكْرِمَةَ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ لَيْسَ صٓ مِنْ عَزَائِمِ السُّجُوْدِ وَقَدْ رَأَيْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَسْجُدُ فِيْهَا۔

ابن عباس رضؓ نے کہا کہ سورہ صٓ کا سجدہ عزائم سجود میں سے نہیں اور میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس میں سجدہ کرتے دیکھا تھا (بخاری، ترمذی اور نسائی میں بھی یہ حدیث موجود ہے)

شرح: امام طحاوی نے کہا ہے کہ صٓ کے سجدے میں اختلاف ہے۔ اور اس میں سجدے کی جگہ امر کی جگہ نہیں بلکہ خبر کی جگہ ہے: فَاسْتَغْفَرَ رَبَّهٗ وَخَرَّ رَاكِعًا وَّاَنَابَ۔ " داؤد نے اپنے رب سے بخشش طلب کی اور رکوع میں گر پڑا اور گڑگڑایا"۔ پس اس سجدے کا حکم بھی وہی ہو گا جو قرآن کے اس قسم کے دوسرے مقامات کے سجدوں کا ہے جہاں پر اخبار ہیں امر نہیں۔ پس حدیث میں آیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صٓ میں سجدہ کیا اور مجاہد سے مروی ہے کہ ابن عباس رضؓ سے اس سجدے کے متعلق پوچھا گیا تو انہوں نے کہا کہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں حکم دیا ہے کہ ہدایت یافتہ لوگوں کا اتباع کریں۔ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ هَدَى اللّٰهُ فَبِهُدٰىهُمُ اقْتَدِهْ۔ امام طحاوی نے کہا کہ ہم سورہ صٓ کا سجدہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے باعث کرتے ہیں اور جن لوگوں کے اتباع کا حکم ملا ہے ان کے سجدے کے باعث بھی (داؤد علیہ السلام) اور ابن عباس رضؓ نے خود بھی کہا ہے کہ میں نے اس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو سجدہ کرتے ہوئے دیکھا تھا۔ اور ابن عباسؓ کا یہ قول کہ یہ عزائم سجود میں سے نہیں یہ ان کی اپنی رائے ہے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا حکم نہیں ہے۔ اور کئی آیات سجدہ ایسی ہیں جن میں امر نہیں اور نہ سجدہ ہے۔ مثلاً موسیٰؑ کے قصہ میں ہے: قَالَ رَبِّ اِنِّيْ ظَلَمْتُ نَفْسِيْ فَاغْفِرْ لِيْ فَغَفَرَ لَهٗ۔ اور چونکہ اس جگہ حضورؐ نے

سجدہ نہیں کیا لہذا ہم بھی نہیں کرتے۔ بس داؤد کے قصے والی آیت ص میں سجدہ فقط شکر کا نہیں بلکہ شکر و تلاوت دونوں کا ہے اور ان دونوں میں کوئی منافات نہیں ہے۔

۱۴۱۳۔ حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ صَالِحٍ نَا ابْنُ وَهْبٍ أَخْبَرَنِي عَمْرٌو يَعْنِي ابْنَ الْحَارِثِ عَنِ ابْنِ أَبِي هِلَالٍ عَنْ عِيَاضِ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ سَعْدِ بْنِ أَبِي سَرْحٍ عَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ أَنَّهُ قَالَ قَرَأَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَهُوَ عَلَى الْمِنْبَرِ ص فَلَمَّا بَلَغَ السَّجْدَةَ نَزَلَ فَسَجَدَ وَسَجَدَ النَّاسُ مَعَهُ فَلَمَّا كَانَ يَوْمٌ آخَرُ قَرَأَهَا فَلَمَّا بَلَغَ السَّجْدَةَ تَشَزَّنَ النَّاسُ لِلسُّجُودِ فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّمَا هِيَ تَوْبَةُ نَبِيٍّ وَلَكِنِّي رَأَيْتُكُمْ تَشَزَّنْتُمْ لِلسُّجُودِ فَنَزَلَ فَسَجَدَ وَسَجَدُوا۔

ابو سعید خدری نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے منبر پر سورۂ ص پڑھی۔ جب آیت سجدہ پر پہنچے تو منبر سے اترے اور سجدہ کیا اور لوگوں نے بھی آپ کے ساتھ سجدہ کیا۔ پھر ایک اور دن ایسا ہوا کہ آپ نے اسے پڑھا، پس جب سجدہ پر پہنچے تو لوگ سجدے کے لیے تیار ہو گئے۔ پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یہ ایک نبی کی توبہ ہے۔ مگر میں نے تمہیں دیکھا کہ تم سجدے کے لیے تیار ہو گئے ہو۔ پس آپ نیچے اترے اور سجدہ کیا اور لوگوں نے بھی سجدہ کیا۔

شرح: داؤد نے جس نعمت پر اللہ کا شکر ادا کیا ہمیں بھی کرنا چاہیئے یہی سبب ہے کہ سجدہ لفظ حسن مآب کے بعد ہے۔ اور سبب اس سجدے کا چونکہ اس آیت کی تلاوت ہے لہذا یہ سجدۂ تلاوت بھی ہے۔ دلیل اس کی حضور کا پہلے جمعہ میں اس کی تلاوت پر سجدہ ہے اور دوسرے دن پہلے تو سجدہ نہ کیا مگر پھر یہ فرما کر کہ تم سجدے کے تیار ہو گئے ہو خود بھی سجدہ فرمایا۔ حنفیہ کے نزدیک سجدۂ تلاوت فوراً واجب نہیں بلکہ ادائیگی میں تاخیر جائز ہے۔

بَابٌ فِي الرَّجُلِ يَسْمَعُ السَّجْدَةَ وَهُوَ رَاكِبٌ

باب۔ جو آدمی سجدے کی آیت سواری پر سنے۔

۱۴۱۴۔ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عُثْمَانَ الدِّمَشْقِيُّ أَبُو الْجَمَاهِرِ نَا عَبْدُ الْعَزِيزِ يَعْنِي ابْنَ مُحَمَّدٍ عَنْ مُصْعَبِ بْنِ ثَابِتِ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ الزُّبَيْرِ عَنْ نَافِعٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَرَأَ عَامَ الْفَتْحِ سَجْدَةً فَسَجَدَ النَّاسُ كُلُّهُمْ مِنْهُمُ الرَّاكِبُ وَالسَّاجِدُ فِي الْأَرْضِ حَتَّى أَنَّ الرَّاكِبَ لَيَسْجُدُ عَلَى يَدِهِ۔

ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فتح مکہ کے سال سجدے کی آیت پڑھی تو سب لوگوں نے سجدہ کیا، بعض سوار تھے اور بعض نے زمین پر سجدہ کیا حتیٰ کہ سوار اپنے ہاتھ پر سجدہ کر رہے تھے۔

شرح: منذری نے کہا ہے کہ اس حدیث کے ایک راوی مصعب بن ثابت کو بعض محدثین ضعیف قرار دیتے ہیں۔ ہاتھ پر سجدہ کرنے سے یہ مراد ہے کہ وہ اپنی سواری کی زین پہ ہاتھ رکھ کر سجدہ کرتے تھے۔ ابن الملک نے کہا کہ اس قسم کی صورت میں سجدہ جائز ہے بشرطیکہ سجدے کے لیے گردن جھک جائے۔ سفر میں تو سواری پہ اشارے سے نفل پڑھنا بھی جائز ہے۔

۱۴۱۵۔ حَدَّثَنَا اَحْمَدُ بْنُ حَنْبَلٍ نَا يَحْيَى بْنُ سَعِيدٍ ح وَنَا اَحْمَدُ بْنُ اَبِي شُعَيْبٍ نَا ابْنُ نُمَيْرٍ الْمَعْنَى عَنْ عُبَيْدِ اللّٰهِ عَنْ نَافِعٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ كَانَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقْرَأُ عَلَيْنَا السُّورَةَ قَالَ ابْنُ نُمَيْرٍ فِي غَيْرِ الصَّلٰوةِ ثُمَّ اتَّفَقَا فَيَسْجُدُ وَنَسْجُدُ مَعَهُ حَتّٰى لَا يَجِدَ اَحَدُنَا مَكَانًا لِمَوْضِعِ جَبْهَتِهٖ۔

ابن عمرؓ نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے سامنے کسی سورت کی قرأت فرماتے۔ ابن نمیر نے کہا کہ نماز کے علاوہ، پھر دونوں کا اتفاق ہوگیا، پس آپ سجدہ فرماتے اور ہم بھی آپ کے ساتھ سجدہ کرتے حتیٰ کہ کوئی ہم میں سے پیشانی رکھنے کی جگہ نہ پاتا (بخاری اور مسلم نے بھی اسے روایت کیا ہے۔ ابوداؤد کے بعض نسخوں میں اس باب کے عنوان میں وَفِي غَيْرِ الصَّلٰوةِ کا اضافہ ہے اور اس حدیث کی اس اضافے کے ساتھ واضح مناسبت موجود ہے)

۱۴۱۶۔ حَدَّثَنَا اَحْمَدُ بْنُ الْفُرَاتِ اَبُو مَسْعُودٍ الرَّازِيُّ اَنَا عَبْدُ الرَّزَّاقِ اَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ عُمَرَ عَنْ نَافِعٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ كَانَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقْرَأُ عَلَيْنَا الْقُرْاٰنَ فَاِذَا مَرَّ بِالسَّجْدَةِ كَبَّرَ وَسَجَدَ وَسَجَدْنَا قَالَ عَبْدُ الرَّزَّاقِ كَانَ الثَّوْرِيُّ يُعْجِبُهٗ هٰذَا الْحَدِيثُ قَالَ اَبُو دَاوُدَ يُعْجِبُهٗ لِاَنَّهٗ كَبَّرَ۔

ابن عمرؓ نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہم پر قرآن کی قرأت فرماتے تھے، جب سجدے کی آیت سے گزرتے تو تکبیر کہہ کر سجدہ کرتے اور ہم بھی سجدہ کرتے۔ عبدالرزاق نے کہا کہ سفیان کو یہ حدیث بہت پسند تھی، ابوداؤد نے اس پسندیدگی کا باعث اس میں تکبیر کا ذکر ہونا ہے۔

شرح: اس حدیث کی سند میں نافع کا شاگرد عبداللہ بن عمر العمری ضعیف الحدیث ہے۔ حاکم نے یہ حدیث عبیداللہ بن عمر العمری سے روایت کی ہے جو ثقہ ہے اس لیے حاکم نے اسے علیٰ شرط الشیخین کہا ہے۔ عبدالملک نے کہ اس

حدیث سے پتہ چلا کہ سجدۂ تلاوت میں تکبیر صرف سجدہ کرتے وقت ہے پھر کوئی تکبیر یا سلام یا رفع الیدین وغیرہ نہیں ہے۔ ابو حنیفہؒ کا یہی مسلک ہے مگر امام شافعیؒ کے نزدیک تکبیر تحریمہ اور اس کے لیے رفع یدین اور پھر سجود کے لیے تکبیر ہے۔ عبداللہ بن مسعودؓ کی روایت میں سجدہ کر کے تکبیر کہہ کر اٹھنے کا ثبوت بھی ہے لہٰذا حنفیہ دو تکبیروں کے ہیں بعض اصحاب شافعی نے سجدۂ تلاوت کے بعد تشہد اور سلام کا ذکر بھی کیا ہے۔

بَابُ مَا يَقُولُ إِذَا سَجَدَ

باب۔ سجدے میں کیا کہے

۱۴۱۷۔ حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ نَا إِسْمٰعِيلُ نَا خَالِدٌ الْحَذَّاءُ عَنْ رَجُلٍ عَنْ أَبِي الْعَالِيَةِ عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ كَانَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ فِي سُجُودِ الْقُرْاٰنِ بِاللَّيْلِ يَقُولُ فِي السَّجْدَةِ مِرَارًا سَجَدَ وَجْهِيَ لِلَّذِي خَلَقَهُ وَشَقَّ سَمْعَهُ وَبَصَرَهُ بِحَوْلِهِ وَقُوَّتِهِ۔

عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب رات کی نماز میں سجدۂ تلاوت فرماتے تو کئی بار سجدہ میں کہتے: میرے چہرے نے اس خدا کو سجدہ کیا جس نے اسے پیدا کیا اور اپنی طاقت اور قدرت سے چہرے میں کان اور آنکھیں بنائیں۔ (نسائی اور ترمذی نے بھی اسے روایت کیا اور ترمذی نے اسے حدیث صحیح کہا ہے۔

شرح: اس حدیث کی سند میں صرف بیہقی اور ابو داؤد کی روایت میں خالد الحذاء اور ابو العالیہ کے درمیان ایک مجہول شخص کا واسطہ ہے۔ ورنہ حاکم، ترمذی اور نسائی نے یہ حدیث عبدالوہاب الثقفی عن خالد عن ابی العالیہ کسی مجہول واسطے کے بغیر روایت کی ہے۔ دارقطنی نے اسے اپنی سند سے بیان کیا اور اس میں بھی خالد اور ابو العالیہ کے درمیان کوئی واسطہ نہیں۔ حاکم نے اس حدیث کے آخر میں: فَتَبَارَكَ اللّٰهُ أَحْسَنُ الْخَالِقِيْنَ کا جملہ بھی روایت کیا ہے۔ امام احمد نے کہا ہے کہ خالد کا سماع ابو العالیہ سے ثابت نہیں ہوا۔ اور ابن خزیمہ سے بھی یہی منقول ہے۔ پھر حیرت ہے کہ حاکم نے اس حدیث کو علی شرط الشیخین کیوں کر کہا ہے؟

بَابٌ فِي مَنْ يَقْرَأُ السَّجْدَةَ بَعْدَ الصُّبْحِ

باب۔ جو شخص صبح کی نماز کے بعد سجدہ کی آیت پڑھے۔

۱۴۱۸۔ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ الصَّبَّاحِ الْعَطَّارُ نَا أَبُو بَحْرٍ نَا ثَابِتُ بْنُ عُمَارَةَ نَا أَبُو تَمِيمَةَ الْهُجَيْمِيُّ قَالَ لَمَّا بَعَثْنَا الرَّكْبَ قَالَ أَبُو دَاوُدَ يَعْنِي إِلَى الْمَدِينَةِ قَالَ

كُنْتُ أَقُصُّ بَعْدَ صَلٰوةِ الصُّبْحِ فَأَسْجُدُ فِيهَا فَنَهَانِي ابْنُ عُمَرَ فَلَمْ أَنْتَهِ ثَلَاثَ مَرَّاتٍ ثُمَّ عَادَ فَقَالَ إِنِّي صَلَّيْتُ خَلْفَ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَمَعَ أَبِي بَكْرٍ وَعُمَرَ وَعُثْمَانَ فَلَمْ يَسْجُدُوا حَتّٰى تَطْلُعَ الشَّمْسُ۔

ابو تمیمہ ہجیمی نے کہا کہ جب ہمیں سواروں کی جماعت میں مدینہ کو بھیجا گیا تو میں نمازِ صبح کے بعد لوگوں کو وعظ کہا کرتا تھا اور (آیت سجدہ پر) سجدہ کرتا تھا پس ابن عمرؓ نے مجھے منع کیا مگر میں باز نہ آیا۔ تین بار ایسا ہی ہوا پھر چوتھی بار ابن عمرؓ نے لوٹ کر کہا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے اور ابوبکر و عمر و عثمان رضی اللہ عنہم کے ساتھ نماز پڑھی تھی، پس انہوں نے طلوعِ آفتاب سے پہلے سجدہ نہ کیا۔

شرح: منذری نے کہا ہے کہ اس کی سند میں ابو بحر بکراوی۔ عبدالرحمٰن بن عثمان بن اُمیہ۔ ایک غیر معتبر راوی ہے۔ مولانا نے فرمایا کہ ابن الجارود، یحییٰ بن معین اور نسائی نے اسے ضعیف کہا ہے۔ احمد نے کہا کہ لوگوں نے اس کی حدیث چھوڑ دی ہے۔ ابو حاتم نے کہا کہ وہ کچھ نہیں۔ ایک اور راوی ثابت بن عمارہ پر ابو حاتم نے تنقید کی ہے۔ حنفیہ کے نزدیک نمازِ فجر اور عصر کے بعد سجدۂ تلاوت جائز ہے۔

بَابُ تَفْرِيعِ أَبْوَابِ الْوِتْرِ

ابواب الوتر کی تفریع کا باب

بَابُ اسْتِحْبَابِ الْوِتْرِ۔

وتر کے مستحب ہونے کا باب

وِتر اور وَتر دونوں طرح پڑھا گیا ہے۔ وتر کی حیثیت وجوب کی ہے یا سنت کی؟ اس میں ائمہ کا اختلاف ہے (یہ یاد رہے کہ حنفیہ کے نزدیک فرض اور سنت کے درمیان ایک تیسرا مقام واجب کا بھی ہے۔ دیگر ائمہ واجب بمعنیٰ فرض بولتے ہیں۔ اس فرق کو ملحوظ رکھنا ضروری ہے ورنہ کئی الجھنیں پڑ جاتی ہیں) امام ابو حنیفہؒ سے اس مسئلہ میں تین روایتیں ہیں۔ حماد بن زید نے ان سے روایت کی کہ وتر فرض ہے۔ یوسف بن خالد سمتی کی روایت میں واجب ہے اور نوح بن ابی مریم کی روایت میں سنت ہے۔ اور یہی آخری قول ابو یوسف، محمد اور شافعی رحمہم اللہ کا ہے۔ اور انہوں نے اتنا ضرور کہا ہے کہ وتر کی سنیت تمام دوسری موقتہ و موکدہ سنتوں سے زیادہ ہے (غالباً یہی مراد ابو حنیفہؒ کی بھی اس کے فرض یا واجب ہونے سے ہے) ان حضرات کا استدلال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ایک حدیث سے ہے: تین چیزیں مجھ پر فرض ہیں اور تم پر فرض نہیں، وتر، صلاۃ الضحیٰ اور قربانی۔ اور ایک روایت ہے: تین عبادات مجھ پر فرض ہیں اور تمہارے لیے سنت، وتر ضحیٰ اور قربانی۔ عبادہ بن الصامت کی حدیث میں ہے کہ حضور

صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اللہ تعالیٰ نے تم پر دن رات میں پانچ نمازیں فرض کی ہیں۔ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حجۃ الوداع کے خطبے میں فرمایا: اپنی پانچ نمازیں پڑھو۔ اور اسی طرح معاذ بن جبل کو جب حضورؐ نے یمن بھیجا تو فرمایا: انہیں بتانا کہ اللہ تعالیٰ نے دن رات میں ان پر پانچ نمازیں فرض کی ہیں۔ اگر وتر فرض ہوتا تو پانچ کے بجائے چھ فرائض ہو جاتے۔ نیز وتر کو نمازِ پنج گانہ پر بڑھانا نسخ ہے۔ وہ اس طرح کہ وتر سے قبل تو دن رات کا فریضہ پانچ نمازیں ہیں اگر وتر کو بڑھا دیں تو نمازِ پنجگانہ پورا وظیفہ نہ رہا بلکہ بعض ہو گیا اور اس نے وظیفہ کے کل ہونے کی صفت کو منسوخ کر ڈالا، اور کتاب کا نسخ اور مشہور و متواتر احادیث کا نسخ آحاد سے جائز نہیں۔

علاوہ ازیں وتر میں سنت کی علامات واضح ہیں کیونکہ وہ نماز عشاء کے تابع کر کے ادا ہوتا ہے اور کوئی فرض دوسرے فرض کا تابع نہیں ہوتا بلکہ ہر فرض کی اپنی ایک الگ منفرد حیثیت ہے۔ اور اس کا کوئی الگ وقت نہیں، نہ اس کی اذان و اقامت ہے اور نہ روزانہ جماعت ہے۔ درانحالیکہ فرائض کے متعین اوقات ہیں، اذان و اقامت اور جماعت ہے۔ اس طرح اس کی تمام رکعات میں قرأت ہوتی ہے اور یہ سنن کی علامت ہے۔

امام ابو حنیفہ کے دلائل یہ ہیں: خارجہ بن حذافہؓ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کی ہے کہ حضورؐ نے ارشاد فرمایا: اللہ تعالیٰ نے تمہاری ایک نماز بڑھا دی ہے، خبردار وہ وتر ہے سوا سے تم عشاء اور طلوع فجر کے درمیان پڑھو۔ پس ایک تو حضورؐ نے صیغۂ امر پڑھنے کا حکم فرمایا جو وجوب کی دلیل ہے اور دوسرے حضورؐ نے اسے زیادتی سے تعبیر فرمایا اور کسی چیز پر زیادتی اس کی جنس سے ہی ہوتی ہے۔ اگر کسی اور چیز کا اضافہ ہے تو اسے قِران کہا جائے گا زیادتی نہیں۔ اور زیادتی کا تصور مقدر پر ہے جو فرض ہے نہ کہ نفل لہٰذا اس پر زیادتی غیر متصور ہے۔ اس کا جواب یہ جو دیا جاتا ہے کہ یہ زیادتی تو ہے مگر فعل میں ہے نہ کہ وجوب میں، تو یہ جواب درست نہیں کیونکہ فعل تو پہلے بھی ہوتا تھا اصحابؓ وتر کو پہلے بھی پڑھتے تھے جس کی دلیل یہ لفظ ہے: اَلَا وَ ھِیَ الْوِتْرُ۔ الوتر میں الف لام تعریف کا ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ وہ وتر کو پہلے سے جانتے تھے اور پڑھتے تھے ورنہ صحابہؓ حضور سے استفسار کرتے کہ یہ کونسی زائد نماز ہے۔ پس یہ دلیل اس بات کی ہے کہ فعل میں زیادتی مراد نہیں بلکہ وجوب میں مراد ہے۔ اور اس دلیل کا یہ جواب بھی صحیح نہیں کہ یہ زیادتی تو ضرور ہے مگر سنن پر۔ لیکن وتر کو پہلے بطور سنت ادا کیا جاتا تھا لہٰذا سنن پر زیادتی نہ ہوئی۔ اور حضرت عائشہؓ سے مروی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اے قرآن والو! وتر پڑھو، جو وتر نہ پڑھے وہ ہم میں سے نہیں ہے۔ پس امر جو وجوب کے لیے ہوتا ہے اس کے ساتھ یہاں پر وعید بھی موجود ہے کہ جو اسے ادا نہ کرے وہ ہم میں سے نہیں۔ یہ وجوب کی ایک اور علامت ہوئی۔ اور ابو بکر احمد بن علی رازی نے اپنی سند سے ایک حدیث بیان کی ہے کہ: وتر حق ہے واجب ہے، پس جو وتر نہ پڑھے وہ ہم میں سے نہیں۔ اور یہ بلفظ واجب اس باب میں نص ہے۔ اور حسن بصریؒ سے مروی ہے کہ: مسلمانوں کا اس پر اجماع ہے کہ وتر حق واجب ہے۔ اور اسی طرح طحاویؒ نے اس پر سلف کا اجماع نقل کیا ہے۔ اور حسن اور طحاوی جیسے لوگ جھوٹ نہیں بولتے اور صاحبینؒ کے نزدیک بھی وتر کی قضاء ہے اور امام شافعیؒ کا ایک قول بھی یہی ہے۔ اور وجوب قضاء وجوبِ ادا پر دلالت کرتا ہے۔ یہی سبب ہے کہ جب کسی کو سواری سے اترنے کی قدرت حاصل ہو تو وہ بالاجماع

اسے ادا نہیں کر سکتا اور یا بالکل حدیث میں یہی وارد ہے۔ اور یہ سب علامات وجوب و فرضیت کی ہیں علاوہ ازیں فرض تو تین رکعت ثابت ہیں مگر نفل تین رکعت نہیں ہوتے۔

جن احادیث سے وتر کی سنیت پر استدلال کیا گیا ہے ان میں سے پہلی حدیث میں فرضیت کی نفی ہے وجوب کی نہیں کیونکہ کتابت کا لفظ فرضیت ظاہر کرتا ہے اور ہم بھی یہی کہتے ہیں کہ وہ فرض نہیں بلکہ واجب ہے، اور ابوحنیفہؒ کا آخری قول وجوب کا ہی ہے۔ دوسری احادیث جن سے استدلال کیا گیا ہے ان میں بھی سنیت کے قائلین کے لیے کوئی دلیل نہیں ہے۔ وتر جب ہمارے نزدیک فرض نہیں تو یہ فرائض پر اضافہ نہ ہوا۔ ہم اس کے وجوب کے قائل ہیں فرضیت کے نہیں۔ اور اس سے یہ بھی واضح ہو گیا کہ پانچ نمازوں پہ وتر کو بڑھانے سے نسخ لازم نہیں آتا کیونکہ اس زیادتی کے بعد بھی دن رات کا وظیفہ صرف پانچ ہی فرائض ہوئے۔ اور یہ کہنا کہ وتر کا کوئی وقت نہیں، غلط ہے کیونکہ وتر کا وقت نماز عشاء کا وقت ہے لیکن اس پر نماز عشاء کو مقدم کرنا شرط ہے اور اسے رات کے اواخر تک مؤخر کرنا مستحب ہے جبکہ عشاء کو اتنا مؤخر کرنا مکروہ ہے۔ اور یہ اس مستقل نماز ہونے کی علامت ہے۔ اگر وہ مطلقاً عشاء کے تابع ہوتے تو کراہت و استحباب میں بھی ہوتے۔

جہاں تک جماعت، اذان اور اقامت کا تعلق ہے وہ شعار اسلام ہونے کے باعث فرائض کے ساتھ خاص ہیں۔ یہی سبب ہے کہ عورتوں کی نماز، عیدین اور صلوٰۃ کسوف میں ان کا کوئی دخل نہیں۔ جہاں تک قرأت کا سوال ہے چونکہ دلائل سے وہ فرائض مطلقہ کے ساتھ خاص نہیں لہٰذا انہیں میں وہ موجود ہے۔ رہ گئی عیدین وغیرہ کی جماعت سو وہ بھی شعار اسلام کے طور پہ مسنون قرار دی گئی ہے نہ اس لیے کہ وہ فرائض ہیں۔

رکعات وتر کا جہاں تک سوال ہے اس میں دو قول ہیں (گو ساری صلاۃ اللیل پہ بھی مثلاً پانچ، سات، گیارہ، وتر کا اطلاق توسعاً ہوا ہے کیونکہ سب جانتے ہیں کہ دن کے وتر (مغرب) تین ہیں لہٰذا یہ اطلاق تجوزاً ہے) پہلا یہ کہ رات کے آخری حصے میں وتر ایک رکعت ہے (مگر وہ الگ تھلگ رکعت نہیں بلکہ صلاۃ اللیل کی جفت رکعات کو طاق بنا کر) دوسرا یہ کہ وتر تین رکعت ہے مگر پہلی دو رکعت کے بعد بھی اور آخری یعنی تیسری رکعت پہ بھی سلام ہے۔ تیسرا قول یہ ہے کہ وتر تین رکعت ہے اور دو پہ صرف تشہد ہوگا سلام صرف آخری پہ ہوگا۔ چوتھا قول یہ ہے کہ پڑھنے والے کو اختیار ہے ایک وتر پڑھے یا تین پڑھے یا پانچ یا سات، یا نو یا گیارہ پڑھے۔ وتر پر اس سے قبل صلاۃ اللیل میں بھی گفتگو ہو چکی ہے۔ کچھ آگے آئے گی۔

۱۴۱۶۔ حَدَّثَنَا اِبْرَاهِيْمُ بْنُ مُوْسٰى اَنَا عِيْسٰى عَنْ زَكَرِيَّا عَنْ اَبِيْ اِسْحٰقَ عَنْ عَاصِمٍ عَنْ عَلِيٍّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَا اَهْلَ الْقُرْاٰنِ اَوْتِرُوْا فَاِنَّ اللّٰهَ وِتْرٌ يُحِبُّ الْوِتْرَ۔

علی رضی اللہ عنہ نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے اہل قرآن وتر پڑھو کیونکہ اللہ تعالیٰ وتر ہے وتر کو پسند کرتا ہے (ترمذی، نسائی اور ابن ماجہ نے بھی اسے روایت کیا ہے)

شرح: خطابی نے اہل قرآن سے قرآن کے حافظ وقاری مراد لیے ہیں اور کہا ہے کہ اگر وتر واجب ہوتا تو وجوب کا حکم سب کے لیے مساوی ہوتا۔ اہل قرآن کی تخصیص اس کے غیر واجب ہونے کی دلیل ہے۔ خطابی کا استدلال عجیب وغریب ہے، اگر ان کی بات مان لی جائے تو امر کا صیغہ تو وجوب کے لیے ہے پس بقول ان کے وتر حفاظ و قراء پر تو واجب ہوگا اور دوسروں پر غیر واجب۔ علامہ علی القاری نے کہا ہے اہل قرآن سے مراد مومن ہیں کیونکہ سب کا قرآن کے کلام اللہ ہونے پر ایمان ہے اور سب میں اہل قرآن ہونے کی اہلیت و صلاحیت موجود ہے عبادات کے احکام بالعموم عام ہوتے ہیں لہٰذا علی القاری کا مطلب بھی درست معلوم ہوتا ہے۔ اللہ کا وتر ہونا اس کی شان کے مطابق ہے کہ وہ انقسام قبول نہیں کرتا لہٰذا اپنی ذات میں واحد ہے، اور اس جیسا کوئی نہیں لہٰذا وہ اپنی صفات میں واحد ہے۔ اس کا کوئی شریک و سہیم اور معین و ناصر نہیں۔ اس حدیث سے وتر کے ایک ہونے کا استدلال نہیں ہو سکتا کیونکہ نماز مغرب کو دن کا وتر فرمایا گیا ہے جو بالاتفاق تین رکعت ہیں۔ گویا اس حدیث میں رکعات وتر کی سرے سے بحث ہی نہیں ہے۔

۱۴۲۰۔ حَدَّثَنَا عُثْمَانُ بْنُ اَبِیْ شَیْبَةَ نَا اَبُوْحَفْصٍ الْاَبَّارُ عَنِ الْاَعْمَشِ عَنْ عَمْرِو بْنِ مُرَّةَ عَنْ اَبِیْ عُبَیْدَةَ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ بِمَعْنَاهُ زَادَ قَالَ اَعْرَابِیٌّ مَا تَقُوْلُ قَالَ لَیْسَ لَكَ وَلَا لِاَصْحَابِكَ۔

عبداللہ رضی اللہ عنہ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے اسی حدیث کے معنی کی روایت کی ہے اور راوی نے اس میں ایک جملہ زائد کہا ہے کہ: ایک اعرابی بولا کہ آپ کیا کہتے ہیں؟ عبداللہ رضی اللہ عنہ نے کہا: یہ تیرے لیے اور تیرے اصحاب کے لیے نہیں ہے (اسے ابن ماجہ نے بھی روایت کیا)

شرح: منذری نے اس روایت کو منقطع قرار دیا ہے کیونکہ ابو عبیدہ کا سماع اپنے باپ عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے نہیں ہوا۔ بظاہر اس حدیث سے عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا یہ مذہب نکلا کہ ان کے نزدیک وتر عوام کے لیے نہیں۔ جمہور کا مذہب یہ ہے کہ ہر مومن اہل قرآن ہے اور اس خطاب کا مخاطب ہے۔

۱۴۲۱۔ حَدَّثَنَا اَبُوالْوَلِیْدِ الطَّیَالِسِیُّ وَقُتَیْبَةُ بْنُ سَعِیْدٍ الْمَعْنٰی قَالَا نَا اللَّیْثُ عَنْ یَزِیْدَ بْنِ اَبِیْ حَبِیْبٍ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ رَاشِدٍ الزَّوْفِیِّ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ اَبِیْ مُرَّةَ الزَّوْفِیِّ عَنْ خَارِجَةَ بْنِ حُذَافَةَ قَالَ اَبُوالْوَلِیْدِ الْعَدَوِیُّ قَالَ خَرَجَ عَلَیْنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ اِنَّ اللّٰهَ تَعَالٰی قَدْ اَمَدَّكُمْ بِالصَّلٰوةِ هِیَ خَیْرٌ لَّكُمْ مِنْ حُمْرِ النَّعَمِ وَهِیَ الْوِتْرُ فَجَعَلَهَا لَكُمْ فِیْمَا بَیْنَ الْعِشَاءِ اِلٰی طُلُوْعِ الْفَجْرِ۔

خارجہؓ بن حذافہ نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہم پہ گھر سے تشریف لائے اور فرمایا: اللہ تعالیٰ نے تمہیں ایک نماز کا حکم دیا ہے (ایک نسخے میں اَمَدَّکُمْ کا لفظ بھی ہے) جو تمہارے لیے سُرخ اونٹوں سے بہتر ہے اور وہ وتر ہے اور اللہ تعالیٰ نے اُسے تمہارے لیے عشاء سے لے کر طلوع فجر تک رکھا ہے۔ (اسے ابن ماجہ اور ترمذی نے بھی روایت کیا۔ ترمذی نے بھی روایت کیا: ترمذی نے اسے حدیث غریب کہا)

شرح: ابوداؤد کے اس نسخے میں جو ہمارے ہاں رائج ہے: اِنَّ اللہ تعالیٰ قَدْ اَمَدَّکُمْ کے الفاظ ہیں مگر حاشیئے پہ دوسرے نسخے کے لحاظ سے اَمَدَّکُمْ ہے۔ یہ حدیث مستدرک میں بھی ہے اور ذھبی نے اسے تلخیص میں بھی درج کیا اور دونوں کی اس نے تصحیح کی ہے۔ اسے احمدؒ، دار قطنی، طبرانی اور ابن عدی نے بھی عبداللہ بن ابی مرہ کے احوال میں روایت کیا ہے۔ بخاریؒ سے منقول ہے کہ اس نے کہا اس کے راویوں کا سماع ایک دوسرے سے معروف نہیں۔ اس روایت کا راوی عبداللہ بن راشد بصری ہے، وہ عبداللہ بن راشد بصری دوسرا راوی ہے جس کی تضعیف ابن الجوزی نے دار قطنی سے نقل کی ہے۔ اسحاق اور طبرانی نے یہ حدیث عمرو بن العاصؓ اور عقبہ بن عامر سے روایت کی ہے۔ اس کے لفظ یہ ہیں: اللہ تعالیٰ نے تمہیں ایک اور نماز زیادہ دی ہے جو تمہارے لیے سُرخ اونٹوں سے بہتر ہے، یہ وتر ہے جو نماز عشاء اور طلوع فجر کے درمیان ہے۔ اس باب میں ابن عباسؓ کی حدیث بھی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خوشی خوشی سے ہمارے پاس تشریف لائے اور فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے تمہارے لیے ایک نماز بڑھائی ہے وہ وتر ہے (دار قطنی و طبرانی) مگر اس میں ایک ضعیف راوی ہے۔ دار قطنی نے عمرو بن شعیب عن ابیہ عن جدہ سے اسی طرح کی روایت بیان کی ہے مگر اس میں عزرمی ضعیف ہے۔ طبرانی نے سند حسن کے ساتھ ابو سعیدؓ سے مرفوع حدیث روایت کی ہے۔ بزار نے کہا ہے کہ اس باب کی احادیث منقول ہیں۔ اور کچھ اور لوگوں نے کہا کہ حضورؐ کے قول: زَادَکُمْ میں وجوب وتر کی کوئی دلیل نہیں کیونکہ مزید کا مزید علیہ کی جنس سے ہونا لازم نہیں ہے۔ اور محمد بن نصر مروزی کی روایت میں یہ مزید صلوٰۃ فجر کی دو سنتیں ہیں۔ اور بیہقی نے بھی اسے روایت کیا ہے۔ ابن الہمام نے فتح القدیر میں کہا ہے کہ اولیٰ یہ ہے کہ وتر کے بارے میں اس روایت کو لیا جائے جسے ابوداؤد نے عبیداللہ عتکی کے طریق سے روایت کیا ہے کہ حضورؐ نے فرمایا: وتر برحق ہے جو وتر نہ پڑھے وہ مجھ سے نہیں، وتر برحق ہے جو وتر نہ پڑھے وہ مجھ سے نہیں، وتر برحق ہے جو وتر نہ پڑھے وہ مجھ سے نہیں۔ اسے حاکم نے روایت کیا اور اس کی تصحیح کی ہے اکم از کم یہ حدیث حسن ضرور ہے۔

حضرت الاستاذ شیخ الاسلام عثمانی رحمہ اللہ نے فرمایا کہ ظاہر یہ ہے کہ سورہ مزمل کے آخر: عَلِمَ اَنْ لَّنْ تُحْصُوْہُ فَتَابَ عَلَیْکُمْ فَاقْرَءُوْا مَا تَیَسَّرَ مِنَ الْقُرْاٰنِ نے جس چیز کو منسوخ کیا ہے وہ رات بھر کا قیام اللیل اور اس کا طول تھا، یعنی نصف یا اس سے کچھ زائد یا اس سے کچھ کم، پس یہ قیام فرضیت کے بعد نفل بنا یا گیا جیسا کہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا، مگر اس کے باوجود اللہ تعالیٰ نے دو مرتبہ نسخ کے بعد بھی مَا تَیَسَّرَ مِنْہُ کا حکم باقی رکھا ہے اور وہ کم از کم صلوٰۃ وتر ہے۔ سعید بن منصور نے ابن عمرؓ سے سند جید کے ساتھ روایت کی ہے کہ جو شخص وتر کے بغیر صبح کرے اس کے سر پہ ستر گز لمبی رسی رہتی ہے۔ اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ صحیحین میں جو سر کے قافیے پہ شیطان کے گرہ لگانے کا ذکر آیا ہے وہ بھی وتر کے ترک پر محمول ہے۔ کنز العمال ص ۱۲۸ میں ہے

کہ صلاۃ اللیل ضرور پڑھو چاہے ایک ہی رکعت ہو (احمد بن حنبل فی الزہد، ابن نصر، طبرانی عن ابن عباسؓ) ابن نصر نے حسن سے سمرہؓ کی حدیث روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمیں کم و بیش نماز تہجد پڑھنے اور آخر میں وتر پڑھنے کا حکم دیتے تھے۔ شاید امام ابو حنیفہؒ کا ماخذ بھی یہی ہو کیونکہ ان سے وتر کی فرضیت کی روایت بھی آئی ہے اور مشہور واجب کی روایت ہے اور یہ بھی کہ وتر سنت ہے۔ ان روایات کو اس طرح جمع کیا جا سکتا ہے کہ وہ عملاً فرض ہے، اعتقاداً واجب ہے اور بلحاظ ثبوت سنت ہے اور یہ کہنا بھی ممکن ہے کہ وتر کا حکم اس کے اقل مرتبے میں فرض ہے، اپنی خاص ہیئت اور عدد رکعات اور فصل کی کیفیت وغیرہ کے لحاظ سے واجب ہو گیا ہے اور وہ من وجہ نماز پنج گانہ کے تابع ہے کیونکہ ان کو کامل کرتا ہے۔ اور یہ بھی کہا جا سکتا ہے کہ اس فوت وجوب ادا کے باعث (کہ اس سے قبل کچھ صلاۃ اللیل یا رات کے نفل بعد از عشاء پڑھے جاتے ہیں) فرض کہا جا سکتا ہے اور سنت یوں ہے کہ اسے عملاً جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مسنون ٹھہرایا اور اس کی زبانی تاکید فرمائی ہے۔

حضرت الاستاذؒ نے فرمایا کہ بعض لوگوں نے یہ جو کہا ہے کہ وتر کو واجب ٹھہرانے میں ابو حنیفہؒ منفرد ہیں، یہ قول غلط فہمی یا قلت علم پر مبنی ہے۔ قاضی ابو بکر ابن العربی مالکی نے سحنون اور اصبغ سے اس کا وجوب بمعنی فرض نقل کیا ہے۔ ابن حزم نے کہا کہ امام مالکؒ کا قول ہے کہ جو وتر کو ترک کر دے اسے سزا ملنی چاہیئے اور یہ فعل اس کے قبول شہادت میں مانع ہو سکتا ہے۔ ابن قدامہؒ نے المغنی میں کہا ہے کہ عمداً وتر چھوڑنے والا بُرا شخص ہے اس کی شہادت غیر مقبول ہے، لیکن اس کے باوجود وہ فرائض میں سے نہیں۔ کتاب الام میں امام شافعیؒ نے کہا ہے کہ میں کسی مسلم کو وتر اور فجر کی دو رکعتوں کے ترک کی رخصت نہیں دیتا گو میں انہیں واجب (بمعنی فرض) بھی نہیں کہتا۔ اور جو شخص ان میں سے ایک کو ترک کر دے وہ اس شخص سے بھی بدتر حالت میں ہے جو دن رات کے سب نوافل کو ترک کر دے۔ ان اقوال سے واضح ہے کہ یہ حضرات بھی وتر کے معاملے میں ابو حنیفہؒ کے ہم نوا ہیں فرق صرف یہ ہے کہ ابو حنیفہؒ نے اس کا نام واجب رکھا ہے اور انہوں نے یہ نام نہیں رکھا۔ اور ابو حنیفہؒ کے نزدیک بھی واجب کا مرتبہ فرض سے کمتر اور سنت سے اعلیٰ تر ہوتا ہے۔ جن بزرگوں سے وتر کا وجوب ثابت ہوا ہے ان میں ابن مسعودؓ، حذیفہؓ، مجاہدؒ، ابراہیم نخعیؒ، یوسف بن خالد سمتی (شافعیؒ کے استاد) سعید بن المسیب ابو عبیدہ بن عبداللہ بن مسعودؓ، ضحاکؒ شامل ہیں۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے زبانی تاکید کے علاوہ سفر و حضر میں اس کا التزام ثابت ہے جو وجوب کی دلیل ہے۔ صحابہؓ اور تابعین سے بھی اس کا ترک ثابت نہیں ہے عذر کی بنا پر تو وتر کا سواری پر پڑھا جانا بے شک تعجب خیز نہیں لیکن طحاوی کی روایت کے مطابق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وتر پڑھنے کے لیے سواری سے نیچے اترتے تھے۔ (فتح الملہم جلد دوم)

بَابٌ فِي مَنْ لَّمْ يُوتِرْ

وتر نہ پڑھنے والے کا باب

۱۴۲۲ حَدَّثَنَا ابْنُ الْمُثَنّٰى نَا اَبُوْ اِسْحَاقَ الطَّالَقَانِيُّ نَا الْفَضْلُ بْنُ مُوْسٰى

عَنْ عُبَيْدِ اللّٰهِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ الْعَتَكِيِّ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ بُرَيْدَةَ عَنْ اَبِيْهِ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ اَلْوِتْرُ حَقٌّ فَمَنْ لَّمْ يُوْتِرْ فَلَيْسَ مِنَّا اَلْوِتْرُ حَقٌّ فَمَنْ لَّمْ يُوْتِرْ فَلَيْسَ مِنَّا اَلْوِتْرُ حَقٌّ فَمَنْ لَّمْ يُوْتِرْ فَلَيْسَ مِنَّا۔

بریدہؓ نے کہا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سُنا: وتر حق ہے جو وتر نہ پڑھے وہ ہم سے نہیں، وتر حق ہے پس جو وتر نہ پڑھے وہ ہم میں سے نہیں، وتر حق ہے جو وتر نہ پڑھے وہ ہم میں سے نہیں۔

شرح: حافظ زیلعی نے نصب الرایہ میں کہا ہے کہ اس حدیث کو حاکم نے روایت کر کے اس کی تصحیح کی ہے۔ ابوالمنیب کو یحیی بن معین نے ثقہ کہا ہے۔ ابوحاتم نے اسے صالح الحدیث کہا ہے اور بخاری نے جو اسے ضعفاء میں داخل کیا ہے ابوحاتم نے اس کے باعث بخاری پر نکیر کی ہے۔ ابن حبان اور نسائی وغیرہ نے اس پر تنقید بھی کی ہے۔

۱۴۲۳۔ حَدَّثَنَا الْقَعْنَبِيُّ عَنْ مَالِكٍ عَنْ يَحْيَى بْنِ سَعِيْدٍ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ يَحْيَى بْنِ حَبَّانَ عَنِ ابْنِ مُحَيْرِيْزٍ اَنَّ رَجُلًا مِنْ بَنِيْ كِنَانَةَ يُدْعَى الْمُخْدَجِيَّ سَمِعَ رَجُلًا بِالشَّامِ يُدْعَى اَبَا مُحَمَّدٍ يَقُوْلُ اِنَّ الْوِتْرَ وَاجِبٌ قَالَ الْمُخْدَجِيُّ فَرُحْتُ اِلَى عُبَادَةَ ابْنِ الصَّامِتِ فَاَخْبَرْتُهُ فَقَالَ عُبَادَةُ كَذَبَ اَبُوْ مُحَمَّدٍ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَمْسُ صَلَوَاتٍ كَتَبَهُنَّ اللّٰهُ عَلَى الْعِبَادِ فَمَنْ جَاءَ بِهِنَّ لَمْ يُضَيِّعْ مِنْهُنَّ شَيْئًا اِسْتِخْفَافًا بِحَقِّهِنَّ كَانَ لَهُ عِنْدَ اللّٰهِ عَهْدًا اَنْ يُدْخِلَهُ الْجَنَّةَ وَمَنْ لَّمْ يَأْتِ بِهِنَّ فَلَيْسَ لَهُ عِنْدَ اللّٰهِ عَهْدًا اِنْ شَاءَ عَذَّبَهُ وَاِنْ شَاءَ اَدْخَلَهُ الْجَنَّةَ۔

ابن محیریز سے روایت ہے کہ بنی کنانہ کا ایک آدمی جسے مخدجی کہتے تھے اس نے شام میں ایک شخص جسے ابو محمد کہا جاتا تھا یہ کہتے سُنا کہ وتر واجب ہے۔ مخدجی نے کہا کہ اس پر میں عبادہؓ بن صامت کے پاس گیا اور اُسے یہ بتایا، عبادہؓ نے کہا کہ ابو محمد نے غلط کہا ہے۔ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے سُنا تھا کہ پانچ نمازیں ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے بندوں پر فرض کیا ہے۔ پس جو انہیں ادا کرے اور ان کے حق کو تخفیف جان کر ان میں سے کسی ضائع نہ کرے تو اس کے لیے اللہ کے ذمّہ عہد ہے کہ وہ اسے جنت میں داخل کرے گا۔ اور جو انہیں ادا نہ کرے اس کے لیے اللہ کے ہاں کوئی عہد نہیں، چاہے اسے عذاب دے اور چاہے اسے جنت میں داخل کرے (اس حدیث کو نسائی اور ابن ماجہ نے بھی روایت کیا ہے)

شرح: ابن عبدالبر نے مخدجی کو مجہول کہا ہے اور اس کی صرف یہی ایک حدیث ہے، اور کہا جاتا ہے کہ اس کا

نام رضبع تھا۔ ذہبی نے اسے غیر معروف کہا ہے۔ اس حدیث میں عبادہؓ کے قول اور استدلال سے وتر کی فرضیت کا ردّ ثابت ہوتا ہے اور حنفیہ نماز پنج گانہ کی مانند اس کی فرضیت کے ہرگز قائل نہیں ہیں۔ وہ وجوب کے قائل ہیں جس کا درجہ فرض سے کم تر اور سنت سے برتر ہے اور اس کے لیے ان کے پاس وہ دلائل ہیں جن کا ذکر اوپر گزر چکا ہے۔ علاوہ ازیں حدیث صحیح میں ہے کہ جس نے لا الٰہ الا اللہ کہا وہ جنت میں داخل ہوگیا۔ کیا اس کا یہ مطلب ہے کہ رسالت، آخرت، کتب، ملائکہ، حشر و نشر وغیرہ پر ایمان ضروری نہیں اور نہ عبادات نماز روزہ حج زکوٰۃ جہاد وغیرہ کی ضرورت ہے؟

بَابُ كَمِ الْوِتْرُ

وتر کی تعداد کا باب

۱۴۲۴۔ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ كَثِيرٍ نَا هَمَّامٌ عَنْ قَتَادَةَ عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ شَقِيقٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ أَنَّ رَجُلًا مِنْ أَهْلِ الْبَادِيَةِ سَأَلَ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ صَلٰوةِ اللَّيْلِ فَقَالَ بِإِصْبَعِهِ هٰكَذَا مَثْنٰى مَثْنٰى وَالْوِتْرُ رَكْعَةٌ مِنْ اٰخِرِ اللَّيْلِ۔

ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ صحرا کے رہنے والوں میں سے ایک شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے نماز تہجد کے بارے میں سوال کیا تو آپؐ نے اپنی دو انگلیوں سے یوں اشارہ کیا کہ دو دو رکعت ہے اور وتر رات کے آخر میں ایک رکعت ہے (مسلم اور نسائی نے بھی اسے روایت کیا)۔

شرح: دوسری صحیح روایات میں ہے کہ: تُوتِرُ لَهٗ مَا قَدْ صَلّٰى۔ وہ اس کی پہلے پڑھی ہوئی نماز کو وتر بنا دے گی، یعنی دو رکعت کے ساتھ تیسری ملائیں تو تین وتر ہو جائیں گے۔ پس اس حدیث میں یہ صراحت نہیں ہے کہ اس ایک رکعت کو دوسری نماز سے جدا کر کے صرف ایک ہی کے طور پر پڑھا جائے گا جبکہ صحاح میں موجود ہے کہ صلاۃ اللیل دو دو رکعت ہے اور جب طلوع فجر کا خوف پیدا ہو جائے تو دو کے ساتھ ایک ملالی جائے۔

۱۴۲۵۔ حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّحْمٰنِ بْنُ الْمُبَارَكِ نَا قُرَيْشُ بْنُ حَيَّانَ الْعِجْلِيُّ نَا بَكْرُ بْنُ وَائِلٍ عَنِ الزُّهْرِيِّ عَنْ عَطَاءِ بْنِ يَزِيدَ اللَّيْثِيِّ عَنْ أَبِي أَيُّوبَ الْأَنْصَارِيِّ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْوِتْرُ حَقٌّ عَلٰى كُلِّ مُسْلِمٍ فَمَنْ أَحَبَّ أَنْ يُوتِرَ بِخَمْسٍ فَلْيَفْعَلْ وَمَنْ أَحَبَّ أَنْ يُوتِرَ بِثَلَاثٍ فَلْيَفْعَلْ وَمَنْ أَحَبَّ أَنْ يُوتِرَ بِوَاحِدَةٍ فَلْيَفْعَلْ۔

ابوایوب انصاری نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: وتر ہر مسلم پر برحق ہے (اس کے ذمہ لازم ہے)، پس جو پانچ وتر پڑھنا چاہے وہ پڑھے اور جو تین پڑھنا چاہے پڑھے اور جو ایک رکعت کے ساتھ بنانا چاہے

وہ ایسا کرے (نسائی اور ابن ماجہ نے بھی اسے روایت کیا)
شرح: شارح یمنی نے کہا کہ حق کا لفظ ثبوت اور وجوب دونوں معنوں کے لیے آتا ہے۔ پس ابو حنیفہؒ نے دوسرا معنی مراد لیا اور شافعی نے پہلا۔ پانچ وتر پڑھنے کا مطلب یہ ہے کہ پہلے دو رکعت پڑھے اور پھر تین رکعات اور اس معنی میں کوئی ابو حنیفہؒ کا مخالف نہیں ہے ہاں امام شافعی نے کہا ہے کہ قعدہ صرف آخری رکعت میں کرے۔ صلاۃ اللیل کی بحث میں گزر چکا ہے کہ بعض دفعہ رات کی تمام نماز پر وتر کا اطلاق بھی احادیث سے ثابت ہے اور تُوتِرُ لَهُ مَا قَدْ صَلّٰی کا ایک معنی یہ بھی ہے کہ جس طرح دن کی نماز مغرب سے وتر ہو جاتی ہے اس طرح رات کی نماز وتر ہو جاتی ہے اس طرح رات کی نماز وتر سے طاق ہو جاتی ہے۔ اور وتر کی تین رکعت کو ایک سلام سے اور دو قعدوں کے ساتھ پڑھنے کے جواز میں کسی کا بھی اختلاف نہیں ہے۔ نوویؒ نے کہا کہ پانچ یا سات وغیرہ رکعات میں فاصلہ کرنا سب کے نزدیک افضل ہے۔ جہاں تک تین کا تعلق ہے اس میں اختلاف ہے کہ آیا وصل افضل ہے یا فصل۔

نوویؒ نے اس حدیث کی شرح میں کہا ہے کہ وتر کی کم از کم رکعت ایک ہے اور ایک رکعت صحیح ہے اور یہ جمہور کا مذہب ہے۔ اور ابو حنیفہؒ نے کہا ایک وتر پڑھنا صحیح نہیں اور اکیلی رکعت نماز نہیں کہلاتی۔ نوویؒ نے کہا کہ صحیح احادیث ابو حنیفہؒ کے مذہب کا رد کرتی ہیں۔ محدث علی القاری نے مرقاۃ میں کہا ہے کہ ایک اکیلی رکعت کہنے والوں کے پاس کوئی صحیح یا ضعیف حدیث ایسی نہیں جو اس کی دلیل بن سکے۔ اور ایک مرسل حدیث میں بتیراء (ابتر کی مؤنث) سے نہی وارد ہوئی ہے اور مرسل جمہور کے نزدیک اپنی شرائط کے ساتھ حجت ہے۔ مولانا نے فرمایا کہ حدیث البتیراء کا ذکر حافظ زیلعی نے نصب الرایہ میں کیا ہے۔ یہ حدیث حافظ ابن عبد البرؒ نے التمہید میں اپنی سند کے ساتھ روایت کی ہے: ابو سعید سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بتیراء سے منع فرمایا، وہ یہ کہ آدمی اکیلی وتر کی نماز پڑھے۔ امام محمد بن الحسن نے اپنے مؤطا میں روایت کی ہے کہ ابن مسعودؓ نے کہا کہ اکیلی رکعت بالکل نہیں ہوتی۔ محدث علی القاری نے کہا کہ یہ موقوف مرفوع کے حکم میں ہے۔ اور بعض لوگوں کا یہ قول کہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے اکیلی الگ رکعت بطور وتر پڑھی، حافظ ابن الصلاح نے یہ کہہ کر اس کا رد کیا ہے کہ یہ محفوظ نہیں، یہی وجہ ہے کہ بعض شافعی ائمہ اکیلی الگ رکعت پڑھنے کو مکروہ ٹھہراتے تھے۔ حافظ ابن حجر نے کہا کہ ابن الصلاح کا غیر محفوظ ہونے کا دعویٰ غفلت پر مبنی ہے، مگر حافظ صاحب کا بھی یہ دعویٰ ہی دعویٰ ہے جس کی کوئی دلیل نہیں دی گئی۔ حافظ ابن حجر نے یہ بھی کہا ہے کہ اصحاب شافعی کا یہ کہنا کہ یہ مکروہ ہے، اس کا یہ مطلب نہیں کہ اس کا ثواب نہ ہوگا۔ لیکن حافظ صاحب کا یہ قول بھی خود ان کے خلاف حجت ہے۔ اگر یہ ثابت ہو جاتا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اکیلی الگ رکعت بطور وتر پڑھی تھی تو کون یہ کہہ سکتا تھا کہ ایسا کرنا مکروہ ہے؟ علاوہ ازیں شوافع کا قاعدہ تو یہ ہے کہ وہ مکروہ کہتے ہی اس کو ہیں جس سے نہی مقصود وارد ہو چکی ہو۔ اس سے یہ ثابت ہو گیا کہ بتیراء سے نہی کا ثبوت صحیح ہے۔

مولاناؒ فرماتے ہیں کہ بتیراء سے نہی کی حدیث کا ایک اور طریق بھی آیا ہے جسے خلاصہ میں نوویؒ نے یہ کہہ کر بیان کیا ہے کہ محمد بن کعب قرظی کی حدیث بتیراء میں مرسل اور ضعیف ہے۔ اس سے کم از کم یہ تو ثابت ہو گیا کہ

یہ حدیث ایک اور طریق سے بھی آئی ہے۔ سنن ابی داؤد کی زیر نظر حدیث کے متعلق حافظ ابن حجر نے تلخیص میں کہا ہے کہ ابو حاتم، ذہبی، دارقطنی اور بیہقی وغیرہ نے کہا ہے کہ اس کا موقوف ہونا صحیح ہے۔ اور بلوغ المرام میں ہے کہ نسائی نے اس کے وقف کو ترجیح دی ہے۔ اور امیر الیمانی نے بلوغ المرام کی شرح میں لکھا ہے کہ اس موقوف حدیث کو مرفوع کا حکم حاصل ہے کیونکہ رکعات کی مقداروں میں اجتہاد کا دخل نہیں۔ بیہقی امیر کے اس قول میں کلام ہے کیونکہ وتر کے باب میں جو مقداریں وارد ہیں ان میں اجتہاد کو دخل حاصل ہونا ضروری ہے ورنہ کوئی فیصلہ نہ ہو سکے گا۔

بَابُ مَا يُقْرَأُ فِي الْوِتْرِ

وتر میں قرأت کا باب

۱۴۲۶۔ حَدَّثَنَا عُثْمَانُ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ أَبُو حَفْصٍ الْأَبَّارُ ح وَنَا إِبْرَاهِيمُ بْنُ مُوسَى أَنَا مُحَمَّدُ بْنُ أَنَسٍ وَهَذَا لَفْظُهُ عَنِ الْأَعْمَشِ عَنْ طَلْحَةَ وَزُبَيْدٍ عَنْ سَعِيدِ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ أَبْزَى عَنْ أَبِيهِ عَنْ أُبَيِّ بْنِ كَعْبٍ قَالَ كَانَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُوتِرُ بِسَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْأَعْلَى وَقُلْ لِلَّذِينَ كَفَرُوا وَاللّٰهُ الْوَاحِدُ الصَّمَدُ۔

ابی بن کعبؓ نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وتر میں سَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْأَعْلَى اور قُلْ لِلَّذِيْنَ كَفَرُوا (قُلْ يَا أَيُّهَا الْكَافِرُونَ) اور اَللّٰهُ الْوَاحِدُ الصَّمَدُ (سورۂ اخلاص) پڑھتے تھے (ابن ماجہ اور نسائی نے بھی اسے روایت کیا ہے اور دونوں نے قُلْ يَا أَيُّهَا الْكَافِرُونَ کہا ہے جیسا کہ ابوداؤد کے ایک نسخے میں یہی ہے)

شرح: اَللّٰهُ الْوَاحِدُ الصَّمَدُ سے مراد سورۂ اخلاص ہے، یعنی وہ سورت جس میں اللہ کی یہ صفات آئی ہیں۔ مسند ابی حنیفہ میں یہ حدیث مرسلاً وارد ہوئی ہے۔ اس میں یہ بھی ہے کہ ابن مسعود کی قرأت یہی تھی: قُلْ لِلَّذِيْنَ كَفَرُوا لَا أَعْبُدُ الخ یہ حدیث اس امر کی دلیل ہے کہ وتر کی تین رکعات ایک سلام کے ساتھ ہیں۔ صراحۃً بھی نسائی کی روایت میں یہ لفظ موجود ہیں کہ حضورؐ صرف آخری رکعت کے بعد سلام کہتے تھے۔

۱۴۲۷۔ حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ أَبِي شُعَيْبٍ نَا مُحَمَّدُ بْنُ سَلَمَةَ نَا خُصَيْفٌ عَنْ عَبْدِ الْعَزِيزِ بْنِ جُرَيْجٍ قَالَ سَأَلْتُ عَائِشَةَ أُمَّ الْمُؤْمِنِينَ بِأَيِّ شَيْءٍ كَانَ يُوتِرُ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَذَكَرَ مَعْنَاهُ قَالَ وَفِي الثَّالِثَةِ بِقُلْ هُوَ اللّٰهُ أَحَدٌ وَالْمُعَوِّذَتَيْنِ۔

عبدالعزیز بن جریج نے کہا کہ میں نے عائشہ ام المؤمنین رضی اللہ عنہا سے پوچھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ

وسلم وتر میں کیا پڑھتے تھے تو انہوں نے اوپر کی حدیث کی مانند جواب دیا اور تیسری رکعت کے متعلق فرمایا کہ قُلْ ھُوَ اللّٰہُ اَحَدٌ اور معوذتین (یہ حدیث ترمذی اور ابن ماجہ میں بھی ہے۔ ترمذی اسے حسن غریب کہا ہے)

تشریح: نسائی، ابن ماجہ اور ابو داؤد نے بھی (یعنی اوپر کی حدیث میں) تیسری رکعت میں معوذتین کا ذکر نہیں کیا۔ اس حدیث کا راوی عبد العزیز ابن جریج لین الحدیث ہے اور اسے حضرت عائشہ رضؓ سے سماع کا موقع بھی نہیں ملا۔ خصیف نے غلطی سے ایسے الفاظ روایت کر دیئے جن سے سماع ثابت ہوتا ہے۔ یہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی عادت شریفہ کے خلاف ہے کیونکہ آپ پچھلی رکعت کو پہلی سے طویل نہ کرتے تھے۔

بَابُ الْقُنُوْتِ فِی الْوِتْرِ

وتر میں قنوت کا باب

۱۴۲۸۔ حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيْدٍ وَاَحْمَدُ بْنُ جَوَّاسٍ الْحَنَفِيُّ قَالَا نَا اَبُو الْاَحْوَصِ عَنْ اَبِي اِسْحَاقَ عَنْ بُرَيْدِ بْنِ اَبِي مَرْيَمَ عَنْ اَبِي الْحَوْرَاءِ قَالَ قَالَ الْحَسَنُ بْنُ عَلِيٍّ عَلَّمَنِيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَلِمَاتٍ اَقُوْلُهُنَّ فِي الْوِتْرِ قَالَ ابْنُ جَوَّاسٍ فِي قُنُوْتِ الْوِتْرِ اَللّٰهُمَّ اهْدِنِيْ فِيْمَنْ هَدَيْتَ وَعَافِنِيْ فِيْمَنْ عَافَيْتَ وَتَوَلَّنِيْ فِيْمَنْ تَوَلَّيْتَ وَبَارِكْ لِيْ فِيْمَا اَعْطَيْتَ وَقِنِيْ شَرَّ مَا قَضَيْتَ اِنَّكَ تَقْضِيْ وَلَا يُقْضٰى عَلَيْكَ وَاِنَّهُ لَا يَذِلُّ مَنْ وَّالَيْتَ وَلَا يَعِزُّ مَنْ عَادَيْتَ تَبَارَكْتَ رَبَّنَا وَتَعَالَيْتَ۔

الحسن بن علی رضؓ نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے وتر میں کہنے کے لیے کچھ کلمات سکھائے تھے، یعنی جواس راوی نے قنوت الوتر کا لفظ بولا۔ اَللّٰهُمَّ اهْدِنِيْ فِيْ مَنْ هَدَيْتَ الخ "اللہ مجھے ان لوگوں کے ساتھ ہدایت دے جنہیں تو نے ہدایت دی اور مجھے ان لوگوں میں عافیت (آسائش) بخش جنہیں تو نے عافیت بخشی اور تو خود میرا ذمہ دار بن ان لوگوں میں جن کا تو ذمہ دار بنا، اور جو کچھ تو نے مجھے عطا فرمایا اس میں مجھے برکت دے اور اپنے فیصلے کے شر سے مجھے محفوظ فرما۔ بے شک تو فیصلہ کرتا ہے اور تیرے خلاف فیصلہ نہیں کیا جا سکتا، اور جس سے تو دوستی کرے وہ ذلیل نہیں ہوتا اور جس سے تو دشمنی کرے وہ عزت نہیں پاتا۔ بابرکت ہے تو اے ہمارے رب اور بڑا بلند ہے۔ (نسائی، ابن ماجہ اور ترمذی نے بھی اس کی روایت کی اور ترمذی نے اسے حدیث حسن کہا)

تشریح: ابن ابی عاصم کی روایت میں اس قنوت کے بعد: نَسْتَغْفِرُكَ وَنَتُوْبُ اِلَيْكَ کے الفاظ اور نسائی کی روایت میں قنوت کے آخر میں، وَصَلَّى اللّٰهُ عَلَى النَّبِيِّ کے الفاظ بھی آئے ہیں۔ شیخ ابن الہمام نے کہا ہے کہ قنوت کے متعلق تین اختلافی مسائل ہیں۔ پہلا یہ کہ وتر میں آیا قنوت رکوع سے پہلے ہے یا بعد میں؟ دوسرا یہ کہ وتر کی قنوت آیا سارا سال ہے یا صرف رمضان کے نصف آخر میں؟ تیسرا یہ کہ آیا وتر کے علاوہ بھی قنوت

پڑھیں یا نہیں؟ امام شافعیؒ کا استدلال حسن بن علیؓ کی روایت سے ہے جسے حاکم نے روایت کر کے اس کی تصحیح کی ہے (وہ یہی سنن ابی داؤد والی حدیث ہے) حنفیہ کا استدلال نسائیؒ اور ابن ماجہ کی حدیث سے ہے جو ابی بن کعب سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وتر پڑھتے تھے تو رکوع سے قبل قنوت پڑھتے تھے خطیب نے کتاب القنوت میں ابن مسعودؓ کی حدیث بیان کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے وتر میں رکوع سے پہلے قنوت پڑھی تھی۔ ابن الجوزی نے اسے تحقیق میں بیان کیا اور خاموش رہا۔ ابونعیم نے حلیہ میں ابن عباسؓ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تین وتر پڑھے اور رکوع سے پہلے دعائے قنوت پڑھی۔ طبرانی نے اوسط میں ابن عمرؓ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تین وتر پڑھتے تھے اور قنوت رکوع سے پہلے پڑھتے تھے اور انسؓ کی حدیث میں جو بعد الرکوع کا بیان ہے اس سے مراد قنوت نازلہ ہے جو ایک ماہ پڑھی تھی جیسا کہ صحاح کی روایات میں ثابت ہے۔

ہمارے قول کی تائید تمام یا اکثر صحابہؓ کے عمل سے بھی ہوتی ہے کہ وہ حضرات اسی پر عمل کرتے تھے جو ہم نے اوپر بیان کیا ہے۔ ابن ابی شیبہ نے عبداللہ بن مسعودؓ سے نقل کیا ہے کہ انہوں نے کہا کہ اصحاب النبی صلی اللہ علیہ وسلم وتر میں رکوع سے پہلے قنوت پڑھتے تھے۔ علامہ علی القاریؒ نے کہا کہ صحابہؓ میں جو قنوت رائج تھی وہ وہی ہے جسے ابوداؤد نے مراسیل میں روایت کیا ہے کہ خالد بن ابی عمران نے کہا اس اثناء میں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مضر پر بد دعا کر رہے تھے کہ اچانک جبریلؑ آیا اور اشارے سے آپ کو خاموش کیا پھر کہا: اے محمد اللہ نے تجھے گالیاں دینے والا اور لعنت کرنے والا بنا کر نہیں بھیجا بلکہ رحمت بنا کر بھیجا ہے، پھر یہ آیت پڑھی لَيْسَ لَكَ مِنَ الْاَمْرِ شَيْءٌ الخ پھر حضورؐ کو یہ قنوت سکھائی: اَللّٰهُمَّ اِنَّا نَسْتَعِيْنُكَ وَنَسْتَغْفِرُكَ وَنُؤْمِنُ بِكَ وَنَخْضَعُ لَكَ وَنَخْلَعُ وَنَتْرُكُ مَنْ يَّفْجُرُكَ الخ ملحق تک بیہقی نے بھی اسے اسی لفظ کے ساتھ بیان کیا ہے اور الحصن میں یہ لفظ ہیں: اَللّٰهُمَّ اِنَّا نَسْتَعِيْنُكَ وَنستغفرک ونثنی علیک الخیر ولا نکفرک الخ ملحق تک ابن ابی شیبہ نے اسے ابن مسعودؓ تک موقوف روایت کیا اور ابن السنی نے ابن عمرؓ پر موقوف روایت کیا اور ابن السنی نے اَللّٰهُمَّ پہلے دونوں مقامات پر بسم اللہ الرحمٰن الرحیم بھی روایت کیا ہے۔ سیوطی نے الدر المنثور میں اس حدیث کو بہت سی سندوں کے ساتھ نقل کیا ہے اور مختلف الفاظ کے ساتھ روایت کیا ہے۔ اور محمد بن نصر نے اور طحاوی نے روایت کیا ہے کہ ابن عباسؓ نے جناب عمرؓ کا فعل یہ بتایا کہ وہ دونوں قنوت پڑھتے تھے اَللّٰهُمَّ اياك نعبد واياك نستعين۔ مصنف عبدالرزاق میں حسن بن علیؓ کا قنوت اور یہ دوسرا قنوت جمع کرنا کئی اصحاب اور تابعین سے مذکور ہے۔ اور اسی طرح محمد بن نصر نے سفیان، ابراہیم، عطاء، سعید بن المسیب اور حسن سے روایت کیا ہے۔

۱۴۲۹۔ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ مُحَمَّدٍ النُّفَيْلِيُّ نَا زُهَيْرٌ نَا اَبُوْ اِسْحٰقَ بِاِسْنَادِهٖ وَمَعْنَاهُ قَالَ فِيْ اٰخِرِهٖ قَالَ هٰذَا يَقُوْلُ فِي الْوِتْرِ فِي الْقُنُوْتِ وَلَمْ يَذْكُرْ اَقُوْلُهُنَّ فِي الْوِتْرِ قَالَ اَبُوْ دَاوُدَ اَبُو الْحَوْرَاءِ رَبِيْعَةُ بْنُ شَيْبَانَ۔

دوسری سند سے وہی حدیث بیان ہوئی ہے اور اس میں بعض الفاظ کا اختلاف ہے۔

۱۴۳۰۔ حَدَّثَنَا مُوسَى بْنُ إِسْمَعِيلَ نَا حَمَّادٌ عَنْ هِشَامِ بْنِ عَمْرٍو الْفَزَارِيِّ عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ الْحَارِثِ بْنِ هِشَامٍ عَنْ عَلِيِّ بْنِ أَبِي طَالِبٍ أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَقُولُ فِي آخِرِ وِتْرِهِ اَللّٰهُمَّ إِنِّي أَعُوذُ بِرِضَاكَ مِنْ سَخَطِكَ وَبِمُعَافَاتِكَ مِنْ عُقُوبَتِكَ وَأَعُوذُ بِكَ مِنْكَ لَا أُحْصِي ثَنَاءً عَلَيْكَ أَنْتَ كَمَا أَثْنَيْتَ عَلَى نَفْسِكَ قَالَ أَبُودَاوُدَ هِشَامٌ أَقْدَمُ شَيْخٍ لِحَمَّادٍ وَبَلَغَنِي عَنْ يَحْيَى بْنِ مَعِينٍ أَنَّهُ قَالَ لَمْ يَرْوِ عَنْهُ غَيْرُ حَمَّادِ بْنِ سَلَمَةَ قَالَ أَبُودَاوُدَ رَوَى عِيسَى بْنُ يُونُسَ عَنْ سَعِيدِ بْنِ أَبِي عَرُوبَةَ عَنْ قَتَادَةَ عَنْ سَعِيدِ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ أَبْزَى عَنْ أَبِيهِ عَنْ أُبَيِّ بْنِ كَعْبٍ أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَنَتَ يَعْنِي فِي الْوِتْرِ قَبْلَ الرُّكُوعِ قَالَ أَبُودَاوُدَ رَوَى عِيسَى بْنُ يُونُسَ هٰذَا الْحَدِيثَ أَيْضًا عَنْ فِطْرِ بْنِ خَلِيفَةَ عَنْ زُبَيْدٍ عَنْ سَعِيدِ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ أَبْزَى عَنْ أَبِيهِ عَنْ أُبَيِّ بْنِ كَعْبٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِثْلَهُ وَرُوِيَ عَنْ حَفْصِ بْنِ غِيَاثٍ عَنْ مِسْعَرٍ عَنْ زُبَيْدٍ عَنْ سَعِيدِ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ أَبْزَى عَنْ أَبِيهِ عَنْ أُبَيِّ بْنِ كَعْبٍ أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَنَتَ فِي الْوِتْرِ قَبْلَ الرُّكُوعِ قَالَ أَبُودَاوُدَ وَحَدِيثُ سَعِيدٍ عَنْ قَتَادَةَ رَوَاهُ يَزِيدُ بْنُ زُرَيْعٍ عَنْ سَعِيدٍ عَنْ قَتَادَةَ عَنْ عَزْرَةَ عَنْ سَعِيدِ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ أَبْزَى عَنْ أَبِيهِ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَمْ يَذْكُرِ الْقُنُوتَ وَلَا ذَكَرَ أُبَيًّا وَكَذٰلِكَ رَوَاهُ عَبْدُ الْأَعْلَى وَمُحَمَّدُ بْنُ بِشْرٍ الْعَبْدِيُّ وَسَمَاعُهُ بِالْكُوفَةِ مَعَ عِيسَى بْنِ يُونُسَ وَلَمْ يَذْكُرُوا الْقُنُوتَ وَقَدْ رَوَاهُ أَيْضًا هِشَامٌ الدَّسْتَوَائِيُّ وَشُعْبَةُ عَنْ قَتَادَةَ وَلَمْ يَذْكُرِ الْقُنُوتَ وَحَدِيثُ زُبَيْدٍ رَوَاهُ سُلَيْمٰنُ الْأَعْمَشُ وَشُعْبَةُ وَعَبْدُ الْمَلِكِ بْنُ أَبِي سُلَيْمَانَ وَجَرِيرُ بْنُ حَازِمٍ كُلُّهُمْ عَنْ زُبَيْدٍ

لَمْ يَذْكُرْ أَحَدٌ مِنْهُمُ الْقُنُوتَ إِلَّا مَا رُوِيَ عَنْ حَفْصِ بْنِ غِيَاثٍ عَنْ مِسْعَرٍ عَنْ زُبَيْدٍ فَإِنَّهُ قَالَ فِي حَدِيثِهِ أَنَّهُ قَنَتَ قَبْلَ الرُّكُوعِ قَالَ أَبُو دَاوُدَ وَلَيْسَ هُوَ بِالْمَشْهُورِ مِنْ حَدِيثِ حَفْصٍ نَخَافُ أَنْ يَكُونَ حَفْصٌ عَنْ غَيْرِ مِسْعَرٍ قَالَ أَبُو دَاوُدَ يُرْوَى أَنَّ أُبَيًّا كَانَ يَقْنُتُ فِي النِّصْفِ مِنْ شَهْرِ رَمَضَانَ۔

علی بن ابی طالبؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے وتر کے آخر میں کہا کرتے تھے: اَللّٰھُمَّ اِنِّی اَعُوْذُ آخر تک اے اللہ میں تیری رضا کے ساتھ تیری ناراضگی سے پناہ مانگتا ہوں اور تیری معافی کے ساتھ تیری سزا سے پناہ مانگتا ہوں اور میں تیرے ساتھ تجھ سے پناہ مانگتا ہوں۔ میں تیری ثنا، کا احاطہ نہیں کر سکتا، تو ویسا ہی ہے جیسی تو نے اپنی ثنا، خود بیان کی ہے۔ ابوداؤد نے کہا کہ ہشام حماد کا بہت بڑا استاد تھا اور مجھے یحییٰ بن معین سے خبر پہنچی ہے کہ اس نے کہا: اس سے حماد بن سلمہ کے سوا کسی نے روایت نہیں کی۔ ابوداؤد نے کہا کہ عیسیٰ بن یونس نے سعید بن ابی عروبہ سے اس نے قتادہ سے اس نے سعید بن عبدالرحمان بن ابزیٰ اس نے اپنے باپ سے اس نے اُبی بن کعبؓ سے روایت کی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے وتر میں رکوع سے پہلے قنوت پڑھی ابوداؤد نے کہا کہ عیسیٰ بن یونس نے یہ حدیث فطر بن خلیفہ سے بھی اس نے زبید سے اس نے عبدالرحمٰن بن ابزیٰ سے اس نے اپنے باپ سے اس نے ابیؓ سے روایت کی اس نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کی اسی طرح۔ اور حفص بن غیاث سے مروی ہے اس نے مسعر سے اس نے زبید سے روایت کی آپ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے وتر میں رکوع سے پہلے قنوت پڑھی۔ ابوداؤد نے کہا کہ سعید کی حدیث جو قتادہ سے ہے الخ اس میں نہ قنوت کا ذکر ہے نہ ابیؓ کا۔ اور اسی طرح عبدالاعلیٰ اور محمد بن بشر عبدی نے روایت کی اور اس کا سماع میں عیسیٰ بن یونس کے ساتھ مگر انہوں نے قنوت کا ذکر نہیں کیا۔ اور اس کو ہشام دستوائی نے بھی اور شعبہ نے بھی قتادہ سے روایت کیا اور قنوت کا ذکر نہیں کیا (ابوداؤد کی روایات پر گفتگو سے پہلے جو اصل حدیث ہے وہ ترمذی، نسائی اور ابن ماجہ میں موجود ہے) آگے پھر ابوداؤد کا قول ہے اور زبید کی حدیث کو سلیمان اعمش، شعبہ، عبدالملک بن ابی سلیمان اور جریر بن حازم سب نے زبید سے روایت کیا ہے مگر کسی نے قنوت کا ذکر نہیں کیا۔ ہاں حفص بن غیاث عن مسعر عن زبید کی روایت میں یہ قول ہے کہ حضورؐ نے رکوع سے پہلے قنوت پڑھا۔ ابوداؤد نے کہا کہ یہ حفص کی حدیث سے مشہور نہیں ہے اور ہمیں خوف ہے کہ حفص کی روایت مسعر کے علاوہ کسی اور سے ہو گی۔ ابوداؤد نے کہا کہ مروی ہے کہ ابیؓ ماہ رمضان کے نصف میں قنوت پڑھتے تھے۔ (ابیؓ کی اس روایت میں ایک مجہول راوی ہے عنقریب یہ روایت آئے گی)

شرح: انس بن مالک کی متفق علیہ حدیث میں ہے کہ نماز میں قنوت قبل الرکوع ہے۔ اور بعد الرکوع حضورؐ نے قنوتِ نازلہ ایک ماہ تک پڑھی تھی۔ ابوہریرہؓ کی متفق علیہ حدیث میں بھی ہے کہ بعد الرکوع کی قنوت نوازل و مصائب کے ہوتی تھی۔ ابوداؤد نے عیسیٰ بن یونس پر جو نقد و تبصرہ کیا ہے اس کا جواب الجوہر النقی میں ہے کہ

عیسیٰ بن یونس کو ابوزرعہ اور ابن المدینی نے حافظ، ثقہ اور مامون کہا ہے پس اگر وہ قنوت قبل الرکوع کا ذکر کرتا ہے تو یہ ثقہ کا اضافہ ہے۔ ابوداؤد پر حیرت ہے کہ اس نے خود تو قنوت قبل الرکوع کہا ہے پس اگر وہ قنوت قبل الرکوع کا ذکر کرتا ہے تو یہ ثقہ کا اضافہ ہے۔ ابوداؤد پر حیرت ہے کہ اس نے خود تو قنوت قبل الرکوع کی روایت عیسیٰ بن یونس عن سعید بن ابی عروبہ کی ہے اور پھر خود ہی کہا ہے کہ یہ مشہور حدیث نہیں۔ نسائی کی سنن میں زبید عن سعید عن ابیہ عن ابی رضؓ حدیث موجود ہے جس میں تین وتر کا ذکر ہے کہ پہلی رکعت میں حضور سورۃ اعلیٰ دوسری میں الکافرون اور تیسری میں اخلاص پڑھتے تھے اور رکوع سے پہلے قنوت پڑھتے تھے۔ قنوت قبل از رکوع کی روایت اسود سعید بن جبیر اور نخعی وغیرہم سے آئی ہے جو مصنف ابن ابی شیبہ میں ایک ایک سے الگ الگ موجود ہے۔ پھر عبداللہ بن مسعود سے فجر میں قنوت نہ پڑھنے اور سال بھر وتر میں قبل از رکوع قنوت پڑھنے کی روایت موجود ہے۔ ابن ابی شیبہ نے مسلم کی شرط پر ایک صحیح سند کے ساتھ عبداللہ رضؓ اور اصحاب رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے اسی قسم کی روایت بیان کی ہے۔ ابن المنذر نے لکھا ہے (الاشراف) کہ ابن عمرؓ، علیؓ، ابن مسعودؓ، ابوموسیٰ اشعریؓ، انسؓ، البراءؓ، ابن عباسؓ، عمر بن عبدالعزیزؒ، عبیدہؒ، حمید الطویلؒ، ابن ابی لیلیٰؒ یہ سب حضرات قبل از رکوع قنوت پڑھتے تھے۔

۱۴۳۱۔ حَدَّثَنَا اَحْمَدُ بْنُ مُحَمَّدِ بْنِ حَنْبَلٍ نَا مُحَمَّدُ بْنُ بَكْرٍ اَنَا هِشَامٌ عَنْ مُحَمَّدٍ عَنْ بَعْضِ اَصْحَابِهِ اَنَّ اُبَيَّ بْنَ كَعْبٍ اَمَّهُمْ يَعْنِي فِي رَمَضَانَ وَكَانَ يَقْنُتُ فِي النِّصْفِ الْاٰخِرِ مِنْ رَمَضَانَ

ابیؓ کے کسی شاگرد سے روایت ہے کہ ابی بن کعبؓ نے رمضان میں ان کی امامت کی اور وہ رمضان آخری نصف میں قنوت پڑھتے (اس روایت میں ابیؓ سے روایت کرنے والا کوئی مجہول شخص ہے)

۱۴۳۲۔ حَدَّثَنَا شُجَاعُ بْنُ مَخْلَدٍ نَا هُشَيْمٌ اَنَا يُونُسُ بْنُ عُبَيْدٍ عَنِ الْحَسَنِ اَنَّ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ جَمَعَ النَّاسَ عَلٰى اُبَيِّ بْنِ كَعْبٍ فَكَانَ يُصَلِّي لَهُمْ عِشْرِيْنَ رَكْعَةً وَلَا يَقْنُتُ بِهِمْ اِلَّا فِي النِّصْفِ الْبَاقِي فَاِذَا كَانَتِ الْعَشْرُ الْاَوَاخِرُ تَخَلَّفَ فَصَلّٰى فِي بَيْتِهِ فَكَانُوْا يَقُوْلُوْنَ اَبَقَ قَالَ اَبُوْ دَاؤُدَ وَهٰذَا يَدُلُّ عَلٰى اَنَّ الَّذِيْ ذُكِرَ فِي الْقُنُوْتِ لَيْسَ بِشَيْءٍ وَهٰذَانِ الْحَدِيْثَانِ يَدُلَّانِ عَلٰى ضُعْفِ حَدِيْثِ اُبَيٍّ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَنَتَ فِي الْوِتْرِ۔

حسن سے روایت ہے کہ عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے لوگوں کو ابی بن کعبؓ پر جمع کیا پس وہ انہیں بیس رات (رکعتیں) پڑھاتا تھا اور صرف آخری نصف ماہ رمضان میں قنوت پڑھتا تھا۔ جب آخری عشرہ ہوتا تو گھر سے نہ آتا اور گھر میں ہی نماز پڑھتا تھا۔ اور لوگ کہا کرتے تھے کہ: ابیؓ بھاگ گیا، ابوداؤد نے کہا کہ یہ اس کی دلیل ہے کہ جو کچھ قنوت میں مذکور ہے وہ کچھ نہیں اور یہ دو حدیثیں دلالت کرتی ہیں کہ ابیؓ کی وہ حدیث ضعیف ہے جس میں ان کا بیان ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے وتر میں قنوت پڑھی تھی۔

شرح: مولانا نے فرمایا کہ ان دو حدیثوں میں کوئی ایسی دلیل نہیں جو ابیؓ کی مرفوع حدیث کے ضعف پر دلالت کرے. کیونکہ یہ دونوں حدیثیں خود ضعیف ہیں. پہلی کی سند میں تو ایک مجہول راوی ہے، اور دوسری کی سند منقطع ہے. حسن بصریؒ نے حضرت عمرؓ کا دور نہیں پایا حسنؒ کی ولادت جناب عمر فاروقؓ کی شہادت سے دو سال قبل ہوئی تھی یعشر ۲. الیلۃ کے بجائے عشرین رکعۃ کا لفظ حضرت شاہ اسحاق کے نسخے میں ہے۔

بَابٌ فِي الدُّعَاءِ بَعْدَ الْوِتْرِ

وتر کے بعد دعا کا باب

۱۴۳۳۔ حَدَّثَنَا عُثْمَانُ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ نَا مُحَمَّدُ بْنُ عُبَيْدَةَ نَا أَبِي عَنِ الْأَعْمَشِ عَنْ طَلْحَةَ الْأَيَامِيِّ عَنْ ذَرٍّ عَنْ سَعِيدِ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ أَبْزٰى عَنْ أَبِيهِ عَنْ أُبَيِّ بْنِ كَعْبٍ قَالَ كَانَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا سَلَّمَ فِي الْوِتْرِ قَالَ سُبْحَانَ الْمَلِكِ الْقُدُّوسِ۔

ابی بن کعبؓ نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب وتر میں سلام کہتے تو سُبْحَانَ الْمَلِكِ الْقُدُّوس کہا کرتے تھے (اسے نسائی نے بھی روایت کیا اور یہ زائد کیا کہ: تین بار یہ کہتے تھے اور تیسری بار بآواز بلند کہتے تھے)

شرح: ابوداؤد نے یہ حدیث مختصرا روایت کی ہے ورنہ نسائی میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وتر میں سورۃ الاعلیٰ اور قل یا ایہا الکافرون اور قل ھو اللہ احد پڑھتے تھے تو جب سلام کہتے تو..... الخ

۱۴۳۴۔ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عَوْفٍ نَا عُثْمَانُ بْنُ سَعِيدٍ عَنْ أَبِي غَسَّانَ مُحَمَّدِ بْنِ مُطَرِّفٍ الْمَدَنِيِّ عَنْ زَيْدِ بْنِ أَسْلَمَ عَنْ عَطَاءِ بْنِ يَسَارٍ عَنْ أَبِي سَعِيدٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ نَامَ عَنْ وِتْرِهِ أَوْ نَسِيَهُ فَلْيُصَلِّهِ إِذَا ذَكَرَهُ۔

ابوسعیدؓ نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو اپنے وتر سے سو گیا یا اسے بھول گیا تو جب اسے یاد کرے تو پڑھ لے (یہ حدیث ابن ماجہ اور ترمذی میں بھی آئی ہے)

شرح: شیخ نیمویؒ نے بحوالۂ حافظ عراقی کہا ہے کہ اس حدیث کی سند صحیح ہے. مولاناؒ نے فرمایا کہ حاکم نے اپنی سند سے عثمان بن سعید دارمی کے طریق سے یہ حدیث روایت کی ہے. اس کے آخر میں ہے کہ پس وہ اسے

صبح کو پڑھ لے یا جب یاد آئے۔ حاکم نے کہا کہ یہ حدیث بخاری و مسلم کی شرط پر صحیح ہے اور انہوں نے اسے روایت نہیں کیا۔ ذہبی نے تلخیص میں کہا ہے کہ یہ صحیح حدیث شیخین کی شرط پر ہے۔ ترمذی اور ابن ماجہ نے اسے روایت کیا ہے مگر ان کی حدیث کی سند میں عبدالرحمٰن بن زید بن اسلم ضعیف ہے۔ ترمذی نے اسے عبداللہ بن زید بن اسلم کی سند سے بھی بیان کیا ہے جسے ذہبی کہا ہے کہ یہ پہلی حدیث سے صحیح تر ہے۔ عبداللہ بن زید کی توثیق بخاری اور احمد نے کی ہے۔ ہاں عبداللہ بن زید کی حدیث مرسل ہے مگر ابوداؤد نے اسے جو محمد بن مطرف کے طریق سے موصول کیا ہے لہذا ارسال مضر نہیں رہا۔ ان احادیث سے وہ مسئلہ ثابت ہو گیا جو امام ابوحنیفہؒ نے وتر کے وجوب میں بیان کیا ہے کیونکہ قضاء صرف فرائض و واجبات کی ہوتی ہے۔

شوکانی نے نیل الاوطار میں کہا ہے کہ اس باب میں دارقطنی میں ابن عمرؓ کی حدیث بھی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، جس کے وتر رات کو فوت ہو جائیں تو وہ انہیں کل ادا کرے۔ لیکن اس کی سند میں نہشل بن سعید ہے جس کے باعث یہ روایت ضعیف ہے۔ بیہقی میں ابن عمرؓ کی حدیث ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک مرتبہ صبح ہو گئی تو آپؐ نے وتر پڑھے۔ اور بیہقی اور حاکم نے ابوہریرہؓ کی حدیث اسی مضمون میں روایت کی ہے اور حاکم نے اسے علی شرط الشیخین صحیح کہا ہے۔ اور حاکم اور بیہقی نے ابوالدرداءؓ سے روایت کی ہے کہ میں نے کئی بار رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس وقت وتر پڑھتے دیکھا جبکہ لوگ نماز صبح کے لیے اٹھے ہوئے تھے۔ حاکم نے اس حدیث کو بھی صحیح کہا ہے۔ طبرانی کبیر میں اغرؓ مزنی کی حدیث ہے کہ کسی شخص نے حضورؐ سے یہی مسئلہ پوچھا تھا تو آپؐ نے اسے صبح کے بعد وتر پڑھنے کا حکم دیا۔ مسند احمد اور طبرانی اوسط میں حضرت عائشہؓ سے ایک حسن حدیث مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صبح کے بعد وتر پڑھا کرتے تھے یعنی جب پہلے نہ پڑھے ہوتے تو۔ یہ حدیث وتر کی قضاء کی مشروعیت پر دلالت کرتی ہے اور صحابہؓ میں سے علیؓ، سعدؓ، عبداللہ بن مسعودؓ، ابن عمرؓ، عبادہؓ بن صامت، عامر بن ربیعہؓ، ابوالدرداءؓ، معاذ بن جبلؓ، فضالہ بن عبیداللہؓ اور عبداللہ بن عباسؓ کا یہی مذہب تھا، عراقی نے یہی کہا ہے۔ اور تابعین میں سے عمرو بن شرحبیل، عبیدہ سلمانی ابراہیم نخعی، محمد بن المنتشر، ابوالعالیہ اور حماد بن ابی سلیمان کا یہی مذہب ہے۔ اور ائمہ میں سے سفیان ثوری، ابوحنیفہ، اوزاعی، مالک، شافعی، احمد، اسحاق، ابوایوب سلیمان بن داؤد ہاشمی اور خیثمہ اسی طرف گئے ہیں۔

پھر ان میں یہ اختلاف ہوا ہے کہ وتر کو کیسے قضاء کیا جائے؟ اس میں آٹھ اقوال ہیں: (۱) صبح کی نماز سے پہلے پہلے اور یہ ابن عباس، عطاء بن ابی رباح، مسروق، حسن بصری، ابراہیم نخعی، مکحول، قتادہ، مالک، شافعی، احمد، اسحاق، ابوایوب، اور ابوخیثمہ کا مذہب ہے جیسا کہ محمد بن نصر نے بیان کیا ہے (۲) طلوع آفتاب سے پہلے قضاء کرے اگرچہ بعد از نماز فجر اور یہ نخعی کا قول ہے (۳) نماز صبح کے بعد طلوع آفتاب کے بعد زوال تک قضاء کرے، یہ قول شعبی، عطاء، حسن، طاؤس، مجاہد، اور حماد بن ابی سلیمان سے مروی ہے اور یہی ابن عمرؓ سے بھی منقول ہے (۴) نماز صبح کے بعد قضاء نہ کرے حتیٰ کہ سورج طلوع ہو جائے تو پھر سے دن میں قضاء کرے نماز عصر سے پہلے پہلے، اور اس کے بعد قضاء نہ کرے بلکہ مغرب کے بعد عشاء تک کے وقت میں قضاء کرے، اور عشاء کے بعد قضاء نہ کرے تاکہ ایک رات میں دو وتر جمع نہ ہو جائیں۔ یہ اوزاعی سے منقول ہے (۵) جب نماز صبح پڑھ لے تو وتر کو

دن میں قضاء نہ کرے کیونکہ وہ رات کی نماز میں سے ہے بلکہ اسے آئندہ رات کے وتر سے پہلے قضاء کرے پھر اس رات کا وتر پڑھے۔ یہ سعید بن جبیر سے مروی ہے (۶) جب صبح کی نماز پڑھ لے تو جب بھی یاد آئے وتر پڑھ لے جب دوسری رات آجائے اور اس نے وتر نہ قضاء کئے تھے تو وتر نہ پڑھے، کیونکہ اگر وہ ایک رات میں دو وتر پڑھیگا تو یہ نماز جُفت ہو جائے گی۔ یہ بھی اوزاعی سے منقول ہے (۷) وہ جب چاہے دن میں یا رات میں وتر کو قضاء کرے اور شافعیہ کا فتویٰ اسی پر ہے۔ مولانا نے فرمایا کہ یہی حنفیہ کا مذہب بھی ہے۔ اور پہلے بیان کردہ ساتویں مذہب اور حنفیہ کے قول میں یہ فرق ہے کہ امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک جب کوئی رات کو وتر نہ پڑھے اور نماز فجر سے پہلے اُسے یہ یاد ہو تو اس کی نماز صبح صحیح نہیں جب تک پہلے وتر نہ قضاء کرے۔ (۸) نیند سے یا نسیان سے اگر وتر رہ جائیں تو اس صورت میں اور عمداً ترک کرنے میں فرق ہے۔ پہلی صورت میں قضاء ہے جبکہ یاد آجائے بیدار ہو اور کوئی بھی وقت ہو، دن ہو یا رات ہو اور حدیث کا ظاہر یہی کہتا ہے۔ اور اسی کو ابن حزم نے اختیار کیا ہے اور عمداً وتر کو ترک کرنے والے کے لیے قضاء کبھی نہیں ہو سکتی۔ اور ابن حزم نے وتر کو اس مسئلہ قضاء کے باعث واجب کہا ہے۔

بَابٌ فِي الْوِتْرِ قَبْلَ النَّوْمِ

نیند سے قبل وتر کا باب

۱۴۳۵۔ حَدَّثَنَا ابْنُ الْمُثَنّٰى نَا اَبُوْ دَاوٗدَ نَا اَبَانُ بْنُ يَزِيْدَ عَنْ قَتَادَةَ عَنْ اَبِيْ سَعِيْدٍ مِنْ اَزْدِ شَنُوْءَةَ عَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ اَوْصَانِيْ خَلِيْلِيْ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِثَلَاثٍ لَا اَدَعُهُنَّ فِيْ سَفَرٍ وَّلَا حَضَرٍ رَكْعَتَيِ الضُّحٰى وَصَوْمِ ثَلَاثَةِ اَيَّامٍ مِّنَ الشَّهْرِ وَاَنْ لَّا اَنَامَ اِلَّا عَلٰى وِتْرٍ۔

ابوہریرہؓ نے کہا کہ مجھ کو میرے دوست صلی اللہ علیہ وسلم نے وصیت فرمائی کہ تین چیزوں کو سفر و حضر میں کبھی نہ چھوڑوں، صلاۃ ضحٰی کی دو رکعتیں، اور ہر ماہ کے تین روزے اور سونے سے پہلے وتر ضرور پڑھ لینا (اسے بخاری و مسلم نے روایت کیا ہے لیکن دونوں نے فِیْ سَفَرٍ وَّلَا حَضَرٍ کا لفظ روایت نہیں کیا اور مسلم نے اسے ایک اور سند کے ساتھ بھی روایت کیا ہے)

شرح: وتر کو رات کے آخری حصے میں پڑھنا بروئے احادیث افضل ہے لیکن ابوہریرہؓ کو پچھلی رات میں جاگنے پر اعتماد نہ ہوتا تھا اس لیے یہ وصیت فرمائی۔ حافظ ابن حجر کے بقول ابوہریرہؓ رات کے پہلے حصے میں اپنی بہت سی احادیث کو محفوظ کرنے اور ان کے استحضار میں لگے رہتے تھے اس شغل کے باعث پچھلی رات کو اٹھنے پر اعتماد نہ رہتا تھا۔

۱۴۳۶۔ حَدَّثَنَا عَبْدُ الْوَهَّابِ بْنُ نَجْدَةَ نَا أَبُو الْيَمَانِ عَنْ صَفْوَانَ بْنِ عَمْرٍو عَنْ أَبِي إِدْرِيسَ السَّكُونِيِّ عَنْ جُبَيْرِ بْنِ نُفَيْرٍ عَنْ أَبِي الدَّرْدَاءِ قَالَ أَوْصَانِي خَلِيلِي صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِثَلَاثٍ لَا أَدَعُهُنَّ بِشَيْءٍ أَوْصَانِي بِصِيَامِ ثَلَاثَةِ أَيَّامٍ مِنْ كُلِّ شَهْرٍ وَلَا أَنَامُ إِلَّا عَلَى وِتْرٍ وَبِسُبْحَةِ الضُّحَى فِي الْحَضَرِ وَالسَّفَرِ۔

ابو الدرداءؓ نے کہا کہ میرے جانی دوست صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے تین باتوں کی وصیت فرمائی تھی کہ میں انہیں کبھی کسی سبب سے نہ چھوڑوں ایک تو ہر ماہ کے تین روزے، دوسرے یہ کہ ہمیشہ وتر پڑھ کر سوؤں اور تیسرے یہ کہ حضر وسفر میں صلاۃ الضحیٰ پڑھوں (اس روایت میں ابوادریس سکونی حمصی پر کلام ہوا ہے کہ یہ مجہول الحال ہے)

۱۴۳۷۔ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ أَحْمَدَ بْنِ أَبِي خَلَفٍ نَا أَبُو زَكَرِيَّا السيلحيني نَا حَمَّادُ بْنُ سَلَمَةَ عَنْ ثَابِتٍ عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ رَبَاحٍ عَنْ أَبِي قَتَادَةَ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لِأَبِي بَكْرٍ مَتَى تُوتِرُ قَالَ أُوتِرُ مِنْ أَوَّلِ اللَّيْلِ وَقَالَ لِعُمَرَ مَتَى تُوتِرُ قَالَ آخِرَ اللَّيْلِ فَقَالَ لِأَبِي بَكْرٍ أَخَذَ هَذَا بِالْحَذَرِ وَقَالَ لِعُمَرَ أَخَذَ هَذَا بِالْقُوَّةِ۔

ابو قتادہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ابو بکرؓ سے فرمایا: تم وتر کب پڑھتے ہو؟ انہوں نے کہا رات کے پہلے حصے میں۔ اور عمرؓ سے فرمایا کہ تم وتر کب پڑھتے ہو؟ انہوں نے کہا کہ رات کے پچھلے حصے میں پڑھتا ہوں۔ پس آپ نے ابو بکرؓ کے بارے میں فرمایا کہ اس نے احتیاط کو لیا ہے اور عمرؓ کے متعلق فرمایا کہ اس نے قوی چیز کو لیا ہے (اس حدیث سے ان دونوں حضرات کی افتاد طبع اور فطری میدان کا بھی کچھ اندازہ ہوتا ہے!)

بَابٌ فِي وَقْتِ الْوِتْرِ۔

وتر کے وقت کا باب

۱۴۳۸۔ حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ يُونُسَ نَا أَبُو بَكْرِ بْنُ عَيَّاشٍ عَنِ الْأَعْمَشِ عَنْ مُسْلِمٍ عَنْ مَسْرُوقٍ قَالَ قُلْتُ لِعَائِشَةَ مَتَى كَانَ يُوتِرُ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَتْ كُلَّ ذَلِكَ قَدْ فَعَلَ أَوْتَرَ أَوَّلَ اللَّيْلِ وَوَسَطَهُ وَآخِرَهُ وَلَكِنِ انْتَهَى وِتْرُهُ حِينَ مَاتَ إِلَى السَّحَرِ۔

مسروق نے کہا کہ میں نے حضرت عائشہؓ سے عرض کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وتر کب پڑھتے تھے

تو انہوں نے فرمایا کہ آپ نے ہر طرح سے کیا ہے۔ پہلی رات میں وتر پڑھے ہیں، درمیان میں بھی اور آخر میں بھی لیکن آواخر عمر میں آپ کا وتر وقتِ سحر تک ختم ہوتا تھا۔ (بخاری، مسلم، ترمذی اور نسائی نے بھی اسے روایت کیا ہے)

۱۴۳۹۔ حَدَّثَنَا هَارُونُ بْنُ مَعْرُوفٍ نَا ابْنُ أَبِي زَائِدَةَ قَالَ حَدَّثَنِي عُبَيْدُ اللَّهِ بْنُ عُمَرَ عَنْ نَافِعٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ بَادِرُوا الصُّبْحَ بِالْوِتْرِ۔

ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: وتر کو صبح سے پہلے پہلے پڑھ لو (مسلم اور ترمذی نے بھی اسے بیان کیا ہے اور ترمذی نے کہا ہے کہ یہ حدیث حسن صحیح ہے)

۱۴۴۰۔ حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ نَا اللَّيْثُ بْنُ سَعْدٍ عَنْ مُعَاوِيَةَ بْنِ صَالِحٍ عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ أَبِي قَيْسٍ قَالَ سَأَلْتُ عَائِشَةَ عَنْ وِتْرِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَتْ رُبَّمَا أَوْتَرَ أَوَّلَ اللَّيْلِ وَرُبَّمَا أَوْتَرَ مِنْ آخِرِهِ قُلْتُ كَيْفَ كَانَتْ قِرَاءَتُهُ أَكَانَ يُسِرُّ بِالْقِرَاءَةِ أَمْ يَجْهَرُ فَقَالَتْ كُلَّ ذٰلِكَ كَانَ يَفْعَلُ رُبَّمَا أَسَرَّ وَرُبَّمَا جَهَرَ وَرُبَّمَا اغْتَسَلَ فَنَامَ وَرُبَّمَا تَوَضَّأَ فَنَامَ قَالَ أَبُو دَاؤُدَ قَالَ غَيْرُ قُتَيْبَةَ تَعْنِي فِي الْجَنَابَةِ۔

عبداللہ بن ابی قیس نے کہا کہ میں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے وتر کے متعلق پوچھا تو فرمایا کہ بعض دفعہ آپ نے اسے پہلی رات میں پڑھا اور بعض دفعہ پچھلی رات میں پڑھا۔ میں نے پوچھا کہ آپ اس میں قرأت کس طرح فرماتے تھے، آیا آہستہ پڑھتے یا آواز سے؟ فرمایا کہ ہر طرح سے تھے، کبھی آہستہ پڑھتے اور کبھی آواز سے۔ بعض دفع غسل کر کے سو جاتے اور بعض دفعہ وضوء کر کے سو جاتے۔ ابو داؤد نے کہا کہ قتیبہ راوی کے علاوہ دوسروں نے کہا کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی مراد جنابت سے غسل یا وضوء ہے (یہ حدیث اس سے قبل سنن ابی داؤد میں کتاب الطہارۃ کے اندر گزر چکی ہے۔ اسے مسلم نے بھی روایت کیا ہے اور ترمذی نے بھی ان دونوں کی روایت میں راوی کے یہ لفظ بھی ہیں کہ خدا کا شکر ہے جس نے معاملے میں گنجائش رکھی۔ ابو داؤد کی گزشتہ روایت میں بھی ایسا ہی تھا۔ نسائی نے اس حدیث کا کچھ حصہ کتاب الطہارۃ میں روایت کیا ہے۔ اس کی روایت میں یہ غسل و وضوء کا بیان راوی کے ایک سوال کا جواب ہے، جو یہاں درج نہیں کیا گیا۔

۱۴۴۱۔ حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ حَنْبَلٍ نَا يَحْيَى عَنْ عُبَيْدِ اللَّهِ حَدَّثَنِي نَافِعٌ

عَنِ ابْنِ عُمَرَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اِجْعَلُوا اٰخِرَ صَلَاتِكُمْ بِاللَّيْلِ وِتْرًا

ابن عمرؓ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کی کہ آپؐ نے فرمایا: رات کو اپنی آخری نماز وتر بناؤ (بخاری اور مسلم نے بھی اسے روایت کیا ہے۔ اور یہ امر بالاتفاق استحباب کے لیے ہے سوائے ان کے جو وتر کو توڑنے کے قائل ہیں)

بَابٌ فِیْ نَقْضِ الْوِتْرِ

وتر بیں کی

۱۴۴۲۔ حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ نَا مُلَازِمُ بْنُ عَمْرٍو نَا عَبْدُ اللهِ بْنُ بَدْرٍ عَنْ قَيْسِ بْنِ طَلْقٍ قَالَ زَارَنَا طَلْقُ بْنُ عَلِيٍّ فِي يَوْمٍ مِنْ رَمَضَانَ وَاَمْسٰى عِنْدَنَا وَاَفْطَرَ ثُمَّ قَامَ بِنَا تِلْكَ اللَّيْلَةَ وَاَوْتَرَ بِنَا ثُمَّ انْحَدَرَ اِلٰى مَسْجِدِهٖ فَصَلّٰى بِاَصْحَابِهٖ حَتّٰى اِذَا بَقِيَ الْوِتْرُ قَدَّمَ رَجُلًا فَقَالَ اَوْتِرْ بِاَصْحَابِكَ فَاِنِّيْ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ لَا وِتْرَانِ فِيْ لَيْلَةٍ۔

قیس بن طلق ؓ نے کہا کہ طلق بن علیؓ (راوی کا باپ) نے رمضان کے دن میں ہماری ملاقات کی اور ہمارے پاس پچھلے پہر رہے اور روزہ افطار کیا۔ پھر اس رات انہوں نے ہمیں نماز تراویح پڑھائی اور وتر بھی پڑھائے۔ پھر اپنی مسجد میں تشریف لے گئے اور اپنے اصحاب کو نماز پڑھائی حتیٰ کہ جب وتر باقی رہ گئے تو ایک اور آدمی کو آگے بڑھایا اور کہا کہ تو اپنے دوستوں کو وتر پڑھا کیونکہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا تھا، آپ فرماتے تھے کہ ایک رات میں دو بار وتر نہیں ہے (نسائی اور ترمذی نے بھی اس کی روایت کی ہے)

شرح: علامہ شوکانی نے کہا کہ حافظ عراقی نے کہا کہ اکثر علماء کا یہ مذہب ہے کہ جو وتر پڑھ لے اور پھر نماز پڑھنا چاہے تو وہ صبح تک دو دو رکعت پڑھے اور اپنے وتر کو نہ توڑے کہ وہ تو ہو چکا۔ یہ قول صحابہؓ میں سے ابوبکر الصدیقؓ عمار بن یاسرؓ، رافع بن خدیجؓ، عائذ بن عمروؓ، طلق بن علیؓ، ابوہریرہؓ اور ام المومنین عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا ہے۔ اور ابن ابی شیبہ نے مصنف میں اسے سعد بن ابی وقاصؓ، ابن عمرؓ اور ابن عباسؓ سے بھی روایت کیا ہے۔ تابعین میں سے اس کے قائل سعید بن المسیب، علقمہ، شعبی، ابراہیم نخعی، سعید بن جبیر، مکحول، حسن بصری (ابن ابی شیبہ) طاؤس اور مجلز ہیں۔ ائمہ میں سے یہ مذہب سفیان ثوری، مالک، ابن المبارک اور احمد کا ہے (ترمذی) حافظ عراقی نے اوزاعی شافعی، ابو ثور سے بھی یہی نقل کیا ہے اور قاضی عیاض نے کہا کہ سب اہل فتویٰ کا یہی مذہب ہے۔ اور ترمذی نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چند اصحابؓ سے یہ روایت کیا ہے کہ

وتر کو توڑ دینا جائز ہے۔ انہوں نے کہا کہ اس میں ایک اور رکعت بڑھا لے تو جو چاہے پڑھے۔ پھر پچھلی رات میں وتر پڑھ لے۔ اسحاق کا یہی مذہب ہے اور انہوں نے ابن عمرؓ کی حدیث سے استدلال کیا ہے کہ ان سے جب وتر کے متعلق پوچھا جاتا تو کہتے تھے کہ اگر میں سونے سے پہلے وتر پڑھ لوں تو صلاۃ اللیل پڑھنے کا ارادہ کرنے کی صورت میں اپنے گزشتہ وتر کو جفت بنا لوں گا اور پھر دو دو رکعت پڑھوں گا، پھر جب نماز پوری کر چکوں گا تو ایک رکعت پڑھ لوں گا کیوں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں صلاۃ اللیل کے آخر کو وتر بنانے کا حکم دیا ہے (مسند احمد)۔ مولاناؒ نے فرمایا کہ اس میں کوئی دلیل نہیں ہے کیونکہ یہ ابن عمرؓ کا اپنا فعل ہے جو ان کے اجتہاد پر مبنی ہے۔ اور پیچھے گزر چکا ہے کہ اس حدیث کا حکم استحباب کے لیے ہے نہ کہ وجوب کے لیے۔ اور اس کی دلیل حضرت عائشہ رضؓ ام سلمہؓ اور ابوامامہؓ کی حدیثیں ہیں۔ حضرت عائشہؓ کی طویل حدیث (مسلم) میں ہے کہ حضور نویں رکعت پڑھ کر بیٹھ جاتے، اللہ کا ذکر کرتے، اس کی حمد کرتے اور اس سے دعا کرتے پھر بآواز بلند سلام کہتے جسے ہم سن لیتے تھے پھر بیٹھے بیٹھے دو رکعت پڑھتے۔ اور ام سلمہؓ کی حدیث میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم وتر کے بعد دو رکعت بیٹھ کر پڑھتے تھے۔ ابن ماجہ نے: دو ہلکی رکعتیں کہا ہے۔ مسند احمد میں ہے کہ آپ یہ دو رکعت نماز وتر کے بعد بیٹھ کر پڑھتے تھے اور ان میں سورۂ زلزال اور کافرون پڑھتے تھے۔

بَابُ الْقُنُوْتِ فِی الصَّلَوَاتِ

نمازوں میں قنوت کا باب

۱۴۴۳۔ حَدَّثَنَا دَاوُدُ بْنُ اُمَیَّةَ نَا مُعَاذٌ یَعْنِی ابْنَ هِشَامٍ حَدَّثَنِیْ اَبِیْ عَنْ یَحْیَی بْنِ کَثِیْرٍ حَدَّثَنِیْ اَبُوْ سَلَمَۃَ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ نَا اَبُوْ هُرَیْرَةَ قَالَ وَاللّٰهِ لَاُقَرِّبَنَّ بِکُمْ صَلٰوةَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ فَکَانَ اَبُوْ هُرَیْرَةَ یَقْنُتُ فِی الرَّکْعَةِ الْاٰخِرَةِ مِنْ صَلٰوةِ الظُّهْرِ وَصَلٰوةِ الْعِشَاءِ الْاٰخِرَةِ وَصَلٰوةِ الصُّبْحِ فَیَدْعُوْ لِلْمُؤْمِنِیْنَ وَیَلْعَنُ الْکَافِرِیْنَ۔

ابوہریرہؓ نے کہا کہ واللہ میں تمہارے سامنے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جیسی نماز پڑھوں گا راوی نے کہا کہ ابوہریرہ رضؓ نماز ظہر میں اور نماز عشاء میں اور نماز صبح میں آخری رکعت میں قنوت (دعا) پڑھتے تھے اور ایمانداروں کے لیے دعا کرتے اور کافروں پر لعنت کرتے تھے (اسے بخاری اور نسائی نے بھی روایت کیا ہے)

شرح: مولاناؒ نے فرمایا کہ منتقی الاخبار کے باب کا عنوان ہے: مصائب کے وقت فرض نمازوں میں دعاء کا باب اور مصائب نہ ہونے کے وقت اسے ترک کرنا۔ اور اس میں ابومالک رضؓ اشجعی کی حدیث درج کی ہے جو

مسند احمد، ترمذی اور ابن ماجہ میں ہے کہ اس نے اپنے باپ سے پوچھا کہ کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور ابوبکرؓ و عمرؓ وعثمان وعلیؓ قنوت پڑھتے تھے؟ تو انہوں نے کہا کہ میرے پیارے بیٹے یہ بدعت ہے۔ ایک روایت کے الفاظ یہ ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے نماز پڑھی تو انہوں نے قنوت نہیں پڑھی، اور حضرت ابوبکرؓ کے پیچھے نماز پڑھی تو انہوں نے قنوت نہیں پڑھی، حضرت عمرؓ کے پیچھے نماز پڑھی تو انہوں نے قنوت نہیں پڑھی اور حضرت عثمانؓ کے پیچھے نماز پڑھی تو انہوں نے قنوت نہیں پڑھی اور حضرت علیؓ کے پیچھے نماز پڑھی تو انہوں نے قنوت نہیں پڑھی پھر کہا کہ اے میرے پیارے بیٹے یہ بدعت ہے۔

شوکانی نے نیل الاوطار میں کہا ہے کہ دارقطنی اور بیہقی میں اسی قسم کی حدیث ابن عباسؓ سے آئی ہے کہ انہوں نے کہا نماز فجر میں قنوت بدعت ہے۔ بیہقی نے اسے غیر صحیح کہا ہے۔ طبرانی میں ابن عمرؓ کا قول ہے کہ جب لوگ قاری کے سورت پڑھنے کے بعد قنوت کے لیے کھڑے رہے تو ابن عمرؓ نے اسے بدعت کہا، اور یہ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ کام نہیں کیا تھا۔ اور اس کی سند میں بشر بن حرب داری ضعیف راوی ہے۔ طبرانی اوسط میں، بیہقی میں اور حاکم کی کتاب القنوت میں ابن مسعودؓ کا قول ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز میں قنوت نہیں پڑھی، طبرانی میں یہ اضافہ ہے کہ: سوائے وتر کے اور جب جنگ ہوتی تھی تو حضورؐ سب نمازوں میں قنوت پڑھتے تھے اور مشرکوں پہ بددعا کرتے تھے اور ابوبکرؓ نے قنوت نہیں پڑھی اور نہ حضرت عمرؓ نے پڑھی حتی کہ یہ حضرات فوت ہو گئے۔ اور علیؓ نے اہل شام سے جنگ کی تو قنوت پڑھی اور ہر نماز میں پڑھتے تھے۔ بیہقی نے کہا کہ محمد بن جابر سحیمی نے اس طرح روایت کی ہے اور وہ متروک ہے۔ ابن ماجہ میں حضرت اُم سلمہؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز فجر میں قنوت پڑھنے سے منع فرمایا اسے دارقطنی نے بھی روایت کیا ہے مگر اس کی سند میں ضعف ہے۔ اور یہ حدیث قنوت کی عدم مشروعیت پہ دلالت کرتی ہے اور یہ اکثر اہل علم کا مذہب ہے جیسا کہ ترمذی نے بیان کیا ہے اور عراقی نے اسے ابوبکر و عمر و علی و ابن عباس رضی اللہ عنہم سے روایت کیا ہے حالانکہ ان سے صحیح طور پر قنوت کا پڑھنا ثابت ہے۔ اور جب اثبات ونفی میں تعارض ہو تو اثبات کو ترجیح ہوگی۔ اور ترمذی نے اسے چار تابعین سے اور ابوحنیفہؒ، ابن المبارکؒ، احمدؒ اور اسحاقؒ سے روایت کیا ہے۔

جو لوگ قنوت کی مشروعیت کی نفی کرتے ہیں ان میں اختلاف ہے کہ کیا وہ نوازل ومصائب میں بھی مشروع ہے یا نہیں؟ ایک جماعت کا مذہب یہ ہے کہ نماز فجر میں مشروع ہے اور حازمی نے اسے صحابہ وتابعین اور ان کے بعد کے علمائے امصار میں سے اکثر کا مذہب قرار دیا ہے۔ پھر اس نے صحابہ میں سے خلفائے اربعہ کو، مخضرمین میں سے ابورجاء عطاردی سوید بن غفلہؒ اور ابوعثمان نہدیؒ اور ابورافع صائغ کو شمار کیا ہے۔ تابعین میں ۱۲ کو شمار کیا ہے۔ فقہاء میں سے ابواسحاق فزاری، ابوبکر بن محمدؒ، حکم بن عتیبہؒ، حماد، مالک بن انسؒ اور اہل حجاز، اوزاعی اور اکثر اہل شام، شافعیؒ اور ان کے اصحاب کو گنا ہے اور کہا ہے کہ شافعیؒ سے دو روایتیں ہیں۔ پھر کہا کہ ان کے علاوہ بہت سی مخلوق کا یہی مذہب ہے۔

اور معلوم ہونا چاہیے کہ چار نمازوں میں قنوت کے ترک پر (بلاسبب) اتفاق واقع ہو چکا ہے یعنی ظہر، عصر، مغرب اور عشاء۔ اور اختلاف صرف صبح میں باقی رہا ہے اور دیگر فرض نمازوں میں کوئی اختلاف نہیں (کہ ان میں قنوت نہیں) اور غیر فرائض میں سے صرف وتر میں۔

جہاں تک نماز صبح میں قنوت کا سوال ہے تو اسے ثابت کرنے والوں نے کئی دلائل سے اس کے ثبوت پر استدلال کیا ہے۔ مثلاً براء رضؓ کی حدیث اور انس رضؓ کی حدیث جو آگے آ رہی ہیں۔ اس کا جواب یہ دیا گیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ وسلم کے قنوت پڑھنے میں کوئی جھگڑا نہیں ہے نزاع صرف اس کی مشروعیت کی ہمیشگی پر ہے۔ نووی رحؒ نے جمہور محققین سے نقل کیا ہے کہ کان کا لفظ استمرار و دوام پر دلالت نہیں کرتا۔ اور اگر استمرار کے وقوع کو مان لیا جائے تو بھی اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ آخر میں اسے چھوڑا گیا تھا یا نہیں۔ آئندہ دلائل صراحت سے اس کا ترک بتاتے ہیں۔ علاوہ ازیں ان دو حدیثوں میں تو صرف فجر اور مغرب کا ذکر ہے، اب سوال یہ ہے کہ باقی تین نمازوں میں تو ترک ثابت ہوا مگر مغرب میں نہیں۔ پھر حضرات شوافع صرف فجر میں قنوت کیوں پڑھتے ہیں مغرب میں کیوں نہیں پڑھتے؟

نیز ابو ہریرہ رضؓ کی متفق علیہ حدیث میں ہے کہ وہ ظہر، عشاء اور صبح کی نماز میں قنوت پڑھتے تھے، پس یہاں ایک اور نماز کا بلکہ دو کا اضافہ ہو گیا یعنی ظہر اور عشاء۔ ان حضرات نے یہ بھی کہا ہے کہ دار قطنی اور حاکم نے انس رضؓ سے حدیث روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک ماہ تک قنوت پڑھی، اور اس کے آخر میں ہے کہ دنیا سے تشریف لے جانے تک آپ صبح کی نماز میں قنوت پڑھتے رہے۔ اور یہ اگر صحیح حدیث ہو تو نزاع تو قطع کر دے گی لیکن اس کا راوی ابو جعفر رازی مختلف فیہ ہے۔ اور اس حدیث کا ایک شاہد موجود ہے مگر اس میں عمرو بن عبید راوی ہے جو حجت نہیں۔ حافظ ابن حجر نے کہا کہ اس کے برخلاف خطیب کی روایت جو قیس بن ربیع کے طریق سے ہے اس میں ہے کہ حضرت انس رضؓ سے سوال ہوا کہ کچھ لوگوں کا قول ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہمیشہ نماز فجر میں قنوت پڑھتے رہے تو انس رضؓ نے کہا: وہ جھوٹ کہتے ہیں، آپ نے صرف ایک ماہ قنوت پڑھی تھی جس میں ایک مشرک قبیلے کے خلاف بد دعا تھی قیس بن ربیع ضعیف تھے مگر اس پر کذب کی تہمت نہیں ہے۔ ابن خزیمہ کی صحیح میں ہے کہ حضورؐ صرف اس وقت قنوت پڑھتے تھے جب کسی قوم کے لیے یا اس کے خلاف دعا کرتی ہو۔ پس انس رضؓ کی احادیث بھی مختلف ہیں اور ان کے اضطراب کے باعث ان میں کوئی دلیل نہیں رہتی۔ جب یہ ثابت ہو گیا تو ان لوگوں کا مذہب ہی برحق معلوم ہوا جو کہتے ہیں کہ مفروضہ نمازوں میں قنوت صرف حوادث و نوازل و مصائب کے وقت ہوتی ہے اور اس میں کسی نماز کی خصوصیت نہیں اور شوافع نے فجر کی نماز میں قنوت ثابت کرنے کے لیے جو زور لگایا ہے وہ بے فائدہ اور بے دلیل ہے۔

اس حدیث ابی ہریرہ رضؓ میں ظہر، عشاء اور صبح میں قنوت کا ذکر ہے۔ حنفیہ نے کہا ہے کہ وتر کے علاوہ دوسری نمازوں میں قنوت صرف نوازل کے وقت ہے۔ امام جہری نمازوں بلکہ ایک قول میں ہر نماز میں بالجہر قنوت پڑھے۔ چنانچہ فقہ حنفی کی معتبر کتابوں میں یہی لکھا ہے۔ اور صحابہ سے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد قنوت کا ثبوت ملتا ہے اس کا یہی محمل ہے۔ طحاوی نے کہا ہے کہ نماز فجر میں مصیبت کے وقت ہم بھی قنوت نوازل پڑھنے کے قائل ہیں۔ اگر کوئی مصیبت یا بلاء آ پڑے تو دفع فتنہ و بلاء کی دعا پڑھنی چاہیے جیسے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا تھا۔ لیکن نوازل میں بھی تمام نمازوں کے اندر قنوت پڑھنا امام شافعی رحؒ کے سوا کسی کا قول نہیں۔ فجر میں حضور رضؓ سے قنوت نوازل کا تکرار ثابت ہوا ہے مگر اس کے علاوہ جن نمازوں میں حضورؐ کے قنوت نازلہ پڑھنے کا ذکر ہے

وہ بسبب عدم مواظبت وتکرار منسوخ ہوگیا ہے۔

۱۴۴۴۔ حَدَّثَنَا اَبُو الْوَلِيْدِ وَمُسْلِمُ بْنُ اِبْرَاهِيْمَ وَحَفْصُ بْنُ عُمَرَ وَحَدَّثَنَا ابْنُ مُعَاذٍ حَدَّثَنِيْ اَبِيْ قَالُوْا كُلُّهُمْ نَا شُعْبَةُ بْنُ عَمْرِو بْنِ مُرَّةَ عَنِ ابْنِ اَبِيْ لَيْلٰى عَنِ الْبَرَاءِ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَقْنُتُ فِيْ صَلٰوةِ الصُّبْحِ زَادَ ابْنُ مُعَاذٍ صَلٰوةِ الْمَغْرِبِ۔

براءؓ سے روایت ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نماز صبح میں قنوت پڑھتے تھے۔ ابوداؤد نے کہا کہ ابن معاذ نے یہ لفظ زائد کہا ہے کہ: اور نماز مغرب میں بھی (مسلم، ترمذی اور نسائی میں بھی یہ حدیث آئی ہے)

۱۴۴۵۔ حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّحْمٰنِ بْنُ اِبْرَاهِيْمَ نَا الْوَلِيْدُ نَا الْاَوْزَاعِيُّ حَدَّثَنِيْ يَحْيَى بْنُ اَبِيْ كَثِيْرٍ حَدَّثَنِيْ اَبُوْ سَلَمَةَ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ عَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَنَتَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيْ صَلٰوةِ الْعَتَمَةِ شَهْرًا يَقُوْلُ فِيْ قُنُوْتِهِ اَللّٰهُمَّ اَنْجِ الْوَلِيْدَ بْنَ الْوَلِيْدِ اَللّٰهُمَّ اَنْجِ سَلَمَةَ بْنَ هِشَامٍ اَللّٰهُمَّ اَنْجِ الْمُسْتَضْعَفِيْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ اَللّٰهُمَّ اشْدُدْ وَطْاَتَكَ عَلٰى مُضَرَ اَللّٰهُمَّ اجْعَلْهَا عَلَيْهِمْ سِنِيْنَ كَسِنِيْ يُوْسُفَ قَالَ اَبُوْ هُرَيْرَةَ وَاَصْبَحَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ذَاتَ يَوْمٍ فَلَمْ يَدْعُ لَهُمْ فَذَكَرْتُ ذٰلِكَ لَهٗ فَقَالَ وَمَا تَرَاهُمْ قَدْ قَدِمُوْا۔

ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عشاء کی نماز میں ایک ماہ تک قنوت پڑھی اپنی قنوت میں آپ فرماتے تھے: اَللّٰهُمَّ نَجِّ الْوَلِيْدَ بْنَ الْوَلِيْدِ الخ اے اللہ ولید بن ولید کو نجات دے، اے اللہ سلمہ بن ہشام کو نجات دے۔ اے اللہ کمزور ایمانداروں کو نجات دے، اے اللہ مضر پر اپنی لتاڑ سخت فرمادے اے اللہ انہیں یوسفؑ کے قحط کی مانند قحط میں مبتلا کر۔ ابوہریرہؓ نے کہا کہ ایک دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے لیے دعا نہ کی تو میں نے آپؐ سے اس کا ذکر کیا، آپؐ نے فرمایا تم دیکھتے نہیں ہو کہ وہ آ گئے ہیں؟ (یہ حدیث بخاری، مسلم اور نسائی میں موجود ہے)

شرح: الولید بن الولید بن المغیرہ مخزومی حضرت خالد بن الولید کا بھائی تھا۔ جنگ بدر میں حالت شرک میں شامل ہوا تھا۔ اسے عبداللہ بن جحش نے گرفتار کیا تھا، اس کے بھائی خالد اور ہشام اس کا فدیہ لے کر آئے اور چار ہزار درہم

دے کر اسے چھڑایا۔ رہائی کے بعد یہ اسلام لے آیا۔ پوچھا گیا کہ پہلے کیوں اسلام کا اظہار نہ کیا؟ تو بولا کہ میں نے یہ ناپسند کیا کہ تم یہ کہو کہ قید میں ہونے کے باعث مسلمان ہوا ہے۔ پس کفار نے اسے مکہ میں قید کر دیا اور حضورؐ دیگر کمزور ایمانداروں کے ساتھ اس کے لیے بھی دعا فرماتے رہتے۔ پھر وہ مشرکوں کی قید سے نکل بھاگا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے آملا یہ عمرۃ القضاء میں شامل تھا، وہ بولا کہ یا رسول اللہ میں تھک گیا ہوں اور مرنے والا ہوں۔ جب میں مر جاؤں تو مجھے اپنے جسم مبارک کے ساتھ لگنے والے کپڑے میں کفن دلوائیے پس حضورؐ نے اسے اپنی قمیص مبارک میں کفنایا تھا۔ مسلمہ بن ہشام مخزومی ابوجہل کا بھائی اور خالدؓ بن الولید کا چچا زاد تھا یہ خیار صحابہ اور فضلاء میں سے تھا۔ اس نے حبشہ کو ہجرت کی تھی۔ مکہ آنے پر کفار نے اسے روکا اور مبتلائے عذاب کیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی خاطر دعا فرمائی، اسی باعث یہ جنگ بدر میں شامل نہ ہو سکا تھا اور جنگ موتہ میں حاضر تھا۔ پھر حضورؐ کی وفات تک مدینہ میں رہا اور اس کے بعد شام کو چلا گیا۔ خلافت صدیقیؓ میں لشکر اسلام میں شامل تھا مرج الصفر یا اجنادین کے مقام پر ۱۴ھ میں شہید ہوا۔

بعض روایات میں (بخاری کتاب الادب) عیاش بن ابی ربیعہ کا نام بھی دعا والوں میں آتا ہے۔ یہ ابوجہل کا ماں شریک بھائی تھا یہ قدیم الاسلام تھا اور حبشہ کا مہاجر تھا۔ مکہ واپس آکر حضرت عمر بن الخطابؓ کے ساتھ مدینہ کو ہجرت کی۔ اس کے بھائی ابوجہل اور حارث بن ہشام مدینہ آئے اور کہا کہ تیری ماں نے قسم کھائی ہے کہ تجھے دیکھے بغیر نہ سر میں تیل ڈالے گی نہ سائے میں ہو گی۔ عیاشؓ ان کے ساتھ گیا تو انہوں نے اسے باندھ کر مکہ میں قید کر ڈالا تھا۔ عیاشؓ جنگ یرموک میں شہید ہوا تھا۔

مضر ایک بڑے قبیلے کا نام ہے جس میں قریش، ہذیل، اسعد، تمیم، ضبہ، مزینہ اور خباب وغیرہ شامل تھے

۱۴۴۶۔ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ مُعَاوِيَةَ الْجُمَحِيُّ نَا ثَابِتُ بْنُ يَزِيدَ عَنْ هِلَالِ ابْنِ خَبَّابٍ عَنْ عِكْرِمَةَ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَنَتَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ شَهْرًا مُتَتَابِعًا فِي الظُّهْرِ وَالْعَصْرِ وَالْمَغْرِبِ وَالْعِشَاءِ وَصَلٰوةِ الصُّبْحِ فِي دُبُرِ كُلِّ صَلٰوةٍ إِذَا قَالَ سَمِعَ اللّٰهُ لِمَنْ حَمِدَهُ مِنَ الرَّكْعَةِ الْاٰخِرَةِ يَدْعُوا عَلٰى اَحْيَاءٍ مِنْ بَنِي سُلَيْمٍ عَلٰى رِعْلٍ وَذَكْوَانَ وَعُصَيَّةَ وَيُؤَمِّنُ مَنْ خَلْفَهُ۔

ابن عباسؓ نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے متواتر ایک ماہ تک ظہر، عصر، مغرب، عشاء اور نماز صبح میں ہر نماز کے اواخر میں دعائے قنوت پڑھی۔ جب آخری رکعت میں سَمِعَ اللّٰهُ لِمَنْ حَمِدَهُ کہتے تو بنی سلیم کے کچھ قبائل رعل اور ذکوان اور عصیہ پر بد دعا کرتے تھے اور مقتدی آمین کہتے تھے (امام احمد نے اسے مسند میں روایت کیا ہے)

۱۴۴۷۔ حَدَّثَنَا سُلَيْمَانُ بْنُ حَرْبٍ وَمُسَدَّدٌ قَالَا نَا حَمَّادٌ عَنْ اَيُّوبَ عَنْ

مُحَمَّدٍ عَنْ اَنَسِ بْنِ مَالِكٍ اَنَّهُ سُئِلَ هَلْ قَنَتَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي صَلٰوةِ الصُّبْحِ فَقَالَ نَعَمْ فَقِيلَ لَهُ قَبْلَ الرُّكُوعِ اَوْ بَعْدَ الرُّكُوعِ قَالَ بَعْدَ الرُّكُوعِ قَالَ مُسَدَّدٌ بِيَسِيرٍ۔

انس بن مالکؓ سے پوچھا گیا کہ کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صبح کی نماز میں قنوت پڑھی تھی؟ انسؓ نے کہا ہاں! پھر کہا گیا کہ رکوع سے پہلے یا رکوع کے بعد؟ انسؓ نے کہا کہ رکوع کے بعد۔ مسدد نے کہا: تھوڑی سی دیر رکوع کے بعد۔ (یہ حدیث بخاری، مسلم نسائی اور ابن ماجہ میں بھی موجود ہے یہ بھی قنوت نازلہ تھی)

۱۴۴۸۔ حَدَّثَنَا اَبُو الْوَلِيدِ الطَّيَالِسِيُّ نَا حَمَّادُ بْنُ سَلَمَةَ عَنْ اَنَسِ بْنِ سِيرِينَ عَنْ اَنَسِ بْنِ مَالِكٍ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَنَتَ شَهْرًا ثُمَّ تَرَكَهُ۔

انس بن مالکؓ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک ماہ قنوت پڑھی پھر چھوڑ دی (یہ حدیث مسلم میں بھی ہے اور یہ واقعہ بھی ایک مصیبت کے زمانے کا ہے)

۱۴۴۹۔ حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ نَا بِشْرُ بْنُ الْمُفَضَّلِ نَا يُونُسُ بْنُ عُبَيْدٍ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ سِيرِينَ حَدَّثَنِي مَنْ صَلَّى مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَلٰوةَ الْغَدَاةِ فَلَمَّا رَفَعَ رَأْسَهُ مِنَ الرَّكْعَةِ الثَّانِيَةِ قَامَ هُنَيَّةً۔

محمد بن سیرین کا بیان ہے کہ مجھے اس شخص نے حدیث سنائی جس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ صبح کی نماز پڑھی تھی پس جب آپ نے دوسری رکعت میں رکوع سے سر اٹھایا تو کچھ دیر ٹھہر گئے (یہ حدیث نسائی میں ہے)

شرح: ابن سیرین نے جس صحابی سے روایت کی ہے وہ انسؓ ہے (التقریب) اس حدیث میں اختصار ہوگیا ہے اوپر کی حدیث کے ساتھ ملائیں تو پتہ چل جاتا ہے کہ اس حدیث میں قنوت نازلہ کا موقع و محل بتایا جارہا ہے حضرت شیخ الاسلام عثمانی رحمۃ اللہ نے فرمایا ہے کہ قنوت کا لفظ جس طرح دعائے قنوت پر بولا جاتا ہے اسی طرح حدیث صحیح میں اس کا اطلاق قیام پر ہوا ہے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا ہے: اَفْضَلُ الصَّلٰوةِ طُولُ الْقُنُوتِ یعنی طول قیام۔ اور اس میں بھی شک نہیں قیام کے لحاظ سے نماز فجر سب نمازوں سے طویل تر ہے۔ (قرآن مجید کی آیت وَقُرْآنَ الْفَجْرِ ط اِنَّ قُرْآنَ الْفَجْرِ كَانَ مَشْهُودًا۔ بھی اس طرف اشارہ کرتی ہے۔ قرأت تو سب نمازوں میں ہے مگر نماز فجر کی قرأت کی خصوصیت اسی سبب سے ہے کہ طول قیام کے باعث اس میں طول قرأت پایا جاتا ہے۔ اور احادیث میں اس کا ثبوت موجود ہے) پس ثابت ہوا کہ قنوت (قیام) کا تعلق خصوصی طور پر

الْمَغْرِبِ وَالْعِشَاءِ زَادَ فِي حَدِيثِ يَحْيَى وَكَذَلِكَ تَتَجَافَى جُنُوبُهُمْ۔

قتادہ رضی اللہ عنہ نے انس رضی اللہ عنہ سے اس آیت کی تفسیر نقل کی ہے: كَانُوا قَلِيلًا مِنَ اللَّيْلِ مَا يَهْجَعُونَ ۝ انس رضی اللہ عنہ نے کہا کہ وہ لوگ مغرب اور عشاء کے درمیان نماز پڑھتے تھے۔ یحییٰ کی روایت میں یہ جملہ زائد ہے کہ: اور اسی طرح تَتَجَافَى جُنُوبُهُمْ کا مطلب بھی ہے۔ (یہ سورۂ ذاریات آیت ۱۷ کی تفسیر ہے۔ ترجمہ اس کا یہ ہے۔ "وہ رات کو کم ہی سوتے تھے" انس رضی اللہ عنہ کی تفسیر کے مطابق آیت کا مطلب یہ بنتا ہے کہ وہ رات کے بعض حصے میں (یعنی مغرب و عشاء کے درمیان) کم سوتے تھے۔ گرم ملک کے باشندے تھے، پہلے سے اتنا جاگنے کی عادت نہ تھی، محنت مزدوری کرتے تھے اور نیند جلدی آجاتی تھی، مگر عشاء کی خاطر جاگتے اور اس وقت تک عبادت کرتے تھے۔)

بَابُ افْتِتَاحِ صَلٰوةِ اللَّيْلِ بِرَكْعَتَيْنِ۔

دو رکعتوں کے ساتھ صلوٰۃ اللیل شروع کرنے کا باب

۱۳۲۵۔ حَدَّثَنَا الرَّبِيعُ بْنُ نَافِعٍ أَبُو تَوْبَةَ نَا سُلَيْمَانُ بْنُ حَيَّانَ عَنْ هِشَامِ بْنِ حَسَّانَ عَنِ ابْنِ سِيرِينَ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا قَامَ أَحَدُكُمْ مِنَ اللَّيْلِ فَلْيُصَلِّ رَكْعَتَيْنِ خَفِيفَتَيْنِ۔

ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب تم میں سے کوئی رات کو اٹھے تو دو ہلکی رکعتیں پڑھے۔ (یہ حدیث صحیح مسلم میں بھی ہے۔)

شرح: اس حدیث کے ظاہری الفاظ سے باب کے عنوان کا مضمون ثابت نہیں ہوتا مگر صحیح مسلم میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی صحیح حدیث میں ان دو ہلکی رکعتوں کے ساتھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے افتتاح صلاۃ اللیل کا ذکر فرمایا ہے، جس سے معلوم ہوا کہ اس حدیث میں بھی دو خفیف رکعتوں کے ساتھ صلاۃ اللیل کا شروع کرنا مراد ہے۔ علامہ علی القاری رحمہ اللہ نے الازہار کے حوالے سے لکھا ہے کہ یہ دو رکعتیں تحیۃ الوضوء کی ہیں مگر زیادہ ظاہر بات یہ ہے کہ یہ رکعتیں تہجد کا حصہ ہیں ہلکی اس لیے فرمایا کہ یک لخت طویل قرأت اور طویل نماز کو طبیعت بوجھ نہ سمجھے اور کہا جا سکتا ہے کہ یہ دو رکعتیں تحیۃ الوضوء کی نماز کا بدل بھی ہیں۔

۱۳۲۶۔ حَدَّثَنَا مَخْلَدُ بْنُ خَالِدٍ نَا إِبْرَاهِيمُ يَعْنِي ابْنَ خَالِدٍ عَنْ رَبَاحٍ عَنْ مَعْمَرٍ عَنْ أَيُّوبَ عَنِ ابْنِ سِيرِينَ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ إِذَا بِمَعْنَاهُ زَادَ ثُمَّ لْيُطَوِّلْ بَعْدُ مَا شَاءَ قَالَ أَبُو دَاوُدَ رَوَى هَذَا الْحَدِيثَ حَمَّادُ بْنُ سَلَمَةَ وَزُهَيْرُ بْنُ مُعَاوِيَةَ

زید بن ثابتؓ نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مسجد میں ایک حجرہ بنا لیا، پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رات کو باہر تشریف لا کر اس میں نماز پڑھتے تھے، پس کچھ لوگوں نے آپ کے ساتھ نماز پڑھی اور وہ ہر رات کو آیا کرتے تھے حتیٰ کہ ایک رات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کی طرف نہ نکلے، پس وہ کھانسے اور اپنی آوازیں بلند کیں اور آپ کے دروازے پر کنکریاں پھینکیں زیدؓ نے کہا کہ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ناراضگی کے عالم میں ان کی طرف نکلے اور فرمایا: اے لوگو! تم برابر یہ کام کرتے رہے حتیٰ کہ میں نے خیال کیا کہ یہ نماز تم پر فرض ہو جائے گی، پس تم اپنے گھروں میں نماز پڑھو کیونکہ فرض نماز کے علاوہ آدمی کی بہترین نماز وہ ہے جو اس کے گھر میں ہو۔ (بخاری، مسلم، ترمذی اور نسائی نے بھی اسے روایت کیا)

شرح: مولاناؒ نے فرمایا کہ یہ واقعہ حضورؐ کے اعتکاف کا ہے کہ آپ نے تدبر و تفکر اور ذکر و دعاء کے لیے لوگوں سے الگ تھلگ ایک چٹائی کا عارضی حجرہ بنا لیا تھا۔ اس سے معتکف کے لیے اس فعل کا جواز نکلا بشرطیکہ نمازیوں کے لیے جگہ نہ رکے اور لوگوں کو تکلیف نہ ہو ورنہ ایسا کرنا جائز نہ ہوگا۔ لیکن اس حدیث کے الفاظ۔ یخرج اور یصلی فیہا میں یہ اشکال ہے کہ خروج تو اس حجرے سے باہر نکل کر نماز پڑھنے پر دلالت کرتا ہے اور: فیصلی فیہا کے الفاظ اُس کے اندر نماز پڑھنا ثابت کرتے ہیں۔ مولاناؒ نے فرمایا کہ میرے خیال میں یہاں پر عبارت میں کچھ تقدیم و تاخیر ہو گئی ہے۔ اصل عبارت یوں ہے کہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس حجرے میں نماز پڑھتے تھے۔ پس رات کو اس سے باہر نکلے۔ اس پر صحیحین کی حدیث کے الفاظ واضح طور پر دلالت کرتے ہیں کہ آپ نے مسجد میں چٹائی کا حجرہ بنایا اور کچھ راتیں اس کے اندر نماز پڑھی حتیٰ کہ کچھ لوگ جمع ہو گئے الخ یعنی پھر اس سے باہر نکل کر باجماعت نماز پڑھی۔ اور یہ نماز تراویح کا قصہ ہے۔ اور ابوداؤد کی روایت (حضرت عائشہؓ سے) میں جو ذکر ہے کہ آپ نے حجرے کے اندر اور لوگوں نے اس کے باہر نماز پڑھی وہ ایک دوسرے واقعہ کا ذکر ہے۔ اس حدیث سے یہ بھی ثابت ہوا کہ نماز تراویح با جماعت بھی اور انفرادًا بھی سنت ہے مگر اس زمانے میں لوگوں کی سستی و غفلت کے باعث جماعت افضل ہے۔ اور یہ جو فرمایا کہ اپنے گھروں میں نماز پڑھو، یہ امر استحباب کے لیے ہے۔ یہ حکم تمام نوافل کا ہے سوائے ان کے جو اسلام کا اجتماعی شعار ہیں مثلاً عیدین، استسقاء اور کسوف کی نماز۔ لیکن حج و زیارت کے موقع پر بیرونی لوگوں کے لیے کعبۃ اللہ اور روضۂ مطہرہ میں ہی نماز افضل ہے تاکہ انہیں یہ موقع جو عمر بھر میں ایک ہی بار ملا ہے وہ اس کو غنیمت جانیں اور اس سے برکت و فضیلت حاصل کریں۔ اسی طرح غرباء (بیرونی لوگ) کے لیے نفل کی نسبت طواف کعبہ افضل ہے۔ واللہ اعلم

۱۴۵۱۔ حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ نَا يَحْيٰى عَنْ عُبَيْدِ اللّٰهِ اَنَا نَافِعٌ عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِجْعَلُوْا فِيْ بُيُوْتِكُمْ مِنْ صَلٰوتِكُمْ وَلَا تَتَّخِذُوْهَا قُبُوْرًا

ابن عمرؓ نے کہا کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اپنی کچھ نماز گھروں میں پڑھا کرو اور انہیں قبریں مت بناؤ۔ (بخاری، مسلم، ترمذی، نسائی اور ابن ماجہ نے بھی اسے روایت کیا۔ خالی اور

اجاڑ جگہوں کو قبرستان سے تشبیہ دی جاتی ہے، جو گھر عبادت سے خالی ہو اور ذکر اللہ سے منور نہ ہو وہ ظلمت کدہ اور اجاڑ ہے. گھروں کا حق ہے کہ ان میں روشنی کی جائے تاکہ زندگی کا احساس ہو، نماز کی روشنی کے بغیر روحانی طور پر گھر غیر منور رہتا ہے. ذاکر کو زندہ سے اور غافل کو میت سے تشبیہ دینا برابر محل اور بلیغ ہے. لَا تَجْعَلُوْهَا قُبُوْرًا کا یہ مطلب بھی ہو سکتا ہے کہ مردوں کو گھروں میں نہ دفناؤ تاکہ تمہاری معاشی زندگی اور رہنے کی جگہ بے رونق نہ ہو جائے۔

باب ۱۲

۱۴۵۲۔ حَدَّثَنَا اَحْمَدُ بْنُ حَنْبَلٍ نَا حَجَّاجٌ قَالَ قَالَ ابْنُ جُرَيْجٍ حَدَّثَنِيْ عُثْمَانُ بْنُ اَبِيْ سُلَيْمَانَ عَنْ عَلِيٍّ الْاَزْدِيِّ عَنْ عُبَيْدِ بْنِ عُمَيْرٍ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ حُبْشِيٍّ الْخَثْعَمِيِّ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سُئِلَ اَيُّ الْاَعْمَالِ اَفْضَلُ قَالَ طُوْلُ الْقِيَامِ قِيْلَ فَاَيُّ الصَّدَقَةِ اَفْضَلُ قَالَ جُهْدُ الْمُقِلِّ قِيْلَ فَاَيُّ الْهِجْرَةِ اَفْضَلُ قَالَ مَنْ هَجَرَ مَا حَرَّمَ اللّٰهُ عَلَيْهِ قِيْلَ فَاَيُّ الْجِهَادِ اَفْضَلُ قَالَ مَنْ جَاهَدَ الْمُشْرِكِيْنَ بِمَالِهٖ وَنَفْسِهٖ قِيْلَ فَاَيُّ الْقَتْلِ اَشْرَفُ قَالَ مَنْ اُهْرِيْقَ دَمُهٗ وَعُقِرَ جَوَادُهٗ۔

عبداللہ بن حُبشی خثعمی سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا گیا: کونسا عمل سب سے بہتر ہے؟ آپ نے فرمایا طولِ قیام (یعنی نماز میں) کہا گیا: کون سا صدقہ افضل ہے؟ فرمایا مفلس کی کمائی۔ پوچھا گیا: کون سی ہجرت افضل ہے؟ فرمایا جو خدا کی حرام کردہ چیزوں کو چھوڑ دے۔ کہا گیا: کون سا جہاد افضل ہے؟ فرمایا جو اپنے مال و جان سے مشرکوں سے جہاد کرے اس کا جہاد۔ پوچھا گیا کہ کون سا قتل سب سے زیادہ باشرف ہے؟ فرمایا جس کا خون بہایا گیا اور گھوڑا قتل کیا گیا۔

شرح: یہ حدیث اسی سند کے ساتھ صلاۃ اللیل میں نمبر ۱۳۲۵ پر مختصراً گزر چکی ہے۔ یہاں پر صدقہ، ہجرت اور قتل فی سبیل اللہ کے متعلق سوال و جواب زائد ہیں۔ یہاں پر تو جہد المقل کو افضل صدقہ فرمایا ہے مگر ایک اور حدیث میں ہے کہ افضل صدقہ وہ ہے کہ جسے دے کر پھر بھی غنیٰ باقی رہے۔ ان دونوں حدیثوں میں بظاہر تعارض ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ فضیلت اشخاص، قوۃ توکل اور ضعف یقین اور احوال و امکنہ کے لحاظ سے مختلف ہو جاتی ہے۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ المقل سے مراد غنی القلب مفلس ہے، پس صدقہ دے کہ بھی اس کے پاس غنیٰ باقی رہے گی۔ ابن الملک نے کہا ہے کہ جہد المقل میں تو وہ صابر مفلس مراد ہے جو حسب استطاعت کچھ دیتا ہے اور عن ظہر غنیٰ میں وہ غنی مراد ہے جو بھوک اور شدت پر صبر کرنے کی استطاعت نہ رکھے۔ اس طرح دونوں احادیث میں تعارض نہیں رہتا کہ اُس کے لیے وہ افضل ہے اور اس کے لیے یہ افضل ہے۔ پس صبر کرنے والے کے لیے

افضل یہ ہے کہ وہ عطا کرے اور بے صبر کے لیے یہ افضل ہے بہت کچھ رکھ کر کچھ دے ڈالے۔ الحاصل غنی القلب مفلس کا صدقہ گو کم ہو وہ غنی کے بہت سامال دے ڈالنے سے بھی افضل ہے۔ پس یہ حدیث اس بات کی دلیل ہے کہ فقیر صابر کو غنی شاکر پر فضیلت حاصل ہے۔ کیونکہ پہلے کی قلیل عبادت بھی دوسرے کی کثیر سے افضل ہے۔ نسائی میں ابوذرؓ سے ایک مرفوع حدیث وارد ہے کہ ایک درہم ایک لاکھ سے آگے گزر گیا۔ وہ یوں کہ ایک شخص کے پاس صرف دو درہم تھے اُس نے ان میں ایک صدقہ کر ڈالا۔ دوسرے کا کثیر مال تھا اُس نے اس میں سے ایک لاکھ لیا اور صدقہ کر دیا۔ سو پہلا دوسرے سے افضل ہوا۔ مجاہد کا گھوڑا قتل ہو جانے سے اس کی شجاعت کی طرف اشارہ ہے کہ جب تک اس کے پاس سواری تھی، دشمن اسے زیر نہ کر سکے اور جب سواری نہ رہی تو اس نے دشمن کے قابو میں آنے سے موت کو افضل جانا۔ اس حدیث کے باب پر کوئی عنوان نہیں، گویا یہ گزشتہ ابواب کا تتمہ ہے کہ اس میں طولِ قیام کی فضیلت ہے۔

بَابُ ۱۳ الْحَثِّ عَلٰی قِیَامِ اللَّیْلِ

قیام اللیل پر ترغیب کا باب

۱۴۵۳۔ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ نَا یَحْیٰی نَا ابْنُ عَجْلَانَ نَا الْقَعْقَاعُ بْنُ حَکِیْمٍ عَنْ اَبِیْ صَالِحٍ عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ رَحِمَ اللّٰهُ رَجُلًا قَامَ مِنَ اللَّیْلِ فَصَلّٰی وَاَیْقَظَ اِمْرَاَتَهٗ فَصَلَّتْ فَاِنْ اَبَتْ نَضَحَ فِیْ وَجْهِهَا الْمَاءَ رَحِمَ اللّٰهُ اِمْرَاَۃً قَامَتْ مِنَ اللَّیْلِ فَصَلَّتْ وَاَیْقَظَتْ زَوْجَهَا فَاِنْ اَبٰی نَضَحَتْ فِیْ وَجْهِهِ الْمَاءَ۔

ابوہریرہؓ نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ اُس مرد پر رحم کرے جو رات کو اٹھا اور نماز پڑھی اور اپنی بیوی کو بھی جگایا تو اس نے بھی نماز پڑھی، لیکن اگر اس نے اٹھنے سے انکار کیا تو اس کے چہرے پر پانی کا چھینٹا دیا۔ اللہ اس عورت پر رحم کرے جو رات کو اٹھی اور نماز پڑھی اور اپنے خاوند کو جگایا لیکن اگر اس نے انکار کیا تو اس کے چہرے پر پانی چھڑکا (یہ حدیث نسائی اور ابن ماجہ میں بھی ہے اور سنن ابی داؤد میں نمبر ۱۳۰۸ پر گزر چکی ہے) نماز سے مراد اس حدیث میں صلاۃ اللیل ہے۔

۱۴۵۴۔ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ حَاتِمِ بْنِ بَزِیْعٍ نَا عُبَیْدُ اللّٰهِ بْنُ مُوْسٰی عَنْ شَیْبَانَ عَنِ الْاَعْمَشِ عَنْ عَلِیِّ بْنِ الْاَقْمَرِ عَنِ الْاَغَرِّ اَبِیْ مُسْلِمٍ عَنْ اَبِیْ سَعِیْدٍ وَاَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَا قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ مَنِ اسْتَیْقَظَ مِنَ اللَّیْلِ وَاَیْقَظَ

امْرَأَتَهُ فَصَلَّيَا رَكْعَتَيْنِ جَمِيعًا كُتِبَا مِنَ الذَّاكِرِينَ اللّٰهَ كَثِيرًا وَالذَّاكِرَاتِ۔

ابوسعیدؓ اور ابوہریرہؓ نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو شخص رات کو اٹھا اور اپنی بیوی کو جگایا پھر ان دونوں نے دو دو رکعتیں پڑھیں تو انہیں اللہ کو بہت یاد کرنے والے مردوں اور عورتوں میں لکھا گیا (اوپر نمبر ۱۳۰۹ میں یہ حدیث گزر چکی ہے اور نسائیؒ اور ابن ماجہ میں بھی ہے۔ اَلذّٰكِرِيْنَ اللّٰهَ وَالذّٰكِرَاتِ قرآن کی ایک آیت کا حصہ ہے۔ چونکہ انہوں نے لوگوں کی غفلت اور آرام کے وقت میں اٹھ کر اللہ کا ذکر کیا اس لیے انہیں یہ درجہ دیا گیا۔

بَابٌ فِي ثَوَابِ قِرَاءَةِ الْقُرْآنِ

قرأتِ قرآن کے ثواب کا باب

۱۴۵۵۔ حَدَّثَنَا حَفْصُ بْنُ عُمَرَ نَا شُعْبَةُ عَنْ عَلْقَمَةَ بْنِ مَرْثَدٍ عَنْ سَعْدِ بْنِ عُبَيْدَةَ عَنْ أَبِي عَبْدِ الرَّحْمٰنِ عَنْ عُثْمَانَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ خَيْرُكُمْ مَنْ تَعَلَّمَ الْقُرْآنَ وَعَلَّمَهُ۔

عثمان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم میں بہتر وہ ہے جو قرآن کو سیکھے اور سکھائے (بخاری، ترمذی، ابن ماجہ اور نسائی میں بھی یہ حدیث موجود ہے)

شرح: تعلیمِ قرآن کا حق صرف اس کے الفاظ پڑھا کر یا رٹا کر ادا نہیں ہو جاتا، بلکہ اس کے مطالب و معانی، حلال و حرام، اوامر و نواہی وغیرہا کی تعلیم دینا مراد ہے۔ یہ کام وہی کر سکتا ہے جو علوم شرعیہ کے اصول و فروع پر محیط ہو اس کے علاوہ وہ قرآنی عوارف و معارف سے آگاہ ہو۔ ایسا شخص خود کامل ہے اور دوسروں کو کامل بنا سکتا ہے اور وہ مطلقاً سب ایمانداروں سے افضل ہے۔ اللہ کے ہاں عظیم ہے اور اس جنس کا فردِ مطلق خود نبی ہوتا ہے صلی اللہ علیہ وسلم پھر جو اس سے زیادہ مشابہ ہو پھر جو اس سے زیادہ مشابہ ہو وعلی ہذا القیاس۔ اور ادنیٰ فرد وہ ہے جو کتاب اللہ کا فقیہ ہو۔ با جماعِ علماء خدا کا نافرمان جاہل ہے۔ بس عمل علم سے خارج نہیں ہے۔ اس حدیث کا خطاب اولاً صحابہ سے اور پھر ساری امت کے ساتھ ہے۔

۱۴۵۶۔ حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ عَمْرِو بْنِ السَّرْحِ نَا ابْنُ وَهْبٍ أَخْبَرَنِي يَحْيَى بْنُ أَيُّوبَ عَنْ زَبَّانَ بْنِ فَائِدٍ عَنْ سَهْلِ بْنِ مُعَاذٍ الْجُهَنِيِّ عَنْ أَبِيهِ أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ قَرَأَ الْقُرْآنَ وَعَمِلَ بِمَا فِيهِ أُلْبِسَ وَالِدَاهُ تَاجًا يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ضَوْءُهُ أَحْسَنُ مِنْ ضَوْءِ الشَّمْسِ فِي بُيُوتِ الدُّنْيَا لَوْ كَانَتْ بِكُمْ فَمَا

ظَنُّكُمْ بِالَّذِي عَمِلَ بِهٰذَا۔

معاذ بن انسؓ جہنی سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ وسلم نے فرمایا: جس نے قرآن پڑھا اور اس کے مندرجات پر عمل کیا، قیامت کے دن اس کے ماں باپ کو ایک تاج پہنایا جائے گا جس کی روشنی دنیا کے گھروں میں سورج کی روشنی سے بہتر ہوگی اگر بالفرض سورج تمہارے اندر ہوگا۔ پھر اس شخص کے بارے میں تمہارا کیا خیال ہے جس نے اس پر خود عمل کیا؟ (بقول منذری اس روایت کے دو راوی زبان بن فائد اور سہل بن معاذ ضعیف ہیں قرأالقرآن کا معنیٰ حافظ ابن حجر نے "زبانی یاد کیا" لکھا ہے۔

۱۴۵۷۔ حَدَّثَنَا مُسْلِمُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ نَا هِشَامٌ وَهَمَّامٌ عَنْ قَتَادَةَ عَنْ زُرَارَةَ بْنِ أَوْفَى عَنْ سَعْدِ بْنِ هِشَامٍ عَنْ عَائِشَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ الَّذِي يَقْرَأُ الْقُرْآنَ وَهُوَ مَاهِرٌ بِهِ مَعَ السَّفَرَةِ الْكِرَامِ الْبَرَرَةِ وَالَّذِي يَقْرَأُهُ وَهُوَ يَشْتَدُّ عَلَيْهِ فَلَهُ أَجْرَانِ۔

حضرت عائشہ سلام اللہ علیہا نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کی کہ آپؐ نے فرمایا: جو شخص قرآن پڑھے اور وہ اس کا ماہر ہو وہ ان سفیروں (فرشتوں) کے ساتھ ہوگا جو باعزت نیکوکار ہیں اور جو اسے پڑھے اور وہ اس پر شاق گزرے تو اس کے لیے دو اجر ہوں گے (بخاری، مسلم، ترمذی، نسائی، اور ابن ماجہ نے بھی اس کی روایت کی)

شرح: قرآن کے ماہر سے مراد اس کے الفاظ کو صحیح ادا کرنے والا، اسے زبانی یاد کرنے والا اور اس کے معانی کو سمجھنے والا ہے۔ قرآن کے لانے والے فرشتوں کے لیے قرآن میں: بِأَيْدِي سَفَرَةٍ كِرَامٍ بَرَرَةٍ فرمایا گیا ہے۔ اس سے مراد قرآن کو سب سے پہلے لکھنے والے صحابہؓ بھی ہیں۔ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ سَفَرَةِ كِرَامٍ بَرَرَةٍ سے مراد کراماً کاتبین ہوں، یعنی اعمال نویس فرشتے یا وہ فرشتے جو بندوں کے معاملات کی اصلاح کے لیے بھیجے جاتے ہیں۔ جس کی زبان پر قرآن نہ چڑھے یا وہ توتلا ہو اور قرآت نہ کر سکے مگر اس کے باوجود وہ اسے پڑھنے میں لگا رہے اس کے دو اجر ہیں ایک قرائت کا اور ایک مشقت برداشت کرنے کا اجر۔ لیکن اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ اس کے دو اجر پہلوں کے اجر سے بڑھ جائیں گے کیونکہ پہلے تو ملائکہ اور انبیاء، اور صحابہ کی جماعت کے ساتھ جا ملتے ہیں۔

۱۴۵۸۔ حَدَّثَنَا عُثْمَانُ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ نَا أَبُو مُعَاوِيَةَ عَنِ الْأَعْمَشِ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَا اجْتَمَعَ قَوْمٌ فِي بَيْتٍ مِنْ بُيُوتِ اللّٰهِ يَتْلُونَ كِتَابَ اللّٰهِ وَيَتَدَارَسُونَهُ بَيْنَهُمْ إِلَّا نَزَلَتْ عَلَيْهِمُ السَّكِينَةُ وَغَشِيَتْهُمُ الرَّحْمَةُ وَحَفَّتْهُمُ الْمَلَائِكَةُ وَذَكَرَهُمُ اللّٰهُ فِيمَنْ عِنْدَهُ۔

ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو قوم اللہ کے گھروں میں سے کسی گھر میں جمع ہوتی ہے اللہ کی کتاب پڑھتی اور اسے باہم سیکھتی سکھاتی ہے تو اس پر سکونِ قلب اور رحمت اترتی ہے اور رحمت انہیں ڈھانپ لیتی ہے اور ملائکہ ان پر چھا جاتے ہیں اور اللہ ان کا ذکر مقرب فرشتوں میں کرتا ہے (مسلم اور ترمذی نے بھی اس کی روایت کی - اس حدیث کی رو سے خدا کی کتاب سے شغف رکھنے والوں کو اللہ یاد کرتا ہے: فَاذْكُرُونِي أَذْكُرْكُمْ)

۱۴۵۹ حَدَّثَنَا سُلَيْمَانُ بْنُ دَاوُدَ الْمَهْرِيُّ أَنَا ابْنُ وَهْبٍ نَا مُوسَى بْنُ عُلَيِّ بْنِ رَبَاحٍ عَنْ أَبِيهِ عَنْ عُقْبَةَ بْنِ عَامِرٍ الْجُهَنِيِّ قَالَ خَرَجَ عَلَيْنَا رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَنَحْنُ فِي الصُّفَّةِ فَقَالَ أَيُّكُمْ يُحِبُّ أَنْ يَغْدُوَ إِلَى بُطْحَانَ أَوِ الْعَقِيقِ فَيَأْخُذَ نَاقَتَيْنِ كَوْمَاوَيْنِ زَهْرَاوَيْنِ بِغَيْرِ إِثْمٍ بِاللَّهِ وَلَا قَطْعِ رَحِمٍ قَالُوا كُلُّنَا يَا رَسُولَ اللَّهِ قَالَ فَلَأَنْ يَغْدُوَ أَحَدُكُمْ كُلَّ يَوْمٍ إِلَى الْمَسْجِدِ فَيَتَعَلَّمَ آيَتَيْنِ مِنْ كِتَابِ اللَّهِ خَيْرٌ لَهُ مِنْ نَاقَتَيْنِ وَإِنْ ثَلَاثٌ فَثَلَاثٌ مِثْلُ أَعْدَادِهِنَّ مِنَ الْإِبِلِ -

عقبہ بن عامر جہنی نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ ہمارے پاس تشریف لائے جبکہ ہم صُفہ میں تھے، پس فرمایا: تم میں سے کون پسند کرتا ہے کہ بُطحان یا عقیق کی طرف جائے اور دو بڑی کوہانوں والی موٹی تازی اونٹنیاں خدا کے گناہ کے بغیر اور قطع رحمی کے بغیر لے - ہم نے کہا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہم میں سے ہر آدمی یہ پسند کرتا ہے - فرمایا پس اگر تم میں سے کوئی آدمی مسجد میں ہر روز آئے اور دو آیتیں سیکھے تو یہ اس کے لیے دو اونٹنیوں سے بہتر ہیں اور اگر تین سیکھے تو تین سے بہتر ہیں، یعنی آیات کی تعداد اونٹوں کی تعداد جیسی ہو گی - (مسلم میں بھی اس قسم کی حدیث مروی ہے)

شرح: بطحان اور عقیق مدینہ کی دو وادیوں کے نام تھے جہاں اونٹوں کی خرید و فروخت کی منڈیاں لگتی تھیں - یہ ارشاد بطور تمثیل فرمایا گیا ہے - اونٹ ان لوگوں کا سب سے بڑا مال تھا لہذا اس کی مثال دی گئی ورنہ ساری دنیا ایک آیت کے آگے حقیر ہے -

بَابُ فَاتِحَةِ الْكِتَابِ

فاتحۃ الکتاب کا باب

۱۴۶۰ حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ أَبِي شُعَيْبٍ الْحَرَّانِيُّ نَا عِيسَى بْنُ يُونُسَ نَا ابْنُ أَبِي ذِئْبٍ عَنِ الْمَقْبُرِيِّ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْحَمْدُ

لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ اُمُّ الْقُرْاٰنِ وَاُمُّ الْكِتَابِ وَالسَّبْعُ الْمَثَانِيْ۔

ابوہریرہؓ نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ، ام القرآن اور ام الکتاب اور سبع مثانی ہے (بخاری اور ترمذی نے بھی اسے روایت کیا)

شرح: مولاناؒ نے فرمایا کہ فاتحۃ الکتاب کے بہت سے نام ہیں۔ ناموں کی کثرت مسمیٰ کے شرف پر دلالت کرتی ہے۔ اس حدیث میں ان ناموں میں سے تین نام بتائے گئے ہیں۔ کسی چیز کی امّ اس کی جڑ ہوتی ہے۔ قرآن کے اصول و مقاصد چار ہیں: الٰہیات، معاد، نبوت، اور اللہ کی قضاء و قدر کا اثبات۔ پس اس سورہ کی پہلی دو آیتیں یعنی اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝ اَلرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۝ الالٰہیات ہیں جو اللہ تعالیٰ کی ذات پر دلالت کرتی ہیں جو تمام صفات کمال کو جمع کرنے والی ہے۔ مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ ۝ معاد پر دلالت کرتی ہے اور اِيَّاكَ نَعْبُدُ وَاِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ۔ جبر و قدر ہر دو کی نفی پر دلالت کرتی ہے۔ اور یہ کہ سب کچھ اللہ تعالیٰ کی قضاء و قدر سے ہوتا ہے مگر جبر بالکل نہیں ہے۔ اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ ۝ آخر سورت تک اللہ تعالیٰ کی قضاء و قدر کے اثبات اور نبوت و رسالت کے اثبات پر دلالت کرتی ہے۔ پس قرآن کے ان چاروں مقاصدِ اصلیہ پر یہ سورہ مشتمل ہے لہٰذا سے ام الکتاب اور ام القرآن کہا گیا۔

ایک اور طرح سے یوں کہا جاسکتا ہے کہ دو چیزیں مقصدِ اصلی ہیں: ایک عزتِ ربوبیت اور دوسری ذلتِ عبودیت، اور یہ سورہ ان دونوں امور کو محیط ہے۔ یا یوں کہیے کہ انسانی علوم کی تین قسمیں ہیں۔ ایک اصولی علوم دوسرے فروعی علوم۔ اصولی علوم سے مراد اللہ تعالیٰ کی ذات و صفات اور اس کے افعال کا علم ہے۔ فروعی علم سے مراد اللہ تعالیٰ کے احکام اور تکالیف شرعیہ کا علم ہے۔ اور تیسرا علم تزکیہ و تصفیہ باطن کا علم ہے۔ یہ سورہ ان تینوں قسم کے علوم پر مشتمل ہے۔

امّ کا ایک معنیٰ لغتِ عرب میں لشکر کا مرکزی بڑا جھنڈا بھی ہے۔ یہ تمام ایک اہل لشکر کا مرکز، تمام جنگی سرگرمیوں کا اصلی منبع اہل لشکر کے کرّ و فرّ کا منتہی ہوتا ہے، اور یہ سورتِ کریمہ ان معنوں کے اعتبار سے بھی اہل ایمان کا ملجا و ماویٰ اور مرکز و منبع ہے۔ زمین کو بھی امّ کہا جاتا ہے کیونکہ زندگی اور موت میں مخلوق کا مرکز وہی ہے تمام مضامین قرآن کا خلاصہ، تمام عقائد کا مرکز اور اسلام کی مرکزی عبادت کا مغز ہونے کی حیثیت سے بھی یہ سورت امّ القرآن ہے۔

اب رہ گئی اس کی سبع مثانی ہونے کی حیثیت، سو یہ سات آیتیں ہیں جو نماز کی ہر رکعت میں دہرائی جاتی ہیں۔ مثانی کہنے کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ یہ سات آیات تمام کتب الٰہیہ میں سے مستثنیٰ ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ مجھے اس ذات کی قسم جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے اس قسم کی آیات نہ تورات میں ہیں، نہ انجیل میں، نہ زبور میں اور نہ باقی قرآن میں۔ اور یہی سبع مثانی اور قرآن عظیم ہیں۔ بعض نے کہا کہ اگر قرآن کے سات حصے کئے جائیں تو سورۂ فاتحہ کی ہر آیت ایک ایک حصے کے برابر ہے اس لیے اسے سبع مثانی کہا گیا۔ جہنم کے سات دروازے ہیں جس میں سے ہر ایک اس سورت کی ایک آیت پڑھنے والے پر بند ہو جاتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا اور اس کی صفات کمال کے بیان کے باعث بھی ان آیتوں کو مثانی کہا گیا۔ یہ سورت دوبارہ اتاری گئی لہٰذا اس اعتبار سے بھی مثانی ہوئی۔ اور اس کے اور نام وافیہ، کافیہ، شافیہ، سورۃ الاساس، سورۃ السؤال، سورۃ الشکر، سورۃ الدعا، بھی ہیں۔ (اقتباس تفسیر کبیر)

۱۴۶۱ ـ حَدَّثَنَا عُبَيْدُ اللَّهِ بْنُ مُعَاذٍ نَا خَالِدٌ نَا شُعْبَةُ عَنْ خُبَيْبِ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ قَالَ سَمِعْتُ حَفْصَ بْنَ عَاصِمٍ يُحَدِّثُ عَنْ أَبِي سَعِيدِ بْنِ الْمُعَلّٰى عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَرَّ بِهِ وَهُوَ يُصَلِّي فَدَعَاهُ قَالَ صَلَّيْتُ ثُمَّ أَتَيْتُهُ قَالَ فَقَالَ مَا مَنَعَكَ أَنْ تُجِيبَنِي قَالَ كُنْتُ أُصَلِّي قَالَ أَلَمْ يَقُلِ اللَّهُ تَعَالٰى يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اسْتَجِيبُوا لِلَّهِ وَلِلرَّسُولِ إِذَا دَعَاكُمْ لِمَا يُحْيِيكُمْ لَأُعَلِّمَنَّكَ أَعْظَمَ سُورَةٍ مِنَ الْقُرْآنِ أَوْ فِي الْقُرْآنِ شَكَّ خَالِدٌ قَبْلَ أَنْ أَخْرُجَ مِنَ الْمَسْجِدِ قَالَ قُلْتُ يَا رَسُولَ اللَّهِ قَوْلَكَ قَالَ اَلْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ هِيَ السَّبْعُ الْمَثَانِي الَّتِي أُوتِيتُ وَالْقُرْآنُ الْعَظِيمُ۔

ابوسعیدؓ بن المعلّٰی سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اس کے پاس سے گزرے جبکہ وہ نماز پڑھ رہا تھا، پس حضورؐ نے اسے بلایا، ابوسعیدؓ نے کہا کہ میں نے نماز پڑھی پھر آپ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ ابوسعیدؓ نے کہا کہ حضورؐ نے فرمایا، تجھے میرا جواب دینے سے کس چیز نے روکا؟ ابوسعیدؓ نے کہا کہ میں نماز پڑھتا تھا۔ حضورؐ نے فرمایا: کیا اللہ تعالیٰ نے فرمایا نہیں کہ اے ایمان والو اللہ اور رسول کی بات مانو جبکہ وہ تمہیں ایسی چیز کی طرف بلائیں جس میں تمہاری زندگی ہے۔ میں تجھے قرآن میں سے، یا قرآن کی، سب سے بڑی سورت سکھاؤں گا، یہ شک خالد راوی کا ہے قبل اس کے کہ مسجد سے باہر نکلوں۔ ابوسعیدؓ نے کہا یا رسول اللہ آپؐ نے جو فرمایا تھا (وہ مجھے سکھائیے) فرمایا: اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝ یہی سبع مثانی ہے جو مجھے دی گئیں اور قرآن عظیم ہے (بخاری، نسائی اور ابن ماجہ نے بھی اسے روایت کیا ہے)

شرح: ابوسعید بن المعلّٰیؓ انصاری مدنی صحابی تھے، ان کے نام میں اختلاف ہے۔ صحیح تر روایت کے مطابق الحارث بن نفیع بن المعلّٰیؓ تھا۔ ابوسعیدؓ کے خیال میں حالت نماز میں اس آیت کے خطاب سے استثناء تھا۔ حافظ ابن حجرؒ نے فتح الباری میں کہا ہے کہ قاضی عبدالوہاب اور عبدالولید کا قول ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی پکار کا جواب دینا نماز میں بھی فرض تھا، آدمی اس کے ترک سے گنہ گار ہوتا تھا اور یہ حکم نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مخصوص تھا۔ یہی قول شافعیہ کا ہے وہ بھی مالکیہ کی مانند نماز میں حضورؐ کے جواب کو فرض کہتے ہیں، مگر اس امر میں ان کے اندر اختلاف ہے کہ آیا اس سے نماز باطل ہوتی تھی یا نہیں؟ مولاناؒ نے فرمایا کہ حنفیہ کے نزدیک بھی بعینہٖ یہی مسئلہ ہے۔ لِمَا يُحْيِيكُمْ سے تو مراد ایمان ہے

یا قرآن یا جہاد فی سبیل اللہ۔ اور در حقیقت یہ سب کچھ ہی مراد ہے کیونکہ رسول ؐ کا قول ان سب باتوں کو مشتمل ہے۔ اس حدیث میں فاتحہ کو قرآن کی اعظم ترین سورت فرمایا گیا ہے یعنی اجر و ثواب میں۔ اور اس سے یہ بھی معلوم ہو گیا کہ قرآن کے بعض حصوں کی بعض پر تفضیل جائز ہے۔ بخاری کی روایت ہے کہ حضورؐ نے ابو سعیدؓ کا ہاتھ پکڑ لیا اور جب مسجد سے نکلنے لگے تو ابو سعیدؓ نے یاد دہانی کرائی۔

نسائی کی ایک صحیح روایت میں ابن عباسؓ کا قول ہے کہ سبع مثانی قرآن کی سات طویل سورتیں ہیں بقرہ سے اعراف تک، پھر البراءۃ یا یونس۔ اور قرآن عظیم سے مراد بھی بقول خطابی یہی سورۂ فاتحہ ہے۔ سبع مثانی اور القرآن العظیم کے درمیان واؤ عطف کی نہیں بلکہ تفصیل کی ہے جیسے فرمایا۔ فَاكِهَةٌ وَّنَخْلٌ وَّرُمَّانٌ۔ یعنی نخل و رمان، فاکہہ کی تفصیل ہے۔ اور جیسے وَمَلٰٓئِكَتِهٖ وَرُسُلِهٖ وَجِبْرِيْلَ وَمِيْكٰلَ۔ اس میں جبریل و میکال ملائکہ کی تفصیل ہے۔

بَابٌ مَنْ قَالَ هِيَ مِنَ الطُّوَلِ

باب۔ جنہوں نے کہا کہ یہ طول میں سے ہے

۱۴۶۲۔ حَدَّثَنَا عُثْمَانُ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ نَا جَرِيْرٌ عَنِ الْأَعْمَشِ عَنْ مُسْلِمٍ الْبَطِيْنِ عَنْ سَعِيْدِ بْنِ جُبَيْرٍ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ أُوْتِيَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سَبْعًا مِنَ الْمَثَانِي الطُّوَلِ وَأُوْتِيَ مُوْسٰى سِتًّا فَلَمَّا أَلْقَى الْأَلْوَاحَ رُفِعَتْ اِثْنَتَانِ وَبَقِيَ أَرْبَعٌ۔

ابن عباسؓ نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو سات دہرائی جانے والی طویل سورتیں دی گئیں اور موسیٰؑ کو چھ دی گئیں۔ پس جب موسیٰؑ نے الواح کو پھینک دیا تو دو اٹھالی گئیں اور چار باقی رہ گئیں (یہ حدیث نسائی میں بھی ہے)

شرح: پچھلی حدیث میں سبع مثانی سے مراد سورۂ فاتحہ گزر چکا ہے۔ اس حدیث میں اسے طُوَل (طوال۔ لمبی سورتیں) میں سے کہا گیا تو ثابت ہوا کہ الفاتحہ بھی طُوَل میں سے ہے۔ ابو داؤد کے اس باب کے عنوان کا یہی مطلب ہے۔ لیکن ابن جریر طبری نے تفسیر میں اپنی سند سے ابن عباسؓ کا قول جو روایت کیا ہے اس میں سبع مثانی سے مراد البقرہ آل عمران، النساء، المائدہ، الانعام، الاعراف ہیں اور اسرائیل راوی ساتویں کو بھول گیا۔ اس سے معلوم ہوا کہ ابن عباسؓ کے نزدیک سبع مثانی سے مراد سات طویل سورتیں ہیں، سات دہرائی جانے والی آیات نہیں۔ اور طبری کی ایک اور روایت میں ابن عباسؓ نے سبع مثانی سے مراد سورۂ فاتحہ لی ہے اور کہا ہے کہ ایک قول یہ ہے کہ یہ سات طویل سورتیں ہیں۔ خلاصہ یہ کہ ابن عباسؓ سے بھی اس میں دو روایتیں ہیں۔

بَابٌ مَا جَاءَ فِي آيَةِ الْكُرْسِيِّ

آیت الکرسی میں آنے والی حدیث کا باب

۱۴۶۳۔ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الْمُثَنّٰى نَا عَبْدُ الْاَعْلٰى نَا سَعِيْدُ بْنُ اِيَاسٍ عَنْ اَبِي السَّلِيْلِ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ رَبَاحٍ الْاَنْصَارِيِّ عَنْ اُبَيِّ بْنِ كَعْبٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَبَا الْمُنْذِرِ اَيُّ اٰيَةٍ مَعَكَ مِنْ كِتَابِ اللّٰهِ اَعْظَمُ قَالَ قُلْتُ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ اَعْلَمُ قَالَ اَبَا الْمُنْذِرِ اَيُّ اٰيَةٍ مَعَكَ مِنْ كِتَابِ اللّٰهِ اَعْظَمُ قَالَ قُلْتُ اللّٰهُ لَا اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الْحَيُّ الْقَيُّوْمُ قَالَ فَضَرَبَ فِيْ صَدْرِيْ وَقَالَ لِيَهْنِ لَكَ اَبَا الْمُنْذِرِ الْعِلْمُ۔

ابی بن کعبؓ نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے ابوالمنذر تیرے پاس کتاب اللہ کی وہ کونسی آیت ہے جو عظیم ترین ہے؟ ابیؓ نے کہا کہ میں نے کہا: اللہ اور اس کا رسولؐ زیادہ جانتے ہیں۔ فرمایا اے ابوالمنذر تیرے پاس کتاب اللہ کی عظیم ترین آیت کون سی ہے؟ ابیؓ نے کہا کہ میں نے کہا کہ: اَللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الْحَيُّ الْقَيُّوْمُ۔ ابیؓ نے کہا کہ حضورؐ نے میرے سینے پہ ہاتھ مار کر فرمایا: اے ابوالمنذر! یہ علم تجھے مبارک ہو! (اسے مسلم نے بھی روایت کیا ہے اور ترمذی نے ثواب القرآن میں اس کی طرف اشارہ کیا ہے)

شرح: ابیؓ بن کعبؓ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں حفاظ و قراء قرآن میں سے تھے۔ اور اس آیت کا اعظم ہونا بقول اسحاق بن راہویہ اجر و ثواب کے اعتبار سے ہے۔ ابیؓ نے پہلی مرتبہ کے سوال پر ادباً جواب نہ دیا یا اس خیال سے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان حق ترجمان سے جواب سننا چاہتے تھے کیونکہ اجر و ثواب میں اعظم ہونے کے معاملہ اجتہاد سے متعلق نہیں، یا انہوں نے یہ سوچا ہوگا کہ ممکن ہے میں جس آیت کو اعظم بتاؤں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نزدیک وہ اعظم نہ ہو۔ جب حضورؐ نے سوال کو دہرایا تو وہ سمجھ گئے کہ حضورؐ کا مطلب ان کی زبان سے ہی جواب تھا۔ آیت الکرسی اللہ تعالیٰ کی توحید و عظمت اور تمجید و تنزیہ اور اس کے اسماء حسنیٰ پر مشتمل ہونے کے باعث اعظم ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ابیؓ کی تعریف میں جو کلمات فرمائے وہ ان کی عظمت شان اور بلند منقبت کو ظاہر کرتے ہیں۔

بَابٌ فِيْ سُوْرَةِ الصَّمَدِ

(باب سورۃ الصمد یعنی اخلاص میں)

۱۴۶۴۔ حَدَّثَنَا الْقَعْنَبِيُّ عَنْ مَالِكٍ عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ عَنْ اَبِيْهِ عَنْ اَبِيْ سَعِيْدِ الْخُدْرِيِّ اَنَّ رَجُلًا سَمِعَ رَجُلًا يَقْرَأُ قُلْ

هُوَ اللهُ اَحَدٌ يُرَدِّدُهَا فَلَمَّا اَصْبَحَ جَاءَ اِلٰى رَسُوْلِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَذَكَرَ ذٰلِكَ لَهُ وَكَانَ الرَّجُلُ يَتَقَالُّهَا فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَالَّذِيْ نَفْسِيْ بِيَدِهٖ اِنَّهَا لَتَعْدِلُ ثُلُثَ الْقُرْاٰنِ۔

ابوسعید خدری رضؓ سے روایت ہے کہ ایک آدمی نے دوسرے کو قُلْ ھُوَ اللهُ پڑھ کر بار بار دہراتے ہوئے سنا۔ جب صبح ہوئی تو وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا اور آپ سے اس کا ذکر کیا اور وہ اسے کم سمجھ رہا تھا۔ پس نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اس خدا کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے یہ سورت قرآن کے تیسرے حصے کے برابر ہے (یہ حدیث بخاری اور نسائی نے بھی روایت کی ہے)

شرح: حافظ ابن حجر نے فتح الباری میں کہا ہے کہ جو شخص سورۂ اخلاص کو بار بار دہراتا تھا وہ قتادہ رضؓ بن نعمان انصاری تھا چنانچہ مسند احمد کی روایت میں خود ابوسعید رضؓ سے یہ صراحت آئی ہے۔ یہ شخص ابوسعید رضؓ کا ماں شریک بھائی تھا اور دونوں ہمسائے تھے۔ سُن کر کم سمجھنے والا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کرنے والا شاید خود ابوسعید خدری رضؓ تھا (بقول حافظ ابن عبدالبر) حافظ ابن حجر نے کہا ہے کہ بعض علماء نے اس حدیث کو ظاہر پر محمول کیا ہے کیونکہ یہ سورت معانی کے اعتبار سے ثلث قرآن ہے۔ قرآن میں احکام، اخبار اور توحید تین بڑے بڑے مضمون ہیں اور یہ سورت توحید پر مشتمل ہے لہٰذا اس اعتبار سے یہ قرآن کا ثلث ہے۔ زرقانی نے کہا کہ اس قول پر حافظ ابن عبدالبر نے اعتراض کیا کہ قرآن کی بعض دوسری آیات و سُوَر میں توحید کا بیان سورۂ اخلاص سے بھی زیادہ ہے مثلاً آیۃ الکرسی اور سورۃ الحشر کی آخری آیات۔ مگر ان کے متعلق یہ الفاظ وارد نہیں ہوئے جو سورۂ اخلاص کے متعلق آئے ہیں۔ ابوالعباس قرطبی نے اس کا یہ جواب دیا ہے کہ اس سورت میں اللہ تعالیٰ کے دو ایسے نام آئے ہیں جو اس کی تمام صفاتِ کمال کو مشتمل ہیں اور اس کے علاوہ وہ کسی اور سورت میں نہیں آئے اور وہ ہیں الاحد اور الصمد۔ یہ دو نام اللہ تعالیٰ کی مقدس ذات کی احدیت پر دلالت کرتے ہیں جو ذات کہ تمام صفاتِ کمال کی جامع ہے۔ الاحد کا لفظ اس کے خاص وجود کا شعور دلاتا ہے جس میں کوئی دوسرا اس کا شریک نہیں۔ اور دوسرا نام الصمد ہے جو تمام صفاتِ کمال کا شعور پیدا کرتا ہے کیونکہ اللہ کی ذات ہی وہ ذات ہے جس پر سرداری اور بڑائی اور حاجت روائی اور مرجعیت و مرکزیت ختم ہے، اور یہ چیز اسی ذاتِ اقدس میں ہو سکتی ہے جو تمام فعالِ کمال کا جامع ہو اور یہ چیز اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور میں نہیں۔ پس توحید کے تین رُخ ہوئے: پہلا اللہ تعالیٰ کی ذاتِ مقدس کی معرفت، دوسرا اس کی ذاتی صفات کی معرفت، تیسرا اس کی فعلی صفات کی معرفت۔ اور یہ سورت چونکہ معرفتِ ذات پر مشتمل ہے لہٰذا یہ قرآن کا ثلث ہے کچھ لوگوں کے نزدیک اس حدیث کا معنی یہ ہے کہ یہ ثواب میں قرآن کا ثلث ہے مگر ابن عقیل نے اس قول کو اس حدیث کی بنا پر ضعیف قرار دیا ہے جس میں آتا ہے کہ قرآن کے ہر ہر حرف پر دس نیکیاں ملتی ہیں۔ اسحاق بن راہویہ نے کہا کہ اس کا معنی یہ نہیں ہے کہ جس نے یہ سورت تین بار پڑھی تو وہ اس شخص کی مانند ہوگیا جس نے سارا قرآن ایک بار پڑھا، یہ معنی درست نہیں ہے اگرچہ کوئی آدمی اسے دو سو مرتبہ بھی پڑھے۔ بعض نے کہا کہ اس

حدیث کا معنی یہ ہے کہ وہ قاری اسے بار بار دہراتا رہا حتیٰ کہ کلمات وحروف اور آیات کے لحاظ سے وہ ثلث قرآن کے برابر ہو گیا، مگر یہ معنیٰ ظاہر حدیث سے بعید ہے۔ یہی سبب ہے کہ کہا گیا ہے: اس مسئلے میں اور اس جیسے اور مسائل میں سکوت بہتر ہے۔ گویا یہ حدیث مطلب کے لحاظ سے متشابہ ہوئی۔ بقول سیوطی احمد بن حنبل اور اسحاق بن راہویہ کا یہی میلان ہے۔ مگر ابن السید کے بقول اس حدیث کو ظاہر پر محمول کرنا ہی اظہر ہے۔

شاید یوں کہنا بھی روا ہو کہ تین مضامین قرآن میں بنیادی اہمیت رکھتے ہیں: توحید، رسالت اور آخرت۔ اور یہ سورت توحید کے بیان پر مشتمل ہونے کے باعث ثلث قرآن ہے۔ واللہ اعلم

بَابٌ فِي الْمُعَوِّذَتَيْنِ

باب معوذتین کے بارے میں

۱۴۶۵۔ حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ عَمْرِو بْنِ السَّرْحِ أَنَا ابْنُ وَهْبٍ قَالَ أَخْبَرَنِي مُعَاوِيَةُ عَنِ الْعَلَاءِ بْنِ الْحَارِثِ عَنِ الْقَاسِمِ مَوْلَى مُعَاوِيَةَ عَنْ عُقْبَةَ بْنِ عَامِرٍ قَالَ كُنْتُ أَقُودُ بِرَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَاقَتَهُ فِي السَّفَرِ فَقَالَ لِي يَا عُقْبَةُ أَلَا أُعَلِّمُكَ خَيْرَ سُورَتَيْنِ قُرِئَتَا فَعَلَّمَنِي قُلْ أَعُوذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ وَقُلْ أَعُوذُ بِرَبِّ النَّاسِ قَالَ فَلَمْ يَرَنِي سُرِرْتُ بِهِمَا جِدًّا فَلَمَّا نَزَلَ لِصَلَاةِ الصُّبْحِ صَلَّى بِهِمَا صَلَاةَ الصُّبْحِ لِلنَّاسِ فَلَمَّا فَرَغَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنَ الصَّلَاةِ الْتَفَتَ إِلَيَّ فَقَالَ يَا عُقْبَةُ كَيْفَ رَأَيْتَ۔

عقبہ بن عامرؓ نے کہا کہ میں سفر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اونٹنی کو آگے ہو کر چلا رہا تھا تو آپ نے مجھ سے فرمایا: اے عقبہ! کیا میں تمہیں پڑھی جانے والی دو بہترین سورتیں نہ بتاؤں؟ پس آپ نے مجھے قُلْ أَعُوذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ اور قُلْ أَعُوذُ بِرَبِّ النَّاسِ سکھائیں مگر مجھے ان دونوں کے باعث بہت زیادہ خوش ہوتے نہ دیکھا سو جب آپ نماز صبح کے لیے اترتے تو لوگوں کو انہی سورتوں کے ساتھ نماز فجر پڑھائی، پھر جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نماز سے فارغ ہوئے تو میری طرف التفات فرمایا اور کہا: اے عقبہ تو نے کیوں کر پایا جو (نسائی نے اسے روایت کیا)

شرح: صحابی ان سورتوں کو شاید بہت چھوٹی سمجھ کر کچھ زیادہ خوش نہ ہوا مگر آپ نے فجر کی نماز ان سے پڑھائی اور پھر اس کو تنبیہ فرمائی کہ یہ سورتیں فقط استعاذہ کے لیے ہی نہیں بلکہ نماز فجر کی طویل قرأت سے بھی کفایت کر سکتی ہیں۔

۱۴۶۶۔ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللَّهِ بْنُ مُحَمَّدٍ النُّفَيْلِيُّ نَا مُحَمَّدُ بْنُ سَلَمَةَ عَنْ مُحَمَّدٍ

بْنِ إِسْحَاقَ عَنْ سَعِيدِ بْنِ أَبِي سَعِيدٍ الْمَقْبُرِيِّ عَنْ أَبِيهِ عَنْ عُقْبَةَ بْنِ عَامِرٍ قَالَ بَيْنَا أَنَا أَسِيرُ مَعَ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَيْنَ الْجُحْفَةِ وَالْأَبْوَاءِ إِذْ غَشِيَتْنَا رِيحٌ وَظُلْمَةٌ شَدِيدَةٌ فَجَعَلَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَتَعَوَّذُ بِأَعُوذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ وَأَعُوذُ بِرَبِّ النَّاسِ وَيَقُولُ يَا عُقْبَةُ تَعَوَّذْ بِهِمَا فَمَا تَعَوَّذَ مُتَعَوِّذٌ بِمِثْلِهِمَا قَالَ وَسَمِعْتُهُ يَؤُمُّنَا بِهِمَا فِي الصَّلَاةِ۔

عقبہؓ بن عامر نے کہا کہ اس اثنا میں کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ بوقت شب جُحفہ اور ابواء کے درمیان سفر کر رہا تھا کہ اچانک آندھی اور سخت تاریکی نے ہمیں ڈھانپ لیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اَعُوْذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ اور اَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاسِ کے ساتھ تعوّذ کرنے لگے اور فرماتے تھے اے عقبہ! ان سورتوں کے ساتھ پناہ طلب کرنے والے نے ان جیسی سورتوں کے ساتھ پناہ نہیں مانگی۔ عقبہؓ نے کہا کہ میں نے آپ کو اس دن نماز میں انہی کے ساتھ ہماری امامت کرتے سنا۔

شرح: اس حدیث میں محمد بن اسحاق متکلم فیہ راوی ہے مگر گزشتہ حدیث کے مضمون سے اس کی تائید ہوتی ہے۔ جُحفہ مکہ سے مدینہ کو جاتے ہوئے چار مراحل کے فاصلے پر ایک بڑا قصبہ ہے جو برباد ہو چکا ہے، سیلاب نے اسے برباد کر دیا تھا اس لیے اُسے جُحفہ کہا گیا ورنہ پہلے اس کا نام مَہیعہ تھا۔ جُحفہ وہی مقام تھا جہاں پر مدینہ کا بخار منتقل ہونے کی دعا حضورؐ نے فرمائی تھی، اس کے بعد جو بھی وہاں جاتا حتیٰ کہ پرندے بھی، بخار میں مبتلا ہو جاتا۔ اب یہ جگہ ناپید ہے۔ اَبواء مدینہ سے ۲۳ میل پر ایک بستی تھی جس کے پاس ایک بلند پہاڑ تھا اور اس بستی میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی والدہ آمنہ بنت وہب کی قبر ہے۔ کہتے ہیں کہ اس بستی پر بھی سیلابوں کی بھرمار رہ چکی ہے۔

بَابُ كَيْفَ يُسْتَحَبُّ التَّرْتِيلُ فِي الْقِرَاءَةِ

باب۔ قرأت میں کیوں کر ترتیل کیسے مستحب ہے

۱۴۶۷۔ حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ نَا يَحْيَى عَنْ سُفْيَانَ حَدَّثَنِي عَاصِمُ بْنُ بَهْدَلَةَ عَنْ زِرٍّ عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عَمْرٍو قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُقَالُ لِصَاحِبِ الْقُرْآنِ اقْرَأْ وَارْتَقِ وَرَتِّلْ كَمَا كُنْتَ تُرَتِّلُ فِي الدُّنْيَا فَإِنَّ مَنْزِلَكَ عِنْدَ آخِرِ آيَةٍ تَقْرَؤُهَا۔

عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے کہا جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا قرآن والے سے کہا جائے گا: قرأت کر اور اوپر چڑھ اور آہستہ سے ٹھکا کر پڑھ جس طرح کہ تو دنیا میں ترتیل کرتا تھا سو بیشک تیرا مقام اس آخری آیت کے پاس ہے جسے تو پڑھے گا (ترمذی اور ابن ماجہ نے اسے روایت کیا اور ترمذی نے اسے حسن صحیح کہا ہے)

شرح: خطابی نے کہا ہے کہ ایک روایت میں ہے کہ قرآن کی آیات کی تعداد جنت کے درجات کی تعداد کے برابر ہے۔ قاری سے کہا جائے گا کہ جس قدر آیات قرآن کی قرأت تو کیا کرتا تھا اتنی آیات کی تعداد کے مطابق تیرے درجات کی رفعت ہے۔ پس جس نے سارے قرآن کی قرأت کو پورا کیا ہو گا وہ جنت کے آخری درجے تک جا پہنچے گا اور جس نے اس میں سے ایک جزء پڑھا ہو گا اسی کی مقدار کے موافق جنت کے درجات میں اس کی ترقی ہو گی۔ پس ثواب کی انتہا قرأت کی انتہا پر ہو گی۔

اس باب کے عنوان کے کئی اور نسخے بھی ہیں، مثلاً: باب کیف یستحب الترتیل فی الصلوٰۃ، باب کیف یستحب الترتیل فی القرآن تھوڑے سے فرق کے ساتھ ان سب کا مآل ایک ہے۔ صاحب قرآن سے مراد وہ شخص ہے جو تلاوت وعمل کے اعتبار سے اس کے ساتھ اپنا تعلق جوڑے رکھتا ہے۔ نہ وہ کہ قرآن کے الفاظ تو پڑھتا ہے مگر وہ اس پر لعنت کرتا ہے۔ اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ آخرت کی جزاء کمیت وکیفیت کے لحاظ سے اعمال کے لحاظ سے اعمال کے مطابق ہو گی۔ دانی نے کہا ہے کہ اس بات پر اتفاق ہے کہ قرآن کی آیات چھ ہزار ہیں، پھر زائد میں اختلاف ہے۔ ایک قول میں ۲۰۴، ایک قول میں ۲۱۴، ایک قول میں ۲۱۹، ایک میں ۲۲۵، ایک میں ۲۳۶ ہیں۔ طیبی نے کہا ہے کہ قاری قرآن کے درجات کی ترقی جنت میں دائمی ہو گی۔ پس جس طرح ایک ختم کے بعد وہ دوبارہ قرأت از سر نو شروع کر دیتا تھا۔ اور یہ سلسلہ جاری رہتا تھا اسی طرح آخرت کی جزاء کا بھی حال ہو گا کیونکہ وہاں کے درجات ترقی کی کوئی انتہا نہیں الا ماشاء اللہ۔ اور اہل جنت کی یہ قرأت ملائکہ کی تسبیح کی طرح ہو گی جو انہیں لذات سے مانع نہ ہو گی بلکہ ان کی سب سے بڑی لذت یہی ہو گی۔ اور اس حدیث میں منزلت سے مراد وہ اعزاز واکرام ہے جو بندے کو حاصل ہو گا اور وہ اس کے حفظ وتلاوت کے لحاظ سے ہو گا۔ شارح طیبی نے کہا ہے کہ ہمیں یہ معلوم ہے کہ یہ بات دین کے اصول میں سے ہے کہ اللہ تعالیٰ کی کتاب پر عمل کرنے والا اور اس میں تدبر کرنے والا محض اس کے حافظ اور تلاوت کنندہ سے افضل ہے۔ صرف الفاظ دہرانے والا جب تک تدبر وعمل کا وہ مرتبہ نہ پائے جو اس پہلے شخص کو حاصل ہے، اس کا درجہ پہلے شخص کے درجے سے فروتر ہے۔ اس کی ایک واضح مثال یہ ہے کہ صحابہ کی جماعت میں محض حفظ وتلاوت میں کئی لوگ ابوبکر الصدیق رضی اللہ عنہ سے آگے تھے مگر صدیق رضی اللہ عنہ کا مرتبہ عمل و تدبر اور خلوص وعقیدت میں مطلقاً سب سے بلند تر تھا۔ کیونکہ وہ ان سب میں اللہ کی ذات وصفات کے علم میں، اللہ کی کتاب پر غور وفکر میں اور اس کی گہرائیوں پر عمل کرنے میں سب سے بلند تھے۔ عمل بالقرآن کے درجات میں منتہائے کمال پر پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اقدس فائز تھی۔ پھر آپ کے اوّلین شاگرد اور ان کے بعد ساری امت دین کی معرفت اور عمل ویقین کے مراتب ومنازل کے لحاظ سے درجات علو وکمال کے حصول کی مستحق ہے۔

۱۴۶۸۔ حَدَّثَنَا مُسْلِمُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ نَا جَرِيرٌ عَنْ قَتَادَةَ قَالَ سَأَلْتُ أَنَسًا عَنْ قِرَاءَةِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ كَانَ يَمُدُّ مَدًّا۔

قتادہ نے کہا کہ میں نے انس رضی اللہ عنہ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی قرأت کے متعلق پوچھا تو انہوں نے کہا کہ آپ

قرآن کے حروف مدّ کو لمبا کرتے تھے (یہ حدیث بخاری ، ترمذی اور نسائی میں بھی ہے)
شرح ، بخاری کی روایت کے مطابق بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ، میں انس رضؓ نے اللہ کے لام کو اور الرحمٰن کی میم کو اور الرحیم کی حا کو کھینچ کر مد کے ساتھ پڑھ کر بتایا کہ حضورؐ کی قرأت اس طرح ہوتی تھی ۔ پس مطلب یہ ہوا کہ حروفِ مد کو لمبا کرنا مسنون ہے ۔

۱۴۶۹ ۔ حَدَّثَنَا يَزِيدُ بْنُ خَالِدِ بْنِ مَوْهَبٍ الرَّمْلِيُّ نَا اللَّيْثُ عَنِ ابْنِ أَبِي مُلَيْكَةَ عَنْ يَعْلَى بْنِ مَمْلَكٍ أَنَّهُ سَأَلَ أُمَّ سَلَمَةَ عَنْ قِرَاءَةِ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَصَلَاتِهِ فَقَالَتْ وَمَا لَكُمْ وَصَلَاتَهُ كَانَ يُصَلِّي وَيَنَامُ قَدْرَ مَا صَلَّى ثُمَّ يُصَلِّي قَدْرَ مَا نَامَ ثُمَّ يَنَامُ قَدْرَ مَا صَلَّى حَتَّى يُصْبِحَ وَنَعَتَتْ قِرَاءَتَهُ فَإِذَا هِيَ تَنْعَتُ قِرَاءَتَهُ حَرْفًا حَرْفًا ۔

یعلی بن مملک نے ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز اور قرأت کے متعلق سوال کیا تو ام سلمہؓ نے فرمایا کہ تمہیں آپ کی نماز سے کیا تعلق رہ گیا ہے ؟ آپ نماز بھی پڑھتے تھے اور نماز کی مقدار پر سوتے بھی تھے ، پھر نیند کی مقدار کے مطابق نماز پڑھتے تھے ، پھر نماز کی مقدار کے برابر سو جاتے تھے ، صبح تک ایسا ہی ہوتا تھا پھر ام سلمہؓ نے آپ کی قرأۃ کا حال بتایا کہ ایک ایک حرف الگ الگ اور صاف صاف پڑھتے تھے (اسے ترمذی اور نسائی نے بھی روایت کیا ہے اور باب القراآت میں سنن ابی داؤد میں پھر آئے گی)
شرح : ام سلمہؓ کا جواب ایک طرف تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ذکر کے وقت حسرت اور غم والم کا اظہار کرتا ہے اور غم والم کا اظہار کرتا ہے اور دوسری طرف سائل کے سوال پر اسے تنبیہ ہے کہ تم لوگ جب حضورؐ کی سنت پر کما حقہ عمل نہیں کرتے تو اس قسم کے سوال کرنے سے کیا حاصل ؟ یہ بات بھی ملحوظ خاطر تھی کہ حضورؐ کی سنت پر عمل کرنے کی پوری کوشش کے باوجود بھلا اس طرح کا عمل کون بجالا سکتا ہے ؟ گویا آپ کے بعض خصائص کی طرف بھی اشارہ ہو گیا ۔ جیسا کہ حضرت عائشہ رضؓ کا قول ہے ، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جو کچھ کرنے کی طاقت رکھتے تھے ، تم میں سے ویسا عمل کون بجالا سکتا ہے ؟

۱۴۷۰ ۔ حَدَّثَنَا حَفْصُ بْنُ عُمَرَ نَا شُعْبَةُ عَنْ مُعَاوِيَةَ بْنِ قُرَّةَ عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ مُغَفَّلٍ قَالَ رَأَيْتُ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَوْمَ فَتْحِ مَكَّةَ وَهُوَ عَلَى نَاقَتِهِ يَقْرَأُ بِسُورَةِ الْفَتْحِ وَهُوَ يُرَجِّعُ ۔

عبد اللہ بن مغفلؓ نے کہا کہ میں نے فتح مکہ کے دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ آپ اونٹنی پر سوار تھے ۔

سورۂ فتح کی قرأت ترجیع سے کررہے تھے (بخاری نے اس حدیث کو مغازی، تفسیر، فضائل القرآن اور کتاب التوحید میں روایت کیاہے۔ مسلم نے صلوٰۃ المسافرین میں اور ترمذی نے شمائل میں)

شرح: ترجیع سے مراد تحسین تلاوت ہے کہ نہایت اچھی تلاوت کر رہے تھے۔ یا قرأت کرتے وقت آواز کا زیر و بم اور طول ہے کہ جب کسی حرف کو خوب لمبا کیا جائے تو حلق میں وہ نشیب و فراز اور طول و عرض کو ظاہر کرتا ہے۔ آگے عبداللہ بن مغفل کی حدیث میں آ آ، وارد ہے۔ اس سے مراد یا تو یہ ہے کہ اونٹنی کی چال کے باعث ایسا ہوتا تھا اور یا یہ کہ آپ حروف مدہ کو اسی طرح کھینچتے تھے جس طرح کھینچا گیا نا ان کا حق ہے۔ یاد رہے کہ گانے کی لے اور سُر اور ہوتی ہے اور قرأت کی اور۔ گانے کی لئے ممنوع ہے کیونکہ وہ خشوع کے منافی ہے۔

۱۴۷۱۔ حَدَّثَنَا عُثْمَانُ بْنُ اَبِیْ شَیْبَۃَ نَا جَرِیْرٌ عَنِ الْاَعْمَشِ عَنْ طَلْحَۃَ عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ عَوْسَجَۃَ عَنِ الْبَرَاءِ بْنِ عَازِبٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ زَیِّنُوا الْقُرْاٰنَ بِاَصْوَاتِکُمْ۔

براء بن عازبؓ نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: قرآن کو اپنی آوازکے ساتھ زینت دو۔ (یہ حدیث نسائی اور ابن ماجہ نے بھی روایت کی ہے)

شرح: خطابی نے کہا ہے کہ اس حدیث کا معنی ہے: اپنی آوازوں کو قرآن سے مزین کرو۔ بعض ائمہ حدیث کے نزدیک یہ مقلوب کے باب سے ہے جیسے کہتے ہیں: عرضت الناقۃ علی الحوض "میں نے اونٹنی کو حوض پر پیش کیا" اور مطلب یہ ہوتا ہے کہ: عرضت الحوض علی الناقۃ "میں نے حوض کو اونٹنی کے سامنے پیش کیا"۔ مصنف عبدالرزاق میں یہ حدیث یوں مروی ہے: زَیِّنُوْا اَصْوَاتَکُمْ بِالْقُرْاٰنِ ۔ یعنی قرآن کی تلاوت و قرأت اور اس کے دوام کو اپنا شعار بناؤ اور اسے پڑھتے رہا کرو۔

قاضی عیاضؒ نے کہا ہے کہ اس سے مراد تجوید قرأت اور تبیین حروف اور ترتیل کے ساتھ اپنی تلاوت کو خوبصورت اور مؤثر بنانا ہے۔ لیکن حروف کی کمی بیشی کر دینا اور گانے کی لے میں اسے پڑھنا فعل حرام ہے جس سے قاری فاسق اور سننے والا گناہگار ہو جاتا ہے۔ اور یہ ایک بدترین بدعت ہے جس کا انکار واجب ہے۔ حاکم کی روایت میں یہ الفاظ زائد ہیں کہ: اچھی آواز قرآن کا حسن بڑھا دیتی ہے۔ ابو موسیٰ اشعریؓ بہت بڑے قاری قرآن اور خوش آواز تھے۔ حضورؐ نے چھپ کر ان کی قرأت سنی اور بعد میں فرمایا کہ: تجھ کو داؤد کا مزمار عطا کیا گیا ہے۔ طبرانی میں ہے کہ آواز کا حسن قرآن کی زینت ہے۔ مصنف عبدالرزاق کی روایت میں ہے کہ ہر چیز کا زیور ہوتا ہے اور قرآن کا زیور اچھی آواز ہے۔ یعنی خوبصورت عورت زیور پہن کر اور بھی خوبصورت ہو جاتی ہے اس طرح قرآن مجید کا حسن و تاثیر خوش آوازی سے بڑھ جاتا ہے۔

۱۴۷۲۔ حَدَّثَنَا اَبُو الْوَلِیْدِ الطَّیَالِسِیُّ وَقُتَیْبَۃُ بْنُ سَعِیْدٍ وَیَزِیْدُ بْنُ خَالِدٍ

بْنِ مَوْهَبٍ الرَّمْلِيُّ بِمَعْنَاهُ اَنَّ اللَّيْثَ حَدَّثَهُمْ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ اَبِي مُلَيْكَةَ عَنْ عُبَيْدِ اللّٰهِ بْنِ اَبِي نَهِيكٍ عَنْ سَعْدِ بْنِ اَبِي وَقَّاصٍ وَقَالَ يَزِيدُ عَنِ ابْنِ اَبِي مُلَيْكَةَ عَنْ سَعِيدِ بْنِ اَبِي سَعِيدٍ وَقَالَ قُتَيْبَةُ هُوَ فِي كِتَابِي عَنْ سَعِيدِ بْنِ اَبِي سَعِيدٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَيْسَ مِنَّا مَنْ لَمْ يَتَغَنَّ بِالْقُرْاٰنِ۔

سعد بن ابی وقاص یا سعید بن ابی سعید نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو قرآن کو خوش آوازی سے نہ پڑھے یا قرآن کے ماسواء سے مستغنی نہ ہو وہ ہم سے نہیں ہے (یہ حدیث مسند احمد میں بھی ہے)

شرح: معالم السنن میں خطابی نے کہا ہے کہ اس حدیث کا معنی کئی طرح سے کیا جاتا ہے۔ ایک یہ کہ اس سے مراد آواز کی تحسین ہے۔ دوسرے یہ کہ اس سے مراد استغناء ہے، یعنی قرآن جب مل گیا تو کسی اور چیز کی کیا ضرورت ہے۔ سفیان بن عیینہ نے یہی معنیٰ بیان کیا ہے۔ لغت عرب میں تغنی اور استغنیٰ کا معنیٰ ایک ہی ہے۔ اعشیٰ کا شعر ہے ؎

وکنت امرأ زمنا بالعراق - عفیف المناخ طویل التغنی

اس شعر میں تغنی سے مراد استغناء ہے۔ تیسرا معنیٰ اس کا یہ ہے کہ اہل عرب زمانۂ جاہلیت میں اپنی مجالس میں اور سفر کی سواریوں پر گیت گایا کرتے تھے۔ نزول قرآن کے بعد اب قرآن ہی ان کا گیت بن گیا، حضورؐ کے ارشاد کا مطلب یہ ہے کہ اب قرآن ہی کو پڑھو، گنگناؤ اور اسی میں مست رہو۔ گویا اس صورت میں تغنی کے لفظ کو عام لینا پڑے گا۔

امام ذہبی نے اس روایت کی سند پر بحث کرتے ہوئے کہا ہے کہ سعید بن ابی سعید صحابی نہیں۔ جن سندوں میں اس سے روایت آئی ہے وہ مرسل ہیں اور صحیح روایت سعد بن ابی وقاص رضی سے ہے جو سنداً مرفوع ہے۔

لیس منا کا مطلب ہے کہ وہ ہم جیسی سیرت نہیں رکھتا اور ہمارے طریقے پر نہیں یا درحقیقت ہماری جماعت میں سے نہیں گو دعویٰ اس کا یہی ہو کہ وہ بڑا کامل الایمان مسلمان ہے۔ خطابی کی مانند حافظ طحاوی اور تورپشتی نے بھی اس حدیث میں تغنی کو بمعنی استغناء لینا راجح قرار دیا ہے، کیونکہ قاری قرآن اگر تحسین صوت کے بغیر بھی قرأت کرے تو بالاتفاق اسے اجر ملتا ہے، پس اس حدیث کا معنیٰ اگر تحسین صوت لیا جائے تو اس کے نہ ہونے کی صورت میں یہ وعید کیوں کر آسکتی تھی؟ لہٰذا یہی صحیح ہے کہ معنیٰ یہ ہو کہ: جو قرآن کے ساتھ مستغنی نہ ہو الخ۔

۱۴۷۳۔ حَدَّثَنَا عُثْمَانُ بْنُ اَبِي شَيْبَةَ نَا سُفْيَانُ بْنُ عُيَيْنَةَ عَنْ عَمْرٍو عَنِ ابْنِ اَبِي مُلَيْكَةَ عَنْ عُبَيْدِ اللّٰهِ بْنِ اَبِي نَهِيكٍ عَنْ سَعْدٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِثْلَهُ۔

وہی اوپر والی حدیث ایک اور طریق سے ہے اور صحابی راوی اس میں بھی سعد رضی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا الخ

۱۴۷۴۔ حَدَّثَنَا عَبْدُ الْاَعْلٰی بْنُ حَمَّادٍ نَا عَبْدُ الْجَبَّارِ بْنُ الْوَرْدِ قَالَ سَمِعْتُ ابْنَ اَبِیْ مُلَیْکَةَ یَقُوْلُ قَالَ عُبَیْدُ اللّٰهِ بْنُ اَبِیْ یَزِیْدَ مَرَّ بِنَا اَبُوْ لُبَابَةَ فَاتَّبَعْنَاهُ حَتّٰی دَخَلَ بَیْتَهٗ فَدَخَلْنَا عَلَیْهِ فَاِذَا رَجُلٌ رَثُّ الْبَیْتِ رَثُّ الْهَیْاَةِ فَسَمِعْتُهٗ یَقُوْلُ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ یَقُوْلُ لَیْسَ مِنَّا مَنْ لَّمْ یَتَغَنَّ بِالْقُرْاٰنِ قَالَ فَقُلْتُ لِابْنِ مُلَیْکَةَ یَا اَبَا مُحَمَّدٍ اَرَاَیْتَ اِذَا لَمْ یَکُنْ حَسَنَ الصَّوْتِ قَالَ یُحَسِّنُهٗ مَا اسْتَطَاعَ۔

عبیداللہ بن ابی یزید نے کہا کہ ابو لبابہؓ ہمارے قریب سے گزرے تو ہم ان کے پیچھے چلے گئے حتیٰ کہ وہ اپنے گھر میں داخل ہوئے تو ہم بھی اندر داخل ہوئے۔ ہم نے دیکھا وہ ایک معمولی ہیئت (لباس وغیرہ) والے آدمی تھے پس میں نے ابولبابہؓ کو یہ کہتے سنا کہ: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ کہتے سنا کہ جو قرآن کے ساتھ مستغنی نہ ہو جائے وہ ہم میں سے نہیں۔ راوی ابن الورد نے کہا کہ میں نے اپنے استاد ابن ابی ملیکہ سے کہا: اے ابو محمد! یہ بتائیے کہ اگر آدمی خوش آواز نہ ہو تو پھر؟ اس نے کہا کہ طاقت بھر اسے اچھا بنائے۔

شرح: گویا ان دونوں راویوں کے نزدیک حدیث کا معنیٰ استغنا نہیں بلکہ تحسین صوت تھا۔ لیکن ابو لبابہؓ صحابی کا جو حال بیان ہوا ہے اور جس ربط میں انہوں نے یہ حدیث روایت کی اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ صحابہ کے نزدیک اس کا معنیٰ استغناء بالقرآن تھا۔ یعنی اس لیے تو وہ سادہ مکان میں رہتے اور سادہ لباس پہنتے تھے کہ اس ارشاد نبویؐ کا ان کے نزدیک یہ تقاضا تھا۔ وہ قرآن کو پاکر باقی ہر چیز سے ایک گونہ بے پروا ہو گئے تھے۔ یہ ابو لبابہؓ بڑے فاضل اور قدیم الاسلام صحابی تھے۔ بیعت عقبہ میں شامل ہوئے اور ۱۲ نقیبوں میں سے ایک تھے۔ حضورؐ نے انہیں ایک غزوے میں مدینہ پر نائب بھی مقرر فرمایا تھا۔

۱۴۷۵۔ مُحَمَّدُ بْنُ سُلَیْمَانَ الْاَنْبَارِیُّ قَالَ قَالَ وَکِیْعٌ وَابْنُ عُیَیْنَةَ یَسْتَغْنِیْ بِهٖ۔

اس اثر میں ابوداؤد نے وکیع اور ابن عیینہ ہر دو سے یتغنی کا معنیٰ یستغنی روایت کیا ہے۔

۱۴۷۶۔ سُلَیْمَانُ بْنُ دَاوُدَ الْمَهْرِیُّ اَنَا ابْنُ وَهْبٍ حَدَّثَنِیْ عُمَرُ بْنُ مَالِكٍ وَحَیْوَةُ عَنِ ابْنِ الْهَادِ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ اِبْرَاهِیْمَ بْنِ الْحَارِثِ عَنْ اَبِیْ سَلَمَةَ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَا اَذِنَ اللّٰهُ لِشَیْءٍ مَا اَذِنَ لِنَبِیٍّ حَسَنِ الصَّوْتِ یَتَغَنّٰی بِالْقُرْاٰنِ یَجْهَرُ بِهٖ

ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اللہ کسی چیز پر ایسے کان نہیں

دھرتا جیسے کہ خوش آواز نبی کے آوازِ بلند قرآن پڑھنے پر دھرتا ہے۔ (بخاری، مسلم اور نسائی نے بھی اسے روایت کیا ہے۔

شرح: اللہ تعالیٰ کا کان لگا کر غور سے سننا فی الحقیقت متشابہات میں سے ہے کیونکہ اس کی اصل کیفیت نامعلوم ہے اور کسی ذریعے سے معلوم ہو بھی نہیں سکتی۔ مراد اس سے یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم اور رحمت سے متوجہ ہوتا ہے۔ ظاہر ہے کہ اس حدیث میں تغنی کا معنیٰ خوش آوازی سے قرأت کرنا ہے۔ القرآن کا لفظ یہاں پر شاید مصدری معنی میں آیا ہے یعنی قرأت کرنا۔ یا اس سے مراد تمام آسمانی کتابیں ہیں اور نبی کے لفظ کا نکرہ لانا اسی پر دلالت کرتا ہے۔ گویا تمام کتب منزلہ اپنے اپنے وقت قرآن تھیں، نام ان کا چاہے کچھ بھی ہو۔ ویسے تو قرآن کے بھی کئی نام ہیں مثلاً الکتاب الفرقان الذکر وغیرہ۔ اس روایت سے تو بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے (اور مسلم کی روایت سے بھی) کہ یجھر بہ حضورؐ کے قول میں سے ہے۔ مگر بخاری سے پتہ چلتا ہے کہ یہ دراصل کسی راوی کی تفسیر ہے جو حدیث میں مدرج ہو گئی ہے۔ واللہ اعلم۔

بَابُ التَّشْدِيدِ فِي مَنْ حَفِظَ الْقُرْآنَ ثُمَّ نَسِيَهُ

جس نے قرآن حفظ کیا اور پھر بھلا دیا اس کے متعلق تشدید کا باب

۱۴۷۷۔ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الْعَلَاءِ نَا ابْنُ إِدْرِيسَ عَنْ يَزِيدَ بْنِ أَبِي زِيَادٍ عَنْ عِيسَى بْنِ فَائِدٍ عَنْ سَعْدِ بْنِ عُبَادَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا مِنِ امْرِئٍ يَقْرَأُ الْقُرْآنَ ثُمَّ يَنْسَاهُ إِلَّا لَقِيَ اللّٰهَ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ أَجْذَمَ۔

سعدؓ بن عبادہ نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو آدمی قرآن پڑھتا ہے پھر اسے بھلا دیتا ہے تو وہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ سے مجذوم ہونے کی حالت میں ملے گا (منذری کے بقول اس حدیث کی سند میں یزید بن ابی زیاد راوی ناقابلِ قبول ہے ابن المدینی نے عیسیٰ بن فایدہ کو مجہول کہا ہے)

شرح: خطابی نے کہا ہے کہ اجذم کا معنیٰ ہے کٹے ہوئے ہاتھ والا (ابو عبیدہ) ابن قتیبہ نے اس کا معنیٰ مجذوم (کوڑھی) کیا ہے۔ ابن الاعرابی نے کہا کہ اس کا معنیٰ ہے ایسا شخص جس کے ہاتھ نیکی سے خالی ہوں۔ کسی اور نحوی کا قول ہے کہ اس کا معنیٰ ہے وہ شخص جس کے پاس کوئی دلیل اور عذر نہ ہو۔ مولانا ؒ نے اس کا معنیٰ ساقط الاسنان لکھا ہے یعنی جس کے سارے دانت گر گئے ہوں۔ یہ حدیث اسی سند کے ساتھ مسند احمد میں بھی موجود ہے مگر عیسیٰ بن فائد اور سعد بن عبادہؓ کے درمیان ایک مجہول و مبہم راوی اور بھی ہے۔ اس سے قبل باب کنس المسجد میں انسؓ کی ایک حدیث گزر چکی ہے جس میں قرآن کو بھلا دینے والے کے لیے ایک سخت وعید ہے۔

بَابُ أُنْزِلَ الْقُرْآنُ عَلَى سَبْعَةِ أَحْرُفٍ

باب قرآن سات حرفوں پر اتارا گیا۔

۱۴۷۸۔ حَدَّثَنَا الْقَعْنَبِيُّ عَنْ مَالِكٍ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ عَنْ عُرْوَةَ بْنِ الزُّبَيْرِ عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ عَبْدٍ الْقَارِيِّ قَالَ سَمِعْتُ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ يَقُولُ سَمِعْتُ هِشَامَ بْنَ حَكِيمِ بْنِ حِزَامٍ يَقْرَأُ سُورَةَ الْفُرْقَانِ عَلَى غَيْرِ مَا أَقْرَؤُهَا وَكَانَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَقْرَأَنِيهَا فَكِدْتُ أَنْ أَعْجَلَ عَلَيْهِ ثُمَّ أَمْهَلْتُهُ حَتّٰى انْصَرَفَ ثُمَّ لَبَّبْتُهُ بِرِدَائِهِ فَجِئْتُ بِهِ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقُلْتُ يَا رَسُولَ اللّٰهِ إِنِّي سَمِعْتُ هٰذَا يَقْرَأُ سُورَةَ الْفُرْقَانِ عَلَى غَيْرِ مَا أَقْرَأْتَنِيهَا فَقَالَ لَهُ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اقْرَأْ فَقَرَأَ الْقِرَاءَةَ الَّتِي سَمِعْتُهُ يَقْرَأُ فَقَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ هٰكَذَا أُنْزِلَتْ ثُمَّ قَالَ لِيَ اقْرَأْ فَقَرَأْتُ فَقَالَ هٰكَذَا أُنْزِلَتْ ثُمَّ قَالَ إِنَّ هٰذَا الْقُرْاٰنَ أُنْزِلَ عَلَى سَبْعَةِ أَحْرُفٍ فَاقْرَءُوا مَا تَيَسَّرَ مِنْهُ۔

عبدالرحمٰن بن عبد القاری کہتا ہے کہ میں نے عمر بن الخطابؓ کو یہ کہتے سنا کہ میں نے ہشام بن حکیم بن حزام کو اپنی قرأت کے علاوہ سورۂ الفرقان کی قرأت کرتے سُنا اور مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ سورت پڑھائی تھی۔ پس قریب تھا کہ میں اس پر کود پڑوں پھر میں نے اسے مہلت دی حتیٰ کہ اس نے نماز (یا سورۂ الفرقان کی قرأۃ) ختم کر لی تو میں نے اپنی (یا اُس کی) چادر اُس کے گلے میں ڈال لی اور اسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لے آیا، پس میں نے کہا یا رسول اللہ میں نے اس شخص کو سورۂ الفرقان اُس طریقے کے علاوہ پڑھتے سُنا ہے جس پر وہ مجھے آپ نے پڑھائی پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: پڑھ پس اس نے وہ سورت پڑھی جو میں نے اسے پڑھتے ہوئے سُنی تھی۔ پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، اسی طرح نازل کی گئی ہے۔ پھر مجھ سے فرمایا کہ پڑھ، پس میں نے پڑھی تو فرمایا اسی طرح اتاری گئی ہے۔ پھر فرمایا یہ قرآن سات حرفوں پر اتارا گیا ہے، پس جو اُن میں سے آسان ہو پڑھو (بخاری، مسلم، ترمذی، اور نسائی نے بھی اس کی روایت کی۔ مسند احمد میں بھی ہے۔ امام شافعی نے الرسالہ میں اس کی تخریج کی ہے)

شرح: یہ حدیث ایک پیچیدہ معرکۃ الآرا مسئلے پر مشتمل ہے۔ بظاہر اس مسئلے پر بہت کچھ لکھا گیا ہے مگر جوں جوں علماء و شارحین کی آراء پر غور کیا جائے الجھن بڑھتی چلی جاتی ہے اور اس مسئلے کے بہت سے اطراف پھیلتے چلے جاتے ہیں۔ ہم یہاں پر مختصراً بعض ضروری چیزوں پر بحث کریں گے۔ والعلم عند اللہ تعالیٰ۔

اس سلسلے کی پہلی بات یہ ہے کہ سبعہ احرف سے کیا مُراد ہے؟ آیا سات لغات یا سات لہجے یا سات قرأتیں؟ اگر سات لغات مراد ہیں تو یہ عدد آیا یقین کے لیے ہے یا محض بطورِ مبالغہ تکثیر کے لیے؟ پھر آیا یہ سات احرف اب بھی باقی یا نہیں؟ حافظ ابن حجر نے کہا ہے کہ علماء نے احرفِ سبعہ کے مراد کے متعلق اختلاف کیا ہے اور مختلف اقوال کی تعداد

ابن حبان نے ۳۵ تک پہنچائی ہے۔ منذری نے کہا ہے کہ ان میں سے اکثر اقوال غیر مختار ہیں۔ بعض علماء کے نزدیک ان سے مراد یہ ہے کہ ہم معنیٰ الفاظ کے ساتھ معنی کی ادائگی کرنا مراد ہے، یعنی مرادفات کا استعمال۔ اس حدیث کی رو سے سات لغات مراد نہیں ہو سکتیں کیونکہ حضرت عمر فاروقؓ اور ہشام بن حکیم کی لغت ایک تھی یعنی لغت قریش، پھر بھی انہیں اختلاف واقع ہوا۔ اور نوبت یہاں تک پہنچی کہ حضرت عمرؓ نے چادر گلے میں ڈال کر ہشامؓ کو کھینچا اور حضورؐ کی خدمت اقدس میں لے آئے۔ حافظ ابن عبد البر وغیرہ نے اکثر اہل علم سے نقل کیا ہے کہ سبعہ احرف سے مراد مترادفات کے استعمال کا جواز ہے، اور یہ حدیث اس کی دلیل ہے۔ مگر اس کے برعکس ابو عبید اور کچھ اور لوگ اس طرف گئے ہیں کہ مراد اختلاف لغات ہے۔ ابن عطیہ نے اسی کو اختیار کیا ہے مگر اس پر اعتراض ہوا ہے کہ لغات عرب تو سات سے زیادہ تھیں پھر سات کے حصر کا مطلب کیا تھا؟ اس کا جواب یہ دیا گیا ہے کہ بیشک لغات عرب بہت ہیں مگر بروئے حدیث ان میں سے سات فصیح لغات مراد ہیں جیسا کہ ابن عباسؓ کا قول ہے کہ سات لغات مراد ہیں۔ ان میں سے پانچ لغات ہوازن کے پانچ بڑے قبائل کی لغات ہیں۔ اور سعد بنی حکیم بن بکر اور بنی نصر بن معاویہ سب ہوازن میں داخل ہیں اور انہیں عُلیا ہوازن کہتے ہیں۔ اور اسی لیے ابو عمرو بن العلاء کا قول ہے کہ عرب کے فصیح ترین لوگ عُلیا ہوازن اور سفلی تمیم یعنی بنی دار ہیں۔ ابو عبید نے ابن عباسؓ سے یہ بھی نقل کیا ہے کہ قرآن کعبین یعنی کعب قریش اور کعب خزاعہ کی لغت میں نازل ہوا تھا۔ کیونکہ ان کا علاقہ ایک ہی تھا کیونکہ خزاعہ قریش کے ہمسائے تھے۔

ابو حاتم سجستانی کا قول ہے کہ قرآن قریش، ہذیل، تیم الرباب، ازد، ربیعہ، ہوازن اور سعد بن بکر کی لغت میں اترا تھا۔ ابن قتیبہ نے اسے منکر قول قرار دیا ہے اور اس آیت سے استدلال کیا ہے: وَمَا اَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا بِلِسَانِ قَوْمِهٖ، لہٰذا یہ سات لغات صرف قریش کے سات بطون میں منحصر ہونی چاہئیں (بطن بڑے قبیلے کے اندر چھوٹا قبیلہ ہوتا تھا) اور ابو علی اھوازی نے بھی ابن قتیبہ کی بات جزم و یقین کے ساتھ کہی ہے۔ ابن عبد البر کے قول کے مطابق یہ سات قبائل مضر کے ہیں یعنی: ہذیل، کنانہ، قیس، ضبہ، تیم الرباب، اسد بن خزیمہ اور قریش۔ پس اس قول کے مطابق مضر کے یہ سات قبائل سات لغات کو محیط ہیں۔ ابو شامہ نے اپنے بعض اساتذہ سے نقل کیا ہے کہ اول اول قرآن قریش کی زبان میں اترا تھا (اور ان کے ہمسائے بھی یہی زبان بولتے تھے) اور یہ فصیح عرب کہلاتے تھے، پھر آسانی کی خاطر مباح کر دیا گیا کہ قرآن کو اپنی لغات میں پڑھ لیں جیسا کہ مختلف الفاظ میں معانی کی ادائگی ان کی عادت میں داخل تھی۔ اور مشقت کے باعث انہیں اس بات کا مکلف نہ بنایا گیا کہ ایک لغت میں دوسری لغت کی طرف انتقال کریں۔ اور ان میں اپنی اپنی زبان کا تعصب و محبت بھی موجود تھی، لیکن معنی سب کا ایک ہوتا تھا مقصد صرف فہم مراد میں آسانی پیدا کرنا تھا۔ اور اسی لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مختلف لوگوں کے مختلف طور پر پڑھنے کو درست قرار دیا تھا۔

زرقانی نے کہا ہے کہ سبعہ احرف کے بارے میں چالیس کے قریب اقوال ہیں اور اکثر غیر مختار ہیں۔ ابن العربی نے کہا ہے کہ اس میں کوئی نص یا اثر وارد نہیں ہوا۔ ابو جعفر محمد بن سعدانی نحوی نے کہا کہ یہ ان مشکلات میں سے ہے جن کا معنیٰ نامعلوم ہے کیونکہ حرف کے کئی معنی آتے ہیں مثلاً، ھجا، کلمہ، معنی، جہت۔ اور اقرب قول دو ہیں، پہلا یہ کہ ان سے مراد سات لغات ہیں اور یہ قول ابو عبیدہ، ثعلب، زہری اور کچھ اور لوگوں کا ہے اور ابن عطیہ اور بیہقی نے اسی کو

اختیار کیا ہے۔ دوسرا قول یہ ہے کہ ان سے مراد سات وجوہ ہیں کہ جن میں مختلف الفاظ سے متفق معانی کو ادا کیا جاتا ہے، جیسے: اَقْبِلْ، تَعَالَ، هَلُمَّ، عَجِّلْ، اَسْرِعْ۔ اور یہ قول سفیان بن عیینہ، ابن وہب اور بہت سے علماء نے اختیار کیا ہے اور ابن عبدالبر نے اسے اکثر علماء کی طرف منسوب کیا ہے۔ لیکن یہ اباحت جو پہلے رہی تھی یہ ذاتی خواہشات اور مرضی سے نہیں تھی کہ ہر شخص جو چاہے کہتا پھرے اور الفاظ کو اپنی مرضی سے تبدیل کرتا رہے۔ بلکہ یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سماع پہ موقوف تھا، حضرت عمرؓ اور ہشامؓ میں سے ہر ایک کا قول اسی طرف اشارہ کرتا ہے کہ، مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یوں پڑھایا تھا۔ اور اگر کوئی شخص یہ کہے کہ پہلے کھلی اجازت تھی تو قرآن کے آخری عرضہ کے موافق حضرت عثمانؓ کے زمانے میں قرآن کی ایک قرأت پہ صحابہ کا اجماع اس کے خلاف کو ثابت کرتا ہے۔ ہمارے حضرت شیخ الاسلام عثمانیؒ نے فرمایا ہے کہ ان دونوں اقوال کو یوں جمع کیا جا سکتا ہے کہ سبعۃ احرف سے مراد سات وجوہ ہیں (یعنی الفاظ کا اختلاف باوجود اتفاقِ معانی کے) مگر یہ ساری وجوہ سات لغات میں منحصر تھیں۔

سبعۃ احرف میں ایک بحث تعیین و تحدید کی بھی ہے۔ اکثر علماء کے نزدیک اس میں سبعہ کا لفظ تحدید (حدبندی اور عدد کی تعیین) کے لیے ہے اور ایک قول میں یہ تحدید کے لیے نہیں بلکہ تسہیل و تیسیر کے لیے ہے۔ سات کا عدد آحاد میں کثرت مراد ہونے پہ بولا جاتا ہے جیسے کہ سبعین کا لفظ عشرات میں اور سبعمائۃ (سات سو) کا لفظ مئین (سو کی جمع) میں بولا جاتا ہے مگر اس سے مراد عددِ معین نہیں ہوتا۔ قاضی عیاضؒ اور ان کے متبعین کا یہی خیال ہے۔

اب رہی یہ بات کہ آیا یہ سات حرف بھی باقی ہیں اور انہیں پڑھا جا سکتا ہے یا یہ پہلے تو تھے مگر اب معاملہ بعض پہ آ ٹھہرا ہے۔ اکثر علماء کا مذہب قولِ ثانی پہ ہے جیسے ابن عیینہ، ابن وہب، طبری اور طحاوی۔ پھر یہ بحث ہے کہ آیا اس مسئلے کا استقرار حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں ہوا تھا یا بعد کے زمانے میں؟ اکثر علماء کا پہلا قول ہے اور اسی کو ابن عبدالبر، باقلانی اور ابن العربی وغیرہ نے اختیار کیا ہے۔ ان کے نزدیک اس کا سبب یہ ہے کہ اختلافِ لغات اور نطق کی مشقت (یعنی دوسری لغت کو نہ بول سکنا) کے باعث اس امر میں وسعت ہوئی تھی کیونکہ ابتداء میں حالات کا تقاضا یہی تھا کہ یہ آسانی دی جائے۔ بعد میں معاملہ منضبط ہو گیا، زبانوں پہ قرآن کا نطق آسان ہو گیا اور ایک ہی لغت پہ انحصار ممکن ہو گیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے آخری سال میں جبریلؑ کے ساتھ قرآن کا دَور دو مرتبہ فرمایا تو بات وہاں آ کر ٹھہر گئی جہاں اب تک چلی آتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے پڑھنے کے وہ پہلے طریقے منسوخ کر دیئے اور صرف یہی طریقہ باقی رہ گیا جو اب موجود ہے۔

اب یہاں پہ ایک سوال اور پیدا ہوتا ہے کہ اب جو مسلمانوں میں سات قرأتیں (یا شاذ ملا کر دس قرأتیں) رائج ہیں یہی وہ قرأتیں ہیں جن کا ذکر اس حدیث میں سبعۃ احرف کے لفظ میں آیا ہے یا یہ قرأتیں اور ہیں اور سبعۃ احرف اور تھے۔ ابو شامہ نے کہا ہے کہ کچھ لوگوں کا یہ خیال ہے کہ یہی وجوہ سات قرأتیں سبعۃ احرف ہیں، مگر یہ خیال علماء کے اجماع کے خلاف ہے۔ یہ صرف کسی جاہل کا خیال ہی ہو سکتا ہے۔ مکی بن ابی طالب نے کہا ہے کہ جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ یہ قرأتیں: مثلاً عاصم یا نافع یا حفص وغیرہ کی قرأت ہی سبعۃ احرف ہیں، یہ سخت غلطی پہ ہیں، کیونکہ اس سے یہ لازم آتا ہے کہ جو کچھ ان قاریوں کی قرأت سے باہر ہے مگر ائمہ کے نزدیک ثابت ہے اور مصحف کے خط کے موافق ہے وہ قرآن نہ رہے، حالانکہ یہ بہت بڑی غلطی ہے کیونکہ طبری وغیرہ نے واضح کر دیا ہے کہ قاریوں کا

اختلاف ایک ہی حرف میں ہے (جو اب باقی ہے اور دوسرے حروف منسوخ ہو چکے ہیں) مولانا نے فرمایا کہ اس کے برعکس مؤطا کی شرح میں حضرت شاہ ولی اللہ نے حروفِ سبعہ پر جو کچھ لکھا ہے اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ قرآن کے جمع وتدوین اور کتابت کے وقت گو ایک حرف اور ایک قرأت پر اتفاق کر لیا گیا مگر اعراب، تفخیم، مد، شد، امالہ وغیرہ کے اختلاف کی گنجائش قرآنی (عثمانی) رسم الخط میں اب بھی موجود ہے اور یہی وہ سبعہ احرف ہیں جن کی اجازت اس حدیث سے ثابت ہوتی ہے۔ مگر وہ اختلاف جو ترتیب نظم میں خلل پیدا کرے یا الفاظ وحروف وکلمات میں بہت بڑا تغیر پیدا کر دے حتیٰ کہ اس پر قرآن کا اطلاق ممکن نہ رہے تو وہ سبعۂ احرف سے خارج ہوگا۔ واللہ اعلم

آخر میں اس سلسلے کی ایک اور بات پر بھی تھوڑی سی گفتگو ضروری معلوم ہوتی ہے۔ وہ یہ کہ آیا ان سبعۂ احرف یا سات قرأتوں کا تعلق قرآن مجید کے ہر ہر لفظ اور کلمے کے ساتھ تھا یا کچھ اور؟ سو اس کا جواب یہ ہے کہ سبعہ کے عدد سے یہ مراد نہیں تھا کہ ہر لفظ سات طرح سے پڑھا جاتا تھا۔ ابن عبد البر نے کہا ہے کہ اس پر اجماع ہے، بلکہ یہ ممکن ہی نہیں اور نہ قرآن میں کوئی ایسا کلمہ پایا جاتا ہے جس کو سات طرح سے پڑھا جا سکے، شاید کچھ الفاظ ایسے ہوں گے جنہیں متعدد وجوہ پر ادا کیا جا سکتا ہو۔ گویا مطلب یہ ہوا کہ یہ سات احرف (یا سات وجوہ و قرأت) سارے قرآن میں پھیلی ہوئی تھیں، کسی لفظ کو دو طرح سے، کسی کو تین اور کسی کو اس سے زیادہ طرح سے پڑھا جا سکتا تھا۔ واللہ اعلم بالصواب

۱۴۷۹۔ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ يَحْيَى بْنِ فَارِسٍ نَا عَبْدُ الرَّزَّاقِ أَنَا مَعْمَرٌ قَالَ قَالَ الزُّهْرِيُّ إِنَّمَا هٰذِهِ الْأَحْرُفُ فِي الْأَمْرِ الْوَاحِدِ لَيْسَ يَخْتَلِفُ فِي حَلَالٍ وَلَا حَرَامٍ۔

زہری نے کہا کہ یہ سات حرف ایک ہی امر میں ہیں، حلال وحرام میں مختلف نہیں ہیں (یعنی ان حروف سبعہ کا اختلاف صرف لفظی اختلاف تھا یہ اختلاف معنی اور حکم تک نہیں پہنچتا تھا۔ زہری کا یہ قول ان لوگوں کی تائید کرتا ہے جو سبعۂ احرف سے مراد سبعۂ لغات نہیں بلکہ سبعہ وجوہ لیتے ہیں۔ واللہ اعلم۔)

۱۴۸۰۔ حَدَّثَنَا أَبُو الْوَلِيدِ الطَّيَالِسِيُّ نَا هَمَّامُ بْنُ يَحْيَى عَنْ قَتَادَةَ عَنْ يَحْيَى بْنِ يَعْمَرَ عَنْ سُلَيْمَانَ بْنِ صُرَدٍ الْخُزَاعِيِّ عَنْ أُبَيِّ بْنِ كَعْبٍ قَالَ قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَا أُبَيُّ إِنِّي أُقْرِئْتُ الْقُرْآنَ فَقِيلَ لِي عَلَى حَرْفٍ أَوْ حَرْفَيْنِ فَقَالَ الْمَلَكُ الَّذِي مَعِي قُلْ عَلَى حَرْفَيْنِ قُلْتُ عَلَى حَرْفَيْنِ فَقِيلَ لِي عَلَى حَرْفَيْنِ أَوْ ثَلَاثَةٍ فَقَالَ الْمَلَكُ الَّذِي مَعِي قُلْ عَلَى ثَلَاثَةٍ قُلْتُ عَلَى ثَلَاثَةٍ حَتَّى بَلَغَ سَبْعَةَ أَحْرُفٍ ثُمَّ قَالَ لَيْسَ مِنْهَا إِلَّا شَافٍ كَافٍ إِنْ قُلْتَ سَمِيعًا عَلِيمًا عَزِيزًا حَكِيمًا مَا لَمْ تَخْتِمْ آيَةَ عَذَابٍ بِرَحْمَةٍ أَوْ آيَةَ رَحْمَةٍ بِعَذَابٍ۔

ابی بن کعب نے کہا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اے ابی مجھے قرآن پڑھایا گیا (یعنی جبریل نے پڑھایا) پھر مجھ سے کہا گیا کہ ایک حرف پر یا دو حرفوں پر؟ تو جو فرشتہ میرے ساتھ تھا اس نے کہا: کہو دو حرفوں پر (چنانچہ) میں نے کہا دو حرفوں پر۔ پھر مجھ سے کہا گیا: دو حرفوں پر یا تین حرفوں پر؟ تو جو فرشتہ میرے ساتھ تھا اس نے کہا: کہو تین حرفوں پر، میں نے کہا تین حرفوں پر، حتیٰ کہ وہ سات حرفوں تک جا پہنچا، پھر کہا کہ ان میں سے ہر ایک حرف شافی وکافی ہے۔ اگر تو سمیعًا علیمًا کے بجائے عزیزًا حکیمًا کہے، جب تک کہ آیت عذاب کو رحمت کے ساتھ اور آیت رحمت کو عذاب کے ساتھ ختم نہ کرے۔

شرح: حضور نے یہ جو فرمایا کہ: پھر مجھ سے کہا گیا، اس میں کہنے والا یا تو خود اللہ تعالیٰ تھا یا کوئی فرشتہ۔ جو فرشتہ ساتھ تھا اور بار بار مشورہ دیتا رہا وہ جبریل تھا۔ شافی سے یہ مراد ہے کہ یہ امراض جہل سے شفا دینے والا ہے اور نماز میں کافی ہے۔ یا مقصد کو نہ سمجھ سکنے والے علیل کو شفا دینے والا ہے اور اظہار بلاغت میں کافی ہے۔ یا معنی میں اتفاق کے باعث مومنوں کے دلوں کو شفا دینے والا ہے اور پیغمبر کی صداقت کی دلیل ہونے میں کافی ہے۔ یا مومنوں کے مطلوب کو ثابت کرنے میں شافی ہے اور کافروں پر حجت میں کافی ہے۔ اس مضمون کی احادیث کو پڑھتے وقت گزشتہ بحث کو مدنظر رکھ لینا ضروری ہے۔

۱۴۷۸۔ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الْمُثَنّٰى نَا مُحَمَّدُ بْنُ جَعْفَرٍ نَا شُعْبَةُ عَنِ الْحَكَمِ عَنْ مُجَاهِدٍ عَنِ ابْنِ اَبِيْ لَيْلٰى عَنْ اُبَيِّ بْنِ كَعْبٍ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ عِنْدَ اَضَاةِ بَنِيْ غِفَارٍ فَاَتَاهُ جِبْرِيْلُ فَقَالَ اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُكَ اَنْ تُقْرِئَ اُمَّتَكَ عَلٰى حَرْفٍ قَالَ اَسْئَلُ اللّٰهَ مُعَافَاتَهُ وَمَغْفِرَتَهُ اِنَّ اُمَّتِيْ لَا تُطِيْقُ ذٰلِكَ ثُمَّ اَتَاهُ ثَانِيَةً فَذَكَرَ نَحْوَ هٰذَا حَتّٰى بَلَغَ سَبْعَةَ اَحْرُفٍ قَالَ اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُكَ اَنْ تُقْرِئَ اُمَّتَكَ عَلٰى سَبْعَةِ اَحْرُفٍ فَاَيُّمَا حَرْفٍ قَرَءُوْا عَلَيْهِ فَقَدْ اَصَابُوْا۔

ابی بن کعب نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بنی غفار کے حوض کے پاس تھے کہ آپ کے پاس جبریل آیا اور کہا: اے محمد! اللہ تجھے حکم دیتا ہے کہ اپنی امت کو ایک حرف پر قرآن پڑھائے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہا کہ میں اللہ کی معافی اور مغفرت کا سوال کرتا ہوں، میری امت میں یہ طاقت نہیں ہے۔ پھر دوسری مرتبہ جبریل آپ کے پاس آیا، پس راوی ابن المثنیٰ نے اس طرح ذکر کیا حتیٰ کہ سات حرفوں تک پہنچ گیا۔ جبریل نے کہا کہ اللہ تجھے حکم دیتا ہے کہ تیری امت قرآن کو سات حرفوں پر پڑھے، ان میں سے جس حرف پر بھی وہ پڑھیں گے درست کریں گے (یہ حدیث مسلم اور نسائی میں بھی موجود ہے)

شرح: ابوداؤد نے اس حدیث کو مختصر کر دیا ہے مگر احمد نے اس کی طویل روایت کی ہے۔ اس میں ہے کہ دوسری مرتبہ جبریل دو حرفوں کا حکم لایا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حسب سابق معافی اور مغفرت مانگی کہ میری امت میں

یہ طاقت نہیں۔ پھر جبریلؑ تیسری مرتبہ آیا اور اللہ تعالیٰ کا سبعہ احرف کا حکم سنایا آخر مسلم کی روایت احمد سے بھی طویل تر ہے اور اس میں ہے کہ تیسری بار تین حرفوں کا حکم ملا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ سے معافی اور بخشش طلب کی کہ میری امت میں یہ طاقت نہیں۔ پھر چوتھی مرتبہ جبریلؑ نے آکر کہا کہ اللہ تعالیٰ تجھے حکم دیتا ہے کہ اپنی امت کو سات حرفوں پر قرآن پڑھائیے۔ ظاہراً جب ہر بار ایک حرف کی مزید اجازت مل رہی تھی تو سات بار میں سات حرفوں کی اجازت ہونی چاہیے تھی مگر کسی روایت میں یہ نہیں آیا۔ بلکہ تیسری یا چوتھی مرتبہ سات کی اجازت دے دی گئی۔

بَابُ الدُّعَاءِ

دعا کا باب

۱۴۸۲۔ حَدَّثَنَا حفصُ بْنُ عُمَرَ نَا شُعْبَةُ عَنْ مَنْصُوْرٍ عَنْ ذَرٍّ عَنْ يُسَيْعٍ الْحَضْرَمِيِّ عَنِ النُّعْمَانِ بْنِ بَشِيْرٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الدُّعَاءُ هِيَ الْعِبَادَةُ قَالَ رَبُّكُمُ ادْعُوْنِيْ أَسْتَجِبْ لَكُمْ۔

نعمان بن بشیرؓ سے روایت ہے کہ جناب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: دعاء ہی عبادت ہے تمہارے رب نے فرمایا کہ مجھ سے دعا کرو میں تمہاری دعا قبول کروں گا (ترمذی نے اسے دعوات میں اور تفسیر میں بھی اور ابن ماجہ نے فضل الدعاء میں روایت کیا ہے)

شرح: جس آیت کا حوالہ حدیث میں آیا یہ سورۂ غافر میں ہے (آیت نمبر ۶۰) اللہ تعالیٰ کا حکم اس آیت میں وجوب کے لیے ہے لہٰذا دعاء واجب ہوئی اور یہی عبادت کا مفہوم ہے۔ صلاۃ کا معنیٰ بھی دعاء اور عبادت ہی ہے۔ اور یہ جو فرمایا کہ: دعا ہی عبادت ہے۔ یہ حصر مبالغے کے لیے ہے کیونکہ عبادات اور بھی ہیں۔ دعاء کا مطلب چونکہ انتہائی تذلل ہے اور یہ تذلل جو اللہ کے حضور بجالایا جاتا ہے یہی عبادات کا مغز ہے۔ الدعا، مُخُّ العبادہ بھی حدیث میں ہے۔ پوری آیت یوں ہے: وَقَالَ رَبُّكُمُ ادْعُوْنِيْ أَسْتَجِبْ لَكُمْ ط اِنَّ الَّذِيْنَ يَسْتَكْبِرُوْنَ عَنْ عِبَادَتِيْ سَيَدْخُلُوْنَ جَهَنَّمَ دَاخِرِيْنَ ہ "اور تمہارے رب نے فرمایا مجھ سے دعا کرو میں تمہاری دعا قبول کروں گا۔ یقیناً جو لوگ میری عبادت سے تکبر کرتے ہیں وہ عنقریب ذلیل و رسوا ہو کر جہنم میں داخل ہوں گے۔" گویا دعاء سے انکار کرنے کو تکبر فرمایا گیا اور دعاء کو عبادت قرار دیا گیا۔ دعا نہ کرنے والے متکبر ہیں جو ذلیل و رسوا ہوں گے۔ دعاء کا مفہوم تمام عبادات کو حاوی ہے خواہ فرائض ہوں یا نوافل۔

۱۴۸۳۔ حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ نَا يَحْيٰى عَنْ شُعْبَةَ عَنْ زِيَادِ بْنِ مِخْرَاقٍ عَنْ أَبِيْ نَعَامَةَ عَنِ ابْنِ سَعْدٍ قَالَ سَمِعَنِيْ أَبِيْ وَأَنَا أَقُوْلُ اَللّٰهُمَّ إِنِّيْ أَسْأَلُكَ الْجَنَّةَ وَنَعِيْمَهَا وَبَهْجَتَهَا وَكَذَا وَكَذَا وَأَعُوْذُ بِكَ مِنَ النَّارِ وَسَلَاسِلِهَا وَأَغْلَالِهَا وَكَذَا وَكَذَا

فَقَالَ یَا بُنَیَّ اِنِّیْ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَقُوْلُ سَیَکُوْنُ قَوْمٌ یَعْتَدُوْنَ فِی الدُّعَاءِ فَاِیَّاکَ اَنْ تَکُوْنَ مِنْھُمْ اِنَّکَ اِنْ اُعْطِیْتَ الْجَنَّۃَ اُعْطِیْتَھَا وَمَا فِیْھَا مِنَ الْخَیْرِ وَاِنْ اُعِذْتَ مِنَ النَّارِ اُعِذْتَ مِنْھَا وَمَا فِیْھَا مِنَ الشَّرِّ۔

سعدؓ کے ایک بیٹے نے کہا کہ میرے باپ نے مجھے یہ کہتے سُنا: اے اللہ میں تجھ سے جنت اور اس کی نعمتوں اور اس کی تازگی کا اور فلاں فلاں چیزوں کا سوال کرتا ہوں، اور تجھ سے جہنم کی آگ اور اس کی زنجیروں اور طوقوں سے اور فلاں فلاں چیزوں سے پناہ مانگتا ہوں پس حضرت سعدؓ نے فرمایا اے میرے پیارے بیٹے! میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سُنا تھا کہ عنقریب ایک قوم ہوگی جو دعا میں حد سے تجاوز کیا کرے گی، پس خبردار تو ان میں سے مت ہونا۔ بے شک تجھ کو اگر جنت دی گئی تو اس تمام بھلائی سمیت ملے گی جو اس میں ہے اور اگر تجھے آگ سے بچایا گیا تو اس تمام شر سمیت بچایا جائے گا جو اس میں ہے (امام احمدؒ نے اس حدیث کو مسند میں روایت کیا ہے)

شرح: مسند احمدؒ کی روایت میں ہے کہ سعدؓ کے ایک غلام کا بیان ہے کہ سعدؓ نے اپنے ایک بیٹے کو دعا کرتے سُنا الخ دعا میں حد سے تجاوز کرنے کا مطلب یہ ہے کہ محال چیزوں کی طلب کی جائے، مثلاً کوئی نبوت کی دعا کرنے لگے یا آسمان پر چڑھائے جانے کی دعا وغیرذالک۔ یا مثلاً ان غیوب کے علم کی دعا جو اللہ تعالےٰ کے ساتھ مخصوص ہیں۔ یا وزن قافیہ اور سجع کی رعایت کرنے لگے۔ منذری نے کہا ہے کہ سعدؓ کے جس بیٹے کا اس حدیث کی سند میں ذکر ہے اگر وہ عمرؒ ہے تو نا قابل حجت ہے۔ مسند طیالسی میں بھی یہ حدیث مروی ہے اور مسند احمدؒ کی طرح سعدؓ کے ایک غلام کی روایت ہے جس کا نام نہیں لیا گیا۔

۱۴۸۴۔ حَدَّثَنَا اَحْمَدُ بْنُ حَنْبَلٍ نَا عَبْدُ اللّٰہِ بْنُ یَزِیْدَ نَا حَیْوَۃُ اَخْبَرَنِیْ اَبُوْ ھَانِیٍٔ حُمَیْدُ بْنُ ھَانِیٍٔ اَنَّ اَبَا عَلِیٍّ عَمْرَو بْنَ مَالِکٍ حَدَّثَہٗ اَنَّہٗ سَمِعَ فَضَالَۃَ بْنَ عُبَیْدٍ صَاحِبَ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَقُوْلُ سَمِعَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ رَجُلًا یَدْعُوْ فِیْ صَلَاتِہٖ لَمْ یُمَجِّدِ اللّٰہَ وَلَمْ یُصَلِّ عَلَی النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ عَجِلَ ھٰذَا ثُمَّ دَعَاہُ فَقَالَ لَہٗ اَوْ لِغَیْرِہٖ اِذَا صَلّٰی اَحَدُکُمْ فَلْیَبْدَاْ بِتَمْجِیْدِ رَبِّہٖ وَالثَّنَاءِ عَلَیْہِ ثُمَّ یُصَلِّیْ عَلَی النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ ثُمَّ یَدْعُوْ بَعْدُ بِمَا شَاءَ۔

ابوعلی عمرو بن مالک نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابی فضالہ بن عبید کو یہ کہتے سنا کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک آدمی کو نماز میں دعا کرتے سنا کہ نہ تو انہوں نے اللہ کی تمجید کی اور نہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر صلوٰۃ پڑھی، پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس شخص نے جلدی کی پھر آپ نے اسے بلایا تو اس کو یا کسی اور کو یہ کہا کہ جب تم میں سے کوئی نماز پڑھے تو اپنے رب کی تمجید اور اس پر ثناء سے شروع کرے پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر صلوٰۃ بھیجے پھر اس کے بعد جو چاہے دعاء کرے (ترمذی اور نسائی نے بھی اس کی روایت کی ہے)

شرح: فی الصلوٰۃ سے لفظ سے تو معلوم ہوتا ہے کہ وہ شخص نماز میں تشہد اور صلاۃ پڑھے بغیر آخری قعدے میں دعا کر رہا تھا۔ مگر یہ سوال باقی رہے گا کہ آیا وہ دعا بالجہر کر رہا تھا جو حضور نے سن لی تھی؟ اس حدیث میں اس کی کوئی وضاحت نہیں ہے۔ اس کے علاوہ بھی اور احادیث میں آدابِ دعاء کا ذکر ہے کہ پہلے اللہ تعالےٰ کی حمد وثنا کی جائے پھر حضورِ پاک پر صلوٰۃ وسلام پڑھا جائے اور پھر دعاء کی جائے۔ مصنف عبد الرزاق میں تو ایک اثر میں یہ بھی ہے کہ اول و آخر درود پڑھا جائے۔ اس میں شک نہیں کہ ان آداب کی پابندی سے قبولیتِ دعاء کی قوی امید ہوسکتی ہے۔

۱۴۸۵۔ حَدَّثَنَا هَارُونُ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ نَا يَزِيدُ بْنُ هَارُونَ عَنِ الْأَسْوَدِ بْنِ شَيْبَانَ عَنْ أَبِي نَوْفَلٍ عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ كَانَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَسْتَحِبُّ الْجَوَامِعَ مِنَ الدُّعَاءِ وَيَدَعُ مَا سِوٰى ذٰلِكَ۔

عائشہ ام المؤمنین رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جامع دعاؤں کو پسند فرماتے تھے اور ان کے علاوہ دوسری دعاؤں کو ترک کر دیتے تھے (منذری نے اس حدیث کو حسن کہا ہے)

شرح: جامع دعاؤں سے مراد وہ دعائیں ہیں جو دنیا و آخرت کی بھلائی کو جمع کریں اور جن کے الفاظ کم اور معانی زیادہ ہوں اور جن میں تمام اہلِ ایمان کو جمع کیا جائے۔ نیز تمام آدابِ دعاء کو ملحوظ رکھا جائے۔

۱۴۸۶۔ حَدَّثَنَا الْقَعْنَبِيُّ عَنْ مَالِكٍ عَنْ أَبِي الزِّنَادِ عَنِ الْأَعْرَجِ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَا يَقُولَنَّ أَحَدُكُمُ اللّٰهُمَّ اغْفِرْ لِي إِنْ شِئْتَ اللّٰهُمَّ ارْحَمْنِي إِنْ شِئْتَ لِيَعْزِمِ الْمَسْأَلَةَ فَإِنَّهُ لَا مُكْرِهَ لَهُ۔

ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم میں سے کوئی ہرگز یہ نہ کہے کہ اے اللہ اگر تو چاہے تو مجھے بخش دے اے اللہ اگر تو چاہے تو مجھ پر رحم فرما، بلکہ اسے جزم و یقین کے ساتھ سوال کرنا چاہیئے کیونکہ اللہ کو مجبور کرنے والا کوئی نہیں۔ (بخاری، مسلم، ترمذی، نسائی اور ابن ماجہ نے بھی اس کی روایت کی ہے)

شرح: "اگر تو چاہے" میں شک پایا جاتا ہے اور مایوسی کا اظہار ہے، بلکہ یہ خیال بھی پایا جاتا ہے کہ معاذ اللہ وہ ذات برحق بخیل ہے اور بندوں کو دعاؤں کو قبول کرنے میں بخل کرتا ہے۔ جب اللہ تعالیٰ قادر مطلق ہے، اسے کوئی مجبور نہیں کرسکتا تو پھر دعا میں مایوسی اور شک کیسا؟ جب مانگتا اُسی سے ہے، اور کوئی دینے والا ہی نہیں تو کیوں نہ عزم و یقین سے التجاء کی جائے؟ اس شرط کا کوئی فایدہ نہیں ہے اور یہ اللہ تعالےٰ کے حضور میں اظہار بدگمانی ہے اس لیے اس سے منع فرما دیا گیا۔

۱۴۸۷۔ حَدَّثَنَا الْقَعْنَبِيُّ عَنْ مَالِكٍ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ عَنْ أَبِي عُبَيْدٍ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ يُسْتَجَابُ لِأَحَدِكُمْ مَا لَمْ يَعْجَلْ فَيَقُولُ قَدْ دَعَوْتُ وَلَمْ يُسْتَجَبْ لِي۔

ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم میں سے ہر کسی کی دعائیں قبول ہوتی رہتی ہیں جب تک کہ وہ جلد بازی نہ کرے اور یہ نہ کہنے لگے کہ: میں نے دعا کی مگر قبول نہ ہوئی (بخاری، مسلم، ترمذی، اور ابن ماجہ نے بھی اسے روایت کیا ہے)

شرح: ابن بطال نے کہا کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ شخص اکتا کر دعا کرنا چھوڑ دے گویا کہ وہ اللہ تعالیٰ پہ اپنی دعاء کا احسان جتا تا ہے۔ (اگر وہ نہ مانگتا تو خداوند تعالیٰ کا کیا نقصان ہوتا؟ اور اگر اب چھوڑ دے گا تو اسے کیا تکلیف ہوگی؟ مانگنا بندے کا اور قبول کرنا یا نہ کرنا اللہ کا کام ہے۔ اگر اس سے نہ مانگے گا تو اور کون ہے جس سے مانگا جا سکے؟) ایسا کہنے والا ایک اور لحاظ سے بھی اللہ تعالیٰ کا نافرمان ہے کہ گویا وہ سمجھتا ہے میری دعا کی قبولیت کی تمام شرائط جمع تھیں لہذا اللہ پہ اس کی قبولیت معاذ اللہ واجب تھی۔ یا اللہ نے گویا از راہ بخل میری دعا کو نہیں سنا، معاذ اللہ منہ۔

اگر یہ کہا جائے کہ: اُدْعُونِي أَسْتَجِبْ لَكُمْ میں اور أُجِيبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ إِذَا دَعَانِ میں اللہ تعالےٰ کا وعدہ ہے کہ دعا کرنے والے کی دعا کو ضرور سنے گا، مگر یہ حدیث بظاہر اس کے خلاف ہے کہ بندہ جب جلد بازی کرے تو اللہ تعالیٰ اس کی دعا کو قبول نہیں فرماتا۔ اس کا جواب یہ ہے کہ اس حدیث نے (بقول علامہ کرمانی) اور تعالیٰ کے وعدے کو مقید کر دیا ہے کہ دعاء قبول تو ہوتی ہے مگر جلد بازی کی صورت میں نہیں ہوتی۔ مولاناؒ نے فرمایا کہ اس سوال کا یہ جواب بھی دیا جا سکتا ہے کہ دعاء کی قبولیت کی صرف یہی صورت نہیں کہ وہ بعینہٖ قبول ہو جائے اور مطلوبہ مقصد پورا ہو جائے۔ بلکہ یہ بھی ممکن ہے کہ اللہ تعالےٰ کسی مصلحت سے وہ چیز نہ دے بلکہ اس کے بدلے میں کوئی اور چیز دیدے جو اس سے بھی بہتر ہو۔ علامہ ابن الجوزی نے کہا کہ مومن کی دعاء رد نہیں کی جاتی بلکہ کبھی قبولیت میں تاخیر ہی اس کے لیے بہتر ہوتی ہے یا اس کے عوض میں کوئی اور چیز دے دی جاتی ہے جو دنیا و آخرت میں اس کے لیے بہتر ہو (یا اس دعاء کو ہی بطور نیکی کے اس کے لیے محفوظ رکھا جاتا ہے اور وہ اس کے اس وقت کام آئے گی جب اسے دنیا سے بھی زیادہ اس کی حاجت ہوگی) پس مومن کے لیے ترک دعا بالکل مناسب نہیں۔

اور احادیث بھی اس پر دلالت کرتی ہیں کہ مومن کی دعا رد نہیں کی جاتی۔ یا تو اس کی دعا کے مطابق دنیا میں ہی اسے قبولیت سے نوازا جاتا ہے اور یا اس کے باعث اس جیسی کسی آنے والی تکلیف سے اسے بچایا جاتا ہے (حدیث لَا يَرُدُّ الْقَضَاءَ اِلَّا الدُّعَاءُ کا شاید یہی معنی ہو) اگر کوئی یہ کہے کہ دعا کرنے والا تو نہیں جانتا کہ اس کی تقدیر میں کیا ہے، پس اس کی دعا اگر مقدور کے موافق ہے تو بیکار اور بے فائدہ ہے۔ اگر اس کے خلاف ہے تو وہ گویا خداوند تعالیٰ کے ساتھ عناد ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ دعا عبادت ہے کیونکہ اس میں خضوع اور بندے کا اظہار عجز و نیاز ہے، پس وہ کسی صورت میں لاحاصل نہیں رہ سکتی۔ اور دعا کے ساتھ جب عقیدہ یہ ہو کہ ہو گا وہی جو اللہ چاہے گا تو اس میں کوئی عناد نہیں ہے۔ اور دعا کا فائدہ یہ ہے کہ اللہ کا حکم ماننے کے باعث (اُدْعُوْنِی) بندے کو ثواب و رضاء الٰہی ملتی ہے۔ اور یہ بھی احتمال ہے کہ جو چیز مقدر ہے وہ دعا پر موقوف ہو کیونکہ اللہ تعالیٰ اسباب اور مسببات سب کا خالق ہے۔ قشیری نے کہا ہے کہ دعا ہی سکوت و رضا سے بہتر ہے کیونکہ اکثر دلائل شرع یہی کہتے ہیں اور اس میں اظہار خضوع و عبدیت ہے۔ حافظ ابن حجر نے کہا ہے کہ بعض نے کہا ہے سکوت و رضا بہتر ہے کیونکہ تسلیم کی فضیلت مسلم ہے۔ مگر کہا جا سکتا ہے کہ تسلیم و رضا کا سوال کو کسی کام کے ہو چکنے کے بعد کا مرحلہ ہے لہٰذا دعا ہی بہتر ہے، ہاں اگر قبول نہ ہوا اور اس کے خلاف فیصلہ ہو جائے تو پھر تسلیم و رضا ہی افضل ہے بلکہ اس کے بغیر اور کوئی چارہ ہی نہیں ہوتا۔ واللہ اعلم۔

۱۴۸۸۔ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ مَسْلَمَةَ نَا عَبْدُ الْمَلِكِ بْنُ مُحَمَّدِ بْنِ اَيْمَنَ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ يَعْقُوْبَ بْنِ اِسْحَاقَ عَنْ مَنْ حَدَّثَهُ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ كَعْبٍ الْقُرَظِيِّ حَدَّثَنِيْ عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ عَبَّاسٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَا تَسْتُرُوا الْجُدُرَ مَنْ نَظَرَ فِيْ كِتَابِ اَخِيْهِ بِغَيْرِ اِذْنِهِ فَاِنَّمَا يَنْظُرُ فِي النَّارِ سَلُوا اللّٰهَ بِبُطُوْنِ اَكُفِّكُمْ وَلَا تَسْئَلُوْهُ بِظُهُوْرِهَا فَاِذَا فَرَغْتُمْ فَامْسَحُوْا بِهَا وُجُوْهَكُمْ قَالَ اَبُوْ دَاوٗدَ رُوِيَ هٰذَا الْحَدِيْثُ مِنْ غَيْرِ وَجْهٍ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ كَعْبٍ كُلُّهَا وَاهِيَةٌ وَهٰذَا الطَّرِيْقُ اَمْثَلُهَا وَهُوَ ضَعِيْفٌ اَيْضًا۔

محمد بن کعب قرظی نے کہا کہ مجھ کو عبداللہ بن عباسؓ نے حدیث سنائی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: دیواروں کو مت ڈھانپو، جس نے اپنے بھائی کی اجازت کے بغیر اس کے خط میں نظر ڈالی تو وہ آگ میں نظر ڈالتا ہے۔ اور اپنی ہتھیلیوں کے باطن سے اللہ سے سوال کرو، اُن کے ظاہر سے سوال مت کرو۔ پھر جب فارغ ہو جاؤ تو ہاتھوں کو چہروں پر پھیر لو۔ ابوداؤد نے کہا کہ یہ حدیث محمد بن کعب سے کئی طریق سے مروی ہے جو سب واہیات ہیں اور سب سے بہتر طریق یہ ہے مگر یہ بھی ضعیف ہے (ضعف کا باعث وہ مجہول راوی

ہے جو محمد بن کعب قرظی سے راوی ہے۔ یہ حدیث ابن ماجہ نے بھی روایت کی ہے۔
شرح: معالم السنن میں خطابی نے کہا ہے کہ: فَاِنَّمَا یَنْظُرُ فِی النَّارِ کا قول ایک تمثیل ہے، یعنی اس فعل سے اس طرح بچو جیسے آگ سے بچتے ہو۔ وجہ یہ کہ آگ کو مسلسل غور سے دیکھنے سے نظر پر برا اثر پڑتا ہے۔ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ آگ کی طرف دیکھنے سے مراد اس کے قریب ہونا ہو، کیونکہ کسی چیز کو دیکھنا اسی وقت متحقق ہوتا جب اس کا قرب ہو۔ اور اس کا یہ معنی بھی ہو سکتا ہے کہ کسی کے خط کی طرف دیکھنا آگ سے قریب کرنے والے سب کی طرف دیکھنا ہے۔ بعض اہل علم کا خیال ہے کہ خط سے مراد وہ خط ہے جس میں کوئی امانت یا راز ہو اور خط والا نہ چاہتا ہو کہ کسی اور کو اس کی اطلاع ملے۔ لیکن جن خطوط میں علم ہو وہ ممنوع نہیں ہو سکتے اور نہ ان کا چھپانا جائز ہے۔ ہاں کسی مصلحت سے اگر کوئی دکھانا نہیں چاہتا تو انہیں دیکھنا بھی جائز نہیں۔
مولانا نے فرمایا کہ محمد بن کعب قرظی سے روایت کرنے والا التقریب اور تہذیب التہذیب کے بقول ابو المقدام ہشام بن زیاد ہے۔ اور اسے محدثین نے ضعیف کہا ہے۔ پھر معلوم نہیں ابوداؤد اس طریق میں کونسی خوبی دیکھی ہے جس کی بنا پر اسے باقی سب طریقوں سے افضل بتایا ہے۔ ابن ماجہ کی روایت میں محمد بن کعب القرظی سے روایت کرنے والا صالح بن حسان ضعیف ہے۔ حاکم کی روایت میں بھی یہی صالح بن حسان ہے۔
دیواروں کو پردوں سے ڈھانپنے کی ممانعت اس بنا پر ہے کہ یہ متکبرین اور عیاش لوگوں کا طریقہ ہے۔
ہتھیلیوں کے باطن سے دعاء کرنے کا حکم اس لیے ہے کہ جو شخص کسی سے کچھ مانگتا ہے وہ اسی طرح طلب کرتا ہے۔ گویا وہ اپنے ہاتھ جو خالی ہیں انہیں پر کرنا چاہتا ہے، اور مسنون یہی ہے کہ دونوں ہاتھ اٹھائے جائیں۔ ہاں رفع مصیبت کی دعا کے وقت الٹی ہتھیلیوں سے دعاء کی جائے جیسا کہ استسقاء میں ہے، اس طرح گویا القلاب احوال کی درخواست کی جاتی ہے۔ چونکہ ہاتھوں پر دعاء کے وقت رحمت خداوندی کے آثار نازل ہوتے ہیں لہذا انہیں منہ پر پھیرنے کا حکم دیا گیا۔ حدیث ضعیف چونکہ فضائل اعمال میں بالاتفاق حجت ہے لہذا ابن عبدالسلام کا یہ قول درست نہیں ہے کہ ہاتھوں کو دعاء کے بعد منہ پر پھیرنا مسنون نہیں۔ مسلم میں انسؓ کی حدیث بظاہر اس حدیث کے خلاف ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم استسقاء کے علاوہ دعاء میں ہاتھ نہیں اٹھاتے تھے۔ مگر الواب استسقاء میں گزر چکا ہے کہ انسؓ کی مراد بہت اونچے ہاتھ اٹھانا ہے جس پر یہ لفظ دلالت کرتے ہیں کہ: حَتّٰی یُرٰی بَیَاضُ اِبِطَیْہِ۔
نوویؒ نے کہا ہے کہ استسقاء کے علاوہ بھی بے شمار مواقع پر حضورؐ کا ہاتھ اٹھا کر دعاء مانگنا ثابت ہے۔ اور میں نے شرح المہذب میں اس سلسلے میں صحیحین کی تقریباً تیس احادیث جمع کر دی ہیں۔

۱۴۸۹۔ حَدَّثَنَا سُلَیْمَانُ بْنُ عَبْدِ الْحَمِیْدِ الْبَهْرَانِیُّ قَالَ قَرَأْتُهُ فِیْ اَصْلِ اِسْمٰعِیْلَ یَعْنِیْ ابْنَ عَیَّاشٍ حَدَّثَنِیْ ضَمْضَمٌ عَنْ شُرَیْحٍ نَا اَبُوْ ظَبْیَةَ اَنَّ اَبَا بَحْرِیَّةَ السَّکُوْنِیَّ حَدَّثَهٗ عَنْ مَالِكِ بْنِ یَسَارٍ السَّکُوْنِیِّ ثُمَّ الْعَوْفِیِّ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اِذَا سَاَلْتُمُ اللّٰهَ فَسَلُوْهُ بِبُطُوْنِ اَکُفِّکُمْ وَلَا تَسْئَلُوْهُ بِظُهُوْرِهَا

قَالَ اَبُوْدَاوُدَ قَالَ سُلَيْمَانُ بْنُ عَبْدِ الْحَمِيْدِ لَهٗ عِنْدَنَا صُحْبَةٌ يَعْنِيْ مَالِكَ بْنَ يَسَارٍ ۔

مالک بن یسارؓ سکونی عوفی نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب تم اللہ سے سوال کرو تو اپنی ہتھیلیوں کے باطن سے سوال کرو اور ان کے بیرونی حصوں کے ساتھ سوال مت کرو۔ ابوداؤد نے کہا کہ سلیمان بن عبدالحمید نے کہا کہ مالکؓ بن یسار ہمارے نزدیک صحابی تھا۔

شرح: منذری نے کہا ہے کہ ابوداؤد کے ایک نسخے کے مطابق: لہٗ عند نا صحبۃ سے پہلے ما کا لفظ ہے یعنی وہ صحابی نہیں تھا۔ سلیمان بن عبدالحمید متکلم فیہ راوی ہے، نسائی نے اسے کذاب کہا ہے۔ پھر وہ کہتا ہے کہ میں نے بالمشافہ اسماعیل سے روایت نہیں کی نہ اُس نے اسے کچھ لکھ کر بھیجا بلکہ بصورت وجادہ اس کی کتاب سے پڑھا وجادہ کی شرط یہ ہے کہ استاد کی اجازت سے روایت ہوسکتی ہے مگر یہاں یہ صورت نہیں ہے۔ اس قسم کی روایت کا اعتبار متنازعہ فیہ ہے۔

۱۴۹۰۔ حَدَّثَنَا عُقْبَةُ بْنُ مُكْرَمٍ نَا سَلْمُ بْنُ قُتَيْبَةَ عَنْ عُمَرَ بْنِ نَبْهَانَ عَنْ قَتَادَةَ عَنْ اَنَسِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ رَاَيْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَدْعُوْ هٰكَذَا بِبَاطِنِ كَفَّيْهِ وَظَاهِرِهِمَا ۔

انس بن مالکؓ نے کہا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس طرح اپنے ہاتھوں کی اندرونی اور بیرونی جانب سے دعا فرماتے دیکھا (اس روایت میں عمر بن نبہان ضعیف راوی ہے ہاتھوں کے ظاہر سے دعاء استسقاء کے موقع پر ثابت ہے)

۱۴۹۱۔ حَدَّثَنَا مُؤَمَّلُ بْنُ الْفَضْلِ الْحَرَّانِيُّ نَا عِيْسٰى يَعْنِي ابْنَ يُوْنُسَ نَا جَعْفَرٌ يَعْنِي ابْنَ مَيْمُوْنٍ صَاحِبُ الْاَنْمَاطِ حَدَّثَنِيْ اَبُوْ عُثْمَانَ عَنْ سَلْمَانَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ رَبَّكُمْ حَيِيٌّ كَرِيْمٌ يَسْتَحْيِيْ مِنْ عَبْدِهٖ اِذَا رَفَعَ يَدَيْهِ اِلَيْهِ اَنْ يَرُدَّهُمَا صِفْرًا ۔

سلمانؓ نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بیشک تمہارا رب حیادار ہے کریم ہے، جب بندہ اپنے ہاتھ اس کی طرف اٹھائے تو انہیں خالی لوٹانے سے شرماتا ہے (ترمذی اور ابن ماجہ نے بھی اسے روایت کیا۔ ترمذی نے اسے حسن غریب کہا ہے) اس حدیث میں حیاء کا لفظ اللہ تعالے کے لیے کما یلیق بشانہ ہے اس کی حیاء مخلوق جیسی نہیں۔

۱۴۹۲۔ حَدَّثَنَا مُوسَى ابْنُ إِسْمٰعِيلَ نَا وُهَيْبٌ يَعْنِي ابْنَ خَالِدٍ حَدَّثَنِي الْعَبَّاسُ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ مَعْبَدِ بْنِ الْعَبَّاسِ بْنِ عَبْدِ الْمُطَّلِبِ عَنْ عِكْرِمَةَ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ الْمَسْأَلَةُ أَنْ تَرْفَعَ يَدَيْكَ حَذْوَ مَنْكِبَيْكَ أَوْ نَحْوَهُمَا وَالْاِسْتِغْفَارُ أَنْ تُشِيرَ بِإِصْبَعٍ وَاحِدَةٍ وَالْاِبْتِهَالُ أَنْ تَمُدَّ يَدَيْكَ جَمِيعًا۔

ابن عباسؓ نے کہا کہ سوال کا ادب یہ ہے کہ تو اپنے ہاتھ کندھوں کے برابر یا اُن کے قریب اٹھائے اور استغفار یہ ہے کہ تو ایک انگلی کے ساتھ اشارہ کرے اور عاجزی کا اظہار یہ ہے کہ تو دونوں ہاتھ پھیلائے (انگشت شہادت کے ساتھ اشارہ کرنا شیطان اور نفس امارہ کا رد ہے اور یہی استغفار کی حقیقت ہے)

۱۴۹۳۔ حَدَّثَنَا عَمْرُو بْنُ عُثْمَانَ نَا سُفْيَانُ حَدَّثَنِي عَبَّاسُ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ مَعْبَدِ بْنِ عَبَّاسٍ بِهٰذَا الْحَدِيثِ قَالَ فِيهِ وَالْاِبْتِهَالُ هٰكَذَا وَرَفَعَ يَدَيْهِ وَجَعَلَ ظُهُورَهُمَا مِمَّا يَلِي وَجْهَهُ۔

وہی حدیث دوسری سند کے ساتھ۔ اس میں ہے کہ، عاجزی یوں ہے اور ابن عباسؓ نے اپنے ہاتھ اٹھائے اور ان کے ظاہری حصے اپنے چہرے کی طرف کئے۔

۱۴۹۴۔ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ يَحْيَى بْنِ فَارِسٍ نَا إِبْرَاهِيمُ بْنُ حَمْزَةَ نَا عَبْدُ الْعَزِيزِ بْنُ مُحَمَّدٍ عَنِ الْعَبَّاسِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ مَعْبَدِ بْنِ عَبَّاسٍ عَنْ أَخِيهِ إِبْرَاهِيمَ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ فَذَكَرَ نَحْوَهُ۔

ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا الخ ۔ پچھلی حدیث کی مانند۔

۱۴۹۵۔ حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ نَا ابْنُ لَهِيعَةَ عَنْ حَفْصِ بْنِ هَاشِمِ بْنِ عُتْبَةَ بْنِ أَبِي وَقَّاصٍ عَنِ السَّائِبِ بْنِ يَزِيدَ عَنْ أَبِيهِ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ إِذَا دَعَا فَرَفَعَ يَدَيْهِ مَسَحَ وَجْهَهُ بِيَدَيْهِ۔

یزیدؓ بن سعید سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم جب دعا فرماتے اور اپنے دونوں ہاتھ اٹھاتے تھے تو اپنے چہرے پر پھیرتے تھے (اس حدیث کی سند میں ابن لہیعہ ضعیف اور حفص بن ہاشم مجہول راوی ہے۔ طیبی نے کہا ہے کہ حضورؐ اکثر نماز میں اور اس سے باہر بھی دعائیں فرماتے تھے مگر ہر دعا میں ہاتھ نہیں اٹھاتے تھے کبھی کبھی ایسا ہوتا تھا۔ جب ہاتھ اٹھاتے تو چہرے پر پھیرتے)

۱۴۹۶۔ حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ نَا يَحْيَى عَنْ مَالِكِ بْنِ مِغْوَلٍ نَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ بُرَيْدَةَ عَنْ اَبِيْهِ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سَمِعَ رَجُلًا يَقُوْلُ اَللّٰهُمَّ اِنِّيْ اَسْأَلُكَ اَنِّيْ اَشْهَدُ اَنَّكَ اَنْتَ اللّٰهُ لَا اِلٰهَ اِلَّا اَنْتَ الْاَحَدُ الصَّمَدُ الَّذِيْ لَمْ يَلِدْ وَلَمْ يُوْلَدْ وَلَمْ يَكُنْ لَّهٗ كُفُوًا اَحَدٌ فَقَالَ لَقَدْ سَأَلْتَ اللّٰهَ بِالْاِسْمِ الَّذِيْ اِذَا سُئِلَ بِهٖ اَعْطٰى وَاِذَا دُعِيَ بِهٖ اَجَابَ۔

بریدہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک آدمی کو یہ کہتے سنا: اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَسْأَلُكَ اَنِّیْ اَشْهَدُ الخ" اے میں تجھ سے سوال کرتا ہوں کہ میں گواہی دیتا ہوں بیشک تو ہی اللہ ہے، تیرے سوا کوئی معبود نہیں، تیرے سوا کوئی معبود نہیں، تو اکیلا ہے، بے نیاز ہے جس نے نہ کسی کو جنا نہ کسی نے اُسے جنا اور نہ اس کا کوئی ہم سر ہے"۔ پس حضورؐ نے فرمایا: تو نے اللہ سے اس نام کے ساتھ سوال کیا ہے کہ جب اس سے اس کے ساتھ سوال کیا جائے تو وہ عطا کرتا ہے اور جب اُس سے اس نام کے ساتھ دعا کی جائے تو قبول کرتا ہے (ترمذی نسائی اور ابن ماجہ نے بھی اس کی روایت کی ہے)

شرح: یہ دعا کرنے والا ابوموسیٰ اشعریؓ تھا جیسا کہ مسند احمد کی روایت میں ہے۔ وہ روایت یوں ہے کہ بریدہؓ عشاء کے وقت باہر گئے تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ملاقات ہوئی۔ حضورؐ نے اس کا ہاتھ پکڑا اور اسے مسجد میں لے گئے وہاں ایک آدمی کی قرأت کی آواز آئی تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کیا تو اسے ریاکار سمجھتا ہے؟ پس بریدہؓ خاموش رہا، کیا دیکھتے ہو کہ ایک آدمی دعا کر رہا ہے اور یہ کہہ رہا ہے: اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَسْأَلُكَ الخ پس نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اس ذات کی قسم کہ میری جان جس کے قبضے میں ہے یا یہ فرمایا کہ اس ذات کی قسم جس کے قبضے میں محمدؐ کی جان ہے، اس نے اللہ کے اسم اعظم کے ساتھ سوال کیا ہے کہ جب کوئی اس کے ساتھ سوال کرے تو اسے عطا ہو اور جب دعا کرے تو قبول ہو۔ عبداللہ بن بریدہؓ نے کہا جب اگلی رات ہوئی تو بریدہؓ گھر سے نکلا اور اس سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ملاقات ہوئی پس حضورؐ نے اس کا ہاتھ پکڑا اور اسے مسجد میں داخل کیا، اچانک ایک قرأت کرنے والے کی آواز آئی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کیا تو اس کو ریاکار کہتا ہے؟ بریدہؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کیا آپ اس کو ریاکار کہتے ہیں؟ حضورؐ نے فرمایا نہیں بلکہ عاجزی سے دعا کرنے والا مومن، نہیں بلکہ عاجزی کرنے والا مومن، وہ اشعریؓ تھا جو مسجد کے ایک کونے میں خوش آوازی سے قرأت کر رہا تھا۔ حضور صلی اللہ علیہ

وسلم نے فرمایا کہ اشعری کو، یا فرمایا عبداللہ بن قیس کو (ابو موسیٰ کا نام) داؤد کے مزامیر میں سے ایک مزامیر دیا گیا ہے۔ میں نے کہا یا رسول اللہ کیا میں اسے یہ خبر دے دوں؟ فرمایا کیوں نہیں؟ اسے خبر دے دو۔ پس میں نے اسے یہ بات بتائی تو وہ بولا: تو میرا دوست ہے جس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث مجھے بتائی ہے۔

۱۴۹۷۔ حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّحْمٰنِ بْنُ خَالِدٍ الرَّقِّيُّ نَا زَيْدُ بْنُ حُبَابٍ نَا مَالِكُ بْنُ مِغْوَلٍ بِهٰذَا الْحَدِيْثِ قَالَ فِيْهِ لَقَدْ سَأَلَ اللّٰهَ بِاسْمِهِ الْأَعْظَمِ۔

اسی حدیث کی دوسری روایت۔ اس میں ہے کہ فرمایا: تو نے اللہ سے اس کے اسم اعظم کے ساتھ سوال کیا ہے۔ (منذری نے اپنے اسناد کے حوالے سے کہا ہے کہ اس روایت کی سند بڑی جید ہے اور اس میں ان لوگوں کا رد ہے جو اللہ کا کوئی اسم اعظم ہونے سے انکار کرتے ہیں) اسم اعظم پر گفتگو ابھی آئے گی۔

۱۴۹۸۔ حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّحْمٰنِ بْنُ عُبَيْدِ اللّٰهِ الْحَلَبِيُّ نَا خَلَفُ بْنُ خَلِيْفَةَ عَنْ حَفْصٍ يَعْنِيْ ابْنَ أَخِيْ أَنَسٍ عَنْ أَنَسٍ أَنَّهُ كَانَ مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ جَالِسًا وَرَجُلٌ يُصَلِّيْ ثُمَّ دَعَا اَللّٰهُمَّ إِنِّيْ أَسْأَلُكَ بِأَنَّ لَكَ الْحَمْدَ لَا إِلٰهَ إِلَّا أَنْتَ الْمَنَّانُ بَدِيْعُ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ يَا ذَا الْجَلَالِ وَالْإِكْرَامِ يَا حَيُّ يَا قَيُّوْمُ فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَقَدْ دَعَا اللّٰهَ بِاسْمِهِ الْعَظِيْمِ الَّذِيْ إِذَا دُعِيَ بِهٖ أَجَابَ وَإِذَا سُئِلَ بِهٖ أَعْطٰى۔

انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ وہ (یعنی انس رضی اللہ عنہ) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ بیٹھا ہوا تھا اور ایک آدمی نماز پڑھ رہا تھا پھر اس نے دعا کی: اَللّٰهُمَّ إِنِّيْ أَسْأَلُكَ الخ "اے اللہ میں تجھ سے سوال کرتا ہوں کیونکہ تیرے ہی لیے حمد ہے، تیرے سوا کوئی معبود نہیں تو انعام و احسان کرنے والا ہے آسمان وزمین کا موجد ہے" اے جلال واکرام والے، اے زندہ، اے قائم رکھنے والے۔ پس نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اس نے اللہ کے عظیم نام کے ساتھ دعا کی ہے جس کے ساتھ دعا کی جائے تو وہ قبول کرتا ہے اور جب اس کے ساتھ سوال کیا جائے تو وہ عطا کرتا ہے (یہ حدیث نسائی میں بھی ہے)

۱۴۹۹۔ حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ نَا عِيْسَى بْنُ يُوْنُسَ نَا عُبَيْدُ اللّٰهِ بْنُ أَبِيْ زِيَادٍ عَنْ شَهْرِ بْنِ حَوْشَبٍ عَنْ أَسْمَاءَ بِنْتِ يَزِيْدَ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اسْمُ اللّٰهِ الْأَعْظَمُ فِيْ هَاتَيْنِ الْآيَتَيْنِ وَإِلٰهُكُمْ إِلٰهٌ وَّاحِدٌ لَا إِلٰهَ إِلَّا هُوَ الرَّحْمٰنُ الرَّحِيْمُ وَفَاتِحَةِ سُوْرَةِ اٰلِ عِمْرَانَ الٓمّٓ اللّٰهُ لَا إِلٰهَ إِلَّا هُوَ الْحَيُّ الْقَيُّوْمُ۔

اسماء بنت یزید رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اللہ تعالیٰ کا اسم اعظم ان دو آیتوں میں ہے: وَ اِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ الخ اور سورہ آل عمران کی ابتداء: الٓمّٓ اللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الْحَیُّ الْقَیُّوْمُ۔ اس حدیث کو ابن ماجہ اور ترمذی نے روایت کیا ہے اور ترمذی نے اسے حسن کہا ہے۔ منذری نے کہا ہے کہ راوی شہر بن حوشب کو احمد اور یحییٰ بن معین نے ثقہ کہا ہے مگر کئی محدثین نے اس پر تنقید کی ہے۔ ایک راوی عبید اللہ بن ابی زیاد قداح کی بھی متکلم فیہ ہے۔

شرح: امام احمد نے یہ حدیث محمد بن بکر کے طریق سے روایت کی ہے۔ اس میں ہے کہ حضور نے فرمایا اللہ تعالیٰ کا اسم اعظم ان دو آیتوں میں ہے: اَللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الْحَیُّ الْقَیُّوْمُ اور الٓمّٓ اللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الْحَیُّ الْقَیُّوْمُ۔ محدث علی القاری نے روایت کی ہے کہ اسم اعظم تین سورتوں میں: البقرہ، آل عمران اور طٰہٰ۔ القاسم بن عبدالرحمن شامی تابعی نے کہا ہے کہ میں ایک سو صحابہ سے ملا ہوں اور ان سے پوچھا ہے کہ ان تین سورتوں کی کونسی آیت میں اسم اعظم ہے؟ پس مجھے پتہ چلا کہ وہ اَلْحَیُّ الْقَیُّوْمُ ہے۔ امام فخر الدین رازی نے کہا ہے کہ یہ دو نام اللہ تعالیٰ صفات ربوبیت پر جس طرح دلالت کرتے ہیں اور کوئی نہیں کرتا۔ نووی نے بھی اسی کو اختیار کیا ہے۔ جزری نے کہا کہ میرے نزدیک اسم اعظم یہ ہے: اَللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الْحَیُّ الْقَیُّوْمُ امام رازی سے بھی ایک روایت یہی ہے۔ حاکم نے ابن عباس اور ابو الدرداء سے نقل کیا ہے کہ ان کے نزدیک اللہ کا اسم اکبر ربّ ربّ ہے۔ بعض کے نزدیک: اللہ اللہ اللہ الَّذِی لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ رَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِیْمِ ہے اور یہ علی بن الحسین زین العابدین سے منقول ہے کہ انہوں نے یہ خواب میں دیکھا تھا۔ قاضی عیاض نے بعض علماء سے نقل کیا ہے کہ کلمہ توحید اسم اعظم ہے۔ اور بعض نے کہا کہ وہ: اللہ ہے کیونکہ اس کا اطلاق ذات خداوندی کے سوا کسی اور پر نہیں ہوتا اور یہی اسماء حسنیٰ کی اصل بھی ہے۔ بعض کے نزدیک اللہ الرحمٰن الرحیم اسم اعظم ہے اور شاید اس کی دلیل ابن ماجہ کی ایک ضعیف روایت ہے۔ اور ایک قول یہ ہے کہ اسم اعظم اللہ تعالیٰ کے اسمائے حسنیٰ میں مخفی ہے اور اس کی تائید حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت سے ہوتی ہے۔

بعض علماء نے اللہ تعالیٰ کے کسی نام کو دوسرے پر ترجیح دینے سے انکار کیا ہے کیونکہ اس سے بعض اسماء کا نقص ظاہر ہوتا ہے۔ اور انہوں نے اعظم سے عظیم مراد لیا ہے اور کہا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے سب نام عظیم ہیں۔ مولانا نے فرمایا کہ طبرانی کے نزدیک یہ سب اقوال صحیح ہیں کیونکہ کسی حدیث میں اسم اعظم کی تعیین نہیں آئی لہٰذا مطلب یہ ہے کہ اللہ کا ہر نام اعظم ہے اور اس میں ایک دوسرے پر تفضیل ملحوظ نہیں، گویا مطلب یہ ہوا کہ اعظم بمعنیٰ عظیم ہے۔ ابن حبان نے کہا ہے کہ احادیث میں جو اعظم کا لفظ وارد ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ قبولیت دعاء کے لئے یہ نام اعظم ہیں۔ جعفر صادق سے منقول ہے کہ بندہ جب اللہ تعالیٰ سے حالت استغراق میں دعا کرے اور اس وقت اس کے ذہن و دماغ میں اللہ تعالیٰ کے سوا کچھ نہ ہو تو جس نام سے بھی دعا کرے گا وہ اسم اعظم ہوگا۔

۱۵۰۰۔ حَدَّثَنَا عُثْمَانُ بْنُ اَبِیْ شَیْبَةَ نَا حَفْصُ بْنُ غِیَاثٍ عَنِ الْاَعْمَشِ عَنْ حَبِیْبِ بْنِ اَبِیْ ثَابِتٍ عَنْ عَطَاءٍ عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ سُرِقَتْ مِلْحَفَةٌ لَهَا فَجَعَلَتْ

تَدْعُو عَلَى مَنْ سَرَقَهَا فَجَعَلَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ لَا تُسَبِّخِي عَنْهُ

قَالَ أَبُو دَاوُدَ لَا تُسَبِّخِي لَا تُخَفِّفِي عَنْهُ۔

عطاء نے حضرت عائشہ رضؓ سے روایت کی کہ ان کا ایک لحاف چوری ہو گیا تو وہ چور پہ بددعاء کرنے لگیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے جاتے تھے: اس پہ نرمی مت کر۔ ابو داؤد نے کہا کہ لَا تُسَبِّخِي کا معنیٰ ہے لَا تُخَفِّفِي۔

شرح: بظاہر تو حدیث کا معنی یہ معلوم ہوتا ہے کہ حضورؐ نے حضرت عائشہ رضؓ کو خوب بددعا کرنے کا ارشاد فرمایا تھا مگر مولانا ؒ نے فرمایا کہ حضورؐ کا خلق اور نرم خوئی اس بات کے خلاف ہے۔ پس آپ کی غرض یہ تھی کہ: تو اُسے برا بھلا مت کہہ۔ کیونکہ تیری بددعاء اور چور کی چوری کا وزن کیا جائے گا، اگر تیرا قول کم نکلا تو چور کے ذمہ تیرا حق باقی رہے گا لیکن اگر چوری اس بددعاء سے کم ہوئی تو چور کا حق تیرے ذمہ آ جائے گا۔ اور اگر دونوں برابر ہوئے تو معاملہ صاف ہو جائے گا اور کسی کا کسی کے ذمہ کوئی حق نہ ہو گا۔ لہذا حضورؐ نے عفو کا اشارہ فرمایا کہ بددعاء کر کے اس کی چوری کے وزن کو نہ گھٹا یہ فائدہ حضرت گنگوہیؒ کی تقریر ترمذی سے لیا گیا ہے۔

۱۵۰۱۔ حَدَّثَنَا سُلَيْمَانُ بْنُ حَرْبٍ نَا شُعْبَةُ عَنْ عَاصِمِ بْنِ عُبَيْدِ اللّٰهِ عَنْ سَالِمِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ عَنْ أَبِيهِ عَنْ عُمَرَ قَالَ اسْتَأْذَنْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي الْعُمْرَةِ فَأَذِنَ لِي وَقَالَ لَا تَنْسَنَا يَا أُخَيَّ مِنْ دُعَائِكَ فَقَالَ كَلِمَةً مَا يَسُرُّنِي أَنَّ لِي بِهَا الدُّنْيَا قَالَ شُعْبَةُ ثُمَّ لَقِيتُ عَاصِمًا بَعْدُ بِالْمَدِينَةِ فَحَدَّثَنِيهِ وَقَالَ أَشْرِكْنَا يَا أُخَيَّ فِي دُعَائِكَ۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے عمرہ ادا کرنے کی اجازت مانگی تو آپ نے اجازت دی اور فرمایا: اے پیارے بھائی ہمیں اپنی دعاؤں میں فراموش نہ کرنا۔ آپ نے یہ ایک ایسا کلمہ بولا جس کے بدلے میں میں ساری دنیا لینے کو بھی تیار نہیں ہوں۔ شعبہ نے کہا کہ پھر میں مدینہ میں عاصم سے ملا تو اس نے مجھ سے یہ حدیث یوں بیان کی: اے میرے بھائی ہمیں اپنی دعاء میں شامل رکھنا (ابن ماجہ اور ترمذی نے بھی اس کی روایت کی۔ ترمذی نے کہا کہ یہ حدیث حسن صحیح ہے)

شرح: اس کی سند میں عاصم بن عبید اللہ ایک ضعیف راوی ہے۔ حدیث سے یہ ثابت ہوا کہ نیکوکاروں اور مقامات اجابت پہ جانے والوں سے دعاء حاصل کرنا مسنون ہے۔ حضورؐ نے یا اُخَيَّ (یا اخی) فرما کہ عمر رضؓ کی محبت اور مقام رفیع کا اظہار فرمایا ہے۔

۱۵۰۲۔ حَدَّثَنَا زُهَيْرُ بْنُ حَرْبٍ نَا أَبُو مُعَاوِيَةَ نَا الْأَعْمَشُ عَنْ أَبِي صَالِحٍ

عَنْ سَعْدِ بْنِ اَبِیْ وَقَّاصٍ قَالَ مَرَّ عَلَیَّ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ وَاَنَا اَدْعُوْ بِاُصْبُعَیَّ فَقَالَ اَحِّدْ اَحِّدْ وَاَشَارَ بِالسَّبَّابَةِ۔

سعد بن ابی وقاص رضؓ نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میرے پاس سے گزرے اور میں اپنی انگلی سے دعا کر رہا تھا، پس آپ نے ارشاد فرمایا: ایک انگلی سے، ایک انگلی سے اشارہ کر۔ اور حضورؐ نے سبابہ کے اشارے سے بتایا۔ (نسائی اور ترمذی نے بھی اسے روایت کیا ہے) انگلی سے دعا کرنے سے مراد بظاہر نماز کے اندر انگشت شہادت کے ساتھ اشارہ کرنا ہے۔ واللہ اعلم۔

بَابُ التَّسْبِیْحِ بِالْحَصٰی

سنگریزوں پر تسبیح کا باب

۱۵۰۲۔ حَدَّثَنَا اَحْمَدُ بْنُ صَالِحٍ نَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ وَهْبٍ اَخْبَرَنِیْ عَمْرٌو اَنَّ سَعِیْدَ بْنَ اَبِیْ هِلَالٍ حَدَّثَهٗ عَنْ خُزَیْمَةَ عَنْ عَائِشَةَ بِنْتِ سَعْدِ بْنِ اَبِیْ وَقَّاصٍ عَنْ اَبِیْهَا اَنَّهٗ دَخَلَ مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ عَلٰی اِمْرَاَةٍ وَبَیْنَ یَدَیْهَا نَوًی اَوْ حَصًی تُسَبِّحُ بِهٖ فَقَالَ اُخْبِرُكِ بِمَا هُوَ اَیْسَرُ عَلَیْكِ مِنْ هٰذَا اَوْ اَفْضَلُ فَقَالَ سُبْحَانَ اللّٰهِ عَدَدَ مَا خَلَقَ فِی السَّمَاءِ وَسُبْحَانَ اللّٰهِ عَدَدَ مَا خَلَقَ فِی الْاَرْضِ وَسُبْحَانَ اللّٰهِ عَدَدَ مَا خَلَقَ بَیْنَ ذٰلِكَ وَسُبْحَانَ اللّٰهِ عَدَدَ مَا هُوَ خَالِقٌ وَاللّٰهُ اَكْبَرُ مِثْلَ ذٰلِكَ وَالْحَمْدُ مِثْلَ ذٰلِكَ وَلَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مِثْلَ ذٰلِكَ وَلَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ مِثْلَ ذٰلِكَ۔

سعد بن ابی وقاصؓ سے روایت ہے کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ایک عورت کے ہاں گئے، اس کے سامنے گٹھلیاں یا سنگریزے تھے جن پر وہ تسبیح پڑھتی تھی، پس حضورؐ نے ارشاد فرمایا: میں تجھے اس سے آسان تر چیز بتاتا ہوں، یا افضل فرمایا، حضورؐ نے فرمایا کہ یوں کہہ: سُبْحَانَ اللّٰهِ عَدَدَ مَا خَلَقَ فِی السَّمَاءِ الخ اللہ کی پاکیزگی ہے اس مخلوق کی تعداد کے مطابق جو اُس نے آسمان میں پیدا کی، اور اللہ کی پاکیزگی ہے خدا کی زمینی مخلوق کے برابر، اور اللہ کی پاکیزگی ہے اس مخلوق کی تعداد کے مطابق جو آسمان و زمین کے درمیان ہے اور اللہ کی پاکیزگی ہے ان سب چیزوں کے موافق جنہیں وہ پیدا کرنے والا ہے۔ اور اللہ اکبر بھی اسی طرح کہہ۔ اور الحمد للہ بھی اسی طرح کہہ اور لا الٰہ الا اللہ بھی اسی طرح اور لا حول ولا قوۃ الا باللہ بھی اسی طرح کہہ۔

كَلِمَاتٍ ثَلٰثَ مَرَّاتٍ لَوْ وُزِنَتْ بِمَا قُلْتِ لَوَزَنَتْهُنَّ سُبْحَانَ اللّٰهِ وَبِحَمْدِهٖ عَدَدَ خَلْقِهٖ وَرِضٰى نَفْسِهٖ وَزِنَةَ عَرْشِهٖ وَمِدَادَ كَلِمَاتِهٖ ۔

ابن عباسؓ نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت جویریہؓ کے ہاں سے باہر نکلے۔ ان کا نام برّہ تھا جسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تبدیل کیا تھا۔ سو جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم باہر تشریف لائے تو وہ اپنی جائے نماز میں تھیں اور جب واپس ہوئے تو بھی وہ اپنی جائے نماز پر تھی۔ پس حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کیا تو برابر اپنے اس مصلے پر رہی ہے؟ انھوں نے کہا کہ ہاں۔ حضورؐ نے فرمایا کہ میں نے تیرے ہاں سے نکلنے کے بعد چار کلمات تین بار کہے ہیں، اگر اُن کو تیرے قول کے ساتھ تولا جائے تو وہ بوجھل نکلیں گے: سُبْحَانَ اللّٰهِ وَبِحَمْدِهٖ عَدَدَ خَلْقِهٖ وَرِضٰى نَفْسِهٖ وَزِنَةَ عَرْشِهٖ وَمِدَادَ كَلِمَاتِهٖ "میں اللہ کی تسبیح بیان کرتا ہوں اور اس کی حمد کے ساتھ حمد کرتا ہوں اس کی مخلوق کی تعداد اور اس کی جان کی رضا اور اس کے عرش کے وزن اور اس کے کلمات کی کثرت کے مطابق (اسے نسائیؒ نے بھی روایت کیا اور مسلم، ترمذی، ابن ماجہ اور احمد نے مسند میں روایت کیا ہے)

شرح: جویریہؓ بنت الحارث خزاعیہ غزوۂ مریسیع میں گرفتار ہو کر آئی تھیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انھیں آزاد کر کے نکاح کر لیا تھا۔ اُن کا باپ اُن کی واپسی کے لیے آیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جویریہؓ کو اختیار دے دیا۔ جویریہؓ نے کہا کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اختیار کرتی ہوں۔ ان کا نام برّہ تھا حضورؐ نے بدل کر جویریہؓ رکھ دیا تھا۔ اُن کا نکاح قیدیوں کے لیے بابرکت ثابت ہوا کہ لوگوں نے اُن کی قوم کے سب قیدی یہ کہہ کر رہا کر دیئے کہ یہ حضورؐ کی زوجۂ محترمہ کی قوم کے لوگ ہیں۔ قصّہ مسلم کتاب الجہاد والسیر میں موجود ہے اس حدیث میں وزن سے مراد روحانی و معنوی وزن ہے۔

۱۵۰۷۔ حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّحْمٰنِ بْنُ إِبْرَاهِيْمَ نَا الْوَلِيْدُ بْنُ مُسْلِمٍ نَا الْأَوْزَاعِيُّ حَدَّثَنِيْ حَسَّانُ بْنُ عَطِيَّةَ حَدَّثَنِيْ مُحَمَّدُ بْنُ أَبِيْ عَائِشَةَ حَدَّثَنِيْ أَبُوْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ أَبُوْ ذَرٍّ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ ذَهَبَ أَصْحَابُ الدُّثُوْرِ بِالْأُجُوْرِ يُصَلُّوْنَ كَمَا نُصَلِّيْ وَيَصُوْمُوْنَ كَمَا نَصُوْمُ وَلَهُمْ فُضُوْلُ أَمْوَالٍ يَتَصَدَّقُوْنَ بِهَا وَلَيْسَ لَنَا مَا نَتَصَدَّقُ بِهٖ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَا أَبَا ذَرٍّ أَلَا أُعَلِّمُكَ كَلِمَاتٍ تُدْرِكُ بِهِنَّ مَنْ سَبَقَكَ وَلَا يَلْحَقُكَ مَنْ خَلْفَكَ إِلَّا مَنْ أَخَذَ بِمِثْلِ عَمَلِكَ قَالَ بَلٰى يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ قَالَ تُكَبِّرُ اللّٰهَ دُبُرَ كُلِّ صَلٰوةٍ ثَلَاثًا وَّثَلَاثِيْنَ وَتَحْمَدُهٗ ثَلَاثًا وَّثَلَاثِيْنَ وَتُسَبِّحُهٗ ثَلَاثًا وَّثَلَاثِيْنَ وَتَخْتِمُهَا بِلَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ لَهُ الْمُلْكُ

شرح: یہ حدیث ترمذی میں بھی موجود ہے۔ مولاناؒ نے فرمایا کہ سنگریزوں یا گٹھلیوں پر تسبیح کرنے والی عورت کا نام مجھے معلوم نہیں ہو سکا۔ شائد وہ حضورؐ کی زوجۂ محترمہ جویریہؓ تھیں یا حضرت صفیہؓ۔ یہ واقعہ نزول حجاب سے پہلے کا ہے۔ اور اس حدیث سے گٹھلیوں یا کنکریوں یا تسبیح پر جواز نکلتا ہے۔ جن لوگوں نے اسے بدعت کہا ہے وہ غلط کہتے ہیں۔ یوں معلوم ہوتا ہے کہ راوی نے حدیث کو بالمعنیٰ روایت کیا ہے اور سبحان اللہ کے ساتھ جو کچھ حضورؐ نے بیان فرمایا وہ سب ان کلمات کے ساتھ بھی تھا جو بعد میں بیان فرمائے ہیں۔ اس طرح کا ذکر کمیت میں گو کم ہو مگر اس حدیث کی رو سے کیفیت میں افضل ہے اور سنگریزوں کی ایک ایک کر کے گنتی سے آسان تر بھی۔

۱۵۰۴۔ حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ نَا عَبْدُ اللهِ بْنُ دَاوُدَ عَنْ هَانِئِ بْنِ عُثْمَانَ عَنْ حُمَيْضَةَ بِنْتِ يَاسِرٍ عَنْ يُسَيْرَةَ أَخْبَرَتْهَا أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَمَرَهُنَّ أَنْ يُرَاعِينَ بِالتَّكْبِيرِ وَالتَّقْدِيسِ وَالتَّهْلِيلِ وَأَنْ يَعْقِدْنَ بِالْأَنَامِلِ فَإِنَّهُنَّ مَسْئُولَاتٌ مُسْتَنْطَقَاتٌ

حمیضہ بنت یاسر سے روایت ہے کہ یُسَیرہؓ نے اسے خبر دی کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے عورتوں کو حکم دیا کہ وہ تکبیر و تقدیس و تہلیل کی نگرانی کریں اور انگلیوں پر شمار کریں کیونکہ انہیں پوچھا جائے گا اور نطق دیا جائے گا (اسے ترمذی نے بھی روایت کیا ہے)

شرح: یُسَیرہ بنت یاسر جن کی کنیت ام یاسر تھی، مہاجرات میں سے تھیں اور بعض نے کہا انصاریہ تھیں۔ قرآن مجید میں فیصلے کے وقت ہاتھ پاؤں اور دیگر اعضاء کی گواہی اور نطق کا ذکر کئی بار آیا ہے۔

۱۵۰۵۔ حَدَّثَنَا عُبَيْدُ اللهِ بْنُ عُمَرَ بْنِ مَيْسَرَةَ وَمُحَمَّدُ بْنُ قُدَامَةَ فِي آخَرِينَ قَالُوا نَا عَثَّامٌ عَنِ الْأَعْمَشِ عَنْ عَطَاءِ بْنِ السَّائِبِ عَنْ أَبِيهِ عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ عَمْرٍو قَالَ رَأَيْتُ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَعْقِدُ التَّسْبِيحَ قَالَ ابْنُ قُدَامَةَ بِيَمِينِهِ۔

عبداللہ بن عمروؓ نے کہا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو انگلیوں پر تسبیح کرتے دیکھا، ابن قدامہ راوی نے "اپنے دائیں ہاتھ کے ساتھ" کا لفظ بھی بولا ہے (یہ نسائی اور ترمذی کی روایت بھی ہے)

۱۵۰۶۔ حَدَّثَنَا دَاوُدُ بْنُ أُمَيَّةَ نَا سُفْيَانُ بْنُ عُيَيْنَةَ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ مَوْلٰى آلِ طَلْحَةَ عَنْ كُرَيْبٍ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ خَرَجَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْ عِنْدِ جُوَيْرِيَةَ وَكَانَ اسْمُهَا بَرَّةَ فَحَوَّلَ اسْمَهَا فَخَرَجَ وَهِيَ فِي مُصَلَّاهَا فَرَجَعَ وَهِيَ فِي مُصَلَّاهَا فَقَالَ لَمْ تَزَالِي فِي مُصَلَّاكِ هٰذَا قَالَتْ نَعَمْ قَالَ قَدْ قُلْتُ بَعْدَكِ أَرْبَعَ

وَلَهُ الْحَمْدُ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ غُفِرَتْ لَهُ ذُنُوْبُهُ وَلَوْ كَانَتْ مِثْلَ زَبَدِ الْبَحْرِ۔

ابوہریرہؓ نے کہا کہ ابوذرؓ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا: یارسول اللہ مال و دولت والے تو اجر و ثواب لے گئے وہ بھی ہماری مانند نماز پڑھتے ہیں، ہماری طرح روزہ رکھتے ہیں مگر ان کے پاس فاضل مال بھی ہیں جن کا صدقہ کرتے ہیں۔ پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے ابوذر! کیا میں تجھے چند کلمے نہ سکھاؤں جن کے ساتھ تو اپنے سے آگے گزر جانے والوں کو پالے اور تجھ سے پچھلے تیرے ساتھ نہ مل سکیں مگر وہ جو تیرے جیسا عمل اختیار کرے؟ ابوذرؓ نے کہا کیوں نہیں یا رسول اللہ۔ آپؐ نے فرمایا: تو اللہ عزوجل کی تکبیر ہر نماز کے بعد ۳۳ مرتبہ کرے اور اس کی تحمید ۳۳ بار کرے اور اس کی تسبیح ۳۳ بار کرے اور ان سب کو ان کلمات پر ختم کرے: لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ، لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ۔ جو ایسا کرے گا اس کے گناہ بخش دیئے جائیں گے گو وہ سمندر کی جھاگ کی مانند ہوں (یہ بخشے جانے والے گناہ صغائر ہیں کیونکہ کبائر توبہ کے بغیر معاف نہیں ہوتے اور حقوق العباد بندوں کی معافی سے ہی معاف ہو سکتے ہیں۔ بے شمار دلائل شرع اس پر موجود ہیں)

بَابُ مَا يَقُوْلُ الرَّجُلُ اِذَا سَلَّمَ

نماز سے سلام کے بعد کی دعاء کا باب

۱۵۰۸۔ حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ نَا اَبُوْ مُعَاوِيَةَ عَنِ الْاَعْمَشِ عَنِ الْمُسَيَّبِ بْنِ رَافِعٍ عَنْ وَرَّادٍ مَوْلَى الْمُغِيْرَةِ بْنِ شُعْبَةَ عَنِ الْمُغِيْرَةِ بْنِ شُعْبَةَ كَتَبَ مُعَاوِيَةُ اِلَى الْمُغِيْرَةِ بْنِ شُعْبَةَ اَيُّ شَيْءٍ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ اِذَا سَلَّمَ مِنَ الصَّلٰوةِ فَاَمْلَاهَا الْمُغِيْرَةُ عَلَيْهِ وَكَتَبَ اِلٰى مُعَاوِيَةَ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ اَللّٰهُمَّ لَا مَانِعَ لِمَا اَعْطَيْتَ وَلَا مُعْطِيَ لِمَا مَنَعْتَ وَلَا يَنْفَعُ ذَا الْجَدِّ مِنْكَ الْجَدُّ۔

مغیرہ بن شعبہؓ سے روایت ہے کہ معاویہؓ نے مغیرہ بن شعبہ کو خط لکھا: رسول صلی اللہ علیہ وسلم نماز کا سلام کہنے کے بعد کیا کہا کرتے تھے، پس مغیرہؓ نے کاتب سے معاویہؓ کو جواب لکھوایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کہا کرتے تھے لا الٰہ الا اللہ الخ۔ (اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں، وہ اکیلا ہے اس کا کوئی شریک نہیں، اس کی ہی بادشاہت ہے اور اس کے لیے ہی تعریف ہے اور وہ ہر چیز پر قادر ہے۔ اے اللہ جو کچھ تو عطا کرے اسے کوئی روک نہیں سکتا

اور جو تو روکے اسے کوئی عطا نہیں کر سکتا اور کسی دولت مند کی دولت اسے تجھ سے بچا نہیں سکتی (بخاری نے اسے پانچ جگہ روایت کیا ہے اور مسلم اور نسائی نے بھی اسے اپنی کتابوں میں درج کیا ہے)

۱۵۰۹۔ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عِيسَى نَا ابْنُ عُلَيَّةَ عَنِ الْحَجَّاجِ بْنِ أَبِي عُثْمَانَ عَنْ أَبِي الزُّبَيْرِ قَالَ سَمِعْتُ عَبْدَ اللهِ بْنَ الزُّبَيْرِ عَلَى الْمِنْبَرِ يَقُولُ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا انْصَرَفَ مِنَ الصَّلٰوةِ يَقُولُ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللهُ وَحْدَهُ لَا شَرِيكَ لَهُ لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ وَهُوَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللهُ مُخْلِصِينَ لَهُ الدِّينَ وَلَوْ كَرِهَ الْكَافِرُونَ أَهْلُ النِّعْمَةِ وَالْفَضْلِ وَالثَّنَاءِ الْحَسَنِ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللهُ مُخْلِصِينَ لَهُ الدِّينَ وَلَوْ كَرِهَ الْكَافِرُونَ۔

ابو الزبیر نے کہا کہ میں نے عبداللہ بن زبیرؓ کو منبر پر یہ کہتے سُنا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نماز ختم کرنے کے بعد کہا کرتے تھے: لا الہ الا اللہ الخ "اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں وہ اکیلا ہے اس کا کوئی شریک نہیں، اسی کی بادشاہت ہے اور اسی کے لیے تعریف ہے اور وہ ہر چیز پر قادر ہے۔ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں ہم اطاعت کو اسی کے لیے خاص کرتے ہیں گو کافر برا منائیں، وہ نعمت والا، فضل والا، اچھی تعریف والا ہے۔ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں ہم عبادت و اطاعت کو خالصتہً اسی کے لیے کرتے ہیں اگرچہ کافر ناپسند کریں (یہ حدیث مسلم اور نسائی میں بھی ہے)

۱۵۱۰۔ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ سُلَيْمَانَ الْأَنْبَارِيُّ نَا عَبْدَةُ عَنْ هِشَامِ بْنِ عُرْوَةَ عَنْ أَبِي الزُّبَيْرِ قَالَ كَانَ عَبْدُ اللهِ بْنُ الزُّبَيْرِ يُهَلِّلُ فِي دُبُرِ كُلِّ صَلٰوةٍ فَذَكَرَ نَحْوَ هٰذَا الدُّعَاءِ زَادَ فِيهِ لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللهِ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللهُ لَا نَعْبُدُ إِلَّا إِيَّاهُ لَهُ النِّعْمَةُ وَسَاقَ بَقِيَّةَ الْحَدِيثِ۔

ابو الزبیر نے کہا کہ عبداللہ بن زبیر ہر نماز کے بعد تہلیل کرتے تھے (لا الہ الا اللہ کہتے تھے) پھر اس نے اوپر کی حدیث کی مانند ذکر کیا اور اس دعا میں یہ اضافہ کیا: وَلَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللهِ، لَا إِلٰهَ إِلَّا اللهُ لَا نَعْبُدُ إِلَّا إِيَّاهُ لَهُ النِّعْمَةُ۔ اور اس نے باقی حدیث بیان کی (مسلم اور نسائی نے بھی اسے روایت کیا ہے)

۱۵۱۱۔ حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ وَسُلَيْمَانُ بْنُ دَاوُدَ الْعَتَكِيُّ وَهٰذَا حَدِيثُ مُسَدَّدٍ قَالَا نَا الْمُعْتَمِرُ قَالَ سَمِعْتُ دَاوُدَ الطُّفَاوِيَّ قَالَ حَدَّثَنِي أَبُو مُسْلِمٍ الْبَجَلِيُّ عَنْ زَيْدِ بْنِ

اَرْقَمَ قَالَ سَمِعْتُ نَبِيَّ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ وَقَالَ سُلَيْمَانُ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ دُبُرَ صَلٰوتِهِ اَللّٰهُمَّ رَبَّنَا وَرَبَّ كُلِّ شَيْءٍ اَنَا شَهِيْدٌ اَنَّكَ اَنْتَ الرَّبُّ وَحْدَكَ لَا شَرِيْكَ لَكَ اَللّٰهُمَّ رَبَّنَا وَرَبَّ كُلِّ شَيْءٍ اَنَا شَهِيْدٌ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُكَ وَرَسُوْلُكَ اَللّٰهُمَّ رَبَّنَا وَرَبَّ كُلِّ شَيْءٍ اَنَا شَهِيْدٌ اَنَّ الْعِبَادَ كُلَّهُمْ اِخْوَةٌ اَللّٰهُمَّ رَبَّنَا وَرَبَّ كُلِّ شَيْءٍ اجْعَلْنِيْ مُخْلِصًا لَكَ وَاَهْلِيْ فِيْ كُلِّ سَاعَةٍ فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ يَاذَا الْجَلَالِ وَالْاِكْرَامِ اِسْمَعْ وَاسْتَجِبْ اَللّٰهُ اَكْبَرُ الْاَكْبَرُ اَللّٰهُمَّ نُوْرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ قَالَ سُلَيْمَانُ بْنُ دَاوٗدَ رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ اَللّٰهُ اَكْبَرُ الْاَكْبَرُ حَسْبِيَ اللّٰهُ وَنِعْمَ الْوَكِيْلُ اَللّٰهُ اَكْبَرُ الْاَكْبَرُ۔

زید بن ارقم نے کہا کہ میں نے اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے سنا، سلیمان راوی نے کہا کہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی نماز کے بعد یہ کہا کرتے تھے: اَللّٰهُمَّ رَبَّنَا وَرَبَّ كُلِّ شَيْءٍ الخ" اے اللہ ہمارے رب اور ہر چیز کے رب، میں گواہ ہوں کہ بیشک تو ہی رب ہے، تو اکیلا ہے تیرا کوئی شریک نہیں۔ اے اللہ ہمارے رب اور ہر چیز کے رب میں گواہ ہوں کہ محمد تیرا بندہ اور تیرا رسول ہے۔ اے اللہ ہمارے رب اور ہر چیز کے رب میں گواہ ہوں کہ بندے سب بھائی بھائی ہیں۔ اے اللہ ہمارے رب اور ہر چیز کے رب مجھ کو اور میرے گھر والوں کو دنیا اور آخرت کی ہر گھڑی میں اپنے لیے مخلص بنا (یعنی خدا کے لیے) اے جلال و اکرام والے سُن اور قبول فرما۔ اللہ سب سے بڑا ہے۔ اے اللہ آسمانوں اور زمین کے نور، سلیمان بن داؤد راوی نے کہا: آسمانوں اور زمین کے رب۔ اللہ سب سے بڑا ہے۔ میرے لیے اللہ ہی کافی ہے اور بہت اچھا کارساز ہے، اللہ سب سے بڑا ہے سب سے بڑا ہے (ایک نسخے میں اللہ اکبر اللہ اکبر کا لفظ ہے۔ منذری نے کہا کہ یہ حدیث نسائی نے بھی روایت کی ہے)

۱۵۱۲۔ حَدَّثَنَا عُبَيْدُ اللّٰهِ بْنُ مُعَاذٍ نَا اَبِيْ نَا عَبْدُ الْعَزِيْزِ بْنُ اَبِيْ سَلَمَةَ عَنْ عَمِّهِ الْمَاجِشُوْنِ بْنِ اَبِيْ سَلَمَةَ عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ الْاَعْرَجِ عَنْ عُبَيْدِ اللّٰهِ بْنِ اَبِيْ رَافِعٍ عَنْ عَلِيِّ بْنِ اَبِيْ طَالِبٍ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا سَلَّمَ مِنَ الصَّلٰوةِ قَالَ اَللّٰهُمَّ اغْفِرْلِيْ مَا قَدَّمْتُ وَمَا اَخَّرْتُ وَمَا اَسْرَرْتُ وَمَا اَعْلَنْتُ وَمَا اَسْرَفْتُ وَمَا اَنْتَ اَعْلَمُ بِهٖ مِنِّيْ اَنْتَ الْمُقَدِّمُ وَالْمُؤَخِّرُ لَا اِلٰهَ اِلَّا اَنْتَ۔

علی بن ابی طالب نے کہا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم جب نماز سے سلام کہتے تو یوں کہتے تھے: اَللّٰهُمَّ اغْفِرْ لِي الخ "اے اللہ مجھے بخش دے جو میں نے پہلے کیا اور جو پیچھے کیا (یعنی جو بعد میں ہوگا) اور جو میں نے پوشیدہ کیا اور جو علانیہ کیا اور جو میں نے حد سے تجاوز کیا اور جسے تو مجھ سے بھی زیادہ جانتا ہے، تو ہی آگے کرنے والا اور تو ہی پیچھے کرنیوالا ہے، تیرے سوا کوئی معبود نہیں۔ (ترمذی نے اسے کتاب الدعوات میں روایت کر کے کہا: حدیث حسن صحیح ہے)

۱۵۱۳۔ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ كَثِيرٍ أَنَا سُفْيَانُ عَنْ عَمْرِو بْنِ مُرَّةَ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ الْحَارِثِ عَنْ طَلِيقِ بْنِ قَيْسٍ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَدْعُو رَبِّ أَعِنِّي وَلَا تُعِنْ عَلَيَّ وَانْصُرْنِي وَلَا تَنْصُرْ عَلَيَّ وَامْكُرْ لِي وَلَا تَمْكُرْ عَلَيَّ وَاهْدِنِي وَيَسِّرْ هُدَايَ إِلَيَّ وَانْصُرْنِي عَلَى مَنْ بَغَى عَلَيَّ اللّٰهُمَّ اجْعَلْنِي لَكَ شَاكِرًا لَكَ ذَاكِرًا لَكَ رَاهِبًا لَكَ مِطْوَاعًا إِلَيْكَ مُخْبِتًا أَوْ مُنِيبًا رَبِّ تَقَبَّلْ تَوْبَتِي وَاغْسِلْ حَوْبَتِي وَأَجِبْ دَعْوَتِي وَثَبِّتْ حُجَّتِي وَاهْدِ قَلْبِي وَسَدِّدْ لِسَانِي وَاسْلُلْ سَخِيمَةَ قَلْبِي۔

ابن عباسؓ نے کہا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم دعا کیا کرتے تھے کہ: اے میرے رب میری اعانت فرما اور میرے خلاف کسی کی مدد نہ فرما اور میری نصرت فرما اور میرے خلاف کسی کی نصرت نہ فرما اور میرے حق میں خفیہ تدبیر فرما اور میرے خلاف کوئی خفیہ تدبیر نہ فرما اور میری رہنمائی فرما اور مجھ تک رہنمائی پہنچانے کو آسان فرما اور جو مجھ پر سرکشی کرے اس کے بر خلاف میری نصرت فرما۔ اے اللہ مجھ کو اپنا شکر گزار بنا، اپنا ذکر کرنے والا بنا، اپنے سے ڈرنے والا بنا، اپنا بہت ہی اطاعت شعار بنا، اپنے ذکر میں مطمئن فرما، بہت آہیں بھرنے والا اپنی طرف رجوع کرنے والا۔ اے میرے رب میری توبہ قبول فرما اور میرے گناہ کو دھو ڈال اور میری دعا کو قبول کر اور میری حجت (ایمان وقول) کو ثابت فرما اور میرے دل کی رہنمائی کر اور میری زبان کو سیدھا رکھ اور میرے دل کے میل کو نکال دے (ترمذی، ابن ماجہ، نسائی اور احمد نے بھی اسے روایت کیا)

شرح: إِلَيْكَ مُخْبِتًا أَوْ مُنِيبًا سنن ابی داؤد کے نسخوں میں آتا ہے مگر بقول مولانا یہاں سے کچھ ساقط ہو گیا ہے چنانچہ الحصن الحصین میں اواھا منیبا ہے اور اس کے مصنف نے اسے سنن اربعہ کی طرف منسوب کیا ہے اور ابن حبان اور مستدرک حاکم کا بھی حوالہ دیا ہے اور مصنف ابن ابی شیبہ کا بھی۔ ترمذی اور ابن ماجہ میں اواھا ہے۔ معنیً بھی اسی سے درست ہوتا ہے۔

۱۵۱۴۔ حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ نَا يَحْيَى عَنْ سُفْيَانَ قَالَ سَمِعْتُ عَمْرَو بْنَ مُرَّةَ بِإِسْنَادِهِ وَمَعْنَاهُ قَالَ وَيَسِّرِ الْهُدَى إِلَيَّ وَلَمْ يَقُلْ هُدَايَ۔

اسی حدیث کی دوسری روایت ہے جس میں یَسّرِ ھُدَایَ کے بجائے یَسّرِ الھُدیٰ اِلیّٰ کا لفظ ہے (حصن میں یَسّرِ الھُدیٰ لی ہے)

۱۵۱۵۔ حَدَّثَنَا مُسْلِمُ بْنُ اِبْرَاھِیْمَ نَا شُعْبَۃُ عَنْ عَاصِمِ الْاَحْوَلِ وَ خَالِدِ الْحَذَّاءِ عَنْ عَبْدِاللّٰہِ بْنِ الْحَارِثِ عَنْ عَائِشَۃَ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْھَا اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کَانَ اِذَا سَلَّمَ قَالَ اَللّٰھُمَّ اَنْتَ السَّلَامُ وَمِنْکَ السَّلَامُ تَبَارَکْتَ یَا ذَا الْجَلَالِ وَالْاِکْرَامِ قَالَ اَبُوْدَاوٗدَ سَمِعَ سُفْیَانُ مِنْ عَمْرِو بْنِ مُرَّۃَ قَالُوْا ثَمَانِیَۃَ عَشَرَ حَدِیْثًا۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب (نماز کا) سلام کہتے تو یوں کہتے: اَللّٰھُمَّ اَنْتَ السَّلَامُ وَمِنْکَ السَّلَامُ تَبَارَکْتَ یَا ذَا الْجَلَالِ وَالْاِکْرَامِ یا اے اللہ تیرا نام سلام ہے اور سلامتی تیری طرف سے ہی ہے تو بابرکت ہے اے جلال واکرام والے۔ ابوداؤد نے کہا کہ کہتے ہیں سفیانؒ نے عمرو بن مرہ سے اٹھارہ حدیثیں سنی تھیں۔ (اور یہ حدیث بھی ان میں سے ہے کیونکہ ابن ماجہ نے عمرو بن مرہ سے یہ روایت کی ہے اور اس کے علاوہ مسلم، ترمذی اور نسائی نے بھی یہ حدیث روایت کی ہے)

۱۵۱۶۔ حَدَّثَنَا اِبْرَاھِیْمُ بْنُ مُوْسٰی اَنَا عِیْسٰی عَنِ الْاَوْزَاعِیِّ عَنْ اَبِیْ عَمَّارٍ عَنْ اَبِیْ اَسْمَاءَ عَنْ ثَوْبَانَ مَوْلٰی رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کَانَ اِذَا اَرَادَ اَنْ یَّنْصَرِفَ مِنْ صَلٰوتِہٖ اِسْتَغْفَرَ ثَلَاثَ مَرَّاتٍ ثُمَّ قَالَ اَللّٰھُمَّ فَذَکَرَ مَعْنٰی حَدِیْثِ عَائِشَۃَ۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے غلام ثوبانؓ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم جب نماز سے فارغ ہونے کا ارادہ فرماتے تو تین بار استغفار کرتے پھر کہتے: اَللّٰھُمَّ اَنْتَ السَّلَامُ الخ حضرت عائشہؓ کی حدیث کی مانند (مسلم، نسائی، ترمذی اور ابن ماجہ نے بھی یہ روایت کی ہے۔ بظاہر اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ استغفار اور دعا نماز کے اندر ہوتی تھی مگر ترمذی اور مسند احمد کی روایت تو اسی طرح ہے جس طرح یہاں ہے اور نسائی، مسلم اور ابن ماجہ کی حدیث میں ہے کہ یہ استغفار اور دعا سلام کے بعد ہوتا تھا اور یہی جناب عائشہ رضی اللہ عنہا کی گزشتہ حدیث میں ہے۔ ہاں یہ ممکن ہے کہ اس کا یہ مطلب لیا جائے کہ جب نماز سے فارغ ہو کر اٹھنے اور جانے کا ارادہ کرتے تو یہ کہا کرتے تھے۔ واللہ اعلم

بَابٌ فِي الْاِسْتِغْفَارِ

استغفار کا باب

۱۵۱۷۔ حَدَّثَنَا النُّفَيْلِيُّ نَا مَخْلَدُ بْنُ يَزِيْدَ نَا عُثْمَانُ بْنُ وَاقِدٍ الْعُمَرِيُّ عَنْ اَبِي نُصَيْرَةَ عَنْ مَوْلًى لِاَبِي بَكْرٍ الصِّدِّيْقِ عَنْ اَبِي بَكْرٍ الصِّدِّيْقِ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا اَصَرَّ مَنِ اسْتَغْفَرَ وَاِنْ عَادَ فِي الْيَوْمِ سَبْعِيْنَ مَرَّةً

ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: جس نے استغفار کیا اس نے اصرار نہیں کیا چاہے وہ دن میں ستر مرتبہ وہی کام کرے (ترمذی نے اسے کتاب الدعوات میں روایت کیا اور اس کی سند پر تنقید کی)

شرح: حدیث کے دو راویوں، عثمان بن واقد عمری اور ابو نصیرہ پر محدثین نے کچھ کلام کیا ہے علاوہ ازیں مولیٰ لابی بکر الصدیق رضہ یہ مولی مجہول ہے۔ استغفار سے مراد صرف زبانی استغفار نہیں بلکہ معصیت پر ندامت اور دوبارہ نہ کرنے کا پختہ ارادہ ہے۔ پھر بھی انسان خطا کار ہے اگر پختہ عزم اور ندامت کے باوجود دوبارہ گناہ ہو جائے اور وہ پھر صحیح توبہ کرے تو اللہ تعالیٰ غفور رحیم ہے۔ لَا تَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَةِ اللّٰهِ ارشاد خداوندی ہے۔ ستر کا عدد بطور مبالغہ کثرت کے اظہار کے لیے ہے۔

۱۵۱۸۔ حَدَّثَنَا سُلَيْمَانُ بْنُ حَرْبٍ وَمُسَدَّدٌ قَالَا نَا حَمَّادٌ عَنْ ثَابِتٍ عَنْ اَبِي بُرْدَةَ عَنِ الْاَغَرِّ الْمُزَنِيِّ قَالَ مُسَدَّدٌ فِي حَدِيْثِهِ وَكَانَتْ لَهٗ صُحْبَةٌ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّهٗ لَيُغَانُ عَلٰى قَلْبِيْ وَاِنِّيْ لَاَسْتَغْفِرُ اللّٰهَ فِيْ كُلِّ يَوْمٍ مِائَةَ مَرَّةٍ۔

اغر مزنی نے کہا، اور مسدد کی روایت میں ہے کہ وہ صحابی تھا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا میرے دل پر سہو چھا جاتا ہے اور میں ہر روز سو بار استغفار کرتا ہوں (مسلم نے بھی یہ حدیث کتاب الذکر والدعا میں روایت کی ہے)

شرح: اغر مزنی مہاجرین اولین میں سے تھے۔ لَيُغَانُ کا لفظ غین سے نکلا ہے اس کا معنی غیم کی مانند چھا جانا ہے۔ انسان سید البشر ہونے کے باوجود بھی انسان ہے، سہو کا ہو جانا بعید نہیں۔ اسے گناہ نہیں کہا سکتا، پھر بھی اپنے بلند ترین مرتبے کے پیش نظر حضور کا استغفار کی کثرت رکھنا آپ کی مزید بلندی مرتبہ اور علوِ شان کا اظہار ہے۔

۱۵۱۹۔ حَدَّثَنَا الْحَسَنُ بْنُ عَلِيٍّ نَا اَبُوْ اُسَامَةَ عَنْ مَالِكِ بْنِ مِغْوَلٍ عَنْ

مُحَمَّدِ بْنِ سُوقَةَ عَنْ نَافِعٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ إِنْ كُنَّا لَنَعُدُّ لِرَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي الْمَجْلِسِ الْوَاحِدِ مِائَةَ مَرَّةٍ رَبِّ اغْفِرْ لِي وَتُبْ عَلَيَّ إِنَّكَ أَنْتَ التَّوَّابُ الرَّحِيمُ۔

ابن عمرؓ نے کہا کہ ہم لوگ ایک مجلس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا سو بار یہ دعا پڑھنا شمار کیا کرتے تھے: "رَبِّ اغْفِرْ لِي وَتُبْ عَلَيَّ إِنَّكَ أَنْتَ التَّوَّابُ الرَّحِيمُ" اے میرے رب مجھے بخش دے اور میری توبہ قبول فرما بلاشبہ تو ہی بخشنے والا مہربان ہے۔" (ترمذی، ابن ماجہ اور نسائی نے بھی اسے روایت کیا ہے)

۱۵۲۰۔ حَدَّثَنَا مُوسَى بْنُ إِسْمَعِيلَ حَدَّثَنِي حَفْصُ بْنُ عُمَرَ الشَّنِّيُّ حَدَّثَنِي أَبِي عُمَرُ بْنُ مُرَّةَ قَالَ سَمِعْتُ بِلَالَ بْنَ يَسَارِ بْنِ زَيْدٍ مَوْلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ سَمِعْتُ أَبِي يُحَدِّثُنِيهِ عَنْ جَدِّي أَنَّهُ سَمِعَ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ مَنْ قَالَ أَسْتَغْفِرُ اللهَ الَّذِي لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ الْحَيُّ الْقَيُّومُ وَأَتُوبُ إِلَيْهِ غُفِرَ لَهُ وَإِنْ كَانَ فَرَّ مِنَ الزَّحْفِ۔

بلال بن یسار بن زیدؓ (زید بن بولا رسول اللہ علیہ وسلم کا غلام) نے کہا کہ میں نے اپنے باپ سے سُنا وہ مجھے میرے دادا کی طرف سے حدیث سُناتے تھے کہ میرے دادا زیدؓ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے سُنا جس شخص نے یہ کہا: "أَسْتَغْفِرُ اللهَ الَّذِي لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ الْحَيُّ الْقَيُّومُ وَأَتُوبُ إِلَيْهِ" میں اللہ سے بخشش مانگتا ہوں جس کے سوا کوئی معبود نہیں، زندہ ہے سب کو تھامنے والا اور میں اُسی کے حضور تائب ہوتا ہوں" اس کی بخشش ہوگئی چاہے وہ میدان جنگ سے ہی کیوں نہ بھاگا ہو (ترمذی نے بھی اسے روایت کیا ہے)

شرح: بلال بن یسار کو ہلال بن یسار بھی کہا گیا ہے اور اس امر کا فیصلہ نہیں ہوسکا کہ اس کا نام بلال تھا یا ہلال۔ زیدؓ بن بولا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا آزاد کردہ غلام تھا جو غزوۂ بنی ثعلبہ میں گرفتار ہوکر آیا تھا، نسباً نوبی تھا میدانِ جنگ سے فرار گناہ کبیرہ ہے مگر سچی توبہ سے معاف ہوجاتا ہے۔

۱۵۲۱۔ حَدَّثَنَا هِشَامُ بْنُ عَمَّارٍ نَا الْوَلِيدُ بْنُ مُسْلِمٍ نَا الْحَكَمُ بْنُ مُصْعَبٍ نَا مُحَمَّدُ بْنُ عَلِيِّ بْنِ عَبْدِ اللهِ بْنِ عَبَّاسٍ عَنْ أَبِيهِ أَنَّهُ حَدَّثَهُ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ أَنَّهُ حَدَّثَهُ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ لَزِمَ الْإِسْتِغْفَارَ جَعَلَ اللهُ لَهُ مِنْ كُلِّ ضِيقٍ مَخْرَجًا وَمِنْ كُلِّ هَمٍّ فَرَجًا وَرَزَقَهُ مِنْ حَيْثُ لَا يَحْتَسِبُ

ابن عباسؓ نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو استغفار کا التزام کرے (یعنی کرتا رہے) اللہ تعالیٰ ہر تنگی سے اُسے نکال دے گا اور ہر غم سے راحت بخشے گا اور اسے رزق دے گا جہاں سے اسے گمان بھی نہ ہو گا (یہ حدیث نسائی، ابن ماجہ اور مسند احمد میں بھی موجود ہے) حدیث میں قرآن کی اس آیت کی طرف اشارہ ہے: وَمَن يَتَّقِ اللَّهَ يَجْعَل لَّهُ مَخْرَجًا وَيَرْزُقْهُ مِنْ حَيْثُ لَا يَحْتَسِبُ۔

۱۵۲۲۔ حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ نَا عَبْدُ الْوَارِثِ ح وَحَدَّثَنَا زِيَادُ بْنُ اَيُّوبَ نَا اِسْمٰعِيلُ الْمَعْنٰى عَنْ عَبْدِ الْعَزِيزِ بْنِ صُهَيْبٍ قَالَ سَأَلَ قَتَادَةُ اَنَسًا اَىُّ دَعْوَةٍ كَانَ يَدْعُوبِهَا النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَكْثَرَ قَالَ كَانَ اَكْثَرُ دَعْوَةٍ يَدْعُوبِهَا اَللّٰهُمَّ آتِنَا فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً وَفِي الْآخِرَةِ حَسَنَةً وَقِنَا عَذَابَ النَّارِ وَزَادَ زِيَادٌ وَكَانَ اَنَسٌ اِذَا اَرَادَ اَنْ يَدْعُوَ بِدَعْوَةٍ دَعَا بِهَا وَاِذَا اَرَادَ اَنْ يَدْعُوَ بِدُعَاءٍ دَعَا بِهَا فِيهَا۔

قتادہؒ نے انسؓ سے پوچھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم زیادہ تر کونسی دعاء مانگتے تھے۔ انسؓ نے کہا کہ اکثر آپ یہ دعاء کیا کرتے تھے: اَللّٰهُمَّ آتِنَا فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً الخ "اے اللہ ہمیں دنیا میں بھلائی عطا کر اور آخرۃ میں بھلائی عطا کر اور ہمیں جہنم کے عذاب سے بچا۔ اور زیاد راوی نے یہ اضافہ کیا کہ" اور انسؓ جب اکیلی دعاء مانگتے تو یہی مانگتے تھے اور جب کوئی لمبی دعاء کرتے تو اس میں یہ بھی شامل کرتے تھے (بخاری، مسلم اور نسائی نے بھی اسے روایت کیا ہے)

شرح: بقول حافظ ابن حجر سلف صالحین کے نزدیک دنیا کی حسنہ سے مراد علم و عبادت، پاکیزہ رزق اور نافع اور عافیت اور ہر قسم کی جائز آسائش ہے، آخرت کی حسنہ سے مراد مغفرت، و ثواب اور حصول رضائے الٰہی اور دخول جنت ہے۔

۱۵۲۳۔ حَدَّثَنَا يَزِيدُ بْنُ خَالِدٍ الرَّمْلِيُّ نَا ابْنُ وَهْبٍ نَا عَبْدُ الرَّحْمٰنِ بْنُ شُرَيْحٍ عَنْ اَبِي اُمَامَةَ بْنِ سَهْلِ بْنِ حُنَيْفٍ عَنْ اَبِيهِ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ سَأَلَ اللهَ الشَّهَادَةَ بِصِدْقٍ بَلَّغَهُ اللهُ مَنَازِلَ الشُّهَدَاءِ وَاِنْ مَاتَ عَلٰى فِرَاشِهِ۔

سہل بن حنیف نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو شخص صدق دل سے خداوند تعالیٰ سے شہادت طلب کرے اللہ تعالیٰ اُسے شہادت کے مرتبوں تک پہنچا دے گا اگرچہ وہ اپنے بستر پر مرے (مسلم، ترمذی نسائی اور ابن ماجہ میں بھی یہ حدیث مروی ہے) یعنی جب قبول ہو چکی تو شہادت کا مرتبہ ضرور ملے گا۔ اس سے معلوم

ہو گیا کہ جب نیت خالص ہو تو چاہے عمل نہ ہو سکے پھر بھی ثواب حاصل ہو جاتا ہے۔

۱۵۲۴۔ حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ نَا أَبُو عَوَانَةَ عَنْ عُثْمَانَ بْنِ الْمُغِيرَةِ الثَّقَفِيِّ عَنْ عَلِيِّ بْنِ رَبِيعَةَ الْأَسَدِيِّ عَنْ أَسْمَاءَ بْنِ الْحَكَمِ قَالَ سَمِعْتُ عَلِيًّا رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ يَقُولُ كُنْتُ رَجُلًا إِذَا سَمِعْتُ مِنْ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَدِيثًا نَفَعَنِي اللّٰهُ مِنْهُ بِمَا شَاءَ أَنْ يَنْفَعَنِي وَإِذَا حَدَّثَنِي أَحَدٌ مِنْ أَصْحَابِهِ اسْتَحْلَفْتُهُ، فَإِذَا حَلَفَ لِي صَدَّقْتُهُ قَالَ وَحَدَّثَنِي أَبُو بَكْرٍ وَصَدَقَ أَبُو بَكْرٍ أَنَّهُ قَالَ سَمِعْتُ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ مَا مِنْ عَبْدٍ يُذْنِبُ ذَنْبًا فَيُحْسِنُ الطُّهُورَ ثُمَّ يَقُومُ فَيُصَلِّي رَكْعَتَيْنِ ثُمَّ يَسْتَغْفِرُ اللّٰهَ إِلَّا غَفَرَ اللّٰهُ لَهُ ثُمَّ قَرَأَ هٰذِهِ الْآيَةَ وَالَّذِينَ إِذَا فَعَلُوا فَاحِشَةً أَوْ ظَلَمُوا أَنْفُسَهُمْ إِلَى آخِرِ الْآيَةِ۔

علی رضی اللہ عنہ فرماتے تھے کہ میں ایک ایسا شخص تھا کہ جب میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کوئی حدیث سنتا تو اللہ تعالیٰ جس قدر چاہتا مجھے اس سے نفع پہنچاتا تھا، اور جب آپ کے اصحاب میں سے کوئی مجھے حدیث سناتا تو میں اسے قسم دیتا تھا اور جب وہ قسم کھاتا تو میں اس کی تصدیق کرتا تھا۔ اور مجھے ابو بکرؓ نے حدیث سنائی اور ابو بکر رضی اللہ عنہ نے سچ فرمایا، اس نے کہا میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا تھا کہ: کوئی بندہ جب گناہ کرے اور اچھی طرح سے طہارت کر کے کھڑا ہو اور دو رکعت نماز پڑھے پھر اللہ تعالیٰ سے استغفار کرے تو اللہ تعالیٰ اسے بخش دیتا ہے۔ پھر حضرت ابو بکر صدیق ؓ نے (یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بقول ابی بکر الصدیقؓ) یہ آیت پڑھی: وَالَّذِينَ إِذَا فَعَلُوا فَاحِشَةً أَوْ ظَلَمُوا أَنْفُسَهُمْ إلى آخر الآیۃ: "اور وہ لوگ کہ جب وہ کوئی بے حیائی کا کام کریں یا اپنے آپ پر ظلم کریں تو اللہ کو یاد کرتے ہیں پس اپنے گناہوں کی بخشش مانگتے ہیں، اور اللہ کے سوا کون گناہ بخش سکتا ہے؟ اور جان بوجھ کر اپنے فعل پر اصرار نہیں کرتے۔ وہی لوگ ہیں جن کی جزا ان کے رب کی طرف سے بخشش ہے اور باغ ہیں جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں، وہ ہمیشہ ان میں رہیں گے اور کام کرنے والوں کا اجر بہت اچھا ہوگا"۔ (ترمذی، ابن ماجہ اور نسائی میں بھی یہ حدیث موجود ہے)

شرح: اس حدیث کے ایک راوی اسماء بن الحکم فزاری کے متعلق بخاری نے کہا ہے کہ اس سے صرف یہی حدیث مروی ہے۔ اور ایک اور حدیث بھی جس پر اس کی متابعت نہیں ہوئی۔ اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب ایک دوسرے سے روایت کرتے تھے مگر کوئی دوسرے کو قسم نہ دلاتا تھا۔ عقیلی نے بخاری کی تائید کرتے ہوئے کہا ہے کہ علیؓ نے عمرؓ سے حدیث سنی اور انہیں قسم نہ دلائی۔ مولانا نے فرمایا کہ حضرت علیؓ کی ایک روایت مقداد سے،

ایک عمارؓ سے اور ایک فاطمۃؓ الزہراء سے بھی ہے اور ان میں قسم دلانے کا کوئی ذکر نہیں۔ مگر ابن جریر طبریؒ نے حضرت علیؓ سے روایت کی ہے کہ میں ابوبکرؓ کے سوا سب کو قسم دلاتا تھا کیونکہ ابوبکرؓ سچا تھا رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔ اور یہ زیر نظر حدیث ابن جریرؒ نے اپنی سند سے روایت کی ہے جس میں یہ تو ہے کہ: ابوبکر رضی اللہ عنہ سچے شخص تھے۔ مگر کسی اور کو بھی قسم دلانے کا ذکر نہیں آیا۔

۱۵۲۵۔ حَدَّثَنَا عُبَيْدُ اللّٰهِ بْنُ عُمَرَ بْنِ مَيْسَرَةَ نَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ يَزِيْدَ الْمُقْرِئُ نَا حَيْوَةُ بْنُ شُرَيْحٍ حَدَّثَنِيْ عُقْبَةُ بْنُ مُسْلِمٍ يَقُوْلُ حَدَّثَنِيْ اَبُوْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ الْحُبُلِيُّ عَنِ الصُّنَابِحِيِّ عَنْ مُعَاذِ بْنِ جَبَلٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَخَذَ بِيَدِهٖ وَقَالَ يَا مُعَاذُ وَاللّٰهِ اِنِّيْ لَاُحِبُّكَ فَقَالَ اُوْصِيْكَ يَا مُعَاذُ لَا تَدَعَنَّ فِيْ دُبُرِ كُلِّ صَلٰوةٍ تَقُوْلُ اَللّٰهُمَّ اَعِنِّيْ عَلٰى ذِكْرِكَ وَشُكْرِكَ وَحُسْنِ عِبَادَتِكَ وَاَوْصٰى بِذٰلِكَ مُعَاذٌ الصُّنَابِحِيَّ وَاَوْصٰى بِهِ الصُّنَابِحِيُّ اَبَا عَبْدِ الرَّحْمٰنِ۔

معاذ بن جبلؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ وسلم نے اس کا ہاتھ پکڑا اور فرمایا: اے معاذ! واللہ میں تجھ سے ضرور محبت کرتا ہوں، پھر فرمایا: اے معاذ! میں تجھے وصیت کرتا ہوں کہ ہر نماز کے بعد یہ کہنا مت چھوڑنا: "اَللّٰهُمَّ اَعِنِّيْ عَلٰى ذِكْرِكَ وَشُكْرِكَ وَحُسْنِ عِبَادَتِكَ" "اے اللہ میری اعانت فرما اپنے ذکر پر اور اپنے شکر پر اور اپنی اچھی عبادت پر" اور معاذؓ نے یہ وصیت صنابحی کو کی اور صنابحی نے یہ وصیت ابوعبدالرحمٰن کو کی (منذری نے کہا ہے کہ ابوعبداللہ عبدالرحمٰن بن عسیلہ صنابحی یمن سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے پانچ دن بعد آیا تھا اور مصر کی فتح میں موجود تھا۔ اس کا قبیلہ صنابح، مراد کے عظیم قبیلہ کا ایک حصہ تھا۔ صنابحی تابعی ہے اور اس نے حضرت ابوبکر صدیقؓ اور جناب عمر فاروقؓ اور دیگر صحابہ سے بھی روایت کی ہے)

۱۵۲۶۔ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ سَلَمَةَ الْمُرَادِيُّ نَا ابْنُ وَهْبٍ عَنِ اللَّيْثِ بْنِ سَعْدٍ اَنَّ حُنَيْنَ بْنَ اَبِيْ حَكِيْمٍ حَدَّثَهٗ عَنْ عَلِيِّ بْنِ رَبَاحٍ اللَّخْمِيِّ عَنْ عُقْبَةَ بْنِ عَامِرٍ قَالَ اَمَرَنِيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنْ اَقْرَاَ بِالْمُعَوِّذَاتِ دُبُرَ كُلِّ صَلٰوةٍ۔

عقبہ بن عامرؓ نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہر نماز کے بعد مجھے معوّذات پڑھنے کا حکم دیا (اسے نسائی نے بھی روایت کیا اور ترمذی نے بھی، ترمذی کی حدیث میں معوّذتین کا لفظ ہے یعنی سورۃ الفلق اور سورۃ الناس۔ یہاں اسے جمع کے صیغے سے تعبیر کیا گیا ہے شاید بقول بعض معوّذات میں سورۃ الکافرون اور الاخلاص بھی داخل ہو۔ ان دو حدیثوں میں دُبُر کا لفظ آیا ہے جس کا ظاہری معنی یہ ہے کہ: ہر نماز کے بعد، مگر

حافظ ابن القیم نے زاد المعاد میں حافظ ابن تیمیہ سے نقل کیا ہے کہ اس سے مراد نماز کے آخر میں یعنی قبل از سلام بھی ہو سکتا ہے کیونکہ محاورۂ عرب اور محاورات شرع میں بھی دبر کا لفظ بارہا واخر کے معنی میں استعمال ہوا ہے۔

۱۵۲۷۔ حَدَّثَنَا اَحْمَدُ بْنُ عَلِيِّ بْنِ سُوَيْدٍ السَّدُوسِيُّ نَا اَبُوْدَاوُدَ عَنْ اِسْرَائِيْلَ عَنْ اَبِيْ اِسْحٰقَ عَنْ عَمْرِو بْنِ مَيْمُوْنٍ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يُعْجِبُهُ اَنْ يَّدْعُوَ ثَلَاثًا وَيَسْتَغْفِرَ ثَلَاثًا۔

عبد اللہ بن مسعودؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو تین بار دعا کرنا اور تین بار استغفار کرنا پسند تھا (نسائی میں بھی یہ حدیث موجود ہے۔ احادیث میں بھی آیا ہے کہ آپ وعظ کے کلمات کو بھی تین تین بار دہرایا کرتے تھے)

۱۵۲۸۔ حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ نَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ دَاوُدَ عَنْ عَبْدِ الْعَزِيْزِ بْنِ عُمَرَ عَنْ هِلَالٍ عَنْ عُمَرَ بْنِ عَبْدِ الْعَزِيْزِ عَنِ ابْنِ جَعْفَرٍ عَنْ اَسْمَاءَ بِنْتِ عُمَيْسٍ قَالَتْ فَقَالَ لِيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَلَا اُعَلِّمُكِ كَلِمَاتٍ تَقُوْلِيْنَهُنَّ عِنْدَ الْكَرْبِ اَوْ فِي الْكَرْبِ اللّٰهُ رَبِّيْ لَا اُشْرِكُ بِهٖ شَيْئًا قَالَ اَبُوْدَاوُدَ هٰذَا هِلَالٌ مَوْلٰى عُمَرَ بْنِ عَبْدِ الْعَزِيْزِ وَابْنُ جَعْفَرٍ هُوَ عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ جَعْفَرٍ۔

اسماء بنت عمیسؓ نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کیا میں تجھے چند کلمات نہ سکھاؤں جنہیں تو مصیبت کے وقت یا فرمایا گھبراہٹ میں کہا کرے؟ اَللّٰهُ اَللّٰهُ رَبِّيْ لَا اُشْرِكُ بِهٖ شَيْئًا "اللہ ہی میرا رب ہے میں اس کے ساتھ کسی کو شریک نہیں ٹھہراتا یا ٹھہراتی" ابو داؤد نے کہا کہ عمر بن عبد العزیزؒ سے روایت کرنے والا راوی ہلال ہے جو ان کا غلام تھا اور ابن جعفر، عبد اللہ بن جعفرؓ ہے (اسے نسائی اور ابن ماجہ نے بھی روایت کیا ہے)

۱۵۲۹۔ حَدَّثَنَا مُوْسَى بْنُ اِسْمٰعِيْلَ نَا حَمَّادٌ عَنْ ثَابِتٍ وَعَلِيِّ بْنِ زَيْدٍ وَسَعِيْدٍ الْجُرَيْرِيِّ عَنْ اَبِيْ عُثْمَانَ النَّهْدِيِّ اَنَّ اَبَا مُوْسَى الْاَشْعَرِيَّ قَالَ كُنْتُ مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيْ سَفَرٍ فَلَمَّا دَنَوْنَا مِنَ الْمَدِيْنَةِ كَبَّرَ النَّاسُ وَرَفَعُوْا اَصْوَاتَهُمْ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَا اَيُّهَا النَّاسُ اِنَّكُمْ لَا تَدْعُوْنَ اَصَمَّ

وَلَا غَائِبًا اِنَّ الَّذِیْ تَدْعُوْنَہٗ بَیْنَکُمْ وَبَیْنَ اَعْنَاقِ رِکَابِکُمْ ثُمَّ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَا اَبَا مُوْسٰی اَلَا اَدُلُّکَ عَلٰی کَنْزٍ مِنْ کُنُوْزِ الْجَنَّۃِ فَقُلْتُ وَمَا ھُوَ قَالَ لَاحَوْلَ وَلَا قُوَّۃَ اِلَّا بِاللّٰہِ۔

ابوموسیٰ اشعری نے کہا کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ایک سفر میں تھا، جب لوگ واپسی پہ مدینہ کے قریب آئے تو لوگوں نے تکبیر کہی اور اپنی آوازیں بلند کیں۔ پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے لوگو! تم کسی ایسے کو نہیں پکارتے جو بہرا ہو یا غائب ہو، جس کو تم پکارتے ہو وہ تمہارے درمیان موجود ہے اور تمہاری سواریوں کی گردنوں کے درمیان موجود ہے۔ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے ابوموسیٰ! میں تمہیں جنت کے خزانوں میں سے ایک خزانہ بتاؤں؟ میں نے کہا کہ وہ کیا ہے؟ فرمایا لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّۃَ اِلَّا بِاللّٰہِ۔

شرح: قرآن مجید میں ہے، "وَنَحْنُ اَقْرَبُ اِلَیْہِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِیْدِ"۔ ہم اس سے اس کی شاہ رگ سے بھی قریب تر ہیں"۔ اس قریب سے مراد جسمانی قرب نہیں بلکہ ایسا قریب ہے جو خالق کائنات کی شان کے لائق ہے جو زمان و مکان کی پابندیوں سے ماوراء اور احوال و ظروف کی حد بندیوں سے اعلیٰ و برتر ہے۔

۱۵۳۰۔ حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ نَا یَزِیْدُ بْنُ زُرَیْعٍ نَا سُلَیْمَانُ التَّیْمِیُّ عَنْ اَبِیْ عُثْمَانَ عَنْ اَبِیْ مُوْسَی الْاَشْعَرِیِّ اَنَّھُمْ کَانُوْا مَعَ نَبِیِّ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ وَھُمْ یَتَصَعَّدُوْنَ فِیْ ثَنِیَّۃٍ وَجَعَلَ رَجُلٌ کُلَّمَا عَلَا الثَّنِیَّۃَ نَادٰی لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَاللّٰہُ اَکْبَرُ فَقَالَ نَبِیُّ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِنَّکُمْ لَا تُنَادُوْنَ اَصَمَّ وَلَا غَائِبًا ثُمَّ قَالَ یَا عَبْدَ اللّٰہِ بْنَ قَیْسٍ فَذَکَرَ مَعْنَاہُ۔

ابوموسیٰ اشعریؓ سے روایت ہے کہ صحابہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے اور مشکل ایک پہاڑی راستے پر چڑھ رہے تھے، بس آدمی جوں جوں گھاٹی پر اوپر جاتا لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَاللّٰہُ اَکْبَرُ پکارتا۔ پس اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم اس کو نہیں پکارتے جو بہرا ہو یا غائب ہو، پھر حضورؐ نے فرمایا: اے عبداللہ بن قیس الخ اور راوی نے پچھلی حدیث کا معنیٰ ذکر کیا۔ (عبداللہ بن قیسؓ ابوموسیٰ اشعریؓ کا نام تھا۔ بظاہر تو یہ ایک ہی واقعہ ہے جو پچھلی اور اس حدیث میں بیان ہوا ہے، لیکن ممکن ہے یہ کوئی اور واقعہ ہو۔ مضمون بہر حال دونوں کا ایک ہے)

۱۵۳۱۔ حَدَّثَنَا اَبُوْ صَالِحٍ اَنَا اَبُوْ اِسْحٰقَ الْفَزَارِیُّ عَنْ عَاصِمٍ عَنْ اَبِیْ عُثْمَانَ عَنْ اَبِیْ مُوْسٰی بِھٰذَا الْحَدِیْثِ قَالَ فِیْہِ فَقَالَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَا اَیُّھَا

النَّاسُ ارْبَعُوا عَلَى أَنْفُسِكُمْ۔

وہی حدیث ایک اور سند سے۔ اس میں ہے کہ: پس نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے لوگو! اپنے جانوں پر آسانی کرو (بخاری میں یہ حدیث چار بار آئی ہے اور مسلم ترمذی اور ابن ماجہ نے بھی اسے روایت کیا ہے)

۱۵۳۲۔ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ رَافِعٍ نَا أَبُو الْحُسَيْنِ زَيْدُ بْنُ الْحُبَابِ نَا عَبْدُ الرَّحْمٰنِ بْنُ شُرَيْحٍ الْإِسْكَنْدَرَانِيُّ قَالَ حَدَّثَنِي أَبُو هَانِئٍ الْخَوْلَانِيُّ أَنَّهُ سَمِعَ أَبَا عَلِيٍّ الْجَنْبِيَّ أَنَّهُ سَمِعَ أَبَا سَعِيدٍ الْخُدْرِيَّ أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ قَالَ رَضِيتُ بِاللّٰهِ رَبًّا وَبِالْإِسْلَامِ دِينًا وَبِمُحَمَّدٍ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَسُولًا وَجَبَتْ لَهُ الْجَنَّةُ۔

ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کو یہ کہتے سنا گیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو شخص کہے رَضِيتُ بِاللّٰهِ رَبًّا الخ میں اللہ پر راضی ہوا کہ وہ رب ہے اور اسلام پر راضی ہوا کہ وہ دین ہے اور محمد پر راضی ہوا کہ وہ رسول ہے تو اس کے لیے جنت واجب ہو گئی (نسائی اور مسلم نے بھی یہ حدیث روایت کی، نسائی کی روایت اور سند سے ہے اور اس سے زیادہ الفاظ کی حامل ہے)

شرح: اگر کسی شخص نے خلوص قلب سے یہ کہا اور اس کی موت فوراً واقع ہو گئی تو وہ جنتی ہوا بشرطیکہ کوئی سزا کا موجب فعل اس سے سرزد نہ ہوا ہو یا توبہ سے معاف ہو چکا ہو یا فضل الٰہی سے معاف ہو جائے۔ اور آخر کار دخول جنت ہر مومن کے لیے ثابت ہے۔

۱۵۳۳۔ حَدَّثَنَا سُلَيْمَانُ بْنُ دَاوُدَ الْعَتَكِيُّ نَا إِسْمٰعِيلُ بْنُ جَعْفَرٍ عَنِ الْعَلَاءِ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ صَلَّى عَلَيَّ وَاحِدَةً صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَشْرًا۔

ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو مجھ پر ایک دفعہ صلاۃ (رحمت) بھیجے تو اللہ تعالیٰ اس پر دس رحمتیں بھیجتا ہے۔ (مسلم، نسائی اور ترمذی نے اس کی روایت کی، ترمذی نے اسے "حسن صحیح" کہا ہے)

۱۵۳۴۔ حَدَّثَنَا الْحَسَنُ بْنُ عَلِيٍّ نَا الْحُسَيْنُ بْنُ عَلِيٍّ الْجُعْفِيُّ عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ يَزِيدَ ابْنِ جَابِرٍ عَنْ أَبِي الْأَشْعَثِ الصَّنْعَانِيِّ عَنْ أَوْسِ بْنِ أَوْسٍ قَالَ قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّ مِنْ أَفْضَلِ أَيَّامِكُمْ يَوْمَ الْجُمُعَةِ فَأَكْثِرُوا عَلَيَّ مِنَ الصَّلٰوةِ

فِيْهِ فَاِنَّ صَلَاتَكُمْ مَعْرُوْضَةٌ عَلَيَّ قَالَ فَقَالُوْا يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ وَكَيْفَ تُعْرَضُ صَلَاتُنَا عَلَيْكَ وَقَدْ اَرِمْتَ قَالَ يَقُوْلُوْنَ بَلِيْتَ قَالَ اِنَّ اللّٰهَ حَرَّمَ عَلَى الْاَرْضِ اَجْسَادَ الْاَنْبِيَاءِ۔

اوس بن اوس نے کہا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تمہارے افضل دنوں میں سے جمعہ کا دن بھی ہے پس اس میں مجھ پر کثرت سے صلاۃ بھیجا کرو کیونکہ تمہاری صلاۃ مجھ پر پیش کی جائے گی۔ اوسؓ نے کہا کہ لوگوں نے کہا: یا رسول اللہ ہمارا درود آپؐ کے سامنے کیسے پیش کیا جائے گا حالانکہ آپ بوسیدہ ہو چکے ہوں گے؟ اوسؓ نے کہا کہ انہوں نے اَرِمْتَ کا لفظ بولا جس کا معنی ہے بَلِيْتَ۔ آپؐ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے زمین پر حرام کیا ہے کہ نبیوں کے اجسام کو کھائے صلی اللہ علیہم (یہ حدیث ابوداؤد میں پہلے گزر چکی ہے اور اسے نسائیؒ اور ابن ماجہ نے بھی روایت کیا ہے)

شرح: حضورؐ کا جواب بظاہر صحابہ کے اس قول سے متعلق تھا کہ آپؐ تو بوسیدہ ہو چکے ہوں گے تو صلاۃ کیسے پیش کیا جائے گا۔ لیکن گہرائی اس کی یہ ہے کہ انبیاءؑ کو عالم برزخ میں ایک حیات حاصل ہے، کیونکہ صرف جسم محفوظ رہ جانا اس بات کو مستلزم نہیں کہ اس جسم میں حیات بھی ہو، ہاں صلوٰۃ کا قبر میں پیش کیا جانا اس کو ضرور مستلزم ہے۔ یہ حدیث سے قبل ابواب الجمعہ میں گزر چکی ہے اور اس پر کلام بھی وہیں کیا گیا ہے۔

بَابُ النَّهْيِ اَنْ يَّدْعُوَ الْاِنْسَانُ عَلٰى اَهْلِهٖ وَمَالِهٖ

اس کام کی نہی کا باب کہ آدمی اپنے اہل اور مال پر بددعا کرے۔

۱۵۳۵۔ حَدَّثَنَا هِشَامُ بْنُ عَمَّارٍ وَيَحْيَى بْنُ الْفَضْلِ وَسُلَيْمَانُ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ قَالُوْا نَا حَاتِمُ بْنُ اِسْمٰعِيْلَ ثَنَا يَعْقُوْبُ بْنُ مُجَاهِدٍ اَبُوْ حَزْرَةَ عَنْ عُبَادَةَ بْنِ الْوَلِيْدِ بْنِ عُبَادَةَ بْنِ الصَّامِتِ عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا تَدْعُوْا عَلٰى اَنْفُسِكُمْ وَلَا تَدْعُوْا عَلٰى اَوْلَادِكُمْ وَلَا تَدْعُوْا عَلٰى خَدَمِكُمْ وَلَا تَدْعُوْا عَلٰى اَمْوَالِكُمْ لَا تُوَافِقُوْا مِنَ اللّٰهِ سَاعَةَ نَيْلٍ فِيْهَا عَطَاءٌ فَيَسْتَجِيْبَ لَكُمْ قَالَ اَبُوْ دَاؤُدَ هٰذَا الْحَدِيْثُ مُتَّصِلٌ عُبَادَةُ بْنُ الْوَلِيْدِ بْنِ عُبَادَةَ لَقِيَ جَابِرًا۔

جابر بن عبداللہؓ نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اپنے آپ پر بددعا مت کرو اور اپنی اولاد پر بددعا مت کرو، اور اپنے خادموں پر بددعا مت کرو اور اپنے مالوں پر بددعا مت کرو اور اللہ تبارک وتعالیٰ کے ساتھ

قبولیتِ دعا گھڑی میں موافقت مت کرو مبادا وہ بد دعا اللہ تعالیٰ قبول فرمالے (مسلم نے اسے جابر رضی اللہ عنہ کی ایک طویل حدیث میں روایت کیا مگر اس میں خادموں کا ذکر نہیں ہے)

شرح: بعض دفع مایوسی، اکتاہٹ اور ملال کے عالم میں لوگ اپنے لیے بھی بد دعا کرتے ہیں اسی طرح اپنی ان متعلقہ چیزوں پر بھی جن کا ذکر فرمایا گیا ہے۔ قبولیت کی ساعت کا علم اللہ تعالیٰ ہی کو ہے، معلوم نہیں کس وقت کا زبان سے نکلا ہوا لفظ قبول ہو جائے اور انسان کو بعد میں سوائے پشیمانی اور افسوس کے کچھ حاصل نہ ہو۔ ابوداؤد نے حدیث کے آخر میں کہا ہے کہ عبادۃ بن الولید کی ملاقات حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے ثابت ہے لہٰذا حدیث متصل ہے منقطع نہیں۔ شائد کچھ لوگوں کے نزدیک یہ حدیث منقطع ہوگی جن کا ردّ ابوداؤد نے کیا ہے۔

بَابُ الصَّلٰوةِ عَلٰى غَيْرِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے علاوہ کسی اور پر صلوٰۃ کا باب

۱۵۳۶۔ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عِيسٰى نَا اَبُوْ عَوَانَةَ عَنِ الْاَسْوَدِ ابْنِ قَيْسٍ عَنْ نُبَيْحٍ الْعَنَزِيِّ عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ اَنَّ امْرَأَةً قَالَتْ لِلنَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَلِّ عَلَيَّ وَعَلٰى زَوْجِيْ فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْكِ وَعَلٰى زَوْجِكِ۔

جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک عورت نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا: مجھ پر اور میرے خاوند پر صلاۃ بھیجیے، تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تجھ پر اور تیرے خاوند پر رحمت نازل کرے (نسائی اور ترمذی نے بھی اسے روایت کیا۔ اور صَلِّ عَلَیَّ کا معنی ہے: میرے لیے دعا فرمائیے کیونکہ صلاۃ کا لغوی معنی دعا ہی ہے۔ قرآن پاک نے کہا ہے: وَصَلِّ عَلَيْهِمْ اِنَّ صَلٰوتَكَ سَكَنٌ لَّهُمْ "اور ان پر صلاۃ بھیجیے یعنی دعا کیجیے کیوں کہ آپ کی دعا ان کے لیے باعث سکون واطمینان ہے)

شرح: ابن الملک نے کہا ہے کہ صلاۃ کا معنی دعا، اور تبرک ہے اور بعض کا قول ہے کہ صدقہ و زکوٰۃ ادا کرنے والوں کے لیے صَلِّ کا لفظ بولنا جائز ہے۔ لیکن جو صلاۃ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے ہے وہ تعظیم و تکریم کے لیے ہے اور وہ حضور ﷺ کے ساتھ خاص ہے (سورۂ احزاب سے یہی معلوم ہوتا ہے) بقول ابن حجر حضور ﷺ کے علاوہ کسی اور کے لیے صلوٰۃ کے لفظ سے دعا کرنا رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی خصوصیات میں سے ہے کسی اور کے لیے جائز نہیں۔ حضور ﷺ کی تبعیت میں شاید یہ جائز ہو مثلاً: محمد رسول اللہ اور آپ کے اہل واصحاب علیہم الصلاۃ والسلام)

بَابُ الدُّعَاءِ بِظَهْرِ الْغَيْبِ

کسی کی غیر حاضری میں دعا کا باب

۱۵۳۷۔ حَدَّثَنَا رَجَاءُ بْنُ الْمُرَجَّى نَا النَّضْرُ بْنُ شُمَيْلٍ أَنَا مُوسَى بْنُ ثَرْوَانَ حَدَّثَنِي طَلْحَةُ بْنُ عُبَيْدِ اللهِ بْنِ كَرِيزٍ حَدَّثَتْنِي أُمُّ الدَّرْدَاءِ قَالَتْ حَدَّثَنِي سَيِّدِي أَبُو الدَّرْدَاءِ أَنَّهُ سَمِعَ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ إِذَا دَعَا الرَّجُلُ لِأَخِيهِ بِظَهْرِ الْغَيْبِ قَالَتِ الْمَلٰئِكَةُ آمِينَ وَلَكَ بِمِثْلٍ۔

ام الدرداء نے کہا کہ میرے سرداد ابوالدرداء رضی اللہ عنہ نے مجھے حدیث سُنائی کہ اس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سُنا: جب آدمی اپنے (مسلم) بھائی کی غیر حاضری میں اس کے لیے دعا کرے تو فرشتے کہتے ہیں: آمین۔ اور تیرے لیے بھی اسی طرح (یہ حدیث مسلم میں بھی ہے۔ منذری نے کہا ہے کہ اس حدیث کی راویہ امّ الدرداء صحابیہ رضی اللہ عنہا نہیں بلکہ تابعیہ ہے اور اس کا نام ہجیمہ یا جمانہ یا جہمیہ تھا اور بڑی ام الدرداء صحابیہ تھی جس کا نام خیرہ تھا۔ اس کی کوئی حدیث ابوداؤد اور مسلم میں نہیں ہے۔ اگر مسلمانوں کی جماعت کے لیے اجتماعی دعا کی جائے تو بھی یہ فضیلت حاصل ہو جائے گی)

۱۵۳۸۔ حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ عَمْرِو بْنِ السَّرْحِ نَا ابْنُ وَهْبٍ حَدَّثَنِي عَبْدُ الرَّحْمٰنِ ابْنُ زِيَادٍ عَنْ أَبِي عَبْدِ الرَّحْمٰنِ عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ عَمْرِو بْنِ الْعَاصِ أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ إِنَّ أَسْرَعَ الدُّعَاءِ إِجَابَةً دَعْوَةُ غَائِبٍ لِغَائِبٍ۔

عبداللہ بن عمرو بن العاص سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: سب سے جلدی قبول ہونے والی دعا غائب کی غائب کے لیے ہے (ترمذی نے بھی اسے روایت کیا اور اسے حدیث غریب کہا کیونکہ اس کی سند میں عبدالرحمن بن زیاد بن انعم افریقی ضعیف ہے۔ غائب کے لیے یہ شرط نہیں کہ وطن سے غائب ہو بلکہ اگر وہ کسی کے سامنے موجود نہیں تو بھی غائب ہے۔ غائب کے لیے دعا میں خلوص و محبت پائی جاتی ہے اور حاضر ہونے کی صورت میں ریا، یا خوشامد یا فریب کا احتمال ہوتا ہے)

۱۵۳۹۔ حَدَّثَنَا مُسْلِمُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ نَا هِشَامٌ عَنْ يَحْيَى عَنْ أَبِي جَعْفَرٍ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ ثَلَاثُ دَعَوَاتٍ مُسْتَجَابَاتٌ لَا شَكَّ فِيهِنَّ دَعْوَةُ الْوَالِدِ وَدَعْوَةُ الْمُسَافِرِ وَدَعْوَةُ الْمَظْلُومِ۔

ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تین دعائیں قبول ہونے والی ہیں ان میں کوئی شک

نہیں والدین کی دعاء اور مسافر کی دعاء اور مظلوم کی دعاء (یہ حدیث ترمذی اور ابن ماجہ میں بھی ہے۔)
شرح: ان کی دعاء میں صدقِ طلب اور رقتِ قلب ہوتی ہے۔ اس حدیث کے الفاظ میں قبولیت کے لیے بہت تاکید پائی جاتی ہے۔ محدث علی القاری کا قول ہے کہ قبولیت کے لیے دونوں پہلو مراد ہیں یعنی کسی کے لیے دعاء یا کسی کے خلاف بد دعاء۔ اور والدہ کا ذکر نہیں فرمایا گیا کیونکہ اس کا حق زیادہ ہونے کے باعث اس کی دعاء تو اجابت کے لیے اولیٰ ہے۔ یا اس لیے کہ باپ تو دعاء بھی اور بد دعاء بھی کر سکتا ہے لیکن ماں رحمت وشفقت کی زیادتی کے باعث دراصل دل سے بد دعاء کرتی ہی نہیں محض زبانی اظہارِ غضب کرتی ہے لہٰذا اس کی بد دعاء قبول نہیں ہوتی۔

بَابُ مَا يَقُولُ إِذَا خَافَ قَوْمًا

باب جب کسی قوم سے ڈرے تو کیا کہے

۱۵۴۰۔ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الْمُثَنَّى نَا مُعَاذُ بْنُ هِشَامٍ حَدَّثَنِي أَبِي عَنْ قَتَادَةَ عَنْ أَبِي بُرْدَةَ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ أَنَّ أَبَاهُ حَدَّثَهُ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ إِذَا خَافَ قَوْمًا قَالَ اللَّهُمَّ إِنَّا نَجْعَلُكَ فِي نُحُورِهِمْ وَنَعُوذُ بِكَ مِنْ شُرُورِهِمْ۔

ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ نے اپنے بیٹے ابو بردہ کو حدیث سنائی کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم جب کسی قوم (کے شر) سے ڈرتے تو یہ دعاء کرتے تھے: اَللّٰهُمَّ إِنَّا نَجْعَلُكَ فِي نُحُورِهِمْ وَنَعُوذُ بِكَ مِنْ شُرُورِهِمْ: اے اللہ ہم تجھے ان کے سامنے کرتے اور ان کے شر سے تیری پناہ طلب کرتے ہیں۔ (یہ حدیث نسائی میں بھی ہے۔ خدا کو ان کے سامنے کرنے کا مطلب یہ ہے کہ وہ ہمارے اور دشمن کے درمیان حائل ہو جائے اور ہماری طرف سے کافی ہو جائے اور دشمنوں کو ہٹا دے۔)

بَابُ الْاِسْتِخَارَةِ

استخارے کا باب

۱۵۴۱۔ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللَّهِ بْنُ مَسْلَمَةَ الْقَعْنَبِيُّ وَعَبْدُ الرَّحْمَنِ بْنُ مُقَاتِلٍ خَالُ الْقَعْنَبِيِّ وَمُحَمَّدُ بْنُ عِيسَى الْمَعْنَى وَاحِدٌ قَالُوا نَا عَبْدُ الرَّحْمَنِ بْنُ أَبِي الْمَوَالِ حَدَّثَنِي مُحَمَّدُ بْنُ الْمُنْكَدِرِ أَنَّهُ سَمِعَ جَابِرَ بْنَ عَبْدِ اللَّهِ قَالَ كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى

اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یُعَلِّمُنَا الْاِسْتِخَارَۃَ کَمَا یُعَلِّمُنَا السُّوْرَۃَ مِنَ الْقُرْاٰنِ یَقُوْلُ لَنَا اِذَا ھَمَّ اَحَدُکُمْ بِالْاَمْرِ فَلْیَرْکَعْ رَکْعَتَیْنِ مِنْ غَیْرِ الْفَرِیْضَۃِ وَلْیَقُلِ اللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَسْتَخِیْرُکَ بِعِلْمِکَ وَاَسْتَقْدِرُکَ بِقُدْرَتِکَ وَاَسْئَلُکَ مِنْ فَضْلِکَ الْعَظِیْمِ فَاِنَّکَ تَقْدِرُ وَلَا اَقْدِرُ وَتَعْلَمُ وَلَا اَعْلَمُ وَاَنْتَ عَلَّامُ الْغُیُوْبِ اللّٰھُمَّ فَاِنْ کُنْتَ تَعْلَمُ اَنَّ ھٰذَا الْاَمْرَ یُسَمِّیْہِ بِعَیْنِہٖ الَّذِیْ یُرِیْدُ خَیْرًا لِّیْ فِیْ دِیْنِیْ وَمَعَاشِیْ وَمَعَادِیْ وَعَاقِبَۃِ اَمْرِیْ فَاقْدُرْہُ لِیْ وَیَسِّرْہُ لِیْ وَبَارِکْ لِیْ فِیْہِ اللّٰھُمَّ وَاِنْ کُنْتَ تَعْلَمُہٗ شَرًّا لِّیْ مِثْلَ الْاَوَّلِ فَاصْرِفْنِیْ عَنْہُ وَاصْرِفْہُ عَنِّیْ وَاقْدُرْ لِیَ الْخَیْرَ حَیْثُ کَانَ ثُمَّ اَرْضِنِیْ بِہٖ اَوْ قَالَ فِیْ عَاجِلِ اَمْرِیْ وَاٰجِلِہٖ قَالَ ابْنُ مَسْلَمَۃَ وَابْنُ عِیْسٰی عَنْ مُحَمَّدِ ابْنِ الْمُنْکَدِرِ عَنْ جَابِرٍ۔

محمد بن المنکدر نے جابرؓ بن عبداللہ سے سنا کہ اس نے کہا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمیں استخارہ قرآن کی سورت کی مانند استخارہ سکھاتے تھے۔ ہم سے فرماتے تھے کہ جب تم میں سے کوئی کسی کام میں متردد ہو نفل کی دو رکعات پڑھے اور یوں کہے: اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَسْتَخِیْرُکَ بِعِلْمِکَ الخ "اے اللہ میں تجھ سے تیرے علم کے مطابق بھلا مشورہ چاہتا ہوں اور تیری قدرت سے طاقت حاصل کرنا چاہتا ہوں اور تجھ سے تیرے عظیم فضل کا سوال کرتا ہوں، کیونکہ تو قدرت رکھتا ہے اور میں نہیں رکھتا اور تو جانتا ہے اور میں نہیں جانتا اور تو سب غیبوں کا خوب جاننے والا ہے۔ اے اللہ اگر تو جانتا ہے کہ یہ کام (اس کام کا بعینہٖ نام لے جو وہ چاہتا ہے) میرے لیے میرے دین میں اور میری معاش میں اور میری آخرت میں اور میرے معاملے کے انجام میں بہتر ہے تو اسے میرے لیے مقدر فرما اور اسے میرے لیے آسان فرما اور اس میں مجھے برکت دے۔ اے اللہ اور اگر تو جانتا ہے کہ یہ کام میرے لیے برا ہے، (پہلے الفاظ کی مانند کہے) تو مجھے اس سے پھیر دے اور اس کو مجھ سے پھیر دے اور میرے لیے بھلائی کو مقدر فرما دہ جہاں بھی ہو، پھر مجھے اس سے راضی فرما دے۔ یا یوں فرمایا کہ: میرے معاملے میں کی جلدی اور دیر میں الخ۔ ابن مسلمہ اور ابن عیسٰی نے "عن محمد بن المنکدر عن جابرؓ" کے الفاظ بولے ہیں (بخاری، ترمذی، نسائی، ابن ماجہ اور احمد نے بھی اسے روایت کیا)

شرح: استخارہ کا لفظی معنیٰ ہے طلب خیر۔ اور مراد اس سے پیش آمدہ امور میں اللہ تعالیٰ سے دعائے خیر کرنا ہے۔ استخارہ کی حدیث کئی اصحاب سے مروی ہے مثلاً ابو ایوبؓ، ابو سعیدؓ، ابو ہریرہؓ اور ابن مسعودؓ وغیرہم۔ ابو داؤد کی روایت میں کچھ لفظ زائد ہیں۔ راوی عبدالرحمٰن بن ابی الموال پر کچھ محدثین نے تنقید کی ہے۔ حافظ ابن حجر نے کہا ہے کہ اس حدیث میں اِذَا ھَمَّ کا لفظ آیا ہے، ابن ابی جمرہ نے کہا ہے کہ دل میں آنے والے خیالات کی ترتیب یہ ہے: ھمّہ، لمّہ، خطرہ، نیت، ارادہ، عزیمت۔ پہلے تین مراتب پر مواخذہ نہیں ہوتا مگر آخری تین پر ہوتا ہے۔ پس ھمّ کے لفظ کا مطلب یہ ہے

کہ پہلے پہل جب دل میں خیال وارد ہو تو استخارہ کرے تو صلاۃ اور دعا کی برکت سے اس پر خیر ظاہر ہو جائے گی۔ لیکن ایک بات جب دل میں ٹھہر گئی اور اس پر ارادہ اور عزیمت قوی ہو گئی تو اس کام کی محبت اور میلان ضرور پیدا ہو جاتا ہے اور اس حالت میں خوف ہے کہ بہتر صورت اس شخص پر واضح نہ ہوگی کیونکہ وہ تو ایک بات کا فیصلہ کر چکا ہے۔ یہ بھی ممکن ہے کہ ھمّ کا معنی عزیمت ہو کیونکہ دل میں آنے والے ہر خیال پر تو استخارہ ممکن نہیں اور اس سے اوقات ضائع ہوتے ہیں۔ ابن مسعودؓ کی حدیث میں اِذَا اَرَادَ کا لفظ اس دوسرے معنی کی تائید کرتا ہے۔ اور امر سے مراد کوئی اہم امر ہو سکتا ہے مثلاً سفر، عمارت بنانا، نکاح و طلاق وغیرہ۔ نہ کہ کھانا پینا اور روزانہ کے معمولات۔ ان دو رکعتوں میں سورۂ کافرون اخلاص کی قرأت یا پہلی رکعت میں: وَرَبُّكَ يَخْلُقُ مَا يَشَاءُ وَيَخْتَارُ الخ اور دوسری رکعت میں۔ وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَلَا مُؤْمِنَةٍ إِذَا قَضَى اللّٰهُ وَرَسُولُهُ أَمْرًا الخ کی قرأت کی جائے۔ اور اسے سات بار دہرانا مناسب ہے جیسا کہ ابن السنیؒ نے انسؓ سے یہی روایت کی ہے مگر ظاہر یہ ہے کہ یہ دہرانا اس صورت میں ہوگا جبکہ استخارے کے بعد شرح صدر نہ ہو۔ ممکن ہے یہ پہلی یا کسی اگلی بار میں ہو جائے۔ اور استخارہ کی نماز اوقاتِ ممنوعہ میں نہیں ہونی چاہیئے، اکثر علماء کا یہی مذہب ہے۔ اور یہ لفظ کہ: فِي عَاجِلِ أَمْرِي وَآجِلِهِ اس کا مطلب یہ ہے کہ اسے: مَعَاشِي وَعَاقِبَةِ أَمْرِي کی جگہ پر بولا جائے۔

بَابٌ فِي الْاِسْتِعَاذَةِ

استعاذہ کا باب

۱۵۴۲۔ حَدَّثَنَا عُثْمَانُ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ نَا وَكِيعٌ نَا إِسْرَائِيلُ عَنْ أَبِي إِسْحَاقَ عَنْ عَمْرِو بْنِ مَيْمُونٍ عَنْ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَتَعَوَّذُ مِنْ خَمْسٍ مِنَ الْجُبْنِ وَالْبُخْلِ وَسُوءِ الْعُمُرِ وَفِتْنَةِ الصَّدْرِ وَعَذَابِ الْقَبْرِ۔

عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم پانچ چیزوں سے پناہ مانگتے تھے: بزدلی سے اور بخل سے، اور بری عمر سے اور سینے کے فتنے سے اور قبر کے عذاب سے (نسائی اور ابن ماجہ نے بھی اسے روایت کیا)

شرح: فتنۃ الصدر سے مراد ہے دل میں جو میل اور حسد اور بدخلقی اور بدعقیدگی وغیرہ ہوتی ہے یا اس سے مراد دل کی تنگی ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: يَجْعَلْ صَدْرَهُ ضَيِّقًا حَرَجًا الخ۔ بزدلی شجاعت کے برعکس ہے کیونکہ بزدل آدمی جہاد و قتال، امر بالمعروف و نہی المنکر اور کلمۂ حق کے اظہار سے خوف کے مارے باز رہتا ہے بخل حقوق کی ادائگی سے روکتا ہے، عمر کی برائی سے عمر کا وہ حصہ ہے جس میں انسان کی عقل و فکر ماؤف ہو جائے اسے ارذلِ عمر بھی فرمایا گیا ہے۔ ارذل کا معنی ردی ہے۔

۱۵۴۳۔ حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ نَا الْمُعْتَمِرُ قَالَ سَمِعْتُ اَبِیْ قَالَ سَمِعْتُ اَنَسَ بْنَ مَالِكٍ يَقُوْلُ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ اَللّٰهُمَّ اِنِّيْ اَعُوْذُبِكَ مِنَ الْعَجْزِ وَالْكَسَلِ وَالْجُبْنِ وَالْبُخْلِ وَالْهَرَمِ وَاَعُوْذُبِكَ مِنْ عَذَابِ الْقَبْرِ وَاَعُوْذُبِكَ مِنْ فِتْنَةِ الْمَحْيَا وَالْمَمَاتِ۔

سلیمان تیمی نے انس بن مالکؓ کو کہتے سُنا کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کہا کرتے تھے : اَللّٰهُمَّ اِنِّيْ اَعُوْذُبِكَ مِنَ الْعَجْزِ الخ " اے اللہ میں تجھ سے ناطاقتی سے پناہ مانگتا ہوں اور سُستی سے اور بزدلی سے اور بخل سے اور شدید بڑھاپے سے اور میں تجھ سے عذاب قبر سے پناہ مانگتا ہوں اور زندگی اور موت کے فتنے سے تیری پناہ لیتا ہوں" (بخاری، مسلم اور نسائی نے بھی اسے روایت کیا)

۱۵۴۴۔ حَدَّثَنَا سَعِيْدُ بْنُ مَنْصُوْرٍ وَقُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيْدٍ قَالَا نَا يَعْقُوْبُ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ قَالَ سَعِيْدٌ الزُّهْرِيُّ عَنْ عَمْرِو بْنِ اَبِيْ عَمْرٍو عَنْ اَنَسِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ كُنْتُ اَخْدِمُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَكُنْتُ اَسْمَعُهٗ كَثِيْرًا يَقُوْلُ اَللّٰهُمَّ اِنِّيْ اَعُوْذُبِكَ مِنَ الْهَمِّ وَالْحُزْنِ وَضَلَعِ الدَّيْنِ وَغَلَبَةِ الرِّجَالِ وَذَكَرَ بَعْضَ مَا ذَكَرَهُ التَّيْمِيُّ۔

انس بن مالکؓ نے کہا کہ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت کیا کرتا تھا، پس بہت دفعہ آپ کو یہ فرماتے سُنا تھا : "اے اللہ میں تجھ سے رنج وغم سے اور قرض کے شدید بوجھ سے اور لوگوں کے غلبے سے پناہ مانگتا ہوں"، اور اس حدیث میں عمرو بن ابی عمر نے تیمی کی گزشتہ حدیث کی بعض چیزوں کا بھی ذکر کیا ہے (بخاری، مسلم، ترمذی اور نسائی نے بھی یہ حدیث روایت کی)

شرح : کرمانی کا قول ہے کہ یہ دعا جوامع الکلم میں سے ہے کیونکہ انسانی رذائل تین قسم کے ہیں : نفسانی، بدنی اور خارجی اور ان کا تعلق انسان کی تین قسم کی قوتوں کے ساتھ ہے : عقلی، نفسانی اور شہوانی۔ پس ہم وحزن کا تعلق قوتِ عقلیہ سے ہے، جبن کا تعلق غضبی قوت سے ہے۔ بخل کا تعلق شہوانی قوت سے ہے اور عجز وکسل کا تعلق بدنی قوت سے ہے۔ اور یہ دعا ان سب کو حاوی ہے۔

۱۵۴۵۔ حَدَّثَنَا الْقَعْنَبِيُّ عَنْ مَالِكٍ عَنْ اَبِي الزُّبَيْرِ الْمَكِّيِّ عَنْ طَاؤُسٍ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَبَّاسٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يُعَلِّمُهُمْ هٰذَا الدُّعَاءَ كَمَا يُعَلِّمُهُمُ السُّوْرَةَ مِنَ الْقُرْاٰنِ يَقُوْلُ اَللّٰهُمَّ اِنِّيْ اَعُوْذُبِكَ مِنْ عَذَابِ جَهَنَّمَ وَاَعُوْذُبِكَ مِنْ

عَذَابِ الْقَبْرِ وَاَعُوْذُبِكَ مِنْ فِتْنَةِ الْمَسِيْحِ الدَّجَّالِ وَاَعُوْذُبِكَ مِنْ فِتْنَةِ الْمَحْيَا وَالْمَمَاتِ۔

عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ کو یہ دعا قرآن کی سورت کی مانند سکھاتے تھے آپ کہتے: "اے اللہ میں تجھ سے جہنم کے عذاب سے پناہ مانگتا ہوں اور عذاب قبر سے تیری پناہ مانگتا ہوں اور مسیح دجال کے فتنے سے تیری پناہ لیتا ہوں اور تجھ سے زندگی اور موت کے فتنے کی پناہ طلب کرتا ہوں" (مسلم، نسائی، ابن ماجہ مالک اور ترمذی نے بھی اس حدیث کی روایت کی) دجال کا معنی ہے بہت بڑا فریبی اور دغاباز، مسیح اس لیے کہا جاتا ہے کہ اس کی دائیں آنکھ ممسوح ہو گی، یا اس لیے کہ قلیل عرصے میں زمین میں گھوم پھر لے گا۔

۱۵۴۶۔ حَدَّثَنَا اِبْرَاهِيْمُ بْنُ مُوْسَى الرَّازِيُّ اَنَا عِيْسٰى نَا هِشَامٌ عَنْ اَبِيْهِ عَنْ عَائِشَةَ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَدْعُوْ بِهٰؤُلَاءِ الْكَلِمَاتِ اَللّٰهُمَّ اِنِّيْ اَعُوْذُبِكَ مِنْ فِتْنَةِ النَّارِ وَعَذَابِ النَّارِ وَمِنْ شَرِّ الْغِنٰى وَالْفَقْرِ۔

عائشہ ام المؤمنین رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم ان کلمات کے ساتھ دعا کیا کرتے تھے: اے اللہ میں تجھ سے آگ کے فتنے سے اور آگ کے عذاب سے اور مال داری کے شر سے اور محتاجی کے شر سے پناہ مانگتا ہوں۔ (بخاری، مسلم، ترمذی اور نسائی نے بھی اسے روایت کیا ہے) غناء کے فتنے سے تکبر، ریاکاری، ظلم وستم اور حق تلفی وغیرہ رذائل پیدا ہوتے ہیں، اور فقر کے فتنے سے مایوسی، رذالت، ذلت، بے صبری اور حرام کی ہوس کے فتنے اٹھتے ہیں لہٰذا ان کے شر سے پناہ مانگی گئی۔

۱۵۴۷۔ حَدَّثَنَا مُوْسَى بْنُ اِسْمٰعِيْلَ نَا حَمَّادٌ اَنَا اِسْحٰقُ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ عَنْ سَعِيْدِ ابْنِ يَسَارٍ عَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَقُوْلُ اَللّٰهُمَّ اِنِّيْ اَعُوْذُبِكَ مِنَ الْفَقْرِ وَالْقِلَّةِ وَالذِّلَّةِ وَاَعُوْذُبِكَ مِنْ اَنْ اَظْلِمَ اَوْ اُظْلَمَ۔

ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کہا کرتے تھے: اے اللہ میں فقر سے اور قلت سے اور ذلت سے تیری پناہ لیتا ہوں اور اس بات سے تیری پناہ لیتا ہوں کہ خود ظلم کروں یا کوئی اور مجھ پر ظلم کرے (نسائی اور ابن ماجہ نے بھی اسے روایت کیا، ابن ماجہ کی روایت عن جعفر بن عیاض عن ابی ہریرہ رضی اللہ عنہ ہے)

شرح: فقر کے لفظ کا تعلق دراصل فقار الظہر کے ساتھ ہے، یعنی ریڑھ کی ہڈی کے ٹوٹ جانے کو فقر کہتے ہیں۔ اس کا استعمال چار وجوہ پر ہوتا ہے۔ (۱) ضروری حاجات کی محتاجی جو تمام انسانوں کے لیے زندگی بھر میں عام ہے، اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اَنْتُمُ الْفُقَرَاءُ الخ (۲) حاجات ضروریہ کا نہ ہونا: اِنَّمَا الصَّدَقَاتُ لِلْفُقَرَاءِ الخ (۳) دل کی محتاجی جو دل مالداری کے بالمقابل ہے (۴) اللہ تعالیٰ کی محتاجی جو ہر حال میں بندے کا شیوہ ہونا چاہیئے اور حدیث میں

ہے: اَللّٰھُمَّ اغننی بالافتقار الیک ولا تفقرلی بالاستغناء عنک۔ پس زیر نظر حدیث میں جس فقر سے پناہ مانگی گئی ہے وہ دوسرا فقر ہے اور ممکن ہے تیسرا بھی مراد ہو۔ تمام کی مانند مظلوم ہونا بھی انسان کے لئے باعث صد مصیبت ہے لہذا اس سے بھی پناہ طلب فرمائی گئی۔

۱۵۴۸۔ حَدَّثَنَا ابْنُ عَوْفٍ نَا عَبْدُ الْغَفَّارِ بْنُ دَاوُدَ نَا يَعْقُوبُ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ عَنْ مُوسٰى بْنِ عُقْبَةَ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ دِينَارٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ كَانَ مِنْ دُعَاءِ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَللّٰهُمَّ إِنِّي أَعُوذُ بِكَ مِنْ زَوَالِ نِعْمَتِكَ وَتَحْوِيلِ عَافِيَتِكَ وَفُجَاءَةِ نِقْمَتِكَ وَجَمِيعِ سَخَطِكَ۔

عبداللہ بن عمرؓ نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعاؤں میں سے یہ بھی تھی: اے اللہ میں تیری نعمت کے زوال سے اور تیری آسائش و معافی کی تبدیلی سے اور اچانک انتقام سے اور ہر قسم کی ناراضگی سے تیری پناہ مانگتا ہوں (مسلم نے بھی اسے روایت کیا ہے) زیر نظر حدیث میں تحویل کا لفظ ہے اور ایک نسخے میں تحوّل کا مطلب یہ ہے کہ عافیت بدل کر مرض وغیرہ ہو جائے۔ معاذ اللہ منہ۔

۱۵۴۹۔ حَدَّثَنَا عَمْرُو بْنُ عُثْمَانَ نَا بَقِيَّةُ نَا ضُبَارَةُ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ أَبِي السُّلَيْلِ عَنْ دُوَيْدِ بْنِ نَافِعٍ نَا أَبُو صَالِحٍ السَّمَّانُ قَالَ قَالَ أَبُو هُرَيْرَةَ إِنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَدْعُو يَقُولُ اَللّٰهُمَّ إِنِّي أَعُوذُ بِكَ مِنَ الشِّقَاقِ وَالنِّفَاقِ وَسُوءِ الْأَخْلَاقِ۔

ابوہریرہؓ نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دعا میں یہ کہتے تھے: اے اللہ میں تجھ سے عداوت اور منافقت اور بدخلقی سے پناہ مانگتا ہوں (نسائی نے بھی اس کی روایت کی ہے۔ اس روایت کے راوی بقیہ بن الولید اور دُوَید بن نافع میں محدثین کو کچھ کلام ہے)

۱۵۵۰۔ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الْعَلَاءِ عَنِ ابْنِ إِدْرِيسَ عَنِ ابْنِ عَجْلَانَ عَنِ الْمَقْبُرِيِّ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ كَانَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ اَللّٰهُمَّ إِنِّي أَعُوذُ بِكَ مِنَ الْجُوعِ فَإِنَّهُ بِئْسَ الضَّجِيعُ وَأَعُوذُ بِكَ مِنَ الْخِيَانَةِ فَإِنَّهَا بِئْسَتِ الْبِطَانَةُ۔

ابوہریرہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کہا کرتے تھے: اے اللہ میں بھوک سے تیری پناہ مانگتا ہوں

کیونکہ وہ برا ساتھی ہے اور میں خیانت سے تیری پناہ مانگتا ہوں کیونکہ وہ برا دوست ہے (نسائی نے بھی اسے روایت کیا ہے)
شرح: بھوک کو برا ساتھی (ضجیع) فرمایا ہے، ضجیع کا معنیٰ ہے ہم آغوش، یعنی بیوی۔ مراد وہ بھوک ہے جو بیداری اور نیند میں ساتھ نہ چھوڑے اور نقصان پہنچائے۔ بطانہ اندرونی لباس کو کہا جاتا ہے، دلی دوست کو بھی بطانہ کہتے ہیں، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: لَا تَتَّخِذُوا بِطَانَةً مِّنْ دُونِكُمْ "ایمان والوں کے سوا کسی کو دلی دوست مت جانو" یہاں باطنی ہلاکت کے معنی میں استعمال ہوا ہے۔

۱۵۵۱۔ حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ نَا اللَّيْثُ عَنْ سَعِيدِ بْنِ أَبِي سَعِيدٍ الْمَقْبُرِيِّ عَنْ أَخِيهِ عَبَّادِ بْنِ أَبِي سَعِيدٍ أَنَّهُ سَمِعَ أَبَا هُرَيْرَةَ يَقُولُ كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ اللَّهُمَّ إِنِّي أَعُوذُ بِكَ مِنَ الْأَرْبَعِ مِنْ عِلْمٍ لَا يَنْفَعُ وَمِنْ قَلْبٍ لَا يَخْشَعُ وَمِنْ نَفْسٍ لَا تَشْبَعُ وَمِنْ دُعَاءٍ لَا يُسْمَعُ۔

ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کہتا تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ فرماتے تھے: اے اللہ چار چیزوں سے تیری پناہ مانگتا ہوں، غیر مفید علم سے اور غیر عاجز دل سے اور نہ سیر ہونے والی جان سے اور نہ سنی (قبول کی) جانے والی دعاء سے (مسلم، نسائی، ترمذی اور ابن ماجہ نے اسے روایت کیا)

۱۵۵۲۔ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الْمُتَوَكِّلِ نَا الْمُعْتَمِرُ قَالَ قَالَ أَبُو الْمُعْتَمِرِ أُرَى أَنَّ أَنَسَ بْنَ مَالِكٍ حَدَّثَنَا أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَقُولُ اللَّهُمَّ إِنِّي أَعُوذُ بِكَ مِنْ صَلٰوةٍ لَا تَنْفَعُ وَذَكَرَ دُعَاءً آخَرَ۔

سلیمان تیمی نے کہا کہ میرا خیال ہے انس بن مالک رضی اللہ عنہ نے ہمیں یہ حدیث سنائی کہ رسول اللہ صلی اللہ وسلم کہا کرتے تھے: اے اللہ میں اس نماز سے تیری پناہ مانگتا ہوں جو مفید نہ ہو۔ اور انس رضی اللہ عنہ نے ایک اور دعاء کا بھی ذکر کیا (سلیمان تیمی کو یقین نہیں ہے، کہ اس نے یہ حدیث انس رضی اللہ عنہ سے سنی تھی مگر گمان ہے کہ سنی تھی۔

۱۵۵۳۔ حَدَّثَنَا عُثْمَانُ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ نَا جَرِيرٌ عَنْ مَنْصُورٍ عَنْ هِلَالِ بْنِ يَسَافٍ عَنْ فَرْوَةَ بْنِ نَوْفَلٍ الْأَشْجَعِيِّ قَالَ سَأَلْتُ عَائِشَةَ أُمَّ الْمُؤْمِنِينَ عَمَّا كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَدْعُو بِهِ قَالَتْ كَانَ يَقُولُ اللَّهُمَّ إِنِّي أَعُوذُ بِكَ مِنْ شَرِّ مَا عَمِلْتُ وَمِنْ شَرِّ مَا لَمْ أَعْمَلْ۔

فروہ بن نوفل اشجعی نے کہا میں نے عائشہ ام المومنین رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے پوچھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ

وسلم کیا دعا کیا کرتے تھے، تو انہوں نے فرمایا آپ یہ کہا کرتے تھے: اے اللہ میں اپنے عمل کے شر (برے نتیجے) سے تیری پناہ لیتا ہوں اور اس عمل کے شر سے بھی جو میں نے نہیں کیا (مسلم، نسائی اور ابن ماجہ نے اسے روایت کیا ہے)

شرح: جو کام کیا نہیں اس کے برے نتیجے سے پناہ مانگنے کا مطلب یہ ہے کہ میں وہ کام ہی نہ کروں جس کا نتیجہ برا نکلے۔ اور یا مراد اس سے یہ ہے کہ مجھ سے کوئی ایسا کام سرزد نہ ہونے پائے جس سے میرے دل میں خود پسندی پیدا ہو سکے

۱۵۵۴۔ حَدَّثَنَا اَحْمَدُ بْنُ حَنْبَلٍ نَا مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ الزُّبَيْرِ ح وَ حَدَّثَنَا اَحْمَدُ نَا وَكِيعٌ اَلْمَعْنٰى عَنْ سَعْدِ بْنِ اَوْسٍ عَنْ بِلَالٍ الْعَبْسِيِّ عَنْ شُتَيْرِ بْنِ شَكَلٍ عَنْ اَبِيْهِ قَالَ فِيْ حَدِيْثِ اَبِيْ اَحْمَدَ شَكَلِ بْنِ حُمَيْدٍ قَالَ قُلْتُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلِّمْنِيْ دُعَاءً قَالَ قُلِ اللّٰهُمَّ اِنِّيْ اَعُوْذُ بِكَ مِنْ شَرِّ سَمْعِيْ وَمِنْ شَرِّ بَصَرِيْ وَمِنْ شَرِّ لِسَانِيْ وَمِنْ شَرِّ قَلْبِيْ وَمِنْ شَرِّ مَنِيِّيْ۔

شکل بن حُمیدؓ نے کہا کہ میں نے کہا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مجھے کوئی دعاء سکھا دیجئے۔ آپ نے فرمایا: کہہ: اے اللہ میں اپنے کان کے شر سے تیری پناہ مانگتا ہوں اور اپنی آنکھ کے شر سے اور اپنی زبان کے شر سے اور اپنے دل کے شر سے اور اپنی منی کے شر سے۔ (نسائی اور ترمذی نے بھی اس کی روایت کی ہے۔ منی کے شر سے پناہ مانگنے کا مطلب یہ ہے کہ اس کے غلبے کے باعث انسان برائی میں مبتلا ہو جائے۔ حمصی نسخے میں مَنِیِّ کے بجائے مَنِیَّتِی کا لفظ ہے یعنی: اپنی موت کے شر سے۔ ان اعضاء کا شر یہ ہے کہ ان کی خداداد قوتوں کو خلافِ شرع کاموں میں لگایا جائے۔

۱۵۵۵۔ حَدَّثَنَا عُبَيْدُ اللّٰهِ بْنُ عُمَرَ نَا مَكِّيُّ بْنُ اِبْرَاهِيْمَ نَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ سَعِيْدٍ عَنْ صَيْفِيٍّ مَوْلٰى اَفْلَحَ مَوْلٰى اَبِيْ اَيُّوْبَ عَنْ اَبِي الْيَسَرِ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَدْعُوْ اَللّٰهُمَّ اِنِّيْ اَعُوْذُ بِكَ مِنَ الْهَدْمِ وَاَعُوْذُ بِكَ مِنَ التَّرَدِّيْ وَاَعُوْذُ بِكَ مِنَ الْغَرَقِ وَالْحَرَقِ وَالْهَرَمِ وَاَعُوْذُ بِكَ اَنْ يَّتَخَبَّطَنِيَ الشَّيْطَانُ عِنْدَ الْمَوْتِ وَاَعُوْذُ بِكَ اَنْ اَمُوْتَ فِيْ سَبِيْلِكَ مُدْبِرًا وَاَعُوْذُ بِكَ اَنْ اَمُوْتَ لَدِيْغًا۔

ابوالیسرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دعا کیا کرتے تھے: اے اللہ میں تجھ سے اپنے اوپر عمارت کے گر جانے سے پناہ مانگتا ہوں اور بلند جگہ سے گرنے سے پناہ مانگتا ہوں اور غرق ہونے سے پناہ مانگتا ہوں

اور جل جانے سے پناہ مانگتا ہوں اور بہت زیادہ بڑھاپے سے پناہ مانگتا ہوں اور اس بات سے تیری پناہ مانگتا ہوں کہ شیطان موت کے وقت مجھ پر قابو پائے، اور اس بات سے تیری پناہ مانگتا ہوں کہ تیری راہ میں پشت پھیر کر مروں اور اس بات سے تیری پناہ مانگتا ہوں کہ زہریلے جانوروں کے ڈسنے سے مروں۔ (نسائی نے بھی اسے روایت کیا ہے)

شرح: خطابی نے معالم السنن میں کہا ہے کہ شیطان آدمی کی موت کے وقت اپنے چیلوں چانٹوں سے کہتا ہے کہ: جانے نہ پائے، آج کے بعد اس پر ہمارا کبھی تسلط نہ ہو سکے گا پس وہ اسے کئی صورتوں میں گمراہ کرنے کی کوشش کرتا ہے مثلاً: اسے توبہ نہ کرنے دینا، اسے اپنی اصلاح سے روکنا، کوئی ظلم اگر وہ کر چکا تھا تو اس سے نکلنے کی کوشش سے روکنا، اللہ کی رحمت سے ناامید کر دینا، موت کو ناپسند کرنے اور دنیوی زندگی کی تمنا ہونے کی طرف لے جانا، خدا کی رضا سے اسے نکال دینا اور کوشش کرنا کہ اس کی موت کفر پر ہو یا کم از کم اعلیٰ مرتبے کے ایمان پر نہ ہو۔ نعوذ باللہ منہ۔ موت کے جن اسباب کا یہاں ذکر ہوا ہے وہ سب گو ایک قسم کی شہادت کا موجب ہیں لیکن ان کی موت نہایت درد انگیز، بعض کی بالکل اچانک ہوتی ہے اور آدمی ضروری کام بھی نہیں نمٹا سکتا مثلاً وصیت وغیرہ یا مثلاً سچی توبہ کرنا، اور وارثوں کو ان حالات میں صبر دلانا بعض دفعہ مشکل ہو جاتا ہے۔ میدانِ جنگ سے منہ موڑ نا کبائر میں سے ہے جس پر قرآن میں شدید وعید وارد ہوئی ہے۔ زہریلے جانوروں کے ڈسنے میں بعض دفعہ فوراً موت واقع ہو جاتی ہے اس لیے اس سے بھی پناہ طلب کی گئی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم معصوم بلکہ سید المعصومین تھے مگر اس قسم کی دعاؤں سے آپ کا شوقِ عبادت اور ذوقِ دعا ثابت ہوتا ہے۔

حَدَّثَنَا إِبْرَاهِيمُ بْنُ مُوسَى الرَّازِيُّ نَا عِيسَى عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ سَعِيدٍ حَدَّثَنِي مَوْلًى لِأَبِي أَيُّوبَ عَنْ أَبِي الْيَسَرِ زَادَ فِيهِ وَالْغَمِّ۔

دوسری سند سے گزشتہ حدیث، اس میں: اور غم کا لفظ زائد ہے، یعنی حضورؐ نے اس سے بھی پناہ مانگی تھی۔

حَدَّثَنَا مُوسَى بْنُ إِسْمٰعِيلَ نَا حَمَّادٌ نَا قَتَادَةُ عَنْ أَنَسٍ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَقُولُ اَللّٰهُمَّ إِنِّي أَعُوذُ بِكَ مِنَ الْبَرَصِ وَالْجُنُونِ وَالْجُذَامِ وَمِنْ سَيِّئِ الْأَسْقَامِ۔

انسؓ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کہا کرتے تھے: اے اللہ میں تجھ سے پناہ مانگتا ہوں برص سے اور جنون سے اور جذام سے اور بری بیماریوں سے (یا بیماریوں کی برائی سے) (اسے نسائی نے بھی روایت کیا ہے۔ خطابی نے کہا ہے کہ ان بیماریوں سے پناہ مانگنے کا سبب یہ ہے کہ یہ انسان کے چہرے اور اعضاء کو بگاڑ دیتی ہیں اور بدنمائی کو دائمی بنا دیتی ہیں اور ان میں سے بعض عقل پر اثر انداز ہیں۔ یہ عام امراض مثلاً بخار یا سر درد وغیرہ کی مانند نہیں ہیں

اور خدائی سزائیں نہیں ہیں۔

حَدَّثَنَا اَحْمَدُ بْنُ عُبَيْدِ اللهِ الْغُدَانِيُّ نَا غَسَّانُ بْنُ عَوْفٍ اَنَا الْجُرَيْرِيُّ عَنْ اَبِيْ نَضْرَةَ عَنْ اَبِيْ سَعِيْدِنِ الْخُدْرِيِّ قَالَ دَخَلَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ذَاتَ يَوْمٍ نِ الْمَسْجِدَ فَاِذَا هُوَ بِرَجُلٍ مِنَ الْاَنْصَارِ يُقَالُ لَهُ اَبُوْ اُمَامَةَ فَقَالَ يَا اَبَا اُمَامَةَ مَالِيْ اَرَاكَ جَالِسًا فِي الْمَسْجِدِ فِيْ غَيْرِ وَقْتِ الصَّلٰوةِ قَالَ هُمُوْمٌ لَزِمَتْنِيْ وَدُيُوْنٌ يَا رَسُوْلَ اللهِ قَالَ اَفَلَا اُعَلِّمُكَ كَلَامًا اِذَا قُلْتَهُ اَذْهَبَ اللهُ هَمَّكَ وَقَضٰى عَنْكَ دَيْنَكَ قَالَ قُلْتُ بَلٰى يَا رَسُوْلَ اللهِ قَالَ قُلْ اِذَا اَصْبَحْتَ وَاِذَا اَمْسَيْتَ اَللّٰهُمَّ اِنِّيْ اَعُوْذُ بِكَ مِنَ الْهَمِّ وَالْحُزْنِ وَاَعُوْذُ بِكَ مِنَ الْعَجْزِ وَالْكَسَلِ وَاَعُوْذُ بِكَ مِنَ الْجُبْنِ وَالْبُخْلِ وَاَعُوْذُ بِكَ مِنْ غَلَبَةِ الدَّيْنِ وَقَهْرِ الرِّجَالِ قَالَ فَفَعَلْتُ ذٰلِكَ فَاَذْهَبَ اللهُ هَمِّيْ وَقَضٰى عَنِّيْ دَيْنِيْ۔

ابوسعید خدریؓ نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک دن مسجد میں داخل ہوئے تو آپ نے انصار کے ایک آدمی کو دیکھا جسے ابوامامہؓ کہتے تھے۔ حضورؐ نے اس سے فرمایا: اے ابوامامہؓ کیا بات ہے کہ نماز کے وقت کے بغیر میں تمہیں مسجد میں بیٹھا ہوا دیکھتا ہوں؟ اس نے کہا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مجھے کچھ پریشانیاں اور قرض چمٹے ہوئے ہیں۔ آپؐ نے فرمایا: کیا میں تمہیں ایک ایسا کلام نہ بتاؤں کہ جب تو اسے کہے تو اللہ تعالیٰ تیری پریشانی دور کر دے اور تیرا قرض ادا کر دے! ابوامامہؓ نے کہا کہ میں نے کہا یا رسول اللہ کیوں نہیں؟ حضورؐ نے فرمایا تو صبح وشام یہ کہا کر: اے اللہ میں تجھ سے پریشانی اور غم سے پناہ مانگتا ہوں اور بے چارگی اور سستی سے تیری پناہ مانگتا ہوں اور بزدلی اور بخل سے تیری پناہ مانگتا ہوں اور قرض کے غلبے اور مردوں کی زبردستی سے تیری پناہ مانگتا ہوں۔ ابوامامہؓ نے کہا کہ میں نے ایسا ہی کیا تو اللہ تعالیٰ نے میری پریشانی دُور کر دی اور میرا قرض ادا فرما دیا (اس حدیث کی روایت میں غسان بن عوف مازنی بصری کو ضعیف کہا گیا ہے)

(اٰخِرُ کِتَابِ الصَّلٰوۃِ)

کتاب الصلوٰۃ تمام ہوئی۔

اَوَّلُ کِتَابِ الزَّکٰوۃِ

کتاب الزکوٰۃ

بسم اللہ الرحمن الرحیم ۔کتاب الزکوٰۃ میں ۴۰ باب اور ۱۴۵ حدیثیں ہیں۔زکوٰۃ کا لفظی معنیٰ نشو و نما اور تطہیر ہے۔اصطلاحی زکوٰۃ میں یہ دونوں معنے پائے جاتے ہیں کیوں کہ خدا اور رسولؐ کا وعدہ ہے کہ زکوٰۃ ادا کرنے سے مال میں کمی نہیں بلکہ اضافہ ہوتا ہے۔ اجر و ثواب میں بھی اضافہ ہوتا ہے اور زکوٰۃ ان اموال سے لی جاتی جن میں اضافہ ہوتا رہتا ہے مثلاً اموال تجارت، زرعی فصلیں اور ڈھور ڈنگر وغیرہ، یا ان اموال میں اضافے کی اہلیت ہوتی ہے مثلاً سونا چاندی اور ان کے سکے۔ پھر زکوٰۃ سے مال پاک ہو جاتا ہے کیونکہ اس میں سے دوسروں کا حق نکل جاتا ہے۔زکوٰۃ دینے والے کو نفسانی و قلبی طہارت بھی حاصل ہوتی ہے کہ اس کے دل سے حُبِّ مال اور بُخل کی رذالت نکل جاتی ہے۔ کلمۂ شہادت اور نماز کے بعد زکوٰۃ اسلام کا تیسرا رُکن ہے۔ لفظ زکوٰۃ بالعموم فریضے پر بولا جاتا ہے مگر عام معنوں میں اس کے اندر نفلی صدقات اور مالی حقوق بھی داخل ہیں۔ زکوٰۃ شرعی کی تعریف یہ ہے کہ سالانہ نصاب اموال کا ایک حصہ مستحقین کو دے دیا جائے۔ زکوٰۃ اسلام کا ایک قطعی فریضہ ہے لہٰذا اس کے دلائل فرضیت کا ذکر ضروری نہیں۔ زکوٰۃ کی بعض فروع میں اختلاف ہے مگر اسکی فرضیت میں کوئی اختلاف نہیں۔ اُس کا منکر کافر ہے اور صدیق اکبرؓ نے اجماعِ صحابہ کے ساتھ نہ صرف منکرین زکوٰۃ بلکہ بیت المال کو اس کی ادائگی نہ کرنے والوں کے خلاف بھی مسلح جہاد کیا تھا۔ اکثر علماء کے نزدیک زکوٰۃ کی فرضیت ہجرتِ مدینہ کے بعد ہوئی تھی۔ نوویؒ کے نزدیک صیامِ رمضان کی فرضیت کے قبل زکوٰۃ فرض ہوئی تھی۔ابن کثیرؒ نے تاریخ میں اس کی فرضیت نویں سال بتائی ہے مگر یہ تاریخ واقعات کے خلاف ہے۔ ابن خزیمہ نے لکھا ہے کہ زکوٰۃ کی فرضیت ہجرت کے قبل ہو چکی تھی اور ہمارے دور کے مشہور محدث سید انور شاہؒ کا بھی یہی خیال ہے۔

ضمام بن ثعلبہؓ کا وفد ہجرت کے پانچویں سال آیا تھا اور احادیث میں اس کا ذکر موجود ہے۔ ضمامؓ نے جو سوالات حضورؐ سے کئے تھے ان میں زکوٰۃ کا بھی سوال تھا جس سے ثابت ہوتا ہے کہ اس کی آمد سے قبل زکوٰۃ فرض ہو چکی تھی اور اس کے تحصیل دار ساری اسلامی مملکت میں بھیجے ہوئے تھے۔ مسند احمد، ابن خزیمہ، النسائی، ابن ماجہ اور حاکم میں قیس بن سعدؓ بن عبادہ کی روایت موجود ہے کہ صدقۂ فطر کا وجوب فرضیتِ زکوٰۃ سے پہلے ہوا تھا، اور ظاہر ہے کہ صدقۂ فطر ۲ھ میں واجب ہوا تھا کیونکہ اسی سال صیامِ رمضان فرض ہوا تھا۔ سید انور شاہؒ نے فرمایا ہے کہ زکوٰۃ قبل از ہجرت فی الجملہ فرض تھی مگر اس کے نصاب کی مقداریں اور ہر نصاب سے زکوٰۃ کی مقداریں ہجرت کے بعد فرض ہوئیں۔اس طرح سے یہ دونوں قول جمع ہو جاتے ہیں۔ واللہ اعلم بالصواب۔

۱۵۵۶ - حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ الثَّقَفِيُّ نَا اللَّيْثُ عَنْ عُقَيْلٍ عَنِ الزُّهْرِيِّ أَخْبَرَنِي عُبَيْدُ اللهِ بْنُ عَبْدِ اللهِ بْنِ عُتْبَةَ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ لَمَّا تُوُفِّيَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَاسْتُخْلِفَ أَبُو بَكْرٍ بَعْدَهُ وَكَفَرَ مَنْ كَفَرَ مِنَ الْعَرَبِ قَالَ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ لِأَبِي بَكْرٍ كَيْفَ تُقَاتِلُ النَّاسَ وَقَدْ قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ

وَسَلَّمَ اُمِرْتُ اَنْ اُقَاتِلَ النَّاسَ حَتّٰی یَقُوْلُوْا لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ فَمَنْ قَالَ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ عَصَمَ مِنِّیْ مَالَهٗ وَنَفْسَهٗ اِلَّا بِحَقِّهٖ وَحِسَابُهٗ عَلَی اللّٰهِ فَقَالَ اَبُوْبَکْرٍ وَاللّٰهِ لَاُقَاتِلَنَّ مَنْ فَرَّقَ بَیْنَ الصَّلٰوةِ وَالزَّکٰوةِ فَاِنَّ الزَّکٰوةَ حَقُّ الْمَالِ وَاللّٰهِ لَوْمَنَعُوْنِیْ عِقَالًا کَانُوْا یُؤَدُّوْنَهٗ اِلٰی رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ لَقَاتَلْتُهُمْ عَلٰی مَنْعِهٖ فَقَالَ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ فَوَاللّٰهِ مَا هُوَ اِلَّا اَنْ رَاَیْتُ اللّٰهَ قَدْ شَرَحَ صَدْرَ اَبِیْ بَکْرٍ لِلْقِتَالِ قَالَ فَعَرَفْتُ اَنَّهُ الْحَقُّ قَالَ اَبُوْدَاؤدَ رَوَاهُ رَبَاحُ بْنُ زَیْدٍ عَنْ مَعْمَرٍ عَنِ الزُّهْرِیِّ بِاِسْنَادِهٖ قَالَ بَعْضُهُمْ عِقَالًا وَرَوَاهُ ابْنُ وَهْبٍ عَنْ یُوْنُسَ قَالَ عَنَاقًا قَالَ اَبُوْدَاؤدَ قَالَ شُعَیْبُ بْنُ اَبِیْ حَمْزَةَ وَمَعْمَرٌ وَالزُّبَیْدِیُّ عَنِ الزُّهْرِیِّ فِیْ هٰذَا الْحَدِیْثِ لَوْمَنَعُوْنِیْ عَنَاقًا وَرَوٰی عَنْبَسَةُ عَنْ یُوْنُسَ عَنِ الزُّهْرِیِّ فِیْ هٰذَا الْحَدِیْثِ قَالَ عَنَاقًا۔

ابوہریرہؓ نے کہا کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات ہوگئی اور آپ کے بعد ابوبکر رضی اللہ عنہ کو خلیفہ بنایا گیا تو عربوں میں سے کچھ لوگ کافر ہو گئے۔ عمر بن الخطابؓ نے ابوبکر صدیقؓ سے کہا: آپ لوگوں سے کیسے قتال کریں گے حالانکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے: مجھے لوگوں سے قتال کا اس وقت تک حکم ہے جب تک کہ وہ لا الٰہ الا اللہ نہ کہہ دیں۔ پس جس نے لا الٰہ الا اللہ کہا اس نے مجھ سے اپنا مال اور اپنی جان محفوظ کر لی مگر اس کے حق کے ساتھ، اور اس کا حساب اللہ عزوجل پر ہے۔ پس ابوبکر رضی اللہ عنہ نے کہا کہ واللہ میں نماز اور زکوٰۃ میں تفریق کرنے والوں سے بالضرور قتال کروں گا کیونکہ زکوٰۃ مال کا حق ہے۔ واللہ اگر وہ مجھ سے اونٹ کا گھٹنا باندھنے کی رسی بھی روکیں گے جسے وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ادا کرتے تھے تو میں اس کے روکنے پر ان سے قتال کروں گا۔ پس عمرؓ بن الخطاب نے کہا کہ اب مجھے پتہ چل گیا کہ اللہ تعالیٰ نے قتال کے حق میں ابوبکرؓ کو شرح صدر (اطمینانِ قلب) عطا کر دیا ہے، فرمایا کہ میں نے جان لیا کہ یہ برحق بات ہے۔ ابوداؤد نے کہا کہ اسے رباح بن زید نے (اور عبدالرزاق نے بھی) معمر عن الزہری کی سند سے روایت کیا۔ بعض رواۃ نے عقالاً (اونٹ کا گھٹنا باندھنے کی رسی) روایت کیا اور ابن وہب نے یونس سے عناقاً (بکری کا چھوٹا بچہ) روایت کیا۔ ابوداؤد نے کہا کہ شعیب بن ابی حمزہ اور معمر اور زبیدی نے زہری سے عناقاً روایت کیا اور عنبسہ عن یونس عن الزہری کی روایت میں بھی عناقاً ہے۔ (بخاری، مسلم، ترمذی، نسائی اور ابن ماجہ نے بھی اسے روایت کیا۔ الجامع الصغیر میں ہے کہ یہ حدیث متواتر ہے)

(شرح) ابوسلیمان الخطابی نے کہا ہے کہ یہ حدیث دین میں ایک بڑی اصل کی حیثیت رکھتی ہے، اور اس میں علم کی کئی انواع اور فقہ کے کئی ابواب ہیں روافض وغیرہ بعض اہل بدعت نے کچھ گڑبڑ کرنے کی کوشش کی ہے جن کا بیان وکشف ضروری ہے۔ مرتدین کی دو قسمیں تھیں۔ ایک وہ جنہوں نے سرے سے دین کو ہی ترک کر دیا تھا اور ملت کو چھوڑ کر واپس کفر میں چلے گئے تھے۔ یہی وہ لوگ ہیں جنہیں ابوہریرہؓ نے ان الفاظ میں بیان کیا ہے کہ: کَفَرَ مَنْ کَفَرَ مِنَ الْعَرَبِ۔ ان کی دو قسمیں تھیں، ایک وہ جنہوں نے بنی حنیفہ میں سے مسیلمہ کذاب کے دعوائے نبوت کی تصدیق کی تھی، اور اسود عنسی کے ساتھی جو یمن وغیرہ کے متعلق تھے۔ یہ فرقہ محمد رسول اللہ صلی اللہ

علیہ وسلم کی نبوت کا منکر ہوگیا تھا اور دوسروں کی نبوت کا مدعی تھا۔ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے ان سے قتال کیا یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے مسیلمہ کو یمامہ میں اور اسود عنسی کو صنعاء میں قتل کر دیا، ان میں سے اکثر ہلاک کئے گئے اور ان کی جماعتیں ختم ہوگئیں۔ دوسرا فرقہ وہ تھا جس نے دین سے ارتداد اختیار کیا۔ شریعت کا انکار کیا اور نماز و زکوٰۃ وغیرہ سب کچھ چھوڑ دیا۔ یہ لوگ حسب سابق جاہلیت کی طرف لوٹ گئے تھے۔ اس نازک دور میں صرف تین مساجد میں جماعت ہوتی تھی بیت اللہ میں، مسجد نبوی میں اور بحرین کی مسجد عبد القیس میں (بمقام جواثیٰ)۔ جواثیٰ کے لوگ جو دین پر قائم رہے یہ اس مقام میں محصور ہو کر رہ گئے تھے یہاں تک کہ یمامہ کی مہم سے فراغت کے بعد ان کی مدد کے لئے اسلامی لشکروں کی یلغار شروع ہوئی۔

مرتدین کی ایک قسم اور تھی جنہوں نے اصل دین کا انکار نہیں کیا تھا بلکہ نماز اور زکوٰۃ میں تفریق کی تھی۔ یہ نماز کا اقرار کرتے تھے اور زکوٰۃ کی ادائگی سے یکسر منکر تھے یا اُسے امام کے سپرد کرنے سے منکر تھے۔ درحقیقت یہ لوگ مرتد نہیں بلکہ باغی کہلانے کے زیادہ حقدار تھے مگر اسی دور میں انہیں مرتدین کے اندر شامل ہونے اور ان کی جماعتوں میں مل جل جانے کی وجہ سے باغی کے بجائے مرتد کا لقب دیا گیا۔ سبب یہ تھا کہ اس وقت زیادہ اہم معاملہ ارتداد کا ہی تھا۔ تاریخ میں باغیوں کے قتال کو علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ سے منسوب کیا گیا ہے کیونکہ ان کے دور میں صرف بغاوت تھی ارتداد نہ تھا۔ اور باغیوں سے قتال پر علی رضی اللہ عنہ سے قبل دورِ صدیقی میں ہی اجماع ہو چکا تھا لہٰذا اس معاملہ میں علی کی رائے کو صواب ٹھہرایا گیا۔ زکوٰۃ روکنے والوں میں کچھ لوگ زکوٰۃ کی ادائگی کرنا اور اسے بیت المال میں بھیجنا چاہتے تھے مثلاً بنی یربوع، لیکن ان کے سرغنوں نے انہیں ایسا کرنے سے روک دیا اور ان کی زکوٰۃ کو لے کر اپنے ہی لوگوں میں بانٹ دیا۔

خطابی کہتے ہیں کہ صحابہ میں شوریٰ کے وقت جو بات چیت ہوئی اور جو مسئلہ مختلف فیہ بن کر زیر بحث آیا وہ دراصل انہی لوگوں کا تھا، حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا شبہ انہی کے متعلق تھا جسے ابوبکر رضی اللہ عنہ نے یہ کہہ کر دُور کیا تھا کہ خون اور مال کی عصمت کا قضیہ جن شرائط سے مشروط ہے وہ ان لوگوں میں مفقود ہیں کیونکہ انہوں نے زکوٰۃ اور صدقہ میں تفریق کی ہے اور زکوٰۃ اسلام کا مقرر کردہ مالی حق ہے جس کی ادائگی سے یا بیت المال کو دینے سے انکار پر ان سے قتال واجب ہو جاتا ہے۔ پس حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا استدلال اس معاملے میں عموم سے تھا اور ابوبکر رضی اللہ عنہ کا قیاس سے، اور انہوں نے یہ ثابت کیا کہ عموم کو قیاسِ شرعی سے خاص کیا جا سکتا ہے اور جب تک مشروط میں تمام شرائط نہ پائی جائیں اسے مشروط نہیں ٹھہرایا جا سکتا یہی وہ چیز ہے جسے عمر رضی اللہ عنہ نے کہا کہ ابوبکر رضی اللہ عنہ کو اللہ نے شرحِ صدر عطا کیا تھا اور مجھے بھی اس میں شرح صدر حاصل ہو گیا۔ پس صحابہ رضی اللہ عنہم کے اجماع کے ساتھ ان لوگوں سے بھی قتال کیا گیا۔ پہلے سب فرقوں سے قتال میں کوئی اختلاف نہ تھا اور یہ اس حدیث سے واضح ہے، خطابی کہتے ہیں کہ بعض روافض نے جناب عمر رضی اللہ عنہ پر یہ الزام لگایا ہے کہ انہوں نے تقلیداً جناب ابوبکر رضی اللہ عنہ کی بات پر صاد کر دیا تھا اور نہ اصل معاملہ یوں نہ تھا، اور یہ کہ وہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے حق میں عصمت کا اور خطا سے بری ہونے کا عقیدہ رکھتے تھے۔ لیکن ان بدعتیوں کا قول غلط ہے جیسا کہ ہم نے اوپر وضاحت کی ہے۔ پھر ان میں سے بعض نے کہا ہے کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ ہی وہ پہلے شخص تھے جنہوں نے مسلمانوں کو کافر قرار دیا تھا حالانکہ وہ لوگ زکوٰۃ دینے میں تاویل کرتے تھے، اور ان کی دلیل یہ تھی کہ: خُذْ مِنْ أَمْوَالِهِمْ صَدَقَةً تُطَهِّرُهُمْ وَتُزَكِّيهِم بِهَا وَصَلِّ عَلَيْهِمْ إِنَّ صَلَاتَكَ سَكَنٌ لَّهُمْ (التوبہ ۱۰۳) اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے زکوٰۃ لینے کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ خاص کر دیا ہے، اسی لئے تطہیر اور تزکیہ و صلوٰۃ کا حکم تھا جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مخصوص تھا کیونکہ اور کوئی بھی یہ کام نہیں کر سکتا۔ لہٰذا اس شبہے کی موجودگی میں ان سے قتال نہیں کرنا چاہئے تھا اور جو کچھ کیا گیا معاذاللہ سنگدلی اور بے رحمی پر مبنی تھا اور بعض روافض کا قول یہ بھی ہے کہ انہوں نے زکوٰۃ دینے سے اس بنا پر انکار کیا تھا کہ وہ حضرت

ابوبکرؓ کی دیانت امانت پر معاذ اللہ شبہ کرتے تھے۔
خطابی نے کہا کہ امت کی پہلی صف کے ان لوگوں پر جنہوں نے دین کا دفاع کیا اور اسے ٹکڑے ہونے اور امت کو پارہ پارہ ہونے سے بچایا اس قسم کے بہتان ظاہر کرتے ہیں کہ ان معترضین کی ہمدردیاں کس کے ساتھ ہیں اور ان کا مقام صحابہؓ کبار کے اجماع کے مقابلے میں مرتدین کی حمایت کرنے کے باعث کیا ہے۔ اوپر ہم بتا چکے ہیں کہ مرتدین کی کئی اقسام تھیں۔ کچھ وہ تھے جنہوں نے ملت سے ارتداد و خروج اختیار کر کے مسیلمہ کذاب اور دوسرے مدعیان نبوت کو نبی مان لیا تھا۔ بعض نے صلاۃ و زکوٰۃ کو ترک کر دیا تھا اور تمام اسلامی شرائع کا انکار کیا تھا، اور یہی وہ لوگ تھے جنہیں صحابہؓ نے کافر کہا تھا اور اس لئے حضرت ابوبکرؓ نے ایسے لوگوں کی اولاد کو لونڈی غلام بنانے کا حکم دیا تھا اور صحابہؓ نے ان کا ساتھ دیا تھا، علیؓ بن ابی طالب نے بنی حنیفہ کی ایک لونڈی کو حاصل کیا تھا اور اسی سے محمد بن الحنفیہ پیدا ہوئے تھے۔
جن لوگوں نے اصل دین کا انکار نہیں کیا تھا، صرف زکوٰۃ کو بیت المال کے سپرد کرنے سے روکا تھا انہیں انفراداً کافر نہیں کہا گیا اگرچہ ان کے مرتدین کی جماعت میں شامل ہو جانے اور اس نازک وقت میں انہی کا ساتھ دینے کے باعث ان پر مرتدین کا لفظ بولا گیا کیونکہ ارتداد کا معنیٰ پھر جانا ہے اور یہ لوگ گو اصل میں باغی تھے مگر حکم زکوٰۃ سے پھر گئے تھے۔
جہاں تک آیت خُذْ مِنْ اَمْوَالِهِمْ صَدَقَةً الخ کا تعلق ہے کہ اس میں ان اہل بدعت نے خطاب کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ خاص مانا ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ قرآن میں بعض خطاب تو عام ہوتے ہیں مثلاً المائدہ میں يَآ اَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا الخ (آیت نمبر ۶) اور البقرہ میں يَآ اَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ الخ (۱۸۳) اور بعض خطاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ خاص ہوتے ہیں جن میں تخصیص کی دلیل موجود ہوتی ہے اور کوئی دوسرا ان میں شامل نہیں ہوتا مثلاً: وَمِنَ اللَّيْلِ فَتَهَجَّدْ بِهٖ نَافِلَةً لَّكَ (الاسراء ۷۹) خَالِصَةً لَّكَ مِنْ دُوْنِ الْمُؤْمِنِيْنَ (الاحزاب ۵۰) اور بعض خطاب بظاہر تو بالمواجہہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ہوتے ہیں مگر ساری امت ان میں شامل ہوتی ہے مثلاً: اَقِمِ الصَّلٰوةَ لِدُلُوْكِ الشَّمْسِ اِلٰى غَسَقِ اللَّيْلِ الخ (الاسراء ۷۸) فَاِذَا قَرَاْتَ الْقُرْاٰنَ فَاسْتَعِذْ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ (النحل ۹۸) پس ان آیات میں خطاب تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ہے مگر حکم سب کے لئے عام ہے کیونکہ دلوک شمس کے ساتھ نماز ہر مسلم پر فرض ہے اور قرأت قرآن کے وقت استعاذہ ہر شخص کے لئے واجب ہے۔ پس اللہ تعالیٰ کا قول: خُذْ مِنْ اَمْوَالِهِمْ صَدَقَةً بھی اسی تیسری قسم کا خطاب ہے لہٰذا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد جو شخص اس امت کے بست وکشاد کا ذمہ دار ہو اس کا یہ فرض ہے کہ لوگوں سے زکوٰۃ وصول کرے۔ اور زکوٰۃ سے جس طرح حضورؐ کے وقت میں لوگوں کا تزکیہ و تطہیر ہوتے تھے اسی طرح بعد میں بھی ہوں گے۔ خطاب حضورؐ کی طرف اس لئے ہے کہ دین کے داعی اول اور کتاب اللہ کے شارح و مفسر آپ ہی تھے۔ آپ کا نام ان آیات میں اس لئے مقدم کیا گیا کہ امت تمام معاملات میں آپ کے اسوہ کے اتباع کو لازم جانے۔ اسی طرح سورۂ طلاق کی پہلی آیت میں بھی خطاب حضورؐ کی طرف ہے مگر حکم عام ہے:۔ يَآ اَيُّهَا النَّبِيُّ اِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَآءَ الخ۔ بعض دفعہ ایسا بھی ہوتا ہے کہ خطاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ہوتا ہے مگر مراد سراسر دوسرے ہوتے ہیں مثلاً: فَاِنْ كُنْتَ فِيْ شَكٍّ مِّمَّآ اَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ .... فَلَا تَكُوْنَنَّ مِنَ الْمُمْتَرِيْنَ (یونس ۹۴) حالانکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا شک میں پڑنا از روئے دلائل شرع ناممکن

اور غیر واقع ہے۔ اسی طرح سورہ لقمان ۱۴ میں ہے اَنِ اشْکُرْ لِیْ وَلِوَالِدَیْکَ۔ اور اسرائیل ۲۳ میں ہے؛ وَبِالْوَالِدَیْنِ اِحْسَانًا۔ اور ظاہر ہے کہ اس خطاب کا حکم دوسروں کے لئے ہے۔ حضور کے والدین تو نزول آیات سے مدتوں پہلے وفات پا چکے تھے۔ اور امام کی دعا، صدقہ بخوشی دینے والوں کے لئے اب بھی مشروع ہے اور اس کے دینے والوں کی دلداری اور دوسروں کے لئے ترغیب ہوگی۔

ایک بات اور بھی ضروری ہے کہ آج کل اگر کوئی شخص زکوٰۃ کی ادائیگی کا منکر ہو تو اُسے باغی نہیں بلکہ تمام اہل اسلام کے اجماع کے ساتھ کافر ٹھہرایا جائے گا۔ وجہ یہ ہے کہ معذوری کے جو اسباب اُن پہلے منکروں میں تھے آج وہ کسی اور میں نہیں ہیں اور نہ ان اسباب کا وقوع اب ممکن ہے۔ ان لوگوں کے شبہے کا باعث ان کا نو مسلم ہونا، جہالت اور وہ احوال وظروف تھے جنہیں یہ واقعہ پیش آیا تھا۔ آج کل اس قسم کے شبہے کا وقوع نہیں ہو سکتا اور نہ کسی کو معذور سمجھا جاتا ہے بلکہ امور دین میں سے کسی ایک کا انکار بھی کفر وارتداد سمجھا جائے گا یہ بھی معلوم رہنا چاہیئے کہ حدیث ابی ہریرہؓ میں بہت اختصار ہے جس کے باعث بعض لوگوں کو وہم لاحق ہوتا اور شبہے پڑ جاتے ہیں۔ ورنہ عبداللہ بن عمرؓ اور انس بن مالکؓ کی حدیثوں میں ایسی وضاحتیں موجود ہیں جن سے بات بالکل صاف ہو جاتی ہے۔ ان حدیثوں میں کلمۂ اسلام کی شہادت کے ساتھ استقبال قبلہ، مسلمانوں کا ذبیحہ کھانا اور ان جیسی نماز پڑھنا اور زکوٰۃ دینا مذکور ہے۔

اس حدیث میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کا ذکر ہے جو بروز سوم ۱۲ ربیع الاول سنہ کو واقع ہوئی تھی مرتدین کا ذکر پڑھ کر بعض دفعہ لوگوں کو یہ شبہ ہو جاتا ہے کہ شاید بہت کم لوگوں کے علاوہ باقی سارا عرب مرتد ہو گیا تھا حالانکہ یہ شبہ غلط ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ چند مرکزی مقامات مثلاً مکہ، مدینہ، طائف کے علاوہ عرب کی آبادی بالعموم صحرائی اور بدوی تھی۔ مرکزی آبادیاں (استثنول جوائی۔ بحرین) ارتداد کی زد سے محفوظ رہیں مگر بدوی قبائل میں گڑ بڑ ہو گئی تھی بعض قبائل پورے کے پورے اور اکثر جزوی طور پر مرتد ہوئے تھے۔ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی اسلامی خدمات میں یہ بھی ایک عظیم خدمت ہے کہ انہوں نے بڑے عزم وحزم اور شجاعت کا ثبوت دیا اور جلد ہی احوال پر قابو پا لیا۔ چنانچہ عرب پورا زیر نگیں ہو گیا اور اسلامی فوجوں نے عراق اور شام کی طرف یلغار کر دی جنہوں نے قیصر وکسریٰ کے زیر تسلط ہونے کے باعث عرب پر دانت تیز کرنے اور سرحدوں پر چھیڑ چھاڑ شروع کر دی تھی۔

۱۵۵۷۔ حَدَّثَنَا ابْنُ السَّرْحِ وَسُلَيْمٰنُ بْنُ دَاؤُدَ قَالَ اَنَا ابْنُ وَهْبٍ اَخْبَرَنِيْ يُوْنُسُ عَنِ الزُّهْرِيِّ قَالَ قَالَ اَبُوْبَكْرٍ حَقُّهٗ اَدَاءُ الزَّكٰوةِ وَقَالَ عِقَالًا۔

۱۵۵۷: یہ زہری سے اُسی گذشتہ حدیث کی دوسری روایت ہے اس میں ہے کہ: ابوبکر رضی اللہ عنہ نے فرمایا اسلام کا حق ادائے زکوٰۃ ہے اور اسی روایت میں عِقَالًا کا لفظ آیا ہے۔

(شرح) فقہاء کی ایک جماعت اور اہل لغت میں سے کسائی، نضر بن شمیل، ابو عبید اور مبرد وغیرہ کا قول ہے کہ عقال کا معنی ایک سال کی زکوٰۃ ہے۔ لیکن بقول علامہ عینی بہت سے محققین کا قول ہے کہ عقال سے مراد اونٹ کو باندھنے کی رسی ہے اور امام مالک اور ابن ابی ذئب وغیرہ سے یہی منقول ہے۔ نیز یہ کہ زکوٰۃ دینے والا یہ رسی بھی ساتھ دے گا

کیونکہ اس کی ضرورت پڑتی ہے اور اونٹ کا قبضہ دینا اسی طرح معروف تھا۔ جوان اونٹ کو بھی عقال کہتے تھے۔ بعض نے کہا کہ عقال سے مراد وہ زکوٰۃ ہے جو کسی نصاب میں سے نکالی جائے۔ حقیقت یہ ہے کہ صدیق رضہ کا قول بطور تمثیل ومبالغہ تھا جس سے کلام پر زور دینا مدنظر تھا۔ اسی طرح بعض روایات کا لفظ عناقاً بھی ہے کہ اس میں وہ فقہی بحث پیدا کرنا غلط ہوگا جو بعد میں اٹھ کھڑی ہوئی ہے، کہ اگر بھیڑ بکریوں کے صرف بچے ہوں اور ان کے ساتھ بڑے جانور نہ ہوں تو آیا ان میں زکوٰۃ واجب ہے یا نہیں؟ علاوہ ازیں عناق کا لفظ ایک سالہ اور دو سالہ جانوروں پر بھی مجازاً بولا جاتا ہے۔ اس مسئلے کے ثبوت کے لئے اور دلائل کی ضرورت ہے صرف اس ایک لفظ عناق پر انحصار غلط ہے۔

بَابُ مَا تَجِبُ فِيْهِ الزَّكٰوةُ

(اس مقدار کا باب جس میں زکوٰۃ واجب ہے)

۱۵۵۸- حَدَّثَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ مَسْلَمَةَ قَالَ قَرَأْتُ عَلٰى مَالِكِ بْنِ اَنَسٍ عَنْ عَمْرِو ابْنِ يَحْيَى الْمَازِنِيِّ عَنْ اَبِيْهِ قَالَ سَمِعْتُ اَبَا سَعِيْدِ ن الْخُدْرِيَّ يَقُوْلُ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَيْسَ فِيْمَا دُوْنَ خَمْسِ ذَوْدٍ صَدَقَةٌ وَلَيْسَ فِيْمَا دُوْنَ خَمْسِ اَوَاقٍ صَدَقَةٌ وَلَيْسَ فِيْمَا دُوْنَ خَمْسَةِ اَوْسُقٍ صَدَقَةٌ۔

۱۵۵۸:- یحییٰ مازنی نے ابوسعید خدری رضہ کو کہتے سُنا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: پانچ اونٹوں سے کم میں زکوٰۃ نہیں اور پانچ اوقیہ سے کم میں زکوٰۃ نہیں اور پانچ وسق سے کم میں زکوٰۃ نہیں (مسلم، بخاری، نسائی، ترمذی اور ابن ماجہ نے بھی اسے روایت کیا)

(شرح) بقول خطابی (معالم السنن) یہ حدیث زکوٰۃ کے نصاب کی مقداروں میں بنیادی حیثیت رکھتی ہے۔ اس میں سونے کی مقدار نصاب مذکور نہیں ہے، دوسری احادیث کی رو سے وہ بیس مثقال ہے۔ چاندی کی مقدار دو سو درہم (پانچ اوقیہ) ہے اُوقیہ چالیس درہم کا ہوتا تھا۔ وسق کی مقدار ساٹھ صاع ہے۔ صاع حنفیہ کے نزدیک آٹھ رطل کا ہوتا ہے اور رطل تقریباً آدھ سیر کا اس حساب سے پانچ وسق تیس من کے ہوئے۔ مسئلہ کی فروع میں ائمہ فقہ کا کچھ اختلاف ہے مگر اس بیان شدہ مقدار یعنی پانچ اونٹ، پانچ اُوقیہ چاندی اور پانچ وسق پھل (کھجور، انگور سنگترہ، مالٹا وغیرہ) میں اختلاف نہیں ہے۔ صاحبین اس مسئلہ میں دیگر ائمہ کے ساتھ ہیں اور فتویٰ انہی کے قول پر ہے لیکن امام ابوحنیفہ رح دیگر عام احادیث کی رو سے پھل اور غلے وغیرہ میں کسی مقدار کے قائل نہیں بلکہ جو کچھ پیدا ہو اُس کا عشر ان کے نزدیک واجب ہے۔ اس حدیث میں بیان شدہ مقدار پانچ وسق کو وہ مالِ تجارت کی زکوٰۃ قرار دیتے ہیں ان کی دلیل یہ ہے کہ لوگ کھجوروں وغیرہ پھلوں کو وسق کے حساب سے بیچتے تھے۔ ایک وسق چالیس درہم کا ہوتا تھا لہٰذا پانچ وسق کی قیمت وہی پانچ اُوقیہ چاندی یعنی دو سو درہم ہوئی جو نصاب زکوٰۃ ہے۔

سکہ احوال و ظروف اور ممالک و اطراف کے لحاظ سے بدلتا رہتا ہے۔ سکے کو اس مقدار نصاب کے مطابق کرنا اور اس زکوٰۃ کا نصاب مقرر کرنا وقت کے فقہاء و علماء کا کام ہے لیکن یہ مقداریں نہیں بدل سکتیں جو حضورؐ نے ٹھہرا دی تھیں۔ درہم سے مراد وہ درہم ہے جو خالص چاندی کا ہو اور بقول مولانا سہارنپوری چاندی کا نصاب دوسو درہم ہونے میں کسی کا اختلاف نہیں اور اس کی مقدار خالص چاندی کی ایک سو چالیس مثقال ہے۔ مثقال کی مقدار بیس قیراط ہے اور قیراط پانچ متوسط جَو کے برابر ہے۔

۱۵۵۹۔ حَدَّثَنَا اَيُّوبُ بْنُ مُحَمَّدٍ الرَّقِّيُّ نَا مُحَمَّدُ بْنُ عُبَيْدٍ نَا اِدْرِيْسُ ابْنُ يَزِيْدَ الْاَوْدِيُّ عَنْ عَمْرِو بْنِ مُرَّةَ الْجَمَلِيِّ عَنْ اَبِي الْبَخْتَرِيِّ الطَّائِيِّ عَنْ اَبِي سَعِيْدٍ الْخُدْرِيِّ يَرْفَعُهُ اِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَيْسَ فِيْمَا دُوْنَ خَمْسَةِ اَوْسَاقٍ زَكٰوةٌ وَالْوَسْقُ سِتُّوْنَ مَخْتُوْمًا قَالَ اَبُوْ دَاوٗدَ اَبُو الْبَخْتَرِيِّ لَمْ يَسْمَعْ مِنْ اَبِي سَعِيْدٍ۔

۱۵۵۹: ابوسعیدرضؓ نے یہ حدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے منسوب کی کہ آپؐ نے فرمایا کہ پانچ وسق سے کم میں زکوٰۃ نہیں اور ایک وسق ساٹھ مختوم کا ہے۔ ابوداؤد نے کہا ابوالبختری کا سماع ابوسعیدرضؓ سے نہیں ہوا (نسائی اور ابن ماجہ نے یہ حدیث روایت کی مگر اس میں ساٹھ مختوم کے بجائے ساٹھ صاع کا لفظ بولا۔ صاع بھی مختوم ہوتا تھا یعنی اس پر حکومت کی مُہر ہوتی تھی تاکہ جعل سازی نہ ہو سکے)

۱۵۶۰۔ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ قُدَامَةَ بْنِ اَعْيَنَ نَا جَرِيْرٌ عَنِ الْمُغِيْرَةِ عَنْ اِبْرَاهِيْمَ قَالَ الْوَسْقُ سِتُّوْنَ صَاعًا مَخْتُوْمًا بِالْحَجَّاجِيِّ۔

۱۵۶۰: ابراہیم نخعی نے کہا کہ وسق ساٹھ صاع کا ہے جو حجاج کی مہر سے مختوم ہوتا تھا (یعنی حجاج بن یوسف ثقفی جو کوفہ کا گورنر تھا اس نے اپنے زمانے میں یہ صاع مختوم کیا تھا)

۱۵۶۱۔ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ حَدَّثَنِي مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ الْاَنْصَارِيُّ نَا صُرَدُ بْنُ اَبِي الْمَنَازِلِ سَمِعْتُ حَبِيْبًا الْمَالِكِيَّ قَالَ قَالَ رَجُلٌ لِعِمْرَانَ بْنِ حُصَيْنٍ يَا اَبَا نُجَيْدٍ اِنَّكُمْ لَتُحَدِّثُوْنَنَا بِاَحَادِيْثَ مَا نَجِدُ لَهَا اَصْلًا فِي الْقُرْاٰنِ فَغَضِبَ

عِمْرَانُ وَقَالَ لِلرَّجُلِ أَوَجَدْتُمْ فِي كُلِّ أَرْبَعِينَ دِرْهَمًا دِرْهَمًا وَمِنْ كُلِّ كَذَا وَكَذَا شَاةً شَاةٌ وَمِنْ كَذَا وَكَذَا بَعِيرًا بَعِيرًا كَذَا وَكَذَا أَوَجَدْتُمْ هٰذَا فِي الْقُرْآنِ قَالَ لَا قَالَ فَعَمَّنْ أَخَذْتُمْ هٰذَا أَخَذْتُمُوهُ عَنَّا وَأَخَذْنَاهُ عَنْ نَبِيِّ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَذَكَرَ أَشْيَاءَ نَحْوَ هٰذَا۔

۱۵۶۱: ایک آدمی نے عمران رضؓ بن حصین سے کہا کہ اے ابو نجید تم لوگ ہمیں ایسی حدیثیں سُناتے ہو جن کی ہم قرآن میں کوئی بنیاد نہیں پاتے تو عمران رضؓ غضب ناک ہوئے اور کہا کہ کیا تم نے قرآن میں یہ پایا ہے کہ ہر چالیس درہم میں ایک درہم (زکوٰۃ ہے) اور اتنی اتنی بھیڑ بکریوں یا اونٹوں میں سے ایک بکری، اور اتنے اتنے اونٹوں میں سے معقول مقدار؟ اس نے کہا کہ نہیں۔ عمران نے کہا کہ پھر تم نے یہ کس سے لیا ہے؟ تم نے یہ ہم سے لیا ہے اور ہم نے یہ سب کچھ اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے لیا ہے۔ اور عمران رضؓ نے اسی قسم کی کچھ اور چیزیں بھی بیان کیں (صحابیؓ کی غرض یہ تھی کہ قرآن صرف اصول بیان کرتا ہے، تفصیلات مثلاً نصاب کی مقدار، نصاب میں سے زکوٰۃ کی مقدار رکعات کی مقدار، نماز کی ترتیب، نوافل وسنن کا بیان وغیرہ وغیرہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صاحب کتاب اور مفسر قرآن ہونے کی حیثیت سے کیا ہے اور اس کا ماننا بھی ضروری ہے)

بَابُ الْعُرُوضِ إِذَا كَانَتْ لِلتِّجَارَةِ هَلْ فِيهَا زَكٰوةٌ

سامان تجارت کا باب

۱۵۶۲ - حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ دَاوُدَ بْنِ سُفْيَانَ نَا يَحْيَى بْنُ حَسَّانَ نَا سُلَيْمَانُ بْنُ مُوسٰى أَبُو دَاوُدَ نَا جَعْفَرُ بْنُ سَعْدِ بْنِ سَمُرَةَ بْنِ جُنْدُبٍ حَدَّثَنِي خُبَيْبُ بْنُ سُلَيْمٰنَ عَنْ أَبِيهِ سُلَيْمَانَ عَنْ سَمُرَةَ ابْنِ جُنْدُبٍ قَالَ أَمَّا بَعْدُ فَإِنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَأْمُرُنَا أَنْ نُخْرِجَ الصَّدَقَةَ مِنَ الَّذِي نُعِدُّ لِلْبَيْعِ۔

۱۵۶۲: سمرہ رضؓ بن جندب نے کہا کہ: حمد و صلوٰۃ کے بعد واضح ہو کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمیں حکم دیتے تھے کہ جن اشیاء کو ہم بیچنے کے لئے تیار کریں ان میں سے صدقہ (زکوٰۃ) نکالیں۔

(شرح) اموال تجارت کا نصاب وہی دوسو درہم ہے جس میں سے چالیسواں حصہ زکوٰۃ نکالی جائے گی۔ علامہ شوکانی نے کہا ہے کہ اموالِ تجارت کی زکوٰۃ کے واجب ہونے پر اجماع ہے۔ اس میں صرف ظاہریہ نے کچھ اختلاف

کیا ہے۔ انہوں نے کہا کہ گھوڑے اور غلام اگر تجارت کے لئے ہوں تب بھی ان میں زکوٰۃ نہیں۔ زیلعی نے نصب الرایۃ میں کہا ہے کہ اس حدیث پر ابوداؤد خاموش رہے ہیں اور منذری نے بھی کچھ نہیں کہا۔ مگر اس کا راوی خبیب مشہور نہیں ہے اور نہ اس سے جعفر بن سعد کے سوا کسی نے روایت کی ہے۔ حافظ ابن عبدالبر نے اس حدیث کو حسن کہا ہے اسے دارقطنی نے سنن میں اور طبرانی نے معجم میں بیان کیا ہے۔ یہ حدیث دراصل سمرہ رضی اللہ عنہ بن جندب کا خط ہے جو انہوں نے اپنے بیٹوں کو لکھا تھا۔ حافظ زیلعی نے اسی باب میں بہت سی موقوف احادیث بیان کی ہیں جو عمرؓ بن عبدالعزیز، حماد، ابن عمرؓ، عروہؒ، سعید بن المسیب اور قاسم سے مروی ہیں اور آخر میں کہا ہے کہ یہ مسئلہ قیاسی نہیں ہے لہٰذا موقوف روایات اور آثار مرفوع کے حکم میں ہیں۔

بَابُ الْكَنْزِ مَا هُوَ وَزَكٰوةِ الْحُلِيِّ

(کنز کا باب اور زیور کی زکوٰۃ کا باب)

۱۵۶۳ - حَدَّثَنَا أَبُو كَامِلٍ وَحُمَيْدُ بْنُ مَسْعَدَةَ الْمَعْنَى أَنَّ خَالِدَ بْنَ الْحَارِثِ حَدَّثَهُمْ نَا حُسَيْنٌ عَنْ عَمْرِو بْنِ شُعَيْبٍ عَنْ أَبِيهِ عَنْ جَدِّهِ أَنَّ امْرَأَةً أَتَتْ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَمَعَهَا ابْنَةٌ لَهَا وَفِي يَدِ ابْنَتِهَا مَسَكَتَانِ غَلِيظَتَانِ مِنْ ذَهَبٍ فَقَالَ لَهَا أَتُعْطِينَ زَكٰوةَ هٰذَا قَالَتْ لَا قَالَ أَيَسُرُّكِ أَنْ يُسَوِّرَكِ اللّٰهُ بِهِمَا يَوْمَ الْقِيٰمَةِ سِوَارَيْنِ مِنْ نَارٍ قَالَ فَخَلَعَتْهُمَا فَأَلْقَتْهُمَا إِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَقَالَتْ هُمَا لِلّٰهِ وَلِرَسُولِهِ۔

۱۵۶۳: عمرو بن شعیب اپنے باپ سے، وہ اپنے دادا (عبداللہ بن عمروؓ) سے روایت کرتا ہے کہ ایک عورت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئی اور اس کے ساتھ اس کی ایک بیٹی تھی اور بیٹی کے ہاتھ میں سونے کے دو موٹے کنگن تھے۔ پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کیا تو اس کی زکوٰۃ ادا کرتی ہے؟ اس نے کہا کہ نہیں حضورؐ نے فرمایا کیا تو پسند کرتی ہے کہ ان کے عوض اللہ تعالیٰ تجھے قیامت کے دن آگ کے دو کنگن پہنا دے؟ عبداللہ بن عمروؓ نے کہا کہ اس نے انہیں اتار دیا اور انہیں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف پھینک دیا اور کہا: یہ اللہ اور اس کے رسول کے لئے ہیں (یعنی خدا اور رسولؐ کے حکم کے مطابق انہیں صرف کیا جائے۔ ترمذی اور نسائی نے بھی اسے روایت کیا ہے۔)

(شرح) حضورؐ کا اشارہ سورۂ توبہ کی آیت ۳۵ کی طرف تھا کہ سونا چاندی پگھلا کر زکوٰۃ نہ دینے والوں کو داغا جائے گا۔ بقول حافظ زیلعی ابن القطان نے اس حدیث کو صحیح الاسناد کہا ہے۔ منذری نے کہا ہے کہ اس کی سند میں

کوئی کلام نہیں۔ سبل السلام میں ہے کہ اس حدیث کی سند قوی ہے، ترمذی کا یہ قول صحیح نہیں ہے کہ یہ روایت صرف ابن لہیعہ سے آئی ہے۔ عینی نے شرح بخاری میں کہا ہے کہ ابو حنیفہؒ اور ثوریؒ اور حنفی ائمہ کے نزدیک زیور میں زکوٰۃ ہے۔ اور یہی روایت حضرت عمرؓ، ابن مسعودؓ، ابن عمرؓ اور ابن عباسؓ سے ہے اور یہی قول سعید بن المسیب سعید بن جبیر، عطاء، محمد بن سیرین، جابر بن زید، مجاہد، زہری، طاؤس، میمون بن مہران، ضحاک، علقمہ، اسود، عمر بن عبد العزیز، ذر الہمدانی، اوزاعی، ابن شبرمہ اور حسن بن حییؒ کا ہے۔ ابن المنذر اور ابن حزم نے کہا کہ یہ زکوٰۃ ظاہر کتاب وسنت سے واجب ہے۔ مالک، احمد، اسحاق اور شافعی (ظاہر تر قول میں) کے نزدیک زیور میں زکوٰۃ نہیں ہے۔ اور یہی ابن عمرؓ، جابر بن عبد اللہ، عائشہ صدیقہؓ، القاسم بن محمد، شعبی سے بھی مروی ہے۔ شافعی نے عراق میں تو یہی کہا مگر مصر میں اس سے توقف کیا اور کہا کہ یہ ان مسائل میں سے ہے جن میں میں اللہ سے استخارہ کروں گا۔ لیث نے کہا کہ پہنے ہوئے اور مستعار دیئے ہوئے زیور میں زکوٰۃ نہیں اور اگر زکوٰۃ سے بچنے کے حیلے کے طور پر بنائے ہوں تو زکوٰۃ ہے۔ اور انسؓ کا قول ہے کہ بس ایک دفعہ ہی زیور کی زکوٰۃ کر دے۔ امیر یمانی نے کہا کہ اس مسئلے میں چار قول ہیں: پہلا وجوب زکوٰۃ کا ہے جو مذہب ہدایت ہے اور سلف کی ایک جماعت کا بھی یہی مذہب تھا اور ان احادیث پر عمل کرتے ہوئے شافعیؒ کا ایک قول بھی یہی ہے۔ دوسرا یہ کہ زیور پر زکوٰۃ نہیں اور یہ مالک، احمد اور شافعی (ایک قول میں) کا قول ہے اور دلیل وہ آثار ہیں جو سلف سے اس بارے میں مروی ہیں۔ لیکن حدیث جب صحیح ہو تو آثار کی اس کے سامنے کوئی حیثیت نہیں رہتی۔ تیسرا قول یہ ہے کہ زیور کی زکوٰۃ اسے عاریۃً دینا ہے۔ یہ قول دارقطنی نے انسؓ اور اسماء بنت ابی بکرؓ سے نقل کیا ہے۔ چوتھا قول یہ ہے کہ زیور میں فقط ایک مرتبہ زکوٰۃ واجب ہوتی ہے اس کے بعد نہیں، بیہقی نے اسے انسؓ سے روایت کیا ہے۔ لیکن حدیث کی صحت وقوت کے باعث ظاہر ترین قول وجوب زکوٰۃ کا ہے۔

۱۵۶۴۔ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عِیْسٰی نَا عَتَّابٌ یَعْنِی ابْنَ بَشِیْرٍ عَنْ ثَابِتِ بْنِ عَجْلَانَ عَنْ عَطَاءٍ عَنْ اُمِّ سَلَمَةَ قَالَتْ کُنْتُ اَلْبَسُ اَوْضَاحًا مِنْ ذَهَبٍ فَقُلْتُ یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اَکَنْزٌ هُوَ فَقَالَ مَا بَلَغَ اَنْ تُؤَدّٰی زَکَاتُهٗ فَزُکِّیَ فَلَیْسَ بِکَنْزٍ۔

۱۵۶۴: ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے کہا کہ میں سونے کے زیور پہنتی تھی، پس میں نے پوچھا یا رسول اللہ کیا یہ کنز ہے۔ حضورؐ نے فرمایا جس پر زکوٰۃ فرض ہوئی اور دے دی گئی وہ کنز نہیں ہے (ام سلمہؓ کا اشارہ سورۂ توبہ کی آیت کی طرف تھا: وَالَّذِیْنَ یَکْنِزُوْنَ الذَّهَبَ وَالْفِضَّةَ الخ)

۱۵۶۵۔ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ اِدْرِیْسَ الرَّازِیُّ نَا عَمْرُو بْنُ الرَّبِیْعِ بْنِ طَارِقٍ نَا یَحْیَی بْنُ اَیُّوْبَ عَنْ عُبَیْدِ اللّٰهِ بْنِ اَبِیْ جَعْفَرٍ اَنَّ مُحَمَّدَ بْنَ عَمْرِو بْنِ عَطَاءٍ اَخْبَرَهٗ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ شَدَّادِ بْنِ الْهَادِ اَنَّهٗ قَالَ دَخَلْنَا عَلٰی عَائِشَةَ زَوْجِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ

عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ دَخَلَ عَلَيَّ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَرَأَى فِي يَدِي فَتَخَاتٍ مِنْ وَرِقٍ فَقَالَ مَا هٰذَا يَا عَائِشَةُ فَقُلْتُ صَنَعْتُهُنَّ أَتَزَيَّنُ لَكَ يَا رَسُولَ اللهِ قَالَ أَتُؤَدِّينَ زَكَاتَهُنَّ قُلْتُ لَا أَوْ مَا شَاءَ اللهُ قَالَ هُوَ حَسْبُكِ مِنَ النَّارِ۔

۱۵۶۵: عبداللہ بن شداد نے کہا کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجہ مطہرہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی خدمت میں حاضر ہوئے تو انہوں نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میرے ہاں تشریف لائے میرے ہاتھ میں چاندی کی انگوٹھیاں دیکھیں تو فرمایا:۔ اے عائشہ یہ کیا ہے؟ پس میں نے کہا کہ یا رسول اللہ میں نے یہ بنوائی ہیں تاکہ آپ کی خاطر زینت کروں۔ آپ نے فرمایا: کیا تو ان کی زکوٰۃ ادا کرتی ہے؟ میں نے کہا کہ نہیں، یا کوئی لفظ بولا جو اللہ نے چاہا تو آپ نے فرمایا: یہ تیرے لئے جہنم کے عذاب کے لئے کافی ہے (اسے حاکم نے) دارقطنی نے روایت کیا ہے۔ دارقطنی نے اس کے بعض رواۃ پر تنقید کی ہے مگر یحییٰ بن ایوب مسلم کا راوی ہے، عبیداللہ بن ابی جعفر بخاری و مسلم کا راوی ہے اور اسی طرح عبداللہ بن شداد بھی۔ اور یہ حدیث مسلم کی شرط کے مطابق ہے۔

۱۵۶۶۔ حَدَّثَنَا صَفْوَانُ بْنُ صَالِحٍ أَنَا الْوَلِيدُ بْنُ مُسْلِمٍ نَا سُفْيَانُ عَنْ عُمَرَ بْنِ يَعْلَى فَذَكَرَ الْحَدِيثَ نَحْوَ حَدِيثِ الْخَاتَمِ۔ قِيلَ لِسُفْيَانَ كَيْفَ تُزَكِّيهِ قَالَ تَضُمُّهُ إِلَى غَيْرِهِ۔

۱۵۶۶: دوسری سند سے وہی حدیث ہے۔ سفیان سے کہا گیا کہ تم اس میں کیسے زکوٰۃ کو واجب کرتے ہو؟ اس نے کہا کہ اسے دوسرے زیوروں سے ملا کر۔

بَابٌ فِي زَكٰوةِ السَّائِمَةِ

چرنے والے جانوروں کی زکوٰۃ کا باب

۱۵۶۷۔ حَدَّثَنَا مُوسَى بْنُ إِسْمٰعِيلَ نَا حَمَّادٌ قَالَ أَخَذْتُ مِنْ ثُمَامَةَ بْنِ عَبْدِ اللهِ بْنِ أَنَسٍ كِتَابًا زَعَمَ أَنَّ أَبَا بَكْرٍ كَتَبَهُ لِأَنَسٍ وَعَلَيْهِ خَاتَمُ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حِينَ بَعَثَهُ مُصَدِّقًا وَكَتَبَهُ لَهُ فَإِذَا فِيهِ هٰذِهِ فَرِيضَةُ الصَّدَقَةِ الَّتِي

فَرَضَهَا رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلَى الْمُسْلِمِينَ الَّتِي أَمَرَ اللّٰهُ بِهَا نَبِيَّهُ عَلَيْهِ السَّلَامُ فَمَنْ سُئِلَهَا مِنَ الْمُسْلِمِينَ عَلَى وَجْهِهَا فَلْيُعْطِهَا وَمَنْ سُئِلَ فَوْقَهَا فَلَا يُعْطِهِ فِيمَا دُونَ خَمْسٍ وَعِشْرِينَ مِنَ الْإِبِلِ الْغَنَمُ فِي كُلِّ خَمْسِ ذَوْدٍ شَاةٌ فَإِذَا بَلَغَتْ خَمْسًا وَعِشْرِينَ فَفِيهَا بِنْتُ مَخَاضٍ إِلَى أَنْ تَبْلُغَ خَمْسًا وَثَلَاثِينَ فَإِنْ لَمْ تَكُنْ فِيهَا بِنْتُ مَخَاضٍ فَابْنُ لَبُونٍ ذَكَرٌ فَإِذَا بَلَغَتْ سِتًّا وَثَلَاثِينَ فَفِيهَا بِنْتُ لَبُونٍ إِلَى خَمْسٍ وَأَرْبَعِينَ فَإِذَا بَلَغَتْ سِتًّا وَأَرْبَعِينَ فَفِيهَا حِقَّةٌ طَرُوقَةُ الْفَحْلِ إِلَى سِتِّينَ فَإِذَا بَلَغَتْ إِحْدَى وَسِتِّينَ فَفِيهَا جَذَعَةٌ إِلَى خَمْسٍ وَسَبْعِينَ فَإِذَا بَلَغَتْ سِتًّا وَسَبْعِينَ فَفِيهَا ابْنَتَا لَبُونٍ إِلَى تِسْعِينَ فَإِذَا بَلَغَتْ إِحْدَى وَتِسْعِينَ فَفِيهَا حِقَّتَانِ طَرُوقَتَا الْفَحْلِ إِلَى عِشْرِينَ وَمِائَةٍ وَإِذَا زَادَتْ عَلَى عِشْرِينَ وَمِائَةٍ فَفِي كُلِّ أَرْبَعِينَ بِنْتُ لَبُونٍ وَفِي كُلِّ خَمْسِينَ حِقَّةٌ فَإِذَا تَبَايَنَ أَسْنَانُ الْإِبِلِ فِي فَرَائِضِ الصَّدَقَاتِ فَمَنْ بَلَغَتْ عِنْدَهُ صَدَقَةُ الْجَذَعَةِ وَلَيْسَتْ عِنْدَهُ جَذَعَةٌ وَعِنْدَهُ حِقَّةٌ فَإِنَّهَا تُقْبَلُ مِنْهُ وَأَنْ يَجْعَلَ مَعَهَا شَاتَيْنِ إِنِ اسْتَيْسَرَتَا لَهُ أَوْ عِشْرِينَ دِرْهَمًا وَمَنْ بَلَغَتْ عِنْدَهُ صَدَقَةُ الْحِقَّةِ وَلَيْسَتْ عِنْدَهُ حِقَّةٌ وَعِنْدَهُ جَذَعَةٌ فَإِنَّهَا تُقْبَلُ مِنْهُ وَيُعْطِيهِ الْمُصَدِّقُ عِشْرِينَ دِرْهَمًا أَوْ شَاتَيْنِ وَمَنْ بَلَغَتْ عِنْدَهُ صَدَقَةُ الْحِقَّةِ وَلَيْسَتْ عِنْدَهُ حِقَّةٌ وَعِنْدَهُ ابْنَةُ لَبُونٍ فَإِنَّهَا تُقْبَلُ مِنْهُ قَالَ أَبُو دَاوُد مِنْ هَهُنَا لَمْ أَضْبِطْهُ عَنْ مُوسَى كَمَا أُحِبُّ وَيَجْعَلُ مَعَهَا شَاتَيْنِ إِنِ اسْتَيْسَرَتَا لَهُ أَوْ عِشْرِينَ دِرْهَمًا وَمَنْ بَلَغَتْ عِنْدَهُ صَدَقَةُ بِنْتِ لَبُونٍ وَلَيْسَتْ عِنْدَهُ إِلَّا حِقَّةٌ فَإِنَّهَا تُقْبَلُ مِنْهُ قَالَ أَبُو دَاوُد إِلَى هَهُنَا ثُمَّ أَتْقَنْتُهُ وَيُعْطِيهِ الْمُصَدِّقُ عِشْرِينَ دِرْهَمًا أَوْ شَاتَيْنِ وَمَنْ بَلَغَتْ عِنْدَهُ صَدَقَةُ ابْنَةِ لَبُونٍ وَلَيْسَ عِنْدَهُ إِلَّا ابْنَةُ مَخَاضٍ فَإِنَّهَا تُقْبَلُ مِنْهُ وَشَاتَيْنِ أَوْ عِشْرِينَ دِرْهَمًا وَمَنْ بَلَغَتْ عِنْدَهُ

صَدَقَةَ ابْنَةِ مَخَاضٍ وَلَيْسَ عِنْدَهُ إِلَّا ابْنُ لَبُونٍ ذَكَرٌ فَإِنَّهُ يُقْبَلُ مِنْهُ وَلَيْسَ مَعَهُ شَيْءٌ وَلَمْ يَكُنْ عِنْدَهُ إِلَّا أَرْبَعٌ فَلَيْسَ فِيهَا شَيْءٌ إِلَّا أَنْ يَشَاءَ رَبُّهَا وَفِي سَائِمَةِ الْغَنَمِ إِذَا كَانَتْ أَرْبَعِينَ فَفِيهَا شَاةٌ إِلَى عِشْرِينَ وَمِائَةٍ فَإِذَا زَادَتْ عَلَى عِشْرِينَ وَمِائَةٍ فَفِيهَا شَاتَانِ إِلَى أَنْ تَبْلُغَ مِائَتَيْنِ فَإِذَا زَادَتْ عَلَى مِائَتَيْنِ فَفِيهَا ثَلَاثُ شِيَاهٍ إِلَى أَنْ تَبْلُغَ ثَلَاثَ مِائَةٍ فَإِذَا زَادَتْ عَلَى ثَلَاثِ مِائَةٍ فَفِي كُلِّ مِائَةِ شَاةٍ شَاةٌ وَلَا يُؤْخَذُ فِي صَدَقَةٍ هَرِمَةٌ وَلَا ذَاتُ عَوَارٍ مِنَ الْغَنَمِ وَلَا تَيْسُ الْغَنَمِ إِلَّا أَنْ يَشَاءَ الْمُصَدِّقُ وَلَا يُجْمَعُ بَيْنَ مُفْتَرِقٍ وَلَا يُفَرَّقُ بَيْنَ مُجْتَمِعٍ خَشْيَةَ الصَّدَقَةِ وَمَا كَانَ مِنْ خَلِيطَيْنِ فَإِنَّهُمَا يَتَرَاجَعَانِ بَيْنَهُمَا بِالسَّوِيَّةِ فَإِنْ لَمْ تَبْلُغْ سَائِمَةُ الرَّجُلِ أَرْبَعِينَ فَلَيْسَ فِيهَا شَيْءٌ إِلَّا أَنْ يَشَاءَ رَبُّهَا وَفِي الرِّقَةِ رُبْعُ الْعُشْرِ فَإِنْ لَمْ يَكُنِ الْمَالُ إِلَّا تِسْعِينَ وَمِائَةً فَلَيْسَ فِيهَا شَيْءٌ إِلَّا أَنْ يَشَاءَ رَبُّهَا ۔

۱۵۶۷ : حماد نے کہا کہ میں نے ثمامہ بن عبداللہ بن انس رض سے ایک خط لیا جس کے متعلق ثمامہ نے کہا کہ یہ خط حضرت ابو بکر رض نے انس رض کو لکھ کر دیا تھا اور اس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مہر تھی، جبکہ انہوں نے انس رض کو تحصیل دار بنا کر (بحرین کو) بھیجا تھا۔ اس میں یہ لکھا تھا کہ: یہ زکوٰۃ کا فریضہ ہے جسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں پر فرض ٹھہرایا تھا۔ یعنی وہ فریضہ جس کا حکم اللہ نے اپنے نبی علیہ السلام کو دیا تھا۔ مسلمانوں میں سے جس سے اس کے مطابق طلب کیا جائے وہ ادا کرے اور جس سے اس سے زیادہ مانگا جائے وہ نہ دے۔ پچیس سے کم اونٹوں میں بھیڑ بکریاں دی جائیں ہر پانچ اونٹ پر ایک بکری (یا بھیڑ)۔ جب اونٹوں کی تعداد پچیس ہو جائے تو ان میں اونٹ کا ایک سالہ مؤنث بچہ ہے یہاں تک کہ پینتیس ۳۵ کو پہنچ جائیں، اگر ان میں کوئی ایک سالہ مؤنث نہ ہو تو دو سالہ نر ہے۔ جب ان کی تعداد چھتیس ۳۶ ہو جائے تو ان میں دو سالہ مؤنث بچہ ہے پینتالیس ۴۵ تک۔ پھر جب وہ چھیالیس ہو جائیں تو ان میں ایک تین سالہ مؤنث ہے جس سے کہ نر اونٹ جفتی کر سکے۔ یہ حساب ساٹھ ۶۰ تک ہے۔ پھر جب وہ اکسٹھ ۶۱ ہو جائیں تو ان میں ایک جذعہ (چار سالہ) ہے پچھتر ۷۵ تک۔ جب وہ چھہتر ہو جائیں تو ان میں دو دو سالہ مؤنث بچے ہیں۔ نوے تک۔ جب تعداد اکانوے ۹۱ ہو جائے تو ان میں نر کے کودنے کے قابل دو تین سالہ مؤنث ہیں، ایک سو بیس تک۔ پس جب وہ ایک سو بیس سے بڑھ جائیں تو ہر چالیس پر ایک دو سالہ مؤنث اور ہر پچاس پر ایک تین سالہ مؤنث۔ اور جب زکوٰۃ کے فرائض میں اونٹوں کی عمر میں اختلاف ہو یعنی جس پر جذعہ (چار سالہ مؤنث) واجب ہو اور اس کے پاس جذعہ نہیں بلکہ تین سالہ مؤنث ہو تو وہ اس سے قبول کی جائے اور اس کے ساتھ دو بکریاں بھی لی جائیں بشرطیکہ آسانی سے مل جائیں یا بیس درہم لئے جائیں (یعنی بکریوں کے بجائے) اور جس پر حقہ (تین سالہ مؤنث) واجب ہو اور اس کے پاس حقہ نہ ہو بلکہ اس کے پاس جذعہ ہو تو وہ اس سے قبول کی جائے اور تحصیلدار

اُسے بیس درہم یا دو بکریاں دیدے۔ اور جس پر حِقّہ واجب ہوا اور اس کے پاس حِقّہ نہیں بلکہ بنت لبون (دو سالہ مؤنث) ہے تو وہ اس سے قبول کی جائے۔

ابو داؤد نے کہا کہ میں نے یہاں سے اپنے استاذ موسیٰ سے اسے کما حَقّہٗ ضبط نہیں کیا: اور اگر اسے میسر ہوں تو اس کے ساتھ دو بکریاں ملا دے یا بیس درہم ملا دے۔ اور جس پر دو سالہ مؤنث واجب ہوا اور اس کے پاس حِقّہ (تین سالہ) ہو تو وہ اس سے قبول کی جائے گی۔ ابو داؤد نے کہا کہ یہاں تک کما حقّہٗ ضبط نہیں کیا۔ پھر میں نے اسے (بعد والا مضمون) خوب ضبط کیا۔ اور تحصیل دار اُسے بیس درہم دے دے یا دو بکریاں دیدے۔ اور جس شخص پر دو سالہ مؤنث زکوٰۃ واجب ہوا اور اس کے پاس صرف ایک سالہ ہو تو وہ اس سے قبول کر لی جائے اور دو بکریاں یا بیس درہم لے لئے جائیں۔ اور جس شخص پر ایک سالہ مؤنث اونٹنی بطور زکوٰۃ واجب ہوا اور اس کے پاس ایک سالہ مذکر بچہ ہے تو وہ اس سے قبول کیا جائے اور اس کے ساتھ اور کوئی چیز نہیں۔ اور جس کے صرف چار اونٹ ہوں تو اس تعداد میں کوئی زکوٰۃ نہیں مگر یہ کہ اُن کا مالک چاہے (تو بطور صدقہ نافلہ خوشی سے کچھ دیدے) اور چرنے والی بھیڑ بکریوں میں جب وہ چالیس ہوں تو ایک سو بیس تک ایک بکری ہے۔ جب وہ ایک سو بیس پر بڑھ جائیں تو ان میں دو بکریاں ہیں یہاں تک کہ وہ دو سو تک پہنچ جائیں۔ پھر جب دو سو سے بڑھ جائیں تو ان میں تین بکریاں ہیں یہاں تک کہ تین سو تک پہنچ جائیں۔ پھر جب تین سو سے بڑھ جائیں تو ہر سو پر ایک بکری۔ اور زکوٰۃ میں بہت بوڑھی یا کانی بکری نہ لی جائے اور نہ ریوڑ کا نر لیا جائے مگر یہ کہ تحصیل دار چاہے۔ اور الگ الگ کو جمع نہ کیا جائے اور نہ اکٹھی کو جدا کیا جائے اس خوف سے زکوٰۃ اس طرح کم و بیش ہو جائے گی۔ اور جو مال دو ملے جلے ریوڑوں کے مالکوں کا ہو تو وہ ایک دوسرے کو انصاف اور برابری کے ساتھ حساب میں لین دین کریں گے۔ اگر کسی آدمی کی چرنے والی بھیڑ بکریاں چالیس تک نہیں پہنچتیں تو ان میں کوئی زکوٰۃ نہیں، مگر یہ کہ ان کا مالک کچھ بخوشی دینا چاہے۔ اور چاندی میں چالیسواں حصہ ہے، پس اگر مال صرف ایک سو نوّے درہم ہو تو اس میں کوئی زکوٰۃ نہیں مگر یہ کہ اس کا مالک چاہے تو رضاکارانہ کچھ دیدے۔ (یہ نسائیؒ، بخاری، ابن ماجہ نے بھی روایت کی اور دارقطنی نے بھی اسے بیان کیا۔ نسائیؒ کی سند یہی ہے اور دوسروں کی کچھ مختلف ہے)

(شرح) حدیث کے شروع میں یہ الفاظ: هٰذِهٖ فریضة الصدقة التی فرضها رسول الله صلی الله علیه وسلم علی المسلمین الخ دلالت کرتے ہیں کہ یہ حدیث مرفوع ہے۔ فرض کا لفظ مقرر کرنے، واجب کرنے کے علاوہ بیان کرنے کے معنیٰ میں بھی آتا ہے۔ قَدْ فَرَضَ اللّٰهُ لَكُمْ تَحِلَّةَ اَيْمَانِكُمْ الخ اسی طرح اتارنے (نازل کرنے) کے معنیٰ میں بھی: اِنَّ الَّذِیْ فَرَضَ عَلَيْكَ الْقُرْاٰنَ اور حلال کرنے کے معنیٰ میں بھی مَا كَانَ عَلَى النَّبِيِّ مِنْ حَرَجٍ فِيْمَا فَرَضَ اللّٰهُ لَهٗ۔ اور ان سب میں مقرر کرنے اور ٹھہرانے کا معنیٰ موجود ہے۔ راغب اصفہانی کا قول ہے کہ قرآن میں فَرَضَ علی کے لفظ سے آنے والا حکم لازم کرنے کا معنیٰ دیتا ہے اور فَرَضَ لَهٗ کا لفظ حلال ٹھہرانے کے لئے آتا ہے، اور فَرَضَ عَلَيْكَ بمعنی اَوْجَبَ علیك۔ لیکن حنفیہ نے فرض اور واجب میں جو تفریق کی ہے وہ۔ دلائل ثبوت کے لحاظ سے ہے اور یہ ان کی اپنی اصطلاح ہے جو فقہی زبان میں استعمال ہوتی ہے۔ اس حدیث سے ثابت ہوتا ہے کہ تحصیل دار اگر ظالم یا خائن ہو تو اس کی بات ماننا ضروری نہیں۔ اور جو دوسری حدیث میں آتا ہے کہ تحصیل داروں کو خوش کر کے بھیجو اس کا مطلب یہ ہے کہ بخوشی صحیح صحیح زکوٰۃ ادا کرو۔ یہاں پر پانچ اونٹوں کی (مذکر ہوں یا مؤنث یا مخلوط) زکوٰۃ ایک بکری فرمائی گئی ہے۔ دوسری احادیث کی رو سے

دس پر دو بکریاں، پندرہ پر تین اور بیس پر چار بکریاں ہیں۔ اس حدیث میں ہے کہ پچیس اونٹوں پر ایک سالہ مؤنث اونٹ کا
بچہ ہے اور جمہور کا یہی مذہب مگر حضرت علی رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ پچیس میں پانچ بکریاں ہیں اور چھبیس میں بنت مخاض
(ابن ابی شیبہ) بنت مخاض ایک سالہ کو کہتے ہیں جس کی ماں پر حاملہ ہونے کا وقت آجاتا ہے۔ بنت لبون دوسالہ اونٹنی ہے
جس کی ماں پر نئے بچے کو دودھ پلانے کا وقت آجاتا ہے۔ حقہ تین سالہ ہے جو حاملہ ہونے اور نر سے جفتی کے قابل ہو جاتی
ہے اسی لئے اُسے طروقۃ الفحل کہا گیا ہے۔ جذعہ چار سالہ کو کہا جاتا ہے۔

اس حدیث کی رو سے اونٹوں کی تعداد جب ۱۲۰ سے زائد ہو جائے تو زکوٰۃ چالیس اور پچاس کے حساب سے
شمار ہوگی، یعنی ہر چالیس پر ایک بنت لبون اور ہر پچاس پر ایک حقہ۔ اکثر علماء کا یہی مذہب ہے مگر نخعی، ثوری اور ابو حنیفہ نے
کہا ہے کہ حضرت علی کی حدیث اور عمرو بن حزم کے نام حضورؐ کا لکھا ہوا خط اس پر دلالت کرتا ہے کہ ایک سو بیس کے
بعد فریضہ از سر نو شروع ہوگا۔ ابو بکر جصاص رازی کے بقول حضرت علی رضی کا ثابت شدہ مذہب یہی ہے اور انہوں نے
اسنان الابل کا حساب خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سیکھا تھا۔ بقول علی رضی یہ حدیث مرفوع ہوئی اور عمرو بن حزم کا خط
بھی بقول امام احمد بن حنبل حدیث صحیح ہے۔ حافظ زیلعی نے کنز کی شرح میں کہا ہے کہ بہت سی احادیث سے ۱۲۰ کے بعد
فریضے کے از سر نو شروع ہونے کا ثبوت ملتا ہے۔ حضرت سید انور شاہ کشمیری نے فرمایا ہے کہ اونٹوں کی زکوٰۃ میں یہ
ہر دو طریقے ثابت شدہ اور صحیح ہیں، اختلاف صرف مختار میں ہے۔ اور حنفیہ کے نزدیک مختار یہی ہے کہ ایک سو
بیس ۱۲۰ کے بعد فریضہ از سر نو شروع ہوگا۔

"لا یجمع بین مفترق ولا یفرق بین مجتمع خشیۃ الصدقۃ" حنفیہ کے ہاں اس کا مطلب یہ ہے کہ اگر مثلاً
دو یا تین اشخاص کے جانور ایک اکٹھے ریوڑ کی صورت میں چرتے ہیں تو جس طرح ان کے نصاب کا حساب الگ الگ ہونیکی
صورت میں لگایا جاتا اسی طرح اب بھی لگایا جائے گا۔ جس کا مال نصاب کو پہنچے گا اس پر زکوٰۃ ہوگی دوسرے پر نہیں۔ اور اگر
ایک ہی شخص کا مال دو یا تین چراگاہوں میں چرتا ہے تو اس سارے مال کے مجموعے پر زکوٰۃ ہوگی۔ زکوٰۃ کو کم کرنے یا زیادہ
وصول کرنے کی خاطر اس کے خلاف نہ کیا جائے گا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی واضح حدیث اس پر دلالت کرتی ہے کہ:
مردِ مسلم کے چرنے والے جانوروں میں چالیس بھیڑ بکریوں سے کم میں کوئی زکوٰۃ نہیں ہے۔ پس حضورؐ نے شرکت یا انفراد کا اس
میں کوئی ذکر نہیں فرمایا لہٰذا ہر شخص کے مال کی زکوٰۃ اس کے اپنے مال کے حساب سے ہوگی اور اس میں جمع و تفریق کر کے زکوٰۃ کو
کم و بیش کرنے کا حیلہ ناجائز ہوگا۔ حنفیہ کے مسلک کی تائید خود اس حدیث زیر شرح کے ان الفاظ سے ہوتی ہے: وَمَا کان
من خلیطین فانھما یتراجعان بینھما بالسویۃ۔ اوپر کی عبارت میں متفرق کو جمع اور جمع کو متفرق کرنے کی ممانعت
کے بعد فرمایا ہے کہ (اور جو مال دو خلیطوں کا ہو اور اس میں سے زکوٰۃ نکل جائے) تو وہ آپس میں عدل و انصاف کی رو سے لین
دین کر لیں گے۔ خلیط کی دو قسمیں ہیں ایک وہ جو دوسرے کے ساتھ کاروبار میں اس طرح شریک ہو کہ دونوں نے مل کر خرید و
فروخت کی ہو اور مال میں بحصہ رسدی دونوں کی شراکت ہو۔ دوسرا وہ جو اپنا مال الگ رکھتا ہے مگر چرنے اور انتظام کی غرض
سے دوسرے کے ریوڑ کے ساتھ اپنا ریوڑ ملا دیتا ہے۔ پس جب ان کے مال میں سے زکوٰۃ روا ہو جائے تو اپنی اصل رقم
کے حساب سے پہلی قسم کے خلیط لین دین کا حساب کر لیں گے اور دوسری قسم کا خلیط تو محض نام کا خلیط ہے۔ اصل میں
اس کا مال دوسرے سے الگ ہے پس اس کی زکوٰۃ بھی الگ ہوگی۔ پس حضورؐ نے ان لوگوں کے متعلق جو مال میں شریک ہیں

اور محض چرانے کی خاطر اپنے الگ الگ ریوڑ کو ایک جگہ نہیں رکھتے، ارشاد فرمایا کہ جب ان کے مال سے زکوٰۃ نکل جائے تو وہ اپنے اپنے حصے کے مطابق حساب کی فہمید کریں گے۔ یہ دونوں مسئلے فقہ حنفی کی مشہور کتاب البدائع میں اس طرح موجود ہیں۔

۱۵۶۸ - حَدَّثَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ مُحَمَّدٍ النُّفَيْلِيُّ نَا عَبَّادُ بْنُ الْعَوَّامِ عَنْ سُفْيَانَ بْنِ حُسَيْنٍ عَنِ الزُّهْرِيِّ عَنْ سَالِمٍ عَنْ اَبِيْهِ قَالَ كَتَبَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كِتَابَ الصَّدَقَةِ فَلَمْ يُخْرِجْهُ اِلٰى عُمَّالِهِ حَتّٰى قُبِضَ فَقَرَنَهُ بِسَيْفِهِ فَعَمِلَ بِهِ اَبُوْ بَكْرٍ حَتّٰى قُبِضَ ثُمَّ عَمِلَ بِهِ عُمَرُ حَتّٰى قُبِضَ فَكَانَ فِيْهِ فِيْ خَمْسٍ مِّنَ الْاِبِلِ شَاةٌ وَّفِيْ عَشْرٍ شَاتَانِ وَفِيْ خَمْسَ عَشْرَ ثَلَاثُ شِيَاهٍ وَفِيْ عِشْرِيْنَ اَرْبَعُ شِيَاهٍ وَفِيْ خَمْسٍ وَّعِشْرِيْنَ ابْنَةُ مَخَاضٍ اِلٰى خَمْسٍ وَّثَلَاثِيْنَ فَاِنْ زَادَتْ وَاحِدَةٌ فَفِيْهَا ابْنَةُ لَبُوْنٍ اِلٰى خَمْسٍ وَّاَرْبَعِيْنَ فَاِذَا زَادَتْ وَاحِدَةٌ فَفِيْهَا حِقَّةٌ اِلٰى سِتِّيْنَ فَاِذَا زَادَتْ وَاحِدَةٌ فَفِيْهَا جَذَعَةٌ اِلٰى خَمْسٍ وَّسَبْعِيْنَ فَاِذَا زَادَتْ وَاحِدَةٌ فَفِيْهَا ابْنَتَا لَبُوْنٍ اِلٰى تِسْعِيْنَ فَاِذَا زَادَتْ وَاحِدَةٌ فَفِيْهَا حِقَّتَانِ اِلٰى عِشْرِيْنَ وَمِائَةٍ فَاِنْ كَانَتِ الْاِبِلُ اَكْثَرَ مِنْ ذٰلِكَ فَفِيْ كُلِّ خَمْسِيْنَ حِقَّةٌ وَّفِيْ كُلِّ اَرْبَعِيْنَ ابْنَةُ لَبُوْنٍ وَفِي الْغَنَمِ فِيْ كُلِّ اَرْبَعِيْنَ شَاةً شَاةٌ اِلٰى عِشْرِيْنَ وَمِائَةٍ فَاِنْ زَادَتْ وَاحِدَةٌ فَشَاتَانِ اِلٰى مِائَتَيْنِ فَاِذَا زَادَتْ وَاحِدَةٌ عَلَى الْمِائَتَيْنِ فَفِيْهَا ثَلَاثُ شِيَاهٍ اِلٰى ثَلَاثِ مِائَةٍ فَاِنْ كَانَتِ الْغَنَمُ اَكْثَرَ مِنْ ذٰلِكَ فَفِيْ كُلِّ مِائَةِ شَاةٍ شَاةٌ وَلَيْسَ فِيْهَا شَيْءٌ حَتّٰى تَبْلُغَ الْمِائَةَ وَلَا يُفَرَّقُ بَيْنَ مُجْتَمِعٍ وَّلَا يُجْمَعُ بَيْنَ مُتَفَرِّقٍ مَخَافَةَ الصَّدَقَةِ وَمَا كَانَ مِنْ خَلِيْطَيْنِ فَاِنَّهُمَا يَتَرَاجَعَانِ بِالسَّوِيَّةِ وَلَا يُؤْخَذُ بِالصَّدَقَةِ هَرِمَةٌ وَّلَا ذَاتُ عَيْبٍ قَالَ وَقَالَ الزُّهْرِيُّ اِذَا جَاءَ الْمُصَدِّقُ قُسِمَتِ الشَّاءُ اَثْلَاثًا ثُلُثًا شِرَارًا وَّثُلُثًا خِيَارًا وَّثُلُثًا وَسَطًا فَاَخَذَ الْمُصَدِّقُ مِنَ الْوَسَطِ وَلَمْ يَذْكُرِ الزُّهْرِيُّ الْبَقَرَ۔

۱۵۶۸: عبداللہ بن عمرؓ نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے زکوٰۃ کے حساب کا خط لکھوایا مگر گورنروں تک پہنچانے کے قبل ہی آپؐ کی وفات ہو گئی، اور حضورؐ نے اس خط کو اپنی تلوار کے نیام میں ڈالا ہوا تھا۔ پس ابو بکرؓ نے اس پر عمل کیا حتیٰ کہ ان کی وفات ہو گئی، پھر عمرؓ نے اس پر عمل کیا حتیٰ کہ ان کی وفات ہو گئی۔ اس خط میں یہ تھا کہ پانچ اونٹوں کی زکوٰۃ ایک بکری ہے اور دس کی دو بکریاں اور پندرہ کی تین بکریاں اور بیس کی چار بکریاں، اور پچیس کی زکوٰۃ ایک سالہ مونث بچہ پینتیس تک۔ پھر اگر اس پر ایک بڑھ جائے تو ان میں دو سالہ مؤنث بچہ ہے پینتالیس تک۔ پھر جب اس پر ایک بڑھ جائے تو ساٹھ تک ان میں ایک تین سالہ مؤنث ہے۔ جب اس تعداد پر ایک بڑھ جائے تو ان میں ایک چار سالہ مؤنث ہے پچھتر تک۔ پھر جب اس پر ایک بڑھ جائے تو نوّے تک ان میں دو بنت لبون ہیں (دو سالہ) جب اس سے ایک بڑھ جائیں تو ایک سو بیس تک ان میں دو حقّے (تین سالہ مؤنث) ہیں۔ پس اگر اونٹ اس سے زیادہ ہوں تو ہر پچاس پر ایک حقہ اور ہر چالیس پر ایک بنت لبون ہے۔ اور بھیڑ بکریوں میں ہر چالیس پر ایک بکری ہے ایک سو بیس تک، پھر جب ان سے ایک زائد ہو تو دو سو تک دو بکریاں۔ دو سو سے بڑھ جائیں تو تین سو تک ان میں تین بکریاں ہیں۔ پھر اگر بھیڑ بکریاں اس سے زائد ہوں تو ہر سو بکری پر ایک بکری ہے اور سو سے کم میں کچھ نہیں۔ اور مجتمع مال کو متفرق نہ کیا جائے نہ متفرق مال کو، زکوٰۃ کے خوف سے جمع کیا جائے۔ اور جو مال دو شریکوں کا ہو تو وہ آپس میں انصاف سے فہمید حساب کر لیں۔ اور زکوٰۃ میں بہت بوڑھی اور عیب دار نہ لی جائے۔ سفیان نے کہا کہ زہری نے کہا جب تحصیل دار آئے تو بھیڑ بکریاں تین طبقوں میں تقسیم کر دی جائیں تیسرا حصہ خراب مال کا، تیسرا حصہ بہترین مال کا اور تیسرا حصہ درمیانے مال کا ہو، پھر تحصیل دار واجب شدہ زکوٰۃ درمیانے درجے کے مال سے لے اور زہری نے بیل گائے کا ذکر نہیں کیا (یہ حدیث ابن ماجہ اور ترمذی نے بھی روایت کی ہے اور کہا ہے کہ عامۂ فقہاء کے نزدیک اس حدیث پر عمل ہے۔ اس حدیث کو صرف سفیان بن حسین نے مرفوع بیان کیا ہے ورنہ زہری کے دوسرے شاگرد اسے مرفوع بیان نہیں کرتے۔ سفیان بن حسین کی حدیث گو مسلم میں موجود ہے اور بخاری نے اس سے استدلال کیا ہے مگر جب وہ زہری سے روایت کرے تو اس میں کلام ہے۔ سلیمان بن کثیر جو صحیحین کا راوی ہے وہ سفیان بن حسین کی مطابقت کرتا ہے

۱۵۶۹ - حَدَّثَنَا عُثْمَانُ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ نَا مُحَمَّدُ بْنُ يَزِيدَ الْوَاسِطِيُّ أَنَا سُفْيَانُ بْنُ حُسَيْنٍ بِإِسْنَادِهِ وَمَعْنَاهُ قَالَ فَإِنْ لَمْ تَكُنْ اِبْنَةُ مَخَاضٍ فَابْنُ لَبُونٍ وَلَمْ يَذْكُرْ كَلَامَ الزُّهْرِيِّ۔

۱۵۶۹: ایک اور سند سے وہی گذشتہ حدیث۔ اس میں ہے کہ اگر ایک سالہ مؤنث نہ ہو تو ایک سالہ مذکر، اور اس میں محمد بن یزید واسطی راوئ حدیث نے زہری کے کلام کا ذکر نہیں کیا۔

۱۵۷۰ - حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الْعَلَاءِ أَنَا ابْنُ الْمُبَارَكِ عَنْ يُونُسَ بْنِ يَزِيدَ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ قَالَ هٰذِهٖ نُسْخَةُ كِتَابِ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الَّذِي

كَتَبَهُ فِي الصَّدَقَةِ وَهِيَ عِنْدَ آلِ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ قَالَ ابْنُ شِهَابٍ، أَقْرَأَنِيهَا سَالِمُ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُمَرَ فَوَعَيْتُهَا عَلَى وَجْهِهَا وَهِيَ الَّتِي انْتَسَخَ عُمَرُ بْنُ عَبْدِ الْعَزِيزِ مِنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُمَرَ وَسَالِمِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُمَرَ فَذَكَرَ الْحَدِيثَ قَالَ فَإِذَا كَانَتْ إِحْدَى وَعِشْرِينَ وَمِائَةً فَفِيهَا ثَلَاثُ بَنَاتِ لَبُونٍ حَتَّى تَبْلُغَ تِسْعًا وَعِشْرِينَ وَمِائَةً فَإِذَا كَانَتْ ثَلَاثِينَ وَمِائَةً فَفِيهَا بِنْتَا لَبُونٍ وَحِقَّةٌ حَتَّى تَبْلُغَ تِسْعًا وَثَلَاثِينَ وَمِائَةً فَإِذَا كَانَتْ أَرْبَعِينَ وَمِائَةً فَفِيهَا حِقَّتَانِ وَبِنْتُ لَبُونٍ حَتَّى تَبْلُغَ تِسْعًا وَأَرْبَعِينَ وَمِائَةً فَإِذَا كَانَتْ خَمْسِينَ وَمِائَةً فَفِيهَا ثَلَاثُ حِقَاقٍ حَتَّى تَبْلُغَ تِسْعًا وَخَمْسِينَ وَمِائَةً فَإِذَا كَانَتْ سِتِّينَ وَمِائَةً فَفِيهَا أَرْبَعُ بَنَاتِ لَبُونٍ حَتَّى تَبْلُغَ تِسْعًا وَسِتِّينَ وَمِائَةً فَإِذَا كَانَتْ سَبْعِينَ وَمِائَةً فَفِيهَا ثَلَاثُ بَنَاتِ لَبُونٍ وَحِقَّةٌ حَتَّى تَبْلُغَ تِسْعًا وَسَبْعِينَ وَمِائَةً فَإِذَا كَانَتْ ثَمَانِينَ وَمِائَةً فَفِيهَا حِقَّتَانِ وَابْنَتَا لَبُونٍ حَتَّى تَبْلُغَ تِسْعًا وَثَمَانِينَ وَمِائَةً فَإِذَا كَانَتْ تِسْعِينَ وَمِائَةً فَفِيهَا ثَلَاثُ حِقَاقٍ وَبِنْتُ لَبُونٍ حَتَّى تَبْلُغَ تِسْعًا وَتِسْعِينَ وَمِائَةً فَإِذَا كَانَتْ مِائَتَيْنِ فَفِيهَا أَرْبَعُ حِقَاقٍ أَوْ خَمْسُ بَنَاتِ لَبُونٍ أَيُّ السِّنَّيْنِ وُجِدَتْ أُخِذَتْ وَفِي سَائِمَةِ الْغَنَمِ فَذَكَرَ نَحْوَ حَدِيثِ سُفْيَانَ بْنِ حُسَيْنٍ وَفِيهِ وَلَا يُؤْخَذُ فِي الصَّدَقَةِ هَرِمَةٌ وَلَا ذَاتُ عَوَارٍ مِنَ الْغَنَمِ وَلَا تَيْسُ الْغَنَمِ إِلَّا أَنْ يَشَاءَ الْمُصَدِّقُ۔

۱۵۷۰: ابن شہاب زہری نے کہا کہ یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس خط کا نسخہ ہے جو آپ نے صدقہ (زکوٰۃ) کے بارے میں لکھوایا تھا اور حضرت عمر بن الخطابؓ کے گھر والوں کے پاس تھا۔ ابن شہاب نے کہا کہ یہ مجھے سالم بن عبداللہ بن عمر نے پڑھایا اور میں نے اسے ٹھیک ٹھیک حفظ کر لیا۔ اور یہ وہی نسخہ ہے جسے عمر بن عبدالعزیز نے نقل کرایا تھا عبداللہ بن عبداللہؓ بن عمر سے اور سالم بن عبداللہ بن عمرؓ سے۔ پھر زہری نے حدیث بیان کی، اس نے کہا کہ جب اونٹ ایک سو اکیس ہو جائیں تو ان میں تین دو سالہ مؤنث بچے ہیں حتیٰ کہ تعداد ایک سو انتیس کو پہنچ جائے پھر جب وہ ایک سو تیس ہو جائیں تو ان میں دو بنتِ لبون ہیں اور ایک حقّہ ہے حتیٰ کہ وہ ایک سو انتالیس کو پہنچ جائیں۔ پھر

جب ایک سو چالیس ہو جائیں تو ان میں دو دو سہ سالہ اور ایک دو سالہ ہے حتیٰ کہ وہ ایک سو انچاس تک پہنچ جائیں۔ پھر جب وہ ایک سو پچاس ہو جائیں تو ان میں تین سہ سالہ ہیں حتیٰ کہ ایک سو انسٹھ تک پہنچ جائیں۔ پس جب ایک سو ساٹھ ہو جائیں تو ان میں چار دو سالہ ہیں حتیٰ کہ وہ ایک سو انہتر تک پہنچ جائیں، پس جب وہ ایک سو ستر تک پہنچ جائیں تو ان میں تین دو سالہ ایک سہ سالہ ہے حتیٰ کہ وہ ایک سو اُناسی تک پہنچ جائیں۔ پھر جب وہ ایک سو اسّی ہو جائیں تو ان میں دو سالہ اور دو دو سالہ ہیں حتیٰ کہ وہ ایک سو نواسی کو پہنچ جائیں۔ پس جب وہ ایک سو نوے ہو جائیں تو ان میں تین سہ سالہ اور ایک دو سالہ ہے حتیٰ کہ ایک سو ننانوے تک پہنچ جائیں۔ پس جب وہ دو سو ہو جائیں تو ان میں چار سہ سالہ یا پانچ دو سالہ ہیں، ان میں سے جونسی عمر کے جانور مل جائیں لے لئے جائیں۔ اور چرنے والی بھیڑ بکریوں میں راوی نے سفیان بن حسین کی حدیث جیسی حدیث بیان کی اور اس میں یہ بھی ہے کہ زکوٰۃ میں بہت بوڑھی اور کانی بھیڑ بکری نہ لی جائے اور نہ بھیڑ بکریوں کا نر لیا جائے، مگر یہ کہ تحصیلدار چاہے (یعنی کسی مصلحت سے وہ نر لینا چاہے مثلاً بیت المال کے ریوڑ کی خاطر تو جائز ہے۔ یہ حدیث بقول ترمذی مُرسل ہے مگر سفیان بن حسین اور سلیمان بن کثیرؒ نے اسے مرفوع بیان کیا ہے پچھلی حدیث میں گزرا ہے کہ: لَیْسَ فِیْھَا شَیْءٌ حَتّٰی تَبْلُغَ الْمِائَۃَ۔ یعنی تین سو کے بعد ہر سو بکری پر ایک بکری ہے مگر سو سے کم پر کچھ نہیں۔ یہ الفاظ حنفیہ کے مسلک کی دلیل ہیں کہ درمیانی تعداد پر کوئی زکوٰۃ نہیں آتی)

۱۵۷۱۔ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللّٰہِ بْنُ مَسْلَمَۃَ قَالَ قَالَ مَالِکٌ وَقَوْلُ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ لَا یُجْمَعُ بَیْنَ مُفْتَرِقٍ وَلَا یُفَرَّقُ بَیْنَ مُجْتَمِعٍ ھُوَ اَنْ تَکُوْنَ لِکُلِّ رَجُلٍ اَرْبَعُوْنَ شَاۃً فَاِذَا اَظَلَّھُمُ الْمُصَدِّقُ جَمَعُوْھَا لِاَنْ لَّا یَکُوْنَ فِیْھَا اِلَّا شَاۃٌ وَلَا یُفَرَّقُ بَیْنَ مُجْتَمِعٍ اَنَّ الْخَلِیْطَیْنِ اِذَا کَانَ لِکُلِّ وَاحِدٍ مِّنْھُمَا مِائَۃُ شَاۃٍ وَّشَاۃٌ فَیَکُوْنُ عَلَیْھِمَا فِیْھِمَا ثَلَاثُ شِیَاۃٍ فَاِذَا اَظَلَّھُمَا الْمُصَدِّقُ فَرَّقَا غَنَمَھُمَا فَلَمْ یَکُنْ عَلٰی کُلِّ وَاحِدٍ مِّنْھُمَا اِلَّا شَاۃٌ فَھٰذَا الَّذِیْ سَمِعْتُ فِیْ ذٰلِکَ

۱۵۷۱: مالک نے کہا کہ حضرت عمر بن الخطاب کا قول (یعنی گزشتہ موقوف حدیث میں) کہ متفرق کو جمع نہ کیا جائے اور مجتمع میں تفریق نہ کی جائے، اس کی صورت یہ ہے کہ مثلاً ہر آدمی کی چالیس بھیڑ بکریاں ہیں۔ پس جب تحصیل دار آئے تو وہ اسے ایک ریوڑ بنا کر جمع کر دیں تاکہ اسی پر صرف ایک بکری زکوٰۃ آئے (حالانکہ الگ الگ ان میں سے ہر ایک پر ایک ایک بکری واجب ہے) اور مجتمع کو متفرق نہ کیا جائے اس کی یہ صورت ہے کہ ہر دو شریکوں کی ایک سو ایک بکریاں ہوں تو اس اکٹھے مال میں ان پر تین بکریاں واجب ہیں لیکن تحصیل دار کے آنے پر اگر وہ اپنی بکریاں الگ کر لیں تو ہر ایک پر صرف ایک بکری آتی ہے پس میں نے اس کا یہ مطلب سنا ہے (جمع کی تفسیر میں حنفیہ کا مسلک امام مالک کے اس قول کے مطابق ہے مگر تفریق کی

صورت میں ان کے نزدیک بہرصورت ہر شریک پر ایک بکری واجب ہے کیونکہ دونوں کا مال الگ الگ ملکیت بنتا ہے لہٰذا اس کی زکوٰۃ کا حساب بھی اسی طرح الگ الگ ہوگا)

۱۵۷۲- حَدَّثَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ مُحَمَّدٍ النُّفَيْلِيُّ نَا زُهَيْرٌ نَا أَبُو إِسْحٰقَ عَنْ عَاصِمِ بْنِ ضَمْرَةَ وَعَنِ الْحَارِثِ الْأَعْوَرِ عَنْ عَلِيٍّ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ زُهَيْرٌ أَحْسِبُهُ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّهُ قَالَ هَاتُوا رُبْعَ الْعُشُورِ مِنْ كُلِّ أَرْبَعِينَ دِرْهَمًا دِرْهَمٌ وَلَيْسَ عَلَيْكُمْ شَيْءٌ حَتّٰى تَتِمَّ مِائَتَيْ دِرْهَمٍ فَإِذَا كَانَتْ مِائَتَيْ دِرْهَمٍ فَفِيهَا خَمْسَةُ دَرَاهِمَ فَمَا زَادَ فَعَلَى حِسَابِ ذٰلِكَ وَفِي الْغَنَمِ فِي كُلِّ أَرْبَعِينَ شَاةً شَاةٌ فَإِنْ لَمْ تَكُنْ إِلَّا تِسْعًا وَثَلَاثُونَ فَلَيْسَ عَلَيْكَ فِيهَا شَيْءٌ وَسَاقَ صَدَقَةَ الْغَنَمِ مِثْلَ الزُّهْرِيِّ وَقَالَ وَفِي الْبَقَرِ فِي كُلِّ ثَلَاثِينَ تَبِيعٌ وَفِي الْأَرْبَعِينَ مُسِنَّةٌ وَلَيْسَ عَلَى الْعَوَامِلِ شَيْءٌ وَفِي الْإِبِلِ فَذَكَرَ صَدَقَتَهَا كَمَا ذَكَرَ الزُّهْرِيُّ قَالَ وَفِي خَمْسٍ وَعِشْرِينَ خَمْسَةٌ مِنَ الْغَنَمِ فَإِذَا زَادَتْ وَاحِدَةٌ فَفِيهَا ابْنَةُ مَخَاضٍ فَإِنْ لَمْ تَكُنْ ابْنَةُ مَخَاضٍ فَابْنُ لَبُونٍ ذَكَرٌ إِلَى خَمْسٍ وَثَلَاثِينَ فَإِذَا زَادَتْ وَاحِدَةٌ فَفِيهَا بِنْتُ لَبُونٍ إِلَى خَمْسٍ وَأَرْبَعِينَ فَإِذَا زَادَتْ وَاحِدَةٌ فَفِيهَا حِقَّةٌ طَرُوقَةُ الْجَمَلِ إِلَى سِتِّينَ ثُمَّ سَاقَ مِثْلَ حَدِيثِ الزُّهْرِيِّ قَالَ فَإِذَا زَادَتْ وَاحِدَةٌ يَعْنِي وَاحِدَةً وَتِسْعِينَ فَفِيهَا حِقَّتَانِ طَرُوقَتَا الْجَمَلِ إِلَى عِشْرِينَ وَمِائَةٍ فَإِنْ كَانَتِ الْإِبِلُ أَكْثَرَ مِنْ ذٰلِكَ فَفِي كُلِّ خَمْسِينَ حِقَّةٌ وَلَا يُفَرَّقُ بَيْنَ مُجْتَمِعٍ وَلَا يُجْمَعُ بَيْنَ مُتَفَرِّقٍ خَشْيَةَ الصَّدَقَةِ وَلَا يُؤْخَذُ فِي الصَّدَقَةِ هَرِمَةٌ وَلَا ذَاتُ عَوَارٍ وَلَا تَيْسٌ إِلَّا أَنْ يَشَاءَ الْمُصَدِّقُ وَفِي النَّبَاتِ مَا سَقَتْهُ الْأَنْهَارُ وَسَقَتِ السَّمَاءُ الْعُشْرُ وَمَا سُقِيَ بِالْغَرْبِ فَفِيهِ نِصْفُ الْعُشْرِ وَفِي حَدِيثِ عَاصِمٍ وَالْحَارِثِ الصَّدَقَةُ فِي كُلِّ عَامٍ قَالَ زُهَيْرٌ أَحْسِبُهُ قَالَ مَرَّةً وَفِي حَدِيثِ عَاصِمٍ إِذَا لَمْ يَكُنْ فِي الْإِبِلِ ابْنَةُ

مَخَاضٍ وَلَا ابْنُ لَبُوْنٍ فَعَشَرَةُ دَرَاهِمَ اَوْشَاتَانِ۔

۱۵۷۲: عاصم بن ضمرہ اور حارث اعور علی رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں، زہری راوی کا خیال ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کی کہ آپؐ نے فرمایا: چالیسواں حصہ لاؤ یعنی ہر چالیس درہم میں سے ایک درہم اور جب تک پورے دو سو درہم نہ ہوں تمہارے ذمہ کوئی زکوٰۃ نہیں پس جب دو سو درہم پورے ہوں تو ان میں سے پانچ درہم ہیں، پس جو اس سے زاید ہو وہ اسی حساب سے۔ اور بھیڑ بکریوں میں ہر چالیس میں سے ایک بکری۔ پس اگر صرف انتالیس ہوں تو تیرے ذمہ ان میں سے کچھ نہیں۔ اور راوی نے زہری کی حدیث کی طرح بھیڑ بکریوں کی زکوٰۃ بیان کی۔ کہا اور گائے بھینس میں ہر تیس میں ایک ایک سالہ ہے اور چالیس میں ایک دو سالہ ہے اور کام کرنے والے بیلوں وغیرہ پر کچھ نہیں۔ اور اونٹ کا صدقہ اسی طرح بیان کیا جیسا کہ زہری کی حدیث میں ہے، کہا اور پچیس میں پانچ بکریاں، جب ان پر ایک بڑھ جائے تو ان میں ایک سالہ مؤنث اونٹ کا بچہ اور اگر بنت مخاض نہ ہو تو ابن لبون ہے (یعنی دو سالہ مذکر بچہ) پچاس اور تیس تک ذکر کیا۔ جب ایک بڑھ جائے تو پینتالیس تک ایک دو سالہ مؤنث ہے۔ جب اس پر ایک کا اضافہ ہو جائے تو یہاں سے ساٹھ تک ایک سالہ مؤنث ہے جس پر نر اونٹ کُود سکے۔ پھر زہری کی حدیث کی طرح بیان کیا۔ کہا کہ جب ایک بڑھ جائے یعنی اکانوے ہو جائیں تو ان میں دو سہ سالہ مؤنث ہیں جو نر سے جُفتی کے قابل ہوں۔ ایک سو بیس تک۔ پھر اگر اونٹ اس سے زیادہ ہوں تو ہر پچاس پر ایک سہ سالہ مؤنث۔ اور نہ مجتمع کو متفرق نہ کیا جائے اور صدقے کے خوف سے متفرق کو اکٹھا نہ کیا جائے۔ اور زکوٰۃ میں بوڑھی نہ لی جائے اور نہ کانی اور نہ نر مگر یہ کہ تحصیل دار چاہے۔ اور نباتات میں جن کو نہریں پلائیں یا بارش تر کرے دسواں حصہ ہے اور جو چرسے (بڑے ڈول) سے پلائی جائے اس میں بیسواں حصہ۔ اور عاصم اور حارث کی روایت میں ہے کہ زکوٰۃ ہر سال واجب ہے اور زہیر نے کہا میرا خیال ہے کہ کہا: ایک مرتبہ (یعنی ہر سال ایک مرتبہ) اور عاصم کی حدیث میں ہے کہ جب اونٹوں میں ایک سالہ مؤنث نہ ہو اور نہ دو سالہ مذکر ہو تو دس درہم یا دو بکریاں۔

(شرح) امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ نے عمرو بن حزم کی حدیث سے استدلال کرتے ہوئے کہا کہ دو سو درہم پر پانچ ہوئے اور جب زائد ہوں تو چالیس سے کم میں کچھ نہیں، چالیس پر ایک درہم ہے (یعنی ۲۴۰ پر چھ درہم) اور اسی طرح پر چالیس درہم پر ایک درہم اور یہی عمر بن الخطاب سے مروی ہے اور معاذ رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے کہ: کسروں پر کچھ نہ لو، دو سو درہم میں پانچ اور پھر چالیس پر ایک درہم۔ ابوداؤد کی اس حدیث کو ابن القطان نے صحیح الاسناد کہا ہے اور سب راوی ثقہ ہیں، اور میری مراد حارث کی روایت نہیں بلکہ عاصم کی ہے۔ اس حدیث میں انہار کے لفظ سے مراد قدرتی اور برساتی ندی نالے ہیں آج کل کی نہریں نہیں۔

۱۵۷۳- حَدَّثَنَا سُلَيْمَانُ بْنُ دَاوُدَ الْمَهْرِيُّ اَنَا ابْنُ وَهْبٍ اَخْبَرَنِي جَرِيْرُ ابْنُ حَازِمٍ وَسَمَّى اٰخَرَ عَنْ اَبِي اِسْحٰقَ عَنْ عَاصِمِ بْنِ ضَمْرَةَ وَالْحَارِثِ الْاَعْوَرِ عَنْ عَلِيٍّ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِبَعْضِ اَوَّلِ الْحَدِيْثِ قَالَ فَاِذَا كَانَتْ لَكَ مِائَتَا دِرْهَمٍ

وَحَالَ عَلَيْهَا الْحَوْلُ فَفِيهَا خَمْسَةُ دَرَاهِمَ وَلَيْسَ عَلَيْكَ شَيْءٌ يَعْنِي فِي الذَّهَبِ حَتَّى تَكُونَ لَكَ عِشْرُونَ دِينَارًا فَإِذَا كَانَتْ لَكَ عِشْرُونَ دِينَارًا وَحَالَ عَلَيْهَا الْحَوْلُ فَفِيهَا نِصْفُ دِينَارٍ فَمَا زَادَ فَبِحِسَابِ ذٰلِكَ قَالَ فَلَا أَدْرِي أَعَلِيٌّ يَقُولُ فَبِحِسَابِ ذٰلِكَ أَوْ رَفَعَهُ إِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَلَيْسَ فِي مَالٍ زَكٰوةٌ حَتَّى يَحُولَ عَلَيْهِ الْحَوْلُ إِلَّا أَنَّ جَرِيرًا قَالَ ابْنُ وَهْبٍ يَزِيدُ فِي الْحَدِيثِ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَيْسَ فِي مَالٍ زَكٰوةٌ حَتَّى يَحُولَ عَلَيْهِ الْحَوْلُ۔

۱۵۷۳ : دوسری سند کے ساتھ علی رضی اللہ عنہ کی گذشتہ حدیث کا بعض، جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے۔ اس میں کہا ہے کہ جب دو سو درہم ہوں اور ان پر سال بھر گزر جائے تو ان میں پانچ درہم ہیں۔ اور سونے میں تم پر کوئی زکوٰۃ نہیں جب تک تمہارے پاس بیس دینار نہ ہوں پس جب تمہارے پاس بیس دینار ہوں اور ان پر سال گزر جائے تو ان میں نصف دینار ہے اور جو کچھ اس سے زائد ہو وہ اسی حساب سے ہے۔ راوی نے کہا کہ مجھے معلوم نہیں کہ یہ لفظ: اسی حساب سے ہے علی رضی اللہ عنہ نے کہا یا اسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے نقل کیا۔ اور کسی مال میں زکوٰۃ نہیں جب تک اس پر سال بھر نہ گزر جائے۔ مگر جریر راوی نے کہا کہ ابن وہب اس حدیث میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے اضافہ کرتا ہے کہ کسی مال میں زکوٰۃ نہیں جب تک اس پر سال نہ گزر جائے۔ (منذری نے کہا کہ اس حدیث کا کچھ حصہ ابن ماجہ نے بھی روایت کیا ہے اور حارث اعور اور عاصم بن ضمرہ محبت نہیں ہیں۔ یہ حدیث مسند احمد میں بھی ہے اور ابن حزم نے اسے المحلّیٰ میں بھی روایت کیا ہے)

۱۵۷۴۔ حَدَّثَنَا عَمْرُو بْنُ عَوْنٍ أَنَا أَبُو عَوَانَةَ عَنْ أَبِي إِسْحٰقَ عَنْ عَاصِمِ ابْنِ ضَمْرَةَ عَنْ عَلِيٍّ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَدْ عَفَوْتُ عَنِ الْخَيْلِ وَالرَّقِيقِ فَهَاتُوا صَدَقَةَ الرِّقَةِ مِنْ كُلِّ أَرْبَعِينَ دِرْهَمًا دِرْهَمٌ وَلَيْسَ فِي تِسْعِينَ وَمِائَةٍ شَيْءٌ فَإِذَا بَلَغَتْ مِائَتَيْنِ فَفِيهَا خَمْسَةُ دَرَاهِمَ قَالَ أَبُو دَاوُدَ رَوَى هٰذَا الْحَدِيثَ الْأَعْمَشُ عَنْ أَبِي إِسْحٰقَ كَمَا قَالَ أَبُو عَوَانَةَ وَرَوَاهُ شَيْبَانُ أَبُو مُعَاوِيَةَ وَإِبْرَاهِيمُ بْنُ طَهْمَانَ عَنْ أَبِي إِسْحٰقَ عَنِ الْحَارِثِ عَنْ عَلِيٍّ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِثْلَهُ وَرَوَى حَدِيثَ النُّفَيْلِيِّ شُعْبَةُ وَسُفْيَانُ وَغَيْرُهُمَا عَنْ أَبِي إِسْحٰقَ عَنْ عَاصِمٍ عَنْ عَلِيٍّ لَمْ يَرْفَعُوهُ۔

۱۵۷۴: علی رضی اللہ عنہ نے کہا کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں نے گھوڑے اور غلام کی زکوٰۃ معاف کی اور چاندی کی زکوٰۃ ہر چالیس درہم پر ایک درہم لاؤ اور ایک سو نوے میں کچھ نہیں مگر جب دو سو درہم تک ہو جائے تو اس میں پانچ درہم ہے۔ اور اس کو ابو معاویہ، شیبان نے اور ابراہیم بن طہمان نے عن ابی اسحاق عن الحارث عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم اسی طرح روایت کیا ہے۔ ابو داؤد نے کہا کہ نفیلی کی حدیث کو شعبہ اور سفیان وغیرہ نے عن ابی اسحاق عن عاصم عن علیؓ بیان کیا ہے، اسے مرفوع نہیں بلکہ حضرت علیؓ پر موقوف کیا ہے۔ (یہ حدیث ترمذی، ابن ماجہ اور نسائی نے بھی روایت کی۔ ترمذی نے بخاری کے حوالے سے کہا کہ ابو اسحاق کی روایت عاصم اور حارث سے میرے نزدیک دونوں صحیح ہیں)

(شرح) فقہ حنفیہ میں گھوڑوں کی زکوٰۃ کے متعلق البدائع میں ہے کہ خلاصۂ کلام اس باب میں یہ ہے: گھوڑے یا تھان پر چارہ لیتے ہوں گے یا جنگل میں۔ تھان پر باندھ کر چرانے کا مطلب یہ ہے کہ وہ سواری کے لئے یا بوجھ لادنے کے لئے یا جہاد فی سبیل اللہ کے لئے ہوں، تو ان میں کوئی زکوٰۃ نہیں کیونکہ انسان کی ضروریات میں صرف ہوتے ہیں زکوٰۃ کا مال وہ ہے جو حاجات سے فارغ ہو۔ دوسری صورت یہ ہے کہ ان میں تجارت کے لئے پالا جائے پس ان میں بالاجماع زکوٰۃ ہے کیونکہ یہ مالِ تجارت ہے جو بڑھنے کے قابل ہے اور حاجاتِ اصلیہ سے فاضل ہے۔ تجارت کے لئے انہیں پالنا اور حاجات سے فارغ ہونا مالِ نامی ہونے کی دلیل ہے۔ تیسری صورت یہ ہے کہ گھوڑے ہیں تو باہر چرنے والے مگر انہیں سواری یا بوجھ اٹھانے یا جہاد کی خاطر پالا جاتا ہے۔ ان میں بھی زکوٰۃ نہیں ہے جیسا کہ اوپر بیان ہوا اور یہ مسئلہ بھی اختلافی نہیں ہے۔ اور اگر ان میں تجارت کی خاطر باہر چرایا جاتا ہے تو ان میں بلا اختلاف زکوٰۃ ہے کیونکہ وہ مالِ تجارت ہے۔ اور اگر انہیں نسل کشی کے لئے چرایا جاتا ہے تو اگر ملے جلے ہیں تو ابو حنیفہ رح کے قول کے مطابق ان میں زکوٰۃ واجب ہے اور ان کے مالک کو اختیار ہے خواہ ہر ایک کے طرف سے ایک دینار دیدے خواہ ان کی قیمت لگا کر ہر دو سو درہم میں سے پانچ درہم ادا کر دے۔ اور اگر یہ جانور صرف مؤنث ہوں یا صرف مذکر ہوں تو ان میں ابو حنیفہؒ سے دو روایتیں ہیں جنہیں طحاوی نے آثار میں روایت کیا ہے۔ اور ابو یوسف رح اور محمد بن الحسن کے نزدیک، اور اسی طرح شافعی رح کے نزدیک بھی ان میں کوئی زکوٰۃ نہیں۔ اور ان حضرات کا استدلال اس حدیث سے ہے جو اس وقت زیرِ شرح ہے۔ اور اسی مضمون کی ایک اور حدیث بھی ہے کہ مسلم بندے پر اس کے گھوڑے میں اور اس کے غلام میں کوئی زکوٰۃ نہیں۔ نیز ان کی دلیل یہ بھی ہے کہ چرنے والے گھوڑوں پر اگر زکوٰۃ ہوتی تو اونٹوں اور بھیڑ بکریوں کی مانند ان کا بھی مقررہ نصاب ہونا ضروری تھا اور یہ چونکہ نہیں ہے اس لئے ان میں کوئی زکوٰۃ نہیں، اور گدھوں کا بھی یہی حال ہے۔ اور ابو حنیفہ رح کی دلیل یہ ہے کہ جابرؓ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کی ہے کہ چرنے والے گھوڑے پر ایک دینار ہے اور گھر بندھے ہوئے پر کوئی زکوٰۃ نہیں۔ اور حضرت عمر بن الخطاب سے روایت ہے کہ انہوں نے ابو عبیدہؓ کو خط لکھا تھا کہ گھوڑوں کے مالکوں کو اختیار دو کہ ہر گھوڑے کی ایک دینار زکوٰۃ دیں یا ان کی قیمت لگا کر چاندی کے نصاب کی زکوٰۃ کے حساب سے وصول کرو۔ اور سائب رضؓ بن یزید سے مروی ہے کہ حضرت عمرؓ نے جب علاء حضرمی کو بحرین بھیجا تھا تو اسے حکم دیا تھا کہ ہر گھوڑے کی زکوٰۃ دو بکریاں یا دس درہم وصول کریں۔ جہاں تک معافی کا تعلق ہے وہ سواری کے گھوڑے اور خدمت کے غلام کے متعلق ہے جن کا صدقۂ فطر بھی مالک پر واجب ہوتا ہے۔

۱۵۷۵۔ حَدَّثَنَا مُوسَى بْنُ إِسْمٰعِيلَ نَا حَمَّادٌ أَنَا بَهْزُ بْنُ حَكِيمٍ ح وَ

حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الْعَلَاءِ أَنَا أَبُوْ أُسَامَةَ عَنْ بَهْزِ بْنِ حَكِيمٍ عَنْ أَبِيهِ عَنْ جَدِّهِ أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ فِي كُلِّ سَائِمَةِ إِبِلٍ فِي أَرْبَعِيْنَ بِنْتُ لَبُوْنٍ لَا يُفَرَّقُ إِبِلٌ عَنْ حِسَابِهَا مَنْ أَعْطَاهَا مُؤْتَجِرًا قَالَ ابْنُ الْعَلَاءِ مُؤْتَجِرًا بِهَا فَلَهُ أَجْرُهَا وَمَنْ مَنَعَهَا فَإِنَّا آخِذُوْهَا وَشَطْرَ مَالِهِ عَزْمَةٌ مِنْ عَزَمَاتِ رَبِّنَا عَزَّ وَجَلَّ لَيْسَ لِآلِ مُحَمَّدٍ مِنْهَا شَيْءٌ۔

۱۵۷۵ : بہز بن حکیم نے اپنے باپ سے اور اس نے بہز کے دادا (معاویہؓ بن حیدہ قشیری صحابی) سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: باہر چرنے والے اونٹوں میں ہر چالیس میں دو سالہ مؤنث ہے۔ اور اونٹوں کو ان کے حساب سے جدا نہ کیا جائے جو شخص اجر و ثواب حاصل کرنے کی خاطر ان میں عطا کرے تو اس کے لئے ان کا اجر ہے اور جو اسے روک دے تو ہم اس سے مواخذہ کریں گے اور اس کا نصف مال بھی اللہ کے حقوق میں سے ایک حق کے طور پر لے لیں گے۔ آلِ محمدؐ کے لئے ان میں کچھ نہیں ہے۔ (یہ حدیث نسائیؒ نے بھی روایت کی ہے)

(شرح) بقول منذری بہز بن حکیم کو بعض نے ثقہ کہا اور بعض نے اس میں کلام کیا ہے۔ خطابی نے کہا ہے کہ اکثر فقہاء کا مذہب یہ ہے کہ زکوٰۃ میں بددیانتی سے کوئی مالی تاوان واجب نہیں ہوتا اور یہی ثوری اور اصحاب رائے اور شافعیؒ کا مذہب ہے۔ اوزاعی نے کہا ہے کہ امام زکوٰۃ نہ دینے والے کا ڈیرہ جلا سکتا ہے اور یہی احمدؒ اور اسحاقؒ کا قول بھی ہے۔ نہایہ میں حربی کا قول درج ہے کہ راوی نے وَشَطْرَ مَالِهِ کی روایت میں غلطی کی ہے، اصل روایت یوں ہے: وَشُطِّرَ مَالُهُ، یعنی اس کے مال کے دو حصے کئے جائیں گے اور تحصیلدار زکوٰۃ روکنے کی سزا میں اس کے بہترین مال میں سے زکوٰۃ لے لیگا مگر اس سے زائد کچھ نہ لے گا۔ بعض کا یہ قول ہے کہ یہ سزا ابتدائے اسلام میں تھی پھر منسوخ ہو گئی تھی، بیہقی کا یہی قول ہے مگر نوویؒ نے اس کا رد کیا ہے اور کہا ہے کہ صحیح جواب وہی ہے جو ابراہیم حربی سے منقول ہے۔

۱۵۷۶ حَدَّثَنَا النُّفَيْلِيُّ نَا أَبُوْ مُعَاوِيَةَ عَنِ الْأَعْمَشِ عَنْ أَبِي وَائِلٍ عَنْ مُعَاذٍ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَمَّا وَجَّهَهُ إِلَى الْيَمَنِ أَمَرَهُ أَنْ يَأْخُذَ مِنَ الْبَقَرِ مِنْ كُلِّ ثَلَاثِيْنَ تَبِيْعًا أَوْ تَبِيْعَةً وَمِنْ كُلِّ أَرْبَعِيْنَ مُسِنَّةً وَمِنْ كُلِّ حَالِمٍ يَعْنِي مُحْتَلِمًا دِيْنَارًا أَوْ عِدْلَهُ مِنَ الْمَعَافِرِ ثِيَابٌ تَكُوْنُ بِالْيَمَنِ۔

۱۵۷۶ : معاذؓ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جب انہیں یمن کو بھیجا تو حکم دیا کہ گائے بھینس کی زکوٰۃ ہر تیس میں سے ایک یک سالہ مذکر یا مؤنث اور چالیس سے میں سے ایک دو سالہ اور ہر بالغ مرد و عورت سے (بطور جزیہ) ایک دینار وصول کرے یا اس کے بدلے معافری کپڑے جو یمن میں ہوتے تھے۔ (جو معافر نامی قبیلے کی طرف منسوب ہو کر معافری

کھلاتے تھے۔ ترمذی، نسائی اور ابن ماجہ نے بھی اسے روایت کیا۔ ترمذی نے اس کی مرفوع روایت کو حسن اور مرسل کو احسن کہا ہے۔)

۱۵۷۷۔ حَدَّثَنَا عُثْمَانُ ابْنُ اَبِیْ شَیْبَةَ وَالنُّفَیْلِیُّ وَابْنُ الْمُثَنّٰی قَالُوْا نَا اَبُوْمُعَاوِیَةَ نَا الْاَعْمَشُ عَنْ اِبْرَاهِیْمَ عَنْ مَسْرُوْقٍ عَنْ مُعَاذٍ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ مِثْلَهٗ۔

۱۵۷۷: یہی حدیث ایک دوسری سند سے ہے۔

۱۵۷۸۔ حَدَّثَنَا هَارُوْنُ بْنُ زَیْدِ بْنِ اَبِی الزَّرْقَاءِ نَا اَبِیْ عَنْ سُفْیَانَ عَنِ الْاَعْمَشِ عَنْ اَبِیْ وَائِلٍ عَنْ مَسْرُوْقٍ عَنْ مُعَاذِ بْنِ جَبَلٍ قَالَ بَعَثَهُ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اِلَی الْیَمَنِ فَذَکَرَ مِثْلَهٗ لَمْ یَذْکُرْ ثِیَابًا تَکُوْنُ بِالْیَمَنِ وَلَا ذَکَرَ یَعْنِیْ مُحْتَلِمًا قَالَ اَبُوْدَاؤُدَ رَوَاهُ جَرِیْرٌ وَ یَعْلٰی وَمَعْمَرٌ وَشُعْبَةُ وَاَبُوْ عَوَانَةَ وَیَحْیَی بْنُ سَعِیْدٍ عَنِ الْاَعْمَشِ عَنْ اَبِیْ وَائِلٍ عَنْ مَسْرُوْقٍ قَالَ یَعْلٰی وَمَعْمَرٌ عَنْ مُعَاذٍ مِثْلَهٗ۔

۱۵۷۸: یہی حدیث تیسری سند سے۔ معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے یمن کی طرف بھیجا۔ پس اسی طرح بیان کیا اور یمن میں ہونے والے کپڑوں کا ذکر کیا اور نہ یہ لفظ۔ یعنی بالغ۔ ابوداؤد نے کہا کہ اسے جریر، یعلیٰ، معمر، شعبہ، ابوعوانہ اور یحییٰ بن سعید نے عن الاعمش عن ابی وائل عن مسروق روایت کیا۔ یعلیٰ اور معمر نے۔ عن معاذ کا لفظ بولا۔ روایت اسی طرح ہے جیسے پہلے گذری (یعنی اعمش سے روایت کرنے والوں میں کچھ لفظی اختلاف ہے)

۱۵۷۹۔ حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ نَا اَبُوْعَوَانَةَ عَنْ هِلَالِ بْنِ خَبَّابٍ عَنْ مَیْسَرَةَ اَبِیْ صَالِحٍ عَنْ سُوَیْدِ بْنِ غَفَلَةَ قَالَ سِرْتُ اَوْقَالَ اَخْبَرَنِیْ مَنْ سَارَ مَعَ مُصَدِّقِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فَاِذَا فِیْ عَهْدِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اَنْ لَا تَاْخُذَ مِنْ رَاضِعِ لَبَنٍ وَلَا تَجْمَعُ بَیْنَ مُفْتَرِقٍ وَلَا تُفَرِّقُ بَیْنَ مُجْتَمِعٍ وَکَانَ اِنَّمَا

يَأْتِي الْمِيَاهَ حِينَ تَرِدُ الْغَنَمُ فَيَقُولُ أَدُّوا صَدَقَاتِ أَمْوَالِكُمْ قَالَ فَعَمَدَ رَجُلٌ مِنْهُمْ إِلَى نَاقَةٍ كَوْمَاءَ قَالَ قُلْتُ يَا أَبَا صَالِحٍ مَا الْكَوْمَاءُ قَالَ عَظِيمَةُ السَّنَامِ قَالَ فَأَبَى أَنْ يَقْبَلَهَا قَالَ إِنِّي أُحِبُّ أَنْ تَأْخُذَ خَيْرًا بَلَى قَالَ فَأَبَى أَنْ يَقْبَلَهَا قَالَ نَخَطَبَ لَهُ أُخْرَى دُونَهَا فَأَبَى أَنْ يَقْبَلَهَا ثُمَّ خَطَمَ لَهُ أُخْرَى دُونَهَا فَقَبِلَهَا وَقَالَ إِنِّي آخُذُهَا وَأَخَافُ أَنْ يَجِدَ عَلَيَّ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ لِي عَمَدْتَ إِلَى رَجُلٍ فَتَخَيَّرْتَ عَلَيْهِ إِبِلَهُ قَالَ أَبُو دَاوُدَ رَوَاهُ هُشَيْمٌ عَنْ هِلَالِ بْنِ خَبَّابٍ نَحْوَهُ إِلَّا أَنَّهُ قَالَ لَا يُفَرِّقُ۔

۱۵۷۹: سوید بن غفلہؓ نے کہا کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے تحصیل دار کے ساتھ گیا، یا یہ کہا کہ مجھے اس شخص نے بتایا کہ جو تحصیل دار کے ساتھ گیا تھا۔ میں نے دیکھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکمنامے میں یہ تھا: دودھ دینے والے جانور مت لینا اور جدا جدا جانوروں کو اکٹھا نہ کرنا اور اکٹھے جانوروں کو الگ نہ کرنا۔ اور وہ تحصیل دار پانی کے چشموں یا حوضوں پر جاتا تھا اور جب بھیڑ بکریاں آتیں تو کہتا کہ اپنے مالوں کی زکوٰۃ ادا کرو۔ سویدؓ نے کہا کہ ان میں سے ایک شخص نے ایک بڑی کوہان والی اونٹنی (ابو صالح نے کوماء کا یہی معنی بتایا) دینے کا ارادہ کیا تو تحصیل دار نے اسے قبول کرنے سے انکار کیا۔ اس شخص نے کہا کہ میں چاہتا ہوں تو میرے اونٹوں میں سے بہترین کو لے لے، راوی نے کہا کہ اس نے قبول کرنے سے انکار کیا۔ راوی نے کہا کہ مالک نے پھر ایک اور اونٹنی کو نکیل ڈالی جو پہلی سے کم تر تھی تو تحصیل دار نے اسے لینے سے بھی انکار کیا۔ پھر اس نے ایک اس سے بھی گھٹیا اونٹنی کو نکیل ڈالی تو اس نے اسے قبول کر لیا اور کہا: میں یہ لیتا ہوں اور مجھے ڈر ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مجھ سے ناراض ہوں اور فرمائیں تو نے اس شخص کا بہترین مال لے لیا ہے۔ ابو داؤد نے کہا کہ اس حدیث کو ہشیم نے ہلال بن خباب سے اسی طرح روایت کیا مگر اس نے یہ لفظ بولا: وہ تفریق نہ کرے (یعنی تحصیل دار) (منذری نے کہا ہے کہ ہلال بن خباب راوی پر بعض محدثین نے تنقید کی ہے یہ حدیث نسائی اور ابن ماجہ میں بھی ہے) اونٹ جب چرنے جاتے ہیں تو مہار کے بغیر ہوتے ہیں اور جب انہیں کسی کام میں لانا ہو تو پھر مہار ڈالی جاتی ہے۔

۱۵۸۰- حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الصَّبَّاحِ الْبَزَّازُ نَا شَرِيكٌ عَنْ عُثْمَانَ بْنِ أَبِي زُرْعَةَ عَنْ أَبِي لَيْلَى الْكِنْدِيِّ عَنْ سُوَيْدِ بْنِ غَفَلَةَ قَالَ أَتَانَا مُصَدِّقُ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَأَخَذْتُ بِيَدِهِ وَقَرَأْتُ فِي عَهْدِهِ لَا يُجْمَعُ بَيْنَ مُفْتَرِقٍ وَلَا يُفَرَّقُ بَيْنَ مُجْتَمِعٍ خَشْيَةَ الصَّدَقَةِ وَلَمْ يَذْكُرْ رَاضِعَ لَبَنٍ۔

۱۵۸۰: سوید بن غفلہ نے کہا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا تحصیل دار ہمارے پاس آیا، پس میں نے اس کا ہاتھ پکڑا اور اسکی دستاویز (عہد) کو پڑھا اس میں تھا: متفرق جانور جمع نہ کئے جائیں اور اکھٹے جانور جدا نہ کئے جائیں، زکوٰۃ کی کمی بیشی کے خوف سے۔ اور اس حدیث میں راوی نے: "اور دودھ دینے والا جانور" ذکر نہیں کیا (میں نے اس کا ہاتھ پکڑا یعنی اس کے ساتھ مصافحہ کیا)

۱۵۸۱۔ حَدَّثَنَا الْحَسَنُ بْنُ عَلِيٍّ نَا وَكِيعٌ عَنْ زَكَرِيَّا بْنِ إِسْحَاقَ الْمَكِّيِّ عَنْ عَمْرِو بْنِ أَبِي سُفْيَانَ الْجُمَحِيِّ عَنْ مُسْلِمِ بْنِ ثَفِنَةَ الْيَشْكُرِيِّ قَالَ الْحَسَنُ رَوْحٌ يَقُولُ مُسْلِمُ بْنُ شُعْبَةَ قَالَ اسْتَعْمَلَ نَافِعُ بْنُ عَلْقَمَةَ أَبِي عَلَى عِرَافَةِ قَوْمِهِ فَأَمَرَهُ أَنْ يُصَدِّقَهُمْ قَالَ فَبَعَثَنِي أَبِي فِي طَائِفَةٍ مِنْهُمْ فَأَتَيْتُ شَيْخًا كَبِيرًا يُقَالُ لَهُ سِعْرٌ فَقُلْتُ إِنَّ أَبِي بَعَثَنِي إِلَيْكَ يَعْنِي لِأُصَدِّقَكَ قَالَ ابْنَ أَخِي وَأَيَّ نَحْوٍ تَأْخُذُونَ قُلْتُ نَخْتَارُ حَتَّى إِنَّا نَتَبَيَّنُ ضُرُوعَ الْغَنَمِ قَالَ ابْنَ أَخِي فَإِنِّي أُحَدِّثُكَ إِنِّي كُنْتُ فِي شِعْبٍ مِنْ هَذِهِ الشِّعَابِ عَلَى عَهْدِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي غَنَمٍ لِي فَجَاءَنِي رَجُلَانِ عَلَى بَعِيرٍ فَقَالَا لِي إِنَّا رَسُولَا رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِلَيْكَ لِتُؤَدِّيَ صَدَقَةَ غَنَمِكَ فَقُلْتُ مَا عَلَيَّ فِيهَا فَقَالَا شَاةٌ فَعَمَدْتُ إِلَى شَاةٍ قَدْ عَرَفْتُ مَكَانَهَا مُمْتَلِئَةٍ مَحْضًا وَشَحْمًا فَأَخْرَجْتُهَا إِلَيْهِمَا فَقَالَا هَذِهِ شَاةُ الشَّافِعِ وَقَدْ نَهَانَا رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنْ نَأْخُذَ شَافِعًا قُلْتُ فَأَيَّ شَيْءٍ تَأْخُذَانِ قَالَا عَنَاقًا جَذَعَةً أَوْ ثَنِيَّةً قَالَ فَأَعْمِدُ إِلَى عَنَاقٍ مُعْتَاطٍ وَالْمُعْتَاطُ الَّتِي لَمْ تَلِدْ وَلَدًا وَقَدْ حَانَ وِلَادُهَا فَأَخْرَجْتُهَا إِلَيْهِمَا فَقَالَا نَاوِلْنَاهَا فَجَعَلَاهَا مَعَهُمَا عَلَى بَعِيرِهِمَا ثُمَّ انْطَلَقَا قَالَ أَبُو دَاوُدَ أَبُو عَاصِمٍ رَوَاهُ عَنْ زَكَرِيَّا قَالَ أَيْضًا مُسْلِمُ بْنُ شُعْبَةَ كَمَا قَالَ رَوْحٌ۔

۱۵۸۱: مسلم بن ثفنہ (یا بقول روح مسلم بن شعبہ) یشکری نے کہا کہ نافع بن علقمہ نے میرے باپ کو اس کی قوم کی

عرافت (نمبرداری) پر مقرر کیا اور اسے حکم دیا کہ وہ ان کے صدقات وصول کرے۔ مسلم نے کہا کہ میرے باپ نے مجھے ان کی ایک جماعت کی طرف بھیجا، پس میں ایک بوڑھے بزرگ کے پاس گیا جس کو سعر کہا جاتا تھا اور میں نے اس سے کہا کہ میرے باپ نے مجھے تیری طرف صدقہ وصول کرنے کو بھیجا ہے۔ اس نے کہا اے بھتیجے تم زکوٰۃ کو کس طرح وصول کرتے ہو؟ میں نے کہا کہ ہم اچھا مال چنتے ہیں حتیٰ کہ بھیڑ بکریوں کے تھنوں کا بھی اندازہ کرتے ہیں۔ اس نے کہا اے بھتیجے! میں تجھے ایک حدیث سناتا ہوں ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں ان گھاٹیوں میں سے ایک گھاٹی میں اپنے بھیڑ بکریوں کے ریوڑ میں تھا۔ پس میرے پاس ایک اونٹ پر دو آدمی آئے اور مجھ سے کہا ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بھیجے ہوئے قاصد تیرے پاس آئے ہیں تاکہ تو اپنی بھیڑ بکریوں کی زکوٰۃ ادا کرے۔ میں نے ان سے پوچھا کہ ان میں میرے ذمہ کیا آتا ہے؟ انہوں نے کہا کہ ایک بکری۔ پس میں نے ایک بکری کا ارادہ کیا جسے میں بکریوں میں سے بہتر جانتا تھا اور وہ چربی اور دودھ سے پُر تھی اور اسے نکال کر ان کے سامنے پیش کیا۔ انہوں نے کہا کہ یہ بچہ والی بکری ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں بچے دار بکری لینے سے منع فرمایا ہے۔ میں نے کہا کہ پھر تم کیسا لوگے؟ انہوں نے کہا، چھوٹی بکری ایک سالہ یا دو سالہ۔ اس نے کہا کہ میں ایک حاملہ بکری کی طرف بڑھا جس نے ابھی بچہ نہیں جنا تھا مگر اس کے بچہ جننے کا وقت قریب آگیا تھا، پس میں نے اسے ان کی طرف نکالا۔ پس انہوں نے کہا کہ یہ ہمیں پکڑا دو۔ پس اسے انہوں نے اپنے اونٹ پر رکھا اور چلے گئے۔ ابو داؤد نے کہا کہ ابو عاصم نے زکریا سے یہ روایت کی ہے اور اس میں اس نے روح کی طرح مسلم بن شعبہ کہا ہے۔ (یہ حدیث نسائی نے بھی روایت کی ہے) سعرؓ کو بعض نے صحابی کہا ہے، اور بعض کے نزدیک اس نے حضورؐ کو نہیں دیکھا)

۱۵۸۲۔ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ يُونُسَ النَّسَائِيُّ نَا رَوْحٌ حَدَّثَنَا زَكَرِيَّا بْنُ إِسْحٰقَ بِإِسْنَادِهِ بِهٰذَا الْحَدِيثِ قَالَ مُسْلِمُ بْنُ شُعْبَةَ قَالَ فِيهِ وَالشَّافِعُ الَّتِي فِي بَطْنِهَا الْوَلَدُ قَالَ أَبُو دَاوُدَ وَقَرَأْتُ فِي كِتَابِ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ سَالِمٍ بِحِمْصَ عِنْدَ آلِ عَمْرِو بْنِ الْحَارِثِ الْحِمْصِيِّ عَنِ الزُّبَيْدِيِّ قَالَ وَأَخْبَرَنِي يَحْيَى بْنُ جَابِرٍ عَنْ جُبَيْرِ بْنِ نُفَيْرٍ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ مُعٰوِيَةَ الْغَاضِرِيِّ مِنْ غَاضِرَةِ قَيْسٍ قَالَ قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ثَلَاثٌ مَنْ فَعَلَهُنَّ فَقَدْ طَعِمَ طَعْمَ الْإِيمَانِ مَنْ عَبَدَ اللّٰهَ وَحْدَهُ وَأَنَّهُ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَأَعْطٰى زَكٰوةَ مَالِهِ طَيِّبَةً بِهَا نَفْسُهُ رَافِدَةً عَلَيْهِ كُلَّ عَامٍ وَلَا يُعْطِي الْهَرِمَةَ وَلَا الدَّرِنَةَ وَلَا الْمَرِيضَةَ وَلَا الشَّرَطَ اللَّئِيمَةَ وَلٰكِنْ مِنْ وَسَطِ أَمْوَالِكُمْ فَإِنَّ اللّٰهَ لَمْ يَسْأَلْكُمْ خَيْرَهُ وَلَا يَأْمُرْكُمْ بِشَرِّهِ۔

۱۵۸۲: روح نے زکریا بن اسحاق سے اپنی سند کے ساتھ اس حدیث کو روایت کیا اور مسلم بن شعبہ کا لفظ بولا اور کہا کہ شافع وہ ہے جس کے پیٹ میں بچہ ہو۔ ابوداؤد نے کہا کہ میں نے حمص کے مقام پر عبداللہ بن سالم کی کتاب میں پڑھا یہ کتاب عمرو بن حارث حمصی کے خاندان میں تھا اور اس میں یہ حدیث لکھی تھی کہ عبداللہ بن معاویہ غاضری (قیس کی شاخ غاضرہ میں تھا) نے کہا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، جس نے تین کام کئے اس نے ایمان کا مزہ چکھ لیا: جس نے اکیلے اللہ کی عبادت کی اور یہ جانا کہ اس کے سوا کوئی الٰہ نہیں، اور دل کی خوشی سے اپنے مال کی زکوٰۃ دی، ہر سال اس کا جی ادائیگی میں اس کی مدد کرتا رہا اور بہت بوڑھی بکری وغیرہ نہ دے اور نہ خارش والی اور نہ بیمار اور نہ رذیل قسم کی چھوٹی بکری، بلکہ تمہارے اوسط درجے کے مالوں میں سے کیونکہ اللہ نے تم سے بہترین مال طلب نہیں کیا اور نہ گھٹیا مال کا حکم دیا ہے (منذری نے کہا کہ ابوداؤد نے یہ حدیث منقطع روایت کی ہے مگر بغوی اور طبرانی نے اسے مسنداً روایت کیا ہے)

۱۵۸۳ - حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ مَنْصُورٍ نَا يَعْقُوبُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ نَا أَبِي عَنِ ابْنِ إِسْحَقَ حَدَّثَنِي عَبْدُ اللهِ بْنُ أَبِي بَكْرٍ عَنْ يَحْيَى بْنِ عَبْدِ اللهِ ابْنِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ سَعْدِ بْنِ زُرَارَةَ عَنْ عُمَارَةَ بْنِ عَمْرِو بْنِ حَزْمٍ عَنْ أُبَيِّ بْنِ كَعْبٍ قَالَ بَعَثَنِي رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مُصَدِّقًا فَمَرَرْتُ بِرَجُلٍ فَلَمَّا جَمَعَ لِي مَالَهُ لَمْ أَجِدْ عَلَيْهِ فِيهِ إِلَّا ابْنَةَ مَخَاضٍ فَقُلْتُ لَهُ أَدِّ ابْنَةَ مَخَاضٍ فَإِنَّهَا صَدَقَتُكَ فَقَالَ ذَاكَ مَا لَا لَبَنَ فِيهِ وَلَا ظَهْرَ وَلٰكِنْ هٰذِهِ نَاقَةٌ فَتِيَّةٌ عَظِيمَةٌ سَمِينَةٌ فَخُذْهَا فَقُلْتُ لَهُ مَا أَنَا بِآخِذٍ مَا لَمْ أُومَرْ بِهِ وَهٰذَا رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْكَ قَرِيبٌ فَإِنْ أَحْبَبْتَ أَنْ تَأْتِيَهُ فَتَعْرِضَ عَلَيْهِ مَا عَرَضْتَ عَلَيَّ فَافْعَلْ فَإِنْ قَبِلَهُ مِنْكَ قَبِلْتُهُ فَإِنْ رَدَّهُ عَلَيْكَ رَدَدْتُهُ قَالَ فَإِنِّي فَاعِلٌ فَخَرَجَ مَعِي وَخَرَجَ بِالنَّاقَةِ الَّتِي عَرَضَ عَلَيَّ حَتّٰى قَدِمْنَا عَلٰى رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ لَهُ يَا نَبِيَّ اللهِ أَتَانِي رَسُولُكَ لِيَأْخُذَ مِنِّي صَدَقَةَ مَالِي وَايْمُ اللهِ مَا قَامَ فِي مَالِي رَسُولُ اللهِ وَلَا رَسُولُهُ قَطُّ قَبْلَهُ فَجَمَعْتُ لَهُ مَالِي فَزَعَمَ أَنَّ مَا عَلَيَّ فِيهِ ابْنَةُ مَخَاضٍ وَذٰلِكَ مَا لَا لَبَنَ فِيهِ وَلَا ظَهْرَ وَقَدْ عَرَضْتُ عَلَيْهِ نَاقَةً عَظِيمَةً فَتِيَّةً

لِيَأْخُذَهَا فَأَبَى عَلَيَّ وَهَا هِيَ ذِهْ قَدْ جِئْتُكَ بِهَا يَا رَسُولَ اللهِ خُذْهَا فَقَالَ لَهُ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ذَاكَ الَّذِي عَلَيْكَ فَإِنْ تَطَوَّعْتَ بِخَيْرٍ آجَرَكَ اللهُ فِيهِ وَقَبِلْنَاهُ مِنْكَ فَقَالَ فَهَا هِيَ ذِهْ يَا رَسُولَ اللهِ قَدْ جِئْتُكَ بِهَا فَخُذْهَا قَالَ فَأَمَرَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِقَبْضِهَا وَدَعَا لَهُ فِي مَالِهِ بِالْبَرَكَةِ۔

۱۵۸۳: ابی بن کعبؓ نے کہا کہ مجھے رسول اللہ علیہ وسلم نے صدقہ کا تحصیل دار بنا کر بھیجا۔ پس میں ایک آدمی پر گزرا، پس جب اس نے اپنا مال میری خاطر جمع کیا تو میں نے دیکھا کہ اس میں اس کے ذمہ صرف ایک سالہ اونٹنی آتی ہے۔ پس میں نے اس سے کہا کہ ایک یک سالہ اونٹنی دے دو کیونکہ یہی تیری زکوٰۃ ہے۔ اس نے کہا کہ اس میں تو نہ دودھ ہوتا ہے اور نہ سواری کے قابل ہوتی ہے، لیکن یہ جوان موٹی تازی بڑی اونٹنی ہے اسے لے لو۔ میں نے کہا کہ میں وہ نہ لوں گا جس کا مجھے حکم نہیں ملا۔ اور یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تجھ سے قریب ہی ہیں، اگر تو چاہے کہ آپ کے پاس حاضر ہو اور جو کچھ تو نے مجھے پیش کیا ہے آپ کو پیش کرے تو ایسا کرے، اگر آپ تجھ سے قبول فرمالیں تو میں بھی قبول کر لوں گا اور اگر حضور رد فرمادیں تو میں بھی رد کر دوں گا۔ اس نے کہا کہ میں یہی کرتا ہوں۔ پس وہ میرے ساتھ گیا اور جو اونٹنی پیش کی تھی وہ بھی ساتھ لیتا گیا۔ حتیٰ کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس گئے۔ اس شخص نے کہا اے اللہ کے رسول میرے پاس آپ کا قاصد آیا تاکہ مجھ سے میرے مال کا صدقہ وصول کرے، اور اللہ کی قسم اس سے پہلے میرے مال میں کبھی پہلے نہ تو اللہ کا رسول کھڑا ہوا تھا نہ اس کا قاصد، پس میں نے اپنا مال اس کے سامنے جمع کیا، اس نے کہا کہ میرے ذمہ اس میں سے فقط ایک یک سالہ بچی ہے، اور وہ تو ایسی چیز ہے جس میں نہ دودھ ہے اور نہ سواری کے قابل ہے، اور میں نے اس کے سامنے ایک بڑی جوان اونٹنی پیش کی تاکہ وہ اسے لے لے مگر اس نے انکار کیا اور وہ اونٹنی یہ ہے، یا رسول اللہ میں اسے آپ کے پاس لایا ہوں آپ اسے قبول فرمالیں۔ حضورؐ نے فرمایا کہ تیرے ذمہ تو وہی یک سالہ ہے اور اگر تو خوشی سے نیکی کرتا ہے تو اللہ اس میں تجھے اجر دے گا اور ہم اس کو تجھ سے قبول کرتے ہیں۔ اس نے کہا تو یا رسول اللہ وہ یہ ہے میں اسے آپ کے پاس لے آیا ہوں آپ اسے لے لیں۔ اُبیؓ نے کہا کہ اس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس پر قبضہ کرنے کا حکم دیا اور اس کے مال میں برکت کی دعا فرمائی (منذری نے کہا ہے کہ اس حدیث کی سند میں محمد بن اسحاق ہے جس کے متعلق ائمہ حدیث میں اختلاف ہے۔ اور میں گزارش کرتا ہوں کہ دوسری احادیث اور دلائل کتاب وسنت کی رو سے دل کی خوشی سے رضا کارانہ طور پر اگر کوئی زیادہ دیتا ہو تو اسے قبول کیا جا سکتا ہے)

۱۵۸۴ـ حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ حَنْبَلٍ نَا وَكِيعٌ نَا زَكَرِيَّا بْنُ إِسْحَقَ الْمَكِّيُّ عَنْ يَحْيَى بْنِ عَبْدِ اللهِ بْنِ صَيْفِيٍّ عَنْ أَبِي مَعْبَدٍ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَعَثَ مُعَاذًا إِلَى الْيَمَنِ فَقَالَ إِنَّكَ تَأْتِي قَوْمًا أَهْلَ الْكِتٰبِ

فَادْعُهُمْ إِلَى شَهَادَةِ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللهُ وَأَنِّي رَسُولُ اللهِ فَإِنْ هُمْ أَطَاعُوكَ لِذَلِكَ فَأَعْلِمْهُمْ أَنَّ اللهَ افْتَرَضَ خَمْسَ صَلَوَاتٍ فِي كُلِّ يَوْمٍ وَلَيْلَةٍ فَإِنْ هُمْ أَطَاعُوكَ لِذَلِكَ فَأَعْلِمْهُمْ أَنَّ اللهَ افْتَرَضَ عَلَيْهِمْ صَدَقَةً فِي أَمْوَالِهِمْ تُؤْخَذُ مِنْ أَغْنِيَائِهِمْ وَتُرَدُّ فِي فُقَرَائِهِمْ فَإِنْ هُمْ أَطَاعُوكَ لِذَلِكَ فَإِيَّاكَ وَكَرَائِمَ أَمْوَالِهِمْ وَاتَّقِ دَعْوَةَ الْمَظْلُومِ فَإِنَّهَا لَيْسَ بَيْنَهَا وَبَيْنَ اللهِ حِجَابٌ۔

۱۵۸۴: ابن عباس رضؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے معاذ رضؓ کو یمن کی طرف روانہ کیا تو فرمایا کہ تو اُن لوگوں کے پاس جا رہا ہے جو اہل کتاب ہیں (یمن کے اکثر لوگ عیسائی، کچھ یہودی اور بعض مشرک بھی تھے) پس تو انہیں اس بات کی دعوت دینا کہ وہ اللہ کے ایک ہونے کی گواہی دیں جس کے سوا کوئی معبود نہیں اور یہ کہ وہ میری رسالت کی گواہی دیں صلی اللہ علیہ وسلم۔ پس اگر وہ تیری یہ بات مان لیں تو انہیں بتا ناکہ اللہ تعالےٰ نے دن رات میں ان پر پانچ نمازیں فرض کی ہیں۔ پھر اگر وہ تیری یہ بات بھی مان لیں تو اُنہیں یہ بتانا کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے مالوں میں زکوٰۃ فرض کی ہے جو ان کے مالداروں سے لے کر حاجت مندوں کو لوٹا دی جائے گی۔ پس اگر وہ تیری یہ بات بھی مان لیں تو خبردار ان کے بہترین اموال سے بچ کر رہنا اور مظلوم کی دعا سے ڈرنا کیونکہ اس کے اور اللہ کے درمیان کوئی حجاب نہیں ہے (بخاری، مسلم، ترمذی، نسائی اور ابن ماجہ نے بھی یہ حدیث روایت کی ہے)

(شرح) حضرت معاذ رضؓ کو جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سنہ ھ میں حجۃ الوداع سے قبل روانہ فرمایا تھا۔ وہ برابر وہیں رہے حتیٰ کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت میں واپس ہوئے اور شام چلے گئے جہاں ان کی وفات ہوئی۔ معالم السنن میں خطابی نے کہا ہے کہ اس حدیث سے پتہ چلا کہ کفار جب تک توحید و رسالت کا اقرار کر کے مسلمان نہ ہو جائیں احکام اسلام کے مخاطب نہیں ہیں، اور یہ کہ مسلمانوں کی زکوٰۃ صرف انہی کے حاجت مندوں پر صرف ہو سکتی ہے کفار پر نہیں۔ یہ مسئلہ اجماعی ہے۔ اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ شدید حاجت کے بغیر ایک علاقے کی زکوٰۃ دوسری جگہ نہیں لے جائی جا سکتی۔ اس حدیث سے یہ دلیل بھی نکلتی ہے کہ جس شخص کے پاس نصاب زکوٰۃ ہو مگر اس پر اتنا قرض ہو کہ اس کی ادائیگی کے بعد نصاب نہ بچے تو اس پر زکوٰۃ فرض نہیں رہتی۔ کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کی دو قسمیں کی ہیں، ایک زکوٰۃ لینے والے اور دوسرے دینے والے۔ اور جو دینے والا نہیں وہ دوسری قسم میں داخل ہے پس اس پر زکوٰۃ فرض نہیں۔

۱۵۸۵ حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ نَا اللَّيْثُ عَنْ يَزِيدَ ابْنِ أَبِي حَبِيبٍ عَنْ سَعْدِ بْنِ سِنَانٍ عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ الْمُعْتَدِي فِي الصَّدَقَةِ كَمَانِعِهَا۔

۱۵۸۵: انس بن مالک سے روایت ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا زکوٰۃ لینے میں زیادتی کرنے والا اس نہ دینے والے کی مانند ہے (یہ حدیث ترمذی اور ابن ماجہ میں بھی ہے)

(شرح) اس حدیث کے راوی سعد بن سنان کے نام میں اختلاف ہے۔ بخاری نے کہا ہے کہ صحیح سنان بن سعد ہے اور وہ ثقہ راوی ہے۔ زکوٰۃ میں زیادتی کرنے والے سے مراد تحصیل دار بھی ہوسکتا ہے جبکہ وہ وصولی میں ظلم و شقوت کی راہ اختیار کرے، اور خود مالک بھی ہوسکتا ہے جبکہ فریب دے یا سب کچھ دے ڈالے اور اہل وعیال کے لئے کچھ نہ رکھے (مگر صدیق اکبرؓ اس سے بدلائل شرع مستثنیٰ ہیں) اور وہ شخص بھی زیادتی کرنے والا ہے، جو دے کر احسان جتائے اور دکھ پہنچائے۔ غرض لینے اور دینے میں کسی بھی قسم کا تجاوز کرنے والا اس سے مراد ہوسکتا ہے۔

بَابُ رِضَا الْمُتَصَدِّقِ

تحصیلدار کی رضا کا باب

۱۵۸۶ - حَدَّثَنَا مَهْدِيُّ بْنُ حَفْصٍ وَمُحَمَّدُ بْنُ عُبَيْدٍ الْمَعْنَى قَالَا نَا حَمَّادٌ عَنْ أَيُّوبَ عَنْ رَجُلٍ يُقَالُ لَهُ دَيْسَمٌ وَقَالَ ابْنُ عُبَيْدٍ مِنْ بَنِي سَدُوسٍ عَنْ بَشِيرِ بْنِ الْخَصَاصِيَةِ قَالَ ابْنُ عُبَيْدٍ فِي حَدِيثِهِ وَمَا كَانَ اسْمُهُ بَشِيرًا وَلَكِنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سَمَّاهُ بَشِيرًا قَالَ قُلْنَا إِنَّ أَهْلَ الصَّدَقَةِ يَعْتَدُونَ عَلَيْنَا أَفَنَكْتُمُ مِنْ أَمْوَالِنَا بِقَدْرِ مَا يَعْتَدُونَ عَلَيْنَا فَقَالَ لَا۔

۱۵۸۶: بشیر بن الخصاصیہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، ابن عبید راوی نے کہا کہ اس کا نام بشیر نہ تھا بلکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کا یہ نام رکھا تھا، دیسم راوی حدیث نے کہا کہ ہم نے بشیر رضی اللہ عنہ سے کہا کہ صدقہ کے تحصیل دار ہم پر زیادتی کرتے ہیں تو کیا جتنی وہ ہم پر زیادتی کرتے ہیں اس قدر ہم اپنے مال چھپا لیا کریں؟ اس نے کہا کہ نہیں۔

(شرح) یہ صحابی کا قول ہے اور اس سے قبل حدیث ۱۵۶۷ میں گزر چکا ہے کہ اگر کسی سے زائد طلب کیا جائے تو نہ دے۔ اور یہ مضمون اور مرفوع احادیث سے بھی ثابت ہے۔ پس نتیجہ یہ ہوا کہ اگر فتنے میں پڑنے کا یا بغاوت کا الزام عائد ہونے کا خوف ہو تو اس ظلم کو برداشت کیا جائے لیکن اگر ممکن ہو تو اس سے گلوخلاصی کرائی جائے اور خود زکوٰۃ ادا کی جائے۔ یہ بھی ہوسکتا ہے کہ بعض دفعہ اموال کے مالک جس چیز کو ظلم سمجھیں وہ ظلم نہ ہو محض ان کی بناوٹ ہو یا گمان ہو لہٰذا عام حالات میں صدقہ و زکوٰۃ کی ادائگی انہی کو بہتر ہے۔

۱۵۸۷ - حَدَّثَنَا الْحَسَنُ بْنُ عَلِيٍّ وَيَحْيَى بْنُ مُوسَى قَالَ نَا عَبْدُ الرَّزَّاقِ

عَنْ مَعْمَرٍ عَنْ أَيُّوبَ بِإِسْنَادِهِ وَمَعْنَاهُ إِلَّا أَنَّهُ قَالَ قُلْنَا يَا رَسُولَ اللهِ إِنَّ أَصْحَابَ الصَّدَقَةِ يَعْتَدُونَ قَالَ أَبُو دَاوُدَ رَفَعَهُ عَبْدُ الرَّزَّاقِ عَنْ مَعْمَرٍ۔

۱۵۸۷: معمر نے ایوب سے اسی سند اور معنی کی حدیث روایت کی، مگر اس میں یہ ہے کہ بشیرؓ نے کہا: ہم نے کہا کہ یا رسول اللہ صدقہ وصول کرنے والے ہم پر زیادتی کرتے ہیں۔ ابو داؤد نے کہا یہ حدیث عبدالرزاق نے معمر سے مرفوع روایت کی ہے۔

(شرح) یہ وہی اوپر والی حدیث ہے جو وہاں موقوف تھی اور یہاں مرفوع ہے۔ مولاناؒ نے فرمایا کہ یوں معلوم ہوتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے معلوم کر لیا تھا کہ حق وصول کرنے کو لوگ ظلم کہتے ہیں (اہل حکومت کی جائز و ناجائز شکایت تو عوام میں ہوتی ہی ہے) کیونکہ ان میں مال کی محبت ہوتی ہے۔ ورنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عاملوں اور تحصیل داروں کی طرف سے ظلم نہ ہوتا تھا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان لوگوں کو مال چھپانے کی اجازت نہ دی تھی ورنہ اگر یہ رسم پڑ جاتی تو ظاہر ہے کہ نتائج کیا ہوتے۔ اس اجازت کو ہر شخص ایک بہانہ بنا لیتا اور بیت المال کا نظام درہم برہم ہو جاتا ہے۔

۱۵۸۸ حَدَّثَنَا عَبَّاسُ بْنُ عَبْدِ الْعَظِيمِ وَمُحَمَّدُ بْنُ الْمُثَنَّى قَالَا نَا بِشْرُ بْنُ عُمَرَ عَنْ أَبِي الْغُصْنِ عَنْ صَخْرِ بْنِ إِسْحٰقَ عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ ابْنِ جَابِرِ بْنِ عَتِيكٍ عَنْ أَبِيهِ أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ سَيَأْتِيكُمْ رُكَيْبٌ مُبْغَضُونَ فَإِذَا جَاءُوكُمْ فَرَحِّبُوا بِهِمْ وَخَلُّوا بَيْنَهُمْ وَبَيْنَ مَا يَبْتَغُونَ فَإِنْ عَدَلُوا فَلِأَنْفُسِهِمْ وَإِنْ ظَلَمُوا فَعَلَيْهَا وَأَرْضُوهُمْ فَإِنَّ تَمَامَ زَكٰوتِكُمْ رِضَاهُمْ وَلْيَدْعُوا لَكُمْ قَالَ أَبُو دَاوُدَ أَبُو الْغُصْنِ هُوَ ثَابِتُ بْنُ قَيْسِ بْنِ غُصْنٍ۔

۱۵۸۸: جابر بن عتیکؓ نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: عنقریب تمہارے پاس کچھ ناپسند شتر سوار آئیں گے پس جب وہ آئیں تو انہیں خوش آمدید کہنا اور وہ جو کچھ لینا چاہیں لینے دینا، پس اگر وہ عدل کریں تو اپنے لئے کریں گے اور اگر ظلم کریں تو اس کا وبال انہی پر ہوگا۔ اور انہیں خوش کرنا کیونکہ ان کی رضا تمہاری زکوٰۃ کا تتمہ ہوگی اور انہیں تمہارے لئے دعا کرنی چاہیئے۔ ابو داؤد نے کہا کہ راوی ابوالغصن کا نام ثابت بن قیس بن غصن ہے۔

(شرح) مُبْغَضُونَ کا معنی ہے جن سے لوگ بغض رکھیں۔ لوگ چونکہ حب مال کے باعث تحصیل داروں کو برا جانتے ہیں اس لئے یہ فرمایا۔ حکومت کے عہدہ داروں کا مقابلہ چونکہ بغاوت سمجھا جاتا ہے خواہ وہ واقعی ظالم

ہوں اس لئے یہ فرمایا ورنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے تحصیل دار تربیت یافتہ ہوتے تھے اور ان سے حیف اور ظلم کی امید نہ تھی۔ انہیں راضی کرنے کا مطلب یہ نہیں ہے کہ خدانخواستہ انہیں رشوت دی جائے، بلکہ یہ کہ حق واجب کو ادا کیا جائے۔ اور تحصیل داروں کو جو زکوٰۃ دینے والوں کے لئے دعاء کا حکم دیا ہے اس کی بنیاد دراصل قرآن کی وہ آیت ہے جس میں حضورؐ کو اسلام کی مالی خدمت کرنے والوں کے لئے دعاء کا حکم دیا گیا: وَصَلِّ عَلَيْهِمْ إِنَّ صَلَاتَكَ سَكَنٌ لَّهُمْ۔ اختلاف دُعا میں نہیں بلکہ لفظ صلوٰۃ کے استعمال میں ہے کہ آیا حضورؐ کے علاوہ بھی کوئی یہ لفظ غیر نبی کے لئے بول سکتا ہے یا نہیں؟

۱۵۸۹۔ حَدَّثَنَا اَبُوْ كَامِلٍ نَا عَبْدُ الْوَاحِدِ بْنُ زِيَادٍ ح وَنَا عُثْمٰنُ بْنُ اَبِيْ شَيْبَةَ نَا عَبْدُ الرَّحِيْمِ بْنُ سُلَيْمَانَ وَهٰذَا حَدِيْثُ اَبِيْ كَامِلٍ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ اَبِيْ اِسْمٰعِيْلَ نَا عَبْدُ الرَّحْمٰنِ بْنُ هِلَالٍ الْعَبْسِيُّ عَنْ جَرِيْرِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ قَالَ جَاءَ نَاسٌ يَعْنِيْ مِنَ الْاَعْرَابِ اِلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالُوْا اِنَّ نَاسًا مِّنَ الْمُصَدِّقِيْنَ يَاْتُوْنَا فَيَظْلِمُوْنَا قَالَ فَقَالَ اَرْضُوْا مُصَدِّقِيْكُمْ قَالُوْا يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ وَاِنْ ظَلَمُوْا قَالَ اَرْضُوْا مُصَدِّقِيْكُمْ زَادَ عُثْمَانُ وَاِنْ ظُلِمْتُمْ قَالَ اَبُوْ كَامِلٍ فِيْ حَدِيْثِهٖ قَالَ جَرِيْرٌ مَا صَدَرَ عَنِّيْ مُصَدِّقٌ بَعْدَ مَا سَمِعْتُ هٰذَا مِنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِلَّا وَهُوَ عَنِّيْ رَاضٍ۔

۱۵۸۹: جریر بن عبداللہؓ سے روایت ہے کہ صحرائی لوگوں میں سے کچھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے اور کہا کہ زکوٰۃ کے بعض تحصیل دار ہمارے پاس آتے ہیں تو ہم پر زیادتی کرتے ہیں۔ جریرؓ نے کہا کہ اس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اپنے صدقہ اُگاہنے والوں کو راضی کرو۔ انہوں نے کہا یا رسول اللہ اگرچہ وہ ہم پر ظلم کریں؟ حضورؐ نے فرمایا کہ اپنے تحصیل داروں کو راضی کرو۔ عثمانؓ نے یہ اضافہ کیا کہ: اگرچہ تم پر زیادتی ہو۔ اور ابو کامل نے اپنی حدیث میں کہا کہ جب سے میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سُنا ہے۔ ہر تحصیل دار مجھ سے راضی ہو کر گیا ہے (مسلم اور نسائی نے بھی اس حدیث کو روایت کیا ہے)

الجزء العاشر

باب دُعاءِ المصدِّقِ لأهلِ الصَّدقة

(تحصیلدار کی زکوٰۃ دینے والوں کے لئے دعا کا باب)

۱۵۹۰- حَدَّثَنَا حَفْصُ بْنُ عُمَرَ النَّمَرِيُّ وَأَبُو الْوَلِيدِ الطَّيَالِسِيُّ الْمَعْنَى قَالَا نَا شُعْبَةُ عَنْ عَمْرِو بْنِ مُرَّةَ عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ أَبِي أَوْفَى قَالَ كَانَ أَبِي مِنْ أَصْحَابِ الشَّجَرَةِ وَكَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا أَتَاهُ قَوْمٌ بِصَدَقَتِهِمْ قَالَ اللَّهُمَّ صَلِّ عَلَى آلِ فُلَانٍ قَالَ فَأَتَاهُ أَبِي بِصَدَقَتِهِ فَقَالَ اللَّهُمَّ صَلِّ عَلَى آلِ أَبِي أَوْفَى.

۱۵۹۰: عبداللہ بن ابی اوفیٰ نے کہا کہ میرا باپ درخت کے نیچے بیعت کرنے والوں میں سے تھا، اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا طریقہ یہ تھا کہ جب کوئی قوم اپنا صدقہ لے کر آتی تو فرمایا کرتے تھے: اے اللہ فلاں کے گھرانے پر رحمت بھیج، پس میرا باپ بھی اپنا صدقہ لے کر آیا تو حضورؐ نے فرمایا: اے اللہ ابو اوفیٰ کے گھرانے پر رحمت بھیج (بخاری، مسلم، نسائی اور ابن ماجہ نے بھی اس کی روایت کی ہے)

(شرح) اصحاب شجرہ سے مراد وہ لوگ ہیں جنہوں نے حدیبیہ کے مقام پر ۶ھ میں صلح سے قبل حضورؐ کے دست مبارک پر ایک درخت کے نیچے بیعت کی تھی۔ ابو اوفیٰ کا نام علقمہ بن خالد بن حارث اسلمی تھا۔ یہ کوفہ میں سب صحابہ کے بعد فوت ہوئے تھے۔ جنگ خندق میں شامل تھے۔ بقول محدث علی القاری، ابن الملک نے کہا ہے کہ صلوٰۃ بمعنی دعا و تبرک پیغمبرؐ کے علاوہ دوسروں کے لئے بھی جائز کہی گئی ہے۔ مگر از راہ تعظیم و تکریم یہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کا خاصہ ہے۔ یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم دوسروں کے لئے صَلِّ کے لفظ سے دعا فرما سکتے تھے کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔ وَصَلِّ عَلَيْهِمْ إِنَّ صَلَاتَكَ سَكَنٌ لَّهُمْ۔ اسی طرح دوسرے بھی یہ لفظ صرف حضورؐ کے لئے استعمال کر سکتے ہیں۔ صَلُّوا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوا تَسْلِيمًا۔

باب تفسیرِ اسنانِ الابلِ

(اونٹ کی عمروں کی تفسیر کا باب)

قَالَ أَبُو دَاوُد سَمِعْتُهُ مِنَ الرِّيَاشِيِّ وَأَبِي حَاتِمٍ وَغَيْرِهِمَا وَمِنْ كِتَابِ النَّضْرِ بْنِ شُمَيْلٍ وَمِنْ كِتَابِ أَبِي عُبَيْدٍ وَرُبَّمَا ذَكَرَ أَحَدُهُمُ الْكَلِمَةَ قَالُوا يُسَمَّى الْحُوَارُ ثُمَّ الْفَصِيلُ إِذَا فَصَلَ ثُمَّ تَكُونُ بِنْتَ مَخَاضٍ لِسَنَةٍ إِلَى تَمَامِ سَنَتَيْنِ وَإِذَا دَخَلَتْ فِي الثَّالِثَةِ فَهِيَ ابْنَةُ لَبُونٍ فَإِذَا تَمَّتْ لَهُ ثَلَاثُ سِنِينَ فَهُوَ حِقٌّ وَحِقَّةٌ إِلَى تَمَامِ أَرْبَعِ سِنِينَ لِأَنَّهَا اسْتُحِقَّتْ أَنْ تُرْكَبَ وَيُحْمَلَ عَلَيْهَا الْفَحْلُ وَهِيَ تَلْقَحُ وَلَا يُلْقِحُ الذَّكَرُ حَتَّى يُثَنِّيَ وَيُقَالُ لِلْحِقَّةِ طَرُوقَةُ الْفَحْلِ لِأَنَّ الْفَحْلَ يَطْرُقُهَا إِلَى تَمَامِ أَرْبَعِ سِنِينَ فَإِذَا طَعَنَتْ فِي الْخَامِسَةِ فَهِيَ جَذَعَةٌ حَتَّى يَتِمَّ لَهَا خَمْسُ سِنِينَ فَإِذَا دَخَلَتْ فِي السَّادِسَةِ وَأَلْقَى ثَنِيَّتَهُ فَهُوَ حِينَئِذٍ ثَنِيٌّ حَتَّى يَسْتَكْمِلَ سِتًّا فَإِذَا طَعَنَ فِي السَّابِعَةِ سُمِّيَ الذَّكَرُ رَبَاعِيًا وَالْأُنْثَى رَبَاعِيَةً إِلَى تَمَامِ السَّابِعَةِ فَإِذَا دَخَلَ فِي الثَّامِنَةِ وَأَلْقَى السِّنَّ السَّدِيسَ الَّذِي بَعْدَ الرَّبَاعِيَةِ فَهُوَ سَدِيسٌ وَسَدَسٌ إِلَى تَمَامِ الثَّامِنَةِ فَإِذَا دَخَلَ فِي التِّسْعِ طَلَعَ نَابُهُ فَهُوَ بَازِلٌ أَيْ بَزَلَ نَابُهُ يَعْنِي طَلَعَ حَتَّى يَدْخُلَ فِي الْعَاشِرِ فَهُوَ حِينَئِذٍ مُخْلِفٌ ثُمَّ لَيْسَ لَهُ اسْمٌ وَلَكِنْ يُقَالُ بَازِلُ عَامٍ وَبَازِلُ عَامَيْنِ وَمُخْلِفُ عَامٍ وَمُخْلِفُ عَامَيْنِ وَمُخْلِفُ ثَلَاثَةِ أَعْوَامٍ إِلَى خَمْسِ سِنِينَ وَالْخَلِفَةُ الْحَامِلُ قَالَ أَبُو حَاتِمٍ وَالْجُذُوعَةُ وَقْتٌ مِنَ الزَّمَنِ لَيْسَ بِسِنٍّ وَفُصُولُ الْأَسْنَانِ عِنْدَ طُلُوعِ سُهَيْلٍ

وَقَالَ أَبُو دَاوُد أَنْشَدَنَا الرِّيَاشِيُّ **شعر**

إِذَا سُهَيْلٌ أَوَّلَ اللَّيْلِ طَلَعْ ... فَابْنُ اللَّبُونِ الْحِقُّ وَالْحِقُّ جَذَعْ

لَمْ يَبْقَ مِنْ أَسْنَانِهَا غَيْرُ الْهُبَعْ ... وَالْهُبَعُ الَّذِي يُولَدُ فِي غَيْرِ حِينِهِ

۱۵۹۰: ایضاً: ابوداؤد نے کہا کہ میں نے یہ ریاشی (مشہور بصری نحوی) اور ابو حاتم (رازی مشہور محدث) وغیرہما سے سنا اور نضر بن شمیل اور ابو عبید (القاسم بن سلام) کی کتاب سے حاصل کیا۔ اور بعض کلمات ان میں سے صرف

ایک نے بیان کئے ہیں۔ انہوں نے کہا کہ اونٹ کا بچہ حُوار کہلاتا ہے (یعنی بالکل چھوٹا سا بچہ) پھر فصیل جب اس کا دودھ چھڑا دیا جائے۔ پھر ایک سال سے لے کر دو تک بنت مخاض کہلاتا ہے۔ اور جب تیسرے سال میں داخل ہو تو بنت لبون۔ جب تین سال کا ہو جائے تو چار سال کے اندر اندر حِق یا حقہ کہلاتا ہے کیونکہ وہ بوجھ لادنے اور حاملہ ہونے کے لائق ہوتا ہے۔ اور مؤنث حقہ حاملہ ہو سکتا ہے اور مذکر حقہ حاملہ نہیں کر سکتا جب تک کہ وہ پانچ سال کا ہو کر چھٹے میں داخل نہ ہو جائے۔ اور حقہ کو طروقۃ الفحل کہتے ہیں کیونکہ نر اس سے جفتی کرتا ہے چار سال کی عمر تک۔ جب پانچویں سال میں داخل ہو وہ جذعہ ہے حتی کہ پورے پانچ سال کا ہو۔ پھر جب وہ چھٹے سال میں داخل ہو اور اس کا اگلا دانت گر جائے تو اُسے ثنی اور مؤنث کو ثنیہ کہتے ہیں حتی چھ سال پورے کر لے۔ پھر جب وہ ساتویں سال میں داخل ہو تو مذکر کو رباعی اور مؤنث کو رباعیہ کہتے ہیں پورے سات سال تک۔ پھر جب وہ آٹھویں میں داخل ہو جائے اور سدیس دانت گرا دے جو رباعیہ کے بعد ہے تو اسے سدیس اور سدس کہتے ہیں آٹھ سال پورے ہونے تک۔ پھر جب وہ نویں سال میں داخل ہو تو اس کا دانت ناب نکلتا ہے پس بازل ہے یعنی اسکی ناب طلوع ہو گئی ہے۔ حتی کہ وہ دسویں سال میں داخل ہو جائے تو اس وقت وہ مخلف ہے۔ پھر اس کے بعد اس کا کوئی نام نہیں بلکہ کہا جاتا ہے: ایک سالہ بازل اور دو سالہ بازل اور ایک سالہ مخلف اور دو سالہ مخلف اور تین سالہ مخلف پانچ سال تک۔ اور خلفہ حاملہ کو کہتے ہیں۔ ابو حاتم نے کہا کہ جذوعہ زمانے کا ایک وقت ہے اونٹ کی کسی عمر کا نام نہیں۔ اور اونٹوں کی عمریں بدلنے کا وقت سہیل ستارہ کے طلوع کے وقت ہوتا ہے۔ ابو داؤد نے کہا کہ: جب سُہیل پہلی رات میں طلوع ہو تو ابن لبون حِق ہو جاتا ہے اور حِق جذع ہو جاتا ہے۔ اونٹوں کے اسنان میں سے ہبع کے سوا کچھ باقی نہیں رہتا۔ اور ہبع وہ ہے جو بے وقت پیدا ہو۔ (ریاشی کا مطلب یہ ہے کہ سہیل ستارہ اونٹوں کے حمل اور ان کی عمریں بدلنے کے وقت ہوتا ہے)

بَابُ اَیْنَ تُصَدَّقُ الْاَمْوَالُ

(باب۔ اموال کی زکوٰۃ کہاں لی جائے؟)

۱۵۹۱۔ حَدَّثَنَا قُتَیْبَةُ بْنُ سَعِیْدٍ نَا ابْنُ اَبِیْ عَدِیٍّ عَنِ ابْنِ اِسْحٰقَ عَنْ عَمْرِو بْنِ شُعَیْبٍ عَنْ اَبِیْهِ عَنْ جَدِّهٖ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَا جَلَبَ وَلَا جَنَبَ وَلَا تُؤْخَذُ صَدَقَاتُهُمْ اِلَّا فِیْ دُوْرِهِمْ۔

۱۵۹۱: عبداللہ بن عمرو بن العاص نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ حضورؐ نے فرمایا: کوئی جَلَب نہیں اور کوئی جَنَب نہیں اور لوگوں کے صدقات ان کے گھروں میں ہی وصول کئے جائیں۔ (جَلَب کا یہ معنی ہے کہ تحصیلدار زکوٰۃ لینے کسی ایک جگہ جا بیٹھے اور لوگوں کو بلوا کر وصولی کرے۔ جَنَب کا معنی یہ ہے کہ زکوٰۃ سے بچنے کے لئے مواشی کا مالک انہیں دور دراز لے جائے جہاں یہ جا کر وصولی کرنا مشکل ہو جائے۔ گویا دونوں فریقوں کو زیادتی اور

حیلہ سازی سے منع فرما دیا گیا)

۱۵۹۲۔ حَدَّثَنَا الْحَسَنُ بْنُ عَلِيٍّ نَا يَعْقُوبُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ قَالَ سَمِعْتُ أَبِي يَقُولُ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ إِسْحٰقَ فِي قَوْلِهِ لَا جَلَبَ وَلَا جَنَبَ قَالَ أَنْ تُصَدَّقَ الْمَاشِيَةُ فِي مَوَاضِعِهَا وَلَا تُجْلَبَ إِلَى الْمُصَدِّقِ وَالْجَنَبُ عَنْ هٰذِهِ الْفَرِيضَةِ أَيْضًا لَا يُجْنَبُ أَصْحَابُهَا يَقُولُ وَلَا يَكُونُ الرَّجُلُ بِأَقْصَى مَوَاضِعِ أَصْحَابِ الصَّدَقَةِ فَتُجْنَبُ إِلَيْهِ وَلٰكِنْ تُؤْخَذُ فِي مَوْضِعِهِ۔

۱۵۹۲: محمد بن اسحاق سے ان دو لفظوں جلب اور جنب کی تفسیر آئی ہے۔ ابن اسحاق نے کہا کہ حضورؐ نے حکم دیا ہے کہ مواشی کی زکوٰۃ ان کی جگہوں پہ لی جائے اور انہیں تحصیل دار کے پاس نہ لے جایا جائے۔ اور جنب کا مطلب بھی یہی ہے کہ صدقہ جمع کرنے والا کہیں دور دراز مقام پہ ہو اور اموال اس کے پاس لے جائے جائیں۔ بلکہ حکم یہ ہے کہ زکوٰۃ مال کی جگہ پہ وصول کی جائے۔ (عبداللہ بن عمرو کی حدیث سنن ابی داؤد میں ابواب الجہاد میں بھی آئیگی جہاں اس کا تعلق گھوڑ دوڑ سے ہے۔ ترمذی نے اسے عمران بن حصین سے روایت کیا ہے ابواب النکاح میں اور نسائی نے بھی نکاحِ شغار میں اسے روایت کیا ہے۔ گویا اس کا تعلق صدقات کی وصولی کے علاوہ گھوڑ دوڑ اور نکاحِ شغار سے بھی ہے۔ یہ معانی اپنے مواقع پہ آئیں گے انشاء اللہ تعالیٰ)

بَابُ الرَّجُلِ يَبْتَاعُ صَدَقَتَهُ

جو صدقہ میں دی ہوئی چیز خود خریدے

۱۵۹۳۔ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ مَسْلَمَةَ عَنْ مَالِكٍ عَنْ نَافِعٍ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُمَرَ أَنَّ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ حَمَلَ عَلٰى فَرَسٍ فِي سَبِيلِ اللّٰهِ فَوَجَدَهُ يُبَاعُ فَأَرَادَ أَنْ يَبْتَاعَهُ فَسَأَلَ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ ذٰلِكَ فَقَالَ لَا تَبْتَعْهُ وَلَا تَعُدْ فِي صَدَقَتِكَ۔

۱۵۹۳: عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ عمر بن الخطابؓ نے فی سبیل اللہ کسی شخص کو ایک گھوڑا جہاد کی خاطر دیا۔ پھر اُسے بکتا ہوا پایا تو اُس کے خریدنے کا ارادہ کیا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس بارے میں دریافت کیا تو حضورؐ نے فرمایا: اسے مت خریدو اور صدقہ دی ہوئی چیز واپس نہ لو (بخاری، مسلم اور نسائی نے بھی اسے روایت کیا ہے)

(شرح) یہ صدقہ واپسی لینے کی ناجائز صورت تو نہ تھی مگر چونکہ بظاہر دی ہوئی چیز کا اعادہ تھا گو قیمتاً سہی اس لئے اس سے منع فرمایا گیا۔ صدقہ دے کر واپس لینے کی صورت یہ ہے کہ کسی کو کچھ فی سبیل اللہ دیا جائے اور پھر اس سے لے لیا جائے۔ یہ صورت تو حرام ہے۔ مگر خریدنے کی صورت میں ہو سکتا ہے کہ صدقہ دینے والا کچھ رعایت کرے یا یہ سمجھے کہ مجھ سے رواست کی توقع رکھی جارہی ہے۔ اس صورت میں کراہت تنزیہی ہے۔

بَابُ صَدَقَةِ الرَّقِيقِ

(غلاموں کی زکوٰۃ کا باب)

۱۵۹۴ - حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ مُثَنًّى وَمُحَمَّدُ بْنُ يَحْيَى بْنِ فَيَّاضٍ قَالَ نَا عَبْدُ الْوَهَّابِ نَا عُبَيْدُ اللهِ عَنْ رَجُلٍ عَنْ مَكْحُولٍ عَنْ عِرَاكِ بْنِ مَالِكٍ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَيْسَ فِي الْخَيْلِ وَالرَّقِيقِ زَكٰوةٌ إِلَّا زَكٰوةُ الْفِطْرِ فِي الرَّقِيقِ۔

۱۵۹۴: ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا: گھوڑوں اور غلاموں میں کوئی زکوٰۃ نہیں، مگر غلاموں میں عید الفطر کی زکوٰۃ (صدقہ) ہے (منذری نے کہا کہ اس حدیث کی سند میں ایک مجہول راوی ہے۔ اور مسلم نے ابوہریرہؓ سے کتاب الزکوٰۃ میں ایک روایت کی ہے کہ: غلام میں صدقہ فطر کے سوا کوئی صدقہ نہیں۔ اس سے پہلے یہ بحث گزر چکی ہے کہ گھوڑے اور غلام جب تجارت کے لئے ہوں تو ان میں بالاتفاق زکوٰۃ ہے کیونکہ وہ "مال تجارت" ہیں۔ ہاں جو گھوڑا سواری کے لئے یا جہاد کے لئے ہو اور جو غلام خدمت کے لئے اس کی زکوٰۃ نہیں ہے۔

۱۵۹۵ - حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ مَسْلَمَةَ نَا مَالِكٌ عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ دِينَارٍ عَنْ سُلَيْمَانَ بْنِ يَسَارٍ عَنْ عِرَاكِ بْنِ مَالِكٍ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَيْسَ عَلَى الْمُسْلِمِ فِي عَبْدِهٖ وَلَا فِي فَرَسِهٖ صَدَقَةٌ۔

زمین سے حاصل شدہ چیز میں خواہ وہ کم ہو خواہ زیادہ عشر واجب ہے، یہ قول ابو حنیفہؒ کا ہے۔ ابو یوسف، محمد اور جمہور کے قول میں پانچ وسق سے کم میں کوئی عشر نہیں جبکہ وہ چیز ناپنے کی ہو جیسے گندم، جو، چاول اور جوار وغیرہ۔
ابو حنیفہؒ کا استدلال اللہ تعالیٰ کے اس قول کے عموم سے ہے کہ: يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَنْفِقُوا مِنْ طَيِّبَاتِ مَا كَسَبْتُمْ وَمِمَّا أَخْرَجْنَا لَكُمْ مِنَ الْأَرْضِ۔ اور اللہ تعالیٰ کے اس قول سے کہ: وَآتُوا حَقَّهُ يَوْمَ حَصَادِهِ۔ اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اس قول سے: جس کھیتی کو بارش پلائے اس میں عشر ہے اور جو چرسے سے پلائی جائے یا ڈول سے تو اس میں نصف عشر ہے۔ اس حدیث میں قلیل و کثیر کی کوئی قید نہیں۔ اور جس حدیث میں پانچ وسق کا ذکر ہے اس کا جواب ابو حنیفہؒ کی طرف سے یہ ہے کہ یہ خبر واحد ہے جو کتاب اللہ اور حدیث مشہور سے معارضہ نہیں کر سکتی۔ اگر یہ کہا جائے معارضہ تو نہیں البتہ کتاب اللہ اور حدیث مشہور کا بیان ہے اور بیان معارضہ نہیں کہلا سکتا۔ تو اس کا جواب یہ ہے کہ اس حدیث کو بیان قرار دینا ممکن نہیں کیونکہ آیات و احادیث جن سے ہمارا استدلال ہے، عام ہیں اور ان میں پانچ وسق کے تحت آنے والی اور نہ آنے والی سب چیزیں داخل ہیں اور پانچ وسق والی حدیث میں یہ مقدار تو داخل ہے مگر اس مقدار سے کم کو اس سے خارج کرنا پڑتا ہے جو عموم کو توڑنے والی چیز ہے۔
ان مسائل میں سے ایک یہ ہے کہ عشر ان چیزوں میں واجب جن کے ساتھ زمین کی نماء مقصود ہے اور جو چیزیں نماء میں نہیں آتیں ان میں کوئی عشر نہیں مثلاً گھاس، ایندھن، سرکنڈا۔ کیونکہ ان چیزوں میں عادۃً زمین کو مشغول نہیں رکھا جاتا کیونکہ ان سے زمین کی نماء نہیں ہوتی۔ ہاں اگر کوئی شخص ان چیزوں کو ہی مقصود بنا کر زمین کو ان میں مشغول رکھے مثلاً کاروبار کے لئے گھاس بڑھائے یا سرکنڈا لگائے یا درخت بو کر ایندھن حاصل کرنے کی غرض سے یا تجارت کی غرض سے زمین کو کئی سال تک اسی کام میں لگائے رکھے تو پھر ان میں بھی عشر واجب ہوگا کیونکہ یہ اس صورت میں مقصود بالذات بن گئی ہیں اور خودرو نہیں رہیں خلاصہ یہ کہ خودرو چیزوں میں عشر نہیں جبتک کہ انہیں کو مقصود نہ بنا لیا جائے۔
اور وجوب عشر میں پھل کا باقی رہنا بھی شرط نہیں ہے۔ پس ابو حنیفہؒ کے نزدیک سبزی، ترکاری، کھیرے، ککڑی، خربوزہ، تربوزہ، پیاز اور لہسن میں بھی عشر واجب ہے مگر ابو یوسف اور محمد کے نزدیک ان چیزوں واجب نہیں بلکہ اناج اور غلے پر واجب ہے۔ ابو حنیفہؒ کا استدلال انہی آیات و احادیث سے ہے جو اوپر گزریں اور ابو یوسف اور محمد نے اس حدیث سے استدلال کیا ہے: سبزی ترکاری اور چارے پر کوئی عشر نہیں۔ لیکن یہ حدیث غریب ہے جس سے آیات و مشاہیر کے خلاف استدلال نہیں ہو سکتا۔ یا اس سے مراد یہ ہے کہ ان کا عشر تحصیل دار نہیں اُگاہیں گے بلکہ مالک کو خود ادا کرنا چاہیئے۔ واللہ اعلم۔

۱۵۹۷- حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ صَالِحٍ نَا عَبْدُ اللهِ بْنُ وَهْبٍ أَخْبَرَنِي عَمْرٌو عَنْ أَبِي الزُّبَيْرِ عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللهِ أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ

فِيمَا سَقَتِ الْأَنْهَارُ وَالْعُيُونُ الْعُشْرُ وَمَا سُقِيَ بِالسَّوَانِي فَفِيهِ نِصْفُ الْعُشْرِ۔

۱۵۹۷: جابر بن عبداللہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: نہریں اور چشمے جس زمین کو سیراب کریں اُن میں عُشر ہے اور جس زمین کو ذرائع آبپاشی سے پلایا جائے اس میں نصف عُشر ہے (مسلم اور نسائی نے بھی اسے روایت کیا اور نسائی نے کہا اس حدیث کو عمرو بن الحارث نے مرفوع روایت کیا مگر دوسرے حفاظ اسے موقوف یعنی بطور قولِ جابرؓ روایت کرتے ہیں لہٰذا اس کا موقوف ہونا زیادہ صحیح ہے گو عمرو ثقہ اور حافظ تھا)

۱۵۹۸۔ حَدَّثَنَا الْهَيْثَمُ بْنُ خَالِدٍ الْجُهَنِيُّ وَابْنُ الْأَسْوَدِ الْعِجْلِيُّ قَالَا قَالَ وَكِيعٌ الْبَعْلُ الْكَبُوسُ الَّذِي يَنْبُتُ مِنْ مَاءِ السَّمَاءِ قَالَ ابْنُ الْأَسْوَدِ وَقَالَ يَحْيَى يَعْنِي ابْنَ آدَمَ سَأَلْتُ أَبَا إِيَاسٍ الْأَسَدِيَّ فَقَالَ الَّذِي يُسْقَى بِمَاءِ السَّمَاءِ۔

۱۵۹۸: وکیع نے کہا کہ بعل اس کبوس نامی کھجور کو کہتے ہیں جو بارانی میں پیدا ہو اور بارش سے سیراب ہو۔ اور ابو ایاس اسدی نے کہا کہ بعل وہ ہے جو بارش کے پانی سے سیراب ہو (عبداللہ بن عمر کی حدیث میں جو بعل کا لفظ گزرا ہے یہ اس کی شرح ہے)

۱۵۹۹۔ حَدَّثَنَا الرَّبِيعُ بْنُ سُلَيْمَانَ نَا ابْنُ وَهْبٍ عَنْ سُلَيْمَانَ يَعْنِي ابْنَ بِلَالٍ عَنْ شَرِيكِ بْنِ أَبِي نَمِرٍ عَنْ عَطَاءِ بْنِ يَسَارٍ عَنْ مُعَاذِ بْنِ جَبَلٍ أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَعَثَهُ إِلَى الْيَمَنِ فَقَالَ خُذِ الْحَبَّ مِنَ الْحَبِّ وَالشَّاةَ مِنَ الْغَنَمِ وَالْبَعِيرَ مِنَ الْإِبِلِ وَالْبَقَرَةَ مِنَ الْبَقَرِ قَالَ أَبُو دَاوُدَ شَبَرْتُ قِثَّاءَةً بِمِصْرَ ثَلَاثَةَ عَشَرَ شِبْرًا وَرَأَيْتُ أُتْرُجَّةً عَلَى بَعِيرٍ بِقِطْعَتَيْنِ قُطِعَتْ وَصُيِّرَتْ عَلَى مِثْلِ عِدْلَيْنِ۔

۱۵۹۹: معاذ بن جبلؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں یمن کی طرف روانہ فرمایا تو کہا: اناج سے زکوٰۃ بصورتِ اناج لو، بھیڑ بکریوں سے بھیڑ بکری، اونٹوں سے اونٹ اور گائے بیل سے گائے۔ ابو داؤد نے کہا کہ میں نے مصر میں ایک ککڑی کو بالشت سے ناپا تو وہ تیرہ بالشت تھی، اور میں نے ایک نارنگی کو

ایک اونٹ پر لدا دیکھا، اس کے دو ٹکڑے کر کے اُسے دو بوریوں کی چھٹ بنائی گئی تھی (اصل حدیث ابن ماجہ میں مروی ہے۔ ابو داؤد کے قول سے شاید زکوٰۃ دیئے ہوئے مال کی برکت بیان کرنا مدِ نظر ہے)

بَابُ زَكٰوةِ الْعَسَلِ

(شہد کی زکوٰۃ کا باب)

۱۶۰۰۔ حَدَّثَنَا اَحْمَدُ بْنُ اَبِي شُعَيْبٍ الْحَرَّانِيُّ نَا مُوسَى بْنُ اَعْيَنَ عَنْ عَمْرِو بْنِ الْحَارِثِ الْمِصْرِيِّ عَنْ عَمْرِو بْنِ شُعَيْبٍ عَنْ اَبِيهِ عَنْ جَدِّهِ قَالَ جَاءَ هِلَالٌ اَحَدُ بَنِي مُتْعَانَ اِلَى رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِعُشُورِ نَحْلٍ لَهُ وَكَانَ سَاَلَهُ اَنْ يَحْمِيَ وَادِيًا يُقَالُ لَهُ سَلَبَةُ فَحَمٰى لَهُ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ذٰلِكَ الْوَادِيَ فَلَمَّا وَلِيَ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ كَتَبَ سُفْيَانُ بْنُ وَهْبٍ اِلَى عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ يَسْاَلُهُ عَنْ ذٰلِكَ فَكَتَبَ عُمَرُ اِنْ اَدّٰى اِلَيْكَ مَا كَانَ يُؤَدِّي اِلَى رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْ عُشُورِ نَحْلِهِ فَاحْمِ لَهُ سَلَبَةَ وَاِلَّا فَاِنَّمَا هُوَ ذُبَابُ غَيْثٍ يَاْكُلُهُ مَنْ يَّشَاءُ۔

۱۶۰۰: عبد اللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ بنی متعان میں سے ایک شخص ہلال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس اپنے شہد کے چھتوں کا عشر لے کر آیا اور اُس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا تھا کہ اسے ایک وادی بطورِ جاگیر عطا کریں جس کا نام سلبہ تھا۔ پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے وہ وادی بطورِ جاگیر بخش دی تھی۔ پھر جب حضرت عمر بن الخطابؓ کا دورِ خلافت آیا تو سفیان بن وہب نے حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کو اس کے متعلق سوال لکھا تو حضرت عمرؓ نے جواب لکھا کہ جو کچھ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے شہد کا عشر ادا کیا کرتا تھا اگر تجھے بھی کرے تو سلبہ کو اس کی جاگیر قرار دیئے رکھ ورنہ وہ بارش کی مکھی ہے اسے جو چاہے کھائے۔

(شرح) حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے حکم کا مطلب یہ تھا کہ اگر وہ عشر دے تو بہتر ورنہ اس وادی کو افادۂ عام کے لئے رہنے دیا جائے اور اس پر کسی ایک شخص کا حق نہیں ہوگا۔ یہ حدیث ابو داؤد اور نسائی نے مسند بیان کی ہے مگر اس کی ایک مرسل روایت بھی ہے یعنی عن عمرو بن شعیب عن عمر۔ دار قطنی نے بھی اسے مسند بیان کیا ہے۔ ابن ماجہ نے اسے اپنی سند سے مسند بیان کیا ہے۔ پس ان احادیث سے ابو حنیفہ، احمد اور اسحاق نے یہ استدلال کیا ہے کہ شہد میں عشر واجب ہے۔ ترمذی نے اکثر اہل علم کا یہی مذہب بتایا ہے۔ البحر میں ہے کہ ابن عمر

ابن عباسؓ اور عمر بن عبدالعزیز کا یہی مذہب ہے اور شافعیؒ کا ایک قول بھی یہی ہے۔ بخاری، ابن ابی شیبہ اور عبدالرزاق نے عبدالعزیز سے یہ روایت کی ہے کہ شہد میں کوئی عشر نہیں۔ لیکن عبدالرزاق نے اس کے خلاف عمر بن عبدالعزیز سے وجوب عشر کا قول بھی نقل کیا ہے مگر اس کی سند ضعیف ہے جیسا کہ فتح الباری میں حافظ نے کہا ہے۔ اور شافعی (ایک قول میں) مالک اور ثوری کا مذہب یہ ہے، جو بقول ابن عبدالبر جمہور کا قول ہے کہ شہد میں زکوٰۃ واجب نہیں البدائع میں حدیث زیر نظر سے استدلال کے علاوہ عمرو بن شعیب کی سند سے ایک اور حدیث بھی نقل کی ہے کہ فہم کا ایک قبیلہ حضورؐ کو شہد کا عشر ادا کرتا تھا۔ ابوہریرہؓ سے بھی اہل یمن سے شہد کی زکوٰۃ کی وصولی کی حدیث مروی ہے جو مرفوع ہے۔ حضرت عمرؓ سے بھی اس کی وصولی منقول ہے اور بصرہ کی گورنری کے دور میں ابن عباسؓ سے بھی۔

۱۶۰۱۔ حَدَّثَنَا اَحْمَدُ بْنُ عَبْدَةَ الضَّبِّيُّ نَا الْمُغِيْرَةُ وَنَسَبَهٗ اِلٰى عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ الْحَارِثِ الْمَخْزُوْمِيِّ حَدَّثَنِيْ اَبِيْ عَنْ عَمْرِو بْنِ شُعَيْبٍ عَنْ اَبِيْهِ عَنْ جَدِّهٖ اَنَّ شَبَابَةَ بَطْنٌ مِّنْ فَهْمٍ فَذَكَرَ نَحْوَهٗ قَالَ مِنْ كُلِّ عَشْرِ قِرَبٍ قِرْبَةٌ وَقَالَ سُفْيَانُ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ الثَّقَفِيُّ قَالَ وَكَانَ يَحْمِيْ لَهُمْ وَادِيَيْنِ زَادَ فَاَدَّوْا اِلَيْهِ مَا كَانُوْا يُؤَدُّوْنَ اِلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَحَمٰى لَهُمْ وَادِيَيْهِمْ۔

۱۶۰۱: عبداللہ بن عمرو بن العاص سے روایت ہے کہ قبیلۂ فہم کی ایک شاخ شبابہ ہر دس مشکوں میں سے ایک مشک شہد کا عشر ادا کرتا تھا۔ اور عبدالرحمٰن مخزومی نے کہا کہ عامل کا نام (پچھلی حدیث میں سفیان بن وہب ہے) سفیان بن عبداللہ ثقفی تھا۔ اور عبدالرحمٰن راوی نے کہا کہ اُن لوگوں کے لئے دو وادیاں بطور سرکاری جاگیر دی گئی تھیں۔ پس انہوں نے سفیان کو وہ عشر ادا کیا جو وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ادا کرتے تھے اور اس نے ان کی دو وادیاں حسب سابق بحال رکھیں (اس حدیث کو نسائی نے بھی اور ابن ماجہ نے بھی اس کا ایک حصہ روایت کیا ہے مگر بخاری کہتا ہے کہ شہد کی زکوٰۃ میں کوئی حدیث صحیح نہیں۔ ترمذی نے بھی اسی قسم کی بات کہی ہے)

۱۶۰۲۔ حَدَّثَنَا الرَّبِيْعُ بْنُ سُلَيْمَانَ الْمُؤَذِّنُ نَا ابْنُ وَهْبٍ اَخْبَرَنِيْ اُسَامَةُ بْنُ زَيْدٍ عَنْ عَمْرِو بْنِ شُعَيْبٍ عَنْ اَبِيْهِ عَنْ جَدِّهٖ اَنَّ بَطْنًا مِّنْ فَهْمٍ بِمَعْنَى الْمُغِيْرَةِ قَالَ مِنْ عَشْرِ قِرَبٍ قِرْبَةٌ وَقَالَ وَادِيَيْنِ لَهُمْ۔

۱۶۰۲: عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما نے روایت کی ہے کہ فہم کی ایک شاخ الخ مغیرہ کی حدیث کی مانند

اور دس مشکوں میں سے ایک مشک کا ذکر کیا اور کہا کہ: انہیں دو وادیاں بطور چراگاہ دی گئی تھیں۔

بَابُ ۱۳ فِي خَرْصِ الْعِنَبِ

(انگور کے اندازے کا باب)

۱۶۰۳ - حَدَّثَنَا عَبْدُ الْعَزِيزِ ابْنُ السَّرِيِّ النَّاقِطُ نَا بَشِيرُ بْنُ مَنْصُورٍ عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ إِسْحَاقَ عَنِ الزُّهْرِيِّ عَنْ سَعِيدِ بْنِ الْمُسَيَّبِ عَنْ عَتَّابِ بْنِ أُسَيْدٍ قَالَ أَمَرَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنْ يُخْرَصَ الْعِنَبُ كَمَا يُخْرَصُ النَّخْلُ وَتُؤْخَذُ زَكٰوتُهُ زَبِيبًا كَمَا تُؤْخَذُ صَدَقَةُ النَّخْلِ تَمْرًا۔

۱۶۰۳: عتاب بن اسید سے روایت ہے کہ انگور کا بھی اندازہ کیا جانے کا حکم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کھجور کے اندازے کی مانند دیا تھا اور یہ کہ اس کی زکوٰۃ بطورِ کشمش لی جائے جیساکہ تر کھجور کی زکوٰۃ بطور خشک کھجور کے لی جائے گی۔

(ترمذی اور ابن ماجہ نے بھی یہ حدیث روایت کی ہے اور ترمذی نے کہا ہے کہ یہ حدیث ابن جریج عن عروہ عن عائشہؓ کی روایت سے بھی آئی ہے مگر بقول بخاری سعید عن عتابؓ کی روایت اس کی نسبت زیادہ صحیح ہے۔ منذری نے کہا ہے کہ دوسرے محدثین کے نزدیک یہ حدیث منقطع ہے کیونکہ سعید بن المسیب کی ولادت عتابؓ کی وفات کے بعد ہوئی تھی)

۱۶۰۴ - حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ إِسْحٰقَ الْمُسَيَّبِيُّ نَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ نَافِعٍ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ صَالِحٍ التَّمَّارِ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ بِإِسْنَادِهِ وَمَعْنَاهُ۔

۱۶۰۴: یہ اسی حدیث کی دوسری روایت ہے۔ اس کے آخر میں ابوداؤد نے (ایک نسخے کے مطابق) یہ کہا ہے کہ سعید نے عتاب سے کچھ نہیں سنا)

بَابُ ۱۴ فِي الْخَرْصِ

(یہ باب پھلوں کے اندازے میں ہے)

۱۶۰۵ - حَدَّثَنَا حَفْصُ بْنُ عُمَرَ نَا شُعْبَةُ عَنْ خُبَيْبِ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ مَسْعُودٍ قَالَ جَاءَ سَهْلُ بْنُ أَبِي حَثْمَةَ إِلَى مَجْلِسِنَا قَالَ

أَمَرَنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا خَرَصْتُمْ فَجُذُّوْا وَدَعُوا الثُّلُثَ فَإِنْ لَمْ تَدَعُوْا أَوْ تَجِدُوا الثُّلُثَ فَدَعُوا الرُّبُعَ۔

۱۶۰۵: عبدالرحمن بن مسعودؒ نے کہا کہ سہل بن ابی حثمہ ہماری مجلس میں آیا اور اس نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں حکم دیا کہ جب تم اندازہ کرو تو پھلوں کو کاٹ لو اور تیسرا حصہ چھوڑ دو اور اگر تم نہ چھوڑو یا اتنا چھوڑنا مناسب نہ پاؤ تو چوتھا حصہ چھوڑ دو (یہ حدیث ترمذی اور نسائی میں بھی ہے۔ اور بعض نسخوں میں یہ عبارت اور ہے کہ ابوداؤد نے کہا کہ اندازہ کرنے والا تیسرا حصہ مزدوروں اور حاجتمندوں کے لئے ترک کر دے)

(شرح) اس حدیث کی سند میں عبدالرحمن بن مسعود ایک متکلم فیہ راوی ہے ابن القطان نے اسے مجہول کہا ہے۔ اس حدیث کا لفظ فجذوا دکے تھا فجدوا بھی مروی ہے اور دونوں کا معنی پھل کاٹنا ہے۔ یہ لفظ فخذوا بھی روایت ہوا ہے جس کا معنی ہے کہ بقول محدث علی قاری: "اس کی زکوٰۃ لے لو"۔ اور پہلے دو لفظوں کی بنا پر معنی یہ ہے کہ یہ حکم: "تیسرا حصہ چھوڑ دو" تحصیل دار کے لئے ہے کہ مالکوں کی آسانی اور آسائش کی خاطر زکوٰۃ کا حساب لگا کر اس کا ⅓ لے لو اور ⅓ انہیں واپس کر دو کیونکہ (خرص) اندازے کی صورت میں غلطی اور کمی بیشی کا امکان ہوتا ہے۔ مالک اس پھل سے بطور تحفہ بھی کچھ ادا کرے گا، کچھ خود فقراء کو بطور صدقہ بانٹے گا، کچھ فقراء کو دے گا وغیرہ وغیرہ۔ یہ شرح جو کی گئی یہ امام شافعیؒ کا قدیم قول ہے اور محدثین نے اس کا یہی مطلب لیا ہے۔ مگر فقہاء کے نزدیک اس حدیث کا حکم سُود کی حرمت سے پہلے زمانے میں تھا، اب حرمت ربوا کے ساتھ یہ بھی منسوخ ہو چکا ہے کیونکہ خرص میں ربوا کا احتمال موجود ہے۔ اس کا جواب یہ دیا گیا ہے کہ عتابؓ بن اسید کا اسلام فتح مکہ کے موقع پر ہوا تھا اور ربوا اس سے قبل حرام ہو چکا تھا۔ مگر جواب الجواب یہ ہے کہ حرمت ربوا کا اعلان عام حجۃ الوداع میں ہوا تھا۔ امام شافعیؒ کا قول جدید اس مسئلہ میں یہ ہے کہ اس حدیث کا امر استحبابی ہے نہ کہ وجوبی۔

بَابٌ كَمَا يُخْرَصُ التَّمْرُ

(کھجور کا اندازہ کیوں کر ہو؟)

۱۶۰۶ـ حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ مَعِيْنٍ نَا حَجَّاجٌ عَنِ ابْنِ جُرَيْجٍ قَالَ أُخْبِرْتُ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ عَنْ عُرْوَةَ عَنْ عَائِشَةَ أَنَّهَا قَالَتْ وَهِيَ تَذْكُرُ شَأْنَ خَيْبَرَ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَبْعَثُ عَبْدَ اللّٰهِ بْنَ رَوَاحَةَ إِلَى يَهُوْدِ خَيْبَرَ فَيَخْرُصُ النَّخْلَ حِيْنَ يَطِيْبُ قَبْلَ أَنْ يُؤْكَلَ مِنْهُ۔

۱۶۰۶: حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے خیبر کے ذکر کے سلسلے میں فرمایا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم عبداللہ بن

رواحہ کو یہود کی طرف بھیجتے تو وہ کھجور کا اندازہ پکنے پر لگاتے قبل اس کے کہ کھانے کے قابل ہوتی (اس کی سند میں ایک مجہول راوی ہے مگر ابو داؤد نے کتاب البیوع میں اسی سے ملتی جلتی ایک حدیث جابرؓ سے روایت کی ہے جو اس حدیث کی تقویت کرتی ہے)

(شرح) مولانا نے فرمایا کہ علامہ عینی نے خرص کے بارے میں علماء کا اختلاف تفصیل سے بیان کیا ہے جن کا خلاصہ یہ ہے کہ زہری، عطاء، حسن بصری، عمرو بن دینار، ابن ابی المخارق، مروان، قاسم بن محمد، شافعی، احمد، ابو ثور اور ابو عبید کے نزدیک خرص جائز ہے، انگور اور کھجور کی صلاحیت جب ظاہر ہو جائے تو پھلوں کا اندازہ کیا جاسکتا ہے حافظ ابن رشید نے جمہور علماء سے اس کا جواز نقل کیا ہے۔ داؤد ظاہری کے نزد خرص صرف کھجور میں ہوتا ہے۔ پھر جمہور کے نزدیک تو خرص مستحب ہے مگر شافعی کے ایک قول میں واجب ہے۔ شعبی، ثوری ابو حنیفہ اور ان کے اصحاب کے نزدیک خرص مکروہ ہے۔ ان کی دلیل جابرؓ کی مرفوع روایت ہے کہ خرص مکروہ ہے اور جابر بن سمرہ کی روایت میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خرص کے ساتھ پہلے بیع سے منع فرمایا تھا۔ نیز یہ محض ظن وتخمین ہے اس سے زیادہ کچھ نہیں۔ اور اگر پھلوں کا خرص جائز ہے تو غلے کا بدرجۂ اولیٰ جائز ہونا چاہئے کیونکہ درختوں کا پھل تو نگاہ سے دور ہوتا ہے مگر کھیتی تو بالکل آنکھوں کے سامنے ہوتی ہے۔ اس کا ایک سبب یہ بھی ہے۔ کہ خرص کے بعد پھل مالک کے سپرد ہوتا ہے کہ وہ چاہے تو اسے کھائے اور ہر طرح استعمال کرے زکوٰۃ کی صورت میں جو پھل لیا جاتا ہے وہ خشک ہوتا ہے جیسا کہ اوپر ابو داؤد کی سعید بن المسیب کی روایات میں گزرا۔ پس یہ گویا حاضر کی بیع غائب کے ساتھ ہے اور تر پھل کی خشک پھل کے ساتھ جس کی صراحۃً مخالفت احادیث میں موجود ہے۔ اور امام مالک کی مزابنہ کی تفسیر کے مطابق یہ مزابنہ بھی ہے۔ اور اس میں ربوا بھی آتا ہے کہ اندازہ تو تر پھل کا ہوا اور اس کی زکوٰۃ خشک پھل سے لی گئی۔ گو خطابی نے معالم السنن میں ان وجوہ کو فقیہانہ انداز میں رد کیا ہے مگر طحاوی کی روایت عن جابرؓ میں خرص سے جو صریح مخالفت موجود ہے وہ خرص کے نسخ پر دلالت کرتی ہے۔ اور خطابی نے یہ جو کہا ہے کہ خلافت راشدہ میں بھی اس پر عمل جاری رہا سو یہ اندازہ ہوتا تھا جو حکومتیں اپنے مقاصد کے لئے لگاتی ہیں تاکہ پتہ چلے تو غلوں اور پھلوں کی مقدار لوگوں کی ملکیت میں کیا ہے۔ علاوہ ازاں خرص کی احادیث پر کلام کیا گیا ہے مثلاً سعید کی روایت عتابؓ سے منقطع ہے کہ ان کی ملاقات ثابت نہیں۔ ابن جریج کی روایت زہری سے منقطع ہے کہ ان کے درمیان کوئی مجہول شخص ہے۔ ابو بکر بن العربی نے کہا ہے کہ نہ سعید کی حدیث صحیح ہے نہ سہل بن ابی حثمہ کی، اور حضرت عائشہ رضہ کی حدیث کی سند میں ایک مجہول راوی ہے۔ رہ گیا یہود کا معاملہ سو وہ شرکار تھے اور امین بھی نہ تھے لہٰذا ان کے باب میں خرص کا طرزِ عمل جائز رکھا گیا، مسلمانوں سے زکوٰۃ وصول کرنے یا بیع کے لئے خرص جائز نہیں ہے

بَابُ ۱۶ مَا لَا يَجُوزُ مِنَ الثَّمَرَةِ فِي الصَّدَقَةِ

(باب۔ جو پھل صدقہ میں جائز نہیں ہے)

۱۶۰۷۔ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ يَحْيَى بْنِ فَارِسٍ نَا سَعِيدُ بْنُ سُلَيْمَانَ نَا

عُبَادٌ عَنْ سُفْيَانَ بْنِ حُسَيْنٍ عَنِ الزُّهْرِيِّ عَنْ أَبِي أُمَامَةَ بْنِ سَهْلٍ عَنْ أَبِيهِ قَالَ نَهَى رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنِ الْجُعْرُورِ وَلَوْنِ الْحُبَيْقِ أَنْ يُؤْخَذَا فِي الصَّدَقَةِ قَالَ الزُّهْرِيُّ لَوْنَيْنِ مِنْ تَمْرِ الْمَدِينَةِ قَالَ أَبُو دَاوُدَ أَسْنَدَهُ أَيْضًا أَبُو الْوَلِيدِ عَنْ سُلَيْمَانَ بْنِ كَثِيرٍ عَنِ الزُّهْرِيِّ۔

۱۶۰۷ ۔ سہل بن حنیف نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جعرور و لون الحبیق کو صدقہ میں لیے جانے سے منع فرمایا۔ زہری نے کہا کہ یہ مدینہ کی کھجور کی دو قسمیں ہیں۔ ابوداؤد نے کہا کہ اس حدیث کو ابوالولید نے سلیمان بن کثیر سے اس نے زہری سے مستند روایت کیا ہے (یہ کھجوریں اہل مدینہ کے نزدیک بہت گھٹیا اور ردی تھیں۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ حَتَّى تُنْفِقُوا مِمَّا تُحِبُّونَ ۝ اور: وَلَا تَيَمَّمُوا الْخَبِيثَ مِنْهُ تُنْفِقُونَ ۔ ان آیات کی بنا پر خدا کے نام پر دی جانے جانے والی چیز محبوب ہونی چاہیے نہ کہ خبیث اور گھٹیا) یہ حدیث نسائی نے بھی روایت کی ہے۔

۱۶۰۸ ۔ حَدَّثَنَا نَصْرُ بْنُ عَاصِمٍ الْأَنْطَاكِيُّ نَا يَحْيَى يَعْنِي الْقَطَّانَ عَنْ عَبْدِ الْحَمِيدِ بْنِ جَعْفَرٍ حَدَّثَنِي صَالِحُ بْنُ أَبِي عَرِيبٍ عَنْ كَثِيرِ بْنِ مُرَّةَ عَنْ عَوْفِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ دَخَلَ عَلَيْنَا رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْمَسْجِدَ وَبِيَدِهِ عَصًا وَقَدْ عَلَّقَ رَجُلٌ قِنًا حَشَفًا فَطَعَنَ بِالْعَصَا فِي ذَلِكَ الْقِنْوِ وَقَالَ لَوْ شَاءَ رَبُّ هَذِهِ الصَّدَقَةِ تَصَدَّقَ بِأَطْيَبَ مِنْهَا وَقَالَ إِنَّ رَبَّ هَذِهِ الصَّدَقَةِ يَأْكُلُ الْحَشَفَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ۔

۱۶۰۸ ۔ عوف بن مالک نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے پاس مسجد میں تشریف لائے اور آپ کے ہاتھ میں ایک ڈنڈا تھا اور ہم میں سے ایک آدمی نے گھٹیا کھجور کے گچھے (مسجد میں) لٹکا دیئے تھے۔ پس آپ نے اُس عصا کے ساتھ گچھے میں ٹھوکا دیا اور فرمایا اگر اس صدقے والا چاہتا تو اس سے بہتر کھجور کا صدقہ کر سکتا تھا۔ اور فرمایا: اس صدقے والا قیامت کے دن ردی کھجور کھائیگا (کیونکہ آخرت کی جزاء دنیا کے اعمال کے مطابق ہوگی۔ نسائی اور ابن ماجہ نے بھی اسے روایت کیا ہے)

بَابُ زَكَوٰةِ الْفِطْرِ

زکوٰۃ فطر کا باب

۱۶۰۹ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ خَالِدٍ الدِّمَشْقِيُّ وَعَبْدُ اللَّهِ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ السَّمَرْقَنْدِيُّ قَالَا نَا مَرْوَانُ قَالَ عَبْدُ اللَّهِ نَا أَبُو يَزِيدَ الْخَوْلَانِيُّ وَكَانَ شَيْخَ صِدْقٍ وَكَانَ ابْنُ وَهْبٍ يَرْوِي عَنْهُ نَا سَيَّارُ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ قَالَ مَحْمُودُ الصَّدَفِيُّ عَنْ عِكْرِمَةَ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ فَرَضَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ زَكٰوةَ الْفِطْرِ طُهْرَةً لِلصِّيَامِ مِنَ اللَّغْوِ وَالرَّفَثِ وَطُعْمَةً لِلْمَسَاكِينِ مَنْ أَدَّاهَا قَبْلَ الصَّلٰوةِ فَهِيَ زَكٰوةٌ مَقْبُولَةٌ وَمَنْ أَدَّاهَا بَعْدَ الصَّلٰوةِ فَهِيَ صَدَقَةٌ مِنَ الصَّدَقَاتِ۔

۱۶۰۹۔ ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صدقۂ فطر مقرر فرمایا تاکہ روزے لغو اور فحش کلام سے پاک ہوجائیں اور محتاجوں کو کھلایا جائے۔ جو شخص اسے نماز کے قبل ادا کرے تو وہ مقبول زکوٰۃ ہے اور جو نماز کے بعد ادا کرے تو وہ صدقات میں سے ایک صدقہ ہے (ابن ماجہ نے بھی اس حدیث کو روایت کیا ہے)۔

(شرح:) اس حدیث میں فَرَضَ کا لفظ مقرر کرنے، ٹھہرانے، لازم کرنے اور مقرر کرنے کے معانی میں ہے کیونکہ شرعی اصلاحی فرض وہ ہے جو دلیل قطعی سے ثابت ہو جسے فرض اعتقادی بھی کہتے ہیں اور صدقۂ فطر فرض (فریضہ) عملی ہے۔ محقق ابن الہمام نے کہا ہے کہ حنفیہ نے صدقۂ فطر کے وجوب میں جو استدلال کیا ہے وہ امام شافعیؒ کا فرضیت کے متعلق استدلال ہے۔ ان کا کہنا یہ ہے کہ لفظ کو حقیقت شرعیہ پر محمول کرنا شارع کے کلام میں متعین ہے جب تک کہ اس کے خلاف کوئی ایسی دلیل قائم نہ ہو جو اس سے روک دے۔ ہم کہتے ہیں کہ اس لفظ میں اصطلاحی و شرعی حقیقت یہاں پر ثابت نہیں ہے۔ پس فرض کا معنی یہاں امر ہے۔ اور وہ امر جو ظنی دلیل سے ثابت ہو اس سے وجوب ثابت ہوتا ہے نہ کہ فرضیت (حنفیہ کے ہاں فرض اور واجب کی اصطلاح میں فرق ہے) علاوہ ازیں جس فرضیت کو اس لفظ سے ثابت کیا جاتا ہے وہ معنوی طور پر ان کے نزدیک بھی موجود نہیں کیونکہ وہ اس کے منکر کو کافر نہیں کہتے (حالانکہ فرض کا منکر کافر ہے) پس جس کو فرض کہتے ہیں ہماری اصطلاح میں وہ واجب سے عام تر ہے کیونکہ ہم فرض کے اجزاء میں سے ایک کو واجب کہتے ہیں۔ اور حدیث کا یہ لفظ کہ جس نے اسے نماز کے بعد ادا کیا اس نے صدقات میں سے ایک صدقہ دیا۔ اشارہ کرتا ہے کہ بعد از صلاۃ بھی اس کی ادائیگی ہوسکتی ہے۔ ادائیگی کے اس فرق میں بھی علمائے احناف کے درمیان اختلاف ہے۔ عامۂ فقہاء کا یہی قول ہے کہ صدقۂ فطر بعد میں بھی ادا ہوجاتا ہے کیونکہ یہ مطلق واجبات صدقات کی مانند ہے مثلاً زکوٰۃ، نذر، کفارہ وغیرہ کا۔ ہاں اس پر اتفاق ہے کہ اس کی ادائیگی لازم ہے۔ قیس بن سعد کی حدیث جسے خطابی نے معالم السنن میں بیان کیا ہے وہ اس کی فرضیت کے خلاف ہے: "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں نزول زکوٰۃ سے قبل صدقۂ فطر کا حکم دیا تھا۔ جب زکوٰۃ نازل ہوگئی تو نہ اس کا حکم دیا نہ اس سے منع کیا مگر ہم اسے ادا کرتے ہیں۔"

بَابُ ۱۸ مَتٰی تُؤَدّٰی

صدقۂ فطر کب ادا کیا جائے

۱۶۱۰ - حَدَّثَنَا عَبْدُ اللّٰہِ بْنُ مُحَمَّدٍ النُّفَیْلِیُّ نَا زُھَیْرٌ نَا مُوْسٰی بْنُ عُقْبَۃَ عَنْ نَافِعٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ اَمَرَنَا رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ بِزَکٰوۃِ الْفِطْرِ اَنْ تُؤَدّٰی قَبْلَ خُرُوْجِ النَّاسِ اِلَی الصَّلٰوۃِ قَالَ فَکَانَ ابْنُ عُمَرَ یُؤَدِّیْھَا قَبْلَ ذٰلِکَ بِالْیَوْمِ وَالْیَوْمَیْنِ -

۱۶۱۰ - ابن عمرؓ نے کہا کہ ہمیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے زکوٰۃ الفطر کا حکم دیا کہ اسے لوگوں کے نماز کی طرف نکلنے سے قبل ادا کیا جائے۔ نافع نے کہا کہ ابن عمرؓ اسے ایک یا دو دن پہلے ہی ادا کر دیتے تھے (بخاری، مسلم، ترمذی اور نسائی نے بھی اسے روایت کیا مگر ان کی حدیث میں ابن عمرؓ کا فعل مذکور نہیں ہے۔)

(شرح) جس طرح فریضۂ زکوٰۃ پر احادیث میں صدقہ کا لفظ آیا ہے اسی طرح صدقۂ فطر کے لیے زکوٰۃ فطر کا لفظ فرمایا گیا ہے۔ گو اصطلاحاً صدقہ عام ہے اس سے کہ واجب ہو یا مستحب یا واقعی شرعی فریضہ مثلاً زکوٰۃ۔ پس ان الفاظ کی بحث میں پڑنا درست نہ ہوگا علامہ شوکانی نے نیل الاوطار میں کہا ہے کہ زکوٰۃ الفطر کے لفظ سے یہ استدلال کیا گیا ہے کہ اس کے وجوب کا وقت عید الفطر کی رات کو غروب آفتاب کے ساتھ ہی شروع ہو جاتا ہے کیونکہ رمضان سے فطر (فارغ ہونے) کا وقت وہی ہے۔ اور کہا گیا ہے کہ اس کے وجوب کا وقت عید کے دن طلوع فجر سے شروع ہوتا ہے کیونکہ رات محل صوم نہیں ہے اور فطر حقیقی اسی وقت واضح ہو گا جبکہ طلوع فجر کے بعد کچھ کھایا پیا جائے۔ پہلا قول ثوری، احمد، اسحاق اور شافعی کا جدید قول اور مالک کی ایک روایت ہے۔ دوسرا قول ابو حنیفہ، لیث، شافعی کا قول قدیم اور مالک کی دوسری روایت ہے۔ ابن دقیق العید نے کہا کہ زکوٰۃ الفطر کے لفظ سے وقت پر استدلال کرنا ضعیف ہے کیونکہ فطرت کی طرف اضافت وقت کے وجوب پر دلالت نہیں کرتی بلکہ اس کا تقاضا یہ ہے کہ اس زکوٰۃ کا رمضان سے فطر یعنی فراغ کی طرف مضاف ہونا ثابت ہو، پس وقت کا وجوب کسی اور دلیل سے طلب کیا جائے گا۔

ابن عمرؓ کا یہ فعل کہ وہ ایک دو دن پہلے ہی صدقۂ فطر ادا کر دیتے تھے، اس سے علماء نے یہ استدلال کیا کہ صدقۂ فطر کو وقت سے پہلے ادا کرنا جائز ہے۔ حنفیہ میں سے حسن بن زیاد نے تعجیل کو جائز نہیں رکھا کیونکہ وجوب کا وقت تو یوم فطر ہے، لہٰذا اس سے پہلے ادائیگی کا کیا سوال ہے۔ اس کی مثال تو یوں ہو گی جیسے کوئی قربانی کو دس ذی الحجہ پر مقدم کر دے۔ لیکن زکوٰۃ اور عشور وغیرہ اور بعض کفارات بھی وقت سے پہلے ادا ہو جاتے ہیں لہٰذا صحیح تر یہی ہے کہ تعجیل جائز ہے۔

بَابُ ۱۹ کَمْ یُؤَدّٰی فِیْ صَدَقَۃِ الْفِطْرِ

(صدقۃ الفطر کی مقدار کا باب)

۱۶۱۱- حَدَّثَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ مَسْلَمَةَ نَا مَالِكٌ وَقَرَأَهُ عَلٰى مَالِكٍ أَيْضًا عَنْ نَافِعٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَرَضَ زَكٰوةَ الْفِطْرِ قَالَ فِيْمَا قَرَأَهُ عَلٰى مَالِكٍ زَكٰوةَ الْفِطْرِ مِنْ رَمَضَانَ صَاعٌ مِنْ تَمْرٍ أَوْ صَاعٌ مِنْ شَعِيْرٍ عَلٰى كُلِّ حُرٍّ أَوْ عَبْدٍ ذَكَرٍ أَوْ أُنْثٰى مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ -

۱۶۱۱- ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے زکوٰۃ فطر مقرر کی، عبداللہ بن مسلمہ (شیخ ابی داؤد) نے مالک کے سامنے قرأت کی جو روایت کی اس میں: رمضان سے فطر کی زکوٰۃ کا لفظ ہے، کھجور کا ایک صاع یا جو کا ایک صاع مسلمانوں میں سے ہر آزاد و غلام اور مذکر و مؤنث پر (مقرر فرمایا) یہ حدیث ابو داؤد کے علاوہ دوسری تمام صحاح میں بھی موجود ہے۔

(شرح) ابو داؤد نے اس باب کے عنوان میں صدقۃ الفطر کا لفظ استعمال کیا ہے۔ غلام پر واجب ہونے کا مطلب یہ ہے بقول بعض مالک اس کی طرف سے ادا کرے اور بقول بعض مالک اسے اس کی ادائیگی کرنے دے جیسے کہ نماز اور روزے کی ادائیگی کرنے دیتا ہے۔ گویا غلام پر فرض ہے بوساطت مالک اور اس کے حق میں عَلٰی کا لفظ بمعنی عَنْ ہے۔ زوجہ اپنا صدقہ ابو حنیفہ، ثوری اور ابن المنذر کے نزدیک خود ادا کرے گی، خاوند پر واجب نہیں۔ شافعی اور مالک نے کہا کہ اس کا نفقہ خاوند پر ہے لہٰذا اس کی طرف سے صدقۂ فطر بھی خاوند پر واجب ہے۔ کافر چونکہ وجوب صدقہ کا اہل نہیں لہٰذا اس پر کوئی صدقۂ فطر نہیں یہ شافعی کی دلیل ہے حنفیہ نے کہا کہ غلام مسلم ہو یا کافر، مالک پر اس کا صدقہ واجب ہے کیونکہ اس کی ادائیگی کا سبب (فطر) پایا گیا ہے لہٰذا غیر مسلم غلام کی طرف سے بھی مالک صدقۂ فطر وجوبًا ادا کرے گا۔ یہ دراصل ایک فقہی اختلاف ہے اور اس کی دلیل ایک کمزور حدیث میں موجود ہے جو دار قطنی نے روایت کی ہے اور زیادہ تر راویوں کے نزدیک وہ ابن عباسؓ کا قول ہے نہ کہ حدیث مرفوع، اس کے الفاظ یہ ہیں کہ: ہر آزاد، غلام، چھوٹے، بڑے یہودی یا نصرانی یا مجوسی (غلام) کی طرف سے بھی صدقۂ فطر ادا کرو۔ حافظ زیلعی نے کہا ہے کہ اس میں مجوسی کا لفظ دار قطنی میں نہیں ہے۔ اور اس حدیث کو مسند بیان کرنے والا اسلام الطویل ہے جو متروک راوی ہے البدائع میں ہے کہ ابو حنیفہ کے نزدیک صاع (عراقی) آٹھ رطل کا ہے، محمد بن الحسن کا بھی یہی قول ہے۔ ابو یوسف کے نزدیک ⅓ ۵ رطل عراقی ہے اور یہی شافعی کا قول ہے۔ ابو یوسف نے کہا کہ اہل مدینہ کا صاع اسی مقدار کا تھا اور وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے منقول ہے۔ شیخین کا استدلال انسؓ کی حدیث سے ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک مُد پانی سے وضو فرماتے تھے اور مُد دو رطل کا ہوتا تھا، صاع میں چار مُد ہوتے ہیں لہٰذا صاع آٹھ رطل کا ہوا اور یہی مقدار حضورؐ کے غسل کے پانی کی مروی ہے۔ رہا مدنی صاع کا سوال تو فقیہ اہل مدینہ مالک کا قول ہے کہ یہ صاع عبد الملک بن مروان کا ساختہ پرداختہ ہے۔ اور یہ ثابت شدہ امر ہے کہ حضرت عمرؓ کا صاع آٹھ رطل کا تھا لہٰذا عمرؓ کا صاع عبد الملک کے صاع سے اولیٰ تر ہے۔

۱۶۱۲- حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ مُحَمَّدِ بْنِ السَّكَنِ نَا مُحَمَّدُ بْنُ جَهْضَمٍ نَا إِسْمٰعِيْلُ بْنُ جَعْفَرٍ عَنْ عُمَرَ بْنِ نَافِعٍ عَنْ أَبِيْهِ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُمَرَ

قَالَ فَرَضَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ زَكٰوةَ الْفِطْرِ صَاعًا فَذَكَرَ بِمَعْنٰى مَالِكٍ زَادَ وَالصَّغِيرِ وَالْكَبِيرِ وَاَمَرَ بِهَا اَنْ تُؤَدّٰى قَبْلَ خُرُوجِ النَّاسِ اِلَى الصَّلٰوةِ قَالَ اَبُو دَاوُدَ رَوَاهُ عَبْدُ اللّٰهِ الْعُمَرِيُّ عَنْ نَافِعٍ قَالَ عَلٰى كُلِّ مُسْلِمٍ وَرَوَاهُ سَعِيدٌ الْجُمَحِيُّ عَنْ عُبَيْدِ اللّٰهِ عَنْ نَافِعٍ قَالَ فِيهِ مِنَ الْمُسْلِمِينَ وَالْمَشْهُورُ عَنْ عُبَيْدِ اللّٰهِ لَيْسَ فِيهِ مِنَ الْمُسْلِمِينَ ۔

۱۶۱۲۔ عبداللہ بن عمرؓ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کی کہ حضورؐ نے صدقۂ فطر ایک صاع مقرر فرمایا، پھر راوی عمر بن نافع نے مالک کی حدیث (گزشتہ) کی مانند ذکر کیا اور اس میں یہ اضافہ کیا: اور چھوٹے اور بڑے پر، اور حکم دیا کہ لوگوں کے نمازِ عید کی طرف نکلنے سے قبل اُسے ادا کیا جائے۔ ابو داؤد نے کہا کہ عبداللہ عمری نے نافع سے یہ حدیث روایت کی تو کہا: ہر مسلمان پر۔ اور سعید جُمحی نے اسے عبیداللہ عن نافع سے روایت کیا اور اس میں کہا: مسلمانوں میں سے۔ اور جو روایت عبیداللہ سے مشہور ہے اس میں مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ کا لفظ نہیں ہے (یہ حدیث بخاری اور مسلم نے بھی روایت کی ہے۔ دارقطنی کی روایت میں عَلٰی كُلِّ مُسْلِمٍ کا لفظ موجود ہے)

۱۶۱۳۔ حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ اَنَّ يَحْيَى بْنَ سَعِيدٍ وَبِشْرَ بْنَ الْمُفَضَّلِ حَدَّثَاهُمْ عَنْ عُبَيْدِ اللّٰهِ ح وَنَا مُوسَى بْنُ اِسْمٰعِيلَ نَا اَبَانُ عَنْ عُبَيْدِ اللّٰهِ عَنْ نَافِعٍ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنَّهُ فَرَضَ صَدَقَةَ الْفِطْرِ صَاعًا مِنْ شَعِيرٍ اَوْ تَمْرٍ عَلَى الصَّغِيرِ وَالْكَبِيرِ وَالْحُرِّ وَالْمَمْلُوكِ زَادَ مُوسٰى وَالذَّكَرِ وَالْاُنْثٰى قَالَ اَبُو دَاوُدَ قَالَ فِيهِ اَيُّوبُ وَعَبْدُ اللّٰهِ يَعْنِي الْعُمَرِيَّ فِي حَدِيثِهِمَا عَنْ نَافِعٍ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰى ۔

۱۶۱۳۔ عبداللہ بن عمرؓ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت ہے کہ آپ نے صدقۂ فطر ایک صاع جَو یا ایک صاع کھجور چھوٹے اور بڑے پر، آزاد اور غلام پر مقرر فرمایا۔ موسٰی کی روایت میں مذکر و مؤنث کے لفظ کا اضافہ ہے۔ ابو داؤد نے کہا کہ ایوب اور عبداللہ عمری نے اپنی حدیث میں نافع سے مذکر و مؤنث کا بھی اضافہ کیا ہے (بخاری اور مسلم نے بھی یہ حدیث روایت کی ہے)۔ (ایوب کی حدیث دارقطنی نے روایت کی ہے جس میں صاعًا مِنْ تَمْرٍ اور صاعًا من طعامٍ کے لفظ ہیں)

۱۶۱۴۔ حَدَّثَنَا الْهَيْثَمُ بْنُ خَالِدٍ الْجُهَنِيُّ نَا حُسَيْنُ بْنُ عَلِيٍّ الْجُعْفِيُّ

عَنْ زَائِدَةَ نَا عَبْدُ الْعَزِيْزِ بْنُ رَوَّادٍ عَنْ نَافِعٍ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُمَرَ قَالَ كَانَ النَّاسُ يُخْرِجُوْنَ صَدَقَةَ الْفِطْرِ عَلٰى عَهْدِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَاعًا مِّنْ شَعِيْرٍ اَوْ تَمْرٍ اَوْ سُلْتٍ اَوْ زَبِيْبٍ قَالَ قَالَ عَبْدُ اللّٰهِ فَلَمَّا كَانَ عُمَرُ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ وَكَثُرَتِ الْحِنْطَةُ جَعَلَ عُمَرُ نِصْفَ صَاعٍ حِنْطَةٍ مَّكَانَ صَاعٍ مِّنْ تِلْكَ الْاَشْيَاءِ۔

۱۶۱۴۔ عبداللہ بن عمرؓ نے کہا کہ لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں ایک صاع جَو یا کھجور یا بے چھلکے کا سفید جَو یا کشمش صدقۂ فطر نکالتے تھے۔ نافع نے عبداللہؓ کا قول بیان کیا کہ جب عمر رضی اللہ عنہ کا وقت آیا تو انہوں نے ان چیزوں کی جگہ پر نصف صاع گندم مقرر کی (یہ حدیث نسائی میں بھی موجود ہے۔ منذری نے کہا کہ اس حدیث کی سند میں عبدالعزیز بن ابی روّاد ہے جسے اس کی رائے کے باعث بعض نے ضعیف کہا مگر یحییٰ بن حسین، ابو حاتم اور قطان نے اسے ثقہ قرار دیا ہے)

(شرح) اس راوی کو مذکورۂ بالا ارباب حسن کے علاوہ حاکم، عجلی نے ثقہ ٹھہرایا ہے۔ احمد نے اسے صالح الحدیث کہا ہے، نسائی نے لَيْسَ بِهٖ بَاس کہا ہے۔ اس راوی کو مرجئی کہا گیا ہے مگر حافظ نے تہذیب میں اسے قطان کی ثقاہت نقل کر کے کہا ہے کہ یہ مناسب نہیں کہ کسی کی رائے کی خطا کے باعث اس کی حدیث ترک کی جائے صحیحین میں بدعتی فرقوں کے ثقہ راویوں کی روایات موجود ہیں۔ بخاری میں خارجیوں کی روایت اور مسلم میں روافض کی روایات موجود ہیں۔ عبدالرزاق اور حاکم جیسے لوگوں پر تشیع کا الزام مشہور ہے۔ نسائی کو رافضی کہا گیا تھا اور امام بخاری کا جو حال تشدّد ضابطہ کے ہاتھوں ہوا وہ کسے معلوم نہیں؟

۱۶۱۵۔ حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ وَسُلَيْمٰنُ بْنُ دَاوٗدَ الْعَتَكِيُّ قَالَا نَا حَمَّادٌ عَنْ اَيُّوْبَ عَنْ نَافِعٍ قَالَ قَالَ عَبْدُ اللّٰهِ فَعَدَلَ النَّاسُ بَعْدُ نِصْفَ صَاعٍ مِّنْ بُرٍّ قَالَ وَكَانَ عَبْدُ اللّٰهِ يُعْطِي التَّمْرَ فَاَعْوَزَ اَهْلُ الْمَدِيْنَةِ التَّمْرَ عَامًا فَاَعْطَى الشَّعِيْرَ۔

۱۶۱۵۔ عبداللہ بن عمرؓ نے کہا کہ اس کے بعد لوگ گندم کے نصف صاع کی طرف مائل ہو گئے، یا یہ کہ انہوں نے نصف صاع گندم کو ایک صاع کھجور، کشمش اور جَو کے برابر مان لیا۔ نافع نے کہا کہ عبداللہ پہلے کھجور دیتے تھے، ایک سال مدینہ والوں میں کھجور کا قحط ہو گیا تو عبداللہ نے جَو دیئے (بخاری، مسلم، ترمذی اور نسائی نے بھی یہ حدیث روایت کی ہے مختصر بھی اور مطوّل بھی)

۱۶۱۶۔ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ مَسْلَمَةَ نَا دَاوٗدُ يَعْنِي ابْنَ قَيْسٍ عَنْ عِيَاضِ ابْنِ عَبْدِ اللّٰهِ عَنْ اَبِيْ سَعِيْدِ الْخُدْرِيِّ قَالَ كُنَّا نُخْرِجُ اِذَا كَانَ فِيْنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ

صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ زَكٰوةَ الْفِطْرِ عَنْ كُلِّ صَغِيْرٍ وَكَبِيْرٍ حُرٍّ وَمَمْلُوْكٍ صَاعًا مِنْ طَعَامٍ اَوْ صَاعًا مِنْ اَقِطٍ اَوْ صَاعًا مِنْ شَعِيْرٍ اَوْ صَاعًا مِنْ تَمْرٍ اَوْ صَاعًا مِنْ زَبِيْبٍ فَلَمْ نَزَلْ نُخْرِجُهُ حَتّٰى قَدِمَ مُعٰوِيَةُ حَاجًّا اَوْ مُعْتَمِرًا فَكَلَّمَ النَّاسَ عَلَى الْمِنْبَرِ فَكَانَ فِيْمَا كَلَّمَ بِهِ النَّاسَ اَنْ قَالَ اِنِّيْ اَرٰى اَنَّ مُدَّيْنِ مِنْ سَمْرَاءِ الشَّامِ تَعْدِلُ صَاعًا مِنْ تَمْرٍ فَاَخَذَ النَّاسُ بِذٰلِكَ فَقَالَ اَبُوْ سَعِيْدٍ فَاَمَّا اَنَا فَلَا اَزَالُ اُخْرِجُهُ اَبَدًا مَّا عِشْتُ قَالَ اَبُوْ دَاؤُدَ رَوَاهُ ابْنُ عُلَيَّةَ وَعَبْدَةُ وَغَيْرُهُمَا عَنِ ابْنِ اِسْحٰقَ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُثْمَانَ بْنِ حَكِيْمِ بْنِ حِزَامٍ عَنْ عِيَاضٍ عَنْ اَبِيْ سَعِيْدٍ بِمَعْنَاهُ وَذَكَرَ رَجُلٌ وَّاحِدٌ فِيْهِ عَنِ ابْنِ عُلَيَّةَ اَوْ صَاعَ حِنْطَةٍ وَلَيْسَ بِمَحْفُوْظٍ۔

۱۶۱۶۔ ابوسعید خدری رضؓ نے کہا کہ ہم لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے وقت میں زکوٰۃ فطر پر چھوٹے بڑے آزاد یا غلام کی طرف سے ایک صاع طعام یا ایک صاع پنیر یا ایک صاع جَو یا ایک صاع کھجور یا ایک صاع کشمش نکالتے تھے، پس ہم یہی نکالتے رہے حتیٰ کہ معاویہؓ حج یا عمرہ کرنے آئے لوگوں سے منبر پر کلام کیا۔ ان کی باتوں میں سے یہ بھی تھی کہ میرے خیال میں شام کی گندم کے دو مُد کھجور کے ایک صاع کے برابر ہیں، پس لوگوں نے اس پر عمل شروع کر دیا۔ مگر ابوسعیدؓ نے کہا کہ میں تو عمر بھر ایک صاع ہی نکالوں گا۔ ابوداؤد نے کہا کہ اسے ابن علیہ اور عبدہ وغیرہ نے ابن اسحاق سے اُس نے عبداللہ بن عبداللہ بن عثمان بن حکیم بن حزام سے اس نے عیاض سے اس نے ابوسعیدؓ سے اسی معنی کی حدیث روایت کی اور ایک آدمی نے اس میں ابن علیہ سے: او صاعًا من حنطۃ کہا مگر یہ محفوظ نہیں ہے (بخاری، مسلم، ترمذی، نسائی اور ابن ماجہ نے بھی یہ حدیث روایت کی ہے)

(شرح) اس سے قبل حدیث نمبر ۱۶۱۴ میں گزر چکا ہے کہ یہ حکم دراصل جناب عمرؓ کا تھا۔ اس حدیث میں طعام کا لفظ عام تھا جسے بیان کرنے کے بعد اس کی اقسام گنوائی گئی ہیں۔ اور شام کی گندم کا مطلب یہ ہے کہ گندم بالعموم باہر سے آتی تھی عرب میں بہت کم یا ناپید تھی اور اُن کا زیادہ تر طعام جَو یا کھجور تھی۔ ابوسعیدؓ کا قول کہ میں تو زندگی بھر ایک صاع ہی نکالوں گا، گندم کے ایک صاع کو کسی طرح بھی واجب نہیں کرتا۔ یہ ان کی اپنی رائے ہے جو احتیاط او لویت پر مبنی ہے۔

۱۶۱۷۔ حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ نَا اِسْمٰعِيْلُ لَيْسَ فِيْهِ ذِكْرُ الْحِنْطَةِ قَالَ اَبُوْ دَاؤُدَ وَقَدْ ذَكَرَ مُعَاوِيَةُ بْنُ هِشَامٍ فِيْ هٰذَا الْحَدِيْثِ عَنِ الثَّوْرِيِّ عَنْ زَيْدِ بْنِ اَسْلَمَ عَنْ عِيَاضٍ عَنْ اَبِيْ سَعِيْدٍ نِصْفَ صَاعٍ مِّنْ بُرٍّ وَهُوَ وَهْمٌ مِّنْ مُعَاوِيَةَ بْنِ هِشَامٍ اَوْ مِمَّنْ رَوَاهُ عَنْهُ۔

۱۶۱۷۔ یہ دوسری روایت بھی ابوسعید کی ہے جس میں گندم کا ذکر نہیں۔ ابوداؤد نے ایک اور سند سے ابوسعید رضی اللہ عنہ کی روایت بیان کی "گندم کا نصف صاع" مذکور ہے۔ بقول ابی داؤد یہ معاویہ بن ہشام راوی کا یا اس سے نچلے راوی کا وہم ہے۔

۱۶۱۸۔ حَدَّثَنَا حَامِدُ بْنُ يَحْيَى أَنَا سُفْيَانُ ح وَنَا مُسَدَّدٌ نَا يَحْيَى عَنِ ابْنِ عَجْلَانَ سَمِعَ عِيَاضًا قَالَ سَمِعْتُ أَبَا سَعِيدٍ الْخُدْرِيَّ يَقُولُ لَا أُخْرِجُ أَبَدًا إِلَّا صَاعًا إِنَّا كُنَّا نُخْرِجُ عَلَى عَهْدِ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَاعَ تَمْرٍ أَوْ شَعِيرٍ أَوْ أَقِطٍ أَوْ زَبِيبٍ هٰذَا حَدِيثُ يَحْيَى زَادَ سُفْيَانُ أَوْ صَاعًا مِنْ دَقِيقٍ قَالَ حَامِدٌ فَأَنْكَرُوا عَلَيْهِ فَتَرَكَهُ سُفْيَانُ قَالَ أَبُو دَاوُدَ فَهٰذِهِ الزِّيَادَةُ وَهْمٌ مِنِ ابْنِ عُيَيْنَةَ۔

۱۶۱۸۔ عیاض نے ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کو کہتے سنا کہ: میں تو ہمیشہ ایک ہی صاع نکالوں گا، ہم لوگ رسول اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں کھجور یا جَو یا پنیر یا کشمش کا ایک صاع نکالتے تھے۔ یہ یحییٰ کی حدیث ہے، سفیان نے اس میں: "یا ایک صاع آٹا"، کا اضافہ کیا۔ حامد راوی نے کہا کہ محدثین نے اُس پر نکیر کی تو سفیان نے یہ لفظ ترک کر دیا، ابوداؤد نے کہا کہ یہ لفظ ابن عیینہ کا وہم ہے (بیہقی نے یہ وہم ثابت کیا ہے اور ابن عجلان سے روایت کرنے والے تمام حفاظ کا نام لے کر کہا ہے کہ کسی نے بھی سفیان کے سوا دقیق کا لفظ روایت نہیں کیا)

بَابُ ٢٠ مَنْ رَوَى نِصْفَ صَاعٍ مِنْ قَمْحٍ

(جن لوگوں نے گندم کا نصف صاع روایت کیا)

۱۶۱۹۔ حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ وَسُلَيْمٰنُ بْنُ دَاوُدَ الْعَتَكِيُّ قَالَا نَا حَمَّادُ بْنُ زَيْدٍ عَنِ النُّعْمَانِ بْنِ رَاشِدٍ عَنِ الزُّهْرِيِّ قَالَ مُسَدَّدٌ عَنْ ثَعْلَبَةَ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ أَبِي صُعَيْرٍ عَنْ أَبِيهِ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَاعٌ مِنْ بُرٍّ أَوْ قَمْحٍ عَلَى كُلِّ اثْنَيْنِ صَغِيرٍ أَوْ كَبِيرٍ حُرٍّ أَوْ عَبْدٍ ذَكَرٍ أَوْ أُنْثَى أَمَّا غَنِيُّكُمْ فَيُزَكِّيهِ اللّٰهُ تَعَالَى وَأَمَّا فَقِيرُكُمْ فَيَرُدُّ اللّٰهُ تَعَالَى عَلَيْهِ أَكْثَرَ مِمَّا أَعْطَاهُ زَادَ سُلَيْمَانُ فِي حَدِيثِهِ غَنِيٍّ أَوْ فَقِيرٍ۔

۱۶۱۹۔ ثعلبہ ابن ابی صعیر نے اپنے باپ سے روایت کی (یہ لفظ ابو داؤد کے استاد مسدد کے ہیں) اور سلیمان بن داؤد (ابو داؤد کے دوسرے استاد) نے کہا: عبداللہ بن ثعلبہ نے ثعلبہ بن عبداللہ ابن ابی صعیر نے اپنے باپ سے روایت کی، اس نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بُرّ یا قمح (گندم) کا ایک صاع ہر دو آدمیوں پر، چھوٹے بڑے، آزاد یا غلام، مذکر یا مؤنث پر ہے۔ اگر غنی ہوگا تو اللہ تعالیٰ اسے پاک کر دے گا اور اگر تم میں سے محتاج ہوگا تو اللہ تعالیٰ اُسے اس کے دیئے سے زیادہ دے گا۔ سلیمان نے اپنی حدیث میں غنی یا فقیر کا لفظ زاید کیا (منذری نے اس حدیث کے راوی نعمان بن راشد پر تنقید کی ہے کہ وہ حجت نہیں ہے)

(شرح) نعمان بن راشد کی حدیث کو ابو حاتم نے غیر صحیح کہا ہے۔ یحییٰ قطان نے اسے ضعیف کہا ہے، احمد نے مضطرب الحدیث قرار دیا ہے ابن معین نے اسے ضعیف کہا ہے۔ ابو داؤد اور نسائی نے اسے ضعیف کہا ہے۔ ابن حبان نے اور ایک بار ابن حسین نے بھی اسے ثقہ کہا ہے۔ دارقطنی نے کہا ہے کہ اس حدیث کا صحابی عبداللہ بن ثعلبہ بن ابی صعیر ہے کیونکہ ثعلبہ صحابی ہے اور عبداللہ نے حضورؐ کو دیکھا ہے۔ یہ حدیث مصنف عبدالرزاق میں باختلاف بعض الفاظ موجود ہے اور اس کی سند صحیح ہے: عبدالرزاق اخبرنا ابن جریج عن ابن شہاب عن عبداللہ بن ثعلبہ الخ۔ خطابی نے کہا ہے کہ یہ حدیث ان لوگوں کی دلیل ہے جو گندم کے نصف صاع کے قائل ہیں۔

۱۶۲۰۔ حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ الْحَسَنِ بْنِ الدَّرَابْجِرْدِيُّ نَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ يَزِيْدَ نَا هَمَّامٌ نَا بَكْرٌ هُوَ ابْنُ وَائِلٍ عَنِ الزُّهْرِيِّ عَنْ ثَعْلَبَةَ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ أَوْ قَالَ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ ثَعْلَبَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ح وَنَا مُحَمَّدُ بْنُ يَحْيَى النَّيْسَابُوْرِيُّ نَا مُوْسَى بْنُ إِسْمَاعِيْلَ نَا هَمَّامٌ عَنْ بَكْرٍ الْكُوْفِيِّ قَالَ مُحَمَّدُ بْنُ يَحْيَى هُوَ بَكْرُ بْنُ وَائِلِ بْنِ دَاوُدَ أَنَّ الزُّهْرِيَّ حَدَّثَهُمْ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ ثَعْلَبَةَ بْنِ صُعَيْرٍ عَنْ أَبِيْهِ قَالَ قَامَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَطِيْبًا فَأَمَرَ بِصَدَقَةِ الْفِطْرِ صَاعَ تَمْرٍ أَوْ صَاعَ شَعِيْرٍ عَنْ كُلِّ رَأْسٍ زَادَ عَلِيٌّ فِيْ حَدِيْثِهِ أَوْ صَاعَ بُرٍّ أَوْ قَمْحٍ بَيْنَ اثْنَيْنِ ثُمَّ اتَّفَقَا عَنِ الصَّغِيْرِ وَالْكَبِيْرِ وَالْحُرِّ وَالْعَبْدِ۔

۱۶۲۰۔ بکر بن وائل نے زہری سے اور اس نے ثعلبہ بن عبداللہ سے یا کہا کہ عبداللہ بن ثعلبہ سے اس نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کی اور دوسری سند کے ساتھ زہری نے عبداللہ بن ثعلبہ بن صعیر سے اس نے اپنے باپ سے روایت کی۔ اس نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خطبہ دینے کھڑے ہوئے تو صدقۂ فطر کا حکم دیا، کھجور کا ایک صاع یا جو کا ایک صاع ہر شخص کی طرف سے، علی ابن حسن نے اپنی حدیث میں یہ اضافہ کیا کہ یا گندم کا ایک صاع دو آدمیوں کی طرف سے، چھوٹے بڑے آزاد اور غلام کی طرف سے۔

۱۶۲۱- حَدَّثَنَا اَحْمَدُ بْنُ صَالِحٍ نَا عَبْدُ الرَّزَّاقِ اَنَا ابْنُ جُرَيْجٍ قَالَ وَقَالَ ابْنُ شِهَابٍ قَالَ عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ ثَعْلَبَةَ قَالَ ابْنُ صَالِحٍ قَالَ الْعَدَوِيُّ وَاِنَّمَا هُوَ الْعُذْرِيُّ خَطَبَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ النَّاسَ قَبْلَ الْفِطْرِ بِيَوْمَيْنِ بِمَعْنٰى حَدِيْثِ الْمُقْرِئِ۔

۱۶۲۱- عبداللہ بن ثعلبہ (عدوی یا عُذری) نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عیدالفطر سے ایک یا دو دن پہلے خطاب فرمایا الخ مقریؒ (عبداللہ بن یزید) کی حدیث کی مانند (اس حدیث میں صحابی کا نام بلاشک عبداللہ بن ثعلبہ مذکور ہے جس طرح کہ اوپر کی حدیث ہمام میں بھی شک کا ذکر نہیں ہے۔ مضمون وہی ہے جو اوپر گزرا۔

۱۶۲۲- حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الْمُثَنّٰى نَا سَهْلُ بْنُ يُوْسُفَ قَالَ حُمَيْدٌ اُخْبِرْنَا عَنِ الْحَسَنِ قَالَ خَطَبَ ابْنُ عَبَّاسٍ فِيْ اٰخِرِ رَمَضَانَ عَلٰى مِنْبَرِ الْبَصْرَةِ فَقَالَ اَخْرِجُوْا صَدَقَةَ صَوْمِكُمْ فَكَاَنَّ النَّاسَ لَمْ يَعْلَمُوْا فَقَالَ مَنْ هٰهُنَا مِنْ اَهْلِ الْمَدِيْنَةِ قُوْمُوْا اِلٰى اِخْوَانِكُمْ فَعَلِّمُوْهُمْ فَاِنَّهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ فَرَضَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ هٰذِهِ الصَّدَقَةَ صَاعًا مِّنْ تَمْرٍ اَوْ شَعِيْرٍ اَوْ نِصْفَ صَاعٍ مِّنْ قَمْحٍ عَلٰى كُلِّ حُرٍّ اَوْ مَمْلُوْكٍ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰى صَغِيْرٍ اَوْ كَبِيْرٍ فَلَمَّا قَدِمَ عَلِيٌّ رَاٰى رُخْصَ السِّعْرِ قَالَ قَدْ اَوْسَعَ اللّٰهُ عَلَيْكُمْ فَلَوْ جَعَلْتُمُوْهُ صَاعًا مِّنْ كُلِّ شَيْءٍ قَالَ حُمَيْدٌ وَكَانَ الْحَسَنُ يَرٰى صَدَقَةَ رَمَضَانَ عَلٰى مَنْ صَامَ۔

۱۶۲۲- حسن بصری سے روایت ہے کہ اس نے کہا: ابن عباس رضؓ نے رمضان کے آخر میں بصرہ (کی جامع مسجد کے) منبر پر خطبہ دیا تو فرمایا کہ اپنے روزے کا صدقہ نکالو، پس گویا کہ لوگ یہ جانتے تھے، کہا کہ یہاں پہ مدینہ والوں میں کون ہیں؟ اٹھو اپنے بھائیوں کی طرف پس انہیں تعلیم دو کیونکہ وہ نہیں جانتے کہ یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ٹھرایا ہوا فریضہ ہے۔ حضورؐ نے یہ صدقہ کھجور کا ایک صاع، اور جَو کا ایک صاع اور گندم کا نصف صاع ہر ایک آزاد اور غلام مذکر و مؤنث چھوٹے اور بڑے پر مقرر کیا تھا۔ پھر جب علی رضؓ بصرہ آئے تو بھاؤ سستا ہو گیا تھا، انہوں نے کہا کہ اللہ تعالیٰ نے تم پر کشائش فرما دی ہے تو اگر تم ہر چیز کا صاع کر ڈالو تو بہتر ہے۔ حمید نے کہا کہ حسن بصری کے نزدیک صدقۂ فطر اس پر تھا جو رمضان کا روزہ رکھے (یعنی ان کے نزدیک نابالغ پر صدقۂ فطر نہ تھا۔ مگر ان کی دلیل کا پتہ نہیں چلا (اس حدیث کو احمد نے مسند میں مختصرًا

اور مطولاً روایت کیا ہے۔ نسائی نے بھی اسے زکوٰۃ الفطر میں روایت کیا ہے۔ منذری نے کہا کہ بقول نسائی حسن رح نے ابن عباس رض سے نہیں سُنا اور یہی بات احمد اور علی بن المدینی وغیرہ ائمہ حدیث نے کہی ہے اور یہی قول ابو حاتم کا ہے کہ جن دنوں ابن عباس رض بصرہ پر حاکم تھے حسن رح اس وقت مدینہ میں تھے۔ بہرحال زمانہ جب ایک تھا تو امکان لقاء موجود تھا۔ نیز حسن رح کی روایات عموماً مرسل ہوا کرتی ہیں ممکن ہے یہاں بھی انہوں نے کسی راوی کا نام چھوڑ دیا ہو۔ ان کے وقت میں بدعات ابھی اتنی پھیلی نہ تھیں اور منقطع، مرسل اور موقوف روایات کا رواج تھا منذری نے مسند احمد کی ایک حدیث سے ابن عباس رض اور حسن رح کی ملاقات وسماع کا قطعی ثبوت دیا ہے)

بَابٌ[۲۱] فِي تَعْجِيلِ الزَّكٰوةِ

(تعجیل زکوٰۃ کا باب)

۱۶۲۳ - حَدَّثَنَا الْحَسَنُ بْنُ الصَّبَّاحِ نَا شَبَابَةُ عَنْ وَرْقَاءَ عَنْ أَبِي الزِّنَادِ عَنِ الْأَعْرَجِ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ بَعَثَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عُمَرَ ابْنَ الْخَطَّابِ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ عَلَى الصَّدَقَةِ فَمَنَعَ ابْنُ جَمِيلٍ وَخَالِدُ بْنُ الْوَلِيدِ وَالْعَبَّاسُ فَقَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا يَنْقِمُ ابْنُ جَمِيلٍ إِلَّا أَنْ كَانَ فَقِيرًا فَأَغْنَاهُ اللّٰهُ وَأَمَّا خَالِدُ بْنُ الْوَلِيدِ فَإِنَّكُمْ تَظْلِمُونَ خَالِدًا فَقَدِ احْتَبَسَ أَدْرَاعَهُ وَأَعْتُدَهُ فِي سَبِيلِ اللّٰهِ عَزَّ وَجَلَّ وَأَمَّا الْعَبَّاسُ عَمُّ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَهِيَ عَلَيَّ وَمِثْلُهَا ثُمَّ قَالَ أَمَا شَعَرْتَ أَنَّ عَمَّ الرَّجُلِ صِنْوُ الْأَبِ أَوْ صِنْوُ أَبِيهِ۔

۱۶۲۳ - ابوہریرہ رض نے کہا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے عمر بن الخطاب کو صدقہ وصول کرنے بھیجا۔ پس ابن جمیل (عبداللہ) نے زکوٰۃ نہ دی اور خالد بن الولید اور عباس رض نے بھی نہ دی۔ پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ابن جمیل صرف اس لیے کفرانِ نعمت کرتا ہے کہ وہ محتاج تھا تو اللہ تعالیٰ نے اسے غنی کر دیا، اور رہا خالد بن ولید، تو تم خالد پر زیادتی کرتے ہو اس نے تو اپنی زرہیں اور سامانِ جنگ تک اللہ کی راہ میں وقف کر رکھا ہے۔ اور رہا عباس رض، وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا چچا ہے اس کی زکوٰۃ میرے ذمے ہے اور اتنی اور بھی۔ پھر فرمایا: کیا تجھے معلوم نہیں کہ آدمی کا چچا باپ کی مانند ہوتا ہے؟ یا فرمایا اُس کے باپ کی مانند ہوتا ہے؟ (بخاری، مسلم، نسائی اور احمد نے بھی روایت کی ہے۔)

(شرح) معالم السنن میں خطابی نے کہا ہے کہ ابن جمیل کے امتناع کے باوجود اسے باغی نہیں ٹھہرا گیا۔ ایسا شخص

حب تک مسلح ہوکر مقابلے کو نہ نکل آئے۔ جیساکہ صدیق اکبرؓ کے دور میں مانعین زکوٰۃ نے کیا تھا۔ باغی شمار نہ ہوگا اور اس سے زکوٰۃ بہرطور وصول کی جائیگی۔ خالدؓ کی زرہیں اور آلات جنگ جو فی سبیل اللہ وقف تھے شاید جناب عمرؓ نے سمجھا کہ یہ تجارت کے لیے ہیں لہٰذا ان سے زکوٰۃ طلب کی ہوگی۔ مگر حضورؐ کی وضاحت سے معلوم ہوگیا کہ ایسے مال پہ زکوٰۃ نہیں۔ دوسری تاویل اس کلام کی یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے خالدؓ کی معذوری اپنی طرف سے بیان فرمائی کہ ایسا شخص جو سامان جنگ تک کو خدا کی راہ میں وقف کردے وہ زکوٰۃ کیا روکے گا؟ گویا اس نے زکوٰۃ اس لیے نہیں دی کہ اس پہ اس وقت فرض ہی نہ تھی۔ اس حدیث میں تجارت کی نیت سے روکے ہوئے مال پہ تجارت کا وجوب بھی ثابت ہوا اور یہ مسئلہ اجماعی ہے۔ اس میں بعض متاخرین ظاہریہ کا اختلاف ہے جو خلافِ اجماع ہونے کے باعث مردود ہے۔ یعنی جو مال بالفعل تجارت میں لگا ہوا نہیں مگر تجارت کی نیت سے روکا گیا ہے اس پہ زکوٰۃ فرض ہے کیونکہ عمر بن الخطاب نے خالدؓ کے سامانِ جنگ کو شاید مالِ تجارت ہی جان کر زکوٰۃ کا مطالبہ کیا تھا حضورؐ نے اس پہ نکیر نہ فرمائی۔ اس حدیث سے آلاتِ حرب اور ان کے علاوہ بھی نفع آور چیزوں کو راہِ خدا میں وقف کرنا اس صورت میں کہ ان کے منافع اور استعمال کو وقف قرار دیں اور اصل چیز مالک کی تحویل و نگرانی میں رہے، جائز ثابت ہوتا ہے۔ عباسؓ کی ذمہ داری حضورؐ نے دو سال کے لیے اس وجہ سے لی کہ آپؐ نے اس سے کچھ مال ادھار لے رکھا تھا اور اب اسی میں سے زکوٰۃ ادا کرنے کا ارادہ تھا۔ یا یہ کہ عباسؓ کی پیشگی زکوٰۃ خود حضورؐ نے کسی شرعی ضرورت سے لے لی تھی اس لیے فرمایا دیا کہ وہ میرے پاس ہے۔ اور یہ احتمال بھی ہوسکتا ہے کہ حضور نے عباسؓ کی طرف سے اور زکوٰۃ کی ذمہ داری قُربِ قرابت کے باعث لے لی تھی۔ لیکن دوسرا احتمال ابوداؤد کی اگلی روایت سے ثابت ہوتا ہے اس لیے وہی صحیح ہے کہ عباسؓ کی زکوٰۃ پیشگی لی جاچکی تھی، اور حضرت عمرؓ کو یہ معلوم نہ تھا۔ زکوٰۃ کی پیشگی وصولی اکثر علماء کے نزدیک جائز ہے، زہری، اوزاعی، ابوحنیفہ اور ان کے اصحاب اور شافعی کا یہی مذہب ہے۔ اس میں حسن بصری اور مالک کا اختلاف مروی ہے۔ حسن نے اس کی مثال نماز سے دی کہ جس طرح وہ پیشگی ادا کرنا جائز نہیں اس طرح زکوٰۃ بھی جائز نہیں۔ لیکن زکوٰۃ مال کا حق اور اس میں تعدیم و تاخیر ممکن اور جائز ہے، نماز کا یہ حال نہیں، لہٰذا یہ قیاس صحیح نہیں ہے۔ مولاناؒ نے فرمایا کہ اس حدیث میں: علی الصدقۃ کا لفظ ہے مگر مراد اس سے زکوٰۃ ہے کیونکہ نفلی صدقات کی وصولی کے لیے تحفیل دار نہیں بھیجے جاتے تھے۔ ابن قصار مالکی کا قول ہے کہ یہ نفلی صدقات تھے کیونکہ ان اصحاب کبار سے یہ امید نہ تھی کہ فریضۂ زکوٰۃ کو روکیں۔ مگر یہ قول صحیح نہیں کیونکہ خالدؓ اور عباسؓ کا جائز شرعی عذر تو خود حضورؐ نے بیان فرما دیا لہٰذا ان کا روکنا از راہِ عناد و انکار نہ تھا۔ رہ گیا ابن جمیل، سو وہ منافق تھا اور بعد میں تائب ہوا تھا جیساکہ المہلب نے بیان کیا ہے۔

۱۶۲۴ - حَدَّثَنَا سَعِيدُ بْنُ مَنْصُورٍ نَا إِسْمٰعِيلُ بْنُ زَكَرِيَّا عَنِ الْحَجَّاجِ بْنِ دِينَارٍ عَنِ الْحَكَمِ عَنْ حُجَيَّةَ عَنْ عَلِيٍّ أَنَّ الْعَبَّاسَ سَأَلَ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي تَعْجِيلِ الصَّدَقَةِ قَبْلَ أَنْ تَحِلَّ فَرَخَّصَ لَهُ فِي ذٰلِكَ قَالَ أَبُو دَاوُدَ رَوٰى هٰذَا الْحَدِيثَ هُشَيْمٌ عَنْ مَنْصُورِ بْنِ زَاذَانَ عَنِ الْحَكَمِ عَنِ الْحَسَنِ

ابْنِ مُسْلِمٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَحَدِيثُ هُشَيْمٍ أَصَحُّ ۔

۱۶۲۴۔ علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ عباسؓ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ادائیگی زکوٰۃ کا وقت آنے سے پہلے ہی اس کی پیشگی ادائیگی کی حضور سے اجازت مانگی تو آپؐ نے اسے یہ اجازت دے دی تھی۔ ابو داؤدؒ نے کہا یہ حدیث ہشیم نے اپنی سند سے مسند بیان کی ہے اور وہ صحیح تر ہے (ترمذی اور ابن ماجہ نے بھی یہ حدیث روایت کی ہے۔ ابو حاتم رازی نے اس کے راوی حجیہ کو نا قابلِ استدلال قرار دیا ہے کیونکہ وہ تقریباً مجہول ہے۔ مگر عجلی اور ابن حبان کے نزدیک ثقہ ہے۔ ہشیم کی حدیث جس کا حوالہ ابو داؤدؒ نے دیا ہے وہ مرسل ہے۔ شوکانی نے کہا کہ یہ حدیث نسائی کے سوا سب صحاح میں موجود ہے اور اسے حاکم، دارقطنی اور بیہقی نے بھی اسے روایت کیا اور دارقطنی نے اس کے مرسل ہونے کو ترجیح دی ہے)

بَابٌ ۲۲ فِي الزَّكٰوةِ تُحْمَلُ مِنْ بَلَدٍ إِلَى بَلَدٍ

(زکوٰۃ کو ایک شہر سے دوسرے شہر کو لے جانیکا باب)

۱۶۲۵۔ حَدَّثَنَا نَصْرُ بْنُ عَلِيٍّ أَنَا أَبِي أَنَا إِبْرَاهِيمُ بْنُ عَطَاءٍ مَوْلَى عِمْرَانَ بْنِ حُصَيْنٍ عَنْ أَبِيهِ أَنَّ زِيَادًا أَوْ بَعْضَ الْأُمَرَاءِ بَعَثَ عِمْرَانَ ابْنَ حُصَيْنٍ عَلَى الصَّدَقَةِ فَلَمَّا رَجَعَ قَالَ لِعِمْرَانَ أَيْنَ الْمَالُ قَالَ وَلِلْمَالِ أَرْسَلْتَنِي أَخَذْنَاهَا مِنْ حَيْثُ كُنَّا نَأْخُذُهَا عَلَى عَهْدِ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَوَضَعْنَاهَا حَيْثُ كُنَّا نَضَعُهَا عَلَى عَهْدِ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ۔

۱۶۲۵۔ زیاد یا کسی اور امیر نے حضرت عمرانؓ بن حصین کو زکوٰۃ کا تحصیلدار بنا کر بھیجا۔ جب وہ واپس آئے تو اس نے پوچھا کہ مال کہاں ہے؟ عمران نے کہا: کیا تو نے مجھے مال لانے کو بھیجا تھا؟ ہم نے اسے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دور کی طرح لیا اور آپ کے عہد مبارک ہی کی مانند اسے خرچ کر ڈالا (یہ حدیث سنن ابن ماجہ میں بھی موجود ہے۔)

(شرح) شوکانی نے کہا ہے کہ بخاری و مسلم میں معاذؓ کی حدیث مروی ہے کہ حضورؐ نے انہیں حکم دیا تھا کہ: زکوٰۃ ان کے مالداروں سے لے کر ان کے محتاجوں میں بانٹ دینا۔ ان احادیث سے استدلال کیا گیا ہے کہ ہر علاقے اور شہر کی زکوٰۃ (حتی الوسع) وہیں پر صرف ہو گی اور بلا ضرورت شرعیہ) اسے دوسرے علاقوں کو منتقل کرنا مکروہ ہے۔ اور مالک، ثوری اور شافعی سے یہی منقول ہے۔ دیگر علماء نے کہا ہے کہ ضرورت کے وقت جائز ہے کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صحرا والوں کی زکوٰۃ فقرائے مہاجرین پر مدینہ میں صرف کیا کرتے تھے۔ درمختار میں ہے کہ زکوٰۃ ایک شہر سے دوسرے شہر کی طرف منتقل کرنا مکروہ ہے مگر اقرباء کی طرف یا زیادہ حاجت مندوں کی طرف یا جب مسلمانوں کے لیے ایسا کرنا مناسب تر اور اولیٰ تر ہو تو جائز

۱۵۹۵: ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مسلم پر اس کے غلام اور اس کے گھوڑے میں کوئی زکوٰۃ نہیں۔ (بخاری، مسلم، ترمذی، نسائی اور ابن ماجہ میں بھی حدیث آئی ہے)

(شرح) عبدہ اور فرسہ کی ضمیر صاف بتاتی ہے کہ یہاں پر غلام سے مراد خدمت کا غلام اور گھوڑے سے مراد سواری کا گھوڑا ہے۔ ان دونوں میں زکوٰۃ کے نہ ہونے پر اتفاق ہے۔ ابو حنیفہ کے نزدیک جو گھوڑے نسل کشی کے لئے ہوں اور مذکر و مؤنث ملے جلے ہوں ان میں زکوٰۃ ہے اور یہ مسئلہ پہلے گزر چکا ہے۔ ظاہریہ نے اس حدیث سے استدلال کر کے کہا ہے کہ گھوڑے یا غلام تجارت کے لئے ہوں تب بھی ان میں کوئی زکوٰۃ نہیں لیکن جمہور کے نزدیک وہ مالِ تجارت ہیں جس میں بالاتفاق زکوٰۃ ہے۔

بَابُ ۱۱ صَدَقَةِ الزَّرْعِ

(زرعی فصلوں کی زکوٰۃ کا باب)

۱۵۹۶ - حَدَّثَنَا هَارُونُ بْنُ سَعِيدِ بْنِ الْهَيْثَمِ الْأَيْلِيُّ نَا عَبْدُ اللهِ بْنُ وَهْبٍ أَخْبَرَنِي يُونُسُ بْنُ يَزِيدَ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ عَنْ سَالِمِ بْنِ عَبْدِ اللهِ عَنْ أَبِيهِ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيمَا سَقَتِ السَّمَاءُ وَالْأَنْهَارُ وَالْعُيُونُ أَوْ كَانَ بَعْلًا الْعُشْرُ وَفِيمَا سُقِيَ بِالسَّوَانِي أَوِ النَّضْحِ نِصْفُ الْعُشْرِ۔

۱۵۹۶: عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے کہا کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جن کھیتیوں کو بارش پلائے یا نہریں اور چشمے پلائیں یا وہ آبپاشی کی محتاج نہ ہوں، ان میں عشر ہے۔ اور جو پانی ڈھونے والے جانوروں یا کھینچ کر (پانی نکال کر) پلائی جائیں ان میں نصف عشر ہے (بخاری، ترمذی، نسائی اور ابن ماجہ نے بھی اسے روایت کیا)

(شرح) خلاصہ حدیث کا یہ ہے کہ بارانی زمینوں میں عشر اور چاہی زمینوں میں نصف عشر ہے۔ انہار سے مراد وہ برساتی ندی نالے ہیں جو عرب میں پائے جاتے تھے اور جن سے بلا مشقت کھیتیوں کو پانی مل جاتا تھا، آج کل کی ہمارے ہاں کی نہریں مراد نہیں۔ وجہ یہ ہے کہ ان نہروں کی آبپاشی میں جو مشقت، محنت اور خرچ ہے وہ بالکل واضح ہے۔ مولانا نے فرمایا کہ اس فصل میں علماء کا کئی مسائل میں اختلاف ہے۔ ایک یہ کہ حنفیہ نے عشر کے وجوب کے لئے یہ شرط لگائی ہے کہ وہ زمین عشری ہو خراجی نہ ہو۔ ورنہ اس میں خراج واجب ہوگا۔ ایک ہی زمین میں عشر اور خراج دونوں جمع نہیں ہو سکتے۔ امام شافعی نے کہا ہے کہ خراجی زمین میں عشر بھی واجب ہے۔ حنفیہ کی دلیل یہ ہے کہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کی ہے کہ مسلم کی زمین میں عشر اور خراج اکٹھے نہیں ہو سکتے۔ نیز آج تک کسی عادل یا ظالم حاکم نے ایسا نہیں کیا، پس عشر و خراج کا اجتماع خلاف اجماع ہے لہٰذا باطل ہے، اور ان مسائل میں سے ایک یہ ہے کہ عشر کے وجوب میں کسی نصاب کی شرط نہیں ہے پس

ہے۔ دارالحرب سے دارالاسلام کی طرف منتقل کرنا بھی جائز ہے۔ عمران ؓ نے چونکہ اسی علاقے کے لوگوں کو زیادہ حقدار دیکھا جہاں سے زکوٰۃ لی تھی لہٰذا وہیں پر تقسیم کر دی۔ اس مسئلے پر کچھ گفتگو گزر چکی ہے۔

بَابُ ۲۳ مَنْ يُعْطَى مِنَ الصَّدَقَةِ وَحَدِّ الْغِنَى

(صدقہ کے حقداروں کا اور مالداری کی حد کا باب)

۱۶۲۶ - حَدَّثَنَا الْحَسَنُ بْنُ عَلِيٍّ نَا يَحْيَى بْنُ آدَمَ نَا سُفْيَانُ عَنْ حَكِيمِ بْنِ جُبَيْرٍ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ يَزِيْدَ عَنْ أَبِيهِ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ سَأَلَ وَلَهُ مَا يُغْنِيْهِ جَاءَ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ خُمُوْشٌ أَوْ خُدُوْشٌ أَوْ كُدُوْحٌ فِي وَجْهِهِ فَقِيْلَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ وَمَا الْغِنَى قَالَ خَمْسُوْنَ دِرْهَمًا أَوْ قِيْمَتُهَا مِنَ الذَّهَبِ قَالَ يَحْيَى فَقَالَ عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ عُثْمَانَ لِسُفْيَانَ حِفْظِي أَنَّ شُعْبَةَ لَا يَرْوِي عَنْ حَكِيمِ بْنِ جُبَيْرٍ فَقَالَ سُفْيَانُ فَقَدْ حَدَّثَنَاهُ زُبَيْدٌ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ يَزِيْدَ۔

۱۶۲۶۔ عبداللہ بن مسعود ؓ نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس نے سوال کیا حالانکہ اس کے پاس حسب ضرورت موجود ہے تو وہ قیامت کے دن آئے گا اور اس کے چہرے پر زخم اور چھیلنے کے نشانات ہوں گے۔ پوچھا گیا کہ یا رسول اللہ غنیٰ (حسب ضرورت مال) کیا ہے؟ فرمایا: پچاس درہم یا اس کی قیمت کا سونا۔ یحییٰ بن آدم راوی نے کہا کہ عبداللہ بن عثمان نے سفیان سے کہا: مجھے یوں یاد ہے کہ شعبہ حکیم بن جبیر سے روایت نہیں کرتا۔ سفیان نے کہا کہ ہمیں یہ حدیث زبیر نے محمد بن عبدالرحمٰن بن یزید کے حوالے سے سنائی ہے (اس کی روایت ترمذی، نسائی، ابن ماجہ اور احمد نے بھی ہے اور ترمذی نے کہا کہ حکیم بن جبیر پر اس حدیث کے باعث تنقید ہوئی ہے)

(شرح) حکیم بن جبیر کو احمد نے ضعیف الحدیث مضطرب کہا ہے، ابن معین نے کہا کہ وہ کچھ نہیں۔ یحییٰ بن سعید نے کہا کہ حکیم نے صرف چند حدیثوں کی روایت کی ہے اور شعبہ نے اسے اس حدیث صدقہ کے باعث ترک کر دیا تھا۔ شعبہ سے اس حدیث کی روایت کرنے کو کہا گیا تو اس نے کہا مجھے جہنم کا خوف ہے۔ یعقوب بن شیبہ نے ضعیف، ابو حاتم نے ضعیف اور منکر الحدیث اور غالی رافضی کہا ہے۔ نسائی نے غیر قوی اور دارقطنی نے متروک کہا ہے۔ اس حدیث میں خموش، خدوش، کدوح کے الفاظ آئے ہیں جو تقریباً ہم معنی ہیں۔ ناخنوں کے ساتھ اگرچہ چہرے کو چھیلا جائے تو جو زخم پڑیں گے، یہ الفاظ انہی کے لیے بولے جاتے ہیں۔ ابن المبارک، احمد اور اسحاق کا یہی مذہب ہے کہ جس کے پاس ۵۰ درہم یا اس کی قیمت کی کوئی اور جنس ہو اس کے لیے سوال حرام ہے۔ ظاہر یہ ہے کہ جس شخص صبح و شام کے کھانے کی دائمی مقدار یا غالب اوقات میں

موجود رہے اس کے لیے سوال نا جائز ہے۔ خواہ یہ مال تجارت سے حاصل ہو خواہ مزدوری سے۔ چونکہ ان لوگوں کا پیشہ زیادہ تر تجارت تھا اور پچاس درہم اس وقت تجارت کا رأس المال ہونے کے لیے کم از کم کافی مقدار تھی اس لیے یہ تخمینہ بیان فرمایا گیا ایک حدیث میں اس کے قریب اُوقیہ کا تخمینہ بھی ہے جو چالیس درہم کا ہوتا تھا۔ ایک حدیث میں پانچ اوقیہ کا لفظ بھی ہے جسے ابو حنیفہ نے اختیار کی ہے۔ ابو حنیفہ کا مذہب دراصل یہ ہے کہ جس کے پاس دو سو درہم ہوں اس پر صدقہ و زکوٰۃ لینا حرام ہے اور جس کے پاس ایک دن کی خوراک ہو اس پر سوال حرام ہے۔ حرمت سوال کا حکم شاید تدریجی تھا کہ پہلے پچاس درہم پر پھر چالیس درہم پر اور پھر ایک دن کی خوراک پر سوال حرام کیا گیا۔ راوی عبداللہ بن عثمان کے سوال کا منشاء یہ تھا کہ شعبہ تو اس راوی کو قابل احتجاج نہیں سمجھتا تو اپنے استاد سفیان سے کہا، آپ اس سے کیوں روایت کرتے ہیں اس کا جواب سفیان نے یہ دیا کہ مجھے یہ حدیث صرف حکیم سے نہیں بلکہ زبیر کے طریق سے بھی پہنچی ہے۔

۱۶۲۷ ـ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ مَسْلَمَةَ عَنْ مَالِكٍ عَنْ زَيْدِ بْنِ أَسْلَمَ عَنْ عَطَاءِ بْنِ يَسَارٍ عَنْ رَجُلٍ مِنْ بَنِي أَسَدٍ أَنَّهُ قَالَ نَزَلْتُ أَنَا وَأَهْلِي بِبَقِيعِ الْغَرْقَدِ قَالَ لِي أَهْلِي اذْهَبْ إِلَى رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَسَلْهُ لَنَا شَيْئًا نَأْكُلُهُ نَجْعَلُوا يَذْكُرُونَ مِنْ حَاجَتِهِمْ فَذَهَبْتُ إِلَى رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَوَجَدْتُ عِنْدَهُ رَجُلًا يَسْأَلُهُ وَرَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ لَا أَجِدُ مَا أُعْطِيكَ فَتَوَلَّى الرَّجُلُ عَنْهُ وَهُوَ مُغْضَبٌ وَهُوَ يَقُولُ لَعَمْرِي إِنَّكَ لَتُعْطِي مَنْ شِئْتَ فَقَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَغْضَبُ عَلَيَّ أَنْ لَا أَجِدَ مَا أُعْطِيهِ مَنْ سَأَلَ مِنْكُمْ وَلَهُ أُوقِيَّةٌ أَوْ عِدْلُهَا فَقَدْ سَأَلَ إِلْحَافًا قَالَ الْأَسَدِيُّ فَقُلْتُ لَلِقْحَةٌ لَنَا خَيْرٌ مِنْ أُوقِيَّةٍ وَالْأُوقِيَّةُ أَرْبَعُونَ دِرْهَمًا قَالَ فَرَجَعْتُ وَلَمْ أَسْأَلْهُ فَقَدِمَ عَلَى رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَعْدَ ذَلِكَ شَعِيرٌ وَزَبِيبٌ فَقَسَمَ لَنَا مِنْهُ أَوْ كَمَا قَالَ حَتَّى أَغْنَانَا اللهُ عَزَّ وَجَلَّ قَالَ أَبُو دَاوُدَ هَكَذَا رَوَاهُ الثَّوْرِيُّ كَمَا قَالَ مَالِكٌ ـ

۱۶۲۷۔ عطا بن یسار نے بنی اسد کے ایک آدمی سے روایت کی کہ اس نے کہا: میں اپنے اہل و عیال سمیت بقیع الغرقد میں اُترا میری بیوی نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جا کر کچھ مانگ لاؤ جو ہم کھائیں، گھر والوں نے اپنی ضروریات کا

ذکر کیا۔ پس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس گیا اور آپ کے پاس ایک آدمی سوال کرتا ہوا پایا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس سے فرما رہے تھے کہ تمہیں دینے کو میرے پاس کچھ نہیں۔ وہ آدمی ناراض ہو کر چلا گیا اور وہ کہہ رہا تھا: واللہ آپ جسے چاہیں اپنی مرضی سے عطا کرتے ہیں۔ پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: یہ مجھ پر اس لیے ناراض ہے کہ میرے پاس اسے دینے کو کچھ نہیں ہے۔ جو تم میں سے سوال کرے حالانکہ اس کے پاس ایک اُوقیہ یا اُس کی مانند ہو تو اس نے الحاف کے ساتھ (چمٹ کر سوال کیا) اسدی نے کہا کہ ہمارے لیے ایک اونٹنی (جو موجود ہے) اوقیہ سے بہتر ہے اور اوقیہ چالیس درہم کا ہے۔ اسدی نے کہا کہ میں واپس چلا گیا اور آپ سے سوال نہ کیا۔ پھر اس کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جَو اور کشمش آئی تو آپ نے وہ ہم میں تقسیم فرمائی (یا جیسا کہ اُس نے کہا) حتیٰ کہ اللہ عزوجل نے ہمیں غنی کر دیا۔ ابو داؤد نے کہا کہ ثوری نے مالک کے قول کی مانند روایت کی (یہ حدیث نسائی میں بھی ہے) بنی اسد کے اس آدمی کا نام معلوم نہیں ہو سکا۔

۱۶۲۸۔ حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ وَهِشَامُ بْنُ عَمَّارٍ قَالَا نَا عَبْدُ الرَّحْمٰنِ بْنُ أَبِي الرِّجَالِ عَنْ عُمَارَةَ بْنِ غُزَيَّةَ عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ عَنْ أَبِيهِ أَبِي سَعِيدٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ سَأَلَ وَلَهُ قِيمَةُ أُوقِيَّةٍ فَقَدْ أَلْحَفَ فَقُلْتُ نَاقَتِي الْيَاقُوتَةُ هِيَ خَيْرٌ مِنْ أُوقِيَّةٍ قَالَ هِشَامٌ خَيْرٌ مِنْ أَرْبَعِينَ دِرْهَمًا فَرَجَعْتُ فَلَمْ أَسْأَلْهُ شَيْئًا زَادَ هِشَامٌ فِي حَدِيثِهِ وَكَانَتِ الْأُوقِيَّةُ عَلَى عَهْدِ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَرْبَعِينَ دِرْهَمًا۔

۱۶۲۸۔ ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس شخص نے سوال کیا اور اس کے پاس ایک اُوقیہ ہو تو اس نے الحاف کیا پس میں نے کہا کہ میری یاقوتہ نامی اونٹنی تو اوقیہ سے بہتر ہے۔ ہشام راوی نے کہا: چالیس درہم سے بہتر ہے۔ پس میں واپس چلا آیا اور آپ سے سوال نہ کیا۔ ہشام نے اپنی حدیث میں کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے وقت میں اُوقیہ چالیس درہم کا تھا (نسائی نے بھی یہ حدیث روایت کی ہے)

(شرح) الحاف کا لفظی معنی ہے چمٹ جانا، چھا جانا، باصرار سوال کرنا۔ از روئے قرآن: لَا يَسْأَلُونَ النَّاسَ إِلْحَافًا۔ یہ حرام ہے۔ یعنی اگر ضرورت کے وقت سوال کرنا بھی پڑے تو الحاف نہیں ہونا چاہیے۔ نسائی میں ابو سعیدؓ کی حدیث متصل ہے کہ انہیں اُن کی والدہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کرنے بھیجا تھا، میں بیٹھ گیا تو حضورؐ نے میری طرف منہ کر کے فرمایا: جو سوال سے بچے اللہ اسے بچائے گا، جو مستغنی ہو اللہ اسے غنی کرے گا، جو کفایت چاہے اللہ اسے کافی ہو جائے گا اور جس نے سوال کیا الخ اس سے معلوم ہوا کہ ابو سعیدؓ کی حدیث میں اُن کا اپنا واقعہ بیان ہوا ہے۔

۱۶۲۹۔ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ مُحَمَّدٍ النُّفَيْلِيُّ نَا مِسْكِينٌ نَا مُحَمَّدُ بْنُ

الْمُهَاجِرِ عَنْ رَبِيعَةَ بْنِ يَزِيدَ عَنْ اَبِي كَبْشَةَ السَّلُولِيِّ نَا سَهْلُ بْنُ الْحَنْظَلِيَّةِ قَالَ قَدِمَ عَلَى رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عُيَيْنَةُ بْنُ حِصْنٍ وَالْاَقْرَعُ بْنُ حَابِسٍ فَسَأَلَاهُ فَاَمَرَ لَهُمَا بِمَا سَأَلَاهُ وَاَمَرَ مُعَاوِيَةَ فَكَتَبَ لَهُمَا بِمَا سَأَلَا فَاَمَّا الْاَقْرَعُ فَاَخَذَ كِتَابَهُ فَلَفَّهُ فِي عِمَامَتِهِ وَانْطَلَقَ وَاَمَّا عُيَيْنَةُ فَاَخَذَ كِتَابَهُ وَاَتَى النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَكَانَهُ فَقَالَ يَا مُحَمَّدُ اَتُرَانِي حَامِلًا اِلَى قَوْمِي كِتَابًا لَا اَدْرِي مَا فِيهِ كَصَحِيفَةِ الْمُتَلَمِّسِ فَاَخْبَرَ مُعَاوِيَةُ بِقَوْلِهِ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ سَأَلَ وَعِنْدَهُ مَا يُغْنِيهِ فَاِنَّمَا يَسْتَكْثِرُ مِنَ النَّارِ وَقَالَ النُّفَيْلِيُّ فِي مَوْضِعٍ اٰخَرَ مِنْ جَمْرِ جَهَنَّمَ فَقَالُوا يَا رَسُولَ اللهِ وَمَا يُغْنِيهِ وَقَالَ النُّفَيْلِيُّ فِي مَوْضِعٍ اٰخَرَ وَمَا الْغِنَى الَّذِي لَا يَنْبَغِي مَعَهُ الْمَسْأَلَةُ قَالَ قَدْرُ مَا يُغَدِّيهِ وَيُعَشِّيهِ وَقَالَ النُّفَيْلِيُّ فِي مَوْضِعٍ اٰخَرَ اَنْ يَكُونَ لَهُ شِبَعُ يَوْمٍ وَلَيْلَةٍ اَوْ لَيْلَةٍ وَيَوْمٍ وَكَانَ حَدَّثَنَا بِهِ مُخْتَصَرًا عَلَى هٰذِهِ الْاَلْفَاظِ الَّتِي ذَكَرْتُ۔

۱۶۲۹۔ سہل بن حنظلہؓ (انصاری) نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس عُیینہؓ بن حصن اور اقرع بن حابس آئے اور آپ سے سوال کیا۔ آپ نے ان کے سوال کے مطابق انہیں دینے کا اپنے عامل کو حکم لکھوایا اور معاویہؓ کو حکم دیا کہ انہیں لکھ دے۔ اقرع نے تو اپنا خط لے لیا، اُسے اپنے عمامے میں لپیٹا اور چلا گیا، مگر عُیینہ نے خط لیا اور اسے لے کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آگیا اور کہا اے محمدؐ! کیا آپ کا خیال ہے کہ میں اپنی قوم کے پاس ایک خط لے کر جاؤں جس کے مضمون کا بھی مجھے علم نہیں جیسا کہ متلمس شاعر کا خط تھا؟ پس معاویہؓ نے اُس کی بات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو پہنچائی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو سوال کرے حالانکہ اس کے پاس ضرورت کے مطابق موجود ہو تو وہ آگ کی کثرت مانگتا ہے۔ نفیلی راوی نے ایک جگہ کہا کہ جہنم کے انگارے مانگتا ہے۔ لوگوں نے کہا یا رسول اللہ ضرورت کے مطابق کیا ہے جس کے ہوتے ہوئے سوال حرام ہے؟ فرمایا دو وقت کا کھانا۔ نفیلی نے ایک جگہ کہا کہ اس کے پاس ایک دن یا رات دن کی کفائت موجود ہو۔ اور نفیلی نے میرے ذکر کردہ الفاظ پر یہ حدیث ہمیں مختصر سنائی تھی (مسند احمد میں بھی یہ حدیث موجود ہے)

(شرح) عیینہ بن حصن فزاری فتح مکہ سے قبل اسلام لایا تھا۔ اقرع بن حابس تمیمی مؤلفۃ القلوب میں سے تھا، جنگ یرموک میں اپنے خاندان کے دس آدمیوں سمیت شہید ہوا تھا۔ جاہلیت اور اسلام میں شریف مانا گیا اور اس کا اسلام بہت اچھا ہو گیا تھا۔ متلمس شاعر نے زمانۂ جاہلیت میں عمرو بن ہند کی ہجو کہی تھی۔ اس نے اسے خط دے کر اپنے گورنر کے پاس بھیجا تھا جس میں اس کے قتل کا حکم تھا۔ متلمس کو شک ہو گیا اس نے خط کھول کر پڑھ لیا اور اس فریب سے بچ گیا۔ اس کے بعد صحیفۂ متلمس ضرب المثل بن گیا۔

امام احمد نے اس حدیث کی روایت مفصل کی ہے۔ بیہقی نے سنن میں کہا ہے کہ سوال کی حرمت کی احادیث بظاہر مختلف ہیں مگر یہ ان سوال کرنے والوں کے احوال وصفات کے لحاظ سے مختلف ہیں، ورنہ ان میں کوئی اختلاف نہیں کیونکہ یہ سب لوگ اپنی کفایت وحاجات کے لحاظ سے مختلف تھے۔ اسی لیے کہیں پچاس درہم کا کہیں چالیس درہم کا اور کہیں دن رات کے کھانے کا ذکر فرمایا ہے۔ خلاصۂ کلام یہ کہ جب تک واقعی حاجت نہ ہو مانگنا حرام ہے۔

۱۶۳۰- حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ مَسْلَمَةَ نَا عَبْدُ اللهِ يَعْنِي ابْنَ عُمَرَ بْنِ غَانِمٍ عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ زِيَادٍ أَنَّهُ سَمِعَ زِيَادَ بْنَ نُعَيْمٍ الْحَضْرَمِيَّ أَنَّهُ سَمِعَ زِيَادَ بْنَ الْحَارِثِ الصُّدَائِيَّ قَالَ أَتَيْتُ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَبَايَعْتُهُ وَذَكَرَ حَدِيثًا طَوِيلًا فَأَتَاهُ رَجُلٌ فَقَالَ أَعْطِنِي مِنَ الصَّدَقَةِ فَقَالَ لَهُ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّ اللهَ لَمْ يَرْضَ بِحُكْمِ نَبِيٍّ وَلَا غَيْرِهِ فِي الصَّدَقَاتِ حَتّٰى حَكَمَ فِيهَا هُوَ فَجَزَّأَهَا ثَمَانِيَةَ أَجْزَاءٍ فَإِنْ كُنْتَ مِنْ تِلْكَ الْأَجْزَاءِ أَعْطَيْتُكَ حَقَّكَ۔

۱۶۳۰- زیادؓ بن حارث صدائی نے کہا کہ میں جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور آپ سے بیعت کی اور زیادؓ نے ایک لمبی حدیث بیان کی۔ پس ایک آدمی آپ کے پاس آیا اور کہا کہ مجھے صدقہ میں سے عطا کیجئے۔ پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے صدقات کے بارے میں کسی نبی یا غیر نبی سے فیصلہ کرانا پسند نہیں فرمایا اور خود ہی اس کا فیصلہ کیا ہے اور صدقہ کے آٹھ حصے کیے ہیں۔ پس اگر تو ان اجزا میں سے ہے تو میں تجھے تیرا حق دے دیتا ہوں۔

(شرح) جس لمبی حدیث کا حوالہ ابوداؤدؒ نے دیا ہے، مولاناؒ نے فرمایا کہ اسے حافظؒ نے تہذیب التہذیب کے حاشیے پر بیان کیا ہے وہ یہ ہے کہ حافظ مزی نے اپنی سند کے ساتھ یہ حدیث بیان کی ہے۔ اس میں زیادؓ بن حارث کا یہ قول مذکور ہے کہ: مجھے پتہ چلا تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے میری قوم کی طرف ایک لشکر بھیجا ہے۔ میں نے کہا یا رسول اللہ آپ اس لشکر کو واپس کر دیں اور اپنی قوم کے اسلام کا میں ذمہ لیتا ہوں۔ حضور نے فرمایا جا اور اسے واپس کر دے۔ میں نے کہا یا رسول اللہ میری سواری تھک چکی ہے۔ پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک آدمی کو بھیجا اور وہ لشکر واپس بلا لیا۔ صدائیؓ نے کہا کہ پھر میں نے اپنی قوم کے لوگوں کو خط لکھا تو ان کا وفد ان کے اسلام کی خوشخبری لے کر آگیا۔ پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے فرمایا: اے صدائی تو اپنی قوم میں مُطاع ہے (تیری قوم تیری اطاعت گزار ہے) میں نے کہا بلکہ اللہ نے انہیں ہدایت دے دی ہے۔ پس حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے فرمایا: کہ میں تمہیں ان کا امیر نہ بنا دوں؟ میں نے کہا یا رسول اللہ کیوں نہیں؟ صدائیؓ نے کہا کہ پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے تقرر کا پروانہ لکھوا دیا۔ پھر میں نے کہا یا رسول اللہ ان کے صدقات میں سے میرے لیے کچھ حکم فرمائیے۔ آپ نے فرمایا ہاں۔ پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے ایک اور فرمان لکھوا دیا۔ اور یہ واقعہ آپ کے بعض سفروں کا ہے۔ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک منزل پر فروکش ہوئے اور وہاں کے لوگ آپ کے پاس اپنے حاکم کی

شکایت لے کر حاضر ہوئے۔ انہوں نے کہا ہمارے اور حاکم کے درمیان زمانۂ جاہلیت میں کوئی عداوت تھی جس کا وہ انتقام لیتا ہے۔ اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کیا اس نے ایسا کیا ہے؟ انہوں نے کہا ہاں۔ پس نبی صلی اللہ علیہ وسلم اپنے اصحاب کی طرف متوجہ ہوئے اور میں بھی ان میں تھا، پس آپ نے فرمایا: کسی ایماندار مرد کے لئے امارت میں کوئی بھلائی نہیں۔ صدائی رضی نے کہا کہ آپ کی بات میرے دل میں جم گئی۔ پھر ایک شخص آپ کے پاس آیا اور کہا یا رسول اللہ مجھے کچھ عطا فرمائیے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص غنی ہوتے ہوئے لوگوں سے مانگے وہ اس کے سر کا درد اور پیٹ کی بیماری ہے۔ پھر اس شخص نے کہا مجھے صدقے میں سے کچھ عنایت فرمائیے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے پسند نہ کیا کہ صدقات میں کوئی نبی یا اور کوئی فیصلہ کرے اس نے خود ہی اس کا فیصلہ کیا ہے اور انہیں آٹھ اقسام میں تقسیم فرمایا ہے، پس اگر تو ان اجزاء میں سے ہے تو میں تجھے دیتا ہوں یا یہ فرمایا کہ پھر ہم تجھے تیرا حق دیں گے۔ صدائی رضی نے کہا کہ یہ بات بھی میرے دل میں بیٹھ گئی کہ میں نے آپ سے سوال کیا تھا حالانکہ میں غنی ہوں۔ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رات کے پہلے حصے میں اندھیرے میں کوچ فرما گئے تو میں آپ کے ساتھ رہا اور میں طاقتور آدمی تھا اور آپ کے اصحاب کبھی آپ سے جدا ہو جاتے اور کبھی پیچھے رہ جاتے تھے۔ پس میرے سوا آپ کے ساتھ کوئی نہ رہ گیا، پس جب صبح کی اذان کا وقت ہوا تو آپ نے مجھے حکم دیا اور میں نے اذان دی، میں پھر کہنے لگا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اقامت کہوں؟ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مشرق کی طرف دیکھنے لگے، فجر کی طرف، اور فرماتے رہے کہ نہیں حتیٰ کہ جب فجر طلوع ہو گئی (خوب روشن ہو گئی) تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سواری سے اُترے اور رفع حاجت کو تشریف لے گئے۔ پھر واپس آئے اور اس وقت آپ کے اصحاب آپ کے ساتھ تھے، آپ نے فرمایا اے صدائی کیا پانی ہے؟ میں نے کہا کہ نہیں، مگر تھوڑا سا ہے جو آپ کے لیے کافی نہیں ہے۔ پس نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اسے ایک برتن میں ڈال کر میرے پاس لاؤ۔ پس میں نے یہی کیا تو آپ نے اپنی ہتھیلی برتن میں رکھ دی۔ صدائی رضی نے کہا کہ میں نے آپ کی ہر دو انگلیوں کے درمیان سے پانی کا چشمہ اُبلتا دیکھا۔ پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر میں اپنے رب سے شرمانہ جاتا تو سب کو پانی پلاتا اور ہم پانی بھر لیتے، میرے اصحاب کو بلاؤ کہ جس کو پانی کی ضرورت ہو وہ لے لے، پس میں نے آواز دی تو ان میں سے جنہوں نے چاہا پانی لے لیا۔ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نماز میں کھڑے ہوئے اور بلال رضی نے اقامت کہنا چاہی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: صدائی نے اذان دی تھی اور جس نے اذان دی وہی اقامت کہے۔ صدائی نے کہا کہ پھر میں نے نماز کی اقامت کہی۔ پھر جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز ختم کر لی تو میں وہ دونوں خط آپ کے پاس لایا اور کہا: یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مجھے ان دونوں سے معافی دیجئے۔ پس اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تیرے دل میں کیا نیا خیال آیا ہے؟ پس صدائی نے کہا یا رسول اللہ میں نے آپ کو فرماتے سُنا تھا کہ مرد مومن کے لئے امارت میں کوئی خیر نہیں اور میں اللہ اور اس کے رسول پر ایمان رکھتا ہوں۔ اور میں نے آپ کو اس سوالی سے فرماتے سُنا تھا کہ جو شخص غنی ہو کر لوگوں سے مانگے تو وہ سوال اس کے سر کا درد اور پیٹ کی بیماری ہے، اور میں نے آپ سے اس حال میں سوال کیا تھا کہ میں غنی ہوں۔ آپ نے فرمایا وہ تو ٹھیک ہے، پس اگر چاہو تو قبول کر لو ورنہ چھوڑ دو۔ پس میں نے کہا کہ میں چھوڑتا ہوں۔ اس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے فرمایا کہ مجھے کوئی ایسا شخص بتاؤ جسے میں تم پر امیر بنا دوں۔ پس میں نے اس آنیوالے وفد میں سے ایک آدمی بتایا جسے حضور نے ان کا امیر مقرر فرما دیا۔ پھر ہم نے کہا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمارا ایک کنواں ہے جس کا پانی موسم سرما میں ہمارے لئے کافی ہوتا ہے اور ہم اکٹھے ہو جاتے ہیں مگر موسم گرما میں اس کا پانی کم

ہو جاتا ہے اور ہم اپنے اردگرد پانیوں پر پھیل جاتے ہیں اور ہم اب مسلمان ہو چکے ہیں اور ہمارے اردگرد ہمارے دشمن رہتے ہیں، پس یا رسول اللہ دعا فرمائیے کہ ہمارے کنویں کا پانی ہمارے لیے کافی ہو جائے تاکہ ہم سب اس پر اکٹھے رہیں اور جدا جدا نہ ہوں۔ پس آپؐ نے سات کنکریاں منگوائیں اور انہیں اپنے ہاتھ میں لڑھکایا اور ان پر دعا فرمائی۔ پھر فرمایا کہ یہ کنکریاں لے جاؤ اور جب تم کنویں پر پہنچو تو اس میں ایک ایک کر کے ڈال دو اور ان پر اللہ کا نام لو۔ صدائی رضی اللہ عنہ نے کہا کہ ہم نے ایسا ہی کیا جو آپؐ نے فرمایا تھا اور اس کے بعد ہم اس کا پیندا نہ دیکھ سکے، یعنی اس کنویں کا۔ امام احمدؒ نے یہ حدیث حبان بن بح صدائی سے روایت کی ہے اور اس حدیث کو اصابہ میں حافظ نے اور استیعاب میں ابن عبدالبر نے بھی حبان بن بح کی طرف منسوب کی ہے۔ اور اسد الغابہ میں ہے کہ صدائی وفد کے لوگوں کی تعداد بہت کم تھی لہذا یہ دو حدیثیں دو شخصوں کی نہیں ہو سکتیں۔ اور اس حدیث کا راوی صحابی زیاد رضی اللہ عنہ اکثر اور مشہور ہے۔ اس حدیث میں زکوٰۃ کے جو آٹھ مصارف کا ذکر آیا ہے وہ سورہ توبہ میں ہیں: إِنَّمَا الصَّدَقَاتُ لِلْفُقَرَاءِ وَالْمَسَاكِينِ الخ۔

۱۶۳۱ - حَدَّثَنَا عُثْمَانُ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ وَزُهَيْرُ بْنُ حَرْبٍ قَالَ نَا جَرِيرٌ عَنِ الْأَعْمَشِ عَنْ أَبِي صَالِحٍ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَيْسَ الْمِسْكِينُ الَّذِي تَرُدُّهُ التَّمْرَةُ وَالتَّمْرَتَانِ وَالْأُكْلَةُ وَالْأُكْلَتَانِ وَلٰكِنِ الْمِسْكِينَ الَّذِي لَا يَسْأَلُ النَّاسَ شَيْئًا وَلَا يَفْطِنُونَ بِهٖ فَيُعْطُونَهٗ۔

۱۶۳۱ - ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مسکین وہ نہیں جسے ایک یا دو کھجوریں اور ایک یا دو لقمے لوگوں میں گھماتے ہیں بلکہ مسکین وہ ہے جو لوگوں سے کچھ نہیں مانگتا اور انہیں اس کی خبر نہیں ہوتی تاکہ اسے عطا کریں (بخاری، مسلم اور نسائی نے بھی یہ حدیث روایت کی ہے)

(شرح) پیشہ ور گداگر سے مسکین ہونے کی نفی اس بنا پر کی گئی ہے کہ یہ گدائی کو بطور پیشہ کے استعمال کرتا ہے۔ گو فی الواقع مسکین ہو مگر اپنی مسکینی کو بطور ایک آلے کے استعمال کر کے دراصل مادی و مالی غنا چاہتا ہے، ورنہ ضرورت پوری ہو جانے کے بعد خاموش رہتا اور کسی کے سامنے ہاتھ نہ پھیلاتا۔ اصل مسکین وہی ہے جو غریب و افلاس کے باوجود اپنی عزت نفس کو مجروح نہ کرے۔ بظاہر ایسی شکل و صورت نہ بنائے کہ کسی کو اس کی اصل حالت کا پتہ چل سکے۔ دوسری حدیث میں جو فرمایا گیا ہے کہ مالداری اصل میں دل کی غنا ہے اس کا یہی مطلب ہے۔ یہ حدیث دراصل گداگری کی لعنت کے رد میں ہے۔ انسانوں کے ذاتی و عائلی حالات مختلف ہوتے ہیں، اسی طرح ان کی ضروریات و حاجات کے درجات میں بھی فرق ہے۔ شاید کوئی ایسا ضابطہ مقرر نہیں کیا جا سکتا جس کے تحت لوگوں کی ضروریات کو ایک قاعدہ کی صورت دی جا سکے۔ اسی طرح فقیر اور مسکین کی تعریف میں بھی بہت کچھ کہا جا سکتا ہے۔ دونوں میں فرق کے لئے شاید یہ قول سب سے بہتر ہے کہ فقیر وہ ہے جس کے پاس ضرورت سے کم ہو اور مسکین وہ ہے جس کے پاس کچھ نہ ہو۔

۱۶۳۲- حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ وَعُبَيْدُ اللهِ بْنُ عُمَرَ وَأَبُو كَامِلٍ الْمَعْنَى قَالُوا نَا عَبْدُ الْوَاحِدِ بْنُ زِيَادٍ نَا مَعْمَرٌ عَنِ الزُّهْرِيِّ عَنْ أَبِي سَلَمَةَ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِثْلَهُ وَلَكِنَّ الْمِسْكِينَ الْمُتَعَفِّفُ زَادَ مُسَدَّدٌ فِي حَدِيثِهِ لَيْسَ لَهُ مَا يَسْتَغْنِي بِهِ الَّذِي لَا يَسْأَلُ وَلَا يُعْلَمُ بِحَاجَتِهِ فَيُتَصَدَّقُ عَلَيْهِ فَذَاكَ الْمَحْرُومُ وَلَمْ يَذْكُرْ مُسَدَّدٌ الْمُتَعَفِّفُ الَّذِي لَا يَسْأَلُ قَالَ أَبُو دَاوُدَ رَوَى هَذَا مُحَمَّدُ بْنُ ثَوْرٍ وَعَبْدُ الرَّزَّاقِ عَنْ مَعْمَرٍ جَعَلَا الْمَحْرُومَ مِنْ كَلَامِ الزُّهْرِيِّ۔

۱۶۳۲- یہ حدیث بھی دراصل گزشتہ حدیث ہی ہے جو دوسری سند سے آئی ہے اور اس میں یہ لفظ ہیں: لیکن مسکین وہ ہے جو سوال سے بچے۔ مسدد کی روایت میں یہ الفاظ ہیں کہ: اس کے پاس ضرورت کے مطابق نہیں وہ جو کہ نہ تو سوال کرتا ہے اور نہ اس کی ضرورت کا پتہ چل سکتا ہے کہ اس پر صدقہ کیا جائے، سو وہ شخص محروم ہے۔ اور مسدد نے یہ الفاظ بیان نہیں کئے کہ: متعفف وہ ہے جو سوال نہیں کرتا۔ ابو داؤد نے کہا کہ اس حدیث کو محمد بن ثور اور عبدالرزاق نے معمر سے روایت کیا ہے اور انہوں نے المحروم کو زہری کا کلام قرار دیا ہے اور وہ زیادہ صحیح ہے اس حدیث میں دو شخصوں کا ذکر ہے: سائل کا اور محروم کا۔ سائل تو سب کو معلوم ہے مگر محروم وہ ہے جس کی ضرورت کا پتہ نہ چلے اور وہ سوال بھی نہ کرے قرآن پاک میں ہے: وَفِي أَمْوَالِهِمْ حَقٌّ لِلسَّائِلِ وَالْمَحْرُومِ (اور ان کے مالوں میں سوالی اور محروم کا حق ہے) اس حدیث کو نسائی نے بھی روایت کیا ہے اور اس میں المحروم کا ذکر نہیں ہے۔

۱۶۳۳- حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ نَا عِيسَى بْنُ يُونُسَ نَا هِشَامُ بْنُ عُرْوَةَ عَنْ أَبِيهِ عَنْ عُبَيْدِ اللهِ بْنِ عَدِيِّ بْنِ الْخِيَارِ أَخْبَرَنِي رَجُلَانِ أَنَّهُمَا أَتَيَا النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي حَجَّةِ الْوَدَاعِ وَهُوَ يَقْسِمُ الصَّدَقَةَ فَسَأَلَاهُ مِنْهَا فَرَفَعَ فِينَا الْبَصَرَ وَخَفَضَهُ فَرَآنَا جَلْدَيْنِ فَقَالَ إِنْ شِئْتُمَا أَعْطَيْتُكُمَا وَلَا حَظَّ فِيهَا لِغَنِيٍّ وَلَا لِقَوِيٍّ مُكْتَسِبٍ۔

۱۶۳۳- عبیداللہ بن عدی بن الخیار نے عروہ کو بتایا کہ دو آدمی آخری حج میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے

پاس آئے اور آپ صدقہ بانٹ رہے تھے۔ پس انہوں نے صدقے میں سے سوال کیا۔ ان آدمیوں نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم دونوں کو سر سے پاؤں تک دیکھا اور ہمیں مضبوط پایا، پس فرمایا کہ اگر تم چاہو تو میں تمہیں دے دوں مگر اس میں غنی اور طاقتور کمانے والے کا کوئی حق نہیں ہے (سنن نسائی میں بھی یہ حدیث مروی ہے)

(شرح) حضور کا مطلب یہ تھا کہ صدقہ قبول کرنے میں ایک قسم کی ذلت ضرور پائی جاتی ہے اور تم طاقتور، مضبوط اور کمائی کے قابل نظر آتے ہو۔ اب تم چاہو تو تمہیں دے دوں اور چاہو تو نہ دوں۔ صدقہ طاقتور کما سکنے والے کے لئے حرام ہے، اگر تم حرام کھانے پر راضی ہو تو لے لو۔ گویا بقول علامہ طیبی آپ نے انہیں یہ بات بطور زجر و توبیخ فرمائی۔ لیکن اگر انہیں صدقہ دے دیا جاتا تو صدقہ دینے والے کا صدقہ ادا ہو جاتا گویا ان کے لئے سوال حرام تھا۔ عبید اللہ بن عدی فتح مکہ کے موقع پر صاحب تمیز تھا لہٰذا اسے صحابہ میں شمار کیا گیا گو عجلی نے اسے ثقات تابعین میں شمار کیا ہے۔ جن دو آدمیوں کا ذکر آیا ہے ان کا نام معلوم نہیں ہو سکا۔ یہ حدیث بھی مرسلات صحابہؓ میں شمار ہونی چاہیئے۔

۱۶۳۴ - حَدَّثَنَا عَبَّادُ بْنُ مُوسَى الْأَنْبَارِيُّ الْخُتَّلِيُّ نَا إِبْرَاهِيمُ يَعْنِي ابْنَ سَعْدٍ أَخْبَرَنِي أَبِي عَنْ رَيْحَانَ بْنِ يَزِيدَ عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عَمْرٍو عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَا تَحِلُّ الصَّدَقَةُ لِغَنِيٍّ وَلَا لِذِي مِرَّةٍ سَوِيٍّ قَالَ أَبُو دَاوُدَ رَوَاهُ سُفْيَانُ عَنْ سَعْدِ بْنِ إِبْرَاهِيمَ كَمَا قَالَ إِبْرَاهِيمُ رَوَاهُ شُعْبَةُ عَنْ سَعْدٍ قَالَ لِذِي مِرَّةٍ قَوِيٍّ وَالْأَحَادِيثُ الْأُخَرُ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَعْضُهَا لِذِي مِرَّةٍ قَوِيٍّ وَبَعْضُهَا لِذِي مِرَّةٍ سَوِيٍّ وَقَالَ عَطَاءُ بْنُ زُهَيْرٍ أَنَّهُ لَقِيَ عَبْدَ اللَّهِ بْنَ عَمْرٍو فَقَالَ إِنَّ الصَّدَقَةَ لَا تَحِلُّ لِقَوِيٍّ وَلَا لِذِي مِرَّةٍ سَوِيٍّ۔

۱۶۳۴ - عبد اللہ بن عمرو نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کی کہ آنجناب نے فرمایا: صدقہ نہ کسی غنی کے لئے اور نہ کسی طاقتور مضبوط آدمی کے لئے حلال ہے۔ ابو داؤد نے کہا کہ اس حدیث کو سفیان نے سعد بن ابراہیم سے روایت کیا ہے اور شعبہ نے سعد سے حضور کا لفظ۔ لِذِي مِرَّةٍ سَوِيٍّ کے بجائے لِذِي مِرَّةٍ قَوِيٍّ روایت کیا ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دیگر احادیث میں سے کسی میں لِذِي مِرَّةٍ قَوِيٍّ اور کسی میں لِذِي مِرَّةٍ سَوِيٍّ آیا ہے اور عطاء بن زہیر نے کہا کہ میں عبد اللہ بن عمرو سے ملا تو اس نے کہا: لَا تَحِلُّ لِقَوِيٍّ وَلَا لِذِي مِرَّةٍ سَوِيٍّ (اس کا مطلب یہ ہوا اس روایت میں لِغَنِيٍّ کے بجائے لِقَوِيٍّ کا لفظ)

(شرح) اس حدیث سے امام شافعیؒ اور اسحاق بن راہویہ نے یہ رائے قائم کی کہ جو شخص کمانے کے قابل ہو اور مضبوط ہو اس کے لئے صدقہ حرام ہے۔ پچھلی حدیث سے پتہ چلا کہ صدقہ تو نہیں سوال حرام ہے، اس کی بنا پر حنفیہ نے کہا کہ غنی کی تین اقسام ہیں: ایک وہ جو نصاب زکوٰۃ کا حسب شرائط مالک ہو، اس پر زکوٰۃ فرض ہے۔ دوسرا وہ جس پر زکوٰۃ فرض نہیں مگر صدقہ فطر اور قربانی

واجب اور صدقہ حرام ہے اور وہ وہ شخص ہے جس کے پاس انواع اموال فاضلہ میں سے نصاب کی مقدار کی قیمت کا مال موجود ہو اور اس کی اصلی ضروریات سے فاضل ہو۔ اور وہ غنی ہے جس کے لئے سوال حرام ہے مگر صدقہ نہیں اور وہ وہ شخص ہے جس کے پاس جسم کے کپڑے اور ایک دن کی خوراک موجود ہو۔

بَابُ ۲۴ مَنْ يَجُوْزُ لَهٗ اَخْذُ الصَّدَقَةِ وَهُوَ غَنِيٌّ

(غنی ہونے کے باوجود جس کے لئے صدقہ لینا جائز ہے)

۱۶۳۵ - حَدَّثَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ مَسْلَمَةَ عَنْ مَالِكٍ عَنْ زَيْدِ بْنِ اَسْلَمَ عَنْ عَطَاءِ بْنِ يَسَارٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَا تَحِلُّ الصَّدَقَةُ لِغَنِيٍّ اِلَّا لِخَمْسَةٍ لِغَازٍ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَوْ لِعَامِلٍ عَلَيْهَا اَوْ لِغَارِمٍ اَوْ لِرَجُلٍ اشْتَرَاهَا بِمَالِهٖ اَوْ لِرَجُلٍ كَانَ لَهٗ جَارٌ مِسْكِيْنٌ فَتَصَدَّقَ عَلَى الْمِسْكِيْنِ فَاَهْدَاهَا الْمِسْكِيْنُ لِلْغَنِيِّ۔

۱۶۳۵۔ عطاء بن یسار نے (مرسلاً) کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کسی غنی کے لئے صدقہ حلال نہیں سوائے پانچ شخصوں کے: خدا کی راہ میں جہاد کرنے والے کے لئے یا صدقہ کے عامل کے لئے یا مقروض کے لئے یا اس آدمی کے لئے جو اُسے اپنے مال سے خرید لے یا اس شخص کے لئے جس کا کوئی مسکین ہمسایہ ہو اور اسے صدقہ ملا ہو تو وہ مسکین اس غنی کو بطور ہدیہ دے دے (ابن ماجہ نے یہ حدیث ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے مسنداً روایت کی ہے)

(شرح) غازی فی سبیل اللہ کے لئے زکوٰۃ کا جواز سورۂ توبہ کی آیت سے بلفظ وَفِي سَبِيْلِ اللّٰهِ ثابت ہے سبیل اللہ سے مراد دراصل ہر نیکی کا کام ہے اور اس میں سب وہ لوگ شامل ہیں جو اللہ کی اطاعت اور نیکی اور بھلائی کے کام میں سعی کریں جب وہ حاجت مند ہوں تو ان کے لئے زکوٰۃ کا جواز ہے (یعنی ضرورت پڑنے پر دوسروں کی زکوٰۃ کا مال بھی وہ اس نیکی اور فی سبیل اللہ کے افعال میں خرچ کر سکیں گے) ابو یوسف رحمہ اللہ نے اس سے فقرائے مجاہدین لئے ہیں، کیونکہ عرف شرع میں فی سبیل اللہ کا لفظ جہاد و غزا پر ہی بولا جاتا ہے۔ محمد بن الحسن نے کہا کہ اس سے مراد منقطع حاجی ہیں کیونکہ حدیث میں ہے کہ ایک شخص نے اپنا اونٹ فی سبیل اللہ دے دیا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے حکم دیا کہ وہ کسی حاجی کو سواری کے لئے دیدے۔ اور شافعی رحمہ اللہ نے کہا کہ غازی کو زکوٰۃ دینا لینا جائز ہے گو وہ غنی ہو۔ حنفیہ کے نزدیک ضرورت پڑنے پر غنی کے لئے جائز ہے ورنہ نہیں، امام شافعی کا استدلال اس حدیث سے اور ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ کی حدیث سے ہے۔ انہوں نے کہا ہے کہ ان احادیث میں غنی کے لئے بطور استثناء ان پانچ صورتوں میں زکوٰۃ لینا جائز فرمایا گیا ہے۔

حنفیہ کی دلیل اوپر کی حدیث کا لفظ: لَا تَحِلُّ الصَّدَقَةُ لِغَنِيٍّ ہے جس میں غنی کے لئے مطلقاً زکوٰۃ و صدقات کی

حرمت بتائی ہے اور حدیث: تُؤْخَذُ مِنْ اَغْنِيَاءِ هِمْ وَتُرَدُّ فِي فُقَرَاءِ هِمْ میں دو ہی قسمیں قرار دی گئی ہیں: زکوٰۃ دینے والے اور زکوٰۃ لینے والے۔ اب اگر زکوٰۃ لینا غنی کے لئے بھی جائز قرار دیا جائے تو یہ تقسیم باطل ہو جائے گی۔ رہا اس حدیث میں غازی کا استثناء، سو اس سے مراد حاجت آپڑنے کا وقت ہے، اور غنی اُسے اس کی پہلی حالت کے لحاظ سے فرمایا گیا ہے۔ اور اس کی صورت یہ ہے کہ مثلاً ایک شخص کے پاس رہنے سہنے، کھانے پینے اور پہننے سے زائد نصاب زکوٰۃ موجود تھا۔ ظاہر ہے کہ اسے زکوٰۃ لینا جائز نہیں تھا۔ مگر پھر وہ جہاد کی نیت کر کے تیاری کرنے لگا مگر آلات جہاد، ذرائع سفر اور سواری وغیرہ بلکہ خادم کی بھی ضرورت آپڑی اور یہ چیزیں مہیا نہیں ہوئیں۔ اب وہ شخص حالت اقامت میں غنی ہے مگر جہاد کے سفر و آلات و ضروریات کے اعتبار سے محتاج ہے لہٰذا اس فی سبیل اللہ کی غرض کی خاطر اس کے لئے زکوٰۃ و صدقات لینا اور صرف کرنا جائز ہے۔ یہی حال غارم کا بھی ہے کہ جب تک کوئی غرامت (تاوان، مصیبت زدہ کی ذمہ داری، ضمانت کی ضبطی) اس نے نہ اٹھائی تھی وہ اپنے طور پر غنی تھا مگر یہ تاوان وغیرہ اٹھا کر (مثلاً اہل عرب کسی کے خون بہا کی ذمہ داری لے لیتے تھے اور پھر دوسروں کے تعاون سے اسے ادا کرتے تھے) وہ غنی نہیں رہا۔ ابن السبیل سے مراد وہ غریب الوطن ہے جو اپنے مال سے منقطع ہے اور فی الحال غنی نہیں گو اپنے گھر میں غنی ہو۔ صدقات کے عامل سے مراد وہ لوگ ہیں جنہیں حکومت تحصیل صدقات کا کام سپرد کرے۔ حنفیہ کے نزدیک ان کی بقدر کفایت تنخواہ مقرر کی جائیگی اور امام شافعی اموال وصول کردہ میں سے ⅛ دیئے جانے کے قائل ہیں۔ حنفیہ کے نزدیک عامل زکوٰۃ کا مستحق بطریق ملازمت ہے نہ کہ بطریق استحقاق صدقہ و زکوٰۃ۔ غارم کا معنی مقروض بھی ہوسکتا ہے جو خود قرض کی ادائیگی نہیں کرسکتا۔

۱۶۳۶ - حَدَّثَنَا الْحَسَنُ بْنُ عَلِيٍّ نَا عَبْدُ الرَّزَّاقِ اَنَا مَعْمَرٌ عَنْ زَيْدِ بْنِ اَسْلَمَ عَنْ عَطَاءِ بْنِ يَسَارٍ عَنْ اَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِمَعْنَاهُ قَالَ اَبُوْدَاوُدَ رَوَاهُ ابْنُ عُيَيْنَةَ عَنْ زَيْدٍ كَمَا قَالَ مَالِكٌ وَرَوَاهُ الثَّوْرِيُّ عَنْ زَيْدٍ قَالَ حَدَّثَنِي الثَّبْتُ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ۔

۱۶۳۶ - ابو سعید خدریؓ نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا الخ گذشتہ حدیث کے معنی میں۔ ابوداؤد نے کہا کہ ابن عیینہ نے یہ روایت اوپر کی مالک کی روایت کی مانند کی ہے اور سفیان ثوری نے زید سے روایت کی ہے مگر زید کا نام نہیں لیا اور کہا کہ: مجھے ثقہ راوی نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے حدیث سنائی۔

۱۶۳۷ - حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عَوْفٍ الطَّائِيُّ نَا الْفِرْيَابِيُّ نَا سُفْيَانُ عَنْ عِمْرَانَ

الْبَارِقِيِّ عَنْ عَطِيَّةَ عَنْ أَبِي سَعِيدٍ قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا تَحِلُّ الصَّدَقَةُ لِغَنِيٍّ إِلَّا فِي سَبِيلِ اللهِ أَوِ ابْنِ السَّبِيلِ أَوْ جَارٍ فَقِيرٍ يَتَصَدَّقُ عَلَيْهِ فَيُهْدِي لَكَ أَوْ يَدْعُوكَ قَالَ أَبُو دَاوُدَ فِرَاسٌ وَابْنُ أَبِي لَيْلَى عَنْ عَطِيَّةَ عَنْ أَبِي سَعِيدٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِثْلَهُ۔

۱۶۳۷۔ ابو سعیدؓ نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: صدقہ کسی غنی کے لئے حلال نہیں مگر اللہ کی راہ میں اور مسافر کے لئے یا محتاج ہمسایہ جو کسی کے دیئے ہوئے صدقے کو تجھے ہدیہ کر دے یا تیری دعوت کرے۔ ابو داؤد نے کہا کہ یہ روایت فراس اور ابن ابی لیلیٰ نے بھی عطیہ سے اسی طرح روایت کی ہے (منذری نے کہا کہ عطیہ ناقابلِ احتجاج ہے)

بَابٌ ۲۵ كَمْ يُعْطَى الرَّجُلُ الْوَاحِدُ مِنَ الزَّكٰوةِ

(ایک آدمی کو کتنی زکوٰۃ دی جائے)

۱۶۳۸۔ حَدَّثَنَا الْحَسَنُ بْنُ مُحَمَّدِ بْنِ الصَّبَّاحِ نَا أَبُو نُعَيْمٍ حَدَّثَنِي سَعِيدُ بْنُ عُبَيْدٍ الطَّائِيُّ عَنْ بُشَيْرِ بْنِ يَسَارٍ وَزَعَمَ أَنَّ رَجُلًا مِنَ الْأَنْصَارِ يُقَالُ لَهُ سَهْلُ بْنُ أَبِي حَثْمَةَ أَخْبَرَهُ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَدَاهُ بِمِائَةٍ مِنْ إِبِلِ الصَّدَقَةِ يَعْنِي دِيَةَ الْأَنْصَارِيِّ الَّذِي قُتِلَ بِخَيْبَرَ۔

۱۶۳۸۔ بشیر بن یسار نے کہا کہ سہلؓ بن ابی حثمہ انصاری نے مجھے خبر دی کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے صدقہ کے سو اونٹ اُس انصاری کی دیت دی جو خیبر میں قتل ہوا تھا (بخاری نے یہ حدیث چار جگہ مختصراً اور مطولاً روایت کی۔ مسلم، ترمذی، ابن ماجہ اور مالک نے بھی اسے روایت کیا۔ سنن ابی داؤد میں بھی باب القتل بالقسامہ میں آئیگی)

(شرح) خیبر میں قتل ہونے والا شخص عبداللہ بن سہل بن زید انصاری تھا، لیکن اس کی دیت صحیح احادیث کے مطابق اس کے بھائی عبدالرحمنؓ بن سہل اور اس کے دو چچازاد بھائیوں حویصہؓ اور محیصہؓ کو دی گئی تھی۔ اور سہل بن ابی حثمہؓ کی عمر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے وفات کے وقت راجح روایت کے مطابق سات آٹھ سال تھی، پھر اس حدیث میں سہلؓ کا یہ قول مشکل ہے کہ اُسے مقتول کی دیت سو اونٹ صدقہ میں سے دیئے گئے۔ ہاں، یہ ہو سکتا ہے کہ اس کے قول کا مطلب یہ ہو: میری قوم کو یہ دیت ملی تھی"، سہلؓ بن ابی حثمہ اور مقتول کا قبیلہ ایک ہی تھا۔ اور اس مقام پہ روایات کے الفاظ میں بھی اختلاف ہے بعض میں ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اُن کو دیت دی اور بعض میں ہے کہ: اُس کو دیت دی۔ جمع کی صورت میں معنیٰ یہ ہے

کہ دیت اُس کی قوم کو دی گئی اور افراد کی صورت میں یہ کہ عبدالرحمٰنؓ کو دی گئی جو مقتول کا بھائی تھا۔ پھر اس حدیث کے یہ لفظ بھی مشکل ہیں کہ: صدقہ کے اونٹوں میں سے سو اونٹ دیئے گئے۔ کیونکہ قسطلانی نے کہا ہے کہ یحییٰ بن سعید کی روایت میں ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ دیت اپنے پاس سے (من عندہ) ادا فرمائی تھی۔ اس کا مطلب یہ ہوسکتا ہے کہ حضورؐ نے کچھ مال دے کر صدقہ کے اونٹ خریدے اور انہیں دیت میں دے دیا۔ یا من عندہ کا یہ مطلب ہے کہ آپ کے پاس بیت المال کے اونٹ جو مصالحِ اسلام و مسلمین کے لئے جمع تھے ان میں سے یہ دیت ادا فرمائی۔ اور صدقہ کا لفظ راوی نے اس پر اپنی طرف سے بولا کیوں کہ یہ اونٹ جھگڑا چکانے کی خاطر معاشرے کی مصلحت میں خرچ کئے گئے تھے۔ ابوالعباس قرطبی نے کہا ہے کہ: من عندہ کی روایت: من اہل الصدقہ کی روایت کی نسبت صحیح تر ہے، اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ صدقہ والی روایت غلط ہے، یہی سبب ہے کہ راوی کو حتی الامکان صحیح الفاظ کی روایت کرنی چاہیئے کیونکہ اس امر کا احتمال موجود ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ اونٹ صدقہ کے مال سے بطورِ ادھار لئے ہوں اور بعد میں مالِ فئی سے ان کی ادائگی صدقہ کی مد میں فرما دی ہو۔

خطابی نے معالم السنن میں کہا ہے کہ صدقہ کا مال دیت کا مصرف نہیں ہے لہٰذا ہو سکتا ہے کہ مقتول کے وارثوں کو حضورؐ نے اصلاح ذات البین کے لئے غارمین کی مد سے یہ مال دیا ہو کیونکہ اس مقتول کے باعث انصار میں اور خیبر کے یہود میں تنازع واقعہ ہوگیا تھا مگر غارمین کی مد سے اس موقع پر دینا ناقابلِ فہم ہے کیونکہ غارم کی صورت اور ہوتی ہے۔ اب یہ بات تو طے ہے کہ اس حدیث سے صدقہ و زکوٰۃ کے مصرف پر استدلال نہیں ہو سکتا۔ جہاں تک مسئلے کا تعلق ہے حنفیہ کے نزدیک اگر صدقہ لینے والا عیالدار یا مقروض نہ ہو یا کسی فوری حادثے کا شکار نہ ہو تو اُسے دوسو درہم سے زیادہ دینا مکروہ ہے۔ سفیان ثوری اور احمد بن حنبل نے پچاس درہم کی حد ٹھہرائی ہے اور امام شافعی کے نزدیک کوئی حد نہیں۔

بابٌ ۲۶ مَا تَجُوزُ فِيهِ الْمَسْأَلَةُ

جس کے بارے میں سوال کرنا جائز ہے

۱۶۳۹ - حَدَّثَنَا حَفْصُ بْنُ عُمَرَ النَّمَرِيُّ نَا شُعْبَةُ عَنْ عَبْدِ الْمَلِكِ ابْنِ عُمَيْرٍ عَنْ زَيْدِ بْنِ عُقْبَةَ الْفَزَارِيِّ عَنْ سَمُرَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ الْمَسَائِلُ كُدُوحٌ يَكْدَحُ بِهَا الرَّجُلُ وَجْهَهُ فَمَنْ شَاءَ أَبْقَى عَلَى وَجْهِهِ وَمَنْ شَاءَ تَرَكَ إِلَّا أَنْ يَسْأَلَ الرَّجُلُ ذَا سُلْطَانٍ أَوْ فِي أَمْرٍ لَا يَجِدُ مِنْهُ بُدًّا۔

۱۶۳۹۔ سمرہ بن جندبؓ نے جناب رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کی کہ آپؐ نے فرمایا کہ سوالات خراشیں ہیں جن کو آدمی اپنے چہرے پر لگاتا ہے سو جو چاہے اپنے چہرے پر انہیں باقی رکھے اور جو چاہے سوال ترک کر دے، سوائے اس

صورت کے کہ آدمی کسی سلطنت و اقتدار والے سے سوال کرے یا کسی ایسے امر میں سوال کرے جس کے بغیر چارہ نہ ہو (ترمذی اور نسائی نے بھی اسے روایت کیا ہے)

(شرح) ابوداؤد نسخۂ مطبوعہ حمص ۱۳۸۹ھ میں اس حدیث پر باب کا عنوان لکھا ہوا ہے: باب ما تجوز فیہ المسئلہ۔ بذل المجہود کے نسخے کے حاشیے پر عنوان یوں لکھا ہے: باب من لا یحل لہ المسئلہ۔ خطابی نے معالم السنن میں کہا ہے کہ اس حدیث میں حاکم سے سوال کا جواز آیا ہے اس سے مراد اُن مغصوبہ اموال اور جائدادوں کا سوال نہیں ہے جو ائمہ جور نے مسلمانوں کے اموال کو ناجائز طور پر چھین کر حاصل کئے ہیں، بلکہ بیت المال سے اپنے حق کا سوال مراد ہے۔ لابدی اور ضروری سوال سے یہ مراد ہے کہ مثلاً فقراء و مساکین یا وہ شخص جس نے کوئی ذمہ داری اٹھائی ہے یا جس پر کوئی ناگہانی حادثہ یا آفت آپڑی ہے اور وہ کسی سے تعاون چاہتا ہے۔

۱۶۴۰ - حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ نَا حَمَّادُ بْنُ زَيْدٍ عَنْ هٰرُوْنَ بْنِ رِيَابٍ حَدَّثَنِيْ كِنَانَةُ بْنُ نُعَيْمٍ الْعَدَوِيُّ عَنْ قَبِيْصَةَ بْنِ مُخَارِقٍ الْهِلَالِيِّ قَالَ تَحَمَّلْتُ حَمَالَةً فَأَتَيْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ أَقِمْ يَا قَبِيْصَةُ حَتّٰى تَأْتِيَنَا الصَّدَقَةُ فَنَأْمُرَ لَكَ بِهَا ثُمَّ قَالَ يَا قَبِيْصَةُ إِنَّ الْمَسْأَلَةَ لَا تَحِلُّ إِلَّا لِأَحَدِ ثَلَاثَةٍ رَجُلٍ تَحَمَّلَ حَمَالَةً فَحَلَّتْ لَهُ الْمَسْأَلَةُ فَسَأَلَ حَتّٰى يُصِيْبَهَا ثُمَّ يُمْسِكُ وَرَجُلٌ أَصَابَتْهُ جَائِحَةٌ فَاجْتَاحَتْ مَالَهُ فَحَلَّتْ لَهُ الْمَسْأَلَةُ فَسَأَلَ حَتّٰى يُصِيْبَ قِوَامًا مِّنْ عَيْشٍ أَوْ سِدَادًا مِّنْ عَيْشٍ وَرَجُلٌ أَصَابَتْهُ فَاقَةٌ حَتّٰى يَقُوْلَ ثَلَاثَةٌ مِّنْ ذَوِي الْحِجٰى مِنْ قَوْمِهٖ قَدْ أَصَابَتْ فُلَانًا الْفَاقَةُ فَحَلَّتْ لَهُ الْمَسْأَلَةُ فَسَأَلَ حَتّٰى يُصِيْبَ قِوَامًا مِّنْ عَيْشٍ أَوْ سِدَادًا مِّنْ عَيْشٍ ثُمَّ يُمْسِكُ وَمَا سِوَاهُنَّ مِنَ الْمَسْأَلَةِ يَا قَبِيْصَةُ سُحْتٌ يَأْكُلُهَا صَاحِبُهَا سُحْتًا۔

۱۶۴۰۔ قبیصہ بن مخارقؓ ہلالی نے کہا کہ میں نے ایک بوجھ (دیت یا ضمانت یا قرض وغیرہ کا) اٹھایا۔ پس میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا تو آپ نے فرمایا: اے قبیصہ تو ٹھہر جا حتیٰ کہ ہمارے پاس صدقہ آئے تو ہم تیرے لئے اس کا حکم دیں گے۔ پھر فرمایا اے قبیصہ! سوال صرف تین شخصوں کے لئے جائز ہے: ایک وہ شخص جس نے کوئی ذمہ داری اٹھائی ہو تو اس کے لئے سوال حلال ہے پس اس نے سوال کیا (یا وہ سوال کرے) حتیٰ کہ حاصل کرے پھر سوال سے رُک جائے۔ دوسرا وہ شخص جسے کوئی آفت آپڑی ہو اور وہ اس کے مال کو جڑ سے مٹا دے۔ پس اس کے لئے سوال جائز ہے جب تک کہ زندگی کی ضروریات پوری ہو جائیں تیسرا وہ شخص

جسے فاقہ پہنچے حتیٰ کہ اس کی قوم کے تین عاقل و فرزانہ لوگ کہہ دیں کہ فلاں شخص کو فاقہ پہنچا ہے۔ پس اس کے لئے سوال جائز ہے حتیٰ کہ اس کی زندگی کی شدید ضرورت پوری ہو جائے اور پھر وہ اس سے رُک جائے۔ اے قبیصہ! ان کے علاوہ سوال اور اس سے حاصل شدہ چیز حرام ہے جسے سوال کرنے والا بطور حرام کھاتا ہے (یہ حدیث مسلم اور نسائی نے بھی روایت کی ہے)

(شرح) فاقہ زدہ شخص کے لئے تین عاقلوں کی شہادت کا ضروری ہونا بقول سید جمال الدین بعض فقہاء کے نزدیک لازم ہے۔ لیکن یہ امر استحبابی ہے لہٰذا جمہور کے نزدیک یہاں بھی دو عادل گواہوں کی شہادت کافی ہو گی جیساکہ عام شرعی قاعدہ ہے۔ سوال کی حرمت کی شدت کو ظاہر فرمانے اور اسے لوگوں کی نظروں میں گرانے کی خاطر تین کا ذکر فرمایا۔ اور یہ اُس شخص کے بارے میں ہے جو پہلے کبھی صاحب مال رہا ہو، ورنہ جس کے پاس کبھی مال تھا ہی نہیں وہ کس کی شہادت کس اہر پہ لائے گا؟ سحت کا لفظی معنیٰ اٹھانا ہے۔ حرام چونکہ برکت کو مٹا دیتا ہے اس لئے اُسے سحت کہا گیا۔

۱۶۴۱۔ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللّٰهِ ابْنُ مَسْلَمَةَ نَا عِيسَى بْنُ يُونُسَ عَنِ الْاَخْضَرِ بْنِ عِجْلَانَ عَنْ اَبِي بَكْرٍ الْحَنَفِيِّ عَنْ اَنَسِ بْنِ مَالِكٍ اَنَّ رَجُلًا مِّنَ الْاَنْصَارِ اَتَى النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَسْاَلُهُ فَقَالَ اَمَا فِي بَيْتِكَ شَيْءٌ قَالَ بَلَى حِلْسٌ نَلْبَسُ بَعْضَهُ وَنَبْسُطُ بَعْضَهُ وَقَعْبٌ نَشْرَبُ فِيهِ مِنَ الْمَاءِ قَالَ ائْتِنِي بِهِمَا قَالَ فَاَتَاهُ بِهِمَا فَاَخَذَهُمَا رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِيَدِهِ وَقَالَ مَنْ يَشْتَرِي هٰذَيْنِ قَالَ رَجُلٌ اَنَا اٰخُذُهُمَا بِدِرْهَمٍ قَالَ مَنْ يَزِيدُ عَلَى دِرْهَمٍ مَرَّتَيْنِ اَوْ ثَلَاثًا قَالَ رَجُلٌ اَنَا اٰخُذُهُمَا بِدِرْهَمَيْنِ فَاَعْطَاهُمَا اِيَّاهُ وَاَخَذَ الدِّرْهَمَيْنِ فَاَعْطَاهُمَا الْاَنْصَارِيَّ وَقَالَ اشْتَرِ بِاَحَدِهِمَا طَعَامًا فَانْبِذْهُ اِلَى اَهْلِكَ وَاشْتَرِ بِالْاٰخَرِ قَدُومًا فَاْتِنِي بِهِ فَاَتَاهُ بِهِ فَشَدَّ فِيهِ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عُودًا بِيَدِهِ ثُمَّ قَالَ لَهُ اذْهَبْ فَاحْتَطِبْ وَبِعْ وَلَا اَرَيَنَّكَ خَمْسَةَ عَشَرَ يَوْمًا فَذَهَبَ الرَّجُلُ يَحْتَطِبُ وَيَبِيعُ فَجَاءَ فَقَدْ اَصَابَ عَشْرَةَ دَرَاهِمَ فَاشْتَرَى بِبَعْضِهَا ثَوْبًا وَبِبَعْضِهَا طَعَامًا فَقَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ هٰذَا خَيْرٌ لَكَ مِنْ اَنْ تَجِيءَ الْمَسْاَلَةُ نُكْتَةً فِي وَجْهِكَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ اِنَّ الْمَسْاَلَةَ لَا تَصْلُحُ اِلَّا لِثَلَاثَةٍ لِذِي فَقْرٍ مُدْقِعٍ اَوْ لِذِي غُرْمٍ مُفْظِعٍ اَوْ لِذِي دَمٍ مُوجِعٍ۔

۱۶۴۱۔ انس بن مالکؓ سے روایت ہے کہ ایک انصاری رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کرنے آیا۔ حضورؐ نے فرمایا: کیا تیرے گھر میں کوئی چیز نہیں؟ اس نے کہا کیوں نہیں ایک نمدہ ہے جس کا کچھ حصہ ہم اوڑھتے اور کچھ بچھاتے ہیں اور لکڑی کا ایک پیالہ ہے جس میں ہم پانی پیتے ہیں۔ حضورؐ نے فرمایا وہ دونوں چیزیں میرے پاس لاؤ۔ پس میں وہ دونوں چیزیں حضورؐ کے پاس لے آیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ہاتھ میں پکڑا اور فرمایا: ان دو چیزوں کو کون خریدتا ہے؟ ایک شخص بولا کہ میں ان دونوں کو ایک درہم میں لیتا ہوں۔ آپؐ نے دو یا تین بار فرمایا: ایک درہم سے زیادہ کون دیتا ہے؟ ایک شخص بولا کہ میں انہیں دو درہم میں لیتا ہوں۔ پس حضورؐ نے وہ چیزیں اسے دے دیں اور دو درہم اس سے لے لئے۔ پھر وہ درہم انصاری کو دے کر فرمایا: ایک درہم کا کھانا اپنے گھر والوں کے لئے خرید کر اپنے گھر والوں کو دے آ، اور دوسرے سے ایک کلہاڑی (تیشہ) خرید کر میرے پاس لے آ۔ پس وہ شخص لے آیا پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس میں اپنے دست مبارک سے لکڑی ٹھونکی پھر اس سے فرمایا: جا اور ایندھن لا اور بیچ اور میں تجھے پندرہ دن تک نہ دیکھوں وہ آدمی چلا گیا اور ایندھن کاٹ کر بیچتا رہا۔ پھر وہ آیا تو اس کے پاس دس درہم تھے، کچھ کا اس نے کپڑا خریدا اور کچھ کا کھانا۔ پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: یہ اس کی نسبت بہتر ہے کہ بروز قیامت تیرے چہرے کا رنگ بدلا ہوا ہو۔ سوال صرف تین آدمیوں کو روا ہے: خاک میں لوٹانے والی محتاجی والا یا نہایت شدید ذمہ داری والا یا دکھ دینے والے خون والا (دیت اٹھانے والا) اس حدیث کو ترمذی نے بھی روایت کیا اور اسے حسن قرار دیا ہے۔ اور ابن ماجہ اور نسائی نے بھی۔

(شرح) اس حدیث سے سوال کی برائی، حضور کا شفقت و محبت کے ساتھ طریق تربیت اور نیلامی کی بیع کے جواز جیسے مسائل مستنبط ہوتے ہیں۔

بَابُ۲۷ كَرَاهِيَةِ الْمَسْأَلَةِ

(سوال کی کراہت کا باب)

۱۶۴۲۔ حَدَّثَنَا هِشَامُ بْنُ عَمَّارٍ نَا الْوَلِيدُ نَا سَعِيدُ بْنُ عَبْدِ الْعَزِيزِ عَنْ رَبِيعَةَ يَعْنِي ابْنَ يَزِيدَ عَنْ أَبِي إِدْرِيسَ الْخَوْلَانِيِّ عَنْ أَبِي مُسْلِمٍ الْخَوْلَانِيِّ حَدَّثَنِي الْحَبِيبُ الْأَمِينُ أَمَّا هُوَ إِلَيَّ فَحَبِيبٌ وَأَمَّا هُوَ عِنْدِي فَأَمِينٌ عَوْفُ بْنُ مَالِكٍ قَالَ كُنَّا عِنْدَ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سَبْعَةً أَوْ ثَمَانِيَةً أَوْ تِسْعَةً فَقَالَ أَلَا تُبَايِعُونَ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَكُنَّا حَدِيثَ عَهْدٍ بِبَيْعَةٍ قُلْنَا قَدْ بَايَعْنَاكَ حَتَّى قَالَهَا ثَلَاثًا وَبَسَطْنَا أَيْدِيَنَا فَبَايَعْنَاهُ فَقَالَ قَائِلٌ يَا رَسُولَ اللَّهِ إِنَّا قَدْ بَايَعْنَاكَ فَعَلَى مَا نُبَايِعُكَ قَالَ أَنْ تَعْبُدُوا اللَّهَ وَلَا تُشْرِكُوا بِهِ شَيْئًا وَتُصَلُّوا

الصَّلَوٰتِ الْخَمْسَ وَتَسْمَعُوا وَتُطِيعُوا وَأَسَرَّ كَلِمَةً خَفِيَّةً قَالَ وَلَا تَسْأَلُوا النَّاسَ شَيْئًا قَالَ فَلَقَدْ كَانَ بَعْضُ أُولٰئِكَ النَّفَرِ يَسْقُطُ سَوْطُهُ فَمَا يَسْأَلُ أَحَدًا أَنْ يُنَاوِلَهُ إِيَّاهُ قَالَ أَبُو دَاوُدَ حَدِيثُ هِشَامٍ لَمْ يَرْوِهِ إِلَّا سَعِيدٌ۔

۱۶۴۲۔ ابو مسلم خولانی سے روایت ہے کہ: مجھ سے پیارے امانت دار نے حدیث بیان کی، وہ مجھے پیارا تھا اور میرے نزدیک امانت دار تھا، عوف بن مالکؓ، اس نے کہا کہ ہم سات، آٹھ یا نو آدمی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس حاضر تھے، آپؐ نے فرمایا: کیا تم اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے بیعت نہ کرو گے؟ اور ہم کچھ ہی عرصہ قبل بیعت کر چکے تھے۔ ہم نے کہا کہ ہم تو آپؐ سے بیعت کر چکے ہیں (ان کا خیال یہ تھا کہ شاید حضورؐ کو خیال نہیں رہا) حتیٰ کہ آپؐ نے تین بار یہی فرمایا تو ہم نے اپنے ہاتھ پھیلائے اور آپ سے بیعت کی۔ ایک شخص بولا: یا رسول اللہ ہم نے آپؐ سے بیعت کر لی تھی، اب ہم آپ سے کس بات پر بیعت کریں؟ فرمایا: یہ کہ اللہ ہی کی عبادت کرو گے اور اس کے ساتھ کسی چیز کو شریک نہ ٹھہراؤ گے اور پانچ نمازیں پڑھو گے اور سنو گے اور اطاعت کرو گے، اور ایک بات آہستہ سے فرمائی کہ لوگوں سے کچھ نہ مانگو گے۔ عوف بن مالکؓ نے کہا کہ ان لوگوں میں سے بعض کا کوڑا گر جاتا تھا تو کسی سے سوال نہ کرتا کہ اسے وہ پکڑا دے۔ ابوداؤد نے کہا کہ ہشام کی حدیث کو سعید کے سوا کسی اور نے روایت نہیں کیا (مسلم، نسائی اور ابن ماجہ نے بھی اسے روایت کیا ہے یہ ان حضرات کی مزید اور شدید احتیاط تھی کہ ایک ذرا سا جائز سوال بھی نہ کرتے تھے ورنہ اس قسم کی چیزیں بیعت کا حصہ نہیں تھیں۔ ہشام ابوداؤد کا شیخ ہے۔ اس قول کا مطلب یہ ہے کہ ربیعہ بن یزید سے روایت میں سعید بن عبدالعزیز متفرد ہے اور پھر اس سے کئی لوگوں نے روایت کی ہے۔ حدیث سے پتہ چلا کہ حتی الوسع کوئی سوال نہ کرنا چاہیئے)

۱۶۴۳۔ حَدَّثَنَا عُبَيْدُ اللّٰهِ بْنُ مُعَاذٍ نَا أَبِي نَا شُعْبَةُ عَنْ عَاصِمٍ عَنْ أَبِي الْعَالِيَةِ عَنْ ثَوْبَانَ قَالَ وَكَانَ ثَوْبَانُ مَوْلَى رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ تَكَفَّلَ لِي أَنْ لَا يَسْأَلَ النَّاسَ شَيْئًا فَأَتَكَفَّلَ لَهُ بِالْجَنَّةِ فَقَالَ ثَوْبَانُ أَنَا فَكَانَ لَا يَسْأَلُ أَحَدًا شَيْئًا۔

۱۶۴۳۔ ثوبان رضی اللہ عنہ نے، جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے غلام تھے، کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص مجھ سے اس بات کی ذمہ داری لے کہ وہ لوگوں سے کچھ نہ مانگے گا تو میں اس کے لئے جنت کی ذمہ داری لیتا ہوں۔ پس ثوبان رضؓ نے کہا کہ میں (ذمہ داری لیتا ہوں) پس ثوبان لوگوں سے کچھ نہ مانگتا تھا۔

بَابٌ ۲۸ فِي الِاسْتِعْفَافِ

(سوال سے بچنے کا باب)

۱۶۴۴ - حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ مَسْلَمَةَ عَنْ مَالِكٍ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ عَنْ عَطَاءِ بْنِ يَزِيدَ اللَّيْثِيِّ عَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ أَنَّ نَاسًا مِنَ الْأَنْصَارِ سَأَلُوا رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَأَعْطَاهُمْ ثُمَّ سَأَلُوهُ فَأَعْطَاهُمْ حَتَّى إِذَا نَفِدَ مَا عِنْدَهُ قَالَ مَا يَكُونُ عِنْدِي مِنْ خَيْرٍ فَلَمْ أَدَّخِرْهُ وَمَنْ يَسْتَعْفِفْ يُعِفَّهُ اللهُ وَمَنْ يَسْتَغْنِ يُغْنِهِ اللهُ وَمَنْ يَتَصَبَّرْ يُصَبِّرْهُ وَمَا أُعْطِيَ أَحَدٌ مِنْ عَطَاءٍ أَوْسَعَ مِنَ الصَّبْرِ۔

۱۶۴۴ - ابوسعید خدریؓ سے روایت ہے کہ انصار میں سے کچھ لوگوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا پس آپؐ نے انہیں عطا فرمایا: پھر انہوں نے سوال کیا تو آپؐ نے پھر عطا فرمایا: حتیٰ کہ جب وہ مال ختم ہوگیا جو آپؐ کے پاس تھا تو آپؐ نے فرمایا میرے پاس جو مال ہوگا وہ تم سے ہرگز نہ چھپاؤں گا اور جو عفت اختیار کرے (سوال اور حرام سے) اللہ اُسے عفیف بنا دے گا اور جو مستغنی ہو اللہ اسے غنی کرے گا اور جو کوشش سے صابر بننا چاہے اللہ اُسے صابر بنا دے گا اور صبر سے بڑھ کر وسیع تر عطا کسی کو نہیں دی گئی (بخاری، مسلم، ترمذی اور نسائی نے بھی یہ حدیث روایت کی ہے۔ صبر محمود وہ ہے جو مصیبت کے بعد ہو، ورنہ اللہ تعالیٰ سے عافیت کی دُعا کا حکم ہے۔ اور مصیبت پر صبر کا مقام ایمان کا بہت بلند درجہ ہے اسی لئے قرآن نے اُسے نماز کے ساتھ ملا کر ذکر کیا ہے: وَاسْتَعِينُوا بِالصَّبْرِ وَالصَّلٰوةِ ط)

۱۶۴۵ - حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ نَا عَبْدُ اللهِ بْنُ دَاوُدَ ح وَنَا عَبْدُ الْمَلِكِ بْنُ حَبِيبٍ أَبُو مَرْوَانَ نَا ابْنُ الْمُبَارَكِ وَهٰذَا حَدِيثُهُ عَنْ بَشِيرِ بْنِ سَلْمَانَ عَنْ سَيَّارٍ أَبِي حَمْزَةَ عَنْ طَارِقٍ عَنِ ابْنِ مَسْعُودٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ أَصَابَتْهُ فَاقَةٌ فَأَنْزَلَهَا بِالنَّاسِ لَمْ تُسَدَّ فَاقَتُهُ وَمَنْ أَنْزَلَهَا بِاللهِ أَوْشَكَ اللهُ لَهُ بِالْغِنَى إِمَّا بِمَوْتٍ عَاجِلٍ أَوْ غِنًى عَاجِلٍ۔

۱۶۴۵ - ابن مسعودؓ نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جسے فاقہ پہنچا اور وہ اسے لوگوں کے سامنے پیش

کرے (کہ اس کی شکایت کرتا پھرے اور ان سے فاقہ دور کرنے کی درخواست کرے) اس کا فاقہ دور نہ کیا جائے گا اور جو اُسے اللہ کے سامنے پیش کرے اللہ تعالےٰ اُسے جلدی غنیٰ عطا کرے گا یا جلدی موت دے کر یا جلدی مال دے کر۔ (ترمذی اور احمد نے بھی اسے روایت کیا۔ ترمذی نے اسے حسن صحیح غریب کہا ہے)

(شرح) فاقہ زدہ شخص کا کوئی قریبی شخص فوت ہو جائے گا اور اسے اُس کی وراثت سے غنا حاصل ہو جائے گی۔ یا وہ خود موت کا شکار ہو کر فقر و فاقہ سے نجات پا جائیگا۔ مشکوٰۃ المصابیح میں "غنیٰ عاجل" کی جگہ "غنیٰ آجل" ہے، یعنی اُسے کچھ دیر بعد غنا حاصل ہوگی۔

۱۶۴۶- حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ نَا اللَّيْثُ بْنُ سَعْدٍ عَنْ جَعْفَرِ بْنِ رَبِيعَةَ عَنْ بَكْرِ بْنِ سَوَادَةَ عَنْ مُسْلِمِ بْنِ مَخْشِيٍّ عَنِ ابْنِ الْفِرَاسِيِّ قَالَ لِرَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَسْأَلُ يَا رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا وَإِنْ كُنْتَ سَائِلًا لَا بُدَّ فَسَلِ الصَّالِحِينَ۔

۱۶۴۶- فراسی رحمہ اللہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا: یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کیا میں سوال کروں؟ تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، نہیں، اور اگر تمہیں ضرور مانگنا ہی پڑے تو نیک لوگوں سے سوال کرو۔ (نسائی نے بھی اسے روایت کیا ہے) بعض ناگزیر احوال میں سوال کرنا پڑ جاتا ہے اور اس وقت معذوری ہوتی ہے، نیک لوگوں سے یہ خطرہ نہیں کہ حرام دیں گے یا دے کر احسان جتلائیں گے یا لوگوں کو بتلاتے پھریں گے اس لیے یہ ارشاد فرمایا۔

۱۶۴۷- حَدَّثَنَا أَبُو الْوَلِيدِ الطَّيَالِسِيُّ نَا لَيْثٌ عَنْ بُكَيْرِ بْنِ عَبْدِ اللهِ بْنِ الْأَشَجِّ عَنْ بُسْرِ بْنِ سَعِيدٍ عَنِ ابْنِ السَّاعِدِيِّ قَالَ اسْتَعْمَلَنِي عُمَرُ عَلَى الصَّدَقَةِ فَلَمَّا فَرَغْتُ مِنْهَا وَأَدَّيْتُهَا إِلَيْهِ أَمَرَ لِي بِعُمَالَةٍ فَقُلْتُ إِنَّمَا عَمِلْتُ لِلّٰهِ وَأَجْرِي عَلَى اللهِ قَالَ خُذْ مَا أُعْطِيتَ فَإِنِّي قَدْ عَمِلْتُ عَلَى عَهْدِ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَعَمَّلَنِي فَقُلْتُ مِثْلَ قَوْلِكَ فَقَالَ لِي رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا أُعْطِيتَ شَيْئًا مِنْ غَيْرِ أَنْ تَسْأَلَهُ فَكُلْ وَتَصَدَّقْ۔

۱۶۴۷- ابن الساعدی نے کہا کہ عمر رضی اللہ عنہ نے مجھے صدقات پر عامل بنایا۔ پس جب میں ان سے فارغ ہوا اور صدقات ان کے حوالے کر دیئے تو انہوں نے کام کی تنخواہ کا میرے لئے حکم دیا۔ میں نے کہا کہ میں نے تو یہ کام اللہ کی خاطر کیا ہے اور میرا اجر اللہ کے ذمہ ہے۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ تجھے جو کچھ دیا جائے لے لے، میں نے بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

کے زمانے میں یہ کام کیا ہے، پھر حضورؐ نے مجھے معاوضہ دیا تو میں نے تیری بات جیسی بات کہی تو مجھ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب تجھے بلا سوال کچھ ملے تو اسے کھاؤ اور صدقہ کرو (بخاری اور نسائی میں بھی یہ حدیث ہے)

(شرح) اس حدیث سے پتہ چلا کہ حکومت کی عوامی خدمات کے عوض بھی تنخواہ اور معاوضہ لینا جائز ہے اگرچہ وہ خدمت فرائض میں سے کیوں نہ ہو، مثلاً قضاء، پولیس کی نوکری اور تدریسی۔ بلکہ امام پر واجب ہے کہ ان لوگوں کی کفایت کا انتظام کرے اور جو انہی قسم کی خدمات انجام دیں۔ اس حدیث کا امر استحباب کے لئے ہے گو بظاہر فرضیت و وجوب کے لئے نظر آتا ہے۔

۱۶۴۸۔ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ مَسْلَمَةَ عَنْ مَالِكٍ عَنْ نَافِعٍ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ ابْنِ عُمَرَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ وَهُوَ عَلَى الْمِنْبَرِ وَهُوَ يَذْكُرُ الصَّدَقَةَ وَالتَّعَفُّفَ مِنْهَا وَالْمَسْأَلَةَ اَلْيَدُ الْعُلْيَا خَيْرٌ مِّنَ الْيَدِ السُّفْلٰى وَالْيَدُ الْعُلْيَا الْمُنْفِقَةُ وَالسُّفْلٰى السَّائِلَةُ قَالَ اَبُوْ دَاوُدَ اُخْتُلِفَ عَلٰى اَيُّوْبَ عَنْ نَافِعٍ فِيْ هٰذَا الْحَدِيْثِ قَالَ عَبْدُ الْوَارِثِ اَلْيَدُ الْعُلْيَا الْمُتَعَفِّفَةُ وَقَالَ اَكْثَرُهُمْ عَنْ حَمَّادِ بْنِ زَيْدٍ عَنْ اَيُّوْبَ اَلْيَدُ الْعُلْيَا الْمُنْفِقَةُ وَقَالَ وَاحِدٌ عَنْ حَمَّادٍ الْمُتَعَفِّفَةُ۔

۱۶۴۸۔ عبد اللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے برسر منبر فرمایا، اس وقت آپ صدقہ اور اس سے بچنے اور سوال کا ذکر فرما رہے تھے، فرمایا: اوپر کا ہاتھ نچلے ہاتھ سے بہتر ہے۔ اوپر والا ہاتھ دینے والا ہے اور نچلا مانگنے والا۔ ابوداؤد نے کہا نافع سے اس حدیث کی روایت میں ایوب کے شاگردوں میں اختلاف ہوا ہے، عبد الوارث نے کہا کہ اوپر کا ہاتھ بچنے والا ہے اور اکثر راویوں نے کہا (عن حماد بن زید عن ایوب) اوپر کا ہاتھ خرچ کرنے والا ہے۔ اور حماد کے ایک شاگرد نے بھی کہا: اوپر کا ہاتھ سوال سے بچنے والا ہے (المنفقۃ اور المتعففۃ کتابت اور شکل و صورت میں ایک جیسے لفظ ہیں لہٰذا رواۃ حدیث میں اس کی روایت میں اختلاف ہوگیا (بخاری، مسلم اور نسائی نے بھی اس کی روایت کی ہے اور ان کی روایت میں المتعففۃ نہیں بلکہ المنفقۃ آیا ہے۔ خطابی نے المتعففہ کو اس بنا پر ترجیح دی ہے کہ اوپر حدیث میں تعفف کا ذکر ہے۔ مگر حافظ نے المنفقہ کو ترجیح دی ہے کیونکہ بعض روایات میں المعطی کا لفظ آیا ہے جو المنفقہ کا ہم معنی ہے۔ زیادہ تر احادیث کا لفظ یہی ہے پس محدثانہ نقطۂ نظر سے منفقہ والی روایت اولیٰ ہے گو فقیہانہ بات خطابی کی ہے۔ واللہ اعلم۔

۱۶۴۹۔ حَدَّثَنَا اَحْمَدُ بْنُ حَنْبَلٍ نَا عُبَيْدَةُ بْنُ حُمَيْدٍ التَّيْمِيُّ حَدَّثَنِيْ اَبُو الزَّعْرَاءِ عَنْ اَبِي الْاَحْوَصِ عَنْ اَبِيْهِ مَالِكِ بْنِ نَضْلَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى

اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ الْاَیْدِیْ ثَلٰثَۃٌ فَیَدُ اللّٰہِ الْعُلْیَا وَیَدُ الْمُعْطِی الَّتِیْ تَلِیْھَا وَیَدُ السَّائِلِ السُّفْلٰی فَاَعْطِ الْفَضْلَ وَلَا تَعْجِزْ عَنْ نَفْسِکَ۔

۱۶۴۹۔ مالک بن نضلہ نے کہا کہ رسول اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہاتھ تین ہیں، پس اللہ کا ہاتھ تو سب سے اونچا ہے اور عطا کرنے والے کا ہاتھ اس سے نیچے ہے اور سوالی کا ہاتھ نچلا ہے۔ پس تو بچا ہوا دے ڈال اور اپنے نفس کے سامنے عاجز مت ہو (کہ جب وہ تجھے عطا سے روکے تو تو اس کے سامنے ہتھیار ڈال دے)۔ اس حدیث سے بھی پتہ چلا کہ دینے والا ہاتھ اونچا ہے اور لینے والا نچلا حافظ نے فتح الباری میں کہا ہے کہ: اعلیٰ ہاتھ خرچ کرنے والا ہے، پھر لینے سے بچنے والا پھر بلا سوال لینے والا اور سب سے نچلا ہاتھ سوال کرنے والا اور خرچ کرنے سے رُکنے والا ہے)

بَابُ ۲۹ الصَّدَقَۃِ عَلٰی بَنِیْ ھَاشِمٍ

(بنی ہاشم پر صدقے کا باب)

۱۶۵۰ ـ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ کَثِیْرٍ اَنَا شُعْبَۃُ عَنِ الْحَکَمِ عَنْ اَبِیْ رَافِعٍ عَنِ ابْنِ اَبِیْ رَافِعٍ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ بَعَثَ رَجُلًا عَلَی الصَّدَقَۃِ مِنْ بَنِیْ مَخْزُوْمٍ فَقَالَ لِاَبِیْ رَافِعٍ اصْحَبْنِیْ فَاِنَّکَ تُصِیْبُ مِنْھَا قَالَ حَتّٰی اٰتِیَ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَاَسْاَلَہٗ فَاَتَاہُ فَسَاَلَہٗ فَقَالَ مَوْلَی الْقَوْمِ مِنْ اَنْفُسِھِمْ وَاَنَا لَا تَحِلُّ لَنَا الصَّدَقَۃُ۔

۱۶۵۰۔ ابورافع رضؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بنی مخزوم میں سے ایک شخص کو صدقے کا عامل بنا کر بھیجا تو اس نے ابورافع رضؓ سے کہا کہ میرے ساتھ چلو تمہیں بھی اس میں سے حصہ ملے گا۔ ابورافع رضؓ نے کہا کہ بشرطیکہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں جاؤں اور آپؐ سے پوچھ لوں۔ پس ابورافع رضؓ آیا اور حضورؐ سے دریافت کیا تو حضورؐ نے فرمایا: کسی قوم کا غلام (یا آزاد کردہ غلام) بھی انہی میں سے ہوتا ہے اور ہمارے لئے صدقہ حلال نہیں ہے (نسائی اور ترمذی نے بھی اسے روایت کیا ہے اور ترمذی نے اسے حسن صحیح کہا ہے)

(شرح) ابورافع رضؓ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا آزاد کردہ غلام تھا اور اس کا نام اسلم تھا۔ اس کے بیٹے کا نام عبیداللہ بن ابی رافع تھا اور وہ علی بن ابی طالب کا کاتب (سیکرٹری) تھا۔ اور شخص جسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صدقے کا تحصیلدار بنایا تھا یہ ارقم بن ارقم رضؓ قرشی مخزومی تھا اور یہ مہاجرین اولین میں سے تھا۔ حضرت عمر رضؓ کے اسلام تک، کہ جس پر چالیس مسلمانوں کی تعداد پوری ہوئی تھی، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کوہِ صفا کے نیچے اسی ارقم کے گھر میں مخفی طور پر اسلام کا کام سرانجام دیتے

تھے۔ علامہ خطابی نے معالم السنن میں کہا ہے کہ اس بات پر سب اہل اسلام کا اتفاق ہے کہ آپ پر صدقہ وزکوٰۃ حلال نہ تھے۔ آپ ہدیہ قبول فرماتے تھے مگر صدقہ نہیں۔ اس کا راز یہ تھا کہ ہدیے سے دنیوی اجر مطلوب ہوتا ہے پس آپ اسے قبول کرتے اور اس کے دینے والوں کو اس سے بھی زائد دے دیتے تھے لہٰذا کسی کا آپ پر احسان نہ رہتا تھا۔ صدقہ کا ثواب آخرت کے ساتھ متعلق ہے لہٰذا جائز نہ تھا کہ آپ کے ہاتھ پر کسی اور کا ہاتھ بلند ہو اور اللہ کی ذات اور آخرت کے معاملے میں کسی کا احسان آپ پر باقی رہے۔ یہ تو تھا آپ کی ذات اقدس کا معاملہ، اب رہے بنی ہاشم، سو ان کے متعلق بھی اکثر علماء اسی بات کے قائل ہیں کہ ان پر صدقہ وزکوٰۃ حرام ہے۔ امام شافعیؒ نے بنی مطلب کو بھی ان میں شامل کیا ہے کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ذوی القربیٰ کے حصے میں سے انہیں بھی دیا تھا اور بنی ہاشم کے ساتھ انہیں شریک کیا تھا، دراں حالیکہ قریش کے کسی اور قبیلے کو اس میں سے کچھ نہیں دیا تھا۔ چونکہ ان پر صدقہ حرام تھا لہٰذا اس کے عوض میں انہیں یہ حصہ دیا گیا۔

خطابی کہتے ہیں کہ جہاں تک بنی ہاشم کے غلاموں (یا آزاد شدہ غلاموں) کا تعلق ہے ان کا ذوی القربیٰ کے حصے میں کوئی دخل نہیں رہا لہٰذا انہیں صدقہ سے محروم رکھنا جائز نہیں۔ پس حضور نے جو ابورافع رضؓ کو اس سے منع فرمایا یہ بطور تنزیہہ تھا اور یہ جو فرمایا کہ قوم کا غلام انہیں میں سے ہوتا ہے، یہ ان غلاموں کو صدقہ سے پرہیز کرنے کی ترغیب کے طور پر تھا۔

شوکانی نے کہا کہ حضورؐ کا یہ ارشاد: "ہمارے لئے صدقہ حلال نہیں" بظاہر یہ ثابت کرتا ہے کہ صدقہ میں نفلی و فرضی ہر قسم کے صدقات داخل ہیں اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اقدس ہر قسم کے صدقہ سے بالاتر ہے۔ جہاں تک آل النبی صلی اللہ علیہ وسلم کا تعلق ہے، اکثر حنفیہ، صحیح تر قول میں شافعیہ، حنابلہ اور زیدیہ کا قول ہے کہ ان کے لئے نفلی صدقہ جائز ہے کیونکہ وہ "لوگوں کے میل کچیل" میں داخل نہیں، وہ تو صرف زکوٰۃ ہے۔ اس کی مثال ہبہ اور ہدیہ اور وقف ہے۔ مگر حنفیہ میں سے ابو یوسف اس کے قائل نہیں ان کے نزدیک نفلی صدقہ بھی زکوٰۃ کی مانند ان پر حرام ہے۔

۱۶۵۱ــ حَدَّثَنَا مُوسَى بْنُ إِسْمٰعِيلَ وَمُسْلِمُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ الْمَعْنَى قَالَا نَا حَمَّادٌ عَنْ قَتَادَةَ عَنْ أَنَسٍ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَمُرُّ بِالتَّمْرَةِ الْعَائِرَةِ فَمَا يَمْنَعُهُ مِنْ أَخْذِهَا إِلَّا مَخَافَةَ أَنْ تَكُونَ صَدَقَةً۔

۱۶۵۱۔ انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم راستے میں گری پڑی کھجور پر گزرتے تو صرف اس وجہ سے اس کے لینے سے باز رہتے کہ مبادا یہ صدقہ کے مال میں سے ہو (یہ بطور ورع و احتیاط تھا نہ کہ ایک عام قاعدے کے طور پر)

۱۶۵۲ــ حَدَّثَنَا نَصْرُ بْنُ عَلِيٍّ أَنَا أَبِي عَنْ خَالِدِ بْنِ قَيْسٍ عَنْ قَتَادَةَ عَنْ أَنَسٍ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَجَدَ تَمْرَةً فَقَالَ لَوْلَا أَنِّي أَخَافُ أَنْ تَكُونَ صَدَقَةً لَأَكَلْتُهَا قَالَ أَبُو دَاوُدَ رَوَاهُ هِشَامٌ عَنْ قَتَادَةَ هٰكَذَا۔

١٦٥٢- انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک کھجور پائی تو فرمایا اگر مجھے یہ خوف نہ ہوتا کہ یہ شاید صدقہ ہو تو میں اسے کھا لیتا۔ ابوداؤد نے کہا کہ خالد کے علاوہ ہشام نے بھی قتادہ سے اسی طرح کی روایت کی ہے (یہ حدیث مسلم کی کتاب الزکوٰۃ میں بھی موجود ہے) حضور کے اس قول میں دوسروں کے لئے ترغیب موجود ہے کہ اس طرح کی گری پڑی اشیاء کو اُٹھائیں۔

١٦٥٣- حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عُبَيْدٍ الْمُحَارِبِيُّ نَا مُحَمَّدُ بْنُ فُضَيْلٍ عَنِ الْأَعْمَشِ عَنْ حَبِيبِ بْنِ أَبِي ثَابِتٍ عَنْ كُرَيْبٍ مَوْلَى ابْنِ عَبَّاسٍ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ بَعَثَنِي أَبِي إِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي إِبِلٍ أَعْطَاهَا إِيَّاهُ مِنَ الصَّدَقَةِ۔

١٦٥٣- ابن عباس رضی اللہ عنہ نے کہا کہ میرے والد نے مجھے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بھیجا تاکہ وہ اونٹ تبدیل کر کے لے آؤں جو حضور نے عباس رضی اللہ عنہ کو صدقہ میں سے دیئے تھے (خطابی نے معالم السنن میں اس پر حیرت کا اظہار کیا ہے۔ کیونکہ عباس رضی اللہ عنہ بنی ہاشم میں سے تھے۔ آپ کے چچا تھے ذوی القربیٰ کے حصہ میں سے انہیں ملتا تھا لہٰذا صدقہ ان پر حرام تھا۔ شاید یہ اونٹ بطور صدقہ نہیں دیئے گئے بلکہ جیسا کہ اوپر احادیث میں گزر چکا ہے حضور نے ان سے کچھ اونٹ سرکاری ضروریات کے لئے ادھار لے رکھے تھے اور انہیں بطور صدقہ خرچ کیا تھا، اب یہ اونٹ اس اُدھار کی ادائیگی کے طور پر دیئے گئے تھے بیہقی نے اوپر کی تاویل کے علاوہ اس کا ایک اور مطلب یہ بتایا ہے کہ یہ بنی ہاشم پر صدقہ کی حرمت سے پہلے کا واقعہ ہوگا۔ واللہ اعلم۔ یہ حدیث نسائی میں بھی مروی ہے۔)

١٦٥٤- حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الْعَلَاءِ وَعُثْمَانُ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ قَالَا نَا مُحَمَّدٌ هُوَ ابْنُ أَبِي عُبَيْدَةَ عَنْ أَبِيهِ عَنِ الْأَعْمَشِ عَنْ سَالِمٍ عَنْ كُرَيْبٍ مَوْلَى ابْنِ عَبَّاسٍ نَحْوَهُ زَادَ أَبِي يُبْدِلُهَا۔

١٦٥٤- یہ ابن عباس رضی اللہ عنہ کی وہی حدیث دوسری سند کے ساتھ ہے اور اس میں یہ لفظ زائد ہیں: میرے باپ نے وہ اونٹ تبدیل کرنے کے لئے مجھے بھیجا تھا (یہ الفاظ اس بات کی دلیل ہیں کہ وہ اونٹ صدقہ کے نہ تھے ورنہ انہیں تبدیل کرنے کا کوئی سوال نہ تھا۔ لہٰذا وہی تاویل درست ہے کہ یہ حضور نے عباس رضی اللہ عنہ سے لیا ہوا قرض چکایا تھا)

بَابُ ٣٠ الْفَقِيرِ يُهْدِى لِلْغَنِيِّ مِنَ الصَّدَقَةِ

(باب۔ فقیر غنی کو صدقہ میں سے ہدیہ دے سکتا ہے)

١٦٥٥ - حَدَّثَنَا عَمْرُو بْنُ مَرْزُوقٍ أَنَا شُعْبَةُ عَنْ قَتَادَةَ عَنْ أَنَسٍ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أُتِيَ بِلَحْمٍ قَالَ مَا هٰذَا قَالُوا شَيْءٌ تُصُدِّقَ بِهِ عَلَى بَرِيرَةَ فَقَالَ هُوَ لَهَا صَدَقَةٌ وَلَنَا هَدِيَّةٌ۔

١٦٥٥۔ انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں کچھ گوشت پیش کیا گیا تو آپ نے فرمایا: یہ کیسا ہے؟ اہلِ خانہ نے کہا کہ یہ ایک چیز ہے جو بریرہؓ کو بطور صدقہ ملی تھی۔ حضورؐ نے فرمایا: وہ اس کے لئے صدقہ ہے اور ہمارے لئے ہدیہ ہے۔ (بخاری، مسلم اور نسائی میں یہ حدیث مروی ہے)

(شرح) یہ حدیث مختصر ہے۔ طویل حدیث بخاری اور مسلم میں ام المؤمنین عائشہ سلام اللہ علیہا سے مروی ہے۔ اس میں ہے کہ حضورؐ گھر تشریف لائے اور ہنڈیا میں گوشت پک رہا تھا۔ آپ کے سامنے کوئی اور سالن پیش کیا گیا تو فرمایا کہ کیا وہ گوشت نہیں پک رہا؟ حضرت عائشہؓ نے بتایا کہ وہ گوشت صدقہ کا ہے جو بریرہؓ (ام المؤمنین کی لونڈی) کو دیا گیا تھا۔ اس پر حضورؐ نے فرمایا کہ وہ اس پر صدقہ تھا اور ہمارے لئے اس کی طرف سے ہدیہ ہے۔ یہ حدیث ایک بہت بڑے اصل کی طرف رہنمائی کرتی ہے اور اس سے بہت سے مسائل نکلتے ہیں۔ تبدیل ملک سے احکام بدل جاتے ہیں۔

بَابُ ٣١ مَنْ تَصَدَّقَ بِصَدَقَةٍ ثُمَّ وَرِثَهَا

(باب۔ جو شخص صدقہ کرے اور پھر وراثت میں اسے مل جائے)

١٦٥٦ - حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ عَبْدِ اللهِ بْنِ يُونُسَ نَا زُهَيْرٌ نَا عَبْدُ اللهِ بْنُ عَطَاءٍ عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ بُرَيْدَةَ عَنْ أَبِيهِ بُرَيْدَةَ أَنَّ امْرَأَةً أَتَتْ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَتْ كُنْتُ تَصَدَّقْتُ عَلَى أُمِّي بِوَلِيدَةٍ وَأَنَّهَا مَاتَتْ وَتَرَكَتْ تِلْكَ الْوَلِيدَةَ قَالَ وَجَبَ أَجْرُكِ وَرَجَعَتْ إِلَيْكِ فِي الْمِيرَاثِ۔

١٦٥٦۔ بریدہؓ سے روایت ہے کہ ایک عورت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئی اور کہا کہ میں نے اپنی ماں کو نوجوان لونڈی بطور صدقہ دی تھی اور وہ (ماں) مرگئی ہے اور اس نوجوان کو لونڈی کو بطور وراثت چھوڑ گئی ہے۔ حضورؐ نے فرمایا:

تیرا اجر واجب ہو گیا اور وہ لونڈی میراث میں تیری طرف لوٹ آئی (مسلم، ترمذی، اور ابن ماجہ نے بھی اس کی روایت کی اور سنن ابی داؤد میں پھر یہ حدیث الوصایا میں آئے گی)

(شرح) خطابی نے کہا ہے کہ اس حدیث میں صدقہ بمعنی تملیک ہے، یعنی اس عورت نے وہ لونڈی اپنی ماں کی ملک میں دے دی تھی اور اب وہ میراث میں پھر اسے مل رہی تھی۔ خلاصہ یہ کہ صدقہ کا لفظ ہبہ، تملیک اور وقف میں بھی استعمال ہوتا ہے اور یہاں بمعنی تملیک ہے مسند احمد میں یہ حدیث مطول روایت ہوئی ہے۔

باب ۳۲ حُقُوقِ الْمَالِ

(مال کے حقوق کا باب)

۱۶۵۷- حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ نَا أَبُو عَوَانَةَ عَنْ عَاصِمِ بْنِ أَبِي النُّجُودِ عَنْ شَقِيقٍ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ قَالَ كُنَّا نَعُدُّ الْمَاعُونَ عَلَى عَهْدِ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَارِيَةَ الدَّلْوِ وَالْقِدْرِ۔

۱۶۵۷- عبداللہ رضی اللہ عنہ نے کہا کہ ہم لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں ماعون اسی چیز کو شمار کرتے تھے کہ ڈول اور ہنڈیا (وغیرہ) کسی کو عاریۃً دیئے جائیں۔

(شرح) مالی حقوق سے مراد زکوٰۃ اور نفلی صدقات وغیرہ سب ہیں۔ ماعون کا ذکر اللہ نے یوں فرمایا ہے: وَيَمْنَعُونَ الْمَاعُونَ "اور وہ برتنے کی چیز کو روکتے ہیں" عکرمہ نے ماعون کی تفسیر میں کہا ہے کہ اعلیٰ ترین ماعون زکوٰۃ ہے اور ادنیٰ ترین برتنے کا سامان۔ اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ ماعون سے مراد پانی اور نمک وغیرہ وہ چیزیں ہیں جن کا روکنا جائز نہیں۔ شاہ عبدالقادر نے اس کا ترجمہ "برتنے کی چیز" کیا ہے۔ مثلاً سوئی، دھاگا، چولھے کی آگ، دست پناہ وغیرہ جو عموماً گھروں میں ایک دوسرے کے کام آتی رہتی ہیں۔ لغت عرب میں ماعون قلیل چیز کو بھی کہتے ہیں، یعنی وہ معمولی چیزیں یا قلیل مقدار کی اشیاء جن کے ایک دوسرے سے لے کر برتنے کا رواج ہے، عبداللہ بن مسعودؓ کے قول کا مطلب بھی یہی ہے۔

۱۶۵۸- حَدَّثَنَا مُوسَى بْنُ إِسْمَاعِيلَ نَا حَمَّادٌ عَنْ سُهَيْلِ بْنِ أَبِي صَالِحٍ عَنْ أَبِيهِ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَا مِنْ صَاحِبِ كَنْزٍ لَا يُؤَدِّي حَقَّهُ إِلَّا جَعَلَهُ اللّٰهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ يُحْمٰى عَلَيْهَا فِي نَارِ جَهَنَّمَ فَتُكْوٰى بِهَا جَبْهَتُهُ وَجَنْبُهُ وَظَهْرُهُ حَتّٰى يَقْضِيَ اللّٰهُ بَيْنَ عِبَادِهِ فِي يَوْمٍ كَانَ مِقْدَارُهُ

خَمْسِيْنَ اَلْفَ سَنَةٍ مِمَّا تَعُدُّوْنَ ثُمَّ يَرٰى سَبِيْلَهٗ اِمَّا اِلَى الْجَنَّةِ وَاِمَّا اِلَى النَّارِ
وَمَا مِنْ صَاحِبِ غَنَمٍ لَا يُؤَدِّيْ حَقَّهَا اِلَّا جَاءَتْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ اَوْفَرَ مَا كَانَتْ
فَيُبْطَحُ لَهَا بِقَاعٍ قَرْقَرٍ فَتَنْطَحُهٗ بِقُرُوْنِهَا وَتَطَؤُهٗ بِاَظْلَافِهَا لَيْسَ فِيْهَا عَقْصَاءُ
وَلَا جَلْحَاءُ كُلَّمَا مَضَتْ اُخْرَاهَا رُدَّتْ عَلَيْهِ اُوْلَاهَا حَتّٰى يَحْكُمَ اللّٰهُ بَيْنَ عِبَادِهٖ
فِيْ يَوْمٍ كَانَ مِقْدَارُهٗ خَمْسِيْنَ اَلْفَ سَنَةٍ مِمَّا تَعُدُّوْنَ ثُمَّ يَرٰى سَبِيْلَهٗ اِمَّا اِلَى
الْجَنَّةِ وَاِمَّا اِلَى النَّارِ وَمَا مِنْ صَاحِبِ اِبِلٍ لَا يُؤَدِّيْ حَقَّهَا اِلَّا جَاءَتْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ
اَوْفَرَ مَا كَانَتْ فَيُبْطَحُ لَهَا بِقَاعٍ قَرْقَرٍ فَتَطَؤُهٗ بِاَخْفَافِهَا كُلَّمَا مَضَتْ اُخْرَاهَا رُدَّتْ
عَلَيْهِ اُوْلَاهَا حَتّٰى يَحْكُمَ اللّٰهُ بَيْنَ عِبَادِهٖ فِيْ يَوْمٍ كَانَ مِقْدَارُهٗ خَمْسِيْنَ اَلْفَ سَنَةٍ
مِمَّا تَعُدُّوْنَ ثُمَّ يَرٰى سَبِيْلَهٗ اِمَّا اِلَى الْجَنَّةِ وَاِمَّا اِلَى النَّارِ۔

۱۶۵۸۔ ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو سونے چاندی والا اس کا حق ادا نہیں کرتا تو قیامت کے دن اسے جہنم کی آگ میں تپایا جائے گا پھر اس کے ساتھ اس کی پیشانی اور پہلو اور پشت پر داغ لگائے جائیں گے حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں میں فیصلہ فرمائے گا، اُس دن میں جس کی مقدار تمہاری گنتی کے مطابق پچاس ہزار سال ہوگی، پھر وہ اپنی راہ دیکھے گا یا جنت کی طرف یا جہنم کی طرف۔ اور جو بھیڑ بکریوں والا ان کا حق ادا نہ کرے گا تو قیامت کے دن وہ خوب موٹی تازی ہو کر آئیں گی۔ اس شخص کو ان کے آگے زمین پر منہ کے بل ڈال دیا جائے گا، ایک صاف ہموار میدان میں، وہ اپنے سینگوں سے اسے ماریں گی اور اپنے کھروں سے اس کو کچلیں گی، ان میں کوئی بھی مڑے ہوئے سینگوں والی یا بے سینگ نہ ہوگی۔ جب آخری اُس پر سے گزر جائے گی تو پہلی کو پھر لوٹایا جائے گا، حتیٰ کہ ہماری گنتی کے مطابق پچاس ہزار سال کے دن میں اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کے درمیان فیصلے کر دے گا، پھر یہ شخص اپنا راستہ دیکھے گا یا جنت کی طرف یا جہنم کی طرف۔ اور جو اونٹوں کا مالک ان کا حق ادا نہ کرے گا تو وہ قیامت کے دن خوب موٹے تازے ہو کر آئیں گے اور اس شخص کو ایک چٹیل میدان میں ان کے سامنے اُلٹا زمین پر لٹایا جائے گا، پھر وہ اسے اپنے پیروں سے لتاڑیں گے، جب آخری اونٹ گزر جائے گا تو پہلے کو پھر اس پر لوٹایا جائے گا حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ اس دن میں اپنے بندوں کے درمیان فیصلہ کر دے گا جس کی مقدار تمہاری گنتی کے مطابق پچاس ہزار سال ہوگی، پھر وہ اپنی راہ یا جنت کی طرف پائے گا یا جہنم کی طرف (یہ حدیث اسی سند سے مسلم میں اور الاعرج عن ابی ہریرۃ کے طریق سے بخاری اور نسائی میں بھی ہے)

(شرح) سورۂ توبہ میں ہے، يَوْمَ يُحْمٰى عَلَيْهَا فِيْ نَارِ جَهَنَّمَ فَتُكْوٰى بِهَا جِبَاهُهُمْ وَجُنُوْبُهُمْ وَظُهُوْرُهُمْ ؕ اس حدیث کی ابتداء میں بھی یہی مضمون ارشاد ہوا ہے۔ کتاب و سنت کے دلائل سے ثابت ہے کہ روزِ قیامت مومنوں کے لئے مختصر ہوگا حتیٰ کہ بعض کے لئے فجر کی دو رکعت پڑھنے کی مقدار کے برابر ہوگا۔ کفار و مشرکین کے لئے پچاس ہزار سال کا ہوگا

اور گناہ گار مسلمانوں کے لئے ان کے گناہوں کی مقدار کے مطابق ہوگا۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: يَوْمٌ عَسِيرٌ عَلَى الْكَافِرِينَ غَيْرُ يَسِيرٍ ۔ زکوٰۃ نادھندوں کے متعلق یہ جو فرمایا ہے کہ بندوں کا فیصلہ ہوچکنے پر وہ اپنی راہ پر ہوں گے یا جنت کی طرف یا جہنم کی طرف۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ اگر ان کی سزا ختم ہوچکی ہوگی یا ان کا جرم یہی ہوگا جس کی سزا میدانِ قیامت میں ملے گی تو پھر جنت کی طرف، ورنہ جہنم کی طرف جائیں گے۔ معاذ اللہ منہ۔

۱۶۵۹ - حَدَّثَنَا جَعْفَرُ بْنُ مُسَافِرٍ نَا ابْنُ أَبِي فُدَيْكٍ عَنْ هِشَامِ بْنِ سَعْدٍ عَنْ زَيْدِ بْنِ أَسْلَمَ عَنْ أَبِي صَالِحٍ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَحْوَهُ قَالَ فِي قِصَّةِ الْإِبِلِ بَعْدَ قَوْلِهِ لَا يُؤَدِّي حَقَّهَا قَالَ وَمِنْ حَقِّهَا حَلْبُهَا يَوْمَ وِرْدِهَا ـ

۱۶۵۹ - ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے گزشتہ حدیث کی مانند رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد مروی ہے۔ اس میں اونٹوں کے ذکر میں: "وہ ان کا حق ادا نہیں کرتا" کے بعد یہ لفظ منقول ہیں کہ: "اور اونٹوں کے حق میں سے یہ بھی ہے کہ جب وہ پانی پلانے کو لائے جائیں تو ان کا دودھ دوہا جائے (اور حقداروں کو دیا جائے) اونٹوں کو تیسرے چوتھے بلکہ آٹھویں دن پانی پر لایا جاتا ہے پس ان کا دودھ دوہ کر مسافروں کو پلانا بھی مالکوں کے ذمہ حق فرمایا گیا ہے۔ مگر یہ بات محض کلام کے چل چلاؤ میں آگئی ہے ورنہ صرف اس بات پر وہ عذاب متصور نہیں ہوسکتا جس کا حدیث میں ذکر ہوا۔ یا یوں کہا جائے کہ مجبور و مضطر انسانوں کو پلانا مراد ہے کیونکہ وہ تو واجب ہے اور پہلی چیز مستحب۔ ہاں جب انسان اس قدر بخیل اور غیر حساس ہوجائے کہ اس قسم کی بیش یا زیادہ نیکی کی بھی اس سے توقع نہ رہے تو ظاہر ہے کہ پھر چھوٹی بڑی سب چیزیں مل کر باعثِ تعذیب بن سکتی ہیں۔ والعیاذ باللہ

۱۶۶۰ - حَدَّثَنَا الْحَسَنُ بْنُ عَلِيٍّ نَا يَزِيدُ بْنُ هَارُونَ أَنَا شُعْبَةُ عَنْ قَتَادَةَ عَنْ أَبِي عُمَرَ الْغُدَانِيِّ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ سَمِعْتُ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَحْوَ هٰذِهِ الْقِصَّةِ فَقَالَ لَهُ يَعْنِي لِأَبِي هُرَيْرَةَ فَمَا حَقُّ الْإِبِلِ قَالَ تُعْطِي الْكَرِيمَةَ وَتَمْنَحُ الْغَزِيرَةَ وَتُفْقِرُ الظَّهْرَ وَتُطْرِقُ الْفَحْلَ وَتَسْقِي اللَّبَنَ ـ

۱۶۶۰ - ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے کہا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا۔ یعنی اسی گزشتہ حدیث کی مانند۔ ابو عمر غدانی راوی حدیث نے کہا کہ میں نے ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے پوچھا: اونٹوں کا حق کیا ہے؟ اس نے کہا کہ: اچھی اونٹنی عطا کی جائے اور زیادہ دودھ

والی اونٹنی کسی کو دی جائے اور دوسروں کو سواری مہیا کی جائے اور مذکر اونٹ جفتی کے لئے مفت دیا جائے اور اونٹنی کا دودھ پلایا جائے (النسائی نے بھی اس حدیث کو مطول روایت کیا ہے)

۱۶۶۱۔ حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ خَلَفٍ نَا أَبُو عَاصِمٍ عَنِ ابْنِ جُرَيْجٍ قَالَ قَالَ أَبُو الزُّبَيْرِ سَمِعْتُ عُبَيْدَ بْنَ عُمَيْرٍ قَالَ قَالَ رَجُلٌ يَا رَسُولَ اللهِ مَا حَقُّ الْإِبِلِ فَذَكَرَ نَحْوَهُ زَادَ وَإِعَارَةُ دَلْوِهَا۔

۱۶۶۱۔ ابوالزبیر نے کہا کہ میں نے عبید بن عمیر کو کہتے سُنا: ایک آدمی نے کہا یا رسول اللہ اونٹ کا حق کیا ہے؟ پھر راوی نے حضورؐ کا ارشاد پچھلی حدیث کی مانند بیان کیا اور یہ اضافہ کیا کہ: اور اس کے ڈول کا کسی کو عاریۃً دینا۔ (یہ حدیث مرسل ہے کیونکہ عبید بن عمیر تابعی ہے اور اس کا باپ صحابی تھا۔ مسلم نے اس حدیث کو بطریق عبدالرزاق، جابر بن عبداللہ انصاری سے روایت کیا ہے اور اس کے آخر میں عبید بن عمیر کا یہ قول مروی ہے۔ پھر جابر بن عبداللہؓ سے بھی یہی قول مروی ہے)

۱۶۶۲۔ حَدَّثَنَا عَبْدُ الْعَزِيزِ بْنُ يَحْيَى الْحَرَّانِيُّ حَدَّثَنِي مُحَمَّدُ بْنُ سَلَمَةَ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ إِسْحٰقَ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ يَحْيَى بْنِ حَبَّانَ عَنْ عَمِّهِ وَاسِعِ بْنِ حَبَّانَ عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللهِ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَمَرَ مِنْ كُلِّ جَادٍّ عَشَرَةَ أَوْسُقٍ مِّنَ التَّمْرِ بِقِنْوٍ يُعَلَّقُ فِي الْمَسْجِدِ لِلْمَسَاكِينِ۔

۱۶۶۲۔ جابر بن عبداللہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کھجور کے کٹے ہوئے ہر دس وسق میں سے ایک گچھے کا حکم دیا کہ اسے مسجد میں محتاجوں کے لئے لٹکا دیا جائے (تاکہ مسافر، محتاج، اہل صفہ اسے کھائیں اور انہیں ضروریات کے لئے اِدھر اُدھر دیکھنا یا جانا نہ پڑے)

۱۶۶۳۔ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِ اللهِ الْخُزَاعِيُّ وَمُوسَى بْنُ إِسْمٰعِيلَ قَالَا نَا أَبُو الْأَشْهَبِ عَنْ أَبِي نَضْرَةَ عَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ قَالَ بَيْنَمَا نَحْنُ مَعَ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي سَفَرٍ إِذْ جَاءَهُ رَجُلٌ عَلَى نَاقَةٍ لَهُ فَجَعَلَ يَصْرِفُهَا يَمِينًا وَشِمَالًا فَقَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ كَانَ عِنْدَهُ فَضْلُ ظَهْرٍ

فَلْيَعُدْ بِهِ عَلٰى مَنْ لَا ظَهْرَ لَهُ وَمَنْ كَانَ عِنْدَهُ فَضْلُ زَادٍ فَلْيَعُدْ بِهِ عَلٰى مَنْ لَا زَادَ لَهُ حَتّٰى ظَنَنَّا أَنَّهُ لَا حَقَّ لِأَحَدٍ مِّنَّا فِي الْفَضْلِ۔

۱۶۶۳- ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ نے کہا کہ اس اثنا میں کہ ہم ایک سفر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے، اچانک ایک آدمی ایک اونٹنی پر آیا اور اسے دائیں بائیں گھمانے لگا۔ پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس کے پاس فالتو سواری ہو وہ اُسے دیدے جس کے پاس سواری نہ ہو اور جس کے پاس فالتو زادِ راہ ہو وہ اسے دے دے جس کے پاس سفر خرچ نہیں، حتیٰ کہ ہم نے خیال کیا کہ ہم میں سے کسی کا زائد چیزوں میں کوئی حق نہیں (مسلم نے بھی اسے کتاب اللقطہ میں روایت کیا۔ اس شخص کی اونٹنی تھک چکی تھی اور وہ اُسے اِدھر اُدھر چلا پھرا کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دکھانا چاہتا تھا تاکہ اسے کوئی تیز سواری مل سکے۔ اس حدیث اور گزشتہ حدیث کے مطلب کے دونوں پہلو ہو سکتے ہیں کہ اگر مجبور و مضطر لوگ ہوں تو ان پر فالتو چیز کا خرچ کر ڈالنا واجب ہے ورنہ مستحب)

۱۶۶۴- حَدَّثَنَا عُثْمَانُ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ نَا يَحْيَى بْنُ يَعْلَى الْمُحَارِبِيُّ نَا أَبِي نَا غَيْلَانُ عَنْ جَعْفَرِ بْنِ إِيَاسٍ عَنْ مُجَاهِدٍ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ لَمَّا نَزَلَتْ هٰذِهِ الْآيَةُ وَالَّذِيْنَ يَكْنِزُوْنَ الذَّهَبَ وَالْفِضَّةَ قَالَ كَبُرَ ذٰلِكَ عَلَى الْمُسْلِمِيْنَ فَقَالَ عُمَرُ أَنَا أُفَرِّجُ عَنْكُمْ فَانْطَلَقَ فَقَالَ يَا نَبِيَّ اللّٰهِ إِنَّهُ كَبُرَ عَلٰى أَصْحَابِكَ هٰذِهِ الْآيَةُ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّ اللّٰهَ لَمْ يَفْرِضِ الزَّكٰوةَ إِلَّا لِيُطَيِّبَ مَا بَقِيَ مِنْ أَمْوَالِكُمْ وَإِنَّمَا فَرَضَ الْمَوَارِيْثَ لِتَكُوْنَ لِمَنْ بَعْدَكُمْ قَالَ فَكَبَّرَ عُمَرُ ثُمَّ قَالَ لَهُ أَلَا أُخْبِرُكُمْ بِخَيْرِ مَا يَكْنِزُ الْمَرْءُ الْمَرْأَةُ الصَّالِحَةُ إِذَا نَظَرَ إِلَيْهَا سَرَّتْهُ وَإِذَا أَمَرَهَا أَطَاعَتْهُ وَإِذَا غَابَ عَنْهَا حَفِظَتْهُ۔

۱۶۶۴- ابن عباس رضی اللہ عنہ نے کہا کہ جب یہ آیت اُتری: "اور جو لوگ سونا چاندی جمع کر کے رکھتے ہیں الخ" تو مسلمانوں پر شاق گذری پس حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: میں تمہاری تکلیف دُور کر دیتا ہوں، پس وہ لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور کہا: اے اللہ کے نبی! آپ کے اصحاب پر یہ آیت شاق گزری ہے۔ پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے زکوٰۃ اسی لئے فرض کی ہے کہ اس کی ادائیگی کے بعد باقی ماندہ مال پاک ہو جائے۔ اور میراث کا حکم اس لئے نازل ہوا ہے کہ تمہارے وارثوں کے لئے مال رہ جائے۔ ابن عباس رضی اللہ عنہ نے کہا کہ اس پر عمر رضی اللہ عنہ نے تکبیر کہی۔ پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے عمر رضی اللہ عنہ سے فرمایا: کیا میں تجھے مرد کا بہترین خزانہ نہ بتاؤں؟ وہ نیک عورت ہے کہ جب وہ اس کی طرف دیکھے تو وہ اپنے حسن

صورت وسیرت سے) اسے خوش کر دے اور جب اسے حکم دے تو وہ مانے اور جب اس سے غائب ہو تو اس کی حفاظت کرے (یعنی مال و جان اور عصمت و عفت کی حفاظت کرے۔ اس حدیث کو حاکم نے مستدرک میں روایت کیا اور کہا کہ یہ شیخین کی شرط پر ہے مگر انہوں نے اسے روایت نہیں کیا۔ اور ابن مردویہ نے بھی اسے روایت کیا ہے)

بَابُ ۳۳ حَقِّ السَّائِلِ

(سائل کے حق کا باب)

۱۶۶۵۔ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ كَثِيرٍ نَا سُفْيَانُ نَا مُصْعَبُ بْنُ مُحَمَّدِ بْنِ شُرَحْبِيلَ حَدَّثَنِي يَعْلَى بْنُ أَبِي يَحْيَى عَنْ فَاطِمَةَ بِنْتِ حُسَيْنٍ عَنْ حُسَيْنِ بْنِ عَلِيٍّ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِلسَّائِلِ حَقٌّ وَإِنْ جَاءَ عَلَى فَرَسٍ

۱۶۶۵۔ حسین بن علیؓ نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: سائل کے لئے ایک حق ہے گو وہ گھوڑے پر آئے (احمد نے بھی اسے روایت کیا۔ ابو حاتم نے کہا کہ اس حدیث کا راوی یعلی بن ابی یحییٰ مجہول ہے مگر ابن حبان نے اسے ثقات میں ذکر کیا ہے)

(شرح) معالم السنن میں خطابی نے کہا ہے کہ اس حدیث کا معنی یہ ہے کہ جب سائل تمہارے سامنے آئے (اور تم اسے پیشہ ور یا فریبی نہیں جانتے) تو حتی الامکان اس کے ساتھ حسن ظن رکھو۔ اس کی بات میں اگر صدق کا امکان ہو تو درشت روئی سے اس کی تکذیب نہ کرو۔ ممکن ہے وہ واقعی مصیبت زدہ ہو، کسی حادثے کا شکار ہو گیا ہو یا کسی ناگہانی آفت سے پریشان حال ہو گیا ہو۔ ممکن ہے اس کے پاس سواری کا گھوڑا رہ گیا ہو مگر گھر میں فاقہ مستی اور افلاس ہو۔ یا اس پر قرض ہو گیا ہو۔ یا ممکن ہے وہ اپنے وطن میں تو غنی ہو مگر غریب الوطنی میں واقعی مصیبت زدہ ہو۔ یا ممکن ہے اس نے کوئی ذمہ داری اٹھالی ہو، کسی کی ضمانت دی ہو جو ضبط ہو گئی ہو۔ کسی کو صدقہ دے چکنے کے بعد اگر معلوم ہو جائے کہ وہ مستحق نہ تھا تو ابو حنیفہؒ اور محمد بن الحسنؒ نے کہا کہ صدقہ ادا ہو گیا، اور یہی حسن بصریؒ سے مروی ہے۔ ثوریؒ اور شافعیؒ (ایک قول میں) اور ابو یوسفؒ کے نزدیک صدقہ ادا نہیں ہوا۔ خلاصہ یہ کہ اگر زکوٰۃ یا صدقہ واجبہ تھا تو ان حضرات کے نزدیک از سر نو دینا ہو گا۔

مولاناؒ نے فرمایا کہ قرون اولیٰ کا حال اور تھا کہ اس وقت سوال بالعموم عار جانتے تھے اور گداگری پیشہ نہ تھی، آج کل جب تک کسی شخص کے بارے میں واقعی مستحق ہونا معلوم نہ ہو جائے اسے کچھ دینا ناجائز ہو گا۔ میں گزارش کرتا ہوں کہ جن لوگوں کے متعلق یقینی طور پر پیشہ ور گداگر ہونا معلوم ہوتا ہے انہیں کچھ دینا حرام ہے۔ واللہ اعلم۔

۱۶۶۶۔ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ رَافِعٍ نَا يَحْيَى بْنُ آدَمَ نَا زُهَيْرٌ عَنْ شَيْخٍ قَالَ رَأَيْتُ سُفْيَانَ عِنْدَهُ عَنْ فَاطِمَةَ بِنْتِ حُسَيْنٍ عَنْ أَبِيهَا عَنْ عَلِيٍّ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى

اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مِثْلَہٗ۔

۱۶۶۶۔ زہیر نے ایک شیخ سے روایت کیا، جس کے پاس اُس نے سفیان کو دیکھا تھا، کہ وہ فاطمہ بنت حسین رضی اللہ عنہا سے اور وہ اپنے والد حسین رضی اللہ عنہ سے اور وہ علی رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں گزشتہ حدیث کی مانند۔

۱۶۶۷۔ حَدَّثَنَا قُتَیْبَۃُ بْنُ سَعِیْدٍ نَا اللَّیْثُ عَنْ سَعِیْدِ بْنِ اَبِیْ سَعِیْدٍ عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ بُجَیْدٍ عَنْ جَدَّتِہٖ اُمِّ بُجَیْدٍ وَکَانَتْ مِمَّنْ بَایَعَ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَنَّہَا قَالَتْ لَہٗ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْکَ اِنَّ الْمِسْکِیْنَ لَیَقُوْمُ عَلٰی بَابِیْ فَمَا اَجِدُ لَہٗ شَیْئًا اُعْطِیْہِ اِیَّاہُ فَقَالَ لَہَا رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِنْ لَّمْ تَجِدِیْ لَہٗ شَیْئًا تُعْطِیْہِ اِیَّاہُ اِلَّا ظِلْفًا مُحْرَقًا فَادْفَعِیْہِ اِلَیْہِ فِیْ یَدِہٖ۔

۱۶۶۷۔ اُمِّ بجید رضی اللہ عنہا سے روایت ہے، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بیعت کرنے والوں میں سے تھیں، کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا: یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، مسکین میرے دروازے پر کھڑا ہوا اور میرے پاس اسے دینے کو کچھ نہ ہو (تو کیا کروں)، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے فرمایا: اگر تجھے اور کوئی چیز اسے دینے کے لئے نہ ملے تو ایک جلی ہوئی کھری (جانور کا قدم ہی اس کے ہاتھ پر رکھ دے کہ خالی نہ جائے) نسائی اور ترمذی نے بھی اسے روایت کیا اور ترمذی نے کہا کہ یہ حدیث حسن صحیح ہے۔ یہ لفظ بطور مبالغہ فرمایا گیا ہے ورنہ جلی ہوئی کھری کوئی ایسی چیز نہیں جس سے کوئی فائدہ اٹھا سکے۔ خدانخواستہ قحط کا زمانہ ہو تو بات دوسری ہے۔

بَابُ ۳۴ الصَّدَقَۃِ عَلٰی اَہْلِ الذِّمَّۃِ

(اہل ذمہ پر صدقے کا باب)

۱۶۶۸۔ حَدَّثَنَا اَحْمَدُ بْنُ اَبِیْ شُعَیْبٍ الْحَرَّانِیُّ اَنَا عِیْسَی بْنُ یُوْنُسَ نَا ہِشَامُ بْنُ عُرْوَۃَ عَنْ اَبِیْہِ عَنْ اَسْمَاءَ قَالَتْ قَدِمَتْ عَلَیَّ اُمِّیْ رَاغِبَۃً فِیْ عَہْدِ قُرَیْشٍ وَہِیَ رَاغِمَۃٌ مُّشْرِکَۃٌ فَقُلْتُ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ اِنَّ

أُمِّيْ قَدِمَتْ عَلَيَّ وَهِيَ رَاغِمَةٌ مُشْرِكَةٌ أَفَأَصِلُهَا قَالَ نَعَمْ فَصِلِي أُمَّكِ۔

۱۶۶۸۔ اسماءؓ بنت ابی بکر صدیقؓ نے کہا کہ میری ماں رغبت کے ساتھ صلح حدیبیہ کے زمانے میں میرے پاس آئی اور وہ اسلام کی منکرا ور مشرک تھی، تو میں نے کہا یا رسول اللہ میری ماں میرے پاس آئی ہے اور وہ منکر اور مشرک ہے، کیا میں اس کے ساتھ اچھا سلوک کروں؟ حضورؐ نے فرمایا ہاں! اپنی ماں کے ساتھ اچھا سلوک کر (یہ صحیحین کی حدیث ہے)

(شرح) اسماءؓ کی والدہ کا نام قتیلہ بنت عبدالعزی تھا اور یہ اسماءؓ کی رضاعی نہیں بلکہ حقیقی والدہ تھی۔ اس کے اسلام لانے کا کوئی ذکر روایات میں نہیں ہے گو بعض نے اسے صحابیات میں شمار کیا ہے۔ ابوبکر صدیقؓ اسے چھوڑ چکے تھے کیونکہ اہل اسلام اور اہل شرک کے نکاح کے رشتے مدینہ منورہ میں منقطع ہو گئے تھے۔ حافظ ابن حجر نے ایک روایت بیان کی ہے کہ قتیلہ اپنی بیٹی کے لئے پھل اور گھی وغیرہ کے تحفے لائی تھی مگر اسماءؓ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کئے بغیر اسے گھر میں داخل نہیں ہونے دیا تھا۔

بَابُ ۳۵ مَا لَا يَجُوزُ مَنْعُهُ

(باب۔ جن چیزوں کا روکنا جائز نہیں)

۱۶۶۹۔ حَدَّثَنَا عُبَيْدُ اللهِ بْنُ مُعَاذٍ نَا أَبِي نَا كَهْمَسٌ عَنْ سَيَّارِ بْنِ مَنْظُورٍ رَجُلٍ مِّنْ بَنِي فَزَارَةَ عَنْ أَبِيهِ عَنِ امْرَأَةٍ يُقَالُ لَهَا بُهَيْسَةُ عَنْ أَبِيهَا قَالَتْ اسْتَأْذَنَ أَبِي النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَدَخَلَ بَيْنَهُ وَبَيْنَ قَمِيصِهِ فَجَعَلَ يُقَبِّلُ وَيَلْتَزِمُ ثُمَّ قَالَ يَا رَسُولَ اللهِ مَا الشَّيْءُ الَّذِي لَا يَحِلُّ مَنْعُهُ قَالَ الْمَاءُ قَالَ يَا نَبِيَّ اللهِ مَا الشَّيْءُ الَّذِي لَا يَحِلُّ مَنْعُهُ قَالَ الْمِلْحُ قَالَ يَا نَبِيَّ اللهِ مَا الشَّيْءُ الَّذِي لَا يَحِلُّ مَنْعُهُ قَالَ أَنْ تَفْعَلَ الْخَيْرَ خَيْرٌ لَّكَ۔

۱۶۶۹۔ بُہَیسہ اپنے باپ سے روایت کرتی ہے کہ اُس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اجازت لی اور آپ کی قمیص ہٹا کر بوسے لینے اور ہم آغوش ہونے لگا۔ پھر کہنے لگا یا رسول اللہ وہ کون سی چیز ہے جس کا روکنا حلال نہیں؟ حضورؐ نے فرمایا: پانی۔ اس نے کہا اے نبی اللہ وہ کون سی چیز ہے جس کا روکنا حلال نہیں؟ حضورؐ نے فرمایا: نمک۔ وہ بولا یا نبی اللہ وہ کون سی چیز ہے جس کا روکنا حلال نہیں؟ حضورؐ نے فرمایا: تو نیکی کرے تو یہ تیرے لئے بہتر ہے (نسائی نے بھی اسے روایت کیا ہے)

(شرح) پانی اور نمک ان ضروریاتِ زندگی میں سے ہیں جن کی سب کو ضرورت ہے اور سب لوگ ان میں شریک ہیں۔

طبرانی اور ابن ماجہ کی حدیث کے مطابق سب مسلمان ان میں شریک ہیں۔ ابن ماجہ کی حدیث میں یہاں تک ہے کہ "ثمنہ حرام" اس کی قیمت حرام ہے" ابوداؤد کے علاوہ یہ حدیث احمد اور ابن ابی شیبہ اور ابن عدی نے بھی روایت کی ہے۔ اُس حدیث میں آگ کا ذکر بھی ہے اور اس میں شرکت کا مطلب یہ ہے کہ اسے سینکنے اور کپڑے سکھانے کا ہر ایک کو حق ہے۔ ہاں اس کا انگارہ اجازت کے بغیر نہیں لیا جا سکتا۔ پانی میں شرکت سے مراد پینا، جانوروں کو پلانا، کنوؤں، حوضوں اور مملوکہ نہروں سے پانی لینا ہے۔ اور گھاس میں شرکت کا مطلب یہ ہے کہ اُسے حاصل کیا جا سکتا ہے گو وہ کسی کی مملوکہ اراضی میں ہو۔ اگر ایسا ہو تو زمین والا زمین کے داخلے سے تو روک سکتا ہے مگر اس کا فرض ہے کہ آنے والے کو پانی بھر دے یا گھاس کاٹ دے۔ علامہ شامی نے لکھا ہے کہ اس کی مثال یوں ہے جیسے کسی کی زمین میں تمہارا کوئی کپڑا وغیرہ گر جائے اور تمہیں اس کے اٹھانے کا حق ہے۔ اگر مالک اراضی داخل نہ ہونے دے تو اٹھا کر تمہیں دینا اس کا فرض ہوگا۔ ان مسائل کی تفصیل میں کچھ اختلاف بھی ہو سکتا ہے۔

حضورؐ نے اس شخص کے آخری سوال کا جو جواب دیا تھا وہ ایک حکیمانہ جواب تھا تاکہ اس کے سوالات کا سلسلہ منقطع ہو جائے۔ اور اس جواب میں جامعیت اور کلیت پائی جاتی ہے۔ نمک سے مراد وہ نمک ہے جو کسی کی غیر مملوکہ کان میں ہو۔ جو اسے باہر نکال لے وہ اس کی ملکیت ہے جیسے کہ ہمارے ہاں حکومت نمک کی کان سے نمک نکال کر اسے فروخت کرتی ہے۔ حافظ ابن عبدالبر نے بُہیسہ کے والد کا نام عمیرؓ لکھا ہے اکثر محدثین کے نزدیک بہیسہ مجہول ہے گو بعض نے اسے صحابیات میں شمار کیا ہے۔

بَابُ ۳۶ الْمَسْأَلَةِ فِي الْمَسَاجِدِ

(مسجدوں میں سوال کا باب)

۱۶۷۰- حَدَّثَنَا بِشْرُ بْنُ آدَمَ نَا عَبْدُ اللهِ بْنُ بَكْرٍ السَّهْمِيُّ نَا مُبَارَكُ بْنُ فُضَالَةَ عَنْ ثَابِتٍ الْبُنَانِيِّ عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ أَبِي لَيْلَى عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ أَبِي بَكْرٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ هَلْ فِيكُمْ أَحَدٌ أَطْعَمَ الْيَوْمَ مِسْكِينًا فَقَالَ أَبُو بَكْرٍ دَخَلْتُ الْمَسْجِدَ فَإِذَا أَنَا بِسَائِلٍ يَسْأَلُ فَوَجَدْتُ كِسْرَةَ خُبْزٍ فِي يَدِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ فَأَخَذْتُهَا فَدَفَعْتُهَا إِلَيْهِ۔

۱۶۷۰- عبدالرحمٰن بن ابی بکر رضی اللہ عنہما نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کیا تم میں کوئی ایسا شخص ہے جس نے آج کسی مسکین کو کھانا کھلایا ہو؟ ابوبکرؓ نے کہا کہ میں مسجد میں داخل ہوا تو اچانک سوالی کو مانگتے دیکھا، پس عبدالرحمٰنؓ کے ہاتھ میں میں نے روٹی کا ایک ٹکڑا پایا تو وہ اس سے لے کر اس سائل کو دے دیا۔ اس حدیث کو مسلم نے بھی

روایت کیا اور نسائی نے اسے ابوہریرہؓ سے اس سے زیادہ تفصیل سے روایت کیا)

(شرح) مسجد میں گم شدہ چیز کا اعلان ناجائز ہے جس سے سوال کی کراہت نکلتی ہے۔ اس حدیث میں یہ صراحت نہیں کہ مانگنے والا مسجد کے اندر سوال کرتا تھا۔ مسند بزار میں یہ حدیث زیادہ تفصیل سے آئی ہے مگر بزار نے اسے مرسل کہا ہے اور ابوداؤد کی اس سند پر کچھ کلام بھی کیا ہے۔

بَابُ ۳۷ كَرَاهِيَةِ الْمَسْأَلَةِ بِوَجْهِ اللهِ عَزَّ وَجَلَّ

(خدائے تعالیٰ کی عظمت کے نام پر مانگنے کی کراہیت کا باب)

۱۶۷۱ - حَدَّثَنَا أَبُو الْعَبَّاسِ الْقِلَّوْرِيُّ نَا يَعْقُوبُ بْنُ إِسْحٰقَ الْحَضْرَمِيُّ عَنْ سُلَيْمَانَ بْنِ مُعَاذٍ التَّمِيمِيِّ نَا ابْنُ الْمُنْكَدِرِ عَنْ جَابِرٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يُسْأَلُ بِوَجْهِ اللهِ إِلَّا الْجَنَّةُ۔

۱۶۷۱ - جابرؓ نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: خدا کی عظمت کے واسطے سے جنت کے سوا کچھ نہ مانگا جائے (اس حدیث کے راوی سلیمان بن معاذ تمیمی کو محدثین نے ضعیف کہا ہے، وہ غالی رافضی تھا اور احادیث میں گڑبڑ کرتا تھا۔)

بَابُ ۳۸ عَطِيَّةِ مَنْ سَأَلَ بِاللهِ عَزَّ وَجَلَّ

(اللہ کے نام پر عطیے کا باب)

۱۶۷۲ - حَدَّثَنَا عُثْمَانُ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ نَا جَرِيرٌ عَنِ الْأَعْمَشِ عَنْ مُجَاهِدٍ عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنِ اسْتَعَاذَ بِاللهِ فَأَعِيذُوهُ وَمَنْ سَأَلَ بِاللهِ فَأَعْطُوهُ وَمَنْ دَعَاكُمْ فَأَجِيبُوهُ وَمَنْ صَنَعَ إِلَيْكُمْ مَعْرُوفًا فَكَافِئُوهُ فَإِنْ لَمْ تَجِدُوا مَا تُكَافِئُوا بِهِ فَادْعُوا لَهُ حَتَّى تَرَوْا أَنَّكُمْ قَدْ كَافَأْتُمُوهُ۔

۱۶۷۲ - عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو اللہ کے نام پناہ مانگے اسے پناہ دے دو اور جو اللہ کے نام پر سوال کرے اسے عطا کرو اور جو تمہاری دعوت کرے اسے قبول کرو اور جو تم سے نیکی کرے

اس کا بدلہ دو اور اگر بدلہ نہ دے سکو تو اس وقت تک اس کے لئے دعا کرو کہ تمہارے نزدیک اس کا بدلہ ہو جائے (امام نسائی نے بھی اسے روایت کیا)

(شرح) ترمذی، نسائی اور ابن ماجہ نے ابن عمرؓ سے روایت کی ہے کہ نیکی کرنے والے کو جس نے جزاک اللہ خیرًا کہا تو اس نے نیکی کرنے والے کی حد درجہ ثنا کی۔ یعنی اپنے عجز کا اظہار کر کے جزاء کو اللہ تعالےٰ کے حوالے کر دیا تو گویا اس نے شکریہ ادا کر دیا۔

بَابُ ۳۹ الرَّجُلِ يَخْرُجُ مِنْ مَالِهِ

(اس شخص کا باب جو اپنا سارا مال صدقہ کر دے)

۱۶۷۳ - حَدَّثَنَا مُوسَى بْنُ إِسْمٰعِيلَ نَا حَمَّادٌ عَنْ مُحَمَّدِ ابْنِ إِسْحَاقَ عَنْ عَاصِمِ بْنِ عُمَرَ بْنِ قَتَادَةَ عَنْ مَحْمُودِ بْنِ لَبِيدٍ عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ الْأَنْصَارِيِّ قَالَ كُنَّا عِنْدَ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذْ جَاءَهُ رَجُلٌ بِمِثْلِ بَيْضَةٍ مِنْ ذَهَبٍ فَقَالَ يَا رَسُولَ اللّٰهِ أَصَبْتُ هٰذِهِ مِنْ مَعْدِنٍ فَخُذْهَا فَهِيَ صَدَقَةٌ مَا أَمْلِكُ غَيْرَهَا فَأَعْرَضَ عَنْهُ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ثُمَّ أَتَاهُ مِنْ قِبَلِ رُكْنِهِ الْأَيْمَنِ فَقَالَ مِثْلَ ذٰلِكَ فَأَعْرَضَ عَنْهُ ثُمَّ أَتَاهُ مِنْ قِبَلِ رُكْنِهِ الْأَيْسَرِ فَأَعْرَضَ عَنْهُ ثُمَّ أَتَاهُ مِنْ خَلْفِهِ فَأَخَذَهَا رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَحَذَفَهُ بِهَا فَلَوْ أَصَابَتْهُ لَأَوْجَعَتْهُ أَوْ لَعَقَرَتْهُ فَقَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَأْتِي أَحَدُكُمْ بِمَا يَمْلِكُ فَيَقُولُ هٰذِهِ صَدَقَةٌ ثُمَّ يَقْعُدُ يَسْتَكِفُّ النَّاسَ خَيْرُ الصَّدَقَةِ مَا كَانَ عَنْ ظَهْرِ غِنًى۔

۱۶۷۳۔ جابر بن عبداللہؓ انصاری نے کہا کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر تھے کہ ایک شخص انڈے کے برابر سونا لیکر آیا۔ اس نے کہا یا رسول اللہ میں نے یہ ایک کان سے پایا ہے آپ اسے بطور صدقہ قبول فرمالیں میرے پاس اس کے سوا اور کچھ نہیں ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے منہ پھیر لیا۔ پھر وہ آپؐ کی دائیں جانب سے آیا اور وہی بات کہی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے منہ پھیر لیا۔ پھر وہ آپ کی بائیں جانب سے آیا تو حضورؐ نے پھر اس سے منہ پھیر لیا۔ پھر وہ حضورؐ کی پشت کی جانب سے آیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے وہ ڈھیلا پکڑا اور اسے اس کی جانب پھینک

دیا، اگر وہ اسے لگ جاتا تو اسے تکلیف دیتا یا زخمی کر دیتا۔ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم میں سے کوئی اپنا سارا اندوختہ لے آتا ہے اور کہتا ہے کہ یہ صدقہ ہے پھر بیٹھ رہتا ہے اور لوگوں کے آگے ہتھیلی پھیلاتا ہے۔ بہتر ین صدقہ وہ ہے جو دے کر بھی غنا باقی بچ رہے۔

(شرح) یہ کوئی نیکی نہیں کہ ایک ہی بار اپنا سب کچھ دے ڈالو اور پھر لوگوں سے محتاج ہو کر ان سے مانگتے پھرو۔ آپؐ کو چونکہ اس شخص کے بارے میں فقر کا اندیشہ تھا لہٰذا اس کے فتنے میں مبتلا ہو جانے کے خوف سے یہ فرمایا؛ عام حکم بھی ہے لیکن صدیقِ اُمت کا معاملہ عوام سے بالاتر ہے کوئی اس جیسی قوتِ یقین، اعتماد علی اللہ، مقام فنائیت فی حب الرسول کہاں سے لائے گا؟ یہی سبب ہے کہ جنگ تبوک کے موقع پر جب ابو بکرؓ نے اپنا سب کچھ لاکر پیش کر دیا تھا تو حضورؐ نے نہ صرف خاموشی سے اظہار خوشنودی فرمایا بلکہ صحابہؓ پر ان کی فوقیت بھی عملاً ظاہر فرمائی تھی۔ ایک بار جب حضرت سعدؓ نے سارا مال صدقہ کرنے کی اجازت مانگی تھی تو حضورؐ نے انہیں بھی فرمایا تھا کہ: تو اگر اپنے وارثوں کو غنی چھوڑ جائے تو یہ اس سے بہتر ہے کہ انہیں محتاج چھوڑ کے کہ وہ لوگوں کے آگے ہاتھ پھیلاتے پھریں۔

۱۶۷۴ - حَدَّثَنَا عُثْمٰنُ بْنُ اَبِیْ شَیْبَةَ نَا ابْنُ اِدْرِیْسَ عَنْ ابْنِ اِسْحٰقَ بِاِسْنَادِهٖ وَمَعْنَاهُ زَادَ خُذْ عَنَّا مَالَكَ لَا حَاجَةَ لَنَا بِهٖ۔

۱۶۷۴ - وہی حدیث دوسری سند سے ہے جس میں یہ اضافہ بھی ہے کہ حضورؐ نے اس سے فرمایا: اپنا مال ہم سے لے لو، اس کی ہمیں کوئی ضرورت نہیں۔

۱۶۷۵ - حَدَّثَنَا اِسْحٰقُ بْنُ اِسْمٰعِیْلَ نَا سُفْیَانُ عَنْ ابْنِ عَجْلَانَ عَنْ عِیَاضِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ سَعْدٍ سَمِعَ اَبَا سَعِیْدٍ الْخُدْرِیَّ یَقُوْلُ دَخَلَ رَجُلٌ الْمَسْجِدَ فَاَمَرَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ النَّاسَ اَنْ یَّطْرَحُوْا ثِیَابًا فَطَرَحُوْا فَاَمَرَ لَهٗ مِنْهَا بِثَوْبَیْنِ ثُمَّ حَثَّ عَلَی الصَّدَقَةِ فَجَاءَ فَطَرَحَ اَحَدَ الثَّوْبَیْنِ فَصَاحَ بِهٖ فَقَالَ خُذْ ثَوْبَكَ۔

۱۶۷۵ - ابو سعید خدریؓ کہتے تھے کہ ایک آدمی مسجد میں داخل ہوا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کو بطور صدقہ کپڑے پھینکنے کا حکم دیا۔ پس لوگوں نے کپڑے پھینکے تو اُن میں سے دو حضورؐ نے اسے دینے کا حکم دیا۔ پھر آپ نے صدقے کی ترغیب دی تو وہ آیا اور ان دو میں سے ایک کپڑا پھینک دیا، حضورؐ نے بآواز بلند اس شخص سے فرمایا کہ اپنا کپڑا لے لو (نسائی اور ترمذی نے بھی اسے روایت کیا اور ترمذی نے اسے حسن صحیح کہا ہے) اس شخص کا نام سلیکؓ بن عمرو تھا۔ وہ خود

محتاج تھا اور ابھی ابھی جو دو کپڑے - چادر اور تہبند ملے تھے ان میں سے ایک کا صدقہ کرنا چاہتا تھا اس لئے اسے تنبیہ فرمائی گئی مبادا وہ پھر محتاج ہو جائے۔

۱۶۷۶- حَدَّثَنَا عُثْمَانُ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ نَا جَرِيرٌ عَنِ الْأَعْمَشِ عَنْ أَبِي صَالِحٍ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّ خَيْرَ الصَّدَقَةِ مَا تَرَكَ غِنًى أَوْ تُصُدِّقَ بِهِ عَنْ ظَهْرِ غِنًى وَابْدَأْ بِمَنْ تَعُولُ۔

۱۶۷۶- ابوہریرہؓ نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بہترین صدقہ وہ ہے جو غنی چھوڑے یا یہ فرمایا کہ جس کو صدقہ کرنے والے غنی باقی رکھ کر کرے۔ اور ان سے شروع کر جن کا تو کفیل ہے (بخاری اور نسائی نے بھی اسے روایت کیا۔ اور مسلم اور نسائی نے یہ روایت حکیم بن حزامؓ سے بھی نقل کی ہے)

(شرح) یعنی صدقہ دینے کے بعد اپنی اور اہل و عیال کی ضروریات کا سامان بھی بچ رہے۔ ہاں اگر غنائے قلبی بہت زیادہ ہو اور کسی میں صدیقیت کا عنصر موجود ہو تو دوسری بات ہے۔ جن لوگوں کی کفالت تم پر ہو ان کی فرض ذمہ داری کے باعث ان کا حق فائق ہے، پہلے ان کے واجبی حقوق ادا کئے جائیں پھر دوسروں کو دیا جائے، بالغ، برسر روزگار اور شادی شدہ اولاد کا نفقہ خود اُن کے ذمہ ہے بلکہ یہ کہ وہ محتاج ہوں یا معذور ہوں۔

بَابُ الرُّخْصَةِ فِي ذٰلِكَ

(اس بارے میں رخصت کا باب)

۱۶۷۷- حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ وَيَزِيدُ بْنُ خَالِدِ بْنِ مَوْهَبٍ الرَّمْلِيُّ قَالَا نَا اللَّيْثُ عَنْ أَبِي الزُّبَيْرِ عَنْ يَحْيَى بْنِ جَعْدَةَ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ أَنَّهُ قَالَ يَا رَسُولَ اللَّهِ أَيُّ الصَّدَقَةِ أَفْضَلُ قَالَ جُهْدُ الْمُقِلِّ وَابْدَأْ بِمَنْ تَعُولُ۔

۱۶۷۷- ابوہریرہؓ نے کہا کہ یا رسول اللہ کون سا صدقہ افضل ہے؟ فرمایا کم مال والے کی محنت مزدوری کا صدقہ اور شروع ان سے کر جن کی کفالت تم پر ہو (یعنی کم مالدار آدمی جب محنت مشقت کر کے کچھ حاصل کرے اور اس میں سے صدقہ کرے تو یہ زیادہ فضیلت رکھتا ہے، مگر شرط اس میں بھی یہی ہے کہ پہلے حق ان کا ہے جن کی کفالت اس کے ذمہ ہو اور جن کا نان ونفقہ اس پر واجب ہو)

۱۶۷۸ حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ صَالِحٍ وَعُثْمَانُ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ وَهَذَا حَدِيثُهُ قَالَ نَا الْفَضْلُ بْنُ دُكَيْنٍ نَا هِشَامُ بْنُ سَعْدٍ عَنْ زَيْدِ بْنِ أَسْلَمَ عَنْ أَبِيهِ قَالَ سَمِعْتُ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ يَقُولُ أَمَرَنَا رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَوْمًا أَنْ نَتَصَدَّقَ فَوَافَقَ ذَلِكَ مَالًا عِنْدِي فَقُلْتُ الْيَوْمَ أَسْبِقُ أَبَا بَكْرٍ إِنْ سَبَقْتُهُ يَوْمًا فَجِئْتُ بِنِصْفِ مَالِي فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا أَبْقَيْتَ لِأَهْلِكَ فَقُلْتُ مِثْلَهُ قَالَ وَأَتَى أَبُو بَكْرٍ بِكُلِّ مَا عِنْدَهُ فَقَالَ لَهُ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا أَبْقَيْتَ لِأَهْلِكَ قَالَ أَبْقَيْتُ لَهُمُ اللَّهَ وَرَسُولَهُ قُلْتُ لَا أُسَابِقُكَ إِلَى شَيْءٍ أَبَدًا۔

۱۶۷۸۔ اسلمؓ نے کہا کہ میں نے حضرت عمر بن الخطابؓ کو یہ کہتے سنا کہ ایک دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں صدقہ کرنے کا حکم دیا (یعنی نفلی صدقہ جو بڑے وسیع معنوں میں بولا جاتا ہے) تو اتفاق سے اس دن میرے پاس کافی مال موجود تھا۔ میں نے کہا کہ اگر میں کبھی ابو بکرؓ سے سبقت لے جا سکا تو آج لے جاؤں گا، پس میں اپنا نصف مال لے آیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، تو نے گھر والوں کے لئے کیا چھوڑا؟ میں نے کہا اسی قدر۔ عمرؓ نے کہا کہ ابو بکرؓ اپنا سارا مال لے آئے تو رسول اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تو نے اپنے اہل و عیال کے لئے کیا چھوڑا ہے؟ اس نے کہا کہ میں نے ان کے لئے اللہ اور اس کا رسولؐ چھوڑا ہے۔ میں نے کہا کہ میں کسی چیز میں کبھی تیرا مقابلہ نہ کروں گا۔ (اس حدیث کو ترمذی نے بھی کتاب المناقب میں بیان کیا ہے)

(شرح) علامہ علی القاری نے کہا کہ بعض روایات میں ہے: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان دونوں حضرات سے فرمایا: تم دونوں میں وہی فرق ہے جو تمہارے کلمات میں ہے۔ اس حدیث سے صراحۃً معلوم ہو گیا کہ جس شخص سے اعلیٰ درجے کے توکل اور مشکلات پر صبر و ثبات کا یقین ہو اس کا سارا مال بھی قبول کیا جا سکتا ہے۔

بَابٌ فِي فَضْلِ سَقْيِ الْمَاءِ

(پانی پلانے کی فضیلت کا باب)

۱۶۷۹۔ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ كَثِيرٍ نَا هَمَّامٌ عَنْ قَتَادَةَ عَنْ سَعِيدٍ أَنَّ سَعْدًا أَتَى النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ أَيُّ الصَّدَقَةِ أَعْجَبُ إِلَيْكَ قَالَ الْمَاءُ۔

۱۶۷۹۔ سعدؓ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے اور کہا: کون سا صدقہ آپ کو زیادہ پسند ہے؟ فرمایا: پانی۔ (یعنی کسی کو انفرادی طور پر پانی پلانا، کنواں لگانا، نہر کھودنا، نل لگوانا، حوض بنوانا وغیرہ) پانی کی ضرورت پر ایک کو

ہے بالخصوص گرم ممالک ہیں۔

۱۶۸۰- حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِ الرَّحِيمِ نَا مُحَمَّدُ بْنُ عَرْعَرَةَ عَنْ شُعْبَةَ عَنْ قَتَادَةَ عَنْ سَعِيدِ بْنِ الْمُسَيِّبِ وَالْحَسَنِ عَنْ سَعْدِ بْنِ عُبَادَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَحْوَهُ۔

۱۶۸۰: دوسری روایت سعید بن مسیب اور حسن بصری دونوں نے سعدؓ بن عبادہ سے اسی طرح روایت کی جیسے اوپر کی حدیث ہے۔

۱۶۸۱- حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ كَثِيرٍ أَنَا إِسْرَائِيلُ عَنْ أَبِي إِسْحٰقَ عَنْ رَجُلٍ عَنْ سَعْدِ بْنِ عُبَادَةَ أَنَّهُ قَالَ يَا رَسُولَ اللّٰهِ إِنَّ أُمَّ سَعْدٍ مَاتَتْ فَأَيُّ الصَّدَقَةِ أَفْضَلُ قَالَ الْمَاءُ قَالَ فَحَفَرَ بِئْرًا وَقَالَ هٰذِهِ لِأُمِّ سَعْدٍ۔

۱۶۸۱: سعد بن عبادہؓ نے کہا یا رسول اللہ اُمّ سعدؓ مرگئی ہے تو کون سا صدقہ افضل ہے؟ آپؐ نے فرمایا: پانی۔ پس اُس نے ایک کنواں کھدوایا اور کہا یہ اُمّ سعد کا کنواں ہے (نسائی اور ابن ماجہ نے بھی اس کی روایت کی ہے۔ اس روایت میں ہے، جس راوی کا نام مبہم ہے، حافظ نے تقریب میں لکھا ہے کہ شاید وہ سعید بن مسیب ہے۔ منذری نے اس حدیث کو منقطع کیا ہے کیونکہ سعید بن مسیب اور حسن بصری میں سے کسی نے سعدؓ کو نہیں پایا۔ سعدؓ بن عبادہ کی وفات شام میں ۱۵ھ یا ۱۴ھ یا ۱۱ھ کو واقع ہوگئی تھی جبکہ سعید بن مسیب کی ولادت مدینہ میں ۱۵ھ کو اور حسن بصری کی ۲۱ھ کو ہوئی تھی۔ لہٰذا ان کی روایت سعدؓ سے کیسے ہو سکتی ہے؟ مولاناؒ نے فرمایا ہے کہ یہ حدیث مالی عبادات کا ثواب مُردوں کو پہنچ جانے کی دلیل ہے، اس پر اہل سنت کا اجماع ہے۔ بدنی عبادات میں اختلاف ہے، حنفیہ کے نزدیک ان کا ثواب بھی پہنچتا ہے مگر شافعیہ اس کے منکر ہیں۔

حافظ ابن حجرؒ نے تہذیب التہذیب میں کہا ہے کہ حسن بصری نے ابی بن کعبؓ، سعد بن عبادہؓ اور جناب عمرؓ بن الخطاب سے روایت کی ہے مگر انہیں پایا نہیں۔ پس یہ روایات منقطع ہیں۔ حسن بصری کی روایات بہت سی مرسل بھی ہیں۔ ان کے دَور تک مرسل اور منقطع روایات مقبول تھیں مگر بعد میں جب بدعتی فرقوں نے وضعِ حدیث کا فتنہ اٹھایا تو فن اصولِ حدیث وضع ہوا اور ان روایات کو چھان بین کے بغیر قبول نہ کرنے کا فیصلہ کیا گیا۔

۱۶۸۲- حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ حُسَيْنٍ نَا أَبُو بَدْرٍ نَا أَبُو خَالِدٍ الَّذِي كَانَ يَنْزِلُ فِي بَنِي دَالَانَ عَنْ نُبَيْحٍ عَنْ أَبِي سَعِيدٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ أَيُّمَا

مُسْلِمٍ كَسَى مُسْلِمًا ثَوْبًا عَلَى عُرْيٍ كَسَاهُ اللهُ مِنْ خُضْرِ الْجَنَّةِ وَأَيُّمَا مُسْلِمٍ أَطْعَمَ مُسْلِمًا عَلَى جُوعٍ أَطْعَمَهُ اللهُ مِنْ ثِمَارِ الْجَنَّةِ وَأَيُّمَا مُسْلِمٍ سَقَى مُسْلِمًا عَلَى ظَمَإٍ سَقَاهُ اللهُ عَزَّ وَجَلَّ مِنَ الرَّحِيقِ الْمَخْتُومِ۔

۱۶۸۲۔ ابوسعیدؓ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کی کہ آپؐ نے فرمایا: جس مسلمان نے کسی مسلمان کو عریانی کے باعث کپڑا پہنایا اللہ تعالیٰ اُس کو جنت کے سبز کپڑے پہنائے گا۔ اور جس مسلمان نے کسی بھوکے مسلمان کو کھانا کھلایا اللہ تعالیٰ اسے جنت کے پھل کھلائے گا اور جس مسلمان نے کسی پیاسے کو پانی پلایا اللہ عزوجل اسے جنت کی مُہر زدہ شراب پلائے گا (اس حدیث کے ایک راوی ابوخالد یزید بن عبدالرحمن والانی پر بعض محدثین نے کلام کیا ہے)

بَابٌ ۴۲ فِي الْمِنْحَةِ

(منحہ کا باب)

۱۶۸۳۔ حَدَّثَنَا إِبْرَاهِيمُ بْنُ مُوسَى قَالَ أَخْبَرَنَا إِسْرَائِيلُ ح وَحَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ نَا عِيسَى وَهٰذَا حَدِيثُ مُسَدَّدٍ وَهُوَ أَتَمُّ عَنِ الْأَوْزَاعِيِّ عَنْ حَسَّانَ بْنِ عَطِيَّةَ عَنْ أَبِي كَبْشَةَ السَّلُولِيِّ قَالَ سَمِعْتُ عَبْدَ اللهِ بْنَ عَمْرٍو يَقُولُ قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَرْبَعُونَ خَصْلَةً أَعْلَاهُنَّ مَنِيحَةُ الْعَنْزِ يَعْمَلُ رَجُلٌ بِخَصْلَةٍ مِنْهَا رَجَاءَ ثَوَابِهَا وَتَصْدِيقَ مَوْعُودِهَا إِلَّا أَدْخَلَهُ اللهُ بِهَا الْجَنَّةَ قَالَ أَبُو دَاوُدَ فِي حَدِيثِ مُسَدَّدٍ قَالَ حَسَّانُ نَعُدُّ دُنَا مَا دُونَ مَنِيحَةِ الْعَنْزِ مِنْ رَدِّ السَّلَامِ وَتَشْمِيتِ الْعَاطِسِ وَإِمَاطَةِ الْأَذَى عَنِ الطَّرِيقِ وَنَحْوِهِ فَمَا اسْتَطَعْنَا أَنْ نَبْلُغَ خَمْسَةَ عَشَرَ خَصْلَةً۔

۱۶۸۳۔ ابوکبشہ سلولی نے کہا کہ میں نے عبداللہ بن عمرو کو کہتے سنا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: چالیس خصلتیں جن میں سے اعلیٰ ترین خصلت کسی کو دودھ پینے کے لئے بکری کا عطیہ دینا ہے، یہ خصلتیں ایسی ہیں کہ ان میں کسی ایک خصلت کو اگر ثواب کی امید سے اور اللہ کے وعدے کی تصدیق کی بناء پر کوئی شخص کرے گا تو اس کے باعث

اللہ تعالیٰ اسے جنت میں داخل کر دے گا۔ ابو داؤد نے کہا کہ مسدد کی حدیث میں ہے: حسان راوی نے کہ بکری کے عطیے سے کم تر خصلتیں ہم نے شمار کیں مثلاً سلام کا جواب دینا اور چھینک مارنے والے کو دعا دینا اور راستے سے کسی تکلیف دہ چیز کو دُور کرنا اور اس جیسی اور، تو ہم پندرہ خصلتوں تک بھی نہ پہنچ سکے (صحیح بخاری میں بھی یہ حدیث اس اضافے سمیت مسدد کی روایت سے مروی ہے)

(شرح) علامہ عینی نے کہا ہے کہ اگر کوئی سوال کرے کہ یہ بات تو قطعی طور معلوم ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم ان چالیس خصلتوں کو جانتے تھے کیونکہ آپؐ کا کلام وحی خداوندی سے ہوتا تھا، پس آپؐ نے ان کا ذکر کیوں نہیں فرمایا؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ حضورؐ نے ان کا ذکر اس لئے نہیں فرمایا کہ ذکر نہ کرنا ہی ہمارے لئے بہتر تھا۔ وہ یوں کہ مبادا ان کی تعیین دوسرے ابواب خیر کی طرف سے بے رغبتی کا سبب بن جاتی۔ پھر علامہ عینی نے کہا کہ ابن بطال کا قول ہے کہ اگر حسان راوی انہیں شمار نہ سکا تو ضروری نہیں کہ اور کوئی بھی ایسا نہ کر سکے۔ ہمارے زمانے کے بعض اہل علم نے ان خصلتوں کی تلاش کی تو وہ چالیس سے زیادہ نکلیں۔ احادیث میں ان کا ذکر موجود ہے: مفید اشیاء ضرورت مندوں کو ان کی ضرورت پوری کرنے کے لئے عطا کرنا، رشتہ داروں سے مالی حسن سلوک کرنا اور اُن سے ان کی قطع رحمی کے باوجود رشتہ قائم رکھنا، بھوکے کو کھانا کھلانا، پیاسے کو پانی پلانا، اور سلام کہنا کیونکہ بروئے حدیث سلام کہنے والے کو دس نیکیاں ملتی ہیں۔ ورحمۃ اللہ بڑھاؤ تو بیس، وبرکاتہ بڑھاؤ تو تیس نیکیاں، اور مزدور کی مدد کرنا، غیر ماہر صنعت کار کا کام کر دینا، ٹوٹی ہوئی رسّی کا ٹکڑا کسی کو مہیا کر دینا، جوتے کا تسمہ کسی کو دینا، وحشت زدہ کو اچھی بات سے یا راستہ بتا کر یا کرایہ دے کر اس کی وحشت دور کرنا، مصیبت زدہ کی مصیبت دور کرنا، دوسروں کی ضروریات میں ان کی مدد کرنا، مسلمان کی پردہ پوشی کرنا، مظلوم کی مدد کرنا، ظالم کو ظلم سے روکنا، نیکی کی طرف رہنمائی کرنا، معروف کا حکم دینا، لوگوں میں صلح وصفائی کرانا، مسکینوں کے ساتھ اچھی طرح پیش آنا، پانی کی تلاش میں جانے والے کو اپنا پانی دے ڈالنا، مسلمان کا لگایا ہوا پودا، مسلمان کی زرعی کھیتی، ہمسائے کو تحفہ دینا، مسلمان کی جائز سفارش کرنا، صاحب عزت جو ذلت میں ہو اس پر رحم کھانا، مفلس ہو جانے والے غنی پر رحم کھانا، عالم جو جہلاء میں ہو اس پر رحم کھانا، مریض کی عیادت کرنا، غیبت کرنے والے کی بات کا رد کرنا، مسلم سے مصافحہ کرنا، حُبّ فی اللہ، خدا کے لئے ہم جنسوں سے پیار کرنا، اللہ کی خاطر ایک دوسرے کی زیارت کرنا، ایک دوسرے کی ضروریات پوری کرنا، سواری پر سوار کا سامان لدوانا۔

کرمانی نے کہا ہے کہ یہ اندھیرے میں تیر چلانے کے مترادف ہے کیونکہ ممکن ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مراد کچھ دوسرے اعمال خیر ہوں۔ نیز ابن بطال کو کیسے پتہ چلا کہ یہ اعمال منیحہ سے ادنیٰ ہیں؟ ہو سکتا ہے یہ اس سے اعلیٰ ہوں یا اس جیسے ہوں۔ پھر ان میں تحکم بھی پایا جاتا ہے کہ اس حدیث میں ردّ السلام بھی مذکور ہے مگر ابن بطال نے اسے شمار نہیں کیا۔ نیز نیکی کا حکم دینا تو بتایا مگر بدی سے روکنے کا ذکر نہیں کیا۔ اور پھر ان میں کچھ تکرار بھی ہے۔ اس باب کے عنوان میں منیحہ کا لفظ جو آیا ہے اس سے مراد کسی کو کچھ مدت کے لئے فائدہ اٹھانے کی خاطر کوئی مفید چیز دے ڈالنا ہے اور خصوصاً شیردار جانور پر یہ لفظ بولا جاتا ہے۔

بَابُ ۴۳ اَجْرِ الْخَازِنِ

(خازن کے اجر کا باب)

۱۶۸۴- حَدَّثَنَا عُثْمَانُ بْنُ اَبِیْ شَیْبَةَ وَمُحَمَّدُ بْنُ الْعَلَاءِ الْمَعْنٰی نَا اَبُوْ اُسَامَةَ عَنْ بُرَیْدِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ اَبِیْ بُرْدَةَ عَنْ اَبِیْ مُوْسٰی قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ الْخَازِنَ الْاَمِیْنَ الَّذِیْ یُعْطِیْ مَا اُمِرَ بِهٖ کَامِلًا مُوَفَّرًا طَیِّبَةً بِهٖ نَفْسُهٗ حَتّٰی یَدْفَعَهٗ اِلَی الَّذِیْ اُمِرَ لَهٗ بِهٖ اَحَدُ الْمُتَصَدِّقِیْنَ۔

۱۶۸۴- ابوموسیٰؓ نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: وہ امانت دار خازن کہ جو اسے حکم دیا گیا وہ خوش دلی کے ساتھ پورا پورا اس کو ادا کرے جس کے لئے حکم دیا گیا ہو، تو وہ دو صدقہ دینے والوں میں سے ایک ہے (بعض دفعہ مالک اپنے مال کے محافظ (خادم وغیرہ) کو صدقہ کرنے کا حکم دیتا ہے مگر وہ اپنے بخل یا کمینگی کے باعث کم دیتا ہے یا دل کی خوشی سے نہیں دیتا۔ اگر وہ ایسا نہ کرے تو مالک کے علاوہ وہ بھی صدقہ دینے والا شمار ہو گا کیونکہ وہ ایک ذریعہ اور سبب ہے۔ بخاری، مسلم اور نسائی میں بھی یہ حدیث موجود ہے)

بَابُ ۴۴ الْمَرْاَةِ تَصَدَّقُ مِنْ بَیْتِ زَوْجِهَا

(اس عورت کا باب جو اپنے خاوند کے گھر سے صدقہ دے)

۱۶۸۵- حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ نَا اَبُوْ عَوَانَةَ عَنْ مَنْصُوْرٍ عَنْ شَقِیْقٍ عَنْ مَسْرُوْقٍ عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اِذَا اَنْفَقَتِ الْمَرْاَةُ مِنْ بَیْتِ زَوْجِهَا غَیْرَ مُفْسِدَةٍ کَانَ لَهَا اَجْرُ مَا اَنْفَقَتْ وَلِزَوْجِهَا اَجْرُ مَا اکْتَسَبَ وَلِخَازِنِهٖ مِثْلُ ذٰلِكَ لَا یَنْقُصُ بَعْضُهُمْ اَجْرَ بَعْضٍ۔

۱۶۸۵: عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: جب عورت اپنے خاوند کے گھر سے خرچ کرے درآنحالیکہ بگاڑنے والی نہ ہو تو اس کے لئے اس انفاق کا ثواب ہو گا اور اس کے خاوند کو کمانے کا اجر ہو گا اس کے خازن کو بھی اسی طرح۔ ان میں سے کوئی کسی کے اجر کو کم نہیں کرتا۔ (سنن ابی داؤد کے علاوہ باقی صحاح خمسہ میں اور مسند احمد میں بھی یہ حدیث موجود ہے)

(شرح) مال دراصل خاوند کا تھا، عورت نے اسے جائز طور پر خدا کی راہ میں خرچ کیا اور خازن کے ہاتھ سے خرچ

ہوا لہٰذا تینوں کو اجر ملا، لیکن تینوں کا اجر اپنے اپنے عمل پر ہے لہٰذا مقدار کا ذکر نہیں فرمایا گیا۔ حافظ ابن حجر نے فتح الباری میں ابن العربی کے حوالے سے کہا ہے کہ عورت جب اپنے خاوند کے گھر سے خرچ کرے تو سلف کا اس میں اختلاف ہے۔ بعض نے معمولی چیزوں میں اس کی اجازت دی ہے، جن کا عموماً دھیان نہیں رکھا جاتا اور ان سے کوئی نقصان بھی نہیں ہوتا۔ بعض نے کہا ہے کہ اس میں اجازت ضروری ہے چاہے اجمالی اجازت ہو اور بخاری نے اسی کو اختیار کیا ہے جیسا کہ اس نے ترجمۃ الباب میں امر کی قید لگائی ہے کہ یہ عادت پر محمول ہو۔ مگر بگاڑ پیدا نہ کرنے کی قید جو حدیث میں ہے اس پر سب کا اتفاق ہے بعض نے کہا ہے کہ عورت اور خازن کے انفاق سے مراد گھر والے کے عیال پر خرچ کرنا ہے کہ یہ صاحب مال کے مصالح میں انفاق ہے، اور انہیں یہ اجازت نہیں ہے کہ وہ گھر والے کے اذن کے بغیر فقرا پر از خود خرچ کرنے لگیں۔ اور بعض نے بیوی اور خادم میں فرق کیا ہے، اور کہا ہے کہ خاوند کے گھر کی نگرانی اور انتظام عورت کے ہاتھ میں ہوتا ہے لہٰذا وہ تو فقرا پر ہر ہر چیز کی اجازت کے بغیر بھی خرچ کر سکتی ہے مگر خادم ایسا نہیں کر سکتا کیونکہ مالک کے مال میں اسے از خود تصرف کا حق نہیں ہے لہٰذا اسے اذن کی ضرورت ہے۔ مگر اس قول پر یہ اعتراض ہوا ہے کہ اگر عورت نے اذن کی صورت میں اپنا مخصوص حق استعمال کیا تو ٹھیک ورنہ اگر وہ ناحق تصرف کرتی ہے تو بات وہیں آجائے گی جہاں پہلے تھی حافظ ابن حجر نے ایک اور مقام پر بھی اس مسئلے پر گفتگو کرتے ہوئے ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث پیش کی ہے (جو آگے آتی ہے) کہ اگر عورت مرد کے مال میں سے اس کے اذن کے بغیر خرچ کرتی ہے تو اسے نصف اجر ملتا ہے۔ اس حدیث کے معنی میں اولیٰ یہ ہے کہ اسے عورت کے بلا اذن خرچ کرنے پر ان اشیاء کے متعلق محمول کیا جائے جو مرد کے ساتھ مخصوص ہوں پس اگر وہ اس سے اذن لئے بغیر خرچ کرے گی تو مرد کو اجر ملے گا اور بلا اذن سے مراد لیا جائے گا کہ صرف اجمالی اذن تھا تو اس صورت میں عورت کو بھی اجر ملے گا گو اس کا تفصیلی اذن نہ تھا۔ لیکن اگر نہ اجمالی اذن تھا نہ تفصیلی تو اس صورت میں اسے اجر کے بجائے گناہ ہوگا۔ اور نصف اجر کی صورت یہ ہے کہ صدقہ کے نفاذ کے لئے کوئی اور وہاں موجود نہ تھا اور عورت نے خود خرچ کیا۔ اور حدیث عائشہ رضی اللہ عنہا میں خادم جب حکم کا نفاذ کرے گا تو اس کے لئے بھی اسی قسم کا اجر ہوگا جیسا کہ گھر والے کو ہوا یا یوں کہئے کہ حدیث ابی ہریرہ رضی اللہ عنہ میں نصف سے مراد یہ ہے کہ دونوں کے اجر کے مجموعے میں سے نصف عورت کا ہوگا۔ گویا ہر دو کا اجر دراصل کامل ہے مگر مجموعہ میں سے نصف نصف ہے۔

علامہ عینی نے کہا ہے کہ اس باب میں مختلف احادیث آئی ہیں، بعض میں عورت کو خاوند کے گھر سے اس کے اذن کے بغیر خرچ کرنے کی ممانعت کی گئی ہے مثلاً ترمذی میں ابو امامہ رضی اللہ عنہ کی حدیث جسے اس نے حسن کہا ہے۔ بعض میں اباحت کی دلیل پائی جاتی ہے اور یہ بھی کہ عورت کو اجر ملے گا مثلاً عائشہ ام المومنین کی حدیث۔ اور بعض میں خوش دلی اور عدم افساد کی قید ہے اور یہ مضمون بھی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث میں ہے۔ اور بعض میں امر اور اذن کا ذکر نہیں صرف یہ ہے کہ وہ مفسدہ نہ ہو اور وہ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے جسے مسلم (اور ابو داؤد) نے ہمام بن منبہ کے طریق سے روایت کیا ہے اور اس میں نصف اجر کا وعدہ ہے۔ اور بعض احادیث میں رطب (تر) چیزوں کا ذکر ہے کہ ان کے خرچ کا اذن ہو تو خرچ کرے۔ جیسا کہ سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کی حدیث جو ابو داؤد نے روایت کی۔ علامہ عینی نے کہا ہے کہ ان احادیث کو جمع کرنے کی کیفیت یہ ہے کہ یہ معاملہ مختلف بلاد کی عادات کے اختلاف پر مبنی ہے، نیز اس میں خاوند کی عادت اور رضا کا بھی لحاظ ہے۔ بعض دفعہ وہ پسند کرتا ہے بعض دفعہ نہیں کرتا۔ اسی طرح خرچ کی جانے والی چیز کا بھی لحاظ ہوتا ہے کہ کیا وہ معمولی تھوڑی سی چیز ہے جسے نظر انداز کر دیا

جاتا ہے یا خاوند کے نزدیک وہ چیز درگزر کے لائق نہیں۔ بعض چیزیں مثلاً پھل وغیرہ تر ہوتی ہیں جن کے بگڑ جانے کا اندیشہ ہوتا ہے اور بعض ایسی ہوتی ہیں کہ اگر انہیں جمع رکھی جائیں تو فساد کا اندیشہ نہیں ہوتا۔ علامہ عینی کا مطلب یہ ہے کہ مختلف احادیث میں ان مختلف احوال وظروف کو مدنظر رکھا گیا ہے۔ واللہ اعلم)

۱۶۸۶ - حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ سَوَّارٍ الْمِصْرِيُّ نَا عَبْدُ السَّلَامِ بْنُ حَرْبٍ عَنْ يُونُسَ بْنِ عُبَيْدٍ عَنْ زِيَادِ ابْنِ جُبَيْرٍ عَنْ سَعْدٍ قَالَ لَمَّا بَايَعَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ النِّسَاءَ قَامَتِ امْرَأَةٌ جَلِيلَةٌ كَأَنَّهَا مِنْ نِسَاءِ مُضَرَ فَقَالَتْ يَا نَبِيَّ اللهِ إِنَّا كَلٌّ عَلَى آبَائِنَا وَأَبْنَائِنَا قَالَ أَبُو دَاوُدَ وَأَرَى فِيهِ وَأَزْوَاجِنَا فَمَا يَحِلُّ لَنَا مِنْ أَمْوَالِهِمْ قَالَ الرَّطْبُ تَأْكُلْنَهُ وَتُهْدِينَهُ قَالَ أَبُو دَاوُدَ الرَّطْبُ الْخُبْزُ وَالْبَقْلُ وَالرُّطَبُ قَالَ أَبُو دَاوُدَ وَكَذَا رَوَاهُ الثَّوْرِيُّ عَنْ يُونُسَ۔

۱۶۸۶: سعدؓ نے کہا کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عورتوں سے بیعت لی تو ایک جلیل القدر عورت اٹھ کھڑی ہوئی گویا کہ وہ قبیلۂ مضر کی عورتوں میں سے تھی، اس نے کہا اے اللہ کے نبی ہم اپنے باپوں اور بیٹوں، اور ابوداؤد کے خیال میں، اور اپنے خاوند پر بوجھ ہیں سو ان کے اموال میں سے ہمارے لئے کتنا حلال ہے؟ حضورؐ نے فرمایا: تر چیزیں تم کھا سکتی اور ہدیہ کر سکتی ہو۔ ابوداؤد نے کہا کہ تر سے مراد روٹی، سبزی ترکاری اور تازہ کھجور ہے۔ ابوداؤد نے کہا ثوری نے یونس سے اسی طرح کی روایت کی ہے (یعنی وہ چیزیں جن کے جلدی خرچ نہ کرنے سے بگڑ جانے کا اندیشہ ہوتا ہے اور عموماً گھروں میں انہیں ایک دوسرے کو ہدیہ دے ڈالنے کا بھی رواج ہوتا ہے۔ جلیلہ کا لفظ جو حدیث میں آیا ہے اس سے مراد خطابی کے نزدیک یا تو عظیم وجسیم ہے اور یا بڑی عمر کی، کیونکہ بڑی عمر والے کو بھی جلیل کہتے ہیں۔)

۱۶۸۷ - حَدَّثَنَا الْحَسَنُ بْنُ عَلِيٍّ نَا عَبْدُ الرَّزَّاقِ أَنَا مَعْمَرٌ عَنْ هَمَّامِ بْنِ مُنَبِّهٍ قَالَ سَمِعْتُ أَبَا هُرَيْرَةَ يَقُولُ قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا أَنْفَقَتِ الْمَرْأَةُ مِنْ كَسْبِ زَوْجِهَا مِنْ غَيْرِ أَمْرِهِ فَلَهَا نِصْفُ أَجْرِهِ۔

۱۶۸۷: ہمام بن منبہ نے ابوہریرہ رضؓ کو کہتے سنا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب عورت اپنے خاوند کی کمائی سے اس کے حکم کے بغیر خرچ کرے تو اُسے مرد کے اجر سے نصف اجر ہوگا (بخاری، مسلم اور احمد نے بھی اسے روایت کیا ہے)

(شرح) اس حدیث پر کچھ گفتگو اوپر حافظ ابن حجر اور علامہ عینی کے حوالے سے گزر چکی ہے۔ ثوریؒ کا قول ہے کہ اس

حدیث سے وہ صورت مراد ہے کہ عورت کو مرد کی طرف سے اذن عام مگر مبہم تو ہو گر خاص اُس مقدار میں امر صریح نہ ہو۔ اگر یہ تاویل نہ کی جائے تو یہ حدیث دوسری احادیث کے خلاف پڑتی ہے۔

۱۶۸۸- حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ سَوَّارٍ الْمِصْرِيُّ نَا عَبْدَةُ عَنْ عَبْدِ الْمَلِكِ عَنْ عَطَاءٍ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ فِي الْمَرْأَةِ تَصَدَّقُ مِنْ بَيْتِ زَوْجِهَا قَالَ لَا إِلَّا مِنْ قُوتِهَا وَالْأَجْرُ بَيْنَهُمَا وَلَا يَحِلُّ لَهَا أَنْ تَصَدَّقَ مِنْ مَالِ زَوْجِهَا إِلَّا بِإِذْنِهِ۔

۱۶۸۸: ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے اس عورت کے بارے میں جو اپنے خاوند کے گھر سے صدقہ کرتی ہے، منقول ہے کہ یہ جائز نہیں مگر اس کی اپنی خوراک سے اور اجر اُن دونوں کے درمیان ہوگا۔ اور اس کے لئے اپنے خاوند کے مال سے اس کے اذن کے بغیر صدقہ کرنا حلال نہیں ہے۔ ابوداؤد نے کہا کہ ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کا یہ قول ہمام کی حدیث کو ضعیف بنا دیتا ہے (کیونکہ اصولی مسئلہ یہ ہے کہ راوی صحابی جب اپنی مروی حدیث کے خلاف فتویٰ دے تو وہ حدیث منسوخ ہوگی یا ضعیف ہوگی یا کسی اور سبب سے نا قابل عمل ہوگی۔ اس سے قبل ابوداؤد کا یہ مذہب کتاب الصلوٰۃ کے باب العدل فی الصلوٰۃ میں گزر چکا ہے۔ مولانا نے فرمایا ہے کہ یہاں پر بقول نووی حدیث ہمام کی تاویل کی جا سکتی ہے لہٰذا اسے اس بنا پر ضعیف ٹھہرانا درست نہ ہوگا کہ ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کا اپنا قول اسکی روایت کے خلاف ہے۔ یہ بات ابوداؤد نے کہی ہے، اس لئے شاید حدیث، حدیث، حدیث کا شور مچانے والے جہلا خاموش رہیں گے، اگر یہ بات کوئی حنفی کہہ دیتا تو دشنام طرازی تبرا بازی اور کافر سازی کے سارے قدیم وجدید ہتھیار اٹھا کر ایک فوج امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ پر پل پڑتی اور سب وشتم کا ایک موضوع ان کے ہاتھ میں آجاتا۔

بَابٌ ۴۵ فِي صِلَةِ الرَّحِمِ

(یہ باب صلہ رحمی میں ہے)

۱۶۸۹- حَدَّثَنَا مُوسَى بْنُ إِسْمَاعِيلَ نَا حَمَّادٌ عَنْ ثَابِتٍ عَنْ أَنَسٍ قَالَ لَمَّا نَزَلَتْ لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ حَتَّى تُنْفِقُوا مِمَّا تُحِبُّونَ قَالَ أَبُو طَلْحَةَ يَا رَسُولَ اللهِ أَرَى رَبَّنَا يَسْأَلُنَا مِنْ أَمْوَالِنَا فَإِنِّي أُشْهِدُكَ أَنِّي قَدْ جَعَلْتُ أَرْضِي بَارِيحَاءَ لَهُ فَقَالَ لَهُ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اجْعَلْهَا فِي قَرَابَتِكَ فَقَسَمَهَا بَيْنَ حَسَّانَ بْنِ ثَابِتٍ وَأُبَيِّ بْنِ كَعْبٍ قَالَ أَبُو دَاوُدَ وَبَلَغَنِي عَنِ الْأَنْصَارِيِّ مُحَمَّدِ بْنِ عَبْدِ اللهِ قَالَ أَبُو طَلْحَةَ زَيْدُ بْنُ سَهْلِ بْنِ الْأَسْوَدِ

بْنِ حَرَامِ بْنِ عَمْرِو بْنِ زَيْدِ مَنَاةِ ابْنِ عَدِيِّ بْنِ عَمْرِو بْنِ مَالِكِ بْنِ النَّجَّارِ وَحَسَّانُ بْنُ ثَابِتِ بْنِ الْمُنْذِرِ بْنِ حَرَامٍ يَجْتَمِعَانِ إِلَى حَرَامٍ وَهُوَ الْأَبُ الثَّالِثُ وَأُبَيُّ بْنُ كَعْبِ بْنِ قَيْسِ بْنِ عَتِيكِ بْنِ زَيْدِ بْنِ مُعَاوِيَةَ بْنِ عَمْرِو بْنِ مَالِكِ ابْنِ النَّجَّارِ فَعَمْرٌو يَجْمَعُ حَسَّانَ وَأَبَا طَلْحَةَ وَأُبَيًّا قَالَ الْأَنْصَارِيُّ بَيْنَ أُبَيٍّ وَأَبِي طَلْحَةَ سِتَّةُ آبَاءٍ۔

۱۶۸۹: انس رضؓ سے روایت ہے کہ جب یہ آیت اتری: لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ حَتّٰى تُنْفِقُوا مِمَّا تُحِبُّوْنَ ۵ ابوطلحہ رضؓ نے کہا یارسول اللہ میں دیکھتا ہوں کہ ہمارا پروردگار ہم سے ہمارے مال طلب فرماتا ہے، پس میں آپ کو گواہ بناتا ہوں کہ میں نے اپنی باریحا یا بیرحا نامی اراضی اللہ کو دی۔ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے فرمایا: اسے اپنے رشتہ داروں میں تقسیم کر دو۔ پس ابوطلحہ رضؓ نے حسان بن ثابت رضؓ اور اُبی بن کعب رضؓ میں تقسیم کر دیا (یہ حدیث نسائی اور مسلم نے بھی روایت کی ہے اور اس میں انصاری کا کلام نہیں ہے۔ اور بخاری، مسلم اور نسائی نے اسے ایک اور سند سے بھی روایت کیا ہے) ابو داؤد نے کہا کہ مجھے محمد بن عبداللہ انصاری سے خبر پہنچی ہے کہ ابوطلحہ رضؓ کا نسب یوں ہے: زید بن سہل بن اسود بن حرام بن عمرو بن زید مناۃ بن عدی بن عمرو بن مالک بن نجار۔ اور حسان بن ثابت بن حرام، ابوطلحہ رضؓ کے ساتھ حرام میں جا ملتا ہے، جو ان کا تیسرا باپ دادا ہے (پڑدادا ہے) اور اُبی بن کعب رضؓ کا نسب یہ ہے: ابی بن کعب رضؓ بن قیس بن عتیک بن زید بن معاویہ بن عمرو بن مالک بن نجار۔ پس عمرو میں جا کر یہ تینوں — حسان رضؓ، ابوطلحہ اور اُبی — اکٹھے ہو جاتے ہیں۔ انصاری نے کہا کہ اُبی اور ابوطلحہ رضؓ کو جمع کرنے والا ان کا چھٹا باپ ہے۔

مولانا نے فرمایا کہ بظاہر ابوطلحہ رضؓ کا صدقہ بطورِ وقف نہ تھا بلکہ بطور تملیک تھا، یعنی انہیں اس اراضی کا مالک بنا دیا گیا تھا کیونکہ بخاری میں ہے کہ حسان بن ثابت نے بیرحا میں سے اپنا حصہ حضرت معاویہ رضؓ کو فروخت کر ڈالا تھا۔ اس پر حافظ ابن حجرؒ نے کہا ہے کہ ابوطلحہ رضؓ نے انہیں اس باغ کا مالک بنا دیا تھا، ورنہ اگر وہ وقف اراضی ہوتی تو حسان ایسا نہ کر سکتے۔

۱۶۹۰ - حَدَّثَنَا هَنَّادُ بْنُ السَّرِيِّ عَنْ عَبْدَةَ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ إِسْحٰقَ عَنْ بُكَيْرِ بْنِ عَبْدِ اللهِ بْنِ الْأَشَجِّ عَنْ سُلَيْمَانَ بْنِ يَسَارٍ عَنْ مَيْمُونَةَ زَوْجِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَتْ كَانَتْ لِي جَارِيَةٌ فَأَعْتَقْتُهَا فَدَخَلَ عَلَيَّ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَأَخْبَرْتُهُ فَقَالَ آجَرَكِ اللهُ أَمَا إِنَّكِ لَوْ كُنْتِ أَعْطَيْتِهَا أَخْوَالَكِ كَانَ أَعْظَمَ لِأَجْرِكِ۔

۱۶۹۰: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجہ مطہرہ میمونہ رضی اللہ عنہا نے کہا کہ میری ایک لونڈی تھی جسے میں نے آزاد کر دیا تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میرے گھر تشریف لائے تو میں نے یہ آپ کو بتایا تو آپ نے فرمایا: اللہ تجھے اجر دے۔ لیکن اگر تو اُسے اپنے ماموؤں کو دے دیتی تو اس کا ثواب تجھے زیادہ ملتا (اسے نسائی نے بھی روایت کیا اور بخاری، مسلم اور نسائی نے اسے ایک اور سند سے بھی بیان کیا ہے) زیادہ ثواب اس لئے ملتا کہ میمونہؓ کے اقربا کو اس کی شدید حاجت تھی، پس یہ صدقہ بھی ہوتا اور صلہ رحمی بھی۔ (اخوال کی بجائے اس حدیث کی بعض روایات میں اخوات یا اُختیک کا لفظ بھی مروی ہے۔

۱۶۹۱- حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ كَثِيرٍ أَنَا سُفْيٰنُ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ عَجْلَانَ عَنِ الْمَقْبُرِيِّ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ أَمَرَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِالصَّدَقَةِ فَقَالَ رَجُلٌ يَا رَسُولَ اللّٰهِ عِنْدِي دِينَارٌ قَالَ تَصَدَّقْ بِهِ عَلٰى نَفْسِكَ قَالَ عِنْدِي اٰخَرُ قَالَ تَصَدَّقْ بِهِ عَلٰى وَلَدِكَ قَالَ عِنْدِي اٰخَرُ قَالَ تَصَدَّقْ بِهِ عَلٰى زَوْجَتِكَ أَوْزَوْجِكَ قَالَ عِنْدِي اٰخَرُ قَالَ تَصَدَّقْ بِهِ عَلٰى خَادِمِكَ قَالَ عِنْدِي اٰخَرُ قَالَ أَنْتَ أَبْصَرُ۔

۱۶۹۱: ابوہریرہؓ نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صدقے کا حکم دیا تو ایک شخص بولا: یا رسول اللہ میرے پاس ایک دینار ہے حضورؐ نے فرمایا: اسے اپنے آپ پر صدقہ (خرچ) کر۔ اس نے کہا: میرے پاس ایک اور بھی ہے۔ آپ نے فرمایا: اسے اپنی اولاد پر صدقہ کر (خرچ کر) اس نے کہا: میرے پاس ایک اور ہے، حضورؐ نے فرمایا: اسے اپنی بیوی پر صدقہ (خرچ) کر اس نے کہا: میرے پاس ایک اور ہے، حضورؐ نے فرمایا: اپنے خادم پر صدقہ کر (خرچ کر) اس نے کہا: میرے پاس ایک اور ہے: حضورؐ نے فرمایا: اسے تو ہی زیادہ جان سکتا ہے (کہ اس کا حقدار کون ہے اور کس جائز کام میں اسے خرچ کرے) اس حدیث کو نسائی نے بھی روایت کیا ہے۔

(شرح) اس حدیث میں صدقہ کا لفظ عام انفاق کے معنی میں بولا گیا ہے ورنہ آدمی جو کچھ اپنے آپ پر اور اپنے اہل و عیال پر خرچ کرتا ہے وہ اصطلاحی صدقہ تو نہیں ہوتا۔

۱۶۹۲- حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ كَثِيرٍ نَا سُفْيٰنُ نَا أَبُو إِسْحٰقَ عَنْ وَهْبِ بْنِ جَابِرٍ الْخَيْوَانِيِّ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَمْرٍو قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَفٰى بِالْمَرْءِ إِثْمًا أَنْ يُضَيِّعَ مَنْ يَقُوتُ۔

۱۶۹۲: عبداللہ بن عمرو نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مرد کے لئے یہی گناہ کافی ہے کہ جو اس کی ذمہ داری میں ہوں انہیں ضائع کر دے (اسے نسائی نے بھی روایت کیا ہے۔ مسلم کی روایت جو عبداللہ بن عمرو سے ایک سند سے مروی ہے اس میں یہ لفظ ہیں کہ: مرد کا یہی گناہ کافی ہے کہ جن کی روزی کا وہ کفیل ہے اُن سے روک دے۔ اور زیر نظر حدیث بھی مسلم میں موجود ہے۔ حدیث کا مطلب بقول خطابی یہ ہے کہ اہل وعیال کے نان ونفقہ کی ادائیگی سے گریز کرنا، یا ان کے بجائے اوروں پر خرچ کرنا شرعاً ناجائز کام ہے)

۱۶۹۳ - حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ صَالِحٍ وَيَعْقُوبُ بْنُ كَعْبٍ وَهٰذَا حَدِيثُهُ قَالَا نَا ابْنُ وَهْبٍ قَالَ أَخْبَرَنِي يُونُسُ عَنِ الزُّهْرِيِّ عَنْ أَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ سَرَّهُ أَنْ يُبْسَطَ عَلَيْهِ فِي رِزْقِهِ وَيُنْسَأَ فِي أَثَرِهِ فَلْيَصِلْ رَحِمَهُ۔

۱۶۹۳: انس رض نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو شخص اس بات کو پسند کرے کہ اس کا رزق وسیع کیا جائے اور اس کی زندگی دراز کی جائے، اسے رشتہ داروں سے نیک سلوک کرنا چاہیئے (بخاری، مسلم اور نسائی میں بھی یہ حدیث مروی ہے)

(شرح) اثر دراصل نشانہائے قدم کو کہتے ہیں۔ مرجانے والے کے قدموں کے نشان زمین پر نہیں پڑتے اور زندہ لوگ زمین پر چلتے پھرتے اور اپنے قدموں کے نشان چھوڑتے رہتے ہیں، پس نشان کے مؤخر کئے جانے کا مطلب یہ ہے کہ اس کی زندگی دراز کی جائے۔ یا اس کا اچھا ذکر دنیا میں باقی رہے۔

۱۶۹۴ - حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ وَأَبُو بَكْرِ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ قَالَ نَا سُفْيَانُ عَنِ الزُّهْرِيِّ عَنْ أَبِي سَلَمَةَ عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ عَوْفٍ قَالَ سَمِعْتُ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى أَنَا الرَّحْمٰنُ وَهِيَ الرَّحِمُ شَقَقْتُ لَهَا اسْمًا مِنِ اسْمِي مَنْ وَصَلَهَا وَصَلْتُهُ وَمَنْ قَطَعَهَا بَتَتُّهُ۔

۱۶۹۴: عبدالرحمن رض بن عوف نے کہا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا: اللہ تعالیٰ نے فرمایا میں رحمان ہوں اور وہ جسے ملانا واجب ہے رشتہ ہے، میں نے اپنے نام میں سے اس کا نام نکالا ہے، جو اسے ملائے گا میں اس کو ملاؤں گا اور جو اسے قطع کرے گا اسے قطع کردوں گا۔ (اس حدیث کو روایت کر کے ترمذی نے حسن صحیح کہا ہے)

(شرح) معالم السنن میں خطابی نے کہا ہے کہ اس حدیث سے اسماء کا لغوی اشتقاق ثابت ہوتا ہے۔ بعض نے غلط طور پر اس کا انکار کیا ہے کہ اسماء غیر مشتق ہوتے ہیں۔ اور یہ بھی ثابت ہوا کہ رحمٰن عربی نام ہے جو رحمت سے ماخوذ ہے۔ پس جن

لوگوں نے کہا کہ یہ عبرانی لفظ ہے ان کا قول غلط ہے۔ اور یہ مبالغے کا صیغہ ہے جو اللہ کے ساتھ مخصوص ہے۔ کسی اور کو رحمٰن نہیں کہا جا سکتا، اسی لئے اس کی تثنیہ اور جمع نہیں آئی، اور مبالغہ کے صیغوں کی دیگر مثالیں یہ ہیں: غضبان، سکران، نشوان وغیرہا)

منذری نے کہا کہ اس حدیث کی صحت میں نظر ہے کیونکہ یحییٰ بن معین کا قول ہے کہ ابوسلمہ نے اپنے باپ عبدالرحمٰن سے سماع نہیں کیا تھا۔ دیگر محدثین ان کے سماع کے قائل ہیں۔ دوسری صحیح احادیث سے اس حدیث کے مضمون کی صحت ثابت ہے۔ اسے احمد نے بھی روایت کیا ہے۔

١٦٩٥ - حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الْمُتَوَكِّلِ الْعَسْقَلَانِيُّ نَا عَبْدُ الرَّزَّاقِ اَنَا مَعْمَرٌ عَنِ الزُّهْرِيِّ حَدَّثَنِيْ اَبُوْ سَلَمَةَ اَنَّ الرَّدَّادَ اللَّيْثِيَّ اَخْبَرَهٗ عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ عَوْفٍ اَنَّهٗ سَمِعَ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِمَعْنَاهُ۔

١٦٩٥: رداد لیثی نے ابوسلمہ کو عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ بن عوف کے حوالے سے بتایا کہ اس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا، گزشتہ حدیث کے معنیٰ کے مطابق۔

(شرح) ترمذی نے بخاری سے نقل کیا ہے کہ معمر کی حدیث خطا ہے (یعنی یہی زیر نظر حدیث) ابوحاتم رازی نے بھی یہی کہا ہے۔ پس منذری کا قول صحیح نہیں ہے۔ ابوسلمہ کی روایت اپنے باپ سے صحیح ہے۔ ردّاد کا زیادہ صحیح نام ابوالرداد ہے۔

١٦٩٦ - حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ نَا سُفْيٰنُ عَنِ الزُّهْرِيِّ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ جُبَيْرِ بْنِ مُطْعِمٍ عَنْ اَبِيْهِ يَبْلُغُ بِهِ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَا يَدْخُلُ الْجَنَّةَ قَاطِعٌ۔

١٦٩٦: جبیر رضی اللہ عنہ بن مطعم اس حدیث کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچاتے ہیں کہ آپؐ نے فرمایا: قطع رحمی کرنے والا جنت میں داخل نہ ہو گا (بخاری، مسلم اور ترمذی نے بھی اسے روایت کیا ہے) جیسا کہ پچھلی حدیث میں گزرا کہ اسے اللہ تعالیٰ اپنی رحمت سے قطع (محروم) کر دے گا۔ اس حدیث میں قاطع کا لفظ آیا ہے، اس سے قاطع طریق (راہزن) بھی مراد لیا جا سکتا ہے۔ اس فعل کی سزا تو یہی ہے کہ وہ جنت میں بالکل نہ جائے، مگر دوسرے اعمال کا بھی لحاظ رکھا جائے گا اور فیصلہ نفی و اثبات اور جمع و تفریق سے ہو گا۔

١٦٩٧ - حَدَّثَنَا ابْنُ كَثِيْرٍ اَنَا سُفْيٰنُ عَنِ الْاَعْمَشِ وَالْحَسَنِ بْنِ عَمْرٍو وَفِطْرٍ عَنْ مُجَاهِدٍ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَمْرٍو قَالَ سُفْيٰنُ وَلَمْ يَرْفَعْهُ سُلَيْمٰنُ اِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَرَفَعَهٗ فِطْرٌ وَالْحَسَنُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ

صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَيْسَ الْوَاصِلُ بِالْمُكَافِي وَلٰكِنَّ الْوَاصِلَ الَّذِي إِذَا قُطِعَتْ رَحِمُهُ وَصَلَهَا۔

۱۶۹۷: عبداللہ بن عمرو نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: صلہ رحمی کرنے والا وہ نہیں جو صرف ادلے کا بدلہ دے، بلکہ اصل میں وہ شخص ہے کہ جب اس کا رشتہ قطع ہو جائے تو وہ اسے ملائے (بخاری اور ترمذی نے بھی اسے روایت کیا ہے) اس حدیث کو ابوداؤد کے استاذ الاستاذ سفیان نے تین شخصوں سے روایت کیا ہے: اعمش، حسن بن عمرو اور فطر۔ سفیان نے کہا ہے کہ سلیمان الاعمش نے اسے مرفوع بیان نہیں کیا مگر دوسرے دونوں راویوں نے اسے مرفوع روایت کیا ہے۔ مولانا نے فرمایا کہ اس حدیث میں مکارم اخلاق کی ترغیب دی گئی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: اِدْفَعْ بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ۔ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث بخاری نے روایت کی ہے: صِلْ مَنْ قَطَعَكَ وَاَحْسِنْ اِلٰى مَنْ اَسَاءَ اِلَيْكَ۔

بَابُ ۴۶ فِي الشُّحِّ

(شدید بخل کا باب)

۱۶۹۸۔ حَدَّثَنَا حَفْصُ بْنُ عُمَرَ نَا شُعْبَةُ عَنْ عَمْرِو بْنِ مُرَّةَ عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ الْحَارِثِ عَنْ اَبِي كَثِيْرٍ عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ عَمْرٍو قَالَ خَطَبَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ اِيَّاكُمْ وَالشُّحَّ فَاِنَّمَا هَلَكَ مَنْ كَانَ قَبْلَكُمْ بِالشُّحِّ اَمَرَهُمْ بِالْبُخْلِ فَبَخِلُوْا وَاَمَرَهُمْ بِالْقَطِيْعَةِ فَقَطَعُوْا وَاَمَرَهُمْ بِالْفُجُوْرِ فَفَجَرُوْا۔

۱۶۹۸: عبداللہ بن عمرو نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خطبہ دیا تو فرمایا: خبردار بخل کی شدت سے بچ کر رہو کیونکہ تم سے پہلے لوگ شدید بخل سے ہی ہلاک ہوئے تھے، لالچ نے انہیں بخل کا حکم دیا تو انہوں نے بخل کیا، اور انہیں قطع رحمی کا حکم دیا تو انہوں نے قطع رحمی کی اور انہیں جھوٹ کا حکم دیا تو انہوں نے جھوٹ بولا (فجور میں مبتلا ہوئے) منذری نے یہ حدیث نسائی، معجم اور احمد سے منسوب کی ہے۔

(شرح) شُحّ کی ممانعت بخل سے شدید تر ہے۔ شُحّ جنس کی مانند ہے اور بخل اس کی ایک نوع ہے۔ بخل کا لفظ زیادہ تر مفرد امور میں اور اشیاء کے خواص میں آتا ہے اور شُحّ عام ہے گویا وہ طبیعت وجبلت کی طرف سے انسان کا ایک لازمی وصف ہے (خطابی) ایک قول یہ بھی ہے کہ بخل کا تعلق مال سے ہے اور شُحّ کا مال کے علاوہ ہر نیک کام سے۔ فجور کا معنی جھوٹ کے علاوہ زنا، فحاشی اور نافرمانی بھی ہے۔ مسلم کے الفاظ یہ ہیں کہ: شُحّ سے بچو کیونکہ شُحّ نے تم سے پہلی امتوں کو ہلاک کیا تھا۔ اس نے

انہیں خونریزی اور حرام کو حلال کرنے پر اُبھارا تھا۔ شدّتِ بخل انسان کو خود غرض اور مادہ پرست بنا دیتی ہے اور یہی چیز فساد و اختلاف اور خونریزی کا باعث بنتی ہے۔

۱۶۹۹۔ حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ نَا إِسْمٰعِيلُ نَا أَيُّوبُ نَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ أَبِي مُلَيْكَةَ حَدَّثَتْنِي أَسْمَاءُ بِنْتُ أَبِي بَكْرٍ قَالَتْ قُلْتُ يَا رَسُولَ اللّٰهِ مَا لِي شَيْءٌ إِلَّا مَا أَدْخَلَ عَلَيَّ الزُّبَيْرُ بَيْتَهُ أَفَأُعْطِي مِنْهُ قَالَ أَعْطِي وَلَا تُوكِي فَيُوكَى عَلَيْكِ۔

۱۶۹۹: اسماء بنت ابی بکر رضی اللہ عنہما نے کہا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا: میرے پاس صرف وہی کچھ ہوتا ہے جو زبیرؓ گھر میں لاتے ہیں، اور کوئی چیز نہیں، کیا میں اس میں سے صدقہ کروں؟ حضورؐ نے فرمایا: صدقہ کر اور مال کو بند کر کے نہ رکھ ورنہ تجھ سے بھی رزق کو روک لیا جائے گا (ترمذی اور نسائی نے بھی اسے روایت کیا اور بخاری و مسلم نے اسے عبداللہ بن زبیرؓ کے طریق سے روایت کیا ہے)

(شرح) اسماءؓ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سالی تھیں، حضورؐ کو ان کے گھریلو حالات خوب معلوم تھے۔ آپؐ کو علم تھا کہ زبیرؓ ایک شجاع اور کریم شخص ہیں اور اسماءؓ بھی دیندار صحابیہ ہیں۔ ان وجوہ کی بنا پر حضورؐ نے اسماء کو مطلق اجازت دے دی، بلکہ صدقہ و انفاق کی کھلی ترغیب دے دی۔ مال کو برتنوں میں ڈھک کر اور بٹوے میں بند کر کے رکھا جاتا ہے۔ وکاد اس دھاگے کو کہتے ہیں جس سے تھیلی اور بٹوہ وغیرہ کس کر باندھا جاتا ہے۔ پس اس حکم کا منشا یہ تھا کہ بخل نہ کر، اللہ پر بھروسہ رکھ اور خوب خرچ کرتی رہ۔ رزق میں برکت اللہ کی طرف سے ہے وہ دینے والوں کو اور دیتا ہے کہ وہ اس کے نام پر زیادہ خرچ کریں۔

۱۷۰۰۔ حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ نَا إِسْمٰعِيلُ أَنَا أَيُّوبُ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ أَبِي مُلَيْكَةَ عَنْ عَائِشَةَ أَنَّهَا ذَكَرَتْ عِدَّةً مِنْ مَسَاكِينَ قَالَ أَبُو دَاوُدَ وَقَالَ غَيْرُهُ أَوْ عِدَّةً مِنْ صَدَقَةٍ فَقَالَ لَهَا رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَعْطِي وَلَا تُحْصِي فَيُحْصَى عَلَيْكِ۔

۱۷۰۰: عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ انہوں نے چند مسکینوں کا ذکر کیا، ابوداؤد نے کہا ابن ابی ملیکہ کے علاوہ دوسرے راویوں نے عن عائشہؓ، چند صدقوں کا ذکر کیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: عطا کر اور شمار نہ کر ورنہ تجھے بھی گن گن کر دیا جائے گا (بخاری اور مسلم نے: وَلَا تُحْصِي فَيُحْصِيَ عَلَيْكِ کے لفظ اسماء کی روایت سے

بیان کئے ہیں)

(شرح) احصار کا معنیٰ ہے گننا اور محفوظ رکھنا، یعنی گن گن کر نہ دو بلکہ بے حساب دو تاکہ اللہ بھی تمہیں اسی طرح بے حساب بخشے۔ اس حدیث میں حضور نے اپنی زوجۂ مطہرہ کو جس طرح انفاق کا حکم دیا (یعنی صرف کھلی اجازت نہیں بلکہ حکم) اس میں ہمارے لئے بہتر نمونہ ہے کہ اہل خانہ کو نیکی میں خرچ کرنے کی عام اجازت دیں

کتاب الزکوٰۃ تمام ہوئی۔ فالحمد للہ تعالیٰ علیٰ احسانہ

کتاب اللُّقَطۃ

کتاب اللقطہ

(اس میں ایک باب اور بیس احادیث ہیں)

باب التَّعْرِیفُ بِاللُّقَطَۃِ

ابوداؤد کے حمصی نسخے میں یہاں باب تعریف اللقطہ کا عنوان بھی ہے جو شائد ابوداؤد نے خود نہیں لگایا۔

لقطہ اسی گری پڑی چیز کو کہتے ہیں جو کسی کو بلا قصد و طلب مل جائے۔ التقاط اس کا مصدر ہے۔ لُقَطَہ حافظ ابن حجر کی تحقیق کے مطابق اہل لغت اور محدثین کے نزدیک ہُمَزَہ کی وزن پر ہے۔ زمخشری نے کہا کہ عام لوگ قؔ کو ساکن بولتے ہیں مگر دراصل یہ مفتوح ہے خلیل کے نزدیک لام ساکن ہے۔ ابوداؤد نے کتاب اللقطہ کو کتاب الزکوٰۃ میں داخل کیا ہے کیونکہ اس کے آخر میں؛ آخر کتاب الزکوٰۃ کا لفظ آیا ہے۔ چونکہ ایسی چیز کا مالک اگر نہ ملے تو اس کا صدقہ واجب ہے لہذا اسے اس جگہ رکھنا مناسب معلوم ہوا، گویا اس کا تعلق صدقہ کے ساتھ ہے اگر کوئی شخص مستحق ہو تو حسب شرائط تعریف اس کے لئے بھی اس کا استعمال بطور صدقہ ہی مشروع ہے۔ شمس الائمہ سرخسی کا قول ہے کہ لقطہ کے متعلق فلسفہ زدہ لوگ کہتے ہیں اس کا اٹھانا جائز نہیں کیونکہ وہ ملک غیر ہے جس میں تصرف جائز نہیں۔ ائمہ متقدمین میں سے بعض کا قول تھا کہ لقطہ اٹھانا جائز ہے مگر اس کا ترک افضل ہے کیونکہ ممکن ہے مالک اسے تلاش کرنے کو وہیں آئے جہاں وہ چیز گری تھی، اور اٹھانے والا شاید طمع میں آکر اسے خود استعمال کرنے پر آمادہ ہو جائے۔ علمائے حنفیہ اور اکثر دوسرے فقہاء کا مذہب بھی یہ ہے کہ لقطہ کا اٹھانا افضل ہے۔ پھر اگر وہ کوئی ایسی چیز ہو جسے بالعموم پھینک دینے میں حرج نہیں جانتے اور گر جانے پر تلاش نہیں کرتے مثلاً انار کا چھلکا اور گٹھلیاں وغیرہ اس چیز کے اٹھانے والے کو اس کا استعمال بھی جائز ہے، ہاں اگر مالک آجائے اور وہ اسے لینا چاہے تو لے سکتا ہے (کیونکہ اس قسم کی بعض اشیاء کارآمد بھی ہوتی ہیں) کیونکہ اس کے پھینک

دینے کا مطلب یہ تو تھا کہ کوئی دوسرا اس سے نفع حاصل کر سکے تو کرے مگر تملیک نہ تھی۔ حضور کا ارشاد ہے کہ: جو کوئی اپنی چیز کسی کے ہاتھ میں پائے وہ اس کا زیادہ حقدار ہے۔ دوسری قسم ان چیزوں کی ہے جن کا مالک انہیں تلاش کرتا اور ان کی واپسی کا خواہش مند ہوتا ہے۔ اٹھانے والے کا فرض ہے کہ اس قسم کی چیزوں کی حفاظت کرے اور مالک کے مل جانے پر انہیں واپس کرے اور ان کا اعلان عام کرے۔ ابراہیم نخعیؒ نے کہا ہے کہ ایک سال تک اعلان کرے اگر پھر بھی مالک نہ آئے تو صدقہ کر دے۔ اس کے بعد اگر مالک آئے تو اسے اختیار ہے کہ اس صدقے کو نافذ کرے یا نہ کرے، اور نہ کرنے کی صورت میں اٹھانے والے کو ضامن قرار دے اور اس کی قیمت وصول کرے۔ ایک سال کا عرصہ ہر چیز کے اعلان کے لئے ضروری نہیں۔ اتنی دیر تک اعلان کرے جو اس کے خیال میں مالک کی تلاش کے مطابق ہو۔ مالک کی تلاش کی مدت مال کی کثرت و قلت اور چیز کی قدر و قیمت پر مبنی ہوتی ہے حتیٰ کہ فقہاء نے کہا کہ دس درہم کے لئے ایک سال کے اعلان کی مدت ہونی چاہئیے کیونکہ یہ مال ایسا ہے جس میں چوری پر ہاتھ کاٹنے کی سزا آتی ہے۔ اس سے کم مال پر اگر وہ تین درہم تک ہو تو ایک ماہ اعلان کرے اور اس سے کم پر ایک ہفتہ اعلان کرے اور ایک درہم پر ایک دن۔ اور اس سے بھی کم کا سکہ ہو تو دائیں بائیں دیکھ کر اگر مالک نہ ملے تو کسی محتاج کو دے ڈالے اور یہ مقداریں لازم نہیں ہیں کیونکہ شرعی مقادیر رائے سے متعین نہیں ہوتیں۔ لیکن ہم یہ جانتے ہیں کہ یہ مدتیں صاحب مال کی تلاش کے مطابق ہیں اور اٹھانے والے کو چونکہ مدت کا علم نہیں نہ اس کے جاننے کا کوئی طریقہ ہے لہٰذا یہ اٹھانے والے کی غالب رائے پر مبنی ہیں۔ اُبیؓ بن کعب کی حدیث میں ایک سال تک اعلانِ عام کے لازم نہ ہونے کی دلیل موجود ہے۔ کیونکہ اس حدیث میں ہے کہ ایک سو دینار کا مال چونکہ ایک خطیر رقم تھی لہٰذا حضورؐ نے اٹھانے والے کو تین سال تک اعلان کرنے کا حکم دیا۔

۱۷۰۱ - حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ كَثِيرٍ أَنَا شُعْبَةُ عَنْ سَلَمَةَ بْنِ كُهَيْلٍ عَنْ سُوَيْدِ بْنِ غَفَلَةَ قَالَ غَزَوْتُ مَعَ زَيْدِ بْنِ صُوحَانَ وَسَلْمَانَ بْنِ رَبِيعَةَ فَوَجَدْتُ سَوْطًا فَقَالَا لِي اطْرَحْهُ فَقُلْتُ لَا وَلَكِنْ إِنْ وَجَدْتُ صَاحِبَهُ وَإِلَّا اسْتَمْتَعْتُ بِهِ قَالَ فَحَجَجْتُ فَمَرَرْتُ عَلَى الْمَدِينَةِ فَسَأَلْتُ أُبَيَّ بْنَ كَعْبٍ فَقَالَ وَجَدْتُ صُرَّةً فِيهَا مِائَةُ دِينَارٍ فَأَتَيْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ عَرِّفْهَا حَوْلًا فَعَرَّفْتُهَا حَوْلًا ثُمَّ أَتَيْتُهُ فَقَالَ عَرِّفْهَا حَوْلًا فَعَرَّفْتُهَا حَوْلًا ثُمَّ أَتَيْتُهُ فَقُلْتُ لَمْ أَجِدْ مَنْ يَعْرِفُهَا فَقَالَ احْفَظْ عَدَدَهَا وَوِعَاءَهَا وَوِكَاءَهَا فَإِنْ جَاءَ صَاحِبُهَا وَإِلَّا فَاسْتَمْتِعْ بِهَا وَقَالَ لَا أَدْرِي أَثَلَاثًا قَالَ عَرِّفْهَا أَوْ مَرَّةً وَاحِدَةً۔

۱۷۰۱: سوید بن غفلہ نے کہا کہ میں نے زید بن صوحان اور سلمانؓ بن ربیعہ کے ساتھ ہو کر جہاد کیا اور مجھے ایک کوڑا ملا، ان دونوں نے مجھ سے کہا کہ اسے پھینک دو، میں نے کہا نہیں۔ اگر میں نے اس کے مالک کو پایا تو بہتر ورنہ خود اس سے فائدہ اٹھاؤنگا۔

سُوید نے کہا کہ پھر میں نے حج کیا اور مدینہ سے گزرا اور اُبی رضؓ بن کعب سے یہ مسئلہ دریافت کیا تو اس نے کہا کہ میں نے ایک تھیلی پائی تھی جس میں سو دینار تھے، پس میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس گیا تو آپؐ نے فرمایا کہ ایک سال تک اس کی تعریف (اعلان) کرو تو میں نے ایک سال تک اس کی تعریف کی۔ پھر میں حضورؐ کے پاس گیا تو آپؐ نے مجھے ایک سال تک اعلان کرنے کا حکم دیا جو میں نے سال بھر تک کیا۔ پھر میں حضورؐ کے پاس گیا تو آپؐ نے فرمایا کہ مزید ایک سال اس کی تعریف (اعلان) کرو۔ پھر میں نے اس کا سال بھر اعلان کیا اور حضور کی خدمت میں حاضر ہوا اور کہا کہ میں نے کوئی شخص نہیں پایا جو اسے جانے (یعنی مالک نہیں ملا) آپؐ نے فرمایا کہ مال کی تعداد اور اس کا بٹوہ اور زنجیر ڈوری وغیرہ اچھی طرح یاد کرلو۔ اگر اس کا مالک آجائے تو بہتر ورنہ خود اس سے فائدہ اٹھاؤ۔ شعبہ نے کہا کہ مجھے معلوم نہیں میرے استاد سلمہ بن کُہیل نے تین بار ایک ایک سال کی تعریف کا ذکر کیا یا ایک ہی بار تین سال کی (بخاری مسلم، نسائی اور ترمذی نے بعض الفاظ کے اختلاف کے ساتھ اسے روایت کیا)

(شرح) سُوید بن غفلہ کو بعض نے صحابی کہا ہے مگر صحیح تر یہ ہے کہ وہ حضورؐ کے زمانے میں موجود تو تھا مگر ملاقات نہیں کر سکا۔ جس دن وہ مدینہ آیا تھا حضورؐ کو دفن کیا جا چکا تھا۔ زید بن صوحانؓ اور سلمانؓ بن ربیعہ صحابی تھے۔ حافظ ابن حجر نے فتح الباری میں کہا ہے کہ بقول منذری ائمہ فتویٰ میں سے کسی نے نہیں کہا کہ لقطہ کی تعریف تین سال تک کی جائے، ہاں حضرت عمرؓ سے ایک روایت آئی ہے اور ماوردی نے اسے بعض فقہاء کے شاذ اقوال میں بیان کیا ہے۔ ابن المنذر نے حضرت عمرؓ کے چار اقوال بیان کئے ہیں: ایک سال، تین سال، تین ماہ اور تین دن۔ ان اقوال کو لقطہ کی عظمت و مقدار پر محمول کیا جائے گا۔ ابن حزم نے حضرت عمرؓ کا ایک پانچواں قول بھی بیان کیا ہے: چار ماہ۔ مولاناؒ نے فرمایا کہ حنفیہ کی اس میں تین روایات ہیں۔ پہلی جو امام محمدؒ نے الجامع الصغیر میں بیان کی ہے کہ ہر چیز کے لئے ایک سال کا اعلان ہو اور یہی امام مالکؒ، شافعیؒ اور احمدؒ کا قول ہے۔ دوسری روایت صاحب ہدایہ کی ہے کہ اگر لقطہ دس درہم سے کم کا ہو تو چند دن تک اعلان کیا جائے اگر دس درہم یا زیادہ کا ہو تو ایک سال اعلان کیا جائے۔ یہی ظاہر روایت ہے اور ابو حنیفہؒ کا قول یہی ہے۔ تیسری روایت کا ذکر بھی صاحب ہدایہ نے کیا ہے اور اسے صحیح کہا گیا ہے کہ تعریف کی مدت کی کوئی مقدار معین نہیں اور وہ لقطہ اٹھانے والے کی رائے پر منحصر ہے۔ اس وقت تک اعلان کرے کہ اسے غلبۂ ظن ہو جائے کہ اس کا مالک اس کی تلاش میں ہوگا، پھر اسے صدقہ کر دے۔ کہا گیا ہے کہ اسی پر فتویٰ ہے اور سرخسی نے اسی کو اختیار کیا ہے۔ پس منذری کا یہ قول کہ ائمہ فتویٰ میں سے کسی نے تین سال کی مدت نہیں بتائی شاید اس تیسری حنفی روایت سے بے خبری کی بنا پر ہے۔

حافظ ابن حجر نے کہا ہے کہ ایک سال کی تعریف کے بعد جب لقطہ اٹھانے والا اس میں تصرف کر چکے اور پھر اس کا مالک آجائے تو علماء کا اس میں اختلاف ہے کہ آیا اب وہ ضامن ہوگا یا نہیں۔ جمہور کا قول یہ ہے کہ لقطہ کی بعینہٖ موجودگی کی صورت میں تو اسے لوٹانا واجب ہے اور اگر وہ ہلاک ہو چکا ہو تو اس کا بدل واجب ہوگا۔ اس میں کرابیسی (شافعیؒ کے شاگرد) کا اختلاف ہے اور اس کے دو شاگرد بخاری اور داؤد بن علی ظاہری امام کرابیسی کے ہم نوا ہیں، مگر داؤد اصل چیز کی موجودگی کے معاملے میں جمہور کے ہم نوا ہیں۔ جمہور کی دلیل حدیث کا یہ لفظ ہے: کہ وہ تیرے پاس امانت ہوگی۔ اور یہ لفظ کہ: اس کی تعداد اور برتن بٹوہ وغیرہ اور اس کی ڈوری کو یاد رکھے اور مسلم میں ہے کہ پھر اسے کھا لو اور اگر اس کا مالک آجائے تو اسے واپس کر دو۔ اور ابوداؤد کی دوسری روایت میں اس چیز کو کھانے سے پہلے اور بعد میں دونوں صورتوں میں اس کی ادائیگی کا حکم دیا ہے پس یہ جمہور کی قوی ترین دلیل ہے۔

مولاناؒ نے فرمایا کہ یہ حدیث بظاہر حنفیہ کے قول کے خلاف ہے۔ حنفیہ کا قول ہے کہ لقطہ اٹھانے والا اگر غنی ہے تو اسے

کسی حال میں اس سے انتفاع جائز نہیں جبکہ یہ حدیث کہتی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے غنی کو اس سے انتفاع کرنے کی اجازت دی ہے کیونکہ اُبی رضی اللہ عنہ بن کعب رضی اللہ عنہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے مالدار اصحاب میں سے تھے۔ امام سرخسی نے کہا کہ شاید مقروض ہونے کے باعث اس وقت غنی نہ رہے ہوں۔ اور یہ جو کہا گیا ہے کہ اُبیؓ بن کعب مالدار تھے اس کا رد سنن ابی داؤد کی اُس حدیث میں موجود ہے جس میں ابو طلحہؓ کے حسانؓ بن ثابت اور اُبیؓ بن کعب کو بیر حاء نامی باغ بطور صدقہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اذن سے دینے کا ذکر ہے۔ ہاں یہ ممکن ہے کہ اُبی کسی وقت مالدار بھی ہوں۔

۱۷۰۲۔ حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ نَا يَحْيٰى عَنْ شُعْبَةَ بِمَعْنَاهُ قَالَ عَرِّفْهَا حَوْلًا قَالَ ثَلَاثَ مِرَارٍ قَالَ فَلَا اَدْرِيْ قَالَ لَهُ ذٰلِكَ فِيْ سَنَةٍ اَوْ فِيْ ثَلَاثِ سِنِيْنَ۔

۱۷۰۲: اس حدیث کی دوسری روایت اسی معنیٰ میں ہے۔ اس شعبہ کے استاد سلمہ بن کہیل نے کہا کہ: ایک سال تک اس کا اعلان کرو یہ بات تین بار کہی۔ سلمہ بن کہیل نے کہا کہ مجھے نہیں معلوم یہ بات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے ایک سال میں کہی یا تین سال میں (یعنی اوپر کی روایت میں اُبیؓ کے تین بار آنے اور ہر بار حضورؐ کے اسے ایک سال تک اعلان کرنے کا حکم گزر چکا ہے مگر اس روایت میں شعبہ کو شک ہے کہ ایک ہی سال میں تین بار یہ فرمایا تھا یا تین سال میں۔ طحاوی کی روایت اوپر کی حدیث کے مطابق ہے جبکہ مسند کی روایت میں اور مسند ابی داؤد طیالسی کی ایک روایت میں ابہام ہے اور طیالسی کی دوسری روایت میں تین سال کی تفصیل موجود ہے)

۱۷۰۳۔ حَدَّثَنَا مُوْسَى بْنُ اِسْمٰعِيْلَ نَا حَمَّادٌ نَا سَلَمَةُ بْنُ كُهَيْلٍ بِاِسْنَادِهٖ وَمَعْنَاهُ قَالَ فِي التَّعْرِيْفِ قَالَ عَامَيْنِ اَوْ ثَلَاثَةً قَالَ وَاعْرِفْ عَدَدَهَا وَوِعَاءَهَا وَوِكَاءَهَا زَادَ فَاِنْ جَاءَ صَاحِبُهَا فَعَرَفَ عَدَدَهَا وَوِكَاءَهَا فَادْفَعْهَا اِلَيْهِ۔

۱۷۰۳: اُسی حدیث کی تیسری روایت سلمہ بن کہیل کی سند اور معنیٰ کے ساتھ ہے۔ اس میں حماد نے سلمہ سے تعریف کے متعلق شک کے ساتھ کہا ہے کہ دو سال میں یا تین میں۔ اور اس میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد مذکور ہے کہ: اس کے عدد کو پہچان رکھ اور اس کے بٹوے وغیرہ کو اور اس کی ڈوری کو، اور یہ اضافہ بھی ہے کہ: پس اگر اس کا مالک آ جائے اور اس کی تعداد اور ڈوری کو پہچان لے تو اس کے سپرد کر دے، ابو داؤد نے کہا کہ یہ آخری کلمہ اس حدیث میں حماد کے سوا اور کوئی نہیں کہتا (بخاری اور مسلم کی حدیث میں یہ الفاظ نہیں ہیں: پس وہ اس کی تعداد اور ظرف اور ڈوری کو پہچان لے۔ اور ترمذی کی حدیث میں ہے: پھر اگر اس کا تلاش کرنے والا آئے اور وہ اس کی تعداد اور اس کے ظرف اور ڈھکنے وغیرہ کی خبر دے دے تو وہ اسے دیدے) ابو داؤد کا قول اس قول کی تضعیف کرتا ہے اور عنقریب تضعیف صراحۃً آئے گی۔

۱۷۰۴۔ حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ نَا إِسْمٰعِيلُ بْنُ جَعْفَرٍ عَنْ رَبِيعَةَ بْنِ أَبِي عَبْدِ الرَّحْمٰنِ عَنْ يَزِيدَ مَوْلَى الْمُنْبَعِثِ عَنْ زَيْدِ بْنِ خَالِدٍ الْجُهَنِيِّ أَنَّ رَجُلًا سَأَلَ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنِ اللُّقَطَةِ فَقَالَ عَرِّفْهَا سَنَةً ثُمَّ اعْرِفْ وِكَاءَهَا وَعِفَاصَهَا ثُمَّ اسْتَنْفِقْ بِهَا فَإِنْ جَاءَ رَبُّهَا فَأَدِّهَا إِلَيْهِ فَقَالَ يَا رَسُولَ اللّٰهِ فَضَالَّةُ الْغَنَمِ فَقَالَ خُذْهَا فَإِنَّمَا هِيَ لَكَ أَوْ لِأَخِيكَ أَوْ لِلذِّئْبِ قَالَ يَا رَسُولَ اللّٰهِ فَضَالَّةُ الْإِبِلِ فَغَضِبَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَتّٰى احْمَرَّتْ وَجْنَتَاهُ أَوِ احْمَرَّ وَجْهُهُ وَقَالَ مَا لَكَ وَلَهَا مَعَهَا حِذَاؤُهَا وَسِقَاؤُهَا حَتّٰى يَأْتِيَهَا رَبُّهَا۔

۱۷۰۴: زید بن خالد جہنی سے روایت ہے کہ ایک شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے لقطہ کے متعلق سوال کیا تو آپ نے فرمایا: ایک سال تک اس کا اعلان کر پھر اُس کے ڈھکنے اور اوپر باندھنے کی چیز کو پہچان لے پھر اسے خرچ کر ڈال پھر اگر اس کا مالک آجائے تو اسے اس کے سپرد کر دے۔ اس نے کہا یا رسول اللہ گم شدہ بھیڑ بکری کا کیا حکم ہے؟ آپ نے فرمایا اُسے لے لے کیونکہ وہ تیرے لئے ہے یا تیرے بھائی کے لئے یا بھیڑیئے کے لئے۔ اس نے کہا یا رسول اللہ پھر گم شدہ اونٹ کے متعلق فرمائیے۔ پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ناراض ہوئے حتیٰ کہ آپ کے رُخسار سُرخ ہوگئے اور فرمایا: تجھ کو اس سے کیا؟ اس کے پاس اس کے جُوتے اور پیٹ ہیں حتیٰ کہ اس کا مالک آجائے (باقی سب صحاح خمسہ میں بھی یہ حدیث موجود ہے)

(شرح) بخاری کی روایت میں سائل کے متعلق اعرابی کا لفظ بولا گیا ہے لہٰذا ابن شیکوال کی یہ بات بہت بعید ہے کہ سائل بلال مؤذن تھا کیونکہ وہ اعرابی کبھی نہ تھا۔ حافظ ابن حجرؒ نے کہا ہے کہ سائل سُوَیْدٌ الجہنی تھا جو حمیدی، ماوردی، طبرانی، بغوی اور ابن السکن کی روایات میں اسی نام سے موسوم ہے لہٰذا یہ قول بھی درست نہ ہوا کہ سائل زیدؓ بن خالد جہنی تھا۔ ابوداؤد نے تعلیقًا اس حدیث کا ذکر کیا ہے اور اس کے الفاظ بیان نہیں کئے۔ عفاص کا معنیٰ تھیلا ہے۔ اس حدیث کا جملہ کہ جب اس کا مالک آئے تو لُقطہ اسے ادا کر دو۔ دلالت کرتا ہے کہ ایک سال کی تعریف کے بعد صرف حاجتمند کو اس کے استعمال کی اجازت ہے، اور جس حدیث کو اس بات کی دلیل سمجھا گیا ہے کہ ایک سال کے اعلان کے بعد واپسی ضروری نہیں اُسی میں ہے کہ خرچ ڈالنے کے بعد بھی مالک آجائے تو لُقطہ اگر موجود ہے، یا اُس کا بدل دینا پڑے گا۔ پس لُقطہ دراصل اٹھانے والے کے پاس ایک امانت ہے۔ حدیث میں بھیڑ بکری کو لے لینے کا حکم ہے کیونکہ بصورتِ دیگر درندے کے پھاڑ کھانے کا خدشہ قوی ہوگا۔ امام مالکؒ نے اس سے یہ استدلال کیا ہے کہ بھیڑ بکری کو بطور لقطہ حاصل کرنے والا اس کا مالک ہو جاتا ہے اور اس کی واپسی ضروری نہیں، کیونکہ اگر وہ نہ لے گا تو بھیڑیا لے جائے گا، اور اس صورت میں بھیڑیئے یا درندے پر تو کوئی تاوان نہیں ہو سکتا لہٰذا لاقط پر بھی کوئی ذمہ داری نہیں۔ مالک کی دلیل کا جواب یہ دیا گیا ہے کہ اس میں لام تملیک کا نہیں ہے کیونکہ

بھیڑ یا تو مالک نہیں بن سکتا، لہٰذا لاقط بشرطِ ضمان ہی مالک قرار پائے گا۔ فقہاء کا اس پر اجماع ہے کہ اگر ملتقطہ کے کھا جانے سے پہلے مالک آ جائے تو وہ اُس کی ملک ہے جو اس بات کی دلیل ہے کہ مالک دراصل وہی ہے جس کی وہ چیز تھی۔ ہاں! لاقط کو اپنے اخراجات کی وصولی کا حق حاصل ہے۔

اونٹ کے متعلق بھیڑ بکری سے مختلف حکم دیا گیا کیونکہ اونٹ بھاگ دوڑ کر درندوں سے بچ سکتا ہے، معمولی درندے شائد اس کے پاس بھی نہ آئیں گے، وہ کئی کئی دن تک بغیر کھائے پیئے زندہ رہ سکتا ہے، بھیڑ بکری کا مالک تو شائد اس کی تلاش میں سہل انگاری سے کام لے گا مگر اونٹ جیسے عظیم اور قیمتی حیوان کو تو کوئی بے تلاش نہیں چھوڑ سکتا۔ لہٰذا اس حدیث کے ظاہر سے جمہور نے استدلال کیا ہے کہ اونٹ چاہے گم شدہ ہو اُسے لُقطہ سمجھ کر قبضے میں نہیں لایا جا سکتا۔ حنفیہ نے کہا ہے کہ اُسے محفوظ کر لینا اولیٰ ہے اور حدیث کی نہی کو اس بات پر محمول کیا ہے کہ اُسے مملوک نہ بنایا جائے۔ اگر حفاظت کی غرض سے اس پر قبضہ کریں تو شافعیہ نے بھی اسے جائز کہا ہے۔ یہ تو صحرا کا حکم ہے مگر بستی میں اگر کہیں وہ پایا جائے تو صحیح تر قول یہی ہے کہ اسے محفوظ کر لیا جائے۔ بعض علماء نے نہی کی علت یہ بتائی ہے کہ وہ جہاں پر گم ہو وہیں سے مالک کا اُسے ڈھونڈنا اور پا لینا متوقع ہوتا ہے۔ اور ہر وہ جانور جو اونٹ کی مانند چھوٹے موٹے درندوں سے بچنے کی قوت رکھتا ہو اس کا بھی یہی حکم ہے۔ مگر حنفیہ کے نزدیک اونٹ میں اور دوسرے جانوروں میں اختلاف نہیں ہے۔ اور شافعی رحمہ نے کہا کہ اونٹ کو باندھنا یا محفوظ کر لینا قطعاً جائز نہیں ہے۔ لیکن حدیث میں آیا ہے کہ کسی شخص نے حرّہ میں ایک اونٹ پایا اور سیدنا عمر رضی سے ذکر کیا تو آپ نے اس کی حفاظت کا حکم دیا اور حفاظت نہ کر سکنے کی صورت میں اسے جہاں پایا تھا وہیں چھوڑ دینے کا حکم دیا۔ اور اس حدیث میں حتّٰی یا تیہا ربّہا کے الفاظ سے معلوم ہوا کہ جب مالک کے قریب ہونے کا امکان یا احتمال ہو تو اونٹ کو نہیں پکڑنا چاہیئے ورنہ اسے لُقطہ بنایا جا سکتا ہے۔ کیونکہ ضائع ہو جانے کا خوف تو اس میں بھی موجود ہے گو بھیڑ بکری جتنا نہ ہو۔ اس حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے غضبناک ہونے کا ذکر ہے یہ ناراضگی تو اس لئے تھی کہ سائل باربار سوال کرتا چلا جاتا تھا، یا اس لئے کہ آپ نے کسی دلیل سے یا وحی سے معلوم کر لیا تھا کہ یہ دراصل اونٹ کو بطورِ تملک حاصل کرنے کا کوئی بہانہ ڈھونڈنا چاہتا ہے۔ واللہ اعلم بالصواب

۱۷۰۵۔ حَدَّثَنَا ابْنُ السَّرْحِ نَا ابْنُ وَهْبٍ أَخْبَرَنِي مَالِكٌ بِإِسْنَادِهِ وَمَعْنَاهُ زَادَ سِقَاءُهَا تَرِدُ الْمَاءَ وَتَأْكُلُ الشَّجَرَ وَلَمْ يَقُلْ خُذْهَا فِي ضَالَّةِ الشَّاءِ وَقَالَ فِي اللُّقَطَةِ عَرِّفْهَا سَنَةً فَإِنْ جَاءَ صَاحِبُهَا وَإِلَّا فَشَأْنُكَ بِهَا وَلَمْ يَذْكُرِ اسْتَنْفِقْ قَالَ أَبُودَاوُدَ رَوَاهُ الثَّوْرِيُّ وَسُلَيْمَانُ بْنُ بِلَالٍ وَحَمَّادُ بْنُ سَلَمَةَ عَنْ رَبِيعَةَ مِثْلَهُ لَمْ يَقُولُوا خُذْهَا۔

۱۷۰۵: وہی حدیث ایک اور سند سے، اس میں یہ اضافہ ہے: اس کے ساتھ اس کا پیٹ ہے، وہ پانی پینے چلا جائے گا اور درختوں کے پتے کھائے گا۔ اور بھیڑ بکری کے لُقطے میں یہ نہیں کہا کہ: اسے لو۔ اور یہ اضافہ بھی ہے کہ: ایک سال تو

اس کا اعلان کر، اگر اس کا مالک آجائے تو بہتر ورنہ تو جان اور کام۔ اور اسے خرچ کر لینے کا ذکر نہیں کیا۔ ابو داؤد نے کہا کہ اس حدیث کو ثوری، سلیمان بن بلال اور حماد بن سلمہ نے ربیعہ سے اسی طرح روایت کیا اور : خُذْهَا کا لفظ نہیں بولا یعنی ان سب کی روایت مالک کی روایت کے خلاف ہے لہٰذا مالک کی روایت شاذ ہے۔ اور اگر ابو داؤد و مالک کی روایت کی تائید کرنا چاہتے ہیں تو مطلب یہ ہے کہ اس میں ثقہ کا اضافہ ہے جو مقبول ہے۔ مولانا ؒ نے فرمایا کہ ثوری، سلیمان بن بلال کی احادیث بخاری میں موجود ہیں اور حماد بن سلمہ کی روایت عنقریب آئے گی۔

۱۷۰۶۔ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ رَافِعٍ وَهَارُونُ بْنُ عَبْدِ اللهِ الْمَعْنٰى قَالَا نَا ابْنُ اَبِي فُدَيْكٍ عَنِ الضَّحَّاكِ يَعْنِي ابْنَ عُثْمَانَ عَنْ بُسْرِ بْنِ سَعِيْدٍ عَنْ زَيْدِ بْنِ خَالِدٍ الْجُهَنِيِّ اَنَّ رَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سُئِلَ عَنِ اللُّقَطَةِ فَقَالَ عَرِّفْهَا سَنَةً فَاِنْ جَاءَ بَاغِيْهَا فَاَدِّهَا اِلَيْهِ وَاِلَّا فَاعْرِفْ عِفَاصَهَا وَوِكَاءَهَا ثُمَّ كُلْهَا فَاِنْ جَاءَ بَاغِيْهَا فَاَدِّهَا اِلَيْهِ۔

۱۷۰۶: زیدؓ بن خالد جہنی سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے لُقطہ کے متعلق سوال ہوا تو فرمایا کہ ایک سال تک اس کا اعلان کر۔ اگر اس کا طالب آجائے تو اسے واپس کر دے ورنہ اس کا تھیلا اور ڈھکنا پہچان رکھ پھر اُسے کھالے، پھر اگر اس کا مالک آجائے تو اُسے ادا کر۔

(شرح) مولانا ؒ نے فرمایا کہ ابو داؤد کی اس حدیث کی سند میں انقطاع ہے کیونکہ اس میں ضحاک بن عثمان براہ راست بُسر بن سعید سے روایت کرتا ہے مگر طحاوی، مسلم، مسند احمد اور ابن ماجہ میں ان دونوں کے درمیان ابوالنضر کا واسطہ ہے۔ تہذیب التہذیب سے بھی یہی ثابت ہوتا ہے کہ ابوالنضر تو ضحاک کا استاد ہے مگر بُسر بن سعید نہیں ہے لہٰذا ماننا پڑتا ہے کہ یہاں سند میں ابوالنضر کا نام ساقط ہے۔ اس حدیث میں جو مالک کے آجانے پر اُسے بلا شہادت لُقطہ ادا کرنے کا حکم ہے علماء نے اُسے وجوبی حکم نہیں کہا بلکہ واپسی حسب قاعدہ بیّنہ سے ہونی چاہیئے، ہاں اگر لاقط مطمئن ہو جائے کہ یہی مالک ہے تو مستحب یہی ہے کہ شہادت کے بغیر ادائیگی کر دی جائے۔ اس حدیث میں بڑی صریح دلالت اس امر کی ہے کہ لُقطہ بہر صورت لاقط کے پاس امانت ہے۔ اگر وہ ایک سال کے اعلان کے بعد اسے کھا بھی جائے اور بعد میں مالک کا پتہ چلے تو بھی اس کا دینا واجب ہوگا۔

۱۷۰۷۔ حَدَّثَنَا اَحْمَدُ بْنُ حَفْصٍ حَدَّثَنِيْ اَبِيْ حَدَّثَنِيْ اِبْرَاهِيْمُ بْنُ طَهْمَانَ عَنْ عَبَّادِ بْنِ اِسْحٰقَ عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ يَزِيْدَ عَنْ اَبِيْهِ يَزِيْدَ

مَوْلَى الْمُنْبَعِثِ عَنْ زَيْدِ بْنِ خَالِدٍ الْجُهَنِيِّ أَنَّهُ قَالَ سُئِلَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَذَكَرَ نَحْوَ حَدِيثِ رَبِيعَةَ قَالَ وَسُئِلَ عَنِ اللُّقَطَةِ فَقَالَ تَعَرِّفُهَا حَوْلًا فَإِنْ جَاءَ صَاحِبُهَا دَفَعْتَهَا إِلَيْهِ وَإِلَّا عَرَفْتَ وِكَاءَهَا وَعِفَاصَهَا ثُمَّ اقْبِضْهَا فِي مَالِكَ فَإِنْ جَاءَ صَاحِبُهَا فَادْفَعْهَا إِلَيْهِ۔

١٧٠٧: زیدؓ بن خالد جہنی کی وہی حدیث ایک اور سند سے ہے۔ اس میں عبداللہ بن یزید نے ربیعہ کی حدیث کی مانند ذکر کیا۔ عبداللہ نے کہا کہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے لُقطہ کے متعلق سوال ہوا تو فرمایا کہ تو ایک سال تک اس کا اعلان کرے۔ اگر اس کا مالک آجائے تو اُسے دیدے ورنہ اس کی ڈوری اور برتن پہچان رکھے اور اسے اپنے مال میں محفوظ رکھے پھر اگر مالک آجائے تو اس کے حوالے کر دے (خطابی نے لکھا ہے کہ اس روایت میں: ثُمَّ اقْبِضْهَا فِي مَالِكَ نہیں بلکہ: ثُمَّ أَفِضْهَا فِي مَالِكَ کا لفظ ہے۔ معنیٰ وہی ہے جو پہلے لفظ کا ہے۔ اس روایت کی دلالت بھی بہرحال یہی ہے کہ لاقط صرف امین اور محافظ ہے ورنہ لُقطہ دراصل اُسی کی ملکیت ہے جو اس کا اصل مالک ہے)

١٧٠٨ـ حَدَّثَنَا مُوسَى بْنُ إِسْمَعِيلَ عَنْ حَمَّادِ بْنِ سَلَمَةَ عَنْ يَحْيَى بْنِ سَعِيدٍ وَرَبِيعَةَ بِإِسْنَادِ قُتَيْبَةَ وَمَعْنَاهُ زَادَ فِيهِ فَإِنْ جَاءَ بَاغِيهَا فَعَرَفَ عِفَاصَهَا وَعَدَدَهَا فَادْفَعْهَا إِلَيْهِ وَقَالَ حَمَّادٌ أَيْضًا عَنْ عُبَيْدِ اللهِ بْنِ عُمَرَ عَنْ عَمْرِو بْنِ شُعَيْبٍ عَنْ أَبِيهِ عَنْ جَدِّهِ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِثْلَهُ قَالَ أَبُو دَاوُدَ وَهَذِهِ الزِّيَادَةُ الَّتِي زَادَ حَمَّادُ بْنُ سَلَمَةَ فِي حَدِيثِ سَلَمَةَ بْنِ كُهَيْلٍ وَيَحْيَى بْنِ سَعِيدٍ وَعُبَيْدِ اللهِ بْنِ عُمَرَ وَرَبِيعَةَ إِنْ جَاءَ صَاحِبُهَا فَعَرَفَ عِفَاصَهَا وَوِكَاءَهَا فَادْفَعْهَا إِلَيْهِ لَيْسَتْ بِمَحْفُوظَةٍ فَعَرَفَ عِفَاصَهَا وَوِكَاءَهَا وَحَدِيثُ عُقْبَةَ بْنِ سُوَيْدٍ عَنْ أَبِيهِ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَيْضًا قَالَ عَرِّفْهَا سَنَةً وَحَدِيثُ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ أَيْضًا عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ عَرِّفْهَا سَنَةً۔

١٧٠٨: اس روایت میں حماد بن سلمہ نے یحییٰ بن سعید اور ربیعہ سے قتیبہ والی حدیث کی سند اور معنیٰ کے مطابق بیان

کیا ہے۔ اور اس میں حماد بن سلمہ نے اس میں یہ اضافہ کیا ہے کہ: اگر اس کا مالک آجائے اور اس کا برتن اور تعداد پہچان لے تو وہ اسے دیدے۔ اور حماد نے عبداللہ بن عمرو عن عمرو بن شعیب عن ابیہ عن جدہ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم کی سند سے بھی اسی طرح روایت کی ہے۔ ابو داؤد نے کہا کہ حماد بن سلمہ نے سلمہ بن کہیل اور یحییٰ بن سعید اور عبیداللہ اور ربیعہ کی روایت میں جو یہ اضافہ کیا ہے کہ: اگر وہ اس کا برتن اور رسی پہچان لے تو وہ اسے دیدے، یہ محفوظ نہیں ہے۔ یعنی یہ لفظ محفوظ نہیں۔ فَعَرَفَ عِفَاصَهَا وَوِكَاءَهَا فَادْفَعْهَا إِلَيْهِ۔ اور عقبہ بن سوید کی حدیث جو اس نے اپنے باپ سے اس نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے کی ہے اس میں بھی یہی قول ہے کہ: ایک سال تک اس کا اعلان کر۔ اور عمر بن الخطاب کی حدیث نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی یہی ہے کہ: ایک سال تک اس کا اعلان کر۔

(شرح) اس روایت میں ابو داؤد نے دو باتوں کا اظہار کیا ہے۔ پہلی یہ کہ حماد کا بیان کردہ اضافہ محفوظ نہیں ہے۔ دوسری یہ کہ بعض روایات میں اعلان کی مدت تین سال آئی ہے مگر ایک سال تک کے اعلان کی روایت زیادہ قوی ہے۔ لیکن منذری نے ابو داؤد کے قول کا رد کرتے ہوئے (حماد بن سلمہ کے) اضافے کے متعلق کہا ہے کہ یہ اضافہ مسلم نے بھی حماد کی روایت سے بیان کیا ہے اور ترمذی اور نسائی نے ثوری عن سلمہ بن کہیل اس کو روایت کیا ہے۔ اور مسلم نے اپنی صحیح میں کہا ہے کہ سفیان ثوری، زید بن ابی انیسہ اور حماد بن سلمہ سب اس اضافے کا ذکر کرتے۔ اس سے واضح ہے کہ حماد بن سلمہ اس کے بیان میں منفرد نہیں لہٰذا یہ غیر محفوظ نہیں ہے۔

۱۷۰۹۔ حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ نَا خَالِدٌ يَعْنِي الطَّحَّانَ ح وَحَدَّثَنَا مُوسَى يَعْنِي ابْنَ إِسْمَعِيلَ نَا وُهَيْبٌ يَعْنِي ابْنَ خَالِدٍ الْمَعْنَى الْحَذَّاءُ عَنْ أَبِي الْعَلَاءِ عَنْ مُطَرِّفٍ يَعْنِي ابْنَ عَبْدِ اللَّهِ عَنْ عِيَاضِ بْنِ حِمَارٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ وَجَدَ لُقَطَةً فَلْيُشْهِدْ ذَا عَدْلٍ أَوْ ذَوِي عَدْلٍ وَلَا يَكْتُمْ وَلَا يُغَيِّبْ فَإِنْ وَجَدَ صَاحِبَهَا فَلْيَرُدَّهَا عَلَيْهِ وَإِلَّا فَهُوَ مَالُ اللَّهِ يُؤْتِيهِ مَنْ يَشَاءُ۔

۱۷۰۹: عیاض بن حمار نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو شخص کوئی لقطہ پائے وہ اس پر ایک عادل یا دو عادلوں کی گواہی رکھ لے اور اسے نہ چھپائے نہ غائب کرے۔ پھر اگر اس کے مالک کو پائے تو اسے واپس کر دے ورنہ وہ اللہ کا مال ہے جسے چاہے دیتا ہے (نسائی اور ابن ماجہ نے اسے روایت کیا ہے)۔

(شرح) معالم السنن میں خطابی نے کہا ہے کہ یہ حکم استحبابی ہے وجوبی نہیں، مبادا بلا شہادت اس لاقط کا دل حرص میں مبتلا ہو جائے اور وہ خود اسے ہضم کر جائے یا اگر خدانخواستہ اسے موت آجائے تو اس کے وارث اسے وراثت میں تقسیم کر لیں علامہ شوکانی نے کہا کہ اس حدیث کا حکم بظاہر وجوب کے لئے ہے اور یہ شافعی کا ایک قول اور ابو حنیفہ کا قول بھی ہے شہادت

رکھنے کی دو صورتیں ہیں: ایک یہ کہ اسے اجمالی طور پر ظاہر کرے تفصیل نہ بتائے، مبادا کوئی جھوٹ بول کر حاصل کرلے۔ دوسری یہ کہ تفصیلی صفات ظاہر کرے مبادا اس کے وارث اسے وراثت میں شامل کرلیں۔ نووی نے کہا ہے کہ شہادت رکھنے میں توسط اختیار کیا جائے کہ بعض صفات بتائے اور بعض کا اخفا کرے اور یہی صحیح تر ہے۔ امام مالک اور احمد نے اس حکم کو وجوبی ٹھہرایا ہے۔ دیگر فقہا اور ائمہ فتویٰ اسے مستحب ٹھہراتے ہیں کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے زیدؓ بن خالد جہنی کو اس کا حکم نہیں دیا تھا اور نہ خود تفصیل دریافت فرمائی تھی۔ مولانا نے فرمایا کہ حنفیہ کے نزدیک گواہوں کا تقرر صرف اس لئے ہے تاکہ امانت کی جہت متعین ہو جائے اور ضائع ہونے کی صورت میں اس کی ضمان نہ آئے چنانچہ ابو حنیفہ کے نزدیک اس گواہی رکھنے کے عمل کے بعد لاقط پر کوئی ضمان نہیں رہتی۔ ضائع ہو جانے کی صورت میں بھی اگر مالک اس کی تصدیق کر دے کہ اس نے حفاظت کے لئے لقطہ اٹھایا تھا تو شہادت رکھے بغیر بھی کوئی ضمان اس پر نہیں۔ لیکن اگر مالک اس کی تکذیب کر دے اور شہادت نہیں رکھی گئی تھی تو اس پر ضمان ہے۔ صاحبین نے کہا کہ اگر لاقط قسم کھائے کہ اس نے حفاظت کی غرض سے لقطہ اٹھایا تھا اور مالک اس کی تصدیق کر دے تو بلا اشہاد بھی کوئی ضمانت نہیں

شوکانی نے کہا کہ اس حدیث کا لفظ فَهُوَ مَالُ اللّٰهِ يُؤْتِيهِ مَنْ يَشَاءُ۔ ان لوگوں کی دلیل ہے جو کہتے ہیں کہ ایک سال کے اعلان کے بعد بھی اگر مالک نہ ملے تو لاقط اس چیز کا مالک ہو جائے گا۔ اور یہ قول ابو حنیفہ کا ہے اس شرط کے ساتھ کہ وہ لاقط محتاج ہو۔ مولانا نے فرمایا کہ حنفیہ کا قول یہ نہیں ہے۔ بلکہ ان کے نزدیک لقطہ بہر صورت مالک کی ملکیت ہے اگرچہ لاقط نے بصورت احتیاج اسے خرچ کر لیا ہو۔ کیونکہ اس کا تصرف ملکِ غیر میں ہوا ہے نہ کہ اپنی ملک میں۔ ہاں اگر بالکل نہ آئے تو شرعی اباحت کی بنا پر اس محتاج کے لئے اس کا کھالینا جائز ٹھہرا ہے۔

۱۷۱۰- حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ نَا اللَّيْثُ عَنِ ابْنِ عَجْلَانَ عَنْ عَمْرِو بْنِ شُعَيْبٍ عَنْ أَبِيهِ عَنْ جَدِّهِ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَمْرِو بْنِ الْعَاصِ عَنْ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّهُ سُئِلَ عَنِ التَّمْرِ الْمُعَلَّقِ فَقَالَ مَنْ أَصَابَ بِفِيهِ مِنْ ذِي حَاجَةٍ غَيْرَ مُتَّخِذٍ خُبْنَةً فَلَا شَيْءَ عَلَيْهِ وَمَنْ خَرَجَ بِشَيْءٍ مِنْهُ فَعَلَيْهِ غَرَامَةُ مِثْلَيْهِ وَالْعُقُوبَةُ وَمَنْ سَرَقَ مِنْهُ شَيْئًا بَعْدَ أَنْ يُؤْوِيَهُ الْجَرِينُ فَبَلَغَ ثَمَنَ الْمِجَنِّ فَعَلَيْهِ الْقَطْعُ وَذَكَرَ فِي ضَالَّةِ الْغَنَمِ وَالْإِبِلِ كَمَا ذَكَرَ غَيْرُهُ قَالَ وَسُئِلَ عَنِ اللُّقَطَةِ فَقَالَ مَا كَانَ مِنْهَا فِي طَرِيقِ الْمِيتَاءِ وَالْقَرْيَةِ الْجَامِعَةِ فَعَرِّفْهَا سَنَةً فَإِنْ جَاءَ طَالِبُهَا فَادْفَعْهَا إِلَيْهِ فَإِنْ لَمْ يَأْتِ فَهِيَ لَكَ وَمَا كَانَ فِي الْخَرَابِ يَعْنِي فَفِيهَا وَفِي الرِّكَازِ الْخُمُسُ۔

۱۷۱۰: عبداللہ بن عمرو بن العاص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کی کہ آپ سے درخت سے لٹکے ہوئے پھل کے متعلق پوچھا گیا تو فرمایا اگر کوئی حاجت مند اسے کھائے اور اسے اپنے کپڑے وغیرہ میں نہ چھپائے تو اس کے ذمہ کچھ نہیں ہے۔ اور جو اسے لے کر وہاں باہر نکلے تو اس پر اس پھل سے دُگنا تاوان ہے اور اسے سزا ملے گی۔ اور جو کوئی اس پھل کو کوٹھڑی یا ڈھیر وغیرہ میں محفوظ کئے جانے کے بعد چرائے اور اس کی قیمت ڈھال کی قیمت کو پہنچ جائے تو اس کا ہاتھ کاٹا جائے۔ اور عبداللہ بن عمرؓ نے گم شدہ بھیڑ بکری اور اونٹ میں اُسی طرح بیان کیا جیسا کہ اوروں نے بیان کیا ہے (یعنی زیدؓ بن خالد جہنی نے) عبداللہ بن عمرو نے کہا کہ حضورؐ سے لُقطہ کے متعلق پوچھا گیا تو آپؐ نے فرمایا کہ اس میں سے جو عام راستے پر اور آباد بستی میں ہو اس کا اعلان ایک سال تک کر۔ پھر اگر اس کا طالب آئے تو اسے دے ڈال اور اگر نہ آئے تو وہ تیرا ہے۔ اور جو کسی کھنڈر یا غیر آباد جگہ میں ہو اس میں اور گڑھے ہوئے خزانے میں خمس ہے (اسے ترمذی، ابن ماجہ اور نسائی نے بھی روایت کیا اور ترمذی نے اس کی تحسین بھی کی ہے)

(شرح) پھل چھپا کر لے جانے والے کو دُگنے تاوان کا حکم دیا گیا ہے یہ بقولِ ابن الملک بطورِ زجر و وعید ہے کیونکہ حسب دلائل شرع تلف کرنے والے پر صرف اس کی مثل قیمت واجب ہے زیادہ نہیں۔ حضرت عمرؓ بطورِ زجر ظاہرِ حدیث کے مطابق دُگنے تاوان کا حکم دیتے تھے اور یہی امام احمد کا قول ہے۔ شرح السنہ میں ہے کہ غرامت اور تعزیر کا حکم اس پھل میں ہے جو کوئی چھپا کر باہر لے جائے کیونکہ باغ اور اناج وغیرہ کے مالک اس صورت کو نظرانداز نہیں کرتے، ہاں اگر کوئی معمولی چیز کھا جائے تو اس کی پرواہ نہیں کی جاتی اور دُگنا تاوان زجر و توبیخ اور مبالغہ کے لئے اوّل اسلام میں تھا پھر منسوخ ہو گیا۔ لٹکتے پھل کو کھا جانے والے کے لئے لاشئ علیہ کا لفظ یہ ظاہر کرتا ہے کہ اس پر گناہ نہیں، لیکن از روئے دلائل شرع اس پر ضمان آئے گی کیونکہ یہ بندے کا حق ہے بشرطیکہ وہ نظرانداز نہ کرے۔ مجن کا معنی ڈھال ہے جسے تُرس یا درقہ بھی کہتے ہیں۔ بقول بعض اس کی قیمت اُس وقت ¼ دینار تھی اور بقولِ حنفیہ دس درہم تھی جو سرقہ میں قطعِ ید کا نصاب ہے۔

۱۷۱۱۔ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الْعَلَاءِ نَا اَبُوْ اُسَامَةَ عَنِ الْوَلِيْدِ يَعْنِي ابْنَ كَثِيْرٍ حَدَّثَنِيْ عَمْرُو بْنُ شُعَيْبٍ بِاِسْنَادِهٖ بِهٰذَا قَالَ فِيْ ضَالَّةِ الشَّاءِ قَالَ فَاجْمَعْهَا۔

۱۷۱۱: عمروؓ بن شعیب نے اپنی سند کے ساتھ اس حدیث کو روایت کیا (یہ اس کا دوسرا طریق ہے) اس حدیث میں ہے کہ حضورؐ نے گم شدہ بھیڑ بکری کے متعلق فرمایا: اسے جمع کرے (یعنی حفاظت کے لئے قبضہ کرے)

۱۷۱۲۔ حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ نَا اَبُوْ عَوَانَةَ عَنْ عُبَيْدِ اللّٰهِ بْنِ الْاَخْنَسِ عَنْ عَمْرِو بْنِ شُعَيْبٍ بِهٰذَا بِاِسْنَادِهٖ وَقَالَ فِيْ ضَالَّةِ الْغَنَمِ لَكَ اَوْ لِاَخِيْكَ اَوْ

لِلذِّئْبِ خُذْهَا قَطُّ وَكَذَا قَالَ فِيهِ أَيُّوبُ وَعَنْ يَعْقُوبَ بْنِ عَطَاءٍ عَنْ عَمْرِو بْنِ شُعَيْبٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ فَخُذْهَا۔

۱۷۱۲: عمرو بن شعیب کی حدیث اس کی سند کے ساتھ (یہ اس کا تیسرا طریق ہے) اور اس میں گم شدہ بھیڑ بکری کے متعلق حضورؐ نے فرمایا: وہ میرے لئے یا تیرے (کسی اور) بھائی کے لئے ہے اسے پکڑ لے (اس سے آگے کوئی لفظ نہیں کہا) اس میں اسی طرح ایوب نے کہا اور یعقوب بن عطاء کی روایت میں ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اسے پکڑ لے۔

۱۷۱۳۔ حَدَّثَنَا مُوسَى بْنُ إِسْمٰعِيلَ نَا حَمَّادٌ ح وَحَدَّثَنَا ابْنُ الْعَلَاءِ نَا ابْنُ إِدْرِيسَ عَنِ ابْنِ إِسْحٰقَ عَنْ عَمْرِو بْنِ شُعَيْبٍ عَنْ أَبِيهِ عَنْ جَدِّهِ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِهٰذَا قَالَ فِي ضَالَّةِ الشَّاءِ فَاجْمَعْهَا حَتّٰى يَأْتِيَهَا بَاغِيهَا۔

۱۷۱۳: عمرو بن شعیب اپنے باپ سے وہ اپنے دادا سے وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے اس حدیث کی روایت کرتا ہے (یہ اس کا چوتھا طریق ہے) کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے گم شدہ بھیڑ بکریوں کے متعلق فرمایا: پس تو انہیں جمع رکھ حتی کہ ان کی تلاش کرنیوالا آجائے۔

۱۷۱۴۔ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الْعَلَاءِ نَا عَبْدُ اللهِ بْنُ وَهْبٍ عَنْ عَمْرِو بْنِ الْحَارِثِ عَنْ بُكَيْرِ ابْنِ الْأَشَجِّ عَنْ عُبَيْدِ اللهِ بْنِ مِقْسَمٍ حَدَّثَهُ عَنْ رَجُلٍ عَنْ أَبِي سَعِيدٍ أَنَّ عَلِيَّ بْنَ أَبِي طَالِبٍ وَجَدَ دِينَارًا فَأَتٰى بِهِ فَاطِمَةَ فَسَأَلَتْ عَنْهُ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ هُوَ رِزْقُ اللهِ فَأَكَلَ مِنْهُ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَأَكَلَ عَلِيٌّ وَفَاطِمَةُ فَلَمَّا كَانَ بَعْدَ ذٰلِكَ أَتَتْهُ امْرَأَةٌ تَنْشُدُ الدِّينَارَ فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَا عَلِيُّ أَدِّ الدِّينَارَ۔

ابو سعیدؓ سے روایت ہے کہ علی بن ابی طالب نے ایک دینار پایا اور اسے فاطمہؓ کے پاس لائے، انہوں نے اس کے متعلق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا تو آپ نے فرمایا: یہ اللہ کا رزق ہے۔ پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اور علیؓ اور فاطمہؓ نے اس میں سے کھایا۔ اس کے بعد ایسا ہوا کہ ایک عورت ان کے پاس اس دینار کی تلاش میں آئی تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے علی! دینار

ادا کر دے (اس حدیث کی سند میں ایک مجہول شخص ہے)

شرح: بقول حافظ زیلعی (نصب الرایہ) اس حدیث کو منذری نے اس وجہ سے مشکل کہا ہے کہ علیؓ نے اس دینار کا اعلان کرنے سے پیشتر ہی اسے خرچ کر لیا (نہ صرف خود کھایا بلکہ حضورؐ کو کھلا دیا) حالانکہ اعلان کے ثبوت کی احادیث بہت زیادہ ہیں اور سند کے لحاظ سے صحیح ہیں اور اس حدیث کی سند میں ایک مجہول راوی ہے جس کا نام تک معلوم نہیں ہو سکا۔ شاید اس کی یہ تاویل کی جا سکے کہ تعریف و اعلان کے لیے کوئی خاص صیغہ یا طریقہ مقرر نہیں۔ علی رضی اللہ عنہ نے جب بر سرِ عام اس کا ذکر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کیا تو یہی اس کا اعلان تھا۔ لیکن اس سے اس امر کی بھی تائید ہوتی ہے کہ صرف ایک مرتبہ کا اعلان کافی ہے۔ مصنف عبدالرزاق میں حدیث مروی ہے اور اس میں آیا ہے کہ علیؓ نے تین دن اس دینار کا اعلان کیا تھا اور جب کوئی مالک نہ ملا تو اسے گھریلو ضروریات میں خرچ کر لیا تھا۔ مصنف کی روایت میں بھی ابوبکر بن عبداللہ بن ابی سبرہ متروک الحدیث راوی موجود ہے۔ اور اس کی سند میں ابوسعید سے روایت کرنیوالا شخص عطا ابن یسار ہے۔ مسند اسحاق بن راھویہ، مسند ابی یعلی موصلی اور مسند بزار میں بھی یہ روایت عبدالرزاق کی سند سے آئی ہے اور بزار نے ابو بکر بن عبداللہ کو "نرم حدیث والا" قرار دیا ہے۔ خلاصہ کلام یہ ہوا کہ ایک مجہول راوی کے علاوہ یہ روایت صحیح تر بہت سی روایات کے خلاف ہے۔

۱۷۱۵۔ حَدَّثَنَا الْهَيْثَمُ بْنُ خَالِدٍ الْجُهَنِيُّ نَا وَكِيعٌ عَنْ سَعْدِ بْنِ أَوْسٍ عَنْ بِلَالِ بْنِ يَحْيَى الْعَبْسِيِّ عَنْ عَلِيٍّ أَنَّهُ الْتَقَطَ دِينَارًا فَاشْتَرَى بِهِ دَقِيقًا فَعَرَفَهُ صَاحِبُ الدَّقِيقِ فَرَدَّ عَلَيْهِ الدِّينَارَ فَأَخَذَهُ عَلِيٌّ فَقَطَعَ مِنْهُ قِيرَاطَيْنِ فَاشْتَرَى بِهِ لَحْمًا۔

حضرت علیؓ سے روایت ہے کہ انہوں نے ایک دینار کا لقطہ اٹھایا اور اس کا آٹا خریدا۔ پس آٹا بیچنے والے نے علیؓ کو پہچان لیا اور دینار (ازراہ محبت و اکرام) واپس کر دیا۔ حضرت علیؓ نے اسے لے لیا اور اس میں سے دو قیراط کاٹے اور ان کا گوشت خریدا (بلال بن یحیی عبسی کے حضرت علیؓ سے سماع ثابت کرنے میں کلام ہے) اس وقت جو سکے رائج تھے ان میں بعض مہر کے بغیر ہوتے تھے اور ان کا حساب وزن سے ہوتا تھا۔ اور دینار گیارہ درہم کا تھا۔ دینار میں سے کچھ حصہ کاٹ کر بطور سکہ چلایا جا سکتا ہے۔

۱۷۱۶۔ حَدَّثَنَا جَعْفَرُ بْنُ مُسَافِرٍ التِّنِّيسِيُّ أَنَا ابْنُ أَبِي فُدَيْكٍ نَا مُوسَى بْنُ يَعْقُوبَ الزَّمْعِيُّ عَنْ أَبِي حَازِمٍ عَنْ سَهْلِ بْنِ سَعْدٍ أَخْبَرَهُ أَنَّ عَلِيَّ بْنَ أَبِي طَالِبٍ دَخَلَ عَلَى فَاطِمَةَ وَحَسَنٌ وَحُسَيْنٌ يَبْكِيَانِ فَقَالَ مَا يُبْكِيهِمَا قَالَتِ الْجُوعُ فَخَرَجَ عَلِيٌّ فَوَجَدَ دِينَارًا بِالسُّوقِ فَجَاءَ إِلَى فَاطِمَةَ وَأَخْبَرَهَا فَقَالَتِ اذْهَبْ إِلَى فُلَانٍ الْيَهُودِيِّ فَخُذْ لَنَا دَقِيقًا فَجَاءَ الْيَهُودِيَّ فَاشْتَرَى بِهِ دَقِيقًا فَقَالَ الْيَهُودِيُّ أَنْتَ خَتَنُ هَذَا الَّذِي يَزْعُمُ أَنَّهُ رَسُولُ اللَّهِ قَالَ نَعَمْ قَالَ فَخُذْ دِينَارَكَ

وَلٰكَ الدَّقِيْقُ فَخَرَجَ عَلِيٌّ حَتّٰى جَاءَ بِهٖ فَاطِمَةَ فَاَخْبَرَهَا فَقَالَتْ اِذْهَبْ اِلٰى فُلَانٍ الْجَزَّارِ فَخُذْ لَنَا بِدِرْهَمٍ لَحْمًا فَذَهَبَ فَرَهَنَ الدِّيْنَارَ بِدِرْهَمِ لَحْمٍ فَجَاءَ بِهٖ فَعَجَنَتْ وَنَصَبَتْ وَخَبَزَتْ وَاَرْسَلَتْ اِلٰى اَبِيْهَا فَجَاءَهُمْ فَقَالَتْ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اَذْكُرُ لَكَ فَاِنْ رَاَيْتَهٗ لَنَا حَلَالًا اَكَلْنَاهُ وَاَكَلْتَ مَعَنَا مِنْ شَاْنِهٖ كَذَا وَكَذَا قَالَ كُلُوْا بِسْمِ اللّٰهِ فَاَكَلُوْا فَبَيْنَا هُمْ مَكَانَهُمْ اِذْ غُلَامٌ يَنْشُدُ اللّٰهَ وَالْاِسْلَامَ الدِّيْنَارَ فَاَمَرَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَدُعِيَ لَهٗ فَسَاَلَهٗ فَقَالَ سَقَطَ مِنِّيْ فِي السُّوْقِ فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَا عَلِيُّ اِذْهَبْ اِلَى الْجَزَّارِ فَقُلْ لَهٗ اِنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ لَكَ اَرْسِلْ اِلَيَّ بِالدِّيْنَارِ وَدِرْهَمُكَ عَلَيَّ فَاَرْسَلَ بِهٖ فَدَفَعَهٗ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِلَيْهِ۔

سہل بن سعد نے ابو حازم کو بتایا کہ علی رضی اللہ عنہ بن ابی طالب فاطمہ رضی اللہ عنہا کے پاس گئے تو حسنؓ اور حسینؓ رو رہے تھے۔ علی رضی اللہ عنہ نے ان کے رونے کا سبب پوچھا تو فاطمہ رضی اللہ عنہا نے کہا کہ بھوک کے باعث۔ علی رضی اللہ عنہ باہر نکلے تو بازار میں ایک دینار پایا، پھر وہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کے پاس آئے اور انہیں خبر دی حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے کہا کہ فلاں یہودی کے پاس جائیے اور ہمارے لیے آٹا لائیے۔ پس وہ یہودی کے پاس گئے اور اس دینار سے آٹا خریدا۔ پس یہودی نے کہا کہ کیا آپ اس رسول اللہ ہونے کے مدعی کے داماد ہیں؛ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اثبات میں جواب دیا تو یہودی نے دینار واپس کر دیا اور آٹا مفت میں دے دیا۔ علی رضی اللہ عنہ آٹا لے کر حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے پاس پہنچے اور انہیں واقعہ سنایا۔ انہوں نے کہا کہ فلاں قصاب کے پاس جائیے اور ہمارے لیے ایک درہم کا گوشت لائیے۔ علی رضی اللہ عنہ گئے اور ایک درہم کا گوشت لائے مگر دینار قصاب کو دے آئے (اس کے پاس ریزگاری نہ ہوگی) فاطمہ رضی اللہ عنہا نے آٹا گوندھا اور ہنڈیا چڑھا دی اور روٹی پکائی اور اپنے والد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو پیغام بھیجا۔ حضور تشریف لائے تو فاطمہ رضی اللہ عنہا نے کہا۔ یا رسول اللہ میں آپ کو بتاتی ہوں، اگر آپ اسے ہمارے لیے حلال سمجھیں تو ہم بھی کھائیں اور ہمارے ساتھ آپ بھی کھائیں۔ اس کا قصہ یہ اور یہ ہے۔ پس حضور نے فرمایا: اللہ کا نام لے کر کھاؤ۔ سب کھانے لگے، ابھی وہ اس حال میں تھے کہ ایک غلام اللہ اور اسلام کے نام پر دینار کا پتہ پوچھ رہا تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے بلانے کا حکم دیا۔ جب اسے بلایا گیا تو اس سے پوچھا۔ اس نے بتایا کہ بازار میں مجھ سے ایک دینار گر گیا تھا۔ پس نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے علیؓ! قصاب کے پاس جاؤ اور اس سے کہو کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ دینار مجھے بھیج دو اور تمہارا درہم میرے ذمہ ہے۔ قصاب نے دینار بھیج دیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دینار اس غلام کو دے دیا۔

شرح: اس حدیث کے راوی موسیٰ بن یعقوب زمعی کو علی بن المدینی نے ضعیف الحدیث اور منکر الحدیث کہا ہے۔ ابوداؤد کا قول ہے کہ یہ مجہول مشائخ سے روایت کرتا ہے۔ نسائی اور احمد نے بھی اسے پسند نہیں کیا۔ اس حدیث کا مضمون پچھلی روایات

کے خلاف ہے۔ ان میں یہ تھا کہ علی رضؓ نے پہلے ہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو قصہ بتایا تھا اور آپ کی اجازت سے دینار خرچ کیا تھا، اس میں ہے کہ حضورؐ کو اس وقت بتایا گیا جب آپ اپنی بیٹی کے ہاں تشریف لائے۔ پچھلی روایات میں جو کچھ تھا وہ بیان کر دیا گیا، اگر یہ روایت اُن کی نسبت قوی ہے تو ان میں راویوں کا تصرف ماننا ہوگا۔ یا اس میں کہیں غلطی ہے۔ اور اگر سب کا حال ایک سا ہے تو سب میں گڑبڑ ہے۔ مولاناؒ نے فرمایا کہ میرے نزدیک یہ قصہ حکم اعلانی سے پہلے کا ہوگا اور کھانا حالت اضطرار میں کھایا گیا تھا واللہ اعلم بالصواب

۱۷۱۷۔ حَدَّثَنَا سُلَيْمٰنُ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ الدِّمَشْقِيُّ نَا مُحَمَّدُ بْنُ شُعَيْبٍ عَنِ الْمُغِيْرَةِ بْنِ زِيَادٍ عَنْ اَبِي الزُّبَيْرِ الْمَكِّيِّ اَنَّهُ حَدَّثَهُ عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ قَالَ رَخَّصَ لَنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي الْعَصَا وَالْحَبْلِ وَالسَّوْطِ وَاَشْبَاهِهٖ وَرَوَاهُ شَبَابَةُ عَنْ مُغِيْرَةَ بْنِ مُسْلِمٍ عَنْ اَبِي الزُّبَيْرِ عَنْ جَابِرٍ قَالَ كَانُوْا لَمْ يَذْكُرُوا النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ۔

جابر بن عبداللہ نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں لقطہ اٹھانے کی صورت میں عصا، رسی اور کوڑے جیسی چیزوں سے فائدہ اٹھانے کی اجازت دی تھی۔ ابو داؤد نے کہا کہ اس حدیث کو نعمان بن عبداللہ نے مغیرہ ابو سلمہ سے اُس کی سند کے ساتھ روایت کیا ہے اور شبابہ نے اسے مغیرہ بن مسلم سے اس نے ابو الزبیر سے اس نے جابر رضؓ سے روایت کیا ہے۔ شبابہ نے کہا کہ اساتذہ نے اس حدیث میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر نہیں کیا (گویا یہ حدیث جابر رضؓ پر موقوف ہے۔ منذری نے کہا ہے کہ اس حدیث کی سند میں مغیرہ بن زیاد ہے جس پر بہت سے محدثین نے اعتراض کیا ہے۔ بخاری نے کہا ہے کہ وکیع کے علاوہ دوسرے لوگوں نے اسے مضطرب الحدیث ٹھہرایا ہے۔ احمد نے اسے مضطرب الحدیث کہا ہے اور یہ کہ اس کی احادیث منکر ہیں۔ ابو حاتم اور ابوزرعہ نے اسے ناقابل احتجاج کہا ہے۔ ابو عبداللہ حاکم نے کہا کہ اسے ترک کرنے پر محدثین کا اتفاق ہے، اس نے عبادہ بن نسی سے ایک موضوع حدیث کی بھی روایت کی ہے۔ ابن حبان نے کہا کہ اس کے ترک پر اجماع تو نہیں مگر جس حدیث میں وہ منفرد ہو اسے ترک کرنا واجب ہے۔ مولاناؒ نے فرمایا کہ عصا، رسی اور کوڑا اگر معمولی چیزیں سمجھی جاتی ہوں جن کی پرواہ نہیں کی جاتی تو انہیں لینا اور ان سے نفع اٹھانا جائز ہے ورنہ نہیں۔ اور اگر وہ دوسری قسم کی چیز ہے تو اعلان واجب ہے۔

۱۷۱۸۔ حَدَّثَنَا مَخْلَدُ بْنُ خَالِدٍ نَا عَبْدُ الرَّزَّاقِ اَنَا مَعْمَرٌ عَنْ عَمْرِو بْنِ مُسْلِمٍ عَنْ عِكْرِمَةَ اَحْسِبُهُ عَنْ اَبِي هُرَيْرَةَ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ ضَالَّةُ الْاِبِلِ الْمَكْتُوْمَةُ غَرَامَتُهَا وَمِثْلُهَا مَعَهَا۔

عمرو بن مسلم نے کہا کہ میرے خیال میں عکرمہ نے ابوہریرہ رضؓ سے روایت کی کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ گم شدہ اونٹ کو اگر چھپا لیا گیا تو اس کا تاوان ہوگا اور اس جیسی اور بھی (اول تو یہ روایت مرسل ہے کیونکہ عکرمہ نے اس کے سماع

کا جزم و یقین نہیں کیا۔ بصورت دیگر یہ بقول خطابی زجر و توبیخ کے طور پر ہے تاکہ لوگ ایسا فعل نہ کریں۔ عامۃ فقہاء کا یہی مذہب ہے۔ حضرت عمرؓ بطور زجر یہی حکم دیتے تھے اور امام احمد کا مسلک یہی ہے مگر رُکن تاوان قواعد شرع میں نہیں آیا۔ اس حدیث کا راوی عمرو بن معلم متکلم فیہ ہے، احمد اور ابن حصین نے اسے ضعیف کہا ہے۔ ابن خراش اور ابن حزم نے اسے لا شیئی کہا ہے۔

۱۷۱۹۔ حَدَّثَنَا يَزِيدُ بْنُ خَالِدِ بْنِ مَوْهَبٍ وَأَحْمَدُ بْنُ صَالِحٍ قَالَ نَا ابْنُ وَهْبٍ أَخْبَرَنِي عَمْرٌو عَنْ بُكَيْرٍ عَنْ يَحْيَى بْنِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ حَاطِبٍ عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ عُثْمٰنَ التَّيْمِيِّ أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَهٰى عَنْ لُقَطَةِ الْحَاجِّ قَالَ أَحْمَدُ قَالَ ابْنُ وَهْبٍ فِي لُقَطَةِ الْحَاجِّ يَتْرُكُهَا حَتّٰى يَجِدَهَا صَاحِبُهَا قَالَ ابْنُ مَوْهَبٍ عَنْ عَمْرٍو۔

عبدالرحمٰن بن عثمان تیمی سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حاجی کے لُقطہ سے منع فرمایا تھا۔ ابن وہب راوی کے نزدیک اس کا مطلب یہ ہے کہ حاجی کی چیز چھوڑ دی جائے تاکہ وہ آکر خود اٹھائے۔ خالد بن موہب نے روایت عن عمرو کا لفظ بولا۔ (مسلم اور نسائی نے بھی اسے روایت کیا ہے مگر ان کی روایت میں ابن وہب کا کلام نہیں ہے)

شرح: منذری نے کہا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حرم کے لُقطہ کے بارے میں فرمایا ہے: وہاں کا لُقطہ صرف اس شخص کے لیے اٹھانا جائز ہے جو اس کا اعلان کرے۔ اور حرم کا لُقطہ صرف حفاظت کے لیے ہے اور وہ کسی صورت میں اٹھانے والے کے لیے حلال نہیں بلکہ ہمیشہ اس کا اعلان کرنا واجب ہے۔ شوکانی نے کہا ہے کہ اعلان تو ہر لُقطہ میں واجب ہے پھر حرم کے لُقطہ اور حاجی کے لُقطہ کی تخصیص کا کیا مطلب ہے؟ یہ بات مشکل ہے۔ اس کا جواب وہی ہے جو منذری نے دیا ہے کہ دیگر بلاد کا لُقطہ تو کبھی اٹھانے والے کی ملک میں بھی آ سکتا ہے مگر حرم مکہ کا لُقطہ کبھی کسی اور کی ملک میں نہیں آ سکتا لہٰذا اسے فقط اعلان کی خاطر اٹھایا جا سکتا ہے۔ مکہ کی یہ خصوصیت اس لیے ہے کہ اگر وہ چیز کسی مکی کی ہے تو بہتر ورنہ ہر سال بے شمار لوگ ہر علاقے سے وہاں آتے جاتے ہیں لہٰذا اُس کا مالک کو پہنچایا جانا آسان ہوتا ہے۔ ابن بطال نے کہا کہ اکثر مالکیہ اور بعض شافعیہ کے نزدیک مکہ کی تخصیص صرف شدت اعلان کے لیے ہے ورنہ اس میں اور دوسرے علاقوں میں اس باب میں کوئی فرق نہیں کیونکہ ممکن ہے حاجی ایک دفعہ گھر لوٹ کر پھر واپس مکہ نہ آ سکے لہٰذا اعلان و تعریف میں مبالغے کا حکم دیا گیا ہے۔ جمہور کا قول وہی ہے جو اوپر منقول ہوا کہ حرم کا لُقطہ صرف تعریف کی غرض سے اٹھایا جا سکتا ہے اور کسی صورت میں بھی وہ اٹھانے والے کی ملک میں نہیں آ سکتا نہ وہ اس سے فائدہ اٹھا سکتا ہے۔

۱۷۲۰۔ حَدَّثَنَا عَمْرُو بْنُ عَوْنٍ أَنَا خَالِدٌ عَنِ ابْنِ أَبِي حَيَّانَ التَّيْمِيِّ عَنْ

الْمُنْذِرِ بْنِ جَرِيرٍ قَالَ كُنْتُ مَعَ جَرِيرٍ بِالْبَوَازِيجِ فَجَاءَ الرَّاعِي بِالْبَقَرِ وَفِيهَا بَقَرَةٌ لَيْسَتْ مِنْهَا فَقَالَ لَهُ جَرِيرٌ مَا هٰذِهِ قَالَ لَحِقَتْ بِالْبَقَرِ لَا نَدْرِي لِمَنْ هِيَ فَقَالَ جَرِيرٌ أَخْرِجُوهَا سَمِعْتُ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ لَا يَأْوِي الضَّالَّةَ إِلَّا ضَالٌّ۔

منذر بن جریر رضؓ نے کہا کہ میں جریر رضؓ کے ساتھ بوازیج (علاقہ) میں تھا۔ چرواہا گائیں لے کر آیا تو ان میں ایک اور گائے تھی جو ان میں سے نہیں تھی۔ جریر رضؓ نے اس سے کہا: یہ کیسی ہے؟ اس نے کہا کہ یہ گائیوں کے ساتھ آ ملی تھی معلوم نہیں کس کی ہے۔ پس جریر رضؓ نے کہا کہ اسے نکال دو، میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ گم شدہ چیز کو وہی پناہ دیتا ہے جو گمراہ ہو (اس حدیث کو نسائی اور ابن ماجہ نے بھی روایت کیا۔ مسلم میں زید بن خالد جہنی سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد روایت کیا ہے کہ: جو شخص گم شدہ چیز کو اپنے ہاں داخل کرے وہ گمراہ ہے جب تک اس کا اعلان نہ کرے۔ بوازیج دجلہ کے قریب ایک شہر کا نام ہے۔ لیکن بقول بکری (معجم البلدان) صحیح لفظ بوازج ہے جو نواح مدینہ کے متصل تھا۔ اس کے متعلق کچھ اور بھی اقوال ہیں۔

کتاب الزکوٰۃ (اللقطہ) ختم ہوئی

فضل المعبود شرح سنن ابی داؤد جلد دوم ختم ہوئی

فالحمد للہ تعالیٰ علیٰ احسانہ

عالی مرتبت جناب مولانا عبد الحمید سواتی صاحب مہتمم جامعہ نصرۃ العلوم، گوجرانوالہ

اردو زبان میں علم حدیث کی اہم کتاب سنن ابی داؤد کے فقیہانہ ابواب و تراجم، اختصار سند، استخراج مسائل۔ تحلیل جزئیات ہمیشہ علماء کرام کے نزدیک بالعموم اور محدثین کرام کے نزدیک بالخصوص مورد بحث و مطمح نظر رہے ہیں۔ امام ابو داؤد رحمۃ اللہ نے اپنے جس مخصوص انداز میں صحیح و حسن اور بعض کمتر درجہ کی احادیث سے مسائل کا استخراج کیا ہے، اور تفہیم احکام و سنن کا کام کیا ہے، اور اسناد کی غامض بحث سے تعرض کیا ہے، وہ بڑی اہمیت رکھتی ہے۔ یہ عظیم کتاب تیسری صدی سے ہمیشہ معرض درس و تدریس میں رہی ہے۔ اس کے بے شمار حواشی و شروح لکھے گئے ہیں آخری دور میں علماء دیوبند میں سے حضرت مولانا خلیل احمد انبیٹھوی نے اس کی ایک بے مثال عربی شرح لکھی ہے، لیکن اس کے ساتھ ساتھ اس چیز کی شدید ضرورت محسوس کی جا رہی تھی کہ اردو زبان میں بھی اس عظیم کتاب کی کوئی جامع شرح ہو، اور سند کے ساتھ متن حدیث کا بھی کوئی معیاری ترجمہ ہو، سو بفضلہ تعالےٰ حضرت مولانا منظور احمد صاحب (استاذ دار العلوم الشہابیہ سیالکوٹ) نے اس ضرورت کو بکمال خوبی پورا کیا ہے۔ متن حدیث کا فصیح و بلیغ رواں دواں اردو زبان میں ترجمہ بیان کرنے کے بعد حدیث کی ضروری شرح اور فقہاء و اصحاب مذاہب کے مسالک اور توجیہ حدیث کے سلسلہ میں نہایت ہی مستند مواد بہتر انداز میں جمع کیا ہے۔ نیز دیگر شروح کے علاوہ علماء دیوبند رحمۃ اللہ علیہ نے جو شروح و حواشی اس کتاب پر لکھے ہیں ان کو خاص طور پر پیش نظر رکھا ہے اور مسلک حق کو خوب واضح کیا ہے۔

حضرت مولانا منظور احمد علماء دیوبند کے خوشہ چیں ہیں اور بالخصوص حضرت شیخ الاسلام مولانا شبیر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ صاحب فتح الملہم کے ارشد تلامذہ میں سے ہیں، قدیم و جدید علوم کے جامع ہیں، مختلف کالجوں اور بالخصوص اسلامیہ یونیورسٹی بہاولپور میں بھی کافی عرصہ استاذ رہے ہیں خاص طور پر علم حدیث سے شغف و اعتنا بہت زیادہ رہا ہے، اور اب بھی اسی فن سے زیادہ رغبت رکھتے ہیں، عربی، فارسی، اردو، انگلش زبانوں پر پورا عبور رکھتے ہیں۔ اور فی الواقع ایک عظیم معلم و استاذ ہیں۔ خدا کرے کہ یہ سلسلہ ان کے ہاتھ سے مکمل ہو، اور عام و خاص سب اس سے مستفید ہوں۔ اللہ تعالےٰ نے یہ سعادت مولانا منظور احمد صاحب کے حصہ میں رکھی تھی، مولانا نے مؤطا امام مالک کا ترجمہ اور شرح بھی مکمل کیا ہے، اور مسلم شریف کی شرح و ترجمہ زیر تکمیل ہے۔ اللہ تعالیٰ اس سلسلہ کو پایۂ تکمیل تک پہنچائے۔ اور اشاعت کا سامان پیدا فرمائے، تاکہ شائقین علم حدیث، مستفیدین اور انصاف پسند لوگوں کے لئے علم و آگہی کا بڑا ذخیرہ ہاتھ آئے،

اللہ تعالیٰ مولانا کے علم و عمل، اخلاق و اخلاص میں برکت عطا فرمائے اور دارین کی سعادتوں سے ہمکنار بنائے۔ آمین

احقر عبد الحمید سواتی

۱۳/ جمادی الاولیٰ ۱۴۰۸ ہجری